احیاء العلوم

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ

جلد سوم

مکتبہ رحمانیہ
اردو بازار لاہور

حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد غزالی رحمۃ اللہ

کے معرکہ آرا فکر انگیز مرقع ہدایت

احیاء علوم الدین

کا مستند اردو ترجمہ

مذاق العارفین

مصور

جلد سوم

ترجمہ

مولانا محمد احسن نانوتوی

عنوانات

مولانا سعید الرحمٰن علوی

مکتبہ رحمانیہ ۵ اردو بازار لاہور-۲

فون ۵۶۵۳۹

نام کتاب : احیاء العلوم

نام مصنّف : حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

نام مترجم : مولانا محمد احسن نانوتویؒ

عنوانات : مولانا سعید الرحمٰن علوی

ناشر : مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

پرنٹرز : زاہد بشیر پرنٹرز

قیمت مکمل ۴ جلد : ۳۰۰/- روپے

فہرست مضامین

احیاء العلوم اُردو جلد سوم

فہرست مضامین	صفحہ

قطعہ

اے چارہ نما بندہ پرور ٭ ہر دم ہے تجھ ہی سے استعانت
جلد ثالث کو کر دوں پوری ٭ یہ زور قلم میں کر عنایت

رباعی

گو حمد سے بہتر نہیں کوئی مذکور ٭ لا احصی کا مضمون بھی ہے لیکن مشہور
کیا نسبت خاک کو ہے با عالم پاک ٭ انسان جو کرے دعوی سراسر ہے قصور

دیباچہ

حمد اس خدا کو سزاوار ہے جس کے جلال کے ادراک میں دل اور خواطر سرگرداں ہیں۔ اور اس کے نور کی ادنیٰ تجلّی سے آنکھیں اور نظریں حیران سب رازہائے مخفی اور مکنونات ضمیر کو جانتا ہے اور اپنی سلطنت کی تدبیر میں مشیر و وزیر سے بے پروا۔ عیبوں کو چھپانا دلوں کو پھیر دینا اس کا کام ہے۔ اور غفار الذنوب اور ستار العیوب اس کا نام اور صلوٰۃ سلام حضرت شفیع المذنبین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ انہوں نے دین کی ابتری کو درست فرمایا اور بے دینوں کو جڑ سے اکھاڑا اور ان کی آل پاک اور صحابہ طیبین پر بہت سا سلام بعد حمد و صلوٰۃ کے معلوم کرنا چاہیے کہ شرف انسانی جس سے کہ اس کو اور مخلوقات پر فضیلت ہے وہ استعداد معرفت خدائے پاک ہے اور یہی معرفت دنیا میں جمال و کمال انسان ہے۔ اور آخرت میں اس کا ذخیرہ و سامان اور جو استعداد معرفت قلب کو مرحمت ہوئی اور کسی

عضو کو نہیں ہوتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ سے نزدیک ہونا اور اس کو پہچاننا اور اس کے لیئے کام کرنا اور اس کی طرف دوڑنا یہ سب کام قلب ہی کا ہے۔ اور اشیائے حضوری کا مکاشفہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ دوسرے اعضا اُس کے آلات اور تابع اور خدمت گار ہیں۔ وہ ان سے اس طرح کام لیتا ہے جیسے مالک غلام سے یا حاکم رعیت سے غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دل ہی مقبول ہے۔ اگر غیر اللہ سے محفوظ رہے۔ اور یہی مجوب بھی ہو جاتا ہے اگر غیر اللہ کی طرف بہت متوجہ ہو اور اسی سے باز پرس متعلق ہے۔ اور اسی کو اوامر اور نواہی کا خطاب ہے اور اسی پر عتاب اور یہی سعادت قرب الٰہی سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ پس اگر صفائی اور تزکیہ نصیب ہو گیا تو فلاح کو پہنچتا ہے اور اگر آلودگی میں پڑا رہا تو بدبختی اور ناامیدی کا مورد ہوتا ہے حاصل یہ کہ در حقیقت خدائے تعالیٰ کی اطاعت دل ہی کرتا ہے۔ اور اعضاء ظاہری میں صرف عبادت کے سبب نور پھیل جاتا ہے اور عصیان اور تمرد بھی دل ہی کا کام ہے۔ اور اس وقت اعضاء میں فحش اور برائیوں کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ اور اسی کی روشنی اور تاریکی سے ظاہر کے محاسن اور قبائح کا ظہور ہوتا ہے۔ کیونکہ برتن میں سے وہی نکلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے اور دل ایسی چیز ہے کہ آدمی جب اس کو جان لے تو اپنے نفس کا عالم ہو جاتا ہے۔ جس کے جاننے پر مدار خدائے تعالیٰ کی معرفت کا ہے اور اگر دل سے جاہل رہے تو نفس سے بھی جاہل رہتا ہے۔ اور نفس کی جہالت سے خدائے تعالیٰ کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ اس لیئے جو اپنے قلب ہی سے جاہل رہے تو غیر اللہ سے بطریق اولیٰ جاہل ہوگا۔ اور اکثر لوگ اپنے قلوب اور نفوس سے ناواقف ہیں اور ان کے بیچ میں اور ان کے نفسوں کے درمیان میں حجاب ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ یَحُوْلُ بین المرء وقلبہٖ[1]۔ اور خدا کا حائل ہونا اس طرح ہے کہ دل کو مشاہدہ اور مراقبہ اور ادراک صفات قلبی سے روک دے۔ اور یہ کیفیت نہ معلوم ہونے دے۔ کہ دل خدائے تعالیٰ کی دو انگلیوں میں کس طرح پھرتا رہتا ہے۔ اور یہ کہ کس طرح بعض اوقات اس کا میلان اسفل السافلین کی طرف ہو کر شیاطین کی حد تک پہنچتا ہے اور بعض اوقات اس کی رغبت اعلیٰ علیین کی طرف ہو کر عالم ملائکہ مقربین تک عروج کر جاتا ہے اور جو شخص اپنے قلب کا حال نہ جانے کہ اس کی نگہبانی اور محافظت کرے۔ اور خزائن ملکوتیہ جو اس پر وارد ہوتے ہیں۔ ان کا امیدوار رہے وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولٰئک ھم الفاسقون[2] اس سے معلوم ہوا قلب کا پہچاننا اور اس کے اوصاف کی حقیقت کو دریافت کرنا اصل دین اور بنیاد طریق سالکین ہے۔ اور ہم چونکہ نصف اوّل کتاب میں عبادات و معاملات متعلقہ اعضاء ظاہری کا حال لکھ چکے ہیں۔ جس کو علم ظاہر کہتے ہیں۔ اور وعدہ کر چکے ہیں کہ نصف ثانی میں صفات مہلکہ اور منجیات جو قلب پر جاری ہوتے ہیں اور جن کا نام علم باطن ہے۔ بیان کریں گے۔ اس لیئے ضروری ہوا کہ قبل تفصیل مہلکات اور منجیات کے دو باب لکھیں۔ اول میں عجائب صفات قلبی اور اخلاق کا مذکور ہو۔ اور دوم میں کیفیت ریاضت قلب اور اس کے اخلاق کی تہذیب کا مسطور اب ہم عجائب قلبی کو بطریق ضرب المثال ذکر کرتے ہیں کہ جلد سمجھ میں آوے ورنہ اس

---

[1] اللہ روک لیتا ہے آدمی سے اس کے دل کو ۱۲ [2] انہوں نے بھلا دیا اللہ کو پھر اسے بھلا دیئے ان کو جی یہی لوگ فاسق ہیں۔

کے عجائب و اسرار جو عالم ملکوت سے متعلق ہیں۔ اکثر سمجھ میں نہیں آتے۔

پہلا باب: دل کے عجائبات اور اس ضمن میں پندرہ ضروری باتیں

۱۔ نفس، روح، دل اور عقل کے معانی اور ان کی مراد

جاننا چاہیئے کہ ان چار دل لفظوں کا استعمال فصول مہلکات اور منجیات میں ہوتا ہے اور علماء میں سے ایسے لوگ کم ہیں جو ان الفاظ کے معانی کا اختلاف اور ان کا مصداق جانتے ہوں۔ اور اکثر غلطی اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ لوگ ان کے معنی نہیں جانتے اور نہ ان کے معانی مختلفہ میں مشترک آنے کا حال پہچانتے ہیں۔ لہٰذا ہم ان کے معانی وہ بیان کریں گے۔ جن سے ہماری غرض متعلق ہے۔ لفظ اوّل قلب ہے اس کے دو معنی ہیں۔ اوّل تو وہ گوشت کا ٹکڑا گاؤدم جو سینے کے بائیں جانب ہے اس کے بیچ میں خلو ہے جس میں سیاہ خون رہتا ہے۔ جو منبع اور معدن روح کا ہے۔ لیکن ہم کو اس کی شکل و کیفیت کا بیان کرنا مقصود نہیں اس سے غرض اطبا کی متعلق ہوتی ہے۔ دینی غرض سے اس سے کوئی متعلق نہیں اس طرح کا دل تو بہائم بلکہ مردہ میں بھی موجود ہوتا ہے۔ پس جب ذکر قلب کا اس کتاب میں آوے گا۔ تو اس سے یہ معنی مراد نہ ہوں گے۔ اس لیئے کہ ان معنی کے اعتبار سے تو دل ایک گوشت کا ٹکڑا بے قدر ہے۔ اور عالم محسوسات ظاہری سے ہے۔ یہاں تک کہ جانوروں کو بھی آنکھ سے سوجھ سکتا ہے۔ آدمیوں کا تو کیا ذکر ہے اور دوسرے معنی دل کے یہ ہیں کہ وہ ایک لطیفہ ربانی روحانی ہے۔ جس کو قلب جسمانی سے تعلق ہے۔ اور یہی لطیفہ حقیقت انسانی کہلاتا ہے اور مدرک اور عالم اور مخاطب اور معاتب یہی ہے اور اسی سے باز پرس ہے۔ اور وہ علاقہ جو اس لطیفہ کو قلب جسمانی سے ہے۔ اس کے ادراک میں اکثر لوگوں کی عقل حیران ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق قلب جسمانی سے ایسا ہے جیسا تعلق اعراض کا اجسام سے یا صفات کا اپنے موصوف سے یا تعلق کاریگر کا اپنے آلہ سے یا مکین کا مکان سے اور ہم جو اس وجہ کو نہیں بیان کرتے اس کے دو سبب ہیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ امر علوم مکاشفہ یعنی اسرار غیبی سے متعلق ہے۔ اور ہم کو اس کتاب میں صرف علوم معاملہ بیان کرنے مقصود ہیں۔ دوم یہ کہ اس کی تحقیق روح کے راز فاش ہونے پر موقوف ہے اور یہ وہ راز ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد نہیں فرمایا[1] پس دوسرے کو بھی لب کشائی اس باب میں نہ چاہیے۔ غرضیکہ اس کتاب میں جس جگہ ہم قلب لکھیں گے۔ اس سے یہی لطیفہ مراد ہو گا اور ہماری غرض بھی یہی ہے۔ کہ اس کے اوصاف اور احوال بیان کریں۔ اس کی حقیقت فی ذاتہ کا بیان کرنا منظور نہیں اس لیے کہ مدار علم معاملہ کا اس کے صفات اور حالات کے جاننے پر ہے اس میں کچھ ضرورت ذکر حقیقت کی نہیں پڑتی۔ دوسرا لفظ روح ہے۔ اس کے بھی دو معنی ہیں ایک یہ کہ روح ایک جسم لطیف ہے۔ جس کا منبع قلب جسمانی کا خلو ہے اور وہاں سے بذریعہ شریانوں کے تمام اعضاء بدن میں پھیلتی ہے اور

۱؎ صحیحین میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ یہود نے آپ سے سوال کیا روح کا تو آپ نے کچھ جواب نہیں دیا ۱۲۔

اس کا بدن میں پھیلنا اور حیات اور حواس خمسہ کا اعضا کو دینا ایسا ہے جیسا ایک چراغ کسی گھر میں رکھ دو اور اس سے چار طرف روشنی پھیل جاوے اور گھر کے اندر جس جگہ یہ روشنی جاوے وہاں اُجالا ہو جاوے پس روح بمنزلہ چراغ کے ہے اور حیات بمنزلہ نور کے اور روح کا باطن میں حرکت کرنا اور بدن میں ساری ہونا ایسا ہے جیسا چراغ مثلاً اطراف گھر میں پھر آجاوے۔ یہ معنی روح کے اصطلاح اطبا کی ہے۔ یعنی روح ایک بخار لطیف ہے جو حرارت قلب سے نضج پاتا ہے۔ پس ان معنوں کا بیان کرنا ہماری غرض سے نہیں۔ اس سے غرض اطبا کی متعلق ہے جو علاج بدن کرتے ہیں اور اطبا دین جو قلب کے معالج ہیں اس لئے ہوتے ہیں کہ اس کا جوار رب العالمین تک پہونچا دیں۔ وہ اس روح سے ذرا بھی بحث نہیں کرتے بلکہ ان کی غرض دوسرے معنی سے ہے اور روح کے دوسرے معنی یہ ہے کہ وہ ایک لطیفہ مدرکہ ہے انسان میں اور یہ وہی معنی ہیں جس کی شرح دوسرے معنی قلب میں ہم کر چکے ہیں یہی معنی مراد ہیں۔ اس آیت شریفہ میں قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اور یہ ایک ایسی عجیب ربانی شے ہے کہ جس کے کنہ حقیقت کے ادراک میں اکثر عقول و فہم عاجز ہیں تیسرا لفظ نفس ہے۔ یہ کئی معنوں میں مشترک بولا جاتا ہے۔ جن میں دو معنی ہمارے مقصود کے موافق ہیں اول یہ کہ نفس انسان وہ شے ہے۔ جو قوت غضب اور شہوت کی جامع ہے۔ اور اس کا بیان عنقریب آجاوے گا اہل تصوف میں یہ معنی اکثر شائع ہیں ان کے نزدیک نفس وہی ہے۔ جس میں صفات مذمومہ انسانی جمع ہیں اور اسی بنا پر وہ لوگ فرماتے ہیں کہ نفس پر مجاہدہ کرنا چاہیئے اور نفس کو خوب توڑنا چاہیئے اور اس حدیث شریف میں بھی کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ط۔ یہی معنی مراد ہیں دوسرے معنی نفس کے ہیں کہ نفس ایک لطیفہ ربانی ہے۔ جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور اس اعتبار سے واقع میں انسان وہی ہے اور نفس انسان بھی اسی کو سمجھنا چاہیئے۔ البتہ اتنا ہے کہ بحسب اختلاف احوال صفات مختلفہ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ پس جب شہوت سے مزاحمت کرتے ہیں۔ اس کا اضطراب دور ہو جاتا ہے اور فرمانبرداری میں ٹھہر جاتا ہے۔ تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ جس کے باب میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ۔ کیونکہ نفس کے اول معنی جو بیان ہوئے ان کے اعتبار سے اس کا اللہ کی طرف رجوع کرنا متصور نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے اور جماعت شیطان سے ہے اور جب اس کو سکون کامل نہیں ہوتا مگر نفس شہوانی کو روکنا رہتا ہے۔ اور اس پر اعتراض کرتا رہتا ہے۔ تو اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنے مالک کو عبادت مولیٰ میں قاصر پاکر ملامت کرتا ہے۔ اس کا ذکر بھی خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لا اقسم بالنفس اللوامہ۔ اور جب شہوانی کی روک نہ کرے۔ بلکہ مقتضائے شہوات اور حرکات شیطانی کا مطیع اور منقاد ہو جاوے تو اس کو امارہ بالسوء کہتے ہیں۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ یا عزیز مصر کی بی بی کے حال میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امارہ بالسوء سے مراد نفس باعتبار معنی اول ہو تو اس صورت میں نفس بمعنی اول نہایت

ا ت۔ تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے۔ ح۔ سب میں زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے ۱۲ بیہقی در کتاب الزاہد بروایت ابن عباسؓ اور اس میں محمد بن عبدالرحمن بن غزوان واضعین سے ہیں۔ ۱۲ ت ۳ اے چین پکڑے جی پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ۱۲ ت ۴ قسم کھاتا جی کی جو اُلاہنا دیتا ہے ت ۵۔ اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو جی تو سکھاتا ہے برائی۔

ہی برا ہے اور دوسرے معنی کی رو سے عمدہ ہے اس لیئے کہ وہ انہیں معنی کے اعتبار سے ذات وحقیقت انسانی ہے جو معرفت الٰہی و دیگر معلومات کی عالم ہے۔ چوتھا لفظ **عقل** ہے۔ اور وہ بھی معانی مختلفہ میں مشترک ہے جن کا بیان ہم باب العلم میں کر چکے ہیں۔ اور ان میں دو معنوں کے ساتھ ہماری غرض متعلق ہے اوّل تو یہ کہ کبھی عقل بولتے ہیں اور اس سے مقصود علم حقائق امور کا ہوتا ہے اس صورت میں عقل صفت علمیہ ہو گی۔ جس کا محل قلب ہے دوسرے یہ کہ کبھی عقل بکتے ہیں اور اس سے مراد مدرک علوم ہوتی ہے۔ اس صورت میں عقل بھی وہی لطیفہ مذکورۂ بالا ہو گی۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں جو عالم ہے وہ بنفسہ موجود اور قائم بذات خود ہے اور صفت علم اس میں حلول کی ہوئی ہے اور صفت غیر ہوتی ہے اپنے موصوف کی پس عقل سے کبھی تو یہ صفت علم مراد ہوتی ہے۔ اور کبھی محل ادراک یعنی موصوف اس صفت کا مراد ہوتا ہے اور یہی معنی ہیں عقل کے اس حدیث شریف میں کہ اوّل ما خلق اللہ العقل کیونکہ صفت علم تو قائم بالذات نہیں ایک عرض ہے اس کا اوّل مخلوق ہونا کیسے سمجھا جاوے تو ضروری ہے کہ اس کا محل اس سے پہلے یا اس کے ساتھ مخلوق ہو ورنہ خطاب کس طرح ممکن ہو گا جو اسی حدیث میں مذکور ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس کو فرمایا کہ سامنے آتو سامنے آئی۔ پھر فرمایا پشت پھیری اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں عقل سے محل صفت علمی مراد ہے۔ اب معلوم کرنا چاہیئے کہ ان چاروں الفاظ قلب ونفس وروح وعقل کے مدلول جدا جدا موجود ہیں۔ یعنی قلب جسمانی اور روح جسمانی اور نفس شہوانی اور علوم اور پانچویں معنی یعنی لطیفہ مدرکہ انسانی وہ ان چاروں لفظوں میں مشترک ہے۔ اس صورت میں چار ہوئے اور معنی پانچ اور ہر لفظ کے دو دو معنی ہوئے اور چونکہ اکثر علماء پر ان الفاظ کا اختلاف اور اشتراک مشتبہ ہو گیا ہے اسی جہت سے وہ خواطر میں لکھتے ہیں کہ یہ خاطر قلب ہے۔ اور یہ خاطر نفس ہے اور یہ خاطر روح ہے۔ مگر ناظر کو ان چیزوں میں کچھ معانی کا اختلاف معلوم نہیں ہوتا۔ اسی قباحت کے دور کرنے کے لئے ہم نے ان الفاظ کی شرح اوّل کر دی اور جہاں کہیں قرآن مجید یا حدیث شریف میں لفظ قلب واقع ہے پس اس سے مراد وہ چیز ہے جو انسان میں سمجھتی ہے۔ اور حقیقت اشیا کو معلوم کرتی ہے اور اس کو کنایۃً اس قلب پر بولتے ہیں جو آدمی کے سینہ میں ہے کیونکہ اس لطیفہ اور جسم قلب میں ایک علاقہ خاص ہے اور اگرچہ وہ تمام بدن سے متعلق ہے اور سب اعضا سے کام لیتا ہے۔ لیکن تعلق اس کا اعضا سے بالواسطہ قلب کے ہے۔ یعنی لطیفہ مذکورہ کا تعلق اول قلب جسمانی ہی سے ہے۔ گویا کہ قلب جسمانی اس کا محل اور دار السلطنت اور مرکب ہے اور اسی جہت سے سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے قلب جسمانی کو عرش سے اور سینہ کو کرسی سے تشبیہ دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ قلب عرش ہے اور صدر کرسی ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کی غرض یہ ہے کہ قلب عرش خدا کا ہے اور صدر اس کی کرسی ہے۔ کیونکہ یہ امر تو محال ہے بلکہ مراد ان کی یہ ہے کہ قلب جسمانی اور صدر لطیفہ قلبی کے لیئے دار السلطنت اور تخت گاہ ہیں کہ اوّل اس کا تصرّف یہاں ہی سے شروع ہوتا ہے۔ غرضیکہ قلب جسمانی اور صدر کو لطیفہ قلبی سے وہ نسبت ہے جو عرش وکرسی کو ہے خدائے پاک اور یہ تشبیہ بھی صرف بعض وجوہ سے درست بیٹھتی ہے۔ اور چونکہ اس سے ہماری غرض متعلق نہیں اس لیئے فروگذاشت کرتے ہیں۔

ح ا سب سے پہلے خدائے تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا۔ اور اس کی اسناد باب العلم میں گزری ۱۲

دل کے لشکر

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لشکر قلوب اور ارواح اور دوسرے عالموں میں اتنے ہیں کہ ان کی حقیقت اور گنتی سوا اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ وما یعلم جنود ربك الا ھو۔ اور ہم اب بعض لشکر قلب کے بیان کرتے ہیں کیونکہ ہماری غرض قلب ہی سے متعلق ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ قلب کے دو لشکر ہیں ایک وہ جو ظاہری آنکھ سے محسوس ہوتا ہے اور ایک وہ جو عقل کی آنکھ سے سوجھتا ہے اور وہ دونوں قلب کے لیئے بمنزلہ خادم اور مددگار کے ہیں اور اور یہاں لشکر کے یہی معنی ہیں پس وہ لشکر جو ظاہری آنکھ سے سوجھتا ہے وہ ہاتھ پاؤں زبان آنکھ کان ناک اور تمام اعضاء ظاہری اور باطنی ہیں۔ کہ سب کے سب اس کے خادم اور مسخر ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے یہ سب اسی کی اطاعت کے لیئے پیدا ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے خلاف کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ اس سے منحرف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آنکھ کو حکم کھلنے کا کرتا ہے کھل جاتی ہے۔ اور پاؤں کو چلنے کا کرتا ہے تو چلنے لگتا ہے زبان کو بولنے کے لیئے حکم ناطق دیتا ہے تو بولنے لگتی ہے اور اسی طرح تمام اعضا کا حال ہے اور اعضاء اور حواس کا مطیع ہونا قلب کے لیئے من وجہ ایسا ہے جیسا فرشتے اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں کہ وہ بھی اطاعت الٰہی کے لیئے مخلوق ہیں خلاف کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ ان کا حال یہ ہے لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ البتہ ایک بات کا فرق ہے کہ فرشتے اپنی اطاعت اور امر الٰہی کی بجا آوری کے عالم بھی ہوتے ہیں اور اعضا میں یہ بات نہیں مثلاً آنکھ کی پلکیں کھلنے اور بند ہونے میں اطاعت قلب کی نوکرتی ہیں مگر ان کو مطلق نہ اپنے وجود کی خبر ہے اور نہ اس کی اطاعت کی خبر اور چونکہ قلب کو حاجت سواری اور اور زاد راہ کی اس سفر کے لیئے ہوتی ہے۔ جس کے لیئے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی سفر معرفت الٰہی اور قطع منازل دیدار رحمانی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے [1] وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ اسی لیئے اس کو ان اعوان اور مددگاروں کی حاجت پڑی ان میں سے اس کی سواری تو بدن ہے اور زاد راہ علم ہے اور جن اسباب سے کہ یہ زاد راہ تک پہنچ کر توشہ حاصل کرتا ہے۔ وہ اعمال نیک ہیں اور بندہ کے لیئے ممکن نہیں کہ راہ سلوک الی اللہ بدون سکونت بدن اور بسر کرنے دنیا کے حاصل ہو سکے۔ کیونکہ بڑی منزل تک پہنچنے کے لیئے چھوٹی منزل کا قطع کرنا ضروری ہے۔ اور اسی بنا پر [2] الدنیا مزرعۃ الآخرۃ واقع ہوا ہے۔ گو دنیا بھی ایک منزل ہدایت ہے۔ اور اس کا دنیا اس وجہ سے نام ہوا کہ قدرت و منزلت میں اس دوسری منزل سے کم ہے۔ غرضیکہ قلب کو ضروری ہے کہ اس عالم میں زاد راہ حاصل کرے۔ اور بدن وہ سواری ہے۔ جس کے باعث اس دنیا پہنچ جاتا ہے (پس اس کی حفاظت اور کفالت بھی ضرور ہوئی) اور اس کی حفاظت اس طرح ہے کہ جو غذا وغیرہ اس کے موافق ہے۔ وہ اس کو دی جاوے اور جو اسباب اس کے ہلاک کے ہوں وہ اس سے دور کیئے جاویں اس اعتبار سے حصول غذا کے لیئے دو خادموں کی حاجت ہوئی ایک باطنی جس کا نام بھوک اور خواہش ہے اور ایک ظاہری یعنی ہاتھ وغیرہ اعضا جن سے غذا حاصل ہو اس لیئے قلب میں بقدر حاجت خواہش بھی پیدا کی گئی اور اعضا جو بذریعہ خواہش ہیں وہ بھی

[1] اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر وہی آپ ۱۲ ت [2] بے حکمی نہیں کرتے اللہ کی جو بات ان کو فرمائی اور وہی کرتے ہیں جو حکم ہو ۱۲ ت [3] اور میں نے بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو ۱۲ ت [4] دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۱۲

عنایت ہوئے انہیں اسی مہلکات سے بچنے کے لئے دو لشکروں کی ضرورت آئی ایک باطنی جس کو غضب کہتے ہیں اور جس کے باعث دشمنوں سے انتقام لیتا ہے اور مہلکات کو دور کرتا ہے۔ اور ایک ظاہری یعنی ہاتھ اور پاؤں وغیرہ جن سے غضب کے وقت حسب مقتضائے غضب کام لیتا ہے گویا ان اعضا کا وجود بدن میں مثل ہتھیاروں کے ہے اب جو شخص محتاج غذا کا ہے اس کو غذا کا حال معلوم نہ ہو تو صرف محبت غذا اور بھوک سے کام نہ چلے گا۔ اس لئے قلب کو غذا کے پہچاننے کے لئے دو خادموں کی ضرورت ہوئی۔ ایک باطنی یعنی ادراک حواس خمسہ ظاہری کا اور ایک ظاہری یعنی مواضع حواس خمسہ ظاہری کے کہ کان و آنکھ و ناک وغیرہ ہیں۔ اور قلب کو جو ان اشیاء کی حاجت ہے اس کی وجہ مفصل اور یہ کہ اس میں کیا حکمت ہے اتنا طول کلام چاہتی ہے کہ بہت سی جلدوں میں بھی بیان نہ ہو سکے۔ اور ہم نے کچھ تھوڑا سا باب الشکر میں لکھا ہے۔ اس پر اکتفا کی جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ قلب کے خادم تین قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ اس کو کسی شے کی طرف رغبت دلاویں خواہ حصول نفع کی طرف مثل بھوک کے۔ خواہ ضرر دور کرنے کی طرف مثل غضب کے اس قسم کے خادم کو ارادہ بھی کہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو حصول مقصود کے لئے اعضا کو حرکت دیتی ہے اس کو قدرت و طاقت کہتے ہیں جو تمام اعضا خصوصاً رگ و پے میں پھیلی ہوئی ہے تیسری قسم جاسوسوں کی طرح مدرک اور پہچاننے والی ان اشیاء کی ہے۔ وہ قوت دیکھنے اور سونگھنے اور سننے اور چکھنے اور چھونے کی ہے۔ جو اعضائے معینہ میں موجود ہے۔ اس قسم کا نام علم ادراک ہے۔ اور ان باطنی لشکروں میں سے ہر ایک کے ساتھ ظاہری لشکر بھی ہیں۔ یعنی اعضا مرکب گوشت و پوست و چربی و خون و ہڈی وغیرہ سے یہ اعضا آلات و اسباب پہلے لشکروں کے ہیں۔ مثلاً قوت گرفت انگلیوں سے متعلق ہے اور قوت بینائی آنکھ میں ہے۔ اور علی ہذا القیاس اور قوی کو سمجھنا چاہئے اور ہم کو اعضاء ظاہری سے بحث نہیں۔ کیونکہ یہ عالم ظاہری سے ہیں۔ بلکہ ہم ان اعوان میں قلبی کا ذکر کرتے ہیں۔ جو آنکھ سے نہیں سوجھتے۔ اور ان سب میں قسم سوم ہے۔ یعنی قوائے مدرک اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جس کا ٹھکانا اعضا ظاہری میں ہے یعنی حواس خمسہ ظاہری جو متعلق اعضاء ظاہری آنکھ کان ناک وغیرہ سے ہیں اور ایک وہ جن کا مسکن منازل باطنی میں ہے یعنی دماغ کی تجویفوں میں اور یہ بھی پانچ ہیں اس لئے کہ آدمی کسی چیز کو دیکھ کر جو اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ تو اس شے کی تصویر اپنے نفس میں پاتا ہے۔ اس کو خیال کہتے ہیں پھر یہ صورت بعض باتیں یا درکھنے سے اس کے ساتھ رہتی ہے وہ حافظہ کہلائے پھر یاد کی چیز کو سوچتا ہے۔ اور بعض کو بعض سے ملاتا ہے اور جو بھولا ہوا ہوتا ہے وہ یاد آجاتا ہے اور جو صورت جوں کی توں نفس میں ہو جاتی ہے پھر محسوسات کی سب باتوں کو حس مشترک سے اپنے خیال میں جمع کر لیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ باطن میں یہ قوتیں ہیں۔ حس مشترک اور خیال اور فکر اور ذکر اور حفظ اور اگر خدائے تعالیٰ قوت حفظ اور فکر اور ذکر اور خیال پیدا نہ فرماتا تو دماغ ان چیزوں سے خالی ہوتا۔ جیسے اب ہاتھ پاؤں وغیرہ ان سے خالی ہیں۔ غرض کہ جیسے یہ قوی باطنی اسی طرح ان کی جگہیں بھی باطنی ہیں ف مترجم کہتا ہے کہ اطباء کے نزدیک جو حواس خمسہ باطنی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں اور نام بھی ان کے مشہور ہیں مصنف رح نے جو تبدیلی کی ہے نہ معلوم کس رعایت سے کی ہے ان کی تقریر کا ترجمہ کر دیا گیا ہے بس یہ اقسام ہیں۔ قلب کے لشکروں کے اور ان کا بیان اس طرح کہ کم علموں

کی بھی سمجھ میں آ جاوے طول چاہتا ہے اور گو اس جیسی کتاب میں غرض یہی ہے کہ منتہی لوگوں کو نفع ہو پھر بھی ہم مثالیں لکھ لکھ کر ایسا بیان کرتے ہیں۔ جس کو مبتدی بھی سمجھ سکیں۔

دل کے باطنی خدام

جاننا چاہیئے کہ قلب کے دو خادم غضب اور شہوت کبھی اس کی فرمانبرداری بدرجۂ اتم کرتے ہیں تو اس وقت قلب کو سلوک میں ان سے مدد ملتی ہے بلکہ ان دونوں کو اپنے سفر الی اللہ میں اچھا رفیق سمجھتا ہے اور کبھی یہ دونوں اس کی نافرمانی کر کے اس سے باغی ہو جاتے ہیں تو یہ نوبت پہونچتی ہے کہ اسی کو غلام کر لیتے ہیں اور موجب اس کی بربادی کا ہوتے ہیں اور جس سفر سے کہ اس کو سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے اس سے باز رہتا ہے مگر اس کے مددگار اور بھی ہیں۔ جن کو علم اور حکمت اور تفکر کہتے ہیں اور ان کا بیان عنقریب آتا ہے۔ پس ایسے وقت نازک میں قلب کو مناسب ہے کہ ان کی مددگاروں سے جو اللہ کے گروہ کہلاتے ہیں ان دونوں خادموں کے مقابلہ کے لئے استعانت چاہیئے اس لئے وہ دونوں کبھی شیطان کی جماعت میں مل جاتے ہیں اور قلب کو دباتے ہیں پس اگر قلب نے استعانت نہ کی اور غضب اور شہوت کا مطیع ہو گیا۔ تو بھی صورت ہلاکی اور نقصان بیّن کی ہے اور اکثر لوگوں کا یہی حال دیکھا جاتا ہے کہ ان کی عقلیں شہوت کے پورا کرنے کے لئے بیسیوں حیلے ڈھونڈھتی ہیں اور مناسب یوں تھا کہ عقل کی ضروریات میں شہوت اس کی مطیع رہتی۔ اب ہم ناظرین کے سمجھانے کے لیئے اس کی توضیح تین مثالوں سے کرتے ہیں **مثال اوّل** فرض کرو کہ نفس انسانی یعنی لطیفہ مذکورۂ بالا بادشاہ ہے اور بدن اس کا شہر اور دارالسلطنت اور جوارح اور قویٰ اس کے کارکن اور عملہ اور قوّت عقلیہ اس کا وزیر خیر خواہ باتدبیر ہے اور غضب اس شہر کا کوتوال ہے اور شہوت اس کا غلام بدسرشت جو اس شہر میں کھانا وغیرہ لایا کرتا ہے اور بڑا مکار جھوٹا فریبی پلید ہے۔ کہ خیر خواہ ہونے کی صورت میں آ کر بظاہر خیر خواہی کرتا ہے مگر اس کی خیر خواہی میں سراسر فساد اور زہر قاتل ہے اور اس کی عادت یہ ٹھہر گئی ہے کہ وزیر باتدبیر کے ساتھ اس کی تجویزوں میں نزاع کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ کوئی گھڑی اس کے نزاع سے خالی نہیں رہتی پس ایسی صورت میں اگر بادشاہ اپنے امور سلطنت میں وزیر کے مشوروں پر چلے گا اور اس غلام پلید کے کہنے سے روگرداں رہے گا۔ اور یہ بات ٹھان لے گا کہ اس کے خلاف ہی میں بہتری ہے۔ اور اپنے وزیر کی خاطر داری سے کوتوال کو بھی تادیب کرے گا اور وزیر کی طرف ہو کر اس کو اس غلام خبیث اور اس کے تابعین پر معین فرمائے گا تاکہ غلام مذکور اپنے درجہ سے بڑھنے نہ پاوے مغلوب اور محکوم بنا رہے زیادہ منھ نہ لگے۔ تو ظاہر کہ بادشاہی انتظام بہت درستی اور عدل کے ساتھ ہو گا اسی طرح اگر نفس عقل سے استعانت لے گا اور غضب کی تادیب کر کے اس کو شہوت پر مسلط رکھے گا اور کبھی غضب کو کم کرنے کے لیئے شہوت سے مدد چاہے گا اور کبھی شہوت کو دبانے کے لیئے غضب کو اس پر مسلط کر کے مقتضیات شہوت کو برا سمجھے گا۔ تو اس کے قویٰ سب درجہ اعتدال پر رہیں گے اور اس کے اخلاق سب بہتر ہوں گے اور اگر اس طریق

سے عدول کرے گا۔ تو ان لوگوں میں سے ہو گا جن کی شان میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَرَاَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ عَلٰی عِلۡمٍ[ت۱] یا یہ ارشاد ہے وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الۡكَلۡبِ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَثۡ ..... اور جو شخص کہ نفس کو شہوت سے روکتا ہے اس کے حق میں یوں ارشاد ہے۔[ت۲] واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوٰی فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِیَ الۡمَاۡوٰی ... اور کیفیت ان چیزوں کے ساتھ مجاہدہ کی اور ایک کو دوسرے پر مسلط کرنے کی انشاء اللہ عنقریب باب ریاضت نفس میں آوے گی۔ **دوسری مثال**۔ فرض کرو کہ بدن ایک شہر ہے اور اس کا حاکم مدبر عقل ہے۔ یعنی وہ چیز جو انسان کی مدرک ہے۔ اور حواس ظاہری اور باطنی اس کے لشکر اور اعوان ہیں اور اعضا اس کی رعیت اور نفس امارہ یعنی شہوت اور غضب اس کا دشمن کہ اس کی سلطنت کا خواہاں ہے اور رعیت کو تباہ کیا چاہتا ہے تو اب بدن کو ایک مورچہ جاننا چاہیئے۔ جس میں بادشاہ خود حفاظت کے لیئے موجود ہے۔ پس اگر اپنے دشمن سے لڑ کر بھگا دے گا۔ یا مغلوب کرلے گا تو اس کا کام دربار اعلیٰ میں پسند ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ۔ اور اگر اس مورچہ کو کھو بیٹھے گا اور اپنی رعیت کو بیکار کردے گا۔ تو خدا کے نزدیک مذموم ہو گا۔ اور اس کی سزا اس کو دی جاوے گی۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ ایسے شخص سے قیامت کو یوں کہا جائے گا اے خبیث نگہبان تونے گوشت کھایا اور دودھ پیا مگر گم ہوئی چیز کا ٹھکانا نہ لگایا۔ اور شکستہ کو درست نہ کیا آج میں تجھ سے عوض لوں گا اور اسی مجاہدہ کی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں کہ رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر **تیسری مثال** عقل کو ایک سوار سمجھنا چاہیئے جس کا ارادہ شکار کا ہے اور شہوت کو اس کا گھوڑا اور غضب کو اس کا کتا خیال کرنا چاہیے پس اگر سوار حاذق اور ماہر ہو گا اور گھوڑا بھی سدھا ہوا اور کتا بھی تعلیم یافتہ بہتنک اپنے مقصود کو پہنچے گا اور جب سوار بذات خود فن سواری سے جاہل ہو گا۔ اور گھوڑا سرکش اور کتا دیوانہ تو نہ گھوڑا ہی اس کا کہنا کرے گا اور نہ کتا اشارہ پر چلے گا پس ایسے شخص کو شکار کا ملنا تو درکنار اپنی جان ہی بچانی دشوار ہو گی اس مثال میں سوار کو سواری نہ آنے کی مثال انسان کی جہالت اور قلت حکمت اور کمی بصیرت کی ہے اور گھوڑے کی سرکشی مثل غلبۂ شہوت کے خصوصاً شہوت شکم اور شرمگاہ کی اور کتے کی دیوانگی مثل غلبۂ غضب کے ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے ان کو بچاوے۔

انسانی دل کی خصوصیات

واضح ہو کہ جس قدر چیزیں ہم نے اعضا و حواس سے بیان کی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانات کو بھی دی ہیں مثلاً

ت۱ بھلا دیکھو تو جس نے ٹھہرایا اپنا حاکم اپنے چاؤ کو اور راہ سے کھویا اس نے اللہ کو جانتا بوجھتا ۱۲ ت۲ اور چلا اپنے چاؤ پر تو اس کا حال جیسے کتا اس پر تو لاوے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے ۱۲۔ ت۳ اور جو کوئی ڈرا اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے سے اور روکا جی کو چاؤ سے تو بہشت ہی ہے ٹھکانا ۱۲ ت۴ اللہ نے بڑائی دی درجہ میں لڑنے والوں کو اپنے مال اور جان سے ان پر جو بیٹھتے ہیں ۱۲ ح اس حدیث کا مجھ کو پتہ نہیں ملا۔ ح۶ چھوٹے جہاد سے ہم بڑے جہاد کی طرف پھرے ۱۲ بیہقی در کتاب الزھد بروایت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کہا کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے ۱۲

شہوت اور غضب اور حواس ظاہری و باطنی سب حیوانوں کو بھی حاصل ہیں دیکھو جب بکری بھیڑیے کو آنکھ سے دیکھتی ہے تو اس کی عداوت دل سے معلوم کرکے فوراً بھاگتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حیوان کو بھی ادراک باطنی موجود ہے۔ پس اب ہم وہ چیز ذکر کرتے ہیں جو خالص ذکر انسانی میں پائی جاوے اور جس کے باعث اس کو شرف اور تقرب الی اللہ کی لیاقت ہے اور وہ دو باتیں ہیں ایک علم اور دوسرا ارادہ علم جو امور دنیوی اور اخروی اور حقائق عقلی کا ہے۔ کہ یہ امور نہ محسوسات کی حد میں داخل ہیں اور نہ حیوانات کو ان میں انسان کے ساتھ شرکت بلکہ علوم کلیہ بدیہی بھی خواص عقل انسانی سے ہیں مثلاً انسان یہ حکم کرتا ہے کہ ایک شخص کا دو مکانوں میں ہونا ایک ہی حالت میں غیر ممکن ہے۔ پس یہ حکم ہر شخص کے واسطے ہے گویا اس نے دنیا کے بعض ہی اشخاص دیکھے ہیں ایسی صورت میں اس کا حکم کر دینا جمیع اشخاص پر اس کی حس کے ادراک سے زائد ہے اور جب علم خاص بدیہی میں یہ امر سمجھ چکے تو اور تمام نظریات میں اور بھی ظاہر تر ہے اور ارادہ سے یہ غرض ہے کہ جب انسان عقل سے انجام کار کو سوچتا ہے اور اس میں بہتری معلوم ہوتی ہے تو اس کی طبیعت میں ایک شوق اس بہتری کا اور اس کے لوازم کے حاصل کرنے کا پیدا ہوتا ہے اس کو ارادہ کہتے ہیں اور یہ ارادہ وہ نہیں جو ارادہ شہوت یا ارادہ حیوانات کا ہوتا ہے بلکہ یہ ارادہ شہوت کے ارادہ کی ضد ہے۔ مثلاً شہوت فصد اور پچھنے سے نفرت کرتی ہے مگر عقل اس کا ارادہ کرتی ہے اور اس کے لیئے مال تک خرچ کرتی ہے یا بیماری کی حالت میں شہوت کا میل لذیذ کھانوں کی طرف ہوتا ہے اور عاقل آدمی اپنے نفس میں ان سے ایک مانع پاتا ہے اور یہ مانع شہوت کی طرف سے نہیں اور اگر خدا تعالیٰ عقل کو تو پیدا فرماتا جس سے انجام کار سوجھتا ہے اور اس ارادہ کو پیدا نہ فرماتا۔ جس کے باعث حرکت اعضا کی عقل کے حکم کے موجب ہوتی ہے تو عقل کا حکم بے فائدہ محض ہوتا غرضیکہ قلب انسانی میں وہ علم و ارادہ ہے جو تمام حیوانات میں نہیں بلکہ اوّل لڑکوں میں بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ارادہ ان میں بعد بلوغ کے پیدا ہوتا ہے اور شہوت اور غضب اور حواس ظاہری و باطنی ان میں سب موجود ہوتے ہیں۔ ہاں ان علوم کے حاصل ہونے کے لڑکے میں دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ اس کے دل میں علم بدیہی باتوں کا آجاوے۔ مثلاً جن چیزوں کا وجود ظاہر میں نہیں ہو سکتا ان کا محال جاننا یا ممکنات ظاہری کا جائز سمجھنا تو اس صورت میں تو علوم نظریہ تو حاصل نہ ہوں گے مگر ان کے حصول کے قریب ہو جاوے گا اور اس کا حال علوم نظریہ میں ایسا ہو گا جیسا کوئی کاتب کہ کتابت مرکبات سے تو عاری ہے مگر مفردات حروف اور دوات و قلم کو جانتا ہے اس طرح کا کاتب اگرچہ درجہ کتابت پر نہیں پہنچا مگر اس کے قریب ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ علوم اس کو اکتساب اور تجربہ او فکر سے حاصل ہو ویں اور ان کا مخزن اس کے پاس رہے جب چاہے ان کی طرف رجوع کرے۔ تو ایسے شخص کا حال کاتب حاذق کا سا ہے کہ گو وہ بالفعل لکھتا نہ ہو مگر اس کو کاتب کہیں گے کیونکہ وہ کتابت پر ہر وقت قدرت رکھتا ہے اور یہ مرتبہ علوم کا انسانیت کے مدارج میں سے اعلیٰ درجہ ہے لیکن اس درجہ میں مراتب غیر متناہی ہیں کہ ان میں لوگ کثرت اور قلت معلومات کے باعث یا شرافت اور محنت معلومات کی جہت سے متفاوت ہیں اور نیز طریق حصول میں بھی تفاوت ہوتا ہے کہ بعض قلوب کو اوّل ہی

دہلہ میں بسبیل مکاشفہ الہام الٰہی سے حاصل ہو جاتے ہیں اور بعض کو نوبت اکتساب اور تعلیم کی پہنچتی ہے پھر بعضے سریع الفہم ہوتے ہیں اور بعضے بطی الحصول اور اس مقام میں درجات انبیاء و علما اور اولیا و حکما کے مختلف ہیں اور درجات ترقی کی کچھ انتہا نہیں اس لیئے کہ معلومات الٰہی کی کچھ حد نہیں اور سب میں اعلیٰ رتبہ اس نبی کا ہوتا ہے جس پر سب حقیقتیں بلا اکتساب و مکلف صرف مکاشفہ الٰہی سے بہت جلد منکشف ہو جائیں اور اسی سعادت سے بندہ کو خداوند پاک سے قرب معنوی اور حقیقی اور وصفی ہوتا ہے۔ مگر قرب مکانی اور نزدیکی مسافت نہیں ہوتی اور ان درجات میں ترقی کرنی سالکین الی اللہ کی منزلیں کہلاتی ہیں۔ اور ان منازل کی کچھ حد نہیں بلکہ ہر سالک کو جس منزل پر وہ پہنچتا ہے اس کا اور اس کے نیچے کی منزلوں کا حال معلوم رہتا ہے جو منزلیں اس کے آگے ہیں ان کے علماً تو نہیں جانتا مگر کبھی ایماناً بالغیب ان کی تصدیق کرتا ہے جیسے ہم نبوت اور نبی پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے وجود کی تصدیق کرتے ہیں مگر حقیقت نبوت کو سوائے نبی کے دوسرا نہیں جانتا اور جس طرح کہ پیٹ کے بچہ کو شیر خوار کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اور شیر خوار کو تمیز دار لڑکے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اس کو کیا کیا بدیہی باتیں حاصل ہو گئی ہیں۔ اور تمیز دار کو عاقل کا حال معلوم نہیں ہوتا کہ علوم نظریہ سے اس نے کیا سیکھا ہے اسی طرح عاقل کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاؑ اور انبیاؑ پر کیا کیا الطاف و رحمت زیادہ فرمائی ہیں ؎ ما یفتح اللہ للناس من رحمتہ فلا ممسک لہا۔ اور رحمت بموجب جود اور کرم خداوندی کے عام ہے کسی کے ساتھ اس کی طرف سے بخل نہیں مگر ظہور اس رحمت کا ان دلوں میں ہوتا ہے جو نفحات رحمت کی تاک لگائے رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا ہے ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لہا۔ اور ان پر تاک لگانا اس طرح ہے کہ دل کو پاک رکھیں اور خبث و کدورت جو اخلاق مذمومہ سے ہوتی ہے اس سے اجتناب کریں جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آنے والا ہے۔ اور خدائے پاک کے اسی جود کی طرف اشارہ ہے حدیث شریف میں ہے

اور اس حدیث قدسی میں

اور اس حدیث قدسی میں

ان سب احادیث منبرکہ سے یہ معلوم ہوا کہ انوار علوم جو دلوں سے پوشیدہ رہتے ہیں تو منعم حقیقی کی طرف سے کچھ بخل اور روک نہیں بلکہ خبث اور کدورت جو دلوں میں رہتی ہے۔ وہی بحث حجاب انوار معرفت الٰہی ہوتی ہے کیونکہ دلوں کا حال برتن کا سا ہے۔ جب تک برتن میں پانی بھرا رہے گا اس میں ہوا نہیں جا سکے گی اس طرح جب دل غیر اللہ سے مشغول رہے گا۔ اس میں معرفت نہ جا سکے گی۔ اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے اس

؎ خدا تعالیٰ ہر ایک رات میں آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں ۱۲ بخاری و مسلم سے بروایت ابی ہریرہ ابو سعید ح ۱۲ ابرار کا شوق میری ملاقات کے لیئے بہت ہے اور میں ان کا ملاقات کا زیادہ مشتاق ہوں ۱۲ مجھ کو اس کا پتہ نہیں ملا مگر ابو منصور الدیلمی نے اس کو روایت بو الدرادی کو کیا ہے۔ ح ؎ جو میری طرف ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک بالشت نزدیک ہوتا ہوں ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ ؓ جو کھول دے اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ رحمت عمر تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا۔ ؎ خدا تعالیٰ کی رحمت کی بہت سی لپیٹیں ہیں تمہاری زندگی کے ایام میں پس تم ان کی تاک میں رہو باب الصلوۃ میں گزرا ہے

حدیث شریف میں ہے۔ لولا ان الشیطن یحومون علی قلوب بنی آدم نظروا الی ملکوت السمآء ۔ خلاصہ اس سب بیان کا یہ ہوا کہ خاصیت انسان علم اور حکمت ہے اور اشرف العلوم علم اللہ جل شانہٗ اور اس کی صفات اور افعال کا ہے جس میں کمال انسانی ہے اور اس کمال کے باعث سعادت اور لیاقت حضوری حضرت رب العزت اس کو حاصل ہوتی ہے ۔ غرض کہ بدن نفس کی سواری ہے اور نفس محل ہے اور علم انسان کا مقصود اور اس کی خاصیت ہے ۔ کہ جس کے واسطے پیدا ہوا ہے ۔ اور جس طرح یہ گھوڑا بوجھ اٹھانے میں گدھے کا شریک ہے اور خوبصورتی اور دوڑ دھوپ میں اس سے خاص ہے تو گویا گھوڑے کی خاصیت یہی ہے اور اسی کے لئے پیدا ہتوا ہے۔ پس اگر اس بات سے عاری ہوگا ۔ تو گدھے کے درجہ کو پہنچ جائے گا۔ اسی طرح انسان بہت سی باتوں میں گھوڑے اور گدھے کا شریک ہے مگر جو خاصیت انسانی ہے اس کے باعث ان دونوں سے ممتاز ہے اور یہ خاصیت ملائکہ مقربین کے اوصاف میں سے ہے اور انسان کا رتبہ بہائم اور ملائکہ کے درمیان میں ہے اس لئے کہ انسان باعتبار غذا اور نشوونما کے تو سبزہ ہے اور حس و حرکت اختیاری کی جہت سے حیوان ہے اور صورت قد و قامت کے اعتبار سے مثل نقش دیوار ہے لیکن خاصیت اس کی حقائق اشیاء کی معرفت ہے پس جس شخص نے اپنے تمام اعضاء اور قوی سے اس طرح کام کیا کہ علم و عمل میں اس کو استعانت ہو تو ایسا شخص مشابہ فرشتوں کے ہے اور ان میں لاحق ہونے کا سزاوار ہے اور اگر اس کو ملک ربانی کہا جائے تو بجا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کے دیکھنے والوں کا قول نقل فرماتا ہے ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم اور جس شخص نے ہمت اپنی لذات بدنی کی طرف مصروف کی اور چوپایوں کی طرح کھانے لگا تو وہ درجہ بہائم میں داخل ہو کر یا تو نرا بیل ناتجربہ کار ہوگا ۔ یا حریص مثل سور کے یا غرانے والا مثل کتے بلی کے یا کینہ ور مثل اونٹ کے یا متکبر مثل چیتے کے یا مکار مثل لومڑی کے بن جاوے گا ۔ اور اگر ان سب باتوں کا جامع ہوگا تو پورا شیطان رجیم ہے ۔ اور آدمی میں کوئی عضو یا حاسہ ایسا نہیں کہ جس سے وصول الی اللہ کی طرف مدد نہ مل سکے جیسا کہ باب الشکر میں کچھ تھوڑا سا بیان اس کا آوے گا پس جو کوئی اپنے اعضا کو اسی کام میں لاوے گا وہ فلاح کو پہنچے گا اور جو اس سے عدول کرے گا وہ نقصان میں رہے گا اور انسان کی سعادت کا ملا اسی میں ہے کہ دیدار الٰہی کو اپنا مقصد بناوے اور آخرت کو اپنا مستقر جانے اور دنیا کو منزل اور بدن کو سواری اور اعضا کو خادم تصور کرے اور اپنی قوت مدرکہ کو بادشاہ قرار دے ۔ جس کا دار السلطنت قلب ہے اور قوت خیالی جو مقدم دماغ میں ہے ۔ اس بادشاہ کا قاصد قاصد کیونکہ محسوسات کی خبریں اس کے پاس جمع ہوتی ہیں اور قوت حافظہ جس کا مسکن مؤخر دماغ ہے اس کا خزانچی ہے اور زبان اس کی ترجمان اور اعضاء متحرک اس کے محرر اور حواس خمسہ اس کے جاسوس ہیں اور ہر واحد ان میں سے ایک کی طرف اخبار رسانی پر متعین ہے ۔ اور کان عالم آواز پر اور ناک عالم خوشبو اور علی ہذا القیاس پھر یہ سب اپنے اپنے علاقہ کے اخبار جمع کرتے ہیں اور قوت خیالی تک پہنچا دیتے ہیں ۔ جس کا کام قاصدی ہے وہ ان اخبار کو خزانچی یعنی حافظہ کے سپرد کرتی ہے اور خزانچی بحضور

اگر شیطان بنی آدم کے دلوں کے گرد نہ پھرتے ہوتے تو آدمیوں کو آسمان کے فرشتے اور اسرار نظر آتے احمد بروایت ابی ہریرہ بلفظ مختلف ۱۲ ؎ نہیں ہے یہ آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ ۱۲

بادشاہ پیش کرتا ہے۔ تاکہ بادشاہ ان اخبار میں سے جس قدر سلطنت کی تدابیر میں یا جس سفر کے درپے ہے اس کی تکمیل میں یا جس دشمن کے ساتھ منازعت ہے اس کے قلع قمع میں یا رہزنوں کے دور کرنے میں ضرورت ہو اس قدر لے لیوے۔ پس اگر ایسا ہی کیا تو سعید اور کامیاب اور خدا کی نعمتوں کا شاکر ہوا۔ اور جب ان سب کو بیکار رکھا۔ تو شقی اور رسوا اور خدا کی نعمتوں کا کافر ہوگا۔ اور لشکر الٰہی کا جو اس کا تابع تھا۔ تلف کرے گا اور دشمنان خدا کی عزت اور حزب اللہ کی ذلت ہوگی۔ انجام اس کا یہ ہوگا۔ کہ مستحق عذاب اور عقاب اور خرابی معاد کا ہوگا۔ نعوذ باللہ منہا اور جو مثال کہ ہم نے بیان کی ہے حضرت کعب بن احبار نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جیساکہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ انسان کی آنکھیں تو راہبر ہیں اور کان محافظ اور زبان ترجمان اور ہاتھ دو طرف لشکر کے اور پاؤں قاصد اور قلب بادشاہ ہے۔ پس جب بادشاہ اچھا ہوگا تو اس کے توابع اچھے ہوں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ایسا سنا ہے وہ بھی یہی فرماتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمثیل قلوب میں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ زمین میں خدا کے برتن قلوب ہیں اور ان میں سے اس کو زیادہ محبوب وہ ہے۔ جو نرم اور صاف اور سخت ہے۔ پھر ان لفظوں کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ نرم اور یقین میں صاف اور دین میں سخت ہوا۔ اس میں اشارہ ہے اس آیت کریمہ کی طرف کہ[۲] اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ، اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے۔ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح۔ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مثال نور مومن اور اس کے دل کی ہے اور اس آیت میں۔ او کظلماتٍ فی بحرٍ لجّیٍ۔ فرمایا کہ مثال قلب منافق کی ہے اور زید بن اسلم نے لوح محفوظ کو جو قرآن شریف میں وارد ہے۔ فرمایا ہے کہ وہ مومن کا قلب ہے اور سہل تستری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ مثال قلب اور صدر کی عرش و کرسی ہے یہ ہیں مثالیں قلب کی۔

دل جن اوصاف کا جامع ہے ان کا بیان معہ امثلہ

جاننا چاہیئے کہ انسان کی خلقت اور ترکیب میں چار آمیزشیں ہیں۔ جن کے سبب اس میں چار اوصاف سبعی اور شیطانی اور بہیمی ربانی جمع ہیں پس اس جہت سے کہ اس پر غضب مسلط ہے افعال سباع کا مرتکب ہوتا ہے اور عداوت اور کینہ لوگوں سے دھول دھپا گالی گلوچ کرتا ہے اور شہوت کے مسلط ہونے کے باعث بہائم کے افعال یعنی حرص وحسد وطمع وغیرہ اس سے سرزد ہوتے ہیں اور اس جہت سے کہ وہ خود فی ذاتہ امر ربانی ہے۔ جیساکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ دعوی ربوبیت کا کرتا ہے اور تشخص اور سب امور پر اصرار کرنا اور ربانیت کا مدعی ہونا اور عبودیت اور تواضع کے حلقہ سے نکلنا ان سب باتوں کو پسند کرتا ہے اور آرزومند تمام علوم کی اطلاع کا ہوتا ہے۔ بلکہ علم اور معرفت اور حقائق امور پر واقف ہونے کا مدعی ہوتا ہے اور جب علم کی طرف منسوب ہوتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ اور جہل کی طرف نسبت کئے جانے سے ناراض اور ظاہر ہے کہ جمیع امور کے حقائق پر محیط ہونا اور سب خلق پر کبریا ومنی کا مدعی ہونا اوصاف ربوبیت سے ہے اور انسان میں اس کی حرص موجود ہے اور چونکہ باوجود اشتراک

ح۱۔ ابو نعیم نو طب نبوی وطبرانی در مسند الشامیین بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا بیہقی اور شعب بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ت[۲] زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں ۱۲ ت[۳] کہاوت اس کی روشنی کی جیسے کہ ایک طاق اس میں چراغ ۱۲ ت[۴] یا جیسے اندھیری گہرے دریا میں ت[۵] تو کہہ کہ روح ہے میرے رب کے حکم سے ۱۲

غضب و شہوت کی تمیز کے باعث بہائم سے جدا ہے تو اس میں شیطانیت بھی ہے جس سے شریر کہلاتا ہے اور اپنی تمیز کو شر کی صورتوں میں استعمال کرتا ہے اور اپنی غرضیں مکر و حیلہ و فریب سے حاصل کرتا ہے اور خیر کے بدلے شر ظاہر کرتا ہے اور یہ سب عادتیں شیطانوں کی ہیں غرضکہ ہر ایک آدمی میں ان چاروں اصول یعنی ربانیت اور شیطانیت اور سبعی اور بہیمی کا خلط پایا جاتا ہے اور یہ چاروں قلب میں جمع ہیں تو گویا انسان کی جلد میں چار چیزیں ہیں سور اور کتا اور شیطان اور حکیم ثور تو اس کی شہوت ہے اس لئے کہ سور جو مذموم کہلاتا ہے تو رنگ اور شکل کے باعث برا نہیں بلکہ شدت حرص اور بسیار خوری سے مذموم ہے اور کتا آدمی کا غضب ہے کیونکہ درندہ جو ضرر پہنچاتا ہے اور کتا جو کاٹ لیتا ہے باعتبار صورت و شکل کے یہ امر ان سے سرزد نہیں ہوتا ہے بلکہ معنی سبعیت کے یعنی آزار دینا اور عداوت ان میں پائی جاتی ہے اسی طرح انسان کے باطن میں بھی بتکلیف دہی اور غضب درندہ کا سا موجود ہے اور حرص و طمع سور کی سی پس سور اپنی حرص کے باعث فحش اور مناہی کی طرف بلاتا ہے اور درندہ غضب کی جہت سے ظلم اور ایذا کی طرف اور شیطان ان دونوں کی حرص و غضب کو اشتعال دیتا رہتا ہے اور ایک کو دوسرے پر بھڑکاتا رہتا ہے اور ان کی جبلی صفت کو ان کی نظروں میں اچھا کرتا رہتا ہے اور عقل انسانی جو بمنزلہ حکیم کے ہے اس پر مامور رہے کہ شیطان کے مکر و حیلہ کو دفع کرے یعنی اپنی بصیرت کاملہ اور نور واضح سے اس کا مکر وانکشاف کر دے اور سور اور کتے کو مسلط کر کے اس کی شہوت توڑ دے کیونکہ غضب سے شہوت ٹوٹتی ہے اسی طرح ثور کو کتے پر مسلط کر کے اس کی ایذا کو دفع کرے اور کتے کو اپنی سیاست کا مغلوب رکھے پس اگر ایسا کیا تو خاصی بات بنے گی اور مملکت بدن میں عدل ظاہر ہوگا اور سب کے سب راہ راست پر آجاویں گے اور اگر وہ حکیم ان کو مغلوب نہ کر سکا تو یہ چیزیں اس کو دبا لیتی ہیں اور اس سے خدمت لیتی ہیں تو اب اس کو سور کے پیٹ بھرنے اور کتے کے راضی رکھنے کے حیلے ڈھونڈنے پڑتے ہیں اور ہمیشہ ان دونوں کا غلام رہتا ہے اور یہ حال اکثر لوگوں کا ہے کہ ان کی اکثر ہمت شکم اور شہوت اور اعدا کی خوشامد پر مصروف ہوتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ ایسا آدمی بت پرستوں پر پتھر کی پرستش کا اعتراض کرتا ہے اور اگر ان کا حجاب دور کیا جاوے اور حقیقت حال بتلائی جاوے اور مکاشفہ والوں کی طرح اس کی صورت حال کو مجسم بنا کر بیداری یا خواب میں دکھلایا جاوے تو یہ معلوم ہوگا کہ شخص مذکور کبھی سور کے سامنے سامنے سجدہ کرتا ہے اور کبھی رکوع اور اس کے اشارہ اور امر کا منتظر ہے اور جب ثور اپنی خواہش کی کوئی چیز مانگتا ہے فوراً اسکی تعمیل اور بجا آوری میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے یا یوں معلوم ہوگا کہ خود ایک دیوانے کتے کی طرح مائل ہے اور اس کی عبادت اور اطاعت کر رہا ہے اور اس کے التماس کو بسمع رضا سن رہا ہے اور اس کی اطاعت کی بجا آوری میں فکر دقیق کر رہا ہے اور ان باتوں سے اپنے شیطان کی خوشی میں ساعی ہوتا ہے کیونکہ شیطان سور اور کتے کو بھڑکاتا ہے اور انسان سے خدمت لینے کے واسطے ان کو برانگیختہ کرتا ہے تو اس وجہ سے سور اور کتے کی کیا عبادت کی بلکہ شیطان کی پرستش کرتا ہے پس ہر ایک شخص اپنے حرکات اور سکنات اور سکوت اور نطق و قیام و قعود کو تاکتا رہے اور غور سے ملاحظہ کرے پھر اگر انصاف کرے گا تو معلوم ہوگا کہ تمام دن انہیں چیزوں کی پرستش میں سعی کرتا رہتا ہے اور یہ نہایت درجہ کا ظلم ہے کہ اس مالک کو مملوک کر دیا اور آقا کو غلام بنا دیا اور غالب کو مغلوب ٹھہرا دیا اس لئے کہ غلبہ اور سرداری کے قابل تو عقل تھی جس کو اس نے تینوں چیزوں کا مغلوب اور خادم کر دیا پس نتیجہ اس کی اطاعت کا یہ ہوگا کہ اس کے دل پر پے در پے ایسے صفات آویں گے جن سے دل پر زنگ ہو جاوے گا اور انجام کار باعث اس کے ہلاک ہونگے خنزیر یعنی شہوت کی طاعت سے یہ صفات اس سے صادر ہوں گے بے حیائی خباثت اسراف بخل ریا ہتک رکھائی حرص حسد خوشامد غضب حقد شماتت وغیرہ اور کلب غضب کی طاعت سے دل پر یہ صفات منتشر ہوں گے تہور عدم صیانت تعلی خود ستائی مغلوب الغضب ہونا تکبر عجب استہزاء تحقیر خلق ارادہ شر خواہش ظلم وغیرہ اور شیطان کی طاعت جو طاعت غضب اور شہوت پرستی سے لازم آتی ہے اس سے مکر و فریب و حیلہ و دغابازی اور خیانت اور دنائت اور فحش کلامی وغیرہ صفات حاصل ہوتے ہیں اور اگر امر بالعکس ہوا اور سب کو صفت ربانیت کی سیاست سے دبا لیا تو دل میں صفات ربانیت قائم ہوں گے یعنی علم اور حکمت اور یقین اور معرفت حقائق و ماہیت اشیاء اور غالب ہونا سب پر قوت علم و عقل سے اور استحقاق تقدم خلق پر بباعث کمال علم و جلال کے اور نیز اس صورت میں شہوت و غضب کی عبادت سے مستغنی ہو جاوے گا اور خنزیر شہوت کے روکنے سے اور اس کے حد اعتدال پر رکھنے سے بہت سے صفات شریفہ پیدا ہوں گے مثلاً عفت اور قناعت اور سکون اور زہد اور ورع اور تقویٰ اور انبساط اور حیا اور حسن صورت اور ظرافت اور مساعدت وغیرہ اسی طرح قوت غضب کے روکنے اور مغلوب رکھنے اور حد واجبی پر لانے سے یہ صفات حاصل ہونگے شجاعت اور کرم اور رفعت اور ضبط نفس اور صبر اور حلم اور عفو اور استقلال اور جوانمردی اور توقیر و اصالت وغیرہ پس اسی معاملہ میں دل کو آئینہ سمجھنا چاہیئے کہ جس کو ان تینوں امور مؤثرہ نے لے رکھا ہے اور یہ آثار پے در پے

دلیر پہونچتے رہتے ہیں مگر آثار محمودہ مذکورہ بالا سے آئینہ قلب کو زیادہ تر جلا اور نور و چمک بڑھتی ہے یہاں تک اس میں تجلی حق جلوہ گر ہوتی ہے اور جو امر دینی مطلوب ہو اس کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور ایسے ہی دل کی طرف اس حدیث شریف میں ارشاد ہے اذا اراد اللہ بعبد خیرًا جعل لہ واعظا من قلبہ اور اس میں بھی جس شخص کے لئے اس کے دل سے واعظ موجود ہے اس کے لئے خدا کی طرف سے نگاہبان رہتا ہے اور ایسے ہی دل میں ذکر الٰہی ٹھہرتا ہے جس کے خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور آثار مذمومہ جو آئینہ قلب پر عکس افگن ہوتے ہیں ان کا حال سیاہ دھوئیں کا سا ہے کہ جتنا آئینہ پر پہونچا جاتا ہے وہ کالا ہوتا جاتا ہے اسی طرح دل بھی ان آثار سے تاریک ہوتے ہوتے بالکلیہ خدائے تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے اور اسی پردہ کا نام طبع اور رَین ہے یعنی مہر اور زنگ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے کلا بل ران علیٰ قلوبھم ما کانوا یکسبون اور فرمایا ان لو نشآء اصبناھم بذنوبھم ونطبع علےٰ قلوبھم فھم لا یسمعون اس آیت شریف میں نہ سننے کو کثرت گناہوں کی باعث مہر لگ جانے کے ساتھ مربوط کیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ سننے کو تقویٰ کے ساتھ ربط دیا اور فرمایا واتقوا اللہ واسمعوا واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ غرضکہ جب گناہوں کی کثرت سے دل پر مہر ہو جاتی ہے تو وہ ادراک حق اور دوستی دین سے اندھا ہو جاتا ہے اور امر آخرت کو ہلکا جاننے لگتا ہے اور دنیا کا کام بڑا سمجھتا ہے اور بالکل اسی میں ہمت صرف کرتا ہے اور جب کہ آخرت اور اس کے احوال کا سنتا ہے تو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال ڈالتا ہے اور یہ ذکر اس کے دل میں قیام نہیں کرتا اور تدارک اور توبہ کی طرف رغبت نہیں دلاتا سو ایسوں کا حال یہ ہے کہ قد یئسوا من الاٰخرۃ کما یئس الکفار من اصحاب القبور اور یہی معنی ہیں سیاہی قلب کے جس کا ذکر قرآن مجید اور سنت سعید میں ہے میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اسکے دل پر ایک سیاہ نقطہ منقوش ہو جاتا ہے اور جب توبہ کرتا ہے تو مٹ جاتا ہے پھر اگر دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس نقطہ میں زیادتی ہوتی ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے سارے دل پر سیاہی دوڑتی ہے اور اسی کا نام رین یعنی زنگ ہے اور آنحضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں قلب المومن اجرد فیہ سراج یزھر وقلب الکافر اسود منکوس اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کی طاعت اور شہوات کی مخالفت سے دل کو جلا ہوتی ہے اور اس کی نافرمانی سے دل سیاہ ہوتا ہے پس جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اسکا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر گناہ کے بعد نیک کام کرتا ہے اور پہلا اثر مٹانا چاہتا ہے تو اگرچہ سیاہی دور ہو جاتی ہے مگر نور میں نقصان جب بھی رہتا ہے جیسے آئینہ پر دم کرو اور اس کو صاف کر ڈالو پھر دم کرو پھر صاف کرو تو اس میں کچھ نہ کچھ کدورت رہ جاتی ہے اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ القلوب اربعۃ قلب اجرد فیہ سراج یزھر فذالک قلب المؤمن وقلب اسود منکوس فذالک قلب الکافر وقلب اغلف مربوط علیٰ غلافہ فذالک قلب المنافق وقلب مصفح فیہ ایمان ونفاق فمثل الایمان فیہ کمثل البقلۃ یمدھا الماء الطیب ومثل النفاق فیہ کمثل القرحۃ یمدھا القیح والصدید فای المادتین غلبت علیہ حکم لہ بھا وفی روایۃ وھیئتہ اور اللہ جل شانہ فرماتا ہے ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون اس آیت میں بتلا دیا کہ جلاء قلب ذکر اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور ذکر تقویٰ والے ہی کرتے ہیں پس معلوم ہو کہ تقویٰ ذکر کا پھاٹک ہے اور ذکر کشف کا دروازہ ہے اور کشف نور اکبر یعنی دیدار الٰہی کا دروازہ ہے

علوم کے اعتبار سے دل کی مثال

واضح ہو کہ محل علم کا قلب ہے یعنی وہ لطیفہ جو تمام اعضا کی تدبیر کرتا ہے اور سب اسی کی اطاعت و خدمت کرتے ہیں اس کا حال حقائق معلومات کی نسبت کر ایسا ہے جیسا

ح ۱۔ دل چار قسم ہیں ایک دل جلا کیا ہوا جس میں چراغ روشن ہے یہ تو ایمان دار کا دل ہے اور دوسرا دل سیاہ اندھا ہوتا ہے وہ کافر کا دل ہے تیسرا وہ دل ہے جس پر غلاف ہے اور اس کا منہ بندھا ہوا ہوتا ہے وہ منافق کا دل ہے چوتھا وہ دل ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں ہوں ایمان کا اثر اس میں ایسا ہوگا جیسے سبزہ کو پاک پانی نشو نما دیتا ہے۔ اور نفاق کی تاثیر ایسی ہوگی جیسے پیپ و رتم زخم کو پھیلاتی ہیں۔ پس جونسا مادہ ان دونوں میں سے بڑھ جاوے گا دل کو اس کا حکم لگ جاوے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ دل کو وہی مادہ لے جاوے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ دل کو وہی مادہ لے جاوے گا ۱۲ احمد و طبرانی و صغیر بروایت ابی سعید خدریؓ ۱۲

ت ۲۔ جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گذر چونک گئے پھر بھی ان کو سوجھ آئی ۱۲ ع مجھ کو اس کا پتہ نہیں ملا۔ ۱۲

ح ۱۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ بہتری کیا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک نصیحت کرنے والا اس کے دل ہی کھڑا کر دیتا ہے۔ ۱۲ ابو منصور دیلمی در مسند الفردوس بروایت ام سلمہ ۱۲

ت ۱۔ اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل ۱۲ ت ۲ کوئی نہیں پر زنگ پکڑ گیا ان کے دلوں پر وہ جو کچھ کماتے تھے ع مجھ کو اس کا پتہ نہیں ملا ۱۲ ت ۳ ہم چاہیں تو ان کو

آئینہ کا حال بہ نسبت صور محسوسات کے بھی جس طرح کہ چیزوں کی تصویر آئینہ میں منقش ہو کر اس میں موجود رہتی ہے اسی طرح ہر ایک معلوم کی تصویر آئینہ قلب میں عکس افگن ہو کر اس پر واضح ہو جاتی ہے اور جس طرح کہ آئینہ اور چیز ہے اور صورت چیزوں کی اور چیز اور ان کا آئینہ میں آجانا اور چیز اسی طرح دل کے باب میں بھی تین چیزیں جدا جدا ہیں ایک قلب دوسرا حقائق اشیاء ہیں اور علم ان حقائق کی صورتوں کا آئینہ ہے قلب میں حاضر ہوتا ہے ایک اور مثال عالم اور معلوم اور علم کی یہ ہے کہ قبضہ اور گرفت کے لئے تین چیزیں چاہئیں ایک گرفت کرنے والا مثلاً ہاتھ دوسرے جس کو گرفت کرتا ہے مثلاً تلوار تیسرا ملنا ہاتھ اور تلوار کا جس کو گرفت کہتے ہیں اسی طرح معلوم کی تصویر کا دل میں پہنچنا علم کہلاتا ہے اور کبھی حقیقت چیز کی بھی موجود ہوتی ہے اور دل بھی موجود مگر علم نہیں ہوتا کیونکہ علم نام اسی بات کا ہے کہ حقیقت چیز کی دل تک پہنچ جاوے جس طرح تلوار بھی ہو اور ہاتھ بھی مگر جب تک ہاتھ میں نہ آوے گی تو گرفت نہیں کہلائے گی ہاں اتنا فرق ہے کہ گرفت میں بعینہ تلوار ہاتھ میں آجاتی ہے اور معلوم بعینہ دل میں نہیں آتا مثلاً کوئی اگر آگ کو جان لیوے تو خود آگ اس میں نہیں چلی جاوے گی بلکہ آگ کی حقیقت جو اس کی ظاہری شکل کے مطابق ہے وہ دل میں آتی ہے اس جہت سے اسی آئینہ کے ساتھ مشابہت دینی مناسب ہے کیونکہ آئینہ میں بھی خود آئینہ نہیں چلا جاتا بلکہ ایک نقش وصورت اسی کے مطابق حاصل ہوتی ہے اسی طرح دل میں معلوم کی صورت ہی آجاتی ہے اور بڑی وجہ مشابہت کی آئینہ کے ساتھ یہ ہے کہ آئینہ میں پانچ وجہ سے صورت معلوم نہیں ہوتی اوّل تو یہ کہ آئینہ ہی اچھا نہ ہو یعنی اس کے جوہر میں نقصان ہو یا اس کی شکل ٹھیک نہ ہو دوسرے یہ کہ اس میں کسی اور وجہ سے کدورت آگئی ہو تیسرے یہ کہ جس چیز کا آئینہ میں عکس پڑے وہ اس کے سامنے نہ ہو یا مثلاً اس کے پیچھے ہو۔ چوتھے یہ کہ چیز اور آئینہ کے بیچ میں آڑ ہو۔ پانچویں یہ کہ جس چیز کی صورت آئینہ میں دیکھی ہے اس کی جہت معلوم نہ ہو اس کے بموجب آئینہ ٹھیک سمت پر رکھا جائے اسی طرح آئینہ قلب بھی ایسی چیز ہے کہ اس میں تمام امور میں امر حق منکشف ہو سکتا ہے مگر قلوب میں جو بعض علوم نہیں آئے تو ان کا سبب وہی پانچ چیزیں ہیں اول خود قلب کا ناقص ہونا جیسے لڑکوں کا قلب ہوتا ہے کہ اس میں انکشاف معلومات کا نقصان کی جہت سے نہیں ہوتا۔ دوسرے کدورت گناہوں کی اور میل معاصی کا بباعث کثرت شہوات کے قلب پر پے درپے آتا ہے اور اس کی صفائی[1] اور جلا کو کھو دیتا ہے تو اس کی تاریکی کی وجہ سے حق بات اس میں ظاہر نہیں ہو سکتی اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث شریف میں کہ جو شخص کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو عقل اس سے جدا ہو جاتی ہے اور پھر کبھی اس کے پاس نہیں آتی یعنی اس کے دل میں ایسی کدورت آجاوے گی کہ اس کا اثر کبھی نہیں جاوے گا کیونکہ غایت باب الباب یہ ہے کہ گناہ کے بعد جو نیکی کریگا جس کے سبب وہ اثر دور نہ ہو۔ لیکن وہ اگر گناہ نہ کرتا اور نیکی ہی کرتا تو بے شک دل میں نور زیادہ ہوتا۔ مگر چونکہ پہلے گناہ کر چکا ہے تو فائدہ نیکی کا کچھ نہ ہوا۔ جیسا کہ قلب پہلے گناہ کے تھا ویسا ہی ہو گیا نور کی زیادتی نہ ہوئی تو یہ واقع میں بڑا نقصان ہے جس کا کچھ علاج نہیں دیکھو جس آئینہ پر زنگ لگ جاتا ہے صیقل سے دور کیا جاتا ہے وہ اس آئینہ کے برابر نہیں ہوتا جس کے بے زنگ جلا کی جاوے خلاصہ یہ کہ اللہ کی اطاعت کی طرف متوجہ ہونا اور مقتضاء شہوات سے روگرداں ہونا جلاء قلب اور صفاء باطن کرتا ہے اور اسی جہت سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[2] اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم[3] تیسرے یہ کہ حقیقت مطلوبہ کی جہت سے پھرا ہوا ہو مثلاً ایک شخص مطیع اور صالح ہے مگر اس کا قلب طالب امر حق نہیں بلکہ اکثر طاعات بدنیہ یا اسباب معیشت کے تہیہ میں اپنی ہمت کو مصروف رکھتا ہے اور فکر کو حقائق خفیۂ الہیہ اور حضرت ربوبیت کے تأمل میں نہیں لگاتا تو اس کا دل اگرچہ صاف ہوتا ہے لیکن اس میں جلوہ حق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں وہی امر منکشف ہوتا ہے جس کا اس کو خیال ہے مثلاً اگر فکر آفات اعمال کے دقائق میں تھی یا نفس کے خفیہ عیوب جاننے میں یا مصالح معیشت کے باب میں تو یہی باتیں منکشف ہو جاویں گی اور جب یہ بات ٹھہری کہ صرف ہمت اجمال اور تفصیل طاعات میں مانع انکشاف جلوۂ حق ہے۔ تو جو لوگ اپنی ہمت کو شہوات دنیوی اور اس

---

[1] پکڑ ہیں ان کے گناہوں پر اور ہم مہر کرتے ہیں ان کے دل پر وہ نہیں سنتے ۱۲ ت اور ڈرتے رہو اللہ سے اور ان رکھو ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھاتا ہے ت وما سی
ٹوٹ چکے ہیں آخرت سے جیسے آس توڑی منکروں نے قبر والوں سے ح مومن کا دل صاف ہوتا ہے اس میں چراغ روشن ہوتا ہے اور کافر کا دل سیاہ اور اندھا ہوتا ہے طبرانی اور صغیر بروایت ابو سعید
ع تجھ کو اس کا پتہ نہیں ملا

[2] جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سوجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں۔ ۱۲

[3] جو شخص علم کے بموجب عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایسی چیزوں کا علم دیتا ہے جو اس کو معلوم نہ ہو۔ ابو نعیم در حلیہ بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۔

کی لذات و علائق میں مصروف رکھتے ہیں۔ ان پر کس طرح کشف حقیقی ہو سکتا ہے۔ چوتھا حجاب مانع انکشاف ہوتا ہے مثلاً کوئی مطیع آدمی جس نے اپنی شہوات کو دبا رکھا ہے اگر کسی حقیقت کے دریافت میں فکر کرے تو بعض اوقات اس کو امر حق نہیں منکشف ہوتا۔ اس لئے کہ بباعث تقلید آبائی یا حسن ظن کے کسی ایسی بات کا اعتقاد کر لیتا ہے کہ یہی اعتقاد امر حق میں اور اس کے دل میں حجاب ہو جاتا ہے۔ اور جس بات کا وہ لڑکپن سے معتقد ہے۔ اور تقلید کے باعث اس کے دل پر جم رہی ہے وہ مانع ہے اس سے کہ اس کا خلاف اس کے دل پر منکشف ہو جاوے۔ اور یہ بھی بڑا حجاب ہے کہ جس کے باعث اکثر متکلمین اور مذاہب کے متعصبین امر حق سے محجوب ہیں۔ بلکہ اکثر صالحین جن کی فکر ملکوت زمین و آسمان میں رہتی وہ بھی اسی بلا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کہ بعض اعتقادات تقلیدیہ ان کے نفوس میں ایسے جم جاتے ہیں کہ ادراک حقائق سے مانع ہوتے ہیں۔ پانچویں عدم واقفیت اس کی جہت کی جس سے مطلوب ملے۔ مثلاً کوئی طالب علم اگر کسی مجہول کو دریافت کرنا چاہے تو جب تک معلومات مناسب مطلوب کو خیال نہ کرے گا اور ان معلومات کو بہ ترتیب خاص کہ علماء کے نزدیک معتبر ہوں رکھے گا تب تک مجہول مطلوب حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ جو معلومات جبلی نہیں ہیں ان کا علم بدون دوسرے معلومات کے نہیں آسکتا۔ بلکہ ہر ایک علم کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ علم اس سے پہلے حاصل ہوں گے۔ اور ان میں ترکیب و ازدواج مخصوص عمل میں آوے۔ جب تیسرا علم حاصل ہو۔ جس طرح کہ بچہ نر اور مادہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر جیسا کہ بچھڑا مثلاً اگر کسی کو مطلوب ہو تو وہ اونٹ اور گدھے اور انسان سے نہیں مل سکتا۔ بلکہ اس کے لئے گھوڑا گھوڑی چاہیئے۔ کہ ان دونوں میں مجامعت ہو کر مطلوب حاصل ہو اور اسی طرح ہر ایک علم کے واسطے دو اصل مخصوص اور ایک طریق ان کی ترکیب کا چاہیئے۔ جن سے علم مطلوب حاصل ہو پس عدم واقفیت ان اصول کی اور ان کی کیفیت ترکیب کی مانع ادراک ہوتی ہے۔ جیسے آئینہ میں جہت مطلوب کے معلوم نہ ہونے سے صورت عکس افگن نہیں ہوتی۔ اور مثال واضح تر ایک یہ ہے کہ مثلاً کوئی آدمی یہ چاہے کہ آئینہ میں اپنی پشت دیکھ لے تو تو اگر آئینہ کو اپنے منہ کے سامنے رکھے گا تو پشت نظر نہ آوے گی۔ کیونکہ آئینہ اس کے محاذی نہیں اور اگر آئینہ کو پشت کے محاذی کرے گا تب بھی پشت نہ سوجھے گی۔ بلکہ خود آئینہ بھی نظر نہ آوے گا کہ آنکھ سے اوجھل ہو گیا۔ تو ضرور اس صورت میں آئینہ کی ضرورت ہو گی۔ کہ ایک تو وہ محاذی پشت کے رکھے اور دوسرے کو ایسی طرح آنکھ کے سامنے رکھے کہ دونوں آئینوں میں محاذات رہے اس صورت میں یہ شخص اپنی پشت کو دیکھ سکتا ہے اس لئے کہ اس کی پشت کا عکس پیچھے کے آئینہ میں پڑے گا اور اس کا عکس دوسرے آئینہ میں جو سامنے رکھا ہوا ہے پڑے گا تو پہلے آئینہ میں جو پشت کا عکس تھا وہ دوسرے میں معلوم ہونے لگے گا اسی طرح علوم کے حاصل کرنے میں تصرفات اور تحریفات اس مثال سے بڑھ کر عجیب ہوتے ہیں اور روئے زمین پر ایسا کوئی نہیں کہ جس کو کیفیت ان تحریفات کی معلوم ہی ہو جایا کرے تو یہی سبب قلوب کے لئے مانع معرفت حقائق امور کا ہو جاتا ہے۔

اور نہ ہر ایک قلب کو باعتبار جبلت صلاحیت ادراک حقائق کی ہے اس لئے کہ وہ ایک امر ربانی شریف ہے اور سب جواہر میں اسی خاصیت کے باعث ممتاز و اشرف ہے۔ اور اسی کی طرف اللہ جل شانہ نے اس آیت شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ

یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان ؕ یعنی انسان میں ایک خاصیت ہے کہ جس کے باعث آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں سے ممتاز ہوا۔ اور تحمل امانت الٰہی کے قابل ٹھہرا۔ اور وہ امانت معرفت اور توحید کی ہے کہ ہر ایک شخص کا دل اس کے اٹھانے کی لیاقت رکھتا ہے مگر جو اسباب ہم نے ذکر کئے۔ ان کے باعث امر واجبی تک پہنچ نہیں سکتا اور اسی لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ وانما ابواہ یہودانہ وینصرانہ ویمجسانہ اور اس حدیث شریف میں کہ۔ لولا ان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی آدم لنظروا الی ملکوت السماء ارشاد ہے بعض اسباب کی طرف جو قلب اور ملکوت میں حجاب ہوتے ہیں۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس قول میں جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ یا حضرت خدائے تعالیٰ کہاں ہے زمین میں یا آسمان پر ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ایمان والے بندوں کے دل میں ہے سچ ہے ارض وسما کہاں تیری وسعت کو پا سکے :. میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے۔ اور حدیث قدسی میں ارشاد ہے نہ میری گنجائش زمین میں ہے نہ آسمان میں اور میری گنجائش میرے بندہ مومن کے دل میں ہے جو نرم اور ساکن ہو اور ایک حدیث میں ہے۔ قیل یا رسول اللہ من خیر الناس فقال کل مؤمن مخموم القلب فقال ہو التقی الذی لا غش فیہ ولا بغی ولا غل ولا حسد ؕ اور اسی لیئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے دل نے خدا کو جب دیکھا تقویٰ کے باعث حجاب دور ہو گیا اور جس شخص کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے تو صورت ملک اور ملکوت کی اس کے دل میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کو ایسی جنت نظر پڑتی ہے کہ اس میں سے تھوڑی سی کا عرض آسمان اور زمین کے برابر اور سب کی سب جنت تو ایسی ہوتی ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں نہیں سما سکتی۔ کیونکہ یہ چیزیں اس عالم محسوس کی ہیں اور یہ عالم اگرچہ بہت لمبا چوڑا ہے پھر بھی حد و نہایت رکھتا ہے۔ لیکن عالم ملکوت یعنی وہ اسرار غائب جو آنکھ سے نہیں سوجھتے اور ان کے لیئے نور بصیرت درکار ہے۔ وہ بیحد و بپایاں ہیں۔ ہاں جس قدر کہ قلب میں ان کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ مقدار متناہی ہے مگر ان کو اگر بذات خود دیکھو یا باعتبار علم الٰہی کے خیال کرو۔ تو کچھ ٹھکانا نہیں بے انتہا ہیں۔ اور سب عالم ملکوت کا اگر ایک ساتھ لیا جاوے تو اس کا نام حضرت ربوبیت ہے۔ کیونکہ حضرت ربوبیت تمام موجودات کو محیط ہے اس لیئے کہ سوائے خدا کے جو کچھ موجود ہے وہ یا اس کے افعال ہیں یا مملکت یا بندے تو جس قدر ان میں سے قلب پر واضح ہوتا ہے بعضوں کے نزدیک بعینہ وہی جنت ہے۔ مگر اہل حق اس کو سبب استحقاق جنت جانتے ہیں اور جنت میں وسعت ملک موافق وسعت معرفت کے ہو گی۔ یعنی اللہ کی صفات اور افعال میں سے جس قدر اس کو زیادہ معلوم ہوا ہو گا اسی قدر وسعت بھی زیادہ ہو گی اور

ت ا۔ ہم نے دکھائی امانت آسمان کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر سب نے قبول نہ کیا۔ کہ اس کو اٹھاویں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے ۱۲

ح ۲۔ ہر ایک لڑکا فطرت یا اصل اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

ح ۳۔ اگر بنی آدم کے دلوں پر شیطان نہ پھرتے ہوتے تو آسمان کے فرشتے اور اسرار ان کو سوجھتے ۱۲ اس کی اسناد اوپر گزری ۱۲ سلہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ سب میں بہتر شخص کون ہے آپ نے فرمایا۔ جو مخموم القلب ہوں۔ لوگوں نے اس لفظ کے معنی پوچھے آپ نے فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا متقی کھرا ہو جس میں میل کھوٹے پن کا اور سرکشی اور فریب اور خیانت اور حسد نہ ہو ۱۲ ابن ماجہ بروایت عبداللہ بن عمر ۱۲ سلہ مجھ کو اس کا پتہ نہیں ملا البتہ طبرانی نے بروایت ابی عنبہ مرفوعات روایت کیا کہ آیت ربکم قلوب عبادہ الصالحین ۱۲۔

سب طاعات اور اعمال جوارح کا مقصود یہی ہے کہ دل صاف وشستہ ہو اور جلا یافتہ ہو اور اس کی جلا سے یہ غرض ہے کہ نور ایمان یعنی ملئہ معرفت اس میں آجاوے اور یہی مراد ہے اس آیت شریف میں [1] فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام، اور اس دوسری آیت میں بھی۔ [2] افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ: اب اسی تجلی اور ایمان کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ ایمان عوام کا ہے محض تقلید پر اس کی بنا ہوتی ہے دوسرا درجہ ایمان متکلمین کا کہ اس اس میں کچھ حجت و دلیل بھی ہوتی ہے مگر اس کا درجہ بھی ایمان عوام کے قریب ہی ہے۔ تیسرا مرتبہ ایمان عارفین کا جو نور یقین سے دریافت ہوتا ہے اور ہم ان مراتب کو ایک مثال سے بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مثلاً زید کے گھر میں ہونے کی تصدیق آدمی کو تین طرح سے ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ کوئی ایسا شخص بیان کرے کہ بارہا اس کی راست گوئی کا امتحان ہوا ہو اور کسی طرح کی جھوٹی بات اس کی طرف سے مشہور نہ ہوئی ہو۔ نہ اس کے قول میں گنجائش اتہام ہو تو ایسے شخص کے کہتے ہی یقین ہوگا کہ بیشک زید گھر میں ہے یہ مثال اس ایمان کی ہے جو محض تقلید سے ہو یعنی ایمان عوام کا کیونکہ ان کا بھی یہی حال ہے کہ جب سن تمیز کو پہنچ کر اپنے ماں باپ سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور علم و قدرت وارادہ و جمیع صفات الٰہی کو اور انبیاء کے معبوث برحق ہونے کو اور جو احکام دلائے میں ان کے سچ ہونے کو سنتے ہیں۔ فوراً ایمان لاتے ہیں۔ اور اس پر ثابت رہتے ہیں۔ اور اس کا خلاف ان کے دل میں نہیں گذرتا کیونکہ اپنے ماں باپ اور اساتذہ کی طرف حسن ظن ہوتا ہے۔ پس اس طرح کا ایمان باعث نجات اخروی ہوتا ہے۔ اور ایمان دار اصحاب یمین میں سے ادنیٰ درجہ کے ہوتے ہیں۔ مقربین میں سے نہیں ہوتے کیونکہ تقرب میں کشف اور بصیرت اور نور یقین سے سینہ کا منور ہونا بھی ہوتا ہے۔ جو اس طرح کے ایمان میں نہیں پایا جاتا علاوہ اس کے اعتقاد کے باب میں جو خبر بعض لوگ یا بہت سے لوگ بیان کریں اس میں غلطی بھی ممکن ہے دیکھو یہود اور نصاریٰ کے دلوں کو بھی اپنے ماں باپ کے قول پر اطمینان ہوتا ہے۔ مگر جس بات کے وہ معتقد ہے وہ غلط ہیں۔ کیونکہ ان کے دلوں پر غلطی ہی کا القا ہوا ہے اور مسلمانوں کا اعتقاد حق ہے اور یہ حقیقت اس جہت سے نہیں کہ ان کو اس کی اطلاع ہوگئی بلکہ اس جہت سے ہے کہ دلوں میں حق بات ہی پڑی۔ دوسری طرح یہ ہے کہ آدمی زید کی آواز گھر میں سنے اور خود دیوار کی آڑ میں ہو تو اسے بھی معلوم ہوگا کہ زید گھر میں ہے اور جس قدر تصدیق کہ دوسرے شخص کے کہنے سے ہوئی آواز سننے سے بیشک اس سے کسی قدر زیادہ ہوگی۔ مثلاً پہلے سے سن رکھو کہ زید گھر میں ہے۔ پھر اس کی آواز بھی اندر سے سنو تو زیادہ یقین ہو جاوے گا۔ کیونکہ آواز سننے سے تمام شکل وصورت بولنے والی دھیان میں گذر جاتی ہے اور دل میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ آواز فلاں شخص کی ہے۔ پس یہ مثال دوسرے قسم کے ایمان کی ہے۔ جس میں کچھ دلیل کا بھی ملاؤ ہوتا ہے۔ بلکہ غلطی اس میں بھی ممکن ہے۔ کیونکہ ایک آواز دوسرے سے ملتی ہوئی بھی ہو سکتی ہے اور بعض اوقات دوسرے شخص کی نقل کرنے سے بہ تکلف ویسا ہی بولنے لگتے ہیں۔ اور یہ امر سامع کو معلوم نہیں ہوتا کیونکہ وہ بالکل خالی الذہن ہوتا ہے اور آواز کی مشابہت اور نقل و حکایات سے کچھ غرض نہیں رکھتا۔ تیسری طرح یہ ہے کہ آدمی خود اندر جا کر زید کو دیکھ لے کہ گھر میں موجود ہے پس یہ مثال ایمان عارفین اور مقربین اور صدیقین کی ہے۔ اسی کو معرفت حقیقی اور مشاہدہ یقینی کہتے ہیں کہ ان کا ایمان مشاہدہ کے بعد ہوتا ہے ان کا ایمان ایمان

[1] جس کو اللہ چاہے راہ دکھاوے کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو ۱۲ [2] بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ مسلمانی پر سو وہ اجالے میں ہے اپنے رب کی طرف سے ۱۲.

عوام اور متکلمین کو متضمن ہے۔ مگر اس میں ایک ایسی زیادتی مشاہدہ کی ہو جاتی ہے کہ اس کے ساتھ احتمال غلطی کا نہیں رہتا ہاں ان میں بھی مقدار علوم اور کشف میں تفاوت ہوتا ہے۔ علم کے درجہ کا تفاوت تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ مثلاً مثال مذکورہ بالا میں ایک شخص زید کو گھر کے صحن میں قریب جاکر خوب روشنی میں دیکھے اور دوسرا شخص اس کو کسی کوٹھڑی میں یا دور سے یا شام کے وقت دیکھے تو پہلے شخص کا دیکھنا زیادہ کامل ہوگا اور دوسرے کا بھی گو اس وجہ سے عمدہ ہے کہ دیکھنے کے بعد یقین اس کے وجود کا ہوا۔ مگر اس کے خیال میں زید کی شکل و صورت میں جو علامات ہوں گی۔ وہ اچھی طرح نہ آویں گی۔ اسی طرح مشاہدہ امور میں بھی فرق ہوا کرتا ہے کہ بعض کو خوب دقائق خفیہ تک معلوم ہو جاتے ہیں اور بعضے اس سے محروم رہتے ہیں۔ جیسا کہ تفاوت علم میں ہوتا ہے ویسا ہی معلوم میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے زید کو مع بکر و عمر وغیرہ کے دیکھا اور دوسرے نے صرف زید کو دیکھا تو اوّل کے معلومات زیادہ ہوں گے۔ یہ ہے حال قلب کا بہ اعتبار علوم کے واللہ اعلم بالصواب۔

عقلی، دینی، دنیوی اور اخروی علوم کے اعتبار سے دل کے حالات

پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ قلب اپنی طبیعت سے حقائق معلومات کے قبول کرنے پر مستعد ہے اب یہ بیان ہوتا ہے کہ جو علوم اس میں آتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک عقلی اور ایک شرعی پھر عقلی کی بھی دو قسم ہیں۔ ایک وہ کہ بدیہی ہوں اور ایک وہ کہ سیکھنے سے آویں اور جو سیکھنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ وہ بھی دو طرح کی ہیں یا دنیوی ہیں یا اخروی اور علوم عقلی سے ہماری غرض ہے کہ نفس عقل ان کے مقتضی ہو۔ تقلیداً و رسننے کو اس میں دخل نہ ہو۔ ان میں سے بدیہی وہ ہیں کہ جن سے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کہاں سے اور کس طور حاصل ہوئے مثلاً اس بات کو جاننا کہ ایک شخص دو مکانوں میں ایک ہی وقت نہیں رہ سکتا اور ایک ہی چیز قدیم اور حادث یا موجود اور معدوم معاً نہیں ہو سکتی تو یہ علوم آدمی لڑکپن سے جانتا ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ کب اور کس طرح حاصل ہوئے یعنی ان کا کوئی سبب قریب ظاہری نہیں جانتا ہے۔ ورنہ یہ تو جانتا ہے کہ یہ علوم خدا کی طرف سے دل میں آ گئے ہیں اور جو علوم کہ سیکھنے میں آتے ہیں وہ وہ ہیں کہ جن میں تعلم اور استدلال کی ضرورت ہے اور ان دونوں قسموں کو عقل کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ رباعی

دو قسمیں ہیں عقل کی یہ مجھ سے سن لو!	اوّل طبعی ہے سمعی دوم جانو!
طبعی کے بدون ہووے سمعی بے فیض!	خورشید سے جیسے نفع اندھے کو نہ ہو!

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا ہے کہ[1] خلق اللہ خلقاً اکرم علیہ من العقل اس سے عقل اوّل قسم کی مراد ہے اور اس ارشاد میں۔ اذا تقرّب الناس الی اللہ تعالیٰ بانواع البر فتقرب انت بعقلک[2]

[1] خدا تعالیٰ نے کوئی مخلوق اپنے نزدیک بزرگ زیادہ عقل والی نہیں پیدا کی۔ ۱۲ ترمذی حکیم در نوادر بسند ضعیف ۱۲ [2] جب لوگ اللہ تعالیٰ کا تقرب اقسام نیکیوں سے کرتو تو اپنی عقل سے قرب الی اللہ کر ۱۲ ابو نعیم بروایت علی المرتضیٰ باسناد ضعیف ۱۲۔

دوسری قسم کی عقل مراد ہے کیونکہ تقرب الی اللہ عقل غریزی فطری سے ممکن نہیں اور نہ علوم بدیہی سے حاصل ہو سکتا ہے بلکہ اس کے لیئے علوم مکتسبہ درکار ہیں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جیسا شخص ہی تقرب کے لیئے ان علوم کے حاصل کرنے ہیں کہ جن سے قرب رب العالمین حاصل ہو عقل کو استعمال کر سکتا ہے ہر ایک کا کام نہیں غرضیکہ قلب کو بمنزلہ آنکھ کے تصور کرنا چاہیئے ۔ اور عقل فطری کو اس میں بمنزلہ قوت بینائی معلوم کرنا چاہیئے ۔ اور قوت بینائی ایک ایسا لطیفہ ہے جو اندھے میں نہیں ہوتا ۔ اور بینا میں موجود رہتا ہے گو وہ اپنی آنکھیں بند کرلے ۔ یا اندھیری رات میں ہو اور قلب کو جو علم اس عقل سے حاصل ہوتا ہے ۔ اس کو بجائے قوت ادراک آنکھ کے یعنی رویت عین اشیا کی گن چاہیئے ۔ اور عقل کی آنکھ سے جو اور علوم وقت طفلی سے ہیں تمیز اور بلوغ تک مخفی رہتے ہیں ان کو یوں جاننا چاہیئے ۔ کہ آنکھ بھی جب تک آفتاب نہیں چمکتا اور مبصرات پر اس کا نور نہیں پھیلتا تب تک کچھ کام نہیں کرتی ۔ اور قلم کہ جس سے خدائے تعالیٰ نے معلوم کو قلب پر نقش فرمایا ہے بمنزلہ قرص آفتاب کے خیال کرنا چاہیئے ۔ اور لڑکپن میں جو علم حاصل نہیں ہوتا اس کی وجہ یہی ہے ۔ کہ اس وقت تک اس کے قلب کے تختے میں لیاقت نقش علوم کی نہیں ہوتی اور قلم سے ہماری یہ غرض ہے کہ خدا نے ایک ایسی چیز پیدا کی ہے جس سے علوم کا نقش دل پر ہو جاتا ہے کہ خود فرمایا کہ علّم بالقلم علم الانسان مالم یعلم[1] اور خدائے تعالیٰ کا قلم ہمارے تمہارے قلم کی صورت کا نہیں جیسے اس کے اوصاف خلق کے اوصاف سے بالکل جدا ہیں اس کا قلم لکڑی اور نے وغیرہ کا نہیں جیسے وہ خود جوہر و عرض ہونے سے منزہ ہے غرضیکہ بصیرت باطنی اور بینائی ظاہری ہیں ان وجوہ مذکورہ بالا سے مشابہت ہو سکتی ہے مگر شرف اور رتبے میں کچھ مناسبت نہیں کیونکہ بصیرت باطنی عین نفس ہے جو لطیفہ مدرکہ کہلاتا ہے اور بمنزلہ سوار کے ہے اور بدن مثل گھوڑے کے اور سوار اگر اندھا ہو تو اس کا زیادہ ضرر ہے بہ نسبت گھوڑے کی بینائی کے بلکہ ایک ضرر کو دوسرے سے کچھ مناسبت نہیں اور چونکہ بصیرت باطنی اور ظاہری میں مشابہت پائی جاتی ہے تو خداوند کریم نے بھی دل کے ادراک کو بینائی سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ ارشاد کیا کہ ۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى[2] اور اسی طرح اس آیت شریفہ میں كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[3] ادراک قلبی کو رویت سے بیان فرمایا اس سے رویت ظاہری ہرگز مقصود نہیں کیونکہ اس میں کچھ خصوصیت حضرت ابراہیم کی نہیں رہتی بلکہ گنجائش اعتراض کی باقی رہتی ہے اور نیز بوجہ مشابہت مذکورہ ضد ادراک کو نابینائی سے تعبیر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ ۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ[4] اور فرمایا۔ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى[5] یہ ہے بیان علم عقلی کا اب علوم دینی کو سننا چاہیئے کہ وہ ہیں کہ تقلید انبیاء صلوٰت اللہ علیہم سے پہنچے ہوں اور وہ کتاب اللہ اور حدیث شریف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکھنے اور ان کے معانی کے سمجھنے سے حاصل ہوتے ہیں اور صفت قلبی کا کمال انہیں سے ہوتا ہے اور قلب امراض اور درد دل سے انہیں کے باعث بچتا رہتا ہے ۔ غرضیکہ علوم عقلیہ قلب کی سلامتی کے لیئے کافی نہیں گو ان کی حاجت ہوتی ہو جس طرح

[1] سکھایا قلم سے سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔ ۱۲۔ [2] جھوٹ نہ دیکھا دل نے جو دیکھا ۱۲ [3] اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو سلطنت زمین و آسمان کی ۱۲۔
[4] سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے ہوتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں ۔ [5] اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو پچھلے جہان میں اندھا ہے اور زیادہ دور پڑا راہ سے ۱۲۔

کہ دوام صحت بدن کے لیئے صرف کافی نہیں بلکہ خواص ادویہ اور ان کے اصولوں کو اطباء سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ باتیں خود بخود عقل سے نہیں معلوم ہوتیں مگر سننے کے بعد ان کے سمجھنے کے لیئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ عقل کو سماع سے چارہ نہیں اور سننے کو عقل سے گریز نہیں۔ پس جو شخص کہ محض تقلید کا ہی ہو رہے اور عقل کو بالائے طاق رکھے وہ جاہل ہے اسی طرح جو صرف عقل ہی پر اکتفا کرے اور انوار قرآنی اور حدیث شریف کی طرف ملتفت نہ ہو وہ مغرور ہے۔ طالب کو چاہیئے کہ دونوں اصلوں کا جامع ہو۔ کیونکہ علوم علقیہ مثل غذا کے ہیں اور علوم شرعیہ مثل دوا کے بیمار شخص کو اگر دوا نہ ملے گی تو صرف غذا سے البتہ تکلیف ہوگی اسی طرح قلوب کی بیماری کا علاج انہیں معجونوں سے ہو سکتا ہے۔ جو شریعت کے شفاخانہ سے ملتی ہیں یعنی وظائف عبادات اور اعمال جن کو اصلاح قلوب کے لئے حکماء روحانی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ترتیب دیا ہے پس جو شخص اپنے دل بیمار کا علاج عبادت شرعیہ سے نہ کرے تو اس کو ضرر ہوگا جیسا اُس بیمار کو ہوتا ہے جو دوا نہ کھاوے اور غذا کھاتا رہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علوم عقلیہ علوم شرعیہ کے خلاف ہیں دونوں کا جامع ہونا ممکن نہیں تو یہ بات اُن کی لاعلمی سے ہے وہ لوگ نور بصیرت سے عاری ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے نزدیک بعض علوم شرعیہ بھی ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہونے لگتے ہیں اور ان کے جمع کرنے سے عاجز ہو کر یہ گمان کرتے ہیں کہ اس دین ہی میں تناقص ہے اور حیران ہو کر دین میں سے ایسے نکل جاتے ہیں۔ جیسے بال آٹے میں سے اور یہ اس سبب سے ہوتا ہے کہ ان کو اپنے عجز کے باعث دین میں اختلاف معلوم ہوا۔ حالانکہ یہ بات نہ تھی اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی اندھا آدمی کسی کے گھر میں جاوے اور اتفاقاً اس کا پاؤں برتنوں پر پڑ جاوے اور لوگوں سے کہنے لگے کہ عجب طرح کے آدمی ہیں کہ برتن راہ میں رکھ چھوڑے ہیں ان کے کہ ان کو اپنے موقع پر کیوں نہیں رکھا تو وہ لوگ اس سے کہیں کہ برتن تو سب اپنے اپنے موقع پر ہیں مگر آپ کو نابینائی کے سبب راہ کی تمیز نہیں اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ اپنے آپ تو نہ سوجھے اور دوسروں کا قصور بتلاؤ۔ یہی نسبت علوم دینیہ کی طرف علوم عقلیہ کی ہے۔ پھر علوم عقلی کی دو قسمیں ہیں دنیوی جیسے علم طب اور حساب اور ہندسہ اور نجوم وغیرہ صناعات اور حرفہ اور اخروی مثل علم احوال قلب اور آفات اعمال اور علم اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات اور افعال کا جیساکہ باب علم میں ہم مفصل کہہ چکے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی ہیں اس نظر سے کہ اگر کوئی شخص ان میں سے ایک کی طرف بہ تمام ہمت متوجہ ہوگا تو غالباً اس کی بصیرت دوسرے سے قاصر رہے گی اور اس لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دنیا اور آخرت کی تین مثالیں فرمائی ہیں ایک میں فرمایا کہ دونوں مثل دو پلہ ترازو کے ہیں اور دوسرے میں ارشاد کیا کہ دونوں مثل مشرق اور مغرب کے اور تیسری میں فرمایا کہ دونوں مثل دو سوتوں کے ہے اگر ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض اور یہی سبب ہے کہ جو لوگ امور دنیا میں خوب ہوشیار ہوتے ہیں اور علم طب اور حساب اور ہندسہ اور حکمت خوب جانتے ہیں وہ امور آخرت سے جاہل رہتے ہیں اور جن لوگوں کو دقائق علوم آخرت پر عبور ہوتا ہے وہ اکثر علوم دنیا کو نہیں جانتے کیونکہ قوت عقلی اکثر لوگوں کی دونوں باتوں کے جمع کرنے کو وفا نہیں کرتی جب ایک کو سیکھتے ہیں تو دوسری بات میں کمال نہیں ہو سکتا اور اسی بنا پر حدیث میں وارد ہے کہ اِنَّ اَکْثَرَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ بُلْہٌ[1] یعنی جن کو کہ امور دنیا میں شعور نہیں اور حضرت حسن

[1] جنت کے اکثر آدمی بھولے ہیں ۱۲ بنا بر روایت انسؓ بہ سند ضعیف۔

بصری نے اپنے کسی وعظ میں فرمایا کہ ہم نے ایسے لوگوں سے ملاقات کی ہے کہ اگر تم ان کو دیکھو تو مجنون کہو اور اگر وے تم کو دیکھیں تو شیطان کہیں پس آدمی کو چاہیئے کہ جب کسی امر دینی عجیب کو سنے کہ علماء علوم ظاہری اس کے منکر ہوں تو یہ شبہ نہ کرے کہ ان کو ایسے امور کے اقرار سے انکار ہے بلکہ یوں سمجھے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی چلے تو مشرق کو اور مغرب کی چیز اسے مل جائے امر دنیا اور آخرت بھی ایسے ہی ہیں دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ اور یہ بھی فرمایا[۲] يعلمون ظاهرا من الحيٰوة الدنيا وهم عن الآخرة هم غافلون اور فرمایا[۳] فاعرض عمن تولی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیٰوۃ الدنیا ذلک مبلغھم من العلم ط. حاصل یہ کہ امور دنیا و دین میں کمال بصیرت انہیں لوگوں کو حاصل ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے تدبیر معاش اور معاد دونوں عنایت فرمائے ہیں اور وہ زمرۂ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے کہ جن کو روح قدس اور قوت الٰہی سے تائید ہوتی رہتی ہے ان کے دلوں میں سب امور کی گنجائش اور کچھ دقت نہیں مگر لوگوں کے قلوب اگر دنیا میں پکے ہوں گے تو آخرت کے کمال سے قاصر رہیں گے۔

صوفیاء اور علماء کا امر حق اور الہام کے معاملہ میں فرق

جاننا چاہیئے کہ جو علم بدیہی نہیں اور دل میں کبھی آتے ہیں ان کا دل میں آنا کئی طرح ہوتا ہے کبھی تو دل پر ایسی طرح آجاتے ہیں گویا کسی نے بے خبر دل میں ڈال دیئے اور کبھی بطریق تعلیم اور استدلال کے حاصل ہوتے ہیں پس جو علم کہ بدون اکتساب اور دلیل کے حاصل ہوتے ہیں ان کو الہام کہتے ہیں اور جو استدلال سے حاصل ہوتے ہیں ان کو اعتبار اور استبصار بولتے ہیں. پھر علم اول کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ بندہ کو کچھ خبر نہ ہو کہ علم مذکور کہاں سے اور کس طرح حاصل ہوا اور اس کو تو الہام اور نفخ فی القلب کہتے ہیں اور یہ علماء اور اصفیا کے لیئے ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ جس طریقہ سے وہ علم حاصل ہو وہ بندہ کو معلوم ہو جاوے یعنی وہ فرشتہ جو دل میں ڈالتا ہے وہ نظر آجاوے اس کو وحی کہتے ہیں اور یہ خاصا انبیاء کا ہے اور علم جو اکتساب اور استدلال سے حاصل ہوتا ہے وہ علماء کو ہوتا ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ قلب میں استعداد اس امر کی ہے کہ سب چیزوں میں امر حق اس کو معلوم ہو جاوے مگر وہی پانچ وجہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اس کو مانع ہوتی ہیں. تو گویا یہ چیزیں آئینہ قلب اور لوح محفوظ کے درمیان میں حجاب ہو جاتی ہیں اور لوح محفوظ وہ ہے جس پر تمام امور شدنی قیامت تک کے منقوش ہیں. اور لوح محفوظ سے حقائق علوم کا قلب پر جلوہ گر ہونا ایسا ہے جیسا کہ آئینہ کا عکس دوسرے آئینہ محاذی میں معلوم ہوا کرتا ہے اور جس طرح کہ دونوں آئینوں کے درمیان کا حجاب کبھی ہاتھ سے سرکا دیتے ہیں اور کبھی خود بخود ہوا سے ٹل جاتا ہے اسی طرح کبھی نسیم الطاف یزدانی چلتی ہے اور قلب کی آنکھ کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے. تو بعض چیزیں

---

[۱] جو امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور راضی ہوئے دنیا کی زندگی پر اسی پر چین پکڑی اور جو ہماری قدرتوں سے خبر نہیں رکھتے ۱۲

[۲] یہ جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کا جینا اور وہ بزرگ آخرت سے خبر نہیں رکھتے ۱۲ [۳] سو تو دھیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا یہاں ہی تک پہنچی ان کی سمجھ ۱۲

جو لوح محفوظ میں مسطور ہیں وہ نظر آنے لگتی ہیں اور یہ امر کبھی تو خواب میں ہوتا ہے کہ اس سے مستقبل کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور بالکل حجاب کا مرتفع ہونا موت پر ہے موت کے باعث انکشاف تام ہو جاتا ہے اور کبھی بیداری میں ہوتا ہے کہ حجاب کے اٹھتے ہی پردہ غیب سے بڑی عجیب باتیں علوم کی دل پر کھلتی ہیں مگر یہ انکشاف بعض اوقات پے در پے ایک حد تک گذرتا رہتا ہے اور اس کا دائمی ہونا نہایت قلیل ہے خلاصہ یہ کہ الہام اور اکتساب میں نہ تو نفس میں فرق ہے نہ محل اور سبب میں بلکہ صرف فرق حجاب کے زائل ہونے کا ہے جو بندہ کے اختیار میں نہیں اسی طرح وحی اور الہام میں بھی کچھ فرق نہیں صرف اتنا فرق ہے کہ وحی میں وہ فرشتہ جو ذریعہ علم کا ہوتا ہے نظر آتا ہے اور علم جو دلوں میں حاصل ہوتا ہے وہ فرشتوں کے ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے. جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ مایشاء اور جب یہ معلوم ہو چکا تو اب جاننا چاہئے کہ اہل تصوف علوم الہامی کی طرف راغب ہوتے ہیں علوم تعلیمی کی طرف مائل نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ کتابیں مصنفین کی نہیں پڑھتے اور اقوال اور ادلہ سے بحث نہیں کرتے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ اوّل خوب مجاہدہ کرنا چاہئے اور صفات ذمیمہ اور تمام علائق کو قطع کر کے بہمہ تن و تمام ہمت خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور جب یہ بات حاصل ہو جاوے گی تو خدا تعالیٰ خود متکفل اور متولی اپنے بندہ کے قلب کا ہو جاوے گا اور جب وہ متولی ہو گا تو اس پر سایہ رحمت ہو گا اور قلب میں نور چمکنے لگے گا اور سینہ کھل جاوے گا. اور سر ملکوت اس پر ظاہر ہو گا اور قلب کے سامنے سے حجاب دور ہو جاوے گا اور امور الٰہیہ کے حقائق اس میں روشن ہوں گے پس اس تقریر کے بموجب بندے کا کام صرف اتنا ہے کہ محض تصفیہ کرے اور اپنی ہمت کو ارادہ صادق کے ساتھ متوجہ کرے اور رحمت الٰہی سے انکشاف کا ہمیشہ منتظر اور پیاسا رہے بس انبیاء اور اولیاء کے اوپر امر منکشف ہو جاتا ہے اور دلوں پر نور پھیل جاتا ہے کچھ تعلم اور نوشت خواند کتب سے نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں زہد کرنے اور خلائق سے منقطع ہونے اور اشغال دنیاوی سے فارغ البال ہونے اور بتمام ہمت متوجہ الی اللہ ہونے سے ہوتا ہے کیونکہ جو اللہ کا ہو رہتا اللہ اس کا ہو جاتا ہے اور اہل تصوف کا بھی یہ مقولہ ہے کہ اسباب میں اوّل علائق دنیا کو بتمامہا منقطع کر ڈالے اور دل کو اس سے فارغ کرلے اور ہمت کو اہل اور مال اور اولاد اور باطن اور علم اور ولایت اور جاہ سے اٹھالے اور دل کو ایسی حالت میں کرے کہ اس کے سامنے چیزوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جاوے پھر اپنے آپ ایک گوشہ میں ہو بیٹھے اور ضروریات فرائض و لطائف پر اکتفا کر کے بجمیع ہمت ماسوی اللہ سے فارغ البال ہو جاوے یہاں تک کہ قرأت قرآن اور معانی تفسیر و حدیث وغیرہ کی فکر سے بھی اپنا دھیان پریشان نہ کرے. بلکہ اس باب میں کوشش کرے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے دل میں اور کچھ نہ رہنے پاوے اور خلوت میں بیٹھ کر بحضور اللہ اللہ کہتا رہے اور اسم پاک کا یہاں تک ورد کرے کہ ایسی حالت تک پہنچ جاوے کہ اگر زبان کی حرکت موقوف کر دے تب بھی یہی معلوم ہو کہ زبان سے اللہ اللہ نکلتا ہے. پھر اسی حالت پر ٹھہر کر اس لفظ کا اثر زبان سے مٹا دے اور قلب سے ذکر کی مواظبت کرے حتیٰ کہ قلب میں سے صورت اور ہیئت لفظوں کی محو ہو جاوے اور صرف معنی اس لفظ کے مدام موجود رہیں گویا کہ قلب کے ساتھ

---

[1] کسی آدمی کی حد نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا پھر پہنچا دے اس کے حکم سے جو چاہے ۱۲

لازم ہیں اور اس حد تک پہنچنے میں اور اس حالت کے مدام رکھنے میں بندہ کو اختیار ہے اسی طرح کہ وسواس غیر اللہ کا دفع کرتا ہے لیکن رحمت الٰہی کی کشش کا اختیار نہیں بلکہ اس فعل سے جذب رحمت کی لیاقت ہو جاتی ہے پس اب یہی باقی رہا کہ اس درجہ کو پہنچ کر فتوحات غیبی کا منتظر رہے کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور اولیاء پر امور حق مفتوح فرمائے اس پر بھی منکشف فرماوے اور اس صورت میں اگر اس کا ارادہ سچا ہوگا اور ہمت بھی درست ہوگی اور مواظبت بھی خوب کرے گا اور جذب شہوات سے بچا رہے گا اور علائق دنیا کی کوئی بات دل میں نہ آوے گی تو البتہ لوامع حق کے اس کے دل میں چمکنے لگیں گے اور ابتدا میں بجلی کی طرح گذر جائیں گے اور ذرا نہیں ٹھہریں گے پھر دوبارہ ایسا ہی ہووے گا اور بعض اوقات دیر بھی ہو جاوے گی اور دوبارہ اگر آدیں گے تو کبھی ٹھہریں گے اور کبھی نہ ٹھہریں گے اور ٹھہرنے کی صورت میں کبھی کبھی زیادہ مدت ہو گی اور کبھی تھوڑی اور بعض اوقات اس طرح کے لوامع پے در پے ہوں گے اور بعض دفعہ صرف ایک ہی فن پر انحصار رہے گا اور بلحاظ ان وجوہ مذکورہ کے اولیاء کے منازل کا تفاوت کچھ انتہا نہیں رکھتا جیسے کہ ان کے اخلاق کے تفاوت کی انتہا نہیں غرضیکہ مآل اہل تصوف کی تقریر کا یہ ہے کہ تصفیہ اور جلاء قلب بندہ کی جانب سے ہونا چاہیئے اور پھر لیاقت ہونے کے بعد امیدوار رحمت ہونا چاہیئے اور علماء ظاہر کو اس طریق کے امکان میں اور بر سبیل شاذ منزل مقصود تک پہنچ جانے میں تو کسی طرح انکار نہیں کیونکہ اکثر انبیاء اور اولیا کا یہی حال ہوتا ہے مگر یہ کہتے ہیں کہ یہ طریق نہایت مشکل ہے اور اس کا نتیجہ دیر کو حاصل ہوتا ہے اور ان شروط کا جمع ہونا بھی بہت بعید ہے کیونکہ علائق کا اس درجہ تک کھو دینا گویا غیر ممکن ہے اور اگر ہو بھی جاوے تو اس کا باقی رہنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ ذرا سے وسواس اور اندیشہ سے قلب کو تشویش ہو جاتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[ح] قلب المؤمن اشد تقلب من القدر فی غلیانها اور یہ بھی فرمایا کہ[ح] قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن ط علاوہ اس کے اس مجاہدہ میں کبھی مزاج بدمزہ ہو جاتا ہے اور عقل خبط ہو جاتی ہے اور بدن بیمار پڑ جاتا ہے اور اگر پہلے سے حقائق علوم سیکھ کر نفس کی تہذیب نہیں کی جاتی تو دل میں صدہا طرح کے خیالات فاسدہ جمع ہو جاتے ہیں کہ بدون ان کے رفع کئے ہوئے نفس انہیں میں مبتلا رہتا ہے اور عمر بھر وہ حل نہیں ہوتے بہت سے صوفی جو اس راہ پر چلے ایک ہی خیال میں بیس برس الجھے رہے اگر پہلے سے علم پڑھ لیتے تو اس طرح کے خیال کا التباس ان پر فوراً کھل جاتا اس سے معلوم ہوا کہ اشتغال تعلم ہی کے طریق کے معتبر اور اقرب الی المقصود ہے اور علماء یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ اہل تصوف کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص فقہ نہ سیکھے اور یوں کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں سکھایا تھا اور وحی اور الہام سے فقیہ ہو گئے تھے پس میں بھی ریاضت اور مواظبت کرتے کرتے ویسا ہی ہو جاؤں گا تو جس کسی نے ایسا خیال کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور عمر بھر ناحق تلف کی بلکہ وہ تو ایسا ہے کہ کھیتی اور کمائی کچھ نہ کرے اور اسباب کا متوقع ہو کہ کہیں سے خزانہ مل جاوے تو گو یہ بات ناممکن ہے مگر یہ بات نہایت بعید ہے اور علماء کا اسباب میں یہ قول ہے کہ اول تحصیل علم کرنی چاہیئے اور علماء کے اقوال کے معانی سمجھنے چاہئیں پھر اس کے بعد اسباب کا منتظر ہووے کہ جو

ح[1] قلب مومن ہنڈیا کے ابال سے بھی زیادہ ابلتا رہتا ہے ۱۲ احمد و حاکم بروایت مقداد ابن الاسود ۱۲ ح[2] مومن کا قلب خدائے تعالیٰ کی انگلیوں میں ہے بروایت عبداللہ بن عمرو ۱۲

اور علماء کو نہیں معلوم ہوا مجھ کو معلوم ہو جاوے تو شاید بعد مجاہدہ کے یہ بات حاصل ہو جاوے۔

ایک محسوس مثال کے ذریعہ دو مقامات کا فرق

جاننا چاہیئے کہ قلب کے عجائب حواس سے مدرک نہیں ہو سکتے جیسا کہ خود قلب حیطہ حواس سے خارج ہے اور جو چیز مدرک بالحواس نہیں ہوتی تو جب تک اس کی مثال محسوس چیز سے نہ بتلائی جاوے تب تک سمجھ میں اچھی طرح نہیں آتی لہذا کم سمجھوں کے واسطے ہم اس کی دو مثالیں بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ فرض کرو کہ حوض زمین میں کھدا ہوا ہے اب اس میں پانی ہونے کے دو طریق ہیں یا تو اوپر سے نالیاں بنا کر کسی جگہ سے اس میں پانی بھر دیا جائے یا زمین کو اتنا کھودا جائے کہ خود بخود اندر سے پانی نکل آئے یہ دوسرے طریق سے پانی صاف بھی زیادہ ہوگا اور ہمیشہ بھی رہے گا اور بعض اوقات زیادہ بھی ہوگا پس قلب کو حوض سمجھنا چاہیئے اور علم کو پانی اور حواس خمسہ کو مثل نالیوں کے سمجھنا چاہیئے تو قلب کی طرف علم کا پہنچنا یوں بھی ہو سکتا ہے کہ حواس خمسہ کے ذریعے سے جس طرح مشاہدات ہوتے جاویں علم آتا جاوے یہاں تک کہ قلب خوب علم سے بھر جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ حواس کی نالیاں عزلت کے باعث بند کر دی جائیں اور خود قلب کی کاوش میں سعی کی جاوے اس طرح کہ خلوت میں بیٹھ کر اس کی صفائی کی جاوے اور پردوں کے طبقات اس پر سے دور کئے جاویں یہاں تک کہ خود اس میں سے علم کا چشمہ پیدا ہو جاوے مگر اس میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب دل میں علم موجود نہیں تو اس کے اندر کس طرح چشمہ نکلے گا اس کا جواب یہ ہے کہ اسرار قلبی میں سے یہ عجیب بات ہے اور علم معاملہ میں اس کا اسی قدر ذکر ہو سکتا ہے کہ حقایق اشیاء لوح محفوظ میں مکتوب ہیں بلکہ فرشتوں کے دلوں میں مسطور ہیں۔ جس طرح کہ معمار پہلے سادہ کاغذ پر عمارت کا نقشہ کھینچ لیتا ہے پھر اسی کے مطابق عمارت بناتا ہے اسی طرح خالق آسمان و زمین نے عالم کا حال اول سے آخر تک لوح محفوظ میں لکھ لیا ہے اور اسی کے مطابق بناتا رہتا ہے پس اس عالم ظاہری کی شکل آدمی کے حس و خیال میں بھی موجود ہوتی ہے مثلاً آسمان اور زمین کی طرف دیکھ کر اگر کوئی آنکھیں بند کرلے تو صورت ان دونوں کی خیال میں معلوم ہوگی گویا انہیں کی طرف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ اگر بالفرض آسمان و زمین نابود ہو جاویں اور دیکھنے والا صرف باقی رہ جائے تب بھی آسمان و زمین کی صورت اپنے خیال میں ایسی ہی پاوے گا گویا ان کی طرف دیکھ رہا ہے پھر خیال سے ایک اثر قلب پر پڑتا ہے تو اس میں حقایق ان اشیا کے آتے ہیں جو حس اور خیال میں موجود رہتے ہیں پس جو کچھ دل میں حاصل ہوتا ہے وہ تو مطابق صورت خیالی کے ہے اور صورت خیالی موافق وجود ظاہری کے ہے جو انسان اور اس کے قلب دونوں سے علیحدہ موجود ہے اور یہ عالم ظاہری مطابق اس نقشہ کے ہے جو لوح محفوظ میں مندرج ہے اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ عالم ظاہری کے چار وجود ہیں ایک تو لوح محفوظ میں اور یہ وجود اس کے وجود جسمانی سے مقدم ہے دوم وجود حقیقی جو دنیا میں ہوتا ہے تیسرا وجود خیالی جو وجود حقیقی کے بعد اس کی صورت خیال میں موجود ہوتی ہے چوتھا وجود عقلی جو صورت خیالی سے قلب میں صورت حاصل ہوتی ہے اور ان چاروں وجود میں بعض تو وجود جسمانی ہیں اور بعض

روحانی اور وجود ہائے روحانی میں سے بعض میں روحانیت زیادہ ہے اور بعض میں کم اور ایسی باتوں میں حکمت الٰہی نظر پڑتی ہے دیکھو آنکھ کے حدقہ کو ایسا بنایا کہ باوجود چھوٹے ہونے کے جہان کی صورت اور آسمان و زمین کی شکل اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور ان چیزوں کا پھیلاؤ اس قدر ہے کہ بیان سے باہر پھر آنکھ کے ذریعہ سے ان چیزوں کا وجود خیال میں پہنچتا ہے اور وہاں سے دل میں جاتا ہے۔ جب دل کو معلوم ہوتا ہے کیونکہ آدمی کو جب تک کوئی چیز اس تک نہیں پہنچتی خبر نہیں ہوتی پس اگر خدا تعالیٰ آدمی کے دل میں عالم کی صورت نہ بناتا تو چیزیں آدمی سے علیحدہ ہوتیں ان کا کبھی علم نہ آتا سبحان اللہ قلوب اور ابصار میں کیسی عجیب باتیں رکھی ہیں اور بعض قلوب اور ابصار کو اندھا بھی کر دیا ہے یہاں تک کہ اکثر لوگوں کو اپنے نفس کی اور اس کے عجائبات کی مطلق خبر نہیں اب ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ قلب میں جو حقیقت عالم کی آتی ہے تو کبھی تو حواس ہی سے آتی ہے اور کبھی لوح محفوظ سے آتی ہے۔ جس طرح کہ آنکھ میں سورج کی صورت کبھی تو اس کی طرف دیکھنے سے آتی ہے اور کبھی بذریعہ پانی کے دیکھنے کے جس میں کہ آفتاب کا عکس ہوتا ہے اور یہ عکس آفتاب کی صورت اصل ہی کے مشابہ ہوتا ہے اس طرح جب دل کے سامنے سے حجاب دور ہو جاتا ہے تو لوح محفوظ کی چیزیں سوجھنے لگتی ہیں اور ان کا علم اس میں آجاتا ہے اس صورت میں جو اس کے استفادہ سے مستغنی ہو جاتا ہے اس کی ایسی ہی مثال ہو جاتی ہے کہ گویا زمین کو اس قدر کھودا کہ خود بخود اس میں سے پانی نکل آیا اور کبھی قلب کی توجہ ان خیالات کی طرف ہوتی ہے جو محسوسات سے حاصل ہوتے ہیں تو یہ امر اس کو مطالعۂ لوح محفوظ سے مانع ہوتا ہے۔ جیسے کہ پانی جب نہر میں جمع ہو جاتا ہے نیچے سے نہیں نکل سکتا یا جس طرح کہ کوئی شخص آفتاب کے عکس کو پانی میں دیکھے تو اس کو وہ آفتاب نظر نہ آوے گا۔ حاصل یہ کہ قلب میں دو دروازے ہیں۔ ایک تو عالم ملکوت اور لوح محفوظ کی طرف کو ہے اور دوسرا دروازہ حواس خمسہ کی جانب کو ہے جو عالم ظاہری سے اخذ اشیاء کرتے ہیں اور ان دونوں عالموں میں ایک طرح کی مشابہت ہے پس دروازہ عالم ظاہری سے جس طرح پر کہ قلب کو بذریعہ حواس علم ہوتا ہے تو وہ معلوم ہی ہے مگر جو دروازہ کہ عالم ملکوت کی طرف ہے اور اس سے لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے اس کا بھی یقین ہو سکتا ہے اگر اسباب کو سوچو کہ خواب میں عجیب عجیب حالات پیش آتے ہیں تو دل کو احوال آئندہ اور گذشتہ معلوم ہو جاتے ہیں حالانکہ حواس کو اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا اور یہ دروازہ اس شخص کے لئے کھلتا ہے جو خدا تعالیٰ کے ذکر ہی میں مستغرق رہے جیسا کہ رسول مقبول صلعم نے فرمایا[ح] سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قِيْلَ وَمَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْمُتَنَزِّهُوْنَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَ الذِّكْرُ عَنْهُمْ اَوْزَارَهُمْ عَنْهُمْ فَوَرَدُوا الْقِيَامَةَ خِفَافًا۔ پھر ان لوگوں کی توصیف میں خداوند کریم کا یہ قول ارشاد فرمایا کہ پھر میں اپنے چہرہ کو ایک طرف کر کے متوجہ ہوتا ہوں تجھے معلوم ہے کس کے سامنے میں اپنا چہرہ کرتا ہوں اور کوئی جانتا ہے میں ان کو کیا دیا چاہتا ہوں پھر ارشاد فرمایا کہ اول یہی عطا ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں روشنی ڈال دیتا ہوں تو وہ میرے حال سے خبر دینے لگتے ہیں جیسے میں ان کا حال کہتا ہوں اور مدخل ان خبروں کا دروازہ باطنی ہے اس بیان سے فرق علوم اولیاء اور انبیاء اور علوم علماء اور حکما کا ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ علم اولیاء و انبیاء کا

[ح] مفرد لوگ آگے بڑھ گئے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مفرد کون لوگ ہیں ارشاد کیا کہ جو خدا تعالیٰ کے ذکر کے باعث پاک و صاف ہو گئے ہیں یاد خدا نے ان کے بوجھ اتار دیئے اور قیامت میں وہ ہلکے پھلکے پہنچے ۱۲ مسلم نے اول کا جملہ بروایت ابو ہریرہ نقل کیا ہے اور ترمذی نے باختلاف الفاظ سب مضمون نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حسن اور غریب ہے ۱۲

تو اس دروازہ سے ہوتا ہے جو عالم ملکوت کی طرف کھلا ہوا ہے اور علم و حکمت وغیرہ ابواب تو اس سے حاصل ہوتا ہے جو عالم ظاہری کی طرف مفتوح ہیں غرض کہ عجائب قلبی اور اس کی آمد و شد دونوں عالموں غیب اور شہادت میں علم معلومات میں حصر نہیں ہو سکتے صرف اس مثال سے مدخل دونوں علموں کا معلوم ہو گیا اب دوسری مثال اس لیئے بیان ہوتی ہے کہ اس سے علماء اور اولیاء کے عمل کا فرق معلوم ہو جاوے یعنی علماء کا عمل تو یہ ہے کہ نفس علوم کو حاصل کرتے ہیں اور اس کو دل کی طرف کھینچتے ہیں اور اولیاء صوفیہ صرف قلوب کی جلاء اور صفائی میں کوشش کرتے ہیں اور دونوں کی مثال یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ کے سامنے مذکور ہوا کہ اہل روم اور چین والے نقوش کے کام میں بڑے ماہر ہیں۔ اور تصویر بہت عمدہ کھینچتے ہیں اس کے دل میں یہ آیا کہ ایک مکان کی ایک طرف تو روم والوں کے سپرد کرنی چاہیئے ؛ ایک جانب چین والوں کو دینی چاہیئے تاکہ دونوں فریق اپنی کارستانی ظاہر کریں اور بیچ میں ایک ایسا پردہ ڈالنا چاہیئے کہ ایک کے کام کی دوسرے کو اطلاع نہ ہو چنانچہ ایسا ہی کیا پس روم والوں نے عجیب عجیب رنگ بیشمار اکٹھے کیئے اور چین والے بے رنگ ہی میں کام میں مصروف ہوئے یعنی اپنی طرف کی جانب کو خوب جلا کرنی شروع کر دی جب روم والے رنگ کے نقوش سے فارغ ہوئے تو چین والوں نے بھی کہا کہ ہم بھی نقش کر چکے بادشاہ بہت متحیر ہوا کہ انہوں نے کیسا نقش بنایا ہے جس میں رنگ کی ضرورت نہ ہوئی۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو اس سے کچھ غرض نہیں پردہ اٹھا کر ملاحظہ فرمایئے جوں ہی پردہ اٹھایا گیا تمام نقوش رومیوں کے چین والوں کی جانب میں جلاء کے سبب معلوم ہونے لگے بلکہ ان میں چمک بہت زیادہ بھی کیونکہ ان کی جانب جلا کے سبب آئینہ کی مثال ہو گئی تھی۔ اس سے اور بھی زیادہ خوبی معلوم ہوتی تھی پس اولیاء اللہ کی توجہ بھی چین والوں کی طرح قلب کی جلاء اور تطہیر و صفا میں مصروف رہتی ہے یہاں تک کہ اس میں امور حق چمکنے لگتے ہیں اور علماء ظاہر کی توجہ روم والوں کی طرح اکتساب اور نقوش علمی کی طرف رہتی ہے بہرصورت علم قلب میں کسی طرح حاصل ہو قلب مومن کا فنا نہیں ہوتا اور نہ اس کا علم موت پر جاتا رہتا ہے نہ صفا قلب میں کچھ کدورت آتی ہے جیسا کہ حسن بصری رح نے فرمایا ہے کہ خاک محل ایمان کو نہیں کھاتی بلکہ وسیلۂ تقرب الی اللہ ہوتی ہے اور نفس علم جو دل میں آتا ہے اور صفا اور استعداد اس علم کے حاصل ہونے کی یہ چیزیں لابدی ہیں سعادت ابدی بدون علم اور معرفت کے کسی کو نہیں مل سکتی اور اس سعادت میں بھی بعض لوگ افضل ہیں بعض سے جس طرح کہ تونگری کے واسطے مال کی ضرورت ہوتی ہے تو تھوڑے روپیہ والا بھی غنی کہلاتا ہے اور جس کے پاس بہت سے خزانے ہوں وہ بھی غنی ہے مگر دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے اسی طرح معرفت ایمان میں بھی تفاوت درجات ہے کہ اس کی کچھ انتہا نہیں معرفت وہ نور ہے جس سے ایمان والے خدا تعالیٰ کے دیدار کی طرف چلیں گے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ ط. حدیث شریف میں وارد ہے کہ بعضوں کو نور مثل پہاڑ کے عنایت ہو گا اور بعضوں کو اس سے کم یہاں تک کہ سب سے پچھلا وہ شخص ہو گا کہ اس کو دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر نور عنایت ہو گا اور وہ کبھی تو چمکنے لگے گا اور کبھی گل ہو جاوے گا چمکنے کی حالت میں تو وہ قدم آگے کو بڑھاوے گا اور گل ہونے کی صورت میں کھڑا رہے گا اور پل

[1] ان کی روشنی دوڑتی ہے ان کے آگے اور ان کے داہنے ۱۲ ع طبرانی اور حاکم بروایت ابن مسعود ۱۲

صراط پر گذرنا موافق نور ہی کے ہوگا کوئی تو آنکھ کے جھپکتے ہی اتر جاوے گا اور کوئی بجلی کی طرح اور بادل کی طرح اور کوئی شہاب کی طرح اور کوئی سرپٹ گھوڑے کی طرح گزرے گا اور جس کے صرف انگوٹھوں پر نور ہوگا وہ رگڑتا چلے گا کہ ایک ہاتھ کو بچاوے گا تو دوسرا لٹک جاوے گا اور اسی طرح ہاتھ پاؤں کو آگ لگ کر خلاص ہوگا اس بیان سے لوگوں کے ایمان کا تفاوت معلوم ہوتا ہے اور یہ جو کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان تمام جہانوں کے ایمان کے ساتھ سوائے پیغمبروں کے وزن کیا جاوے تو انہیں کا ایمان بھاری ٹھہرے اس کی یہ مثال ہے کہ کوئی یوں کہے کہ اگر آفتاب کا نور اور تمام دنیا کے چراغوں کا مقابل کیا جاوے تو آفتاب کا ہی نور غالب رہے پس عوام میں سے بعضوں کے ایمان کا نور چراغ جیسا ہے اور بعضوں کا نور مشعل جیسا اور صدیقین کے ایمان کا نور مثل چاند اور ستاروں کے نور کے ہے اور انبیاء کے ایمان کا نور آفتاب کی مانند تو جس طرح کہ آفتاب کے نور سے تمام آفاق کی صورت باوجود وسعت کے منکشف ہو جاتی ہے اور چراغ کے نور سے صرف مکان کا ایک کونا ظاہر ہوتا ہے اسی طرح سینہ کے انشراح کا فرق سمجھنا چاہیئے کہ قلوب عارفین پر بباعث معرفت تمام عالم ملکوت منکشف ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر حدیث شریف میں وارد ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ط اس حدیث سے کئی باتیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ درجات ایمانی میں تفاوت ہے اور یہ کہ اسقدر ایمان دخول نار کا مانع نہیں اور یہ کہ جس شخص کا ایمان مثقال سے بڑھ کر ہوگا وہ تو داخل نار نہ ہوگا کیونکہ اگر وہ بھی داخل ہوتا تو حکم اس کے اخراج کا بھی ہوتا اور ایک یہ کہ جس کے دل میں بوزن ذرہ ایمان ہوگا اگرچہ دوزخ میں جاوے مگر اس میں ہمیشہ نہ رہے گا اور اسی طرح اس حدیث شریف میں ح لَیْسَ شَیْءٌ خَیْرًا مِّنْ اَلْفِ مِثْلِہٖ اِلَّا الْاِنْسَانُ الْمُؤْمِنُ ط ارشاد ہے فضیلت پر قلب عارف باللہ کے جو یقین کامل رکھتا ہو کیونکہ وہ ہزار عامی لوگوں کے قلب سے بہتر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [۳] وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اس میں مومنین کو فضیلت دی مسلمانوں پر اور مومن سے غرض یہ ہے کہ عارف ہو مقلد نہ ہو اور یہ فرمایا [۴] يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۔ درجات اس آیت میں الذین آمنوا سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جنہوں نے بدون علم کے تصدیق کی ان لوگوں کو علم والوں سے علیحدہ بیان فرمایا اور اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مومن کا لفظ مقلد پر بھی بولا جاتا ہے اگرچہ تصدیق کشف اور بصیرت سے نہ ہو اور حضرت ابن عباس نے وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم کا درجہ مومن پر سات سو درجہ کرے گا کہ ہر درجے کا فاصلہ اس قدر ہوگا جیسا آسمان اور زمین کا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ اَكْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْبُلْهُ وَعِلِّيُّوْنَ لِذَوِي الْاَلْبَابِ اور نیز یہ ارشاد فرمایا فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ

ح قیامت کو یہ حکم ہوگا کہ دوزخ میں سے ان لوگوں کو نکال لو جن کے دل میں ایک مثقال کے برابر ایمان ہو اور نصف مثقال اور چوتھائی مثقال کے برابر اور ذرہ بھر ہو ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابو سعید رضی اللہ عنہ مگر ربع مثقال کا لفظ نہیں ہے ۱۲ ح کوئی چیز اپنی جیسی ہزار چیزوں سے اچھی نہیں سوائے ایماندار انسان کے ۱۲ طبرانی بروایت سلمان باسناد حسن ۱۲ ت [۳] اور تم غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو ۱۲ ت [۴] اللہ اونچے کرے درجے ان کے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں اور علم ۱۲ ح اہل جنت اکثر بھولے ہیں اور اونچا درجہ مقام علیین عقل والوں کے لیئے ہے ۱۲ بروایت انس بسند ضعیف مگر اس میں علیون لذوی الالباب نہیں اور مجھ کو کہیں یہ جملہ مرفوعاً نظر نہیں آیا بلکہ مدرج ہے ۱۲

کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی . اور ایک روایت میں یوں وارد ہے . کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ . پس ان دلیلوں سے واضح ہوتا ہے کہ تفاوت درجات اہل جنت کا مطابق ان کے معارف اور قلوب کے ہوگا اسی لیئے روز قیامت کو تغابن یعنی گھاٹے کا دن کہتے ہیں کیونکہ جو کوئی اللہ کی رحمت سے محروم رہے گا اس کو بڑا گھاٹا اور نقصان ہوگا اور اس طرح کا شخص اپنے اوپر بڑے درجے دیکھے گا اور اس کو دیکھنا ایسا ہوگا جیسے دس روپیہ والا ایسے شخص کو دیکھے جو روئے زمین کا مالک ہے اگرچہ دونوں غنی ہیں لیکن دونوں میں فرق زمین و آسمان کا ہے پس جس کو آخرت کے بڑے بڑے درجات اور فضائل سے کچھ کم ملے گا اس کو کتنا بڑا نقصان ہوگا

اہل تصوف کے طریق تعلیم کی درستی اور اس کے دلائل شرعیہ

جاننا چاہیئے کہ جس شخص کے دل میں کچھ تھوڑی سی چیز بھی بطریق الہام یا بے خبر دل میں پڑنے کے منکشف ہو جاوے تو وہ بجہت صحت طریق کے عارف کہلا دے گا اور جس کو یہ بات کبھی نہ معلوم ہو تو اس کو بھی اس پر ایمان چاہیئے کیونکہ درجہ معرفت آدمی کے اندر امر جبلی ہے اور اس کے لیئے دلائل شرعی اور تجربہ اور حکایات موجود ہیں دلائل یہ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے . وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ . یعنی حکمت کا ظہور قلب سے بسبب دوام عبادت کیلئے تعلم بطریق کشف اور الہام کے ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَہُ اللّٰہُ عِلْمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ وَمَنْ لَمْ یعمل بما یعلم تاہ فیما یعلم ولم یوفق یعمل حتّٰی یستوجب النار اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ یَّتَّقِ اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب یعنی اشکالات اور شبہات سے مخرج نصیب ہوتا ہے اور علم اور فطانت بدون تعلم اور تجربہ کے عنایت ہوتا ہے اور فرمایا یا ایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا اس میں فرقان سے مراد نور ہے کہ جس سے حق و باطل میں فرق کرے اور شبہات سے نکل جاوے اور اسی جہت سے آنحضرت ؐ اپنی دعاؤں میں اکثر نور اس طرح مانگا کرتے تھے اللّٰھم اعطنی نورًا وزدنی نورًا واجعل لی فی قلبی نورًا وفی قبری نورًا وفی بصری نورًا یہاں تک کہ یوں فرماتے میرے بال اور

ح۱ عالم کا رتبہ عابد پر اتنا زیادہ ہے جتنا میرا رتبہ میرے اصحاب میں سے ادنی الشخص پر زیادہ ہے ۱۲ ترمذی نے بروایت ابی امامہ دونوں روایتوں کو نقل کیا ہے ۱۲ ح۲ جیسا فضل چودھویں رات کے چاند کو ہے اور ستاروں پر ۱۲ ح۳ جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سوجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں ح۴ جو شخص اپنے علم کے بموجب عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو علم ان اشیا کا عنایت کرتا ہے جو اس کو معلوم نہیں اور عمل کرنے کی اس کو توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ مستحق جنت کا ہو اور جو علم کے بموجب عمل نہیں کرتا جو کچھ جانتا ہے اس میں حیران ہوتا ہے اور عمل کی توفیق نہیں دیا جاتا حتی کہ مستحق دوزخ کا ہو جاتا ہے باب العلم میں گزری دفعہ فیما العلم اس میں نہیں ہے ۱۲ ح۵ جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے اس کا گذارا اور روزی دے اس کو جہاں سے اس کو خیال نہ ہو ح۶ اے ایمان والو اگر ڈرتے رہو گے اللہ سے تو کر دے گا تم میں فیصلا ۱۲ ح۷ الٰہی مجھ کو نور دے اور نور میں مجھ کو زیادہ کر اور میری قبر میں اور میری قبر میں اور میرے کان میں اور میری آنکھ میں نور عنایت فرما ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابن عباس

گوشت و پوست اور خون اور ہڈیوں میں نور عنایت فرما اور جب آپ سے اس آیت کی تفسیر میں[1] افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ شرح صدر کے معنی پوچھے گئے تو ارشاد فرمایا کہ اس سے غرض فراخی ہے یعنی نور جب دل میں ڈالا جاتا ہے تو اس کے لئے سینہ کھل جاتا ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے لئے دعا مانگی[2] اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات خفیہ نہیں بتلا دی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو کتاب اللہ کی سمجھ مرحمت کر دیتا ہے اور یہ بات تعلم سے نہیں آتی اور اس آیت میں یہ کہ[3] یوتی الحکمۃ من یشآء بعضوں نے حکمت کی تفسیر فہم کتاب اللہ کی ہے اور اس آیت میں[4] ففھمناھا سلیمان جو بات حضرت سلیمانؑ پر بواسطہ کشف ظاہر ہوتی تھی اس کو فہم سے تعبیر فرمایا اور حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ مومن وہ ہے جس کو اللہ کے نور سے پردہ کے پیچھے کی چیز نظر آوے اور قسم کھاکر ارشاد فرماتے ہیں کہ بات ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ امر حق کو مومنوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے اور ان کی زبانوں پر جاری کر دیتا ہے اور بعض سلف کا قول ہے کہ مومن کا غلبۂ گمان کہانت ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے[5] اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ تعالیٰ اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں[6] قد بینا الآیات لقوم یوقنون[7] قد بینا الآیات لقوم یوقنون اور حضرت امام حسن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا[8] العلم علمان فعلم باطن فی القلب فذالک ھو العلم النافع اور بعض علماء سے علم باطن کے معنی پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ایک بھید ہے اللہ کے اسرار میں سے کہ اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ اور کسی فرشتہ خواہ آدمی کو اس پر آگاہ نہیں فرماتا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا امتی محدثین ومعلمین وان عمر منھم اور حضرت ابن عباسؓ نے وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی کے بعد ولا محدث بھی پڑھا ہے اور محدّث کے معنی صدیقین فرماتے ہیں غرضیکہ محدث اس کو کہتے ہیں جس پر الہام ہوا اور الہام والا وہ شخص ہے کہ جس پر باطن قلب سے انکشاف اشیاء ہو محسوسات خارجی کی حاجت نہ ہو اور قرآن شریف میں یہ امر مصرح ہے کہ تقویٰ مفتاح ہدایت اور کشف ہے اور اسی کا نام علم بدون تعلم ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ اور ھٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَھُدًی وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ہدایت میں اہل تقویٰ کی ہی تخصیص فرمائی اور ابو یزید فرماتے تھے کہ عالم اس شخص کا نام نہیں ہے

---

[1] بھلا جس کا سینہ کھول دیا مسلمانی پر اللہ نے سو وہ جائے ہیں ہے اپنے رب کی طرف سے ۱۲ حاکم ومستدرک بروایت ابن مسعود ۱۲ [2] الٰہی اس کو دین کی سمجھ عنایت فرما اور معانی کی تعبیر سکھا ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابن عباس ۱۲ [3] دیتا ہے سمجھ جس کو چاہے ۱۲ [4] پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو [a] پردہ کے الخ اصل ستر رقیق ہے یعنی باریک پردہ کے پیچھے اور اس صورت میں مطلب ہے یہ کہ وہ نور الٰہی ہے اس طرح دیکھتا ہے کہ باریک پردے کے پیچھے کی چیز نظر آتی ہے ۱۲ [5] مومن کی فراست سے ڈرتے رہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے ۱۲ ترمذی بروایت ابو سعید ۱۲ [6] بیشک اس میں پتے ہیں دھیان کرنے والوں کو ۱۲ [7] ہم نے بیان کر دی نشانیاں واسطے ان لوگوں کے جن کو یقین ہے ۱۲ [8] میری امت میں بعض لوگ صادق اور تعلیم کرنے والے ہیں اور عمرؓ ان میں سے ہیں ۱۲ بخاری بروایت ابوہریرہ بلفظ دیگر [9] نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ۱۲ [10] اور جو بنایا اللہ نے آسمان اور زمین میں پتے ہیں نیک لوگوں کو جو ڈرتے ہیں [11] یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ڈر والوں کو ۱۲

کہ کتاب میں سے کچھ یاد کرلے اور جب اس کو بھول جاوے تو جاہل رہ جاوے بلکہ عالم اس کو کہتے ہیں کہ علم اشیاء پروردگار
کے پاس سے جس وقت چاہے بدون درس وحفظ حاصل کرلے اور علم ربانی اسی کو کہتے ہیں اور اسی طرف اشارہ ہے اس
آیت میں وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[1] ورنہ ہر ایک علم اسی کی طرف سے ہے فرق یہ ہے کہ بعض علوم بواسطہ تعلیم خلق ہوتے
ہیں ان کا نام علم لدنی نہیں بلکہ علم لدنی وہ ہے کہ جو قلب میں بدون کسی سبب خارجی معتاد کے حاصل ہو یہ دلائل نقلی
ہیں اور اگر سب آیات واحادیث جو اس باب میں وارد ہیں لکھے جاویں تو بیشمار ہو جاویں تجربہ سے جو مشاہدہ ان
امور کا ہوا ہے وہ بیان ہوتا ہے وہ بھی بے نہایت ہے اور صحابہ اور تابعین اور بعد کے لوگوں کو سب کو ہوا ہے جیسا
کہ روایت ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہ سے اپنی موت کے وقت فرمایا کہ تیرے دو بھائی اور دو بہنیں
ہیں حالانکہ حضرت کی زوجہ اس وقت حاملہ تھیں اور بعد میں بیٹی پیدا ہوئی تو پیدا ہونے سے پہلے ہی معلوم کرلیا کہ لڑکی پیدا
ہوگی اور حضرت عمرؓ نے عین خطبہ کے درمیان ارشاد فرمایا کہ[2] یَا سَارِیَةَ الْجَبَلَ یعنی جب آپ کو کشف سے معلوم ہوا
کہ دشمن لشکر اسلام پر چڑھ آیا تو آپ نے لشکر اسلام کو للکارا کہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ پھر اس آواز کا لشکر میں پہنچ جانا بڑی کرامت
ہے اور انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں ایک روز حضرت عثمان کی خدمت میں جاتا تھا راستہ میں مجھ کو ایک
عورت ملی میں نے اس کو دیکھا اور اس کے حسن کا اچھی طرح معائنہ کیا پس جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت
عثمان نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض آدمی میرے پاس ایسے آتے ہیں جن کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے
کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ آنکھوں کا زنا بری طرح سے دیکھنا ہے تو توبہ کر ورنہ تجھ کو سزا دوں گا میں نے پوچھا کہ بعد
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی وحی ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں لیکن بصیرت اور فراست صادقہ ہے اور ابوسعید
خراز سے نقل ہے کہ ایک بار میں حرم شریف میں گیا اور ایک فقیر کو دیکھا کہ دو خرقے پہنے ہوئے ہے دل میں کہا کہ
اس قسم کے لوگ آدمیوں پر بھاری ہوتے ہیں اس نے مجھ پکارا اور کہا[3] اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ
تو میں نے اپنے دل میں استغفار کیا پھر اس نے مجھ کو پکار کر کہا[4] هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ اور یہ کہہ کر
میری نظروں سے غائب ہوگیا اور زکریا ابن داؤد سے روایت ہے کہ ابوالعباس ابن مسروق ابوالفضل ہاشمی کی عیادت
کو گئے اور یہ مریض عیال والے تھے اور بسر اوقات کا سامان ظاہری کچھ نہ تھا جب ابوالعباس اٹھنے لگے دل میں
کہا کہ الٰہی یہ شخص کہاں سے کھاتا ہوگا اسی وقت ابوالفضل نے آواز دی کہ خبردار اس نکمی بات کا کبھی دھیان نہ کر
خدا تعالیٰ کے الطاف پوشیدہ بہت ہیں اور احمد نقیب سے روایت ہے کہ ایک روز میں حضرت شبلی کی خدمت میں
گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے احمد خدا تعالیٰ نے ہم سب کو پہنچان کے لئے دماغ دیا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت کیا حال
ہے آپ نے فرمایا میں اس وقت بیٹھا ہوا تھا میرے دل میں یہ بات گزری کہ تو بخیل ہے احمد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا

ت[1] اور ہم نے دیا اس کو اپنے پاس سے ایک علم ۱۲ ح[2] اے لشکر والو پہاڑ کی جانب اختیار کرو ت[3] اللہ کو معلوم ہے جو تمہارے دل میں ہے اس سے ڈرتے رہو ۱۲ ت[4] وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے ح یعنی میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جن سے باتیں کی جاویں گی اور ان کو علم دیا جائے گا اور کلام کیا جائے گا ۱۲

کہ حضرت میں تو بخیل نہیں ہوں پھر آپ نے تامل کر کے فرمایا کہ بیشک تو بخیل ہے پھر میں نے دل میں قصد کیا کہ جو کچھ آج
مجھ کو ملے گا اس کو جو فقیر مجھ کو اول ملے گا اسے دے ڈالوں گا میں اسی فکر میں تھا کہ ایک شخص میرے پاس پچاس
اشرفیاں لے کر آیا اور کہا کہ اس کو اپنے مصارف میں خرچ کرو ان کو لے کر ایفائے وعدہ کے لیئے اٹھا دیکھا تو ایک
اندھا فقیر نائی سے سر منڈاتا ہے میں اس کے سامنے جاکر اشرفیاں اس کو دینے لگا اس نے جواب دیا کہ نائی کو
دے دے میں نے کہا کہ پچاس ہیں اس نے جواب دیا کہ تجھ سے کہہ نہیں دیا کہ تو بخیل ہے نائی کو دے دے جب نائی
کو دینے لگا تو اس نے کہا کہ جب سے یہ فقیر مجھ سے سر منڈانے بیٹھا ہے میں نے عہد کیا ہے کہ اجرت نہیں لوں گا پس
میں نے ان اشرفیوں کو دریا میں پھینک دیا اور یہ کہا کہ جو کوئی تمہاری عزت کرتا ہے اس کو خدا ذلیل کرتا ہے اور
حمزہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ حضرت ابوالخیر کے گھر گیا اور دل میں عہد کیا کہ ان کے گھر کچھ کھانا نہ
کھاؤں گا جب میں گھر سے نکلا تو دیکھا وہ میرے پاس کھانے کا ایک طباق لیئے آتے ہیں فرمایا کہ لو اب کھاؤ یہاں تو
میرا گھر نہیں ہے اور ان صاحب کی کرامتیں بھی مشہور ہیں چنانچہ ابراہیم رقی سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ ان کی زیارت
کو گیا مغرب کی نماز انہوں نے پڑھائی تو الحمد بھی اچھی طرح نہ پڑھ سکے میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ناحق میں ان کے
پاس آیا جب نماز ہو چکی تو میں استنجے کو باہر گیا ایک شیر نے مجھ کو للکارا میں نے ابوالخیر کی خدمت میں آکر حال بیان کیا آپ
نے وہیں سے شیر کو للکارا کہ کیوں ہم نے کہہ نہیں دیا کہ ہمارے مہمانوں سے مزاحمت نہ کیا کر یہ سنتے ہی شیر علیحدہ ہو گیا میں
طہارت کے بعد جب پھرا تو مجھے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے ظاہر کو سیدھا کیا ہے اس جہت سے شیر سے ڈر گئے اور ہم نے
اپنے باطن کو سیدھا کیا ہے اس لیئے شیر ہم سے ڈرتا ہے اسی طرح کی بے انتہا حکایتیں ہیں جن سے مشائخ کی فراست
اور لوگوں کے دلوں کا حال معلوم کرنا ان کے اعتقاد کو بتلا دینا پایا جاتا ہے بلکہ مشائخ نے جو حضرت خضر سے ملاقات
کی ہے اور ان سے سوال کیئے ہیں اور ہاتف کی آوازیں سنی ہیں اور دیگر اقسام کی کرامات اس قدر ہیں کہ ان کا حصر
بھی نہیں ہو سکتا ہاں منکر کے لیئے حکایات کافی نہیں جب تک اس کو اس کے نفس سے اس کا مشاہدہ نہ ہو جاوے
جو شخص خود اس کیفیت کا منکر ہوگا وہ سب تفصیل کا منکر ہوگا لیکن وہ دلیل قاطع کہ جس کا کوئی انکار نہ کرے دو باتیں
ہیں اول تو عجیب غریب سچی خوابیں کہ ان سے غیب کا حال کھلتا ہے کیونکہ جب یہ ممکن ہوا کہ خواب میں احوال غیب
منکشف ہو جاوے تو بیداری میں ہو جانا محال نہیں اس واسطے کہ فرق دونوں حالتوں میں صرف یہی ہے کہ خواب میں
حواس ساکن ہوتے ہیں اور محسوسات ظاہری کی طرف مشغول نہیں ہوتے اور یہ بات اکثر بیداری میں بھی واقع ہو جاتی
ہے کہ اگر آدمی کسی بات کو خود غور کر رہا ہو تو اس وقت نہ آواز سنتا ہے اور نہ کوئی چیز دیکھتا ہے اپنے دھیان میں
دوسرے خبر دینا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کے احوال سے اور امور آئندہ سے جیسا کہ قرآن و حدیث
سے ثابت ہے اور جب یہ بات نبی سے ثابت ہوئی تو غیر نبی سے بھی ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ نبی اس شخص کو کہتے
ہیں جس کو حقائق امور مکاشفہ سے معلوم ہوں اور اصلاح خلق میں مشغول ہو تو ممکن ہے کہ کوئی اور شخص اس طرح کا ہو
جس کو حقائق امور مکاشفہ سے معلوم ہو جاویں مگر اصلاح خلق اس کا کام نہ ہو ایسے شخص کو نبی تو نہ کہیں گے بلکہ ولی

کہیں گے اب جو آدمی انبیاء کو مانے گا اور سچے خوابوں کی تصدیق کرے گا اس کو بالضرور اقرار کرنا پڑے گا کہ قلب کے دو دروازے ہیں ایک خارج یعنی حواس کی طرف دوسرا عالم ملکوت کی طرف جس کو دروازہ الہام اور وحی کہتے ہیں جب ان دونوں دروازوں کا اقرار کرے گا تو پھر یہ نہیں کہہ سکتا کہ علوم کا انحصار صرف تعلم اور اسباب معتاد ہی پر منحصر ہے بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذریعہ علم کا صرف مجاہدہ ہو اس بیان سے حقیقت آمد و شد قلب کی درمیان عالم ظاہری اور عالم ملکوت کے صاف ظاہر ہے لیکن یہ بات کہ خواب میں انکشاف امر کیوں ہوتا ہے اور انبیاء اور اولیاء کے لیئے فرشتے صور مختلفہ میں کیوں ہوتے ہیں یہ اسرار عجائب قلب میں سے ہیں اور اس کا بیان علم مکاشفہ کے لائق ہے اسی لیئے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ ترغیب مجاہدہ اور اس سے احوال کے معلوم کرنے کے لیئے اتنا ہی بہت ہے بعض مکاشفین سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو کرامؑ کاتبین نے ظاہر ہو کر یہ کہا کہ تم اپنا ذکر خفی اور مشاہدہ توحید کچھ لکھ دو کیونکہ ہم تمہارا کوئی عمل نہیں لکھتے اور اسباب کے آرزو مند ہیں کہ جس عمل سے تم تقرب الی اللہ کرتے ہو اس کو لے کر آسمان پر جا دیں میں نے پوچھا کیا تم میرے فرائض نہیں لکھتے انہوں نے کہا کہ فرائض کو لکھتے ہیں میں نے جواب دیا کہ لکھنے کو بس اسی قدر کفایت ہے اس سے معلوم ہوا کہ کرام کاتبین کو بھی اسرار قلب پر اطلاع نہیں ہوتی وہ بھی اعمال ظاہری پر مطلع ہوتے ہیں اور بعض عارفین سے منقول ہے کہ میں نے ایک ابدال سے مسئلہ مشاہدہ یقین پوچھا تو وہ اپنے بائیں طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ کیوں بھائی کیا کہتا ہے پھر داہنی طرف متوجہ ہو کر کہا پھر سینہ کی طرف گردن جھکا کر یہی کہا اس کے بعد بڑا عجیب و غریب جواب دیا کہ میں نے ویسا کبھی نہ سنا تھا پھر میں نے ان سے متوجہ ہونے کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو جواب تمہارے سوال کا معلوم نہ تھا تو میں نے بائیں طرف کے فرشتے سے پوچھا اس نے کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں تب میں نے داہنے فرشتے سے پوچھا کہ وہ زیادہ جانتا ہے اس نے بھی لاعلمی بیان کی تب میں نے اپنے دل کی طرف دیکھا اور اس سے دریافت کیا تو اس نے وہ جواب دیا جو میں نے تم سے ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دونوں سے زیادہ جانتا ہے پس یہ صاحب گویا مصداق اس حدیث کے ہیں [1] اِنَّ فِی اُمَّتِیْ مُحَدَّثِیْنَ وَاِنَّ عُمَرَ مِنْھُمْ اور ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [2] ایما عبد اطلعت علی قلبه فرایت الغالب علیه التمسك بذکری تولیت سیاسته وکنت جلیسه اور ابو سلیمان درانی فرماتے ہیں کہ قلب بمنزلہ ایک برج کے ہے جس کے چاروں طرف دروازے بند ہیں ان میں سے جو دروازہ اس کے لیئے کھلتا ہے وہ اسی کام کرتا ہے غرضکہ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ قلب کے دروازوں میں ملکوت کی جانب بھی ایک دروازہ ہے اور وہ مجاہدہ اور ورع اور انقطاع شہوات دنیاوی سے کھلتا ہے اور اسی جہت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے رئیسوں کو ارقام فرمایا تھا کہ جو مطیع لوگ تم سے کچھ کہیں اس کو یاد رکھا کرو کیونکہ ان پر امور صادقہ منکشف ہوتے

---

[1] میری امت میں بعض لوگ الہام سے سچی خبریں کہنے والے ہیں اور عمرؓ ان میں سے ہیں ۱۲ بخاری بروایت ابو ہریرہ الفاظ دیگر [2] جس بندہ کے دل پر میں جھانکتا ہوں کہ میرے ذکر کا تمسک اس پر غالب ہے تو اس کی سیاست کا منتظم ہو جاتا ہوں اور اس کا جلیس اور ہم کلام دائمیں ہوتا ہوں ۱۲

ہیں اور بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ حکماء کے منہ پر اللہ کا ہاتھ ہے وہی بات ان کے منہ سے نکلتی ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے لیئے امر حق تیار کر دیتا ہے اور ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خاشعین کو اپنے بعض اسرار پر مطلع فرما دیتا ہے

وساوس کے ذریعہ شیطان کا انسانی قلوب پر تسلط اور اس کی توجہ

یہ مثال پہلے بیان ہو چکی ہے کہ قلب مثل ایک برج کے ہے جس کے گرد بہت دروازے ہوں انہیں دروازوں سے اس پر احوال کی آمد و شد ہوتی ہے یا قلب کو مثل تودہ کے سمجھنا چاہیئے جس پر چار طرف سے نشانے لگتے ہوں یا مثال آئینہ کے جاننا چاہیئے جس پر مختلف صورتیں گزرتی رہتی ہیں اور ایک عکس بعد دوسری کے پڑتا رہتا ہے۔ یا ایک حوض ہے جس میں مختلف نالیوں سے پانی آتا ہے بہر صورت قلب میں ہر اوقات ان نئے نئے آثار کا ظہور یا تو حواس خمسہ ظاہری کی جہت سے ہوتا ہے یا باطن کی جہت سے اس صورت میں خیال اور شہوت اور غضب اور اخلاق مرکبہ انسان کے مزاج میں داخل ہیں مثلاً اگر کسی چیز کو حواس سے معلوم کرے گا تو اس کے دل میں ایک اثر پیدا ہو گا اسی طرح کثرت غذا اور زور طبیعت کے باعث اگر ہیجان شہوت ہو گا تو اس سے بھی دل پر ایک اثر ہو گا اور اگر حواس کو روک دیوے تو نفس میں جو خیالات باقی رہتے ہیں ان کی طرف خیال بٹے گا اور جس طرح خیال ایک شے سے دوسری کی طرف بدلتا جاوے گا اسی طرح دل بھی ایک حال سے دوسرے کی طرف بدلتا جاوے گا غرض کہ دل کی تغیر اور تاثیر ہمیشہ انہیں اسباب سے ہوتی ہے اور جو آثار خاص کر دل میں آتے ہیں ان کو خواطر کہتے ہیں یعنی فکر اور ذکر فکر اور ذکر سے مراد یہ ہے کہ علوم کا قلب ادراک کرتا ہے خواہ وہ نئے ہوں یا پہلی باتوں کا تذکرہ ہو اسی کا نام خواطر ہے کیونکہ یہ چیزیں دل میں آتی ہیں حالانکہ پہلے دل کو ان سے غفلت تھی اور ارادوں کے محرک یہی خواطر ہوتے ہیں اس لیئے کہ جس چیز پر آدمی نیت اور عزم اور ارادہ کرتا ہے پہلے وہ چیز دل میں گزرتی ہے خلاصہ یہ کہ آدمی کے افعال کا مبداء خواطر ہیں پھر خواطر سے رغبت متحرک ہوتی ہے اور رغبت سے عزم اور نیت کو حرکت ہوتی ہے اور نیت اعضا کو حرکت دیتی ہے لیکن جن خواطر سے رغبت متحرک ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک خاطر شر جو انجام کو مضر ہو اور ایک خاطر خیر جس سے آخرت میں نفع ہو اور چونکہ یہ دونوں مختلف ہیں اس لیئے ان کے نام بھی جدا جدا رکھے گئے ہیں خاطر خیر کو تو الہام کہتے ہیں اور خاطر شر کو وسواس بولتے ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ خواطر جو دل میں حادث ہوتی ہے کوئی اس کا بانی بھی چاہیے جس کے سبب یہ دل میں حادث ہوتے ہیں اور از انجا کہ سبب مختلف ہیں ان کے اسباب بھی مختلف ہی ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی عادت بھی اسی طرح ہے کہ جیسا مسبب ہوتا ہے ویسا ہی اس کا سبب ہوتا ہے، مثلاً اگر گھر میں آگ جلا دیں اور دیواریں اس کی روشنی سے روشن ہو جاویں اور دھوئیں سے چھت کالی پڑ جاوے تو صاف معلوم ہو گا کہ سیاہی کا سبب آگ کی روشنی نہیں ہے اسی طرح دل کی روشنی اور سیاہی کے بھی سبب جدا جدا ہیں یعنی خواطر خیر کا سبب فرشتہ ہے اور خواطر شر کا سبب شیطان اور دل کی نرمی جس سے کہ الہام یعنی خواطر خیر کے قبول کے لئے تیار ہوتا ہے توفیق کہلاتی

ہے اور اگر اس سے وسواس شیطانی کو پذیرا کرے تو اس کو خذلان بولتے ہیں کیونکہ معانی کے اختلاف سے الفاظ میں بھی اختلاف ہونا چاہیئے اور فرشتہ سے وہ مخلوق مراد ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے افاضہ خیر اور افادہ علم اور کشف حق اور وعدہ خیر اور امر بالمعروف کے لیئے پیدا کیا ہے اور وہ اسی کام کے لیئے مسخر ہے اور شیطان وہ مخلوق ہے کہ جس کا کام اس کے خلاف ہو یعنی وعدہ شر اور امر بالفحشاء اور خیرات کرنے کے وقت مفلسی کا خوف دلانا وغیرہ اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ کے مقابل الہام ہے اور شیطان کے مقابل فرشتہ اور خذلان کے مقابل توفیق اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں وَمِن كُلِّ شَىْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ[1] یعنی موجودات تمام ما متقابل اور جفت ہیں سوائے ذات خدائے پاک کے کہ اس کا کوئی جفت ہے نہ مقابل بلکہ وحدہ لاشریک خالق جفت تمام چیز دل کا ہے غرض کہ قلب انسانی شیطان اور فرشتہ کی اینچا تانی میں رہتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ فی القلب لمتان لمة من الملك ایعاد بالخیر و تصدیق بالحق فمن وجد ذلك فلیعلم انه من الله سبحانه والیحمد لله و لمة من العد و ایعاد بالشر و تکذیب بالحق و نهی عن الخیر[2] پھر آپ نے یہ آیت پڑھی الشیطان یعدکم الفقر و یامر بالفحشاء آخر تک اور حسن بصریؒ کا قول ہے کہ قصد دل کے گرد پھرتے ہیں ایک اللہ کی طرف سے اور ایک دشمن کی طرف سے پس اللہ رحم کرے اس بندے پر جو قصد کرنے کے وقت توقف کیا کرے اگر اللہ کی طرف سے معلوم ہوا کرے تو اس کو جاری کرے اگر دشمن کی طرف سے جانے تو اس سے لڑے اور قلب کی اسی اینچا تانی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن[3] کیونکہ خدائے تعالیٰ اس بات سے بری ہے کہ اس کی کوئی انگلی مرکب گوشت پوست و خون و ہڈی وغیرہ سے ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ جیسا آدمی جلد جلد انگلیوں سے کام کرتا ہے اور دوسرے کی سرعت کو تحریک انگلیوں سے بتلایا کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتہ اور شیطان سے کام لیتا ہے اور یہ دونوں دل کے بدلنے میں مثل آدمی کے انگلیوں کے ہیں اجسام کے بدلنے میں اور یہ اعتبار اصل پیدائش کے دل میں لیاقت قبول کرنے آثار ملکی اور شیطانی کی دونوں کی مساوی ہے کسی کو ترجیح ایک دوسرے پر نہیں ہاں اتباع شہوات اور ان کی مخالفت سے ایک جانب سے دوسرے پر ترجیح ہو جاتی ہے یعنی اگر انسان غضب اور شہوت کے مقتضا کے موافق کام کرے گا تو شیطان بواسطہ خواہش نفسانی غالب ہو جاوے گا اور اس صورت میں قلب شیطان کا ملجا اور ماوا ہو گا کیونکہ خواہش نفسانی اس کی چراگاہ اور سیرگاہ ہے اور اگر شہوت کو مغلوب کر کے فرشتوں کے اخلاق اختیار کرے گا تو اس صورت میں دل فرشتوں کی منزل اور مستقر ہو جاوے گا اور چونکہ قلب میں صفات بشریہ یعنی شہوت و غضب و حرص و طمع و طول امل وغیرہ جو خواہش نفسانی کی فرع ہیں سب موجود ہیں تو بالضرور ہر ایک قلب میں شیطان کو بھی وسوسہ کرنے کی مجال ہے اسی جہت سے

---

[1] اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے ۱۲ [2] دل میں جو اتارے ہوتے ہیں ایک فرشتہ کا اتارا اس کا کام خیر کا وعدہ دینا اور امر حق کا سچ جاننا ہے جس کو یہ معلوم ہو تو جان لے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور شکر کرے اور ایک اتارا دشمن یعنی شیطان کا ہے اس کا فعل امر حق کو جھٹلانا اور امر خیر کو منع کرنا ہے جس کو یہ معلوم ہو اس چاہیئے کہ خدا سے پناہ مانگے شیطان مردود سے ۱۲ نسائی ورکبرے بروایت ابن مسعود [3] شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو نیکی کا اور حکم کرتا ہے بیحیائی کا ۱۲ [4] مومن کا دل دو انگلیوں میں ہے خدا تعالیٰ کی انگلیوں میں سے ۱۲ اوپر گزری

حدیث شریف میں آیا ہے مامنکم من احد الا و له شیطانه قالوا وانت یا رسول الله قال وانا الا ان الله اعانني عليه فاسلم ولا یامر الا بخیر اور شیطان کا خیر کے لیے عمل کرنا صرف شہوت ہی کے ذریعہ سے تصرف کرنا ہے پس جس کسی پر خدا تعالیٰ نے عنایت کی اور اس کی شہوت کو اس کا ایسا مطیع کر دیا کہ حدِ مناسب کے سوا اس کا ظہور نہ ہونے پاتے تو اس صورت میں اس کی شہوت اس شخص کو شر کی طرف داعی نہیں ہوتی پس شیطان بھی کہ شہوت ہی کا چولا پہنے ہوئے ہے اس کو امر خیر کے سوا کچھ نہیں کہتا اور جب دل پر ذکر دنیا کی خواہش نفسانی کے سبب غالب ہو جاتا ہے تو شیطان کو مجال وسوسہ کی ملتی ہے اور اپنے کام میں مصروف ہوتا ہے اور جب قلب ذکر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو شیطان کو موقع نہیں ملتا ہے اور چل دیتا ہے اس وقت فرشتہ اپنی مداخلت کرتا ہے اور ان شیاطین اور فرشتوں کے دونوں لشکروں میں ہمیشہ یہی کشمکش دل پر رہتی ہے یہاں تک کہ قلب ایک کا ان میں سے منقاد ہو جاتا ہے اور پھر اسی کا مستقر اور مکان بن جاتا ہے دوسرے کا گزر اس میں اگر ہوتا بھی ہے تو چھینا جھپٹی کے طور پر ہوتا ہے لیکن اکثر قلوب کا یہ حال ہے کہ لشکر شیاطین نے ان کو مفتوح اور مسخر کر لیا ہے اور ان کا مالک بن بیٹھا ہے تو ایسے دل وسوسوں سے پر ہیں اور انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے اور اس لشکر کے غالب ہونے کا مبداء شہوات اور ہوائے نفسانی کا اتباع ہے اب جب تک کہ شیطان کا زور کم نہ ہوگا ان کا مسخر ہونا ممکن نہیں اور اس کا زور اس طرح کم ہوتا ہے کہ شہوت اور ہوائے نفسانی سے دل کو خالی کرے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کو پر کرے جس کے سبب فرشتوں کا اثر دل پر نزول کرتا ہے جابر بن عبیدہ عدوی فرماتے ہیں کہ علا بن زیاد سے میں نے شکایت کی میرے دل میں وسوسہ ہوتا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ ایک گھر میں چور گھسے اگر اس میں کچھ ہوگا تو مار کر لے جاویں گے اور اگر کچھ نہ ہوگا تو چھوڑ جاویں گے غرض اس سے یہ ہے کہ جو دل ہوائے نفسانی سے خالی ہوتا ہے اس میں شیطان نہیں جاتا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے [ت۲] اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ پس جو آدمی اتباع ہوائے نفسانی کرتا ہے وہ گویا اللہ کا بندہ نہیں ہے اس کو بندہ ہوا کہنا چاہیئے چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے [ت۳] اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ اس میں صاف ارشاد فرمایا کہ متبع ہوائے نفسانی بندہ ہوا ہے اسی کو اپنا معبود سمجھتا ہے پس ایسے شخص پر شیطان کو غالب فرما دیا ہے اور شیطان سے بچاؤ کے لئے بھی احادیث میں ذکر اللہ ہی مذکور ہے مثلاً حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ کہ شیطان مجھ میں اور میری نماز میں حائل ہوتا ہے یعنی نماز و قرأت میں وسوسہ ڈالتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا [ت۴] ذٰلِكَ شیطان یقال له خنزب فاذا احسسته فتعوذ بالله منه واتفل عن یسارك ثلاثًا۔ عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے ارشاد کے بموجب عمل کیا تو وہ بات جاتی رہی اسی طرح حدیث میں وارد ہے اِنَّ للوضوء شیطانًا یقال له الولهان

ع۱ اسلم کے یہاں معنی مطیع ہو گیا ہے ہو سکتے ہیں ۱۲ ت۲ وہ میرے بندہ ہیں ان پر نہیں تیری حکومت ۱۲ ت۳ بھلا دیکھو تو جس نے ٹھہرایا اپنا حاکم اپنی چاؤ کو ۱۲
ح۴ اس شیطان کو خنزب کہتے ہیں جب وہ تجھ کو معلوم ہوا تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ اور اپنے بائیں طرف تھوکو تین بار ۱۲

فاستعیذ باللّٰہ منہ اور خدا کے ذکر ہی سے شیطان کا دفع ہونا ایک عمدہ وجہ سے ہم ثابت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وسوسہ شیطانی دل میں سے جب ہی جاوے گا جب اس وسوسہ کے سوا کوئی اور بات دل میں گذرے کیونکہ جب ایک بات کا دل میں گذر ہوتا ہے دوسری سے جو اس کے اوّل تھی وہ اس میں نہیں رہتی پس دل کو کسی اور بات کی طرف متوجہ کرنے سے وسوسہ شیطانی رفع ہو سکتا ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس دوسری بات میں بھی وسوسہ کرنے لگے لیکن ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات ایک ایسی شے ہیں کہ ان کے ہوتے شیطان کی مجال نہیں ہوتی کہ دل کے پاس پھٹکے اس سے معلوم ہوا کہ وساوس کے دفع کے لیئے سوائے ذکر الٰہی اور اس کے متعلقات کے کوئی شے مفید نہیں اور اسی سے دفع شیطان کے لیئے [ت۲]اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واقع ہوا ہے اور اس کی دفع کی قدرت انہیں کو ہے جو متقی ہیں اور اکثر ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں ایسے لوگوں پر شیطان زلالت کے وقت میں خفیہ گزر کر جاتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے [ت۳]ان الذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ہم مبصرون اور مجاہد من شر الوسواس الخناس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان دل پر پھیلا ہوا ہے جب قلب ذکر الٰہی کرتا ہے تو وہ دبکتا ہے اور سکڑ جاتا ہے اور جب غافل ہو جاتا ہے تو پھیلتا ہے اور ذکر اللہ اور وسوسہ میں ایسا اختلاف ہے جیسا روشنی اور اندھیرے میں یا دن اور رات میں ہے اور ان دونوں میں ضدیت ہی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے [ت۴]استحوذ علیہم الشیطان فانساہم ذکر اللہ اور حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا [ت۵]ان الشیطان واضع خرطومہ علی قلب ابن آدم فان ہو ذکر اللہ تعالیٰ خنس وان نسی اللہ تعالیٰ التقم قلبہ اور ابن اوضاع سے روایت ہے کہ جب آدمی چالیس برس کا ہو جاتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو شیطان اس کے منہ پر ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس صورت کے قربان جایئے کہ فلاح نہیں پانے کی غرض کہ شہوات آدمی کے گوشت اور خون میں گھسے ہوئے ہیں تو سلطنت شیطان کی بھی اس کے خون اور گوشت میں موجود ہے اور قلب کو چہار کی طرف سے محیط ہے اسی لیئے حدیث شریف میں وارد ہے [ت۶]ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم فضیقوا مجاریہ بالجوع اور یہ اسی لیئے فرمایا ہے کہ بھوک کے باعث شہوات کمزور ہوتے ہیں اور شیطان کی دخل کی راہ شہوات ہی ہیں اور

[خ] وضو میں بہکانے کے لیئے ایک شیطان ہے جس کو ولہان کہتے ہیں اس سے خدا تعالیٰ کی پناہ چاہو ۱۲ ابن ماجہ ترمذی بروایت ابی بن کعب اور کہا کہ غریب ہے اور اس کی اسناد اہل حدیث کے نزدیک قوی نہیں ہے ۱۲ [ت۲] پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے شیطان مردود سے ۱۲ [ت۲] نہیں طاقت گناہ سے بچنے کی اور نہ قوت بندگی کی مگر ساتھ اللہ برتر اور عظمت والے کی توفیق کے ۱۲ [ت۳] جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گزر چونک گئے پھر تب ہی ان کو سوجھ گئی۔ [ت۵] بدی سے اس کو جو سنکارے اور چھپ جائے ۱۲ [ت۶] قابو میں کر لیا ہے ان کو شیطان نے پھر بھلا دی ان کو اللہ کی یاد [ت۷] شیطان اپنی سونڈ آدمی کے دِل پر رکھے ہوئے ہے پس اگر آدمی ذکر خدا کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور اگر خدا کو بھول جاتا تو شیطان اس کے دِل کو نگل لیتا ہے۔ ۱۲ ابن ابی الدنیا و ابو یعلی و ابن عدی اور ضعیف کہا ہے [ت۸] شیطان آدمی زاد کے بدن میں خون کی جگہ پھرتا ہے پس اس کے پھرنے کی وجہ کو بھوک سے تنگ کر دو اور پر گذری [ت۹] میں بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر پھر ان پر آؤں گا آگے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے ۱۲

قلب کا چار طرف سے شہوات میں گھرا رہنا اس آیت سے ثابت ہے لاقعدن لھم صراطک المستقیم ثم لاٰتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم اور بھی ذکر اس حدیث میں ہے کہ ان الشیطان قعد لابن ادم بطریق فقعد لہ بطریق الاسلام فقال اتسلم وتذرک دین آبائک فعصاہ اسلم ثم قعد لہ بطریق اتسلم الھجرۃ فقال اتھاجر وتدع ارضک و سمائک فعصاہ وھاجر ثم قعد لہ بطریق الجہاد للمجاہد فقال وھو تلف النفس والمال فتقاتل فتقتل فتنکح نسائک وتقسم مالک فعصاہ فجاھد پھر آپ نے یہ فرمایا کہ جو شخص ایسا کرے گا خدا بالضرور اس کو داخل جنت کرے گا پھر آپ نے ذکر وسوسہ کا فرمایا کہ وہ اسی طرح کے خواطر ہیں جیسے مجاہد کے دل میں گزرے کہ اگر مارا جاؤں گا تو میری منکوحہ غیر سے منسوب ہو جاوے گی اور اس طرح کے اور وسواس جو اس کے جہاد سے مانع ہوں اور یہ خواطر سب کو معلوم ہیں تو وسواس بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سبب ان خواطر کا شیطان ہوتا ہے اور آدمی کا اس سے جدا ہونا مقصود نہیں البتہ اس کی متابعت اور نافرمانی کی جہت سے آدمیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے اسی جہت سے آنحضرت صلعم نے فرمایا ما من احد الا ولہ شیطان اس سارے بیان سے معنی وسوسہ اور الہام اور فرشتہ اور شیطان اور توفیق اور خذلان کے معلوم ہو گئے اب اگر کوئی یہ دریافت کیا چاہے کہ شیطان کیا چیز ہے وہ جسم لطیف ہے یا نہیں اور اگر جسم ہے تو انسان کے بدن میں کیسے گھستا ہے تو ان باتوں کا ذکر علم معاملہ میں ضروری نہیں بلکہ جو کوئی ایسی باتیں پوچھے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے کپڑوں میں سانپ گھس جائے تو وہ اس بات کی فکر نہ کرے کہ کسی طرح نکل جاوے اور اس کے آسیب سے حفاظت ہو جاوے بلکہ یوں پوچھنے لگے کہ سانپ کا رنگ اور شکل کیسی ہے اور اس کا طول وعرض کیا ہے تو ایسا سوال جہالت محض ہے پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ آدمی کے دل میں ایسے خواطر گزرتے ہیں جو باعث شر کے ہوا کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان خواطر کا کوئی سبب ہوا کرتا ہے اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ جو چیز آئندہ کے شر کی طرح داعی ہو وہ دشمن جانی ہے تو ان باتوں سے دشمن کا وجود تو یقیناً معلوم ہوا اب اس باب میں کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ دشمن ضرر نہ پہنچا سکے اللہ تعالیٰ نے اس کی عداوت کا اپنی کتاب پاک میں اکثر جا اسی لیئے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگ اس پر ایمان لاویں اور اس کے ضرر سے بچیں۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعوا حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہوا الم اعھد الیکم یا بنی ادم ان لاتعبدوا الشیطان انہ لکم عدو مبین پس آدمی کو واجب ہے کہ اس دشمن سے اپنے آپ کو بچاوے نہ یہ پوچھے کہ اس کی اصل ونسب ومسکن کیا ہے بلکہ پوچھنے کے قابل یہ امر ہے کہ اس کے ہتھیار کیا ہیں تاکہ ان سے اپنے آپ کو دور رکھے اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ شیطان کے ہتھیار شہوات نفسانی ہیں پس اس قدر علما کے لیئے جاننا کافی ہے لیکن پہچاننا اس کی ذات کا اور فرشتوں کی

ح شیطان آدمی کی کئی راہوں پر بیٹھا طریق اسلام پر بیٹھا اور کہا کہ تو مسلمان ہوتا ہے اور اپنے باپ دادوں کا دین چھوڑتا ہے آدمی نے نہ مانا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر ہجرت کی راہ پر بیٹھا اور کہا کہ تو ہجرت کرکے اپنا ملک چھوڑے دیتا ہے اس نے نہ مانا اور ہجرت کی پھر جہاد کی راہ پر بیٹھا اور کہا کہ لڑنا تو جان اور مال کا ضائع کرنا ہے اگر تو لڑے گا تو مارا جائے گا ح ہر کسی کے واسطے ایک شیطان ہے اوپر گزری ۱۲ ت ۳ وہ دغا باز تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم سمجھ رکھو اس کو دشمن وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو اس واسطے کہ ہوویں دوزخ والوں میں ۱۲ ت ۴ میں نے نہ کہہ رکھا تھا تم کو اے آدم کی اولاد کہ نہ پوجو شیطان کو وہ کھلا دشمن ہے تمہارا ۱۲

حقیقت کا پس یہ امر متعلق عارفین سے ہے جو علوم مکاشفات میں مستغرق رہتے ہیں اس کے دریافت کی حاجت علم معاملہ میں
نہیں پڑتی یہاں یہ بات جاننے کے قابل ہے کہ خواطر تین قسم پر ہیں اوّل تو وہ قطعاً داعی الی الخیر ہوں تو ان کے الہام ہونے میں
کچھ شک نہیں دوسرے وہ کہ یقیناً داعی الی الشر ہوں ان کے وسوسہ ہونے میں کچھ کلام نہیں تیسرے وہ یہ کہ بین بین
ہو اور معلوم نہ ہو کہ یہ خواطر فرشتہ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے تو اس میں بڑا دھوکا پڑتا ہے اور تمیز اس
کی بہت دقیق ہے کیونکہ بعض لوگ جو نیک ہوتے ہیں شیطان ان کو صریح شر کی طرف تو بلا نہیں سکتا بلکہ شر کو خیر
کی صورت میں لاکر ان کے سامنے کرتا ہے اور یہ بڑا فریب ہے اس سے اکثر لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں مثلاً عالم سے بطریق
وعظ کہتا ہے کہ خلق کا حال دیکھو کہ جہل میں گرفتار اور غفلت میں سرشار دوزخ کے کنارے پر ہیں ان اللہ کے بندوں
پر رحم کر کے ہلاکی سے بچانا چاہیئے۔ اور وعظ و نصیحت ان کو بتانا چاہیئے خدائے تعالیٰ نے تجھ کو نعمت علم اور دل روشن
اور تقریر دلکش اور لحن خوش سے بہرہ مند فرمایا ہے تو اللہ کی نعمت کی ناشکری کس طرح کرے گا اور علم کی اشاعت
سے رک کر مورد عنایت خداوند کیونکر ہو گا لوگوں کو راہ راست کی طرف بلانا چاہیئے اسی طرح کی تقریریں اس کے
نفس سے ہمیشہ کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو وعظ گوئی پر بلطائف الحیل آمادہ کر دیتا ہے پھر اس کے بعد یوں
دل میں ڈالتا ہے کہ اگر عمدہ لباس پہن کر اچھے لہجہ سے تقریر اور اظہار خیر نہ کرو گے تو تمہاری بات دل پر اثر نہ کرے
گی اور نہ کسی کو راہ راست ملے گی اور اسی طرح کی تقریریں مدام کرتا رہتا ہے اور اس کی غرض ان باتوں سے یہ ہوتی
ہے کہ عالم مذکور کو ریا میں ڈالے کہ اس کو شوق اپنی تعظیم اور کثرت خدام کا اور تکبر اپنے علم اور جاہ کا اور حقارت
کی آنکھ سے اور وہ دن کو دیکھنے کا ہو جاوے تو دیکھو کہ ظاہر میں تو کیسی خیر خواہی کی باتیں پیش کرتا ہے مگر واقع میں ایک
غریب بیچارہ کی ہلاکت کی فکر ہے اس کی چکنی باتوں سے سننے والا بھی جانتا ہے کہ یہ خیر خواہی کرتا ہے اور اللہ کے
نزدیک ہمارا بڑا مرتبہ ہو گا حالانکہ اس کی غرض یہی ہوتی ہے کہ ریا اور عجب میں پڑ کر تباہ ہو جاوے ایسے لوگوں کی طرف
اشارہ ہے ان حدیثوں میں انّ اللہ لیؤید ھذا الدّین بقوم لا خلاق لھم[ح۲] وان اللہ لیوید ھذا الدّین
بالرجل الفاجر اور اسی لیئے حضرت عیسیٰؑ نے شیطان مردود کے جواب میں کیا اچھا ارشاد فرمایا تھا یعنی ابلیس مردود
جو حضرت کے سامنے آیا اور آپ سے عرض کیا کہ کہو لا الٰہ الا اللہ تو آپ نے فرمایا کہ یہ کلمہ تو ٹھیک ہے مگر تیرے کہنے
سے میں نہیں کہوں گا اس سے غرض آپ کی یہی تھی کہ مردود خیر کے اندر بھی کچھ دغا کرتا ہے اور شیطان کے اس قسم کے
فریب بیشمار ہیں ان کے باعث علماء اور فقرا اور اغنیا اور ہر قسم کے لوگ جو صرف ظاہر شر کو برا جانتے ہیں اور محض
گناہ علانیہ کے مرتکب نہیں ہوتے تباہ برباد ہو جاتے ہیں باب غرور مغالطہ میں ہم کچھ شیطان کے فریب اس جلد
کے آخر میں لکھیں گے اور فرصت ملی تو شاید ایک کتاب ہی اسی باب خاص میں لکھ کر اس کا نام تلبیس ابلیس رکھیں گے
کیونکہ آجکل اس کے فریب زمانہ میں اور مخلوق میں خاص کر مذاہب اور اعتقادات میں بہت پھیلے ہوئے ہیں حتیٰ کہ
خیر کا نام ہی رہ گیا ہے اور یہ اسی لیئے ہے کہ لوگ شیطان کے دھوکوں کو یقین کر لیتے ہیں پس بندہ پر واجب

ح بے شک اللہ اس دین کو ایسے لوگوں سے مدد دے گا جن کو کچھ بہرہ نہ ہو یعنی وہ کچھ دیندار نہ ہوں گے نسائی بروایت انس ۱۲ ح۲ اللہ تعالیٰ اس دین کو بدکار آدمی سے مدد پہنچا دیگا ۱۲

ہے کہ جو قصد اس کے دل میں آوے اس میں توقف اور تامل سے یہ بات معلوم کرے کہ یہ فرشتہ کی جانب سے ہے یا شیطان کی جانب سے اور اس کو خوب غور سے سوچے کیونکہ یہ بات بدون نور تقویٰ اور کثرت علم اور بصیرت کے معلوم نہیں ہو سکتی جیساکہ اللہ نے فرمایا ہےؒ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ اس سے غرض یہی ہے کہ تقویٰ والے ایسے وقت میں نور علم کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کا اشکال دور ہو جاتا ہے اور جو شخص کہ تقویٰ نہیں کرتا اس کو خواہش نفس کی متابعت کی جہت سے شیطان کے فریب کا یقین ہو جاتا ہے اور سب سے دھوکہ کھاتا ہے اور بے سمجھے بوجھے ہلاک ہو جاتا ہے انہیں جیسوں کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے ؒ وَبَدَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مَا لَمْ یَکُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ یعنی جن عملوں کو وہ حسنات تصور کرتے تھے سیئات میں داخل ہوئے اور علم معاملہ میں مشغل ہیں سب سے باریک بات نفس و شیطان کے فریبوں کا معلوم کرنا ہے اور یہ ہر ایک بندہ پر فرض عین ہے مگر لوگ اس سے غافل ہو کر ایسے علوم میں مشغول ہوئے جن سے وسواس زیادہ ہوں اور شیطان غالب ہو اور اس کی عداوت اور اس سے بچنے کا طور بھول جائیں اور کثرت وسواس سے بچنے کا یہ طور ہے کہ ابواب خاطر کے بند کئے جاویں اور وہ حواس خمسۂ ظاہری ہیں اور باطن میں شہوات اور دنیا کے علائق پس حواس ظاہری تو اس طرح بند ہوتے ہیں کہ اندھیرے مکان میں بیٹھ رہے اور باطن کے وسواس کم کرنے کا یہ طور ہے کہ اہل اور مال سے جدا ہو جاوے اس صورت میں صرف تخلیات کے راستے کھلے رہیں گے جو ہر وقت دل میں جاری رہتے ہیں ان کے دفع کے لئے سوائے ذکر اللہ کے اور کوئی چارا نہیں لیکن شیطان دل کو وہاں بھی نہیں چھوڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ذکر اس سے بھلاتا رہتا ہے پس اس صورت میں اس سے مجاہدہ کرنا چاہیئے اس مجاہدہ کی انتہا موت پر ہوتی ہے کیونکہ جب آدمی زندہ رہتا ہے شیطان سے چھٹکارہ نہیں ہوتا ہاں ایسا زبردست ہو جاتا ہے کہ شیطان کا فرمانبردار نہیں رہتا اور مجاہدہ سے اس کے شر کو ٹال دیتا ہے لیکن جب تک خون بدن میں رہتا ہے جب تک اس کا مجاہدہ ضروری ہے کیونکہ ابواب شیطانی زندگی بھر تک آدمی کے دل پر مفتوح رہتے ہیں اور بند نہیں ہوتے اور وہ غضب اور شہوت اور طمع اور حسد وغیرہ ہیں جیساکہ عنقریب ان کا بیان ہو گا اور جب دروازے کھلے ہوں اور دشمن بھی غافل نہ ہو تو بغیر حفاظت اور مجاہدہ کے کام نہ چلے گا حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ اے ابوسعید شیطان سویا بھی کرتا ہے آپ نے فرمایا اگر وہ سوتا تو ہم کو چین ہوتا خلاصہ یہ کہ بندہ مومن کو اس سے چھٹی نہیں البتہ اس کا زور کم کر سکتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہےؒ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یُنْضِیْ شَیْطَانَہٗ کَمَا یُنْضِیْ اَحَدُکُمْ بَعِیْرَہٗ فِیْ سَفَرِہٖ اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ مومن کا شیطان دبلا ہوتا ہے اور قیس ابن حجاج فرماتے ہیں کہ میرا شیطان مجھے کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس اونٹ کے موافق توانا آیا تھا اب چڑیا جیسا ہوں میں نے پوچھا یہ کس طرح ہے جواب دیا کہ تم ذکر اللہ سے مجھے گھلاتے ہو تو ان روایات سے معلوم ہے کہ تقویٰ والوں پر ابواب ظاہری شیطانی کا بند ہونا مشکل نہیں کہ جو طریق واضح مفضی الی المعاصی ہیں ان سے اجتناب کرتے ہیں اور حفاظت و حراست کما ینبغی بجالاتے ہیں مگر جو مکائد

ؒ جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گذر چونک گئے پھر تب ان کو سوجھ آ گئی ۱۲ ؒ اور نظر آتا ان کو اللہ کی طرف سے جو خیال نہ رکھتے تھے ۱۲ ؒ ایمان دار اپنے شیطان کو لاغر کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنا اونٹ سفر میں لاغر کر دیتا ہے ۱۲ احمد بروایت ابی ہریرہؓ اور اس کی سند میں ابن لہیعہ ضعیف ہے

شیطانی کے طریق ہیں ان میں ان کو بھی لغزش ہو جاتی ہے کیونکہ وہ جلدی معلوم نہیں ہوتے کہ ان کی حفاظت کریں جیسا کہ ہم نے علماء کے فریب دینے میں ایک مثال لکھ دی ہے اور زیادہ تر مشکل یہ ہے کہ جو ابواب شیطانی دل پر مفتوح ہیں وہ تو بہت سے ہیں اور فرشتوں کی طرف کا دروازہ صرف ایک ہے اور یہ اکیلا دروازہ ان سب میں مشتبہ ہو گیا ہے بندہ کا حال بہ اعتبار ان دروازوں کے ایسا ہے جیسا کوئی مسافر اندھیری رات میں کسی جنگل میں کھڑا ہو جس میں بہت سی راہیں دشوار گذار موجود ہیں تو اس شخص کو ٹھیک راستہ دو طرح معلوم ہو سکتا ہے یا تو بصیرت اور عقل سے یا آفتاب کی روشنی سے پس ان دروازوں کی معرفت میں قلب متقی بجائے بصیرت اور عقل کے ہے اور علم کثیر کتاب اللہ اور سنت کا مثل آفتاب کہ ان کے سبب سے البتہ راستہ درست معلوم ہو گا ورنہ شیطان کے طریق بہت ہیں اور نامعلوم اور اسی کے مطابق وہ روایت ہے جو حضرت عبداللہ مسعودؓ سے منقول ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ راستہ اللہ کا ہے پھر اس خط کے داہنے اور بائیں بہت سے خط کھینچے اور فرمایا یہ راستے شیطان کے ہیں اور ہر ایک راہ پر ایک شیطان ہے کہ اسی طرف کو بلاتا ہے پھر یہ آیت پڑھی[1] وان ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل اور سبل انہیں خطوط کو ارشاد فرمایا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے راستوں کی کثرت واضح کر دی اور ہم نے اس کے باریک راہ کی ایک مثال بھی لکھ دی جس سے وہ علما اور عابدوں کو فریب دے دیتا ہے حالانکہ یہ لوگ اپنے شہوات کے مالک ہوتے ہیں اور گناہ ظاہری بھی نہیں کرتے اب ہم اس کے ایک واضح طریق کا ذکر کرتے ہیں کہ آدمی خواہ مخواہ اس طور پر چلنے لگتا ہے اور یہ قصہ حدیث شریف[2] میں بھی وارد ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا شیطان نے ایک لڑکی کا گلا دبایا اور اس کے گھر والوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس کا علاج فلاں راہب کے پاس ہے پس وے لوگ اس کو راہب کے پاس لے گئے اس نے اول معالجہ سے انکار کیا مگر انہوں نے اصرار کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ راہب مان گیا اور لڑکی کو اپنے پاس علاج کے لیئے چھوڑا اب شیطان نے راہب کے پاس آکر اس سے صحبت کرنے کا وسوسہ دل میں ڈالا یہاں تک کہ وہ نہ رہ سکا اور مباشرت کر بیٹھا اس کو حمل رہ گیا تب اس کے دل میں یہ بات پیدا کی کہ اب تیری فضیحت ہو گی اس کے گھر والے آدیں گے بہتر یہ ہے کہ اس کو مار کر دفن کر دے اگر کوئی پوچھنے آدے گا تو کہہ دیجیو کہ مر گئی راہب نے ایسا ہی کیا پھر شیطان اس لڑکی کے اقرباء کے پاس گیا اور ان کے دل میں وسوسہ کیا کہ راہب نے اس کے ساتھ ایسا ایسا کیا اور مار کر دفنا دیا وہ لوگ راہب کے پاس آئے اور پوچھا تو دال میں کچھ کالا معلوم کر کے اس کو قصاص میں مار ڈالنے کے لیئے گرفتار کیا تب شیطان اس کے سامنے آیا کہ یہ سب کام میرے کیئے ہوئے ہیں اب اگر میرا ہی کہنا مانے تو اس سے خون بچے گا اس نے پوچھا کیا کروں کہ کس طرح خون سے نجات پاؤں اس نے جواب دیا کہ مجھ کو دو سجدے کر لے تو بچ جاؤ گے جب اس نے سجدے کر لیئے تو کہا میں کچھ نہیں کر سکتا میں تجھے کیا جانوں پس یہی شخص ہے جس کا حال اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے کمثل

---

[1] نسائی اور کبری و حاکم بروایت ابن مسعودؓ [2] اور کہا یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو کئی راہیں [3] ابن ابی الدنیا اور تفسیر بروایت جنید بن رفاعہ و مرفوعاً حاکم مرفوعاً عن علی المرتضیٰ

الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بری منک[1] تو دیکھنا چاہیئے کہ کیسا بڑا حیلہ باز ہے کہ راہب کو کس طرح کبیرہ گناہوں میں مبتلا کر دیا اور منشا اس کا صرف اس قدر ہوا کہ راہب نے علاج کے باب میں اس کا وسوسہ مان لیا اور یہ ایک امر بہت آسان تھا ابتداء یہی معلوم ہوتا تھا کہ علاج کرنا عمدہ بات ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ اول اول دل میں ایسی بات ڈالتا ہے کہ آدمی بسبب رغبتِ خیر کے اس کو اچھا جانے اور انجام کو کام ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور ایک بات سے دوسری ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سے چھوٹنا میسّر نہیں ہوتا اور ابتداء امور کے ضائع ہو جانے سے خدا بچاوے اور یہ جو حدیث شریف میں وارد ہے من حام حول الحمی یوشک ان یقع فیہ[2] اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے

دل کی طرف شیطانی راستوں کی تفصیل

جاننا چاہیئے کہ قلب انسانی بمنزلہ ایک قلعہ کے ہے اور شیطان دشمن ہے کہ اس کے اندر گھس کر اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اگر قلعہ کے دروازوں کی حفاظت کی جاوے اور شیطان کی آمد کے راستوں کی حراست رہے تو قلب محفوظ رہ سکتا ہے لیکن جو شخص اس کے دروازے ہی نہ جانتا ہو وہ حفاظت بھی نہیں کر سکتا اور قلب کو بچانا وسواس شیطان سے واجب ہے بلکہ ہر بندہ عاقل بالغ پر فرض عین ہے جو چیز کہ ذریعہ فرض عین تک پہنچنے کا ہو وہ بھی واجب ہے اور دفع کرنا شیطان کا اس کی آمد کے راستوں کے پہچاننے سے ہو سکتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ایسے راستوں کا پہچاننا واجب ہے اور یہ راستے بندوں کی صفات ہیں اس لیئے ان کی کچھ انتہا نہیں لیکن ہم ان میں سے بڑے بڑے راستوں کو بتلائے دیتے ہیں کہ جن پر شیطان کے لشکروں کی کثرت رہتی ہے اول اس کا بڑا مدخل غضب اور شہوت ہے کیونکہ غصہ سے عقل جاتی رہتی ہے اور جب عقل کمزور ہوتی ہے فوراً لشکر شیطان حملہ کرتا ہے اور جب آدمی غصہ کرتا ہے تو شیطان اس سے ایسا کھیلتا ہے جیسا لڑکا گیند سے کھیلا کرتا ہے چنانچہ روایت ہے کہ ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا اور عرض کیا کہ تم تو وہ ہو جن کو خدا نے رسول کیا اور کلام کیئے اور میں بھی اللہ کی مخلوق ہوں مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے اور اس سے توبہ کیا چاہتا ہوں تو آپ خدا سے میری سفارش کر دیجئے کہ توبہ قبول فرماوے غرض موسیٰ علیہ السلام نے اس کی عرض قبول کی اور جب پہاڑ پر تشریف لے گئے اور رب سے ہمکلام ہو کر اترنا چاہا رب العزت سے ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ امانت ادا کر آپ نے عرض کیا کہ تیرا بندہ ابلیس یہ چاہتا ہے کہ اس کی توبہ قبول ہو حکم ہوا کہ وہ آدم کی قبر کو سجدہ کرے اس کی توبہ قبول ہو گی حضرت موسیٰ نے ابلیس سے فرمایا کہ تیری حاجت میں نے پوری کی یوں حکم ہوا کہ آدم کی قبر کو سجدہ کرے تو توبہ قبول ہو جاوے گی وہ ملعون غصہ ہوا اور تکبر سے کہنے لگا کہ میں نے اس کو زندگی میں سجدہ کیا ہی نہیں مرے مرے پر تو کیوں کرنے لگا ہوں پھر عرض کیا کہ آپ کا مجھ پر حق ہے کہ آپ نے خدا سے میری سفارش کی میں آپ کو ایک بات بتلاتا

---

[1] جیسے کہاوت شیطان کی جب کہے انسان سے کہ تو منکر ہو پھر جب وہ منکر ہوا کہا میں الگ ہوں تم سے ۱۲ [2] جو شخص گرد رمنہ یعنی بیر کے پھرے گا کیا عجب ہے کہ اس میں چلا جائے بخاری و مسلم بروایت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

ہوں مجھ کو تین چیز دل میں یاد رکھیے ان سے آپ کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا ایک تو غصہ کی حالت میں کیونکہ میری روح تو آپ کے دل میں ہے اور آنکھ آپ کی آنکھ میں اور جہاں جہاں بدن کا خون پھرتا ہے وہاں وہاں میرا گزر ہے تو غصہ کی حالت میں میرا خیال ضرور کر لیا کرو اس لئے کہ جب غصہ آدمی کرتا ہے تو میں اس کی ناک میں پھونک مار دیتا ہوں پھر اس کو خبر نہیں رہتی کہ میں کیا کرتا ہوں اور ایک صف قتال میں مجھ کو یاد رکھو کیونکہ جب آدمی لڑائی میں چلتا ہے تو اس کا گھر بار جورو بچے یاد دلاتا ہوں یہاں تک کہ بھاگ جاوے اور ایک اس بات کو یاد رکھو کہ جس عورت کا محرم پاس نہ ہو اس کے پاس ہرگز مت بیٹھنا کیونکہ اس کی طرف میں تمہارا پیغام پہنچاتا ہوں اور اس کا پیغام تم کو پہنچاتا ہوں یہاں تک کہ دونوں گناہ میں مبتلا ہو جاؤ غرض ان باتوں سے اس نے شہوت اور غضب اور حرص کی طرف اشارہ کیا کیونکہ آدمؑ کو مرنے پر سجدہ نہ کرنا تو حسد کے باعث تھا اور بھاگنا صف قتال سے دنیا کی حرص کی جہت سے ہوتا ہے اور یہ شیطان کے بڑے مداخل میں سے ہیں اسی طرح بعض اولیاء سے منقول ہے کہ انہوں نے ابلیس سے پوچھا کہ آدمی کے دل پر تو کس وقت غالب ہوتا ہے اس نے جواب دیا کہ غضب اور خواہش نفسانی کے وقت اس کو دبا لیتا ہوں اور یہ بھی مروی ہے کہ ابلیس ایک راہب کے سامنے آیا اور اس نے پوچھا کہ آدمی کی کونسی صفت سے تجھ کو زیادہ مدد ملتی ہے اس نے کہا کہ تیزی مزاج سے کیونکہ جب آدمی تیز مزاج ہوتا ہے تو میں اس کے دل کو ایسا لوٹتا ہوں جیسا کوئی لڑکا گیند کو لوٹتا ہے اور کہتے ہیں کہ شیطان کا یہ قول ہے کہ آدمی مجھ پر کس طرح غالب ہو سکتا ہے کیونکہ جب وہ ہنسی خوشی رہتا ہے تو میں اس کے دل میں رہتا ہوں اور جب غصہ ہوتا ہے تو اڑ کر اس کے سر میں پہنچتا ہوں دوسرا بڑا مدخل شیطان کا حسد اور حرص ہے جب آدمی کسی شے پر حریص ہوتا ہے تو حرص اس کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حُبُّکَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ[ؑ] پس جب نور بصیرت حسد اور حرص کے باعث جاتا رہتا ہے تو کچھ نہیں سوجھتا اور شیطان کو اس وقت موقع مل جاتا ہے کہ جو چیز حریص کی خواہش تک پہنچانے کی ہو اسی کو اس کی نظروں میں اچھا کر کے دکھاتا ہے گو وہ کیسی ہی بری ہو حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تو موافق ارشاد الٰہی کے ہر ایک چیز کا اس میں جوڑا رکھ لیا تو کشتی میں آپ نے ایک بوڑھا اجنبی شخص دیکھا آپ نے پوچھا کہ تو کیوں سوار ہوا ہے اس نے عرض کیا کہ آپ کے یاروں کے دل لینے آیا ہوں ان کے بدن آپ کے ساتھ رہیں گے اور دل میرے ساتھ ہوں گے آپ نے فرمایا کہ تو مردود دشمن خدا کا ہے یہاں سے نکل جا اس نے عرض کیا کہ پانچ باتیں ہیں کہ جن سے میں لوگوں کو ہلاک کروں گا ان میں تین تو آپ کو بتلا دوں گا دو نہیں بتلاؤں گا اس وقت آپ کو وحی ہوئی کہ جو باتیں یہ بتانا چاہتا ہے ان کی آپ کو کچھ حاجت نہیں وہ دو باتیں پوچھو جو چھپاتا ہے تو آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ باتیں کونسی ہیں اس نے کہا کہ وہ وہ ہیں کہ کبھی مجھے دھوکا نہ دیں گی اور لوگوں کے ہلاک کرنے میں کبھی خطا نہ کریں گی وہ دونوں حسد اور حرص ہیں حسد تو وہ چیز ہے جس سے میں ملعون اور شیطان رجیم ہوا ہوں اور حرص وہ چیز ہے کہ آدم کے لیئے تمام جنت سوا ایک درخت کے مباح ہوئی تھی تو میں نے حرص ہی کی جہت سے اپنا کام نکالا

ؑ چاہنا تیرا کسی چیز کو تجھ سے اندھا بہرا کر دیتا ہے ۱۲ ابو داؤد بروایت ابی درداء بسند ضعیف ۱۲

اور ان کو خرابی میں ڈالا اور اس کے بڑے راستوں میں سے پیٹ بھر کر کھانا ہے خواہ مال حلال طیب ہی کیوں نہ ہو اس لیئے کہ پیٹ بھرنے سے شہوت کا زور ہوتا ہے اور شہوت شیطان کے ہتھیار ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت یحییٰ کے سامنے ابلیس آیا اور اس کے ہاتھ میں پھندے تھے آپ نے پوچھا کہ یہ پھندے کیسے ہیں اس نے عرض کیا کہ یہ شہوات ہیں کہ ان سے آدمیوں کو پھنساتا ہوں آپ نے پوچھا کہ ان میں کوئی میرے لیئے بھی ہے اس نے جواب دیا کہ ہاں کبھی جو آپ پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں تو میں آپ پر نماز پڑھنا اور ذکر کرنا بھاری کر دیتا ہوں پھر آپ نے فرمایا کہ اس کے سوا کوئی اور چیز بھی ہے اس نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بھی قسم ہے کہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا شیطان نے کہا کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ مسلمان سے کبھی خیر خواہی کی بات نہ کہوں گا اور کہتے ہیں کہ بہت کھانے میں چھ چیزیں مذموم جمع ہیں اوّل یہ کہ خوف الٰہی دل سے جاتا رہتا ہے دوسرے یہ کہ خلق پر رحم نہیں رہتا کیونکہ یہ جانتا ہے کہ سب پیٹ بھرے ہیں تیسرے یہ کہ اطاعت خدا بھاری پڑ جاتی ہے چوتھے یہ کہ حکمت کی بات سننے سے دل میں نرمی نہیں ہوتی پانچواں یہ کہ اگر اوروں کو نصیحت کرتا ہے تو کسی کے دل میں تاثیر نہیں ہوتی چھٹے یہ کہ بیماریوں کا گھر ہو جاتا ہے اور ایک اس کے بڑے راستوں میں سے اچھا معلوم ہونا زینت ظاہری کا اسباب اور لباس اور مکان وغیرہ سے ہے کیونکہ جب شیطان یہ بات قلب انسان پر غالب پاتا ہے تو اس میں انڈے بچے دیتا ہے اور ہمیشہ یہی کہتا رہتا ہے کہ گھر خوب اونچا اور وسیع بنا کر اس کی چھت اور دیواروں کو خوب آراستہ کرنا چاہیئے اسی طرح لباس اور سواری بھی خوب ترک بھڑک کی ہونی چاہیئے غرضکہ مدت العمر اسی بات میں لگائے رہتا ہے اور جب آدمی کو ایک بار اس امر میں لگا پایا تو پھر دوبارہ اپنے آنے کی ضرورت بھی نہیں جانتا کیونکہ آدمی کو خود ایک چیز سے دوسری کا شوق پیدا ہوتا ہے اور ننانوے کے پھیر میں پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ موت آجاتی ہے اور اسی راہ شیطانی اور ہوائے نفسانی میں چل دیتا ہے اور اس سے خوف خرابی عاقبت اور کفر کا بھی ہے نعوذ باللہ منہ اور ایک اس کے بڑے راستوں سے طمع ہے دوسرے شخصوں کی کیونکہ جب دل پر طمع غالب ہوتی ہے تو شیطان یہ سکھلاتا ہے کہ جس سے طمع رکھتا ہے اس کے سامنے خوب زینت اور تکلف ظاہر کرنا چاہیئے اور اتنی تلبیس اور ریا کرتا ہے گویا جس سے طمع ہے وہی اس کا معبود ہے اور ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ کوئی حیلہ البیان نکلے جس سے اس کی نظروں میں محبوب ہو جاؤں اور اس بات کے واسطے بہتیری خاک چھانتا ہے ادنیٰ بات یہ ہے کہ اس کی تعریف میں غلو کرتا ہے اور اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا موقع آوے تو دیدہ و دانستہ اس کے سامنے درگذر کرتا ہے حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ ایک بار ابلیس عبداللہ بن حنظلہ کے سامنے آیا اور کہا کہ میں تم کو ایک بات سکھائے دیتا ہوں یاد رکھنا انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو تیری بات کی ضرورت نہیں اس نے عرض کیا کہ اگر اچھی ہو تو یاد رکھنا بری ہو تو میرے پلے باندھنا بات یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی سے ایسا سوال مت کرنا جس میں طمع پائی جائے اور غصہ کے وقت اپنے آپ کو سنبھالنا کیونکہ اس وقت تم میرے قابو میں ہوتے ہو اور ایک اس کے بڑے طریقوں میں سے کاموں میں جلدی کرنا اور استقلال کو ہاتھ سے دینا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ العجلۃ من الشیطن[1] والتانی من اللہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[2] خلق الانسان من عجل اور فرمایا

---

[1] جلدی شیطان کی طرف سے ہے اور دیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱۲ ترمذی بروایت سہل بن سعد بلفظ تاۃ بجائے العجلۃ ۱۲ ت [2] بنا ہے آدمی شتابی کا ۱۲

وکان الانسان عجولا[1] اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا[2] لا تعجل بالقراٰن من قبل ان یقضی الیک وحیہ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال کا ارتکاب بعد تبصر اور جانچ کے ہونا چاہیئے اور جانچ کے واسطے تامل اور مہلت چاہیئے جلدی سے یہ بات نہیں ہو سکتی اور جلدی میں شیطان اپنی بدی انسان پر ایسی طرح ڈال دیتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی چنانچہ روایت ہے کہ جس وقت حضرت عیسٰی[3] پیدا ہوئے تو شیطان ابلیس کے پاس آئے اور کہا کہ آج سب بت اوندھے ہو گئے اس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نئی بات ہوئی تم یہاں ہی ٹھہرو میں خبر لاتا ہوں اور اسی وقت روئے زمین پر اڑ گیا مگر کوئی چیز معلوم نہ ہوئی پھر دیکھا کہ حضرت عیسٰی پیدا ہوئے۔ اور ان کو فرشتوں نے گھیر رکھا ہے پس اپنے گروہ سے آکر بیان کیا کہ شب گذشتہ میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے اور جو عورت حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے میں اس وقت موجود رہتا ہوں مگر اس لڑکے کا مجھ کو علم نہ ہوا تو آج سے بتوں کی پرستش سے ناامید ہونا چاہیئے۔ آدمیوں کو جلدی کے وقت بہکایا کرو اور ایک اس کی بڑی راہوں سے روپیہ پیسہ اور اسباب اور جائیداد وغیرہ ہے کیونکہ ان چیزوں میں سے جب مقدار قوت سے زائد ہوتی ہے اس پر شیطان کا پہرہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کے پاس مقدار قوت موجود ہو وہ آدمی فارغ البال ہے لیکن اگر کسی طرح اس کو سو روپیہ مل جاویں تو اس کے دل کے اندر سے دس ایسی شہوات اٹھیں گی کہ ہر ایک کے پورا ہونے کے لیئے سو روپیہ چاہیئیں تو جس قدر اس کے پاس ہے اس سے کام نہ نکلے گا بلکہ نو سو کی اور ضرورت ہوگی حالانکہ جب کچھ نہ تھا تب فارغ البال اور بے پروا تھا اس کو یہی علم ہے کہ سو روپیہ سے مجھے تونگری ہوگئی یہ خبر نہیں سو کے ملنے سے نو سو کا محتاج ہو گیا مثلاً سو جب ملے تو یہ خیال ہوا کہ نو سو اگر اور ہوتے تو ایک گھر مول لیتے اور اسباب خانہ داری اور لباس وغیرہ بھی درست ہو جاتا اور ہر ایک ان میں سے ایسی شے ہے جس کو کوئی دوسری اور چیز لازم ہے اسی طرح بے انتہا چیزیں ضروری نکلتی چلی آتی ہیں ان کی فکر کرتے کرتے انجام یہ ہوتا ہے کہ جہنم میں پڑ جاتا ہے اور اسی پر خاتمہ ہوتا ہے[4] حضرت ثابت بنانی روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جامۂ رسالت ور بر فرمایا ابلیس نے اپنے گروہ سے کہا کوئی نئی بات ہوئی ہے اس کو تلاش کرو سب شیاطین ادھر ادھر پھر کر عاجز ہو کر چلے آئے کہ ہم کو معلوم نہیں ابلیس نے کہا یہاں ہو میں خبر لاتا ہوں اور جا کر یہ خبر لایا کہ خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر فرمایا اب تم ان کے یاروں کی خبر لو شیاطین ناامید ہو کر اس کے پاس آئے اور کہا کہ ایسے لوگ کبھی دیکھے بھی نہیں اگر کوئی بات ہم ان سے کرا پاتے ہیں وہ نماز کو کھڑے ہو جاتے ہیں جس سے ان کی خطائیں محو ہو جاتی ہیں ابلیس نے کہا چندے توقف کرو غالب ہے کہ جب یہ لوگ ملکوں کو فتح کریں گے اور ان کو دنیا ملے گی تو اس وقت ہمارا مطلب نکل آوے گا اور روایت ہے کہ ایک روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک پتھر اپنے سر تلے رکھ لیا ابلیس کا جو گذر ان پر ہوا کہنے لگا یا حضرت آپ کو بھی دنیا کی رغبت ہوئی آپ نے پتھر کو سر کے نیچے سے نکال کر پھینک مارا اور فرمایا کہ یہ مع دنیا تیرے ہی لیئے ہے اور درحقیقت اگر غور کرو تو جس شخص کے پاس تکیہ کے بجائے پتھر ہو تو اس کے پاس اتنی دنیا تو ہوگئی کہ شیطان اپنا داؤ کھیلے مثلاً اگر کوئی تہجد کو اٹھے اور اس کے قریب ایک

---

[1] اور ہے انسان جلد باز ۱۲ [2] تو جلدی نہ کر قرآن لینے میں جب تک نہ پورا ہو چکے اس کا اترنا ۱۲ [3] ابن ابی الدنیا در مکائد الشیطان ۱۲ [4] بروایت ثابت مرسلاً ۱۲

پتھر بھی ہو جس پر تکیہ ہو سکتا ہے تو شیطان ضرور دل میں ڈالے گا کہ ذرا اس پر تکیہ لگائے اور اس صورت میں رغبت بیند کی ہو جاتی ہے کہ گاڑی دیکھ کر پاؤں پھولتے ہیں اگر سرے سے پتھر نہ ہوتا تو ایسی بات دل میں نہ گذرسکتی اور نہ سونے کی رغبت ہوتی یہ حال تو پتھر کا ہے لیکن جس کے پاس گاؤ تکیے اور گدگدے فرش اور آرام طلبی کے لوازم موجود ہوں اس کو عبادت الہی سے کب مزہ حاصل ہو سکتا ہے اور ایک اس کی بڑی راہوں میں بخل اور فقیر ہو جانے کا خوف ہے اور یہ وہ بات ہے کہ صدقہ اور خیرات کچھ نہیں کرنے دیتی بلکہ جمع کرنے اور گاڑ رکھنے کی رغبت دلاتی ہے ایسے لوگوں کے واسطے عذاب الیم کی وعید کلام مجید میں موجود ہے خیثمہ بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ شیطان کا قول ہے کہ آدمی کتنا ہی مجھ پر غالب ہو جاوے مگر تین باتوں میں مجھ پر نہیں بڑھ سکتا جو کہتا ہوں وہ مانتا ہے اول ناحق کسی کا مال لینا دوسرے اس کا بے موقع خرچ کرنا تیسرے جہاں ضرورت ہو خرچ کی وہاں خرچ نہ کرنا ابو سفیانؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کے پاس کوئی ہتھیار مفلسی کے خوف دلانے سے بڑھ کر نہیں جب آدمی اس کو مان لیتا ہے تو باطل کی طرف راغب ہوتا ہے اور امر حق سے باز رہتا ہے اور مطلب ہی کی بات کہتا ہے اور خدا تعالیٰ سے بدگمان ہو جاتا ہے اور بخل اور حرص کی آفتوں میں سے یہ بھی ہے کہ مال جمع کرنے کے لیئے ہر وقت بازار میں موجود رہے جو شیطان کے رہنے کی جگہ ہے اور[ح] حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب ابلیس زمین پر اترا تو رب العزت سے درخواست کی الٰہی تو نے مجھ کو زمین پر اتار کر مردود کر دیا میرے لیئے رہنے کی جگہ کیا ہے فرمایا حمام تیرے رہنے کا مقام ہے عرض کیا کہ بیٹھک بھی ارشاد ہو حکم ہوا تیری بیٹھک بازار اور چوراہہ ہے عرض کیا کہ میری خوراک بھی مقرر ہو حکم ہوا کہ جس کھانے پر خدا کا نام نہ لیا جائے وہ تیری غذا ہے عرض کیا کہ میرے لیئے پانی بھی عنایت ہو ارشاد ہوا کہ نشہ کی چیزیں تیرا پانی ہیں عرض کیا کہ مجھے ایک خبر رساں بھی ملے حکم ہوا کہ مزامیر تیرے موذن ہیں عرض کیا کہ میرے لیئے کچھ پڑھنے کی چیز مرحمت ہو حکم ہوا کہ وہ شعر ہیں عرض کیا کہ لکھنے کے لیئے بھی ارشاد ہو حکم ہوا بدن کو گودنا تیری کتابت ہے عرض کیا کہ مجھے حدیث عنایت ہو حکم ہوا کہ جھوٹ تیری حدیث ہے عرض کیا کہ میری شکار گاہ بھی مقرر ہو حکم ہوا کہ وہ عورتیں ہیں اور ایک اس کے بڑے راستوں میں سے تعصب مذاہب اور خواہش نفسانی ہے اور جو اپنے خلاف پر ہوں ان سے بغض رکھنا اور ان کو حقارت سے دیکھنا اور یہ ایک ایسی بات ہے جس سے عابد اور فاسق دونوں ہلاک ہوئے ہیں کیونکہ لوگوں پر طعن کرنا اور ان کی برائیوں کا ذکر کرنا یہ ایک صفت طبعی ہے جو آدمی کی طینت میں داخل ہے پس جب شیطان اس صفت کو آدمی کی نظر میں حق قرار دیتا ہے اور اس کی طبیعت میں تو پہلے ہی سے تھی تو قلب پر اس کا چسکا پڑ جاتا ہے اور بتمام ہمت اس میں لگ جاتا ہے اور اس بات سے بہت خوش ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ میں دین میں سعی کرتا ہوں یہ خبر نہیں کہ اتباع شیاطین کرتا ہوں مثلاً ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں متعصب ہے مگر حرام خور اور منہ پھٹ اور جھوٹا اور بکھیڑیا اور فسادی ہے تو ایسے شخص کو اگر حضرت صدیقؓ دیکھتے تو اپنا دشمن بڑا تصور فرماتے اس لیئے ان کا دوست تو وہ ہے جو ان کی راہ چلے اور ان کی

ح طبرانی بروایت ابوامامہ و ابن عباس بسند ضعیف ۱۲۔

سیرت کو دستور العمل بنا دے اور زبان کو واہیات سے روکے حضرت کا یہ دستور تھا کہ منہ میں کنکر رکھے رہتے تھے تاکہ کوئی کلمہ بیجا منہ سے نہ نکلے پس یہ مدعی کیسے ان کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور ان کی سیرت اختیار نہیں کرتا اسی طرح بعضوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت میں تعصب ہوتا ہے حالانکہ ریشمی کپڑے بدن پر ہوتے ہیں اور مال حرام سے خوب زرق برق بنے رہتے ہیں پھر دعویٰ محبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کرتے ہیں حضرت ممدوح نے عین خلافت میں وہ کپڑے پہنے ہیں کہ ان کا دام ایک روپیہ سے بھی کم تھا پھر ایسے شخص سے وہ کیسے خوش ہوں گے بلکہ قیامت کو یہ شخص ان کا دشمن ہوگا مقام غور ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے فرزند لخت جگر کو اپنے یہاں لے جاوے اور اس کے بال نوچے اور بدن کو قینچیوں سے کاٹے اور سب طرح کی ایذا دے اور پھر اسباب کا مدعی ہو کہ میں اس بچہ کے باپ سے محبت رکھتا ہوں یہ دعویٰ کس طرح صحیح ہوگا یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ دین اور شریعت جو خلفاء اربعہ اور جمیع صحابہ کے نزدیک فرزند و زن مال و عیال بلکہ خود اپنی جانوں سے بھی عزیز تھا اس کے تو یہ لوگ یوں ٹکڑے کریں کہ کوئی بات اس کی اختیار نہ کریں بلکہ پابندی شہوات سے ابلیس لعین دشمن دین کی خوشی مناتے رہیں پھر محبت صحابہ رضی اللہ عنہ کا دم بھریں قیامت کے روز معلوم ہوگا کہ صحابہؓ اور اولیاءؒ کے سامنے ان لوگوں پر کیا گزرے گا قیامت تو دور ہے اگر دنیا ہی میں پردہ اٹھا لیا جاوے اور صحابہؓ کا عندیہ امت کے باب میں معلوم ہو جاوے کہ ان لوگوں کو کس طرح کے لوگ اچھے معلوم ہوتے ہیں تو یہ لوگ اپنے خیالات کو دیکھ کر شرم کے مارے کبھی اپنی زبان ناقص سے ان کا نام بھی نہ لیں خلاصہ یہ کہ تخیلات شیطانی سے ان کے دلوں میں یہ بات پڑ گئی ہے کہ جو کوئی محبت میں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی مرے گا اس کے گرد شعلۂ دوزخ نہ پھرے گا یا جو کوئی محبت میں حضرت علیؓ کی وفات پاوے گا اس کے گرد خوف نہ آوے گا اس حدیث شریف کو نہیں دیکھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لخت جگر قرۃ العین حضرت فاطمہؓ سے فرماتے ہیں کہ اعمل فانی لا اغنی عنك من الله شيئا اور یہ ہوائے نفسانی میں سے ایک مثال ہے اسی طرح ان لوگوں کا حال ہے جو امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ اور مالکؒ اور احمدؒ کے باب میں تعصب کرتے ہیں پس جو لوگ ایک امام کے مذہب کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی سیرت اختیار نہیں کرتے قیامت کے روز وہی امام ان کے مقابل ہو کر پوچھیں گے کہ میرا مذہب تو عمل تھا قول نہ تھا اور قول بھی عمل کے واسطے تھا جھک کرنے کے لئے نہیں تھا تو نے میرے عمل کی مخالفت کیوں کی جس پر میں ہمیشہ رہا اور اس پر خاتمہ ہوا اور پھر جھوٹ موٹ کا دعویٰ میرے مذہب کا کیا غرض کہ یہ ایسا بڑا راستہ شیطان کی آمد کا ہے یہ بہت لوگ اس میں تباہ ہوتے ہیں وعظ و نصیحت ایسے لوگوں کے متعلق ہے جو خدا کا خوف نہیں کرتے دین کے مسائل سے کم واقف ہیں دنیا کی رغبت کا زور ہے لوگوں کو معتقد کرنے کی حرص بہت ہے اور لوگوں کا اعتقاد اور ان کا فخار صرف تعصب ہی سے بڑھا ہے اس لئے اسی بات کو اچھا بتلاتے ہیں شیطان کے فریبوں کو نہیں بتلاتے بلکہ اس کے فریب جاری ہونے کے لیئے وہ اس کے نائب بن گئے ہیں اور لوگ بھی انہیں کی باتوں پر جم گئے ہیں اور اصول کو دین کے بالکل بھول گئے تو وہ خود بھی تباہ ہوئے اور اور دل کو بھی تباہ کر دیا خدائے تعالیٰ ان کی اور ہماری

لے عمل کر کہ میں تیری طرف سے خدا تعالیٰ کی کسی چیز کو نہیں بچا سکتا۔ بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہ ۱۲

توبہ قبول فرمادے اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کا یہ قول ہے کہ میں نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے جو معصیتوں کو آراستہ کیا تو انہوں نے استغفار کرکے میری پیٹھ توڑ دی پھر میں نے ان کے لیئے ایسے گناہ گڑھے کہ ان سے استغفار نہ کریں اور وہ خواہشات نفسانی ہیں اور یہ بات اس ملعون نے سچ کہی کیونکہ ایسے امور میں لوگوں کو خبر ہی نہیں ہوتی کہ انجام نافرمانی ہو ورنہ استغفار ضرور کرتے اور ایک بڑا حیلہ شیطان کا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ لوگوں کے اختلاف اور خصومات میں لگ جاوے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت ذکر الٰہی میں مشغول تھی شیطان نے چاہا کہ یہ یہاں سے اٹھ کھڑے ہوں اور جدا ہو جاویں مگر کچھ بن نہ پڑی پس ایک دوسری جماعت میں ہو گیا جو دنیا کی باتیں کر رہے تھے ان میں فساد کرا دیا یہاں تک کہ ان میں کشت وخون ہونے لگا تو پہلی جماعت اٹھ کھڑی ہوئی اور ان میں بیچ بچاؤ کر دیا مطلب اس کا یہ نہ تھا کہ پچھلی جماعت میں کشت وخون ہو بلکہ جماعت اول کا اٹھانا مقصود تھا سو اس طرح اٹھا دیا اور ایک اس کے طریق میں سے یہ ہے کہ عوام لوگوں کو جو علم میں کم تجربہ رکھتے ہیں خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات اور ایسے امور کی فکر میں الجھا دیتا ہے جو ان کی عقل میں نہ آسکیں یہاں تک کہ اصل دین میں شک کرنے لگتے ہیں اور خداوند کریم کی نسبت ان کو ایسے خیال پیدا ہوتے ہیں کہ ان سے یا کافر یا دہریہ ہو جاتے ہیں اور ان باتوں سے بہت خوش ہوتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ بصیرت اور معرفت یہی ہے اور یہ امر ہم کو کشف سے معلوم ہوتا ہے اپنی تیزی عقل پر نازاں ہوتے ہیں حالانکہ سب میں زیادہ بیوقوف وہ ہے جو صرف اپنی عقل پر اعتماد کرے اور عقیل وہ شخص کہ اپنی عقل کو متہم سمجھ کر اکثر علماء سے پوچھتا رہے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انّ الشیطان یاتی احدکم فیقول من خلقک فیقول اللہ تبارک وتعالیٰ فیقول فمن خلق اللہ فاذا وجد احدکم ذلک فلیقل اٰمنت باللہ ورسولہ فان ذلک یذھب عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں فرمائی کہ اس وسواس کے علاج میں بحث کی جاوے کیونکہ یہ وسواس عوام کو ہوتا ہے علماء کو نہیں ہوتا عوام کو یہی چاہیئے کہ ایمان واسلام لاکر اپنی عبادت ومعیشت میں مصروف ہوں علم کی کتابیں علماء پر چھوڑیں عامی آدمی اگر زنا اور چوری کرے تو اس سے بہتر ہے کہ ایسی باتوں میں پڑے کیونکہ جو کوئی بے جانے بوجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی نسبت کچھ کہے گا کافر ہو جاوے گا اور اس کو خبر بھی نہ ہوگی اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی تیرنا نہ جانے اور دریائے موج میں کود پڑے غرضکہ مذاہب اور عقائد کے باب میں شیطان کے فریب بے حد وانتہا ہیں ہم نے بطور نمونہ کچھ لکھ دیا ہے اور ایک اس کے دروازوں میں سے مسلمانوں سے بدگمان ہونا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یاایّھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن انّ بعض الظن پس جو کوئی دوسرے پر بدی کا گمان کرے گا شیطان اس کو اس بات کی بھی ترغیب دے گا کہ اس کی غیبت کرے یا اس کے حقوق کم ادا کرے یا تعظیم میں سستی کرے اور اس کو بچشم حقارت دیکھے اور اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھے یہ سب صورتیں تباہی کی ہیں اور اسی جہت سے شریعت میں تہمتوں سے بچنے کے لیئے

ح[۱] شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ تم کو کس نے پیدا کیا وہ کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ پھر پوچھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا جب کوئی تم میں ایسا حال معلوم کرے تو چاہیے کہ کہے میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے رسول پر اس کہنے سے وہ بات جاتی رہے گی ۱۲ احمد اور بزار و ابو یعلیٰ در اسانید خود بروایت ابی ہریرہؓ ح[۲] اے ایمان والو بچے رہو بہت تہمتیں کرنے سے مقرر بعضی تہمت گناہ ہے ۱۲

حکم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ۔ اِتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّهَمَةِ اور خود آنحضرت صلعم نے تہمت سے احتراز فرمایا علی بن حسین رضی اللہ عنہ صفیہ بنت حیی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے جب آپ کی خدمت میں گئی تو خائف ہو گئی شام کو وہاں سے مراجعت کی اور آپ بھی میرے ساتھ چلے راستہ میں دو انصار ملے اور آپ کو سلام کر کے پھرے آپ نے ان کو پکارا اور فرمایا کہ یہ صفیہ بنت حیی ہے یعنی میری زوجہ ام المومنین ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو آپ کے ساتھ گمان خیر ہے آپ نے فرمایا کہ یہ درست ہے مگر شیطان آدمی کے ساتھ ایسا ہے جیسا خون بدن میں ہے اس لیئے مجھے یہ خوف ہوا کہ تم کو نہ بہکا دے پس اس شفقت نبوی کو دیکھنا چاہیئے ان کے دین کا خوف کر کے ان کو بھی بچا دیا اور امت کے لیئے طریق احتراز تہمت سے سکھا دیا کہ ایسا نہ ہو کوئی عالم متقی جو دینداری میں انگشت نما ہو تہمت کے حالات میں سہل انگاری کرے اور اپنے نفس پر عجب کر کے یہ جانے کہ مجھ پر کوئی بدگمانی نہ کرے لوگ میرے ساتھ ظن خیر ہی سے پیش آویں گے اس لیئے کہ کیسا ہی بڑا متقی اور عالم ہو سب لوگ اس کے یکساں نہیں معتقد ہوتے بلکہ بعض اس سے خوش رہتے ہیں اور بعضے ناراض جو خوش ہیں وہ اس کے عیب نہ دیکھیں گے اور فریق ثانی اظہار ہی میں مبتلا رہیں گے جیسا کہ قول سعدی کا ہے ۔

چشم بداندیش کہ برکندہ باز ⁂ عیب نماید ہنرش در نظر

در ہنرے داری ہفتاد عیب ⁂ دوست نہ بیند بجز آن نیک ہنر

پس ضروری ہوا کہ بدگمانی اور بدوں کی تہمت سے احتراز کیا جاوے کیونکہ یہ فرقہ تمام لوگوں سے بدگمان رہتا ہے پس جب کوئی آدمی نظر آوے کہ لوگوں کی طرف بدگمانی کرتا ہو اور ان کے عیب کا متلاشی ہو تو جان لینا چاہیئے کہ وہ خود باطن میں خباثت رکھتا ہے اور یہ عیب جوئی اسی خباثت کا ظہور ہے کہ سب کو اپنے ہی جیسا جانتا ہے کیونکہ عیب جوئی منافق کا کام ہے مومن کا سینہ سب خلق کی طرف سے صاف رہتا ہے یہ ہے تھوڑا سا بیان شیطان کے راستوں کا قلب کی جانب اور اگر سب راستوں کو لکھا جائے تو ہماری قدرت سے باہر ہے اسی طرح سے اوروں کا قیاس ہو سکتا ہے مثلاً یوں جاننا چاہیئے کہ جو صفت بد آدمی کی ہے وہ شیطان کا ہتھیار ہے اور وہی اس کا مدخل بھی ہے اب اگر کوئی یوں پوچھے کہ شیطان کے دفع کرنے کی تدبیر کیا ہے اور اس کے دفعیہ میں زبان سے [2] لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہنا اور کوئی ذکر اللہ کافی ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ دل کا علاج شیطان سے بچانے کے لیئے یہی ہے کہ اس کی سب راہیں بند کر دی جاویں یعنی دل کو ان صفات مذمومہ سے صاف کیا جاوے اور اس کا بیان بہت طویل ہے اور اس جلد میں ہم کو یہی غرض ہے کہ صفات مہلکہ انسانی بیان کریں ہر ایک صفت کے لیئے ایک باب علیحدہ کی حاجت ہے جیسا کہ مشرح آئندہ بیان ہو گا یہاں اس قدر ضروری ہے کہ جب قلب ان صفات کے اصول سے منقطع اور علیحدہ ہو جاتا ہے تو پھر صرف ہیرا پھیری اور خطرات ہی کرتا رہتا ہے

---

[1] تہمت کی جگہوں سے بچو ۱۲ مجھ کو اس کا پتہ نہیں ملا [2] بخاری و مسلم بروایت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ [3] نہیں ہے طاقت گناہ سے بچنے کی اور قوت طاعت مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ۱۲

جم کر نہیں بیٹھتا اور اس کی آمد و رفت کو ذکر اللہ مانع ہے کیونکہ دل میں ذکر اللہ جب ہی جاگزیں ہوتا ہے جب تقویٰ اور صفائی کے باعث صفات مذمومہ سے دل آزاد ہو جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو ذکر بھی از قبیل خطرات ہوتا ہے اس کو دل پر کچھ قابو نہیں ہوتا اور شیطان کو بھی دفع نہیں کر سکتا اسی جہت سے خداوند کریم نے اس آیت میں اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ ذکر دافع شیطان کو متقی کے ساتھ خاص فرمایا ہے خلاصہ یہ کہ شیطان کو مثل بھوکے کتے کے اپنے پاس سمجھنا چاہیئے پس اگر آدمی کے پاس روٹی و گوشت وغیرہ نہ ہو تو صرف دوت ہکنے سے ہی ٹل جاوے گا لیکن اگر سامان سامنے کھانے کا ہو گا اور کتا بھوکا ہو گا تو ضرور کھانے پر گرے گا اور صرف للکارنے سے نہیں ملے گا اسی طرح جس دل میں غذا شیطانی نہیں تو اس کے پاس سے شیطان صرف ذکر اللہ سے ہٹ جاوے گا لیکن اگر دل پر شہوت غالب ہے تو دل کا سویدا شیطان کے قابو میں ہو گا اس وقت ذکر اللہ کو قلب کے اطراف میں پھیلاوے گا اور متقیوں کے دل جو ہوائے نفسانی اور صفات مذمومہ سے خالی ہوتے ہیں ان پر شیطان کا آنا شہوات کے باعث نہیں ہوتا بلکہ جس وقت ذکر سے غفلت ہوتی ہے اس وقت اپنی راہ نکالتا ہے اور جب پھر وہ ذکر کرنے لگتے ہیں تو ٹل جاتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے دفع کے لئے فرمایا فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ اسی طرح اور آیات اور اخبار سے جو ذکر کے باب میں ہیں مفہوم ہوتا ہے حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ ایک بار مومن کا شیطان اور کافر کا شیطان آپس میں ملے کافر کا شیطان تو خوب چکنا اور موٹا اور اچھا لباس پہنے تھا اور مومن کا شیطان ننگا و دبلا اور غبار آلود تھا اس نے اس سے پوچھا کہ تو دبلا کیوں ہے اس نے کہا کہ میں ایسے شخص کے ساتھ رہتا ہوں کہ اپنے کھانے اور پینے اور کپڑا پہننے اور سر میں تیل ڈالنے کے وقت بسم اللہ کہتا ہے تو نہ مجھے کھانا نصیب ہوتا ہے نہ پانی نہ کپڑا نہ تیل اسی واسطے بھوکا پیاسا ننگا بال بکھرے رہتا ہوں کافر کے شیطان نے کہا کہ یار میں تو ایسے کے ساتھ ہوں کہ ان باتوں میں سے کسی پر بھی خدا کا نام نہیں لیتا اسی لئے میں اس کے سب امور میں شریک رہتا ہوں اور محمد بن واسع ہر روز بعد نماز صبح یہ دعا مانگا کرتے تھے اللھم انک سلطت علینا عدوًا بصیرًا العیوبنا یرانا ھو وقبیلہ من حیث لا نراھم اللّٰھم فایسہ منا کما آیستہ من رحمتک وقنطہ منا کما قنطتہ من عفوک وباعد بیننا وبینہ کما باعدت بینہ وبین رحمتک انک علی کل شیء قدیر وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز شیطان مجھ کو مسجد کے راستہ میں ملا اور پوچھا کہ مجھے پہچانتے ہو میں نے کہا تو کون ہے جواب دیا کہ ابلیس ہوں میں نے پوچھا کہ کس غرض سے آیا ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس دعا کو کسی کو مت سکھلانا میں تم سے کچھ مزاحم نہ ہوں گا میں نے کہا میں ہرگز کسی کو منع نہیں کروں گا جو چاہے پڑھے تیرا جو دل چاہے وہ کر اور حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلی فرماتے ہیں کہ ایک شیطان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز کی حالت میں ہاتھ میں آگ کی مشعل لئے کھڑا ہوا کرتا تھا اور

ت جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گزر چونک گئے پھر تب ہی ان کو بوجھ گئے ۱۲ ت تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے ۱۲ ح الٰہی تو نے ہم پر ایک دشمن کو مسلط کیا جو ہمارے عیوب سے خوب واقف ہے وہ اور اس کی جماعت اس کو ایسی طرح دیکھتے ہیں کہ ہم ان کو نہیں دیکھتے الٰہی اس کو ہم سے ایسا مایوس کر جیسا تو نے اس کو اپنی رحمت سے مایوس کیا اور اس کو ناامید کر ہم سے جیسا کہ تو نے اپنے عفو سے ناامید کر دیا اور اس میں اور ہم میں دوری کر دے جیسا تو نے اس میں اور اپنی رحمت میں دوری کی ہے تو ہر چیز پر قادر ہے ۱۲

قرأت اور استغفار سے نہیں جاتا تھا آپ کی خدمت مبارک میں حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور عرض کیا کہ آپ یوں پڑھیے
ح[1] اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل
من السماء وما یعرج فیھا ومن فتن اللیل والنھار ومن طوارق اللیل والنھار بس حضرت نے اسی طرح پڑھا تو
اس طرح اس مردود کی شمع گل ہوگئی اور اوندھے منہ گر پڑا اور حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ حضرت جبرائیل آپ کی خدمت
مبارک میں آئے اور عرض کیا کہ ایک جن آپ سے دغا کیا چاہتا ہے جب آپ بستر پر لیٹیں تو آیت الکرسی پڑھ لیا کیجئے اور
حدیث شریف میں آیا ہے ح[2] لقد اتانی الشیطان فنازعنی فاخذت بحلقہ فوالذی بعثنی بالحق ما ارسلتہ حتیٰ
وجدت برد ماء لسانہ علی یدی ولولا دعوۃ اخی سلیمان علیہ السلام لاصبح طریحا فی المسجد اور یہ بھی وارد
ہے ح[3] ما سلک عمر فجا الاسلک الشیطان فجا الذی سلک عمر اور یہ اس جہت سے فرمایا کہ ان لوگوں کے "قلوب
شیطانوں کے مداخل اور غذا سے پاک تھے یعنی شہوات کا دخل نہ تھا پس اگر کوئی اور شخص چاہے کہ ذکر الٰہی سے شیطان دور
ہو جائے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دور ہو گیا تھا تو یہ امر محال ہے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسا کہ کوئی شخص
دوا پیوے اور پرہیز نہ کرے حالانکہ معدہ میں بھی بلا تبر بھری ہو اور اس پر توقع دوا کے نفع کی بھی کرے کہ جیسا پرہیز اور
تنقیہ والوں کو فائدہ ہوتا ہے ویسا ہی مجھے بھی ہو یہاں ذکر الٰہی کو دوا سمجھنا چاہیئے اور تقویٰ کو پرہیز اور قلب کے خالی
ہونے کو شہوات سے تنقیہ تصور کرنا چاہیئے تو جب ذکر الٰہی ایسے قلب میں ہو جاوے گا ماسوائے اللہ سے خالی ہے تو شیطان
دفع ہو جاوے گا جیسے تنقیہ کے بعد دوا کھانے سے بیماری جاتی رہتی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ت[4] ان فی ذٰلک
لذکری لمن کان لہ قلب اور دوسری جگہ فرمایا ت[5] کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ ویھدیہ الی عذاب السعیر
پس جو کوئی عمل کی رو سے شیطان کی متابعت کرے گا وہ اس کا ٹھانگی دیار کہلاوے گا اگرچہ زبان سے ذکر اللہ کرے
اب اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث میں تو مطلق یوں وارد ہے کہ ذکر اللہ سے شیطان دفع ہوتا ہے اور یہ خصوصیات جن کا علما
دین بیان کرتے ہیں اس کے لفظ عام میں مفہوم نہیں ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے اس کا امتحان
اپنے ہی نفس میں کر لینا چاہیئے تاکہ حقیقت ان کے بیان کی معلوم ہو غور کرنا چاہیئے کہ آدمی کا منتہا ذکر اور عبادت نماز
ہے تو جب نماز میں کھڑا ہو اس وقت اپنے دل کا حال دیکھتا رہے کہ شیطان کہاں کہاں اس کو کھینچتا ہے کبھی فکر بازار

ح[1] پناہ مانگتا ہوں میں خدا تعالیٰ کے پورے کلموں سے کہ نہیں خلاف کرتا ان سے کوئی نیک اور بدی سے اس چیز کی کہ جاتی ہے زمین میں اور نکلتی ہے اس سے جو اترتی ہے آسمان
سے اور چڑھتی ہے اس پر اور برائی سے فتنوں رات اور دن کے اور حوادث سے رات اور دن کے مگر وہ حادثہ کہ آوے خیر کے ساتھ اے رحمان ۱۲ ابی الدنیا در مکائد الشیطان و
مالک در موطا بروایت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ مرسلاً ۱۲ ح[2] میرے پاس شیطان آیا اور مجھ سے نزع کیا میں نے اس کا گلا پکڑ لیا تو قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ
بھیجا ہے میں نے اس کو نہ چھوڑا جب تک کہ اس کے لعاب کی سردی میرے ہاتھ کو نہ معلوم ہوئی اور اگر میرے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ مسجد میں پڑا رہتا ۱۲
نسائی اور کبریٰ بروایت عائشہ بالفاظ دیگر ح[3] نہیں چلا عمر کسی راہ کو مگر کہ چلا شیطان اس راہ کے سوا جس پر کہ عمر چلا ۱۲ بخاری و مسلم بروایت سعد بن ابی وقاص بالفاظ مختلف ۱۲
ت[4] اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کو جس کے اندر دل ہے ت[5] اس کی قسمت میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو وہ اس کو بہکا دے اور لے جاوے عذاب میں دوزخ کے ۱۲

اور لوگوں کے حساب کتاب میں اور کبھی دنیا کی دوا دارو اور معاندین کے جواب میں غرضکہ یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ دنیا کی بات دل سے جاتی بھی رہی ہو وہ بھی نماز ہی میں یاد آتی ہے اور شیطان کا حملہ بھی نماز ہی میں زیادہ ہوتا ہے پس نماز دلوں کے لیئے کسوٹی ہے کہ اس سے خوبی اور برائی ان کی معلوم ہو جاتی ہے اور جو دل کہ شہوات دنیا سے بھرے ہیں ان کی نماز مقبول نہیں ہوتی ؎

بست در ذکر دل در فکر خانہ ٭ چہ حاصل زیں نماز پنجگانہ

تو ایسی نماز کے سبب سے دفعیہ شیطان کا بھی نہیں ہو گا بلکہ غالباً وسواس اور زیادہ ہو گا جیسے کہ دوا بدون پرہیز کے اکثر نقصان ہی کیا کرتی ہے اگر کسی کو شیطان سے خلاص منظور ہو تو اول پرہیز تقویٰ اختیار کرے بعد اس کے ذکر کی دوا پیئے تب شیطان اس کے پاس سے بھاگے گا جیسا حضرت عمرؓ سے بھاگتا تھا۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اور شیطان کو ظاہر میں برا مت کہو کہ تم باطن میں اس کے دوست یعنی فرمانبردار ہو اور بعضوں نے فرمایا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آدمی جس شخص کا اپنے اوپر احسان دیکھ لے پھر محسن کی نافرمانی کرے اور شیطان لعین کی سرکشی اور زور معلوم کرے اور پھر اس کی اطاعت کرے اور جس طرح بموجب اس آیت شریف کے کہ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ دعا مانگتے ہو اور قبول نہیں ہوتی اسی طرح ذکر الٰہی کرتے ہو اور شیطان نہیں دفع ہوتا کیونکہ شرطیں ذکر اور دعا کی سب مفقود ہیں حضرت ابراہیم بن ادہم سے کسی نے پوچھا یہ تو فرمایئے کہ ہم لوگوں کی دعا کیوں قبول نہیں ہوتی اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ آپ نے فرمایا کہ یہ وجہ ہے کہ تمہارے دل مردہ ہیں پوچھا کہ ان کے مردہ ہونے کی کیا جہت ہے آپ نے فرمایا کہ آٹھ عادتیں ہیں اوّل یہ کہ اللہ کا حق معلوم کر لیا اس کو بجا نہ لایا دوّم قرآن کو پڑھا اور اس کے بموجب عمل نہ کیا سوّم دعویٰ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اور ان کے طریق کے موافق عمل نہ کیا چہارم موت کا خوف کیا اور اس کے لیئے سامان نہ کیا پنجم بحکم الٰہی یوں تھا کہ شیطان کو دشمن جانو جیسا کہ فرمایا اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا اگر تم نے معصیت میں ان سے یاری کی ششم دعویٰ خوف دوزخ کا کیا مگر اپنے بدنوں کو اس میں جھونک دیا ہفتم جنت کو دل سے چاہتے رہے مگر اس کے لیئے کوئی کام نہ کیا ہشتم صبح اٹھتے ہی اپنے عیبوں کو تو پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور لوگوں کی عیب چینی اختیار کی پس ان باتوں سے خدا تعالیٰ ناراض ہو گیا تو دعا کس طرح قبول فرمادے باقی رہی یہ بات کہ معاصی مختلفہ کا داعی ایک ہی شیطان ہے یا سب گناہوں کے لیئے جدا جدا شیطان ہیں تو اس امر کا جاننا علم معاملہ میں چنداں ضروری نہیں یہاں یہی ضروری ہے کہ اپنے نفس کو دشمن سے بچاوے اور اپنے مطلب سے غرض رکھے بقول شخصے کہ آم کھائے پیڑ نہ گنے تاہم جو کچھ اخبار اور نور بصیرت سے واضح ہوا ہے اس کو ہم بیان کئے دیتے ہیں کہ ہر نوع معصیت کے لیئے ایک شیطان مخصوص ہے اس کا کام یہی ہے کہ اسے خاص گناہ کی طرف بلاتا ہے اس حساب سے شیطانوں کے دل کے دل ہیں اور جس طریق سے یہ امر دریافت ہوا ہے اس کا لکھنا طویل ہے وہی ایک بات کافی ہے کہ مسبب کے اختلاف سے سبب کا اختلاف

ت مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو ۱۲ ت۲ وہ دغا باز تحقیق تمہارا دشمن ہے سو تم سمجھ رکھو اس کو دشمن ۱۲

معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آگ کی روشنی اور دھوئیں کی سیاہی میں مذکور ہوا لیکن دلائل اخبار یہ ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ شیطان کے پانچ فرزند ہیں ان میں ہر ایک کو ایک کام سپرد کر دیا ایک کا نام ثبر ہے اور اس کو مصیبت کا کام سپرد ہے تو واویلا کرنا اور گریبان پھاڑنا اور طمانچہ مارنا اور نوحہ وغیرہ کرنا سب اسی کے اغوا سے ہوتا ہے دوسرے کا نام اعور ہے اس کا کام زنا کے لیئے بہکانا اور اس کو نظروں میں اچھا معلوم کرانا ہے تیسرا مسوط ہے جس کو جھوٹ کا عہدہ ہے چوتھا واسم ہے کہ آدمی کے ساتھ گھروں میں جاکر اقرباکی برائیاں اس کے سامنے پیش کرتا ہے اور اس کو ان سے خفا کر دیتا ہے پانچواں زلنبور وہ بازار میں رہتا ہے وہاں کے فسادات سب اس کی جہت سے ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ نماز کے شیطان کا نام خنزب[ح۱] ہے اور وضو کے شیطان کا نام ولہان اور جیسے کہ شیطان کثرت سے ہیں ویسے ہی فرشتوں میں کثرت ہے باب الشکر میں ہم لکھ چکے ہیں کہ وجہ ان کی کثرت کی اور ہر عمل کے لیئے جدا جدا ہونے کی کیا وجہ ہے اور حضرت ابوامامہ باہلی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۲] وكل بالمؤمن مائة وستون ملك يذبون عنه ما لم يقدر عليه من ذلك البصر سبعة املاك يذبون عنه كما يذبون الذباب عن قصعة العسل في اليوم الصائف لو بدا لكم لو يتموه على كل سهل وجبل كل باسط يده فاغر فاه لو وكل العبد الى نفسه طرفة عين لاختطفته الشياطين. ڈ اور ایوب بن یونس سے روایت ہے کہ مجھ کو یوں پہنچا ہے کہ اولاد آدم کے ساتھ اولاد جن بھی پیدا ہوتی ہے اور جابر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو انہوں نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ خدایا تو نے مجھ میں اور شیطان میں عداوت کر دی اگر تیری اعانت نہ ہوگی تو میں اس پر غالب نہ ہونگا ارشاد ہوا کہ تیرا جو فرزند پیدا ہوگا اس پر ایک فرشتہ موکل معین ہو جاوے گا عرض کیا کہ زیادہ عنایت ہو حکم ہوا کہ اگر کوئی ایک بدی کرے گا تو ایک ہی بدی کی سزا پاوے گا مگر نیکی کا بدلہ دس گنے سے جہاں تک مجھ کو منظور ہوگا دوں گا پھر زیادتی اعانت کی درخواست کی تو ارشاد ہوا کہ جب تک روح بدن میں رہے گی دروازہ توبہ کا مفتوح رہے گا شیطان نے عرض کیا کہ الٰہی اس بندہ کو تو نے مجھ سے اشرف بنایا اگر مجھ کو اعانت نہ ہوگی تو میں کیسے قادر ہوں گا حکم ہوا کہ جو بچہ آدم کے ہاں ہوگا اس کے ساتھ تیرے بھی بچہ پیدا ہوگا اس نے عرض کیا کہ اور زیادہ عنایت ہو حکم ہوا جیسے خون بدن میں چلتا ہے ویسا ہی تو بھی ان کے رگ و پے میں جاری ہوگا اور ان کے سینوں میں اپنا گھر بنا دے گا اس نے عرض کیا کہ اور زیادہ مدد ملے حکم ہوا کہ[ح۳] اجلب عليهم بخيلك ورجلك وشاركهم في الاموال والاولاد وعدهم وما يعدهم الشيطان الا غرورا اور حضرت ابودرداء[رض] سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خلق الله الجن ثلثة اصناف صنف حيات وعقارب و

ح۱ مسلم بروایت عثمان ابن ابی العاص ۱۲ ح۲ مومن پر ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر ہیں کہ اس پر سے وہ چیز دفع کرتے ہیں جس کی اس کو تاب نہیں ان میں سے آنکھ کے ساتھ فرشتے ہیں کہ اس پر سے ایسا دفع کرتے ہیں جیسے گرمی کے دن میں شہد کے پیالے سے مکھی ہٹائی جاتی ہے اور وہ چیز اگر تم کو نظر آوے تو دیکھو ہر ایک پستی اور پہاڑ پر کہ ہر ایک اپنا ہاتھ پھیلاوے منہ لپا دے ہے اس طرح کہ اگر بندہ ایک لمحہ کے واسطے اپنے نفس کو حوالہ کیا جاوے تو شیطان اس کو اچک لیں ۱۲ ابن الدنیا در مکائد الشیطان وطبرانی در معجم کبیر بروایت ابی امامہ بسند ضعیف ۱۲ ح۳ اور پکار ان پر اپنے سوار اور پیادے اور ساجھا کر ان سے مال اور اولاد میں اور وعدہ دے ان کو اور کچھ نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر دغابازی

حشاش الارض وصنف فی ظلّ کالرّیح فی الھوا ... وَصنف علیھم الثّوابُ والعقاب وخلق اللہ الجن ثلٰثۃ اصناف صنف کالبھآئم کما قال اللہ تعالیٰ لہم قلوب لایفقھون بھا ولھم اعین لایبصرون بھا ولھم اٰذان لایسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضلّ وصنف اجسامھم اجسام بنی اٰدم وارواحھم ارواح الشیاطین اور دہیب بن الورد کہتے ہیں کہ شیطان ایک بار حضرت یحییٰؑ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں آپ کو نصیحت کیا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ مجھ کو تیری نصیحت کی حاجت نہیں مگر مجھ سے بنی آدم کا حال کچھ کہہ اس نے کہا کہ ہمارے نزدیک ان کی تین قسمیں ہیں ایک قسم جو ہم پر بڑے سخت ہیں وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے پاس جاتے ہیں اور ان کو بہکا کر اپنے قابو میں لاتے ہیں مگر وہ استغفار اور توبہ کرنے لگتے ہیں ہمارا کیا کرایا سب مٹی ہوجاتا ہے پھر اگر ہم دوبارہ کچھ فکر کرتے ہیں وہ اس کے بعد بھی ایسا ہی کرتے ہیں اسی حیص وبیص میں نہ ہم ان سے امید ہی ہوتے ہیں نہ مطلب نکلتا ہے مشقت ہی مشقت ہے اور دوسری قسم وہ لوگ ہیں کہ وہ ہمارے پنجہ میں ایسے ہیں جیسے لوگوں کے ہاتھ میں گیند ہوتا ہے ان کو ہم جدھر چاہیں پھیر لیتے ہیں ان کی ہمیں کچھ فکر نہیں اور تیسری قسم آپ جیسے معصوم لوگ ہیں ان پر ہمارا کچھ بس نہیں چلتا اب اگر یہ کہو کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو تو شیطان کی صورت پکڑ کر سوجھتا ہے اور بعضوں کو نہیں ہوتا اور نیز جب نظر آتا ہے تو وہ شکل اس کی اصلی صورت ہے یا اس کا عکس ومثال ہے اور اگر اصلی صورت ہے تو اس کی مختلف صورتیں کیوں معلوم ہوتی ہیں اور ایک ہی وقت میں دو جگہ جدا جدا صورت دو شخصوں کو کیسے معلوم ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان اور فرشتوں کی اصلی صورتیں بھی ہیں مگر ان اصلی صورتوں کو مشاہدہ سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ ان کا دیکھنا انوار نبوت سے ہوتا ہے اسی لیئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلی صورت پر صرف دو مرتبہ ملاحظہ فرمایا تھا[۲] یعنی ایک دفعہ تو خود آنحضرت نے ان سے درخواست کی کہ اپنی اصلی صورت مجھ کو دکھاؤ انہوں نے وعدہ کیا کہ بہت اچھا اور کوہ حرا پر اصلی صورت میں نمودار ہوئے تو شرق سے غرب تک تمام آفاق کو روک لیا اور دوسری دفعہ معراج کی رات میں سدرۃ المنتہی پر ان کی اصلی صورت میں دیکھا ورنہ حضرت دحیہ قلبی کی صورت میں ملاحظہ فرماتے ہیں اور یہ شخص نہایت خوبصورت تھے اور اکثر مکاشفہ اہل دل کا یوں ہوتا ہے کہ صورت اصلی کی مثال ان کے سامنے ہوجاتی ہے مثلاً شیطان بیداری میں صورت پکڑ کر ان کی آنکھ کے سامنے آتا ہے تو وہ ان کو دیکھتے بھی ہیں اور کلام بھی سنتے ہیں اور یہی صورت قائم مقام صورت اصلی کے ہوجاتی ہے جیسا کہ صلحا کو اکثر خواب میں اتفاق ہوتا ہے اور صاحب کشف اس کو کہتے ہیں کہ ایسے درجے پر پہنچ جاوے کہ

ح[۱] اللہ تعالیٰ نے جن کو تین قسم پیدا کیا ایک قسم سانپ اور بچھو اور حشرات الارض ہیں اور ایک قسم آندھی کی طرح ہوا ہیں اور ایک قسم پر ثواب اور عذاب ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے تین صنف میں پیدا کیا ہے ایک مثل بہائم کے ہیں چنانچہ خود فرماتا ہے کہ ان کے دل ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور آنکھیں ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور کان ہیں جن سے نہیں سنتے یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر اور ایک وہ ہیں جن کے بدن آدمیوں کے سے ہیں اور ان کی روحیں شیطانوں کی ہیں اور ایک قسم وہ ہیں کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے سایہ میں ہوں گے جس دن کوئی سایہ بغیر اس کے سایہ کے نہ ہوگا ۱۲ ابن ابی الدنیا در مکائد وابن حبان در ضعفا اور ضعیف کیا ہے اور حاکم نے بروایت ابو ثعلبہ خشنی مختصراً نقل کیا ہے ۱۲ ح[۲] بخاری ومسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ح[۳] بخاری ومسلم بروایت اسامہ بن زید[۱۲]

باوجود مشغولی حواس کے دنیا میں اس کے مکاشفہ میں خلل نہ آوے یعنی اس کو بیداری میں وہ بات معلوم ہو جاوے جو اوروں کو خواب میں سوجھتی ہے جیسا کہ عمر بن عبد العزیز سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رب العزت سے یہ دعا مانگی کہ مجھ کو وہ جگہ دکھا دے جہاں قلب بنی آدم پر شیطان رہتا ہے تو خواب میں یہ دیکھا کہ ایک آدمی کا جسم بلور کی صورت کا ہے یعنی اس کے اندر کی چیز باہر سے معلوم ہوتی ہے اور شیطان مینڈک کی صورت میں اس کے بائیں شانہ پر مونڈھے اور کان کے درمیان بیٹھا ہے اور اس کی پتلی اور لمبی سونڈ ہے جس کو آدمی کے دل میں ڈال کر وہاں ہی سے وسوسہ کر رہا ہے اور جب وہ ذکر الٰہی کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے اسی طرح کا امر کبھی بیداری میں ہو بہو معلوم ہوتا ہے چنانچہ بعض اہل کشف نے دیکھا کہ شیطان ایسی صورت میں نظر آیا کہ گویا کوئی کتا مردار پر گرتا ہے اور لوگوں کو اس طرف بلاتا ہے یعنی دنیا بصورت مردار معلوم ہوئی۔ پس اس طرح پر معلوم ہونا قائم مقام صورت اصلی کے نظر آنے کے ہے کیونکہ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قلب کے لئے دو طرف ہیں ایک وُہ ہے جو عالم ملکوت کے مقابل ہوتی ہے اور وہی مدخل وحی والہام ہے دوسری عالم ظاہری کی طرف کو ہے تو جب قلب کی پہلی جانب پر عالم ملکوت سے کسی شے کی اصل حقیقت ظاہر ہوتی ہے تو اس کے اثر سے وہ جانب جو عالم ظاہر کی طرف ہے اس میں بھی چمک آجاتی ہے اس لئے کہ دونوں جانبیں ایک دوسرے سے ملی جلی ہیں تو ظاہر ہے کہ اس جانب میں جو عالم ظاہری کی طرف کو ہے جو شے نظر آوے گی وہ ایک صورت متخیلہ ہو گی اس وجہ سے کہ تمام عالم ظاہری متخیلات ہی میں داخل ہے اتنا فرق ہے کہ آدمی کا خیال جو حس ظاہری سے ہوتا ہے اس میں یہ بات مطابق سیرت نہ ہو کیونکہ عالم ظاہری میں تلبیس بہت واقع ہوتی ہے مثلاً ممکن ہے کہ آدمی ظاہر میں خوبصورت نظر آتا ہے وہ باطن کا خبیث ہو مگر جو صورت کہ عالم ملکوت کی چمک سے دل کو حاصل ہے وہ بعینہ مطابق صفت اور سیرت کے ہوتی ہے کیونکہ عالم ملکوت میں صورت مطابق سیرت کے ہی ہوا کرتی ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس چیز کا باطن برا ہو گا وہ اسی طرح پر بری ہی نظر آوے گی اسی لیے شیطان جب اس طرح نظر آتا ہے تو کتے اور مینڈک اور ثور وغیرہ کی صورت میں معلوم ہوتا ہے اور فرشتہ اس کے برعکس خوبصورت سوجھتا ہے پس یہ صورت گویا باطن کا عنوان ہو جاتی ہے اور اسی کے مطابق ہوتی ہے پس اگر کوئی شخص خواب میں بندر یا سور دیکھے تو اس کی تعبیر انسان خبیث کے دیکھنے سے ہو گی اور اگر بکری دیکھے تو انسان سلیم الطبع سے مراد ہو گی اور تمام تعبیرات خواب کا یہی حال ہے غرضکہ یہ امر بھی اسرار قلبی میں سے ایک عجیب بات ہے اس کا ذکر کرنا علم معاملہ کے مناسب نہیں یہاں یہی مقصود ہے کہ اس بات کا یقین کر لیا جاوے کہ شیطان خواہ فرشتہ اہل دل کو منکشف ہوتا ہے کبھی تو بطریق حکایت تمثل جیسا کہ خواب میں ہوتا ہے جو مشابہ باطن کے ہو مگر نظر آنا اس مثال کو آنکھ سے حقیقت ہوتا ہے اور اس کو ارباب مکاشفہ صرف دیکھ سکتے ہیں اس کے ارد گرد کے لوگ نہیں دیکھ سکتے جیسے سونے والے نہیں دیکھ سکتے۔

دل کے وساوس، وہم، قصد اور خواطر میں فرق اور ان کے احکام

واضح ہو کہ اس باب میں آیات اور اخبار مختلف واقع ہوئے ہیں کہ سوائے علماء کاملین شریعت کے ان میں کسی سے تطبیق نہیں ہو سکتی چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا[ا] عفی عن امتی ما حدثت به نفسها مالم تتکلم او یعمل

[ا] میری امت سے وہ گناہ معاف کیے گئے ہیں جو اپنے جی میں ہیں جب تک کہ ان کو بولیں یا عمل میں نہ لاویں ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ ان اللہ تجاوز لامتی عن ما حدثت به نفسها ۱۲

اور ایک روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ یقول للحفظۃ اذا ھم عبدی بسیئۃ فلا تکتبوھا علیہ فان عملھا فاکتبوھا سیئۃ واذا ھم بحسنۃ فلم یعملھا فاکتبوا حسنۃ فان عملھا فاکتبوھا عشرًا اور یہ حدیث بخاری ومسلم دونوں میں موجود ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عمل قلبی اور اس کا میلان طرف بدی کے معاف ہے اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ من ھم بحسنۃ فلم یعملھا کتب لہ حسنۃ ومن ھم بحسنۃ فعملھا کتبت لہ عشرًا الی سبعمائۃ ضعف ومن ھم بسیئۃ فلم یعملھا لم تکتب علیہ وان عملہ کتبت اور ایک روایت یوں ہے ح واذا تحدث بان یعمل سیئۃ فانا اغفرھا لہ مالم یعملھا اور ان سب سے عفو ہی سمجھا جاتا ہے اور مواخذہ کے باب میں یہ آیت ہے ؎ لایؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم اور یہ آیت ؎ ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولًا یعنی عمل قلب مثل آنکھ عمل مثل کان کے ہے معاف نہیں ہونے کا اور یہ آیت لایؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم ان سب سے مواخذہ پایا جاتا ہے اور اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ جب تک تفصیل اعمال قلوب کی شروع سے لے کر اعضاء کے ارتکاب تک نہ بتلائی جاوے تب تک کچھ حکم عفو یا مواخذہ کا مطلق نہیں کہنا چاہیئے اب ہم کہتے ہیں کہ قلب پر اول جو چیز وارد ہوتی ہے اس کو خواطر اور حدیث نفس کہتے ہیں مثلاً ایک عورت کی صورت دل میں آوے جو اس کی پس پشت ہو کہ اگر چاہے تو پھر کر اس کو دیکھ لے دوسری بات دیکھنے کی رغبت کا ہیجان ہے یعنی وہ شہوت جو طبیعت میں موجود ہے متحرک ہوا اور یہ امر پہلے خاطر سے پیدا ہوتا ہے اس کو میل طبع کہتے ہیں اور تیسری بات دل کی اجازت اس رغبت کی تعمیل کے لیے مثلاً مثال مذکور میں دیکھنے کے لیئے اجازت دینی کیونکہ بعضی دفعہ طبیعت کی رغبت تو ہوتی ہے مگر موانع کے باعث دل اجازت نہیں دیتا مثلاً حیا کے سبب نہیں دیکھ سکتا یا پھر کر دیکھنے میں کچھ خوف معلوم ہوتا ہے اور ان مانع کا برطرف ہونا تامل سے ہوتا ہے جو بہر حال عقل ہی کی اجازت سے ہے اس کا نام اعتقاد ہے اور یہ ان دو پہلی باتوں کے بعد ہوتا ہے چوتھی بات پکار کرنا ارادہ کا متوجہ ہونے پر اس کو نیت اور قصد اور ارادہ کہتے ہیں اس ارادہ کا مبدء کبھی ضعیف ہوتا ہے مگر بہ اعتبار خاطر دل کے کشش نفس کو اس قدر ہوتی ہے کہ یہ ارادہ مصمم اور موکد ہو جاتا ہے بعد اس ارادہ کے مصمم ہونے کے کبھی

ح[1] اللہ تعالیٰ کرام کاتبین سے ارشاد فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی گناہ کا قصد کرے تو اس کو مت لکھو پس اگر اس کو کرے تو ایک گناہ لکھو اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو ایک نیکی لکھو اور اگر وہ نیکی کرے تو دس نیکیاں لکھو ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ح[2] جس شخص نے قصد نیکی کا کیا اور عمل میں نہ لایا اس کو ایک نیکی لکھی جاوے گی اور اگر ارادہ خیر کیا اور اس کو پورا بھی کیا تو اس کے لیئے دس نیکیاں سات سو تک لکھی جاویں گی اور اگر گناہ کا مرتکب ہوا تو ایک گناہ لکھا جاوے گا ح[3] جب دل میں گناہ کرنے کو کہتا ہے تو میں اس کو مغفرت کرتا ہوں جب تک کہ اس کا مرتکب نہ ہو ۱۲ ت[4] اگر تم کھو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے حساب لے گا تم سے اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب دے گا جس کو چاہے ۱۲ ت[5] اور نہ پیچھے پڑ جس کی خبر نہیں تجھ کو بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی ان سے پوچھ ہے ۱۲ ت[6] اور نہ چھپاؤ گواہی کو اور جو کوئی چھپاوے تو گنہگار ہے دل اس کا ۱۲ ت[7] نہیں پکڑتا ہے تم کو اللہ ناکاری قسموں پر تمہاری لیکن پکڑتا ہے اس کام پر جو کرتے ہیں دل تمہارے ۱۲

آدمی ندامت کے باعث فعل کا مرتکب نہیں ہوتا اور کبھی اس نظر سے نہیں کرتا کہ کسی وجہ سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کام کی طرف توجہ نہیں رہتی اور کبھی کوئی ایسا مانع پیش آتا ہے کہ اس کام کا کرنا متعذر ہو جاتا ہے غرضکہ دل کے لئے پہلے اعضا کے عمل سے چار حالتیں ہوتی ہیں اول حدیث نفس پھر میل طبع پھر اعتقاد پھر عزم اب ان چاروں کا حکم سننا چاہیئے کہ حدیث نفس اور میل طبع پر تو مواخذہ نہیں اس واسطے کہ ان پر کچھ بس نہیں یہ باتیں آدمی کے اختیار سے باہر ہیں اور اس حدیث میں کہ [ح۱] عفی عن امتی ما حدثت بہ نفوسھا یہی دونوں مراد ہیں اس لیئے کہ حدیث نفس اسی کو کہتے ہیں کہ صرف دل میں گزرے اور اس کے کرنے کا عزم نہ ہو اور عزم اور ارادہ کو حدیث نفس نہیں کہتے بلکہ حدیث نفس یہ ہے جیسا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا حضرت میرے جی میں یوں آتا ہے کہ اپنی بی بی خولہ کو طلاق دے دوں آپ نے فرمایا کہ [ح۲] مھلا ان من سنتی النکاح انہوں نے عرض کیا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ خصی ہو جاؤں آپ نے فرمایا کہ [ح۳] مھلا اخصاء امتی دوب الصیام عرض کیا کہ میرا جی یہ چاہتا ہے کہ راہب بن جاؤں آپ نے فرمایا کہ [ح۴] مھلا رھبانیۃ امتی الجھاد و الحج عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ گوشت کھانا چھوڑ دوں آپ نے فرمایا کہ [ح۵] مھلا فانی احبہ لو اصبتہ لاکلتہ ولو سالت اللہ تعالیٰ لاطعمہ پس جن خواطر کے ساتھ عزم نہیں ہوتا وہ حدیث نفس میں داخل ہیں جیسے ان صحابی کے خواطر تھے اسی جہت سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے باب میں مشورہ لیا کہ عزم ان کے ارتکاب کا نہ تھا تیسری بات یعنی اعتقاد اس کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری اور ایک اضطراری اور دونوں کا حکم بھی مختلف ہے کہ اختیاری پر مواخذہ ہوتا ہے اور اضطراری پر نہیں ہوتا اور چوتھی بات یعنی قصد فعل اس پر مواخذہ ہوتا ہے مگر جب کام اس قصد کے بعد نہیں کیا تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ خوف الہی اور ندامت کے باعث سے نہیں کیا یا کسی اور سبب سے اول صورت میں ایک نیکی اس کے لیئے لکھی جاوے گی اس لیئے کہ ارادہ شر گناہ ہے اور اس سے باز رہنا اور نفس پر مجاہدہ کرنا نیکی ہے اور نیز ارادہ کرنا بر حسب اقتضائے طبع اس پر دلالت نہیں کرتا کہ خدا سے بالکل غافل ہو گیا لیکن نفس کو مجاہدہ سے طبیعت کے خلاف پر باز رکھنا اس کو بڑی قوت چاہیئے تو اس نے جس قدر کوشش ارادہ فعل کی جہت سے شیطان کی متابعت میں کی تھی اس سے زیادہ مخالفت طبع اور للہ کام کرنے میں کی اس لیئے سزاوار ایک نیکی کا ہوا اور اگر کسی مانع یا عذر کے باعث اس فعل سے باز رہا ہے تو اس پر ایک برائی

ح۱ میری امت سے معاف کی گئی ہے ان کے جیوں کی بات ۱۲ ح۲ حکیم ترمذی نے نوادر اصول میں بروایت علی بن زید عن سعید بن المسیب مرسلاً اسی طرح نقل کیا ہے مگر اس میں قاسم بن عبداللہ عمری کو احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے دروغگو لکھا ہے لیکن ٹکڑے اس حدیث کے جدا جدا بالفاظ قریب صحاح میں وارد ہیں بسند جید صرف آخر کا ٹکڑا البتہ اسی روایت میں ہے ۱۲ ح۳ ایسا نہ کرو میری سنت میں سے ہے نکاح کرنا ۱۲ ح۴ ایسا نہ کرو میری امت میں راہب ہونا جہاد اور حج کرنا ہے ۱۲ ح۵ ایسا نہ کرو میں اس کو پسند کرتا ہوں اور اگر ملتا ہے تو کھا لیتا ہوں اور میں اگر خدا سے سوال کروں تو مجھ کو گوشت کھلا دے ۱۲۔

لکھی جاوے گی اس لیئے کہ ارادہ کرنا بھی قلب کا فعل اختیاری ہے اور یہ احکام جو ہم نے مفصل لکھے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اسی طرح الفاظ حدیث میں مفصل مذکور ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] قالت الملائکۃ علیہم السلام رب ذاک عبدک یرید ان یعمل سیئۃ وھو ابصر بہ فقال ارقبوہ فان ھو عملھا فاکتبوھا لہ بمثلھا وان ترکھا فاکتبوھا لہ حسنۃ اور جس روایت میں لم یعملھا آیا ہے اس سے بھی یہی مراد ہے کہ خدا کے خوف سے چھوڑ دیا ہو اور اگر گناہ پر ارادہ کرکے کسی عذر یا غفلت کے سبب چھوڑا ہو تو اس صورت میں نیکی کا مستحق نہیں ہوگا کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے[2] انما یحشر الناس علی نیاتھم اور یہ بھی معلوم ہے کہ کوئی رات کو اس بات کا ارادہ کرے کہ صبح کو کسی مسلمان کو قتل کروں گا یا کسی عورت سے زنا کروں گا اور اسی رات میں مر جاوے تو اپنے ارادہ پر مصر مرے گا اور اسی نیت پر اس کا حشر ہوگا حالانکہ فعل کا مرتکب نہیں ہوا تو معلوم ہوا حدیث مذکور میں لم یعمل سے مراد یہی ہے کہ خدا کے خوف سے چھوڑ دیا ہو اور دلیل قاطع نیت پر مواخذہ کے باب میں یہ حدیث شریف ہے[3] اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار فقیل یارسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول قال لانہ اراد قتل صاحبہ۔ اس سے صریح معلوم ہوگیا کہ صرف ارادہ کی جہت سے ناری ہوا باوجودیکہ خود ظلماً مقتول ہوا پس مواخذہ جب نص صریح سے معلوم ہوا تو اب گمان یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ نیت پر مواخذہ نہ فرماوے گا بلکہ جو قصد کہ آدمی کے اختیار سے ہوگا اس پر اس کا مواخذہ ہوگا لیکن اس کا کفارہ اگر نیکی سے کر دے گا تو مواخذہ سے بری ہو جاوے گا اور اپنے عزم کو ندامت کے سبب فسخ کرنا نیکی ہے اس لیئے مستحق نیکی کا ہوتا ہے مگر مانع کے سبب کام کو ترک کرنا نیکی نہیں اس لئے مواخذہ دار رہتا ہے اور خواطر اور میل طبع بندہ کے اختیار میں نہیں اگر ان پر مواخذہ ہو تو گویا جو بات طاقت سے باہر ہے اس کا حکم ہوا اور یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیت اتری[4] وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔ کچھ صحابی رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ہم پر حکم ایسی بات کا ہوا جو ہماری طاقت سے باہر ہے ہم میں سے بعضوں کے دل میں ایسی باتیں گزرتی ہیں کہ یہ منظور نہیں کہ وہ دل میں رہیں پھر ان پر مواخذہ ہوگا آپ نے فرمایا کہ شاید تم بھی ایسا کہتے ہو جیسا یہودیوں نے کہا تھا[5] سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا یوں کہو کہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا انہوں نے کہا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ایک برس کے بعد خداوند کریم نے وہ تنگی رفع کی اور یہ آیت اتری[6] لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا پس ظاہر ہوا کہ جو بات اعمال قلبی سے بندہ کے اختیار میں

---

[1] فرشتے کہتے ہیں کہ الٰہی تیرا وہ بندہ گناہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے حالانکہ خدا کو اس کا حال زیادہ معلوم ہے فرشتوں کو حکم دیتا ہے۔ اس کے نگران رہو اگر مرتکب ہو تو ویسے ہی لکھ لیں اور اگر چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھنا کیونکہ اس نے میرے ہی سبب سے اس کو چھوڑا ہے ۱۲ مسلم بروایت ابی ہریرہ۔ [2] آدمی اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جاویں گے ۱۲ مسلم بروایت عائشہ وام سلمہ بالفاظ دیگر [3] جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر جٹ جاویں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جاویں گے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قاتل نے تو قتل کیا مقتول کیوں جاوے گا آپ نے فرمایا کہ اس جہت سے کہ اس نے اپنے ساتھی کے مارنے کا ارادہ کیا تھا ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابی بکرہ ۱۲ [4] اگر تم کہو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے حساب لے گا اللہ تم سے ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہ وابن عباس ۱۲ [5] ہم نے سنا اور نافرمانی کی ۱۲ [6] ہم نے سنا اور مانا ۱۲ [7] اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص

نہیں اس پر مواخذہ بھی نہیں ہے بیان شافی اس امر کا کہ جو لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ جو بات دل پر گزرے وہ حدیث نفس ہے اور ان اقسام کی کچھ تفریق نہیں کرتے وہ بیشک غلطی پر ہیں اور کیا وجہ ہے کہ اعمال قلبی پر مواخذہ نہ ہو حالانکہ کبر اور عجب اور ریا اور نفاق اور حسد وغیرہ سب اعمال قلب ہی میں سے ہیں بلکہ اصل یہی ہے کہ جو اعمال بندہ کے اختیار میں ہیں خواہ آنکھ کے ہوں یا کان کے یا دل کے سب پر مواخذہ ہوگا یہاں تک کہ اگر آنکھ بے اختیار کسی غیر محرم پر پڑ جاوے تو اس پر بھی مواخذہ نہیں ہاں اگر دوبارہ پھر دانستہ دیکھے گا تو اس پر مواخذہ ہوگا اسی طرح خواطر قلبی کا حال ہے بلکہ مواخذہ قلب ہی سے اوّل ہونا چاہیئے کیونکہ اصل وہی ہے حدیث شریف میں ہے کہ[ح] التقوٰی لہٰہنا یعنی دل کی طرف اشارہ کر کے آپ نے یہ لفظ فرمایا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ح] لن ینال اللّٰہ لحومہا ولادماؤہا ولکن ینالہ التقوٰی منکم اور ایک حدیث میں اس طرح ارشاد ہے الاثم حواز القلوب[ح] اور یہ بھی فرمایا اطمئان الیہ القلب وان افتوک وافتوک[ح] یہاں تک کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر متقی کے دل نے کسی چیز کے واجب ہونے کو حکم کیا اور وہ مثلاً غلطی پر ہے تب بھی اس کو ثواب ہوگا یا کسی نے یہ جانا کہ میں وضو سے ہوں اور نماز پڑھی اور بعد نماز کے یہ خیال ہوا کہ مجھ کو وضو نہ تھا تو اس کی پہلی نماز کا ثواب ملے گا لیکن باوجود جاننے اپنی طہارت کے نماز چھوڑ دے گا تو مستحق عقاب ہوگا گو پیچھے یاد آوے کہ مجھ کو وضو نہ تھا یا کسی نے اپنے بستر پر ایک عورت کو پایا اور یہ نہ جانا کہ میری منکوحہ ہے اور اس سے جماع کیا تو گنہگار نہ ہوگا گو وہ عورت اجنبی ہی ہو اور اگر بالفرض اس کی منکوحہ ہی ہوتی مگر یہ شخص اس کو غیر عورت جان کر صحبت کرتا تو گناہ گار ہوتا پس ان سب مسائل کی بنا دل پر ہی ہے اعضا کو ان میں کچھ دخل نہیں

ذکر کے وقت وساوس منقطع ہوتے ہیں یا نہیں؟

واضح ہو کہ جو علما قلوب کے حال کے نگران ہیں اور ان کے صفات و عجائب کو دیکھتے رہتے ہیں اس مسئلہ میں ان کے پانچ فریق ہیں ایک فرقہ کا یہ قول ہے کہ ذکر الٰہی سے وسوسہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح] فاذا ذکر اللّٰہ خنس اور خنس کے معنی خاموشی کے ہیں گویا شیطان چپ ہو جاتا ہے اور ایک فرقہ کا یہ قول ہے کہ اصل وسوسہ تو نہیں جاتا مگر اس کا اثر جاتا رہتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب دل میں ذکر الٰہی بھر جاوے گا تو تاثیر نہ کرنے پاوے گا جیسے کوئی آدمی کسی سوچ میں بیٹھا ہو تو بعض اوقات کلام نہیں سمجھتا اگرچہ آواز اس کے کان پر پہنچتی ہے اور ایک فرقہ کا یہ قول ہے کہ نہ وسوسہ منقطع ہوتا ہے نہ تاثیر جاتی ہے مگر غلبہ اس کا فرد ہو جاتا ہے یعنی وسواس تو ہوتا ہے مگر بہت ضعیف اور ایک فرقہ کا یہ قول ہے کہ ذرا سی دیر ذکر سے وسوسہ معدوم ہو جاتا ہے اور اتنی ہی دیر کے وسوسہ سے

ح تقوٰی یہاں ہے ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہ ح اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت نہ لہو لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب ۱۲ ح گزارہ خلجان میں ڈالنے والا ہے دلوں کا ۱۲ باب العلم میں گزری ۱۲ ح نیکی وہ ہے جس سے دل کو اطمینان ہو ۱۲ طبرانی بروایت ابی ثعلبہ ح جب خدا کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے ۱۲ ابن ابی الدنیا و ابن عدی بروایت انس رضی اللہ عنہ ح ہر ایک بندہ کی چار آنکھیں ہیں دو اگلے سر میں ہوتی ہیں جن سے اپنا دنیا کا کام دیکھتا ہے اور دو دل میں ہوتی ہیں جن سے دین کا امر دیکھتا ہے ۱۲ ابو منصور دیلمی در مسند الفردوس۔ بروایت معاذ رضی اللہ عنہ لیکن اس میں بجائے لفظ دین کے آخرۃ کا لفظ آیا ہے

ذکر معدوم ہو جاتا ہے اور ان کے پے در پے اور جلد جلد آنے سے ایک تار سا بندھ جاتا ہے اور ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک کرہ پر چند نقطے متفرق اگر اس کو زور سے گھماؤ تو وہ نقطے دائرہ کی شکل معلوم ہوں گے کیونکہ تیزی حرکت کے باعث ایک دوسرے سے ملے معلوم ہوں گے اور یہ لوگ اپنے قول کی یہ دلیل فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں خلس مذکور ہے مگر ہم کو ذکر کے ساتھ وسوسہ سوجھتا ہے تو اس کی تطبیق بجز بیان مذکور کے کسی طرح نہیں ہو سکتی اور ایک فرقہ کا یہ قول ہے کہ وسوسہ اور ذکر دل پر ہمیشہ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور منقطع نہیں ہوتے جیسے کوئی آدمی ایک ہی حالت میں اپنی آنکھ سے دو چیزیں دیکھے اسی طرح دل بھی دو چیزوں کا مقام ہوتا ہے حدیث شریف میں وارد ہے[ا] کہ ما من عبد الا ولہ اربعۃ اعین عینان فی راسہ بصر بہما امر دنیاہ وعینان فی قلبہ یبصر بہما امر دینہ اور یہی مذہب محاسبی کا ہے اور ہمارے نزدیک یہ سب مذہب درست ہیں مگر اقسام وسواس کا حصر کسی میں نہیں ہر ایک نے جس وسواس کو دیکھا ویسا ہی بتا دیا اس لیئے ہم اس کے اقسام لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وسواس تین قسم کے ہیں اول یہ کہ امر حق کو مشتبہ کرنے سے شیطان وسوسہ کرے مثلاً یوں سمجھاوے کہ دنیا کی لذت نہ چھوڑنی چاہیئے زندگی بہت سی خواہشات کو اتنے دنوں روکنا بڑا عذاب ہے پس اس وقت اگر بندہ اللہ تعالیٰ کا حق اور اس کا ثواب عظیم اور عقاب یاد کرے گا اور اپنے نفس کو سمجھاوے گا کہ خواہشات سے رکا رہنا تو سخت ہے مگر دوزخ کی آنچ کا سہنا سخت تر ہے دونوں میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے تو جب اس طرح وعدہ اور وعید کو یاد کرکے تجدید اپنے یقین کی کرے گا تو شیطان بھاگ جاوے گا کیونکہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ دوزخ کی آگ پر صبر کرنا گناہوں کے صبر سے ہلکا ہے نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ گناہ کا انجام دوزخ نہیں اس لیئے اگر کہے گا بھی تو بندہ کتاب اللہ پر ایمان رکھنے سے اس کی کب سنے گا بہرکیف اس کا وسواس منقطع ہو جاوے گا اسی طرح اگر عجب کے لیئے وسوسہ ڈالے مثلاً دل میں یہ بات ڈالے کہ آج تیرے برابر معرفت اور عبادت الٰہی میں کوئی نہیں تیرا رتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے اور اس وقت بندہ یہ یاد کرے کہ میری معرفت اور اختیار اور قلب اور اعضا جن سے میں نے جانا یا عمل کیا سب کے سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیئے ہیں پس عجب کس پر کرنا چاہیئے تو اس وقت بھی شیطان ٹلے گا کیونکہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اللہ کی جانب سے نہیں اور اگر کہے بھی تو ایمان کی بہت سے شنوائی کب ہو سکتی ہے غرض کہ اس قسم کا وسواس تو بالکل منقطع ہو جاتا ہے جو لوگ عارف اور نور ایمانی اور نور معرفت سے روشن ضمیر ہیں ان کے پاس نہیں رہتا دوسری قسم وسواس کی یہ ہے کہ شہوت کو حرکت دے اور اس میں یہ تفریق ہے کہ تحریک یا تو ایسی چیز کی طرف ہو کہ بندہ کو یقینی معلوم ہو جاوے کہ وہ چیز معصیت ہے یا صرف غلبہ ظن ہی ہو پس یقینی جاننے کی صورت میں شیطان ہیجان شہوت سے تو باز نہیں رہے گا مگر ایسا ہیجان نہیں کرے گا جس سے تحریک ہو اور اگر امر مظنون ہوگا تو اکثر موثر رہے گا یہاں تک کہ اس کے دفع کے لیئے مجاہدہ کی ضرورت ہوگی پس وسوسہ

[ا] ہر ایک بندہ کی چار آنکھیں ہیں دو اسکے سر میں ہوتی ہیں جن سے اپنا دنیا کا دیکھتا ہے اور دو دل میں ہوتی ہیں جن سے دین کا امر دیکھتا ہے ۱۲

ابو منصور دیلمی در مسند الفردوس بروایت معاذ رضی اللہ عنہ مگر اس میں بجائے لفظ دینہ کے آخرۃ کا لفظ آیا ہے ۱۲

تو موجود رہتا ہے مگر دبا ہوا ہوتا ہے تیسری وسوسہ کی خاطر ہیں اور غائب چیزوں کا حال یاد کرنا پس جب دل متوجہ ذکر الٰہی کی طرف ہوتا ہے تو ذرہ ٹل جاتا ہے پھر آجاتا ہے پھر ذرہ دیر کو ٹل جاتا ہے اور ذکر اور وسوسہ پے درپے اسی طرح آتے ہیں کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ دونوں کا ایک سلسلہ ہو گیا ہے یہاں تک کہ ذہن میں معنی قرأت کے بھی آتے ہیں اور یہ خواطر بھی رہتے ہیں گویا ان دونوں چیزوں کے ٹھکانے دل میں دو جگہ ہیں اور اس قسم کا وسوسہ بالکلیہ منقطع ہو جانا بہت مشکل ہے مگر محال نہیں اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے [۱] مَن صَلّیٰ رکعتین لم یحدث نفسہٗ فیہما بشیئ من الدنیا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ پس اگر یہ بات محال ہوتی تو حضرت ذکر نہ فرماتے ہاں یہ امر اسی دل میں ہو سکتا ہے جس پر محبت الٰہی حاوی ہو گئی کیونکہ قلب کو جس طرف مشغولی تام ہوتی ہے اس کے سوا اور کچھ دل پر نہیں گزرتا جیسے عاشق اگر فکر محبت میں مستغرق ہوتا ہے تو سوائے ذکر محبوب اور کوئی بات اس کے دل میں نہیں گزرتی یا جس کو کسی دشمن کا خیال ہوتا ہے کہ بعض اوقات دو رکعت یا زیادہ کی مقدار ایسا فکر میں ڈوبا رہتا ہے کہ سوائے اس دشمن کی بات کے اور کچھ دل پر نہیں گزرتا یہاں تک کہ اگر اس عرصہ میں کوئی پاس کو نکل جاوے یا کچھ کہہ جاوے تو اس کو خبر نہیں ہوتی گویا کہ اس پر آنکھ ہی نہیں پڑتی پس جب یہ بات دنیا کے تفکرات میں ممکن ہے تو اگر کسی کو خوف دوزخ یا حرص جنت سے یہ استغراق نصیب ہو تو کیا بعید ہے ہاں بنظر ضعف ایمان کے البتہ شاذونادر ہے پس جب ان سب اقسام وساوس کو سوچو تو معلوم ہو جاوے گا کہ مذہب مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کے لیئے ایک وجہ ہے لیکن اس کا محل مخصوص ہے خلاصہ یہ کہ شیطان سے خلاص ہونا ایک لحظہ یا ساعت کو کچھ بعید نہیں مگر عمر بھر اس سے نجات ملنی بہت بعید ہے بلکہ محال ہے کیونکہ یہ بات اگر ممکن الوجود ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی قسم کا وسوسہ نہ ہوتا حالانکہ وسوسہ آپ کو بھی ہوا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آپ نے نماز میں اپنے کپڑے کے نقوش پر نگاہ کی اور سلام پھیر کر وہ کپڑا پھینک دیا اور فرمایا [۲] شغلنی عن الصلوٰۃ اور ایک بار سونے کے حرام ہونے سے پیشتر آپ کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی سونے کی تھی خطبہ پڑھنے میں اس پر نگاہ جا پڑی تو آپ نے اس کو نکال کر پھینک دی اور فرمایا [۳] نظرۃ الیہ ونظرۃ الیکم تو لدت نگاہ کو سونے کی انگوٹھی یا کپڑے کے کے نقش کی طرف حرکت دینی وسوسہ کے باعث تھی اس لیئے آپ نے ان کو پھینک دیا اس سے یہ معلوم ہوا کہ وسوسہ متاع دنیاوی اور نقد کا جب ہی منقطع ہو گا جب اس کو علیحدہ کر دیا جاوے اور جب تک ایک روپیہ ملک میں رہے گا نماز میں شیطان اسی کا وسوسہ کرے گا اور ان کو کہاں چھپایا جاوے کہ کسی کی نظر نہ پڑے اور حفاظت کس طرح ہو اور کس خرچ میں اٹھانا چاہئیے اور کیونکر اس کو ظاہر کر کے نام پیدا کیا جاوے اسی طرح کے بیسیوں وسوسے کرتا ہے پس جو کوئی دنیا میں پھنس کر یہ طمع کرے کہ مجھے شیطان سے نجات ملے اس کی مثال ایسی ہے کہ شہد بدن میں لیس کر یہ جانے کہ

---

[۱] جو شخص دو رکعت نماز ایسی پڑھے ان میں اس کا نفس کوئی بات دنیا کی نہ کرے تو اس کے سب گناہ اگلے بخش دیئے جاتے ہیں باب الصلوٰۃ میں گزری ۱۲ [۲] مجھ کو نماز سے روک دیا ۱۲ باب الصلوٰۃ میں گزری۔ [۳] ایک بار اس کو دیکھتا ہوں اور ایک بار تم کو ۱۲ نسائی بروایت ابن عباسؓ ۱۲

اس پر کبھی نہ بیٹھے گی اور یہ بات محال ہے غرضکہ دنیا وسوسہ کا بڑا پھاٹک ہے اور اس کا ایک راستہ نہیں بہت سے راستے ہیں ایک حکیم کا قول ہے کہ شیطان اوّل بنی آدم کے پاس معاصی کی طرف سے آتا ہے اگر اس نے کہنا نہ مانا تو نصیحت کے طور پر پیش آتا ہے کہ کسی بدعت میں پھنسا دے اور اگر اس کو بھی نہ مانا تو اس کو تنگی اور شدت کا حکم کرتا ہے اور جو چیز حرام نہو اس کو بھی حرام کرے اگر اس کو بھی پذیرا نہ کیا تو وضو اور نماز میں شبہ ڈالتا ہے کہ کسی کا یقین نہ رہے گا اگر یہ بھی بن نہ پڑا تو اعمال نیک کو اس پر آسان کر دیتا ہے اور جب لوگ اس کو صابر اور عفیف دیکھتے ہیں اور اس کی طرف راغب ہوتے ہیں تو عجب میں ڈال کر تباہ کر دیتا ہے مگر اس صورت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا اس لئے کہ یہ جانتا ہے کہ اگر اب کی بار پھندے میں نہ آیا تو کھڑا جنت کو چلا جاوے گا۔

دل کے بدلنے اور تغیر و ثبات کے نقطہ نظر سے تقسیم

پیشتر ہم لکھ چکے ہیں کہ قلب پر آثار اور احوال مختلف طریق سے آتے رہتے اور اس باب میں گویا وہ ایک تودہ ہے جس پر چہار طرف سے تیر پڑتے رہتے ہیں پس جب ایک طرف سے کسی چیز کا اس پر اثر ہوا دوسری طرف سے اس کے خلاف کوئی چیز آجاتی ہے تو پہلی صفت بدل جاتی ہے مثلاً اگر شیطان نے اس کو ہوائے نفسانی کی طرف سے کھینچا فرشتہ اس کو اگر اس سے باز رکھتا ہے اور اگر ایک شیطان نے ایک برائی کو کہا دوسرے نے دوسری طرف کھینچ لیا اور اگر ایک فرشتے نے کسی چیز کی رغبت دلائی دوسرے نے دوسری چیز سوجھائی پس کبھی دو فرشتوں کی کشاکش میں رہتا ہے اور کبھی دو شیطانوں کی اور کبھی ایک فرشتہ اور ایک شیطان کی مگر کسی وقت فارغ نہیں رہتا اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں ونقلب افئدتہم وابصارھم[1] اور از آنجا کہ قلب کو خداوند کریم نے ایک عجیب چیز بنایا ہے اور اس میں بہت عجائب بھرے ہیں اور ان عجائب سے اور اس کے بدلنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی واقف کیا تھا تو اکثر آپ اس طرح قسم کھاتے تھے لا و مقلب القلوب[2] اور اکثر یوں دعا مانگتے تھے یامقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك[3] لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو اپنے قلب کا خوف ہے آپ نے فرمایا ان شاء ان یقیمہ اقامہ وان شاء ان یزیغہ ازاغہ[4] اور ایک روایت میں یہ ہے مثل القلب کالعصفور یتقلب فی کل ساعۃ[5] اور آپ نے قلب کی تین مثالیں بیان فرمائیں دوسری جگہ فرمایا مثل القلب فی تقلبہ کالقدر اذا استجمعت غلیا[6] ــــ اور تیسری مثال میں فرمایا

---

[1] اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور آنکھیں ۱۲ [2] نہیں قسم ہے دلوں کے بدلنے والے کی ۱۲ بخاری بروایت ابن عمرؓ ۱۲ [3] اے بدلنے والے دلوں کے ! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ ترمذی بروایت انسؓ ۱۲ [4] کونسی چیز مجھ کو بے خوف کرتی ہے حالانکہ دل درمیان دو انگلیوں کے ہے وہ اس کو جیسے چاہتا ہے پھیرتا ہے۔ اگر اس کو سیدھا رکھنا چاہتا ہے تو سیدھا رکھتا ہے اور کج کرنا چاہتا ہے تو کج کر دیتا ہے" یہ دونوں روایتوں کو کم نے بروایت نواس بن سمعان بادنی اختلاف نقل کیا ہے [5] دل کی مثال چڑیا جیسی ہے کہ ہر گھڑی بدلتا رہتا ہے ۱۲ حاکم و بیہقی بروایت ابو عبیدہ جراحؓ ۱۲ [6] دل کی مثال بدلنے میں ایسی ہے جیسے ہنڈیا جس وقت اس میں خوب جوش آتا ہے ۱۲ کبیر و حاکم بروایت مقداد بن الاسود ۱۲

القلب کمثل ریشۃ بارض فلاۃ تقلبھا الریاح ظھرا لبطن[1] اور یہ دلوں کی تبدیلی اور اللہ کی عجیب صفت اس باب میں ایسی ہے کہ بجز ان لوگوں کے جو اپنے احوال کے نگران رہتے ہیں اور مراقبہ میں لگے رہتے ہیں اور کسی کو معلوم نہیں ہوتا اور قلب باعتبار ثابت رہنے کے خیر اور شر پر یا تذبذب میں رہنے کے ان دونوں میں تین قسم پر ہے ایک قلب تو وہ ہے کہ تقویٰ سے پر ہو اور ریاضت سے اس کا تزکیہ ہوا ہو اور خبیث عادات سے پاک وصاف ہو گیا ہو ایسے دل میں خواطر خزانہ غیب اور طریق ملکوت سے آتے ہیں اور عقل ان خواطر کے تفکر میں مصروف ہوتی ہے کہ ان کے دقائق خبر اور اسرار فوائد سے مطلع ہو پس جب نور بصیرت سے اس پر ان کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے تو کہہ دیتی ہے کہ اس کام کا کرنا ضروری ہے اور قلب کو اس کے ارتکاب کی ترغیب دیتی ہے اور فرشتہ کی نظر جو اس قلب پر پڑتی ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کا جوہر صاف ہے اور نور خرد سے تمام اجالا ہو رہا ہے تقویٰ سے معمور ہے شمع معرفت سے نور اعلیٰ نور ہے ہمارے رہنے کے قابل ہے اور ہمارے اترنے کی صلاحیت حاصل ہے تو اس وقت ایسے لشکر لی سے اس کی مدد کرتا ہے کہ جو سوجھتے نہیں اور بہت سے خیرات کی طرف ہادی بنتا ہے یہاں تک کہ ایک خیر سے دوسری اور پھر تیسری اور پھر چوتھی اسی طرح بیشمار خیرات کی ترغیب علی الدوام کرتا رہتا ہے اور ان باتوں کو اس پر آسان کرتا رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی[2] اسی طرح دل میں مطلع ربوبیت سے خورشید معرفت طلوع ہوتا ہے کہ جس کے لمعان نور سے اس پر شرک خفی چھپا نہیں رہتا حالانکہ وہ اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے اسی طرح اور پوشیدہ باتیں اس پر چھپی نہیں رہتیں اور نہ مکر شیطانی کارگر ہوتا ہے بلکہ شیطان کھڑا ہو کر بہت سی چکنی باتیں دھوکے کی کہتا ہے مگر وہ متوجہ بھی نہیں ہوتا اور اسی طرح کا دل جب مہلکات سے صاف ہو جاتا ہے منجیات سے معمور ہوتا ہے یعنی شکر اور صبر اور خوف ورجا اور فقر و زہد اور محبت اور رضا و شوق اور توکل اور تفکر اور محاسبہ وغیرہ جن کو آگے بیان کریں گے ان کا محل ہو جاتا ہے یہی دل ہے کہ جس کی طرف خود مبدأ فیاض یعنی خدائے عزوجل کی توجہ ہوتی ہے اور قلب مطمئن اسی کا نام ہے جو اس آیت سے مراد ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[3] اور اس آیت میں بھی غرض ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک[4] دوسرا قلب اول کے عکس ہے یعنی ہوائے نفسانی سے معمور اور عادات مذموم میں آلودہ ہو دروازے شیطانوں کے اس کی طرف مفتوح ہوں اور فرشتوں کے ابواب مسدود ایسے دل میں آغاز شر کا ہوتا ہے کہ اول اس میں ایک خطرہ ہوائے نفسانی کا آتا ہے اور دل میں کھٹکتا ہے وہ تو حاکم عقل کی تجویز پوچھتا ہے کہ مصلحت کیا ہے تو چونکہ عقل پہلے سے ہوائے نفسانی کی خدمت گزاری کی معتاد ہوتی ہے

---

[1] دل کی مثال ایسی ہے جیسے جنگل میں پر ند ہو کہ ہوائیں اس کو لوٹ پوٹ کرتی رہتی ہیں ۱۲ طبرانی در کبیر و بیہقی در شعب بروایت ابی موسیٰ ۱۲ شعرانی
[2] سو جس نے دیا اور ڈر رکھا اور سچ جانا بھلی بات کو تو اس کو ہم سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں ۱۲ ت [3] سنتا ہے اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل ۱۲

اور ہمیشہ اس کے لیئے حیلے ڈھونڈھا کرتی ہے اور اسی کی مرضی کے موافق کام کرتی ہے اب بھی نفس کی مساعدت کرتی ہے اور اسی کے مطابق جواب دیتی ہے تو ہوائے نفسانی کے لیئے سینہ کھل جاتا ہے اور اس کا اندھیرا پھیلتا ہے اور لشکر عقل مغلوب ہو جاتا ہے شیطان کی بن پڑتی ہے خوب پاؤں پھیلاتا ہے اور زینت ظاہری اور فریب اور طول امل اور اسی طرح کی نکمی باتوں کی ترغیب یہاں تک کرتا ہے کہ سلطان ایمان کمزور پڑ جاتا ہے اور نور یقین گل ہو جاتا ہے یعنی وعدہ اور وعید اور خوف آخرت کا یقین نہیں رہتا کیونکہ ہوائے نفسانی سے ایک ایسا سیاہ دھواں نکلتا ہے کہ قلب کے چہار طرف پھیل کر اس کے نور کو بجھا دیتا ہے عقل کا حال اس وقت ایسا ہوتا ہے جیسے کسی کی آنکھیں کڑوا دھواں بھرا ہو اور دیکھ نہ سکے یہی حال غلبہ شہوت سے قلب پر طاری ہوتا ہے کہ تامل اور استبصار ذرہ نہیں رہتا اور اگر امر حق کا کوئی وعظ سوجھا دے تو بھی نہیں سمجھتا اور نہ کان دھرتا ہے ایسی صورت میں شیطان جدا حملہ کرتا ہے شہوت ہیجان میں آتی ہے اعضاء جدا موافق ہوائے نفسانی کے حرکت کرتے ہیں معصیت تقدیر الٰہی کی جہت سے ظاہر ہوتی ہے ایسے ہی دل کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے[ت۱] ارئیت من اتخذ الٰہہ ہواہ افانت تکون علیہ وکیلا ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او یعقلون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا اور اس آیت میں بھی[ت۲] لقد حق القول علی اکثرھم فھم لا یومنون اور اس آیت میں[ت۱] وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ اور بعضے قلوب کا تو حال بہ نسبت سب شہوات کے ایسا ہی ہوتا ہے اور بعضوں کا ایسا حال باعتبار بعض شہوات کے ہوتا ہے مثلاً بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ بعض معصیتوں سے پرہیز کرتے ہیں لیکن جب کوئی خوبصورت صورت پر نظر پڑتی ہے تو اس سے صبر نہیں کر سکتے عقل رخصت ہو جاتی ہے اور دل کو ضبط نہیں کر سکتے اور بعضوں کا یہ حال ہے کہ اگر جاہ اور ریاست اور کبر کا سامان نظر پڑتا ہے تو اس پر دیوانہ ہو جاتے ہیں اور بعضے لوگ ایسے ہیں کہ اگر کوئی کلمہ اپنی حقارت یا عیب کا سنیں غصہ کے مارے آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور بعضے روپیہ پیسہ لینے کے وقت ایسے تیز ہو جاتے ہیں کہ مروت اور تقوی کا کچھ خیال نہیں رکھتے پس یہ باتیں اس لیئے ہوتی ہیں کہ سیاہ دھواں ہوائے نفسانی کا قلب پر چھا جاتا ہے اور اس میں نور بصیرت دھندلا پڑ جاتا ہے اسی جہت سے حیا و ایمان اور مروت کو بالائے طاق رکھ کر مراد شیطانی کی تحصیل میں کوشش کرتے ہیں تیسرا قلب وہ ہے کہ اس میں ہوائے نفسانی کی خاطر ظاہر ہوتی ہے اور اس کو شر کی طرف کھینچتی ہے اسی وقت خاطر ایمان آتی ہے اور خیر کی طرف بلاتی ہے اور نفس شہوت پرست خاطر شر کی طرف داری پر مستعد ہوتا ہے اس وقت شہوت کو کچھ غلبہ ہوتا ہے اور تمتع اور لذت کچھ اچھی معلوم ہونے لگتی ہے پس عقل خاطر خیر کی پچ کرتی ہے اور شہوت کی برائی بیان کرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ کام نادانی کا ہے یہ مشابہ افعال بہائم اور سباع کے ہے جن کے انجام کی پروا نہیں ہوتی اور بدی پر گر پڑتے ہیں تو نفس عقل کی نصیحت پر راغب ہوتا

[ت۱] بھلا دیکھ تو جس نے پوجا پکڑا اپنی چاؤ کا کہیں تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپاؤں کے بلکہ وہ بہکے ہیں بہت راہ سے [ت۲] ثابت ہو چکی ہے بات ان بہتوں پر سو وہ نہ مانیں گے ۱۲ [ت۲] اور برابر ہے تو نے ان کو ڈرایا نہ ڈرایا وہ یقین نہیں کرتے ۱۲

ہے اسی وقت شیطان عقل پر حملہ کرتا ہے اور ہوائے نفسانی کو کمک پہنچاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ زہد خشک کیسا ہے تو اپنی خواہش سے کیوں رکتا ہے دنیا میں اور بھی جو اپنا مطلب چھوڑ دیتا ہے کیا دنیا کی لذتیں اوروں کے حصہ میں ہیں تیرے نصیب میں بدبختی اور رنج و مصیبت اور حرماں کے سوا کچھ نہیں لوگ تجھ پر ہنسیں گے دیکھ فلاں فلاں شخص نے یہی بات چاہی تھی اور اس کے مرتکب ہونے سے کیسے چین کرتے ہیں تو ان سے بڑھ کر رتبہ کیوں نہیں حاصل کرتا فلاں شخص عالم بھی تو ایسا ہی کرتا ہے اور اس سے پرہیز نہیں کرتا اگر یہ بات منع ہوتی تو وہ کیوں کرتا ان باتوں سے نفس شیطانی کی طرف جھکتا ہے اس وقت فرشتہ شیطان پر چڑھ آتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ جو شخص اتباع لذت حاصل کرتا ہے اور انجام اور مآل پر دھیان نہیں دھرتا وہ تباہ ہو جاتا ہے کیا اس چند روزہ عیش پر قانع ہو کر ابدالاباد کی لذت بہشتی کو چھوڑ دیتا ہے شہوت پر صبر کرنے کا رنج نہیں اٹھا سکتا دوزخ کا عذاب ہلکا سمجھا ہو گا لوگوں کے اتباع شہوات میں پڑنے سے اور اطاعت شیطانی کرنے سے تو بھی اپنے نفس سے غافل ہوا جاتا ہے یہ بڑا دھوکا ہے دوسروں کا گناہ تیرے عذاب کو ہلکا نہیں کرے گا اگر بالفرض جیٹھ یا اساڑھ کے دنوں میں اور لوگ دھوپ میں جلتے ہوں اور تجھ کو ٹھنڈا مکان میسر ہو جاوے تو تو لوگوں کا ساتھ دے گا یا اپنا بچنا غنیمت جانے گا جب دھوپ میں تجھے اوروں کے ساتھ کھڑا ہونے سے ڈر لگتا ہے تو دوزخ میں اوروں کے ساتھ جلتے ہوئے کیوں نہیں ڈرتا اس نصیحت سے نفس فرشتہ کی طرف میل کرتا ہے اور اسی کشاکشی میں دونوں فریق کے رہتا ہے یہاں تک کہ اگر دل پر صفات شیطانی غالب ہوں گے تو اسی طرف کا ہو رہے گا اور اگر شیطان کا عدو معاون ہو کر گروہ رحمانی سے اعراض کرے گا اور اعضاء پر سابقہ تقدیر ازلی سے وہ کام جاری ہوں گے جو اللہ تعالیٰ سے دور ہونے کے سبب ہوں اگر اس پر صفات ملکیہ کا غلبہ ہو گا تو اغواء شیطانی اور اس کی ترغیب کو ہیچ جانے گا اور دنیا فانی کی ترجیح اور آخرت کی سستی کی طرف ذرہ بھی مائل نہ ہو گا بلکہ گروہ رحمانی کی طاعت قبول کرے گا اور اعضاء سے وہی کام صادر ہوں گے جو موجب رضائے الٰہی ہوں اور یہ بھی معاملہ تقدیر ہی کا ہے کیونکہ قلب[ح۱] قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن واقع ہے یعنی کشاکشی ان دونوں فریق کے درمیان اکثر رہتی ہے اور تقلب ادھر کرتا رہتا ہے مگر ایک ہی گروہ کی طرف ہمیشہ کو جم جانا بہت کم ہے اور جمیع طاعت خواہ معاصی خزانہ غیب سے جو عالم ظہور میں آتے ہیں بواسطہ خزانہ قلب کے آتے ہیں کیونکہ قلب خزائن ملکوت سے ہے اور ان کے ظہور ہی سے ارباب قلب قضائے الٰہی پہچانتے ہیں یعنی جو جنت کے لئے پیدا ہوا ہے اس کے واسطے اسباب طاعت آسان کر دیئے جاتے ہیں اور جو دوزخ کے لئے پیدا ہوا ہے اس کے لئے لوازم معصیت کے مہیا ہو جاتے ہیں صحبت بھی ویسی ہی ملتی ہے حکم شیطان دل میں چڑ جاتا ہے کیونکہ وہ بیسیوں حکمتوں سے احمقوں کو فریب دیتا ہے اور کہتا ہے ؎ غفور ست داور تو ساغر بنوش۔ کچھ پروانہ کر سب لوگ خدا سے نہیں ڈرتے ہیں ان کے خلاف نہ ہونا چاہیے ابھی زندگی بہت ہے کل توبہ کر لیجیؤ۔ یعدُ[ت۲] ھم ویمنیھم وما یعدھم الشیطان الا غرورا یعنی توبہ کا وعدہ دیتا ہے اور مغفرت کی تمنا

ح۱ مومن کا دل دو انگلیوں میں ہے خدا تعالیٰ کی۔ مسلم بروایت عبداللہ بن عمرؓ ۱۲ ت۲ ان کو وعدہ دیتا ہے اور ان کو توقعیں بناتا ہے اور جو توقع دیتا ہے ان کو شیطان سو سب دغا ہے۔

دلاتا ہے تاکہ ان جیسے حیلوں سے آدمی کو تباہ کرے پس آدمی دھوکے میں اگر ان کی بات مان لیتا ہے اور امر حق کے قبول سے اس کا دل تنگ ہو جاتا ہے اور پہلے سے حکم الٰہی اسی طرح ہوتا ہے فمن یرد اللّٰہ ان یھدیہ یشرح صدرہٗ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہٗ ضیقاً حرجاً کانما یصعد فی السماء[1] ان ینصرکم اللّٰہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذالذی ینصرکم من بعدہٖ[2] اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت وضلالت اسی کے ہاتھ میں ہے[3] یفعل مایشاء ویحکم مایرید نہ اس کے حکم کو کوئی ٹال سکے اور نہ اس کی قضا کو کوئی تاخیر کر سکے اسی نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے لیئے کچھ لوگ بنائے اور ایسے ہی کاموں میں لگایا اور دوزخ کو بھی پیدا کیا اس کے لیئے بھی لوگ بنائے ان کو ویسے ہی کاموں میں لگایا لوگوں کے نشان دونوں طرح کے لوگوں کو بتلا دیئے اور فرمایا ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم[4] پھر اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یوں بھی ارشاد فرمایا ھؤلاء فی الجنۃ ولا ابالی وھؤلاء فی النار ولا ابالی[5] غرضکہ اس کا معاملہ بہت بڑا ہے۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون[6] اب ہم ذکر عجائبات قلبی کو اسی تھوڑی مقدار پر کفایت کرتے ہیں اس کا پورا بیان علم معاملہ کے مناسب نہیں بلکہ اسی قدر بیان کر دیا ہے کہ علوم معاملہ کی باریک باتیں اور اسرار کے دریافت کرنے میں حاجت پڑتی ہے کیونکہ بعض لوگوں کو صرف بیان ظاہری سے سیری نہیں ہوتی وہ اس میں باریکیاں بھی معلوم کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں پس اس قدر بیان سے انشاء اللہ ان کو اطمینان اور فائدہ ہو جاوے گا واللہ ولی التوفیق عجائب قلبی پورے ہو گئے اس کے بعد ریاضت نفس اور تہذیب اخلاق کا ذکر ہے

دوسرا باب: ریاضت، تہذیب اخلاق اور دلی امراض کے گیارہ علاج

رباعی

خلق حسن وصفت نبی مرسل! ثمرہ ہے عبادت کا ریافعت کا پھل

بدخلق کو زمرہ ہو شیاطین کا نصیب دارین میں رہتا ہے ذلیل و زبول!

معلوم کرنا چاہیئے کہ حسن خلق صفت سید المرسلین کی ہے اور اعمال صدیقین میں سے افضل یہی ہے اور حقیقت میں نصف دین اور ثمرہ مجاہدہ متقین اور نتیجہ ریاضت عابدین اسی کو کہنا چاہیئے اور اخلاق بد زہر قاتل اور مہلک ہیں اور ذلت وخواری اور فضیحت ورسوائی انہیں سے ہوتی ہے خدا کے قرب سے دور کرتے ہیں اور شیطان کے گروہ میں منسلک[1] نار اللّٰہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ کے کھلے دروازے ہیں جیسے کہ اخلاق جمیلہ دار نعیم کے کھلے پھاٹک ہیں اور قرب الی اللہ کے وسائل خلاصہ یہ کہ اخلاق

---

[1] سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ دے کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو اور جس کو چاہے کہ راہ سے بچلا دے اس کا سینہ کر دے تنگ خفہ گویا زور سے چڑھتا ہے آسمان پر [2] اللہ تعالیٰ تم کو مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور جو وہ تم کو چھوڑے گا پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد [3] اللہ کرتا ہے جو چاہے [4] بے شک نیک لوگ آرام میں ہیں اور بے شک گنہگار دوزخ میں ہیں [5] یہ لوگ جنت میں ہیں اور مجھ کو کچھ پروا نہیں اور یہ لوگ دوزخ میں ہیں اور مجھ کو کچھ پروا نہیں [6] نہ پوچھا جاوے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائیگا احمد وابن حبان بروایت عبدالرحمن بن قتادہ اسلمی و ابن عبداللہ نے استیعاب میں کہا کہ یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے [7] آگ اللہ کی سلگائی ہوئی

بد قلوب کی ایسی بیماریاں ہیں کہ جن سے حیات ابدی جاتی رہتی ہے اور امراض بدنی صرف حیات جسدی ہی کو دور کرتے ہیں پس ان میں کچھ نسبت نہیں اور از انجا کہ اطبا ان امراض کا علاج کرتے ہیں جن سے کہ صرف حیات فانی جاتی رہتی ہے اور اس کے لیئے قانون اور تشخیص و علامات کی طرف توجہ مصروف رکھتے ہیں تو امراض قلوب جن سے کہ حیات ابدی فوت ہو جاتی ہے ان کے علاج کے لیئے بھی ضبط قوانین ضرور ہے اور اسی طب کا سیکھنا سب اہل عقل پر واجب ہے کیونکہ ہر ایک دل میں کوئی نہ کوئی مرض ہوتا ہے اگر اس کا علاج نہ کیجئے تو صدہا مرض لاعلاج پیدا ہو جاتے ہیں اسی لیئے ہر شخص کو ان امراض کا پہچاننا اور ان کے اسباب کا جاننا اور پھر ان کے علاج و اصلاح کے لیئے مستعد ہونا ضروری ہے اور[1] قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا دل کے علاج ہی سے غرض ہے اور[2] وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا اس کے علاج سے مقصود ہے ہم اسباب میں کچھ امراض قلوب اور ان کا علاج بطور اجمال بیان کرتے ہیں اور تفصیل وار بیان ہر مرض کا مع علاج جداگانہ آگے بیان کریں گے یہاں صرف یہ مقصود ہے کہ تہذیب اخلاق اور اس کے ڈھنگ ڈالنے کو عام طور پر بیان کریں اور اثناء ذکر میں علاج بدن سے مثال دیں گے تاکہ سمجھ میں جلد آجاوے۔

۱۔ اچھے اخلاق کے فضائل اور بُرے اخلاق کی مذمت

واضح ہو کہ جناب رب العزت نے اپنے حبیب نبی کریم کی ثنا میں ان پر اپنی نعمت کا اظہار کرکے فرمایا[3] وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا اور جب یہ آیت اتری[4] خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ تو آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا کہ اس سے کیا مراد ہے انہوں نے عرض کیا کہ جناب احدیت سے جب تک سوال نہ کر لوں مجھ کو معلوم نہیں پھر حضرت جبرائیل آسمان پر گئے اور تشریف لا کر عرض کیا کہ اس سے یہ غرض ہے کہ آپ سے جو علیحدہ ہو اس سے آپ ملیں اور جو آپ کو نہ دے اس کو آپ مرحمت فرمادیں اور جو کوئی آپ پر ظلم کرے آپ اس کو معاف فرماویں اور حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا[5] انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق اور یہ بھی فرمایا[6] اثقل ما یوضع فی المیزان یوم القیمۃ تقوی اللہ وحسن الخلق اور ایک شخص نے آپ کے سامنے[7] آکر سوال کیا کہ مَا الدِّیْنُ یعنی دین کیا ہے آپ نے فرمایا حُسْنُ الْخُلُقِ یعنی خوش خلق ہونا پھر وہ شخص آپ کی داہنی طرف سے آکر پوچھنے لگا کہ مَا الدِّیْنُ آپ نے وہی جواب فرمایا پھر بائیں طرف سے ہو کر وہی جواب دیا اس نے پیچھے سے آکر وہی سوال کیا آپ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا[8] اما تفقہ ھو ان لا تغضب اور ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ نحوست کیا چیز ہے آپ

---

[1] مراد کو پہنچا جس نے اسے سنوارا ۱۲ ت [2] اور نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں ملادیا ۱۲ ت [3] اور تو پیدا ہوا ہے بڑی خلق پر ۱۲ [4] اوپر گزری مسلم کی حدیث ہے ۱۲ اختیار کر معاف کرنا اور امر کر نیک کام کو اور کنارہ کر جاہلوں سے ۱۲ [6] ابن مردویہ در تفسیر بروایت جابر وقیس ابن سعد بن عبادہ وانس [7] میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کو پورا کروں احمد وحاکم وبیہقی بروایت ابی ہریرہ ۱۲ [8] سب سے بھاری چیز جو قیامت کے دن میزان اعمال میں رکھی جائے گی خدا سے ڈرنا اور خوش خلقی ہوگی ابوداؤد ترمذی بروایت ابی الدرداء [9] محمد بن نصر المروزی در کتاب تعظیم قدر الصلوۃ بروایت ابی العلاء ابن الشخیر مرسلاً [10] تو نہیں سمجھتا وہ یہ ہے کہ تو غصہ نہ کرے ۱۲

نے فرمایا[1] سُوْءَ الْخُلُقِ یعنی بدخلقی اور ایک شخص نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھ کو کچھ نصیحت فرمایئے آپ نے فرمایا جہاں کہیں رہے خدا سے ڈر اس نے عرض کیا کہ کچھ اور فرمایئے آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی گناہ ہو جاوے تو اس کے پیچھے نیکی کیا کر اس سے وہ گناہ مٹ جاوے گا اس نے عرض کیا کچھ اور فرمایئے آپ نے فرمایا[2] خالق النّاس بخلق حسن، اور ایک شخص نے پوچھا اعمال میں سے افضل کونسا ہے آپ نے فرمایا کہ حسن خلق اور ایک حدیث میں ہے[3] ما حَسَّنَ اللہ خلق عبد وخلقه فتطعمه النّار اور حضرت فضیل سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے ذکر کیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی ہے اور رات کو تہجد پڑھتی ہے مگر بدخلق ہے ہمسایوں کو اپنی زبان سے ایذا دیتی ہے آپ نے فرمایا کہ[4] لاخیر فیھا ھی من اھل النّار اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے[5] میزان میں جو چیز اوّل تلے ہوگی حسن خلق اور سخاوت ہوگی اور جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کو پیدا کیا اس نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے قوت عنایت کر خداوند کریم نے اس کو حسن خلق اور سخاوت سے زور دیا اور جب کفر کو پیدا کیا اس نے بھی تقویت کے لیئے عرض کیا اس کو بخل اور بدخلقی سے زور عنایت ہوا اور ایک حدیث میں ہے[6] انّ اللہ استخلص ھٰذا الدّین لنفسه ولا یصلح لدینکم الا السخاء وحسن الخلق الا فزینوا دینکم بھما اور ایک جگہ یوں فرمایا[7] حسن الخلق خلق اللہ الاعظم اور کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مومنین میں سے باعتبار ایمان کے کون افضل ہے آپ نے فرمایا[8] احسنھم خلقاً یعنی جو خلق میں سب سے اچھا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ[9] لن تسعوا النّاس باموالکم فسعوھم ببسط الوجه وحسن الخلق اور یہ بھی فرمایا کہ[10] سوء الخلق یفسد العمل کما یفسد الخل العسل اور حضرت جریر[11] بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ کو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھ کو خدا تعالیٰ نے خوبصورت بنایا ہے اپنے خلق کو بھی خوبصورت کر اور حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب میں زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خلیق تھے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری .. آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ح[1] ترمذی بروایت ابی ذر ۱۲ ح[2] لوگوں سے خوش خلقی کے ساتھ عادت ڈال ح[3] کسی بندہ کا خدا تعالیٰ اپنے خلق اور خلق دونوں اچھے نہیں بنائے کہ اس کو آتش دوزخ کھلاوے باب آداب الصحبة میں گزری ۱۲ ح[4] اس میں کچھ خیر نہیں وہ دوزخیوں میں سے ہے ۱۲ حاکم بروایت ابوہریرہ اداب الصحبت میں گزری ۱۲

ح[5] ان الفاظ سے اس کی سند نہیں ملی مگر ترمذی نے بروایت ابو درداد نقل کیا ہے کہ پھر ان میں کوئی چیز بھاری حسن خلق سے نہیں ۱۲ ح[6] اللہ تعالیٰ اس دین کو اپنے لیئے خاص کر دیا ہے اور کوئی چیز تمہارے دین کے شایاں نہیں بغیر سخاوت اور خوش خلقی کے ۱۲ دار قطنی در کتاب سخاوہ خرائطی در مکلوم الاخلاق بروایت ابی سعد خدری ۱۲ ح[7] خوش خلقی خدا ہے اعظم کا خلق ہے طبرانی بروایت عمار بن یاسر بسند ضعیف ح[8] ابو داؤد ترمذی ونسائی وحاکم بروایت ابی ہریرہ ۱۲ ح[9] تم آدمیوں سے اپنے مالوں کی رو سے زیادہ نہ ہوں گے پس ان سے کشادہ روئی اور حسن خلق کے باعث زیادہ ہو ۱۲ بزار وابویعلی وطبرانی در مکارم الاخلاق بروایت ابی ہریرہ ۱۲ ح[10] بدخلقی عمل کو ایسا بگاڑتی ہے جیسے سرکہ شہد کو ابن حبان در ضعف بروایت ابوہریرہ وبیہقی در شعب بروایت ابن عباس وابو ہریرہ بسند ضعیف .

اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں دعا مانگا کرتے تھے۔ [1] اللّٰھم حسنت خلقی فحسن خلقی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت [2] اکثر اس طرح دعا مانگتے تھے اللّٰھم انی اسئلک الصحۃ والعافیۃ وحسن الخلق اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا [3] کرم المؤ دینہ وحسبہ حسن الخلیقۃ ومروتہ وعقلہ اور اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس وقت بدو لوگ آپ سے پوچھ رہے تھے کہ بندہ کو سب میں بہتر کیا چیز عنایت ہوئی ہے آپ نے فرمایا خلق حسن اور ایک روایت میں ہے [4] ان احبکم الی واقربکم منی مجلساً یوم القیامۃ احسنکم اخلاقاً اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص میں تین چیزیں نہ ہوں یا ان میں ایک کی بھی کمی ہو تو اس کے عمل کا کچھ اعتبار نہ کرو۔ [5] تقوی یحجزہ عن معاصی اللہ او حلم یکف بہ السفیہ او خلق یعیش بہ بین الناس اور شروع نماز میں آپ یہ دعا مانگتے تھے [6] اللھم اھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت واصرف سیئھا الا انت [7] اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز آپ کی خدمت فیض درجت میں حاضر تھے آپ نے فرمایا [8] ان حسن الخلق لیذیب الخطیئۃ کما یذیب الشمس الجلید اور فرمایا [9] سعادۃ المرء حسن الخلق اور الیمن حسن الخلق اور حضرت ابو ذر کو فرمایا [10] یا اباذر لا عقل کالتدبیر ولا حسب کحسن الخلق اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر کسی عورت کے دنیا میں دو شوہر تھے اور وہ دونوں مر گئے اور جنتی ہوئے وہ عورت کس کو ملے گی آپ نے فرمایا [12] لاحسنھما خلقا کان عندھا فی الدنیا یا ام حبیبۃ ذھب حسن الخلق بخیر الدنیا اور نیز فرمایا المسلم المسدد لیدرک درجۃ الصائم القائم بحسن خلقہ وکرم ضریبتہ [13] اور ایک روایت میں الظمآن فی الھواجر آیا ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ

---

[1] الٰہی تو نے میری صورت اچھی بنائی میری عادات اچھی کر [2] الٰہی میں تجھ سے تندرستی اور عافیت اور حسن خلق کو چاہتا ہوں ۱۲ خرائطی در مکارم الاخلاق باسناد یس ۱۲ [3] ابن ماجہ نے نقل کی ہے اور آداب الصحبۃ میں گزری [4] قیامت کے روز تم میں سے مجھ کو زیادہ محبوب اور زیادہ بیٹھنے میں مجھ سے وہ قریب ہوں گے جن کے خلق اچھے ہوں گے ۱۲ آداب الصحبۃ میں گزری [5] طبرانی در کبیر و مکارم اخلاق بروایت ام سلمہ اسناد حسن ۱۲ [6] ایک تقویٰ جو خدا کے معاصی سے اس کو روکے یا علم جس سے بیوقوف کو باز رکھا خلق جس سے لوگوں میں بسر اوقات کرے ۱۲ [7] الٰہی مجھ کو احسن الاخلاق کی ہدایت کر تیرے سوا ان کو کوئی ہدایت نہ کرے گا اور مجھ سے بد اخلاق کو پھیر دے تیرے سوا ان کو مجھ سے کوئی نہ پھیرے گا ۱۲ مسلم بروایت علیؓ [8] حسن خلق گناہ کو ایسا بنا دیتا ہے جیسے آفتاب جمے ہوئے پانی کو ۱۲ خرائطی در مکارم الاخلاق بسند ضعیف ۱۲ [9] حسن خلق آوری نیک بختی میں سے ہے ۱۲ خرائطی در مکارم الاخلاق بروایت بسند ضعیف [10] خوش خلقی ہونا اچھا شگون ہے ۱۲ خرائطی اور مکارم الاخلاق بروایت عائشہؓ باسناد ضعیف ۱۲ [11] اے ابو ذر کوئی عقل تدبیر کے موافق نہیں اور نہ کوئی حسب مثل حسن خلق کے ۱۲ ابن ماجہ وابن حبان بروایت ابو ذر ۱۲ [12] دنیا میں اس کے ساتھ جو زیادہ خلق خوش رہا ہو گا اے ام حبیبہ حسن خلق تمام برکت دنیا اور آخرت کی لے گیا ہے ۱۲ بزار وطبرانی در کبیر و خرائطی اور مکارم الاخلاق بسند ضعیف ۱۲ [13] مسلمان آدمی جس کو خدا توفیق دیتا ہے اپنے حسن خلق اور طبیعت کے کرم سے درجہ روزہ اور شب بیدار کا پاتا ہے ۱۲ احمد بروایت عبداللہ بن عمر ۱۲

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کی خدمت میں تھے آپ نے فرمایا کہ میں نے رات کو عجیب خواب دیکھا کہ ایک آدمی میری امت میں سے دو زانو بیٹھا ہے اور اس کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان حجاب ہے[1] اتنے میں حسن خلق آیا اور اس کو خدا کے سامنے کر دیا اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ بعض لوگ عبادت میں ضعیف ہوتے ہیں مگر اپنے حسن خلق کی جہت سے شرف منازل اور بڑے بڑے درجات آخرت کے پاویں گے اور روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کی خدمت میں کچھ قریش کی عورتیں جمع تھیں اور آپ سے زور زور باتیں کر رہی تھیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی جلدی سے پردے میں ہو گئیں حضرت عمرؓ جو خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو ہنستے ہوئے پایا انہوں نے سبب آپ کے ہنسنے کا پوچھا آپ نے فرمایا کہ مجھے ان عورتوں کی بات پر ہنسی آئی جو میرے پاس تھیں کہ جب تمہاری آواز سنی تو فوراً پردہ کر لیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ زیادہ تر مستحق ہیبت تھے پھر عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بے وقوفو مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں انہوں نے جواب دیا ہاں تمہارا خوف ہے کیونکہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سخت مزاج ہو پھر آپ نے ارشاد فرمایا[2] یا ایھا یا ابن الخطاب الذی نفسی بیدہٖ مالقیک الشیطان قط سالکاً فجاً الا سلك فجاً غیر فجك اور ایک حدیث میں ہے[3] سوء الخلق ذنب لایغفر وسوء الظن تنوج آپ نے فرمایا ان العبد لیبلغ من سوء خلقہ اسفل درك جہنم لقمان حکیم سے ان کے بیٹے نے پوچھا انسان میں کونسی خصلت اچھی ہے فرمایا کہ دین اس نے پوچھا کہ اگر دو ہوں تو کون سے ہوں فرمایا کہ دین اور مال پوچھا کہ اگر تین ہوں فرمایا کہ دین اور مال اور حیا پوچھا کہ اگر چار ہوں فرمایا کہ دین اور مال اور حیا اور حسن خلق پوچھا کہ اگر پانچ ہوں فرمایا کہ دین اور مال اور حیا اور حسن خلق اور سخاوت ہیں پوچھا کہ اگر چھ ہوں انہوں نے ارشاد کیا کہ بیٹا پانچ ہی خصلتوں کے جمع ہونے سے صاف متقی اور اللہ کا ولی اور شیطان سے بری ہو جاتا ہے زیادہ کی کیا حاجت ہے اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جو کوئی بد خلقی کرتا ہے وہ اپنی جان کو ستاتا ہے اور حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ آدمی اپنے حسن خلق کی بدولت جنت کے اعلیٰ درجے کو پہنچ جاتا ہے گو عبادت نہ کرتا ہو اور بد خلقی کے باعث اسفل طبقہ جہنم کو پہنچ جاتا ہے گو عابد ہی ہو اور یحییٰ بن معاذ کا قول ہے کہ حسن خلق روزی کا خزانہ ہے اور وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ بد خلق آدمی پھوٹے گھڑے کی مثال ہے کہ جڑ نہ سکے نہ مٹی ہو سکے اور فضیل فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بدکار خوش خلق

---

[1] درجہ پیاسے کا دوپہر میں ۱۲ احمد بروایت ابی ہریرہ ان دونوں روایتوں میں ابن ابیعہ ہے [2] خرایطی در مکارم الاخلاق بسند ضعیف ۱۲ [3] آگاہ ہو اے خطاب کے بیٹے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب شیطان کسی راہ پر تجھ کو چلتا دیکھے گا وہ تیرا راستہ چھوڑ دوسری راہ پر چلے گا ۱۲ [4] بد خلقی ایسا گناہ ہے کہ بخشا نہ جاوے گا اور بدگمانی ایک گناہ ہے کہ اس سے اور پیدا ہوتے ہیں ۱۲ طبرانی بروایت عائشہ باختلاف الفاظ [5] بندہ اپنی بد خلقی سے سب سے نیچے درجے دوزخ میں پہنچ جاتا ہے ۱۲ طبرانی وخرایطی در مکارم الاخلاق وابو الشیخ در طبقات الاصبہانی بروایت انس ۱۲ [6] بخاری ومسلم ۱۲ ع قولہ صحب بن المبارک الخ یہ نام نہیں ہے بلکہ مراد یہ کہ عبد اللہ بن المبارک کے ہمراہی سفر میں الخ۔

آدمی میرے ساتھ رہے اس سے بہتر ہے کہ عابد اور بدخلق ہو اور صحب بن المبارک سے منقول ہے کہ ایک بار کوئی بدخلق آدمی ان کے ساتھ سفر میں ہو لیا آپ اس کی بہت سی ملامات اور ناز برداری کرتے جب وہ علیحدہ ہو گیا تو رونے لگے لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس پر رحم آیا کہ میں تو اس سے علیحدہ ہو گیا مگر اس کا خلق بد اس کے ساتھ ہی رہا وہ نہ جدا ہوا اور حضرت جنید فرماتے ہیں کہ چار باتیں آدمی میں ایسی ہیں کہ گو عمل و علم کم ہو تب بھی اعلیٰ درجات مل جاتے ہیں وہ حلم اور تواضع اور سخاوت اور حسن خلق ہیں اور کمال ایمان اسی حسن خلق سے ہوتا ہے اور کنانی رح کا قول ہے تصوّف خلق کا نام ہے جو کوئی آدمی میں خلق زیادہ کر دے وہ گویا اس کے تصوف کو زیادہ کر دے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے اخلاق کے ساتھ ملو اور اعمال کی جہت سے ان سے علیحدہ رہو اور یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ بدخلقی ایسی بلا ہے کہ اس کے ہوتے حسنات کی کثرت سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور خوش خلقی ایسی خوبی ہے کہ اس کے ہوتے برائیوں کی کثرت سے کچھ ضرر نہیں ہوتا اور حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے سوال کیا کہ کرم کیا چیز ہے آپ نے فرمایا جو خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے[1] ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم پوچھا کہ حسب کیا ہے آپ نے فرمایا کہ جو خوش خلق زیادہ ہو وہی خوش حسب زیادہ ہے اور یہ سب بزرگواروں کا قول ہے کہ عمارت بنا پر موقوف ہے اور بنا اسلام حسن خلق ہے اور ابن عطاؒ کا قول ہے کہ جس کسی کو شرف رتبہ حاصل ہوا ہے صرف حسن خلق کے باعث سے ہوا ہے اور کوئی شخص اس کے کمال کو بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں پہنچا اخلاق میں زیادہ مقرب اللہ وہی لوگ ہیں جو خوش خلقی میں آنحضرتؐ کے قدم بقدم چلتے ہیں

۲۔ خوش خلقی اور بدخلقی کی حقیقت

جاننا چاہیئے کہ لوگوں نے خوش خلقی کے باب میں بہت کچھ لکھا ہے مگر اس کی حقیقت کے بیان کا تعرض کسی نے نہیں کیا فقط اس کے ثمرات اور نتائج لکھے ہیں وہ بھی پورے نہیں لکھے بلکہ جس کی سمجھ میں جو آیا وہی ثمرہ لکھ دیا اس کی حد اور ماہیت اور بیان ثمرات کا مفصل بیان کسی نے نہیں لکھا۔ ہم کچھ اقوال ان لوگوں کے نقل کرتے ہیں حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ خوش خلقی عبارت اس سے ہے کہ کشادہ پیشانی رہے اور دولت کو خرچ کرے اور ایذا سے باز رہے اور واسطی کا قول ہے کہ وہ یہ ہے کہ مفلسی اور تونگری میں خلق کو راضی رکھے اور شاہ کرمانی یوں کہتے ہیں کہ ایذا سے باز رہنا اور مشقتوں کا سہنا ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ لوگوں سے قریب رہنا اور ان میں غریب رہنا ہے اور ابو عثمان فرماتے ہیں خدا تعالیٰ کی خوشنودی سے مراد ہے اور سہل تستری سے جو خوش خلقی کو پوچھا تو جواب دیا کہ ادنیٰ یہ ہے کہ بردباری کرے اور انتقام نہ لے بلکہ ظالم پر رحم اور شفقت کرے اور اس کے لئے مغفرت چاہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ رزق کے باب میں خدا سے بدگمان نہ ہو اس پر اعتماد کرے اور جس چیز کا وہ ضامن ہوا ہے اس کے وعدے پورے ہونے پر ساکت رہے

---

[1] مقرر عزت اللہ کے ہاں اسی کو بڑی ہے جس کو ادب بڑا ۱۲

اور اس کے جتنے حقوق ہیں ان میں اور حقوق عباد میں اس کی نافرمانی نہ کرے بلکہ اطاعت کرے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی تین چیزوں میں ہے محرمات سے بچنا اور حلال روزی کا تلاش کرنا اور عیال پر زیادہ خرچ نہ کرنا اور حسین بن منصور فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ بعد معلوم ہونے حق کے ظلم لوگوں کا تاثیر نہ کرے اور ابو سعید خراز فرماتے ہیں کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی طرف ہمت نہ کرنے کا نام خوش خلقی ہے اسی طرح کے بہت سے اقوال ہیں مگر ان سب میں ثمرات خوش خلقی کا ذکر ہے خود اس کا ذکر نہیں علاوہ ازیں ثمرات بھی سب مذکور نہیں ہیں نظر بر این حقیقت امر بیان کرنا ان اقوال کے نقل سے بہتر معلوم ہوتا ہے پس جاننا چاہیئے کہ خلق اور خلق دو لفظ ہیں کہ ایک ہی ساتھ مستعمل ہیں یعنی اس طرح بولتے ہیں کہ فلاں شخص خوش خلق اور خوش خلق ہے یعنی حسن ظاہری اور باطنی دونوں رکھتا ہے تو معلوم ہوا کہ خلق سے صورت ظاہری مراد ہوتی ہے اور خلق سے صورت باطنی کیونکہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک تو بدن جو آنکھ سے سوجھتا ہے اور ایک روح یعنی نفس جو بصیرت اور عقل سے معلوم ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیئے ایک صورت ہوتی ہے خواہ اچھی ہو خواہ بری اور نفس جو عقل کی آنکھ سے سوجھتا ہے قدر و منزلت میں جسم سے بڑھ کر ہے اور اسی لیئے خدا تعالیٰ نے بھی اس کو اپنی طرف منسوب کیا تاکہ اس کی عظمت معلوم ہو فرمایا کہ انی خالق بشرًا من طین فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین اس آیت میں صاف ارشاد ہے کہ جسم منسوب ہے مٹی کی طرف اور روح منسوب ہے خدا تعالیٰ کی طرف اور روح اور نفس اس جگہ ایک ہی ہیں غرض کہ خلق کی تعریف یہ ہے کہ خلق وہ ہیئت راسخہ ہے نفس میں جس سے افعال بہ آسانی بلا فکر و تامل صادر ہوں پس اگر یہ ہیئت ایسی ہے کہ اس سے ایسے افعال صادر ہوں جو عقلاً اور شرعاً عمدہ ہیں تو اس ہیئت کا نام خلق خوب ہے اور اگر اس سے برے افعال صادر ہوں تو اس ہیئت کا نام خلق بد ہے اب ہم ان قیدوں کا فائدہ بتلاتے ہیں کہ راسخ اور ثابت فی النفس کی قید اس لیئے ہے کہ اگر کوئی شخص اتفاقاً کسی ضرورت میں بہت مال و دولت اٹھا ڈالے تو اس کا خلق سخاوت نہ کہلاوے گا جب تک کہ یہ بات اس کے دل میں نہ جم جاوے اور بدون تامل کی قید صدور افعال میں اس لیئے ہے کہ اگر کوئی بڑی فکر و تامل سے بہ تکلف مال خرچ کرے یا اپنے غصہ کو فرد کرے تو اس کا خلق سخاوت اور حلم نہ ہوگا خلاصہ یہ کہ یہاں چار باتیں ہیں اول فعل اچھا یا برا دوسرے اس پر قادر ہونا تیسرے اس کو پہچاننا چوتھے نفس میں ایسی صورت ہونی جس سے کہ اس کو دونوں طرف میں سے ایک کی طرف رغبت ہو یعنی حسن و قبح میں سے ایک اس پر آسان ہو جاوے پس خلق صرف فعل کا نام نہیں کیونکہ بہت سے آدمی خلق سخا رکھتے ہیں مگر مفلسی یا کسی اور مانع کے سبب خرچ کرنے سے معذور ہیں یا بعضے ایسے ہیں کہ خلق بخل رکھتے ہیں مگر ریا وغیرہ کی جہت سے خرچ کرتے اور نیز خلق ملکہ کا نام بھی نہیں اس لیئے کہ ملکہ کی نسبت سخا اور بخل بلکہ اور ضدیں کی طرف بھی یکساں ہیں اور ہر ایک انسان اپنی فطرت سے سخا اور بخل پر قدرت رکھتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خلق بخل اور خلق سخاوت اس میں ہو اور صرف معرفت یعنی پہچاننا بھی خلق نہیں کیونکہ معرفت بھی مثل ملکہ اور قدرت کے اچھے برے

ت ا میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی جان تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں ۱۲

سب کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے تو اب چوتھی بات رہی یعنی وہ ہیبت کہ جس سے نفس صدور بخل یا سخا پر مستعد ہوتا ہے تو خلق نام اسی نفس کی ہیئت اور صورت باطنی کا ہے اور جس طرح کہ حسن ظاہری صرف ایک عضو مثلاً آنکھوں کے اچھا ہونے سے کامل نہیں ہوتا بلکہ ناک منہ اور رخسار سب کے عمدہ ہونے سے حسن ظاہری پورا ہوتا ہے اسی طرح باطن کے حسن کے لیئے بھی چار ارکان ہیں جب ان میں حسن ہوگا تو خوش خلقی پوری ہوگی یعنی جب وے چاروں ارکان درجہ اعتدال پر تناسب رہیں گے تو خوش خلق کہلائے گا وہ چار ارکان یہ ہیں قوت علم قوت غضب قوت شہوت قوت عدل یعنی پہلی تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کی طاقت قوت علم کی خوبی تو یہ ہے کہ آدمی اس کے سبب اقوال کا صدق اور کذب اور اعتقادات میں حق و باطل اور اعمال میں اچھا اور برا جان لیوے پس جب قوت علم اس طرح کی ہوجاوے گی تو اس کا ثمرہ حکمت حاصل ہوگی جو کہ سب اخلاق عمدہ میں اصل ہے اور جس کے باب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا[1] اور قوت غضب اور شہوت کی خوبی یہ ہے کہ دونوں حکمت کے موافق ہو ویں اس کے اشارہ پر چلیں یعنی جس بات کو عقل اور شرع تجویز کرے ویسا ہی عمل کریں اور قوت عدل سے یہی غرض ہے کہ غضب اور شہوت کو عقل اور شرع کے پابند کر دینے کی قدرت ہو پس عقل کو مثل مشیر ناصح کے سمجھنا چاہیے اور قوت عدل یعنی قدرت کو ایسا جاننا چاہیئے کہ یہ اشارہ عقل کی تعمیل کرنے والی ہے اور غضب وہ چیز ہے جس میں اشارہ تعمیل منظور ہے اس کو بمنزلہ شکاری کتے کے تصور کرنا چاہیئے جس کو تعمیل کی حاجت ہوتی ہے یہاں تک کہ چھوٹنا اور ٹھہرنا سب اشارہ پر ہو اپنی خواہش نفس کے ہیجان سے نہ ہو اور شہوت کو مثل گھوڑے کے جاننا چاہیئے جس پر شکار کی تلاش میں سوار ہوتے ہیں اور وہ کبھی تو مؤدب اور عادی ہوتا ہے کبھی سرکش اور شریر ہوتا ہے غرض کہ جس شخص میں یہ چاروں رکن درجہ اعتدال پر ہوں گے تو وہ خوش خلق مطلق کہلاوے گا اور جس میں کہ صرف ایک ہی چیز یا دو چیز حد اعتدال پر ہوں گی تو صرف اسی اعتبار سے خوش خلق ہو گا جیسے کسی کے چہرہ میں بعض چیزیں اچھی ہوں تو اتنی ہی چیزوں کو اچھا کہیں گے پورا خوبصورت نہیں کہلاوے گا اب قوت غضبی کے اعتدال اور حسن کا نام شجاعت اور قوت شہوت کے حسن و اعتدال کا نام عفت پس قوت غضبی اگر حد اعتدال سے زیادہ ہو گی تو اس کا نام تہور ہے اور اگر کم ہو گی تو نامردی اور خواری کہلاوے گی اور قوت شہوت زیادہ ہونے کی صورت میں شرہ اور حرص بولی جاتی ہے اور کمی کی صورت میں جمود یعنی بستگی طبیعت نام ہے اور ان میں فضیلت اور عمدگی اوسط درجہ کی ہے دونوں طرفین کی کمی یا زیادتی مذموم اور رذیل ہیں اور قوت عدل میں کمی بیشی کچھ نہیں ہوتی اس کی ضد صرف ظلم ہے کہ جب عدل نہ ہو تو ظلم ہو گا اور قوت علمیہ کا حسن و اعتدال یعنی حکمت اگر اس کی زیادتی خراب مطلبوں میں واقع ہو تو اس کا نام مکر و فریب ہوتا ہے اور کمی کی صورت میں بے وقوفی کہلاتی ہے اور درجہ اوسط کا نام حکمت ہے اس سب بیان سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصل چار چیزیں ہیں[2] شجاعت حکمت اور عفت اور عدل حکمت سے ہماری غرض وہ حالت نفس کی ہے جس سے سب احوال

---

[1] اور جس کو سمجھ ملی اس کو بہت خوبی ملی ۱۲ [2] آداب الصحبت میں گزری ۱۲

اختیاری میں صحت اور غلطی کو معلوم کرے اور عدل سے مراد وہ حالت نفس کی ہے جس سے کہ غضب اور شہوت کو قابو میں رکھے اور ان کا چھوٹنا اور روکنا مقتضائے حکمت کے موافق ہو اور شجاعت سے یہ غرض ہے کہ غضب عقل کا منقاد ہو۔ جہاں وہ اقدام کو کہے وہاں کرے اور عفت سے یہ غرض ہے کہ قوت شہوت عقل کی تادیب کے بموجب کاربند ہو پس ان چاروں اصول کے اعتدال کے باعث سب اخلاق عمدہ پیدا ہوتے ہیں اور افراط و تفریط سے اخلاق بد ہوتے ہیں مثلاً قوت عقلی کے اعتدال سے یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں حسن تدبیر اور تیزی ذہن اور رائے صائب اور دقائق اعمال اور آفات پوشیدہ نفس کا معلوم کرنا وغیرہ اور اس کی زیادتی سے مکر و فریب اور حقد اور خبث باطن پیدا ہوتے ہیں اور کم ہونے سے ناتجربہ کاری اور بے شعوری اور حمق اور جنون پیدا ہوتے ہیں ناتجربہ کاری سے یہ غرض ہے کہ باوجود سلامتی تخیل کے تجربہ نہ ہو جیسے بعض آدمی ایک بات میں ہوشیار ہوتے ہیں اور دوسری میں جاہل اور احمق اور جنون میں یہ فرق ہے کہ احمق کا مقصود تو صحیح ہوتا ہے مگر اس تک پہنچنے کا راستہ اس کو معلوم نہیں ہوتا اور یہ نہیں جانتا کہ کس طریق سے غرض تک پہنچوں گا تو اس کا طریق فاسد ہوتا ہے اور جنون یہ ہے کہ جو بات قابل اختیار نہیں ہے اس کو اختیار کرے پس اس کے اختیار ہی میں سرے سے فساد ہوتا ہے مقصود ہی صحیح نہیں ہوتا اور قوت غضبی کے اعتدال یعنی خلق شجاعت سے یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ کرم اور دلیری اور شہامت اور کسر نفس اور حلم اور استقلال اور غصہ کا فرو کرنا اور وقار وغیرہ اور یہ سب باتیں اچھی ہیں اور اس کی زیادتی یعنی تہور سے کبر اور شیخی اور غصہ سے جل اٹھنا اور عجب وغیرہ صادر ہوتے ہیں اور اس کی کمی یعنی نامردی سے خواری اور ذلت اور خوف اور خست اور پست حوصلگی اور واجبی بات سے منقبض ہونا صادر ہوتے ہیں اور اعتدال قوت یعنی عفت سے یہ افعال صادر ہوتے ہیں سخاوت حیا صبر چشم پوشی قناعت پرہیزگاری لطافت حوصلہ قلت طمع اور اس کی کمی بیشی کی صورت میں یہ باتیں صادر ہوتی ہیں حرص بے حیائی خبث اسراف گھر والوں پر کم خرچ کرنا یا بے حرمتی فحش لغو خوشامد حسد شماتت تونگروں میں ذلیل بننا فقیروں کو حقیر جاننا وغیرہ غرض کہ محاسن اخلاق کے اصول میں چاروں چیزیں یعنی حکمت و شجاعت اور عفت و عدل ہیں اور باقی چیزیں ان کے فروع ہیں اور ان چاروں کا کمال اعتدال پر ہونا سوا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا اور آپ کے بعد لوگوں میں تفاوت ہے جو شخص کمال سب اخلاق میں آپ سے قریب ہے وہ اسی قدر خدا تعالیٰ کے قریب ہے اور جو بعید وہ بعید ہے اور جو شخص جامع ان سب اخلاق کا ہو وہ مستحق اس کا ہے کہ مرجع کل ہو اور لوگ اس کی اطاعت اور اقتدا کریں اور اس کی پیروی سب افعال میں عمل میں لاویں اور جو کوئی ان میں سے کسی بات کے ساتھ متصف نہ ہو بلکہ اس کی سب ضدوں کا جامع ہو وہ اس بات کے لائق ہے کہ شہروں میں سے نکال دیا جائے کیونکہ وہ شیطان رجیم سے قریب ہو گیا ہے تو چاہیئے کہ شیطان کی طرح اس سے بھی علیحدگی کی جاوے جیسا کہ پہلا شخص مقرب فرشتہ کے قریب ہوتا ہے تو وہ اسی بات کے لائق ہے کہ اس کی پیروی اور نزدیکی کی جاوے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے مبعوث ہوئے ہیں کہ مکارم اخلاق کو پورا کریں جیسا کہ حدیث[۱] شریف میں وارد ہے اور قرآن مجید میں بھی مومنین کے اوصاف میں ان اخلاق کی طرف اشارہ ہے فرمایا کہ انما

[۱] آداب الصحبۃ میں گزری ۱۲

ت ۱
المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہٖ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولٰئک ھم الصادقون
یعنی اللہ اور رسول پر بے تردد ایمان لانا قوت یقین سے ہوتا ہے جو ثمرہ عقل اور منتہاء حکمت ہے اور مجاہدہ مال سے
کرنا سخاوت ہے جو قوت شہوت کو روکنے سے ہوتا ہے اور جہاد نفس کا نام شجاعت ہے جو بشرائط عقل اور حد
اعتدال کے مطابق استعمال قوت غضبی سے ہوتی ہے اور صحابہ کی تعریف میں اس طرح پر ارشاد ہوا کہ[ت۲] اشداء علی
الکفار رحماء بینھم اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شدت اور رحمت جدا جدا مقاموں پر ہوتے ہیں اس سے
یہ معلوم ہوا کہ نہ ہر حال میں شدت ہی کرنے سے کمال ہے نہ رحمت کرنے میں یہ ہے بیان حقیقت خلق اور اس کے حسن و
قبح اور ارکان اور ثمرات اور فروع کا

۳- ریاضت سے اخلاق کا بدلنا یا نہ بدلنا

جاننا چاہیئے کہ جن لوگوں پر اعتقاد[ع] باطل کا غلبہ ہے ان پر مجاہدہ اور ریاضت تزکیہ نفس کے لیئے شاق ہے ان کا نفس اسباب
کو گوارا نہیں کرتا کہ تزکیہ نفس باوجود نقصان اور خبث باطن کے ہم سے ہو سکے تو اس قسم کے لوگوں کا یہ قول ہے کہ اخلاق میں
تغیر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ طبیعت میں تبدیل نہیں ہو سکتی اور اس دعویٰ کی دو وجہیں بیان کی ہیں اول یہ کہ خلق[ض] صورت باطن
کا نام ہے جیسے کہ خلق[ض] صورت ظاہری کو کہتے ہیں لیکن صورت ظاہری کی تبدیلی ممکن نہیں مثلاً بونا آدمی اپنے قد کو بڑھا نہیں
سکتا نہ بڑے قد والا چھوٹا ہو سکتا ہے اور نہ بدصورت خوب صورت بن سکتا ہے اور نہ عکس اس کا ممکن پس باطن کی برائی
کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے دوسری وجہ یہ ہے کہ حسن خلق سے شہوت اور غضب کا استیصال مراد ہے مگر ہم نے جو طول
مجاہدہ سے امتحان کیا تو معلوم ہوا کہ یہ چیزیں مزاج اور طبیعت کے اقتضا سے ہوتی ہیں اور کبھی منقطع نہیں ہوتیں پس اس
کے درپے ہونا بے فائدہ عمر کا ضائع کرنا ہے کیونکہ غرض تزکیہ نفس سے یہ ہے کہ قلب کا التفات لذات فانی کی طرف
نہ رہے اور اس کا وجود محال ہے اب ہم ان دونوں وجہوں کا جواب دیتے ہیں وجہ اوّل کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر اخلاق
میں تغیر نہ ہو سکتا تو وعظ و نصیحت اور تادیب سب بیکار جاتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں فرماتے کہ[ح] حسنوا اخلاقکم
آدمی تو درکنار یہ بات جانور میں بھی ممکن ہے دیکھو باز کی وحشت کیسے انس کے ساتھ بدل جاتی ہے شکاری کتا کیسا تعلیم
سے مؤدب ہو جاتا ہے کہ شکار کو صرف پکڑ لیتا ہے کھانے کی حرص مطلق نہیں کرتا گھوڑا سرکش کیا غریب اور فرمانبردار بن
جاتا ہے پس اگر یہ اخلاق کی تغیر نہیں تو اور کیا ہے اور اصل اس بارے میں یہ ہے کہ موجودات میں سے بعض اشیاء تو ایسی
ہیں کہ جن کا وجود کامل ہے اور جس جس بات کی اس میں ضرورت تھی وہ ہو چکی اب آدمی کے اختیار سے اس میں کچھ نہیں
ہو سکتا جیسے آسمان اور ستارے اور اعضائے ظاہری و باطنی انسان یا حیوان کے اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا وجود ناقص

ت ۱ ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور پہنچے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے وہ جو ہیں وہی سچے ہیں ۱۲
ت ۲ زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں ۱۲ ح[۳] اپنے اخلاق کو اچھا کرو ۱۲ ابو بکر بن بلال در مکارم الاخلاق بروایت معاذ اور اس کے راوی معتبر ہیں مگر منقطع ہے ۱۲
ع اعتقاد و اغ اعتقاد کی کچھ خصوصیت نہیں بلکہ جن لوگوں پر بیکاری اوقات رائیگاں کرنا غالب ہو جاتا ہے ۱۲ ض بضمۂ اوّل ۱۲ ض بفتح اول ۱۲

ہے مگر استعداد کامل ہونے کی ان میں موجود ہے اگر شرائط کمال پائے جاویں تو وہ درجہ کمال کو پہنچ جاویں اور وے شرائط کبھی انسان کے اختیار میں ہوتی ہیں مثلاً آم کی گٹھلی نہ تو پھل ہے نہ پیڑ ہے مگر اس کی پیدائش اس طرح کی ہے کہ پیڑ ہو سکتی ہے بشرطیکہ خدمت معمولی کی جاوے اگر اس کی گٹھلی کو پھل بنانا چاہیں تو ہرگز نہیں ہو سکے گا اس کی استعداد اس میں نہیں جب گٹھلی بندہ کے اختیار سے متاثر ہوتی ہے ایک حال سے دوسرے میں بدل جاتی ہے تو غضب اور شہوت اگر متغیر ہو جائیں تو کیا بعید ہے ہاں ان کا اسی طرح پر استیصال ہو جانا کہ بالکل اثر نہ رہے اس پر ہمارا قابو نہیں مگر ان کا دبا دینا اور ریاضت اور مجاہدہ سے اپنے قابو میں رکھنا یہ ہو سکتا ہے اور اسی کا ہم کو حکم بھی ہے اور یہی ہماری نجات اور وصول الی اللہ کا سبب ہے البتہ طبائع مختلف ہیں کہ بعضے جلدی متاثر ہوتے ہیں اور بعضے دیر کو پس ان کے اختلاف کے دو سبب ہیں اول دیرپا ہونا وجود اس شے کا جس کا بدلنا مقصود ہے یعنی اصل پیدائش سے اس کے ساتھ ہے مثلاً شہوت اور غضب اور تکبر ہر انسان میں موجود ہیں مگر سب سے زیادہ مشکل بدلنا شہوت کا ہے کیونکہ یہ شروع پیدائش سے ساتھ ہی ہوتی ہے چنانچہ لڑکپن سے بچے کو خواہش ہوتی ہے اور غصہ اکثر سات برس کی عمر میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد قوت تمیز عنایت ہوتی ہے اور دوسرا سبب یہ ہے خلق یعنی عادت کبھی کثرت عمل سے بھی مضبوط ہو جاتی ہے یہ لوگ اپنی عادت کے مقتضا کے موافق کام کرتے ہیں اور اس کی طاعت میں سرگرم رہتے ہیں اور اسی کو پسندیدہ اور عمدہ سمجھتے ہیں اور اس باب میں لوگوں کے چار درجہ ہیں پہلا تو یہ کہ آدمی جیسا پیدا ہوتا ہے ویسا رہے حق و باطل اور اچھے برے کی تمیز نہ کر سکے سب اعتقاد سے غافل اور خالی ہو اور اتباع لذات سے شہوت بھی کامل نہ ہوئی تو ایسے شخص کا علاج جلد ہو سکتا ہے اس کے لئے صرف ایک استاد اور مرشد ہی کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک اس کے نفس میں باعث اس کے مجاہدہ کا ہو تو تھوڑے ہی دنوں میں ایسے شخص کا خلق درست ہو جاتا ہے دوسرا یہ عمل بد کو تو جانتا ہے مگر عمل صالح کا عادی نہیں عمل بد ہی اچھا معلوم ہوتا ہے اس امر میں اپنی شہوت کا تابع ہے اور رائے صواب سے منحرف تاہم اپنے عمل کے قصور سے واقف ہے تو ایسے شخص کا رو براہ ہونا پہلے کی نسبت سخت ہے کیونکہ اس میں دو باتوں کی ضرورت پڑے گی اول تو عادت عمل بد کی چھڑانی دوسرا اعمال صالح کی عادت ڈالنی بہرحال ایسا شخص بھی قابل تاثیر ہے اگر ریاضت میں خوب اچھی طرح مستعد ہو تیسرا یہ کہ اخلاق بد پر اس کو یہ اعتقاد ہو کہ یہ بہت اچھے ہیں اور ان کا کرنا واجب ہے اور انہیں پر اس کی پرورش بھی ہوتی ہے تو ایسے آدمی کا علاج گویا محال ہے اور اس کی اصلاح کی توقع نہیں کیونکہ گمراہی کے اسباب کی کثرت ہے چوتھا یہ کہ باوجود رائے فاسد پر نشو و نما پانے اور اعمال بد پر پرورش ہونے کے یہ بات بھی ہو کہ بہت سے شر کرنے کو اور لوگوں کے تباہ کرنے کو باعث فضیلت اور فخر جانتا ہو اور خیال کرتا ہو کہ ہماری عزت اسی سے ہے پس یہ درجہ سب میں سخت ہے اسی جیسے شخص کی شان میں یہ مصرع شیخ کا ہے ع تربیت نااہل راچوں گردگان بر گنبد است! ان چاروں میں سے اول تو جاہل محض ہے اور دوسرا جاہل گمراہ ہے تیسرا جاہل و فاسق گمراہ ہے چوتھا جاہل و گمراہ و فاسق و شریر ہے اب ہم دوسری وجہ کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ وہ لوگ یہ بات جو کہتے ہیں کہ حسن خلق

سے استیصال شہوت و غضب کا ہوتا ہے اور یہ آدمی میں پایا جانا محال ہے تو ان کو یہ خیال ہوا ہے کہ حسن خلق سے یہ صفات نیست ہو جاتے حالانکہ یہ بات مقصود نہیں بلکہ شہوت تو ایک فائدہ کے لئے پیدا ہوئی ہے خلقت انسانی میں اس کا ہونا بھی ضروری ہے اگر بالفرض شہوت کھانے کی نہ رہے تو آدمی ہلاک ہو جاوے یا شہوت جماع نہ رہے تو نسل منقطع ہو اسی طرح غضب اگر بالکل نابود ہو جاوے تو مہلک چیزوں کو آدمی دفع نہ کر سکے اور تباہ ہو جاوے اور اگر اصل شہوت باقی ہے تو حب مال جو شہوت تک پہنچاتی ہے وہ بھی باقی رہے گی اور بخل کی ترغیب دے گی اور اس اصل کا بالکل نیست و نابود کرنا غرض نہیں بلکہ یہ منظور ہے کہ افراط و تفریط کو چھوڑ کر معتدل درجہ پر آجاوے علی ہذا القیاس غضب میں یہ مقصود ہے کہ تہور اور نامردی سے علیحدہ ہو کر حسن حمیت کا پابند ہو اور اس کو عقل کا منقاد کر دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ[ت] صحابہ کے وصف شدت کے ساتھ کی جو غضب سے صادر ہوتی ہے اگر غضب بالکلیہ جاتا رہے تو جہاد بھی منقطع ہو جاوے اور غضب اور شہوت کے بالکل منقطع ہو جانے کا کوئی کیسے دعویٰ کر سکتا ہے انبیا تو اس سے علیحدہ ہوئے ہی نہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے[ح] انما انا بشر اغضب کما یغضب البشر اور جب کبھی کوئی بات آپ کے سامنے خلاف مرضی بیان ہوتی تو ایسے غصہ ہوتے کہ رخسار مبارک سرخ پڑ جاتے مگر جب بھی حق بات ہی فرماتے یعنی آپ کا غصہ بھی آپ کو احاطۂ حق سے باہر نہیں جانے دیتا تھا اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے[ت] والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس اس میں صفت ایسے لوگوں کی ہے جو غصہ ہوتے ہیں مگر اس کو دبا لیتے ہیں یہ نہیں فرمایا کہ جن میں غصہ بالکل نہیں اس بیان سے معلوم ہوا کہ غضب اور شہوت کا حد اعتدال پر آنا اس طرح پر کہ کوئی ان میں سے عقل پر غالب نہ ہو بلکہ عقل ہی کے قابو میں رہیں ممکن ہے اور تبدیل خلق سے بھی یہی غرض ہے اس لئے کہ بعض اوقات آدمی پر شہوت ایسا زور کرتی ہے کہ پھر عقل سے کچھ بن نہیں پڑتی مگر ریاضت سے اس کا حد اعتدال پر آنا ممکن ہے امتحان اور تجربہ سے یہ بات ایسی ظاہر ہوتی ہے کہ اس میں کسی کا شک نہیں رہتا اور اس بات کی دلیل کہ اخلاق میں غرض افراط و تفریط نہیں بلکہ درجہ اوسط مطلوب ہے یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ درجہ اوسط اخلاق ہی کی تعریف فرماتا ہے چنانچہ فرمایا[ت] والذی اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما اس میں اشارہ سخاوت کی طرف ہے جو اسراف و کمی کے درمیان ہے اور فرمایا[ت] ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط اور اسی طرح شہوت طعام میں اعتدال مطلوب ہے حرص اور تنگی طبع ناپسند ہے جیسا کہ فرمایا[ت] کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین اور غضب کے باب میں فرمایا[ت] اشدآء علی الکفار رحماء بینھم اور حدیث شریف میں ہے[ت۸] خیر الامور اوسطھا

ت سخت ہیں کافروں پر اور آپس میں نرم دل ۱۲ ع قولہ خلق الخ مترجم نے اس مقام پر علوم کس طرح ترجمہ کیا کیونکہ حسن خلق سے یہ غرض کسی نے نہیں کی بلکہ اصل یہ ہے اس طرح ہے کہ ان لوگوں کا یہ قول کہ جب تک آدمی زندہ ہے اس سے شہوت و غضب دنیا کی محبت وغیرہ ایسے اخلاق منقطع نہیں ہوتے یہ غلطی ایسے لوگوں کو واقع ہوئی جن کا گمان یہ ہوا کہ مجاہدہ و ریاضت سے مقصود یہ ہے کہ ایسی صفتیں بالکلیہ محو کر دی جاویں اور یہ ہرگز ہرگز مقصود نہیں ہے کیونکہ خواہش مثلاً ایک فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے[ح] میں آدمی ہی ہوں غصہ کرتا ہوں جیسے آدمی غصہ ہوتا ہے ۱۲ مسلم بروایت انس اور ابو ہریرہ یہ الفاظ ہیں انما محمد بشر یغضب کما یغضب البشر ۱۲ بخاری و مسلم بروایت عبد اللہ بن زبیر ۱۲[ت] اور پینے والے غصہ کے اور معاف کرنے والے لوگوں کو[ت۵] اور وہ جب کہ خرچ کرنے لگیں نہ اڑائیں نہ تنگی کریں اور رہے اس کے بیچ سیدھی گزران ۱۲[ت۶] اور نہ کر رکھ اپنا ہاتھ بندھا اپنی گردن کے ساتھ نہ کھول دے اس کو

نرا کھولنا ۱۲[ت۷] کھاؤ اور پیو اور مت اڑاؤ وہ دوست نہیں رکھتا بے جا اڑانے والوں کو[ت۸] کڑے ہیں کافروں پر اور نرم ہیں آپس میں ۱۲[ت۹] سب امور میں بہتر درمیان کی چیز ہیں ۱۲

اور اوسط درجہ کے محمود ہونے میں ایک بھید ہے وہ یہ ہے کہ سعادت انسانی اس میں ہے کہ اس کا قلب عوارض دنیاوی سے سالم ہو جس کے لیئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا من اتی اللہ بقلب سلیم[1] اور بخل اور اسراف دونوں عوارض دنیاوی سے ہیں تو دل کو ان دونوں سے بچا رہنا چاہئے نہ جمع مال کی طرف متوجہ ہو اور نہ اس کے خرچ کرنے کی حرص ہو اس لیئے کہ خرچ کرنے کی حرص ہو گی۔ اس کا دل اس میں لگا رہے گا اور جو بخل دوست ہو گا وہ امساک میں اپنا دل مصروف رکھے گا تو کمال قلب اس میں ہوا کہ یہ دونوں وصف اس میں نہ ہوں اور چونکہ ارتفاع نقضین دنیا میں ہو نہیں سکتا تو ایسی بات کی طرف رجوع کرنی پڑی جو دونوں وصفوں کے نہ ہونے کے مشابہ اور ان سے علیحدہ ہو وہ درجہ اوسط میں دونوں وصف نہیں مثلاً پانی گرم کی اگر حرارت نکل جاوے اور ٹھنڈا بھی نہ ہونے پاوے تو اس کو ٹھنڈا ہی کہتے ہیں نہ گرم یہی حال سخاوت کا ہے درمیان اسراف اور کم خرچی کے اور شجاعت کا درمیان تہور اور نامردی کے اور عفت کا درمیان حرص وبستگی کے اور اور تمام اخلاق کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے کہ دونوں طرفین مذموم ہیں اور صرف وسط مقصود ہے اور وہ ممکن ہے ہاں استاد مرشد کو یہ چاہیے کہ مرید کو یہی فرماوے کہ غصہ بالکل نہ کر اور مال ذرہ بھی مت رکھ اور ہمیشہ غضب اور امساک کی برائی ہی اس کے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ بموجب اس مثل کے کہ بمرگش گیر تا بہ تپ راضی شود دونوں چیزیں اس میں اوسط درجہ پر ہو جاویں گی ورنہ اس کو اگر ذرہ بھی ان دونوں چیزوں کا اشارہ مل جاوے گا تو اس کو بخل اور غضب کا ایک حیلہ ہو جاوے گا جس قدر ان دونوں کا مرتکب ہو گا یہی سمجھے گا کہ اننے کی مجھے اجازت ہو گئی ہے اس لیئے اسے یہی فرماوے کہ ان دونوں کا استیصال کر مگر یہ بھید اس سے کہنے کا نہیں احمقوں کو اس سے دھوکا ہو جاتا ہے اور وہ یہی تصور کرتے ہیں کہ ہمارا غضب اور بخل جائز طور پر ہیں

۴۔ حسن اخلاق کیسے حاصل ہوتے ہیں

یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ حسن خلق سے قوت اعتدال عقل اور کمال حکمت اور اعتدال قوت غضب وشہوت اور ان کا منقاد ہونا شرع اور عقل کو مقصود ہے پس یہ بات دو وجہ سے حاصل ہوتی ہے وجہ اول داد الٰہی ہے کہ آدمی ابتداء پیدائش سے کامل العقل خوش خلق پیدا ہووے اور شہوت وغضب کو اس پر غلبہ نہ ہو بلکہ یہ دونوں عقل وشرع کے منقاد رہیں تو ایسا شخص بے تعلیم عالم ہو جاتا ہے اور بے تادیب مؤدب جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اور جناب سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہم اجمعین اور انبیاء علیہم السلام اور یہ بات کچھ بعید نہیں کہ آدمی کی پیدائش اور فطرت میں وہ بات ہو جو اکتساب سے حاصل ہوتی ہے اکثر لڑکے شروع ہی سے سخی اور جری اور صادق اللہجہ پیدا ہوتے ہیں اور بعضے ان کے خلاف ہوتے ہیں مگر یہ امر ان کو اور لوگوں میں ملے جلے رہنے سے حاصل ہوتا ہے جو ان اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اور کبھی سیکھنے سے آتا ہے دوسری وجہ ان اخلاق کو مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل کرنا یعنی نفس سے ایسے کام لینے جن سے کہ خلق کا مطلوب حاصل ہو جاوے

---

[1] مگر جو شخص آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا ۱۲

مثلاً جو شخص خلق سخاوت حاصل کیا چاہے اس کا طور یہ ہے کہ بتکلف اہل سخاوت کا فعل یعنی بذل مال اختیار کرے اور ہمیشہ اپنے نفس پر زور دے کر یہ کام لیتا رہے یہاں تک کہ یہ امر اس کی عادت ہو جاوے اور طبیعت میں جم جاوے تو اس بات سے سخی ہو جاوے گا اسی طرح جو شخص خلق تواضع کو حاصل کیا چاہے اور اس پر کبر غالب ہو اس کو چاہیئے کہ اول مدت مدید تک اہل تواضع کے افعال پر بہ تکلف و مجاہدہ مواظبت کرے یہاں تک کہ وہ افعال اس پر آسان ہو جاویں اور خلق طبیعت بن جاویں اور جتنے اخلاق شرعاً محمودہ ہیں سب اسی طرح حاصل ہو سکتے ہیں اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اس کام میں آدمی کو لذت معلوم ہونے لگے مثلاً سخی اسی کو کہیں گے کہ جو مال خرچ کرے اور اس میں اس کو لذت ملے اور اگر خرچ کرتا ہے اور برا معلوم ہوتا ہے تو سخی نہ ہوگا اسی طرح متواضع وہ آدمی ہوگا جس کو تواضع میں مزہ ملے اور اخلاق دینی نفس میں جب تک نہیں جمیں گے جب تک نفس سب بری عادتوں کو چھوڑ کر اچھی عادتوں کا معتاد نہ ہو جاوے اور افعال حسنہ پر مشتاقوں کی طرح مواظبت نہ کرے اور اس سے لذت حاصل نہ کرے اور افعال قبیحہ کو برا جان کر ان سے ایذا نہ پاوے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ[۱] اور جب تک عبادات کا بجالانا اور ممنوعات کو چھوڑنا برا معلوم ہوگا اور نفس پر شاق گزرے گا تب تک نقصان باقی رہے گا اور کمال سعادت کو نہ پہنچے گا ہاں ان کی باتوں میں مواظبت بہ نسبت نہ کرنے کے بہتر ہوگی مگر طوع و رغبت کے ساتھ کرنے کی نسبت بہتر نہیں اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا[۲] انھا لکبیرۃ الا علی الخٰشعین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۳] اعبد اللّٰہ فی الرضاء فان لم تستطع ففی الصبر علی ما تکرہ خیر کثیر پھر سعادت موعودہ کے حاصل ہونے کے لیئے یہ امر کافی نہیں کہ کبھی تو طاعت میں مزہ ملے اور نافرمانی بری معلوم ہو اور بعض اوقات نہ ہو بلکہ تمام عمر یہی بات رہنی چاہیئے اب جس قدر عمر زیادہ ہوگی یہ فضیلت زیادہ مستقل ہوگی اور اسی لیئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے سوال کیا کہ سعادت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ[۴] طول العمر فی طاعۃ اللّٰہ اور اسی جہت سے انبیاء اور اولیاء موت کو برا سمجھتے تھے کیونکہ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ[۵] واقع ہے پس جس قدر طول عمر سے عبادات زیادہ ہوں گے اسی قدر ثواب زیادہ ہو گا اور نفس طاہر اور اطہر بنے گا اور اخلاق قوی اور راسخ تر ہوں گے علاوہ ازیں مقصود عبادات سے یہ ہے کہ ان کا اثر قلب پر ہو اور تاثیر قلب پر جب ہی ہوتی ہے جب عبادات پر مواظبت اور مداومت کثرت سے ہو اور اب معلوم کرنا چاہیے کہ ان اخلاق سے غرض یہ ہے کہ نفس میں سے دنیا کی محبت جاتی رہے اور خدا تعالیٰ کی محبت اس میں جم جاوے یہاں تک کہ کوئی چیز اس کے نزدیک دیدار الٰہی سے محبوب تر نہ رہے اپنا مال بھی ایسی ہی باتوں میں خرچ کرے جس سے یہ مطلب حاصل ہو اور اور غضب و شہوت کو بھی ایسی ہی طرح کام میں لاوے کہ جس سے خدا ملے اور ظاہر ہے کہ یہ اس صورت میں ہوگا کہ شرع اور عقل کے مطابق ہو پھر اس طرح کے کاموں سے خوش ہو اور مزہ پاوے اور اگر کسی کو نماز میں راحت اور خنکی چشم حاصل ہو یا عبادات اچھی معلوم ہونے لگیں تو کچھ بعید نہیں عادت کے باعث نفس میں اس سے بھی زیادہ عجیب باتیں ہو جاتی ہیں دیکھو جواری مفلس

ح[۱] کی گئی ہے میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ۱۲ نسائی بروایت انس رضؓ ۱۲ ت[۲] اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہیں پر جن کے دل پگھلے ہیں ۱۲ ح[۳] اللہ کی عبادت خوشی کی حالت میں کرو اگر نہ کرسکے تو جو چیز تجھے بری معلوم ہوتی ہے۔ اس پر صبر کرنے میں بہت برکت ہے ۱۲ ح[۴] عمر کا نام زیادہ ہونا خدا کی طاعت میں ۱۲ ابو منصور در مسند الفردوس بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۱۲ ح[۵] دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۱۲

جوے میں کیسا خوش ہوتا ہے اور مزہ پاتا ہے حالانکہ جس حال میں وہ ہے اگر دوسرے دل کو وہ نوبت ہو تو بے قماری زندگی ناگوار ہو جاوے اس کے سوا قمار کے باعث مال سب جاتا رہتا ہے گھر خراب ہو جاتا ہے پھر بھی محبت اور چسکا قمار کا لگا رہتا ہے یہ اسی باعث ہے کہ کھیلتے کھیلتے اس سے الفت ہو گئی ہے اسی طرح کبوتر باز دن بھر دھوپ میں کھڑا رہتا رہتا ہے دھوپ کی گرمی نہیں مانتا اس لیئے کہ کبوتروں کا اڑنا اور ان کی حرکات اور بازیاں اچھی معلوم ہوتی ہیں چور اچکوں پر کیسے کیسے کوڑے پڑتے ہیں اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے مگر وہ لوگ اس کو اپنا فخر سمجھتے ہیں اور سختی کی برداشت سے خوش ہوتے ہیں یہاں تک کہ بالفرض اگر ان کے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو تب بھی نہ مال کا نشان دیں گے نہ اپنے ساتھیوں کا نام لیں گے پس ایسی سختیوں کا سہنا اور سیاستوں کا خیال میں نہ لانا اسی جہت سے ہے کہ اپنے کام کو کمال اور شجاعت اور بہادری اعتقاد کر لیا ہے اور باوجودیکہ اس میں اتنے شدائد ہیں تاہم ان کی راحت اسی میں ہے سب سے زیادہ بدتر حال مخنث کا ہے کہ وہ اپنے آپ کو عورتوں کی صورت بناتا ہے مگر وہ بھی اس حال میں خوش ہی رہتا ہے بلکہ اپنے کمال کا فخر کرتا ہے اور مخنثوں میں بیٹھ کر شیخی بگھارتا ہے اسی طرح کنجر اور حلال خور اپنے پیشہ میں فخر و مباہات کرتے ہیں جیسا علماؒ اور سلاطین میں ہوتا ہے تو یہ سب امور عادت سے متعلق ہیں کہ جب ایک بات پر مدت مدید مواظبت ہوتی ہے اور بھولوں میں وہی مشاہدہ ہوتی ہے تو اپنے نفس کو اچھی لگتی ہے پس جب عادت کے سبب امر باطل سے لذت ہوتی ہو اور نفس اس کی طرف راغب ہوتا ہو تو امر حق پر اگر مواظبت مدت مدید رہے گی اس سے کیوں نہیں لذت حاصل ہوگی بلکہ رغبت نفس امور بد کی طرف مقتضائے طبع سے خارج ہے اور ایسی ہی ہے جیسے کسی کو مٹی کھانے کی رغبت ہو جاوے جیسا کہ بعض لوگوں کو کھاتے کھاتے عادت ہو جاتی ہے لیکن حکمت کی طرف راغب ہونا اور محبت اور معرفت و عبادت الٰہی کا میل کرنا امر عارضی ہے اور اس کی ذات سے بعید بلکہ اس کی غذا حکمت اور معرفت اور محبت الٰہی ہے مگر کسی بیماری لاحقہ سے اپنے مقتضائے طبعی سے منحرف ہو گیا ہے جس طرح معدہ میں کچھ خلل ہو تو کھانے کو اور پینے کو دل نہیں چاہتا حالانکہ کھانے پینے ہی سے زندگی ہوتی ہے پس جس قدر کوئی دل غیر اللہ کی محبت کی طرف مائل ہوگا اسی قدر اس میں مرض ہوگا مگر اس صورت میں کہ اس شے کی محبت صرف اس غرض سے ہو کہ اس محبت اور دین الٰہی میں مدد ملے گی اس صورت میں البتہ یہ محبت غیر اللہ مرض میں شمار نہ ہوگی اس بیان سے اب قطعاً معلوم ہو گیا کہ ان اخلاق حسنہ کا اکتساب ریاضت سے ہو سکتا ہے یعنی اولاً بتکلف ان کے مرتکب ہونے سے آخر کو امور طبعی اور خلقی ہو جاتے ہیں اور یہ ایک عجیب طرح کا علاقہ قلب اور اعضاً میں ہے کہ جو صفت قلب میں ظہور کرتی ہے اس کا اثر اعضا پر پہنچتا ہے کہ اسی کے موافق حرکت کرنے لگتے ہیں اور جو فعل اعضاً سے کیا جاتا ہے اس سے بھی کبھی اثر دل پر بطریق دور ہو جاتا ہے اس کو مثال سے سمجھنا چاہیئے مثلاً کوئی شخص چاہے کہ خوشخطی میں ماہر ہو جاوے تو اس کا طریق یہی ہے جیسے کاتب اپنے ہاتھ سے مشق کرتے ہیں ویسے ہی مدت مدید تک مشق کیئے جائے یہاں تک کہ صفت کتابت اس کے نفس میں جم جاوے اور حروف خوش خط آمد کے طور پر ہاتھ سے نکلنے لگیں جیسے پہلے آورد سے نکلتے تھے اسی طرح اگر کوئی فقیہ بننا چاہے تو افعال فقہا کی مواظبت کرے یعنی فقہ کے مسائل مکرر سہ کرر زبان سے ادا کرے یہاں تک کہ دل پر اثر اس فقہ کا پہنچے اس وقت فقیہ النفس ہو جاوے گا اسی طرح جو سخی پارسا حلیم متواضع ہونا

ہونا چاہیئے اس کو چاہیئے کہ ابتداءً ان لوگوں کے افعال بتکلف ادا کرے تاکہ رفتہ رفتہ یہ امور طبیعت میں جگہ پکڑ لیں اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں اور جس طرح پر کہ طالب فقہ ایک روز تعطیل کرنے سے اپنے مطلب سے محروم نہیں رہتا اور صرف ایک روز کی بحث سے فقیہ نہیں ہو جاتا اسی طرح جو شخص تزکیہ اور تکمیل اور تحسین قلب کی اعمال حسنہ سے چاہتا ہے وہ نہ ایک دن کی عبادت میں یہ رتبہ پا سکتا ہے اور نہ ایک دن کی نافرمانی سے اس رتبہ سے محروم ہو سکتا ہے اور یہ جو قول ہمارے بزرگوں کا ہے کہ ایک کبیرہ موجب ہمیشہ کی بدبختی کا نہیں ہوتا اس کے یہی معنی ہیں ہاں ایک روز کو بیکار چھوڑنا دوسرے روز کی بیکاری کا باعث ہوتا ہے پھر اسی طرح ہوتے ہوتے آخر کو نفس کسل کا عادی ہو کر سرے سے تحصیل ہی چھوڑ دیتا ہے اور فضیلت فقہ سے محروم رہتا ہے اسی طرح ایک گناہ صغیرہ کا ارتکاب دوسرے کا باعث ہوتا ہے اور بتدریج مثل نشو و نما بدن اور قد کے ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح ایک طاعت کے کرنے سے اثر تزکیہ نفس کا اس وقت محسوس نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ مدت کے بعد معلوم ہوتا ہے تاہم تھوڑی طاعت کو حقیر نہ جاننا چاہیئے اس لیئے کہ تھوڑی ہی تھوڑی ہو کر بہت ہو جاتی ہے اور مجموع کا اثر کچھ کچھ حصہ رسد ایک ایک کے بھی مقابل ہوتا ہے، گو محسوس نہیں ہوتا علاوہ ازیں اگر تاثیر مخفی ہے تو ہوا کرے ثواب تو کہیں نہیں وہ عوض تاثیر کے موجود ہے اسی طرح معصیت کو قیاس کرنا چاہیئے اور بہت سے فقیہ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک روز کی تعطیل کو ہیچ سمجھتے ہیں اور رفتہ رفتہ پے در پے تعطیل کر کے نفس کو ایک ایک روز کی توقع دیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ طبیعت قبول فقہ سے خارج ہو جاتی ہے اسی طرح لوگ صغیرہ گناہوں کو حقیر جانتے ہیں اور نفس کو توبہ کا وعدہ آجکل دیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ دفعتاً پنجہ موت میں گرفتار ہو جاتے ہیں یا سیاسی گناہوں کی دل پر دھواں دھار ہو جاتی ہے اور توبہ مشکل پڑ جاتی ہے اس لیئے کہ تھوڑے تھوڑے گناہ ہوتے ہوتے بہت ہو جاتے ہیں اور قلب ان گناہوں میں ایسا پھنسا کہ رہائی غیر ممکن ہو گئی اور دروازے توبہ کے بند ہونے سے یہی مراد ہے اور اس آیت میں بھی یہی غرض ہے کہ[1] وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اور اسی جہت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ قلب میں اوّل ایمان ایک سفید نقطہ کے برابر ہوتا ہے جتنا ایمان زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر یہ سفیدی بڑھتی جاتی ہے جب بندہ کا ایمان کامل ہو جاتا ہے تو تمام دل نورانی ہو جاتا ہے اور نفاق اول ایک نقطہ سیاہ کے برابر دل میں ظاہر ہوتا ہے پھر جتنا بڑھتا جاتا ہے اتنا سیاہی دوڑتی ہے جب نفاق کامل ہوتا ہے تو دل بھی تمام سیاہ ہو جاتا ہے اس بیان سے واضح ہوا کہ اخلاق حسنہ کبھی تو طبیعت اور اصل پیدائش سے ہوتے ہیں اور کبھی عمدہ افعال کے عادی ہونے سے اور کبھی صلحا اور ارباب خیر کے افعال دیکھنے اور ان کے پاس بیٹھنے سے کیونکہ ایک طبیعت دوسرے سے شر اور خیر دونوں چراتی ہے پس اگر کوئی شخص ایسا ہو جس میں تینوں جہات جمع ہو گئے ہوں یعنی طبعاً اور عادتاً اور تعلیم سے فضیلت کو پہنچا ہو تو ایسا شخص نہایت درجہ فضیلت پر ہے اور جو شخص کہ طبیعت کا اچھا نہ ہو اور اسباب شر کے مہیا ہونے سے اسی کا عادی ہو گیا ہو اور صحبت والے بھی بد ہوں تو وہ نہایت درجہ پر خدا تعالیٰ سے بعید ہے اور جس میں ان جہات کا کچھ اختلاف ہے وہ دونوں مرتبوں کے درمیان ہے اور اس کا قرب و بعد بموجب اس کی صفت اور حال کے ہے۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

---

[1] اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور پیچھے ان کے دیوار ۱۲

شرًّا یرہٗ[1] وما ظلمہم اللہ ولکن کانوا انفسہم یظلمون[2]

۵۔ تہذیب اخلاق کے طریقے

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مزاج بدن میں اخلاق کا معتدل رہنا صحت نفس کہلاتا ہے اور ان کا اعتدال نہ رہنا سقم اور مرض نفس ہے جیسے کہ اعتدال اخلاط صحت بدن کا ہے اور ان کا میل کرنا اعتدال سے مرض بدن اب جاننا چاہیئے کہ نفس کا علاج بایں طور پر کہ اس میں سے رزیل اور ردی اخلاق دور رکھے جاویں اور فضائل اور افعال حسنہ کا مورد بنایا جاوے مشابہ بدن کے علاج کے ہے اس میں سے امراض کو دور کرکے اس کی صحت و تندرستی میں کوشش کی جاوے پس جس طرح پر کہ اکثر اصل مزاج اعتدال پر ہی ہوتا ہے اور غذا اور خواہش و دیگر عوارض کی جہت سے معدہ میں خلل ہو جاتا ہے اسی طرح پر فطرت بھی صحیح و معتدل ہی ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے[3] کل مولود یولد علی الفطرۃ وانما ابواہ یہودانہٖ اوینصرانہٖ او یمجسانہٖ یعنی آدمی عادت خواہ تعلیم سے اکتساب زوال کرتا ہے اور جیسے کہ بدن ابتدا میں کامل نہیں پیدا ہوتا بلکہ نشو اور تربیت اور غذا سے کامل ہوتا ہے اسی طرح نفس بھی ناقص پیدا ہوتا ہے مگر لیاقت کمال کی اس میں رہتی ہے تزکیہ اور تہذیب اخلاق اور غذاءِ علم سے کامل ہو جاتا ہے اور جس طرح کہ بدن اگر صحیح ہو تو طبیب حفظ صحت کی تدبیر کرتا ہے اور اگر بیمار ہو تو حصول صحت کی فکر میں رہتا ہے اسی طرح اگر آدمی کا نفس پاک صاف و مہذب ہو تو چاہیئے کہ اس باب میں کوشش کرے کہ ویسا ہی بنا رہے بلکہ ان امور کو اس میں قوت اور زور ہو جاوے اور اگر اس میں کچھ کمال نہ ہو تو اس کمال کے حاصل کرنے میں سعی کرے اور جیسا کہ اس علت کا علاج جس سے کہ اعتدال بدن میں خلل ہوا ہے اس کی ضد سے ہوتا ہے مثلاً اگر حرارت سے ہو تو برودت سے تدبیر کی جاتی ہے اور اس کا عکس اسی طرح رزائل یعنی امراض قلبی کا علاج بھی ان کی ضدوں سے ہوتا ہے مثلاً جاہل کا علاج تعلم سے اور بخل کا علاج سخی بننے سے اور کبر کا تواضع ہے اور حرص کا علاج بزور خواہش نفسانی کے روکنے سے ہوتا ہے اور جیسے مرض بدن میں تلخی دوا کی برداشت کرنی پڑتی ہے اور دل چاہتی چیزوں سے صبر کرنا ہوتا ہے اسی طرح علاج قلب میں تلخی مجاہدہ کا برداشت کرنا اور علاج پر صبر کرنا ہوتا ہے بلکہ اس میں بطریق اولی چاہیئے اس لیئے مرض بدنی سے تو مرنے پر نجات ہو جاتی ہے اور مرض قلبی معاذ اللہ ایسا مرض ہے کہ بعد موت بھی ابدالآباد تک رہتا ہے اور جس طرح کہ ہر ایک حرارت کے لیئے ہر دواء سرد کافی نہیں بلکہ برعایت شدت اور ضعف اور دوام اور اتفاق اور کثرت اور قلب کے مختلف طور پر دی جاتی ہے اور خوراک کے لیئے بھی وزن معین ہوتا ہے کیونکہ مراعات وزن کے نہ ہونے سے فساد زیادہ ہوتا ہے اور وزن کی مقدار دوا کے درجہ کے موافق اور احوال بدن کے مناسب اور مریض کے سن و سال و موسم کے مطابق اور مرض کی شدت و ضعف کے بموجب ہوا کرتی ہو کہ جب طبیب حرارت یا برودت کی قوت و ضعف معلوم کر لیتا ہے تو انہیں

---

[1] تو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی وہ دیکھ لے گا ۱۲ [2] اور اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر لیکن اپنا برا کرتے رہے ۱۲ [3] ہر ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے اصل ایمان پر اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

باتوں کے لحاظ سے نسخہ تجویز کرتا ہے اسی طرح مرشد استاد جو مریدوں کے نفوس کے معالج ہیں ان کو چاہیئے کہ مریدوں پر ایکبارگی ریاضت اور تکلیف صرف ایک فن مخصوص یا طریق معین کی نہ ڈالیں جب تک ان کے اخلاق اور امراض سے بخوبی واقف نہ ہو جیسے کہ طبیب اگر سب مریضوں کا علاج اگر ایک ہی دوا سے کرے تو اکثر مر جائیں گے اسی طرح مرشد اگر سب مریدوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے گا وہ بھی ہلاک ہوں گے بلکہ یوں چاہیئے کہ مرید کا مرض اور اس کا حال اور سن وسال اور مزاج غور سے دیکھے اور معلوم کرے کہ کس قسم کی ریاضت اس سے ہو سکتی ہے اس قسم کی مشقت اس سے لیوے مثلاً اگر مرید مبتدی جاہل ہو اور احکام شرع نہ جانتا ہو اول اس کو طہارت اور نماز اور عبادات ظاہری سکھا دے اور اگر مال حرام اور معصیت میں مشغول ہو تو اس کو ان چیزوں کے ترک کا حکم کرے جب ظاہر اس کا زیور عبادات ظاہری سے آراستہ ہو جاوے اور اعضا بھی اعلانیہ معاصی سے پاک ہو جاویں تو قرائن احوال سے اس کے باطن کی طرف متوجہ ہو کر اس کے اخلاق و امراض قلبی کو دیکھے پس اگر اس کے پاس قدر ضرورت سے مال زیادہ جانے اس سے لے کر خیرات کر ڈالے کہ اس کی طرف سے فارغ البال ہو جاوے اور اس طرف ملتفت نہ ہو اور اگر رعونت اور کبر اس پر غالب پاوے تو اس کو بازار میں گداگری کے لئے بھیجے کیونکہ عزت ریاست کی اور شیخی نفس کی بے ذلت نہیں جاتی اور سوال سے زیادہ کوئی ذلت نہیں پس اس کو اسی کی مواظبت کا حکم کرے جب تک اس کا کبر جاتا رہے کہ کبر و رعونت امراض قلبی میں سے مہلک ہیں اور اگر بدن کی صفائی اور لطافت مال کو غالب دیکھے اور اس کا دل بھی ان باتوں کی طرف متوجہ پاوے تو اس سے آبدار خانہ کا کام لے اور خس وخاک کی جگہ میں جھاڑ د دلوا دے اور مدام باورچی خانہ اور دھوئیں کی جگہوں میں بیٹھنے کی اجازت دے یہاں تک کہ صفائی کی رعونت مزاج سے ٹل جاوے کیونکہ جو لوگ کپڑوں میں بناؤ سنگار کرتے ہیں اور رنگا رنگ کے مصلی تلاش کرتے ہیں ان میں اور دلہن میں کیا فرق ہے وہ بھی دن بھر اپنے آپ کو بنایا سنوارتی ہے اور آدمی خواہ اپنے تن کی پرستش کرے خواہ کسی بت کی عبادت کرے اس میں بھی کچھ فرق نہیں کیونکہ جب غیر خدا کی عبادت ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ سے حجاب ہو جاتا ہے اس میں اپنا نفس اور بت برابر ہیں پس جو کوئی اپنے کپڑوں کی طرف مائل ہو اور بجز حلال اور طاہر ہونے کے اور طور پر اس کی طرف دل لگا دے تو وہ اپنے نفس کا پابند ہے اور ایک طرح کی ریاضت یہ ہے کہ جب مرید رعونت یا کسی دوسری صفت کے ترک پر اصلا راضی نہ ہو اور اس کی ضد کو دفعتہ گوارا نہ کرے تو مرشد کو چاہیئے کہ اس کو ایک عادت بد سے دوسری عادت بد میں جو اس سے ہلکی ہو لگا دے مثلاً اگر کپڑے پر خون لگ جاتا ہے اور پانی سے اس کا دھبہ نہیں جاتا تو اول کپڑے کو پیشاب سے دھوتے ہیں اور بعد اس کے پانی سے دھوتے ہیں یا لڑکے کو مکتب میں اول ترغیب گیند بلا وغیرہ کی دی جاوے پھر کھیل سے عمدہ کپڑوں کی ترغیب دی جاوے اس کے بعد ریاست اور جاہ کی ترغیب دی جاوے پھر ان سب کے بعد جاہ و ریاست آخرت کی طرف برانگیختہ کیا جاوے اسی طرح جس کسی کا نفس دفعتاً جاہ کے چھوڑنے پر راضی نہ ہو تو چاہیئے کہ کسی ہلکے جاہ میں مصروف کیا جاوے اور اسی طرح بتدریج اس صفت کو اس سے دور کرنا چاہیئے اور جب اس پر حرص کھانے کی غالب ہو تو ہمیشہ روزہ رکھوا دے اور کھانا کم کھا دے اور یہ حکم کرے کہ مزہ دار کھانا پکا کر دوسروں کو کھلا دے آپ ان میں سے نہ کھا دے یہاں تک کہ اس کے نفس کو صبر کی عادت ہو اور کھانے کی حرص دور ہو اور جب اس کو جوان اور شایانِ نکاح جانے مگر نان ونفقہ سے عاجز ہو تو اس کو روزہ رکھنے کا حکم دے اور اگر اس سے خواہش کم نہ ہو تو یوں کہے کہ رات کو پانی سے افطار کیا کر و روٹی نہ کھاؤ

اور دوسرے دن شام کو روٹی کھاوے پانی نہ پیوے اور گوشت و سالن کی ممانعت قطعی کر دے تاکہ اس کا نفس ذلیل ہو اور خواہش کم ہو جاوے کیونکہ شروع میں بھوک سے بڑھ کر کوئی اچھا علاج نہیں اور اگر غصہ کو اس پر غالب دیکھے تو علم اور سکینت کے لیئے حکم کرے اور بدمزاج کے ساتھ اس کو کر کے کہہ دے کہ اس کی اطاعت کیا کر یہاں تک کہ اس کا نفس برداشت کرنے پر عادی ہو جاوے چنانچہ بعض بزرگوں کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اپنے نفس کو حلم کی عادت ڈالنے اور شدت غضب کو دور کرنے کے لیئے ایسے آدمیوں کی مزدوری کیا کرتے تھے جو برملا گالیاں دیں پس اپنے نفس سے بزور صبر کراتے تھے اور غصہ پیتے تھے یہاں تک کہ حلم ان کی عادت ہو گئی اور اس باب میں ضرب المثل بن گئے اور بعضے بزرگ اپنے آپ میں نامردی اور ضعف قلب پاتے تھے جو تحصیل شجاعت کے لیئے جاڑوں کے موسم میں جب سمندر میں خوب موجیں اٹھتی ہوتیں سوار ہوتے اور ہنود و عابد کسل عبادت کا علاج یوں کرتے ہیں کہ تمام رات ایک ہی ہیئت پر کھڑے رہتے ہیں اور بعض بزرگ ابتدا مریدی میں قیام سے کسل کرتے تھے تو اپنے نفس پر لازم کر لیا کہ تمام رات سر کے بل کھڑا رہوں گا تاکہ پاؤں پر کھڑا ہونے کو بخوشی مان لے اور بعضوں نے حب مال کا یوں علاج کیا کہ سارا مال بیچ کر اس کا دام دریا میں ڈال دیا اس جہت سے کہ لٹانے میں شبہ سخاوت یا ریا کا بھی تھا ان سب مثالوں سے علاج قلوب کا طور معلوم ہوتا ہے مگر ہماری غرض یہ نہیں کہ ہر ہر مرض کے لیئے جدا جدا دوا لکھیں اس کا بیان آگے آوے گا یہاں یہی غرض ہے کہ طریق عام اس باب میں نفس کی خواہش کے خلاف چلنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس بات کو ایک ہی کلمہ میں ارشاد فرمایا ہے[ف۱] واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی پورا کرنا عزم کا ہے پس جب آدمی ترک شہوت کا عزم کرے اور اس کے لوازم پیش آجاویں تو یہ جانے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے اس وقت چاہیئے کہ صبر کرے اور اپنے وعدہ پر جما رہے اس لیئے کہ اگر عہد شکنی کرے گا تو نفس کو ویسی ہی عادت ہو جاوے گی اور تباہ ہو جاوے گا بلکہ اگر عہد شکنی کرے تو اپنے اوپر ایک سزا مقرر کرے جیسا کہ ہم نے باب محاسبہ اور مراقبہ میں نفس کی تعزیر میں بیان کیا ہے اور اگر اس کو سزا سے نہیں ڈراوے گا تو نفس اس پر غالب آجاوے گا اس صورت میں شہوات کے موجب مرتکب ہو بیٹھے گا جس کے سبب ریاضت برباد ہو جاوے گی۔

۶ قلب کی بیماریوں اور تندرستی کی تفصیل

واضح ہو کہ ہر ایک عضو اعضائے بدن سے ایک فعل خاص کے لیئے پیدا ہوا ہے اور اس سے وہ فعل اگر صادر نہ ہوگا یا کچھ اضطراب کے طور پر صادر ہوگا تو عضو صحیح نہ کہلاوے گا مثلاً ہاتھ کا مرض یہ ہے کہ اس سے گرفت نہ ہو سکے اور آنکھ کا مرض یہ ہے کہ دیکھ نہ سکے یا دیکھنا مشکل ہو اسی طرح مرض قلب وہ ہوگا جس سے قلب اپنا فعل خاص نہ کر سکے اور اس کا فعل خاص علم اور حکمت اور معرفت اور محبت اور عبادات الٰہی ہے اور اس کے ذکر سے لذت پانا اور سوائے اس کے ہر چیز کی خواہش پر اسی لذت کو ترجیح دینی اور تمام اعضا اور آرزوؤں سے اسی کے لیئے مدد چاہنی جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے[ف۲] وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

[ف۱] اور جو ڈرا اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے سے اور روکا جی کو چاؤ سے تو بہشت ہی ٹھکانا ہے۔ [ف۲] اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو ۱۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ قلب انسانی کا فعل خاص عبادت و معرفت الٰہی ہے اور خاصیت نفس انسانی وہ ہی ہونی بھی چاہیئے کہ جس سے بہائم سے علیحدہ ہو جاوے کیونکہ قوت کھانے اور پینے اور جماع اور دیکھنے میں تو انسان ان سے متمیز نہیں بلکہ اس امر میں متمیز ہے کہ چیزوں کو ان کی اصل حقیقت پر جانتا ہے اور راز آنجا کہ موجد اور مخترع تمام اشیا کا اللہ جل شانہ ہے پس اگر کوئی تمام اشیا کو جانے اور ان کے صانع کو نہ پہچانے تو گویا اس نے خاک بھی نہ جانا اور علامت خدا کے پہچاننے کی اس کی محبت ہے جو اس کو پہچانتا ہے اس کی دوستی میں محو ہو جاتا ہے ؎

این مدعیاں در طلبش بیخبر انند ... آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

اور اس کی محبت کی یہ نشانی ہے اس پر دنیا اور مافیہا اور تمام اپنی محبوب چیزوں کو ترجیح نہ دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] قل ان کان اٰبآؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال ن اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ پس جس کسی کے نزدیک خدا کے سوا اور کوئی چیز محبوب تر ہو تو اس کا دل مریض ہے جیسا کہ کسی کے معدہ میں روٹی اور پانی کی نسبت محبت مٹی کی زیادہ ہو جاوے اور غذا کی خواہش جاتی رہے تو وہ مریض ہوتا ہے پس مرض قلوب کے یہ علامات ہیں اور اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ تمام قلوب بیمار ہیں الا ماشاء اللہ اور چونکہ بعضے مرض ایسے ہوتے ہیں کہ بیمار کو معلوم نہیں ہوتے اور مرض قلب بھی انہیں میں سے ہے اسی واسطے آدمی غافل رہتا ہے اور اگر جان بھی جاتا ہے تو اس کے علاج کی تلخی پر صبر مشکل ہے اس لیئے کہ دوا اس کی شہوات کی مخالفت کرتی ہے جس کو جان کندنی سمجھتا ہے اور اگر نفس میں صبر بھی پاتا ہے تو کوئی معالج حاذق نہیں ملتا کہ اس کا علاج کرے کیونکہ طبیب اس مرض کے علماء ہیں اور وہ خود اس مرض میں مبتلا ہیں پس جب وہ اپنا ہی علاج نہیں کرتے تو دوسرے کا کس طرح کریں گے ؎

جو معالج نخا وہی اس درد سے لاچار ہے ... پھر دوا بیمار کی ہونی بہت دشوار ہے

اسی جہت سے مرض قلوب مرض لاعلاج ہو گیا ہے نہ اس کا علم لوگوں میں رہا نہ اس مرض کو کوئی جانتا ہے لوگ جب دنیا پر جھک پڑے اور ایسے اعمال پر متوجہ ہوئے کہ ظاہر میں عبادت ہیں اور باطن میں ریا و عادت یہاں تک کہ اصول امراض کی علامات ہو چکیں اب علامات صحت کو بعد معالجہ کے سننا چاہیئے وہ اس طرح ہے کہ جس بیماری کا علاج کرنا ہے اگر وہ بخل ہے جو موجب تباہی اور بعد عن اللہ ہوتا ہے تو اس کا علاج مال کے دے ڈالنے اور خرچ کرنے سے ہوتا ہے مگر بذل مال اس درجہ پر کرے کہ مسرف نہ ہو جاوے ورنہ ایک اور مرض میں مبتلا ہو جاوے گا جیسے کوئی شخص سردی کا علاج گرمی سے اتنا کرے کہ حرارت بڑھ جاوے تو یہ بھی ایک مرض ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ فضول خرچی میں اعتدال ہو جاوے اور درجہ اوسط جو دونوں طرفوں سے نہایت فاصلہ پر ہے حاصل ہو جاوے پس اگر یہ منظور ہو کہ درجہ وسط معلوم کرو تو اس کا طریق یہ ہے کہ جو فعل کسی خلق کے باعث ہوتا ہے اس کو دیکھنا چاہیئے اگر وہ سہل اور شیریں معلوم ہو تو جان لینا چاہئے کہ یہی خلق نفس پر غالب ہے مثلاً اگر

---

[۱] تو کہہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو کماتے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور حویلیاں جو جو پسند رکھتے ہو تم کو عزیز ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں تو راہ دیکھو جب تک بھیجے حکم اللہ اپنا

مال کا روکنا اور جمع کرنا آسان اور لذیذ معلوم ہو بہ نسبت مستحقین کے دینے کے تو جان لو کہ بخل کا غلبہ ہے۔ اس صورت میں داد و دہش کی مواظبت زیادہ کرنی چاہیے اور اگر غیر مستحقوں کو دینا آسان اور لذیذ معلوم ہوتا ہو بہ نسبت امساک واجبی کے تو اپنے اوپر فضول خرچی کا غلبہ سمجھو اور اس صورت میں امساک کی مواظبت کی طرف رجوع کرو۔ اور اس طرح نفس کے افعال کو دیکھ کر ان کی سہولت اور اشکال سے عادت پر استدلال کرتے رہو یہاں تک کہ علاقہ دل مال کی طرف التفات سے منقطع ہو جاوے اور بذل اور امساک دونوں کی طرف رجوع نہ کرے بلکہ مال کا حال پانی کا سا ہو جاوے کہ اگر امساک بھی ہو تو کسی محتاج کی حالت کے لئے ہو اور بذل بھی ہو تو ایسا ہی کچھ ہو مگر ان دونوں کو ایک دوسرے پر غلبہ نہ رہے پس جو قلب اسی طرح کا ہو جاوے گا وہ اس مقام خاص سے سالم رہے گا اور تمام اخلاق سے سالم ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ متعلقات دنیا میں کسی چیز کا علاقہ نہ رہے اور یہاں سے بے لگاؤ اٹھ جاوے نہ خود دنیا کا التفات ہو نہ اس کے لوازم کا شوق اس وقت پروردگار کے سامنے اطمینان کے ساتھ جاوے گا وہ اس سے راضی اور یہ اس سے خوش اور بندگان مقرب یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی جماعت میں داخل ہوگا جو عمدہ رفیق ہیں اور از آنجا کہ درجہ اوسط دونوں طرفوں میں نہایت باریک بلکہ بال سے زیادہ پتلا اور تلوار سے زیادہ تیز ہے تو بالضرور جو اس صراط مستقیم پر دنیا میں قائم رہے گا وہ اسی طرح آخرت کے پل صراط پر گذرے گا اور چونکہ آدمی کچھ نہ کچھ صراط مستقیم درجہ اوسط سے ایک نہ ایک طرف کو جھک جاتا ہے اسی لئے اس کا قلب متعلق اسی جانب کو ہوتا ہے جس طرف کہ جھکا ہے اور اس میں لحاظ کچھ نہ کچھ عذاب اور گزند دوزخ ضرور ہوگا گو بجلی ہی طرح نکل جاوے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] اھدنا الصراط المستقیم۔ یعنی وہ لوگ کہ صراط مستقیم سے اکثر قریب رہے اور اسی استقامت کی دشواری کی جہت سے ہر روز بندہ پر اثنا قرأت میں الحمد میں سترہ بار یہ دعا واجب ہوتی ہے[2] اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ روایت ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو سورہ ہود نے بوڑھا کر دیا اس کی وجہ کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں حکم خداوندی یوں ہے کہ[3] فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ معلوم ہوا کہ استقامت راہ راست پر نہایت دشوار ہے مگر بندہ کو چاہیئے کہ اگر استقامت حقیقی میسر نہ ہو تو اس کے قریب ہی کے لئے کوشش کئے جاوے غرضکہ جو شخص اپنی نجات چاہے تو بدون عمل صالح نہ ہوگی اور اعمال صالح عمدہ اخلاق سے ہوتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے صفات اور اخلاق کی طرف متوجہ ہو اور ایک ایک کا علاج بہ ترتیب کرے خداوند کریم ہم کو تقویٰ نصیب فرمائے

۷ اپنے عیب کیسے پہچانے جاتے ہیں

جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کو کسی کے ساتھ جب بھلائی کرنی منظور ہوتی ہے اس کی نظر کو خود اس کے عیبوں کی طرف پھیر دیتا ہے پس جس کی عقل تیز ہوتی ہے اس پر اس کے عیب پوشیدہ نہیں رہتے اور عیب کے معلوم ہونے کے بعد علاج بھی ممکن ہے مگر افسوس کہ لوگ اپنے عیبوں سے جاہل ہیں دوسروں کے عیوب ذرہ ذرہ معلوم ہوتے ہیں لیکن اپنے بڑے عیب بھی نہیں جانتے

---

[1] اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر جو ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر ۱۲ [2] بتا ہم کو سیدھی راہ ۱۲ [3] سو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا ۱۲

قطعہ

اے ہنرہا نہادہ برکف دست عیبہا را گرفتہ زیر بغل
تا چہ خواہی خریدن اے مغرور روز درماندگی بسیم دغل

پس جو کوئی اپنے عیب جاننا چاہے اس کے چار طور ہیں اول یہ کہ جو مرشد کہ عیوب نفس جان سکتا ہو اور آفات پوشیدہ کو معلوم کر سکتا ہو اس کے سامنے بیٹھے اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے اور جو کچھ وہ مجاہدہ بتلاوے اس کے بموجب عمل کرے یہ حال مرید کا مرشد کے ساتھ ہے کہ مرشد عیوب نفس اور علاج دونوں بتلا دیتا ہے مگر اس وقت میں ایسے شخص کا وجود کمیاب ہے دوسرے یہ کہ کسی اپنے دوست صادق متدین عقل سے کہے کہ میرے احوال اور افعال کو تاکتے رہو اور جو کچھ میرے اخلاق و افعال ظاہری و باطنی میں برا ہو اس سے مجھ کو اطلاع کردو اکابر ائمہ دین اسی طرح کیا کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ خدا کی رحمت ہو اس شخص پر جو مجھ کو میرے عیب بتلاوے حضرت سلمان فارسیؓ سے اپنے عیوب کو پوچھا کرتے جب حضرت سلمان آپ کے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ کوئی ایسی بات بھی میری تم تک پہنچی ہے جو تمہیں بری معلوم ہو انہوں نے عرض کیا کہ اس بات سے مجھ کو معاف رکھئے آپ نے باصرار پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے دسترخوان پر دو سالن جمع کئے اور آپ کے پاس دو لباس ہیں ایک رات کا ایک دن کا آپ نے فرمایا کہ اس کے سوا کچھ اور سنا ہے انہوں نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ ان دونوں سے تسلی رکھو ان کی ایک وجہ ہے اور حضرت حذیفہؓ سے پوچھتے کہ آپ منافقین کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز دار ہیں یہ بتاؤ کہ مجھ میں تو کوئی نشان نفاق کا نہیں پاتے سبحان اللہ باوجود اس جلالت کے شان اور علو مکان کے آپ اپنے نفس کو اس قدر متہم کرتے تھے پس جو کوئی عقل زیادہ اور منصب عالی رکھتا ہو گا وہ عیب کمتر کرے گا اور سب سے زیادہ اپنے نفس پر تہمتیں باندھے گا اور اس زمانہ میں ایسا دوست ملنا دشوار ہے کہ منہ دیکھے پر کا لحاظ بر طرف کر کے عیب بتلاوے یا حسد کے باعث جلنا چاہے اس سے زیادہ نہ کہے آج کل کے دوست حاسد اور خود غرض ہیں کہ جو عیب نہ ہو اس کو بھی عیب جانیں یا خوشامد کے مارے عیب چھپا دیں اسی جہت سے داؤد طائی نے لوگوں سے کنارہ کر لیا تھا جب ان سے پوچھا کہ لوگوں سے آپ کیوں نہیں ملتے انہوں نے کہا میں ایسے لوگوں سے مل کر کیا کروں جو میرے عیب پوشیدہ رکھیں غرض کہ ارباب دین کی آرزو یہی ہوتی تھی کہ دوسرے کے بتلانے سے اپنے عیبوں پر متنبہ ہوں لیکن اب زمانہ ایسا ہو گیا ہے کہ کوئی نصیحت کی بات کہے اور ہم کو ہمارے عیب بتلاوے وہ سب سے بڑھ کر دشمن گنا جاتا ہے اور یہ علامت ضعف ایمان کی ہے کیونکہ اخلاق بد مثل سانپ اور بچھو کے ہیں پس اگر کوئی ہم سے یوں کہے کہ تمہارے کپڑوں میں بچھو ہے تو اس کا ممنون ہونا چاہیئے اور خوش ہو کر اس کے علیحدہ کرنے اور قتل کرنے میں کوشش کرنی چاہیئے حالانکہ بچھو کا زہر اور رنج صرف ایک روز یا اس سے بھی کم رہتا ہے اور اخلاق بد کا وبال یہ خوف ہے کہ بعد موت بھی ہمیشہ کو ہزاروں برس رہے تو جو کوئی ان کا حال ہم کو بتلاتا ہے اس سے خوش نہیں ہوتے اور ان کے دور کرنے میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ اس کے مقابلے میں کوئی عیب نصیحت کنندہ کا کہنے لگتے ہیں کہ تم میں بھی فلاں عیب ہے اور اس عیب جوئی کی جہت سے اس کی نصیحت کا فائدہ مہمل ہو جاتا ہے اور یہ امر کثرت ذنوب سے سختی دل کا نشان ہے اور اصل سب کی وہی ضعف ایمان ہے ہم اللہ سے چاہتے ہیں کہ ہم کو راہ راست دکھلاوے اور ہمارے عیبوں پر ہم کو مطلع کر کے اس کے علاج میں مصروف کر دے اور اس بات کی توفیق عنایت کرے کہ جو کوئی عیب ہم کو بتلاوے اس کے ممنون اور مشکور ہوں تیسرا طور یہ ہے کہ اپنے عیب دشمنوں کی زبانی معلوم

کرے کہ وہ لوگ عیوب ہی کے درپے رہتے ہیں اور غالب یہ ہے کہ آدمی اس باب میں بہ نسبت دوستوں کے دشمنان عیب جو سے زیادہ نفع حاصل کر سکتا ہے اس لیئے کہ دوست خوشامد کی بہت سے عیب نہیں ظاہر کرتے مگر آدمی کی پیدائش میں یہ بات ہے کہ دشمن کے قول کو جھوٹا اور مبنی بر حسد جانتے ہیں لیکن اہل بصیرت دشمنوں کے قول سے بھی فائدہ مند ہوتے ہیں اس لیئے کہ برائیاں ضرور ان کی زبانوں پر مذکور ہوتی ہیں چوتھا طور یہ ہے کہ آدمیوں سے مل کر جو بات ان میں بری دیکھے اپنے نفس کو اس پر متنبہ کرے اس لیئے کہ مومن ایک دوسرے کا آئینہ ہوتا ہے دوسرے کے عیب دیکھ کر اپنے عیب معلوم کرے اور جانے کہ طبیعتیں سب کی قریب قریب ہوتی ہیں جو بات ایک میں ہوگی اس کی اصل دوسرے میں ہوگی یا اس سے بڑھ کر ہوگی اسی طرح جو بات دوسرے سے بری معلوم ہو اس بات کو اپنے نفس سے دور کرے اور یہ تادیب بہت عمدہ ہے اگر آدمی اس پر عمل کریں تو مرشد و مودب کی کچھ حاجت نہ ہو حضرت عیسٰی علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو ادب کس نے سکھایا آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ادب کسی نے نہیں سکھایا جاہل کی جہالت مجھ کو بری معلوم ہوئی اس سے میں نے کنارہ کیا اور یہ طور ان لوگوں کے لیئے ہیں جن کو ایسا استاد کامل میسر نہ ہو جو عارف اور ذکی اور عیوب نفس سے واقف ہو اور شفقت سے دین کی نصیحت کرے اور اپنے نفس سے تہذیب سے فارغ ہو کر اللہ کے بندوں کی تہذیب و تعلیم میں مشغول ہو ورنہ جس کو ایسا مرشد میسر آجاوے تو گویا طبیب مل گیا اس کا پیچھا نہ چھوڑے وہ اس کا مرض کھو دے گا اور ہلاکت سے بچا دے گا

۸. ترک شہوات قلبی امراض کا علاج ہے

جاننا چاہیئے کہ بیان مذکورہ بالا اگر بنظر تامل اور اعتبار کے دیکھا جاوے تو آدمی کی بصیرت کھل جاوے اور امراض قلوب مع ان کے علاج کے نور علم و یقین سے معلوم ہو جاویں پس اگر اس سے عاجز ہو تو یہ ضرور چاہیئے کہ اس کی تصدیق اور ایمان براہ تقلید حاصل ہو کیونکہ ایمان کا درجہ جدا ہے اور علم کا جدا علم بعد ایمان کے حاصل ہوتا ہے اور اس کا درجہ بھی ایمان کے اوپر ہے[ت۱] قال اللہ تعالیٰ یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت پس جس شخص نے اسبات کی تصدیق کی کہ شہوت کی مخالفت موصل الی اللہ ہے اس کا سبب اور بھید نہیں جانا تو وہ ایمان والوں میں ہے اور جب سبب اور بھید پر بھی وقوف ہو گیا تو علم والوں میں ہوا[ت۲] وکلا وعد اللہ الحسنیٰ ....ؕ اور اس بات پر ایمان لانا قرآن و حدیث اور اقوال علما سے ثابت ہے[ت۳] ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ اور فرمایا[ت۴] اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ اس کی تفسیر یوں ہے کہ ان کے دلوں سے محبت نکال لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۵] المؤمن بین خمس شدآئد مؤمن یحسدہ ومنافق یبغضہ وکافر یقاتلہ وشیطان یضلہ ونفس تنازعہ اس میں بیان فرمایا کہ آدمی کا نفس دشمن نزاع کنندہ ہے اس کے

[ت۱] اللہ تعالیٰ اونچے کرے ان کے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں اور علم بڑے درجے ۱۲ [ت۲] اور سب کو وعدہ دیا اللہ نے خوبی کا ۱۲ [ت۳] اور روکا جی کو چاؤ سے تو بہشت ہی ہے ٹھکانا [ت۴] وہی ہیں جس کے دل جانچے ہیں اللہ نے ادب کے واسطے ۱۲ [۵] مومن پانچ سختیوں میں ہے ایک تو مومن اس کا حسد کرتا ہے اور دوسرے منافق اس سے بغض رکھتا ہے تیسرے کافر اس سے لڑتا ہے چوتھے شیطان اس کو بہکاتا ہے پانچویں نفس اس سے نزاع کرتا ہے ۱۲ ابوبکر بن بلال اور مکارم الاخلاق بروایت انس بسند ضعیف ۱۲

مجاہدہ واجب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اے داؤد اپنے اصحاب کو شہوات کے کھانے سے ڈراؤ اور بچاؤ کیونکہ جن قلوب کی عقلیں شہوات دنیاوی سے متعلق ہیں وہ مجھ سے محجوب ہیں اور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خوشحال اس شخص کا جس نے حال کی شہوت کو بن دیکھے وعدہ کے لیئے چھوڑ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو فرمایا جو جہاد سے پھر کر آئے تھے[ح۱] مرحبا بکم قد متم من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر لوگوں نے پوچھا کہ جہاد اکبر کیا چیز ہے آپ نے فرمایا جہاد النفس اور فرمایا[۲۶] المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله اور فرمایا کفااذاك عن نفسك ولاتتابع هواها فی معصية الله تعالیٰ اذاتخاصمك يوم القيامة فيلعن بعضك بعضاً الاان يغفر الله تعالیٰ ويستر[۱] اور حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ نفس سے سخت تر علاج میں نے کسی چیز کا نہیں دیکھا کبھی تو میرے مفید ہوتا ہے اور کبھی مضر اور ابوالعباس موصلی اپنے نفس سے کہتے کہ نہ تو شہزادوں کے ساتھ دنیا کا مزہ پاتا ہے اور نہ آخرت کی طلب میں عابدوں کے ساتھ محنت اٹھاتا ہے کیا مجھ کو دوزخ اور جنت کے بیچ قید کرے گا شرم نہیں کرتا اور حسن بصری[رح] فرماتے کہ نفس سے زیادہ سرکش گھوڑے کو بھی لگام سخت کی حاجت نہیں ہوتی اور یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ نفس کے ساتھ ریاضت کی تلواروں سے لڑنا چاہیئے اور ریاضت چار طرح پر ہے تھوڑا کھانا تھوڑا سونا بقدر حاجت بولنا اور سب لوگوں کی ایذا کو سہنا تھوڑے کھانے سے شہوت مر جاتی ہے اور تھوڑے سونے سے نیت صاف ہوتی ہے اور کم بولنے سے آفتوں سے سلامت رہتا ہے اور ایذا کی برداشت سے اقصیٰ مراتب کو پہنچتا ہے اور بندہ پر حلم اور برداشت جفا کے برابر کوئی چیز سخت نہیں پس جب نفس میں سے ارادہ شہوت کا اٹھے یا شیرینی کلام بیہودہ کی اس سے جوش مارے اسی وقت چاہیئے کہ شمشیر طلب طعام غلاف کم خوری سے برہنہ کرے اور خاموشی کا تازیانہ اس پر جڑے یہاں تک کہ ظلم اور انتقام سے باز آوے اور ہمیشہ کو اس کے وبال سے چھوٹے اور کدورت شہوات سے اس کو پاک صاف کر دے تب کہیں ان کی آفتوں سے چھٹی ملے اس وقت نوری اور ہلکا پھلکا ہو جاوے گا اور میدان خیرات میں دوڑتا پھرے گا اور طاعت کے رستوں میں سرپٹ گھوڑے کی طرح جولانیاں کرے گا اور ایسا ہو جائے گا جیسے بادشاہ چمن میں سیر کرتا ہے اور یہ بھی انہوں نے ہی فرمایا ہے کہ انسان کے دشمن تین ہیں دنیا اور شیطان اور نفس تو دنیا سے تو زہد کرنے سے بچنا چاہیئے اور شیطان سے اس کی مخالفت کرنے سے اور نفس سے ترک شہوات سے اور بعض حکما کا قول ہے کہ جس شخص پر نفس غالب ہو جاتا ہے وہ اس کی چاہ کی چاہ میں قید ہو جاتا ہے اور بیڑیاں اور طوق پڑ جاتے ہے باگ اس کے قبضہ میں ہوتی ہے جدھر چاہتا ہے لیئے پھرتا ہے قلب کے فوائد سے مانع ہوتا ہے اور امام جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس پر علماء اور حکماء کا اتفاق ہے کہ عیش دائمی بے عیش چھوڑے نہیں ملتا اور ابو یحییٰ وراق[رح] فرماتے ہیں کہ جس نے اعضاء کی خوشی شہوات کے ارتکاب سے کی اس نے مزرعہ دل میں تخم ندامت بویا اور وہیب بن الورد[رح] فرماتے

[ح۱] تم کو مرحبا ہے تم جہاد اصغر سے بڑے جہاد کی طرف آئے ۱۲ [۲۶] باب اول میں گزری ۱۲ مجاہدہ ہے جو اپنے نفس سے خدائے عزوجل کی طاعت میں جہاد کرے ترمذی ابن ماجہ بروایت فضالہ بن عبید رض [ح۳] اپنی ایذا اپنے نفس سے روک اور خدا تعالیٰ کی حقیقت میں اور اس کی خواہش کے درپے مت ہو اس صورت میں وہ قیامت کے روز تجھ سے خصومت کرے گا اور تیرا ایک ٹکڑا دوسرے کو لعنت کرے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مغفرت کرے اور پردہ پوشی فرماوے ۱۲ ان لفظوں سے مجھے سند نہیں ملی ۱۲

ہیں کہ بقدر ضرورت سے زیادہ خواہش ہو تو نفس میں داخل ہے اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ جو کوئی شہوات دنیا سے محبت کرتا ہے چاہیئے کہ ذلت کے واسطے تیار رہے روایت ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اس وقت میں کہ آپ مالک مصر ہو گئے تھے عرض کیا اے یوسف حرص اور شہوت نے بادشاہوں کو غلام کر دیا اور صبر اور تقویٰ نے غلاموں کو بادشاہ بنا دیا آپ نے فرمایا کہ یہ تو خدا ہی نے کہا ہے انه من یتق و یصبر فان الله لا یضیع اجر المحسنین ط اور حضرت جنید فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں جاگا اور نماز پر کھڑا ہوا کچھ وہ لذت نہ ملی جو ہمیشہ ہوتی تھی تو ارادہ کیا کہ سو رہوں یہ بھی نہ ہو سکا پھر بیٹھنا چاہا تو یہ بھی ممکن نہ ہوا آخر مکان سے نکلا تو دیکھا کہ ایک آدمی کمبل میں لپٹا ہوا راستہ میں لیٹا ہے جب اس نے میری آہٹ سنی تو کہا اے ابو القاسم اس وقت ذرہ میرے پاس آنا میں نے کہا میاں صاحب پہلے سے تو آپ نے اطلاع نہیں فرمائی اس نے کہا ٹھیک ہے میں نے اللہ سے دعا مانگی تھی کہ تمہارے دل کو میرے لیئے حرکت دے میں نے کہا یہ تو اللہ تعالیٰ نے کیا اب آپ فرمائیں کیا مطلب ہے اس نے کہا کہ نفس کا درد کس وقت اس کا علاج ہوتا ہے میں نے جواب دیا کہ جب آدمی خواہش نفس کے خلاف کرتا ہے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے مگر یہی اس کا علاج اور دوا ہے پس وہ شخص اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ سن میں نے تجھ کو سات بار یہی جواب دیا تھا تو نے نہ مانا اور کہا کہ جنید سے سنوں گا اب سن لیا پھر وہ شخص چل دیا اور میں نے نہ پہچانا اور یزید رقاشی فرمایا کرتے کہ یارو ٹھنڈا پانی مجھ کو دنیا میں نہ دو ایسا نہ ہو کہ آخرت میں اس سے محروم رہوں اور ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے دریافت کیا کہ میں کس وقت کلام کیا کروں آپ نے فرمایا کہ جب نفس خاموشی چاہے اس نے پوچھا کہ چپ کس وقت رہوں فرمایا کہ جب وہ بولنا چاہے اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جس کو شوق جنت کا ہو وہ دنیا میں شہوات سے الگ رہے اور حضرت مالک بن دینار بازاروں میں پھرتے جب کوئی چیز اپنے جی چاہتی دیکھتے تو نفس سے کہتے کہ صبر کرنا چاہیئے بخدا کہ میں تجھ کو منع کرتا ہوں صرف تجھ کو اپنے نزدیک بڑا سمجھ کر روکتا ہوں ان سب روایتوں سے معلوم ہوا کہ علماء و حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سعادت اخروی کا طریق سوائے روکنے نفس کے ہوائے نفسانی سے اور مخالفت شہوات کے اور کوئی نہیں تو اس پر ایمان واجب ہے اور علم تفصیل اس امر کا کہ شہوت سے کونسی شے ترک کرنی چاہیئے اور کون سی نہیں اس بیان سے معلوم ہوتا ہے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں اور اصل ریاضت اس کا نام ہے کہ جو چیز قبر میں نہ جائے اس سے نفس کو بقدر ضرورت بہرہ مند کرے یعنی کھانا اور لباس اور نکاح اور مسکن اور جو چیزیں کہ ضروری ہوں اس سے بقدر حاجت و ضرورت مستفید ہو اگر اس قدر سے کچھ بھی زیادتی کرے گا تو اسی قدر کے ساتھ انس و الفت ہو گی جب مرے گا تو اسی جہت سے تمنا دنیا میں پھر آنے کی تمنا اسی کو ہو گی جس کو آخرت سے بہرہ نہ ہو اور اس سے نجات کی صورت بھی ہے کہ قلب خدا کی معرفت اور محبت اور فکر میں مشغول رہے اور اسی کا ہو رہے اور دنیا سے اسی قدر پر قناعت کرے جو فکر اور ذکر کی مانع نہ ہو اور یہ باتیں سب اسی کی عنایت سے میسر ہوتی ہیں پس جو کوئی اس ریاضت حقیقی تک پہنچ سکے یا اس کے قریب قریب پہنچنے کا قصد کرے اس باب میں لوگ چار طرح پر ہیں ایک وہ ہے کہ اس کا قلب ذکر الٰہی میں مستغرق ہے اور دنیا کی طرف سوائے ضرورت معیشت کے التفات ہی نہیں کرتا

ف البتہ جو کوئی پرہیز گار ہو اور ثابت ہے تو اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا ۱۲

ایسا شخص صدیقین میں سے ہے مگر یہ رتبہ بہت دنوں کی ریاضت اور مدت تک ترک شہوات کے بعد ملتا ہے ؎

عمرے باید کہ یار آید بہ کنار   ایں دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

دوسرا وہ شخص ہے کہ دنیا میں اس کا دل ڈوبا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بطور حدیث نفس کے آجاتا ہے یعنی صرف زبان سے ذکر کرتا ہے نہ دل سے تو ایسا شخص ہالکین میں سے ہے تیسرا وہ شخص ہے کہ دنیا اور دین دونوں میں مشغول ہے لیکن قلب پر دین غالب ہے تو ایسا شخص آگ میں ضرور جائے گا مگر جس قدر دل پر غلبہ ذکر الٰہی ہوگا اسی قدر جلد نجات پاوے گا چوتھا وہ شخص ہے کہ دونوں میں مشغول ہے مگر دنیا کا غلبہ دل پر ہے تو یہ شخص دوزخ میں زیادہ رہے گا لیکن اس میں سے بیشک نکلے گا کیونکہ دنیا اس کے دل پر غالب تھی مگر خدا کا ذکر بھی نہ دل سے کرتا تھا اسی قوت سے نجات حاصل ہوگی الٰہی ہم کو ذلت و رسوائی سے بچانا ؎

نفس شیطان زد کریما راہ ما   رحمتت باد اشفاعت خواہ ما

بعضے لوگ یہ کہتے ہیں کہ اشیاء مباح سے لذت لینی مباح ہے تو اس سے خدا کی دوری کیسے ہوگی مگر یہ ان کا خیال خام ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ دوستی دنیا کی ہر ایک گناہ کی جڑ ہے اور ہر ایک حسنہ کو حبط کرتی ہے اور مباح شے جو ضرورت سے زیادہ ہوگی بیشک دنیا ہی ہے اور دوری کا سبب ہوتی ہے چنانچہ اس کا ذکر ذم دنیا کے باب میں آوے گا ابراہیم خواص فرماتے ہیں میں ایک دفعہ پہاڑ لکام پر تھا مجھ کو انار نظر پڑے اور دل چاہا تو ایک توڑ کر چیرا تو کھٹا پایا آسے ڈال کر چل دیا راہ میں ایک شخص پڑا ہوا تھا اور اس پر بھڑیں جمع تھیں میں نے اس سے کہا السلام علیک یا ابراہیم میں نے پوچھا کہ تم نے مجھے کیسے پہچانا اس نے کہا کہ جو خدا کو پہچانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی میں نے کہا آپ تو رسیدہ ہیں خدا سے دعا کیوں نہیں مانگتے کہ ان بھڑوں سے تم کو بچاوے اس نے جواب دیا آپ بھی تو رسیدہ ہیں دعا کیوں نہیں کرتے کہ انار کی خواہش سے تمہارے دل کو بچاوے بھڑوں کا رنج تو دنیا تک ہی ہے شہوات کا دکھ تو آخرت تک رہے گا میں چپ ہو کر چلا گیا اور سریؒ فرماتے ہیں کہ چالیس برس سے میرا نفس یوں چاہتا ہے کہ روٹی چھوہارے کے شیرہ میں تر کر کے کھاؤں مگر میں نے نہ کھائی اس سے معلوم ہوا کہ اصلاح قلب طریق آخرت کے سلوک کے لیئے نہیں ہوتی جب تک کہ نفس کو شہوات سے اور مباح چیزوں کی لذت سے روکا نہ جاوے اس لیئے کہ مباحات کی لذت سے محظورات میں پڑ جاتا ہے مثلاً اگر کوئی چاہے کہ زبان سے غیبت اور فضول بات نہ نکلے تو اس کو چاہیئے کہ بجز ذکر الٰہی یا ضروریات دین کے اور کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالے اور سکوت اختیار کرے یہاں تک کہ شہوات کلام فنا ہو جائے پھر جو کلام نکلے گا وہ حق ہوگا اور سکوت اور کلام دونوں عبادت ہونگے اور جب آنکھ میں یہ عادت ظاہر ہو کہ ہر ایک اچھی چیز کی طرف پڑتی ہے تو حرام چیزوں پر بھی پڑے گی اور علیٰ ہذا القیاس اور شہوات کو خیال کرو کیونکہ حلال اور حرام دونوں کی شہوات تو ایک ہی ہے اور بندہ کو حکم ہے کہ حرام سے شہوت کو روکے پس اگر مقدار حاجت پر کفایت کا عادی نہ ہوگا تو شہوت کا غلبہ ہو جاوے گا اور یہ ادنیٰ آفت مباحات کی ہے اس کے سوا اور بڑی آفتیں ہیں وہ یہ ہے کہ لذت دنیا پاکر نفس خوش ہوتا ہے اور اس کی طرف میل اور اطمینان کرتا ہے اور اترا کر پھولا نہیں سماتا اور ایسا ہو جاتا ہے جیسا کوئی متوالا کہ کبھی ہوش میں نہیں آتا اور یہ خوشی اس کے حق میں زہر قاتل ہے یہ رگ و ریشہ میں پھیل جاتی ہے اور دل سے خوف اور ذکر موت

اور احوال قیامت کا یک لخت اڑا دیتی ہے اسی کا نام موت قلب ہے اور قرآن مجید میں اکثر جا مذمت دنیا اور اس پر خوش ہونے کی موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہوا[ف۱] ورضوا بالحیٰوۃ الدنیا واطمانوا بھا اور فرمایا[ف۲] وما الحیٰوۃ الدنیا فی الآخرۃ الا متاع اور فرمایا[ف۳] اعلموا انما الحیٰوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد خدا تعالیٰ ان آفات سے بچاوے علاوہ ازیں جو لوگ ارباب قلوب ہیں محتاط ہیں انہوں نے امتحان کیا ہے تو دنیاوی خوشی کی حالت میں دل کو سخت اور سرکش اور ذکر سے کم متاثر پایا اور غم کی حالت میں نرم اور صاف اور متاثر معلوم کیا اس سے جان لیا کہ نجات آدمی کی اسی میں ہے کہ مدام غمگین رہے اور اسباب خوشی اور طغیان سے کوسوں دور اسی لیئے اپنے نفسوں کو اس بات کی عادت ڈالی کہ شہوات خواہ حلال ہوں یا حرام سب پر صبر کرے اور جتنے اس کے مقرار دہ کھانے تھے اس کو سب سے علیحدہ کر دیا اور یہ بھی جان لیا کہ حلال شہوت میں بھی حساب ہوتا ہے جو ایک قسم کا عذاب ہے اس لیئے کہ جس سے مناقشہ حساب کا ہو گا عرصات قیامت میں کیسی تکلیف اٹھاوے گا ان باتوں کے لحاظ سے انہوں نے اپنے نفسوں کو اس تکلیف سے بچا لیا اور شہوت کی غلامی اور قید سے چھوٹ کر دونوں جہان کی آزادی اور بادشاہت لی اور خدا تعالیٰ کے ذکر و طاعت سے شغل و انس حاصل کیا اور اپنے نفسوں سے وہ معاملہ کیا جو باز سے تادیب کے وقت کیا جاتا ہے یعنی اولاً باز کو اندھیرے مکان میں رکھتے ہیں اور اس کی آنکھیں سی دیتے ہیں تاکہ ہوا میں اڑنا چھوڑ دے جس کا پہلے سے عادی تھا وہ موقوف ہو جاوے بعد اس کے اس کو گوشت پر لگاتے ہیں تاکہ اپنے مالک کو پہچان لے اور جب اس کی آواز سنے اس کے پاس پھر آوے اسی طرح نفس بھی اپنے رب سے مانوس نہیں ہوتا اور نہ اس کے ذکر سے الفت کرتا ہے لیکن اول اس کی عادتیں خلوت اور عزلت سے چھڑائی جاتی ہیں اور کان اور آنکھ کی ان مالوف چیزوں سے حفاظت کی جاتی ہے پھر ذکر و ثنا کی عادت ڈالی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کو اسی سے انس ہو جاوے اور انس دنیاوی مع تمام شہوات نسیاً منسیاً ہو جاوے اور یہ امر مرید کو اول میں گراں گزرتا ہے مگر انجام میں چاٹ پڑ جاتی ہے جیسے شیر خوار لڑکے کا دودھ چھوڑا دیں تو کیسا روتا ہے اور عوض دودھ کے جو کھانا اس کے سامنے لاتے ہیں اس سے بھی نفرت کرتا ہے مگر جب سرے سے دودھ نہیں ملتا بلکہ اس کو برا جانتا ہے اسی طرح بچھڑا اول اول لگام اور زین اور سواری سے بھاگتا ہے لیکن زبردستی اس سے کام لیا جاتا ہے اور چھوٹے رہنے کی عادت چھڑانے کو اگاڑی پچھاڑی لگائی جاتی ہے مگر رفتہ رفتہ ایسا مؤدب ہو جاتا ہے کہ جس جگہ سوار چھوڑ دے وہاں سے نہیں ہلتا گو بندھا نہ ہو انہیں چیزوں کی تادیب کی طرح نفس کی تادیب بھی ہوتی ہے اور اس کو ادب اس طور دیتی ہیں کہ لذائذ دنیاوی کے دیکھنے اور ان سے انس اور خوشی حاصل کرنے سے روک دیتے ہیں بلکہ جتنی چیزیں کہ موت کے بعد اس سے چھوٹ جاتی ہیں سب کا انس چھڑا لیتے ہیں اور یوں سمجھاتے رہتے ہیں کہ جس چیز کے ساتھ چاہے محبت کر انجام کو چھوڑنی پڑے گی جب اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ جو شخص کسی چیز کی طرف دل لگا دے گا بیشک درد فراق میں مبتلا ہو گا اور جدا ہونا ضروری ہے تو اس نصیحت سے ایسی چیز کی محبت کرتا ہے جس

[ف۱] اور راضی ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر چین پکڑا ۱۲ [ف۲] اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا برتنا ۱۲ [ف۳] جان رکھو کہ دنیا کا جینا یہی ہے کھیل اور تماشا اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتایت ڈھونڈھنی مال کی اور اولاد کی ۱۲

سے کبھی جدا نہ ہو یعنی ذکر الٰہی کہ قبر میں بھی ساتھ رہے گا جدا نہ ہو گا اس بات کے واسطے چند روز صبر کرنا پڑا ہے یعنی مدت حیات تک جو بہ نسبت حیات آخرت کے بہت ذرا سی ہے دیکھو عاقل آدمی اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ چندے سفر کر کے کوئی کام یا پیشہ ایک آدھے مہینے میں ایسا سیکھ لیں جس سے ایک برس خواہ عمر بھر کو چین ہو جاوے پس اگر حساب کرو تو مدت زندگی بہ نسبت ابدالآباد کے اتنی بھی نہیں ہوتی جتنی مدت ایک مہینہ کی بہ نسبت ایام زندگی تو اتنے دنوں کا صبر اور مجاہدہ اسی خوشی دائمی کے لیئے بہت ضروری ہے اور طریق مجاہدہ اور ریاضت کا اعتبار احوال ہر ایک انسان کے مختلف ہے مگر کلیہ یہ ہے کہ اسباب دنیا میں جس شخص کو اس سے خوشی ہو اس کو ترک کر دے مثلاً جو لوگ مال اور جاہ سے خوش ہوتے ہیں یا اپنے وعظ کی تاثیر سے خوش ہوتے ہوں یا ریاست و حکومت کی عزت سے یا کثرت تلامذہ سے خوش ہوتے ہوں تو ان کو چاہیئے کہ اول ان چیزوں کو دل سے بھلا دیں پھر اس کے بعد اگر کوئی چیز ان چیزوں میں ان سے روک دی جاوے اور کہا جاوے کہ تم کو اس کے نہ ملنے سے کچھ آخرت کا ثواب کم نہیں ہو گا اور وہ اس سے ناراض ہوں اور رنج اٹھاویں تو معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ [ف۱] رضوا بالحیٰوۃ الدنیا واطمانوا بھا اور یہ ان کے حق میں زہر ہے جب اسباب فرح چھوڑ دے تو لوگوں سے الگ ہو کر اپنے دل کا نگران رہے یہاں تک کہ بجز ذکر اور فکر الٰہی کے اور کسی چیز میں مشغول نہ ہو اور کچھ نفس میں وسوسہ یا شہوت ظاہر ہو اس کو تاکتا رہے جب ہی کچھ پیدا ہو فوراً اس کی جڑ اڑا دے یعنی ظہور وسوسہ کے لیئے کوئی سبب ضرور ہے پس اس کا استیصال اس سبب کے قطع کرنے سے ہو گا اور اسی طرح عمر بھر کرتا رہے اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ نفس کی انتہا موت ہی ہے

۹ حسن خلق کی تمیز اور اس کی علامتیں

جاننا چاہیئے کہ آدمی کو اپنے عیوب کی خبر نہیں ہوتی پس جب ذرہ سا مجاہدہ کر کے بڑے بڑے گناہ چھوڑ دیتا ہے تو جاننے لگتا ہے کہ اب میں مہذب ہو گیا اور مجھ میں حسن خلق آگیا اب مجاہدہ کی ضرورت نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ علامات حسن خلق بتلا دی جاویں کیونکہ حسن خلق عین ایمان ہے اور سوء خلق عین نفاق اور کتاب مجید میں خداوند کریم نے صفات مومنین اور منافقین کے بیان کر دیئے ہیں اور وے سب نتیجہ حسن خلق اور سوئے خلق کے ہیں کچھ ہم یہاں بیان کرتے ہیں تاکہ نشانی حسن خلق کی معلوم ہو جاوے فرمایا [ف۲] قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون آخر او لٰئک ھم الوارثون تک [ف۳] التائبون العابدون الحامدون سے وبشر المؤمنین

[ف۱] راضی ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر چین پڑی ۱۲ [ف۲] کام نکال گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں اور نکمی بات پر دھیان نہیں دھرتے اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور اپنی شہوت کی جگہ روکتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال پر سو ان کو اولاہنا نہیں پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا وہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور جو اپنی امانتوں اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں وہی ہیں میراث جنت لینے والے ۱۲ [ف۳] توبہ کرنے والے بندگی کرنے والے شکر کرنے والے بے تعلق رہنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے حکم کرنے والے نیک بات کو منع کرنے والے بری بات سے اور حفاظت کرنے والے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کی اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو ۱۲

تک اور فرمایا[ت۱] وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما آخر سورۃ تک پس جس کسی کو اپنے حال میں کچھ شک پڑے تو ان آیتوں کے مطابق اپنے آپ کو دیکھے اگر سب باتیں ان میں انہیں کے مطابق ہوں تو حسن خلق حاصل ہو اگر کوئی مطابق نہیں تو سوء خلق کی علامت ہے اور اگر تھوڑی باتیں مطابق ہیں اور تھوڑی نہیں تو اسی قدر نقصان ہے ایسی صورت میں جو بات حاصل ہو گئی ہو اس کی حفاظت کرے اور دوسری بات کی تلاش اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کو بہت صفات سے ذکر فرمایا ہے اور ان سب سے اشارہ محاسن اخلاق کی طرف فرمایا ہے مثلاً یہ ارشاد کیا[ح۱] المؤمن یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ اور فرمایا[ح۲] من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم اور ایک روایت[ح۳] فلیکرم جارہ اور ایک میں[ح۵] فلیقل خیرًا او یصمت ہے اور یہ بھی بیان فرمایا کہ صفات مومنین کے حسن خلق ہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا[ح۶] اکمل المؤمنین ایمانًا احسنھم اخلاقًا اور فرمایا[ح۷] اذا رایتم المؤمن صموتًا وقورًا فادنوا منہ فانہ یلقن الحکمۃ اور فرمایا[ح۸] من سرتہ حسنتہ وساءتہ سیئتہ فھو مؤمن۔

اور فرمایا لا یحل للمؤمن لمسلم ان یروع مسلمًا اور فرمایا انما یتجالس المتجالسان بامانۃ اللہ عزوجل فلا یحل لاحدھما ان یفشی علی اخیہ ما یکرھہ اور بعض لوگوں نے سب علامات حسن خلق کو جمع کر دیا ہے اور فرمایا

[ت۱] اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ کہیں صاحب سلامت اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں یا کھڑے اور وہ جو کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب بیشک اس کا عذاب بڑی چٹی ہے وہ بری جگہ ہے ٹھہراؤ کی اور بری جگہ رہنے کی اور جب خرچ کرنے لگیں نہ اڑا دیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ میں سیدھی گزران اور وہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ اور حاکم اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کیا اللہ نے مگر جہاں چاہئے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ پڑے گناہ میں دونا ہو اس کا عذاب دن قیامت کے اور پڑا رہے اس میں خوار ہو کر مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدلا دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیوں کا اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان اور جو کوئی توبہ کرے اور نیک کام سو وہ پھرتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر نکل جاویں بزرگی رکھ کر اور وہ کہ جب ان کو سمجھائی جائیں انکے رب کی باتیں نہ پڑیں ان پر بہرے اندھے اور وہ جو کہتے ہیں اے میرے رب دے ہم کو عورتوں کی طرف اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کے آگے ان کو بدلا ملے گا کوٹھوں کے جھروکے اس پر کہ ٹھہرے رہے اور لینے آویں گے ان کو وہاں دعا اور سلام کہتے ہوئے رہا کریں ان میں خوب جگہ ہے ٹھہراؤ کی اور خوب جگہ رہنے کی تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری اگر تم اس کو پکارا کرو سو تم جھٹلا چکے اب آگے ہونا ہے بھیڑا ۱۲ [ح۱] مومن اپنے بھائی کے واسطے وہ چیز چاہتا ہے جو اپنے لئے چاہتا ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت انس بلفظ لا یؤمن احدکم حتیٰ یحب ۱۲ [ح۲] جو شخص ایمان رکھتا ہے اللہ اور آخرت کے دن پر اس کو چاہیے کہ اکرام کرے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [ح۳] چاہیے کہ اکرام اپنے ہمسایہ کا کرے ۱۲ [ح۵] چاہیے کہ اچھی بات کہے یا چپ رہے یہ بھی پہلی حدیث کا ٹکڑا ہے ۱۲ [ح۶] ایمانداروں میں سے کامل تر ایمان وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہے ۱۲ پہلے کئی بار گزری ۱۲ [ح۷] جب تم مومن کو چپکا وقار والا دیکھو تو اس سے قریب ہو کہ وہ حکمت سکھایا جاتا ہے ۱۲ ابن ماجہ نے یہ مضمون اور لفظوں میں بروایت ابی خلاد بیان کیا ہے ۱۲ [ح۸] جس شخص کو اپنی نیکی اچھی معلوم ہو اور برائی بری وہ شخص مومن ہے ۱۲ طبرانی و حاکم بروایت ابوموسیٰ و ابوامامہ [ح۹] کسی مومن کو نہیں جائز ہے کہ اپنے بھائی کو ایسی نگاہ سے دیکھے جس سے اس کو ایذا ہو ۱۲ ابن مبارک در زہد مرسلاً [ح۱۰] کسی مسلمان کو نہیں جائز ہے کہ کسی مسلمان کو ڈراوے ابو داؤد بروایت ابن ابی لیلیٰ ۱۲ [ح۱۱] دو ہم نشین خدا تعالیٰ کی امانت پر پاس بیٹھتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو نہ چاہئے کہ ایسی بات دوسرے سے کہے جو اس کو بری معلوم ہو باب آداب الصحبۃ میں گزری ۱۲۔

کہ خوش خلق وہ آدمی ہے کہ کثیر الحیا کثیر الصلاح کم آزار کم سخن غیر فضول کثیر العمل کم لغزش راست گفتار نیکو کار صاحب وقار صابر شاکر راضی حلیم رفیق پارسا شفیق بشاش ہو بد گفتار و دشنام دہندہ چغلخور غیبت کنندہ جلد باز کینہ ور بخیل حاسد نہ ہو بغض و غضب اللہ ہی کے واسطے کرے اور حب و رضا بھی اللہ ہی کے لئے انہی باتوں سے خوش خلق ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو علامات مومن اور منافق کو پوچھا تو آپ نے فرمایا ان المومن همته فی الصلوٰة والصیام والمنافق همته فی الطعام والشرب کالبهائم[۱] اور حاتم اصم فرماتے ہیں کہ مومن فکر عبرت میں مشغول رہتا ہے اور منافق حرص و امل میں مومن سوائے خدا کے کسی سے توقع نہیں رکھتا اور منافق بجز اللہ تعالیٰ کے سب سے متوقع رہتا ہے مومن سوائے خدا کے سب سے مامون و نڈر ہے اور منافق سوائے خدا کے سب سے خائف مومن مال دیتا ہے دین نہیں دیتا اور منافق دین دیتا ہے مال نہیں دیتا مومن حسنات کر کے روتا ہے اور منافق گناہ کر کے ہنستا ہے مومن کو خلوت اور تنہائی اچھی معلوم ہوتی ہے اور منافق کو جماؤ اور جماعت اچھی معلوم ہوتی ہے مومن کھیتی کرتا ہے اور اس کے بگاڑ سے ڈرتا ہے اور منافق بیخکنی کرتا ہے اور توقع خرمن کی رکھتا ہے مومن امر و نہی سیاست کی کر کے اصلاح کرتا ہے اور منافق امر و نہی ریاست کی کر کے فساد کرتا ہے اور حسن خلق کا اول امتحان ایذا پر صبر کرنے سے ہوتا ہے پس جو کوئی دوسرے کی بد خلقی کی شکایت کرے اسی کی بد خلقی کی دلیل ہے کیونکہ حسن خلق ایذا اور جفا کی برداشت کا نام ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چادر نجرانی موٹے کنارے کی اوڑھے تشریف لئے چلے جاتے تھے اور آپ کے ہمراہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تھے ایک اعرابی راستہ میں ملا اس نے چادر پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ چادر کا کنارہ آپ کی گردن مبارک میں گھس گیا اور کہا کہ اے محمد تمہارے پاس جو خدا کا مال ہے اس میں سے مجھے بھی دو آپ نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس کر اس کو کچھ دلوا دیا اور قریش نے ایذا اور ضرب جب آپ پر خوب روا رکھی تو فرمایا[۲] اللهم اغفر لقومی فانهم لا یعلمون اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ یہ کلام آپ نے احد کی لڑائی میں فرمایا تھا بہر صورت انہیں باتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا[۳] وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور روایت ہے کہ ایک روز ابراہیم ادہم کسی جنگل میں جاتے تھے ایک سپاہی ملا اس نے کہا کہ تو بندہ ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں اس نے پوچھا کہ بستی کدھر ہے آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا اس نے کہا کہ میں آبادی پوچھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ قبرستان ہی آبادی ہے اس سے سپاہی کو غصہ آیا سر میں ایسا کوڑا مارا کہ سر پھٹ گیا اور ان کو شہر میں پکڑ لایا جب دوست آشنا آئے اور حال پوچھا تو سپاہی نے ماجرا بیان کیا انہوں نے کہا کہ یہ ابراہیم بن ادہم ہیں سپاہی گھوڑے پر سے اتر پڑا اور آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور عذر کرنے لگا بعد اس کے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نے کیوں فرمایا تھا کہ میں بندہ ہوں آپ نے فرمایا کہ اس نے مجھ سے یوں نہیں پوچھا کہ تو کس شخص کا بندہ ہے بلکہ یہ پوچھا کہ تو بندہ ہے چونکہ میں بندہ خدا تھا اس واسطے کہہ دیا کہ بندہ ہوں جب اس نے مجھے مارا تو میں نے

---

[۱] مومن کی ہمت نماز روزہ اور عبادت میں ہوتی ہے اور منافق کی ہمت چوپایوں کی طرح کھانے اور پینے میں ۱۲ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ [۲] بخاری و مسلم بروایت انس ۱۲

[۲] الٰہی میری قوم بخش دے کہ وہ نہیں جانتے ۱۲ ابن حبان و بیہقی در دلائل النبوت بروایت سہل بن سعد اور صحیحین میں بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یوں ہے کہ یہ حال آپ نے کسی نبی کا حکایت کیا ۱۲ منہ [۳] اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر ۱۲

اس کے لیئے دعا جنت کی مانگی لوگوں نے پوچھا اس نے تو آپ پر ظلم کیا تھا آپ نے فرمایا یہ مجھ کو یقین تھا کہ اس مصیبت پر مجھ کو ثواب ملے گا تو میں نے یہ اچھا نہ جانا کہ اس کے باعث مجھ کو ثواب ملے اور میری طرف سے اس کو عذاب ہو ابو عثمان حیری کو کسی شخص نے بنظر امتحان دعوت کے بہانے بلایا جب آپ اس کے گھر گئے تو کہا کہ اس وقت تو مجھ سے کچھ بن نہ سکا آپ وہاں سے پھر آئے جب بہت دور نکل آئے پھر وہ شخص آیا اور کہا کہ جو اس وقت موجود ہے اس پر قناعت کیجئے جب دروازے پر پہنچے تو پہلے جیسا کہا تھا ویسا کہا پھر آپ لوٹ گئے اسی طرح کئی بار بلایا اور پھر لوٹا دیا مگر آپ ذرہ نہ مکدر ہوئے پھر تو وہ شخص پاؤں پر گر پڑا اور کہا کہ میں نے آپ کو آزمانا چاہا تھا سبحان اللہ کیا خلق ہے آپ نے فرمایا جو بات تو نے میری دیکھی وہ تو صفت کتے کی ہے کہ جب بلاؤ چلا آوے اور ہکاؤ تو ہٹ جاوے اور یہ بھی انہیں کا ذکر ہے کہ کسی روز سوار ہو کر ایک کوچہ میں گزرے اوپر سے ان پر راکھ پھینک دی آپ اتر پڑے اور سجدۂ شکر ادا کیا اور کپڑوں پر سے راکھ جھاڑ دی اور کچھ نہ کہا لوگوں نے کہا آپ نے راکھ ڈالنے والے کو جھڑ کا نہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص مستحق آگ کا تھا اس پر راکھ پڑے تو اس کو غصہ مناسب نہیں اور روایت ہے حضرت علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہ کا رنگ سانولا تھا اس جہت سے کہ آپ کی والدہ حبشن تھیں نیشاپور میں آپ کے دروازہ پر ایک حمام تھا جب آپ حمام میں جایا چاہتے تھے تو حمامی آپ کے لیئے حمام خالی کر دیتا تھا ایک روز جو آپ حمام میں تشریف لے گئے وہ دروازہ بھیڑ کر کسی کام کو چلا گیا اتنے میں ایک شخص روستائی آیا اور حمام کا دروازہ کھول کر اندر گھسا اور کپڑے اتار کر حمام میں گیا آپ کو دیکھ کر یہ جانا کہ حمام کا کوئی خادم ہے آپ سے کہا کہ اٹھ کر میرے لیئے پانی لا آپ نے اس کا کہنا کیا اور جو جو کہتا گیا کرتے گئے جب حمامی پھر کر آیا اور روستائی کے کپڑے دیکھے اور اس کی گفتگو آپ کے ساتھ سنی ڈر کر بھاگ گیا جب آپ حمام سے نکلے تو حمامی کو پوچھا لوگوں نے کہا کہ وہ خوف کے مارے بھاگ گیا آپ نے فرمایا کہ اس کو بھاگنا کیا ضرور تھا قصور اس کا ہے جس نے اپنا نطفہ حبشن کے حوالے کیا اور ابو عبداللہ خیاط کے حال میں لکھا ہے کہ آپ دوکان پر بیٹھے اور کپڑا سیتے ایک مجوسی جو آپ سے دشمنی رکھتا تھا اپنا کپڑا سلواتا اور کھوٹے درم مزدوری میں دیتا آپ ان کو لے کر واپس نہ کرتے اور نہ اس کو خبر کرتے ایک روز جو مزدوری دینے آیا تو آپ کو نہ پایا آپ کا شاگرد بیٹھا تھا اس کو اجرت دے کر اپنا کپڑا مانگا شاگرد نے کھوٹا دام دیکھ کر پھیر دیا جب ابو عبداللہ آئے تو ان سے حال کہا آپ نے فرمایا تو نے برا کیا یہ مجوسی ایک برس سے یہی معاملہ کرتا ہے اور میں چپ چاپ اجرت لے کر کنوئیں میں ڈال دیتا ہوں تاکہ مسلمان کو دھوکا نہ دیوے اور یوسف بن اسباط فرماتے ہیں کہ حسن خلق کی علامت دس باتیں ہیں قلت خلاف حسن انصاف انتقام نہ لینا گناہوں کو برا جاننا عذر کرنا ایذا سہنا نفس کو ملامت کرتے رہنا دوسروں کے عیوب سے قطع نظر کر کے اپنے عیوب کو پہچاننا چھوٹے بڑے سے بکشادہ پیشانی پیش آنا اپنے سے ادنیٰ اور اعلیٰ کے ساتھ نرمی سے بولنا کسی شخص نے سہل تستری سے پوچھا کہ حسن خلق کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ادنیٰ یہ ہے کہ انتقام نہ لے اور ایذا کو سہے اور ظالم پر رحم کر کے اس کے لیئے دعائے مغفرت مانگے اور احنف بن قیس سے پوچھا کہ آپ نے حلم کس سے سیکھا کہا کہ قیس بن عاصم سے لوگوں نے کہا کہ ان کے حلم کا کیا حال ہے آپ نے کہا کہ ایک روز وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے ان کی لونڈی ایک سیخچہ جس پر کباب چڑھے تھے لے کر آئی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ان کے ایک لڑکے صغیر سن پر گرا کہ اس کے صدمہ سے وہ لڑکا مر گیا وہ لونڈی ڈری آپ نے فرمایا کچھ خوف نہ کریں

نے تجھے للہ آزاد کیا اور حضرت اویس قرنی کا حال لکھا ہے کہ جب آپ کو لڑکے دیکھتے تو پتھر مارتے آپ ان سے کہتے کہ بھائیو اگر مارنا ضرور ہی ہے تو چھوٹے پتھر مارو کہ میرے پاؤں میں سے خون نہ نکلے اور نماز کا حارج نہ ہو اور احنف بن قیس کو ایک آدمی نے گالیاں دینا شروع کیں آپ چپ چاپ چلے گئے جب محلہ کے قریب پہنچے تو ٹھہر کر اس سے کہا کہ اگر کچھ اور جی میں رہا ہو تو وہ بھی کہہ لے ایسا نہ ہو کہ محلہ کا کوئی بے وقوف تیری آواز سنے تو تجھے ایذا دے اور حضرت علیؓ نے ایک بار اپنے غلام کو پکارا وہ نہ بولا پھر آپ نے دو بارہ سہ بارہ پکارا پھر نہ بولا آپ خود اس کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ لیٹا ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ تونے سنا نہیں اس نے عرض کیا سنا تو تھا آپ نے کہا پھر جواب کیوں نہیں دیا اس نے عرض کیا کہ مجھ کو خوف تو تھا ہی نہیں کہ آپ ماریں گے اس لیئے کسل کر گیا آپ نے فرمایا میں نے تجھے للہ آزاد کیا اور مالک بن دینار کو ایک عورت نے پکارا کہ او ریا کار آپ نے فرمایا یہ نام تونے خوب نکالا جو اہل بصرہ بھول گئے تھے اور یحیٰی بن زیاد حارثی کے پاس ایک غلام بد خلق تھا لوگوں نے اس سے کہا کہ آپ اس کو کیوں رکھتے ہیں آپ نے فرمایا تاکہ میں اس سے حلم سیکھوں ان روایات سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے نفوس ریاضت سے ڈھیلے ہو کر ان کے اخلاق اعتدال پر آگئے تھے اور دغا، خیانت اور حقد سے دل صاف تھے اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ تقدیرات الٰہی پر راضی ہوئے جو کہ انتہائی غایت حسن خلق کی ہے کیونکہ جو شخص خدا کے کام کو اچھا نہ جانے اور اس پر راضی نہ ہو تو اس کی نہایت بد خلقی ہے ان لوگوں کی ظاہر میں علامتیں حسن خلق کی موجود تھیں جیسا کہ مذکور ہوا پس اگر کوئی شخص اپنے نفس میں یہ علامات نہ پاوے تو اس کو متصف بحسن خلق خیال نہ کرے اور دھوکہ نہ کھاوے بلکہ ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہو یہاں تک کہ درجہ حسن خلق نصیب ہو یہ عظیم الشان ہے مقربین و صدیقین ہی اسی کو پہچانتے ہیں۔

لڑکوں کی ریاضت و تربیت اور حسن اخلاق

واضح ہو کہ لڑکوں کی تہذیب ایک امر نہایت ضروری ہے اور لڑکا ماں باپ کے پاس ایک امانت ہے اور اس کا قلب جو ایک جوہر نفیس سادہ ہر نقش و صورت سے خالی ہر ایک نقش کے قابل ہے اور جس طرف کو مائل کرو اس طرف میلان کے لائق ہوتا ہے مثلاً اگر تعلیم خیر کی پاوے اور اس کا عادی کیا جاوے تو بڑا ہو کر بھی ایسا ہی کرے گا اور دونوں جہان کی سعادت لے گا اور اس ثواب میں ماں باپ اور استاد، ادیب شریک رہیں گے اور اگر برائی کا عادی ہو گا اور جانوروں کی طرح بے غور چھوڑا جاوے گا تو تباہ ہو جاوے گا اور اس کا وبال اس کے مربی پر ہو گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا[1]۔ تو جب باپ دنیا کی آگ سے اپنی اولاد کو بچاتا ہے تو آخرت کی آگ سے بچانا بطریق اولیٰ ضروری ہے اور اس کی حفاظت نار آخرت سے اس طرح ہے کہ ادب اور تہذیب اور محاسن اخلاق سکھاوے اور صحبت بد سے بچاوے زینت اور بناؤ سنگار اور لذت اور آرام طلبی اس کی نظروں میں حقیر کرے تاکہ بڑا ہو کر ان کی طلبی نہ

[1] اے ایمان والو، بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے ۱۲

کرے اور ہلاکت ابدی سے بچے بلکہ شروع ہی سے اس کی حفاظت ضروری ہے بایں طور کہ اس کو کسی عورت نیک بخت متدین حلال خور کا دودھ پلاوے کیونکہ حرام کے دودھ میں برکت نہیں ہوتی اور جب لڑکپن میں حرام کا دودھ پیتا ہے تو اس کے ضمیر میں رچ جاتا ہے بڑا ہو کر خبث کی طرف میل کرتا ہے اور جب اس میں کچھ تمیز شروع ہو تب زیادہ حفاظت ضروری ہے اور شروع تمیز وحیا کے ظاہر ہونے سے ہوتی ہے اس لیئے لڑکا بعض افعال حیا کے سبب چھوڑ دیتا ہے تو یہ اسی سبب سے ہوتا ہے کہ عقل کے نور کی جھلک اس میں آتی ہے اور بعض چیزوں کو بہ نسبت بعض کے برا جانتا ہے تو افعال بد سے حیا کرنے لگتا ہے اور یہ امر خدا کی عنایت سے ہے اور اعتدال اخلاق اور صفائے قلب پر دلالت کرتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑا ہونے پر کمال عاقل ہوگا تو ایسے شرمیلے لڑکے کو مہمل نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ حیا اور تادیب میں اس کی مدد کرنی چاہیئے اول اول جو صفت لڑکے پر غالب ہوتی ہے وہ خواہش کھانے کی ہے تو اسی کے ادب اس کو سکھانے چاہیئیں کہ داہنے ہی ہاتھ سے کھاوے اور کھانے پر بسم اللہ کہے اور اپنے سامنے سے کھاوے اور دوسروں سے پہلے کھانا شروع نہ کرے اور کھانے کی طرف گھورے نہیں اور نہ کسی کھانے کی طرف تاکے اور جلدی جلدی نہ کھاوے اور اچھی طرح چبا کر کھاوے اور پے درپے لقمہ منہ میں نہ دے اور ہاتھ اور کپڑا نہ بھرے اور کبھی کبھی روکھی روٹی کی بھی عادت ڈالنی چاہیئے کہ نہ جانے کہ سالن کے ساتھ ہی کھانا ضرور ہے اور بسیار خوری کی مذمت اس کے سامنے کرنی چاہیئے اس طرح کہ جو زیادہ کھاتا ہے وہ چوپایوں کی طرح ہے یا کسی لڑکے بسیار خور کی مذمت اس کے سامنے بیان کی جاوے اور کم خور کی ثنا کی جاوے اور اس کی نظر میں یہ بات بھی اچھی جتانی چاہیئے کہ کھانا دوسروں کو دیا کرے اپنے آپ اس کی پروا کم کرے اور دال دلیہ جو کچھ میسر آوے اس پر قناعت کرے اور کپڑوں میں سے سفید کپڑا اس کو پسند کرانا چاہیئے رنگین اور ریشمی کو کہہ دینا چاہیئے کہ یہ عورتوں اور مخنثوں کا لباس ہے مرد اس کو برا جانتے ہیں اور اسی طرح کئی بار اس سے کہا جاوے اور جب کوئی لڑکا رنگین ریشمی کپڑا پہنے نظر آوے اس کی حقارت اس کے سامنے بیان کریں اور اس کو ایسے لڑکوں کی صحبت سے بچانا چاہیئے جن کو شوق و عادات آرام طلبی اور عمدہ پوشاک کی ہو اور ایسوں سے بھی نہ ملنے دے جن کے کہنے سے اس کو دل میں ان باتوں کی رغبت ہو جاوے اس لیئے کہ ابتدا میں اگر لڑکے کی خبر گیری نہیں ہوتی تو اکثر عادات بد اس میں پیدا ہوتے ہیں جھوٹا حاسد چور جھگڑالو چغل خور بیہودہ گو ہنوڑ مکار بے پروا ہو جاتا ہے ان امور سے بچاؤ بہت حسن تادیب سے ہوتا ہے بعدہ مکتب میں بھیجنا چاہیئے اور قرآن اور حدیث اور صلحا کی حکایتیں سکھانی چاہیئیں تاکہ محبت صالحین کی اس کے دل میں جمے اور ایسے اشعار جن میں عشق و عاشق کا ذکر ہو اس کو پڑھنے نہ دیویں بلکہ جو لوگ ایسے اشعار کو ظرافت اور ہوشیاری جانتے ہیں ان سے بھی نہ ملنے دیں کہ ان اشعار سے فساد کا بیج دل میں پڑتا ہے اور جب لڑکا کوئی عمدہ کام کرے تو چاہیئے کہ اس کو کچھ انعام دیں کہ جس سے خوش ہو اور لوگوں میں اس کی تعریف کریں اور اگر کبھی ایک آدھ مرتبہ امر خلاف کرے تو اس سے چشم پوشی کرنی چاہیئے اور اس کا پردہ نہیں کھولنا چاہیئے خاص کر ایسی صورتوں میں کہ خود لڑکا اس کام کو چھپاوے اور اس کے پوشیدہ رکھنے میں جد و جہد کرے کیونکہ اگر اس کو معلوم ہو جاوے گا کہ اس امر کے ظاہر ہونے سے کچھ نہ ہوا تو آئندہ کو جرأت ہوگی اور راز کھلنے کی پروا نہ رہے گی اگر دوبارہ اس حرکت کو کرے تو اس کو پوشیدہ عتاب کرنا چاہیئے اور تاکید سے کہنا چاہیئے کہ خبردار آئندہ ایسا مت کرنا اگر پھر کروگے

لوگوں میں فضیحت ہوگی اور ہر وقت عتاب نہیں کرنا چاہیے اس سے ملامت کا عادی ہو جاتا ہے اور بری باتیں کرنے سے اس کی جرأت بڑھ جاتی ہے کلام کی تاثیر دل سے جاتی رہتی ہے ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است ؛ چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

اور باپ کو چاہیے کہ اس کے ساتھ کلام لحاظ کے ساتھ کرے کسی وقت صرف گھڑک دیا کرے اور ماں بھی اس کو بری باتوں سے روکے اور باپ کا خوف دلا وے اور دن کو سونے کی عادت نہ ڈالنی چاہیے کہ موجب سستی کا ہوتی ہے مگر رات کو سونے سے نہ روکنا چاہیئے گدگدا بچھونا نہ دینا چاہیئے تاکہ بدن سخت رہے آرام طلب نہ ہو غرض کہ فرش و لباس و غذا میں آرام طلبی چھوڑنے کا لحاظ رکھے اور کوئی کام اس کو پوشیدہ نہ کرنے دیں کیونکہ جس امر کو وہ اپنے نزدیک برا سمجھے گا اس کو چھپا کر کرے گا پس اس کو عادت علانیہ کام کرنے کی ہوگی تو برے افعال سے باز رہے گا اور دن میں کوئی وقت ایسا مقرر کرنا چاہیئے کہ جس میں چلنے پھرنے کی عادت ہو تاکہ سستی کا غلبہ نہ ہو اور اس کی بھی عادت رہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں نہ کھولے اور دوڑ کے نہ چلے اور اپنے باپ کی چیزوں سے ہمجولیوں پر فخر نہ کرے خواہ مخواہ کھانے پینے کی اشیاء پر نہ اترا وے اور نہ تختی اور دوات وغیرہ پر ناز کرے بلکہ جو اس سے ملے اس کے ساتھ تواضع اور اکرام سے پیش آوے اور کلام ملائمت کے ساتھ کرے اور لڑکوں سے کوئی چیز نہ لے اگر امیر زادہ ہے تو اس کو یوں سمجھایا جائے کہ تمہارا حق دینے کا ہے لینے کا نہیں چاہیئے کسی سے لینا خست اور دنائت کا نشان ہے اور اگر فقیر زادہ ہے تو اس کو یہ کہا جاوے کہ طمع اور لینا ذلت ہے اور کتے کی عادت کیونکہ لقمہ کے لیئے وہی دم ہلایا کرتا ہے حاصل یہ کہ لڑکوں کو سونے چاندی کی محبت اور طمع سے روکنا چاہیے اور سانپ اور بچھو سے زیادہ ان کو خوف دلانا چاہیے کیونکہ ان چیزوں کی آفت کا ضرر بہ نسبت زہر کے لڑکے کے حق میں زیادہ مضر ہے بلکہ بڑوں کے حق میں بھی یہی حال ہے اور اس بات کی بھی عادت ڈالنی چاہیئے کہ بیٹھنے کی جگہ میں تھوک وغیرہ نہ ڈالے اور دوسرے کے سامنے جمائی نہ لیوے اور نہ کسی کی طرف پشت پھیر کر بیٹھے اور ایک پاؤں پر دوسرا نہ رکھے اور ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ نہ دے اور نہ بازو کو سر کا تکیہ کرے کیونکہ یہ سب امور سستی کے نشان ہیں کیفیت جلوس کی اس کو بتانی چاہیئے اور کثرت کلام سے منع کرنا چاہیئے اور بیان کرنا چاہیئے کہ زیادہ بولنا بیحیائی کا کام ہے کمینہ آدمی زیادہ بکا کرتے ہیں اور قسم خواہ جھوٹی ہو یا سچی مطلق دونوں سے روکنا چاہیئے تاکہ لڑکپن میں عادت قسم کی نہ پڑے اور اس بات کی بھی عادت ڈالنی چاہیئے کہ سب سے پہلے نہ بولے بلکہ جو کوئی پوچھے تو صرف اس کا جواب دے زیادہ کچھ نہ کہے اور جب کوئی دوسرا شخص خواہ بڑا کچھ بات کہے تو اس کو خوب سنے اور اپنے سے بڑے کی اٹھ کر تعظیم کرے اور اس کے لیئے جگہ خالی کر دے آپ اس کے سامنے بیٹھے اور لغو اور فحش اور لعنت اور دشنام سے روکنا چاہیئے بلکہ جس شخص میں یہ عادتیں ہوں اس سے ملنے بھی نہ دینا چاہیئے کیونکہ یہ باتیں صحبت بد سے حاصل ہوتی ہیں اور تادیب میں لڑکوں کی اصل بھی یہی ہے کہ بد لوگوں کی صحبت سے روکنا چاہیئے اور جب استاد مارے تو زیادہ شورش نہ کرے نہ کسی کو سفارشی ڈھونڈے بلکہ صبر کرے اس سے کہہ دینا چاہیے کہ صبر کرنا مردوں اور بہادروں کا کام ہے اور زیادہ رونا او بیٹیا عورتوں اور غلاموں کا کام اور نہ مکتب سے آنے کے بعد اس کو اجازت کسی اچھے کھیل کی دینا چاہیئے جس سے کہ مکتب کی مشقت سے راحت ملے مگر کھیل بھی

اتنا کھیلے کہ تھک نہ جاوے اگر اس قدر کھیل کی اجازت نہ ہو اور تعلیم میں ہمیشہ کمال سخت گیری کی جاوے تو لڑکے کا دل مرجاتا ہے اور تیزی طبیعت کی رہ جاتی ہے اور زندگی تلخ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کوئی حیلہ ایسا ڈھونڈنے لگتا ہے کہ جس سے بالکل کچھ بھی نہ سیکھے اور یہ بھی تعلیم ضروری ہے کہ اپنے والدین اور معلم مؤدب اور عمر میں زیادہ کی فرمانبرداری کرے کہ خواہ اپنا ہو یا بیگانہ اور ان کی طرف نظر تعلیم سے دیکھے اور ان کے سامنے نہ کھیلے اور جب سن تمیز کو پہنچے تو طہارت اور نماز کے سکھانے میں بھی غفلت نہ کرنی چاہیئے اور رمضان میں کچھ روزے رکھانے چاہئیں اور حریر و دیبا اور سنہرے کپڑے پہننے سے قطعی روکا جاوے اور بقدر ضرورت حدود شرع تعلیم کرنی چاہیئے اور چوری اور مال حرام اور خیانت اور جھوٹ اور فحش اور جو باتیں کہ لڑکوں پر غالب ہو جاتی ہیں ان سے ڈرانا چاہیئے اور جب اس طرح پر ورش ہوئی تو قریب بلوغ ان باتوں کے اسرار بتلانے چاہیئں اور یہ کہنا چاہیئے کہ کھانے بمنزلہ دواؤں کے ہیں ان سے یہ غرض ہے کہ انسان ان میں طاقت خدا تعالیٰ کی عبادت کی آوے اور چونکہ دنیا ایک ناپائیدار چیز ہے اس لیئے اس کی کچھ اصل نہیں موت پر اس کی لذتیں جاتی رہتی ہیں یہ صرف گزرگاہ ہے آخرت رہنے کی جگہ ہے اور موت ہر گھڑی تاک رہی ہے دانا و ہوشیار وہی ہے جو دنیا سے زاد آخرت لے اور چل دے اور خدا تعالیٰ کے پاس بڑا رتبہ پاوے اور وسعت جنت سے مزا اٹھاوے پس اگر پہلے سے تربیت اچھی ہو گی تو یہ باتیں جو دل میں ہیں بلوغ کے وقت دل پر پتھر کی لکیر ہو جائیں گی اور اگر تربیت اچھی طرح نہ ہو گی اور لڑکے کو عادت کھیل کود اور فحش اور بیحیائی اور کھانے اور لباس وغیرہ اور تفاخر کی ہو گی اور ان باتوں کا اثر دل پر کچھ نہ ہو گا جیسے خشک مٹی دیوار پر نہیں ٹھہرتی حاصل کلام یہ ہے کہ لڑکوں کی تربیت ابتدا میں بہت ضروری ہے کہ اس وقت اس کا جوہر قلبی سب طرح کی لیاقت رکھتا ہے خیر و شر دونوں سیکھ سکتا ہے اور اس کا اختیار ماں باپ کو ہے جس طرف چاہیں اس طرف پھر سکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ[1] کل مولود یولد علی الفطرۃ وانما ابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ جب میں تین برس کا تھا رات کو جاگتا اور اپنے ماموں محمد بن سوار کو نماز پڑھتے دیکھتا ایک روز انہوں نے فرمایا کہ تو اللہ کا ذکر نہیں کرتا جس نے تجھ کو پیدا کیا ہے میں نے کہا کہ کس طرح ذکر کروں کہا جب تو لیٹا کرے تین بار یہ الفاظ دل سے کہہ لیا کر زبان مت ہلانا[2] اللہ معی اللہ ناظری اللہ شاھدی میں نے چند شب ایسا ہی کیا اور ان کو اطلاع دی انہوں نے فرمایا کہ سات بار کہا کر میں نے ویسا ہی کیا اور اس نے ان سے کہہ دیا انہوں نے فرمایا کہ گیارہ مرتبہ کہا کر میں نے گیارہ بار کہنا شروع کیا تو میرے دل میں اس کا مزہ معلوم ہوا جب میں نے برس روز اس کا ورد کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے تجھ کو سکھایا اس کو یاد رکھنا اور ہمیشہ کیے جانا یہاں تک کہ قبر میں جاوے یہ بات تجھ کو دونوں جہان میں کام آوے گی میں نے چند سال اس کی مزاولت کی اور باطن میں حلاوت زیادہ معلوم ہوئی تو ایک روز ماموں صاحب نے فرمایا کہ اے سہیل جو شخص کہ اللہ اس کے ساتھ ہو وہ اس کا ناظر اور

---

[1] ہر ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے فطرت پر اس کے ماں باپ ہی اس کو یہودی و نصرانی و مجوسی بنا دیتے ہیں ۱۲ پہلے گزری ۱۲ [2] اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ میری طرف دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ میرا گواہ ہے ۱۲

شاہد رہے بھلا وہ شخص اس کی نافرمانی کر سکتا ہے خبردار خدا کی نافرمانی مت کرنا پس میں الگ ہو کر یہی ذکر رکھتا جب مکتب میں مجھ کو بٹھایا تو یہ ڈر ہوا کہ کہیں اس امر میں فتور نہ ہو اسی لیئے میں نے کہا کہ استاد سے یہ شرط کر لو کہ ایک گھنٹہ پڑھ کر چلا آؤں گا پھر مکتب میں جا کر چھ یا سات برس کی عمر میں کلام اللہ حفظ کر لیا اور ہمیشہ روزہ رکھتا اور جو کی روٹی بارہ برس کی عمر تک کھائی جب تیرہ برس کا ہوا تو ایک سوال میرے دل میں آیا میں نے گھر والوں سے کہا کہ مجھے بصرہ میں بھیج دو کہ وہاں جا کر پوچھوں بصرہ میں آ کر وہاں کے علماء سے دریافت کیا کسی نے جواب شافی نہ دیا تو آبادان کو چلا گیا وہاں ایک بزرگ ابو حبیب رہتے تھے ان سے جا کر پوچھا تو انہوں نے جواب شافی دیا میں ان کی خدمت میں ایک مدت تک ان کے کلام سے نفع لیتا رہا اور ان کے طریق سیکھتا پھر میں تستر کو چلا آیا اور اپنی غذا یوں مقرر کی کہ ایک درم کے جو خریدتا اور ان کو پسوا کر روکھی روٹی بے نمک سحر کے وقت مقدار ایک چھٹانک کے کھاتا تو ایک درم سال بھر کو کافی ہو جاتا پھر میں نے قصد کیا کہ تین دن روزہ اتصال رکھتا اور ایک روز افطار کرتا پھر پانچ دن پھر سات دن کا اتصال کرتا یہاں تک کہ پچیس دن کے اتصال پر نوبت پہنچی اور بیس برس اسی طرح گزر گئے پھر میں نے چند سال ملکوں کا سفر کیا اور تستر میں لوٹ کر تمام شب کا جاگنا اختیار کیا

۹۔ حسن خلق کی تمیز اور اس کی علامتیں

جاننا چاہئے کہ جو کوئی اپنے دل سے آخرت کو مشاہدہ یقینی کر لیتا ہے وہ آخرت کے راز کا مشتاق ہوتا ہے اسی کے راستہ پر چلتا ہے دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کو خوار و ناپائدار سمجھتا ہے جیسا کہ کسی کے پاس پوت ہو اس کو کوئی جوہر قیمتی نظر پڑے تو پوت کی رغبت اس کے دل سے باقی رہے گی اور یہ چاہے گا کہ اس جوہر سے اس کو بدل لوں اور جس کو رغبت آخرت نہیں اور نہ دیدار الٰہی کا طالب ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر اس کو ایمان نہیں اور ہماری غرض اس ایمان سے نہیں کہ زبان سے کلمہ شہادت کہہ لیا اور بے صدق و اخلاص دل میں وسوسہ گزر گیا اس طرح کے ایمان کی مثال ایسی ہے کہ کوئی اس بات کی تصدیق کرے کہ جوہر پوت سے اچھا ہے مگر جوہر کا نام ہی سنا ہے اس کی حقیقت نہیں جانتا اور اس طرح کا شخص اگر پوت کی الفت میں پڑ جائے گا تو اس کو نہیں چھوڑے گا یا جواہر کا اشتیاق خوب نہ کرے گا اس سے معلوم ہوا کہ وصول الی اللہ بے سلوک کے نہیں ہوتا اور سلوک بے ارادہ ممکن نہیں اور ارادہ مانع ایمان کا نہ ہونا اور سبب ایمان کے نہ ہونے کا یہ ہے کہ کوئی ہادی اور مذکر نہیں اور علماء جو راہ حق بتا دیں اور دنیا کی حقارت اور اس کا فانی ہونا اور آخرت کا امر مہم ہونا اور اس کی بقا سمجھا دیں مفقود ہیں خلق خدا غافل ہے اور اپنے شہوات میں مستغرق اور معرفت الٰہی سے خواب خرگوش میں ہیں کوئی عالم دین ایسا نہیں کہ ان کو متنبہ کرے اگر کوئی متنبہ ہوتا ہے تو خود ناواقفیت کی جہت سے چل نہیں سکتا اور اگر علمائے سے پوچھتا ہے تو وہ خود ہوائے نفسانی میں مبتلا ہو کر راہ راست سے علیحدہ ہیں تو ضعف ارادہ اور راہ کی ناواقفیت اور علماء کا ہوائے نفسانی سے بولنا اس بات کا باعث ہوا کہ خدا تعالیٰ کی راہ کے چلنے والے نہ رہے پس جب مقصود محجوب ہوا اور راہبر مفقود اور ہوائے نفسانی غالب

اور طالب غافل توراہ البتہ خالی رہے گی اور پہنچنا دشوار ہو گا پھر اگر کوئی ہوشیار خود بخود یا کسی دوسرے کی ترغیب سے تجارت آخرت کا ارادہ کرے تو اس کو معلوم کرنا چاہیئے کہ ارادت یعنی مرید ہونے کے لیئے شروع میں چند شرطیں ہیں ان کو پہلے بجالانا چاہیے اور ایک گرفت کی چیز ہے جس کو گرفت کرنی چاہیئے۔ اور ایک قلعہ ہے جس میں پناہ لینی چاہیئے تاکہ دشمنان راہ زن سے بچے اور نیز چند وظائف ہیں کہ اثناء سلوک میں ان کی مداومت کرنی چاہیئے پس جو شرطیں کہ ان کا اول مقدم کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں کہ اپنے اور حق کے بیچ میں جو حجاب اور روک ہے اس کو دور کرنا چاہیئے کیونکہ خلق کا محروم رہنا حق سے اسی باعث ہے کہ بہت سے پردے بیچ میں حائل ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] وجعلنا من بین ایدیھم سدًا ومن خلفھم سدًا فاغشینٰھم فھم لا یبصرون ط اور یہ حجاب مرید اور حق کے درمیان چار ہیں مال اور جاہ اور تقلید اور نافرمانی مال کا حجاب اس طرح دور ہوتا ہے کہ اس کو بانٹ دے اور بقدر ضرورت کے سوا سب اپنے ملک سے نکال دے کیونکہ جب تک ایک درم بھی پاس رہے گا دل کی توجہ اس کی طرف رہے گی اور وہی حجاب رہے گا اور جاہ کے حجاب دور کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ ایسی جگہ میں نہ رہے جہاں جاہ حاصل ہو اور سکونت اور تواضع اختیار کرے اور ایسے اعمال کرے کہ خلق کو اس سے نفرت ہو جاوے اور تقلید کا حجاب مرتفع ہونے کا یہ طور ہے کہ مذہبوں کا تعصب چھوڑ دے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے معنی کی تصدیق کرکے اس کی تصدیق حقیقی کے حاصل کرنے کی حرص کرے یعنی سوائے خدا تعالیٰ کے جو چیز اس کی معبود ہو اس کو نابود کرے اور سب سے بڑھ کر معبود آدمی کا ہوائے نفسانی ہے اس کو دور کرے اگر ایسا کیے جائے گا تو جس چیز کا اعتقاد تقلید کے باعث حاصل ہوا ہے اس کی حقیقت کھل جائے گی اور یہ بات مجاہدہ سے حاصل ہوتی ہے مجادلہ سے نہیں پس اگر اس پر تعصب کا غلبہ ہو گا کہ نفس میں سوائے اس اعتقاد تقلیدی کے اور بات کی گنجائش نہ ہو گی تو اسی میں پھنسا رہے گا اور یہی امر باعث حجاب ہو گا کیونکہ مرید میں یہ شرط نہیں کہ کسی خاص مذہب کا ہو اور نافرمانی کے حجاب رفع کرنے کی تدبیر بجز اس کے نہیں کہ توبہ کرے اور گناہوں سے صاف ہو اور عہد مضبوط کرے کہ دوبارہ ایسا نہ کروں گا اور پہلے گناہوں سے شرم کرکے جو کسی کی چیز چھین لی ہو واپس کرے اور حق والوں کو ان کے حق ادا کرے پھر جو کوئی توبہ نہ کرے اور گناہ ظاہری بھی نہ چھوڑے اور یہ چاہے کہ اسرار دین کے مکاشفات اسے معلوم ہو جاویں اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی بے عربی سیکھے یہ چاہے کہ قرآن شریف کے اسرار اور تفسیر معلوم ہو جاوے حالانکہ دستور یہ ہے کہ اول ترجمہ الفاظ عربی کا سیکھتے ہیں پھر اس کے بعد معانی کے اسرار معلوم کرتے ہیں اسی طرح یہاں اول ظاہر شریعت کو ابتدا سے آخر تک درست کر لیتے ہیں پھر اس کے اسرار و دقائق کی طرف ترقی کرتے ہیں غرضکہ جب ان چاروں شرطوں کو مقدم کرکے مال و جاہ سے کنارہ کرے گا تو ایسا ہو جائے گا کہ جیسا کوئی وضو اور طہارت کرکے نماز کے قابل بن جاوے اور صرف ایک امام کی اقتداء کی ضرورت رہے اسی طرح مرید کو ایک مرشد اور استاد کی ضرورت ہو گی جو راہ مستقیم بتا دے اس لیئے کہ دین کا راستہ بہت باریک ہے اور شیطان کی راہیں ظاہر اور

---

[1] اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار اور اوپر سے ڈھک دیا سو ان کو نہیں سوجھتا ۱۲

بہت ہیں تو اگر مرشد ہادی نہ ہوگا تو بالضرور شیطان اپنے راستوں کی طرف کھینچ لے گا کہ بدون رہبر راہ پر خطر میں چلنا اپنی جان کو تباہی میں ڈالنا ہے اور جو اپنی عقل پر اعتماد رکھتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسا خود رو پیڑ ہوتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں سوکھ کر رہ جاتا ہے اور چند روز ٹھہر گیا اور پتے بھی نکل آئے تو پھل نہیں لگتا خلاصہ یہ کہ بعد تقدیم چاروں شروط مذکورہ کے مرید کے لیئے جو شئے قابل گرفت ہے وہ استاد ہے اس پر تمسک ایسا چاہیے جیسا نہر کے کنارہ اندھا آدمی اپنی لاٹھی پکڑنے والے پر کرتا ہے کہ اپنا سب امر اس کے سپرد کر دیتا ہے پیچ اور خم میں اس کی متابعت کرتا ہے اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا اسی طرح مرید کو مرشد کے ساتھ کرنا چاہیے اور یہ جان لیوے کہ اگر مرشد غلطی بھی کرے گا تو اس کی غلطی میں مجھ کو نفع زیادہ ہے بہ نسبت اس کے کہ میں اکیلا چلوں اور اتفاقاً راہ صواب ہی جاؤں تو جب ایسا مرشد مل جاوے تو مرشد کو چاہیئے کہ اپنے مرید کو ایسی پناہ کی جگہ اور قلعہ میں بٹھا دیوے کہ راہزنوں سے محفوظ رہے اور یہ قلعہ چار چیزیں ہیں خلوت اور سکوت اور بیداری اور بھوک کیونکہ مقصود مرید کا یہ ہے کہ قلب کی اصلاح ہو جاوے تاکہ اس سے پروردگار کا مشاہدہ کرے اس کے قرب کی لیاقت بہم پہنچاوے اور یہ بات ان چاروں چیزوں سے حاصل ہے بھوک سے دل کا خون کم ہوتا ہے اور سفید ہو جاتا ہے اور سفیدی اس کا نور ہے اور نیز چربی دل کی بھوک سے دور ہو جاتی ہے اور یہ باعث اس کی نرمی کا ہے جو کلید مکاشفہ ہے جس طرح سختی دل باعث حجاب ہے اور جب خون دل کم ہو جاتا ہے اور دشمن کی راہ کم ہو جاتی ہے اس لیئے کہ اس کی گزرگاہ رنگین ہے جن میں شہوات بھرے ہیں اور عیسٰی علیہ السلام نے حواریین کو فرمایا کہ اپنے شکموں کو بھوکا رکھو تاکہ اپنے پروردگار کو دیکھو اور حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ ابدال چار چیزوں سے یہ رتبہ پاتے ہیں پیٹ کو بھوکا رکھنا جاگنا سکوت اور عزلت غرضکہ بھوک سے روشنی قلب کا ہونا ظاہر ہے تجربہ بھی اس کا ممد ہے اور باب کسر شہوت میں اس کا بیان مفصل آوے گا اور بیداری سے یہ فائدہ ہے کہ جلاء اور صفا قلب کی حاصل ہوتی ہے اور جس قدر بھوک سے نور حاصل ہوا تھا اس پر یہ نور زیادہ ہو جاتا ہے اور دل مثل ستارہ یا آئینہ جلا کئے ہوئے کے چمکنے لگتا ہے اور اس میں جمال حق ظاہر ہو جاتا ہے اور درجات بلند آخرت کے اور دنیا کی حقارت اور اس کی آفتیں نظر آنے لگتی ہیں تو اس صورت میں آدمی کا دل اس کی طرف سے ہٹ جاتا ہے اور ہمہ تن متوجہ آخرت کی طرف ہوتا ہے اور بیداری نتیجہ بھوک ہی کا ہے پیٹ بھرنے پر جاگنا نہیں ہو سکتا نیند دل کو سخت اور مردہ کر دیتی ہے لیکن اگر بقدر ضرورت ہو تو سبب مکاشفہ اسرار غیبی کا ہوتی ہے ابدال کی صفات میں لکھا ہے کہ غذا ان کی فاقہ ہے اور نیند غلبہ اور کلام بقدر ضرورت اور ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ ستر صدیقین کی رائے اس بات پر متفق ہوئی ہے کہ زیادہ پانی پینے سے نیند بڑھتی ہے اور سکوت کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عزلت آسان ہو جاتی ہے مگر عزلت نشین کو اس شخص کا دیکھنا ضرور ہوتا ہے جو کھانا پانی وغیرہ پہنچا دے تو چاہیئے کہ اس سے ضرورت کے سوا کلام نہ کرے کلام سے دل اور طرف مصروف ہو جاتا ہے اور دل کو کلام کی طرف بڑی رغبت ہے کیونکہ ذکر فکر سے تھک کر اس میں آرام ملتا ہے خلاصہ یہ کہ سکوت سے عقل کو قوت ملتی ہے اور باعث ورع و تقوٰی کا ہوتا ہے اور خلوت کا فائدہ یہ ہے کہ آنکھ اور کان جو قلب کے دروازے ہیں رکے رہیں اور شغل دور ہو جاویں کیونکہ دل بمنزلہ ایک حوض کے ہے جس میں حواس کی نہروں سے گندہ پانی اور خس و خاشاک گرتا ہے اور ریاضت

سے یہ منظور ہے کہ یہ حوض اس خراب پانی سے خالی ہو جاوے اور کیچڑ تہ میں سے نکل جاوے تاکہ اس کو کھودتے کھودتے
اصل پانی تک پہنچاویں اور پھر صاف اور شستہ پانی نکل آوے پس یہ غیر ممکن ہے کہ نہروں میں سے پانی کو نہ روکیں اور
حوض خالی ہو جاوے بلکہ جتنا خالی کرو گے اس سے زیادہ اور چلا آوے گا اس لیئے ضرور ہوا کہ حواس کو ضرورت کے سوا
ضبط کیا جاوے اور بات بدون خلوت نشینی اندھیرے مکان کے نہیں ہو سکتی اور اگر اندھیرا مکان نہ ملے تو اپنا منہ چادر
وغیرہ یا لنگی سے ڈھانپ لیوے اس وقت آواز غیب سننے لگے گا اور جلال ربوبیت سوجھنے لگے گا دیکھو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو[1] ایسے ہی حال میں آواز پہنچتی تھی کہ یا ایھا المزمل[2] اور یا ایھا المدثر[3] اس سے معلوم ہوا کہ یہ
چاروں چیزیں بمنزلہ قلعہ یا سپر کے ہیں جن سے راہزن دور ہوتے ہیں اور موانع برطرف جب بات بھی کر چکے تو اب راہ
معرفت کے چلنے میں مشغول ہو اور راس کا چلنا بدون طے کرنے گھاٹیوں کے نہ ہو گا اور اس راہ میں گھاٹیاں صفات قلبی
ہیں جو التفات دنیا کے سبب سے ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض آسان ہیں اور بعض مشکل ان کا طے کرنا بترتیب
شروع کرے یعنی اول سب سے آسان کو قطع کرے پھر اس سے مشکل کو پھر اس سے مشکل کو اور یہ صفات انہیں علائق
کے اسرار اور آثار ہیں جو شروع ارادت میں قطع کئے ہیں یعنی مال وجاہ وحب دنیا والتفات الی الحق اور معاصی کا میل
پس ضروری ہے کہ جیسا ظاہر میں ان کے اسباب دفع کر دیئے باطن سے بھی ان کے نشان دفع کرے اور اس میں مجاہدہ
بہت چاہیے اور اختلاف احوال کے اعتبار سے یہ بھی مختلف ہوتا ہے بعض لوگ اکثر صفات سے محفوظ ہوتے ہیں ان
کو تھوڑا ہی مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور یہ ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ مجاہدہ مخالفت ہوا اور شہوات کے خلاف سے کرنا ایسی
صفت ہے کہ نفس مرید کی ہر صفت پر غالب ہوتی ہے پس جب شہوات سے محفوظ ہو جاوے یا ان کو ضعیف کر
پاوے اور دل میں کوئی علاقہ قابل شغل نہ رہے تو مرشد کو چاہیے کہ ہمیشہ اس کے دل کے پیچھے پڑا رہے اور وظائف
ظاہری زیادہ نہ پڑھنے دے بلکہ فرائض اور سنن پر اکتفا کرا کر صرف ایک وظیفہ جو لب لباب اور ثمرہ تمام اوراد کا ہے
اس کا ورد کرے اور وہ یہ ہے کہ جب دل غیر اللہ سے فارغ ہو جاوے خدا تعالیٰ کا ذکر کرا دے اور جب تک اس کا دل
اور علائق کی طرف ملتفت ہو اس ذکر مبارک کا شغل نہ بنا وے چنانچہ حضرت شبلی رحمتہ اللہ نے اپنے مرید حضرمی سے
فرمایا تھا کہ جس جمعہ کو تم میرے پاس آتے ہو اگر اس سے لے کر دوسرے جمعہ تک تمہارے دل میں سوائے خدا تعالیٰ
کے کوئی اور چیز گزری تو تم کو میرے پاس آنا حرام ہے اور اس طرح کا تجربہ بے صدق ارادت اور غلبہ محبت الٰہی کے حاصل
نہیں ہوتا جب تک کہ عاشق صادق نہ بن جاوے کہ سوائے ایک فکر کے دوسرا باقی نہ رہے جب اس طرح کا حال
مرید کا ہو تو مرشد اس کو اجازت دے کہ کسی گوشہ میں تنہا بیٹھے اور ایک آدمی ایسا مقرر کر دے کہ اس کو تھوڑی سی
غذا حلال پہنچا دیا کرے روزی حلال ہونی بہت ضروری ہے کیونکہ دین کے طریق کی اصل یہی ہے کہ غذا حلال کھاوے
اور پھر اس کو ذکر تعلیم کرے کہ وہ اپنا دل اور زبان اس میں مشغول کرے مثلاً اللہ اللہ یا سبحان اللہ سبحان اللہ یا اور

[1] بخاری ومسلم بروایت عائشہ صدیقہ رض ۱۲ [2] اے جھرمٹ مارنے والے ۱۲ [3] اے لحاف میں لپٹنے والے ۱۲ ف حضرمی

الفاظ جو مرشد کی تجویز میں آویں ہمیشہ بیٹھا کہتا رہے یہاں تک کہ اس کی مواظبت کرے کہ حرکت زبان کی موقوف ہو جاوے اور کلمہ مذکور گویا زبان پر بے حرکت جاری ہو جاوے پھر اس حال پر مداومت کرتے کرتے زبان پر بھی اثر جاتا رہتا ہے دل میں صورت لفظ کی منقوش ہو جاوے پھر اس پر مزاولت کرنے سے صورت لفظوں کی یعنی حروف دل پر سے مٹ جاویں صرف معانی لفظوں کے دل کے ساتھ اور اس پر غالب رہیں اس طرح کہ کبھی سامنے سے غائب نہ ہوں اور کل ماسوا سے دل خالی ہو جاوے کیونکہ دل جب ایک چیز میں مشغول ہو جاتا ہے تو دوسری شے کوئی سی ہو اس سے نکل جاتی ہے اسی لیئے اگر ذکر الٰہی مقصود بالذات میں مشغول ہو جاتا ہے تو بیشک ماسوا سے خالی ہو جاوے گا اب اس وقت یہ چاہیے کہ وساوس اور خواطر دنیاوی سے دل کو بچاوے اور اپنا اور پرایا حال کچھ یاد نہ کرے اسلئے کہ دل اگر ذرا بھی اسطرف متوجہ ہوگا یاد الٰہی سے خالی رہیگا اور اتنا ہی نقصان ہو جاویگا تو ایسے امور کو ضرور ہی دفع کرنا چاہئے ہر چند جب سب وساوس کو دفع کر کے ایک خاص کلمہ کی طرف نفس کو پھیرے گا تو اسی کلمہ کے باب میں وساوس پیدا ہونگے کہ یہ کلمہ کیا ہے اور اللہ کے معنی کیا ہیں اور وہ کس سبب سے خدا اور معبود ہے اور ان وساوس سے فکر کا دروازہ کھل جاوے گا۔ اور شیطان کی طرف سے ایسے وساوس آنے لگیں گے کہ کفر و بدعت ہوں مگر جب ان وساوس کو برا جانتا ہوگا اور قلب سے ان کے دور کرنے کے لیئے مستعد رہے گا تو ان سے کچھ ضرر نہ پہنچے گا پھر ان وسواس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن میں یقینی معلوم ہو جاوے کہ خداوند کریم ان شبہات سے پاک ہے مگر شیطان دل میں ڈال کر ان میں پھنسانا چاہتا ہے تو ان کا علاج یہ ہے کہ اس کی پرواہ نہ کرے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو اور خدا تعالیٰ سے اس کے لیئے پناہ مانگنے ہی اس کو دور کرے گا جیسا کہ خود فرمایا [ف۱] واما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم اور فرمایا ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون [ف۲] اور ایک وہ ہیں جن میں تردد اور شک ہو تو ان کی تدبیر یہ ہے کہ مرشد سے کہے بلکہ جو کچھ دل پر گزرے خواہ سستی ہو یا نشاط یا التفات کسی علاقہ کی طرف یا صدق ارادت سب کو اس سے کہہ دینا چاہیے سوا اس کے اور دن سے اس کا ذکر نہ کرے پھر مرشد کو چاہیئے کہ اس کے حال کو اور اس کی ذکا اور کیاست کو بہ نظر تامل دیکھے اگر اس کو ایسا جانے کہ بحال خود چھوڑنے اور فکر کی اجازت دینے سے خود بخود امر حق پر متنبہ ہو جاوے گا تو اس کو فکر ہی میں لگا دے اور اس پر مداومت کی اجازت دے یہاں تک کہ اس کے دل میں نور الٰہی جلوہ گر ہو اور حقیقت امر جوں کی توں معلوم ہو جاوے اور اگر ایسا جانے کہ اس جیسا شخص آپ ہی آپ معلوم نہ کر سکے گا تو اس کے سامنے اعتقاد یقینی شبہہ مذکور کا جس قدر اس کے دل کو تحمل ہو بیان کرے اور پند و نصیحت کے بعد ایک ایسی دلیل اعتقاد کی سناوے جو اس کے فہم میں آجاوے اور چاہیئے کہ حسب مقتضائے حال بہت نرمی سے سمجھاوے کیونکہ یہ طریق مہلک اور پر خطر ہے بعض مریدوں کو اثنائے شغل ریاضت میں ایسے خیال فاسد جم گئے ہیں کہ ان کے کشف پر ان کو قدرت

[ف۱] اور کبھی ادبھار دے تجھ کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ پکڑ اللہ کی وہی ہے سنتا جانتا ۱۲ [ف۲] جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گزر چونک گئے پھر ان کو بوجھ آگئی ۱۲

نہ ہوئی تو اپنی چال چھوڑ کر راہ بطالت طے کرنے لگے اور یہ امر نہایت درجہ کی تباہی کا ہے اور جو شخص صرف ذکر ہی کا ہو رہے اور ان علائق کو جو دل کو مشغول کرتے ہیں دفع کرے وہ بھی ایسے افکار سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ خطر کی کشتی میں سوار ہے لیکن اگر بچ گیا تو دین کا بادشاہ ہے اور اگر چوک گیا تو تباہ ہوا اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ح[۱] علیکم بدین العجائز یعنی اصل ایمان اور ظاہر اعتقاد بطور تقلید مان کر اعمال خیر میں مصروف ہونا چاہیے اس کے خلاف میں بہت سے خطرے ہیں اس لحاظ سے بعضوں کے نزدیک مرشد پر واجب ہے کہ مرید کا حال فراست سے معلوم کر لے اگر ذکی وہوشیار نہ ہو تو اور اعتقاد ظاہری بھی قرار واقعی نہ رکھتا ہو تو اس کو ذکر و فکر میں مشغول نہ کرے بلکہ اعمال ظاہری کا پابند کر کے وظائف متواترہ اور مشہور بتلا دے یا فکر والوں کی خدمت میں مشغول کر دے تاکہ ان کی برکت میں یہ بھی شریک ہو جاوے جب کوئی شخص جہاد سے عاجز ہو تو اس کو چاہیے کہ مجاہدین کو پانی پلاوے اور ان کے جانوروں کی خبر لے تاکہ ان کی برکت میں شریک ہو اگر پھر ان کا درجہ نہ پاوے پھر مرید ذاکر کو اور بہت سے رہزن مثل عجب اور ریا اور احوال کے منکشف ہونے کی خوشی اور اوائل کرامات کے ظاہر ہونے کی فرحت کے پیش آتے ہیں اگر ان میں سے کسی کی طرف التفات کرے اور نفس کو اسی قدر پر قانع کر دے تو سلوک میں خلل واقع ہو اور اسی جگہ رہ جاوے تو ایسی صورت میں چاہیئے کہ اپنے حال پر مدت عمر چلا جاوے اور کسی امر پر قناعت نہ کرے بلکہ اپنا حال مثل اس پیاسے کے جانے کہ اگر بالفرض دریا کے دریا اس کے سامنے آجاویں تب بھی پیاس نہ بجھے اور راس المال اپنا خلق سے علیحدگی اور خلوت کو جانے بعض سیاحوں سے منقول ہے کہ میں نے ایک ابدال عزلت گزیں کی خدمت میں عرض کیا کہ تحقیق کی راہ کس طرح ہے اور ایک دفعہ یہ پوچھا کہ کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے مدام میرا دل خدا کے ساتھ رہے انہوں نے فرمایا کہ خلق کو مت دیکھ ان کی طرف دیکھنا تاریکی ہے میں نے کہا کہ یہ تو ضروری ہے انہوں نے فرمایا کہ ان کا کلام مت سن کہ سختی دل کا باعث ہے میں نے کہا یہ بھی ضروری ہے انہوں نے فرمایا کہ ان سے لین دین مت کر اس سے وحشت ہوتی ہے میں نے کہا ان میں تو رہتا ہوں لین دین کیسے چھوڑ دوں انہوں نے فرمایا کہ ان میں مت رہ ان میں رہنا تو عین تباہی ہے میں نے کہا کہ ان کے درمیان رہنے کا تو مرض ہو گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ عجیب بات ہے غافلوں کی طرف دیکھنا بھی چاہتے ہو جاہلوں کے کلام بھی سنو جھوٹوں سے معاملہ بھی کرو اور پھر چاہتے ہو کہ مدام دل خدا تعالیٰ کے ساتھ رہے یہ کبھی نہیں ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ منتہائے ریاضت یہ ہے کہ آدمی علی الدوام اپنے دل کو خدا تعالیٰ کے ساتھ پاوے اور بات بدون اس کے غیر سے خالی ہونا غیر ممکن ہے اور غیر سے خالی ہونا بے مجاہدہ نہیں ہو سکتا پس جب اپنے دل کو اللہ کے ساتھ پاوے گا تو جلال حضرت ربوبیت منکشف ہو گا اور حق جلوہ گر اور ایسے ایسے لطیفے اللہ کی طرف سے معلوم ہوں گے جن کی صفت ہرگز نہیں ہو سکتی جب مرید کا حال اس درجہ کو پہنچے اور ان میں کچھ منکشف

ح[۱] لازم پکڑو تم دین بڑھیوں کا ۱۲ ان لفظوں سے مجھ کو اس کی سند نہیں ملی مگر ابن حبان نے ضعفا میں بروایت ابن عمر یہ نقل کیا ہے علیکم بدین اہل البادیہ والنساء ۱۲

ہونے لگے تو اس وقت بڑا رہزن یہ امر ہوتا ہے کہ امور کو بطور پند و نصیحت بیان کرنے لگتا ہے اور وعظ گوئی کے درپے ہوتا ہے اس سے نفس کو کمال درجہ کی لذت ملتی ہے اور اس لذت سے اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ ان معانی کو حسن الفاظ سے مرتب و مزین بیان کیجئے اور حکایات و دلائل قرآن و حدیث سے مدلل اور ایسی خوبصورتی سے ادا ہوں کہ لوگوں کو ان کے سننے کی طرف رغبت ہو اور شیطان دل میں یہ خیال ڈال دیتا ہے کہ یہ امر اس لئے ہے کہ جو لوگ خدا سے غافل ہیں ان کے دل زندہ ہو جاویں ہم کو اس سے نہ کچھ فائدہ نہ لذت ہم صرف خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں میں ذریعہ ہیں کہ ان کو اس کی راہ بتاتے ہیں اور یہ شیطانی وسوسہ اس وقت کھلتا ہے کہ کوئی اپنے ہمسروں میں ایسا ہو کہ اس کا وعظ اپنی نسبت عمدہ ہو اور لوگوں کا اگر میلان بھی اس کی طرف زیادہ ہو پس اگر وعظ گوئی لذت کے سبب سے ہوئی ہو گی تو ایسے شخص کو دیکھ کر رگ حسد اندر سے جوش کرے گی اور اگر واقع میں بھی منظور ہو گا کہ لوگ راہ راست پر آجاویں تو ایسے شخص سے کمال طبیعت خوش ہو گی اور خدا کا شکر کرے گا کہ خوب ہوا ایک سے دو ہوئے جیسے کوئی لاوارث مردہ کو دفنانا چاہے اور کوئی حمال موجود نہ ہو اور شرعاً اسی کے ذمہ آپڑے تو ایسے وقت میں اگر کوئی مددگار بننا چاہے تو کمال خوشی ہوتی ہے اور کسی طرح کی حسد نہیں اٹھتی اسی طرح غافل لوگ مردہ ہیں اور واعظ ان کے دلوں کو زندہ کرنا چاہتے ہیں تو واعظین کی کثرت سے ایک دوسرے کو اعانت اور راحت ہوتی ہے یہ مقام خوشی کا ہے نہ حسد کا اور ایسا بہت کم پایا جاتا ہے اس لئے کہ مرید کو چاہیے کہ اس سے بچے کیونکہ یہ شیطان کے بڑے جالوں میں سے ہے جس سے ان لوگوں کی راہ مارتا ہے جن پر اول اول کچھ راہ معرفت کھلتی ہے اور لوگ اس وجہ سے اس جال میں پھنس جاتے ہیں کہ زندگانی دنیاوی انسان پر طبعاً غالب ہے اسی جہت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا[1] بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا پھر فرمایا کہ طبیعتوں میں شر ہمیشہ سے چلی آتی ہے اور کتب سابقہ میں بھی اس کا ذکر ہوا ہے اور یہ فرمایا ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم و موسیٰ یہی حال مرید کو ریاضت سکھانے کا اور بتدریج اس کی تربیت کا خدا تعالیٰ کے دیدار کے لئے ہے اور تفصیل ریاضت ہر ہر صفت میں آگے مذکور ہو گی اور از آنجا کہ صفات انسانی غالب تر شہوات پیٹ اور شرمگاہ اور زبان کی ہے اور اس کے بعد غضب ہے جو شہوات کی حمایت کرتا ہے اور جب شہوات پیٹ اور شرمگاہ کے ساتھ مانوس ہوتا ہے تو دنیا کی محبت ہوتی ہے اور مال و جاہ میں مبتلا ہوتا ہے مال و جاہ میں پڑ کر کبر و عجب و ریاست میں ایسا پھنستا ہے کہ سرے سے دنیا کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا اور دین میں بھی ایسی بات کو لیتا ہے جس میں ریاست اور غرور پایا جاوے اس لئے ضرور ہوا کہ بعد ان دونوں بابوں کے آٹھ باب اس تفصیل سے لکھیں باب اول شہوت شکم و فرج کی کمی میں باب دوم حرص کلام کے دور کرنے میں باب سوم غضب اور حقد و حسد کے دور کرنے میں باب چہارم دنیا کی مذمت اور اس کے مکروں کی تفصیل میں باب پنجم محبت مال توڑنے اور بخل کی برائی میں باب ششم ریا اور محبت جاہ کی برائی میں باب ہفتم تکبر و عجب کی برائی میں باب ہشتم دھوکا کھانے کے موقع میں ان مہلکات اور ان

[1] کوئی نہیں آگے رکھتا ہو دنیا کا جینا سے مت رہ الحاصل کا مطلب یہ ہے کہ ان سے دل نہ لگاوے

کے معالجات کے تمام ہونے کے بعد جو ہماری غرض اس جلد میں بیان کرنی ہے انشاء اللہ پوری ہو جاوے گی کیونکہ باب اول میں تو ہم نے صفات قلبی کی شرح کی ہے جو معدن مہلکات اور منجیات دونوں کا ہے اور دوسرے باب میں تہذیب اخلاص اور امراض قلبی کے معالجات کا طور بطور کلی اجمالاً ذکر کیا ہے اب ان بابوں میں ان کی تفصیل بیان ہو گی۔ ذکر ریاضت نفس و تہذیب اخلاق خدا تعالیٰ کی مدد اور حسن توفیق سے تمام ہوا اس کے بعد دو شہوتوں کے دور کرنے کا بیان مذکور ہوتا ہے [۱] الحمد للہ اولہ و آخرہ والسلام علی من اتبع الھدیٰ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ط

تیسرا باب؛ شکم اور شرمگاہ کی شہوت کے علاج کا بیان

رباعی دل کہتا تھا حمد کبریا کو لکھیئے — زاں بعد ثنائے مصطفٰے کو لکھیئے
پر حوصلہ اپنا دیکھ عاجز ہو کہاں — احسن ہے یہی کہ مدعا لکھیئے!

جاننا چاہیئے کہ بڑا مہلک اولاد آدم کا شہوت شکم ہے جس کے سبب حضرت آدم و حوا علیہما السلام دار القرار سے اس ناپائیدار میں نکالے گئے کیونکہ ان کو درخت خاص سے منع کیا گیا تھا مگر ان کی شہوت غالب ہوئی کھا بیٹھے اور سب کی برائیاں ان پر کھل گئیں اور درحقیقت شکم چشمہ شہوات اور معدن آفات ہے اس لیئے کہ شکم کو شہوت جماع لازم ہے پیٹ بھرنے پر یہ سوجھتا ہے کہ بہت سی منکوحہ ہوں اور خوب صحبت کیجیئے اس کے بعد مال وجاہ کو دل چاہتا ہے کہ ان کے ذریعہ سے یہ مطلب بخوبی نکلتا ہے اور مال کی کثرت سے طرح طرح کی رعونتیں اور حسدیں پیدا ہوتی ہیں اور انہیں مال وجاہ کی بدولت ریا اور تفاخر اور غرور پیدا ہوتا ہے جن سے حقد و حسد و کینہ و دشمنی اٹھتی ہے اور پھر یہ نوبت پہنچتی ہے کہ آدمی سرکشی اور نافرمانی اور مکروہات و ممنوعات کرنے لگتے ہیں اور یہ سب اس بات کا ثمرہ ہے کہ معدہ کو خالی نہ رکھا اور ناکوں ناک بھر لیا اگر آدمی اپنے نفس کی بھوک کو ذلیل رکھے اور اس کے سبب شیطان کے راستے تنگ کر دے تو البتہ قدم جادۂ اطاعت الٰہی سے نہ اٹھاوے گا اور سرکشی اور اترانا پاس نہ پھٹکے گا اور بالکل آخرت کو چھوڑ کر دنیا کا نہ ہو رہے گا اور خصومات نہ مول لے گا پس از انجا کہ آفت شہوت شکم اس درجہ ہے تو ضرور ہوا کہ آفات اس کی اور مہلکات کو بیان کر دیا جائے گا کہ اس سے لوگ بچیں اور طریق مجاہدہ کا اور اس کی فضیلت کی بھی شرح کر دی جاوے تاکہ اس کی طرف رغبت کریں اور چونکہ شہوت فرج بھی کچھ ایسی ہے اور اس کے بعد ہوتی ہے اس لیئے اس کا بیان بھی ضرور ہے لہٰذا ہم سب امور کو آٹھ بیانوں میں ذکر کریں گے۔

---

[۱] حمد ہے خدا کی اول میں اور آخرت میں اور سلام ہے اس پر جو پیرو ہو ہدایت کا اور نہیں ہے توفیق میری مگر اللہ سے اسی پر بھروسہ کیا میں نے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۱۲

۱ بھوک کی فضیلت اور سیر شکمی کی مذمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جاھدوا انفسکم بالجوع والعطش فان الاجر فی ذٰلک کاجر المجاھد فی سبیل اللہ وانہ لیس من عمل احب الی اللہ من جوع وعطش اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آسمان کے فرشتے اس شخص کے پاس نہیں آتے جو اپنا پیٹ بھرے اور کسی نے آپ سے پوچھا کہ آدمیوں میں سے افضل کون ہے آپ نے فرمایا من قل طعمہ وضحکہ ورضی بما یستر بہ عورتہ اور فرمایا سید الاعمال التجوع وذل النفس لباس الصوف ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اون کا کپڑا پہنو اور آدھا پیٹ کھاؤ پیو یہ ایک نبوت کا جزو ہے اور حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ فکر نصف عبادت ہے اور قلب کی غذا پوری عبادت اور یہ بھی انہیں سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا افضلکم عند اللہ منزلۃ یوم القیامۃ اطولکم جوعا وتفکرا فی اللہ سبحانہ وابغضکم عند اللہ عزوجل یوم القیامۃ کل نوام اکول شروب ...... اور روایت ہے کہ آپ بضرورت بھی بھوکے رہتے تھے یعنی یہ امر آپ کو پسند تھا اور حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے کہ جس کا خورد نوش دنیا میں کم ہو فرشتوں پر فخر فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے بندہ کو دیکھو کہ میں نے اس کو دنیا میں اکل وشرب کم دیا ہے اس نے صبر کیا اور ان کو ترک کر دیا تم گواہ رہو کہ جو لقمہ وہ چھوڑے گا اس کے عوض جنت میں درجات عنایت کروں گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تمیتوا القلب بکثرۃ الطعام والشراب فان القلب کالزرع یموت اذا اکثر علیہ الماء اور فرمایا ملا ابن آدم وعاء الماء لطعامہ والثلث فان القلب کالزرع یموت لنفسہ اور ایک حدیث طویل میں اسامۃ بن زید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فضیلت بھوک کی وارد ہوتی ہے ان میں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ بھوکے پیاسے اور غمگین رہے وہ لوگ چھپے متقی ہیں کہ اگر ظاہر ہوں تو کوئی نہ جانے اور اگر غائب ہو جاویں کوئی تلاش نہ کرے زمین ان کو سب جانتی ہے اور فرشتے ان کو گھیرے رہتے ہیں وہی اچھے لوگ ہیں اور خدا تعالیٰ کی طاعت بھی اچھی طرح وہ ہی

---

[۲] جس شخص کی غذا کم ہو اور اس قدر پر راضی ہو جس سے اس کا ننگاپن چھپ جائے ۱۲ اس کی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲ [۳] عملوں کا سردار بھوک ہے اور نفس کی ذلت اون کا لباس ہے اس کی سند مجھے نہیں ملی [۴] خدا کے نزدیک قیامت میں مرتبہ کے اعتبار سے تم میں سے افضل وہ ہوگا جو بھوکا بہت رہتا ہوگا اور ذکر اللہ پاک کا زیادہ کرتا ہوگا اور تم میں سے برا قیامت کے روز وہ ہوگا جو بہت سونے والا بسیار خوار اور بہت پینے والا ہو ۱۲ اس کی سند مجھے نہیں ملی [۴] دل کو کثرت خورش اور کھانے پینے سے مردہ مت کرو کہ دل مثل کھیتی کے ہے جب اس پر پانی زیادہ پہنچتا ہے تو جاتی رہتی ہے ۱۲ [۵] آدمی نے کوئی برتن زیادہ خراب اپنے پیٹ سے نہیں بھرا ۱۲ ترمذی بروایت مقدام ۱۲ [۶] خطیب وابن ماجہ بروایت سعد بن زید اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے ۱۲ ع بیہقی در شعب بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اس کی سند معضل ہے ۱۲ عسہ جلد اول باب الصوم میں گزری ۱۲ [۱] جہاد کرو اپنے نفسوں پر اور بھوک اور پیاس سے کہ ثواب میں ایسا ہے جیسا جہاد کرنے والے کا خدا کی راہ میں اور کوئی

---

۵ عمل خدا کے نزدیک زیادہ محبوب بھوک اور پیاس سے نہیں ۱۲ اس کی سند مجھ کو نہیں ملی۔

کرتے ہیں لوگ نرم نرم فرش بچھاتے ہیں اور وہ اپنا ماتھا اور گھٹنے بچھاتے ہیں نبیوں کے اخلاق اور افعال لوگوں کو نہ ملے مگر ان کو حفظ ہیں جس زمین پر سے جاتے ہیں تو زمین ان کے لیئے روتی ہے اور جس شہر میں کوئی ان میں سے نہ ہو اس پر خدا کا غضب ہوتا ہے دنیا کے لیئے مردار پر کتوں کی طرح نہیں لڑتے بقدر سد رمق کھاتے ہیں اور پھٹا پرانا پہنتے ہیں میلے کچیلے حال سے رہتے ہیں جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کو کچھ مرض ہے حالانکہ ان کو کوئی مرض نہیں اور بعضے سمجھتے ہیں کہ ان کی عقلیں جاتی رہیں اور یہ بات بھی نہیں ہوتی بلکہ جن چیزوں پر لوگوں کی عقل دنیا میں دوڑتی ہے اور ان میں نہیں پائی جاتی اس واسطے لوگ جانتے ہیں کہ بے عقل ہیں مگر وہ لوگ وہ باتیں سمجھتے ہیں کہ جہاں لوگوں کی عقل گم ہوتی ہے شرف آخرت انہیں لوگوں کے لیئے ہے اے اسامہ جس شہر میں ایسے لوگ نظر آدیں تو جان لے کہ اس کی امن کا باعث یہی ہیں جس قوم میں وہ ہوتے ہیں خدا ان کو عذاب نہیں دیتا زمین بھی ان سے خوش ہے اور خدا بھی ان سے راضی آدمیوں میں ان کو اس لیئے رکھا ہے کہ شاید ان کے باعث ان کی نجات ہو اور اگر تجھ سے بھوک پیاس کی برداشت مرتے دم تک ہو سکے تو کیا کہ اس کے باعث تجھ کو شرف منزلت ملے گا اور نبیوں کی صف میں داخل ہو گا اور جب تیری روح فرشتوں کے پاس جائے گی تو وے خوش ہوں گے اور خدا تجھ پر رحمت کرے گا اور حضرت حسن رض ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البسوا الصوف وشمروا وکلوا فی انصاف البطون تدخلوا فی ملکوت السماء[1] اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے زمرۂ حواریین اپنے معدوں کو بھوکا رکھو اور بدنوں کو ننگا تاکہ تمہارے دل خدائے عزوجل کو دیکھ سکیں اور یہی روایت طاؤس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کی ہے تورایت میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو موٹا کوئی عالم پسند نہیں اس لیئے کہ موٹاپن غفلت اور کثرت غذا پر دلالت کرتا ہے اور یہ امر عالم کے حق میں اچھا نہیں اور اس لیئے حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس قاری سے جو پیٹ بھر بھر کر موٹا ہوا ہو بغض رکھتا ہے اور ایک حدیث میں ہے[2] کہ شیطان آدمی میں خون کی طرح پھرتا ہے تو اس کے راستوں کو بھوک اور پیاس سے تنگ کرو اور ایک روایت ہے کہ پیٹ بھرے پر کھانے سے برص ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ[3] المومن یاکل فی معا واحد والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء یعنی مومن کی نسبت کافر سات گنا کھاتا ہے یا اس کی خواہش مومن سے سات گنا ہوتی ہے اور آنت کو بجائے شہوت مجازاً ارشاد فرمایا اس سے کہ طعام کا قبول کرنا اور لینا شہوت کے متعلق ہے جیسا کہ آنت اس کو اخذ اور قبول کرتی ہے اور اس سے یہ غرض نہیں ہے کہ منافق کی آنتیں درحقیقت زیادہ ہوتی ہیں اور حضرت حسن رض حضرت عائشہ رض سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ یہ فرماتے تھے ادیموا قرع باب الجنۃ[5] یفتح لکم انہوں نے پوچھا کہ باب جنت کو ہمیشہ کیسے کھٹکھٹاویں آپ نے فرمایا بالجوع والظماء[4]

---

[1] اون پہنو اور مستعد رہو اور نصف پیٹ کھاؤ آسمان کے فرشتوں میں داخل ہو گے ۱۲ ابو منصور دیلمی در سند فردوس بسند ضعیف ۱۲ [2] یہ مجھے نہیں ملی ۱۲ [3] باب الصوم میں گزری اور ابن ابی الدنیا نے بروایت امام زین العابدین اس کو لکھا ہے ۱۲ [4] مومن ایک انتڑی میں کھاتا ہے اور کافر سات میں ۱۲ بخاری و مسلم بروایت عمر فاروق و ابوہریرہ ۱۲ [5] باب الجنت ہمیشہ کھٹکھٹاتے رہو تمہارے لیئے کھل جائے گا ۱۲ اس کی مجھے سند نہیں ملی

یعنی بھوک اور پیاس سے ایک اور حدیث میں[۱] ہے کہ حضرت ابو جحیفہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں ڈکار لی آپ نے فرمایا کہ اپنی ڈکار کم کرو کیونکہ قیامت کے روز وہی زیادہ بھوکا ہوگا جس نے دنیا میں زیادہ پیٹ بھرا ہو اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور بعض اوقات ان کی بھوک دیکھ کر رحم کے مارے رو پڑتیں اور آپ کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہتیں کہ میں آپ کے قربان جاؤں دنیا سے اتنا تو لے لیا کرو جس سے قوت رہے اور بھوک سے محفوظ رہو تو آپ یہ فرماتے کہ اے عائشہ میرے بھائیوں نے یعنی اولوالعزم رسولوں نے مجھ سے بھی زیادہ شدائد اٹھائے اور ان پر صبر کر کے جب پروردگار کے سامنے گئے تو ان کی بڑی تکریم ہوئی اور نہایت ثواب عنایت ہوا مجھ کو یہ حیا آتی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ زندگی میں کچھ آرام کرنے سے کل کو ان سے کمتر رتبہ ملے پس چند روز صبر کرنا آسان ہے اس سے کہ آخرت میں حصہ کم ملے اور مجھ کو اپنے بھائیوں اور دوستوں سے ملنے کے سوا کوئی چیز اچھی معلوم نہیں ہوتی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ بخدا اس گفتگو کے بعد آپ کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ نے وفات پائی اور حضرت انسؓ سے روایت[۲] ہے کہ ایک بار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک روٹی کا ٹکڑا آپ کی خدمت میں لائیں آپ نے پوچھا یہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ایک روٹی پکائی تھی میرا دل چاہا تو یہ ٹکڑا آپ کے پاس لے آئی آپ نے تناول فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ اول غذا ہے جو تیرے باپ کے منہ میں تین دن پیچھے پہنچی ہے اور حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں[۳] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مدت العمر اپنے گھر والوں کو تین دن باہم گیہوں کی روٹی پیٹ بھر نہیں دی آپ نے فرمایا[۴] ان اهل الجوع فی الدنیا هم اهل الشبع فی الاخرة وان ابغض الناس الی الله المتخمون الملاء وما ترك عبد لقمة یشتهیها الا کانت له درجة فی الجنة[۵] اور آثار بھی فضیلت بھوک میں بہت ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیٹ بھرنے سے اپنے آپ کو بچاؤ کہ زندگی میں موجب گرانی اور موت کے بعد باعث بدبو ہوتا ہے اور شفیق بلخی رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ عبادت ایک پیشہ ہے جس کی دوکان خلوت اور اوزار بھوک ہیں اور حضرت لقمان رحمۃ اللہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ بیٹا جب معدہ پر ہوتا ہے تو فکر سو رہتا ہے اور اعضائے عبادت سے بیٹھ رہتے ہیں اور حکمت بیکار ہو جاتی ہے سعدی فرماتے ہیں ؎

تہی از حکمتی بعلت آن　　کہ پری از طعام تا بینی

اور حضرت فضل بن عیاض اپنے نفس سے کہتے کہ تو کس بات سے ڈرتا ہے کہ بھوک سے ڈر لگتا ہے کہ اس سے خوف نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس[۶] کے باعث خدا کے سامنے ہلکا پھلکا رہتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سب بھوکے رہتے ہیں اور کہمسؒ فرماتے ہیں کہ الٰہی تو نے مجھ کو بھوکا رکھا ننگا رکھا اندھیری راتوں کو بے چراغ رکھا کیسے کیسے وسیلوں سے مجھ کو اس درجہ پر پہنچایا اور فتح موصلی کو جب مرض اور بھوک زیادہ تھی تو کہتے تھے کہ الٰہی تو نے مجھ کو مرض اور بھوک میں مبتلا کیا اور تو اپنے

---

[۱] بیہقی در شعب بروایت ابو جحیفہ و ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابو عمر بدون نام ابو جحیفہ کے ۱۲ [۲] اس کی سند نہیں ملی ۱۲ [۳] وارث ابن اسامہ بسند ضعیف ۱۲ [۴] مسلم نے نقل کیا ہے اور پہلے گزری ۱۲ [۵] دنیا میں جو بھوک والے ہیں آخرت میں وہ شکم سیر ہوں گے اور سب سے زیادہ برے آدمی خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیں جو بدہضمی والے ہیں اور بھرے رہتے ہیں اور بندہ جو لقمہ باوجود خواہش کے چھوڑ دیتا ہے اس کو جنت میں ایک درجہ ملتا ہے ۱۲ طبرانی در کبیر و ابو نعیم در حلیہ بروایت ابن عباس بسند ضعیف ۱۲ [۶] اس کے الخ اصل میں مطلب یہ ہے کہ فضیلؒ نے نفس سے کہا کہ تیری قدر خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت ہلکی پھلکی ہے بھوکے رہنے کا مرتبہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے واسطے تھا

دوستوں کے ساتھ ایسا کیا کرتا ہے تو کون سی بات پر تیری نعمت کا شکر کروں اور مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن واسع سے کہا کہ خوش حال وہ شخص ہے جس کے پاس تھوڑا دے اللہ اس کے سد رمق کے لیئے اور لوگوں کا محتاج نہ ہو انہوں نے فرمایا اے مالک خوش حال وہ شخص ہے جو صبح اور شام کو بھوکا رہے اور پھر خدا سے راضی رہے اور حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ الٰہی تو نے مجھ کو اور میرے عیال کو بھوکا رکھا اور اندھیری راتوں میں بے چراغ رکھا یہ باتیں تو اپنے دوستوں سے کیا کرتا ہے مجھ کو یہ بڑا رتبہ کیسے ملے گا اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ راغبین کی بھوک تنبیہ کے لیئے ہوتی ہے اور تائبین کی امتحان کے لیئے اور مجتہدین کی بزرگی کے لیئے اور صابرین کی سیاست کے لیئے اور زاہدین کی حکمت کے لیئے اور توراۃ میں مذکور ہے کہ اللہ سے ڈرو اور جب پیٹ بھرے تو بھوکے کو یاد کرو اور ابو سلیمان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کہ رات کے کھانے میں سے ایک لقمہ کم کھانا مجھ کو بہ نسبت تمام شب کی بیداری کے اچھا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ بھوک اللہ کے خزانے سے اسی کو عنایت ہوتی ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری بیس روز نہ کھاتے اور ایک درم کے غلہ میں ایک سال گزار دیتے اور بھوک کا بڑا رتبہ جانتے اور اس کے باب میں مبالغہ کرتے اور کہتے کہ قیامت کے روز کسی نیک عمل کا اتنا ثواب نہ ملے گا جتنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی جہت سے فضول طعام کو چھوڑنے سے ملے گا اور یہ بھی فرمایا کہ دانا لوگوں کی کوئی چیز دونوں جہان کی نافع بھوک سے بڑھ کر نہیں ملی اور فرمایا کہ طالبین آخرت کے حق میں کوئی چیز کھانے سے زیادہ مضر نہیں اور فرمایا کہ حکمت و علم بھوک میں ہیں اور معصیت اور جہل سیری میں اور فرمایا کہ کوئی عبادت اس سے بڑھ کر نہیں کہ ہوائے نفسانی کے خلاف حلال چیز کو ترک کرے اور جس حدیث میں مذکور ہے[ح] اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ پیٹ کی تہائی غذا کے لیے ہے اس میں آپ نے فرمایا جو اس تعداد پر زیادہ کھائے گا وہ اپنی نیکیاں کھائے گا اور اس درجہ سے بڑھ کر مرتبہ کا حال جو ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس کو فضیلت نہ ہو گی جب تک کہ غذا کا نہ کھانا اس کے نزدیک کھانے کی نسبت محبوب نہ ہو اور اگر ایک رات بھوکا رہے تو خدا تعالیٰ سے دعا مانگے کہ وہ رات بھوکا رکھے اور جب یہ حال اس کا ہو جاوے گا کہ غذا نہ کھانے کو محبوب جانے گا اور ایک رات فاقہ سے دو رات فاقہ کی دعا مانگے تو البتہ فضیلت اس کو حاصل ہو گی اور فرمایا کہ لوگ جو ابدال ہوئے ہیں تو شکم کو بھوکا رکھنے اور بیداری اور خلوت سے ہوئے ہیں اور فرمایا کہ آسمان اور زمین میں ہر نیکی کی جڑ بھوک ہے اور بدی کی اصل پیٹ بھر کھانا اور فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو بھوکا رکھا اس سے وساوس دور ہوتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ عزوجل کا متوجہ ہونا بندہ پر بھوک اور مرض اور مصیبت سے ہوتا ہے مگر جس کو خدا چاہے اور فرمایا کہ جان لو یہ وہ زمانہ ہے کہ اس میں نجات اسی کو ملے گی جو بھوک اور صبر اور مجاہدہ سے اپنی نفس کشی کرے اور فرمایا کہ جو آدمی اسی پانی کو خوب پیٹ بھر کر پیئے تو مجھ کو نہیں معلوم ہوتا کہ معصیت سے بچ رہے اگرچہ شکر اللہ تعالیٰ کا کہے پس کھانے سے سیر ہونے میں کیا حال ہو گا اور ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ میں اپنے کو کس چیز سے روکوں اس نے جواب دیا کہ بھوک اور پیاس کی بیڑی ڈال اور گمنامی اور ترک عزت سے اس کو ذلیل کر اور

[ح] پہلے گزر چکی ۱۲

آخرت والوں کا خاکہ بنا کر اس کو چھوٹا کر اور بڑھے ہوئے لوگوں کے لباس چھوڑنے سے اس کو توڑ اور اس کی طرف مدام بدظن ہو کر اس کی آفتوں سے بچ اور اس کی خواہشوں کے خلاف کرتا رہ اور عبدالواحد ابن زید فرماتے ہیں کہ بخدا محبت الٰہی نہیں ملتی مگر بھوک سے اور اولیاء پانی پر نہیں چلتے اور زمین ان کے لیئے طے نہیں ہوتی مگر بھوک سے اور خدا تعالیٰ ان کی کفالت نہیں فرماتا مگر بھوک سے اور ابو طالب مکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیٹ مثل ستار کے ہے کہ خالی لکڑی میں تار لگے رہتے ہیں مگر اس کی حسن صورت سبکی سے اور رقت سے ہوتی ہے کہ جوف دار رہتا ہے اس میں کچھ بھرا نہیں ہوتا اسی طرح پیٹ کا حال ہے جب خالی رہتا ہے تو تلاوت بھی شیریں معلوم ہوتی ہے اور شب بیداری اور قلب خواب پر مداومت کرتا ہے اور بکر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے کم خواب اور کم خور کم راحت اور روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دو مہینے تک خدا تعالیٰ سے مناجات اور باتیں کرتے رہے اور کچھ نہ کھایا یکایک جَو کی روٹی کا خیال دل میں آیا تو مناجات جاتی رہی اور دیکھا کہ روٹی سامنے ہے آپ مناجات کے جاتے رہنے سے رونے لگے اتنے میں ایک مرد پیر ان کے پاس آیا آپ نے فرمایا کہ ولی اللہ خدا تجھ کو برکت دے میں ایک حالت میں تھا کہ روٹی کا دھیان آیا وہ حالت جاتی رہی تو خدا سے میرے لیئے دعا کر اس نے کہا کہ الٰہی جب سے میں نے تجھے پہچانا ہے اگر روٹی کا دھیان مجھے آیا ہو تو میری مغفرت مت کیجیو بلکہ جو کچھ بھی دھیان میں گزرا اسی کو بے فکر کھالیا اور روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب شرف ہم کلامی خدا سے نصیب ہوا تھا تو چلہ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا

۲ بھوک کے فوائد اور سیر شکمی کے مصائب

اگر اب کوئی یوں کہے کہ بھوک میں اتنی فضیلت کہاں سے آئی اور اس کی وجہ کیا ہے کیونکہ بھوک سے تو صرف معدہ کا رنج اور تکلیف اٹھانا ہی ہے اور اگر تکلیف ہی میں فضیلت ہے تو چاہیئے کہ جو لوگ خودکشی کریں یا اپنی بوٹیاں کاٹیں یا بری چیزیں کھائیں یا ایسی ہی حرکت کریں ان کو ثواب زیادہ ملا کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول ایسا ہے کہ کوئی دوا پینے سے اچھا ہو جاوے کہ یوں سمجھے کہ اس میں جو برائی اور تلخی تھی اس سے مجھ کو آرام ہوا ہے اور اسی خیال سے اور بڑی کڑوی چیزیں کھانے لگے حالانکہ یہ امر غلط ہے دوا کا نفع تلخی کی جہت سے نہیں بلکہ اس میں ایک خاصیت ہے جس کو اطبا جانتے ہیں اسی طرح بھوک میں جو فوائد ہیں ان کو علماء جانتے ہیں جو کوئی ان کے نافع ہونے کا یقین کر کے اپنے اوپر بھوک اختیار کرے اور جانے کہ شرعاً یہ اچھی چیز ہے تو اس کو بیشک نفع ہو گا گو نفع کا سبب نامعلوم ہو جیسے دوا پینے والے کو نفع ہوتا ہے گو اس کی وجہ نہیں جانتا مگر بفحوائے اس آیت کے[1] یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات اگر کوئی علاوہ فوائد کی تصدیق کے ان کا علم بھی ترقی مدارج کے لیئے چاہیے تو اس لیئے ہم بھوک کے دس فائدے لکھے دیتے ہیں **فائدہ اوّل** قلب کی صفائی اور طبیعت کی تیزی اور بصیرت کا نافذ و کامل ہونا کیونکہ سیری سے بلادت ہوتی ہے اور ذہن اندھا ہو جاتا ہے اور دماغ

---

[1] اللہ اونچے کرے ان کے جو ایمان رکھتے ہیں تم میں اور اہل علم میں بڑے درجے

میں بخار نشہ کی طرح چڑھتا ہے اور فکر کی جگہ کو گھیر لیتا ہے تو دل بھاری ہو کر فکر کی طرف نہیں دوڑتا اور جلد ادراک نہیں کر سکتا بلکہ لڑکا جب زیادہ کھا جاتا ہے تو اس کے حفظ میں فرق آجاتا ہے اور ذہن بگڑ جاتا ہے اور غبی ہو جاتا ہے اور حضرت ابو سلیمانؒ نے فرمایا ہے کہ بھوک کو اختیار کرنا چاہئے کہ اس سے نفس ذلیل اور قلب رقیق ہوتا ہے اور باعث علم آسمانی کا ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۱] احیوا قلوبکم بقلۃ الضحک وقلۃ الشبع وطھروھا بالجوع تصفو وترق اور بعض اکابر کا قول ہے کہ بھوک مثل رعد کے ہے اور قناعت مثل ابر کے اور حکمت مثل مینھ کے یعنی ان دونوں سے حاصل ہوتی ہے اور حدیث شریف میں ہے[۲] من اجاع بطنہ عظمت فکرتہ وفطن قلبہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۳] من شبع ونام قسا قلبہ اور پھر آپ نے فرمایا لکل شیء زکواۃ وزکواۃ البدن الجوع[۴] اور شبلی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں خدا کے واسطے بھوکا رہا ہوں تو ایک دروازہ حکمت اور عبرت کا اپنے دل میں ایسا کھلا پایا ہے کہ پہلے نہ تھا اور یہ تو بدیہی بات ہے کہ مقصود حاصل ہے اور سیری اس کی مانع اور چونکہ معرفت الٰہی جنت کا ایک دروازہ ہے کہ ضرور ہے کہ بھوک کی ملازمت سے جنت کا دروازہ کھٹکھٹانا نصیب ہو اور حضرت لقمان رحمتہ اللہ علیہ نے اسی وجہ سے اپنے بیٹے کو کہا تھا کہ جب معدہ پُر ہوتا ہے تو فکر سو رہتا ہے اور حکمت ساکت ہوتی ہے اور اعضا عبادت سے بیٹھ رہتے ہیں اور حضرت ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ کا قول ہے کہ بھوک ایک ابر ہے جس سے بندہ کے دل سے بھوک کے وقت حکمت برستی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نور الحکمۃ الجوع والتباعد من اللہ عزوجل الشبع والقربۃ الی اللہ عزوجل حب المساکین الدنوا منھم لا تشبعوا فتطفوا نور الحکمۃ عن قلوبکم ومن بات یصلی فی خفۃ من[۵] **دوسرا فائدہ** قلب کی نرمی سے ہے جس سے استعداد ادراک لذت ذکر حاصل کی ہوتی ہے بہت بار ایسا ہوتا ہے کہ ذکر زبان پر حضور دل کے ساتھ جاری رہتا ہے مگر قلب کو اس سے لذت اور اثر نہیں ہوتا گویا قلب میں اور اثر میں حجاب سختی دل کا پڑ جاتا ہے اور بعض دفعہ ذکر سے خوب اثر ہوتا ہے اور مناجات میں ایک لذت معلوم ہوتی ہے اور ظاہر اس کی علت معدہ کا خالی ہونا ہی ہے چنانچہ ابو سلیمان درانی فرماتے ہیں کہ مجھ کو عبادت میں زیادہ حلاوت جبھی ہوتی ہے جب میری پیٹھ پیٹ سے لگی رہے اور یہ بھی ان کا ہی قول ہے کہ جب دل بھوکا پیاسا رہتا ہے تو صاف و رقیق رہتا ہے اور جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو اندھا اور کثیف اور حضرت جنید فرماتے ہے کہ بعض آدمی اپنے سینے میں کھانے کی آخور رکھ لیتے اور پھر مناجات کی حلاوت چاہتے ہیں اس بیان سے معلوم ہوا کہ آسان ہونا فکر کا اور حصول معرفت اور شے ہے اور اس سے لذت و تاثیر ہوتی اور چیز اور یہ دوسرا فائدہ ہے تیسرا

---

[۱] زندہ کرو اپنے دلوں کو کم ہنسنے اور کم بھرنے سے اور پاک کرو ان کو بھوک سے صاف اور نرم ہو جاویں گے ۱۲ اس کی سند نہیں [۲] جو شخص اپنے پیٹ کو بھوکا رکھتا ہے اس کو سوچ زیادہ ہوتا ہے اور دل ہوشیار ہو جاتا ہے ۱۲ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ [۳] جو شکم سیر ہوتا ہے اور سوتا ہے اس کا دل سخت ہو جاتا ہے ۱۲ [۴] ہر چیز کی زکواۃ ہے اور بدن کی زکواۃ بھوک ہے ۱۲ ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ بسند ضعیف اور اس میں الجوع کی جگہ الصوم ہے ۱۲ [۵] نور حکمت کا گرسنگی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دور ہونا شکم سیری اور قرب الٰہی محبت مساکین کی اور ان سے قریب ہونا ہے شکم سیر مت ہو کہ نور حکمت اپنے دل سے بجھاؤ اور جو شخص رات کو تھوڑی سی غذا میں نماز پڑھتا ہے اس کے گرد صبح تک حوریں رہتی ہیں[۱۲] م

م ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت ابو ہریرہ ۱۲

فائدہ انکسار اور فروتنی ہے اور دور ہونا اترانے اور خوشی کا جو مبداء طغیان اور غفلت کا ہے کیونکہ نفس کسی شئے سے اتنا منکسر اور ذلیل نہیں ہوتا جتنا بھوک سے ہوتا ہے اور بھوک کی حالت میں جب اس کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے اور حیلہ جاتا رہتا ہے اور ٹکڑا روٹی کا اور گھونٹ پانی کا نہیں ملتا تو مالک کی اطاعت کرتا ہے اور ذلیل اور عاجز بنا رہتا ہے اور جب تک انسان اپنے نفس کو عاجز اور ذلیل مشاہدہ نہیں کرتا تب تک عزت و غلبۂ مولیٰ نہیں سوجھتا اور چونکہ سعادت انسانی اس میں ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو عاجز اور ذلیل جانے اور خدا تعالیٰ کو عزیز و غالب تو ضرور ہوا کہ ہمیشہ بھوکا اور خدا کی طرف مضطر رہے اور اس اضطرار میں ذوق و حلاوت پاوے اور باعث یہی تھا کہ جب دنیا اور اس کے خزانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے ان سے اعراض کیا اور فرمایا کہ لا بل اجوع یوماً واشبع یوماً فاذا جعت صبرت وتضرعت واذا شبعت شکرت..... ۞ یا کچھ اور طرح فرمایا غرضکہ شکم اور شرمگاہ ایک دوزخ کے دروازوں میں سے ہے اور اصل پیٹ بھرنا ہے اور عاجزی و انکساری جنت کا دروازہ ہے اور اس کی اصل بھوکا رہنا ہے پس جو کوئی دروازہ دوزخ کو بند کرے گا باب جنت کھل جائے گا اس لئے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جیسا مشرق و مغرب جتنا ایک کی طرف چلو دوسرے سے دور ہو جاؤ گے **چوتھا فائدہ** نہ بھولنا عذاب الٰہی اور اہل مصیبت کا اس لئے کہ پیٹ بھرے کو بھوکا اور بھوک دونوں یاد نہیں رہتے اور ہوشیار آدمی جب کوئی مصیبت دیکھتا ہے اس سے آخرت کی مصیبت یاد رکھتا ہے پیاس سے پیاس آخرت کو عرصات قیامت میں یاد کرتا ہے اور بھوک سے دوزخیوں کی بھوک یاد کرتا ہے کہ جب ان کو بھوک لگے گی تو تھوہڑ اور خار دار درخت غذا کے لئے ملیں گے اور پیاس کے وقت پیپ اور ریم دی جاوے گی اور بندہ کو ایسا ہی چاہیئے کہ عذاب آخرت کو مدنظر رکھے اس لئے کہ اس سے خوف الٰہی کا جوش ہوتا ہے اور جو آدمی کبھی ذلت و علت و مصیبت میں گرفتار نہ ہوا ہو وہ عذاب آخرت کو بھول جاتا ہے بلکہ خود عذاب ہی کو نہیں جانتا اور نہ اس کے دل پر اس کا خوف غالب ہوتا ہے تو بالضرور بندہ کیلئے مصیبت میں رہنا یا مصیبت کو دیکھنا چاہیے اور سب سے اولیٰ مصیبت جو آدمی اٹھا سکتا ہے وہ بھوک ہے کہ اس میں سوائے یاد کرنے عذاب آخرت کے بہت عمدہ فوائد ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انبیا اور اولیا حسب مدارج کسی مصیبت خاص میں مبتلا ہوتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام سے لوگوں نے کہا کہ آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں آپ کے قبضہ میں تو زمین کے خزانے ہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ پیٹ بھر کر بھوکوں کو نہ بھول جاؤں اس سے معلوم ہوا کہ بھوکوں اور محتاجوں کی یاد بھی ایک فائدہ بھوک ہے اس لئے کہ بھوک سے رحم اور کھانا کھلانا اور شفقت خلق خدا پر پیدا ہوتی ہے اور پیٹ بھرے کو بھوکے کی تکلیف کیا معلوم ہے سے

آنکہ در راحت و تنعم زیست | او چہ داند کہ حال گرسنہ چیست

جس کی نہ پھٹی ہو بوائی وہ کیا جانے پیر پرائی **پانچواں فائدہ** جو سب فائدوں میں زیادہ ہے توڑنا شہوت معاصی کا اور غالب آنا نفس امارہ پر ہے کیونکہ منشاء تمام گناہوں کا شہوات اور قوی ہیں جن کا مادہ غذائیں اور کھانے ہیں پس ان کے کم کرنے سے

۞ اور نہیں بلکہ ایک روز بھوکا ہوا اور ایک روز شکم سیر ہوں تا کہ جب بھوکا ہوں تو صبر اور تضرع کروں اور جب شکم سیر ہوں تو شکر کروں ۱۲ یہ حدیث ترمذی کی ہے پیشتر گزری ہے

ہر ایک شہوت اور قوت کمزور ہو جاتی ہے اور چونکہ سعادت بتمامہا اسمیں ہے کہ آدمی اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور شقاوت یہ
ہے کہ نفس کے قابو میں پڑ جاوے تو جیسے سرکش گھوڑا بے آب و دانہ رکھنے سے قابو میں آجاتا ہے اسی طرح نفس بھی بھوکا
رکھنے سے دب نکلتا ہے بعض اکابر سے منقول ہے کہ ان سے لوگوں نے کہا کہ آپ اب ضعیف ہوئے نفس کی خدمت کیوں نہیں
کرتے کہ اب وہ کمزور ہو گیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس لیئے کہ یہ جلدی اکڑنے لگتا ہے اور بہت شرارت کرتا ہے ایسا نہ ہو
کہ سرکشی کرکے مجھے کسی ورطہ میں ڈال دے اس کے ساتھ سختی برتنی اس سے بہتر ہے کہ مجھ سے ارتکاب گناہ کا درپے ہو
اور حضرت ذوالنون ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جب کبھی پیٹ بھر کر کھایا تو یا گناہ کیا یا گناہ کے قصد میں مبتلا ہوا اور حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اول بدعت جو بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہوئی یہ تھی کہ لوگ سیر ہو کر کھانا کھانے
لگے پیٹ بھر کھاویں گے تو ضرور ان کے نفس دنیا کی طرف کو زور کریں گے اور اس کو ایک فائدہ نہ تصور کرنا چاہیئے بلکہ فوائد
کی کان جاننی چاہیئے اور اسی واسطے بزرگ فرماتے ہیں کہ بھوک خدا تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے ایک ادنیٰ بات
یہ ہے کہ بھوک کے سبب شہوت شرمگاہ اور شہوت کلام جاتی رہے کیونکہ بھوکے کا دل زیادہ بولنے کو نہیں چاہتا اور اسی
جہت سے زبان کی آفتوں سے مثل غیبت اور فحش اور جھوٹ اور چغلی وغیرہ کے سب سے محفوظ رہتا ہے اور پیٹ
بھرے پر دل لگی سوجھتی ہے اس وقت لوگوں کی غیبت کا ضرور ہی ذکر ہوتا ہے غرضکہ زبان ہی کی بدولت آدمی دوزخ
میں جاویں گے اور شہوت زنا کی برائی خود مخفی نہیں مگر بھوک سے اس کے شر سے بھی محفوظ رہتا ہے اور شکم سیر ہونے پر
اور شہوت زور کرتی ہے اپنے آپے میں نہیں رہتا اور اگر تقویٰ کی جہت سے اس کو رد کا تو آنکھ قابو میں نہ رہے گی اور وہ
بھی زنا میں داخل ہے اور اگر بالفرض آنکھ بھی بند کرے گا تو فکر تو اختیاری نہیں دل میں خطرات خبیث اور وساوس اسباب
شہوت کے ایسے پیدا ہوں گے جن سے مناجات کھٹی پڑ جاوے گی بلکہ اکثر اس طرح کے افکار نماز کی حالت میں پیش آویں
گے اسی طرح اور اعضا کے معاصی کو خیال کرنا چاہیئے زبان کو شرمگاہ کو ہم نے بطور مثال لکھ دیا ہے سب اعضا کے افعال
کا سبب قوت ہوتی ہے جو پیٹ بھرنے سے حاصل ہوتی ہے ایک حکیم کا قول ہے کہ جو مرید سیاست پر صبر کرے اور
برس روز نصف پیٹ روٹی کھاوے اور اس میں کوئی چیز اپنی دل چاہتی نہ ملاوے تو اللہ تعالیٰ اس سے عورتوں کی فکر
دور فرماتا ہے چھٹا فائدہ نیند کا دفع ہونا اور مدام بیدار رہنا کیونکہ جو پیٹ بھر کر کھاوے گا وہ پانی بہت پیئے گا اور
زیادہ پانی پینے سے نیند بہت آتی ہے بعض اکابر اسی بنا پر اپنے مریدوں سے کھانا کھانے کے وقت فرماتے کہ بہت مت
کھاؤ ورنہ پانی بہت پیوگے اور زیادہ سوؤگے اور کثرت سے حسرت کروگے اور ستر صدیق اس بات پر متفق ہیں کہ نیند
کی کثرت بہت پانی پینے سے ہوتی ہے اور کثرت نیند سے اور بھی خرابیاں ہیں تہجد جاتا رہتا ہے طبیعت غبی ہوتی ہے
دل سخت ہوتا ہے اور از انجا کہ عمر جوہر نفیس اور تجارت کے لیئے راس المال آدمی کا یہی ہے کہ نیند بمنزلہ موت کے ہے
تو کثرت نیند سے عمر کم ہوتی ہے اور غلبہ خواب سے حلاوت تہجد میں بھی نہیں ہوتی پھر مجرد آدمی اگر شکم سیری پر سو رہے
گا تو احتلام ہو جاوے گا یہ بھی تہجد سے مانع ہے اس لیئے کہ حاجت غسل میں ٹھنڈے پانی سے تکلیف ہوتی ہے اور اگر
گرم پانی رات کو اس وقت بعض اوقات نہیں ملتا تو اگر وتر بھی اول شب نہ پڑھے ہوں گے وہ بھی قضا ہو جاویں گے

اس لیئے ابو سلیمان درانی نے فرمایا ہے کہ احتلام عقوبت ہے کہ بہت سی عبادت سے مانع ہو جاتا ہے ہر وقت آدمی سے غسل نہیں ہو سکتا ہے غرضکہ نیند چشمہ آفات ہے اور سیری اس کا سبب ہے اور بھوک اس کی دافع **ساتواں فائدہ** آسان ہونا عبادت کی مواظبت کا کیونکہ خود کھانا کثرت عبادت سے بایں وجہ مانع ہے کہ اس کے لیئے ایک وقت چاہیئے اور کبھی آٹا وغیرہ مول لینے میں اور پکانے میں بھی وقت گزر جاتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اور خلال کرنے میں اور کئی دفعہ پانی پینے میں بھی زمانہ صرف ہوتا ہے اور اگر ان اوقات کو ذکر مناجات میں صرف کرتا تو زیادہ نفع ہوتا سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جرجانی کے پاس ستو دیکھے کہ روکھے پھانک رہے تھے میں نے کہا کہ یہ کس باعث سے آپ کرتے ہیں کہا کہ میں نے چابنے اور پھانکنے کا جو حساب لگایا تو ستر دفعہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار چابنے میں زیادہ دیر لگتی ہے اس لیئے چالیس برس سے میں نے روٹی کھانی چھوڑ دی ہے غور کی جگہ ہے کہ انہوں نے کیسے اپنے وقت کا تلف ہونا چابنے میں سوچا اور اس کو ضائع نہ ہونے دیا اسی طرح ہر ایک سانس عمر کا جو ہر نفیس بیمول ہے اس سے آخرت کا خزانہ باقی حاصل کرنا چاہیئے اور یہ بات اس کو اللہ کے ذکر و طاعت میں مصروف کرنے سے ہوتی ہے علاوہ ازیں کثرت غذا سے مدام طاہر نہیں رہ سکتا نہ مسجد میں ٹھہر سکتا ہے کیونکہ بار بار پانی اور پیشاب کرنے کے لیئے نکلنا پڑتا ہے اور روزہ بھی رکھنا ایسے شخص کو دشوار ہے اس لیئے کہ جس کو بھوک کی عادت ہوتی ہے وہی روزہ رکھ سکتا ہے پس روزہ رکھنا اور دوام اعتکاف اور طہارت اور اوقات حصول غذا اور اس کے لوازم کو عبادت میں صرف کرنا بڑی نعمتیں اور نفع کی چیزیں ہیں ان کی قدر ان غافلوں کو معلوم نہیں جن کی شان میں یہ وارد ہے[1] رضوا بالحیوٰۃ الدنیا واطمانوا بھا اور[2] یعلمون ظاہرا من الحیوٰۃ الدنیا وھم عن الاخرۃ ھم غافلون ۵ اور حضرت سلیمان درانی فرماتے ہیں کہ سیری میں چھ آفتیں ہیں مناجات کی حلاوت نہ پانا حکمت کے حفظ سے معذور رہنا خلق پر شفقت سے بے بہرہ کیونکہ اپنی سیری سے اوروں کو بھی ایسا ہی سمجھتا ہے عبادت کا گراں معلوم ہونا شہوات کی زیادتی سب ایماندار مسجدوں کے گرد پھریں اور پیٹ بھرے گندی جگہوں کے گرد **آٹھواں فائدہ** بدن کا تندرست رہنا اور بیماریوں کا دفع ہونا اس لیئے کہ امراض کا سبب یہی ہوتا ہے کہ غذا کی زیادتی سے نکمے اخلاط معدہ اور رگوں میں جمع ہو جاتے ہیں پھر مریض سے عبادت نہیں ہو سکتی دل کو تشویش ہوتی ہے ذکر فکر نہیں کر سکتا زندگی تلخ ہو جاتی ہے فصد و حجامت و دوا طبیب کی ضرورت ہوتی ہے اور ان سب کے لیئے پیسہ چاہیئے جس سے انسان رنج اٹھاوے اور مصیبت سے خالی نہ رہے اور بھوک میں سب باتیں مفقود ہیں روایت ہے کہ ہارون رشید نے چار طبیب ہندی اور رومی اور عراقی اور حبشی بلا کر ان سے کہا کہ ہر کوئی ایسی دوا بتاؤ جس سے مرض نہ ہو ہندی نے کہا کہ میرے نزدیک ایسی دوا سیاہ ہڑ ہے اور عراقی نے کہا کہ میرے نزدیک ترہ تیزک ہے اور رومی نے گرم پانی بتلایا اور حبشی جو سب سے زیادہ جانتا تھا بولا کہ ہڑ سے معدہ تنگ ہوتا ہے اور یہ بھی ایک مرض ہے اور ترہ تیزک سے معدہ نرم ہوتا ہے وہ جدا مرض ہے اور گرم پانی سے معدہ سست ہوتا ہے وہ بھی روگ ہے

---

[1] اور خوش ہوئے دنیا کے جینے پر اور اسی پر چین پکڑا ۱۲　[2] جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کا جینا اور وہ لوگ آخرت سے خبر نہیں رکھتے ۱۲

انہوں نے پوچھا کہ پھر آپ کے نزدیک کونسی دوا ہے اس نے کہا کہ میرے نزدیک جس دوا سے مرض نہ ہو یہ ہے کہ کھانا ایسے وقت میں کھاوے کہ خواہش ہو اور موقوف ایسے وقت کرے کہ خواہش باقی ہو اس کو سب مان گئے بعض علمائے اہل کتاب کے سامنے اس حدیث کا ذکر ہوکہ [۱] ثلث لطعام و ثلث لشراب و ثلث لنفس تو انہوں نے متعجب ہو کر کہا کہ کمی غذا کے باب میں اس سے زیادہ محکم قول میں نے نہیں سنا یہ کلام بیشک کسی حکیم کا معلوم ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ البطنۃ اصل الداء والحمیۃ اصل الدواء [۲] وعودوا کل جسم ما اعتاد ہمارے نزدیک اگر اس حدیث سے طبیب زیادہ تعجب کریں تو لائق ہے اور ابن سالم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی گیہوں کی روٹی ادب کے ساتھ کھاوے تو مرض موت کے سوا کبھی بیمار نہ پڑے لوگوں نے کہا کہ ادب کیا ہے انہوں نے کہا کہ بھوک پر کھانا اور سیری سے پہلے ہاتھ کھینچنا اور بعض اطبا فاضلین کا قول بسیار خوری کی مذمت میں ہے کہ معدہ میں سب سے زیادہ فائدہ انار کرتا ہے اور سب سے زیادہ ضرر نمک لیکن تھوڑا نمک کھانا بہ نسبت انار کھانے کے مفید ہے اور حدیث میں ہے صوموا تصحوا [۳] بھوک بھی صوم میں داخل ہے غرضکہ غذا کی کمی میں اجسام مرضوں سے محفوظ رہتے ہیں اور قلوب کی سرکشی اور تکبر وغیرہ کا روگ نہیں ہوتا نواں فائدہ خرچ کم ہونا کیونکہ جو کم کھاوے گا اس کو تھوڑا سامان کافی ہوگا اور اگر پیٹ بھرنے کی عادت ہوگی تو ہمیشہ پیٹ کا تقاضہ ہوگا وہ گردن پکڑ کے کہے گا کہ کھانے کی فکر بھی ہے تو آدمی در بدر اس کے لیئے پھرتا پھرے گا اگر وجہ حرام سے کچھ پیدا کرے گا تو گنہگار ہوگا اور وجہ حلال سے لاوے گا تو بھی رنج و ذلت سے خالی نہیں اس لیئے کہ اکثر لوگوں کی طرف طمع سے دیکھنا پڑے گا جو کمال درجہ کی ذلت ہے مومن وہ ہو اپنا خرچ کم رکھے بعض علماء کا قول ہے کہ میں اپنی اکثر حاجتیں اس طرح پوری کرتا ہوں کہ ان کو ترک کر دیتا ہوں اس سے دل کو بڑی آسائش پاتا ہوں اور ایک حکیم کہتے ہیں کہ جب میں کسی دوسرے شخص سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیئے قرض لیا چاہتا ہوں تو اپنے نفس ہی سے اس خواہش کو قرض لے کر ترک کر دیتا ہوں تو میرا نفس میرے لیئے خوب مودی ہے اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ اپنے یاروں سے ماکولات کا نرخ پوچھتے اگر وہ گراں بتاتے تو فرماتے کہ ترک کرکے ارزاں کر لو اور سہل تستری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ بسیار خور تین حال میں برا ہے اگر اہل عبادت ہے تو سستی کرے گا اور اگر پیشہ والا ہے تو آفات سے خالی نہ رہے گا اور اگر کچھ آمد والا ہے تو اپنے دل سے خدا کا انصاف نہ کرے گا حاصل یہ ہے کہ حرص دنیا موجب تباہی ہے اور دنیا کی حرص پیٹ اور شرمگاہ کے سبب سے ہے اور شہوت جماع شہوت غذا سے ہوتی ہے جس کے تھوڑا کرنے سے یہ سب باتیں جاتی رہتی ہیں اور یہ سب ابواب دوزخ ہیں ان کے بند ہوتے ہی جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [۴] ادیموا قرع باب الجنۃ پس جو شخص ایک چپاتی پر قناعت کرے گا وہ سب شہوت سے قناعت کرے گا اور آزاد اور مستغنی ہو کر رنج سے راحت پاوے گا

---

[۱] تہائی غذا اور تہائی پانی اور تہائی سانس ۱۲ پہلے گذری ۱۲ [۲] شکم سیری اصل مرض ہے اور پرہیز کرنا اصل دوا اور معتاد کرو ہر جسم کو جس کا عادی ہو ۱۲ اس کی سند نہیں ملی ۱۲ [۳] روزہ رکھو تندرست رہو گے ۱۲ طبرانی در اوسط بروایت حضرت ابو ہریرہ رضہ بسند ضعیف ۱۲ [۴] بھوک سے جنت کے دروازے کو ہمیشہ کھٹکھٹاتے رہو ۱۲ پہلے گزری

اور عبادت الٰہی اور تجارت اخروی ہی کا ہو رہے گا اور ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی شان میں ہے[1] لا تلہیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللہ کہ دنیا کے معاملات ایسوں کو لہو میں نہیں ڈالتے کیونکہ یہ لوگ اس سے بے پروا ہیں اور جن کو اس کی طرف حاجت ہے ان کو لہو میں ضرور ڈالتے ہیں **دسواں فائدہ** یہ کہ جو غذا کھانے سے بچے گی اس سے صدقہ اور خیرات ہو سکتی ہے اور یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری سے قیامت کی دھوپ میں حدیث کے بموجب اپنے صدقہ کے سایہ میں رہے گا۔ جس قدر آدمی کھا لیتا ہے وہ مٹی اور پاخانہ ہو جاتا ہے اور جو صدقہ دیتا ہے وہ فضل الٰہی کے لئے ذخیرہ ہوتا ہے تو بندہ کو مال میں بھی حق پہنچتا ہے کہ خواہ صدقہ سے اس کو جمع رکھے یا کھا کر فنا کر دے یا پہن کر پرانا کر دے مگر اپنی غذا کو کم کر کے اگر بقیہ سے صدقہ کرے تو اس سے بہتر ہے کہ شکم سیر ہو کر ہیضہ میں مبتلا ہو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے جب یہ آیت پڑھی[2] انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا فرمایا کہ خداوند کریم نے انہیں ساتوں آسمانوں کو جو مزین بہ نجوم ہیں وحملہ عرش سے ارشاد فرمایا کہ تم بار امانت کو مع ما فیہا اٹھاؤ گے انہوں نے عرض کیا کہ اس کے اندر کیا ہے ارشاد ہوا اگر نیک کام کرے ثواب پاوے اور برا کرے تو عذاب ہو عرض کیا ہم سے نہیں اٹھے گا پھر اسی طرح زمین سے پوچھا اس نے بھی انکار کیا پھر بڑے بڑے سخت مضبوط پہاڑوں پر یہ مضمون پیش ہوا انہوں نے بھی انکار کیا پھر انسان سے جو فرمایا تو اس نے مان لیا کیونکہ اپنے نفس پر ظلم اور امر ربانی کی حکمت سے ناواقف تھا اور بخدا کہ اب اس ظلم و جہل کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایمان کو مال کے بدلے میں دے ڈالتے ہیں اور ہزاروں کے مالک ہو کر گھروں کو وسیع اور قبروں کو تنگ اور ہوشی کو موٹا اور دین کو دبلا کرتے ہیں اور صبح و شام حاکم کے دروازے پر جا جا کر اپنی جانوں کو مصیبت لگا کے حاکم حقیقی سے بے خوف ہوئے ہیں کوئی یہ کہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ آرزو رکھتا ہوں اور میرے لئے فلانی فلانی چیزیں آؤ اور بائیں ہاتھ پر تکیہ لگا کر پرایا مال چکھتا ہے اور نوبت جب بدہضمی اور ہیضہ کی پہنچتی ہے تو نوکروں سے کہتا ہے کہ کوئی ایسی چیز لاؤ جس سے کھانا ہضم ہو ارے بیوقوف کھانا ہضم کئے چاہتا ہے یا دین کو ہضم کر بیٹھا فقیر اور یتیم اور بیوہ و مساکین کہاں گئے جن کی خبر گیری کا حکم تجھ کو خدا نے دیا تھا اس بیان سے اسی فائدہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے یعنی جو کچھ کھانے سے بچے اس کو محتاج کو دینا چاہیئے تاکہ اجر اخروی کا ذریعہ ہو اور کھانے کی نسبت یہ امر بہتر ہے کہ اس لئے اس سے[3] دونا گناہ ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کی توند دیکھ کر انگشت مبارک سے توند کی طرف اشارہ کر کے اس کو فرمایا کہ اگر اس قدر چیز کے پیٹ میں جاتا تو تیرے واسطے اچھا ہوتا یعنی اگر تو اپنی خوراک کم کر کے اوروں کو کھلاتا تو آخرت کے لئے ذخیرہ ہوتا اور اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ جن کے پاس اتنی غذا تھی کہ اگر وہ چاہتے تو سب کھا لیتے مگر یہ کہا کہ بخدا سب اپنے پیٹ میں نہ ڈالوں گا کچھ للہ بھی دوں گا پس یہ دس فائدے بھوک کے ہیں جن میں سے ہر ایک

---

[1] نہیں غافل ہوتے سوداگری میں نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے ۱۲ [2] حاکم بروایت عقبہ بن عامر ۱۲ [3] ہم نے دکھائی امانت آسمان کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو پھر سب نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھاویں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان ۱۲ [4] احمد و حاکم بروایت جعدہ جشیمی ۱۲

عادی فوائد بیشمار ہیں اسی لیئے بھوک کو فوائد اخروی کا خزانہ سمجھنا چاہیئے بعض اکابر سے منقول ہے کہ بھوک کلید آخرت اور زاہد کی پھاٹک ہے اور شکم سیری کلید دنیا اور باب رغبت اور یہی مضمون اخبار میں بھی ہے جیساکہ اوپر مذکور ہوا اور ان فوائد کی تفصیل جاننے سے معانی ان اخبار کے بخوبی معلوم و مفہوم ہو جاتے ہیں اور اگر تفصیل فوائد معلوم نہ ہو اور صرف بھوک کو مفید جانو تب بھی رتبہ ایمان تقلیدی کا حاصل ہوگا۔

۳۔ پیٹ کی شہوت توڑنے والی ریاضتیں

جاننا چاہیئے کہ مرید کو شکم اور غذا کے باب میں چار چیزیں مقرر کرنی چاہئیں اول مقدار غذا دوم وقت غذا سوم جنس غذا چہارم درجات ورع ہیں جن کا بیان باب حلال و حرام میں ہم نے لکھا ہے یہاں تین اول کی چیزوں کا ذکر لکھا جاتا ہے مگر جان لینا چاہیئے کہ مقدار غذا حلال ہے اس لیئے کہ عبادت غذا حرام کے ساتھ ایسی ہے جیسی عمارت پانی پر بنانا چاہیں اول جو بات مقرر کرنے کی ہے مقدار غذا کی کم کرنا ہے اور اس میں ریاضت بتدریج کرنی چاہیئے تاکہ ایک انداز پر پہنچ جاوے کیونکہ اگر کوئی شخص بہت کھانے کا عادی ہوگا اور دفعتاً کم کر دے گا تو مشقت بھی زیادہ ہوگی اور مارے ضعف کے اس کا مزاج متحمل ریاضت نہ ہوگا پس تھوڑا تھوڑا کم کرنا چاہیئے مثلاً اگر دو روٹی کھاتا ہے اور یہ چاہے کہ ایک روٹی کھایا کروں تو چاہیئے کہ ایسی طرح کم کرے کہ مہینہ بھر میں ایک روٹی پر آجاوے اور یہ بات کئی طرح ہو سکتی ہے خواہ اول مقدار دو روٹی کو وزن کرے اور پھر ہر روز ایک روٹی کے وزن کا تیسواں حصہ کم کر دے یا لقموں کے شمار سے اس کو گھٹائے تو نہ اس کو ضرر ہوگا اور نہ کچھ اثر کسی طرح کا معلوم ہوگا اور غذا کے درجے چار درجہ ہیں درجہ اعلیٰ یہ ہے کہ غذا اتنی کم کرے کہ مقدار سد رمق رہ جائے جس کے بدون زندگی نہ ہو سکے یہ مرتبہ صدیقین کا ہے اور سہل تستریؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین چیزوں سے عبادت لیتا ہے زندگی اور عقل اور قوت پس اگر بندہ کو اول کی دو چیزیں جاتی رہنے کا خوف ہو تو کھاوے روزہ ہو تو افطار کرے پاس نہ ہو تو تلاش کرے اور اگر ان دونوں کے جانے کا خوف نہ ہو صرف طاقت جانے کا ڈر ہو تو کچھ پرواہ نہ کرے گو ضعیف ہو جاوے یہاں تک کہ بیٹھ کے نماز پڑھے اور یہ جانے کہ بھوک کے ضعف سے بیٹھ کر نماز پڑھنی قوت غذا سے کھڑے ہو کر پڑھنے کی نسبت افضل ہے اور ان سے جو کسی نے شروع کا حال اور غذا کی کیفیت پوچھی تو بتایا کہ میری غذا سال بھر میں تین درم ہوتی ہے ایک درم کا شیرہ انگور لیتا تھا اور ایک کا چاول کا آٹا اور ایک کا گھی سب ملا کر تین سو ساٹھ گولیاں بنا لیتا تھا ہر ایک شب ایک گولی سے افطار کیا کرتا تھا لوگوں نے کہا کہ اب کیا حال ہے انہوں نے فرمایا کہ اب کچھ مقدار و وقت مقرر نہیں اور بعض راہبین کی حکایت ہے کہ وہ اپنی غذا ساڑھے تین ماشہ غذا تک پہنچاتے ہیں دوسرا درجہ یہ ہے کہ رات دن میں مقدار نصف مد یعنی سوا پاؤ کھاوے اور غالب ہے کہ اکثر لوگوں کی نسبت یہ مقدار سوم حصہ شکم کی مساوی ہوگی جس کا ذکر حدیث شریف میں وارد ہے اور لقمات سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ وزن جمع سالم کا قلت کے لیئے مستعمل ہے جو دس سے کم پر بولتے ہیں حضرت عمرؓ کی عادت یہی تھی آپ سات لقمہ یا نو کھایا کرتے تھے تیسرا درجہ یہ کہ مقدار ایک مد کے یعنی اڑھائی پاؤ کھاوے یہ ثلث شکم سے بڑھ کر ہے اور

غالب ہے کہ دو ثلث شکم کے مساوی ہو اس صورت میں ثلث شکم پانی کا حق رہے گا مگر ذکر کے لیئے کچھ نہ رہا جیسا کہ بعض روایتوں میں بجائے نفس کے ثلث للذکر واقع ہوا ہے چوتھا درجہ یہ ہے کہ مد سے بڑھ کر ایک سیر تک کھاوے اور سیر سے زیادہ کھانا اسراف میں داخل ہے اور حکم ربانی [1] وَلَا تُسْرِفُوْا کے مخالف مگر یہ حکم اکثریہ ہے ورنہ مقدار غذا باعتبار شخص اور عمر اور کار متعلقہ ہر شخص کے جداگانہ ہے اور ایک پانچواں طور اور بھی ہے مگر اس میں دھوکے کا مقام ہے وہ یہ ہے کہ جب اشتہاء صادق ہو جب کھانا کھاوے اور بھی اشتہائے صادق باقی ہو کہ ہاتھ کھینچے لیکن جو شخص ایک یا دو روٹی کی مقدار مقرر نہ کرے گا اس کو انتہا اشتہا صادق کی ظاہر نہ ہوگی بلکہ اشتہا کاذب سے اس کو تمیز نہ کر سکے گا اگرچہ اشتہائے صادق کی علامتیں بھی لکھی ہیں اول تو یہ کہ کوئی سی روٹی روکھی ملے اس کو کھالے جب کسی معین روٹی کو جی چاہے یا سالن کی تمنا ہو تو اشتہاء صادق نہ ہوگی اور ایک یہ ہے کہ اگر تھوکے تو مکھی تھوک پر نہ بیٹھے یعنی چکنائی تھوک میں نہ ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معدہ خالی ہے اور اس کی پہچان مشکل ہے تو مرید کے حق میں اولیٰ یہی ہے کہ ایسی مقدار کھانے کی مقرر کرے کہ جون سی عبادت کے درپے ہے اس کو بخوبی کر سکے اس کے کرنے میں کمزور نہ ہو جاوے جب اس حد پر پہنچ جاوے تب ٹھہر جاوے گو اشتہاء باقی رہے خلاصہ یہ کہ اندازہ خاص غذا کا نہیں ہو سکتا کیونکہ احوال اور اشخاص کے اعتبار سے ہر ایک کے لیئے حد جداگانہ ہے ہاں صحابہؓ میں سے ایک جماعت کا معمول تھا کہ ہفتہ میں ایک صاع گیہوں تناول فرماتے اور اگر خرما کھاتے تو ڈیڑھ صاع ہفتہ میں کھاتے اور صاع چار مد کا ہوتا ہے تو اب اس سے ایک روز کی غذا کو حساب کرو تو ایک روز میں کچھ اوپر نصف مد گیہوں ہوتے ہیں اور خرما کے بڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں گٹھلی نکل جاتی ہے پس یہ مقدار اسی کے قریب ہے جس کو ہم نے سوم حصہ شکم کے لیئے لکھا ہے اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہر ہفتہ میں تین سیر جو کھاتے اور بعد آپ کے بھی اسی قدر تناول فرماتے اور کہتے کہ بخدا میں اس مقدار پر زندگی بھر نہ بڑھاؤں گا کیونکہ میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ تم میں قیامت کو مجھ سے زیادہ قریب اور محبوب [2][3] تر وہ ہوگا کہ مرتے دم تک اسی حال پر رہے جس پر اب موجود ہے اور بعض صحابہ کا حال دیکھ کر برا معلوم ہوتا ہے اور کہتے کہ تم نے سب ڈھنگ بدل ڈالا جو کو چھاننے لگے پتلی چپاتیاں پکوانے لگے دودھ و سالن اور رنگ برنگ کے کھانے کھانے لگے کپڑے صبح کو اور شام کو اور پہننے لگے یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کہاں تھیں اور ارباب صفہ کی غذا یہ تھی کہ دو آدمیوں پیچھے تین پاؤ خرما ہر روز کھاتے اور اس میں گٹھلی بھی ہے جس کے دور کرنے میں بہت ہی کم مقدار رہتی ہے اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مومن مثل بھیڑ کے ہے اس کو مٹی سڑے خرما کی یا ستو کی اور ایک گھونٹ پانی کافی ہے اور منافق درندہ ایذا دہندہ کے موافق ہے کہ نگلے چلا جاتا ہے نہ ہمسایہ کے لیئے اپنے پیٹ میں کمی کرے اور نہ کسی بھائی بند کو اپنے اوپر ترجیح دے اور سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض دنیا خون خالص ہی ہوتی تب بھی مومن کی غذا حلال ہی ہوتی اس لیئے کہ مومن وہی ہے جو ضرورت کے وقت سد رمق کھاوے دوسری بات مقرر کرنے کی وقت غذا ہے کہ کتنی دیر بعد کھاوے

[1] اور بے جا خرچ نہ کرو ۱۲ [2] احمد و زہد اور اس میں محبوب تر نہیں ہے اور سند منقطع ہے ۱۲ [3] حاکم بروایت طلحہ بصری ۱۲

اس میں تین درجہ ہیں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تین دن یا اس سے زیادہ کچھ نہ کھاوے اور بعض عارفین نے اس باب میں اتنی ریاضت کی ہے کہ تیس روز چالیس روز کے عرصے تک نوبت پہنچا دی ہے اور علماء میں بھی بہت سے لوگ ایسے ہی ہیں مثلاً محمد بن عمر عرنی اور عبدالرحمٰن بن ابراہیم تیمی اور سلیمان خواص اور سہل تستری اور ابراہیم بن احمد خواص وغیرہ اور حضرت ابوبکر صدیق چھ روز کا طے فرماتے اور عبداللہ بن الزبیر اور ابوالجوزا سات روز کا اور سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادہم تین روز کا غرضکہ یہ سب بزرگ بھوک سے طریق آخرت پر مدد چاہتے تھے بعض علماء کا قول ہے جو کوئی خدا کے واسطے چالیس روز کچھ نہ کھاوے اس پر بعض اسرار الٰہی کھل جاتے ہیں اور ایک شخص اس جماعت میں کا ایک راہب کے پاس گیا اور اس کو نصیحت کرنی شروع کی کہ اسلام اختیار کرنا چاہیئے تمہارے طریق میں صرف دھوکا ہی دھوکا ہے اس کو چھوڑ دینا چاہیئے یہاں تک کہ اس سے گفتگو کی کہ راہب کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس روز تک طے کا روزہ رکھتے اور یہ ایسا معجزہ ہے کہ سوائے نبی صادق کے اور کوئی نہیں کر سکتا صوفی نے کہا کہ اگر میں پچاس دن طے کا روزہ رکھوں تو تو اپنے دین کو چھوڑ دے گا اور دین اسلام کو قبول کر کے جان لے گا کہ تمہارا دین باطل ہے اور اسلام حق ہے اس نے کہا کہ ہاں ایسا ہی کروں گا پھر صوفی نے اس کے سامنے ہی بیٹھ کر پچاس روزے پورے کئے اور کہا کہ ساٹھ پورے کئے دیتا ہوں پس ساٹھ روزے کے بعد راہب کو نہایت تعجب ہوا اور کہا کہ مجھ کو یہی خیال تھا کہ عیسیٰؑ سے بڑھ کر کوئی نہ کر سکے گا آخر کو مسلمان ہو گیا اور یہ ایک بڑا درجہ ہے اس کو ایسا ہی شخص پہنچتا ہے کہ قطع علائق و عادات کر کے مکاشفہ اور مشاہدہ میں مستغرق ہو کر بھوک و حاجت سے مستغنی ہوا ہو دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو روز سے تین روز تین روز تک کا طے کرے اور یہ امر عادت سے خارج نہیں بلکہ ممکن ہے اور تھوڑے سے مجاہدہ سے اور کوشش سے پہنچ سکتا ہے تیسرا درجہ جو ادنیٰ ہے وہ یہ بات ہے کہ رات دن میں ایک بار کھاوے اور اگر اس سے زیادہ ہو گا تو اسراف میں داخل ہے اور ہمیشہ شکم سیر رہنا کہ بھوک کی حالت محسوس نہ ہو عیاشوں کا کام ہے اور خلاف سنت حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر صبح کو کھاتے تو شام کو نہ کھاتے اور شام کو تناول فرماتے تو صبح کو نہ کھاتے اور اکابر کا بھی یہی دستور تھا کہ ایک بار غذا کھاتے تھے اور حدیث شریف میں حضرت عائشہ کو آپ نے فرمایا[۲] ایاك والسرف فان الكلتين فى كل يوم من سرف والكلة واحدة فى كل يومين اقتل والكلة فى كل يوم قوام بين ذلك وهو المحمود فى كتاب الله عزوجل پس جو کوئی ایک دفعہ رات دن میں کھانا چاہے تو مستحب یوں ہے کہ سحر کے وقت صبح صادق سے پہلے تہجد کے بعد کھا دے کہ دن کو بھوکا رہنے سے روزہ ہو جاوے گا اور رات کو بھوکا رہنے سے تہجد کے لئے اٹھنا سہل ہو گا اور معدہ کے خالی رہنے سے فارغ البال اور رقیق القلب اور مجتمع الہم رہے گا نفس بھی ساکن رہے گا پہلے وقت سے تقاضہ نہ کرے گا اور عاصم بن کلیبؓ اپنے ماں باپ سے اور وہ ابو ہریرہؓ سے [۳]روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] بیہقی در شعب بروایت ابو جحیفہ ۱۲ [۲] اپنے آپ کو اسراف بچاؤ کہ ہر روز دو دفعہ کھانا اسراف میں سے ہے اور دو روز میں کھانا ایکبار کی وجہ ہے اور ہر روز کھانا ایک دفعہ دونوں باتوں کے ٹھیک درمیان ہے اور کتاب اللہ میں یہی اچھا ہے ۱۲ بیہقی در شعب بروایت عائشہ اور کہا ہے کہ سند میں ضعیف ہے ۱۲ [۳] اس کو نسائی نے مختصراً نقل کیا ہے ۱۲

ایسا تہجد نہیں پڑھتے تھے جیسا تم پڑھتے ہو بلکہ آپ کا دستور تہجد کا یہ تھا کہ کھڑے کھڑے پاؤں ورم کر جاتے تھے اور روزہ وصال بھی تمہاری طرح نہ رکھتے تھے بلکہ افطار روزہ سحر کے وقت کیا کرتے تھے اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کو سحر میں ملا دیتے تھے پس اگر روزہ دار کا دل بعد مغرب کھانے کا مائل ہو اس طرح کہ تہجد میں حضور قلب نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں چاہیئے کہ جس قدر کھانے کی اس نے عادت کی ہے اس کے دو حصہ کر لیوے ایک کو بعد مغرب کھا لیوے اور ایک کو سحر کے وقت افطار کے وقت کھانے سے یہ فائدہ ہوگا کہ نفس کھانے کی طرف نہ بھٹکے گا اور تہجد اچھی طرح ادا ہوگا اور سحر کے کھانے سے دن کو بھوک کی زیادتی نہ ہوگی اور جو ایک روز افطار کرے اور ایک روز روزہ رکھے تو اس کو ان میں کچھ مضائقہ نہیں کہ روزہ کے دن سحر کے وقت کھالے اور افطار والے دن ظہر کے وقت یہ طریق ہے غذا کے وقت مقرر کرنے کا تیسری بات مقرر کرنے کی جنس غذا ہے اور سالن کا چھوڑنا پس معلوم کرنا چاہیئے کہ غذا سب سے عمدہ گیہوں کا آٹا ہے اگر چھان کر ملے تو آسائش میں داخل ہے اور اوسط غذا چھنا ہوا آٹا جو کا اور ادنیٰ اس کا بن چھنا آٹا اور عمدہ سالن گوشت اور مٹھائی ہے اور اوسط شوربا اور چکنائی بے گوشت اور ادنیٰ نمک و سرکہ ہے اور سالکین کی عادت یہ ہے کہ سالن کبھی نہیں کھاتے بلکہ لذیذ چیز جس کو انسان کی طبیعت چاہے اس سے بھی باز رہتے ہیں کیونکہ اس سے نفس میں شیخی اور سختی ہوتی ہے اور لذات دنیا دل میں گھر کر جاتی ہے ان سے مالوف ہو کر موت اور دیدار الٰہی کو برا جاننے لگتا ہے اور دنیا کو جنت اور جو یہاں کی لذتوں سے محروم ہوں وہاں کی لذت سے جلد بہرہ یاب ہوں اور زندگی کی قید سے جلد چھوٹوں یحییٰ ابن معاذ فرماتے ہیں کہ اے گروہ صادقان جنت کا ولیمہ کھانا ہے تو اپنے نفسوں کو خوب بھوکا رکھو جتنی بھوک زیادہ لگے گی اتنی ہی اشتہا اس کھانے کی بڑھے گی علاوہ ازیں جتنی آفات شکم سیری کی ہم نے لکھی ہیں وہ دل چاہتی چیز دل کے کھانے سے اور لذت میں پڑنے سے ہوتی ہیں اسی لئے شہوات کے ترک میں اگر مباحات کو بھی چھوڑ دیا جائے تو ثواب بہت ہوتا ہے اور ان کے کھانے میں خطرہ رہتا ہے اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] شرار امتی الذین یاکلون مخ الحنطۃ ط اور اس سے یہ غرض نہیں کہ میدہ کھانا حرام ہے بلکہ وہ تو مباح ہے اس طرح کہ اگر گاہ گاہ کھالیا تو کچھ برا نہیں مگر اسی پر مداومت کرے تب بھی اس کھانے سے گنہگار نہ ہوگا مگر نفس کو لذت کی چاٹ پڑ جاوے گی اور دنیا کے انس میں مبتلا ہو کر اسی کے طلب میں ساعی ہوگا اس میں گناہ ہونے کا ارتکاب بھی ہو جاوے گا اور اسی بہت سے شرار امت فرمایا کہ معدہ ایسے امور میں مبتلا کرتا ہے کہ وہ باعث معاصی ہوں اور نیز فرمایا[2] شرار امتی الذین غذوا بالنعیم ونبتت علیہ اجسامھم وانما ھمتھم الوان الطعام وانواع اللباس ویتشدقون فی الکلام ط اور خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ یہ یاد کر لیا کرو کہ قبر میں رہنا ہے اس سے بہت سی شہوتوں سے باز رہو گے اور اکابر سلف

---

[1] یہ حدیث بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا مجھ کو نہیں ملی بخاری نے بروایت ابو سعید اور طبرانی نے بروایت نقل کیا ہے ۱۲ میری امت میں سے بد وہ لوگ ہیں جو گیہوں کا مغز کھاتے ہیں ۱۲ اس کی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲

[2] میری امت میں سے وہ لوگ ہیں جو دولت سے پرورش ہوئے ہیں اور اسی پر ان کے جسم بڑھے ہیں اور ان کی ہمت صرف اقسام غذا اور انواع لباس ہے اور کلام میں باچھیں پھاڑتے ہیں یعنی اظہار فصاحت کرتے ہیں ۱۲ ابو نعیم در حلیہ بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۱۲

لذیذ کھانوں سے بہت ڈرتے اور ان کو علامت بدبختی سمجھتے اور اللہ کے منع فرمانے کو سعادت جانتے چنانچہ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ دو فرشتے چوتھے آسمان پر آپس میں ملے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کہاں سے آتے ہو اس نے کہا کہ مجھ کو حکم ہوا کہ ایک مچھلی سمندر سے فلانی جگہ لے جاؤں جس کو فلانے یہودی نے تمنا کی تھی دوسرے نے کہا میں بھی اس بات پر مامور تھا کہ فلانے عابد کے لیئے تیل ڈال آؤں جو اس کا آرزو مند تھا پس اس بات کا اشارہ ہے کہ آسان ہونا لوازم خیر کا علامت اچھی نہیں اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ٹھنڈے پانی کا شربت نہ پیا اور فرمایا کہ اس کا حساب مجھ سے الگ رکھو غرضکہ کوئی عبادت شہوات اور ترک لذات سے بڑھ کر نہیں جیسا کہ ریاضت نفس میں ہم نے بیان کیا ہے اور حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک بار مریض تھے تازہ مچھلی کو ان کا جی چاہا مدینہ منورہ میں باوجود تلاش نہ ملی بعد چندے جو ملی تو ڈیڑھ درم کو مول لے کر اس کو پکایا اور ایک روٹی پر رکھ کر آپ کے سامنے لے گئے اتنے میں ایک سائل دروازے پر آیا آپ نے خادم سے کہا کہ اس کو روٹی میں لپیٹ کر سائل کو دے دے خادم نے عرض کیا کہ جناب عالی آپ کا دل اتنے دنوں سے چاہتا تھا جب تو نہ ملی تھی اب جو ملی تو ہم نے ڈیڑھ درم مول لے کر آپ کے واسطے پکائی تو اگر آپ فرمادیں اس کو اس کا نقد دام دے دیا جاوے آپ نے فرمایا کہ اسی کو روٹی میں لپیٹ کر دے دو پھر خادم نے سائل کو کہا کہ تم اس کو ایک درم کے عوض دیتے ہو اس نے کہا اچھا خادم نے ایک درم اس کو دے دیا اور مچھلی کو آپ کے سامنے لاکر رکھا اور کہا کہ اس کو درم دے کر مول لے لی آپ نے فرمایا کہ اس سے درم بھی واپس نہ کرو اور یہ بھی مع روٹی دے دو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے[1] ایما امرآء اشتھی شھوۃ فرد شھوۃ واثر بھا علی نفسہ غفر اللہ لہٗ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[2] اذا سددت کلب الجوع برغیف وکوز من الماء القراح فعلی الدنیا واھلھا الدمار اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مقصود بھوک پیاس سے مشقت وضرر کا دور کرنا ہے لذات دنیاوی سے عیش کرنا منظور نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ کہ یزید بن ابی سفیان طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں آپ نے ان کے خادم سے فرمایا کہ جب ان کا طعام شبینہ تیار ہو مجھ کو اطلاع کرنا اس نے ویسا ہی کیا آپ ان کے یہاں تشریف لے گئے جب کھانا آیا تو اول ثرید اور گوشت لائے آپ نے بھی اس کے ساتھ کھایا بعد اس کے بھنا ہوا گوشت آیا انہوں نے ہاتھ بڑھایا مگر حضرت عمر نے اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا کہ اے یزید بن ابی سفیان کیا ایک غذا کے بعد دوسری بھی ہوتی ہے بخدا کہ اگر تم سلف کی سنت کو چھوڑ دوگے تو بیشک ان کا طریق بھی تم سے جاتا رہے گا اور یسار بن عمیر فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی حضرت عمرؓ کے لیئے آٹا نہیں چھانا اور اگر چھانا بھی ہے تو ان کی مرضی کے خلاف کیا ہے اور عتبہ اپنا آٹا گوندکر دھوپ میں رکھ دیتے جب سوکھ جاتا تو کھا لیتے اور کہتے کہ ایک ٹکڑے اور نمک پر رہنا چاہیئے یہاں تک کہ آخرت میں بھنا گوشت اور عمدہ

---

[1] جس شخص کو کچھ خواہش ہوئی اور اس نے اپنی خواہش کو روکا اور اس کو اپنے نفس کی ضد پر جانے دیا اللہ تعالیٰ اس کو مغفرت کرے گا ۱۲ ابن حبان در ثواب بسند ضعیف اور ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں نقل کیا ہے ۱۲ [2] جب تو روک دے بھوک کے کتے کو ایک روٹی اور خالص پانی کے پیالے سے تو دنیا اور اس کے اہل پر خرابی ہے ۱۲ ابو منصور در سند فردوس بروایت ابوہریرہ بسند ضعیف ۱۲

کھانا تیار ہو جاوے اور کوزہ اٹھا کر ایک ٹھلیا میں سے پانی پیتے جو تمام دن دھوپ میں رہتی تھی آپ کی لونڈی کہتی کہ اگر اپنا آٹا آپ مجھ کو دے دیا کریں تو میں پکا دیا کروں گی اور پانی ٹھنڈا کر دیا کروں گی تو آپ جواب دیتے کہ غرض بھوک کے کتے کا روکنا ہے سو یوں بھی رک جاتا ہے اور شقیق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن ادہم کو مکہ معظمہ کے سوق الیل میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کی جگہ کے قریب ہے دیکھا کہ رستہ کے ایک کنارہ پر بیٹھے رو رہے تھے میں بھی راہ چھوڑ کر ان کے پاس جا بیٹھا اور سبب گریہ کا پوچھا انہوں نے فرمایا خیریت ہے پھر میں نے دوبارہ سہ بارہ پوچھا انہوں نے فرمایا کسی سے کہو نہیں تو کہوں میں نے کہا کہ بہتر آپ فرمائیں انہوں نے کہا تیس برس سے میرا حریرہ کو چاہ رہا تھا مگر میں نے کمال کوشش سے ان کو روکا تھا کل رات میں بیٹھا ہوا تھا کہ اونگھنے لگا اتنے میں ایک شخص آیا کہ جس کے ہاتھ میں سبز پیالہ تھا۔ اس میں بھاپ اور خوشبو حریرہ کی آتی میں نے اپنی ہمت سے نفس کو روکا پھر اس نے پیالہ میرے قریب کر کے کہا کہ اے ابراہیم کھا میں نے کہا میں نے اس کو للہ چھوڑ دیا ہے نہ کھاؤں گا اس نے کہا کہ اگر خدا ہی کھلاوے تو کھانا چاہیئے مجھے کچھ اور جواب نہ بن آیا رونے لگا پھر اس نے کہا کہ لو کھاؤ میں نے کہا کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ کھانا کہاں سے آیا ہے تب تک ہاتھ نہ ڈالیں اس نے جواب دیا کہ کھاؤ یہ تمہارے واسطے عنایت ہوا ہے مجھ کو حکم ہوا ہے کہ اے اصفر اس پیالے کو لے جا اور نفس ابراہیم بن ادہم کو کھلاوے کیونکہ اس نے بہت دنوں سے نفس پر صبر کر کے اس کو روک رکھا ہے اب اللہ نے اس پر رحم کیا اور اے ابراہیم یہ بھی یاد رکھو کہ میں نے فرشتوں سے سنا ہے وہ کہتے ہیں جو شخص عطا کو نہیں لیتا تو پھر اگر طلب کرتا ہے تو نہیں ملتی میں نے کہا کہ اگر یہی حال ہے تو میں تمہارے سامنے ہوں اس کا عقدہ اللہ ہی کھولے گا پھر میں نے جو دیکھا تو ایک اور شخص نظر آیا کہ اس نے پہلے کچھ دیا اور کہا کہ تو ہی اپنے ہاتھ سے کھلا دے پس اس نے میرے منہ میں لقمہ دینا شروع کیا یہاں تک کہ میں سو گیا جب جاگا تو اس کا مزہ منہ میں پایا شقیق کہتے ہیں کہ جب ابراہیم نے یہ بات تمام کی میں نے کہا اپنا ہاتھ تو لاؤ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر بوسہ دیا اور یوں کہنے لگا کہ خداوندا جو لوگ اپنی شہوتوں کو اچھی طرح روکتے ہیں تو ان کی آرزو پوری کرتا ہے دل میں یقین تو ہی ڈالتا ہے دلوں کو ان سے مطمئن تو ہی رکھتا ہے اپنے بندہ شقیق پر بھی نظر توجہ ہو پھر حضرت ابراہیم بن ادہم کا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہنے لگا کہ الٰہی اس ہاتھ کی اور اس ہاتھ والے کی برکت سے اور اس انعام کی برکت سے جو تو نے ان پر فرمایا اپنے بندہ مسکین پر عطا کر وہ تیرے ہی فضل اور احسان و رحمت کا محتاج ہے اگرچہ اس کا سزاوار نہیں اس کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور چل کر حرم شریف میں داخل ہوئے اور مالک بن دینار کو کہتے ہیں کہ چالیس برس دودھ کو چاہتے رہے مگر نہ پیا اور ایک روز ان کے پاس تر چھوہارے ہدیہ آئے اور لوگوں نے ان سے کھانے کو اصرار کیا آپ نے فرمایا تمہیں کھالو میں نے چالیس برس ان کو نہیں چکھا اور احمد بن الحواری کہتے ہیں کہ ابو سلیمان دارانی کا ایک بار دل گرم نمکین روٹی کو ہوا۔ میں سامنے لے گیا آپ نے ایک بار دانت سے کتر کر چھوڑ دیا اور رو کر کہنے لگے کہ بہت سی محنت و مشقت کے بعد تو نے میری آرزو پوری کر دی اب میں پکی توبہ کرتا ہوں مجھ کو معاف فرما احمد کہتے ہیں کہ پھر کبھی نمک زندگی بھر نہ کھایا اور مالک بن ضیغم فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کے بازار میں جاتا تھا ایک ترکاری

ت ہریسہ

دیکھی میرے نفس نے کہا کہ رات کو مجھ کو یہ کھلاوے میں نے قسم کھائی کہ چالیس روز نہ کھاؤں گا اور حضرت مالک بن دینار بصرہ میں پچاس برس رہے مگر ان لوگوں کے تر و خشک خرما کبھی نہ کھائے بعد اس کے ان سے کہا کہ بصرہ والو میں تم میں پچاس برس رہا اور تمہارے تر و خشک سے سروکار نہ رکھا مگر پھر بھی جو چیز مجھ سے کم ہوئی تم میں نہ بڑھی اور نہ جو چیز تم میں زیادہ تھی مجھ سے کم ہوئی اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ میں نے دنیا کو پچاس برس سے چھوڑ دیا ہے میرا دل دودھ کو چالیس برس سے چاہتا ہے مگر بخدا عمر بھر نہ پیوں گا اور حماد بن ابی حنیفہ کہتے ہیں کہ میں داؤد طائی کے پاس آیا وہ دروازہ بند کیئے ہوئے کہہ رہے تھے کہ تو نے روٹی چاہی تھی میں نے کھلا دی پھر خرما کھانا چاہتا ہے میں نے قسم کھائی کہ کبھی نہ کھاؤں گا پھر جب میں نے سامنے ہو کر سلام کیا تو معلوم ہوا کہ صرف اکیلے اپنے نفس سے کہہ رہے تھے اور ابو حازم ایک روز بازار میں جاتے تھے ایک میوہ نظر پڑا بیٹے سے کہا کہ یہ میوہ جو ٹوٹا ہوا رکھا ہوا دھرا ہے اس میں سے میرے واسطے خرید لا شاید میوہ جنت بن ٹوٹا بے روک بھی مل جاوے جب وہ خرید کر لایا اپنے نفس سے کہنے لگے کہ تو نے فریب دیا کہ دیکھتے ہی آرزو پیدا کی اور پھر اس کو مول لوایا بخدا کہ کھلاؤں گا نہیں پس اس کو یتیم محتاجوں کو بانٹ دیا اور موسیٰ اشبح سے نقل ہے کہ بیس برس سے میرا دل درد رہ نمک کو چاہتا ہے اور احمد بن خلیفہ کہتے ہیں کہ بیس برس تک میرا نفس یہی کہتا رہا کہ پانی پیٹ بھر کر پلا دے مگر میں نے کبھی سیراب نہ کیا اور عتبہ غلام کہتے ہیں کہ سات برس تک میرا دل گوشت کو چاہتا رہا بعد اس کے مجھے شرم آئی کہ کب تک ٹالتا رہوں سات برس سے تو ٹال رہا ہوں آخر ایک گوشت کا ٹکڑا لے کر بھونا اور اس کو ایک روٹی میں لپیٹا اور ایک لڑکے کو دیکھ کر اس سے پوچھا کہ تو فلانے کا بیٹا ہے جو مر گیا اس نے کہا ہاں پس وہ روٹی اس کے حوالہ کی کہتے ہیں کہ روٹی دے کر آپ رونے لگے اور یہ آیت پڑھی[تا] ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا اور پھر کبھی گوشت نہ کھایا اور چند روز ان کا دل خرما کو چاہا کیا ایک روز کسی قدر خرید کر رات کے لیئے رکھ چھوڑے کہ اسی سے افطار کروں گا اتنے میں ہوا کا طوفان آیا اور اندھیرا ہو گیا لوگوں کو خوف معلوم ہوا عتبہ اپنے نفس سے کہنے لگے کہ یہ بلا اسی سبب سے آئی ہے کہ میں تیری خاطر سے اتنے خرمے مول لیئے اب خبردار ان کو مت چکھنا اور داؤد طائی نے دھیلے کے نقل[۱] اور پیسہ کا سرکہ مول لیا اور تمام رات نفس سے کہتے رہے کہ اے داؤد قیامت کو کیسا بڑا حساب دینا پڑے گا پھر ہمیشہ روکھی روٹی کھائی اور عتبہ غلام نے ایک روز عبد الواحد بن زید سے کہا کہ فلانا شخص اپنے نفس میں ایسا درجہ بتلاتا ہے کہ میں اس رتبہ کو نہیں اپنے نفس میں پاتا انہوں نے کہا کہ یہ اس لیئے ہے کہ تم روٹی کے ساتھ خرما کھاتے ہو اور وہ صرف روٹی ہی کھاتا ہے عتبہ نے کہا کہ اگر میں بھی خرما چھوڑ دوں تو وہ رتبہ حاصل ہو گا انہوں نے کہا کہ بیشک پس عتبہ رونے لگے لوگوں نے کہا کہ کیا خرما پر روتے ہو عبد الواحد نے فرمایا کہ کچھ نہ کہو ان کے نفس نے جان لیا کہ ارادہ پکا کرتے ہیں اور جس چیز کو چھوڑیں گے پھر اس کی طرف رجوع نہ کریں گے اور جعفر بن نصر کہتے ہیں کہ مجھ کو حضرت جنید نے فرمایا کہ تھوڑے انجیر میرے لیئے خرید لا جب میں مول لے آیا تو افطار کے وقت منہ میں ڈالا

[تا] اور کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج اور بن باپ کے لڑکے اور قیدی کو ۱۲ [۱] اصل میں یہ ہے کہ تو نے گاجر ناگی کھلا دی ۱۲

اور تھوک دیا اور کہا اٹھائے جاہیں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ گوش دل میں غیب سے یہ ندا آئی کہ تو تے میری خاطر چھوڑا تھا کیا پھر کھائے گا اور صالح کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سلمی کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ کے لیئے ایک چیز بھیجا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ واپس نہ کریں انہوں نے فرمایا بہتر میں نے اپنے لڑکے کے ہاتھ ستو گھی اور شہد میں ملا کر بھیج دیئے اور کہہ دیا کہ وہ جب تک نہ کھالیں تب تک مت آنا آپ نے کھالیئے دوسرے روز میں نے پھر بھیجے آپ نے نہ پیئے اور واپس کر دیئے پس میں آپ سے خفا ہو کر کہنے لگا کہ سبحان اللہ آپ نے میرا ہدیہ واپس کیا جب انہوں نے مجھ کو غصہ میں دیکھا فرمایا کہ برا ماننے کی بات نہیں ایک بار تو میں نے تعمیل کی جب دوسری بار تم نے بھیجا تو پھر چند میں نے کھانا چاہا مگر نہ ہو سکا جب میں ارادہ کھانے کا کرتا تھا تو یہ آیت یاد پڑتی تھی۔[ت] یتجرعہ ولا یکاد یسیغہ آخر تک صالح کہتے کہ میں رو پڑا اور دل میں کہنے لگا کہ میں اور کہیں ہوں اور تم اور کہیں اور سری سقطی فرماتے ہیں کہ میرا نفس تیس برس سے یہ چاہتا ہے کہ روٹی شیرہ انگور میں تر کر کے کھلاؤں مگر میں نے نہیں کھلائی اور ابو بکر جلا نے فرمایا ہے کہ ایک شخص میں نے ایسا دیکھا ہے کہ اس کا نفس اس سے کہتا تھا کہ میں دس روز تک کچھ نہ کھاؤں گا بشرطیکہ تو دس روز کے بعد جو کہوں وہ کھلا دے اس نے کہا کہ میں دس روز کا فاقہ نہیں چاہتا تو بھی تمنا چھوڑ دے ایک عابد کا ذکر ہے کہ انہوں نے کسی اپنے یگانہ کی دعوت کی اور روٹیاں سامنے رکھ دیں وہ شخص روٹیاں لوٹنے لگا کہ اچھی دیکھ کر کھا دے عابد نے فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو تم کو معلوم نہیں کہ جس روٹی کو تم نے چھوڑ دیا اس میں کتنی حکمتیں ہیں اور کتنے کاریگروں کے ہاتھ سے نکل کر تمہارے پاس آئی اول ابر سے چلو کہ اس میں پانی آیا اور پانی سے زمین اور ہوا اور چوپایہ تازے ہوئے اور بہت سے لوگوں نے کام کیا جب کہیں تم تک آئی اب تم لوٹتے ہو رغبت سے نہیں کھاتے حدیث شریف میں ہے [۲ح] لا یستدیر الرغیف ویوضع بین یدیك حتی یعمل فیہ ثلاثمائۃ وستون صانعا اولھم میکائیل علیہ السلام الذی یکیل الماء من خزائن الرحمۃ ثم الملئکۃ التی تزجی السحاب والشمس والقمر والافلاک وملائکۃ۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ؛ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اور بعض اکابر سے منقول ہے کہ میں قاسم جوعی کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ زہد کیا چیز ہے انہوں نے کہا کہ تم نے اس کے باب میں کیا سنا ہے میں نے چند اقوال نقل کیئے وہ چپ ہو رہے میں نے کہا آپ کیا کہتے ہیں انہوں نے کہا پیٹ آدمی کا دنیا ہے جس قدر اس کو ضبط کرے گا اتنا ہی زہد حاصل کرے گا اور جتنا اس کو نہ روکے گا اتنی ہی دنیا اس پر قابض ہو گی اور بشیر بن الحارث ایک بار بیمار پڑے عبد الرحمٰن بن مطیب کے پاس جا کر ماکولات میں سے اپنے مزاج

[ت] گھونٹ گھونٹ لیتا ہے اس کو اور گلے سے نہیں اتار سکتا ۱۲ [۲ح] گول ہو کر روٹی تیرے سامنے نہیں آئی جب تک اس میں تین سو ساٹھ کاریگر کام نہیں کرتے اول ان میں سے میکائیل علیہ السلام ہیں جو پانی کو خزانہ رحمت سے ناپتے ہیں۔ پھر فرشتے ہیں جو ابر کو ہنکاتے ہیں اور آفتاب و مہتاب و آسمانوں کے فرشتے ہیں اور فرشتے ہوا کے اور زمین کے چوپایوں کے لیئے ہیں اور ان میں آخر نان بائی ہے اور اگر تم شمار کرو خدا کی نعمتوں کو تو نہیں گھیر سکو گے اس کی سند نہیں ملی ۱۲

کے موافق پوچھنے لگے انہوں نے کہا پوچھتے تو ہو لیکن اگر میں بتاؤں گا تو مانو گے یا نہیں انہوں نے کہا کہ تم بتاؤ تو سہی میں مانوں گا کہا کہ سکنجبین پیو اور سیب چوسو اور بعد اس کے شوربا کھاؤ انہوں نے فرمایا کہ سکنجبین سے کمتر کوئی چیز ہے کہ اس کی قائم مقام ہو کہا کہ مجھے معلوم نہیں انہوں نے کہا مجھے معلوم ہے وہ کانسی ہے سرکہ کے ساتھ پھر پوچھا کہ سیب سے کمتر چیز قائم مقام اس کے ہے انہوں نے کہا میں نہیں جانتا کہا کہ میں جانتا ہوں وہ شامی لوبیے کی پھلی ہے پھر پوچھا شوربے سے کمتر کوئی چیز اس کا عوض معلوم ہے کہا کہ نہیں انہوں نے کہا کہ مجھ کو معلوم ہے نخود آب گاوے گھی میں اس کا بدل ہے عبدالرحمٰن نے کہا کہ تم مجھ سے طب زیادہ جانتے ہو پھر بیفائدہ پوچھتے ہو ان حکایات سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شہوات سے باز رہے اور غذا شکم سیر سے رکے اس کا باعث وہی فوائد ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا اور بعض اوقات یہ بھی وجہ ہوتی ہے کہ روزی حلال و صاف نہ جانتے تھے اس وجہ سے بیضرورت اپنے نفس کو اجازت غذا نہ دیتے تھے اور دل چاہتی چیزیں داخل ضروریات نہیں چنانچہ ابوسلیمان فرماتے ہیں کہ نمک بھی شہوت و آرزو کی چیز ہے اس لیئے کہ روٹی سے زیادہ ہے اور جو چیز روٹی کے سوا ہے سب زائد اور شہوت میں داخل ہے یہ انتہا درجہ کی بات ہے اگر کوئی اس پر قادر نہ ہو تو بھلا اتنا تو ہو کہ اپنے نفس سے غافل نہ ہو اور شہوات میں مستغرق نہ ہو آدمی کو اسی قدر اسراف کافی ہے کہ جو دل چاہے وہ کھاوے اور جو جی میں آوے وہ کرے اس لیئے ضرور ہوا کہ مداومت گوشت کی چھوڑ دے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص چالیس روز تک گوشت ترک کر دے بدخلق ہو جاتا ہے اور جو برابر چالیس روز کھاوے سخت دل ہو جاتا ہے اور بعضوں کا یہ قول کہ گوشت کی مداومت میں شراب کا نشہ ہوتا ہے اور جب بھوکا ہو جماع کو بھی دل چاہے تو یہ نہ کرے کہ کھا کر صحبت کرے اور نفس کی دو آرزوئیں پوری کرے کیونکہ وہ اس وقت قوی ہو جاوے گا اور بعض دفعہ غذا اس لیئے کھاتا ہے کہ صحبت کا نشاط زیادہ ہو اور مستحب ہے کہ شکم سیری پر نہ سوئے نہیں تو دو غفلتوں کا جامع ہو گا اور سستی کا عادی اور سختی دل بھی اس سے پیدا ہوتی ہے ایسی صورت میں نماز پڑھے یا بیٹھ کر ذکر کرے کہ یہ بات شکر کے قریب ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے[1] اذیبوا طعامکم بالذکر والصلوٰۃ ولا تناموا علیہ فتقسوا قلوبکم اور ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ چار رکعتیں پڑھے یا سو دفعہ سبحان اللہ کہے یا ہر غذا کے بعد کچھ کلام مجید کی تلاوت کرے حضرت سفیان ثوریؒ جس رات شکم سیر ہوتے تو تمام رات عبادت کرتے اور اگر دن کو سیر ہوتے تو پیاپے نماز و ذکر میں مصروف رہتے اور فرماتے کہ کالی بلا کا پیٹ بھر دو اور محنت لو خواہ یوں کہتے کہ گدھے کو شکم سیر کر کے اس سے محنت لو اور جب کبھی کسی غذا کے بعد تفکہات کو جی چاہے تو روٹی نہ کھانی چاہیئے اس کے عوض اسی میوہ کو کھالے تا کہ غذا میں داخل ہو اور نفس جامع عادت اور شہوت کا نہ ہو اور سہل تستریؒ نے ابن سالم کے ہاتھ میں روٹی اور چھوہارے دے کر فرمایا کہ روٹی اوّل کھاؤ اگر کافی ہو تو فبہا ورنہ روٹی بقدر ضرورت کھا لینا اور جب ایک کھانا لطیف اور ایک غلیظ میسر آوے تو اول لطیف کھاوے کیونکہ اس کے بعد غلیظ کو دل نہ چاہے گا اور اگر پہلے اچھا نہ کھاوے گا تو دوسرے کھانے کے بعد اس پر طبیعت بھٹکتی رہے گی اور بعض اکابر

---

[1] اپنی غذا کو ذکر اور نماز سے ہضم کرو اور اس پر سو مت رہو ورنہ تمہارے دل سخت ہو جاویں ۱۲ طبرانی در اوسط و ابن سنی در یوم و لیلۃ بروایت حضرت عائشہؓ بسند ضعیف ۱۲

اپنے ساتھیوں سے کہتے کہ جی چاہتی چیزیں مت کھاؤ تو ان کی تلاش مت کرو اگر تلاش کرو تو ان سے محبت نہ رکھو اور خاص طرح کی روٹی ڈھونڈنی داخل شہوت ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عراق سے ہمارے پاس کوئی فاقہ روٹی سے بڑھ کر نہیں آتا تو دیکھنا چاہیئے کہ روٹی کو آپ نے فاقہ فرمایا حاصل کلام یہ ہے کہ مباحات کی شہوت و اتباع میں بھی نفس کو نہ ڈالنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اگر یہاں شہوتیں پوری کریں اور قیامت کو کہا جاوے کہ اذھبتم طیباتکم فی حیوٰتکم الدنیا واستمتعتم اور جس قدر کہ یہاں نفس پر مجاہدہ کر کے شہوات کو چھوڑے گا اسی قدر آخرت میں چاہتی چیزیں پاوے گا بصرہ کے ایک بزرگ چاول کی روٹی اور مچھلی کو بیس برس تک چاہتے رہے مگر نفس پر مجاہدہ کر کے اس کو روکا اور ہر چند ان کا نفس مانگا کیا مگر کبھی نہ دی جب وفات پائی تو کسی نے ان کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تمہارے ساتھ خدا تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا انہوں نے کہا کہ جو نعمتیں اور کرامتیں عنایت فرمائیں میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا سب سے اول جو چیز مجھ کو عنایت ہوئی چاول کی روٹی اور مچھلی تھی ارشاد ہوا کہ آج جتنا چاہے بے حساب جی بھر کے کھائے چنانچہ خود بھی ارشاد فرماتا ہے[ف۱] کلوا واشربوا ھنیئًا بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ پہلے عمل بھی کیا تھا کہ شہوات کو چھوڑ دیا تھا اسی وجہ سے ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ ایک شہوت کو چھوڑ دینا برس روز کے روزے اور شب بیداری سے زیادہ نافع ہوتا ہے خدا ہم کو بھی اپنی رضا کی توفیق عنایت کرے بطفیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

[ف۲] بھوک اور اس کے فضائل میں اختلاف

جاننا چاہیئے کہ غایت مقصود سب احوال و اخلاق میں خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کے میانہ روی ہے اور دو طرفیں افراط و تفریط کی مذموم ہیں اور بھوک کی فضیلت میں ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس کی افراط منظور ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن چیزوں کی طرف اقتضے کو طبیعت طالب ہوتی ہے اور اس میں کچھ فساد ہوتا ہے تو اسرار حکمت شرعی میں سے ہے کہ ایسی صورت میں منع مبالغہ کے ساتھ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ جاہل کو یہ گمان ہو کہ مقصود یہی ہے کہ ہر حال میں طبیعت کا ضد خیال کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس کے خلاف عمل کیا جاوے اور عاقل یہ سمجھتے ہیں کہ منظور درجہ اعتدال ہے مثلاً نہایت شکم سیری اقتضاء طبع ہے تو شریعت کمال درجہ کی بھوک کی صفت اور ثنا کرتی ہے تاکہ طبیعت کسی طرح اپنے مقتضا سے باز رہ کر درجہ اعتدال حاصل کرے کیونکہ اقتضاء طبع کو بالکل استیصال کرنا امر محال ہے تو ضرور کوئی انتہا اس کی ہو گی کہ اس پر عمل کرنے سے شرعاً ممدوح ہو اسی طرح اگر کوئی مسرف خلاف طبع اسراف کرے تو شریعت میں اس کی مذمت پائی جاوے گی مثلاً شب بیداری اور روزہ کے باب میں شریعت میں

[ف۱] ضائع کئے تم نے اپنے مزے اپنی دنیا کے جیتے جی اور ان کو برت چکے ۱۲ [ف۲] اور کھاؤ اور پیو رنج سے بدلہ ان کا جو آگے بھیجا تم نے پہلے دنوں میں ۱۲ [ف۳] بہترین امور درمیانی ہوتے ہیں ۱۲ یہ حدیث پیشتر گزری ۱۲

میں نہایت مبالغہ کے ساتھ وصف ہے مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانا کہ بعض لوگ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں اور تمام رات جاگتے ہیں تو ان کو اس سے منع فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ مقصود صرف درجہ اعتدال ہے پس کھانے کے باب میں افضل اور معتدل یہ ہے کہ اتنا کھاوے کہ نہ معدہ ثقیل ہو نہ بھوک کی تکلیف معلوم ہو سہ

پخنداں بخور کز دہانت برآید : پخنداں کہ از ضعف جانت برآید

بلکہ کھانا ایسی طرح کھاوے کہ اس کا اثر معلوم ہو اس لیئے کہ غرض غذا سے بقاء حیات اور قوت عبادت ہے معدہ کی گرانی سے بھی عبادت نہیں ہو سکتی اور بھوک کی تکلیف بھی دل کے شغل کی مانع ہے تو یہی نتیجہ نکلا کہ ایسی طرح کھاوے کہ غذا کا اثر معلوم نہ ہو تا کہ فرشتوں کے مشابہ ہو جاوے کہ ان کو بھی غذا کی گرانی اور بھوک کی تکلیف معلوم نہیں ہوتی اور انسان کا درجہ کمال بھی یہی ہے کہ ان کا اقتداء کرے اور چونکہ سیری اور بھوک سے تو چھوٹ ہی نہیں سکتا تو دونوں حالتوں سے دور تر درجہ وسط ہے جس کو اعتدال کہتے ہیں اور رجوع کرنا افراط و تفریط سے درجہ وسط اعتدال کی طرف ایسا ہے کہ ایک لوہے کے گرم کنڈل کو زمین میں ڈال کر ایک چیونٹی کو اس کے بیچ میں چھوڑ دو اب چیونٹی اس حلقہ کی گرمی سے بچنا چاہے گی اور چاروں طرف سے نکلنا چاہے گی مگر ہر طرف وہی گرمی موجود ہے کسی طرف سے نکل نہیں سکتی بھاگتی پھرے گی یہاں تک کہ اس حلقہ کے مرکز میں پہنچ کر ٹھہر جاوے تو البتہ سب طرف کی حرارت سے دور تر رہے گی اسی طرح شہوات بھی انسان کو محیط ہیں اور یہ چیونٹی کی طرح اس کے کنڈل میں پڑا ہوا ہے اور فرشتے اس سے خارج ہیں اور انسان کو اس سے نکل جانا تو غیر ممکن ہے اور تشبہ فرشتوں کا کیا چاہتا ہے تو اسی صورت سے ہو سکتا ہے کہ شہوات سے جتنا دور ممکن ہو اتنا ہو جاوے اور چونکہ اعتدال سب اطراف سے برابر دوری پر ہے اس واسطے سب اخلاق متقابلہ میں وہی مطلوب ہونا چاہیئے اور اسی اعتدال سے اس حدیث میں مقصود ہے کہ خیر الامور اوسطہا[1] اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا[2] پس جب انسان کو بھوک اور سیری دونوں محسوس ہوں گی تب نفس ہلکا رہے گا اور عبادت و فکر آسان معلوم ہوں گی اور عمل کرنے پر قادر ہو گا مگر چونکہ ابتداء امر میں نفس سرکش ہوتا ہے اور شہوت کا شائق اور افراط کا مائل تو اعتدال کا حاصل ہونا سہل نہیں ہوتا اور نہ اس سے چنداں فائدہ بلکہ اس وقت بھوک سے اس کی ایذا دینے میں خوب مبالغہ کرنا چاہیئے جیسا کہ اول اول گھوڑے وغیرہ کی شائستگی کے لیئے بھوکا پیاسا رکھتے ہیں اور خوب کوڑے پڑتے ہیں تب کہیں سیدھا ہوتا ہے اور کام دیتا ہے پھر حسب مرضی کام کرنے کے بعد سب مشقت اس سے دور کر دی جاتی ہے اور اعتدال پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس بھید کی جہت سے مرشد اپنے مریدوں کو ایسے کام بتاتا ہے جو خود نہیں کرتا مثلاً بھوکا رہنے کو کہتا ہے یا شہوت کے چھوڑنے کو فرماتا ہے حالانکہ خود بھوکا نہیں رہتا نہ شہوات سے بالکلیہ منقطع ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات فواکہ اور شہوت کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے نفس کی تادیب سے فارغ ہو گیا اب تکلیف دینے

---

[1] سب سے بہتر امور درمیانی ہوتے ہیں پہلے گزری ۱۲ [2] کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ ۱۲ پہلے گزری ۱۲

کی اس کو حاجت نہیں اور چونکہ نفس غالب احوال میں شہوت پرست اور شریر و سرکش اور عبادات کا چور ہوتا ہے تو مناسب یہی ہے کہ بھوکا رکھا جاوے اور اکثر احوال میں تکلیف اٹھاوے اور انکسار پاکر درجہ اعتدال حاصل کرے بعد اس کے غذا بھی معتدل کر دی جاوے اور ہمیشہ بھوکا رہنے سے دو ہی شخص باز رہتے ہیں ایک صدیق اور ایک احمق دھوکے میں پڑا ہوا صدیق کو تو اس وجہ سے بھوک کی ضرورت نہیں کہ اس کا نفس راہ راست پر مستقیم ہے اور اس کو تکلیف دہی نفس کی حاجت نہیں اور جو شخص احمق ہے وہ اس لیئے بھوکا نہیں رہتا کہ اپنے آپ کو صدیق جانتا ہے اور نفس کو تادیب کے قابل نہیں سمجھتا اور یہ ایک بڑا دھوکہ ہے اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے اس لیے کہ نفس کی تادیب بوجہ کمال کمتر ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی صدیق کو دیکھا کہ وہ اس باب میں پروا نہیں کرتا تو آپ بھی ویسا ہی کرنے لگا اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی بیمار کسی تندرست آدمی کو جو مرض سے شفا پا چکا ہو کوئی چیز کھاتے دیکھے تو اپنے آپ کو صحیح جان کر وہی چیز کھانے لگے اور ہلاک ہو جاوے اور اس بات کی وجہ کہ مقدار اور جنس اور وقت غذا میں کچھ تخصیص نہیں بلکہ مقصود اصلی مجاہدۂ نفس نافرمان کا ہے جو حق سے متجاوز ہو کر رتبہ کمال کو نہیں پہنچا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے بھی مقدار و وقت غذا مقرر نہ تھا چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپ اس قدر روزے رکھتے کہ ہم کو گمان ہوتا کہ آپ افطار نہ کریں گے اور کبھی افطار کے دن اتنے ہوتے کہ معلوم ہوتا اب روزہ نہ رکھیں گے اور جب گھر میں تشریف لاکر پوچھتے کہ کچھ ہے اور گھر کے لوگ عرض کرتے کہ ہے تو تناول فرماتے ورنہ فرماتے کہ آج تو میرا روزہ ہے[1] اسی طرح جب آپ کے سامنے کوئی چیز پیش ہوتی تو فرماتے کہ میرا ارادہ تو روزہ رکھنے کا تھا اور ایک روز آپ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں روزہ سے ہوں حضرت عائشہ[2] نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے یہاں حیس یعنی چھوہارے گھی اور پنیر میں ملے ہوئے آئے ہیں آپ[3] نے فرمایا میں نے تو روزہ رکھنا چاہا تھا مگر خیر لے آؤ[4] اور اسی جہت سے سہل تستری سے نقل ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ شروع میں آپ کا کیا حال تھا تو انہوں نے عجیب عجیب مشقتیں بیان فرمائیں یہاں تک فرمایا کہ مدت تک میں نے بیری کے پتوں پر گزر کی اور تین برس تک انجیر کوٹ کوٹ کر کھائے پھر کہا کہ تین برس میں تین درم کی غذا کھاتا تھا پھر جب پوچھا گیا کہ اب آپ کی غذا کیا ہے آپ نے فرمایا کہ اب کچھ حد اور وقت مقرر نہیں اس سے یہ غرض نہیں کہ اب بہت کھاتا ہوں بلکہ یہ مطلب ہے کہ کوئی مقدار نہیں مقرر ہے اور نہ کچھ وقت مقرر ہے جس قدر کہ ضروری سمجھتا ہوں اور جس وقت مناسب جانتا ہوں کھا لیتا ہوں اور حضرت معروف کرخی[5] کے پاس لوگ اچھے اچھے کھانے بھیجتے آپ کھا لیتے لوگوں نے کہا کہ آپ کے بھائی بشر ایسے کھانے نہیں کھاتے آپ نے فرمایا کہ میرے بھائی بشر کو ورع نے روک رکھا ہے اور مجھ کو معرفت نے کشادہ کر رکھا ہے پھر فرمایا کہ میں خدا کا مہمان ہوں جب مجھے کھلاتا ہے کھا لیتا ہوں جب بھوکا رکھتا ہے صبر

---

[1] بخاری و مسلم ۱۲ [2] ابو داؤد و ترمذی و نسائی بروایت عائشہ ۱۲ [3] بیہقی بروایت عائشہؓ بالفاظ دیگر [4] بخاری و مسلم میں بروایت حضرت عائشہؓ ہے کہ آپ کو شیرینی پسند تھی اور اسی میں آپ کے شہد پینے کا حال ہے ۱۲

کرتا ہوں مجھ کو اعتراض و تمیز سے کیا کام پڑا ہے اور حضرت ابراہیم بن ادہم نے اپنے بھائیوں میں سے کسی کو چند درم دیئے اور کہا کہ ان کا مکھن اور شہد اور روٹی لے آؤ انہوں نے عرض کیا حضرت ان سب کا آپ نے فرمایا بھلے مانس اگر ہم کو ملتا ہے تو مردوں کی طرح کھاتے ہیں اور اگر نہیں ہوتا تو مردوں ہی کی طرح صبر کرتے ہیں اور ایک روز بہت سا کھانا پکوایا اور چند لوگوں کی دعوت کی کہ ان میں اوزاعی اور ثوری تھے پس سفیان ثوری نے فرمایا کہ اے ابا اسحٰق تم کو خوف نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کہیں اسراف نہ ہو جاوے آپ نے فرمایا کہ کھانے میں اسراف نہیں ہوتا اسراف کپڑے اور اثاث البیت میں ہوتا ہے پس جس شخص کو علم سمعی باتوں سے اور نقل اور تقلید سے ہوتا ہے وہ منشا نہیں سمجھتے اور حضرت ابراہیم بن ادہم کا تو یہ حال سنتا ہے اور مالک بن دینار کا حال یہ سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرے گھر میں بیس برس سے نمک نہیں آیا اور سری سقطی کا یہ حال دیکھا ہے کہ چالیس برس تک ان کا دل شیرہ انگور سے روٹی کے ٹکڑے کو چاہتا رہا مگر نہ کھایا تو ان باتوں کو ایک دوسرے کے خلاف پاتا ہے اور حیران ہو کر جانتا ہے کہ ان میں سے بیشک ایک شخص خطا پر تھا اور جس بصیر آدمی پر اسرار علم کھل گئے ہیں وہ یہ جانتا ہے کہ سب لوگ حق پر تھے مگر باعتبار احوال و اوقات ان کے اعمال مختلف تھے پھر ان احوال مختلف کو سننے سے محتاط آدمی تو یہ سمجھتا ہے کہ میں درجہ معرفت کو نہیں پہنچا مجھ کو کسی طرح کی مسامحت اور بے پرواہی مثل اکابر نہیں چاہیئے میرا نفس مالک بن دینار یا سری سقطی کے نفس سے زیادہ مطیع نہیں ہے جنہوں نے لذات کو ترک کر دیا تھا پس انہیں کا اقتداء کرتا ہے اور مغرور آدمی یوں سوچتا ہے کہ میرا نفس ابراہیم بن ادہم اور معروف کرخی کے نفس سے زیادہ نافرمان نہیں میں بھی انہیں کا اقتداء کروں اور غذا کے انداز کو بالائے طاق رکھوں میں بھی اپنے خدا کے گھر مہمان ہوں مجھ کو اعتراض سے کیا کام پڑا ہے پھر اگر کوئی شخص ایسے آدمی کے حق میں یا تعظیم میں یا مال وجاہ میں ایک طور پر کفایت کرے تو اس پر قیامت برپا ہو اور اعتراض کرنے لگے احمقوں کے ساتھ شیطان کو اس باب میں بڑا دخل ہے بلکہ غذا اور روزہ رکھنے اور اشتہا کی چیزوں کو کھانے کی قید اٹھانی صرف اسی کو زیبا ہے جو نور ولایت اور نبوت سے دیکھتا ہے اور اس کے اور خدا کے درمیان کوئی علامت انقباض خواہ استرسال کی گئی ہے اور یہ بات جب ہی نصیب ہوتی ہے جب نفس ہوائے نفسانی سے نکل جاوے اور اور عادات سے بالکلیہ منقطع ہو جاوے یہاں تک کہ اگر کچھ کھاوے تو اس میں بھی کچھ نیت ہو اور نہ کھاوے تو بھی خالی از نیت نہ ہو تو البتہ اس صورت میں غذا اور عدم غذا دونوں خدا کے واسطے ہوں گے اس باب میں حضرت عمرؓ کی احتیاط مدنظر رکھنی چاہیئے کہ باوجودیکہ آپ کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پسند تھا اور اس کو تناول فرمایا کرتے تھے مگر اپنے نفس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک پر قیاس نہ فرمایا بلکہ جب شہد کا ٹھنڈا شربت لوگ ان کے سامنے لائے تو اپنے ہاتھ میں برتن کو پھراتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کو پیوں تو مزا تھوڑی دیر میں جاتا رہے گا مگر اس کا مواخذہ باقی رہے گا یہ کہہ کر کہا کہ مجھ سے اس کا حساب الگ کرو میں نہ پیوں گا مرشد کو چاہیئے کہ ان اسرار کو مرید سے بیان نہ کرے بلکہ صرف بھوک کی صفت پر کفایت کرے اور یہ نہ کہے کہ اس میں اعتدال کرنا چاہیئے کیونکہ وہ اعتدال سے کسی قدر ضروری قصور کرے گا بلکہ غایت درجہ کی بھوک کو ارشاد کرے تاکہ اعتدال پر نوبت آجاوے چنانچہ بمرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود مثل مشہور ہے اور یہ بھی اس سے نہ کہے کہ عارف کامل ریاضت سے مستغنی ہو جاتا ہے تو شیطان اس پر ہمیشہ وسوسہ ڈالے گا

کہ اب تو عارف کامل ہوگیا اور کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا سب تم کو حاصل ہے حضرت ابراہیم خواص جو ریاضت مرید کو بتلاتے
وہی آپ بھی اس کے ساتھ کرتے تاکہ اس سے دل میں نہ آوے کہ پیر جیو خود تو کرتے ہی نہیں مجھ سے کہتے ہیں اور بایں لحاظ
ریاضت سے نفرت کرنے لگے اور زبردست آدمی جب دوسرے کو ریاضت سکھاتا ہے اور اس کی اصلاح کے درپے
ہوتا ہے تو ضرور ہے کہ کمزوروں کی طرح ہو جاوے جیساکہ کشتی وغیرہ سکھانے والے کرتے ہیں اس امر میں زیادہ تر تلطف
پایا جاتا ہے اور جلد آدمی سعادت کو پہنچتا ہے اور اس میں اولیاء اور انبیاء کا بڑا امتحان ہوتا ہے اور راز اعتدال کا حد اعتدال
ہر ایک شخص کے حق میں ایک امر پوشیدہ ہے پس حزم و احتیاط کو کسی حال میں ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے حضرت عمرؓ نے ایک بار
اپنے لڑکے عبداللہ کو دیکھا کہ وہ گوشت اور گھی روٹی کے ساتھ کھا رہے ہیں آپ نے دُرّہ سے ان کو مارا اور فرمایا کہ کسی
روز روٹی دودھ سے کھا اور کسی روز گھی سے اور کسی روز تیل سے اور کسی روز نمک سے اور کسی روز روکھی اور پھیکی
کھا اس سے معلوم ہوا کہ اعتدال اسی کا نام ہے گوشت اور شہوت کی چیزوں پر مواظبت کرنی افراط اور اسراف میں داخل
ہے اور بالکل گوشت کو ترک کر دینا تفریط اور تنگی میں شمار ہے اور کبھی کھا لینا درجہ اوسط و اعتدال ہے۔

۵ ریا کے مصائب

جاننا چاہیئے کہ تارک شہوات پر دو آفتیں جو جی چاہتی چیزوں کے کھانے سے بھی زیادہ ہیں آتی ہیں اول تو یہ ہے کہ نفس بعض
شہوات کو نہیں چھوڑ سکتا ان کی خواہش رہتی ہے لیکن یہ نہیں چاہتا کہ کوئی جانے اس واسطے لوگوں سے علیحدہ ہو کر اس چیز
کو کھا لیتا ہے مجمع میں نہیں کھاتا اس کا نام شرک خفی ہے بعض علماء سے کسی زاہد کا حال پوچھا تو وہ چپ ہو رہے لوگوں نے
کہا کہ کوئی برائی آپ کو معلوم ہے انہوں نے کہا کہ وہ تنہائی میں ایسی چیزیں کھاتا ہے جو مجمع میں نہیں کھاتا غرضکہ یہ بہت بڑی
آفت ہے بندہ کو یہ مناسب ہے کہ شہوات کی محبت میں مبتلا ہو جاوے تو اس کو ظاہر کر دیوے صدق حال اسی کو کہتے ہیں اس
سے صرف اتنا معلوم ہو گا کہ اعمال کی شامت سے مجاہدہ جاتا رہا اور اگر کسی نقصان کو چھپا کر اس کے مقابل کا کمال ظاہر
کرے گا تو اس میں دو نقصان ہوں گے جیسے جھوٹ بولے اور اس کو چھپا دے تو دو جھوٹ ہوتے ہیں اور دونا غصہ ہوتا
ہے اور جب تک دو تو بہ صادق نہیں کرتا تب تک اس سے کوئی خوش نہیں ہوتا اور اسی بنا پر خداوند کریم نے منافقوں
کا عذاب زیادہ ارشاد فرمایا ہے کہ[ف] کلوا واشربوا ھنیئاً بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ کیونکہ کافر نے کفر علانیہ کیا اور
منافق نے کفر کر کے چھپایا تو چھپانا دوسرا کفر ہوا اس لیئے کہ اس نے اس بات کو ہلکا جانا کہ خدا تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے اور
بندوں کی نظر کو زیادہ سمجھ کر اپنے ظاہر میں سے کفر کو دور کر دیا اس لیئے مستحق دونے عذاب کا ہوا اور عارفین شہوات کیا
بلکہ معاصی میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر ریا میں گرفتار نہیں ہوتے اور اپنے عیوب کو پوشیدہ نہیں کرتے بلکہ کمال عرفان یہ ہے
کہ خدا کے واسطے شہوات اپنے نفس سے دور کرے اور ظاہر میں لوگوں کے اعتقاد دور کرنے کو اظہار شہوات کرے بعضے اکابر

[ف] کھاؤ اور پیو رچ سے بدلہ ان کا جو آگے بھیجا تم نے پہلے دنوں میں ۱۲

کوئی جی چاہتی چیز معمولی لے کر اپنے گھروں میں لٹکا دیتے حالانکہ اس کو کھاتے نہیں تھے مگر یہ باعث تھا کہ غافل لوگ ان کے پاس آکر خلل انداز نہ ہوں اور جانیں کہ یہ شخص مبتلاء شہوت ہے زاہد کا بڑا کمال اسی میں ہے کہ زہد میں زہد کرے یعنی اس کے خلاف ظاہر کرے اور یہ کام صدیقین کا ہے کیونکہ اس نے دو صدق کو اکٹھا کیا یعنی دوبارہ نفس پر بوجھ ڈالا اور جام صبر نوش کیا ایک بار تو اس چیز سے رہ گئے کے باعث اور دوسری بار لوگوں کے طعن کے باعث تو ایسے لوگوں کا یہ حال ہے[۱] ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص ظاہر میں کسی کو کچھ دے اور وہ اس وقت تو لے لیوے اور چھپا کر مالک کو پھیر دے تو اس شخص کا دل دو بار منکسر ہو گا اول تو ظاہر میں لینے کی ذلت سے دوم چھپا کر واپس کر کے اپنی احتیاج باقی رکھنے سے پس جب تک یہ مرتبہ حاصل ہو تب تک آدمی اپنے کو ناقص جانے اور اظہار شہوت سے اجتناب نہ کرے اور شیطان کے اس دھوکا میں نہ آوے کہ اگر یہ بات ظاہر کرو گے تو دوسرے لوگ بھی تمہاری پیروی کریں گے دوسروں کی اصلاح اسی میں ہے کہ اسے دبائے رکھو اس لیئے کہ اگر فی الحقیقت دوسروں کی اصلاح منظور ہوتی تو خود اپنے نفس کی اصلاح مقدم اور اہم ہوتی بقول شخصیکہ اول خویش بعدہ درویش ورنہ خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت کے کیا معنی معلوم ہوا کہ صرف مقصود ریا ہے کہ دوسروں کی اصلاح کے بہانے سے شیطان نے اس کو اسمیں مبتلا کر رکھا ہے اس لیئے اس کا کھل جانا گراں معلوم ہوتا ہے گویہ بھی جانتا ہو کہ لوگوں کو اطلاع ہونے سے کوئی میری پیروی نہ کرے گا اور نہ میرے تارک الشہوات ہونے سے بد اعتقاد ہو گا دوسری آفت یہ ہے کہ ترک شہوات پر قادر تو ہے مگر عفیف مشہور ہونے کا شائق ہے اور اس سے خوش بھی ہوتا ہے تو اس صورت میں شہوت غذا جو ضعیف تھی اس کا تو تارک ہوا مگر جو بڑی ہیں جو اس سے زیادہ تھی یعنی خواہش جاہ اس کی اطاعت کی اور اس کو شہوت خفیہ کہتے ہیں پس جب آدمی اس طرح کی خواہش اپنے جی میں پاوے تو اس کا توڑنا شہوت غذا سے موکد ترسمجھ کر اگر کھالیوے تو اس کے حق میں اچھا ہے حضرت ابو سلیمان فرماتے ہیں کہ جب میرے سامنے جی چاہتی چیز آوے جس کا تو تارک ہے تو اس میں ذرہ سی کھائے نفس کی مرضی کے موافق مت کھا اس میں دو فائدے ہوں گے ایک تو .. شہوت نہیں رہنے کی دوسرے نفس نہ ستارہ جاوے گا اور حضرت امام جعفر رحمتہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے کہ جب میرے سامنے کوئی خواہش کی چیز آتی ہے تو میں اپنے نفس کی طرف دیکھتا ہوں اگر اس کی تمنا ظاہر پر اس میں پاتا ہوں تو اس کو کھلا دیتا ہوں روکنے سے یہ امر افضل ہے اور اگر خواہش خفی کرتا ہے تو ظاہر میں تارک ہونے کو چاہتا ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اس کو میں ترک کر دیتا ہوں اور کبھی نہیں دیتا اس سے معلوم ہوا کہ طریق سزا نفس کا شہوت خفیہ پر اس طرح ہوا کرتا ہے غرض یہ ہے کہ شہوات غذا کو جو شخص ریا میں مبتلا ہو وہ ایسا ہے کہ بچھو سے ڈر کر سانپ کے پاس جاوے اس لیے کہ ریا کا ضرر خواہش غذا کے ضرر سے بہت زیادہ ہے

---

[۱] منافق ہیں سب سے نیچے درجے میں آگ کے"

۶ شرمگاہ کی شہوت

جاننا چاہیئے کہ آدمی پر شہوات جماع دو فائدوں کے لیئے مسلط ہوئی ہے اول تو یہ کہ اس سے لذت حاصل کرکے قیامت کی لذتوں کو یاد کرے گا کیونکہ یہ لذت اگر دیر پا ہوتی تو اجسام کی لذتوں میں سب سے زیادہ قوی ہوتی جس طرح پر کہ آگ سب تکلیفوں سے زیادہ ہے اور آدمیوں کو سعادت اور جنت کی رغبت دلاتی اور دوزخ سے ڈرانا بدون لذت محسوس اور تکلیف محسوس کے نہیں ہوسکتا تو جب دنیا میں مثلاً کوئی لذت جماع کو عمدہ پاوے گا جان لے گا کہ جنت کے لذائذ بھی اسی طرح کے خواہ اس سے اعلیٰ ہوں گے دوسرا فائدہ نسل کا باقی رہنا ہے یہ تو دو فائدے ہیں مگر اس میں آفتیں اتنی بڑی ہیں کہ اگر آدمی اس شہوت کو ضبط کرکے اعتدال پر نہ رکھے تو دین و دنیا دونوں کو کھو بیٹھے اس آیت شریف میں[۱] ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به بعضوں نے طاقت سے زیادہ چیز کے یہی معنی لکھے ہیں کہ شدت شہوت جماع مراد ہے اور[۲] من شر غاسق اذا وقب ڈمیں حضرت ابن عباسؓ[۳] فرماتے ہیں کہ مراد آلہ تناسل کے کھڑے ہونے سے ہے اور بعضوں نے اس کی سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی ہے مگر تفسیر اس طرح کی ہے کہ آلہ تناسل وقت دخول سے مراد ہے اور اس میں تو شک نہیں کہ جب آدمی کو جوش اس شہوت کا ہوتا ہے تو دو ثلث عقل جاتی رہتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے[۴] اعوذ بك من شر سمعی و بصری و قلبی و منیی اور یہ بھی فرمایا النسآء[۵] حبائل الشیطان ولولا هذا الشهوة لما كان للنسآء سلطنة على الرجال ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کسی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابلیس آیا اس کے سر پر ٹوپی تھی جس میں بیسوں رنگ چمکتے تھے جب حضرت سے قریب ہوا تو ٹوپی اتار کر رکھ دی اور خدمت میں آکر سلام کیا آں حضرت نے پوچھا کہ تو کون ہے عرض کیا کہ ابلیس ہوں آپ نے فرمایا کہ خدا تجھے موت دے یہاں کیوں آیا ہے عرض کیا چونکہ اللہ کے نزدیک آپ کو رتبہ اور منزلت ہے اس جہت سے آپ کے سلام کو آیا ہوں آپ نے فرمایا کہ تیرے سر پر کیا چیز تھی بولا کہ ٹوپی ہے جس سے آدمیوں کے دل اچکتا ہوں آپ نے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے کہ جب انسان اس کو کرتا ہے تو تو غالب ہوجاتا ہے عرض کیا جب عجب من دیگرے نیست اس کے دل میں سماتا ہے اور گناہوں کو بھول کر اپنے اعمال کو زیادہ جانتا ہے اس وقت میرے قابو میں آجاتا ہے ـ اور تین باتوں سے میں آپ کو ڈراتا ہوں اول تو یہ کہ اجنبی عورت کے ساتھ علیحدہ مت ہونا کیونکہ جو مرد اجنبی عورت کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو میں وہاں خود جاتا ہوں اپنے اور کارندوں کو وہاں نہیں بھیجتا اور اس مرد کو فتنہ میں ڈال دیتا ہوں دوسری بات یہ کہ اللہ سے جو عہد کرو اوس کو پورا کرنا اور جو زکواۃ اور صدقہ کے لیئے مال نکالو اس کو بانٹ دینا اس لیے جب آدمی کچھ خیرات کرنے کو روپیہ علیحدہ کرتا ہے تو وہاں بھی میں خود جاکر ایسا پیچ ڈالتا ہوں کہ اپنی نیت

ت[۱] اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے جس کی طاقت نہیں ہم کو[۲] اور بدی سے اندھیری کی جب سمٹ آوے[۳] اس کی کچھ اصل نہیں ہے مرفوعاً ابن عباس سے نقل کیا ہے ۱۲ [۴] میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بدی سے اپنے کان اور آنکھ اور دل اور نطفہ سے ۱۲ باب الدعوات میں گذری ہے ۱۲ [۵] عورتیں شیطان کے جال ہیں

اور اگر یہ شہوت نہ ہوتی تو عورتوں کو مردوں پر قابو نہ ہوتا ۱۲ اصفہانی بروایت زید بن خالد جہنی اور اس کی سند میں جہالت ہے ۱۲

پوری نہ کرے پھر اس کے بعد شیطان چلا گیا اور یہ کہتا تھا کہ افسوس حضرت موسیٰ کو آدمیوں کے بتلا ہونے داؤ معلوم ہوگئے
اور سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ جو نبی زمانہ سابق میں مبعوث ہوئے شیطان کو یہی توقع رہی کہ میں ان کو عورتوں کی جہت
سے ہلاک کر لوں گا اور میرے نزدیک بھی کوئی چیز ان سے بڑھ کر خوفناک نہیں اس لیئے میں مدینہ منورہ میں سوائے اپنے
گھر کے کسی اور کے گھر نہیں جاتا یا اپنی بیٹی کے یہاں جمعہ کو صرف نہانے جاتا ہوں اور بعض اکابر کا قول ہے کہ شیطان
عورت سے کہتا ہے کہ تو میرا آدھا لشکر ہے اور تو میرا تیر ہے کہ جب چلاتا ہوں چوکتا ہی نہیں اور تو میرے بھید کی
جگہ ہے اور تو میری حاجت اور تو میری قاصد ہے یعنی نصف لشکر اس کا شہوت ہے اور نصف غضب مگر سب
شہوت سے بڑھ کر عورتوں کی شہوت ہے پھر اس شہوت کے تین درجہ ہیں افراط اور تفریط اور اعتدال افراط یہ ہے
کہ عقل کو دبالے اور مرد کو ہمہ تن عورتوں کی صحبت میں بتلا کر دے اور سلوک اور طریق آخرت سے محروم رکھے یا دین
پر غالب ہو کر امور قبیحہ میں بتلا کر دے اور بعض اوقات اس کی افراط سے کئی امر شنیع پیدا ہوتے ہیں اول ادویہ مقوی
باہ کی ضرورت پڑتی ہے جیسے بعض لوگ کھانے کے ہضم کے لیئے چورن کی تلاش میں رہتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے
کہ کوئی شخص درندوں اور سانپوں میں جا پڑا ہو اور وہ اگر کبھی اس سے غفلت کریں اور سو جاویں تو یہ کسی حیلہ سے
ان کو جگا دے پھر جب وہ ضرر پہنچاویں تو ان کی اصلاح و علاج میں مشغول ہو اسی طرح شہوات غذا اور جماع دونوں
موذی ہیں ان سے اول ہی محفوظ رہنا چاہیئے اور جب چورن یا مقویات سے اس کو چوکنا کر دیا تو پھر آفت سے بچنا معلوم
یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے
باہ کی شکایت کی تو آپ نے ہریسہ کھانے کو بتایا تو قوت باہ کی تلاش حدیث سے ثابت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیبیاں تھیں اور آپ پر سب کے اطمینان واجب تھے اس لیئے کہ غیر پر ان کا نکاح حرام تھا گو
آپ طلاق بھی دے دیں تو اس لیئے آپ نے قوت چاہی تھی نہ لذت حاصل کرنے کے لیئے دوسرے یہ کہ افراط کے باعث
امراض خبیثہ پیدا ہوتے ہیں بلکہ کچھ اسی پر منحصر نہیں اس کی اولاد تک بھی ان کا اثر رہتا ہے تیسرے یہ کہ افراط شہوت
سے بعض گمراہوں کو عشق سوجھتا ہے اور اس سے کمال درجہ کی جہالت غرض اصلی جماع سے پائی جاتی ہے اور قوت
بہیمی میں چوپاؤں سے بھی بڑھ جاتا ہے اسی لیئے چوپایہ اپنی شہوات کو کسی طرح دور کر دیتا ہے اور عاشق ایک خاص
شخص کے سوا اور طرح اپنی شہوت رفع نہیں کر سکتا گو سب خواہشوں میں بڑی ہے اور شرم و حیا کا مقام ہے مگر اس
کا اعتقاد یہی ہے کہ اسی معین شخص سے ہو یہاں تک کہ اس کے لیئے ذلت پر ذلت اور غلامی اٹھاتا ہے اور شہوت
کی خدمت میں اپنی عقل کو فرمان پذیر کرتا ہے یہ نہیں جانتا کہ پیدائش عقل کی اس لیئے ہے کہ اور دن سے کام لے نہ یہ
کہ خود شہوت کے مطیع ہو کر اس کے اجرا کے حیلے تلاش کرے اور اگر عشق پر غور سے دیکھو تو ایسے آدمی کا کام ہے جس کے
دل پر کوئی فکر نہ ہو اور اس کا منشاء ہی افراط شہوت ہے اور اوائل میں اس سے بچنے کا ڈھنگ یہی ہے کہ دوبارہ نہ دیکھے

حا
عقیلی اور ضعفاء و طبرانی در اوسط بروایت حذیفہ اور یہ موضوع ہے ۱۲

اور اپنی فکر میں مشغول رہے ورنہ مستحکم ہونے پر اس کا دفع کرنا مشکل ہوتا ہے ؎

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل — چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل

اسی طرح عشق مال اور جاہ اور اولاد اور ستار نوازی اور شطرنج و چوسر بازی وغیرہ کا ہے کہ بعض اوقات لوگوں پر ایسے غالب ہوتے ہیں کہ ان کے دین و دنیا کے کام نہیں ہونے دیتے اور کسی وقت ان کو چین نہیں لینے دیتے اگر اول ہی عشق کا روگ ختم چاہئے تو ایسا ہے جیسے سوار دروازہ سے باہر ہو اور منظور یہ ہو کہ گھوڑا دروازے میں نہ جاوے تو ادنیٰ اشارہ باگ کا کافی ہوتا ہے اور بعد استحکام کے علاج کرنا ایسا ہے کہ پہلے سے گھوڑے کو چھوڑ دیا جب وہ دروازہ میں گھس گیا تو اس کی دم پکڑ کر پیچھے کو گھسیٹنا چاہا تو دونوں باتوں میں فرق زمین اور آسمان کا ہے اس لئے احتیاط ابتداء امر میں ضروری ہے انجام کو علاج بہت دشواری اور نہایت کوشش سے ہوتا ہے کہ نوبت جان کندنی کی پہنچتی ہے خلاصہ یہ کہ اس درجہ کی افراط شہوت مذموم اور کمی کا درجہ نامرد بن جانے کا ہے وہ بھی مذموم اور برا ہے اور اعتدال کا درجہ جو محمود ہے وہ یہ ہے کہ شہوت مطیع عقل و شرع کی رہے اور انہیں کی بموجب کام کرے اور جب اس میں زیادتی ہو تو اس کا توڑنا بھوک اور نکاح سے ہوتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] معشر الشباب علیکم بالباءۃ فمن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء

مرید کا نکاح کرنا اور نہ کرنا

ابتداء امر میں مرید کو شغل نکاح میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ اس سے سلوک آخرت سے باز رہے گا اور بیوی کی محبت میں پھنس جاوے گا اور جو غیر اللہ کے ساتھ انس اختیار کرتا ہے وہ اللہ ہی سے مانوس نہیں ہوتا اور اس بات سے دھوکا نہ پکڑے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے نکاح کیے تھے اس لئے کہ قلب مبارک آنحضرت[2] صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیر نہیں سکتی تھیں تو ان پر قیاس کرنا بیجا ہے چہ نسبت خاک را با عالم پاک آپ کا استغراق محبت الٰہی میں اس درجہ پر تھا کہ بعض مرتبہ گرمی محبت کا دل میں یہ جوش پاتے کہ یوں خوف ہوتا کہ دل پھٹ جاوے گا اور اسی جوش و خروش میں حضرت[3] عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ران پر ہاتھ مارتے اور فرماتے کہ کچھ باتیں کرو کہ ان کی باتوں سے باعث قلب میں جو زیادتی حرارت ہے اس کا اثر کم ہو جاوے کہ بدن مبارک کو طاقت اس کے تحمل کی نہ تھی واقع میں یہ بوجھ ایسا ہی ہے ؎

آسمان بار امانت نتوانست کشید — قرعہ فال بنام من بیچارہ زدند

غرضکہ حضرت کی طبیعت دل کو اللہ کے ساتھ انس طبعی تھا اور خلقت کے ساتھ عارضی تاکہ بدن کو کچھ راحت مل جاوے پھر جب لوگوں میں بیٹھتے تو صبر آتا اور تنگ ہو کر فرماتے[4] ارحنا یا بلال تاکہ جس چیز میں آپ کی آنکھ کو ٹھنڈک ملتی تھی

---

[1] اے گروہ جوانان لازم پکڑو اپنے اوپر نکاح کو جس کو قدرت نہ ہو اس کو چاہیئے کہ روزہ رکھے کہ روزہ رکھنا اس کے حق میں خصی ہونا ہے باب النکاح میں گذری ۱۲ [2] اس باب میں حدیث بیشتر گذری [3] اس کی مجھے سند نہیں ملی ۱۲ [4] راحت دو ہم کو اے بلال یعنی نماز سے ہم کو آرام پہنچا ۱۲ باب الصلوٰۃ میں گذری ۱۲

اس میں مصروف ہو جاویں پس دوسرا شخص اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کر سکتا اور اگر کرے گا تو دھوکا کھاوے گا اس لیئے کہ آپ کے اسرار کوئی سمجھ سکتا نہیں غرضکہ ابتدا میں مرید کو تجرد ہی شایاں ہے ابو سلیمان درانی فرماتے ہیں کہ جو شخص نکاح کرتا ہے وہ دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے میں نے کسی مرید کو نہیں دیکھا کہ بعد نکاح کے بھلا سا حال رہا ہو اور وہی فرماتے ہیں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے باز رکھے خواہ بیوی ہو یا مال یا اولاد اس کو منحوس جاننا چاہیئے اور ایک بار ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو کیا حاجت ہوئی کہ ایک عورت سے مانوس ہوئے فرمایا خدا نہ کرے کہ میں اس سے انس کروں یعنی اس سے انس کرنا اللہ کے ساتھ انس کرنے سے روکتا ہے بہرحال مرید کو تجرد جبھی تک زیبا ہے جب تک شہوت کا زور نہ ہو اور اگر اس کا غلبہ دیکھے تو اول بھوک اور ہمیشہ کے روزے سے توڑے اگر اس سے بھی دفع نہ ہو اس طور کہ گو اپنی شرمگاہ کو روک سکتا ہے مگر آنکھ کے روکنے پر قادر نہیں تو ایسی صورت میں تسکین شہوت کے لیئے نکاح کرنا مناسب ہے ورنہ اگر آنکھ کو نہ روک سکے گا اور مطلب میں پریشانی واقع ہو گی اور بعض اوقات ایسی مصیبت میں پڑے گا کہ طاقت سے زیادہ ہو علاوہ ازیں آنکھ کا گناہ صغیرہ گناہوں میں بہت بڑا ہے اور اسی سے کبیرہ[1] بھی ہوا کرتا ہے جو شخص اپنی آنکھ پر قادر نہیں وہ اپنے دین کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تاکنے سے بچتے رہو کیونکہ اس سے دل میں شہوت کا بیج پڑتا ہے اور اسی قدر فتنہ کافی ہے حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام جو فتنہ میں مبتلا ہوئے صرف نظر کے باعث سے ہوئے اور اسی جہت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ارشاد فرمایا کہ شیر اور سانپ کے پیچھے جاپڑو مگر عورت کے پیچھے نہ جاپڑو حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ زنا کی ابتدا کیا ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ دیکھنا اور للچانا اور حضرت فضیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ابلیس کہتا ہے کہ نظر میری قدیم کی تیر و کمان ہے کہ کبھی خطا نہیں کرتی اور حدیث میں ہے النظرۃ سھم مسموم من سھام ابلیس فمن ترکھا خوفا من اللہ تعالیٰ اعطاہ اللہ تعالیٰ ایمانا یجد حلاوتہ فی قلبہ[2] او ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء[3] اور فرمایا[4] اتقوا فتنۃ الدنیا وفتنۃ النساء فان اول فتنۃ بنی اسرائیل کان من قبل النساء اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[5] قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم الآیۃ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[6] لکل بنی آدم حظ من الزنا فالعینان تزنیان وزناھما النظر والیدان تزنیان الحدیث[7] اور حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ ایک بار ابن مکتوم اندھے رضی اللہ

---

[1] یہ بھی باب الصلوۃ میں گزری ۱۲ [2] دیکھنا ایک تیر زہر آلود ہے ابلیس کے تیروں سے جو شخص اس کو خدا کے خوف سے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان عطا کرے اپنے جس کی حلاوت اپنے دل میں پاوے پیشتر گزری [3] میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ جو مردوں کو زیادہ مضر ہو نہیں چھوڑا ۱۲ بخاری و مسلم بروایت اسامہ بن زید ۱۲ [4] بچو تم دنیا کے فتنے اور عورتوں کے فتنہ سے کہ اول فتنہ بنی اسرائیل کا عورتوں ہی طرف سے تھا ۱۲ مسلم بروایت ابو سعید خدری ۱۲ [5] کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہ بہتر ہے ان کے لیئے [6] مسلم و بیہقی بروایت ابو ہریرہ بخاری و مسلم بروایت ابن عباس ترجمہ ہر آدمی کے لیئے زنا سے کچھ بہرہ ہے اس لیئے آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں ان کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں زنا کرتے ہیں ان کا زنا کر ناچلنا ہے اور منہ زنا کرتا ہے اس کا زنا بولنا ہے اور دل قصد اور تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کو سچا کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے [7] ابو داؤد ترمذی و نسائی عے پوچھا کہ الخ یہ سہو ترجمہ ہے اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ کسی نے ذکر کیا کہ آپ کو عورت یعنی زوجہ سے انس حاصل کرنے کی بہت ضرورت ہے واسطے اور بقیہ کے نزدیک واجب ہے

عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا چاہا اس وقت میں اور میمونہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ پردہ کر لو ہم نے عرض کیا کہ وہ تو اندھا ہے آپ نے فرمایا کہ تم اس کو دیکھتی ہو اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو اندھوں کے پاس بیٹھنا اور بغیر ضرورت ان کو دیکھنا جائز نہیں جیسا آج کل مروج ہو رہا ہے ہاں حاجت کے وقت عورت کو مرد سے بات کرنی خواہ دیکھنا جائز ہے اور اگر مرید کا یہ حال ہو کہ عورتوں سے تو آنکھ بچا سکتا ہے مگر لڑکوں کو دیکھے سے نہیں رہ سکتا تب بھی نکاح اولیٰ ہے اس لیئے کہ لڑکوں کی حسن پرستی میں زیادہ خرابی ہے کیونکہ مثلاً کسی عورت کی طرف دل راغب ہو گیا تو اس سے نکاح کر کے تمنا کو پہنچنا ممکن ہے اور لڑکے میں یہ بات مفقود ہے اسی لیئے لڑکے کو نگاہ بد سے دیکھنا حرام ہے بلکہ امرد کی صورت بھی اگر اچھی ہو داڑھی والے کی نسبت دل میں زیادہ کھپتی ہو تو اس کی طرف بھی دیکھنا ناجائز لیکن اگر یوں کہو کہ خوبصورت اور بدصورت میں تو ہر کوئی فرق کیا ہی کرتا ہے اور لڑکوں کے چہرہ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں تو ان سے بچاؤ کس طرح ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری غرض صرف تمیز ہی سے نہیں تمیز اچھے اور برے کی سب اشیاء میں ہوتی ہے مثلاً ایک درخت ہرا ہو اور دوسرا سوکھا یا ایک پانی صاف ہو اور دوسرا میلا یا ایک درخت میں پھول اور کلیاں ہوں اور دوسرے میں پتے بھی نہ ہوں تو بالضرور ان میں سے ایک کی طرف طبیعت کو میل ہو گا مگر اس رغبت میں شہوت نہ ہو گی کہ اس سے بوس و کنار کیجئے پس اگر اسی طرح کا حال خوبصورت شکل کا ہے کہ جیسے اور چیزیں خوبصورت اچھی معلوم ہوتی ہیں اور ان میں لگاؤ شہوت کا نہیں ہوتا تو دیکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اگر نفس میں یہ بات بھی ہو کہ کسی طرح سے اس کا قرب اور چھیڑ چھاڑ میسر ہو تو ایسی نظر نظر بد کہلاتی ہے اور حرام ہے اور اس باب میں آدمی بہت سستی برتتے ہیں اور آئندہ کو ہلاکتوں میں پڑتے ہیں بعض تابعین کا قول ہے کہ مجھ کو جوان سالک پر امرد کی ہم نشینی کا اتنا خوف ہے کہ اتنا درندہ کا خوف نہیں اور حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص براہ شہوت کسی لڑکے کی پاؤں کی انگلیوں میں بھی گدگدی کرے گا تو لوطی ہو گا اور بعضے اکابر سلف کا قول ہے کہ اس امت میں تین طرح کے لوطی ہوں گے بعضے تو صرف دیکھیں گے اور بعضے مصافحہ کریں گے اور بعضے فعل شنیع کے مرتکب ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ نظر کے باعث بڑی بڑی آفتیں پیدا ہوتی ہیں تو مرید جب اپنی نظر کے روکنے اور فکر کے ضبط کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کے حق میں بہتر یہی ہے کہ نکاح کر لے اس لیئے کہ اکثر آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کا جوش شہوت بھوک سے کم نہیں ہوتا چنانچہ ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ ابتداء سلوک میں مجھ پر شہوت غالب ہوئی تو میں خدا کی درگاہ میں خوب رویا خواب میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ پوچھتے ہیں تیرا کیا حال ہے میں نے ماجرا بیان کیا انہوں نے فرمایا کہ آگے آؤ میں بڑھ گیا انہوں نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل اور بدن میں پائی صبح کو جو جاگا تو وہ جوش اپنے آپ میں نہ پایا برس روز ویسا ہی رہا پھر غلبہ ہوا پھر میں نے فریاد مچائی ایک شخص خواب میں نظر آیا اس نے کہا کہ اگر تجھے اپنی گردن کٹوانی منظور ہے تو تیرا علاج کر دوں میں نے کہا کہ بہتر اس نے کہا تو گردن جھکا میں نے گردن جھکا دی اس نے ایک نور کی تلوار میری گردن پر ماری میں جاگ پڑا اور برس روز تک اچھا رہا بعدہ پھر وہی زور ہوا بلکہ اس سے بھی سخت تو اس حال میں نے ایک شخص کو خواب میں دیکھا کہ میرے سینہ اور پہلو

کے درمیان ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ جس چیز کا خدا کو دور کرنا منظور نہیں اس کے دفع ہونے کے واسطے کب تک التجا کرے گا پھر میں نے جاگ کر نکاح کر لیا اور اولاد ہوئی اور نزور جاتا رہا پس اگر مرید کو حاجت نکاح ہو تو شرط ارادت کسی حال میں نہ چھوڑے یعنی ابتدا میں تو نیت اچھی ہو اور انجام میں حسن خلق و سیرت سے پیش آوے اور حقوق واجبہ کو ادا کرے جیسا کہ احکام نکاح میں ہم بیان کر چکے ہیں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں اور صدق نیت کی علامت یہ ہے کہ کسی مفلس دیندار عورت سے نکاح کرے مالدار کی تلاش نہ کرے بعض اکابر کا قول ہے کہ مال دار عورت سے نکاح کرنے میں پانچ خرابیاں ہیں اوّل مہر کا زیادہ ہونا دوم رخصت میں لیت و لعل ہونا سوم خدمت کا نہ کرنا چہارم زیادہ خرچ کا تحمل پنجم اگر دل چھوڑنے کو ہو تو مال کی حرص سے چھوڑا نہ جانا اور مفلس میں سے ان میں کوئی بات نہیں اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ عورت چار چیزوں میں مرد سے کم ہونی چاہیئے ورنہ وہ مرد کو حقیر سمجھے گی عمر میں قد میں مال میں اور حسب میں اور چار چیزوں میں بڑھ کر ہونی چاہیئے خوبصورتی میں ادب میں پرہیز میں اور خلق میں اور علامت صدق ارادت کی دوام نکاح میں خلق ہی ہے بعض مریدین نے نکاح کیا اور ہمیشہ اس کی خدمت کرتے رہے یہاں تک وہ شرمائی اور اپنے ماں باپ سے کہنے لگی کہ میں اس شخص سے حیران ہوں اتنے برس سے اس کے گھر میں جب پاخانہ کے لیئے جاتی ہوں لوٹا مجھ سے پہلے وہاں رکھ دیتا ہے اور ایک بزرگ نے ایک خوبصورت عورت سے نکاح کیا جب رخصت کے دن قریب آئے اس کے چیچک نکل آئی اس کے گھر والوں کو نہایت رنج ہوا کہ اب شوہر اس کو پسند نہ کرے گا اس مرد بزرگ نے خبر پا کر بہانا کیا کہ میری آنکھیں دکھتی ہیں اور اس کے بعد اندھا بن گیا جب وہ عورت گھر میں آئی بیس برس تک رہ کر مر گئی پھر آپ نے آنکھیں کھول دیں لوگوں نے سبب پوچھا کہا میں جان بوجھ کر اندھا ہوا تھا تاکہ سسرال والے رنج نہ کریں لوگوں کو کمال حیرت ہوئی اور کہا کہ ایسے لوگ چل بسے اب دنیا میں نہیں اور ایک صوفی نے ایک بدخلق عورت سے نکاح کیا ہمیشہ اس کی باتیں سہتے لوگوں نے کہا کہ آپ طلاق کیوں نہیں دے دیتے آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ شاید کوئی شخص اس کے باعث ایذا نہ پاوے پس اگر مرید نکاح کرے تو ایسا ہی ہونا چاہیئے اور اگر بے نکاح رہ سکے اور جانے کہ نکاح کرنے سے سلوک آخرت میں خلل واقع ہوگا تو نکاح نہ کرنا ہی بہتر ہے محمد بن سلیمان ہاشمی کا ذکر ہے کہ ان کے ہاں اسی ہزار درم کی آمدنی روزانہ ہوتی تھی بصرہ کے لوگوں اور علماء کو لکھا کہ میں کسی عورت سے نکاح کیا چاہتا ہوں سب نے بہ اتفاق لکھا بی بی رابعہ عدویہ سے آپ نکاح کریں تو مناسب ہے تو آپ نے ان کو اس طرح خط لکھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بعد حمد و صلوٰۃ کے معلوم کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو آج اتنی آمدنی دی ہے کہ اسی ہزار درم ہر روز آتا ہے اور کچھ دن ہی جاتے ہیں کہ پورے لاکھ درم ہر روز عنایت فرماوے گا اگر تم مجھ کو منظور کرو تو یہ سب تمہارا ہی ہے فقط۔ انہوں نے جواب لکھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بعد حمد و نعت کے واضح ہو کہ دنیا میں زہد کرنے سے دل کو چین اور بدن کو راحت ہے اور اس کی طرف رغبت کرنا موجب رنج و اندوہ آپ کو چاہیئے کہ بغور پہنچے اس رقعہ کے اپنی زاد آخرت کی تیاری کریں اور معاد کی فکر میں لگیں اور خود اپنے نفس کے وصی ہوں تاکہ اور لوگوں کو میراث بانٹنے میں وصی کرنے کی حاجت نہ رہے تمام عمر روزہ رکھو اور موت کے وقت افطار کرو اور میرا حال یہ ہے کہ خداوند کریم

مجھ کو اتنا عنایت کرے جتنا تم کو دیا ہے یا اس سے بھی دوچند سہ چند ہو تب بھی ایک لمحہ بے یاد الٰہی مجھے اچھا نہ معلوم ہو گا فقط اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو چیز مانع شغل الٰہی سے ہو اس میں نقصان ہے تو مرید بھی اپنے حال اور قلب پر غور کرے اگر مجرد رہنا اچھا نہ معلوم ہو تو فبہا اور اگر نہ رہ سکے تو نکاح بہتر ہے اور اس مرض کی تین دوا ہیں اول بھوک دوم نظر کا بند رکھنا سوم دل کو ایسے شغل میں مصروف کر دینا جو اس پر حاوی ہو جاوے اگر ان تینوں تدبیروں سے کچھ فائدہ نہ ہو تو آخر کو نکاح ہے اس سے اس بیماری کی جڑ جاتی رہتی ہے اور اسی جہت سے سلف کے لوگ نکاح کی طرف سبقت کرتے تھے اور لڑکیوں کے نکاح کر دیتے تھے سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ شیطان کسی سے بے توقع نہیں ہوا اور عورتوں کے سبب ضرور ہی جال مارتا ہے اور جب ان کی عمر چوراسی برس کی ہوئی اور ایک آنکھ بھی جاتی رہی اور دوسری سے بھی رتوندی آتی تھی اس وقت فرماتے تھے کہ مجھے عورتوں سے زیادہ کسی چیز کا خوف نہیں اور عبداللہ بن ابی وداعہؓ کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس جا کر بیٹھا کرتا تھا چند روز نہ گیا پھر ایک روز جب گیا تو پوچھا کہ کہاں تھے میں نے کہا کہ میری بیوی مر گئی تھی اس لیئے حاضری سے مقصر رہا آپ نے فرمایا کہ تم نے ہم کو اطلاع نہ کی ہم بھی آتے بعد اس کے میں نے اٹھنا چاہا آپ نے فرمایا کہ اب کوئی اور بیوی ہے کہ اٹھے جاتے ہو میں نے عرض کیا کہ حضرت میری دو چار پیسہ کی اوقات ہے مجھے کون بیٹی دیتا ہے آپ نے فرمایا کہ میں دیتا ہوں میں نے عرض کیا کہ آپ دیں گے فرمایا کہ ہاں اور خطبہ پڑھ کر تھوڑے سے مہر پر اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دیا میں وہاں سے اٹھا اور خوشی کے مارے پھول رہا تھا اور یہ سوچتا تھا کہ کس سے ادھار لوں کیا کروں اس میں مغرب کا وقت ہوا میں نماز پڑھ کر گھر آیا اور چراغ جلایا روزہ افطار کر کے روٹی اور تیل کھانے بیٹھا اتنے میں دروازہ سے دستک کی آواز آئی میں نے پوچھا کون ہے فرمایا سعید میں نے بہت فکر کیا کہ کون سے سعید ہیں خیال میں نہ آیا اور سعید بن المسیب کا دھیان بھی نہ تھا کیونکہ انہوں نے چالیس برس سے مسجد کے سوا جانا بالکل ترک کر دیا تھا جب میں دروازہ پر آیا تو دیکھا کہ سعید بن المسیب ہیں مجھ کو خیال ہوا کہ شاید کوئی ضرورت آپ کو ہوئی ہو گی میں نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے کیوں نہ بلوایا فرمایا کہ تمہارے پاس آنا ہی مناسب تھا میں نے پوچھا کہ کیا حکم ہے فرمایا کہ تم نے نکاح کیا تھا مجھے تمہارا اکیلا سونا برا معلوم ہوا اس لیئے تمہاری بیوی کو پہنچانے آیا ہوں میں نے جو دیکھا تو واقع میں وہ نیک بخت ان کے پیچھے کھڑی ہوئی ہے انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازہ میں کر دیا اور دروازہ کو بند کر دیا وہ عورت مارے شرم کے گر پڑی میں نے دروازہ کو خوب بند کر دیا پھر جس پیالہ میں روٹی اور تیل رکھا تھا اس کو چراغ کے سامنے سے ہٹایا کہ عورت کی نظر اس پر نہ پڑے پھر چھت پر چڑھ کر اپنے ہمسایوں کو پکارا سب جمع ہو گئے پوچھا کہ کیا ہے میں نے کہا کہ سعید بن المسیب نے آج دن کو اپنی بیٹی مجھے بیاہی تھی اب رات کو مجھے خبر بھی نہ تھی وہ اسے یہاں پہنچا گئے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا سعید نے تمہارا نکاح کیا ہے میں نے کہا ہاں انہوں نے پوچھا کہ لڑکی گھر میں ہے میں نے کہا ہاں تو سب لوگ اس کے پاس گئے اور میری والدہ کو جو خبر پہنچی انہوں نے آکر کہا کہ اگر تین دن تک تو نے اس کو چھیڑا تو کبھی منہ نہ دیکھوں گی تین دن میں ہم اس کو ٹھیک کر لیں گے تب مضائقہ نہیں تین دن میں علیحدہ رہا پھر جو میں نے اس کو دیکھا تو نہایت خوبصورت کلام اللہ کی حافظ اور طریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم اور حقوق شوہر سے واقف پایا ایک مہینہ تک نہ سعید بن المسیب میرے پاس

آئے اور نہ میں ان کے پاس گیا بعد چند کے میں گیا تو آپ حلقہ میں تھے میں نے سلام کیا آپ نے جواب سلام دے کر کچھ نہ کہا جب لوگ اٹھ گئے اس وقت پوچھا کہ اس آدمی کا کیا حال ہے میں نے کہا بہت اچھا حال ہے دوست خوش ہوں تو دشمن جلیں کہا کہ اگر کوئی بات خلاف مرضی پاؤ تو لاٹھی سے خبر لینا میں گھر کو چلا آیا انہوں نے بیس ہزار درم میرے بھیج دیئے اور یہ وہی لڑکی تھی جس کو عبدالملک بن مروان اپنے بیٹے ولید کے ساتھ اپنے عہد خلافت میں نسبت چاہتے تھے مگر سعید بن المسیب نے انکار کر دیا تھا اور عبدالملک نے ایک حیلہ قائم کر کے ان کو سو کوڑے مارے تھے اور جاڑے کے موسم میں ایک گھڑا ٹھنڈا ان پر ڈالا تھا اور کمبل کا کرتہ پہنایا تھا پس اس کا اسی رات رخصت کر دینا کمال دینداری اور احتیاط کی دلیل ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

۵ زنا اور نظر بد سے بچنا

جاننا چاہیئے کہ شہوت شرمگاہ سب شہوات انسانی سے غالب ہے اور ہیجان کے وقت سب سے زیادہ عقل کی نافرمان علاوہ اس کے اس کا نتیجہ ایسا برا ہے کہ جس سے شرم آتی ہے اور اس کی مباشرت سے خوف معلوم ہوتا ہے اور لوگ جو اس کی مباشرت نہیں کرتے تو یا عاجزی کے سبب یا لوگوں کے خوف کے باعث یا حیا کے مارے یا حشمت بچانے کی جہت سے نہیں کرتے اور ان میں سے کسی میں ثواب نہیں اس لیئے کہ اس میں ایک حظ نفس کو دوسرے پر ترجیح دینی ہے ہاں ان میں موانع میں بھی ایک فائدہ ہے کہ آدمی گناہ سے محفوظ رہتا ہے کسی سبب سے بچے مگر درجہ اور ثواب اس میں ہے کہ باوجود قدرت اور عدم موانع کے صرف خدا کے خوف سے زنا نہ کرے خاص کر جب کہ شہوت صادق موجود ہو اور یہ درجہ صدیقین کا ہے اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح۱] من عشق فعف فکتم فھو شہید ط اور فرمایا کہ سات آدمیوں کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ عرش کے سایہ میں جگہ دے گا اور اس دن سوا اس کے کہیں سایہ نہ ہوگا ان میں سے ایک شخص وہ بھی ہوگا جس کو کوئی عورت خوبصورت حسب و نسب والی اپنی طرف بلائے اور وہ جواب میں کہے[ت] انی اخاف اللہ رب العالمین اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ زلیخا کے ساتھ باوجود قدرت اور اس کی رغبت کے مشہور و معروف ہے جس پر خداوند کریم نے اپنی کتاب مجید میں ان کی ثنا کی ہے اور آپ اس باب میں سب کے امام ہیں حضرت سلیمان بن یسار جو بہت خوبصورت جوان تھے ان کا ذکر ہے کہ ایک عورت ان کے گھر میں آئی اور ان سے مباشرت کی طالب ہوئی انہوں نے انکار کیا اور اس کو گھر چھوڑ بھاگ گئے رات کو خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ تم یوسف ہو انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں وہ یوسف ہوں کہ ارادہ کیا تھا اور تو وہ سلیمان ہے کہ ارادہ بھی نہ کیا یعنی آپ نے ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رأ برھان ربہ ط کی طرف اشارہ فرما کر ان کی مدح کی اور ایک اور عجیب قصہ انہیں کا مذکور ہے کہ ایک رفیق

[ح۱] جو شخص عاشق ہوا اور پارسا بنا رہا اور عشق کو چھپایا پھر مر گیا تو وہ شہید ہے ۱۲ حاکم در تاریخ بروایت ابن عباس اور اس کی سند میں سوید بن سعید منکر ہے۔
[ح۲] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ [ت۳] میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب ہے سارے جہان کا ۱۲ بخاری نے روایت کی ہے ۱۲

کے ساتھ ایک بار مدینہ منورہ سے حج کے لئے نکلے جب ابواء میں پہنچے تو ان کا رفیق دستر خوان لے کر کچھ خریدنے کو بازار چلا گیا اور آپ خیمے میں بیٹھے رہے ایک بدوی عورت کی نگاہ جوان کے حسن و جمال پہ پڑی بہزار جان عاشق ہو گئی اور پہاڑ سے اتر کر سامنے آکھڑی ہوئی اور چونکہ خود بھی مہ پارہ تھی برقع اٹھا کر چاند سورج کی جوت ملائی اور ان سے کہا کہ مجھے کچھ دیجئے انہوں نے جانا کہ کھانا مانگتی ہے یہ روٹی لے کر دینے لگے اس نے کہا میں یہ نہیں مانگتی میری تمنا وہ امر ہے جو میاں بیوی میں ہوتا ہے آپ نے فرمایا تجھ کو شیطان میرے پاس لایا ہے پھر اپنا سر گھٹنوں کے اندر کر کے خوب زور سے رونے لگے جب اس نے یہ حال دیکھا تو اپنا سا منہ لے کر اپنے گھر چلی گئی جب ان کا رفیق آیا تو دیکھا کہ روتے روتے آنکھیں سوج گئی ہیں اور گلا پڑ گیا ہے پوچھا کہ آپ کیوں روتے ہیں آپ نے فرمایا کہ کچھ نہیں مجھے لڑکی یاد آگئی تھی اس نے کہا کوئی اور بات ہے تین منزل میں آپ کو لڑکی کبھی یاد نہ آئی آج کیا تھا غرض بہت اصرار سے جو پوچھا تو آپ نے بدوی عورت کا قصہ کہہ دیا وہ شخص دستر خوان رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا انہوں نے پوچھا کیوں روتا ہے اس نے جواب دیا میں اس لئے روتا ہوں کہ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو مجھ سے نہ رہا جاتا معصیت میں مبتلا ہو جاتا تھوڑی دیر تک دونوں روتے رہے جب مکہ میں پہنچے اور طواف اور سعی کے بعد حجر اسود کے پاس آئے تو سلیمان بن یسار گوٹ مار کر بیٹھ رہے اور ان کو نیند آگئی تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص دراز قد خوبصورت لباس فاخرہ پہنے اور عمدہ خوشبو لگائے ہوئے ہے انہوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں فرمایا کہ میں یوسف ہوں پوچھا کہ یوسف صدیق فرمایا کہ ہاں عرض کیا کہ آپ کا حال زلیخا کے ساتھ بڑا عجیب ہے آپ نے فرمایا کہ تمہارا حال ابواء والی عورت کے ساتھ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یوں سنا ہے کہ زمانہ گذشتہ میں تین آدمی چلے جاتے تھے رات کو ایک غار میں رہے ایک پتھر پہاڑ سے اتفاقاً ایسا گرا کہ اس غار کا منہ بند ہو گیا آپس میں کہنے لگے اپنے اپنے عمل صالح یاد کر کے خدا سے دعا مانگو شاید ان کی برکت سے یہ پتھر سرک جاوے ایک نے ان میں سے کہا کہ الٰہی تو جانتا ہے کہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور میں شام کو کھانا پہلے ان کو کھلا دیتا تھا جب اپنے گھر والوں اور جانوروں کو دیتا تھا ایک روز مجھ کو چارہ لانے میں دیر ہو گئی تو وہ سو گئے اور میں ان کے لیے دودھ دوھ کر ان کے پاس لے گیا تو سوتا پایا مجھ کو جگانا اچھا معلوم نہ ہوا پیالہ ہاتھ میں لیے ان کے پاس صبح تک کھڑا رہا میرے بچے میرے پاؤں پر لوٹا کئے مگر میں نے ماں باپ سے پہلے ان کو دینا اچھا نہ جانا جب صبح کو دے پی چکے تب اوروں کو دیا الٰہی اگر تو یہ جانتا ہے کہ یہ کام میں نے صرف تیری رضامندی کے لئے کیا ہے تو اس بلا سے نجات دلا اس کی دعا سے وہ پتھر اتنا سرکا کہ آسمان سوجھنے لگا دوسرے نے کہا کہ الٰہی تو جانتا ہے کہ میں اپنے چچا کی بیٹی پر عاشق تھا اور اس سے وصال کی استدعا کی مگر اس نے انکار کیا جب اس کو قحط سالی میں تکلیف ہوئی تو میرے پاس آئی میں نے ایک سو بیس اشرفیاں دیں بشرطیکہ مجھ سے انکار نہ کرے اس نے میرا کہنا مان لیا لیکن میں نے اس سے صحبت کرنا چاہا تو اس نے کہا کہ خدا کا خوف کر ناحق میری ہتک مت کر میں ڈر گیا اور اس کو چھوڑ دیا اور جو کچھ دے چکا تھا وہ بھی نہ لیا اور محبت بھی بدستور رکھی الٰہی اگر یہ امر میں نے تیرے خوف سے چھوڑا تھا تو ہماری مصیبت کو ٹال دے اس کی دعا سے وہ پتھر تھوڑا اور سرک گیا مگر ایسا راستہ نہ ہوا کہ اس میں سے نکل سکیں تیسرے نے کہا

الہٰی میں نے ایک بار چند مزدوروں کو کام پر لگایا تھا اور سب کی مزدوری چکا دی تھی مگر ایک مزدور اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا میں نے اس کو اس کے پیچھے بڑھایا یہاں تک کہ بہت سا مال ہو گیا جب وہ مدت کے بعد مزدوری مانگنے آیا تو میں نے جس قدر اس کا مال تھا اونٹ اور گائے اور بکری سب دکھا دیا اور کہا کہ یہ سب تیرا ہے اس نے کہا کہ بندہ خدا کیا ہنسی کرتے ہو میں نے کہا کہ ہنسی نہیں ہے یہ تیری ہی مزدوری کی تجارت سے ہوئے ہیں ان کو لے جا وہ ان سب کو ہانک لے گیا اور کچھ نہ چھوڑا الہٰی اگر میں نے یہ امر تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو ہم کو بلا سے نجات عنایت فرما پس اس کی دعا کے بعد وہ پتھر بالکل علیحدہ ہو گیا اور سب نے اپنی اپنی راہ لی یہ حال و فضیلت تو اس کی ہے کہ جس نے آپ کو شہوت زانی سے بچایا اور پارسا رہا اسی کے قریب وہ شخص بھی ہے جو آنکھ کی شہوت زانی سے محفوظ رہے کیونکہ زنا کی ابتدا نظر ہی سے ہوتی ہے اس لیئے کہ نظر کا روکنا بھی امر مہم و مشکل ہے اس لیئے کہ اس کو سہل تصور کر لیا ہے اور اس کا خوف بہت نہیں ہے حالانکہ جتنی آفتیں ہیں سب کا منشا نظر ہے ایک بار دیکھنے سے تو مواخذہ نہیں ہوتا اگر قصداً نہ ہو مگر دوبارہ تاکنے پر مواخذہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لک الاولی و علیک الثانیۃ[ح۱] مراد اس سے نظر ہی ہے اور علاء بن زیاد فرماتے ہیں کہ اپنی نگاہ تو عورت کی چادر پر مت ڈال اس لیئے کہ نظر تخم شہوت دل میں بوتی ہے اور انسان جب کبھی عورت و لڑکے پر نظر ڈالتا ہے تو کم ایسا ہوتا ہے کہ دوبارہ نہ تاکے پس جمال کا خیال مدنظر ہو گا تو دوبارہ دیکھنے پر طبیعت راغب ہو گی اس وقت اپنے نفس میں یہ ٹھہرائے کہ دوبارہ دیکھنا عین حماقت ہے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں اگر دوسری دفعہ میں صورت اچھی معلوم ہوئی تو نفس مقتضی شہوت کا ہو گا اور اس کو ملنے کی نہیں تو بجز دامان حسرت اور کیا ہاتھ آوے گا اور اگر بری معلوم ہوئی تو جس واسطے دیکھتا تھا یعنی حصول لذت کے لیئے وہ حاصل نہ ہو گی تو گناہ بے لذت میں مبتلا ہو گا بہر صورت یا حسرت سے ہم آغوش ہو گا یا لذت کے نہ حاصل ہونے سے ہمکنار اور یہ دونوں امر محض بیکار ہیں اور اگر آنکھیں بند کر لی جاویں تو بہت سی آفتیں دل پر سے جاتی رہتی ہیں اور اگر آنکھ سے خطا بھی ہو وے اور باوجود قدرت کے اپنے آپ کو زنا سے بچایا تو یہ بڑے زور اور نہایت توفیق کا کام ہے ابوبکر بن عبداللہ مزنی روایت کرتے ہیں ایک قصاب اپنے ہمسایہ کی لونڈی پر عاشق ہوا جب اس کے مالک نے اس کو کسی کام کے لیئے دوسرے گاؤں بھیجا تو قصاب اس کے پیچھے ہوا اور مطلب کا خواہاں ہوا اس لونڈی نے کہا جتنا تم مجھے چاہتے ہو اس سے زیادہ میں تمہیں چاہتی ہوں مگر اس بات سے درگزر کہ مجھ کو خدا کا خوف معلوم ہوتا ہے اس نے کہا جب تجھے خوف ہے تو مجھے نہ ہو گا غرضکہ تائب ہو کر پھر ابعد اس کے اس کو شدت کی پیاس لگی کہ قریب مرنے کے ہو گیا اتنے میں انبیاء بنی اسرائیل میں سے کسی کا قاصد ملا اس نے اس سے حال پوچھا اس نے کہا کہ میں پیاسا ہوں نبی کے قاصد نے کہا کہ آؤ ہم تم دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس گاؤں میں جانے تک ابر کا سایہ ہم پر کر دے اس نے کہا میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا کہ دعا مانگوں تم

ح[۱] جائز ہے تیرے لیئے اول بار کا دیکھنا اور وبال ہے دوسری دفعہ کا دیکھنا ابو داؤد و ترمذی بروایت بریدہ رضی اور یہ ارشاد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو کیا تھا اور ترمذی نے کہا کہ غریب ہے۔ ۱۲

دعا مانگو قاصد نے کہا کہ اچھا میں دعا مانگتا ہوں تم آمین کہنا پھر قاصد نے دعا شروع کی اور قصاب آمین کہتا گیا یہاں تک کہ ایک بادل کا ٹکڑا ان دونوں کے سر پر ہوگیا اور گاؤں میں پہنچ گئے جب قصاب اپنے مکان کی طرف کو جدا ہوا تو ابر بھی اس کے ساتھ ہولیا قاصد نے کہا تم تو کہتے تھے کہ میرے پاس کوئی عمل نیک نہیں دعا میں نے مانگی تھی اور بادل دونوں پر آتا تھا اب کس طرح تمہارے ساتھ ہولیا اپنا حال مجھ سے کہو اس نے قصہ توبہ کا بیان کیا قاصد نے کہا خدا کے نزدیک تائب کا وہ درجہ ہے کہ کسی کا نہیں اور احمد بن سعید اپنے باپ سے ناقل ہیں کہ کوفہ میں ہمارے پاس ایک نوجوان نہایت شکیل وخوبصورت وخوش سیرت عابد رہتا تھا کبھی مسجد جامع سے گویا جدا نہ ہوتا ایک عورت جمیلہ عقیلہ اس کو دیکھ کر فریفتہ ہوئی اور مدت تک ویسی ہی رہی ایک روز وہ شخص مسجد کو جاتا تھا اس کی راہ میں کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی کہ میاں صاحب جو کچھ کہوں پہلے اس کو سن لیجئے پھر جو دل میں آوے سو کیجئے مگر شخص مذکور نے کچھ نہ کہا اور چلا گیا پھر جب وہ گھر کو جانے لگا پھر راستہ روک کر کہا کہ میری بات سنتے جاؤ انہوں نے گردن جھکائی اور بڑی دیر کے بعد فرمایا کہ یہ تہمت کی جگہ ہے مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی مجھ پر تہمت کرے اس نے کہا کہ میں جو یہاں آکر کھڑی ہوں تو یہ بات نہیں ہے کہ تمہارا حال نہیں جانتی بلکہ خدا نہ کرے کہ لوگوں کو میری طرف سے ایسا ویسا حال معلوم ہو مگر مجھ کو اس جیسے کام میں خود تمہارے پاس آنا پڑا مجھے خود معلوم ہے کہ لوگ تھوڑی سی بات کو زیادہ جانا کرتے ہیں اور تم لوگ عابد مثل آئینہ کے ہو ذرہ سی بات سے تم کو عیب لگ جاتا ہے مجھے سو کی ایک بات کہنی ہے کہ ؎

سمایا ہے جس دن سے نظروں میں میری : جدھر دیکھتی ہوں ادھر تو ہی تو ہے

تو میرے تیرے معاملہ میں خدا ہی بچاوے راوی کہتا ہے کہ وہ جوان یہ سن کر گھر چلے گئے اور نماز پڑھنی چاہی مگر سمجھ میں نہ آیا کہ کیا پڑھتے ہیں ایک پرچہ کاغذ لے کر اس پر رقعہ لکھا اور گھر سے نکلے دیکھا کہ عورت راہ میں اسی جگہ کھڑی ہے وہ رقعہ اس کی طرف پھینک کر اپنے گھر چلے آئے مضمون رقعہ کا یہ تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے عورت آگاہ ہو جب بندہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ بردباری فرماتا ہے اور جب دوبارہ کرتا ہے تب بھی پردہ پوشی فرماتا ہے ؏ گنہ بیند و پردہ پوشد بحلم۔ اور جب گناہ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے تو پھر اس پر ایسا غضب نازل کرتا ہے کہ نہ اس کو زمین و آسمان سہار سکیں نہ پہاڑ و اشجار نہ دد و دام ؎

بہ تہدید گر برکشد تیغ حکم : بمانند کروبیاں صم و بکم

پس ایسے غضب کی کس کو طاقت ہے جو تو نے بات کہی تھی وہ اگر باطل ہے تو یاد کر اس دن کو کہ آسمان گلے ہوئے تانبے کی شکل کا ہوگا اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اور صولت جباری اور دبدبۂ قہاری اس زور و شور پہ ہوگا کہ تمام لوگ گھٹنے کے بل گرے ہوئے ہوں گے اور میرا یہ حال ہے کہ میں اپنے ہی نفس کی اصلاح نہیں کر سکتا تا بدیگرے چہ رسد اور اگر تیرا مقولہ حق ہے تو ایسا طبیب بتلائے دیتا ہوں کہ تمام دردوں کی دوا کرے اور مہلک بیماریوں کا علاج فرمائے وہ ذات پاک اللہ جل شانہ کی ہے اسی کی طرف صدق دل سے رجوع کرنا چاہئیے اور مجھ کو تیری طرف سے یہی آیت کافی ہے۔ وانذرہم یوم الازفۃ اذ القلوب لدی الحناجر کاظمین ۵ للظالمین من حمیم ولا شفیع

یطاع یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور[ت] اس آیت سے کوئی مضر نہیں ہوتا فقط پھر وہ عورت بعد چندے آئی اور راہ میں کھڑی ہوئی جب اس شخص نے اس کو دور سے دیکھا گھر کو لوٹنے کا ارادہ کیا کہ اس کی صورت میں نظر نہ پڑے اس نے کہا کہ کیوں جاتے ہو آج کے سوا کبھی ملاقات نہ ہو گی اب خدا کے یہاں ہی ملیں گے یہ کہہ کر خوب روئی اور کہا کہ میں خدا سے دعا کرتی ہوں جس کے ہاتھ میں تیرا دل ہے کہ مجھ پر تیری مشکل آسان کرے لیکن مجھ کو کوئی نصیحت اور وصیت کر کہ اس پر میں عمل کروں اس نے کہا کہ میں بھی یہی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو اپنے نفس سے بچائے رکھنا اور یہ آیت یاد رکھنا وھو الذی یتوفاکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنھار[ت] اس عورت نے گریبان میں منہ ڈال کر پہلی مرتبہ سے بھی زیادہ رونا شروع کیا اور پھر بعد افاقہ کے اپنے گھر چلی آئی اور خدا تعالیٰ کی عبادت میں چندے مصروف رہ کر اسی رنج میں مرگئی وہ جوان اس کو یاد کر کے رویا کرتے لوگ پوچھتے مصرع اے باد صبا این ہمہ آوردہ تست، آپ ہی نے تو اس کو مایوس کیا تھا اب کیوں روتے ہو فرمایا کہ میں نے بفحوائے گربہ کشتن روز اول اس کی طمع کو اول ہی دفعہ ذبح کر ڈالا اور اس سے کنارہ کشی کو خدا کے یہاں اپنے لئے ذخیرہ کیا اب یہ شرم آتی ہے کہ یہ ذخیرہ کہیں واپس نہ ہو جاوے۔ باب کسر شہوتیں تمام ہوا اس کے بعد آفات زبان مذکور ہوتے ہیں والحمد للہ اولاً و آخراً و صلی اللہ علی کل عبد مصطفی من اھل الارض والسماء

چوتھا باب: زبان کی آفتیں

رباعی:

کر احسن تقویم میں پیدا انسان	اسرار دلی کیے ودیعت بزبان
پھر اپنے نبی سے من صمت سنوایا	اللہ اللہ تیرے ہیں کیا کیا احسان

جاننا چاہیئے کہ زبان اگرچہ ایک مضغۂ گوشت ہے مگر خدا تعالیٰ کی بڑی نعمتوں اور صنائع لطیفہ میں ہے اس کا گناہ بھی سب سے زیادہ ہے اور طاعت بھی بڑھ کر کیونکہ کفر و ایمان جو پرلے درجے کی طغیانی و طاقت کہلاتے ہیں وہ زبان کی شہادت سے ظاہر ہوتے ہیں پھر کوئی چیز معدوم ہو یا موجود خالق ہو مخلوق معلوم ہو یا موہوم خیالی ہو یا باطنی سب کی سب زبان پر آتی ہیں اور ان کی نفی و اثبات میں تعرض کرتی ہے مثلاً جس چیز پر علم حاوی ہوتا ہے اس کو زبان ہی سے بیان کرتے ہیں خواہ حق ہو یا باطل اور علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اس لئے کہ زبان پر سب طرح کے مذکورات آسکتے ہیں اور یہ ایک ایسی خاصیت ہے کہ اور اعضا میں نہیں پائی جاتی مثلاً آنکھ رنگ کی چیزوں کی صورتوں کے سوا اور چیز نہیں دیکھ سکتی کان آواز کے سوا نہیں سن سکتا ہاتھ اجسام کے سوا نہیں پہنچ سکتا اسی طرح سب اعضا کو جاننا

[ت] اور خبر سنا دے اس کو اس نزدیک والے دن کی جس وقت دل پہنچیں گے گلوں کو دبا رہے ہوں گے کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ کوئی سفارشی کہ بات مانی جاوے وہ جانتا ہے جو چھپا ہے سینوں میں ۱۲ [ت۲] اور وہی ہے کہ تم کو بھر لیتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو کما چکے ہو دن کو ۱۲

چاہئے مگر زبان کا میدان وسیع ہے اس کے لئے کچھ حد اور انتہا نہیں جیسے خیر کی بولنے پر قادر ہے ویسے ہی شر کے بولنے پر قابو رکھتی ہے پس جو کوئی اپنی زبان کو اختیار میں نہ رکھے نہ معلوم شیطان اس سے کیا کیا کھلائے اور کس گڑھے میں دھکیلے[1] ولا یکب الناس فی النار علی مناخرھم الا حصائد السنتھم حدیث صحیح ہے ہاں زبان کی شرارت سے وہی بچے گا جو اس کو لگام شرع دیئے رہے گا اور منہ سے بات وہی نکالے گا کہ جس میں نفع دنیا و آخرت کا ہو اور جس بات کی ابتداء و انتہا میں کچھ شک پاوے گا اس کو زبان تک نہ لاوے گا اور اس بات کا معلوم کرنا کہ کس بات کا کہنا اچھا ہے اور کس کا برا بہت دقیق ہے اور اس کے اوپر عمل کرنا اور بھی زیادہ مشکل انسان کے حق میں سب اعضاء سے زیادہ نافرمان زبان ہے کیونکہ اس کے ہلانے میں ذرہ بھی مشقت نہیں ہوتی اور از انجا کہ خلق اس کی آفات سے بچنے اور مضرات سے خوف کرنے میں سہل انگاری کرتی ہے حالانکہ یہ انسان کے بہکانے کو شیطان کے بڑے اوزاروں میں سے ہے اس لئے ہم اللہ کی مدد اور توفیق سے سب آفتیں زبان کی ایک ایک مع تعریف اور سبب اور ان سے احتراز کی تدبیر مفصل لکھتے ہیں اور اخبار و آثار ان کی جو مذمت میں وارد ہیں وہ بھی نقل کرنے کے قبل ذکر آفات کے فضائل خاموشی کے لکھتے ہیں بعد اس کے جو بیس آفتیں زبان سے متعلق ہیں ذکر کریں گے اس طرح کہ اول جو سب سے ادنیٰ ہوگی اس کو لکھیں گے بعد اس سے زیادہ پھر اس سے زیادہ اسی طرح آخر تک مرتب لکھیں گے

زبان کے خطرات اور سکوت کے فضائل

معلوم کرنا چاہئے کہ زبان کے باعث اندیشہ بہت بڑا ہے اور اس سے بچنے کی صورت بجز سکوت کے اور کوئی نہیں اسی واسطے شرع میں سکوت کی مدح[2] اور ترغیب پائی جاتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3] من صمت نجا اور فرمایا الصمت حکمۃ وقلیل فاعلہ یعنی خاموشی حکمت اور احتیاط کی شے ہے اور عبد اللہ بن سفیان اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اسلام میں کوئی ایسی بات ارشاد فرما دیجئے کہ پھر آپ کے پیچھے کسی سے پوچھنے کی نوبت نہ آئے آپ نے فرمایا[4] قل آمنت باللہ ثم استقم پھر انہوں نے عرض کیا کہ میں کس چیز سے بچوں آپ نے اپنے دست مبارک سے زبان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس سے بچو اور عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ نجات کی کیا صورت ہے آپ نے فرمایا[5] امسک علیک لسانک ویسعک بیتک وابک علی خطیئتک فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا[6] من تکفل لی بما بین

---

[1] اور نہیں اوندھا ڈالتے ہیں لوگوں کو ناک کے بل دوزخ میں مگر خرمن ان کی زبان کے یعنی اقوال ۱۲ [2] جو چپ رہا اس نے نجات پائی ۱۲ طبرانی بروایت بروایت عبد اللہ بن عمرؓ ۱۲ [3] سکوت حکمت ہے اور اس کے کرنے والے کم ہیں ۱۲ ابو منصور در فردوس بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۲ [4] تو کہہ میں ایمان لایا اللہ پر پھر راست ہو ۱۲ ترمذی و نسائی و ابن ماجہ ۱۲ [6] جو شخص ضامن ہو مجھ سے اپنے دو جبڑوں کے بیچ کی چیز یعنی زبان کا اور دو ٹانگوں کے درمیان کی چیز کا میں ضامن ہوتا ہوں اس کو جنت کا ۱۲ ابو منصور بروایت انس بسند ضعیف ۱۲

لحییہ و رجلیہ اتکفل لہ بالجنۃ اور فرمایا من وقی شر قبقبہ و ذبذبہ و لقلقۃ فقد وقی الشر کلہ یعنی جو شخص اپنے شکم اور شرمگاہ اور زبان کی شر سے بچا وہ سب شروں سے محفوظ رہا کیونکہ اکثر لوگ انہیں تین شہوتوں سے تباہ ہوتے ہیں اور اسی لیئے ہم نے بھی بعد بیان شہوتیں کے آفات زبان کی تشریح کو مقدم سمجھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کے باعث جنت میں کثرت سے جائیں گے آپ نے فرمایا تقوی اللہ وحسن الخلق[1] اور جب یہ پوچھا کہ دوزخ میں کس چیز کے سبب زیادہ جائیں گے فرمایا کہ الاجوفان الفم والفرج[2] اس حدیث میں فم سے مراد آفات زبان بھی ہو سکتی ہیں کیونکہ منہ زبان کا محل ہے اور شکم بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اس کے بھرنے کا راستہ منہ ہی ہے اور معاذ بن جبل نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم جو بولتے چالتے ہیں اس پر ہم سے مواخذہ ہوگا آپ نے فرمایا[3] ثکلتک امک یا بن جبل وھل یکب الناس فی النار علی مناخرھم الا حصائد السنتھم اور حضرت عبداللہ ثقفی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ کوئی بات قابل تمسک مجھ کو ارشاد فرمایئے آپ نے فرمایا[4] قل ربی اللہ ثم استقم انہوں نے عرض کیا کہ جس چیز کا آپ کو مجھ پر زیادہ خوف ہو وہ کیا ہے آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا کہ یہ ہے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جب آپ سے پوچھا کہ اعمال میں سے افضل کون ہے آپ نے اپنی زبان نکال کر اس پر انگلی رکھی یعنی سکوت افضل الاعمال ہے اور انس بن مالک سے یہ حدیث مروی ہے کہ لایستقیم ایمان العبد حتی یستقیم قلبہ حتی یستقیم لسانہ ولایدخل الجنۃ من لایامن جارہ بوائقہ اور فرمایا من سرہ ان یسلم فلیلزم الصمت اور سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب صبح ہوتی ہے اعضا سب کے سب زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے باب میں ذرہ خدا کا خوف رکھنا اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے ورنہ تو ٹیڑھی ہوئی تو ہمارا بھی یہی حال ہوگا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان کو ہاتھ سے پکڑ کر کھینچ رہے تھے کہا اے نائب رسول اللہ صلعم آپ کیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس نے مجھے بہت ناک چنے چبوائے ہیں اور آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ جسم میں کوئی ایسا عضو نہیں کہ زبان کی تیزی کی شکایت خدا سے نہ کرتا ہو اور حضرت ابن مسعود صفا پر چڑھے یوں فرماتے تھے یا لسان قل خیرا تغنم واسکت عن شر تسلم

---

[1] خدا سے خوف کرنا اور خوش خلقی ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ [2] دو خالی چیزوں کے سبب پیٹ اور شرمگاہ ہیں یہ پہلی حدیث کا ٹکڑا ہے ۱۲
[3] روئے تجھ کو تیری ماں اے ابن جبل اور نہیں اندھا ڈالتے ہیں لوگوں کو ناک کے بل دوزخ میں خرمن ان کی زبان کے ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ و حاکم ۱۲ [4] کہہ تو میرا رب اللہ ہے پھر مضبوط رہ نسائی نے نقل کی اور ابن عساکر نے کہا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں بلکہ ٹھیک اس طرح ہے کہ پانچ حدیثوں میں بیشتر اس سے گزری ۱۲ [5] نہیں ٹھیک ہوتا ہے ایمان بندہ کا جب تک نہ ٹھیک ہو اس کا دل اور نہیں درست ہے دل جب تک نہ درست زبان اور نہیں داخل ہوتا ہے جنت میں وہ شخص کہ مامون نہ ہو اس کا ہمسایہ اس کے شروں سے ۱۲ بیہقی در شعب بروایت انس رضی بسند ضعیف ۱۲ [6] جس کو سلامت رہنا اچھا لگے وہ سکوت لازم کرے ۱۲ طبرانی و ابن ابی الدنیا باندک اختلاف اور اس کی سند میں شہر بن حوشب مختلف فیہ ہے [7] یہ حدیث سعید بن جبیر نے ابی سعید خدری سے مرفوعاً نقل کی ہے ۱۲ بروایت حماد بن زید مرفوعاً ۱۲

من قبل ان تندم[ا] لوگوں نے پوچھا کہ یہ آپ اپنی طرف سے فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا ہے ان اکثر خطایا ابن آدم فی لسانہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ حدیث فرماتے ہیں[۲] من کف لسانہ ستر اللہ عورتہ ومن ملک غضبہ وقاہ اللہ عذابہ ومن اعتذر الی اللہ قبل اللہ عذرہ ... اور روایت ہے کہ معاذ بن جبل نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھ کو کوئی وصیت فرمائیے آپ نے فرمایا[۳] اعبد اللہ کانک تراہ وعد نفسک فی الموتی پھر فرمایا کہ اگر تو کہے ایسی بات بتا دوں کہ اس سب سے زیادہ تجھ کو نافع ہو اور ہاتھ سے اشارہ زبان کی طرف فرمایا اور صفوان بن سلیم سے یہ حدیث شریف مروی ہے[۴] الا اخبرکم بایسر العبادۃ واھونہا علی البدن الصمت وحسن الخلق اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۵] من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیقل خیرا او یسکت اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم کو یہ حدیث پہنچی ہے[۶] رحم اللہ عبدا تکلم فغنم او سکت فسلم اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی خدمت میں لوگوں نے عرض کیا کہ کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جس سے جنت ملے آپ نے فرمایا کہ کبھی بولو مت انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو نہیں ہو سکتا فرمایا خیر کے سوا کچھ زبان سے مت نکالو اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کلام بالفرض چاندی ہو تو چپ رہنا سونا ہے اور براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ کوئی عمل ایسا بتلائیے کہ جس سے مجھ کو جنت ملے آپ نے فرمایا کہ بھوکے کو کھانا کھلا اور پیاسے کو پانی پلا اور اچھی بات کا امر کر اور بری بات سے منع کر اگر یہ نہ ہو سکے تو اپنی زبان سے سوائے خیر کے اور کچھ مت بول اور ایک حدیث شریف میں فرمایا[۷] اخزن لسانک الا من خیر فانک بذلک تغلب الشیطان اور فرمایا[۸] ان اللہ عند لسان کل قائل فلیتق اللہ امرء علی ما یقول اور فرمایا[۹] اذا رایتم المومن صموتا وقورا فادنوا منہ فانہ یلقن الحکمۃ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں[۱۰] کہ آپ نے فرمایا آدمی تین قسم کے ہیں ایک

[ا] اے زبان اچھی بات کہہ غنیمت پائے گی اور بری بات سے سکوت کر سلامت رہے گی پہلے اس سے کہ شرمندہ ہو ۱۲ بیہقی اور در شعیب بروایت اسلم مولی عمر فاروق دوری بروایت قیس بن ابی حازم من الصدیق ۱۲ [۲] جو شخص اپنی زبان کو روکتا ہے اللہ اس کی برہنگی یعنی عیب چھپاتا ہے اور جو شخص اپنے غصہ کو روکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عذاب سے بچاتا ہے اور جو خدا کے سامنے عذر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کرتا ہے ۱۲ [۳] خدا کی عبادت ایسی طرح کر گویا تو اس کو دیکھتا ہے اور اپنے نفس کو مردوں میں شمار کر ۱۲ [۴] کیا نہ بتا دوں میں تم کو بہت آسان اور بہت ہلکی عبادت بدن پر وہ سکوت اور خوش خلقی ہے ۱۲ [۵] جو شخص ایمان رکھتا ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر چاہیے کہ نیک بات کرے یا چپ رہے ۱۲ بخاری و مسلم [۶] رحم کرے اللہ اس بندے پر جو غنیمت پاوے اور چپ رہے تو سلامت رہے ۱۲ ابن ابی الدنیا و بیہقی در شعیب مرسلاً ۱۲ [۷] روک اپنی زبان کو مگر بہتر بات سے کہ تو اس کے باعث غالب آجاوے گا شیطان پر ۱۲ ابن حبان والفاظ دیگر بروایت ابوذر [۸] اللہ تعالیٰ ہر کہنے والے کی زبان کے پاس ہے پس جو شخص کچھ کہے اس کو چاہیئے کہ خدا سے ڈرے ۱۲ [۹] جب تم دیکھو مومن کو چپکا اور صاحب وقار پس اس کے قریب ہو اس کو حکمت تلقین کی جاتی ہے وہ جو کچھ کہتا ہے حکمت ہوتی ہے ۱۲ پہلے گزری [۱۰] طبرانی و ابو یعلیٰ بروایت ابو سعید خدری با ندک اختلاف در اول اور بروایت ابن مسعود رضؓ مجھے نہیں ملی مگر خرائطی نے مکارم اخلاق میں بروایت حسن بصری نقل کیا ہے کہ پہلے لوگ یوں کہا کرتے تھے ۱۲ [ع] بے شک اکثر خطائیں آدمی کو اس[٭] کی زبان میں ہیں ۱۲۔

غنیمت لوٹنے والا جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور ایک آفتوں سے محفوظ جو خاموش ہے اور ایک ہلاک ہونے والا جو باطل میں خوض کرتا رہتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ مومن کی زبان دل کے پیچھے رہتی ہے جب بولنا چاہتا ہے اول دل میں سوچ لیتا ہے جب زبان سے نکالتا ہے اور منافق کی زبان دل کے آگے ہوتی ہے بے سوچے سمجھے جو چاہتا ہے بک دیتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عبادت کے دس حصے ہیں اور ایک حصہ لوگوں سے جدا رہنے میں اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۱] من کثر کلامہ کثر سقطہ ومن کثر سقطہ کثرت ذنوبہ کانت النار اولیٰ بہ آثار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منہ میں کنکر رکھتے تاکہ بولنے سے رکے رہیں اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کرکے فرماتے کہ اس نے مجھ کو بہت سے گھاٹ اتارا ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں زبان سے زیادہ کوئی چیز زیادہ قید رکھنے کی محتاج نہیں اور حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری زبان درندہ ہے اگر چھوڑ دوں تو مجھ کو چٹ کرے اور وہب بن منبہ حکمت آل داؤد میں فرماتے ہیں کہ عاقل پر واجب ہے کہ عارف زمانہ اور حافظ زبان اور وضع کا پورا ہو اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی زبان نہ روکی اس نے دین کو بھی نہ سمجھا اوزاعی فرماتے ہیں کہ ہم کو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یوں لکھا تھا کہ جو کوئی موت کو یاد کرتا ہے دنیا کو تھوڑی چیز پر قناعت کرتا ہے اور جو اپنے کلام کو بھی عمل تصور کرلے وہ بے فائدہ کم بولے گا اور بعض اکابر کا قول ہے کہ سکوت سے آدمی میں دو خصلتیں جمع ہوتی ہیں اول تو دین سلامت رہتا ہے دوم دوسرے کی بات خوب سمجھتا ہے اور محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے مالک بن دینار کو فرمایا کہ آدمی کو زبان کا روکنا روپیہ پیسے کی حفاظت سے زیادہ مشکل ہے اور یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ جس کی زبان ایک ٹھکانہ پر رہتی ہے اس کے سب کام ٹھیک رہتے ہیں اور حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں لوگ بول رہے تھے اور احنف بن قیس چپ بیٹھے تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ کچھ نہیں فرماتے آپ نے جواب دیا کہ اگر جھوٹ کہوں تو خدا کا خوف آتا ہے اور سچ کہوں تو تم سے ڈر لگتا ہے اور ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ ایک بار چار بادشاہ جمع ہوئے بادشاہ ہند اور بادشاہ چین اور بادشاہ فارس اور قیصر روم ایک نے کہا کہ میں جو کہتا ہوں اس سے پچھتاتا ہوں اور جو نہیں کہتا اس پر پر کچھ ندامت نہیں ہوتی دوسرے نے کہا کہ جب میں کوئی کلمہ بولتا ہوں میں اس کے اختیار میں ہو جاتا ہوں وہ میرے قابو میں نہیں رہتا اور جب تک نہیں بولتا تو میرے اختیار میں رہتا ہے میں اس کے قابو سے باہر رہتا ہوں تیسرے نے کہا کہ مجھے ایسے بولنے والے ہی سے تعجب ہے اگر وہی بات اس پر واپس آوے تو ضرر دے اور اگر واپس نہ آوے تو کچھ فائدہ نہ دے چوتھے نے کہا کہ میں بن کہی بات کو ہٹا لینے پر زیادہ قادر ہوں کہی ہوئی ہو تو نہیں ہٹا سکتا اور منصور بن المعتمر کے حال میں لکھا ہے کہ عشاء کے بعد چالیس برس تک کوئی کلمہ نہیں بولتے تھے اس طرح ربیع بن خثیم نے بیس برس تک کوئی دنیا کے کلام نہیں کیے

---

[۱] جس کی گفتگو زیادہ ہو گی برائی زیادہ ہو گی اور جس کی بری بات زیادہ ہو گی اس کے گناہ زیادہ ہوں گے اس لیے دوزخ زیادہ اولیٰ ہے ۱۲ ابو نعیم بروایت ابن عمر بسند ضعیف وبیہقی در شعب موقوفاً علی عمر فاروق ۱۲

اور جب صبح ہوتی دوات قلم اور پرچہ کاغذ اپنے پاس رکھ لیتے جو کچھ بولتے وہ کاغذ پر لکھ لیتے اور شام کو اپنے نفس سے اس کا حساب کیا کرتے یہ فضائل سکوت کے ہیں اور وجہ سکوت کے افضل ہونے کی یہ ہے بولنے میں صدہا آفات ہیں خطا اور جھوٹ اور غیبت اور چغلی اور ریا اور نفاق اور فحش اور تکرار اور اپنے آپ کو پاک بتلانا امر باطل میں خوض کرنا خصومت زیادہ گوئی بات بدلنی بڑھانا گھٹانا خلق کو ایذا دینا پردہ داری کرنی یہ سب زبان ہی کے سبب سے ہوتے ہیں زبان ہلاتے کچھ وقت نہیں معلوم ہوتی دل میں مزہ معلوم ہوتا ہے طبیعت اور شیطان اکسا تا رہتا ہے اور یہ بات بہت کم ہے کہ جو بولنے کا عادی ہو تو زبان کو ایسی طرح قابو میں رکھے اور جہاں بولنا چاہیے وہاں ہی بولے اور جس بات کو کہنا نہ چاہیے اس سے باز رہے کیونکہ اس کا معلوم ہونا بہت مشکل ہے کہ کون سی بات نہ کہنے کے قابل ہے اور کون سی نہیں اس جہت سے بولنے میں خطرہ رہتا ہے اور خاموشی میں سلامتی ہے اسی بنا پر اس کی فضیلت بھی زیادہ ہوئی علاوہ ازیں سکوت سے یہ بھی فائدے ہیں کہ ہمت اکھٹی رہتی ہے اور ہیبت بنی رہتی ہے فکر و ذکر عبادت کی فراغت میسر ہے بولنے کی آفات سے دنیا میں نجات حاصل اور آخرت میں حساب سے بریت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت] مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ اور فضیلت سکوت کی دلیل عقلی عمدہ ہے وہ یہ ہے کہ کلام چار قسم ہے ایک تو وہ کہ اس میں ضرر ہی ضرر ہو دوسرے وہ کہ اس میں محض نفع ہی نفع ہو تیسرے وہ یہ کہ ضرر و نفع دونوں ہوں چوتھے وہ کہ نفع ہو نہ ضرر تو قسم اول سے تو سکوت ضروری ہے اور ایسی ہی قسم سوم سے بھی اگر ضرر نفع سے زیادہ ہو اور چوتھی قسم کے کلام میں وقت کا ضائع کرنا ہے اور یہ بھی بڑا نقصان ہے پس قابل بولنے کی دوسری قسم ہی رہی یعنی ایک چوتھائی کلام کی قابل بولنے کے ہے تین چوتھائی میں سکوت ہی اولیٰ ہے اب یہ چوتھائی بھی خطرے سے خالی نہیں کیونکہ اس میں بعض آفات خفی مثل ریا اور تکلف اور خود پرستی اور بدگوئی و غیبت و چغلی وغیرہ مل جاتی ہیں کہ متکلم کو معلوم نہیں ہوتی اس لیے بولنے سے ہر وقت خطرہ ہی ہے اور جو شخص زبان کی آفات سے ہماری تفصیل کے موافق آگاہ ہو جاوے گا وہ قطعاً جان لے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا[۲] مَن صَمَتَ نَجَا بہت درست ہے اور خطاب فیصل ہے خداوند کریم نے اس ذات ستودہ صفات کو حکمت کے دربے بہا اور کلمات جامع عنایت فرمائے ہیں ہر ہر لفظ میں موتی کوٹ کوٹ کر بھر دیتے ہیں سمندر کو کوزہ میں پر فرما دیتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم افضل صلوٰۃ خواص علما کے سوا آپ کے کلام کے دقائق اور نکات اور کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا انشاء اللہ تعالیٰ بیان آئندہ سے اس کی حقیقت واضح ہو گی اب ہم بیس آفتیں مرتب شروع کرتے ہیں

بے فائدہ کلام

یعنی ایسا کلام منہ سے نکالنا کہ اگر اس کو نہ کہے تو کچھ گناہ نہ ہو اور نہ جان و مال میں کچھ ضرر ہو واضح ہو کہ سب میں

ت نہیں بولتا ایک بات جو نہیں اس پاس ایک راہ دیکھتا تیار ۱۲ ۲ جو شخص سکوت کرتا ہے نجات پاتا ہے ۱۲ پیشتر گزری ۱۲ ۲ مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲

عمدہ حال یہ ہے کہ آدمی اپنے سب الفاظ میں یہ خیال رکھے کہ جتنی آفتیں مثل غیبت اور چغلی اور جھوٹ اور خصومت وغیرہ کے ہیں سب سے الفاظ محفوظ رہیں اور صرف وہی بات منہ سے نکلے جس کا بولنا مباح ہے اور اس سے نہ اپنے کو ضرر ہو نہ اور کسی بھائی کو ضرر ہو لیکن بعض اوقات ایسی باتیں بھی منہ سے نکل جاتی ہیں کہ جن کی کچھ احتیاج نہ ہو ایسی صورت میں وقت کا ضائع کرنا اور اپنی گردن پر حساب زبان کا لینا اور کمتر چیز کے بدلے بہتر شے کو دے ڈالنا ہے اس لیئے کہ اگر بولنے کے وقت فکر میں مصروف ہوتا تو شاید فتوحات غیبی میں سے ایسی مرحمت ہوتی کہ اس کا نفع زیادہ ہوتا یا تہلیل اور تسبیح اور تکبیر یا کسی اور ذکر میں لگتا تو یقیناً بہت الفاظ ایسے ہیں جن کے باعث جنت میں مکان بنتا ہے پس جس شخص کو قدرت اس بات کی ہو کہ خزانہ لے سکے وہ اس کے عوض ہیں ڈھیلے جمع کرے تو نقصان کے سوا اور کہا چاہیئے تو ذکر اللہ تعالیٰ جو عمدہ خزائن ہیں سے ہے اس کو چھوڑ کر کلمات بے حاجت کو زبان سے نکالنا ایسا ہی ہے گو ان کا بولنا مباح ہے اور کچھ گناہ نہ ہو مگر چونکہ بڑا مطلب ان کے سبب سے فوت ہو گیا اس جہت سے خسارہ ہی ہوا ایمان دار کا سکوت فکر ہوتا ہے اور نطق ذکر اور دیکھنا عبرت اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کا راس المال اوقات ہیں جب ان کو کلام بے ضرورت میں صرف کرے گا اور ان سے ثواب آخرت کا ذخیرہ نہ حاصل کرے گا تو راس المال میں پٹہ پڑے گا اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من حسن[۲] اسلام المرء ترك مالا یعنیه بلکہ اس سے بھی سخت ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کی لڑائی میں ایک لڑکا ہم میں سے شہید[۳] ہوا ہم نے جو دیکھا تو بھوک کے سبب اس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا اس کی ماں اس کے منہ سے مٹی جھاڑ کر کہنے لگی کہ بیٹا جنت مبارک ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کیسے معلوم ہوا شاید وہ کلام بے فائدہ کیا کرتا ہو اور جس چیز سے اس کا ضرر نہ ہو وہ اوروں کو نہ دیتا ہو اور دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب کو چندے نہ دیکھا تو پوچھا کہ کہاں ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ بیمار ہیں آپ عیادت کو تشریف لائے جب ان کے پاس آئے تو فرمایا کہ خوش خبری ہو تجھ کو اے کعب ان کی ماں نے کہا کہ اے کعب تجھ کو جنت بے روک ٹوک مبارک ہو آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہے جو خدا پر حکم کرتی ہے حضرت کعب نے عرض کیا کہ میری ماں آپ نے فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا شاید تمہارے بیٹے نے کوئی کلام بے حاجت کیا ہو یا کسی چیز کو بے فائدہ منع کیا ہو اس سے غرض یہ ہے کہ کھٹا جنت میں وہی بے حساب جاتا ہے جس کے ذمہ کچھ حساب نہ ہو اور جب کلام بے حاجت کرتا ہے تو اس کا حساب باقی رہتا ہے اگرچہ مباح ہی کیوں نہ ہو تو باوجود مناقشہ حساب کے یہ کہنا کہ بے روک ٹوک جنت مبارک ہو نہیں چاہیئے اور محمد بن کعب سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس[۴] دروازہ سے آج جو اول آوے گا وہ جنتی ہوگا حضرت عبداللہ بن سلام داخل ہوئے تو ان کو دیکھ کر کچھ

---

[۱] مجھے اس کی سند نہیں ملی مگر محمد بن ذکریا نے بروایت ابن عائشہ عن ابیہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اسی مضمون کا مگر یہ ضعیف ہے ۱۲ [۲] انسان کے اسلام کی خوبی میں سے چھوڑنا ایسی چیز کا جو اس کا مفید نہ ہو ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہ ۱۲ [۳] ترمذی مختصراً اور ابن ابی الدنیا بسند ضعیف ۱۲ [۴] ابن ابی الدنیا بروایت کعب بن عجرہ ۱۲

اصحاب رضی اللہ عنہم ان کے پاس گئے اور جو کچھ آپ نے ان کے حق میں فرمایا تھا ان سے کہا اور پوچھا کہ جو نسا عمل محکم تم کرتے ہو اور اس سے توقع پڑتی ہو اس کو ہم کو بتلاؤ انہوں نے فرمایا کہ میں ضعیف آدمی ہوں میرا عمل کیا ہے مگر جس سے مجھ کو توقع ہے وہ یہ ہے کہ سینہ کو بچائے رکھتا ہوں اور بے فائدہ کلام نہیں کرتا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا[2] کہ تجھے ایسا عمل بتادوں کہ بدن پر ہلکا اور میزان میں بھاری انہوں نے عرض کیا کہ بہت بہتر فرمائیے آپ نے فرمایا[3] الصمت وحسن الخلق وترك مالا يعنيك اور مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا ہے یہ کہا کرتے تھے کہ پانچ چیزیں مجھے روپیوں کے وقف سے بھی اچھی معلوم ہوتی ہیں ایک کلام بے فائدہ کا ترک کرنا کیونکہ وہ زیادہ ہوتا ہے اور اس سے گناہ کا خوف لگا رہتا ہے اور دوسرے کلام مفید بے موقع نہ کہنا کہ اکثر کلام مفید بھی اگر بے موقع بولا جاتا ہے خرابی لاتا ہے تیسرے حلیم اور بے وقوف سے بحث نہ کرنی کیونکہ حلیم سے بحث کرنے سے اس کو غصہ دلاتا ہے اور بے وقوف سے ایذا اٹھاتی ہو چوتھے ذکر کسی غائب بھائی کا ایسی طرح کرنا جیسی طرح خود اپنا ذکر اس سے کہلانا منظور ہو اور اس کے ساتھ ان قصوروں سے درگزر کرنا جن کو اس سے معاف کرنا اچھا معلوم ہو اور اس سے وہ معاملہ کرنا کہ وہ بھی ایسا ہی کرے تو اچھا لگے ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہرچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں مپسند پانچویں عمل کرنا اس یقین کے ساتھ کہ احسان کرنے سے جزا پاؤں گا اور جرم کرنے سے سزا اور لقمان حکیمؒ سے پوچھا کہ آپ کیا حکمت کرتے ہیں فرمایا کہ جو چیز خود معلوم ہو جاوے اس کے پوچھنے کے درپے نہیں ہوتا اور بے تکلف کلام بے فائدہ نہیں کہتا اور مورق عجلی کہتے ہیں کہ میں بیس برس سے ایک امر کی تلاش میں ہوں نہ اب تک ملا اور نہ اس کی طلب میں نے چھوڑی لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا بات ہے انہوں نے فرمایا کہ کلام بے فائدہ سے سکوت چاہتا ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلام بے فائدہ کا معترض نہ ہونا چاہیئے اور دشمن سے کنارہ کش اور دوست سے پرحذر رہنا چاہیئے مگر جو دوست امین ہو اور امین وہی ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرے اور بدکار کی صحبت سے بچنا چاہیئے ورنہ اس کا اثر اپنے آپ پر ہو جاوے گا اور اپنے بھید کی اس کو خبر نہ کرنی چاہیئے اور مشورہ کاموں میں ایسے لوگوں سے کرے جن کو خوف خدا ہو اب جاننا چاہیئے کہ تعریف کلام بے فائدہ کی تو اوپر مذکور ہوئی یہاں اس کی مثال بتلائی جاتی ہے مثلاً کوئی شخص لوگوں میں بیٹھ کر اپنے سفروں کا ذکر کرے اور کوہ و بیابان و سبزہ و آب روان و حالات ماضیہ اور عمدہ کھانے اور کپڑے اور عجیب و غریب طرز مشائخ کے غواہ اور کوئی چیز جو سفر میں دیکھی ہو یا سنی ہو اس کو بیان کرے تو ایسی باتیں ہیں کہ اگر ان کو بیان نہ کرے تو کچھ گناہ بھی نہ ہوا اور نہ کچھ اپنا نقصان ہو بشرطیکہ ان حکایات میں اپنی طرف سے کچھ کم و بیش نہ کرے نہ اپنا فخر ظاہر ہو کہ ہم نے ایسے بڑے بڑے امور دیکھے نہ کسی کی غیبت شامل ہو اور نہ مذمت کسی مخلوق کی پائی جاتی ہو جب اس طرح بیان کرے گا تو یہ کلام بے فائدہ ہوگا اور ایسا کلام کرنا اپنے وقت کا ضائع کرنا ہے اور پھر ظاہر

[1] ابی الدنیا ہکذا مرسلاً اور اس کی سند میں ایک راوی مختلف فیہ ہے [2] ابن ابی الدنیا بسند منقطع ۱۲ [3] وہ سکوت اور خوش خلقی اور غیر مفید چیز کا چھوڑنا ہے ۱۲

ہے کہ آدمی بات کہنے میں آفات سے کسی طرح نہیں بچ سکتا کسی نہ کسی میں مبتلا ہو جاتا ہے ورنہ تضیع اوقات نقد وقت ہوتا ہے اس میں کسی طرح کا شک نہیں اور ایک کلام بے فائدہ یہ ہے کہ دوسرے سے کلام بے فائدہ کرے تو اس سے ایک تو اپنا وقت سوال کرنے میں ضائع کرتا ہے اور چونکہ دوسرے کو جواب دینا پڑے گا تو گویا اس کا بھی وقت کھویا اور یہ اسی صورت میں ہے کہ سوال میں کوئی آفت نہ ہو ورنہ اکثر سوالوں میں بڑی بڑی آفتیں رہتی ہیں اگر کسی سے اس کی عبادت کا حال پوچھو مثلاً اس طرح کہ تم روزہ دار ہو تو اس سوال کے جواب میں چار صورتوں میں سے ایک صورت پیش آوے گی یا تو وہ ہاں کہے گا تو اپنی عبادت کو ظاہر کرنا پڑے گا اور ریا میں داخل ہو جاوے گا اور بالفرض ریا میں شامل نہ ہوگی تب پوشیدہ عبادت کا جو ثواب بمدارج زیادہ ہوا کرتا ہے وہ ضرور ہی جاتا رہے گا یا نہیں کہے گا تو اس صورت میں جھوٹ بولے گا یا خاموش رہے گا کچھ جواب نہ دے گا تو تم کو برا معلوم ہوگا کہ ہم نے پوچھا انہوں نے نہ بتایا شاید ہم کو حقیر سمجھا یا جواب نہ دینے کا کوئی حیلہ سوچے گا تو ایک مشقت مفت میں اس کے ذمہ پڑ جاوے گی پس اس طرح کے سوال سے ریا خواہ جھوٹ خواہ حقیر سمجھنا خواہ حیلہ کی فکر میں مبتلا ہونا کوئی سی نہ کوئی خرابی مجیب پر آوے گی علیٰ ہذا القیاس اور عبادتوں کا حال پوچھنا بھی ایسا ہی ہے اسی طرح اگر گناہوں کا حال یا پوشیدہ امور کا حال پوچھو اور وہ کہنے سے شرماوے یا یوں پوچھو کہ فلاں شخص نے تم سے کیا کہا اور تمہاری کیا رائے ہے یا کسی مسافر سے پوچھو کہ کہاں سے آئے اکثر بتلانا منظور نہیں ہوتا کوئی وجہ مانع ہوتی ہے اگر سچ کہتا ہے تو راز کھلتا ہے یا حیا آتی ہے ورنہ جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور ان دونوں کا سبب صرف سوال ہی ہے یا کسی مسئلہ کی حاجت نہ ہو ویسے ہی کسی عالم سے پوچھو اور اس کو یاد نہ ہو مگر یہ کہنے کو جی نہیں چاہتا کہ مجھ کو نہیں آتا بلکہ ان گھڑ جواب کہہ دے گا پس کلام بے فائدہ سے ہمارا مقصود اس طرح کے سوالات کا نہیں کیونکہ ان میں یا گناہ موجود ہے یا ضرر ہے بلکہ کلام غیر مفید کی یہ مثال ہے جو لقمان حکیم سے منقول ہے کہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایسے وقت گئے کہ آپ زرہ بنا رہے تھے اور انہوں نے پہلے کبھی زرہ نہ دیکھی تھی تعجب سے دیکھتے رہے اور چاہا کہ پوچھیں مگر حکمت مانع ہوئی اور نہ پوچھا جب آپ تیار کر چکے تو کھڑے ہو کر اس کو پہنا اور فرمایا کہ لڑائی کے لیے زرہ کیا عمدہ چیز ہے حضرت لقمان نے دل میں کہا کہ سکوت بڑی حکمت ہے مگر اس کو کم لوگ اختیار کرتے ہیں یعنی بے سوال ہی معلوم ہو گیا حاجت پوچھنے کی نہ رہی اور ایک روایت میں ہے کہ سال بھر تک پھرا کئے کہ بدون پوچھے حال معلوم ہو جائے پس اس طرح کے سوالات میں اگر نقصان اور ہتک اور ریا و کذب میں مبتلا کرنا نہ پایا جاوے تو داخل کلام بے فائدہ ہیں اور ایسے کلام کے لئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس کے چھوڑنے سے اسلام کی خوبی ہے اب معلوم کرنا چاہیئے کہ باعث اس کلام بے فائدہ کا یا تو غیر ضروری چیز کے معلوم کرنے کی حرص ہوتی ہے یا بطور محبت کلام کا پھیلانا منظور ہوتا ہے یا دل بہلانے کے طور پر ایسی حکایات کہتے ہیں کہ جن سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور ان سب کا علاج یہ ہے کہ اس بات کا یقین کرے کہ موت سامنے کھڑی ہے بعد مرنے کے ایک ایک لفظ سے پرسش ہوگی اور یہ کہ راس المال آدمی کا اس کی سانس ہیں اور زبان ایک جال ہے کہ اس سے طائر نعمۂ بہشتی پھنسا کرتا ہے پس اس کو بیکار چھوڑنا بڑے نقصان کی بات ہے یہ علاج

علمی ہے مگر علمی تدبیر گوشہ کے سوا بہتر نہیں یا کنکر منہ میں رکھے اور اول اول مفید کلام کا بولنا بھی چھوڑ دے تاکہ عادت کلام بے فائدہ کے ترک کی پڑ جاوے اور اس زمانہ میں بے عزلت نشینی کے زبان کا روکنا بہت مشکل ہے۔

کثرت کلام اس میں کلام بے فائدہ بھی شامل ہے اور کلام ضروری پر اگر مقدار ضرورت سے بڑھ جاوے وہ بھی اس میں داخل ہے اور اسی پیٹے دوسری قسم آفت کی قرار دی گئی مثلاً کلام حاجت کا بولنا مختصر طور پر بھی ہو سکتا ہے تو ایک کلمہ کی جگہ اگر دو کہے گا دوسرا کلمہ زائد ہو گا یعنی حاجت سے زائد ہو گا گو اس سے تقریر یا تاکید منظور ہو اور یہ بھی برا ہے اگرچہ اس میں گناہ اور ضرر نہ ہو عطاء ابن ابی رباح فرماتے ہیں کہ اکابر سلف کلام زائد کو برا جانتے تھے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امر معروف اور نہی منکر اور حاجت ضروری دنیاوی کے سوا اور کلام زائد تصور فرماتے تھے پھر اب کیا اس بات کا انکار ہے کہ کرام کاتبین داہنے بائیں سے لکھتے ہیں[1] مایلفظ من قول الالدیہ رقیب عتید اس بات کی شرم نہیں آتی کہ نامہ اعمال جب کھلے گا تو اکثر ایسی باتیں کہتے ہیں کہ اس کا جواب جیسے پیاسے کو ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے اس سے زیادہ مجھے معلوم ہوتا ہے مگر میں زائد ہونے کے ڈر سے جواب نہیں دیتا اور مطرف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کا لحاظ رکھا کرو بے جگہ اس کا ذکر مت کیا کرو مثلاً کتے یا گدھے کو دیکھ کر کہو کہ الٰہی اسے ہٹا دے یا اور اسی طرح کے کلام میں اس کا ذکر کرو اب معلوم کرنا چاہیئے کہ کلام زائد کا کچھ حصر نہیں بلکہ جو کلام ضروری ہے اس کا حصر کلام مجید میں موجود ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[2] لاخیر فی کثیر من نجواھم الامن امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس اور حدیث شریف میں ہے[3] کہ خوش خبری ہو اس شخص کو جو زبان کو زائد بات سے روکے اور زائد مال کو خرچ کرے پس دیکھنا چاہیئے کہ لوگوں نے کیسا معاملہ الٹا کر رکھا ہے کہ مال زائد کو تو جوڑ رکھا ہے اور زبان کو مطلق العنان چھوڑ رکھا ہے اور مطرف بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عامر کے گروہ کے ساتھ حاضر ہوئے ان لوگوں نے عرض کرنا شروع کیا کہ آپ ہمارے والد اور سید اور افضل اور محسن اور منعم ہیں اور آپ چنیں ہیں اور آپ چناں ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ[4] قولوا بقولکم لایستھوینکم الشیطان اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب آدمی کسی کی تعریف میں زبان کھولتا ہے گو سچی ہی ہو مگر خوف اس کا ہے کہ شیطان زائد نہ کہلا وے اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں تم کو کلام زائد سے ڈراتا ہوں آدمی کو اسی قدر کلام کافی ہے کہ اس کی حاجت روائی ہو جاوے اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ آدمی کی سب باتیں لکھی جاتی ہیں یہاں تک اگر لڑکے کو چپ کرنے کو کہے گا کہ میں تجھے فلاں چیز دے دوں گا تو جھوٹا لکھا جاوے گا اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم کا کاغذ اعمال پھیلا ہوا ہے اور دو فرشتے اس پر تیرے عمل لکھنے کو معین ہیں چاہے تھوڑا بول چاہے

---

[1] نہیں بولتا کوئی ایک بات جو نہیں اس پاس ایک راہ دیکھتا تیار ۱۲ [2] کچھ بھلی نہیں اکثر ان کی مشورت مگر جو کوئی کہے خیرات کو یا نیک بات کو یا صلح کرنے والوں کو لوگوں میں ۱۲ [3] بغوی و بزاز بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ [4] کہو اپنا قول اور نہ سرگشتہ کرے تم کو شیطان ۱۲ ابن ابی الدنیا نے اس طرح سے اور ابوداؤد و نسائی رحمہم اللہ

۴ دلیلہ بالفاظ دیگر ۱۲

زیادہ اور روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک اپنے جن کو کہیں بھیجا اور بعضوں کو اس کے پیچھے روانہ کیا کہ جو کچھ تم اس کا حال دیکھو اور جو کچھ یہ کہے وہ مجھ سے آکر کہنا انھوں نے آکر کہا کہ یہ بازار میں گیا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا پھر لوگوں کی طرف دیکھ کر سر ہلانے لگا آپ نے اس جن سے پوچھا کہ یہ کیا بات تھی اس نے عرض کیا کہ مجھ کو آسمان کے فرشتوں سے تعجب آیا کہ انسانوں کے سر دں پر بیٹھ کر کتنا جلد ان کے اعمال لکھتے ہیں اور حضرت انسان پر تعجب آیا کہ کتنا جلد بکتے ہیں اور حضرت ابراہیم تیمی فرماتے ہیں کہ ایماندار کا بولنا تامل کے ساتھ ہوتا ہے اگر کچھ فائدہ معلوم ہوا تو بولتا ہے ورنہ سکوت اختیار کرتا ہے اور بدکار آدمی کی زبان پٹر پٹر چلتی ہے بے تامل بکتا چلا جاتا ہے اور حضرت حسن فرماتے ہیں جو زیادہ بولتا ہے وہ زیادہ جھوٹا ہوتا ہے اور جس کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے وہ گناہ زیادہ کرتا ہے اور جو بد خلق ہوتا ہے وہ اپنی جان پر عذاب لیتا ہے اور عمر بن دینار فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں کسی نے کچھ کلام طویل کیا آپ نے فرمایا تیری زبان کے اس طرف کتنے دروازے ہیں اس نے عرض کیا کہ میرے لب اور دانت ہیں آپ نے فرمایا ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تیرے کلام کو روکتا اور ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے آپ کی تعریف میں طول کلامی کی تھی آپ نے فرمایا کہ آدمی کو زبان کی زیادہ گوئی سے بڑھ کر کوئی چیز بری نہیں عنایت ہوئی اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ مباہات و فخر کے ڈر سے اکثر کلام نہیں کرتا ہوں اور بعض حکما کا قول ہے کہ جب آدمی کسی مجلس میں ہو اور اپنا بولنا اچھا معلوم ہو تو چپ رہنا چاہیئے اور اگر اپنا سکوت اچھا معلوم ہوتا ہو تو بولنا چاہیئے اور یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ عالم کے لیئے یہ بھی ایک امتحان کی چیز ہے کہ اپنے بولنے کی بہ نسبت سننے کو زیادہ پسند کرے اس لیئے چاہیئے کہ جب تک دوسرا شخص بولے اپنے آپ چپکا رہے کیونکہ سننے میں سلامتی ہے اور کہنے میں بات کا چکنانا اور کم و بیش کرنا وغیرہ آفات ہیں اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ پاک کرنے کے لیئے سب سے زیادہ مستحق آدمی کی زبان ہے اور حضرت ابو درداءؓ نے ایک عورت زبان دراز دیکھی فرمایا کہ اگر یہ گونگی ہوتی تو اس کے حق میں اچھا ہوتا اور ابراہیمؒ کا قول ہے کہ دو باتوں سے آدمی کی تباہی ہے مال زائد سے اور کلام زائد سے مذمت کلام فضول اور زائد کی اور اس کا سبب و علاج وہی ہے جو پہلی آفت میں گزرا۔

امور باطلہ

یہ بھی ہر چند کہ کلام فضول میں داخل ہے مگر اس میں اور پہلی دو آفتوں میں یہ فرق ہے کہ وہ دونوں مباح تھے حرمت ان میں نہ تھی اور امر باطل وہ ہے جس میں علاوہ زائد از مطلب ہونے کے حرمت بھی پائی جاوے مثلاً گناہوں کی باتیں کرنی یا عورتوں کا ذکر کرنا یا شراب کی مجلس اور بدکاروں کے جلسوں کا بیان کرنا یا بادشاہوں اور دولت مندوں کی عیاشی خواہ ان کے دوسرے افعال مکروہہ کو ذکر کرنا یہ سب اس تیسری قسم میں داخل ہیں اور قطعاً ناجائز و حرام ہیں اور یہ آفت اسی طرح پیدا ہوتی ہے کہ اوّل اوّل کلام بے فائدہ اور زائد از مطلب کے کہنے کی عادت ہوتی ہے بعدہ رفتہ رفتہ ایسے ذکروں کا عادی ہو جاتا ہے کہ اکثر لوگ بطور تفرح باتیں کرنے بیٹھتے ہیں مگر باتیں

ح ابن ابی الدنیا نے اسی طرح مرسلاً نقل کی ہے ۱۲

جب ہوں گی جب ایسی ہی ہوں گی کہ کسی کی ابرو کا ذکر ہو یا امور مذکورۂ بالا میں سے کوئی ہو اور چونکہ امور باطل کی تعیین اور حصر نہیں انواع و اقسام بیشمار ہیں اسی جہت سے ان سے بچنا بھی سوا اس کے نہیں ہو سکتا کہ جو امر دین و دنیا کے اہم ہیں اور ان کے سوا اور کچھ نہ کہے کیونکہ اس آفت میں مبتلا ہونے سے بعض اوقات آدمی تباہ و ہلاک ہو جاتا ہے اور وہ خود اپنے ذہن میں اس بات کو خفیف سمجھتا ہے چنانچہ بلال بن حارث فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی ایک کلمہ اللہ تعالیٰ کی خوشی کا کہتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اس سے کچھ بڑی رضامندی حاصل ہو گی مگر خداوند کریم اسی کے باعث قیامت تک کی رضامندی لکھ لیتا ہے اور کبھی ایک کلمہ ناخوشی کا سرزد ہو جاتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے ناخوشی زیادہ ہو گی مگر خدا تعالیٰ اس سے اپنی ناخوشی قیامت تک لکھتا ہے اور حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ اکثر باتوں سے مجھ کو حدیث بلال بن حارث نے روک دیا اور ایک حدیث شریف میں ہے[1] ان الرجل لیتکلم بالکلمۃ یضحک بھا جلساءہ و یھوی بھا ابعد من الثریا اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کبھی بے پروائی سے ایسی بات کہہ بیٹھتا ہے کہ اس کے سبب دوزخ میں پڑتا ہے اور کبھی ایسی بات کہتا ہے کہ اس کے سبب جنت کے مدارج اس کو عنایت ہوتے ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2] اعظم الناس خطایا یوم القیامۃ اکثرھم خوضا فی الباطل اور اسی طرف اشارہ ہے اس آیت کریمہ میں[3] وکنا نخوض مع الخائضین اور اسی آیت میں[4] فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم حضرت سلیمان فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز زیادہ تر خطاوار وہی گا جس نے خدا کی نافرمانی کی باتیں زیادہ کی ہوں گی اور ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص انصار میں کا جب اس کی مجلس پر سے گزرتا تو کہا کرتا کہ وضو کر لو اس لیے کہ تم جو باتیں کر رہے ہو ان میں سے بعض حدیث سے بھی زیادہ بری ہیں ذکر باطل اس کا نام ہے اور یہ غیبت و چغلی اور گالی وغیرہ کے علاوہ ہے بلکہ یہ ایسا حال بکروہ بیان کرنا کہ جس کا وجود پہلے ہو چکا ہو حالانکہ کوئی ضرورت دینی اس کے ذکر کی باعث نہ ہوئی ہو اور اس میں داخل ہے بدعات کا نقل کرنا اور جھوٹے مذہبوں کی حکایات کرنی اور صحابہؓ کے جھگڑوں کو ایسی طرح بیان کرنا جس سے یہ وہم ہو کہ کوئی ان میں سے خطا پر تھا پس یہ باتیں بیکار ہیں اللہ بچاوے

دوسروں کی بات کاٹنا اور جھگڑے

حدیث شریف میں بات کاٹنے کو منع فرمایا ہے[5] لا تمار اخاک ولا تمازحہ ولا تعدہ موعدا فتخلفہ اور فرمایا[6] اترک ذکر المراء فانہ لا تفھم حکمتہ ولا تومن فتنتہ اور

---

[1] آدمی ایک بات بولتا ہے جس سے کہ اپنے ہمنشینوں کو خوش کرتا ہے اور اس کے باعث ثریا سے دور گر پڑتا ہے ۱۲ ابن ابی الدنیا بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲

[2] سب سے بڑا خطائیں قیامت کے دن وہ ہو گا جو اکثر امر باطل میں خوض کرتا ہو گا ۱۲ ابن ابی الدنیا بروایت مرسلاً ۱۲ [3] اور تھے بات میں دھنستے ساتھ دھنسنے والوں کے ۱۲ [4] تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ جبکہ وہ دھنسیں اور بات میں اس کے سوا نہیں تم بھی ان کے برابر ہوئے ۱۲ [5] اپنے بھائی کی بات مت کاٹ اور نہ اس سے ٹھٹھا کر اور نہ ایسا وعدہ کر جس کا تو خلاف کرے ۱۲ ترمذی بروایت ابن عباس ۱۲ [6] بات کاٹنی چھوڑ دو کیونکہ نہ اس کی حکمت سمجھی جاتی ہے اور نہ اس کے فتنہ سے مامون رہا جاتا ہے ابن ابی الدنیا موقوفاً علی ابن مسعود ۱۲

فرمایا من ترك المراء وهو الحق بنی له بیت فی اعلی الجنة ومن ترك المراء وهو باطل بنی له بیت فی ربض الجنة[1]
اور حضرت ام سلمہؓ آپ سے روایت کرتی ہیں کہ فرمایا۔ ان اول ما عهد الی ربی ونهانی عنه بعد عبادة الاوثان وبعد شراب الخمر ملاحاة الرجال[2]
اور فرمایا ما ضل قوم بعد ان هداهم الله تعالی الا اوتوا الجدل[3] اور فرمایا لا یستکمل عبد حقیقة الایمان[4]
حتی یدع المراء وان کان محقا اور فرمایا کہ جس میں چھ خصلت ہوں وہ ایمان حقیقی کے درجہ کو پہنچتا ہے اول روزہ رکھنا
گرمیوں میں دوسرے دشمنان خدا کو تلوار سے کاٹنا تیسرے مینہ بادل کے دن میں نماز جلد ادا کرنا چوتھے مصیبت پر صبر کرنا
پانچویں باوجود مکروہات کے وضو کو پورا کرنا چھٹی باوجود حق بطرف ہونے کے اعتراض وجھگڑا نہ کرنا اور حضرت زبیر رضی اللہ
عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ قرآن کی بات میں کسی سے جدال مت کرنا تجھ کو لوگوں کے سامنے تاب نہ ہوگی بلکہ سنت
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دستور العمل رکھنا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی دین میں زیادہ اعتراضات
کے درپے ہوتا ہے وہ اکثر بدلتا رہتا ہے اور مسلم بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ اعتراض سے بچو کیونکہ تکرار کے وقت عالم جاہل
ہو جاتا ہے اور اس وقت شیطان اس کی لغزش کا خواہاں ہوتا ہے اور حضرت مالک بن انسؓ فرماتے ہیں کہ جدال کرنا
دین سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ جھگڑا کرنے سے دل سخت ہو جاتے ہیں اور دلوں میں کینہ کا
بیج پڑتا ہے اور حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ علماء سے مت جھگڑنا ورنہ تجھ سے عداوت کریں
گے اور بلال بن سعد فرماتے ہیں کہ جب کسی کو جھگڑالو پیچر اور خود رائے دیکھو تو جان لو کہ خسارہ اس پر ختم ہے اور حضرت
سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جھگڑا ایسی بلا ہے کہ بالفرض میں اپنے بھائی سے انار میں جھگڑوں وہ کہے شیریں اور میں کہوں کھٹا
تو حاکم کے یہاں میری چغلی کرے اور نیز فرمایا کہ جس سے چاہو صفائی حاصل ہو سکتی ہے اور ذرا سے جھگڑے میں اس کو ایسا
غصہ آسکتا ہے کہ کبھی ایسی مصیبت میں پھنسا دے جس سے زندگی تلخ ہو اور ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے یاروں
سے تکرار نہیں کرتا کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا اس کو جھٹلاؤں گا یا غصہ دلاؤں گا اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ
آدمی کو یہی گناہ کافی ہے کہ ہمیشہ بحث کرتا پھرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تکفیر لکل لحاء رکعتان[5]
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ علم تین باتوں کے لیئے نہ سیکھنا چاہیئے اور تین باتوں کی جہت سے اس کی تحصیل سے
پہلوتہی نہ کرنی چاہیئے بحث وفخر وریا کے لئے تو نہ سیکھنا چاہیئے اور حیا اور زہد کے باعث اور جہالت پر راضی ہونے کے سبب سے اس
سے دستبردار نہ ہونا چاہیئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جو زیادہ جھوٹ

---

[1] جو شخص بات کاٹنی چھوڑ دے اور وہ حق پر ہو اس کے لیئے جنت اعلیٰ میں مکان بنایا جاتا ہے اور اگر مراء کو ترک کرے اور معطل ہو تو وسط جنت میں اس کے لیئے مکان بنایا جاتا ہے ۱۲ باب العلم جلد اول میں گزری واضح ہو کہ مترجم کے وہاں ربض الجنة کا ترجمہ کنارہ وچراگاہ ٹھیک کیا ہے اور وسط جنت مناسب نہیں اور مجمع البحار میں بھی جنت سے باہر اس کے گرد فرمایا ہے واللہ اعلم ۱۲ امیر علی [2] اول جو عہد مجھ سے میرے رب نے لیا اور مجھ کو اس سے منع کیا بتوں کی عبادت اور شراب پینے کے بعد لوگوں سے جھگڑا باندھنے سے ۱۲ ابن ابی الدنیا در صمت و بیہقی و طبرانی بہ سند ضعیف ۱۲ [3] نہیں گمراہ ہوئی کوئی قوم بعد اس کے خدا نے ان کو ہدایت کیا مگر کہ دی گئی خصومت ان کو ۱۲ ترمذی بروایت ابو امامہ و ابن ابی الدنیا ۱۲ [4] نہیں پورا کرتا ہے کوئی بندہ ایمان کی حقیقت یہاں تک کہ بات کاٹنی چھوڑ دے اگرچہ حق پر ہی ہو ۱۲ ابی الدنیا بروایت ابوہریرہ بہ سند ضعیف احمد با الفاظ دیگر ۱۲ ابو منصور بروایت ابو مالک اشعری بسند ضعیف ۱۲ [5] ہر بحث کرنے والے کا کفارہ دو رکعتیں ہیں طبرانی بروایت ابوامامہ بسند ضعیف ۱۲

بولتا ہے اس کی خوبی جاتی رہتی ہے اور جو لوگوں سے جھگڑتا ہے بے مروت ہو جاتا ہے اور جس کو رنج بہت ہوتا ہے اس کا جسم مریض ہو جاتا ہے اور جس کی عادت اچھی نہیں ہوتی اس کی جان عذاب میں رہتی ہے سچ ہے ے

اگر ز دست قضا بر فلک رود بدخوے ؛ ز دست خوے بدخویش در بلا باشد

اور میمون بن مہران سے لوگوں نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ کسی کو عداوت کی راہ سے ترک نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ نہ میں کسی سے دل لگی کروں نہ بحث تکرار کروں پھر وجہ عداوت کی کیا ہے غرضکہ مراء اور جدال کی برائی حد شمار سے افزوں ہے اور تعریف مراء کی یہ ہے کہ دوسرے شخص کی بات میں براہ اعتراض خواہ لفظوں میں یا معنوں میں یا ارادہ میں خلل ظاہر کرنا لفظوں میں عیب بتلانا اس طرح کہ علم نحو یا لغت یا محاورہ کے خلاف کہتے ہو یا اس کلام کی بندش اچھی نہیں اس کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے اور ایسا اکثر ہوتا ہے جو شخص کم جانتا ہے اچھی عبارت نہیں بول سکتا تا آنکہ زبان سے کچھ نہ کچھ نکل جاتا ہے تو جس میں عادت اعتراض کی ہوتی ہے وہ فوراً عیب جوئی پر آمادہ ہو جاتا ہے حالانکہ اظہار عیب کی کوئی وجہ نہیں ہوتی اور معنوں میں طعن کرنا یہ ہے کہ جیسا تم کہتے ہو ویسا نہیں اس میں یہ یہ غلطیاں ہیں اور ارادہ میں عیب ظاہر کرنا یہ ہے کہ اس طرح کہے کہ تمہارا کلام تو درست ہے مگر تم نے اثبات حق کے لیے نہیں کہا بلکہ اس میں تمہارا کچھ مطلب ہے اور اس کے قائم مقام کہے اور مسائل علمی میں اس قسم کے اعتراض واقع ہوتے ہیں تو اس کو جدال کہتے ہیں بہر صورت دونوں برے ہیں ان کو ترک کرنا چاہیئے جب آدمی کوئی بات سنے اگر سچ ہو تو اس کو مان لے اور اگر جھوٹ ہو اور امور دینی سے متعلق نہ ہو تو چپ ہو رہے عیب جوئی کی کوئی وجہ نہیں ہاں اگر بغرض استفادہ کچھ سوال کرے تو عناد و بغض کو دخل نہ ہووے اور مجیب[ع] بھی نرمی سے بتلادے تو مضائقہ نہیں اور جدال سے یہ غرض ہوتی ہے کہ دوسرے کے کلام پر اعتراض کر کے اس کو ساکت کرنا اور اس کا نقصان و عجز ظاہر کرنا اور اس کی پہچان یہ ہے کہ متکلم کو اور طرح پر سمجھا دینا اچھا نہ معلوم ہو بلکہ جدال کرنے والا اسی بات کو ضروری جانے کہ میں ہی متکلم کا قصور علانیہ بتلاؤں تاکہ میرا فضل اور اس کا نقصان کھل جاوے اور اس سے نجات کی صورت یہی ہے کہ جس بات کے نہ کہنے میں گناہ نہ ہوتا ہو اس سے بھی سکوت اختیار کرے اور مراء اور جدال کا سبب یہی ہے کہ آدمی اپنا فضل اور بزرگی دوسروں پر ان کے نقصان کے اظہار سے چاہتا ہے اور یہ دونوں خواہش نفس کے اندر سخت ہیں اظہار فضل خودستائی سے ہے جو بڑائی اور بزرگی یعنی صفات ربوبیت کے جوش سے پیدا ہوتی ہے اور دوسرے کو ناقص جاننا صفات سبعی کے مقتضا سے بروئے کار آتا ہے کیونکہ درندہ بھی یہی چاہتا ہے کہ دوسرے کو چیر پھاڑ برابر کرے یا صدمہ و ایذا پہنچادے غرضکہ یہ دونوں صفتیں آدمی کے حق میں مہلک ہیں اور ان کو مراء اور جدال سے زور ہو جاتا ہے پس جو کوئی جدال کرتا رہیگا اور ان صفات مہلکہ کو شہ دیتا رہیگا اور یہ امر حد کراہت سے بڑھ کر معصیت میں داخل ہے بشرطیکہ دوسرے کو ایذا پہنچے اور بحث اور تکرار میں یہ بات تو ہمیشہ ہی رہتی ہے کہ دوسرے کو ایذا پہنچے اور غصہ آوے اور اعتراض کے جواب میں اپنے کلام کی تائید کیلئے جو رطب و یابس حق و باطل بن پڑے پیش

ع مجیب الخ اصل سے ظاہر ہے کہ کہنے والے کو اس کی غلطی پر لطافت سے آگاہ کرے نہ بطور طعن کے ۱۲ امیر علی

کرے اور معترض کے کلام میں جو کچھ خلل سوجھے بیان کرے اسی طرح بڑھتے بڑھتے آپس میں ایسے لڑیں جیسے کتے لڑتے ہیں کہ ہر ایک کا ارادہ یہی ہوتا ہے کہ اب کی چوٹ ایسی کروں کہ اس کو خوب درد و تکلیف پہنچے اور بجز خاموشی اور عاجزی کے کچھ نہ بن پڑے اور اس کا علاج یہ ہے کہ کبر جس سے اظہار فضل کو چاہتا ہے اور سبعیت جس سے کہ دوسرے کو ناقص کیا چاہتا ہے ان دونوں کو چھوڑ دے اور اس کا بیان کبر و عجب اور غضب کی برائی میں مذکور ہوگا یہاں اسی طرح معلوم کرنا چاہیئے کہ ہر ایک بیماری کا علاج اسی طور سے ہوتا ہے کہ اس کا سبب دور کیا جاوے اور از آنجا کہ سبب مراء اور جدال کا یہی دو چیزیں ہیں جیسا کہ بیان ہوا پس ان دونوں کو دور کرنے سے علاج ان کا ہو جاوے گا پھر مراء اور جدال کے ترک کی یہاں تک مواظبت چاہیئے کہ عادت اور طبیعت میں داخل ہو جاوے اور نفس میں کنقش الحجر جاگزیں ہو حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے داؤد طائی سے پوچھا کہ تم نے عزلت نشینی کیوں اختیار کی انہوں نے کہا اس جہت سے کہ نفس پر جدال کو چھوڑنے کا مجاہدہ کروں آپ نے فرمایا کہ تو اس طرح کرنا چاہیئے کہ لوگوں میں بیٹھو ان کی سنو اپنی نہ کہو داؤد طائی کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا مگر مجاہدہ نہایت سخت پایا اور واقع میں یہ صورت مجاہدہ کی بڑی مشکل ہے اس لئے کہ جو شخص غیر سے غلطی سنتا ہے اس کی اصل حقیقت کے بتانے پر قادر ہے اس کو صبر کرنا بہت ہی دشوار معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ا] کہ حق پر ہو کر مراء چھوڑ دے اس کو جنت اعلیٰ میں مکان ملے گا کیونکہ یہ امر نفس پر نہایت شاق ہے خصوصاً مذاہب اور عقائد میں اس کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے کیونکہ باعث امر طبعی تو پہلے ہی سے ہے جب یہ معلوم ہوا کہ فلاں عقیدہ کے ظاہر کرنے میں ثواب ہے تو ثواب کی حرص بڑھتی ہے اور طبیعت و شریعت ایک دوسرے کے معاون ہوتی ہے اور یہ بھی ایک خطا ہی ہے صواب نہیں ہے کہ اپنی زبان سے اہل قبلہ کو کچھ نہ کہے اور جب کسی اہل بدعت کو دیکھے تو علیحدہ خلوت میں اس کو نصیحت کرے اس طرح جدال کی بو نہ پائی جاوے ورنہ اس کو یہ خیال ہوگا کہ مقرر لوگ اگر چاہتے ہیں تو تقریر سے دوسرے کو ساکت کر دیتے ہیں ایسا ہی کچھ یہ بھی کرتے ہیں اس خیال میں بدعت اس کے دل میں پک جاوے گی پس نرمی سے بطور خیر خواہی اس کو سمجھانا چاہیئے اگر مان لے فبہا ورنہ وہ جانے اس کا کام اپنے آپ اس سے کنارہ کرے حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا[۲] رحم اللہ من کف لسانہ عن اہل القبلۃ الا باحسن مایقدر علیہ اور ہشام بن عروہؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے اس کلام کو سات بار فرمایا اور جو شخص جدال کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کے باعث نفس کو بطرت اور قبول زیادہ پاتا ہے تو اس میں مہلکات زور پکڑ جاتے ہیں اور جب سلطان غضب اور کبر اور ریا اور محبت عزت و جاہ اکٹھے چڑھ آتے ہیں تو تاب مقاومت نہیں لاتا کیونکہ ان میں ایک ایک جداگانہ صفت ایسی ہے کہ اس سے لڑنا مشکل پڑتا ہے جب سب جمع ہو گئیں تو خدا ہی بچاوے تو بچے۔

خصومت۔ اور اس میں اور مراء و جدال میں یہ فرق ہے کہ مراء اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کے کلام میں

[ا] پیشتر گزری [۲] رحم کرے اللہ اس شخص پر کہ روکی زبان اپنی اہل قبلہ سے بجز سب سے اچھے قول کے جو اس سے ہو سکے ۱۲ ابن ابی الدنیا بروایت ہشام بن عروہ بسند ضعیف ۱۲

عیب ظاہر کرے اور سوائے اس کی تحقیر اور اپنی تفضیل کے اور کوئی مطلب نہ ہو اور جدال امور مذہبی کی بحث سے متعلق ہوتا ہے اور خصومت یہ ہے کہ جھگڑے سے غرض مال یا کسی کا حق لینا مقصود ہو اور یہ کبھی بے اعتراض ہوتی ہے اور کبھی اعتراض سے اور پہلی دونوں چیزیں بے اعتراض کے نہیں ہوتیں اب معلوم کرنا چاہیئے کہ خصومت بھی بری چیز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۱] ان ابغض الرجال الی اللہ الد الخصم اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت حدیث ہے[۲] من جادل فی خصومة بغیر علم لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع۔ اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ خصومت سے بچنا چاہیئے اس لئے کہ وہ دین کو برباد کرتی ہے اور یہ ضرب المثل ہو رہا ہے کہ پرہیزگار آدمی دین میں خصومت نہیں کیا کرتے مصرعہ دو صاحب دل نگہدار ند موئے ؛ اور ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں بیٹھا تھا بشیر بن عبداللہ میرے پاس سے گزرے پوچھا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو میں نے کہا کہ مجھ میں اور میرے چچازاد بھائی میں ایک شے پر تنازع ہے انہوں نے کہا کہ تمہارے باپ کا میرے اوپر حق ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی مکافات تم سے کروں یہ جان لو کہ خصومت سے بڑھ کر کوئی چیز بری نہیں دین اس سے برباد ہوتا ہے مروت اس سے جاتی رہتی ہے لذت زندگی مفقود ہوتی ہے دل اسی میں الجھا رہتا ہے میں یہ سن کر اٹھا اور گھر کو جانا چاہا میری طرف ثانی نے کہا کہ کہاں چلے میں نے کہا کہ اب میں نزاع نہیں کرتا اس نے کہا کہ شاید اب معلوم ہو گیا کہ حق میرا ہی ہے میں نے کہا یہ بات تو نہیں لیکن میں خصومت کو دور رکھ کر اپنے نفس کی بزرگی کرنا چاہتا ہوں اس نے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو مجھ کو اب کچھ دعویٰ نہیں وہ شے آپ ہی رکھیئے یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب انسان کا حق کوئی ظالم دبالے تو اس کے طلب اور حفظ میں خصومت ضرور ہے اس کی مذمت کس طرح ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خصومت ہمیشہ ایک ہی طرح تو نہیں ہوتی کبھی جھوٹی بھی ہوتی ہے کبھی بیجانے ہوا کرتی ہے جیسے وکیل جھگڑا کرتے ہیں کہ ان کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ حق بجانب کس کے ہے مگر وکالت جس طرف ہو کر لیتے ہیں اور بے جانے خصومت و جوابدہی کرتے ہیں اور کبھی طلب حق میں مقدار واجب سے زیادہ طلبی ہوتی ہے اور جھگڑنے میں قدر حاجت پر اکتفا کر کے زیادہ تر لیچڑ پن اور خصومت محض ایذا کے لئے یا دبانے کے لئے کرتے ہیں اور کبھی عین خصومت میں ایسے کلمات ایذا دہندہ پیش کرتے ہیں جن کی حاجت وجہ ثبوت اور اظہار حق میں کچھ نہیں ہوتی اور کبھی بنا خصومت محض عناد پر ہوتی ہے۔ کیونکہ شے متنازعہ فیہ ایسی حقیر ہوتی ہے کہ طرفین کے نزدیک اس کی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ علانیہ بعض لوگ کہہ دیتے کہ اس نزاع سے ہماری غرض صرف عناد اور طرف ثانی کا ہتک ہے ورنہ ایسا مال تو میں جوتے پر مارتا ہوں پس اس طرح کی خصومت بہت بری ہے اور اگر مظلوم آدمی اپنی داد رسی کے لئے حجت بطور شریعت کرے اور لیچڑ پن اور اسراف اور قدر حاجت سے زیادہ خصومت نہ کرے اور قصد عناد و ایذا بھی درمیان میں نہ ہو تو اس کا فعل حرام نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ جب تک بے خصومت راہ نکلے تب تک نالشی نالشہ نہ ہو اس لئے کہ خصومت و جھگڑے میں زبان

---

[۱] بڑا زیادہ آدمیوں میں سے خدا کے نزدیک زیادہ لیچڑ اور جھگڑالو ہے ۱۲ بخاری نے نقل کی ہے ۱۲ [۲] جو شخص کسی خصومت میں بے جانے لڑے ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے برآمد ہو ۱۲ ابن ابی الدنیا ۱۲۔

کو حد اعتدال پر ضبط کرنا دشوار ہے خصومت کے باعث سینہ میں غصہ کی لپٹ اٹھتی ہے اس کے سبب حق تو بالائے طاق ہو جاتا ہے صرف طرفین میں کینہ باقی رہتا ہے یہاں تک کہ ایک رنج سے دوسرے کی خوشی ہوتی ہے اور اس کی راحت سے اس کو بے چینی اور ایک دوسرے کی ہتک میں زبان درازیاں ہوتی ہیں پس جو شخص خصومت اول کرتا ہے ان بری چیزوں میں مبتلا ہوتا ہے اور ادنیٰ امر نبہ یہ ہے کہ دل پر تشویش غالب ہوتی ہے یہاں تک کہ نماز میں بھی یہی دھیان رہتا ہے کہ کس طرح حریف پر غالب ہونا چاہیئے غرضکہ خصومت سے بات بڑھ جاتی ہے قدر واجب پر نہیں رہتی ہے اس لیئے گویا منشاہر ایک شر کا خصومت ٹھہرتی ہے اور یہی حال مراء اور جدال کا ہے تو بہتر یہی ہے کہ بالکل اس کا باب ہی بند کیا جاوے اور اگر ضرورت ہو تو اس وقت بھی زبان اور قلب کو لوازم خصومت مذکورہ بالا سے بچاوے اور یہ امر نہایت دشوار ہے ہر چند جو شخص خصومت واجبی پر کفایت کرے وہ گنہگار نہ ہوگا اور نہ اس کی خصومت بری کہلائے گی تاہم اگر شے متنازعہ فیہ سے مستغنی ہو اور اس کے پاس اس قدر ہو کہ اس کی کچھ پرواہ نہ رکھتا ہو خصومت کرنے سے کچھ گنہگار نہیں تارک اولیٰ ضرور ہوگا اور خصومت اور مراء وجدال سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اچھی طرح بولنا آپس میں چھوٹ جاتا ہے اور طیب کلام کے ثواب سے محروم رہتا ہے اور طیب کلام کا اقل رتبہ یہ ہے کہ موافقت ظاہر ہو اور اعتراض وطعن سے یہ امر بمراحل دور ہے اس واسطے کہ جو شخص دوسرے سے خصومت اور مراء جدال کرتا ہے وہ دوسرے کو یا جاہل ٹھہراتا ہے یا جھوٹا پھر طیب کلام کہاں ہے جس کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یمکنکم[1] من الجنۃ طیب الکلام و الطعام اور قرآن مجید میں ارشاد ہے[2] وقولوا للناس حسنا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر خدا کی مخلوق میں سے کوئی تم کو سلام کرے تو اس کے جواب میں تم بھی سلام کرو گو وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو اس لیئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے[3] واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منها اور مجھ کو تو اگر فرعون اچھا کلمہ کہے تو اس کا جواب ویسا ہی دوں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ جنت کے بعضے مکان ایسے لطیف وشفاف ہیں کہ باہر سے اندر کی چیز اور اندر سے باہر کی چیز معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کے لیئے بنایا ہے کہ جو کھانا کھلاتے ہیں اور نرمی سے گفتگو کرتے ہیں اور روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک دفعہ سور آنکلا آپ نے فرمایا کہ اچھی طرح چلا جا لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اس جانور سے ایسا فرماتے ہیں فرمایا مجھ کو برا معلوم ہوتا ہے کہ میری زبان بدی کی عادی ہو اور حدیث شریف میں وارد ہے[4] الکلمۃ الطیبۃ صدقۃ اور فرمایا[5] اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فان لم تجد فبکلمۃ طیبۃ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نیکی ایک چیز آسان ہے وہ کشادگی پیشانی اور نرمی زبان ہے اور بعض حکماء کا قول ہے کہ نرم گفتگو پوشیدہ کینوں کو دھو ڈالتی ہے اور بھی بعض حکماء کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کلام سے ناراض نہیں ہوتا اتنی شرط ہے کہ ہم نشین راضی رہے پس آدمی کو کہ اپنے پاس بیٹھنے والے سے اچھے کلام کرنے میں دریغ نہ کرے

---

[1] تم کو جنت میں جگہ دے گا طیب کلام اور کھانا کھلانے کا ۱۲ [2] اور کہو لوگوں سے نیک بات ۱۲ [3] اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی ۱۲
[4] ترمذی نے نقل کی ہے اور گزر چکی ہے [5] کلمہ پاک صدقہ ہے یعنی عمدہ لفظ بولنا بھی داخل خیرات ہے ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲

شاید خداوند کریم اس کے عوض میں ثواب محسنین کا عنایت فرما دے۔ غرضکہ نرم گفتگو میں اتنے فضائل ہیں اور خصومت و مراء اس کی ضد ہیں جن سے آدمی کو وحشت ہوتی ہے عیش تلخ ہو جاتا ہے غصہ آتا ہے دل کو رنج ہوتا ہے اللہ بچائے بمنہ وکرمہ۔

فصاحت کے لئے تکلف

اور تمہید و مقدمات گڑھنے جیسا کہ اکثر مدعیان تقریر کی عادت ہے۔ اس طرح کا تکلف اور تصنع مذموم ہے حدیث شریف میں ہے کہ [1] انا و اتقیاء امتی براء من التکلف اور فرمایا ان ابغضکم الی وابعدکم منی [2] مجلساً الثرثارون المتنطعون او المتشدقون فی الکلام اور حضرت فاطمہؓ [3] فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا شرار امتی الذین [4] غذوا بالنعیم یاکلون الوان الطعام و یلبسون الوان الثیاب یتشدقون فی الکلام اور فرمایا الا هلك المتنطعون [5] اور اس جملہ کو تین بار ارشاد فرمایا تنطع کے معنی تعمق اور مبالغہ کے ہیں اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ کلام میں بلبلانا شیطان کی طرف سے ہے اور عمر بن سعد ایک روز اپنے باپ کی خدمت میں کچھ حاجت لے کر آیا اور اس کے لیئے ایک تمہید بیان کی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جتنی لمبی تمہید حاجت کے لیئے آج تو نے بیان کی کبھی نہیں کی تھی میں نے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کلام کو ایسا چبائیں گے جیسے گائے گھاس چباتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد کو بیٹے کی تمہید حاجت سے پہلے بری معلوم ہوئی اور اس کو سراسر تصنع اور تکلف جانا اور یہ مذموم ہے اور آفات لسانی سے ہے اور جو قافیہ بندی کہ عادت سے خارج ہو وہ سب اس میں داخل ہے گفتگو اور بول چال میں بھی ایسا تکلف ممنوع ہے چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ مردہ کے عوض غلام آزاد کر دینے کا حکم فرمایا تو ایک [6] شخص ان لوگوں میں سے بول اٹھا جن کے سبب وہ بچہ ضائع ہوا تھا کہ ہم ایسے کا کس طرح خون بہا دیں جس نے پیا نہ کھایا نہ رویا نہ چلایا ایسا خون بہا معافی میں کیوں نہ آیا آپ نے فرمایا کہ کیا جاہلوں کی سی فقرہ بندی کرتے ہو غرضکہ آپ کو یہ قافیہ اثنائے گفتگو میں برا معلوم ہوا اور واقع میں ایسے کلام میں اثر تکلف کا صاف معلوم ہوتا ہے پس ضرور ہے کہ کلام اس طرح کرے کہ مقصود حاصل ہو جاوے اور مطلب صرف دوسرے کو سمجھانے سے ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ تکلف میں داخل نہیں جو خطبہ اور وعظ میں بے افراط و مبالغہ کرتے ہیں کیونکہ مقصود وعظ و تذکیر سے دلوں کا شوق دلانا اور تحریک اور قبض و بسط ہے اور الفاظ کی خوبی کو اس میں بڑی تاثیر ہے تو اس میں عمدہ الفاظ اور موقع کا ہونا بجا ہے مگر جو محاورے کہ روزمرہ کی حاجات میں بولے جاتے ہیں ان میں وزن و قافیہ کی کچھ ضرورت

---

[1] آگ سے بچو اگرچہ خرما کے ٹکڑے ہی سے ہو اور اگر نہ پاؤ تو نیک کلمہ ہی بول کر آگ سے بچو ۱۲ بخاری و مسلم بروایت عدی بن حاتم ۱۲ [2] میں اور میری امت کے لوگ پرہیزگار تکلف سے بری ہیں ۱۲ [3] تم میں سے میرے نزدیک برے اور نشست میں مجھ سے دور تر وہ لوگ ہیں جو بکی اور پرگو اور کلام میں بناوٹ کرنے والے ہیں ۱۲ ترمذی بروایت جابر ۱۲ [4] میری امت میں سے برے لوگ وہ ہیں جو دولت سے پرورش ہوئے کر اقسام طعام کھاتے ہیں اور انواع لباس پہنتے ہیں اور کلام میں تکلف کرتے اچھے معلوم ہوں بیہقی در شعب اور اس کی سند میں انقطاع ہے ۱۲ [5] خبردار ہو ہلاک ہوئے مبالغہ کرنے والے ۱۲ مسلم بروایت ابن مسعود ۱۲ [6] احمد بسند صحیح مختصراً

اور سند میں ایک شخص کا نام نہیں لیا ۱۲ [7] مسلم بروایت مغیرہ بن ابی شعبہ و ابوہریرہؓ ۱۲

نہیں تو ان میں تکلف اور زبان اینٹھنے سے کیا فائدہ سراسر مذموم ہے اور باعث اس تمام تصنع کا ریا اور اپنی فصاحت و بلاغت کا اظہار ہوتا ہے جو شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے

فحش گوئی اور گالی گلوچ

یہ بھی مذموم اور ممنوع ہے اور اس کا منشا خبث باطنی اور کمینہ پن سے ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] ایاکم والفحش فان اللہ لایحب الفحش والتفحش اور بدر کی لڑائی میں جو مشرک مارے گئے تھے ان کے حق میں بھی گالی دینے سے منع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ ان کو گالی نہ دو کیونکہ جو کچھ تم ان کو کہتے ہو ان کو تو لگتی نہیں زندہ کو ایذا ہوتی ہے اور خبردار ہو کہ برا کہنا کمینہ پن ہے اور ایک حدیث شریف میں فرمایا[2] لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی اور فرمایا[3] الجنۃ حرام علی کل فاحش ان ید خلھا۔ اور فرمایا کہ چار آدمی ایسے ہوں گے کہ دوزخ کے لوگوں کو باوجود ان کی ایذا کے اور ایذا دیں گے یعنی وہ تو اپنی مصیبت میں ہوں گے کہ کھولتے پانی اور آگ میں دوڑ رہے ہوں گے اور اپنی خرابی و تباہی پکار رہے ہوں گے اس پر وہ چاروں اور زیادہ جلوں کو جلاویں گے ان میں سے[4] ایک شخص ایسا ہوگا کہ اس کے منہ میں سے پیپ اور خون بہتا ہوگا تو اس سے پوچھیں گے کہ اے پھٹکارے ہوئے کہہ تیرا کیا حال ہے تو نے ہم کو دکھ پر دکھ دیا وہ کہے گا کہ جو کلمہ برا اور فحش خبث مجھ کو سوجھتا تھا اس کو منہ سے کہہ کر جماع کا سا مزہ لیا کرتا تھا اور نیز آنحضرت[5] صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اے عائشہ اگر فحش گوئے آدمی ہوتا تو بڑا بد ہوتا اور فرمایا کہ[6] البذاء والبیان شعبتان من النفاق اس حدیث میں بیان کے کئی معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ جو شے ظاہر کہنے کی نہ ہو اس کو بیان کرنا یعنی ظاہر کرنا مراد ہو دوسرے یہ کہ بیان سے مبالغہ غرض ہو یعنی چیز کو ایسا مبالغہ کے ساتھ کہنا کہ تکلف میں داخل ہو جاوے تیسرے یہ کہ امور دینی اور صفات الٰہیہ کا بیان مراد ہو کیونکہ ان چیزوں کا مجملاً عوام کے کان میں ڈال دینا اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ ان میں مبالغہ کیا جاوے اس لئے کہ غالب درجہ کے بیان سے شک و شبہ پیدا ہوتا ہے اور وسوسے اٹھتے ہیں اور مجمل کہہ دینے سے دل جھٹ پٹ اس کے ماننے کی طرف مائل ہو کر مطمئن ہو جاتا ہے مگر چونکہ حدیث شریف میں اس لفظ کو بذا یعنی پھکڑ کے پاس ذکر فرمایا ہے تو غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیان سے غرض یہی ہے کہ جس بات سے شرم آتی ہو اس کو پکار کر کہے اور شعبہ نفاق اس وجہ سے ہے کہ ایسے امور میں اغماض اور تغافل ہی برتنا چاہئے کشف اور بیان نہ کرے اور ایک حدیث میں ہے کہ[7] ان اللہ لایحب الفاحش المتفحش الصیاح فی الاسواق.

---

[1] بچاؤ تم اپنے آپ کو فحش سے کہ اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فحش اور تفحش کو یعنی حد سے گزرنے اور بیہودہ بکنے کو ۱۲ نسائی و حاکم بروایت عبداللہ بن عمر ۱۲ [2] نہیں ہوتا ہے مومن طعنہ کرنے والا نہ زبان دراز ۱۲ ابن ابی الدنیا و نسائی بروایت ابن عباس [3] ہر بیہودہ گو پر جنت کا داخل ہونا حرام ہے ۱۲ ترمذی بروایت ابن مسعود ۱۲ [4] ابونعیم در حلیہ بروایت ابن عبداللہ بن عمر بسند ضعیف [5] ابن ابی الدنیا بروایت سعی بن مانع اور اس شخص میں اختلاف ہے ۱۲ [6] ابن ابی الدنیا اور اس کی سند میں ابن مشیعہ ہے ۱۲ [7] فحش اور بیان دو شعبہ ہیں نفاق کے ترمذی بروایت حاکم و ابو امامہ ۱۲ [8] اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فاحش بیہودہ گو بازاروں میں چیخنے والے کو ابن ابی الدنیا بروایت جابر بسند ضعیف اور طبرانی نے بسند جید بروایت ابوامامہ نقل کیا ہے اس میں الصیاح فی الاسواق نہیں ہے ۱۲

اور حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور میرے باپ میرے آگے بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ[۱] ان الفحش والتفاحش لیسامن الاسلام فی شیئ وان احسن الناس اسلاما احسنھم اخلاقا[۲] اور ابراہیم بن میسرہ فرماتے ہیں کہ ایسا سنا ہے کہ فحش اور جھگڑے والا قیامت کو کتے کی صورت یا اس کے پیٹ میں ہو کر آوے گا اور احنف بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ میں تم کو سب سے زیادہ مرض بتلائے دیتا ہوں وہ زبان جھگڑ باز ہے اور کمینی عادت ہے پس یہ تو مذمت فحش کی ہوئی اب اس کی تعریف کو سننا چاہیئے کہ فحش اس کا نام ہے کہ امور قبیحہ کو صریح الفاظ سے ذکر کرنا مثلاً شرمگاہ کا نام لینا وغیرہ جیسا کہ اکثر مسخرے دن رات بکا کرتے ہیں اور نیک بخت لوگ ایسی چیزوں کا کنایتہً نام لینے سے بچتے ہیں اور ضرورت کے وقت رمز کے طور پر ذکر کرتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ حیا والا ہے گناہ کو معاف کرتا ہے اور اشارہ بیان فرماتا ہے دیکھو صحبت کو لمس کے لفظ سے اشارہ کیا ہے پس جماع کے لیئے صحبت اور وقاع اور لمس اور دخول وغیرہ الفاظ کنایات ہیں کہ جن میں فحش نہیں مگر اس کے لیئے بعض الفاظ ایسے کریہ مستعمل ہیں کہ نہ گفتہ بہ ہیں اکثر گالی وغیرہ دینے میں اس کا استعمال ہوتا ہے اور ان میں سے بھی بعض میں فحش زیادہ ہیں اور بعضوں میں کم اور ملک و دیار میں عادت کے اختلاف سے ان میں بھی اختلاف ہے بہرصورت ان میں سے کمتر درجہ کے مکروہ ہیں اور زیادہ درجہ کے ممنوع اور ان دونوں کے درمیان کے الفاظ ہیں کہ وہ بھی خالی از خرخشہ نہیں اور کچھ فحش جماع پر ہی موقوف نہیں ہر ایک امر مکروہ کو ایسا ہی خیال کرنا چاہیئے مثلاً قضاء حاجت کے لیئے اگر پاخانہ اور پیشاب کہیں تو اور الفاظ کی نسبت بہتر ہے غرضکہ جو الفاظ مکروہ ہیں ان کو صراحتہً ذکر کرنا نہ چاہیے ورنہ فحش میں داخل ہوگا اسی طرح عورتوں کا ذکر بھی کنایتہً مثلاً مناسب ہے مثلاً یوں نہ کہنا چاہیے کہ تمہاری جورو نے یہ کہا بلکہ اس طرح بولنا چاہیئے کہ گھر میں یہ کہا یا پردہ سے آواز آئی یا لڑکوں کی ماں نے یہ کہا خلاصہ یہ کہ ایسے الفاظ میں کنایہ ہی اچھا ہے تصریح سے فحش ہو جاوے گا علیٰ ہذا القیاس جس کسی کو گھن کی بیماری ہو مثلاً برص وجذام و بواسیر وغیرہ کے تو ان کا ذکر کرنا اچھا نہیں بلکہ اس طرح ذکر کرے کہ جس کو سخت بیماری ہے یا اور کوئی ایسا ہی لفظ کہے تصریح سے بیان کرنا فحش ہے اور آفت لسان میں داخل ہے علاء بن ہارون کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک بار بغل میں پھوڑا نکلا اور ان کی عادت تھی کہ زبان کی حفاظت بہت کرتے تھے ہم ان کی عیادت کو گئے کہ دیکھیں اس میں کیا کہیں گے ہم نے پوچھا کہ کہاں نکلا ہے انہوں نے فرمایا کہ ہاتھ کے اندر کی طرف اور سبب فحش کا یا ایذا دینی ہے یا بروں کی صحبت سے عادت پڑ جاتی ہے کہ اکثر ان کی عادت گالی کی ہوتی ہے ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے وصیت فرمایئے آپؐ نے فرمایا کہ[۳] خدا سے ڈرتا رہ اور اگر تجھ میں کچھ بات دیکھ کر کوئی تجھ کو عار دلائے تو تو اس کی بات دیکھ کر اس کو عار مت دلا یعنی اگر کوئی برا کہے تو اس کے جواب میں ویسا ہی مت کہہ اس میں اس کے اوپر وبال رہے گا اور تجھ کو ثواب ملے گا اور کسی چیز

---

[۱] فحش اور بیہودہ گوئی اسلام میں سے کسی شئے میں شمار نہیں اور اچھا زیادہ اسلام میں لوگوں میں وہ ہے جو ان سب میں اچھا ہو ۱۲ [۲] احمد بن ابی الدنیا [۳] احمد و طبرانی بروایت جابر سلیم یا سلیم بن جابر [۴] ابو داؤد طیالسی نے نقل کی ہے اور اس کی اصل احمد سے بھی مروی ہے [۵] مومن کا گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کفر ہے ۱۲

[۵] بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود ۱۲

کو گالی مت دینا اعرابی کہتا ہے کہ پھر میں نے کبھی گالی نہ دی اور عیاض بن حمارؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ایک آدمی جو رتبہ میں مجھ سے کم ہے مجھ کو گالیاں دیا کرتا ہے تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں کہ میں بھی اس سے بدلہ لے لوں آپ نے فرمایا[1] کہ گالی گلوج کرنے والے دونوں شیطان ہوتے ہیں ایک دوسرے کو جھٹلاتے اور تہمت لگاتے ہیں اور ایک حدیث میں فرمایا[2] سباب المؤمن فسوق و قتالہ کفر[3] اور فرمایا کہ گالی لڑنے والے جو کہتے ہیں وہ اسی پر پڑتی ہے جس سے ابتدا کی ہو بشرطیکہ مظلوم حد سے نہ بڑھ جاوے اور فرمایا[4] کہ جو آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے اس کو خدا کی پھٹکار ہے اور ایک روایت[5] میں ہے کہ یہ سب کبیروں سے بڑا گناہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالیاں دے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آدمی ماں باپ کو کیسے گالی دے گا آپ نے فرمایا کہ دوسرے کے ماں باپ کو گالی دے اور وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو کہے تو گویا اس گالی کا باعث یہی ہوا۔

لعنت و ملامت

یہ امر حیوان اور انسان اور جمادات کے لیئے سب کے لیئے برابر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[6] المؤمن لیس بلعان اور فرمایا لا تتلاعنوا بلعنۃ اللہ و لا بغضبہ و لا بجھنم اور حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جس قوم نے ایک دوسرے کو لعنت کی ان پر خدا کی مار بیشک ہوئی اور حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ایک[7] بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے ایک انصار کی عورت ایک اونٹنی پر سوار تھی اس نے جو کچھ بدی کی تو عورت نے کہا کہ تجھ پر خدا کی لعنت ہے آپ نے فرمایا کہ اس اونٹنی کا بوجھ وغیرہ اتار کر ننگا کر دو کہ اب تو وہ ملعون ہو چکی راوی کہتے ہیں کہ وہ اونٹنی گویا میری نظروں میں پھرتی ہے کہ لوگوں میں پھرتی تھی اور کوئی اس سے مزاحمت نہ کرتا تھا اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی زمین کو لعنت کرتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ جو ہم سے زیادہ نافرمان اللہ جل شانہ کا ہو اس پر لعنت ہو اور حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک[8] بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو سنا کہ کسی اپنے غلام کو لعنت کرتے تھے آپ ان کیطرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوبکر کیا صدیق بھی لعنت کیا کرتے ہیں[8] کلا و رب الکعبۃ۔ اس جملہ کو کئی بار ارشاد فرمایا حضرت ابوبکر نے اسی روز غلام کو آزاد کر دیا اور آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ اب میں کبھی ایسی خطا نہ کروں گا اور ایک حدیث میں فرمایا کہ ان اللاعنین لا یکونون شفعاء و لا شھداء یوم القیامۃ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب اونٹ پر جاتا تھا اس نے اپنے اونٹ کو لعنت کی آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ ملعون اونٹ پر ہمارے ساتھ مت چلو اور یہ اس لیئے فرمایا کہ اس کو معلوم ہو کہ آپ کو لعنت کہنا برا معلوم ہوا اور لعنت کے

---

[1] مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [2] احمد و ابو یعلیٰ و طبرانی بروایت ابن عباسؓ ۱۲ [3] بخاری و مسلم بروایت عبداللہ بن عمر ۱۲ [4] مومن لعنت کرنے والا نہیں ہے ۱۲ ترمذی بروایت ابن عمر بلفظ دیگر ۱۲ [5] آپس میں ایک دوسرے کو لعنت مت کرو خدا کی لعنت سے اس کے غضب سے نہ جہنم سے ۱۲ ابو داؤد ترمذی بروایت سمرہ بن جندب ۱۲ [6] ابن ابی الدنیا در صمت [7] ہرگز نہیں قسم ہے خدائے کعبہ کی ۱۲ [8] بیشک لعنت کرنے والے قیامت میں نہ شفیع ہوں گے نہ گواہ ۱۲ بروایت ابو داؤد [9] ابن ابی الدنیا نے نقل کی ہے ۱۲

معنی یہ ہیں کہ خدا کے یہاں سے دور نکال دینا پس یہ لفظ بولنا اسی پر درست ہوگا کہ جس میں ایسی صفات پائی جاوے جس سے اللہ تعالیٰ سے بُعد ہوتا ہے اور وہ صفت کفر وظلم کی ہے تو یہ کہنا جائز ہے کہ ظالموں پر خدا کی لعنت اور کافروں پر خدا کی لعنت غرضکہ جس طور پر شرح میں وارد ہے انہیں الفاظ سے کہنا چاہیئے کیونکہ لعنت میں خطر بھی ہے اس لیئے کہ یہ غیب دانی کا دعویٰ ہے کہ اس کے ملعون کو خدا نے دور کردیا یہ بات تو سوا خدا کے اور کوئی نہیں جان سکتا یا خداوند کریم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلادے تو ان کو اس کا علم ہو سکتا ہے غیر کو کس طرح علم ہو سکتا ہے اب معلوم کرنا چاہیئے کہ جو صفات مقتضی لعنت کے ہیں وہ تین ہیں کفر و بدعت اور فسق اور ان میں لعنت کرنے کے تین طور ہیں پہلا تو یہ کہ وصف عام کے ساتھ لعنت کرے مثلاً یوں کہے کہ کافروں اور بدعتیوں اور فاسقوں پر خدا کی لعنت ہو دوسرا یہ کہ وصف کو اس سے کچھ خاص کر کے کہے جیسے خدا کی لعنت یہود و نصاریٰ و مجوسی و قدریہ و خوارج و روافض و زانی و ظالم و سود خور پر اور یہ دونوں شقیں جائز ہیں مگر اہل بدعت پر لعنت کہنے میں تردد ہے کیونکہ بدعت کا پہچاننا امر مشکل ہے اور حدیث شریف میں کوئی لفظ اس کے لیئے وارد نہیں تو عوام کو اس سے روکنا چاہیئے ورنہ لوگوں میں نزاع اور فساد پیدا ہوگا تیسرا طور لعنت کا یہ ہے کہ کسی شخص معین پر ہو اور یہ محل خطر ہے مثلاً زید اگر کافر یا فاسق یا بدعتی ہے تو اس کو نہ کہنا چاہیئے کہ زید پر لعنت ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس شخص پر شرع میں لعنت ثابت ہوئی ہو اس کے کہنے میں مضائقہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ فرعون خواہ ابوجہل پر خدا کی لعنت کیونکہ شرعاً ثابت ہے کہ یہ دونوں کفر پر مرے لیکن اس زمانہ کے کسی شخص معین کو گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت کرنا اچھا نہیں شاید وہ مرنے سے پہلے توبہ کرلے اور ایماندار ہو جائے تو پھر کس طرح اس کو خدا کی لعنت سے دور کہہ سکتے ہیں پس اگر کوئی یوں کہے کہ جیسا مسلمان کو حالت اسلام ہیں رحمۃ اللہ کہہ سکتے ہیں ایسا ہی کافر کو بھی جب وہ کفر کی حالت میں ہو لعنت کرنا درست چاہیئے اور جیسا کافر میں احتمال ہے کہ مسلم ہو کر مرے ویسا ہی مسلمان میں شبہہ ہے کہ کافر ہو کر مرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رحمہ اللہ سے مراد یہ ہے کہ خدا اس کو مرتے دم تک مسلمان رکھے جس سے قابل رحمت ہو اور یہ بات لعنت میں ممکن نہیں یعنی نہیں کہہ سکتے کہ خدا تعالیٰ فلانے کو کافر رکھے جو لعنت کا سبب ہو اس لیئے کہ یہ کفر کا سوال ہے اور ایسا سوال خود کفر ہے ہاں اگر یوں کہے تو ہو سکتا ہے کہ اگر کفر پر مرے تو خدا کی لعنت ہو ورنہ اگر اسلام پر مرے تو لعنت نہ ہو اور یہ طور بھی محفظہ ہے اسی لیئے کہ تردد ہی رہا یہ حال معلوم کیسے ہو سکتا ہے کہ اگر خاتمہ کیسا ہوگا اور لعنت نہ کرنے میں کچھ بھی خطرہ نہیں پس جب کافر کا حال یہ ہوا تو ظاہر ہے کہ فاسق اور بدعتی کو بطریق اولیٰ لعنت نہ کرنا چاہیئے اسی لیئے کہ آدمی کا حال ہمیشہ یکساں نہیں رہتا کیا معلوم ہے کہ انجام کو کیسا ہو جائے البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معلوم کر سکتے تھے کہ اس کا انجام کیسا ہوگا اسی لیئے کہ جن لوگوں کا حال معلوم ہو گیا تھا ان کے لیئے بد دعا کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے[ح] اللھم علیک بابی جھل بن ھشام و عتبہ بن ربیعہ اور جو لوگ کہ جنگ بدر میں مارے گئے تھے ان کو بھی لعنت اور بد دعا میں شامل فرماتے تھے مگر جس کا انجام

ح الٰہی تو نے پکڑے قہر میں ابوجہل بن ہشام اور عتبہ بن ربیعہ کو ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود ۱۲

معلوم نہ تھا جب اس کو لعنت کرتے تو خدا تعالیٰ نے منع فرمایا چنانچہ آپ مہینہ بھر دعائے قنوت میں ان لوگوں کو لعنت کرتے رہے جنہوں نے بیر معونہ کے لوگوں کو مارا تھا اسی وقت یہ آیت اتری[۱] لیس لک من الامر شیء او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون یعنی شاید وہ مسلمان ہی ہو جائیں تم نے کیسے جانا کہ وہ ملعون ہیں اسی طرح اگر ہم کو بھی کسی کا حال معلوم ہو جائے کہ خاتمہ کفر پر ہوا ہے تو اس کو لعنت اور برا کہنا بھی درست ہے بشرطیکہ اس میں کسی مسلمان کو ایذا نہ ہوئی ہو ورنہ اس پر بھی لعنت درست نہیں چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کو تشریف لیئے جاتے تھے حضرت ابوبکرؓ سے ایک قبر کا حال پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ قبر سعید بن عاص کی ہے یہ شخص خدا اور رسول سے سرکش رہتا تھا اس کا لڑکا عمر بن سعید جو ہمراہ تھا اس بات پر غصہ ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ قبر اس شخص کی ہے کہ ابوبکر کے باپ ابو قحافہ سے زیادہ کھانا کھلاتا تھا۔ اور اس کی نسبت زیادہ شجاع تھا پس حضرت ابوبکر نے عرض کیا آپ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ مجھ سے کیسی بات کہتا ہے آپ نے اس کو منع فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب کفار کا ذکر کیا کرو تو عام طور پر کہا کرو ورنہ تخصیص میں ان کی اولاد برا مانے گی تو لوگوں نے خاص کر برا کہنا چھوڑ دیا اور نعیمان شراب پیا کرتا کئی بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کو سزا ہوئی پس بعض صحابہ نے کہا کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ ہمیشہ یہی پکڑا آتا ہے آپ نے فرمایا[۲] لا تکن عون الشیطان علی اخیک اور بعض روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا لا تقل ھذا فانہ یحب اللہ ورسولہ غرضکہ شخص معین کی لعنت سے اس کو روک دیا اس سے معلوم ہوا کہ معین آدمی فاسق کی لعنت جائز نہیں حاصل کلام یہ ہے کہ معین لوگوں کی لعنت میں خرابی ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیئے اور اگر بالفرض کوئی شیطان ہی کو لعنت نہ کرے اور سکوت اختیار کرے تو کچھ اندیشہ نہیں شیطان سے بڑھ کر اور تو کوئی کیا ہوگا رہا یزید کی لعنت کا حال کہ اگر اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا یا اجازت قتل دی تو اس کو لعنت کہنا درست ہے یا نہیں تو اس کا حال یہ ہے کہ قتل و اجازت دونوں پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی لعنت کا تو کیا ذکر ہے جب تک اس کا قتل و اجازت ثبوت نہ ہو تب تک اس کو قاتل اور اجازت دہ بھی نہ کہنا چاہیئے اسی لیئے کہ قتل گناہ کبیرہ ہے اس کی نسبت مسلمان کی طرف بلا ثبوت کامل نہیں ہو سکتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کسی کو کافر یا فاسق کہے اگر وہ ایسا نہ ہوگا تو یہ لفظ کہنے والے پر ہی لوٹ آئے گا اور فرمایا[۳] ما شھد رجل على رجل بالكفر الا باء به احدھما ان كان كافرا فھو كما قال وان لم يكن كافرا فقد كفر بتكفيره ایاہ اور

---

[۱] تیرا اختیار نہیں یا ان کو توبہ دیوے یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہے ۱۲ [۲] ابو داؤد نے مراسیل میں بروایت علی بن ربیعہ نقل کیا ہے ۱۲ [۳] نہ ہو تو مددگار شیطان کا اپنے بھائی پر ۱۲ ابن عبد البر در استیعاب بروایت محمد بن عمرو بن حزم مرسلاً اور یہ قصہ بخاری میں بروایت عمر فاروق ابو ہریرہ دو وجہ سے مذکور ہے لیکن ایک میں نام عبد اللہ کا ہے اور دوسرے میں نام کسی کا بھی نہیں ۱۲ [۴] یہ مت کہہ کہ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہے ۱۲ [۵] بخاری و مسلم بروایت ابوذر ۱۲ [۶] نہیں شہادت دیتا ہے کوئی دوسرے شخص پہ کفر کی مگر کہ رجوع کرتا ہے کفر ایک پر ان دونوں سے اگر وہ واقع میں کافر ہے تو جیسا کہ ویسا ہی ہے اور اگر کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہے کہ اس کو کافر کہا ۱۲ ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت ابو سعید بسند ضعیف ۱۲

یہ اس وقت ہے کہ مسلمان جان کر کافر کہے لیکن اگر بدعت وغیرہ کے سبب اس کو کافر کہا تو خطاوار ہوگا کافر نہ ہوگا اور حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تجھ کو منع کرتا ہوں مسلمان کو گالی نہ دینا اور امام عادل کی نافرمانی نہ کرنا اور مردوں کے حال سے تعرض کرنا بہت سخت ہے مسروق فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں گیا تو انہوں نے کہا کہ فلانے شخص کا کیا حال ہے میں نے کہا اس پر لعنت ہو۔ وہ مرگیا انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح۱] لاتسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ما قدموا اور فرمایا[ح۲] لاتسبوا الاموات فتوذوا به الاحیاء اور نیز فرمایا[ح۳] ایھا الناس احفظوانی فی اصحابی واخوانی واصھاری ولاتسبوھم ایھا الناس اذا مات المیت فاذکروا منه خیرا اب اگر کوئی یوں کہے کہ یہ بھی کہنا جائز ہے یا نہیں کہ قاتل امام حسین علیہ السلام یا قتل کی اجازت دہندہ پر خدا کی لعنت ہو اس کا جواب یہ ہے کہ بہتر ہے کہ یوں کہے اگر قاتل یا اجازت دہندہ قبل توبہ مرا ہو ہو تو اس پر خدا کی لعنت کیونکہ یہ احتمال ہے کہ شاید بعد توبہ مرا ہو دیکھو وحشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حالت کفر میں شہید کیا تھا مگر پھر مسلمان ہو کر کفر اور قتل سب سے توبہ کرلی اب نہیں ہوسکتا کہ کوئی ان کو لعنت کرے علاوہ اس کے قتل گناہ کبیرہ ہے اس سے کافر مطلق تو ہو نہیں جاتا اسی لیئے اگر توبہ کی قید نہ لگائے گا تو لعن میں موجب خطر ہے اور سکوت میں کچھ بھی خطر نہیں تو سکوت ہی بہتر ہے اور ہم نے جو یزید کی لعنت کا یہاں ذکر کیا ہے تو اسی لیئے کیا کہ لوگ لعن کے باب میں جھٹ پٹ زبان کھول دیتے ہیں حالانکہ حدیث شریف میں آچکا ہے کہ مومن لعنت کنندہ نہیں ہوتا تو چاہیے کہ جو شخص کفر پر مرگیا ہو اس کے سوا زبان نہ کھولیں اور اگر لعنت ہی کو دل چاہے تو معین شخص کا ذکر نہ کریں وصف عام کے طور پر لعنت کریں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس سے تو یہی بہتر ہے کہ آدمی کچھ ذکر خدا کرے اور اگر نہ ہوسکے تو چپ رہنے میں سلامتی ہے ع خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید۔ مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم ابن عون کے پاس تھے اس میں بلال بن ابی بردہ کا ذکر چلا تو لوگ لعنت و مذمت کرنے لگے ابن عون چپکے سنا کیئے لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہیں یاد ہے اس نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا آپ اس کو برا کیوں نہیں کہتے آپ نے فرمایا کہ قیامت کو نامہ اعمال میں بھی دو باتیں ہوں گی ایک لاالہ الا اللہ دوسرے فلانے نے فلاں کو لعنت کی مجھ کو اچھا یہی معلوم ہوتا ہے کہ میرے نامۂ اعمال میں اول کلمہ نکلے اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو کچھ وصیت فرمایئے آپ نے فرمایا کہ یہی وصیت ہے کہ بہت لعنت مت کیا کرو اور ابن عمران فرماتے ہیں کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ ناگوار وہ ہے جو کثرت سے لعن و طعن کیا کرے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ مومن

ح۱ گالی مت دو مردوں کو کہ وہ پہنچ گئے اپنے کئے کو ۱۲ بخاری بروایت عائشہ وقصہ پیشتر ابن مبارک در زہد ۱۲ ح۲ مت گالی دو مردوں کو پس ایذا دو اس سے زندوں کو ۱۲ ترمذی بروایت مغیرہ بن شعبہ ۱۲ ح۳ اے لوگو حفاظت کرو میری میرے اصحاب اور بھائیوں اور دامادوں کے باب میں اور مت گالی دو ان کو اے لوگو جب آدمی مرجائے تو ذکر کیا کرو اس کا اچھا اس حدیث کو ابو منصور دیلمی نے بروایت عیاض انصاری بہ سند ضعیف نقل کیا ہے مگر طرح صحیحین میں بروایت ابو سعید و ابوہریرہ مروی ہے لاتسبوا اصحابی اور نسائی میں بروایت عائشہ منقول ہے ح۴ احمد و طبرانی و ابن ابی عاصم بروایت جرموزہ ہجیمی اور اس کی سند میں ایک راوی کا نام نہیں لیا ۱۲

کو لعنت کرنا اس کے قتل کے برابر ہے اور حماد بن زید جو اس قول کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ اگر اس قول کو حدیث کہوں تب بھی کچھ مضائقہ نہیں اور واقع ہیں ابی قتادہ سے اسی مضمون کی حدیث نقل بھی کی ہے کہ[1] "من لعن مومنا فھو مثل ان یقتلہ" اور کسی کو کوسنا بھی لعنت کے قریب ہی ہے یہاں تک کہ ظالم کے حق میں یوں کہنا کہ خدا اس کو اچھا اور تندرست نہ کرے اور اس کو موت آئے وغیرہ بھی برا ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ[2] "ان المظلوم لیدعو علی الظالم حتی یکافیہ ثم یبقی للظالم عندہ فضلۃ یوم القیامۃ۔"

راگ ورنگ اور شعر گوئی باب سماع میں ہم لکھ چکے ہیں کہ راگ میں سے کون سا حرام اور کونسا حلال ہے اس کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں اور شعر کا حال یہ ہے کہ اس میں اچھا اچھا ہے اور برا برا اگر اس طرح کہنا کہ اسی کا ہو رہے یہ البتہ مذموم ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3] "لان یمتلی جوف احدکم قیحا حتی یریہ خیر لہ من ان یمتلی شعرا" اور مسروق سے کسی نے کوئی بیت پوچھی تو ان کو برا معلوم ہوا لوگوں نے سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میرے نامۂ اعمال میں شعر نکلے اور بعضے اکابر سے کسی نے کوئی شعر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے عوض خدا کا ذکر کرو تو بہتر ہے خلاصہ یہ کہ شعر پڑھنا اور بنانا حرام نہیں ہے بشرطیکہ اس میں کوئی کلام بیجا نہ ہو کیونکہ حدیث صحیح ہے کہ[4] "ان من الشعر لحکمۃ" مگر اتنی بات ہے کہ شعر میں اکثر مدح اور ہجو اور عورتوں کا ذکر ہوتا ہے اور اس میں دروغ کو گنجائش ہے ورنہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت انصاری کو ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کی ہجو بیان کرو اور مدح میں مبالغہ کرنے سے گو کسی قدر جھوٹ بھی ہو جائے حرمت نہیں ہوتی مثلاً سخاوت کی تعریف میں اس طرح کہا جائے ؎

جو مانگے جان کوئی اس سے کچھ عذر نہ کرے ؛ ولے ضرور ہے سائل کو بھی خدا کا خوف

تو اگر ممدوح سخی نہ ہو گا تو شاعر جھوٹا ہے ورنہ اگر سخی ہے تو مبالغہ شعر میں کچھ اور ہی نمک مرچ لگا دیتا ہے اس کا اعتقاد تو مقصود ہوتا ہی نہیں علاوہ اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اشعار ایسے پڑھے گئے ہیں کہ اگر ان میں تلاش کی جائے تو مضامین مبالغہ کے نکلیں گے حالانکہ آپ نے منع نہیں فرمایا حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز سوت کات رہی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوتی ٹانک رہے تھے میں نے جو آپ کی طرف دیکھا تو یہ نظر آیا کہ پیشانی مبارک عرق آلود ہے اور قطرات عرق روشنی میں کہکشاں کی بہار دکھا رہے ہیں میں دیکھتے ہی اس حسن خداداد پر حیران رہ گئی آپ نے جو میری حیرانی کی طرف ملاحظہ فرمایا تو پوچھا کہ ایسی مبہوت کیوں ہو رہی ہے میں نے

---

[1] جو شخص لعنت کرے کسی مومن پر تو وہ ایسا ہے جیسا اس کو جان سے مار ڈالے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ثابت بن ضحاک سے منقول ہے لعن المومن کقتلہ ۱۲ [2] مظلوم دعائے بد کرتا ہے ظالم پر جہاں تک کہ اپنا بدلہ لیتا ہے پھر کچھ زیادتی بچی رہتی ہے ظالم کے لئے قیامت کے روز ۱۲ یہ حدیث مرفوعاً نہیں ہے بلکہ اثر ایک صحابی کا ہے

[3] اگر بھر جاتے تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے یہاں تک کہ بگاڑ دے اس کو تو اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ بھرے شعر سے ۱۲ مسلم بروایت سعد بن ابی وقاص و بخاری از ابن عمرؓ ۱۲ [4] بیشک شعر میں سے حکمت بھی ہوتی ہے باب العلم میں گزری [5] بخاری بروایت ابن عازب [6] بیہقی نے یہ قصہ نقل کیا ہے [7] ممدوح پاک حیض کی کدورت اور دودھ پلانے کے اور جب دیکھتے ہیں تو اس کی پیشانی کی چین کی طرح تو چمکتی ہیں مثل بجلی ابر ریزاں کے ۱۲

عرض کیا کہ آپ کے آب جوئے پیشانی سے جو نور کی لہر اٹھ رہی ہے اس سے ورطۂ حیرت میں ہوں اگر آپ کو ابوبکر ہذلی دیکھتا تو جانتا کہ اس کے شعر کے مصداق آپ ہی ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کے شعر کیا ہیں میں نے عرض کیا کہ یہ دو بیتیں ہیں ؎

ومبرامن کل غبر حیضتہ ا — وفساد مرضعتہ وداء مغیل !
واذا نظرت الی اسرۃ وجہہ — برقت کبرق العارض المتہلل

ان کا خلاصہ یہ ہے ؎

خمیر مایہ صبح ست از صفا بذہت — ترا بقالب خورشید و ماہ ریختہ اند
بچہرۂ عرق آلود او نگر کز سحر !! — درآفتاب قیامت نمود پرویں را

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ نے اپنا کام چھوڑ کر میری پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ [1] جزاك الله خیرا یا عائشہ. تو مجھ سے اتنی خوش ہوئی نہیں ہوگی جتنا میں تجھ سے راضی ہوا اور جب جنگ حنین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو عباس ابن مرداس کو چار اونٹ مرحمت فرمائے وہ چلے گئے اور ایک قصیدہ شعر اپنی زیادتی استحقاق اور شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس کی شکایت رفع کردو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو اپنے ساتھ لے گئے یہاں تک کہ انہوں نے معذرت کرنی شروع کی اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اپنی زبان پر شعر کو ایسا پاتا ہوں جیسے چیونٹی چلتی ہو جب وہ چیونٹی کی طرح میری زبان میں کاٹنے لگتی ہے تو کچھ کہہ لیتا ہوں بن کہے چارہ نہیں آپ متبسم ہوئے اور فرمایا کہ عرب کے لوگ شعر گوئی نہ چھوڑیں گے جب تک کہ اونٹ بلبلاتے رہیں گے [2]

ہنسی مذاق

اصل میں یہ بھی بری اور ممنوع ہے مگر تھوڑی سی کا مضائقہ نہیں حدیث شریف ہے لا تمار اخاك ولا تمازحہ [3] پس اگر یہ کہو کہ بات کاٹنی اور اعتراض کرنے میں تو ایذا ہوتی ہے کہ دوسرے کو جھوٹا یا جاہل قرار دیتے ہیں مزاح میں تو یہ بات نہیں اس سے صرف چہل اور دل لگی ہوتی ہے یہ کیوں ممنوع ہے پس جاننا چاہیئے کہ ہنسی کی افراط اور مداومت ممنوع ہے مداومت سے تو دل ہمیشہ کھیل اور ہزلیات میں مصروف ہو جاتا ہے اور کھیل اگرچہ مباح ہی ہو مگر ہمیشہ اس کا مرتکب ہونا ممنوع اور افراط ہنسی سے قہقہہ سوجھتا ہے جس سے دل مر جاتا ہے اور دل میں بغض پیدا ہوتا ہے اور ہیبت و وقار اٹھ جاتا ہے اور اگر ہنسی ان عیوب سے پاک ہو تو مذموم نہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا انی لامازح ولا اقول الا حقا [4] پس یہ آپ ہی کا کام تھا۔ اس بات پر قادر تھے کہ ہنسی و دل لگی میں امر حق کو فروگذاشت نہ کریں دوسرا شخص اگر اس کی سلسلہ جنبانی کرتا ہے اس کا مقصود تو یہی ہوتا ہے کہ جس طرح پر ہو لوگوں کو ہنسائے حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ آدمی وہ بات کرتا ہے کہ جس سے اس کے پاس والے ہنسیں اور اس کے باعث دوزخ میں ثریا سے بھی دور پڑ جاتا ہے [5] اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ح [1] خدا تجھ کو جزاء خیر دے اے عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲ ح [2] مسلم نے بروایت بن خدیج اس قصہ کو مختصراً نقل کیا ہے ۱۲ ح [3] نہ بات کاٹ اپنے بھائی کی نہ ہنسی کر اس سے یہ حدیث ترمذی کی ہے پیشتر گزری ح [4] میں ہنسی کرتا ہوں اور نہیں کہتا مگر سچ پیشتر گزری ح [5] پہلے گزری ۱۲

فرماتے ہیں کہ جو بہت ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہوتی ہے اور جو چہل کرتا ہے نظروں میں سبک ہو جاتا ہے اور جو ایک چیز کو زیادہ کرتا ہے وہ اسی کے نام سے مشہور ہو جاتا ہے اور جو زیادہ بولتا ہے وہ زیادہ غلطی کرتا ہے اور جو زیادہ غلطی کرتا ہے اس میں حیا کم ہوتی ہے اور جو حیا کم رکھتا ہے اس کا ورع بھی کم ہوتا ہے اور جو پرہیز کم کرتا ہے اس کا دل مرجاتا ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ ہنسی کے باعث آخرت سے غفلت پائی جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] لو تعلمون ما اعلم لبکیتم کثیراً ولضحکتم قلیلاً ایک شخص نے اپنے بھائی سے کہا کہ تم کو یہ بھی خبر ہے کہ دوزخ میں جانا پڑے گا اس نے جواب دیا کہ ہاں معلوم ہے اس نے کہا یہ بھی معلوم ہے کہ اس میں سے نکلنا بھی نصیب ہو گا جواب دیا یہ تو معلوم نہیں کہا کہ پھر خوشی کس چیز سے کر رہے ہو کہتے ہیں کہ پھر کسی نے اس کو مرتے دم تک ہنستے نہ دیکھا اور یوسف بن اسباط کہتے ہیں کہ حسینؓ رضی اللہ عنہ تین برس تک نہ ہنسے اور عطاء سلمی کی نقل ہے کہ وہ چالیس برس تک نہ ہنسے اور وہیب بن الورد نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ عید فطر میں ہنس رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر ان کی مغفرت ہو گئی ہے تو یہ فعل شکر کرنے والوں کا نہیں اور اگر مغفرت نہیں تو یہ کام خوف کرنے والوں کا سا نہیں اور حضرت عبداللہ بن ابی یعلی فرماتے ہیں کہ یہاں ہنستے کیا ہو شاید کفن دھوبی کے یہاں سے دھل کر آگیا ہو یعنی موت بہت جلد آ دبائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو گناہ کر کے ہنستا ہے وہ دوزخ میں روتا جائے گا اور محمد بن رافع فرماتے ہیں کہ جب کوئی جنت میں جا کر روئے خواہ مخواہ تعجب کی بات ہے لیکن جو دنیا میں ہنستا ہے اور اپنے خاتمہ اور انجام کا حال نہیں جانتا یہ جنت کے رونے سے بھی زیادہ تر عجیب بات ہے یہ آفتیں ہنسی کی ہیں مگر ہنسی میں سے وہی قسم بری ہے جو آواز کے ساتھ ہے یعنی مسکرانے سے زیادہ اور مسکرانا جس کو تبسم کہتے ہیں اور بے آواز ہوتا ہے وہ اچھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح تبسم فرماتے تھے حضرت قاسم سے روایت ہے کہ ایک اعرابی ایک سرخ اونٹ پر سوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا پھر جب اونٹ کو آگے بڑھانے کا ارادہ کیا کچھ پیچھے اونٹ نے بھڑکنا شروع کیا کئی بار ایسا ہی ہوا صحابہؓ یہ دیکھ کر ہنسنے لگے آخر کو یہاں تک بھڑکا کہ وہ سوار گر کر مرگیا لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اونٹ نے اس اعرابی کو ٹپک دیا اور وہ مرگیا آپ نے فرمایا وہ مرگیا مگر اس کا خون تمہارے منہ میں بھرا ہوا ہے اور جس ہنسی سے ہیبت و وقار جاتا ہو وہ بھی مذموم ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو ہنسی کرتا ہے خفیف ہو جاتا ہے اور محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ میری ماں نے مجھ کو نصیحت کی ہے کہ لڑکوں کو چہل مت کرنا ورنہ تو ان کی نظروں میں ہلکا ہو جائے گا۔

اور سعید بن العاص نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ شریف آدمی سے ہنسی نہ کر کہ تجھ سے دشمنی کرے گا اور کمینے سے ہنسی نہ کر تجھ پر جرأت کرنے لگے گا

---

[1] اگر تم جانو جو میں جانتا ہوں تو بہت سا روؤ اور تھوڑا ہنسو ۱۲ بخاری و مسلم بروایت انس و عائشہ رضؓ ۱۲ [2] پلیشتر گزری ۱۲ [3] ابن مبارک وزرا بروایت قاسم مولی معاویہ مرسلاً ۱۲

اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ خدا سے ڈرو اور ہنسی سے کوسوں بھاگو کہ اس سے کینہ ہوتا ہے اور انجام برا ہوتا ہے قرآن کا ذکر کیا کرو اور اگر گراں معلوم ہو تو عمدہ حالات مردوں کے بیان کیا کرو اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم کو یہ معلوم ہے کہ ہنسی کا نام مزاح کیوں ہوا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کو نہیں معلوم آپ نے فرمایا کہ اس وجہ سے کہ مزاح مشتق زیح سے ہے جس کے معنی دوری کے ہیں تو اس سے یہ غرض ہوئی کہ مزاح حق سے دور کرتا ہے اور ہر شے کا ایک بیج ہے اور عداوت کا بیج مزاح ہے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ مزاح سے عقل سلب ہو جاتی ہے دوست الگ ہو جاتے اب معلوم کرنا چاہیئے کہ اگر شاذ و نادر کوئی ایسا شخص ہو کہ مزاح میں حق کے سوا کچھ نہ کہے کسی کو ایذا نہ دے اور نہ افراط کرے بلکہ کبھی کبھی کہا کرے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا دستور تھا تو اس طرح کے مزاح میں کچھ مضائقہ نہیں مگر بڑی غلطی کی بات ہے کہ آدمی مزاح اپنا پیشہ دائمی کرے اور خوب افراط کے درجہ کو پہنچا دے اور پھر دعویٰ کرے کہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ کا اتباع کرتا ہوں اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی دن بھر حبشیوں کے ساتھ پھرے اور ناچ دیکھے اور کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عائشہ کو عید کے دن ناچ دیکھنے کی اجازت دی تھی حالانکہ یہ غلط ہے اس لیئے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے بلکہ مباح چیزوں پر اصرار بھی بعض اوقات گناہ صغیرہ ہو جاتا ہے اس بات کو خوب یاد کر لینا چاہیئے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح مزاح فرماتے تھے وہ یہاں لکھ دیتے ہیں تاکہ دھوکا نہ پڑے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ ہم سے مزاح کرتے ہیں فرمایا کہ البتہ کبھی اگر مزاح کرتا ہوں تو سچ بات کے سوا کچھ نہیں کہتا اور عطا روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی کیا کرتے تھے یا نہیں آپ نے فرمایا کیا کرتے تھے اس نے پوچھا کہ کس طرح کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ ایک روز آپ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو ایک تھان دیا اور ارشاد فرمایا کہ اس کو پہنو اور خدا کا شکر ادا کرو اور اس میں سے دولہن کے دامن بناؤ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے اور لوگوں کی نسبت زیادہ چہل فرماتے تھے اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ اکثر تبسم فرمایا کرتے اور حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ ایک بڑھیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے اس سے فرمایا کہ جنت میں کوئی بڑھیا نہ جائے گی وہ رونے لگی آپ نے فرمایا کہ تو اس وقت بڑھیا نہ رہے گی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انّا انشاناھن انشاء فجعلناھن ابکارا۔ اور زید بن اسلمؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت ام ایمن نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ آپ کو میرا شوہر بلاتا ہے آپ نے فرمایا کہ تیرا شوہر وہی نہیں جس کی آنکھ میں سفیدی ہے اس نے عرض کیا کہ اس کی آنکھیں تو اچھی ہیں ان میں سفیدی نہیں آپ نے فرمایا کہ بے شک ہے اس

ح؎ پیشتر گزری ۱۲ ح؎ ترمذی نے نقل کی ہے ۱۲ ح؎ اس کا پتہ مجھے نہیں ملا ۱۲ ح؎ پہلے گزری ۱۲ ح؎ پیشتر گزری ۱۲ ح؎ ترمذی اور شمائل مرسلاً وہکذا ۱۲ ح؎ ابوداؤد وترمذی بروایت انس رضی اللہ عنہ ۱۲

نے بقسم کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جس کی آنکھ میں سفیدی نہیں یعنی حدقہ چشم ہر انسان کا سیاہی اور سفیدی دونوں رکھتا ہے اور ایک اور عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ مجھ کو ایک اونٹ سواری کے لیئے ملے آپ نے فرمایا کہ میں تیری سواری کے لیئے اونٹ کا بچہ دوں گا اس نے عرض کیا کہ میں بچہ لے کر کیا کروں گی وہ مجھے کیسے اٹھائے گا آپ نے فرمایا کہ جو اونٹ ہوتا ہے اونٹ ہی کا بچہ ہوتا ہے پس مزاح اسی طرح کا ہوتا ہے اور نیز حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا تھا اس کا نام ابوعمیر تھا ایک لال اس نے پالا تھا اور اس سے کھیلا کرتا جب آپ ان کے گھر جاتے تو اس لڑکے سے فرماتے[ح۱] یا ابا عمیر ما فعل النغیر اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جنگ بدر میں میں آنحضرت صلی اللہ کے ساتھ تھی آپ نے فرمایا کہ آؤ ہم تم دوڑیں دیکھیں کون آگے نکل جائے میں نے اپنا دوپٹہ مضبوط باندھ لیا اور ایک نشان کھینچ کر اس پر کھڑی ہوئی اور دوڑی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے آگے نکل گئے اور فرمایا کہ یہ ذی المجاز کا بدلہ ہے ذی المجاز ایک جگہ کا نام ہے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھوٹی تھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو کچھ لینے کو بھیجا تھا آپ نے فرمایا یہ چیز مجھے دے حضرت عائشہؓ نے انکار کیا اور لے کر بھاگیں آپ ان کے پیچھے دوڑے مگر وہ ہاتھ نہ آئیں اسی قصہ کو حضرت[ح۲] نے اس وقت یاد دلایا چنانچہ ایک[ح۳] دوسری روایت میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے کہ اول دفعہ جب میں آپ کے ساتھ دوڑی تو آگے نکل گئی مگر دوبارہ جب میں فربہ ہوگئی اور دوڑی تو آپ آگے نکل گئے اور فرمایا کہ یا اول دفعہ کا بدلہ ہے اور نیز فرماتی ہیں[ح۴] کہ ایک روز آپ میرے گھر میں تھے اور بی بی سودہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں میں نے قلیہ تیار کیا اور سودہ سے کہا کہ کھاؤ انہوں نے کہا کہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا میں نے کہا[ف۱] کھاؤ تو کھاؤ نہیں تو تمہارے منہ پر مل دوں گی انہوں نے کہا میں تو نہیں کھاؤں گی میں نے پیالہ میں سے لے کر ان کے منہ پر لیس دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں کے بیچ میں بیٹھے تھے اپنا پاؤں بیچ میں سے ہٹا لیا تاکہ وہ بھی اپنا عوض مجھ سے لیں انہوں نے پیالے میں ہاتھ ڈال کر میرے منہ پر پھیر دیا آپ بیٹھے ہنستے رہے اور ضحاک بن سفیان کلابی نہایت بدصورت آدمی تھے جب وہ بیعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں اس وقت تک پردہ نہ ہوا تھا بیعت کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس دو بیبیاں اس سرخ عورت یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اچھی ہیں اگر آپ نکاح کریں تو ایک کو میں آپ کے واسطے بھیج دوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا کہ وہ خوبصورت ہیں یا کہ تم انہوں نے کہا کہ میں ان سے کہیں اچھا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال و جواب سے ہنس پڑے کہ ایسی صورت ہونے پر اپنے آپ کو خوبصورت جانتے ہیں اور حضرت علقمہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن علیہ السلام کو گود میں لیئے ان کے سامنے اپنی زبان نکال رہے تھے اور وہ زبان مبارک کو دیکھ دیکھ کر

ح۱ اے ابوعمیر تیرا لال کیا ہوا بخاری و مسلم ۱۲ ح۲ اس کی سند مجھے نہیں ملی اور جنگ بدر میں حضرت عائشہ آپ کے ساتھ نہ تھیں ۱۲ ح۳ نسائی و ابن ماجہ ۱۲
ح۴ زبیر بن بکار و ابو یعلی ۱۲ ف۱ ہم نے وہ عمدہ نہیں اٹھائیں ایک اٹھان پر پھیر کیا ان کو کنواریاں ح۵ زبیر بن لکاء و ابن ابی الدنیا بروایت عبداللہ بن اسم فہری ۱۲

خوش ہو رہے تھے اتنے میں عینیہ بن بدر فزاری نے کہا کہ میرے جو لڑکا ہوتا ہے اس کی داڑھی نکلنے تک بھی میں کبھی پیار نہیں کرتا آپ نے فرمایا[1] من لا یرحم لا یرحم پس اس طرح کی ہنسی عورتوں اور لڑکوں سے آپ کیا کرتے تھے اور یہ گویا کہ ان دونوں فریق کے ضعفِ دل کے علاج کے طور پر تھی ٹھٹھے وغیرہ کے طور پر اور ایک بار صہیب کی آنکھ میں درد تھا اور خرما کھاتے تھے آپ نے فرمایا کہ تمہاری آنکھ دکھتی ہے اور تم خرما کھاتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں دوسری داڑھ سے کھاتا ہوں آپ اتنے ہنسے کہ کچلیاں ظاہر ہونے لگیں اور روایت ہے کہ خوات بن جبیر انصاری ابن کعب کی عورتوں میں مکہ معظمہ کی راہ پر بیٹھے ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اس طرف ہوا کہا تم ان عورتوں میں کیوں بیٹھے ہوئے ہو انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اونٹ شریر ہے اس لیئے ان سے رسی بٹوا رہا ہوں آپ اپنے کام کو تشریف لے گئے جب وہاں سے پھرے تو پھر اس سے فرمایا کہ اس اونٹ نے ابھی شرارت نہیں چھوڑی خوات کہتے ہیں کہ مجھے شرم آگئی اور چپ ہو رہا اور اس کے بعد جہاں کہیں حضرت کو دیکھتا شرم کے مارے بھاگ جاتا یہاں تک کہ میں مدینہ منورہ میں آکر مشرف باسلام ہوا ایک روز میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا آپ تشریف لائے اور میری طرف بیٹھ گئے میں نے بڑی رکعتیں پڑھنی شروع کیں آپ نے فرمایا طویل نماز مت پڑھو میں تمہارا منتظر ہوں جب میں نے سلام پھیرا تو آپ نے فرمایا کہ اس اونٹ نے اب تک شرارت نہیں چھوڑی میں مارے شرم کے کچھ نہ کہہ سکا آپ تشریف لے گئے مگر میرا یہ حال تھا آپ سے بھاگتا پھرتا تھا ایک روز آپ دراز گوش پر سوار مجھ کو ملے کہ دونوں پائے مبارک ایک ہی طرف کو رکھے تھے فرمایا کہ اے ابو عبداللہ اب تک اونٹ نے شرارت چھوڑی کہ نہیں میں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق کیا ہے جس روز سے میں مسلمان ہوا ہوں اس روز سے کبھی بد ذاتی نہیں کی آپ نے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر الٰہی اس شخص کو ہدایت فرما اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کی اور بڑے اچھے مسلمان ہوئے اور نعیمان انصاری ایک ہنسوڑ آدمی تھا مگر شراب بہت پیتا تھا جب حضرت کی خدمت میں اس کو لائے تو آپ اپنی جوتی سے اس کو مارتے اور اصحابؓ کو فرماتے وہ بھی جوتیاں لگاتے جب بہت دفعہ پٹا تو ایک شخص نے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کہا کہ خدا تجھ پر لعنت کرے آپ نے اس کو فرمایا کہ یوں مت کہو یہ آدمی اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے اور حال نعیمان کا یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں جب کبھی دودھ یا کوئی نئی چیز آتی تو اس میں سے خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتا اور کہتا کہ یا حضرت یہ چیز میں نے آپ ہی کیلئے مول لی ہے اور ہدیہ لایا ہوں جب اس چیز کا مالک دام مانگنے آتا تو اس کو بھی آپ کی خدمت میں لاتا اور عرض کرتا کہ فلاں چیز کے دام

---

[1] جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا ۱۲ ابو یعلی نے اس طرح بیان کیا ہے مگر اس میں عینیہ کا قول نہیں اور مسلم نے بروایت ابوہریرہ نقل کیا ہے کہ اقرع بن حابس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت امام حسن کو بوسہ دیتے ہیں تو کہا کہ میرے دس لڑکے ہیں میں نے کسی کا بوسہ نہیں لیا تھا آپ نے یہ فرمایا ۱۲ [2] ابن ماجہ وحاکم بروایت صہیب ۱۲ [3] زبیر بن بکار بروایت عبداللہ بن حسینؓ مرسلاً ۱۲ [4] طبرانی درکبیر بروایت زید اسلم اسفر عن خوات ۱۲ [5] ابن عبدالبر بروایت محمد بن عمرو بن حزم مرسلاً ۱۲

اس کو عنایت فرمایئے آپ فرماتے تو تو نے ہدیہ دی تھی عرض کرتا میرے پاس دام نہ تھے مگر میرا دل یوں چاہتا تھا کہ آپ اس کو کھائیں اس لیے کہہ گیا تھا آپ ہنس کر دام دلوا دیتے پس اس طرح کے مطالبات کبھی کبھی جائز ہیں ان پر دوام کرنا برا ہے اور زیادہ ہنسی سے دل مر جاتا ہے۔

گیارہویں آفت مسخراپن ٹھٹول اور دوسرے کو بنانا

اگر اس سے دوسروں کو ایذا ہو تو حرام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۱] یا ایھا الذین امنو لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرا منھن اور تمسخر کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کی اہانت اور حقارت کرنی اور اس کے عیب و نقصان اس طرح بیان کرنے جس سے ہنسی آئے اور یہ کئی طور پر ہو سکتا ہے اس کے فعل کی نقل کرنے سے یا قول کی نقل سے یا اشارہ و ایماء سے پس اگر پیٹھ پیچھے ہو تو غیبت ہے ورنہ تمسخر اور استہزاء نام ہے گو یہ غیبت نہیں مگر دونوں کا حاصل ایک ہی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک آدمی کی نقل اتاری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا[ح۲] واللہ ما احب انی حاکیت انسانا ولی کذا و کذا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں[ت۳] یا ویلتنا مال ھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا یہ ارشاد کیا ہے کہ صغیرہ سے مراد تبسم ہے مومن کے تمسخر پر اور کبیرہ سے مراد کھلکھلانے کے ہنسی تمسخر پر اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ لوگوں پر ہنسنا گناہ میں داخل ہے اور عبداللہ بن زمعہ فرماتے ہیں کہ میں[ح۵] نے خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ گوز پر ہنسنے کے باب میں نصیحت فرماتے تھے کہ جس بات میں آدمی خود مبتلا ہے اس پر دوسرے کو کیوں ہنستا اور ایک حدیث میں ہے کہ جو لوگ دنیا میں لوگوں پر ہنستے ہیں قیامت کو ان سے بھی ہنسی ہوگی کہ ایک دروازہ جنت کا کھول دیا جائے گا اور ان کو کہا جائے گا کہ یہاں آؤ یہاں آؤ مصیبت کے مارے جب دروازے پر کے قریب پہنچیں گے تو بند کر دیا جائے گا اور دوسرے دروازے سے بلایا جائے گا جب وہاں جائیں گے تو یہی حال پائیں گے اسی طرح ہوتا رہے گا یہاں تک کہ آخر کو تھک کر نہیں جائیں گے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[ح۶] من عیر اخاہ بذنب قد تاب منہ لم یمت حتی یعملہ اور ان سب کا مآل ایک ہی ہے یعنی دوسرے کی حقارت و اہانت و ذلت اور اس پر ہنسی اور استہزا کرنا آیت گزشتہ میں اس پر تنبیہ موجود ہے کہ عسی ان یکونوا خیرا منھم یعنی براہ حقارت دوسرے پر ہنسنا نہ چاہیئے کیا معلوم ہے کہ شاید وہی اچھا

ت۱ اے ایمان والو ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ دوسرے سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید بہتر ہوں ان سے ۱۲ ح۲ ابو داؤد و ترمذی ۱۲ ح۳ قسم ہے اللہ کی نہیں دوست رکھتا ہوں اس بات کو کہ میں آدمی کی نقل اتاروں اور مجھ کو بہت کچھ ملے ت۴ اے خرابی کیسا ہے یہ لکھا نہ چھوڑی چھوٹی بات نہ بڑی بات جو اس میں نہیں گھیری ۱۲ ح۵ بخاری و مسلم ۱۲ ح۶ ابن ابی الدنیا بروایت انس منقطعاً ۱۲ ح۷ جو شخص اپنے بھائی کو اس گناہ کا عیب لگائے جس سے اس نے توبہ کر لی تو نہیں مرے گا یہاں تک کہ خود وہی عیب کرے ۱۲ ترمذی اور کہا کہ حسن غریب ہے اور اسناد متصل نہیں ۱۲ ت۸ شاید وہ بہتر ہیں ان سے ۱۲

غرضیکہ دوسرے پر ہنسنا اسی صورت میں حرام ہے کہ اس کو ایذا ہوتی ہے اور اگر کوئی اس امر سے خوش ہوتا ہو تو اس پر ہنسنا اس کے حق میں حکم مزاح کا رکھتا ہے جس کا حال مفصل اوپر بیان ہوا حرام وہی استہزا ہے جس میں کسی کو ایذا ہو مثلاً اگر کلام میں کسی سے کچھ خبط نکل جائے تو اس پر ہنسنے لگنا یا افعال پر استہزاء کرنا کہ خط کیا خوب لکھتے ہیں یا فلانا کام کیا اچھا کرتے ہیں یا قد وقامت وصورت پر ہنسنا جیسے بونے یا لمبے آدمی کو ہنسا کرتے ہیں یا کوئی عیب و نقصان دیکھ کر ہنسنا وغیرہ سب داخل تمسخر ہیں اور شرعاً ان سے اجتناب چاہیئے۔

راز کا ظاہر کر دینا

یہ بھی ممنوع ہے اس لیئے کہ اس میں بھی ایذا ہوتی ہے اور حق معرفت و دوستی برباد جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[ح۱] اذا حدث الرجل الحدیث ثم التفت فھی امانتہ' اور یوں بھی ارشاد ہے کہ الحدیث بینکم امانۃ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی بھائی کا راز کھول دینا بھی خیانت میں داخل ہے روایت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ سے کوئی راز کہا انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ مجھ سے آج حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے ایک راز کہا ہے اور یقین ہے کہ جب مجھ سے کہہ دیا ہے تو تم سے کیوں چھپا رہے گا انہوں نے کہا اس بات کا ذکر مجھ سے مت کر داس واسطے کہ جب تک آدمی راز کو چھپائے رکھتا ہے تب تک اس کے قابو میں ہے اور جب کہہ دیا تو دوسرے کے اختیار میں چلا گیا میں نے کہا کہ کیا یہ معاملہ باپ بیٹے میں بھی ہوتا ہے انہوں نے کہا کہ ہرچند باپ بیٹے میں نہیں ہوتا مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ تیری زبان راز کے بیان کرنے میں نہ کھلے اور تجھ کو افشاء راز کی عادت نہ ہو پھر میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا کر سب ماجرا بیان کیا انہوں نے فرمایا کہ تیرے باپ نے تجھ کو خطا کی غلامی سے آزاد کر دیا خلاصہ یہ کہ راز کا فاش کرنا خیانت ہے اور اگر اس میں کسی کا ضرر ہوتا ہو تو حرام ہے اور اگر ضرر نہ ہوتا ہو تو بھی کمینہ پن ہے اور راز کے پوشیدہ رکھنے کا حال باب آداب صحبت میں لکھ چکے ہیں ضرورت دوبارہ لکھنے کی نہیں۔

جھوٹا وعدہ

زبان وعدہ کے لیئے پیشقدمی کیا کرتی ہے مگر نفس پر پورا کرنا ناگوار ہوتا ہے تو وعدہ جھوٹا ہو جاتا ہے اور یہ امر نفاق کی علامت ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۳] یا ایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وعدہ کرنا عطا میں شمار ہے اَلْوَعْدُ مِثْلُ الدَّیْنِ۔ یعنی وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے اور خداوند کریم نے اپنے نبی اسماعیل علیہ السلام کی تعریف اپنی کتاب مجید میں یوں فرمائی ہے[ت۴] انہ کان صادق الوعد[ح۵] روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے ایک شخص سے وعدہ کیا تھا وہ شخص بھولے سے وہاں بائیس دن نہ آیا آپ اس کے انتظار میں اتنی مدت وہاں ہی رہے اور حضرت

ط جب آدمی بات کہے اور آنکھ چرا کر دیکھے تو وہ امانت ہے ۱۲ ابو داؤد و ترمذی برروایت جابر ۱۲ ح۲ بات تمہارے درمیان میں امانت ہے ابن ابی الدنیا برروایت ابن شہاب ۱۲ ت۳ اے ایمان والو پورا کرو تم اقرار ح۴ ابونعیم رطبیہ برروایت ابن مسعود ۱۲ ح۵ وعدہ مثل قرض کے ہے ابو منصور دیلمی در سند فردوس برروایت علی مرتضٰے بسند ضعیف ۱۲ ح۵ وہ تھا وعدہ کا سچا ۱۲ ح۶ ابو داؤد نے نقل کیا ہے اور اس کی اسناد میں اختلاف ہے ۱۲

عبداللہ بن عمر کو جب موت کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ ایک قریشی شخص نے مجھ سے میری لڑکی کی درخواست کی تھی اور میں نے کچھ مذبذب وعدہ کر لیا تھا پس بخدا میں خدا کے سامنے تہائی نفاق لے کر نہ جاؤنگا تم گواہ رہو کہ میں نے اسی شخص کو اپنی لڑکی بیاہ دی اور عبداللہ بن ابی الحمساء روایت کرتے ہیں کہ میں نے قبل بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معاملہ کیا تھا اور آپ کا کچھ دام میری طرف رہ گیا تھا میں نے عرض کیا کہ ابھی لائے دیتا ہوں آپ یہاں ٹھہریئے مگر میں اس روز اور اگلے روز بھول گیا تیسرے روز جو آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ پایا آپ نے فرمایا میاں صاحب آپ نے تو بڑی مصیبت میں جان ڈال دی کہ یہاں تین روز سے تمہارے انتظار میں ہوں اور ابراہیم بن ادہم سے روایت ہے کسی نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کر جائے اور میعاد پر نہ آئے تو کیا کرے آپ نے فرمایا کہ یہاں تک انتظار کرے کہ نماز آئندہ کا وقت آجائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے وعدہ فرماتے تو شاید کا لفظ فرماتے تھے اور حضرت ابن مسعودؓ ہر ایک وعدہ کے ساتھ انشاءاللہ کہا کرتے تھے اور یہی بہتر ہے پھر اگر اس کے ساتھ پختہ ارادہ بھی ہو تو پورا کرنا چاہیئے اگر معذور نہ ہو اور اگر وعدہ کے وقت اس امر کا قصد پختہ کر لیا کہ پورا نہیں کروں گا تو اس کا نام نفاق ہے چنانچہ ابو ہریرہؓ[۲] روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں وہ پکا منافق ہے گو نماز روزہ ادا کرے اور زبان سے کہے جاوے کہ میں مسلمان ہوں وہ تین باتیں یہ ہیں بات کہے تو جھوٹی کرے اور وعدہ کرے تو پورا نہ کرے کوئی کچھ امانت اس کے پاس رکھ جائے تو اس میں خیانت کرے اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس میں چار چیزیں ہوں وہ منافق کامل ہے اور جس میں ایک چیز ان میں کی ہو اس میں اسی قدر نفاق بھی ہو گا جب تک کہ اس کو ترک نہ کرے اول یہ کہ بات کہے تو جھوٹی کہے دوسرے وعدہ کے خلاف کرے سوم عہد کر کے فریب و دغا کرے چہارم خصومت کے وقت گالیاں سنا دے اور یہ اسی کا حال ہے کہ وعدہ کرتے وقت نیت وفا کی نہ ہو یا بے عذر وفا نہ کرے مگر جو شخص وعدہ کر کے وقت پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور کسی عذر کے باعث پورا نہ کرے گا وہ منافق نہ ہو گا اگرچہ صورت نفاق ہی کی سی آپڑتی ہے اسی لیئے جیسا کہ نفاق اصلی سے بچنا ضرور ہے اسی طرح اس صورت نفاق سے بھی احتراز واجب ہے اور بے ضرورت شدید اپنے نفس کو معذور نہ کرنا چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم بن التیہان کو ایک غلام دینے کا وعدہ فرمایا تھا جب غنیمت میں تین غلام آئے تو دو آپ نے دے ڈالے ایک رہ گیا حضرت فاطمہ تشریف لائیں اور عرض کیا کہ دیکھئے میرے ہاتھ میں چکی پیستے پیستے گھٹے پڑ گئے ہیں یہ غلام مجھ کو عنایت ہو آپ کو وعدہ ابوالہیثم کا یاد آگیا اور صاحبزادی کو فرمایا کہ اگر تم کو غلام دے دوں تو وعدہ خلاف ہو نگا غرض وہ غلام ابوالہیثم کو ہی مرحمت فرمایا اور حضرت فاطمہؓ کو وعدہ پر ترجیح نہ دی باوجودیکہ ان کے نازک ہاتھوں میں گھٹے بھی تھے اور ایک

---

[۱] اس کا نشان مجھے نہیں ملا ۱۲ [۲] بخاری و مسلم ف[۳] عمر اس میں ذکر فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نہیں ہے۔ [۳] ترمذی بروایت ابوہریرہ نقل کیا ہے [۴] ابوالہیثم کا ترجمہ جلد دوم باب اول میں گزرا ۱۲

بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن کی غنیمت حنین میں تقسیم فرما رہے تھے ایک آدمی آکر کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا آپ نے فرمایا کہ درست ہے جو تجھ کو چاہیئے لے لے اس نے اسی بھیڑیں مع ان کے چرانے والے کے پسند کیں آپ نے دلوا دیں اور فرمایا تو نے کچھ بھی نہ مانگا۔ تجھ سے تو عورت ہوشیار زیادہ تھی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں بتلائیں تھیں اور پھر حضرت موسیٰ نے کہا کہ مانگ کیا مانگتی ہے اس نے کہا میرا سوال یہ ہے کہ میں پھر سے جوان ہو جاؤں اور آپ کے ساتھ جنت میں جاؤں کہتے ہیں کہ لوگوں کو اس شخص کا مانگا حضرت سے ایسا کم معلوم ہوا کہ اس کی عربی میں یہ ضرب المثل ٹھہرائی اشح[۲] من صاحب الثمانین والراعی۔ اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلف وعدہ اس کا نام نہیں ہے کہ آدمی وعدہ کرے اور نیت یہ ہو کہ اس کو پورا کروں گا اور دوسری روایت میں ہے کہ جب دوسرے سے وعدہ کرے اور نیت پورا کرنے کی ہو مگر کسی مانع سے پورا نہ کر سکے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔

جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں

اور یہ عیب فاحش اور گناہ عظیم ہے اسماعیل بن واسطہ فرماتے ہیں کہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے[۳] میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سنا کہ خطبہ فرماتے تھے کہ اول سال ہجرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ کھڑے ہوئے کہ جہاں میں کھڑا ہوں یہ فرما رہے تھے اتنا کہہ کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے ؎

در نمازم خم ابروئے تو چوں یاد آمد
حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

پھر یہ حدیث بیان فرمائی ایاکم والکذب[۳] فانہ مع الفجور وھما فی النار وعلیکم بالصدق فانہ مع البر وھما فی الجنۃ۔ اور حضرت ابو امامہ یوں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کذب ایک دروازہ ہے نفاق کے دروازوں میں سے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اختلاف ظاہر و باطن اور قول اور فعل اور مدخل و مخرج کا نفاق کہلاتا ہے اور جس اصل پر اس کی بنیاد ہے وہ جھوٹ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ کبرت[۴] خیانۃ ان تحدث اخاک حدیثا وھو لک بہ مصدق وانت لہ بہ کاذب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ لایزال[۵] العبد یکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا۔ اور ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر دو

---

[۱] ابن حبان حاکم بروایت ابو موسیٰ مع اختلاف ۱۲ [۲] زیادہ بخیل اسی مع چرانے والے کے مالک سے ۱۲ ابو داؤد و ترمذی نے بروایت زید جن از قسم دوسری روایت نقل کی ہے اور ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے ۱۲ [۳] بچو تم جھوٹ سے کہ وہ بدکاری کے ساتھ ہے اور دونوں دوزخ میں ہیں اور لازم پکڑو سچ کو کہ وہ نیکی کے ساتھ ہے اور وہ دونوں جنت میں ہیں ۱۲ ابن ماجہ و نسائی ودارمی و بیہقی اور مصنف نے جو اسماعیل بن واسطہ لکھا ہے وہ اوسط بن اسمٰعیل واسطہ ہے [۴] بڑی خیانت ہے تو اپنے بھائی سے ایسی بات کہے کہ وہ تو اس میں تجھ کو سچا جانے اور تو اس میں اس کو جھوٹا جانے ۱۲ احمد و طبرانی بروایت نواس بن سمعان ۱۲ [۵] بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور اسی کا انداز کرتا ہے یہاں ۱م م تک کہ خدا کے نزدیک وہ دروغگو لکھا جاتا ہے ۱۲

شخصوں پر ہوا کہ ایک بکری کا معاملہ کر رہے تھے ایک تو قسم کھا رہا تھا کہ میں اتنے سے کم نہ لوں گا اور دوسرا قسم کھاتا تھا
کہ میں اتنے سے زیادہ نہ دوں گا پھر جو آپ نے ملاحظہ فرمایا تو وہ بکری خریدار نے مول لے لی آپ نے فرمایا کہ ان
میں سے ایک پر گناہ اور کفارہ دونوں لازم ہوئے اور نیز آپ نے فرمایا[ح۱] الکذب ینقص الرزق اور فرمایا[ح۲] التجار ھم
الفجار۔ یعنی تاجر فاجر ہوتے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ یا حضرت اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا پس ان
کے فاجر ہونے کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ قسم کھا کھا کر گناہ گار ہوتے ہیں اور کچھ کہتے ہیں تو جھوٹ
بولتے ہیں اور فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے خدائے تعالیٰ قیامت میں بات نہ کرے گا اور نہ ان پر نظر شفقت
ہوگی ایک وہ کسی کو کچھ دے کر احسان جتائے اور دوسرا وہ کہ جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچے تیسرے وہ کہ پاجامہ ٹخنوں
سے نیچے رکھے اور[ح۳] فرمایا کہ اگر کوئی خدا کی قسم کھا کر کچھ کہے اور مچھر کے پر کے برابر اس میں اپنی طرف سے کوئی چیز ملادے
تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ قیامت تک رہے گا اور حضرت ابوذر رضی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تین
آدمیوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے ایک وہ کہ صف قتال میں اپنا سینہ بڑھا کر کھڑا ہو جائے یہاں تک کہ یا شہید
ہو یا اس کی جیت ہو دوسرے وہ کہ کسی موذی کے پڑوس میں رہ کر اس کی ایذا پر صبر کرے حتیٰ کہ موت یا سفر کے سبب
دونوں میں جدائی ہو جاوے اور ایک وہ شخص کہ سفر میں ایک قافلہ کے ساتھ ہو اور وہ اتنا چلے کہ زمین پر لیٹنے سے
ترس گئے پھر اتر پڑے اس شخص نے کنارا ہو کر نماز پڑھنی شروع کردی تاکہ کوچ کے واسطے ان کو جگائے اور تین آدمیوں
سے خدا دشمنی رکھتا ہے ایک سوداگر یا بیچنے والا کہ بہت قسم کھائے اور دوسرا فقیر متکبر تیسرا بخیل جو دے کر احسان
جتائے اور فرمایا[ح] ویل الذی یحدث فیکذب لیضحک بالقوم ویل لہ ویل لہ اور فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا
کہ گویا ایک آدمی میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ چل میں اس کے ساتھ ہو لیا اتنے میں دو آدمیوں کو دیکھا کہ ایک
بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا اور اس دوسرے کے ہاتھ ایک لوہے کا گز ہے کہ بیٹھے ہوئے کی باچھ میں ڈال کر اتنا
چیرتا ہے کہ وہ اس کے کندھے تک آجاتی ہے پھر دوسری باچھ میں ڈال کر ایسا ہی کرتا ہے اتنے میں پہلی باچھ جوں کی
توں ہو جاتی ہے پس جو شخص مجھ کو لے گیا تھا اس سے میں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے اس نے جواب دیا کہ دروغگو آدمی
ہے اس کو قیامت تک یہی عذاب قبر میں ہوتا رہے گا اور عبداللہ بن جراد سے روایت[ح] ہے کہ میں نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مومن زنا کیا کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے میں نے عرض کیا کہ مومن
جھوٹ بولتا ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں بعد اس کے یہ آیت پڑھی[ف] انما یفتری الکذب الذین لایؤمنون بآیات اللہ

[ح] بخاری ومسلم ۱۲ ح ابوالفتح ازدی بروایت نافع رضی ۱۲ [ف۱] جھوٹ کم کرتا ہے روزی کو ۱۲ ابن حبان در طبقات بروایت ابوہریرہ ۱۲ [ح] احمد وبیہقی وحاکم بروایت
عبدالرحمن بن شبل ۱۲ [ح] مسلم بروایت ابوذر ۱۲ ح ترمذی وحاکم بروایت عبداللہ بن انیس ۱۲ احمد ونسائی [ح] ہلاکی ہے اس کو جو بات کہے اور جھوٹ بولے تاکہ اس سے
لوگ ہنسیں ہلاکی ہے اس کو تباہی ہے اس کو ۱۲ ابوداؤد وترمذی ونسائی بروایت بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ ۱۲ ح بخاری بروایت سمرہ در اثناء حدیث طویل ح ابن عبدالبر
در التمہید بسند ضعیف ۱۲ [ف۵] جھوٹ بناتے وہ ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر ۱۲

اور ابو سعید الخدری فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو سنا یہ دعا مانگتے تھے [ح۱] اللھم طھر قلبی من النفاق و فرجی من الزنا ولسانی من الکذب اور حدیث میں وارد ہے [ح۲] ثلاثۃ لا یکلمھم اللہ و لا ینظر الیھم و لا یزکیھم و لھم عذاب الیم شیخ زان و ملک کذاب و عائل مستکبر [ح۳] اور عبداللہ بن عامر فرماتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اس وقت میں لڑکا تھا کھیلنے چلا گیا میری ماں نے پکارا کہ یہاں آ دے آپ نے فرمایا کہ کیا دینے کو بلایا ہے انہوں نے عرض کیا کہ خرما آپ نے فرمایا کہ اگر کچھ نہ دیتیں تو ایک جھوٹ تم پر لکھا جاتا اور نیز فرمایا کہ اگر اللہ میرے اوپر فضل کرے اور ان کنکروں کے برابر اونٹ غنیمت میں دیوے تو میں سب تم کو دے ڈالوں اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں بخیل اور نامرد اور دروغگو نہیں ہوں اور ایک بار آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے کہ فرمایا کہ تم کو سب میں بڑا کبیرہ گناہ بتاتا ہوں شرک اور نافرمانی والدین ہے پھر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جان لو کہ جھوٹا قول بھی سب میں بڑا کبیرہ ہے اور حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر چھ باتیں میری مان لو تو میں تمہارے لیئے جنت کا کفیل ہوتا ہوں لوگوں نے عرض کیا وہ کیا ہیں آپ نے فرمایا ایک یہ کہ جب بات کہو جھوٹ نہ بولو دوسرے یہ کہ وعدہ کرو تو خلاف نہ کرو تیسرے یہ کہ امانت میں خیانت نہ کرو چوتھے یہ کہ بدنگاہ نہ کرو پانچویں یہ کہ ہاتھ سے کسی کو ایذا نہ دو چھٹے یہ کہ شرمگاہ کی حفاظت رکھو اور فرمایا کہ شیطان [ح۷] کے لیئے چٹنی اور سرمہ اور خوشبو مقرر ہے اس کے لیئے چٹنی تو جھوٹ ہے اور کثرت خواب سرمہ اور غضب خوشبو اور حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں ایک روز فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں میں کھڑا ہوں یہاں کھڑے ہو کر یوں فرماتے تھے [ح۹] احسنوا الی اصحابی ثم الذین یلونھم ثم یفشوا الکذب حتی یحلف الرجل علی الیمین و لم یستحلف و یشھد و لم یستشھد اور ایک حدیث میں ہے [ح۱۰] من حدث عنی بحدیث وھو یری انہ کذب فھو احد الکاذبین

[ح۱] الہی پاک کر میرا دل نفاق سے اور میری شرمگاہ زنا سے اور میری زبان جھوٹ سے ۱۲ یہ حدیث احیاء میں ابو سعید سے ہے اور واقع میں ام سعید سے مروی ہے خطیب نے تاریخ میں نقل کیا ہے اور فرجی کی طرح طلبی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے ۱۲ [ح۲] تین شخص ہیں نہ کلام کرے گا خدا ان سے اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کو عذاب دردناک ہوگا اول بوڑھا زناکار دوسرا بادشاہ جھوٹا تیسرا فقیر متکبر ۱۲ مسلم بروایت ابو ہریرہ ۱۲ [ح۳] ابو داؤد نے اس کو نقل کیا ہے اور ایک راوی کا سند میں نام نہیں لیا اور حاکم نے کہا ہے کہ عبداللہ بن عامر آپ کی حیات میں پیدا ہوا مگر سماع حدیث ثابت نہیں اور اس حدیث کے مشابہ حدیث ابو ہریرہ اور ابن مسعود بھی ہے اور اس کے راوی معتبر ہیں ۱۲ یہ حدیث مسلم کی ہے اور پیشتر گزری ۱۲ [ح۵] بخاری و مسلم بروایت ابی بکرہ ۱۲ [ح۶] ترمذی اور کہا ہے کہ حسن غریب ہے [ح۷] حاکم بروایت عبادہ بن صامت ۱۲ [ح۸] طبرانی و ابو نعیم بروایت انسؓ بسند ضعیف ۱۲ [ح۹] بھلے رہو میرے اصحاب کے ساتھ جو ان کے متصل ہیں یعنی تابعین پھر جھوٹ پھیلے گا یہاں تک کہ قسم کھائے گا آدمی اور نہیں قسم لیا جائے گا اور گواہی دے گا اور کوئی گواہی اس کی نہ چاہے گا ۱۲ ترمذی و نسائی بروایت ابن عمر عن عمر ۱۲ [ح۱۰] جو شخص کوئی حدیث بیان کرے اور جانتا ہو کہ جھوٹ ہے تو وہ بھی ایک جھوٹوں میں سے ہے ۱۲ مسلم در مقدمہ بروایت سمرہ بن جندب ۱۲

اور فرمایا[۱] من حلف علی یمین باثم یقتطع بہا مال امرء مسلم بغیر حق لقی اللہ عزوجل وھو علیہ غضبان اور روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کی شہادت صرف ایک دفعہ کے جھوٹ کے سبب رد فرما دی اور نیز فرمایا کہ کل خصلۃ یطبع اویطوی علیھا المؤمن الا الخیانۃ والکذب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ کوئی عادت بری معلوم نہ ہوتی تھی اور آپ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی اصحاب کا دروغ معلوم ہوتا تھا تو دل میں سے کدورت نہ جاتی تھی جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے نئے سرے سے خدا کے سامنے جھوٹ سے توبہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ تیرے بندوں میں باعتبار عمل کے کون اچھا ہے ارشاد فرمایا کہ جس کی زبان جھوٹ نہ بولے اور قلب فجور نہ کرے اور شرمگاہ زنا نہ کرے اور حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ جھوٹ مت بولنا گو وہ چڑیا کے گوشت کی طرح مزہ دار ہوتا ہے مگر تھوڑی سی بات میں متکلم کو اس کی برائی معلوم ہو جاتی ہے اور سچ بولنے کی تعریف میں حدیث وارد ہے کہ[۳]اربع اذا کن فیک فلا یضرک ما فاتک من الدنیا صدق حدیث وحفظ امانۃ وحسن خلق وعفۃ طعمۃ اور حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھ کو ارشاد فرمایا[۵] اوصیک بتقوی اللہ وصدق الحدیث واداء الامانۃ والوفا بالعھد وبذل الطعام وخفض الجناح اور اس باب میں آثار بھی بہت وارد ہیں چنانچہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ خدا کے نزدیک بڑی خطاء زبان کاذب ہے اور سب سے بڑی ندامت قیامت کے دن کی پشیمانی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں جب سے مجھ کو تمیز پاجامہ باندھنے کی ہوئی میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب تک ہم سے ملاقات نہیں ہوتی تب تک تو تم میں سے زیادہ وہ اچھا معلوم ہوتا ہے جس کا نام اچھا ہو اور جب ملاقات ہو جاتی ہے تو وہ اچھا معلوم ہوتا ہے جو عادت اچھی رکھتا ہو اور معاملہ کرنے کے بعد وہ اچھا معلوم ہوتا ہے جو بات کا سچا امانت کا پکا ہو اور میمون بن ابی شبیب فرماتے ہیں کہ ایک روز میں خط لکھتا تھا ایک ایسا لفظ معلوم ہوا کہ اگر اس کو لکھ دوں تو خط کی زینت ہو جائے مگر اس کے ساتھ ہی جھوٹ بھی ہو میں نے ارادۃً اس کو چھوڑ دیا اسی وقت گھر کے ایک طرف سے آواز آئی یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ اور حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ دوزخ میں بخل اور جھوٹ میں سے پہلے کون پڑے گا اور ابن السماک فرماتے ہیں کہ مجھ

---

[۱] جو شخص قسم کھائے گناہ پر تاکہ ناحق اس سے مال کسی مسلمان کا لیوے تو اللہ تعالیٰ سے ملے گا ایسے حال میں کہ خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہو ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ [۲] احمد بروایت عائشہ صدیقہؓ روایت ابن حبان در طبقات ۱۲ [۳] چار چیزیں ہیں کہ جب تجھ میں ہوں تو دنیا کی کوئی چیز تیرے پاس نہ ہو تجھ کو کچھ ضرر نہیں راست گفتاری اور حفظ امانت اور خوش خلقی اور غذائے حلال ۱۲ حاکم و خرائطی در مکارم اخلاق بروایت عبداللہ بن عمرو اور اس کی سند میں ابن ابی لہیعہ ہے ۱۲ [۵] وصیت کرتا ہوں میں تجھ کو خدا سے تقویٰ کی اور راست گفتاری و ادائے امانت اور عہد کے پورا کرنے کی اور کھانا دینے کی اور تواضع کی ۱۲ ابونعیم و جلہ[۶] مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کے بدلے آخرت میں ۱۲ ہر ایک خصلت ایماندار کی طبیعت میں ہو سکتی ہے سوائے خیانت اور دروغ کے ۱۲

کو یہ گمان ہے کہ جھوٹ چھوڑنے سے مجھ کو کچھ ثواب نہ ہوگا کیونکہ میں اس کو دنیا میں جمیت کے لیئے چھوڑتا ہوں اور خالد بن صبیح سے کسی نے پوچھا کہ ایک دفعہ کے جھوٹ سے بھی آدمی جھوٹا کہلاتا ہے انہوں نے فرمایا کہ بے شک اور مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ کسی کتاب میں میری نظر سے گزرا ہے کہ واعظ کا وعظ اس کے عمل کے مطابق کیا جائے گا اگر عمل ویسا ہی ہوا تو خیر اور اگر جھوٹ ہوا تو اس کے ہونٹ آگ کی مقراضوں سے کاٹے جائیں گے جتنی دفعہ کٹیں گے پھر ویسا ہی ہو جائیں گے اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ سچ اور جھوٹ آدمی کے دل میں لڑتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ایک غالب ہو کر دوسرے کو نکال دیتا ہے اور ایک بار عمر بن عبدالعزیز نے ولید بن عبدالملک سے کچھ کہا اس نے کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ بخدا جب سے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹ سے جھوٹے آدمی کو عیب لگتا ہے تب سے میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

وہ مقامات جہاں جھوٹ درست ہے

واضح ہو کہ جھوٹ اپنی ذات سے حرام نہیں بلکہ اس جہت سے حرام ہے کہ اس سے دوسرے کو ضرر پہنچتا ہے اسی لیئے کہ ادنی مرتبہ یہ ہے کہ مخاطب ایک اصل بات کا اعتقاد کرے اور حقیقت شے سے جاہل رہے اور اس سے کبھی دوسرے کا نقصان بھی ہو جاتا ہے پس اگر حقیقت امر کے جاہل رہنے میں نفع اور مصلحت معلوم ہو تو جھوٹ کی اجازت ہونا چاہیئے بلکہ بعض صورتوں واجب ہونا چاہیئے میمون بن مہران کا قول ہے کہ جھوٹ بعض مقامات میں سچ سے اچھا ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص بھاگ کر ایک گھر میں تمہارے سامنے چھپ جائے اور دوسرا شخص اس کو ناحق مار ڈالنے کیلئے تلوار لیئے پیچھے سے آئے اور تم سے پوچھے کہ فلاں شخص کہاں ہے تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا واجب ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو عمدہ مقصود جھوٹ اور سچ دونوں سے حاصل ہو سکتا ہے تو وہاں جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر صرف جھوٹ ہی سے وہ مطلب ہو سکتا ہے تو جھوٹ مباح ہے بشرطیکہ وہ بھی مطلب مباح ہے اور اگر مطلب واجب ہے تو جھوٹ بھی واجب ہے جیسا کہ اوپر کی مثال سے خون ناحق سے بچانا واجب تھا تو جھوٹ بولنا بھی وہاں واجب ہے اور چونکہ مقصود لڑائی اور آپس میں صلح کرنے کا بدون جھوٹ کے راست نہیں آتا تو ایسے مقامات میں جھوٹ بولنا مباح ہے مگر حتی الوسع اس سے بھی بچنا چاہیئے کیونکہ جھوٹ کی عادت ہونے سے اس بات کا خوف ہے کہ جس جھوٹ کی حاجت نہ ہو وہ بھی زبان سے نکل جائے یا مقدار ضرورت سے زیادہ کہہ دے اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں جھوٹ حرام ہے مگر ضرورت کے لیئے جائز ہو سکتا ہے چنانچہ حضرت ام کلثوم[ح۱] سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی نہیں سنا کہ جھوٹ کی اجازت دی ہو مگر تین جگہ میں ایک یہ کہ دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے میں دوسرے لڑائی میں تیسرے میاں بیوی کے آپس میں صلح و صفائی میں اور یہ بھی انہیں سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا[ح۲] لیس بکذاب من اصلح بین اثنین فقال خیرا او نمی خیرا اور اسماء

ح[۱] یہ حدیث مسلم کی ہے اور اگلی حدیث کا ٹکڑا ہے ۱۲۔ ح[۲] جھوٹا نہیں ہے وہ جو صلح کرائے دو میں اور کہے اچھی بات اور بیان کرے خیر کو ۱۲ بخاری و مسلم ۱۲

بنت یزید سے روایت ہے کہ آپ نے کل الکذب یکتب علی ابن آدم الا رجل کذب بین مسلمین لیصلح[1] بینھما۔ اور حضرت ابو کاہل روایت کرتے ہیں کہ دو اصحابؓ میں گفتگو بڑھی یہاں تک کہ کشت و خون پر تیار ہوئے مجھ سے جو ایک صاحب ملے میں نے ان سے کہا کہ تم فلاں شخص کے ساتھ کیوں لڑتے ہو وہ تو تمہاری تعریف کرتے تھے پھر دوسرے سے مل کر ایسا ہی کہا یہاں تک کہ دونوں میں صلح ہوگئی پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں نے ان دونوں کو راضی کر دیا مگر میری جان کو بنے گی کہ جھوٹ بولا اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا کہ اے ابو کاہل آپس میں صلح کرانا چاہیئے گو جھوٹ سے ہی ہو اور عطا ابن یسار فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنی زوجہ سے جھوٹ بولا کروں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جھوٹ میں خیر نہیں اس نے عرض کیا کہ میں اس سے وعدہ کر لیا کروں فرمایا کہ اس کا مضائقہ نہیں اور روایت ہے کہ عہد خلافت حضرت عمرؓ میں ایک شخص ابو عروہ دیلی کا بیٹا تھا اس کی عادت یہ تھی کہ عورتوں سے نکاح کر کے خلع کرا لیا کرتا تھا لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو حضرت عمرؓ کو اس کا برا معلوم ہوا جب اس کی اطلاع ہوئی تو عبداللہ بن ارقم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے آیا اور اپنی زوجہ سے کہا کہ میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ تو مجھ سے بغض رکھتی ہے یا نہیں اس نے جواب دیا کہ قسم سے مت پوچھو اس نے کہا کہ قسم ہی سے پوچھتا ہوں سچ بتانا اس نے کہا کہ بغض تو رکھتی ہوں اس نے ابن ارقم سے کہا کہ آپ نے اس کا قول سنا پھر دونوں حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے اور اس نے عرض کیا کہ آپ سب لوگ فرماتے ہیں کہ میں اپنی زوجہ پر ظلم کرتا ہوں اور چھوڑ دیتا ہوں آپ ابن ارقم سے پوچھیئے آپ نے ان سے حال پوچھا انہوں نے ماجرا بیان کیا تب آپ نے اس کی عورت کو بلوایا وہ اور اس کی پھوپھی حاضر ہوئیں آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے ہی اپنے خاوند سے کہا کہ میں تجھ کو برا جانتی ہوں اور اس نے کہا کہ حضرت میں نے ابھی توبہ کر کے رجوع الی اللہ کیا ہے اس نے مجھ سے قسم دے کر پوچھا اس واسطے میں جھوٹ نہ بول سکی کیا میں جھوٹ بول دیا کروں آپ نے فرمایا البتہ اگر عورتوں کو مرد پسند نہ آئیں تو اس سے ہرگز ذکر نہ کریں کیونکہ گھر کی آبادی دوستی پر منحصر ہے لوگوں کو چاہیئے کہ اسلام اور احسان کے ساتھ زندگی بسر کریں اور نواس بن سمعان کلابی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا انی[4] اراکم تتھافتون فی الکذب تتھافت الفراش فی النار کل الکذب یکتب علی ابن آدم لا محالۃ الا ان یکذب الرجل فان الحرب خدعۃ او یکون بین الرجلین شحناء فیصلح بینھما او یحدث امراتہ یرضیھا اور حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں

---

[1] ہر ایک جھوٹ آدمی پر لکھا جاتا ہے مگر وہ آدمی جو دو مسلمانوں میں جھوٹ بولے تاکہ ان دونوں میں صلح کرائے ۱۲ احمد نے کچھ زیادتی کے ساتھ اور ترمذی نے مختصر نقل کیا ہے ۱۲ [2] یہ حدیث طبرانی نے نقل کی ہے اور صحیح نہیں ہوتی ۱۲ [3] ابن عبد البر بروایت صفوان بن سلیم عن عطاء مرسلاً ۱۲ [4] یہ کیا بات ہے کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ جھوٹ میں تم ایسا کرتے ہو جیسا پروانہ آگ میں سب جھوٹ آدمی پر لکھے جاتے ہیں یقیناً مگر یہ کہ آدمی لڑائی میں جھوٹ بولے کہ لڑائی فریب ہے یا دو آدمیوں میں کینہ ہو اور ان میں جھوٹ سے صلح کرا دے یا عورت کو جھوٹ بات سے راضی کرے ۱۲ اس حدیث کا شروع فی النار تک ابو بکر بن بلال نے بروایت اسماء بنت یزید نقل کیا ہے اور تتابعون ہے بجائے تتھافتون کے اور سب حدیث کو بروایت نواس طبرانی نے نقل کیا ہے اس کی سند میں غضر بن حوشب ہے۔

ہیں کہ سب جھوٹوں میں گناہ ہوتا ہے مگر اس میں کہ کسی مسلمان کا فائدہ یا دفع ضرر ہو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب میں کوئی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہوں تو آسمان سے گرنا اچھا معلوم ہوتا ہے اس میں جھوٹ بولنا اچھا معلوم نہیں ہوتا اور جب آپس کی نزاع کی کچھ بات کہتا ہوں تو لڑائی میں کچھ فریب ہوتا ہے پس یہ تین مقام حدیث میں مستثنیٰ ہوئے اور اگر کوئی اور جگہ بھی ایسی ہی ہو کہ جس میں اس کا دوسرے کا مقصود صحیح نکلتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے مثلاً کوئی ظالم کسی کو پکڑ کے پوچھے کہ تیرا مال کہاں ہے تو اس کو کہنا جائز ہے کہ میں نہیں جانتا یا کوئی زبردست حاکم پکڑ کر پوچھے کہ کوئی اپنا فعل شنیع جو خفیہ کیا ہو تو اس کو ظاہر کر تو جائز ہے کہ انکار کر دے اور کہہ دے کہ میں نے نہ کبھی زنا کیا اور نہ شراب پی وغیرہ اسی لیئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی ان پلید چیزوں کا مرتکب ہو جائے اس کو چاہیئے کہ پوشیدہ رکھے خدا اس کے عیب چھپائے گا اور ایک اور وجہ یہ ہے کہ گناہ کا ظاہر کرنا بھی ایک گناہ ہے تو ضرور ہوا کہ آدمی اپنے نفس و مال کو ظلم سے بچاتے اور اپنی عزت کو زبان سے محفوظ رکھے گو دروغ ہی سے ہو اور دوسرے شخص کو مطلب کے لیئے جھوٹ بولنے کی یہ مثال ہے کہ کوئی شخص کسی کا راز پوچھنا چاہے تو کہہ دے کہ میں نہیں جانتا یا دو شخصوں میں صلح کرا دے جیسا کہ پہلے گزر آیا دوستوں میں صلح کرا دے کہ ہر ایک سے یہ کہہ دے کہ میں تجھی کو زیادہ چاہتا ہوں یا عورت کی رضا کے واسطے کسی ایسی چیز کا وعدہ کرے کہ جو اپنی طاقت سے زیادہ ہو یا کسی شخص سے عذر کرے اور جانے کہ جب تک یہ نہ کہوں گا کہ آگے کو پھر ایسی خطا نہ ہو گی اور زیادہ دوستی نہ جتاؤں گا تب تک وہ نہیں مانے گا تو جھوٹ بولنے میں کچھ مضائقہ نہیں مگر چونکہ جھوٹ بولنا برا ہے اگر سچ بولنے سے ان جگہوں میں خرابی ہوتی ہو تو چاہیئے کہ دونوں برائیوں کا مقابلہ کر کے اچھی طرح دیکھے اگر اگر سچ بولنے سے برائی میں زیادتی ہو بہ نسبت جھوٹ بولنے کے تو جھوٹ بولے اور اگر جھوٹ بولنے سے مقصود کم حاصل ہوتا ہو بہ نسبت سچ بولنے کے تو سچ بولنا واجب ہے اور بعض اوقات دونوں امر ایسے مساوی ہیں کہ ان میں تردد پڑ جاتا ہے اس صورت میں سچ ہی بولنا چاہیئے اس لیئے کہ جھوٹ ضرورت یا حاجت مہم کے واسطے محتاج ہے پس اگر حاجت کے اہم ہونے میں تردد ہو تو اصل میں جھوٹ حرام ہے ایسی جگہ اصل ہی طرف رجوع چاہیئے اور ازاں جا کہ مراتب مقاصد کے بہت باریک ہیں کہ ہر کسی کو معلوم نہیں ہو سکتے للذا حتی الوسع انسان کو جھوٹ سے احتراز ہی چاہیئے بلکہ اپنی حاجت بھی ہو تو اس کو ترک کرے اور جھوٹ سے باز آئے لیکن اگر دوسرے کا مطلب ہو تو اس سے چشم پوشی اور ضرر ناحق پہنچانا نہیں چاہیئے اور آج کل جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں تو صرف اپنے حظ نفسانی کے لیئے اور زیادتی مال و جاہ کے لیئے بولتے ہیں اور وہ ایسی باتیں جھوٹی خاوند کی طرف کہہ دیتی ہیں کہ اس کو یقین ہو جائے مثلاً کہہ دیا جائے کہ مجھے اتنا زیور بنا دیا یا کپڑے بنا دیئے وغیرہ پس ایسا جھوٹ حرام ہے چنانچہ اسماء[1] بنت یزید روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[2] سے سوال کیا کہ میری ایک سوت ہے میں اس کے

---

[1] حاکم بروایت ابن عمرؓ بالفاظ دیگر ۱۲ [2] بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے اور عورت سا ما اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ تھیں ۱۲

جلانے کو کہہ دیتی ہوں کہ خاوند نے مجھے بہت کچھ دیا ہے تو مجھ پر گناہ ہوگا آپ نے فرمایا کہ جس کو کچھ نہیں ملتا اور کہتا ہے کہ مجھ کو ملا وہ ایسا ہے کہ کپڑے میں فریب دینے کے لیئے آستین یا پردہ دوسرا لگائے جس میں لوگوں کو معلوم ہو کہ دو کپڑے پہنے ہوئے ہے اور یہ بھی حدیث میں وارد ہے [ح۱] من یطعم بما لا یطعم وقال لی ولیس لہٗ واعطیت ولم تعط کان کلابس ثوبی ذور یوم القیامۃ اور اس میں بھی داخل ہے کہ کوئی عالم بلا تحقیق کچھ فتویٰ دے دے اور جس حدیث کا کوئی ثبوت معلوم نہیں اس کو روایت کرے کیونکہ اس کا سارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنا فضل ظاہر ہو اور اسی واسطے یہ منہ سے نہیں نکلتا کہ میں نہیں جانتا اور یہ حرام ہے اور عورتوں ہی کا سا حکم لڑکوں کا ہے وہ بھی بلا ترغیب وعدہ یا چھوٹے ڈراوے کے مکتب میں نہیں جاتا پس اس کے لئے ایسا امر کرنا مباح ہے ہاں اخبار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے امر سے بھی جھوٹ نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے لیکن کذب مباح کا بھی حساب و کتاب ہوتا ہے اور اس بات کی باز پرس ہوتی ہے کہ مقصود اس کا صحیح تھا یا نہیں پھر معاف ہو جاتا ہے اس لئے کہ قصد اصلاح کے لیے اس کو مباح ٹھہرایا گیا ہے مگر اس میں دھوکا بڑا پڑتا ہے کیونکہ اس کا باعث کبھی اپنی غرض نفسانی ہی ہوتی ہے اور اصلاح کے بہانہ سے جھوٹ کا مرتکب ہوتا ہے حالانکہ اس کی حاجت نہیں ہوتی اسی واسطے اس طرح کے جھوٹ نامہ اعمال میں درج ہوتے ہیں غرضکہ جو آدمی جھوٹ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کو یہ دقت آپڑتی ہے کہ جس سبب سے جھوٹ بولا ہے وہ شرعاً بہ نسبت سچ بولنے کے اہم اور مقصود تھا یا نہیں اور اس بات کا معلوم ہونا بہت مشکل ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ جھوٹ نہ بولے مگر اس صورت میں کہ واجب ہو جائے اور کسی طرح اس کا چھوڑنا جائز نہ ہو مثلاً جھوٹ نہ بولنے سے کسی کی گردن ناحق ماری جاتی ہو یا گناہ عظیم میں مبتلا ہوتا ہو تو یہاں جھوٹ بولنا ہی واجب ہے اور بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ فضائل اعمال اور سختی معصیت کے باب میں احادیث کا وضع کرنا درست ہے اور ان کو گمان یہ ہے کہ اس کا مقصود صحیح ہے پس یہ بڑی خطا ہے اس لیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ [ح۱] من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار۔ اور اس حدیث پر بے ضرورت عمل چھوڑا نہیں جاتا اور وعدہ وعید کے لیئے کچھ ضرورت وضع احادیث کی نہیں اس لیئے کہ جو مضامین احادیث اور آیات صحیحہ میں وارد ہیں وہ کیا تھوڑے ہیں جو جھوٹی احادیث کی ضرورت ہے اور یہ لوگ جو بیان کرتے ہیں کہ احادیث آیات صحیحہ کو سنتے سنتے ان کا رعب جاتا رہتا ہے اور خوف اتنا نہیں ہوتا جتنا نئے مضمون سے حاصل ہوتا ہے تو یہ خیال خام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند کریم پر افترا کرنے سے کوئی گناہ بڑھ کر نہیں اور اس سے ایسے امور بھی واقع ہوتے ہیں کہ بالکل شریعت کو درہم برہم کر دیں

ح۱ جو شخص اپنی غذا وہ بیان کرے جو وہ نہیں کھاتا یا کہے کہ یہ میری ہے اور اس کی نہ ہو اور کہے کہ مجھے ملی اور نہ ملی ہو وہ قیامت میں ایسا ہوگا جیسا فریب کا کپڑا پہننے والا اس کی سند حیائی لفظوں سے نہیں ملی ۱۲ [ح۲] جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے اس کو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں ڈھونڈے ۱۲ بخاری باب العلم میں گزری ۱۲ ح۲ دسویں آفت میں گزری ۱۲

تو نیکی برباد گناہ لازم کا مضمون ہوتا ہے حضرت پر جھوٹ اور افتراء کرنا ایسا گناہ کبیرہ ہے کہ اس کے سامنے سب گناہ گرد ہیں خدا ہم کو اور سب مسلمانوں کو اس سے بچائے۔

اس بات کے بیان میں کہ کنایہ بھی جھوٹ نہ بولنا چاہیے

جاننا چاہیئے کہ سلف کا قول ہے کہ کنایۃً جھوٹ بولنا کذب نہیں کہلاتا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اگر آدمی کنایۃً کچھ جھوٹ کہے تو کذب سے بچ جاتا ہے اور اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے مگر ان لوگوں کی غرض یہ ہے کہ جب آدمی جھوٹ بولنے کے واسطے مضطر ہو تو کنایۃً کہے ورنہ بلا ضرورت وحاجت جھوٹ بولنا صراحۃً جائز نہیں ہے نہ کنایۃً اسی میں آسانی ہے اور مثال کنایۃً کی یہ ہے کہ مطرف ایک بار زیاد کے پاس گئے اس نے کہا کہ دیر کر کے کیوں آئے تو ایک مرض کا بہانہ کر کے کہا کہ جب سے میں تمہارے پاس سے گیا تھا کروٹ نہیں لی الا ماشاء اللہ یا کسی آدمی سے تمہاری طرف سے کسی نے کچھ کان بھر دیئے اور تم کو منظور ہوا کہ جھوٹ نہ بولیں تو اس وقت ایسا جواب دو کہ وہ کچھ اور سمجھے اور تمہارا مطلب کچھ اور ہو تو یہ کنایہ کہلائے گا غرض کہ کنایۃً اسی کا نام ہے کہ سامع اس سے کچھ سمجھے اور متکلم کا مطلب کچھ اور ہو گا مثلاً حضرت معاذ بن جبل حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک جگہ کے عامل تھے جب وہاں سے آئے تو ان کی بی بی نے کہا کہ جیسے اور عامل گھر کچھ لاتے ہیں تم بھی کچھ لائے یا نہیں انہوں نے جواب دیا کہ میرے ساتھ ایک ناظر مقرر تھا ان کی مراد یہ تھی کہ خدا تعالیٰ ناظر تھا مگر ان کی بی بی نے سمجھا کہ شاید حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ کسی کو نگھبانی کے لیئے بھیجا ہو گا اس خیال سے کہنے لگی کہ سبحان اللہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک امین تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک امین تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے ساتھ ناظر مقرر کیا یہ چرچہ تمام عورتوں میں پھیلا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی جا کر شکایت کی آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ میں نے کب تمہارے ساتھ ناظر بھیجا تھا انہوں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو بھیجنے کا تو ذکر نہیں کیا یہ کہا تھا کہ میرے ساتھ ناظر تھا اور اس کے سوا کوئی اور مجھ کو عذر نہ سوجھا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنس پڑے اور ان کو کچھ عنایت فرما کر کہا کہ لو اپنی بیوی کو راضی کر لو اور ابراہیم نخعی اپنی بیٹی سے یہ بھی نہ کہتے کہ میں تجھے شکر لے دوں گا بلکہ یوں کہتے کہ اگر میں تجھے شکر لے دوں گا کیونکہ اکثر ان کو خریدنے کا اتفاق نہ ہوتا اور بعض اوقات جو کوئی پکارنے آتا اور اس کے واسطے گھر سے نکلنا منظور نہ ہوتا تو لونڈی سے کہہ دیتے کہ کہہ دے مسجد میں تلاش کرو اور یہ مت کہیو کہ یہاں نہیں ہیں تاکہ جھوٹ نہ ہو جائے اور شعبیؒ کا یہ دستور تھا کہ جس کے لیئے نکلنا نہ منظور ہوتا اپنے پاس ایک دائرہ کھینچتے اور لونڈی سے فرماتے کہ اس دائرہ میں انگلی رکھ کر کہہ دے کہ یہاں نہیں ہیں بہر حال یہ تمام باتیں کنایہ کی ضرورت وحاجت کے وقت ہیں ورنہ بے ضرورت ان کا ارتکاب بھی نہیں چاہیئے کیونکہ ایک حیلہ و بناوٹ ہے اس سے دوسرا شخص خلاف واقع سمجھتا ہے گو لفظوں میں جھوٹ نہ ہو تب بھی فی الجملہ مکروہ ہے عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں گیا اور لباس اچھا پہنے ہوئے تھا جب وہاں

سے نکلا تو اس کپڑے کو دیکھ کر لوگ کہنے لگے کہ تم کو امیر المومنین نے عنایت کیا ہے میں نے کہا اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دیوے پس میرے باپ نے کہا کہ دیکھو خبردار جھوٹ مت کہو حالانکہ یہ جملہ کچھ جھوٹ نہ تھا مگر اس خیال سے کہ دعا بادشاہ کے حق میں اکثر انعام کے مقابلہ میں ہوتی ہے لوگ اس جملہ سے یہی سمجھتے ہوں گے کہ بادشاہ نے دیا ہے تو گویا ایک جھوٹی اور بے اصل بات پر ان کو جمانا ہوا اسی لیئے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں اس میں فائدہ کیا ہے بجز اس کے کہ شیخی اور فخر ہو کہ ہم کو بادشاہ کے ہاں سے یہ ملا ہاں کنایات تھوڑے سے مطلبوں کے لیئے مزاح کے طور پر مباح ہیں جیسے قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ بڑھیا بہشت میں نہ جائے گی اور تیرے خاوند کی آنکھ میں سفیدی ہے[۱] اور تجھ کو اونٹ کے بچے پر سوار کریں گے وغیرہ لیکن صریح جھوٹ جس میں ایسا ضرر ہو کہ دل کو ایذا پہنچے وہ حرام ہے جیسا نعیمان انصاری نے اندھے کو بہکا دیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سے کہہ دیا کہ یہ نعیمان ہیں یا جیسا لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بعض احمقوں کو فریب دیا کرتے ہیں کہ فلانی عورت تم پر عاشق ہے اور اگر ایذا منظور نہ ہو صرف دل لگی منظور ہو تو اگرچہ فاسق تو نہیں ہوتا پھر بھی درجہ ایمان سے کچھ گھٹ جاتا ہے ایک حدیث شریف میں وارد ہے[۲] لا یکمل للمرء الایمان حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ وحتی یجتنب الکذب فی مزاحہ اور یہ جو حدیث میں مذکور ہے کہ آدمی بعض اوقات ایسی بات کہتا ہے کہ لوگ اس پر ہنسیں اور اس کے سبب دوزخ میں ثریا سے بھی دور جا پڑتا ہے تو اس سے مراد وہی کلام ہے جس میں غیبت اور ایذا قلب ہو مطلق مزاح مراد نہیں ایک جھوٹ جس سے فاسق نہیں ہوتا یہ ہے کہ عادۃً بطور مبالغہ مثلاً کہے کہ ہم نے تم کو سو دفعہ یہ کہہ دیا کہ ایسا مت کرو تو اس سے غرض شمار عدد منظور نہیں ہوتی بلکہ کثرت بطور مبالغہ منظور ہوتی ہے پس اگر ایک ہی بار کہا یا بلایا ہو تو بے شک جھوٹ ہوگا اور اگر عادت سے زیادہ دفعہ کہا یا بلایا ہوگا تو گنہگار نہ ہوگا اگر اتنی دفعہ نہ کہا ہو جتنی تعداد کہی ہے اور ان دونوں کے درمیان اور درجے ہیں کہ جو کوئی اپنی زبان سے مبالغہ کو نہ روکے وہ خطرہ کذب سے خالی نہ ہوگا اور ایک جھوٹ جس کی عادت اور سہل انگاری لوگوں میں شائع ہے یہ ہے کہ جب آدمی سے کہا جائے کہ کھانا کھاؤ تو جواب دے کہ مجھے بھوک نہیں اور یہ بھی ممنوع اور حرام ہے بشرطیکہ کوئی غرض صحیح اس سے متعلق نہ ہو مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسماء بنت عمیس[۳] سے روایت کہ شب زفاف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے یہاں میں موجود تھی اور ان کو میں نے ہی بنایا سنوارا تھا اور میرے ساتھ کچھ اور عورتیں بھی تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب حضرت کے پاس لے گئے اور آپ کے یہاں بغیر ایک پیالہ دودھ کے اور کچھ موجود نہ تھا اس میں سے

---

[۱] یہ بھی دسویں آفت میں گزر چکیں ۱۲ [۲] آدمی کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی کے واسطے وہ بات نہ چاہے جو اپنے لیئے چاہتا ہے اور جب تک کہ اس سے ہنسی کرنے میں جھوٹ سے نہ بچے ۱۲ ابن عبد البر در استیعاب بروایت ابی ملیکہ فرماتے اور اس کی سند میں تامل ہے اور پہلا جملہ حدیث کا بالفاظ دیگر صحیحین میں مروی ہے ۱۲ [۳] آفت سوم میں گزری ۱۲ ۔ [۴] ابن ابی الدنیا در صمت و طبرانی در کبیر پہلے گزری ۱۲

کچھ آپ نے پیا اور پھر حضرت عائشہ کو دیا ان کو حیا دامن گیر ہوئی تو میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مت ہٹاؤ اور لے لو انھوں نے اسی شرم کی حالت میں لیا اور پیا پھر آپ نے فرمایا اپنی ساتھیوں کو دے دے عورتوں نے عرض کیا کہ ہم کو بھوک نہیں آپ نے فرمایا کہ اپنے پیٹ میں جھوٹ اور بھوک دونوں کو ساتھ مت جمع کرو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی چیز کو ہمارا دل چاہتا ہو اور ہم کہہ دیں کہ بھوک نہیں کیا یہ بھی جھوٹ میں داخل ہے آپ نے فرمایا جھوٹ جھوٹ ہی لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ اگر تھوڑا سا جھوٹ ہوگا تو وہ تھوڑا سا لکھا جائے گا اور اہل ورع میں اس جیسے جھوٹ میں بھی تسامح سے بچتے تھے، چنانچہ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں اتنا کیچڑ رہتا تھا کہ باہر بھی آجاتا تھا لوگ ان سے عرض کرتے کہ آپ اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیئے آپ کہتے کہ طبیب کے قول کو کیا کروں اور اس نے کہا ہے کہ آنکھوں کو ہاتھ مت لگاؤ یعنی وعدہ جو معالج سے ہاتھ نہ لگانے کا کر چکا ہوں وہ خلاف ہو جائے گا اب ہم کہتے ہیں کہ واقع میں اہل ورع اسی طرح حفاظت اپنی زبان کو فرماتے ہیں اور جو شخص حفاظت کو ترک کرے گا اس کی زبان بے اختیار جھوٹ میں مبتلا ہوگی اور اس کو خبر بھی نہ ہوگی خوات تیمی فرماتے ہیں کہ ربیع بن خثیم کی بہن میرے لڑکے کی عیادت کو آئیں اور اس پر جھک پڑیں اور پوچھنے لگیں کہ بیٹا کیا حال ہے بس ان کے بھائی ربیع نے ان سے پوچھا کہ تم نے اس لڑکے کو دودھ پلایا ہے انہوں نے کہا نہیں انہوں نے کہا پھر تمہارا بیٹا کیسے ہوا یوں کیوں نہ کہا کہ بھتیجے کیسا ہے جو جھوٹ نہ ہوتا اور ایک عادت یہ بھی تھی کہ جو بات اپنے آپ کو نہ معلوم ہو اس میں کہتے ہیں کہ خدا جانتا ہے حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا کے نزدیک بڑے گناہوں میں سے ہے کہ جس کی بات نہ جانتا ہو اس کو کہے کہ خدا جانے نیز بعض لوگ جھوٹا خواب کہا کرتے ہیں یا اس میں کچھ اپنی طرف سے ملا کر کہتے ہیں اس میں بھی بڑا گناہ ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ[1] ان من اعظم الفریۃ ان یدعی الرجل الی غیر ابیہ او یری عینہ فی المنام مالم یرا و یقول علی مالم اقل۔ اور دوسری حدیث میں ہے[2] من کذب فی الحلم کلف یوم القیمۃ ان یعقد شعیرۃ ولیس بعاقدہ

غیبت اور اس کے ضمن میں تفصیلات

غیبت کی مذمت

اور دلائل شرعی سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی برائی کا ذکر فرمایا اور غیبت کرنے والے کو مردار کھانے والے کی مشابہت دی جیسا کہ ارشاد ہے

---

[1] ابی الدنیا در صمت وطبرانی در کبیر ۱۲ ح ۲۔ بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب ہو یا جو خواب میں نہیں دیکھا اس کو دیکھا ہوا ظاہر کرے یا کہے مجھ پر وہ حدیث جو میں نے نہیں کہی ۱۲ بخاری بروایت واثلہ بن اشقع ۱۲ ح ۲۔ جو خواب میں جھوٹ بولے تو قیامت کے دن میں اس سے دو جو ن میں گرہ۔ لگائی جائے گی اور نہیں دے سکے گا بخاری بروایت ابن عباس ۱۲۔

ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۲] کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ اور عرض میں غیبت بھی آگئی مال اور خون کے ساتھ اس کو بھی خدائے تعالیٰ نے اکٹھا فرما دیا اور حضرت ابوہریرہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں[۳] لاتحاسدوا ولا تباغضوا ولا یغتب بعضکم بعضاً کونوا عباد اللہ اخواناً۔ اور حضرت جابر اور ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔[۴] ایاکم والغیبۃ فان الغیبۃ اشد من الزنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کرکے تو آدمی اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرلیتا ہے اور غیبت والے کی مغفرت جب تک نہیں ہوتی جب تک جس کی غیبت کی ہے وہ نہ معاف کرے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ[۵] نے فرمایا کہ شب معراج کو میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا کہ اپنے چہرہ کو ناخنوں سے نوچ رہے تھے میں نے حضرت جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں انہوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے اور ان کی آبرو میں گفتگو کرتے تھے اور حضرت سلیمان بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں[۶] حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کوئی عمدہ شے بتلایئے جس سے مجھ کو فائدہ ہو آپ نے فرمایا کہ کسی اچھی بات کو حقیر نہ سمجھنا گو اتنی ہی کیوں نہ ہو کہ اپنے ڈول میں سے پیاسے کو برتن میں پانی ڈال دے اور یہ کہ اپنے بھائی مسلمان سے بکشادہ ملنا چاہیئے اور اس کے پیچھے اس کی غیبت نہ کرنی چاہیئے اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ نے خطبہ اس زور سے پڑھا کہ گھروں کی عورتوں نے بھی سنا اس میں فرمایا[۷] یامعشر من آمن بلسانہ ولم یومن بقلبہ ولا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتہم فانہ من تتبع عورۃ اخیہ تتبع اللہ عورتہ یفضحہ فی جوف بیتہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ جو شخص غیبت سے توبہ کرکے مرے گا سب سے پیچھے جنت میں جائے گا اور جو بے توبہ مرے گا تو سب سے اوّل دوزخ میں جائے گا اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں تب تک کوئی افطار نہ کرے لوگوں نے روزہ رکھا اور جب شام ہوئی

---

[۱] اور غیبت نہ کرے بعض تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو کیا خوش لگتا ہے تم میں سے کسی کو یہ کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا اور وہ مردہ ہو سو گھن آئے تم کو اس سے ۱۲ [۲] مسلمان سب کا سب مسلمان پر حرام ہے اس کا خون اور مال اور عزت سب حرام ہیں ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہؓ۔ [۳] آپس میں حسد نہ کرو نہ بغض کرو نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو اور ہو جاؤ بندو بھائی ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ وانس مختصراً ۱۲ [۴] بچو تم غیبت سے کہ غیبت سخت تر ہے زنا سے ۱۲ ابن ابی الدنیا درصمت وابن حبان درضعفا وابن مردویہ درتفسیر ۱۲ [۵] ابو داؤد نے نقل کی ہے ۱۲ [۶] ابن ابی الدنیا [۷] اے گروہ ان لوگوں کے کہ زبان سے ایمان لائے ہو اور دلوں سے ایمان نہیں لائے مسلمانوں کی غیبت مت کرو اور نہ ان کی غیبت کے درپے ہو اور جو کوئی اپنے بھائی کی غیبت کے درپے ہوتا ہے خدا تعالیٰ اسکے درپے ہوتا ہے اور جس شخص کی غیبت کے درپے خدا تعالیٰ ہوتا ہے اس کو اس کے گھر کے اندر رسوا کرتا ہے ۱۲ ابن ابی الدنیا نے اسی طرح نقل کیا ہے مگر اس کی سند میں مصعب بن مسلم مختلف فیہ ہے ابو داؤد نے بروایت ابوہریرہ یہ سند جید نقل کی ہے ۱۲

تو آپ کی خدمت میں ایک ایک آدمی نے آنا شروع کیا اور عرض کرتے گئے میں نے روزہ رکھا تھا مجھ کو اجازت افطار کی ہو آپ اجازت دیتے گئے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتیں ہیں کہ انہوں نے بھی روزہ رکھا تھا ان کو آپ اجازت دیں تو افطار کریں آپ نے منہ پھیر لیا اس نے دوبارہ عرض کیا دوبارہ بھی منہ پھیر لیا اس نے پھر عرض کیا آپ[1] نے فرمایا کہ انہوں نے روزہ نہیں رکھا جو آدمی دن بھر لوگوں کا گوشت کھائے اس کا روزہ کیسے ہو گا تو جا کر ان سے کہہ دے کہ تمہارا روزہ ہے تو قے کرو اس نے ان عورتوں کو حضرت کا حکم سنایا انہوں نے قے کی تو ہر ایک کے منہ سے جما ہوا خون نکلا اس نے آ کر آپ کی خدمت میں ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میرا دم ہے اگر یہ خون کے لوتھڑے ان کے پیٹوں میں رہ جاتے تو ان کو دوزخ کھا جاتی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آپ نے منہ پھیر لیا تو وہ شخص دوبارہ آگیا اور عرض کیا بخدا وہ عورتیں قریب المرگ ہیں آپ نے فرمایا ان کو یہاں بلا لا جب وہ آئیں تو آپ نے ایک بڑا بادیہ منگا کر ایک کو ان میں سے کہا کہ اس میں قے کر اس نے پیپ اور خون کی قے کی یہاں تک کہ بھر گیا پھر دوسری سے کہا کہ قے کر اس نے بھی ویسی ہی قے کی آپ نے فرمایا ان دونوں نے جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اس سے تو روزہ رکھا اور جس کو حرام کیا تھا اس سے افطار کیا ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر لوگوں کا گوشت کھانا شروع کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ذکر سود کا فرمایا اور ارشاد کیا اگر ایک درم سود کا آدمی لے تو خدا کے نزدیک گناہ میں چھتیس زنا سے بڑھ کر ہے اور ہر سود سے بڑھ کر مسلمان آدمی کی آبرو ہے[3] اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ[7] ہم آپ کے ساتھ ایک سفر میں تھے پس آپ دو قبروں پر گزرے کہ جن کے مردوں کو عذاب ہو رہا تھا آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے کوئی بڑا گناہ نہیں کیا تھا اور عذاب ہوتا ہے ایک تو لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ پھر آپ نے ایک تر لکڑی یا دو منگا کر ان کو توڑا اور دونوں قبروں پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی اور جب آنحضرت[ؐ] نے ماعز کو زنا کے باعث سنگسار کیا تھا ایک آدمی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس کو کتے کی طرح اسی جگہ مار ڈالا پھر راہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مردار پر ہوا تو ان دونوں شخصوں سے فرمایا کہ اس میں دانت لگاؤ انہوں نے عرض کیا کہ مردار پر ہم دانت ماریں آپ نے فرمایا کہ جو ذکر ماعز کا تم نے کیا تھا وہ تو اس سے بھی زیادہ برا تھا غرض کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں بکشادہ پیشانی ملتے اور غیبت کسی کی نہ کرتے اور غیبت نہ کرنے کو افضل اعمال جانتے اور اس کے خلاف کو عادت منافقین تصور کرتے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں جو آدمی

ح[1] ابن ابی الدنیا در صمت و ابن مردویہ در تفسیر بروایت یزید رقاشی عن انس اور یزید ضعیف ہے ۱۲ ح[2] احمد و بیہقی بروایت عبید مولی رسول اللہ صلعم اور اس میں ایک راوی کا نام نہیں ۱۲۔ ح[3] ابن ابی الدنیا بسند ضعیف

دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھاتا ہے تو آخرت میں بھی اس کے سامنے وہی گوشت پیش کیا جائیگا اور حکم ہوگا کہ کہ جیسا زندگی میں تو نے کھایا تھا اب بھی کھا تو ناچار کھائے گا اور منہ بنائے گا چلا جائے گا اور یہ مضمون آنحضرت صلی علیہ وسلم سے بھی مروی ہے[۱] اور ایک بار دو آدمی مسجد کے کسی دروازہ کے پاس بیٹھے تھے کہ وہاں پر گزر ایک مخنث کا ہوا جس نے اپنا کام چھوڑ دیا تھا ان دونوں نے اس کو دیکھ کر آپس میں کہا کہ ابھی اس میں اثر مخنث پنے کا باقی ہے اتنے میں نماز کے لیئے تکبیر ہوئی یہ دونوں بھی جماعت میں شریک ہوئے مگر دل میں یہ خیال رہا کہ ہم نے اس شخص کی نسبت ایسا کلام کہا ہے نہ معلوم نماز ہوئی یا نہیں اس لیئے عطار رحمتہ اللہ علیہ سے یہ ماجرا کہا انہوں نے فرمایا کہ دوبارہ وضو کر کے پھر سے نماز پڑھو اور اگر روزہ بھی تمہارا تھا تو روزہ کو بھی قضا کرو اور ویل لکل ھمزۃ لمزۃ[۲] کی تفسیر میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمزہ سے وہ شخص مراد ہے کہ جو طعن واعتراض لوگوں پر کرے اور لمزۃ سے غیبت کرنے والا مراد ہے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کہ ہم کو ایسا پہنچا ہے کہ عذاب قبر کے تین حصہ ہیں ایک تہائی تو غیبت سے ہوتا ہے اور تہائی چغلی سے اور ایک پیشاب سے نہ بچنے سے اور حضرت حسن[۳] فرماتے ہیں کہ بخدا غیبت کا اثر مسلمان کے دین میں آکلہ کی بیماری کے اثر سے بھی زیادہ ہوتا ہے یعنی جیسا مرض آکلہ آدمی کے تن بدن کو کھا لیتا ہے ویسے ہی غیبت دین کو چٹ کرتی ہے اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ ہم نے سلف کو اسی حال پر پایا کہ نماز روزہ کسی کو عبادت نہیں سمجھتے تھے بلکہ ترک غیبت کو عبادت جانتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا دل چاہے کہ لوگوں کے عیب بیان کرو تو اپنے عیب یاد کرو اور بعضوں کا قول ہے کہ تم لوگ لوگوں کی آنکھ کا تو تنکا بھی دیکھ لیتے ہو مگر اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نہیں سوجھتا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے کہ اے ابن آدم حقیقت ایمان پر جب ہی پہنچے گا کہ جو برائی تجھ میں ہے اس پر دوسروں کو برا نہ کہے گا اور اپنی برائی کی اصلاح پہلے کرے گا اور جب پہلے اپنے نفس کی اصلاح مقدم جانے گا تو یہی شغل کافی ہے دوسروں کی طرف التفات کی نوبت بھی آنی مشکل ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب تر وہی بندہ ہے جس کا حال ایسا ہی ہو اور مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر مع حواریوں کے ایک مرے کتے پر ہوا تو حواریوں نے کہا کہ اس کتے میں سے کیا بری بو آتی ہے آپ نے فرمایا کہ اس کے دانتوں کی سفیدی کتنی تیز ہے اس سے گویا حضرت عیسیٰ نے کتے کی غیبت سے بھی ان کو منع فرمایا اور تنبیہ کی کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اچھی شے کے سوا اور کچھ ذکر نہ کرنا چاہیئے اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو سنا کہ دوسرے کی غیبت کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ خبردار غیبت مت کرنا یہ چیز ان لوگوں کا سالن ہے جو انسانوں میں سے کتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا ذکر

---

[۱] ابن ابی الدنیا در صمت اور حدیث صحیحین میں بھی بروایت ابن عباس منقول ہے مگر اس میں غیبت کے عوض چغلی مذکور ہے ۱۲ [۳] ابو داؤد ونسائی بروایت ابو ہریرہ رض۔ [۲] خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چین کی ۱۲۔

کیا کرو تاکہ اس سے شفا ملے لوگوں کا ذکر مت کیا کرو کہ اس میں روگ ہے اللہ ہم کو حسن توفیق عنایت فرمائے۔

غیبت کے معنی اور اس کی تعریف

غیبت کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے کا ایسا ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو برا جانے خواہ نقصان بدن کا ذکر ہو یا نسب کا یا خلق کا یا قول و فعل کا یا دین کا یا دنیا کا یا کپڑے اور گھر اور سواری وغیرہ کا بدن کا عیب تو یہ ہے کہ کسی کو یوں کہو کہ جس کی آنکھیں چندھی یا آنسو ڈھال یا بھینگی ہیں یا جو گنجا یا بونا یا کالا یا اور پہیلا وغیرہ جو ایسے عیب معلوم ہوں کہ اگر وہ سنے گا تو برا مانے گا اور نسب کا عیب اس طرح کہ اس کا باپ غلام ہے خواہ خسیس ہے یا بدکار یا موچی یا گوبر والا یا اور کسی مکروہ پیشہ والا ہے اور خلق کا عیب اس طرح کہ فلاں شخص بدمزاج ہے یا بخیل یا متکبر یا ریا کار یا غضب عہ آرا یا نامرد یا بزدلا یا اور کوئی ایسا لفظ ہی کہا جائے اور ان افعال میں عیب جو دین سے متعلق ہیں یوں ہوتا ہے کہ وہ چور جھوٹا شراب خور خائن ظالم ہے یا نماز زکوٰۃ میں سستی کرتا ہے یا رکوع و سجدہ اچھی طرح ادا نہیں کرتا یا نجاست سے نہیں بچتا یا والدین سے اچھا سلوک نہیں کرتا یا زکوٰۃ کو بے موقع صرف کرتا ہے یا اچھی طرح نہیں تقسیم کرتا یا روزہ میں جماع و غیبت لوگوں کی برائی کیا کرتا ہے اور جو افعال متعلق دنیا سے ہیں ان کا عیب اس طرح ہے کہ فلاں شخص ادب سے لوگوں کی تعظیم نہیں کرتا اپنا حق سب پر جانتا ہے اپنے اوپر کسی کا حق نہیں سمجھتا یا بڑا بکی ہے یا بسیار خوار یا سود ہے کہ بے وقت سو رہتا ہے اور بے موقع بیٹھ جاتا ہے اور کپڑے کے عیب اس طرح کہ اس کی آستینیں چوڑی ہے یا دامن لانبے ہیں یا کپڑے میلے رکھتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ دین کے باب میں جو کسی کو کچھ کہتے ہیں تو یہ داخل غیبت نہیں اس لئے کہ جس چیز کو خدا نے برا کہا ہے اس کی مذمت کرتے ہیں تو ایسے شخص کو گناہ کے باعث برا کہنے میں کیا خرابی ہے دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب ذکر اس عورت کا ہوا جو بہت روزہ نماز کیا کرتی تھی اور اس کے ساتھ ہی ہمسایوں کو اپنی زبان سے ستاتی تھی تو آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی اور اسی طرح ایک عورت کا ذکر آپ کے سامنے ہوا کہ وہ بخیلہ ہے آپ نے فرمایا کہ اس میں کچھ اچھی بات نہیں تو اگر اس قسم کی برائی ممنوع ہوتی تو آپ لوگوں کو منع فرما دیتے کہ ایسے الفاظ سے ذکر مت کیا کرو ہم کہتے ہیں کہ یہ قول و دلیل ان لوگوں کے لئے ٹھیک نہیں اس لئے اصحاب رضی اللہ عنہ جو لوگوں کا ذکر ان الفاظ سے آپ کے سامنے کرتے تھے تو ان کی غرض یہ نہ تھی کہ ان کا ہتک یا برائی ہو بلکہ تحقیق مسائل منظور ہوتی تھی اور سوا مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی جگہ اس کی ضرورت نہ تھی اس واسطے صرف اسی مجلس ایسا ذکر تحقیق کے لئے ہو جاتا ہے اور ان امور کے غیبت میں داخل ہونے کی یہ سند ہے کہ تمام علما امت کا اجماع ہے کہ دوسرے آدمی کو ایسا کہنا کہ وہ سنے تو برا مانے اسی کا نام غیبت ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی تعریف میں ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے اور یہ بھی جب ہے کہ جو بات کسی کی بیان کی ہے اور اس میں موجود ہو تو ایسی بات کہنے سے

عہ۔ عربی کی اصل میں شدید الغضب کا لفظ ہے یعنی بہت غصے والا ۱۲ سید صدیق احمد عفی عنہ۔ ۱۲ ا؎ ابن حبان و حاکم بروایت ابو ہریرہؓ۔ ۱۲ ۲؎ خرائطی در مکارم اخلاق بروایت امام باقر عن ابیہ مرسلاً ۱۲

غیبت کا بھی مرتکب اور خدا کا نافرمان اور اپنے بھائی کا گوشت کھانے والا بھی ہوگا اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ غیبت کس کو کہتے ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ[1] ذکرک اخاک بما یکرھہ لوگوں نے عرض کیا کہ جو بات کسی کی کہی جائے اگر اس میں ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ بات اس میں ہو تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے اور حضرت معاذ[2] بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا تو لوگوں نے کہا کہ وہ بڑا عاجز ہے آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کی غیبت کی انہوں نے عرض کیا کہ حضرت جو بات اس میں تھی ہم نے تو وہ بیان کی ہے آپ نے فرمایا کہ اگر ایسی بات کہتے ہو جو اس میں نہ تھی تو بہتان کرتے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت[3] عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا اور بیان کیا کہ وہ چھوٹے قد کی ہے۔ آپ نے ان کو فرمایا کہ تو نے اسکی غیبت کی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسرے کا ذکر کرنا تین طرح ہوتا ہے۔ غیبت اور بہتان اور افک اور ہر ایک کتاب اللہ عزوجل میں موجود ہے غیبت تو ایسی چیز کو کہتے ہیں کہ جو بات دوسرے میں ہو اس کو بیان کریں اور بہتان یہ ہے کہ جو بات اس میں نہ ہو اسے بیان کریں اور افک یہ ہے کہ جیسا سنیں ویسا کہہ دیں اور ابن سیرین رحمہ اللہ نے ایک آدمی کا ذکر کیا تو منہ سے وہ کالا آدمی نکل گیا تو کہا کہ استغفر اللہ میں نے اس کی غیبت کی اور ایک بار حضرت ابراہیم[4] نے یک چشم کا ذکر کیا تو نخعی کہتے ہیں کہ اپنا ہاتھ آنکھ پر رکھ لیا اور یک چشم نہ کہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کسی کی غیبت مت کرو میں نے ایک عورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہہ دیا تھا کہ اس کے دامن لمبے لمبے ہیں آپ نے فرمایا کہ تھوک تھوک میں نے جو تھوکا تو منہ سے ایک گوشت کا لوتھڑا نکلا۔ اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ غیبت زبان سے کہنے پر ہی موقوف نہیں بلکہ جس طرح دوسرا شخص کسی کا عیب سمجھ جائے وہ غیبت ہی میں داخل ہے خواہ کنایہ اور رمز سے ہو یا حرکت و فعل سے یا تصریح و قول سے پس سب حرام و ناجائز ہیں چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار ایک عورت آئی اور جب وہ چلی گئی تو میں نے اپنے ہاتھ سے اس کے قد کا اشارہ کیا کہ کوتاہ قد کی تھی یعنی بونی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اس کی غیبت کی اور اسی میں داخل ہے اگر لنگڑے آدمی کی نقل کرے اور خود اس کی چال چلنے لگے بلکہ نقل کرنا غیبت سے بڑھ کر ہے اس لیئے کہ اس سے زیادہ تر صورت دوسرے شخص کے ذہن میں آتی ہے گویا تصویر پیش نظر ہو جاتی ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ ایک عورت کی نقل کی تو آپ نے فرمایا کہ[7] مایسرنی انی حاکیت ولی کذا و کذا۔

---

[1] مسلم بروایت ابوہریرہ رضی ۱۲ [2] ترجمہ تیرا ذکر کرنا اپنے بھائی کو ایسی بات سے کہ اس کو بری معلوم ہو ۱۲ [3] ترجمہ طبرانی بسند ضعیف ۱۲ [4] ع ابوداؤد و ترمذی بلفظ دیگر اور مصنف نے جو حذیفہ سے سند لکھی ہے صحیح نہیں ابو حذیفہ جس کا نام سلمہ بن صہیب ہے ۱۲ [5] ترجمہ ابن ابی الدنیا ابن مردویہ اور اس کی سند میں ایک عورت ہے جس کا حال مجھے معلوم نہیں [6] ترجمہ ابن ابی الدنیا و مردویہ بروایت حسان بن مخارق عن عائشہ رضی ۱۲ [7] ترجمہ نہیں خوش آتا ہے مجھ کو یہ نقل اتاروں کسی کی اور مجھ کو اتنا اچھا ملے یعنی گو کوئی کتنا ہی کچھ دے مجھ کو نقل کرنی بری معلوم ہوتی ہے گیا ہوس آفت میں گزری ۱۲

اور یہی حال لکھنے کا ہے کہ قلم بھی نصف زبان ہے پس اگر کوئی مصنف ایک شخص معین کی نسبت کچھ برا لکھے یا اس کا کلام کتاب میں نقل کرے تو غیبت میں داخل ہے مگر اس صورت میں کہ کوئی وجہ یا عذر لکھ دے جیسا کہ آگے اس کا بیان آتا ہے ہاں اس طرح پر کہنا کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں داخل غیبت نہیں غیبت اسی کا نام ہے کہ شخص معین کی طرف اشارہ پایا جائے خواہ زندہ ہو یا مردہ اور یہ بھی غیبت ہی ہے کہ اس طرح کہے جس سے آج ملاقات ہوئی تھی یا جو شخص ہمارے پاس آیا تھا وغیرہ بشرطیکہ مخاطب اس سے شخص معین سمجھے کیونکہ مقصود یہی ہے کہ مخاطب سمجھ جائے یہ مقصود نہیں کہ کسی طور خاص کے سمجھانے سے غیبت ہوتی ہے لیکن اگر شخص معین مخاطب کے ذہن میں نہ آئے گا تو ناجائز ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی آدمی کا فعل برا معلوم ہوتا تو فرماتے[1] کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسا کرتے ہیں معین کر کے کچھ نہیں فرماتے تھے پس کلام میں کوئی ایسا لفظ کہہ دینا کہ جس سے شخص معین ہی سمجھا جائے غیبت ہوگی اور سب سے زیادہ بڑی غیبت وہ لوگ کرتے ہیں جو پڑھے ہوئے اور ریاکار ہیں کہ مقصود بھی اپنا ظاہر کر دیں اور اچھے کے اچھے بنے رہیں اور لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ غیبت نہیں کرتے حالانکہ وہ خود جہالت سے نہیں جانتے کہ دو خطا کے مرتکب ہوئے غیبت کی غیبت سر رہی اور ریا اس پر علاوہ ہوا مثلاً کسی شخص کا ذکر ان کے سامنے ہو تو کہتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ ہم کو حکام سے غرض نہیں ڈالی نہ ان کے سامنے دنیا کے واسطے ذلیل کیا یا یوں کہتے ہیں بے شرمی سے بھی خدا بچائے تو ان الفاظ سے غرض یہی ہوتی ہے کہ دوسرا شخص معیوب ہے مگر اس کو شکر اور دعا کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اور بعض اوقات اس شخص کی مدح بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص کتنا اچھا ہے افعال درست سب میں عبادت میں چست مگر ایک ایسی ہی بلا میں مبتلا ہے کہ ہم سب کے سب اس میں گرفتار ہیں وہ یہ ہے کہ کم صبر کرتا ہے پس اول اپنے نفس کو ذکر کر لیتے ہیں اور اس کے ضمن میں غرض صرف دوسرے کی مذمت ہوتی ہے اور اپنے آپ کو صلحا سے مشابہ کرنا تو اس صورت میں تین خطا جمع ہو جاتی ہیں غیبت اور ریا اور اپنے نفس کو صاف جاننا اور خود یہی سمجھتے ہیں کہ ہم نیک ہیں کسی غیبت سے سروکار نہیں رکھتے اسی بنا پر جو آدمی بے جانے عبادت کرتے ہیں شیطان ان کو مسخرا بنا لیتا ہے ان کو لاعلمی کے سبب کچھ خبر نہیں ہوتی وہ جس طرح چاہتا ہے ان پر ہنستا ہے اور ان کے اعمال کو اپنے فریب سے گھیر لیتا ہے اور اسی میں یہ بھی ہے کہ کسی جلسہ میں ایک آدمی کے عیب کا ذکر کرتے ہیں اور بعض شخص اس پر کان نہیں دھرتے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ سبحان اللہ عجیب وغریب بات ہے تاکہ لوگ خوب متوجہ ہوں اپنے خبث باطن کے اظہار میں خدا کا نام لیا جاتا ہے اس کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں وہ تو دلوں کی بات جانتا ہے کہ ان کی غرض ہے اور بعض اوقات کہتے ہیں کہ ہمارے دوست پر جو حال یہ گزرا ہم کو نہایت رنج ہوا کہ ان کی سبکی ہوئی خدا تعالیٰ اس کو اس کے عوض راحت دے تو غم کا دعویٰ اور دعا کا اظہار دونوں جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ اگر دعا کا قصد ہوتا

---

[1] ابوداؤد بروایت عائشہ مگر اس میں معین نہ کرے گا مذکور نہیں ۱۲۔

تو خلوت میں بعد نماز اس کے لیئے دعا کرتے اور واقع میں اس کے رنج سے رنج ہوتا تو بعض چیز کے اظہار سے اس کو برا لگے وہ کیوں ظاہر کرتے اسی طرح کبھی کہتے ہیں کہ وہ بے چارہ بڑی آفت میں پھنس گیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اور ہم کو دونوں کو توبہ نصیب فرمائے ظاہر میں تو یہ دعا ہے مگر اللہ تعالیٰ خبث باطن پر خوب مطلع ہے کہ دل میں کیا بھرا ہے مگر ان کو جہالت کے باعث معلوم نہیں ہوتا کہ یہ امر جاہلوں سے بڑھ کر ہے اور غیبت کو سن کر تعجب کرنا بھی غیبت ہے اس لیئے کہ تعجب کرنے سے غیبت کنندہ خوش ہوتا ہے اور زیادہ کہنے کو تیار ہوتا ہے مثلاً جب کسی نے دوسرے کا عیب بیان کیا اور سننے والے نے کہا کہ بھائی ہم اس کو ایسا نہیں جانتے تھے آج تک ہم کو اس کی نسبت اور ہی کچھ خیال تھا یہ تم نے عجیب حال اس کا سنایا خدا بچائے پس اس سے وہ شخص غیبت کنندہ اور ویسی ہی باتیں اس کی کرنے لگتا ہے کہ زیادہ موجب تعجب ہو گا اور یہ بھی ہاں جی ہاں کہنے لگتا ہے غرضکہ غیبت کا سننا اور تصدیق کرنا بھی داخل غیبت ہے بلکہ جو چپکا سنا کرے وہ بھی شریک غیبت ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے[1] المستمع احد المغتابین اور ایک بار حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ میں سے ایک نے دوسرے سے ذکر کیا کہ فلانا شخص بڑا سوتا ہے پھر دونوں صاحبوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹی کے لیئے سالن مانگا آپ نے فرمایا سالن تو تم لے چکے انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو تو معلوم نہیں کب لیا آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی مسلمان کا گوشت کھا چکے دیکھو باوجودیکہ وہ کلمہ ایک صاحب نے فرمایا تھا مگر آپ نے دونوں کو شریک کیا اسی طرح ماعزؓ کے رجم میں جب دو شخصوں نے کہا تھا کہ کتے کی طرح اسی جگہ مارا گیا تو آپ نے مردار دیکھ کر دونوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ اس میں دانت مارو حالانکہ کہنے والا ایک ہی تھا دوسرا سنتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ سننے والا بھی غیبت کے گناہ میں شریک ہے مگر اس صورت میں کہ زبان سے کہنے والے کو منع کر دے اور زبان سے اگر منع کرنے سے خوف ہو تو دل میں برا سمجھے اور اگر آپ اس مجلس میں سے اٹھ سکتا ہے یا کہنے والے کو دوسری بات میں لگا سکتا ہے مگر یہ دونوں باتیں نہ کیں تو گناہ بیشک ہو گا اور اگر زبان سے تو منع کیا لیکن دل میں خواہش سننے کی رہی تو اس کا نام نفاق ہے گناہ سے جبھی بچے گا جب دل سے برا سمجھے گا اور منع کرنے میں اسی قدر کافی نہیں کہ ہاتھ سے یا ابرو یا آنکھ کے اشارہ سے روک دے اس میں سہل انگاری سی معلوم ہوتی ہے بلکہ یوں چاہیئے کہ بخوبی منع کرے کہ خبردار ایسا مت کرنا حدیث شریف میں وارد ہے[3] من اذل عندہ مومن فلم ینصرہ وھو یقدر علی نصرہ اذلہ اللہ یوم القیٰمۃ علی رءوس الخلائق اور حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ آپ

---

[1] سننے والا بھی ایک غیبت کرنے والوں کا ہے ۱۲ طبرانی نے بروایت ابن عمر بہ سند ضعیف استماع غیبت کی ممانعت نقل کی ہے [2] ابو العباس فضولی اور اسباب بروایت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ مرسلاً ۱۲ [3] اوپر گزری ۱۲۔ [4] جس شخص کے پاس کوئی ایماندار ذلیل کیا جائے اور وہ اس کی مدد نہ کرے اور مدد کرنے پر قادر ہو تو اس کو خدا تعالیٰ قیامت کے روز ذلیل کرے گا ۱۲ احمد و طبرانی بروایت سہل بن حنیف اور اس کی سند میں ابن ابی لیعہ ہے ۱۲۔

نے فرمایا[۱] من ذب عن عرض اخیه بالغیب کان حقا علی اللّٰه ان یذب عن عرضه یوم القیٰمة اور فرمایا کہ[۲] من ذب عن عرض اخیه بالغیب کان حقا علی اللّٰه ان یعتقه من النار اور غیبت کے وقت مسلمان کی نصرت کے باب میں اور اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں جن کو ہم باب آداب صحبت اور حقوق اسلام میں بیان کر چکے ہیں اب اعادہ کرنا امر زائد ہے

غیبت کے اسباب

جاننا چاہیئے کہ غیبت کے سبب بہت ہیں مگر گیارہ سبب میں وہ سب آجاتے ہیں آٹھ تو ان میں عوام کے حق میں عام ہیں اور تین دینداروں کے لیئے خاص ہیں آٹھ سببوں میں سے اوّل یہ ہے کہ غصہ کے وقت دل کے پھپھولے توڑنا منظور ہوں یعنی جب کوئی ایسا سبب ہو جائے کہ آدمی کو دوسرے پر غصہ آئے تو ہیجان غضب میں اس کی برائی کرنے لگتا ہے اور دل کی کسر نکالتا ہے یہ امر اقتضائے طبع سے ہوتا ہے بشرطیکہ دین کا تعلق نہ ہو اور کبھی بظاہر برا نہیں کہتا مگر دل میں کینہ رہتا ہے اس سے گویا آئندہ کو ہمیشہ کے لیئے برا کہنے کی بنا پڑ جاتی ہے پس کینہ اور غضب دونوں غیبت کے بڑے سببوں میں سے ہیں دوسرا سبب اوروں کی دیکھا دیکھی اور یاں میں ہاں ملانا ہے مثلاً اگر اپنے رفیق اور اہل جلسہ کسی کی برائی کریں تو اس وقت یہ سمجھتا ہے کہ اگر ان کی طرح نہ کہوں گا تو یہ ناراض ہو جائیں گے یا مجھ کو برا سمجھیں گے اور کنارہ کشی کریں گے تو ان کی سی بھی یہ بھی کہنے لگتا ہے اور اس امر کو حسن معاشرت اور ملنساری جانتا ہے تو جب وہ غصہ کی حالت میں کسی کو برا کہتے ہیں یہ بھی غصہ میں ان کی دیکھا دیکھی کر کے برا کہنے لگتا ہے تیسرا سبب یہ ہے کہ پیش بندی منظور ہو یعنی جب کسی کو معلوم ہوا کہ یہ شخص کسی بڑے آدمی کے سامنے میری برائی کرے گا یا میرے خلاف گواہی دے گا تو پہلے ہی سے اس کی برائی کرنے لگے کہ پھر وہ اگر اس کی نسبت کچھ کہے تو شنوائی نہ ہو اوّل سے یہ بات مخاطب کے دل میں جم جائے کہ یہ آدمی لغو اور فضول گو ہے یا اول اول اس کے کچھ سچے حالات بیان کئے بعدہ جھوٹے معاملہ بھی اس کی طرف لگا کر کہدے تاکہ پہلے حالات کی طرح ان کو بھی مخاطب صحیح تصور کرے اور اس کا جھوٹا اور فریبی ہونا اس طرح سے مشہور ہو جائے اور اس کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ میری عادت جھوٹ بولنے کی نہیں مگر میں نے تم سے فلاں فلاں حال بیان کئے سب ویسے ہی نکلے جیسے میں نے کہے تھے چوتھا سبب یہ کہ کسی عیب سے اپنا بری ہونا مقصود ہوتا ہے تو اس وقت دوسرے شخص کا نام لے کر کہتا ہے کہ اس نے بھی ایسا ہی کیا یا وہ بھی میرے ساتھ شریک تھا میں اس میں معذور ہوں اور چاہیئے یوں تھا کہ اپنے آپ کوئی عذر بیان کرتا دوسرے کا نام نہ لیتا پانچواں سبب ارادہ فخر و مباہات ہے کہ دوسرے کے ناقص تبلانے سے اپنا افضل ہونا ثابت کرے مثلاً کسی کو یہ کہنا کہ وہ جاہل آدمی ہے اُس کی

---

[۱] جو شخص کہ حامی ہو اپنے بھائی کی عزت کا اس کی پیٹھ پیچھے واجب ہے خدا پر کہ اس کی ابرو کی حمایت فرما دے قیامت کے دن ۱۲ ابن ابی الدنیا اور حمت اور اس کی سند میں شہر بن حوشب ہے اور ترمذی نے اور طریق نے بالفاظ دیگر نقل کیا ہے [۲] جو شخص حامی ہو اپنے بھائی کی عزت کا اس کی پیٹھ پیچھے واجب ہے اللّٰہ تعالیٰ عزوجل پر کہ اس کو آزاد کرے آتش دوزخ سے ۱۲ احمد و طبرانی بروایت شہر بن حوشب عن اسماء بنت یزید ۱۲

اس کی سمجھ ابھی نہیں کلام پوچ کرتا ہے اس سے غرض یہی ہوتی ہے کہ ہم اس کی نسبت زیادہ جانتے ہیں یا یہ خوف ہوا کہ شاید میری سی تعظیم کہیں اس کی نہ ہونے لگے اس لیئے اس میں عیب نکالنے شروع کئے چھٹا سبب حسد ہے یعنی جب لوگوں کو دیکھا کہ کسی امر کی تعریف و تعظیم کرتے ہیں اور اس سے یہ محبت پیش آتے ہیں تو رگ حسد جوش کرتی ہے اور یہ دل چاہتا ہے کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے تو اور کچھ تو بن نہیں سکتا اس کے عیب ظاہر کرنا شروع کرتا ہے تاکہ لوگوں کے نزدیک اس کی عزت نہ رہے اور تعظیم و اکرام اور مدح سے باز آئیں اسی لیئے کہ تعریف کا سننا اور تعظیم ناگوار گزرتی ہے اس کا نام حسد ہے یہ غصہ اور کینہ کے علاوہ ہے کیونکہ غصہ اور کینہ میں تو یہ ہوتا ہے کہ دوسرا شخص کچھ اپنا بگاڑ کرتا ہے جب غصہ اور کینہ آتا ہے اور حسد بگاڑ پر موقوف نہیں دوست محسن اور رشتہ دار موافق پر بھی ہوا کرتا ہے ساتواں سبب کھیل اور دل لگی ہے کہ دوسرے کی برائی بیان کر کے ہنسنا اور ہنسانا اور وقت ٹالنا منظور ہوتا ہے آٹھواں سبب دوسرے کی حقارت کے لیئے اس کو بنا لینا مقصود ہوتا ہے اور یہ بسامنے اور پیٹھ پیچھے دونوں طرح ہوتا ہے اس میں اپنی بڑائی اور دوسرے کی ذلت منظور ہوتی ہے اور وہ تین سبب جو خاص لوگوں میں باعث غیبت ہوتے ہیں وہ بڑے دقیق و باریک ہیں خیر کے پہلو میں شیطان ان کو ڈالتا ہے ان میں خیر واقع ہوتی ہے مگر شیطان شر بھی خلط کر دیتا ہے پہلا سبب یہ ہے کہ دین کے باعث کسی کے قصور پر مطلع ہو کر تعجب معلوم ہوتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص سے ہم کو عجیب بات معلوم ہوئی ہر چند دیندار آدمی سے کسی کی خطا درحقیقت موجب تعجب ہوتی ہے مگر دوسرے شخص کو یوں چاہیئے تھا کہ تعجب تو کرتا مگر نام کسی کا نہ لیتا پس نام کا لوانا شیطان کا کام ہے اسی سبب سے یہ داخل غیبت ہو گیا اور نادانستہ گنہگار ٹھہرا اور اس میں یہ داخل ہے کہ کسی کو کہیں بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس جیسا شخص ایسی بدصورت عورت سے محبت کرے یا جاہلوں میں جا جا کر بیٹھے دوسرا سبب کسی کی خطا دیکھ کر رحم آنا اور رنج کرنا مثلاً جب کسی کو کسی امر معیوب میں مبتلا دیکھا براہ رحم کہا ہم کو اس کے حال پر بڑا افسوس ہے کہ وہ اس بلا میں گرفتار ہو گیا تو اگرچہ دعویٰ افسوس اس کی جانب سے صحیح ہے مگر چونکہ غم میں اس کا نام لے لیا انتہیٰ بھی بھول سے داخل غیبت ہو گیا پس ہر چند کسی مسلمان کے خطا دار ہونے سے غم میں اس کا غم کرنا اور رحم کھانا اچھی بات ہے لیکن شیطان نے اس میں یہ شرط بھی ملا دی کہ اس کا نام لے دیا بدون نام کے کہے بھی تو رنج و رحم و تعجب ممکن ہے مگر شیطان نے اس کے ثواب سے محروم رکھنے کے لیئے نام لوا دیا تیسرا سبب اللہ کے واسطے غصہ کرنا یعنی جب کسی آدمی کو بری بات کرتے دیکھا یا سنا گیا تو براہ حمیت دینی غصہ آتا ہے اس میں اگر اس کا نام لے کر غصہ کرے گا تو غیبت میں داخل ہو گا بلکہ واجب یہ ہے کہ امر معروف اور نہی منکر کے لیئے اظہار غضب خاص اس شخص پر کرے اس کی اطلاع دوسرے کو نہ ہو یا اظہار غضب کے وقت اس کا نام لے اور برا نہ کہے یہ تین سبب ایسے ہیں کہ ان کا معلوم ہونا عوام کو کیا علماء کو بھی بہت مشکل ہے کیونکہ ظاہر اسباب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعجب اور رحمت اور غضب جب اللہ کے واسطے ہوں گے تو تعیین نام میں ایک عذر قوی ہو گا حالانکہ یہ خطا ہے بلکہ

غیبت کے باب میں حاجات مخصوص ہیں کہ ان میں ذکر نام کی گنجائش نہیں جیسا کہ آگے مذکور ہو گا عامر بن واسلہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ایک مجمع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں گزرا اور ان کو سلام کیا سبھوں نے جواب سلام دیا جب وہ آگے بڑھا ایک آدمی نے مجمع میں سے کہا کہ مجھے اس شخص کے ساتھ بغض اللہ ہے لوگوں نے کہا یہ تم نے بہت برا کہا ہم اس کو مطلع کرتے ہیں اور اسی وقت ایک آدمی سے کہا کہ اس شخص سے جا کر کہہ دے کہ فلاں شخص تمہاری نسبت یوں کہتا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ شخص سنتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس شخص کا قول اپنی نسبت عرض کیا آپ نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ تو نے ایسا کلمہ اس کی نسبت کہا ہے اس نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا پھر وجہ بغض کیا ہے اس نے عرض کیا کہ میں اس شخص کا ہمسایہ ہوں اس کے حال کو خوب جانتا ہوں یہ شخص سوائے فرض نماز اور کوئی نماز نہیں پڑھتا اس نے عرض کیا کہ آپ یہ دریافت فرمائیے کہ فرض نماز میں میں نے کبھی دیر کی ہے یا وضو اچھی طرح نہیں کیا یا رکوع سجدہ برا کیا ہے جب آپ نے اس سے پوچھا تو عرض کیا کہ یہ بات تو نہیں ہوئی پھر عرض کیا کہ یا حضرت سوائے ماہ رمضان مبارک کے اور کبھی روزہ رکھتے میں نے نہیں دیکھا اور اس مہینے کے روزے تو اچھے برے سب ہی رکھتے ہیں اس نے جواب میں عرض کیا کہ آپ دریافت فرمائیے کہ میں نے کبھی کسی رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں یا کچھ روزوں کا حق ادا نہ کیا ہو آپ نے جو دریافت کیا کہا کہ یہ بات تو نہیں ہوئی پھر عرض کیا کہ میں نے اس کو کبھی سائل اور مسکین کو دیتے نہیں دیکھا اور نہ خدا واسطے کبھی خرچ کرتے دیکھا البتہ زکوٰۃ مال کی دیا کرتا ہے سو سبھی دیتے ہیں اس نے عرض کیا کہ آپ پوچھیں کہ کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے زکوٰۃ کم دی ہو یا وقت سے ٹال گیا ہوں آپ نے جو دریافت فرمایا اس نے عرض کیا کہ یہ بات تو کوئی بھی نہیں ہوئی پس آپ نے ارشاد فرمایا کہ چلا جا شاید یہی شخص تیری نسبت بہتر ہو اس سے بغض کیوں رکھتا ہے۔

غیبت سے بچنے کی تدابیر

جاننا چاہیئے کہ اخلاق بد کا علاج معجون علم و عمل سے ہوتا ہے اور ہر مرض کی دوا اس کے سبب کے خلاف ہوتی ہے یعنی سبب مرض اگر برودت ہو تو علاج حرارت سے ہو گا اور اگر حرارت ہے تو برودت سے اور چونکہ سبب غیبت کے اوپر مذکور ہوئے اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ روکنا زبان کا غیبت سے دو طرح ممکن ہے ایک طور تو اجمالی ہے اور دوسرا تفصیلی اجمالی تو یہ ہے کہ آدمی یہ یقین کرے کہ غیبت کے باعث غضب الٰہی میں گرفتار ہوں گا جیسے کہ اخبار و آثار سے معلوم ہوا اور یہ کہ اس کے باعث قیامت کے روز نیکیاں غیبت کنندہ کے پاس نہ ہوں گی تو دوسرے شخص کی برائیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور غضب الٰہی اس کے علاوہ رہا کہ خدا کے سامنے گویا یہ شخص مردار خوار ہے بلکہ اگر پلہ بدیوں کا جھک گیا تو دوزخی ہی ہوا فرض کرو کہ اس کی نیکیاں اور بدیاں برابر تھیں لیکن غیبت کے باعث اگر ایک نیکی دوسرے کو مل گئی یا ایک بدی ایک طرف آ ملی تو ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں پلہ بدیوں کا بھاری ہو جائے گا اور اس وقت نتیجہ بجز دوزخی ہونے کے اور کیا ہے اور کمتر درجہ یہ ہے کہ اعمال کا ثواب کم ہے یعنی جب مواخذہ اور باز پرس سوال و جواب و حساب و کتاب ہو چکے اور کچھ نیکیاں مثلاً باقی رہیں تو جتنا ثواب

اس کو بے غیبت ان کے عوض ملتا غیبت ہونے سے اتنا نہیں ملیگا حدیث شریف میں آیا ہے (1) ماالنار فی الیبس یاسرع من الغیبۃ فی حسنات العبد ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کسی نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میں نے یوں سنا ہے کہ آپ میری غیبت کیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میری نظروں میں تمہاری ایسی قدر نہیں کہ اپنی نیکیاں تم کو حوالہ کروں غرضکہ جب آدمی ان احادیث کو جو غیبت کے باب میں وارد ہیں یقین کرے گا تو ڈر کے مارے غیبت پر زبان نہ کھلے گی اور ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ جب غیبت کا خیال آئے تو اپنے نفس میں فکر کرے کہ کوئی عیب مجھ میں بھی ہے یا نہیں اگر کوئی عیب پائے تو اس کے دور کرنے میں مشغول ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کو یاد کرے (2) طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس اور جب آدمی میں خود عیب ہو تو چاہیئے کہ اس امر کی شرم کرے کہ اپنے نفس کو تو برا نہ کہے اور ان کو برا کہے بلکہ یہ جان لے کہ جیسا مجھ سے اپنے نفس کا عیب دور نہ ہو سکا ویسا ہی یہ شخص مجبور ہو گا ورنہ خود افضیحت و دیگرے را نصیحت کے کیا معنی اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ دوسرے شخص میں عیب اس قسم کا ہو جو اس کے فعل اور اختیار سے ہوا ہو ورنہ اگر کوئی امر جبلی خواہ اعضائے ظاہری میں ہو گا تو اس پر برا کہنا تو خالق کو برا کہنا ہے معاذ اللہ منہا جیسا کہ منقول ہے کہ ایک شخص نے حکیم سے کہا کہ اے بدصورت اس نے جواب دیا کہ صورت کا بنانا میرے اختیار میں ہے کہ میں اس کو اچھا کر لیتا ۔ اور اگر اپنے نفس میں کوئی عیب نہ پائے تو خدا کا شکر کرے اور غیبت میں جو سب سے بڑا عیب ہے مبتلا نہ ہو مردار کے گوشت کھانے سے زیادہ برائی کونسی ہو گی پس اگر اپنے آپ کو عیبوں سے صاف جانتا ہے تو زبان کو اس غلیظ اور کثیف چیز میں بھی آلودہ نہ کرے اور اگر بنظر انصاف دیکھو تو کوئی عیب سے خالی نہیں اگر کوئی اپنے آپ کو عیب سے پاک تصور کرے یہ محض حماقت اور نادانی ہے پس یہی بہتر ہے کہ دوسروں کی غیبت کے وقت اپنے نفس کی اصلاح کیا کرے اور ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ یہ خیال کرے کہ اگر کوئی شخص میری غیبت کرے تو مجھ کو کتنا برا معلوم ہو گا اسی طرح اگر میں دوسرے کی غیبت کروں گا تو اس کو بھی ویسا ہی رنج ہو گا پس جیسا یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی غیبت کوئی کرے ایسا ہی اس کو بھی ناپسند کرنا چاہیئے کہ خود دوسرے کی غیبت کا مرتکب ہو یہ تدبیر یں اجمالی تھیں اور معالجہ تفصیلی اس طرح ہے کہ جونسا سبب غیبت کا ہو اسی کو دور کرنا چاہیئے اس لیئے کہ بیماری جبھی دور ہوتی ہے جب اس کا سبب منقطع ہو جاتا ہے پس اگر سبب غیبت کا غضب ہو تو اس سے اس طرح بچنا چاہیئے کہ دل میں یوں تصور کرے کہ اگر میں اس پر غصہ نکالوں گا تو خدا تعالیٰ غیبت کے سبب مجھ پر غصہ نکالے گا اس لئے کہ اس نے فرما دیا تھا مگر میں نے اس کی حکم عدولی کی اور اس کے روکنے کی کچھ حقیقت نہ سمجھی اور حدیث شریف میں ہے (3) ان لجھنم بابا لایدخل منہ الامن شفی غیظہ بمعصیۃ اللہ تعالیٰ

---

(1) آگ خشکی میں اتنی جلدی نہیں لگتی جتنی غیبت بندے کے حسنات کو خشک کرتی ہے ۱۲ اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی (2) خوشخبری ہے اس کو جس کو اپنا عیب لوگوں کے عیب سے مانع ہو بزاز بروایت انس رضی اللہ عنہ بسند ضعیف ۱۲ (3) دوزخ کا ایک دروازہ ہے نہیں داخل ہو گا اس میں مگر وہ کہ نکالے اپنا غصہ خدا کی نافرمانی میں ۱۲

[illegible] ابن ابی الدنیا و بیہقی بروایت ابن عباس بسند ضعیف

اور فرمایا[ح۱] من اتقی ربہ کل لسانہ ولم یشف غیظہ اور فرمایا کہ جو شخص غصہ نکالنے پر قادر ہو کر اس کو پی جائے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سب لوگوں کے سامنے اس کو بلا کر ارشاد فرمائے گا کہ حوروں میں سے کونسی چاہے پسند کرے اور بعض انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں میں ہے کہ خداوند جل وعلیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم جب تو غصہ کرے مجھ کو یاد کیا کر میں اپنے غصہ کے وقت تجھ کو یاد کروں گا یعنی تباہ کاروں کے ساتھ تجھ کو تباہ نہیں کروں گا اور اگر باعث غیبت یار آشناؤں کی موافقت اور دیکھا دیکھی ہو تو یوں جاننا چاہیئے کہ جس بات سے خدا ناخوش ہے اس میں اگر مخلوق راضی ہوئی تو کیا ہو گا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ بندہ دوسرے کی خاطر اپنے آقا سے بگاڑ کرے اور ایسا کرے کہ تو اس جیسا نادان اور نمک حرام کوئی نہیں ہاں یہ چاہیئے کہ غصہ اللہ کے واسطے ہو اور اس میں بھی اس بات کا خیال رہے کہ جس پر غصہ ہو اس کی نسبت کوئی کلمہ بیجا نہ نکلے بلکہ رفقا سے اگر کوئی کلام اس کی نسبت بیجا صادر ہو تو ان پر بھی غصہ کرے اس لیئے کہ وہ لوگ بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے جس کا نام غیبت ہے اور اگر باعث غیبت کا اپنے نفس کا پاک و بری کرنا ہے یعنی دوسرے کا نام کسی گناہ میں اسی لیئے لیتا ہے کہ لوگ اس کو بری تصور کریں اس خیال سے کہ ایسا کام اور اچھے لوگ بھی کرتے ہیں تو اس کا علاج یہ ہے کہ خیال کرے کہ مخلوق کی ناراضی کی نسبت خدا تعالیٰ کی ناراضی بہت سخت ہے اور غیبت کے سبب خدا تعالیٰ کی ناراضی تو قطعاً ہوتی ہے مگر جس مطلب کے واسطے غیبت کرتا ہوں وہ امر وہمی ہے اس لیئے کہ کیا معلوم ہے کہ لوگ بعد غیبت اس کو برا تصور کریں گے یا نہیں بہر صورت اس میں خدا تعالیٰ کا غصہ اور آخرت میں تباہ ہونا اور نیکیوں کا نقصان تو نقد اور حقیقت میں موجود ہے اور دنیا کے نزدیک سرخروئی ہے اور لوگوں کی زبان بندی ایک وہمی بات بمنزلہ ادھار کے ہے تو ایسے معاملہ میں سراسر جہالت و ذلت ہے اس کو کہنے سے کیا فائدہ کہ میں نے حرام کھایا تو کیا ہوا فلاں شخص بھی کھاتا ہے یا میں نے یہ قصور کیا تو تنہا نہیں ہوں فلاں شخص بھی ایسا ہی کرتا ہے اس لیئے کہ تقلید اور اقتدا ایسے ہی شخص کی مقبول ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق کام کرتا ہو اور اگر اس کے خلاف حکم کرے تو ایسے کی اقتدا ہرگز نہیں چاہیئے خواہ کوئی کیوں نہ ہو ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　که هرگز بمنزل نخواهد رسید

فرض کرو کہ کوئی آدمی جلتی آگ میں کود پڑے اور تم کو قدرت اس آگ سے بچنے کی حاصل ہو تو کبھی پہلے شخص کا ساتھ دو گے اور اگر دو گے تو بے وقوف کہلاؤ گے غور کرنے کی بات ہے کہ اپنا عذر بیان کرنے میں جو شخص دوسرے کا نام لیتا ہے تو اس کے ذمہ دو گناہ ہوتے ہیں ایک تو غیبت دوسرے اس گناہ کی زیادتی کیونکہ عذر گناہ بدتر از گناہ مشہور ہے پس ایسے شخص پر جہالت اور عبادت دونوں ختم ہیں اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی بکری ایک

ح۱ جو شخص تقویٰ کرتا ہے اپنے رب کا بند ہوتی ہے زبان اس کی اور نہیں نکالتا غصہ اپنا ۱۲ ابو منصور در مسند فردوس بروایت سہل بن سعد بہ سند ضعیف ۱۲

ح۲ ابوداؤد و ترمذی ابن ماجہ بروایت معاذ و انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔ ۱۲

بز کو ہی کو پہاڑ کی چوٹی سے گرتے دیکھ کر آپ بھی اس کے ساتھ گر پڑے اب اگر مثلاً اس کی زبان گویا ہو جائے اور اس گرنے کی وجہ یوں کہے کہ چونکہ بکرا مجھ سے زیادہ دانا تھا اور پہلے گرا تھا اس واسطے میں بھی گر پڑی تو بے شک سننے والے کو ہنسی آئے گی کہ کیسی جہالت کا جواب ہے مگر حضرت انسان کا بعینہ یہی حال ہے اپنے نفس پر ہنسی نہیں آتی کہ خطا کا عذر کیسا نامعقول کرتے ہیں اور اگر باعث غیبت یہ ہو کہ دوسرے کی نسبت اپنا فضل زیادہ ہو اور لوگ اس کی برائی سے آگاہ ہو کر اس کی تعظیم کم کریں تو اس کا علاج یہ ہے کہ غیبت کرنے سے جو مرتبہ خدا کے نزدیک تھا وہ تو جاتا رہا اب لوگوں کے نزدیک افضل ہونا احتمالی بات ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ بد اعتقاد ہو جائیں جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ شخص لوگوں کی برائی کرتا رہتا ہے بہر صورت اپنی قدر خدا کے ہاں کی یقیناً دے ڈالی اور دنیا کی عزت وہی کا خبدار ہوا اور اگر بالفرض لوگوں میں کچھ عزت و تعظیم ہوئی بھی تو قیامت میں کیا کام آئے گی وہاں کوئی اپنا یا بیگانہ کچھ نفع نہ کرے گا اور اگر غیبت کا سبب حسد ہو تو دو عذاب اور دوہری مصیبت اپنے اوپر لینا ہے دنیا میں تو حسد کے باعث جلتا رہے گا چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے ؎

حاسد کو ایک دم نہیں راحت جہان میں ؛ رنج و حسد ہے جان ہے جب تک کہ جان میں

اور اس پر بھی قناعت غیبت کر کے عذاب آخرت بھی گردن پر لیا اور خسر الدنیا والاخرۃ ہوا۔ ارادہ ؎ تو یہ کیا کہ دوسرے کا برا ہو مگر اپنا برا ہو رہا اور دوسرے کا شگون بد کے لیئے اپنی ناک کٹ گئی کہ نیکیاں اس کو ملیں گی خود اس کی خطائیں اپنے اوپر آئیں گی دونوں صورتوں میں گویا اس کے ساتھ تو دوستی ہوئی اور اپنے نفس کے ساتھ دشمنی اس کے سوا کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ حسد اور غیبت سے دوسرے کا فضل اور زیادہ مشہور ہو جاتا ہے تب اور زیادہ حماقت اور جہالت پر ندامت ہوتی ہے اور اگر باعث غیبت استہزا ہو تو جاننا چاہیئے کہ گو سردست ایک شخص خاطر خواہ بن جاتا ہے لوگوں میں رسوا ہوتا ہے مگر غیبت کرنے والا خدا کے نزدیک رسوا ہوتا ہے اور فرشتوں اور انبیاء کے سامنے ذلت اٹھاتا ہے پس اگر آدمی اس کے انجام کو سوچے کہ کس طرح کی حسرت اور ذلت اور خجالت قیامت کے دن اٹھانی پڑے گی جب دوسرے کے گناہ اس کے سر پڑیں گے اور یہ بھاری گٹھڑی لے کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو اس طرح کا خوف دل میں سمائے گا کہ پھر کسی آدمی کے بنانے کو دل نہ چاہے گا اس لیئے کہ دنیا میں دوسرے کو بنانا چند آدمیوں کے سامنے ہو گا اور قیامت کی رسوائی تمام خلق کے سامنے ہو گی اس وقت دوسرا شخص اپنے غیبت کنندہ کو دیکھے گا کہ گدھے کی طرح بوجھوں لدا ہوا دوزخ میں چلا جاتا ہے تو وہ اس رسوائی کو دیکھ کر خوش ہو گا اور کہے گا کہ ہنسی کا مزہ پایا دیکھ خدا نے میری کیسی مدد کی اور کیا بدلہ لیا اور اگر باعث رحمت غیبت کرنا ہے کہ دوسرے کے گناہ پر اس کو رحم آیا اس واسطے منہ سے غیبت نکلی تو رحم کھانا کسی کی مصیبت پر تو اچھا ہے مگر شیطان چونکہ انسان کا حاسد ہے وہ ایسا کلمہ منہ سے نکلوا دیتا ہے جس سے اس مرحوم کے گناہ کم ہو جائیں

ف اوپر آفت اللہ کی سخت سے ۱۲۔

اور غیبت کنندہ کے ذمہ پڑیں پس اس صورت میں اگر سچ پوچھو تو وہ مرحوم قابل رحم نہیں اس لیے کہ اس کی خطا کا نقصان غیبت کنندہ کی نیکیوں سے جاتا رہا بلکہ اب قابل رحم غیبت کنندہ ہے کہ بے چارے کو لینے کے دینے پڑے ثواب کا ثواب گیا اور نیکیاں کم ہوگئیں اسی طرح اگر غصہ اللہ کے واسطے کیا جاتا ہے تو موجب غیبت نہیں ہوتا مگر شیطان فریب دے کر اس غصہ کا ثواب کھونے کے لیئے منہ سے ایسی بات نکلوا دیتا ہے جو موجب نارضامندی خالق ہو اور تعجب سے جو غیبت آدمی کرتا ہے تو چاہیئے کہ اپنے نفس پر تعجب کرے کہ دوسرے کے دین میں دنیا کے واسطے کیسے اپنا دین برباد کر دیا اور اس پر طرہ یہ ہے کہ دنیا کے عذاب سے بھی بالکل امن نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جیسے اس نے دوسرے کا ہتک کیا خدا تعالیٰ اس کا کیا اس کے آگے لا دے اور یہ بھی ویسا ہی ہو جائے خلاصہ یہ کہ سب سببوں کا علاج صرف انجام کا جان لینا ہے کہ یہ باتیں مذکورہ بالا اس کے دل میں ٹھن جائیں پس جس کسی کا ایمان ان سب باتوں پر پکا ہوگا اس کی زبان بیشک غیبت سے باز رہے گی۔

دل سے غیبت کا حرام ہونا

واضح ہو کہ بدگمانی حرام ہے جس طرح کہ برا کہنا ناجائز ہے مثلاً جیسا دوسرے کی غیبت زبان سے ذکر نہ کرنی چاہیئے ویسا ہی یہ بھی نہ چاہیئے کہ دل میں اس کی طرف سے بدگمانی کرے اور بدگمانی سے ہماری غرض یہ ہے کہ دل سے قصداً دوسرے کو بد نہ سمجھنا چاہیئے اگر کسی کی برائی خواطر اور حدیث نفس کے طور گذر جائے تو وہ معاف ہے بلکہ شک بھی عفو میں داخل ہے ممنوع جو چیز ہے وہ ظن ہے یعنی دل کا میلان بدی کی طرف جس کے واسطے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[1] یاایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم[2] اور سوئے ظن کے حرام ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اسرار قلوب کو سوائے عَلّامُ الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا پس بندہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ دوسرے کی طرف سے بدی کو دل میں جمالے ہاں اس صورت میں بدی کا معائنہ ایسی طرح پر ہو جائے جس میں محل تاویل نہ رہے تو البتہ اس کے خلاف دل میں جمنا دشوار ہے مگر جب تک کسی کا حال نہ دیکھا ہو نہ سنا خواہ نہ خواہ دل میں اس کی طرف سے بدگمانی ہونا شیطان کا کام ہے ایسی صورت میں اس اعتقاد کو جھوٹا کرنا چاہیئے اور وسوسہ شیطانی کی تکذیب کے درپے ہونا چاہیئے یہ بڑا فاسق ہے اور فاسق کی خبر ماننے کا حکم نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یاایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجہالۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی خبر کو سچ نہ ماننا چاہیئے اگر اس کے ساتھ کچھ بات ایسی بھی ہو جس سے کہ یہ اعتقاد فاسد ٹھہرتا ہو یا خلاف کا احتمال نکلتا ہو تب تو بطریق اولیٰ سچ نہ ماننا چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ فاسق خبر سچ ہی کہتا ہو لیکن

---

[1] اے ایمان والو بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے مقرر بعض تہمت گناہ ہے [2] اے ایمان والو اگر آئے تمہارے پاس ایک گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جا نہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے ۱۲ حـ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون اور مال حرام کیا ہے اور یہ کہ اس پر گمان بد کیا جائے ۱۲ بیہقی در شعب بروایت ابن عباس و ابن ماجہ نحوہ بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۲۔

لیکن بلا تحقیق اس کی تصدیق کیسے ہو سکتی ہے فرض کرو کہ ایک شخص کے منہ سے شراب کی بو آتی ہے تو اس پر حد شراب کی جاری نہ ہو گی اسی لیئے یہ ہو سکتا ہے کہ شراب سے کلی کی ہو یا غرارہ کیا ہو یا زبردستی کسی نے منہ میں لگا دی ہو اور پیا نہ ہو پس احتمالات کے ہوتے ہوئے تصدیق قلبی کرنی اور مسلمان پر سوء ظن کرنا نہ چاہیئے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ[ح] ان اللہ حرم من المسلم دمہ ومالہ وان یظن بہ ظن السوء۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن دلیلوں سے مال اور خون مباح ہوتا ہے انہیں دلیلوں سے سوء ظن بھی مباح ہوتا ہے یعنی جب آنکھ سے دیکھ لے یا گواہ عادل سے ثابت ہو اور جب اس طرح نہ ہو اور بدگمانی کا خطرہ دل میں آئے تو اس کو نفس سے دور کرنا چاہیئے اور نفس کو کو سمجھانا چاہیئے کہ اس شخص کا حال تجھ سے آج تک مخفی رہا ہے اور جس وجہ سے تو اب سوء ظن کرتا ہے اس میں بھی احتمال ہے خیر و شر کا پس بے فائدہ شر کی طرف جانا اور اسی کا وسواس دل میں لانا کیا ضرور ہے اب اگر یہ کہو کہ شک تو آدمی کے دل میں خلجان کرتے ہی رہتے ہیں اور حدیث نفس بھی ہوتی ہی رہتی ہے تو ظن کو ہم کس طرح جانیں کہ اس چیز کا نام ظن ہے اور اس کی علامت بتانی چاہیئے تو معلوم کرو کہ ظن کے مستقل و مستحکم ہونے کی یہ علامت ہے کہ پہلے سے جس طرح کا اعتقاد ایک شخص کے ساتھ تھا ظن کے ہوتے وہ بات نہ رہے بلکہ اس سے کسی قدر نفرت دل میں سما جائے اور اگر پاس بیٹھے تو گراں معلوم ہو رعایت اور مہربانی و اکرام و تعظیم میں سستی کرنے لگے اور اگر وہ کچھ گناہ کرے تو اس کا رنج نہ ہو یہ نشان استحکام ظن کے ہیں ان سے جان لے کہ مجھ کو دوسرے کی نسبت سوء ظن ہے ایک حدیث شریف میں مذکور ہے[ح] ثلاث فی المومن ولہ منھن مخرج فمخرجہ من سوء ظن ان لا یحققہ یعنی سوء ظن سے نکال کی صورت یہ ہے کہ ظن کو ٹھہرنے اور جمنے نہ دے نہ دل میں نہ اعضاء ظاہری میں دل میں تو جمنے کی صورت تو یہ ہے کہ اس کے باعث نفرت اور کراہت کرنے لگے اور اعضائے ظاہری میں یہ صورت ہے کہ ان سے بھی اعمال دل میں ظن کے موافق صادر ہوا غرضکہ شیطان ادنی سی بات میں لوگوں کی برائی میں ڈال دیتا ہے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی تصور دل میں ڈال دیتا ہے کہ ہم نے کیا خوب جلد دوسرے کو جان لیا کیسے عقیل اور ذکی ہیں کیوں نہ ہو مومن کو تو خدا کے نور سے سوجھا کرتا ہے حالانکہ حقیقت میں شیطان کے دھوکے سے دیکھتا ہے اس کا اندھیرا آنکھوں میں چھایا ہوا ہے یہاں نور خدا کہاں البتہ کوئی گواہ عادل کچھ خبر سنائے اور دل اس کی تصدیق کی طرف مائل ہو تو معذور ہے اسی لیئے اس عادل کو جھوٹا سمجھے گا تو اس کی طرف سوء ظن ٹھہرتا ہے اور ازاں جا کہ ترجیح بلا مرجح ہو نہیں سکتی کہ ایک طرف کی سوء ظن ہو اور دوسرے کی طرف حسن ظن تو ایسی صورت میں آدمی کو چاہیئے کہ اس بات کی تلاش کرے ان دونوں میں عداوت یا حسد وغیرہ تو نہیں کہ تہمت کو دخل ہو اور تہمت کے باعث باپ اگرچہ

[ح] اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون اور مال حرام کیا ہے اور یہ کہ اس پر گمان بد کیا جائے ۱۲ بیہقی در شعب بروایت ابن عباس و ابن ماجہ نحوہ بروایت ابن عمر بسند ضعیف ۱۲ [ح] تین باتیں ہیں مومن میں اور اس کو ان سے نکال کی صورت ہے پس سوء ظن سے اس کی نکال کی صورت یہ ہے کہ اس کو جمنے نہ دے ۱۲ طبرانی بروایت حارثہ بن نعمان بسند ضعیف ۱۲

عادل ہو اس کی گواہی بیٹے کے نفع کے لیئے شرعاً جائز نہیں اور اس کے سبب دشمن کی شہادت غیر مقبول ہے پس جب تک اچھی طرح معلوم نہ ہو تب تک عادل کی خبر پر بھی توقف ہی چاہیئے نہ اس کو سچا جانے نہ جھوٹا بلکہ دل میں یہ سوچے کہ جس شخص کا حال اس نے کہا ہے اب تک اس کا بدستور سابق مجھ کو اس کا کچھ علم نہیں ہوا جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہے اور بعض اوقات آدمی ظاہر میں تو عادل ہوتا ہے اور اس میں اور دوسرے شخص میں عداوت وغیرہ بھی نہیں ہوتی مگر اس کی عادت اس طرح کی ہے کہ لوگوں کی برائی کیا کرتا ہے لوگ بظاہر اس کے اعمال کو دیکھ کر جانتے ہیں کہ یہ شخص عادل ہے مگر واقع میں عادل نہیں ہے اس لیئے کہ غیبت کرتا ہے اور غیبت کنندہ فاسق ہوتا ہے جس کی عادت غیبت کی ہوتی ہے اس کی گواہی نہیں چاہیئے کہ لوگوں کی غیبت کے باب میں ایسی سہل انگاری ہے کہ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے ایک دوسرے کی برائی کرتے رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جب کسی مسلمان کی طرف سوء ظن دل میں ہو تو آدمی کو چاہیئے کہ پہلے کی نسبت اس کی مراعات زیادہ کرے اور اس کے لیئے دعائے خیر کرے اس سے سوئے ظن جاتا رہے گا اور شیطان کو برا معلوم ہو گا پھر کبھی کسی طرف سے سوئے ظن دل میں نہ ڈالے گا اس ڈر سے کہ مبادا یہ اس کے لیئے دعا خیر اور زیادتی رعایت میں مصروف ہو جائے اور جب کسی شخص مسلمان کی لغزش دلیل سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس وقت چاہیئے کہ شیطان کے فریب میں آ کر اس کی غیبت نہ کرنے لگے بلکہ اس کو خفیہ نصیحت کرے اور نصیحت میں بھی یہ خیال رہے کہ اس بات کی خوشی ظاہر نہ ہو کہ ہم کو دوسرے کا دینی عیب معلوم ہو گیا اور ہم کو رتبہ وعظ و نصیحت حاصل ہوا ہمارا مرتبہ اس سے بڑا ہے اس کو ہماری تعظیم چاہیئے بلکہ جس طرح اپنے آپ میں کوئی نقصان دینی ہونے سے رنج ہوتا ہے ویسا ہی رنج کر کے یہ قصد کرے کہ یہ گناہ اس سے چھوٹ جائے اور بدل ہی اچھا معلوم ہو کہ بدون میری نصیحت کے وہ راہ راست پر آجائے جب اس طرح پر آدمی کام کرے گا تو تین ثواب کا مستحق ہو گا اول دوسرے کو نصیحت کرنے کا دوم اس کی خطا پر غم کرنے کا سوم دین پر اس کی مدد کرنے کا اور جاسوسی کرنا بھی سوء ظن کا نتیجہ ہے یعنی جب کسی کی طرف سے کچھ ظن ہوتا ہے تو دل کو اس پر قناعت نہیں ہوتی درپے تحقیق ہو کر اس کے حال کی جاسوسی کرتا ہے یہ بھی ممنوع ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] ولا تجسسوا ایک ہی آیت میں غیبت اور سوء ظن اور تجسس کو منع فرما دیا اور جاسوسی کے معنی ہیں کہ جو شخص مستور الحال ہے معلوم نہیں کہ کیا کرتا ہے اس کے حال کے دریافت کے درپے ہونا اور اس کے خفیہ واقعات کی تلاش میں پڑنا یہاں تک کہ اس کے ایسے حال معلوم ہو جائیں کہ وہ اگر نہ معلوم ہوتے تو دل و دین کے لیئے بہتر ہوتے اور حکم جاسوسی کا اور اس کی حقیقت مفصل باب امر بالمعروف میں گزر چکی ہے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

ح ترمذی بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی ممانعت میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ قرابت والے اور بیٹے کی گواہی سے منع فرمایا اور جو شخص دوسرے سے کینہ رکھتا ہو اس کی گواہی سے منع فرمایا ہے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

ف[۱] اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا ۱۲۔

غیبت کے درست ہونے کے اسباب

جاننا چاہیئے کہ اگر دوسرے شخص کی برائی بیان کرنے میں شرعاً کوئی مقصود صحیح ہو تو اس غیبت کا گناہ نہیں ہوتا اور وہ چھ باتیں ہیں اوّل ظلم کی دادرسی کے لیئے غیبت کرنی مثلاً مظلوم آدمی اگر حاکم اعلیٰ سے کہے کہ فلاں حاکم ادنیٰ نے میرے اوپر ظلم کیا یا خیانت کی یا رشوت لی تو داخل غیبت نہیں کیونکہ بدون اس کے دادرسی نہیں ہوگی مگر سوائے مظلوم کے دوسرا شخص ایسا کہے تو غیبت ہوگی مظلوم کو ظالم کا برا کہنا درست ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ان[۱] لصاحب الحق مقالا اور فرمایا[۲] مطل الغنی ظلم اور لی الواجد یحل عقوبتہ وعرضہ۔ دوسرے یہ کہ بری بات کے دور کرنے کے لیئے یا گنہگار کے راہ راست پر آنے کے لیئے استعانت منظور ہو جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ جب حضرت عثمانؓ یا حضرت طلحہ کے پاس سے گزرے تو السلام علیکم کہا انہوں نے جواب نہ دیا آپ نے ان کی شکایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود تشریف لے جاکر صلح کرا دی تو یہ شکایت صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک داخل غیبت نہ تھی کیونکہ اس سے مقصود اس کی صلح تھی اسی طرح جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر پہنچی کہ شام کے ملک میں ابوجندل نے شراب خوری شروع کر دی ہے تو یہاں لکھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب انہوں نے اس کے پڑھتے ہی توبہ کی تو جس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ماجرا کہا تھا بطور غیبت نہیں کہا تھا اور نہ آپ نے اس کو غیبت تصور کیا بلکہ اس کا مقصود یہ تھا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سنیں گے تو اس حرکت کو براجان کر ان کو نصیحت فرمائیں گے اور اس باب میں جیسی آپ کی نصیحت کارگر ہوگی دوسرے کی نہ ہوگی اور ایسا ہی ہوا غرضکہ مقصود صحیح شرط ہے ورنہ غیبت کے حرام ہونے میں کیا کلام ہے تیسرے یہ کہ کسی مسئلہ میں حکم شرعی پوچھنا منظور ہو مثلاً مفتی سے جاکر سوال کرے کہ میرے باپ بھائی یا زوجہ وغیرہ نے مجھ پر ظلم کیا شرعاً مجھ کو کیا کرنا چاہیئے جو اس ظلم سے رہائی پاؤں اور اس میں بھی احتیاط یہی ہے کہ کنایۃً استفسار کرے مثلاً یوں پوچھے کہ آپ اس باب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص پر اس کے کسی رشتہ دار نے ظلم کیا تو اس کو کیا کرنا چاہیئے اور اور اگر اس عذر کے باعث تصریح اور تعین بھی کرے گا تو جائز ہے چنانچہ روایت[۳] ہے کہ ہندہ عتبہ کی بیٹی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے شوہر کی شکایت کی کہ ابوسفیان مرد بخیل ہے مجھ کو اس قدر نہیں دیتا کہ مجھ کو اور اولاد کو کافی ہو اگر اجازت ہو تو میں اس سے چھپا کر لیا کروں مگر آپ نے فرمایا کہ جس قدر ٹھیک ٹھیک تجھ کو

---

[۱] ح حق والا کچھ کیا ہی کرتا ہے بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ [۲] ح تونگر کی تاخیر ادائے حق میں ظلم ہے بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ [۳] ح قرض نہ ادا کرنا تونگر کا حلال اور جائز کر دیتا ہے اس کی عقوبت اور آبرو کو ۱۲ ابوداؤد نسائی وابن ماجہ بروایت شبر مہ ۱۲۔

ف[۴] اتارا کتاب کا اللہ سے ہے جو زبردست ہے خبردار گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرتا سخت مار دیتا ۱۲ ح۔ بخاری ومسلم بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲۔

اور تیری اولاد کو کافی ہو اس قدر لے لیا کرو تو باوجودیکہ اس نے اپنے شوہر کا بخل اور ظلم ذکر کیا مگر آپ نے اس کو منع نہیں فرمایا کیونکہ غرض اس کی مسئلہ کا دریافت کرنا تھا چوتھے یہ کہ کسی مسلمان کو شر سے بچانا منظور ہو مثلاً جب کسی فقیہ دیندار کو دیکھا کہ ایک بدعتی یا فاسق کے پاس آتا جاتا ہے اور یہ خوف ہوا کہ کہیں اس کی بدعت یا فسق میں یہ بھی مبتلا نہ ہو جائے تو جائز ہے کہ اس بدعتی یا فاسق کی بدعت یا فسق کا اظہار اس فقیہ سے کر دے اسی غرض سے اس کا اثر اس میں نہ ہو جائے اور کسی طرح جائز نہیں اسی لئے کہ اس میں دھوکا بھی ہو جاتا ہے کیونکہ کبھی حسد کے سبب سے دوسرے کی بدعت و فسق کہنے کی نوبت آتی ہے اور شیطان یہی سوجھاتا رہتا ہے کہ لوگوں کا بچاؤ اس بدعتی یا فاسق سے منظور ہے ایسا ہی اگر کوئی شخص کسی کو نوکر رکھنا چاہتا ہے اور اس نوکر کا عیب لوگوں کے کسی دوست کو معلوم ہے تو اس کو چاہیئے کہ آقا سے اس کا کہہ دے گو اس میں نوکر کا ضرر ہے مگر آقا کے فائدہ پر اور نقصان نہ ہونے پر اوّل لحاظ چاہیئے اسی طرح اگر کوئی حاکم گواہی کے باب میں کسی کا حال پوچھے کہ یہ شخص گواہ کیسا ہے عادل ہے یا نہیں تو اس وقت بھی اگر اس کی برائی معلوم ہو تو بیان کر دینی چاہیئے اسی لیئے کہ گواہوں کی گواہی پر دارومدار مقدمہ کا ہوتا ہے اگر یہ سچ نہ ہوگا تو کیا عجب ہے کہ دوسرے کا نقصان ہو جائے ایسا ہی اگر کوئی شخص نکاح کے باب میں خواہ ودیعت رکھنے کے باب میں دوسرے کا حال پوچھے تو جیسا جانتا ہو ویسا ہی کہے اس صورت میں اظہار عیب داخل غیبت نہیں اس لیئے مقصود خیر خواہی مشورہ چاہنے والے کی ہے نہ دوسرے کو برا کہنا اور اسی لحاظ سے اگر یہ جانے کہ میرے صرف منع سے یہ باز رہے گا تو فقط یہی کہہ دے کہ ایسا مناسب نہیں معلوم ہوتا اور اگر یہ جانے کہ بدون دوسرے کی برائی زبان پر آئے یہ ہرگز باز نہ آئے گا تو اس وقت اس کا حال صاف صاف کہہ دے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے[1] اترعبون عن ذکر الفاجر بما فیہ اھتکوہ حتی یعرفہ الناس اذکروہ بما فیہ حتی یحذرہ الناس۔ اور اکابر سلف کا قول ہے کہ پانچ آدمیوں کی برائی کرنی غیبت نہیں ہے اوّل امام ظالم دوم بدعتی سوم فاسق چہارم معلن پانچویں یہ کہ کوئی شخص ایسے لقب سے معروف ہو گیا ہو جس میں کوئی عیب ہو جیسے لنگڑا یا اندھا یا گنجا وغیرہ تو اس صورت میں بھی نہیں احادیث کی روایت میں ایسا پایا جاتا ہے مثلاً روی ابوالزناد عن الاعرج و سلیمان عن الاعمش۔ اور ضرورت کے واسطے علماء نے ایسا کیا کہ مقصود تصریح راوی کی تھی اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ لقب ان کے ایسے ہو جاتے ہیں کہ ان سے وہ لوگ برا نہیں مانتے تاہم ایسے القاب کو کنایۃً بولنا بہتر ہے اسی واسطے اندھے کو بصیر کہا کرتے ہیں کہ نقصان کا ذکر نہ آئے چھٹے یہ کہ جس کی برائی کریں وہ فاسق معلن ہو یعنی فسق اعلانیہ کرتا ہو کسی پر اس کی برائی مخفی نہ ہو جیسے مخنث یا شراب خوار یا بھنگڑ[2] یا لوگوں کے ڈانڈ لینے والے کہ ظاہر ظہور یہ کام کرتے ہوں اور اگر کوئی ان کی خطا بیان کرے تو برا نہ مانتے ہوں تو ایسے لوگوں کی غیبت جائز

ح[1] کیا برا جانتے ہو تم ذکر کرنا بدکار کی خصلت کا اس کی ہتک کرو تاکہ لوگ اس کو پہچان جائیں اور جو خصلت اس میں ہے اس کو ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں ۱۲

ح[2] جو شخص ڈال دے برقع حیا کا اپنے منہ سے خطا کرنے میں شرمانے ہوں ان کی غیبت نہیں ۱۲ ابن عدی و ابن حبان بروایت انس رضی اللہ عنہ ۱۲

ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ من القی جلباب الحیاء عن وجہہ فلا غیبۃ لہ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فاجر کی کچھ عزت وحرمت نہیں یعنی جو شخص کہ کھلم کھلا بدکاری کرتا ہے اس کو برا کہنے سے ہتک عزت اور داخل غیبت نہیں مگر جو چھپا کر تا ہے اس کی حرمت کی رعایت چاہیئے اور صلت بن طریف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اگر میں فاسق معلن کی برائی کروں اور جو بات اس میں ہے اس کو بیان کروں تو غیبت ہو گی یا نہیں انہوں نے فرمایا غیبت تو نہیں مگر کچھ بزرگی بھی نہیں اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ تین شخصوں کی برائی غیبت نہیں صاحب ہواء نفسانی اور فاسق معلن اور امام ظالم کیوں کہ یہ لوگ اپنے افعال ظاہر کر کے کرتے ہیں بلکہ اکثر اوقات ان سے فخر کرتے ہیں کہ تو برائیوں ماننے لگے ہاں جو بات چھپا کر کرتے ہوں اس کے ذکر سے البتہ گناہ ہو گا اور عوف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت ابن سیرین کی خدمت میں حاضر ہو کر حجاج بن یوسف کو برا بھلا کہا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حاکم وعادل ہے جیسا حجاج سے انتقام اس کے ظلم کا لے گا ایسا ہی جو کوئی اس کی غیبت کرتا ہے اس کا اس سے عوض لے گا اور یاد رکھو کہ کل کو جب خدا کے سامنے جاؤ گے تو تمہارا یہ چھوٹا گناہ حجاج کے بڑے گناہوں سے تم پر سخت ہو گا۔

غیبت کے کفارہ

غیبت کنندہ پر لازم ہے کہ غیبت سے توبہ کرے اور نادم ہو کر اپنے فعل پر تاسف کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حق سے بری الذمہ ہو۔ پھر جس شخص کی غیبت کی ہے اس سے معاف کرائے تاکہ اس کے حق سے بھی بری ہو مگر حزین اور نادم اور متاسف ہو کر قصور معاف کرائے اس لیے کہ ریاکار آدمی اس لئے بھی عفو کے خواہاں ہوتے ہیں کہ کوئی ان کو بڑا پرہیزگار جانے حالانکہ دل میں ذرا ندامت کا نام نہیں ہوتا تو اس سے ایک دوسرا گناہ ذمہ ہوتا ہے اور حضرت حسن رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کی غیبت کی ہے اس کے حق میں دعائے مغفرت کافی ہے معاف کرانے کی ضرورت نہیں اور اس کی وجہ اس حدیث کو کہتے ہیں جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کفارۃ من اغتبتہ ان تستغفر لہ۔ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ کسی کے گوشت کھانے کا یہی ہے کہ اس کی ثنا کرے اور اس کے لیئے دعائے خیر کرے اور عطا بن ابی رباح سے پوچھا گیا کہ کفارہ غیبت سے کھانے کا یہی ہے کہ اس کی ثنا کرے اور اس کے لیئے دعائے خیر کرے اور عطاء بن ابی رباح سے پوچھا گیا کہ غیبت سے توبہ کس طرح ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ اس طرح ہے کہ جس کی غیبت کی ہے اس کے پاس جائے اور کہے کہ جو کچھ میں نے کہا تھا جھک مارا تھا تیرے حق میں ظلم وزیادتی ہوئی اب میں حاضر ہوں چاہو مجھ سے بدلہ لو چاہو معاف کرو اور یہی قول عطاء کا اصح ہے اور یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ آبرو کا کچھ عوض نہیں اس سے عفو

ح[۱] جو شخص ڈالدے برقع حیا کا اپنے منہ سے خطا کرنے میں شرماتے نہ ہوں ان کی غیبت نہیں ۱۲ ابن عدی و ابن حبان بروایت انسؓ ح[۲] جس کی تو غیبت کرے اس کا تدارک یہ ہے کہ اس کے لیئے خدا سے مغفرت چاہے ابن ابی الدنیا درصمت و حارث بن ابی اسامہ در سند خود بروایت انسؓ بسند ضعیف

چاہنا واجب نہیں جیسا کہ مال کی صورت میں معاف کرانے کی ضرورت نہیں تو یہ ایک قول پوچ ہے اس لیئے کہ آبرو ایسی چیز ہے جس کے واسطے گالی میں سزا دی جاتی ہے اور باز پرس ہوتی ہے بلکہ حدیث شریف میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ آپ نے فرمایا من کانت لاخیہ عندہ مظلمۃ فی عرض او مال فلیتحللھا منہ من قبل ان یاتی یوم لیس ھناک دینار ولا درھم انما یوخذ من حسنات فان لم تکن لہ حسنات اخذ من سیئات صاحبہ فزیدت علی سیئاتہ۔ اور حضرت عائشہؓ نے ایک عورت کو فرمایا جس نے کہ دوسری عورت کو کہا کہ بڑے لمبے دامن والی ہے کہ تو نے اس کی غیبت کی ہے اس سے اپنا قصور معاف کرا اس سے معلوم ہوا کہ عفو کرانا بیشک چاہیئے بشرطیکہ ممکن ہو اور اگر وہ شخص مفقود الخبر ہو گیا یا مر گیا ہو تب البتہ اس کے لیئے زیادہ تر دعائے خیر کرے اور اس کو نیکیوں کا ثواب بخشا کرے اب باقی رہا کہ معاف کرنا دوسرے کے ذمہ واجب ہے یا نہیں تو اس کا حال یہ ہے کہ واجب تو نہیں اسی لیئے کہ ایک طور کا احسان کرنا ہے البتہ مستحب ہے اگر معاف کر دے گا تو ثواب پائے گا ورنہ مستحق عتاب نہیں اور معاف کرانے کی سبیل یہ ہے کہ اول اس شخص کی خوب سی تعریف کرے اور اس سے دوستی پیدا کرے اسی طرح روزمرہ کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا دل اس کی طرف سے صاف ہو جائے اور قصور معاف کرے اور اگر بالفرض طبیعت صاف ہو گی تب بھی اس کا عذر کرنا اور دوست بن جانا خالی ثواب سے نہ ہوگا عجب کیا ہے کہ غیبت کے مقابلہ میں یہی نیکی ہو جائے اور بزرگان سلف میں سے بعضے لوگ معاف نہیں کیا کرتے چنانچہ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر زیادتی کرتا ہے میں اس کو معاف نہیں کرتا اور حضرت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ غیبت کو میں نے تو کچھ حرام کیا ہی نہیں خدا تعالیٰ نے حرام کیا ہے پس میں معاف کر کے اس کو حلال کیوں کروںؒ اب اگر کوئی یوں کہے کہ یہ حدیث شریف میں واردؒ ہے کہ کیا تم میں سے کسی سے نہیں ہو سکتا کہ مثل ابی ضمضم کے ہو جائے وہ جب گھر میں سے نکلتا تھا تو کہہ دیتا تھا کہ الٰہی میں نے لوگوں پر اپنی آبرو خیرات کر دی تو آبرو کا صدقہ کر دینا کیسے ہوتا ہے اگر یہ صدقہ جائز ہو تو ایسے شخص کو لوگ برا بھلا کہہ سکتے ہیں یا نہیں اور اگر صدقہ جائز ہو تو حدیث میں اس کی ترغیب کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ معنی ابی ضمضم کے قول کے ہیں کہ میں

ل جس کے ذمہ اس کے بھائی کا کوئی حق ہو آبرو میں خواہ مال میں تو چاہیئے کہ اس سے معاف کرا لے پہلے اس سے کہ وہ دن آئے جہاں نہ دینار ہوگا نہ درم بلکہ نیکیاں دلائی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس کی برائیوں میں اضافہ کر دی جائیں گی ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۲ عقیلی بروایت انس بسند ضعیف و ابن عبدالبر بروایت ثابت مرسلاً ۱۲ ھ ۳ کیوں کروں الخ احیاء میں اس کے بعد یہ جو عبارت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے پھر اگر کوئی کہے کہ اب اس حدیث کے کیا معنی ہونگے کہ اس کو چاہیئے کہ اپنے بھائی سے وہ مظلمہ حلال کرا لے و چنانچہ صحیحین کی حدیث اوپر گزری ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز حرام کی اس کا حلال کرنا غیر ممکن ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اس سے یہ مراد کہ مظلمہ کو معاف کرا لے اور یہ مطلب نہیں کہ حرام کو حلال کرا لے اب اگر کوئی آخر تک ۱۲ امیر علی۔

قیامت کو اس کا طالب نہ ہوں گا کہ فلانے نے میری غیبت کی تھی اس سے میرا حق ملے اور اس کہنے سے نہ تو غیبت ایسے شخص کی جائز ہے اور نہ گناہ سے بری ہو سکتا ہے اس واسطے کہ پہلے سے عفو کے کیا معنی بلکہ یہ ایک وعدہ کی صورت ہے کہ اگر کوئی مجھ کو برا کہے گا تو میں قیامت میں خصومت نہ کروں گا پس اگر وہ اس وعدہ سے پھر جائے اور اپنے حق کا طالب ہو تو مثل اور حقوق کے یہ بھی ہو سکتا ہے چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو گالی دینا لوگوں کے لئے مباح کر دے تو اس سے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا اور آخرت کے حقوق ایسا ہی ہیں جیسے دنیا کے حاصل یہ کہ معاف کرنا افضل ہے حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کے روز تمام قومیں اللہ عزوجل کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑی ہوئی ہوں گی اس وقت سرادقات کبریائی سے ندا ہو گی کہ جس کی مزدوری اللہ جل شانہ پر باقی ہو وہ اٹھے اس وقت صرف وہ لوگ اٹھیں گے جنہوں نے دنیا میں لوگوں کے قصور معاف کئے ہوں گے اور اللہ جل شانہ فرماتا ہے[ت۱] خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھی انہوں نے فرمایا کہ یوں حکم ہے کہ جو شخص تم پر ظلم کرے اس کو معاف کرے اور جو تم سے نہ ملے اس سے خود ملو اور تم کو نہ دے اس کو دو اور ایک شخص نے حضرت حسنؒ سے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو آپ نے غیبت کنندہ کے پاس کچھ خرمائے تر ایک طباق میں بھیجے اور کہلا بھیجا کہ میں نے سنا ہے تم نے اپنی نیکیوں میں سے کچھ مجھ کو ہدیہ کی ہیں تو میں نے اس کا بدلہ چاہا مگر چونکہ پورا عوض نہیں دے سکا اس لئے جس قدر بن سکا مکافات کی معذور رکھنا۔

چغلی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔[ت۲] ھماز مشاء بنمیم اور پھر فرمایا۔۔ عتل بعد ذلک زنیم عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ زنیم کے معنی ہیں وہ ولدالزنا جو بات نہ چھپائے اور اس آیت سے انہوں نے یہ بھی استنباط کیا ہے کہ جو شخص بات نہ چھپائے اور چغلی کھائے وہ ولدالزنا ہے اور نیز فرمایا اللہ جل شانہ نے[ت۵] ویل لکل ھمزۃ لمزۃ۔ اس آیت میں ہمزہ سے بعضوں نے چغل خور مراد لیا ہے اور فرمایا حمالۃ الحطب کہتے ہیں کہ ابولہب کی بیوی چغل خور تھی تو معنی یہ ہوئے کہ حمالۃ للحدیث اور فرمایا[ت۷] فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئا۔ یہ آیت حضرت لوط اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیبیوں کی شان میں ہے حضرت لوط علیہ السلام کی بی بی جب کبھی ان کے یہاں کوئی مہمان آتا قوم میں جا کر خبر کر دیتی وہ لوگ خبر پا کر اس مہمان سے خواستگار لواطت ہوتے اور حضرت نوح علیہ السلام کی بی بی لوگوں سے کہتی کہ آپ مجنون ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اور دوسری

ت[۱] کر معاف کرنا اور کر نیک کام اور کنارہ کر جاہلوں سے ۱۲ ح[۲] باب ریاضۃ النفس میں گزری ۱۲ ت[۳] یعنی دیتا چغلی لیے پھرتا ۱۲ ق[۴] اجڑ اس سب کے پیچھے بدنام ۱۲ ت[۵] خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے کی ۱۲ ق[۶] سر پر لیے پھرتے ایندھن ق[۷] پھر اس نے چوری کی پھر وہ کام نہ آئی ان کو اللہ کے ہاتھ سے کچھ ت[۸] جنت میں چغلخور داخل نہ ہوگا ۱۲ دونوں روایتیں بخاری و مسلم میں بروایت حذیفہ آئی ہیں ۱۲

روایت میں نمام کی جگہ قتات ہے جس کے معنی بھی نمام ہی کے ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا[1] احبکم الی اللہ احسنکم اخلاقا الموطئون اکنافا الذین یالفون ویولفون وان ابغضکم الی اللہ المشاؤن بالنمیمۃ المفرقون بین الاخوان الملتمسون للبراء العثرات اور فرمایا کہ میں تم کو سب سے زیادہ شریر نہ بتادوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ ارشاد فرما دیجئے کہ وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ جو چغلی کھاکر دوستوں میں بگاڑ کرتے ہیں اور صاف آدمیوں کے عیب کے متلاشی رہتے ہیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا[2] من اشاد علی مسلم بکلمۃ لیشینہ بھا بغیر حق اشانہ اللہ بھا فی النار فی القیامۃ اور یہ حدیث بھی انہیں[5] سے مروی ہے[3] من شھد علی مسلم بشھادۃ لیس لھا باھل فلیتبوء مقعدہ من النار اور کہتے ہیں کہ سوم حصہ عذاب قبر کا چغلی سے ہوتا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت کو پیدا کیا تو اس کو ارشاد ہوا کچھ بول اس نے عرض کیا جو کچھ میرے اندر آئے گا وہ سعید ہے اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اپنی عزت وجلال کی آٹھ قسم کے لوگ تجھ میں نہیں رہیں گے ایک ہمیشہ شراب پینے والا دوم زنا پر اصرار کرنے والا سوم چغل خور چہارم دیوث پنجم ظالم سپاہی چھٹا مخنث ساتواں قاطع جو خدا کی قسم کھائے اور قسم پوری نہ کرے اور کعب احبار سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک سال خشکی ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی بار مینہ کے لیئے دعا کی مگر نہ برسا خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ دعا تمہاری اور تمہارے ساتھ والوں کی اس لیئے مقبول نہیں ہوتی کہ تم میں ایک چغل خور ہے کہ وہ چغلی پر اصرار کرتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی وہ کون ہے مجھ کو بتلا دیں تاکہ ہم اس کو اپنے گروہ سے نکال دیں ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ میں چغلی سے منع کرتا ہوں اور پھر میں ہی چغلی کھاؤں پس سب ہمراہیوں نے ایک ساتھ توبہ کی اور باران رحمت نازل ہوا اور روایت ہے کہ ایک شخص سات سو کوس پختہ چل کر ایک حکیم کے پاس آیا اس نے کہا چونکہ تم کو اللہ نے علم دیا ہے بنظر استفادہ سات چیزیں پوچھنے آیا ہوں ان کا جواب شافی عنایت فرماؤ اوّل سوال یہ ہے کہ آسمانوں سے زیادہ بھاری کیا چیز ہے اس نے جواب دیا کہ صاف آدمی پر بہتان باندھنا اس نے دوسرا سوال کیا کہ زمین سے زیادہ چوڑی کیا چیز

---

[1] تم میں سے اللہ کے نزدیک محبوب تر وہ ہوں گے جو خلق میں اچھے ہوں گے جن کے پہلو نرم ہیں ایسے کہ خود اور دل سے الفت کرتے اور تم میں سے خدا کے نزدیک برے وہ ہیں جو چغلی کھاتے پھرتے اور بھائیوں میں جدائی ڈالتے ہیں اور صاف آدمیوں کے عیب ڈھونڈتے رہتے ہیں" طبرانی در اوسط و در صغیر ۱۲ [2] احمد بروایت ابو مالک اشعری ۱۲ [3] جو شخص کسی مسلمان پر ایک لفظ سے اشارہ کرے تاکہ اس کو ناحق عیب لگائے اللہ تعالیٰ اسی لفظ سے اس کو قیامت کے دن دوزخ میں عیب لگائے گا ۱۲ ابن ابی الدنیا در صمت و طبرانی در مکارم اخلاق اور اس کی سند میں عبداللہ بن میمون ہے ۱۲ [4] جو شخص گواہی دے کسی مسلمان پر ایسی بات کی کہ وہ اس کے اہل نہیں تو چاہیئے کہ تلاش کرے اپنا ٹھکانا دوزخ میں احمد و ابن ابی الدنیا [5] یہ حدیث بہیت مجموعی نہیں ملی ۱۲ [6] احیاء میں اس کے بعد حدیث ابو الدرداء رض کچھ اختلاف الفاظ سے اسی معنی مروی ہے ۱۲ [7] انہیں سے اخ یعنی احیاء میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رض سے مرفوعاً مروی ہے ۱۲

ہے اس نے کہا کہ حق اس نے تیسرا سوال پوچھا کہ پتھر سے زیادہ سخت کیا چیز ہے حکیم نے کہا کہ کافر کا دل اس نے چوتھا سوال کیا کہ آگ سے گرم کیا شے ہے جواب دیا کہ حسد اور حرص پانچواں سوال کیا زمہریر سے ٹھنڈی کیا چیز ہے جواب دیا کہ کسی قریب رشتہ دار سے حاجت کا نہ پورا ہونا اس نے چھٹا سوال کیا کہ سمندر سے زیادہ بے پرواہ کیا چیز ہے حکیم نے کہا کہ جس دل میں فراغت ہو ساتواں سوال کیا کہ یتیم سے زیادہ ذلیل کون ہے اس نے جواب دیا کہ وہ چغل خور ہے جب اس کا حال ظاہر ہو جاتا ہے تو یتیم سے زیادہ ذلیل ہوتا ہے اب تعریف چغلی کی اور جو چیز اس کے دور کرنے کے لئے ضروری ہے اس کو لکھا جاتا ہے واضح ہو کہ چغلی کی تعریف لوگوں میں یوں مشہور ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے جا کر یہ کہہ دے کہ فلانا شخص تم کو یہ کہتا تھا اور چغلی واقع میں اسی پر منحصر نہیں بلکہ تعریف اس کی یہ ہے کہ جس چیز کا ظاہر کرنا برا ہو اس کو ظاہر کر دے خواہ جس کی طرف سے کہا ہے اس کو برا لگے یا جس سے کہا ہے اس کو برا معلوم ہو خواہ کسی تیسرے آدمی کو ناگوار گذرے اور ظاہر کرنا بھی خواہ قول سے ہو یا لکھنے سے یا رمز و کنایہ سے اور جو چیز ظاہر کی ہے وہ بھی خود عمل ہو یا کلام خواہ عیب و نقصان دوسرے کا ہو یا نہ ہو غرضیکہ چغلی افشار راز اور مکروہ بات کے اظہار کا نام ہے پس جب آدمی کی نظر لوگوں کے حال پر پڑے تو چاہیئے کہ سکوت کرے مگر ایسی بات جس میں فائدہ کسی مسلمان کا یا دور کرنا کسی گناہ کا پایا جاتا ہے اس میں البتہ بولنا چاہیئے مثلاً جب کسی شخص کو دیکھے کہ کسی کا مال لے لیتا ہے تو چاہیئے کہ اس کے واسطے گواہی دے اس میں رعایت مال والے کی ہوگی لیکن اگر کوئی اپنا مال چھپا کر رکھتا ہو اس کو اگر ظاہر کر دے گا تو چغلی ہوگی اگر کسی کا عیب یا نقصان ذکر کریگا تو دو گناہ ہوں گے ایک غیبت کا دوسرے چغلی کا اور باعث چغلی کا یا تو یہ ہوتا ہے کہ جس کی بات کہے اس کو کچھ برائی پہنچے یا یہ کہ جس سے بیان کرتا ہے اس کی دوستی کا اظہار منظور ہو باتوں میں دل لگی کے طور پر مذکور ہو جائے یا فضول باطل بکنے کا شوق ہو ہر صورت جب کسی شخص کے سامنے اس قسم کی کوئی چغلی پیش ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ فلاں شخص تم کو ایسا ایسا کہتے تھے یا تمہارے باب میں یہ تدبیر کی ہے یا تمہارے بگاڑ کی فکر میں ہے یا تمہارے دشمن سے سازباز رکھتا ہے اور کوئی ایسی بات ہی کہے تو سننے والے کو چھ باتیں چاہئیں اول تو یہ کہ اس کو سچا نہ جانے کیونکہ چغل خور فاسق ہے اس کی شہادت نامقبول ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبإ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ دوسری یہ کہ کہنے والے کو منع کرے کہ پھر میرے سامنے ایسا مت کہنا اور اس کو نصیحت کی راہ دکھلائی دے کہ یہ حرکت بے جا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے تیسری یہ کہ اس سے للہ کے واسطے بغض رکھے کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ بغض رکھتا ہے اور جس سے خدا تعالیٰ بغض رکھے اس سے بغض رکھنا واجب ہے چوتھی یہ کہ غائب شخص پر صرف اس کے کہنے سے بدگمانی نہ کرے جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم پانچویں یہ کہ اس کے کہنے سے درپے تحقیق و تلاش نہ ہو اللہ تعالیٰ

ا؎ حاکم بروایت ابو موسیٰ اور اس کی سند میں سہل بن عطیہ منکر ہے اور طبرانی نے یہ مضمون اور الفاظ سے نقل کیا ہے ۱۲ ف ۲؎ بچتے رہو بہت تہمتیں کرنے سے مقرر یعنی تہمت گناہ ہے اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا ۱۲

فرماتا ہے ولا تجسسوا۔ چھٹی یہ کہ جس بات سے چغلخور کو منع کیا ہے اس میں آپ مبتلا نہ ہو مثلاً لوگوں میں ذکر نہ کرے کہ فلاں شخص مجھ کو ایسا ایسا کہتا ہے ورنہ غیبت اور چغلی ہوگی اور اسی سے اس کو منع کیا تھا روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خدمت میں آیا اور ایک دوسرے شخص کا حال ان کے سامنے بیان کیا آپ نے فرمایا کہ اگر تو کہے تو اس بات کو امتحان کریں اگر جھوٹ نکلے تو اس آیت کا مصداق ٹھہرے گا ان جاءکم فاسق بنباءٍ اور اگر سچ نکلے تو اس آیت کا۔ ھماز مشاء بنمیم۔ اور کہے تو معاف کردیں اس نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین مجھ سے خطا ہوئی پھر کبھی ایسا نہ کروں گا معاف فرمایئے اور روایت ہے کہ ایک حکیم کا کوئی بھائی اس کے پاس آیا اور اس کے کسی دوست کا کچھ حال کہا اس نے سن کر جواب دیا کہ تم بہت دن میں تو آئے اور تین کرتوت ساتھ لائے اوّل تو یہ کہ میرے دوست سے بغض پیدا کر دیا دوسرا میرا دل فارغ اور چین سے تھا اس میں ایک تردد ڈال دیا سوم میں تم کو امین جانتا ہوں اب اعتبار جاتا رہا اور ایک روایت میں ہے کہ سلیمان بن عبد الملک بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس حضرت زہری بھی تھے اتنے میں ایک شخص سلیمان نے اس سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تو نے میرے حق میں ایسا ایسا کہا ہے اس نے عرض کیا کہ یہ حرکت مجھ سے نہیں ہوئی اور نہ میں نے کچھ کہا سلیمان نے کہا کہ جس نے مجھ سے کہا ہے وہ سچا آدمی ہے پھر حضرت زہریؒ نے کہا کہ تمام سچا نہیں ہوتا سلیمان نے کہا کہ واقعی آپ نے درست فرمایا اور اس شخص سے کہا کہ صحیح چھٹی ملی اور حضرت حسن کا قول ہے کہ من نم الیک نم منک اسی کا ترجمہ ہے جو شیخ سعدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد ۔ بیگمان عیب تو پیش دگراں خواہد برد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمام سے بغض رکھنا چاہیئے اور اس کے قول کو معتبر اور سچا نہ جاننا چاہیئے کیونکہ وہ جھوٹ ہے اور غیبت اور غدر و خیانت اور بغض و حسد و نفاق اور لوگوں میں بگاڑ ڈالنے سے خالی نہیں رہتا جس چیز کے پیوند کا خدا تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اس کو کاٹتا رہتا ہے[ف۴] ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل و یفسدون فی الارض اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ف۵] انما السبیل علی الذین یظلمون الناس و یبغون فی الارض بغیر الحق۔ اور چغلخور بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہے اور حدیث شریف میں ہے[ف۶] ان من شرار الناس من اتقاہ الناس لشرہٖ اور چغلخور بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور فرمایا[ف۷] لا یدخل الجنۃ قاطع اس میں

ف۳ طعنے دینا چغلی لئے پھرتا ۱۲ جو تیرے ساتھ چغلی کھائے گا وہ تیری بھی چغلی کھائے گا ف۴ توڑتے ہیں جو چیز اللہ نے فرمائی جوڑنی اور فساد کرتے ہیں ملک میں ۱۲ ف۵ راہ الزام تو ان پر ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں ناحق۔ ف۶ بدترین مردوں میں سے ہے وہ شخص کہ اس سے لوگ اس کی جہت سے ڈریں ۱۲ بخاری و مسلم عن عائشہ نحوہ ۱۲ ف۷ نہیں داخل ہونے کا جنت میں قاطع ۱۲ بخاری و مسلم بروایت جبیر بن مطعم ۱۲ حاکم بروایت ابو موسیٰ اور اس سند میں سہل بن عطیہ منکر ہے اور طبرانی نے یہ مضمون اور الفاظ سے نقل کیا ہے۔ ۱۲

بعضوں نے قاطع سے مراد قاطع رحم لی ہے اور بعضوں نے کہا ہے اس سے وہ شخص مراد ہے جو لوگوں میں چغلی سے بگاڑ کرے اور حضرت علیؓ کے سامنے ایک شخص نے دوسرے کی چغلی کی آپ نے فرمایا ہم اس کی تحقیقات کرتے ہیں اگر سچ بات ہوئی تو تجھ سے ناراض ہوں گے اور جھوٹ ہوئی تو سزا دیں گے اور اگر چاہے تو معاف کر دیں گے اس نے عرض کیا کہ حضرت معاف فرماویں اور محمد بن کعب قرظی سے کسی نے پوچھا کہ کونسی خصلت سے ایماندار کی قدر کم ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ بہت باتیں کرنے اور راز کے فاش کرنے سے اور ہر ایک کی بات مان لینے سے اور ایک شخص نے عبداللہ بن عامر سے ان کے عہد امارت میں پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ فلاں شخص آپ سے یہ کہہ گیا ہے کہ میں نے آپ کو برا کہا ہے انہوں نے کہا کہ کہا تو ہے اس نے کہا کہ جو کچھ وہ کہہ گیا ہے آپ مجھ سے ذکر کریں تاکہ میں اس کا جھوٹ ظاہر کروں انہوں نے کہا کہ مجھے یہ منظور نہیں کہ اپنی زبان سے اپنے آپ کو گالی دوں اس میں یہی کافی ہے کہ میں اس کی بات سچ نہ مانوں گا اور تم سے ملاقات نہیں چھوڑوں گا اور بعض صلحا سے منقول ہے کہ ان کے سامنے چغلی کا ذکر ہوا انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہر قوم کے لوگوں سے سچ بات پسند کرتے ہیں مگر چغل خوروں کی جھوٹی بات کیوں اچھی معلوم ہوتی ہے اور حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ چغلی کی نسبت چغلی کا مان لینا زیادہ برا ہے اس لئے کہ چغلی میں تو صرف بتلانا ہی ہے اور ماننے میں اجازت پائی جاتی ہے کہ اور کہا کرا اور دونوں میں بہت فرق ہے اس لیے کہ چغل خور سے کنارہ کرنا چاہیئے کیونکہ اگر بالفرض اس کا قول صحیح ہے تب بھی کمینگی سے خالی نہیں کہ اس نے حرمت کی حفاظت نہ کی اور عیب پوشی کا کاربند رہا اور ایک حدیث میں ہے کہ الساعی بالناس بغیر رشدہ یعنی چغل خور حلال زادہ نہیں ہوتا اور ایک شخص سلیمان بن عبدالملک کے پاس آیا اور زیادہ الاعجم کی چغلی کی سلیمان نے دونوں کو صلح کے واسطے اکٹھا کیا تو زیاد اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے ۔

امانت میں خیانت کی جو کچھ بولے تو سب واہی واہی شرط مروت تھی دیانت اس کو کہتے ہیں۔

اور ایک شخص نے عمرو بن عبید سے کہا کہ تمہارا رفیق السواری ہمیشہ اپنے مکانات میں تم کو برا کہا کرتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تو نے نہ تو اس کی رفاقت اور ہمنشینی کا حق سمجھا کہ برا کہنے لگا اور نہ میرا حق خیال کیا کہ مجھ کو اس کا حال ایسا بتلایا جو مجھ کو برا معلوم ہو خیر اگر یونہی ہے تو اس سے کہہ دینا کہ موت ہم دونوں کو کھپائے گی اور قیامت کو اکٹھے ہوں گے اور احکم الحاکمین فیصلہ فرمائے گا اور منقول ہے کہ بعض چغل خوروں نے صاحب بن عباد کو ایک پرچہ لکھا کہ جو یتیم آپ کی تربیت میں ہے اس کے پاس مال بہت ہے اگر داخل خزانہ ہو تو مناسب ہے انہوں نے اس پرچہ کی پشت پر لکھا کہ چغلی بہت بری چیز ہے گو درست ہی کیوں نہ ہو خدا تعالی مرد متوفی پر

ؒ حاکم بروایت ابو موسیٰ اور اس کی سند میں سہل بن عطبہ منکر ہے اور طبرانی نے یہ مضمون اپنے الفاظ سے نقل کیا ہے

رحمت کرے اور نیم کو عوض عنایت فرماوے اور اس کے مال کو بڑھاوے اور چغل خور پر لعنت کرے اور حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ تجھ کو ایسی عادتیں سکھلائے دیتا ہوں اگر ان پر کاربند ہوگا تو ہمیشہ سردار بنا رہے گا وہ یہ ہیں قریب و بعید سے بہ خلق پیش آیا کر اور اپنا جہل کریم و لئیم پر ظاہر مت کر اور لوگوں کی حرمت کا لحاظ رکھ اور اپنے یگانوں سے ملا کر اور جو شخص تجھ میں اور لوگوں میں بگاڑ ڈالا چاہیے اور فریب دیا چاہے اس کی بات کبھی مت مان اور اپنا بھائی اور دوست اس کو جان کہ جب علیحدہ ہو جائے اور نہ تو اس کی برائی کرے نہ وہ تیری اور بعضوں نے کہا ہے کہ چغلی جھوٹ اور حسد اور نفاق سے بنی ہے اور یہی تینوں چیزیں ذلت کی بنا اور ارکان ہیں اور بعض اکابر کا قول ہے کہ چغل خور بالفرض اگر سچ ہی کہتا ہے تو واقع میں گویا گالی وہی دیتا ہے اس واسطے کہ جس کی طرف سے بیان کرتا ہے وہ اگر سچ پوچھو تو قابل رحم ہے کہ اس کو اتنی ہمت و جرأت نہ ہوئی کہ سامنے کہتا بلکہ اس نے خود اپنی زبان سے رنج دیا حاصل یہ کہ چغلی کی بدی قابل بچنے کے ہے بری بلا ہے اس سے بڑے بکھیڑے ہو جاتے ہیں چنانچہ حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے غلام بیچا اور مشتری سے کہا کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے مگر چغل خور ہے خریدار نے کہا کہ مجھ کو منظور ہے غرض اس کو خرید لیا اور چند روز کے بعد اس غلام نے اپنے آقا کی بیوی سے کہا کہ تمہارا شوہر تم کو نہیں چاہتا اب وہ کوئی حرم اپنے گھر میں ڈالا چاہتا ہے مجھے ایک منتر آتا ہے جب تمہارا شوہر سو رہے استرا سے اس کی گدی کے بال تھوڑے سے لے کر مجھے دینا تو ان پر وہ منتر پڑھ دوں گا تو تمہارا ہی ہو رہے گا اس نے منظور کر لیا اور منتظر سونے کی ہوئی اور اس چالاک نے آقا سے خفیہ کہا یہ کہ تمہاری بیوی کسی دوسرے سے آشنائی رکھتی ہے فرصت کے وقت تمہارے مارنے کی فکر میں ہے امتحان کرنا چاہو تو سونے کے بہانے لیٹ کر دیکھ لو وہ شخص اسی طرح لیٹ رہا کہ کوئی جانے سوتا ہے عورت تو منتظر ہی تھی استرہ لے کر اس کے پاس گئی جونہی وہ گردن کی طرف جھکی مرد نے جانا کہ بیشک گلا کاٹنا چاہتی ہے فوراً اٹھتے ہی اس کو مار ڈالا اس کی سسرال والوں نے خبر سن کر اس کو صاف کر دیا پھر یہ فساد مرد اور عورت کے کنبہ میں پھیل گیا ایک ذرہ سی چغلی سے اتنا بکھیڑا ہوا۔

سترھویں آفت دو رخی بات ہے

مثلاً جو شخص دو دشمنوں سے ملتا ہے تو جس کے سامنے آ جاتا ہے اس کے موافق گفتگو کرتا ہے اور یہ کم ہوتا ہے کہ دو عداوت والوں سے ملے بھی اور یہ کہنے سے بچا رہے اسی کا نام عین نفاق ہے حضرت عمار بن یاسرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ من کان لہ وجھان فی الدنیا کان لہ لسانان من نار یوم القیامۃ[1] اور حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا تجدون من شر عباد اللہ یوم القیمۃ[2]

---

[1] جو شخص دو سویہ ہوگا دنیا میں قیامت کے دن اس کے لئے دو زبانیں آگ کی ہوں گی ۱۲ ابوداؤد ۱۲ [2] قیامت کے روز اللہ کے بندوں میں سے بہت برا دورویہ آدمی کو پاؤ گے جو ان سے کچھ کہتا تھا اور ان سے کچھ ۱۲ بخاری و مسلم بادنیٰ اختلاف ۱۲۔

ذا الوجهين الذين يأتي هؤلاء بحديث وهؤلاء بحديث اور ایک روایت میں بحدیث کی جگہ بوجہ ہے اور یہ بھی ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ دو رخا آدمی خدا کے نزدیک امین نہیں ہوتا اور مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ آدمی اپنے یاروں سے دو رخی باتیں کہتا ہے اور پھر امانت کا طالب ہے امانت درکنار قیامت کو خدا تعالیٰ ایسے منہ کو ہلاک کرے گا جس سے دو رخی بات نکلی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ[1] ابغض خليقة الى الله يوم القيامة الكذابون والمتكبرون والذين يكثرون البغضاء لاخوانهم في صدورهم فاذا القوهم تخلقوا لهم واذا دعوا الى الله ورسوله كانوا بطاء واذا دعوا الى الشيطان وامره كانوا سراعاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی رکابیہ مذہب مت ہو کہ جدھر کی ہوا دیکھی ادھر پھر گئے غرضکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دو شخصوں سے دو رخی ملاقات کرنی نفاق ہے اور نفاق کی بہت سی علامتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی روایت ہے کہ ایک شخص رضی اللہ عنہم سے مر گیا حذیفہ رضی اللہ عنہ راز دار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی حضرت عمرؓ نے ان کو فرمایا کہ تعجب کی بات ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی مر گیا اور تم نماز نہ پڑھو انہوں نے فرمایا کہ یا امیر المومنین انہ منہم یعنی یہ منافقوں میں سے ہے آپ نے فرمایا میں تم سے بقسم پوچھتا ہوں کہ میں تو منہم سے نہیں ہوں انہوں نے فرمایا کہ نہیں[2] مگر بعد تمہارے مجھے انکا کھٹکا ہے اب جاننا چاہیئے کہ آدمی دو رخا کن باتوں سے ہوتا ہے پس اگر دو دشمنوں کے پاس جا کر ہر ایک سے اچھی طرح ملا اور گفتگو بھی راست راست کی تو نہ دو رخا ہوگا نہ منافق اس لئے کہ ممکن ہے کہ دو عداوت والوں سے سچی بات کہی جائے اور دوستی بنی رہے گی گو اس طرح کی دوستی ضعیف ہوتی ہے درجہ بھائی چارہ کو نہیں پہنچتی کیونکہ پکی دوستی ہے تو دوست کے دشمن کے ساتھ عداوت کرنی پڑتی ہے جیسا کہ آداب صحبت اور بھائی چارا کے بیان میں گزرا بلکہ دو رخا جب ہوتا ہے کہ دو عداوت والوں میں سے ہر ایک کی بات دوسرے سے جا کر کہے اور یہ امر چغلی سے زیادہ برا ہے اس واسطے کہ چغل خور تو ایک ہی طرف کی بات نقل کرنے سے ہو جاتا ہے یہاں تو دونوں طرف کی بات ایک دوسرے سے کہتا ہے اور اگر کلام ایک دوسرے کی نقل نہ کرے بلکہ ہر ایک سے یہی کہے کہ تم جو فلاں شخص سے عداوت رکھتے ہو یہ بہت اچھی بات ہے یا ہر ایک سے وعدہ کرے کہ میں تمہارے ہی ساتھ ہوں یا دشمنی کے سبب ہر ایک کی تعریف کرے تو ان سب باتوں سے دو رخا کہلائے گا ایسا ہی اس صورت میں ہو

ح[1] خدا کے مخلوقات میں سے برے اس کے نزدیک قیامت میں دروغگو اور متکبر ہوں گے اور جو لوگ کہ اپنے دلوں میں بھائیوں کی طرف سے کینہ رکھتے ہیں اور جب ملتے ہیں تو باخلاق پیش آتے ہیں اور جب اللہ و رسول کی طرف بلائے جائیں تو سست اور دیر کرنے والے ہیں اور اگر شیطان اور اس کے کام کی طرف بلائے جائیں تو جلدی کرنے والے ہوں ۱۲ اس کی اصل مجھے نہیں ملی ح[3] اس قصہ کو بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے ۱۲ ع[2] انہوں نے فرمایا کہ نہیں قسم ہے اللہ تعالیٰ کی لیکن اب میں تمہارے سوائے کسی شخص کو نفاق سے بے خوف نہیں کروں گا انتہٰی یہی صحیح بخاری میں مذکور ہے اور مترجم نے جو ترجمہ کیا ہے کہ مگر بعد تمہارے مجھے ان کا کھٹکا ہے یہ لغزش ہے اس کی اصل کچھ نہیں ہے۔ کے ترجمہ میں سہو ہوا ہے اس کی صحیح ترجمہ وہی ہے جو میں نے اوپر مذکور کیا ۱۲

گا کہ جب منہ پر اچھا کہے اور سامنے سے علیحدہ ہو کر برا کہے بلکہ سزا دار یہ ہے کہ کچھ نہ کہے یا حق والے کی تعریف کرے خواہ اس کے سامنے بھی اس کی تعریف کرے ورنہ منہ پر کچھ اور بیٹھ پیچھے کچھ اور کہے گا تو منافق ہو گا۔ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے سوال کیا کہ ہم لوگ جب امیروں کے سامنے جاتے ہیں تو اور کچھ کہتے ہیں اور جب وہاں سے نکلتے ہیں تو اور کچھ کہتے ہیں اس کا کیا حال ہے آپ نے فرمایا کہ ہم اس امر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نفاق جانا کرتے تھے پس جس صورت میں کہ امیروں کے یہاں جانے کی حاجت نہ ہو اور خواہ نخواہ چلا جائے پھر خوف کے مارے ان کے سامنے خوشامد اور تعریف کرے تو نفاق میں داخل ہے اسی لئے کہ بے ضرورت کیوں گیا تھا اگر اس کے پاس کھانے کی اشیاء وغیرہ ضروریات بمقدار قناعت نفیس تو پھر کیا حاجت غنی خود کردہ را علاجے نیست مال وجاہ کے لیئے بے فائدہ تعریف کرنی پڑی اس لیئے منافق ہوا اور یہی غرض ہے اس حدیث شریف میں[۱] حب المال والجاہ ینبت النفاق فی قلب کما ینبت الماء البقل۔ لیکن اگر ان کے پاس بضرورت گیا اور ڈر کے مارے تعریف کی تو معذور ہے اس لئے کہ شر سے بچنا جائز ہے چنانچہ ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کے سامنے ہم ان کے دکھلانے کو ہنس دیتے ہیں، مگر ہمارے دل ان کو لعنت کرتے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک بار ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا اسے آنے دو سب قوم میں برا یہی شخص ہے جب وہ سامنے آیا تو آپ نے بہت ملائمت سے گفتگو فرمائی جب وہ چلا گیا تو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ تو اس کے حق میں کچھ اور ہی کہتے تھے پھر گفتگو نرم کیوں فرمائی آپ نے فرمایا کہ[۲] ان شر الناس الذی یکرم اتقاء شرہ لیکن یہ حال صرف متوجہ ہونے اور تبسم کرنے کا ہے مگر تعریف کرنا صریح جھوٹ ہے وہ بضرورت شدید کے ہرگز درست نہیں جب تک ایسی صورت نہ پیش آئے کہ جس سے جھوٹ بولنا مباح ہو جاتا ہے جیسا کہ آفت جھوٹ میں گزرا تب تک تعریف درست نہیں بلکہ اس کی تصدیق اور سر ہلانا بھی نہیں چاہیئے ایسا ہی ہر ایک کلام باطل کا ہے کسی کی تصدیق میں سر کا ہلانا اور ہاں ہاں کرنا نہیں چاہیئے اگر ایسا کرے گا تو منافق ہو گا بلکہ یوں چاہیئے کہ اس کو روکے اور اگر روکنے کی قدرت نہ ہو تو زبان سے چپ رہے اور دل سے برا جانے۔

بے جا تعریف و مدح

یہ بھی بعض موقعوں پر ممنوع ہے اور ہجو تو عین غیبت ہے جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے تعریف میں چھ آفتیں ہیں چار تو ان سے متعلق ہیں جو مدح کرتا ہے اور دو مدح

---

[۲] لوگوں میں سے برا وہ ہے جس کی تعظیم اس کے شر کے خوف سے کی جائے ۱۲ بخاری و مسلم ۱۲ [۱] مال و جاہ کی محبت نفاق کو دل میں ایسا ابھارتی ہے جیسے پانی ساگ کو بڑھاتا ہے ۱۲ ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت ابوہریرہ بسند ضعیف ۱۲۔

سے تعریف کرنے والے سے جو چار متعلق ہیں وہ یہ ہیں اول یہ کہ تعریف میں افراط وزیادتی یہاں تک کرتا ہے کہ جھوٹ ہو جائے خالد بن معدان کہتے ہیں کہ جو شخص کسی کی تعریف مجمع میں ایسی بات سے کرے جو ممدوح میں نہ ہو تو خدا تعالیٰ اس کو قیامت میں توتلا اٹھائے گا دوسری یہ کہ مدح میں کبھی ریا کو دخل ہوتا ہے مثلاً تعریف میں اظہار محبت ممدوح ہوتا ہے مگر دل میں اس کی محبت کچھ بھی نہیں ہوتی تو اس سے ریاکار اور منافق ہوتا ہے تیسری یہ کہ بعض باتیں اور اوصاف ایسے بیان کرتا ہے کہ ان سے واقف بھی نہیں ہوتا کہ یہ ممدوح میں ہے یا نہیں اور نہ ان پر آگاہ ہونے کی کوئی سبیل ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص سے دوسرے کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئی آپ نے مادح کو فرمایا[۱] ویحك قطعت عنق صاحبك لو سمعها ما افلح ثم قال ان كان احدٌ لا بد مادحا اخاه فليقل احسب فلانا ولا ازكي على الله احدا احسبه ان كان يرى انه كذلك غرضکہ ایسے اوصاف سے تعریف کرنا جو دلیلوں سے معلوم ہوتے ہیں وہ اس آفت میں داخل ہیں مثلاً یوں کہنا کہ فلاں شخص متقی پرہیزگار اور زاہد و خیرات کرنے والا وغیرہ ہے تو اس طرح کے اوصاف مخفی ہوتے ہیں اور باطن سے متعلق ہیں جب تک آدمی کا امتحان نہ کرے تب تک یقیناً ان اوصاف کا حال نہیں کہنا چاہیئے ہاں اگر یوں کہے کہ میں نے اس کو تہجد پڑھتے دیکھا ہے یا حج میں دیکھا ہے یا صدقہ دیتے دیکھا ہے تو یہ باتیں یقینی کہہ سکتا ہے اسی طرح یہ کہنا کہ وہ عادل پسندیدہ قابل گواہی ہے اس لیئے کہ ظاہر سے متعلق ہیں صرف دیکھنے سے ان کا یقین ہو جاتا ہے حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دوسرے کی تعریف کرتے سنا آپ نے تعریف کرنے والے سے پوچھا کہ تو نے اس کے ساتھ سفر کیا ہے یا کبھی بیع وشرا و داد وستد کا معاملہ کیا ہے یا اس کا ہمسایہ ہے کہ صبح شام اس کے پاس رہتا ہو اس نے عرض کیا کہ ان باتوں میں سے کوئی نہیں آپ نے فرمایا کہ تو پھر اس کی تعریف مت کر چوتھے یہ کہ ممدوح کو باوجود ظالم و فاسق ہونے کے اپنی تعریف سے خوش کرتا ہے اور یہ ناجائز ہے جیساکہ حدیث شریف میں مروی ہے[۲] کہ جب فاسق کی کوئی تعریف کرتا ہے تو خدا تعالیٰ غصہ ہوتا ہے اور حسنؒ فرماتے ہیں کہ کوئی ظالم کے لیئے درازی عمر کی دعا کرتا ہے وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں زیادہ نافرمانی ہو اس سے معلوم ہوا کہ ظالم فاسق اسی بات کا مستحق ہے کہ اس کی مذمت کی جائے تاکہ اس کو رنج ہو اس کی تعریف سے اس کو خوش کرنا نہ چاہیئے اور دو باتیں جو ممدوح کے ضرر کی ہیں ان میں سے ایک تو

---

[۱] ہلاکی ہو تجھ کو تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی اگر وہ سنے گا تو فلاح نہ پائے گا پھر فرمایا کہ اگر کوئی تم میں سے ضرور کسی کی تعریف کیا چاہے تو یوں کہے کہ فلاں شخص کو میں ایسا گمان کرتا ہوں اور خدا کے نزدیک کسی پر تزکیہ یعنی حکم پاکی کا نہیں کرتا اس کا جاننے والا خدا ہے اگر یہ جانے کہ وہ ایسا ہے یعنی اتنا بھی اس وقت کہے کہ لائق تعریف ہو ۔ بخاری و مسلم بروایت ابی بکرہ بالفاظ دیگر در صمت ابن ابی الدنیا ہکذا ۱۲۔ [۲] باندک اختلاف ۔ [۲] ابن ابی الدنیا در صمت و بیہقی در شعب بروایت انس اور اس کی سند میں ابو خلف خادم انس ضعیف ہے ۱۲

یہ ہے کہ تعریف سے اس کو کبر وعجب پیدا ہوتا ہے اور یہ دونوں صفتیں مہلک ہیں حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ ایک بار درہ لیئے بیٹھے تھے اور لوگ آپ کو حلقہ کئے تھے اتنے میں جارود بن منذر آیا ایک شخص نے اس کو کہا کہ ربیعہ کی قوم کا سردار ہے جب آپ نے اور لوگوں نے سنا اس کو اور وہ قریب آیا تو آپ نے آہستہ آہستہ اس کو درہ سے مارا اس نے عرض کیا کہ کیا بات ہے آپ نے فرمایا کہ تو نے نہیں سنا تھا کہ تجھ کو فلاں شخص نے کیا کہا ہے اس نے عرض کیا کہ سنا تو تھا آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو تجھ میں اس کی شیخی آجائے اس واسطے میں نے تیرے نفس کو کم کرنے کو یہ بات کی دوم یہ کہ جب تعریف سے یہ معلوم ہوگا کہ میں اچھا ہوگیا تو اپنی بہتری میں سستی کرے گا کیونکہ عمل میں کوشش وہی خوب کرتا ہے جس کو یہ معلوم ہو کہ میرے نفس میں قصور وکمی ہے اور جب لوگوں کی زبان سے تعریف ہی سنے گا تو جانے گا کہ میں کامل ہوگیا اب عمل کی حاجت نہیں اسی واسطے حدیث مذکورہ بالا میں ارشاد تھا کہ تو نے اپنے یار کی گردن کاٹ ڈالی اور وہ سنے گا تو فلاح پائے گا اور ایک حدیث میں ہے [1] اذا مدحت اخاك فی وجهه فكانما امررت علی حلقه موسی رمیضا اور ایک شخص مادح کو فرمایا عقرت الرجل عقرك الله [2] اور مطرف فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں نے کسی سے مدح وثنا سنی ہے میرا نفس میرے نزدیک ذلیل ہوگیا اور زیاد بن ابی مسلم کا قول ہے کہ جب کوئی شخص اپنی تعریف و مدح سنتا ہے تو شیطان اس کو فخر وشیخی میں مبتلا کرتا ہے مگر ایماندار آدمی اس بات سے محفوظ رہتا ہے حاصل یہ کہ عوام کے حق میں تعریف زہر قاتل ہے اور خواص اس کی آفت سے بچے رہے ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ لو مشی الرجل الی الرجل بسكين مرهف كان خيرًا له من ان يثنی عليه فی وجهه اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدح کرنا بمنزلہ ذبح کے ہے اور یہ اس لئے فرمایا کہ ذبح کے بعد کوئی کام نہیں ہوسکتا ایسا ہی تعریف سے بھی سستی چھا جاتی ہے اور عمل سے باز رکھتی ہے یا کہ مدح کے باعث کبر وعجب جو صفات مہلکہ سے ہیں پیدا ہوتے ہیں اور یہ بھی گویا ذبح کرنا ہے پس اگر تعریف ان سب آفتوں سے خالی ہو تو اس میں کسی طرح کا مضائقہ نہیں بلکہ اس طرح کی تعریف مستحب ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی تعریف فرمائی ہے حضرت ابوبکر صدیق کی شان میں فرمایا [3] لو وزن ايمان ابی بكر بايمان العالم لرجح۔ اور حضرت عمرؓ کی شان میں فرمایا [4] لو لم ابعث لبعثت يا عمر اور اس سے

[1] جب تو نے اپنے بھائی کی تعریف اس کے منہ پر کی تو اس کی گردن پہ استرا پھیر دیا ۱۲ ابن مبارک وزہد بروایت حی ابن جابر مرسلاً [2] کونچ کاٹ دیا تو نے اس شخص کا خدا تیرا کونچ کاٹے ۱۲ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ قول عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہے حمید بن جوبہ نے نقل کیا ہے۔ ۱۲۔
[3] اگر کوئی شخص دوسرے کی طرف تیز چھری لیکر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف کرے اس کی سند مجھے نہیں ملی۔ [4] اگر ایمان ابوبکر کا تمام جہان کے ایمان سے تولا جائے تو ان کا ایمان ہی بھاری ٹھہرے ۱۲ باب العلم میں گزری [5] اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو اے عمر تو پیغمبر ہوتا ۱۲ ابو منصور در فردوس بروایت ابوہریرہ اور اس وجہ سے یہ منکر ہے اور معروف اس باب میں حدیث عقبہ بن عامر کی ہے جو ترمذی نے نقل کی۔ لو كان بعدی نبی لكان عمر ۱۲۔

زیادہ اور کونسی تعریف ہو گی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نور بصیرت سے معلوم ہو گیا تو ایسا فرمایا علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اتنا بڑا تھا کہ اس تعریف سے گرد کبر و عجب کی ان کے دامن دل پر نہیں بیٹھ سکتی تھی اسی لحاظ سے اپنے منہ سے اپنی بڑائی بیان کرنی بری ہے اس سے کبر اور فخر پایا جاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے[ح۱] انا سید ولد آدم ولا فخر۔ یعنی میں یہ قول براہ تفاخر نہیں کہتا ہوں جیسا اور لوگ کہا کرتے ہیں کہ اپنے منہ آپ میاں مٹھو بنتے ہیں اور ظاہر ہے کہ افتخار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب الی اللہ کی جہت سے تھا نہ اس سبب سے کہ سرداری اولاد آدم کی ہوئی اور ان لوگوں کی نسبت مقدم ہوئے اس کو ایسا سمجھنا چاہیئے کہ کوئی بادشاہ کسی شخص کو زیادہ تر مقبول فرمائے تو اس کو بادشاہ کے معتمد اور مقرب بننے کا فخر ہوتا ہے اس وجہ سے خوش نہیں ہوتا کہ رعایا کے اوپر فضیلت ہوئی جب کہ تفصیل آفات کی معلوم ہو گئی تو اب معلوم ہو گیا کہ مدح کی برائی کس سبب سے ہوتی ہے اور اس پر جو احادیث میں ترغیب پائی جاتی ہے اس سے کیا غرض ہے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص مردہ کی شان میں فرمایا وجبت یہ ضرور یعنی جنتی ہوا اول لوگوں نے اس کا ذکر خیر کیا تب آپ نے یہ لفظ فرمایا اس سے صاف ظاہر ہے کہ ذکر خیر ہی دوسرے کا کرنا چاہیئے اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کے جلیس فرشتے ہوتے ہیں جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کا ذکر خیر کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ تجھے بھی خدا ایسا ہی کرے اور جب کسی کو برائی سے ذکر کرے تو فرشتے کہتے ہیں اے ابن آدم خدا نے تیرے عیب پوشیدہ رکھے تو اسی پر بس کر اور اللہ کا شکر کر اب یہ بات رہی کہ ممدوح کو تعریف کے بعد کیا کرنا چاہیئے پس اس کو چاہیئے کہ یوں تامل کرے کہ خاتمہ کا وقت نازک اور پر خطر ہے اور اعمال پر کچھ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے اور صدہا آفات ریا وغیرہ کی لگی ہوئی ہیں اور اپنے عیوب کو بھی سوچے جن کو خود جانتا ہے اور تعریف کرنے والے کو ان کا علم نہیں اگر اس کو اپنے اسرار اور خواطر کا حال معلوم ہو گا تو تعریف کرنے والے کو مدح سے باز رکھے گا اور پھر خود اس تعریف پر کراہت کرے کہ مادح کو ذلیل اور پشیمان کرے چنانچہ حدیث شریف میں ہے[ح۱] احثوا فی وجوہ المداحین التراب اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کو جانتا ہے اس کو مدح سے ضرر نہیں ہوتا ایک اور صالح کی کسی نے تعریف کی تو انہوں نے فرمایا الہٰی یہ لوگ مجھ کو نہیں جانتے اور تو میرے حال کو جانتا ہے اور ایک دوسرے بزرگ نے تعریف کے بعد فرمایا کہ الہٰی تیرے اس بندہ نے میری نزدیکی ایسی بات سے چاہی جس میں تو نہ خوش ہو میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اس سے ناخوش ہوں اور حضرت علیؓ کی تعریف کسی نے کی تو آپ نے فرمایا الہٰی جس بات کو یہ لوگ نہیں جانتے اور میری نسبت کہتے ہیں اس کا مواخذہ مجھ سے مت فرما اور مغفرت کر اور مجھ کو ان کے عندیہ سے بہتر کر دے اور ایک شخص کا حال آپ کو معلوم تھا کہ پیچھے برا کہتا ہے اس نے جب سامنے آ کر

ح[۱] میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور کچھ شیخی نہیں ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابو سعید خدری ۱۲ ح[۲] بخاری و مسلم بروایت انس ۱۲ ح[۳] تعریف کرنے والوں کے منہ پر خاک ڈالو مسلم بروایت مقداد ۱۲۔

تعریف کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ زبان سے جو تو کہہ رہا ہے اس سے تو میں کم ہوں اور جو بات تیرے دل کے اندر ہے اس سے زیادہ ہوں اور ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا کہ تو مجھ کو اور اپنے آپ کو دونوں کو ہلاک کیا چاہتا ہے

گفتگو کی باریک غلطیاں

جو باتیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات سے متعلق ہیں یا امور دین سے لگاؤ رکھتی ہیں تو عالم آدمی اس کے الفاظ کو درست کرکے بولتے ہیں اور عوام جن کو علم کم ہوتا ہے ان میں لغزش کر جاتے ہیں مگر جہالت کے سبب اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور وہ باتیں ایسی ہیں جیسے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یقل احد کم ما شاء اللہ و شئت ولکن لیقل ما شاء اللہ ثم شئت[۱] یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور خواہش کے ساتھ دوسرے کو شریک کر کے بولنا نہ چاہیئے کہ خدا اور تو چاہے گا تو یوں ہو گا کہ اس میں بے تعظیمی اور بے ادبی پائی جاتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مقدم تو مشیت ایزدی ہے پھر تیرا ارادہ یہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور گفتگو میں بول اٹھا کہ جو خدا اور اس کے رسول نے چاہا آپ نے فرمایا کہ تو مجھ کو خدا کا شریک کرتا ہے یوں کہہ کہ ماشاء اللہ وحدہٗ اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ پڑھا اس میں کہا[۲] من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصہما فقد غویٰ۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہہ ومن یعص اللہ ورسولہ فقد غویٰ۔ صیغہ تثنیہ جو مشارکت اور برابری پر دلالت کرتا ہے اس کو بھی آپ نے برا جانا اور ابراہیم اس بات کو برا جانتے تھے کہ کوئی کہے کہ خدا کی پناہ اور تیری پناہ بلکہ یوں کہنا جائز ہے کہ خدا کی پناہ پھر تیری پناہ اور بعضے لوگ یوں کہنا برا جانتے ہیں کہ الٰہی دوزخ سے ہم کو آزاد کرانا اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آزاد کرنا بعد دوزخ میں داخل ہوں گے ہو گا اس واسطے کیا ضرور ہے کہ ایسا لفظ کہیں یوں کیوں نہ کہیں کہ الٰہی ہم کو دوزخ سے بچا اور پناہ میں رکھ اور ایک شخص نے دعا مانگی کہ الٰہی تو مجھ کو ان لوگوں میں سے کر جن کو شفاعت شافع روز جزا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیب ہو پس حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے غنی فرمائے گا آپ کی شفاعت گنہگاران امت کے لئے ہوگی ؎

چہ غم دیوار امت راکہ باشد چوں تو پشتیبان ؛ چہ باک از موج بحر آنراکہ باشد نوح کشتیبان

اور ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی دوسرے کو گدھا یا سوار کہتا ہے تو قیامت کو اس سے پوچھا جائے گا کہ بتا تو سہی میں نے اس کو گدھا بنایا تھا یا سوار جو تو ان الفاظ سے اس کو ذکر کرتا تھا اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں

---

[۱] تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو خدا اور تو چاہے بلکہ یوں کہے کہ جو اللہ نے چاہا پھر تو نے چاہا ابو داؤد نسائی در کبری و ابن ماجہ ۱۲ [۲] جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ راہ یاب ہوا اور جس نے ان کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا مسلم بروایت عدی بن حاتم ۱۲

کہ تم میں سے بعضے آدمی ایسا شرک کرتے ہیں کہ کتنے تک کو شرک کر دیتے ہیں کہ اگر یہ کتا نہ ہوتا تو آج رات لٹ ہی گئے تھے حافظ حقیقی کا خیال نہیں کرتے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے یہ کلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ[۱] ان اللہ ینہاکم ان تحلفوا بآبائکم میں نے کبھی اس طرح قسم نہیں کھائی اور حدیث شریف میں ہے[۲] لا تسموا العنب کرما ان الکرم الرجل المسلم اور حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث مروی ہے[۳] کہ تم میں سے کوئی مت کہو کہ میرا بندہ ہے اور میری لونڈی ہے کیونکہ بندے سب اللہ کے ہیں اور لونڈیاں بھی سب اسی کی ہیں بلکہ یوں کہا کرو کہ یہ میرا غلام ہے یا چھوکرا اور اصیل یا چھوکری ہے اور غلام بھی اپنے آقا کو رب یا ربہ یعنی پرورش کنندہ نہ کہے بلکہ آقا اور سردار کہے اس لئے کہ پرورش کنندہ سب کا خدا تعالیٰ ہے اور فرمایا[۴] لا تقولوا للمنافق سید فانہ ان یکن سید کم فقد استغلظتم ربکم اور فرمایا کہ جو شخص یوں کہے کہ میں اسلام سے بری ہوں تو اگر سچ ہے تو ویسا ہو گا جیسا کہا اور جھوٹا ہے تو اسلام کی طرف کبھی سلامت نہ پھرے گا غرضیکہ اس طرح کی باتیں جو رات دن آدمی کے منہ سے نکلتی ہیں سب اس آفت میں داخل ہیں اور تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی باتیں روزمرہ صد بالکل جاتی ہوں گی اور جو شخص آفات زبان کو بغور دیکھے اس کو یقین ہو جائے گا کہ اگر زبان کو نہیں روکوں گا تو بے شک نہیں بچوں گا اور اس وقت اس حدیث شریف کی حکمت معلوم ہو کہ من صمت نجی۔ اسی لئے کہ آفات سب کے سب مہلک ہیں اور بولنے والے کی راہ میں ہیں اگر وہ چپ رہے گا تو ان سب سے بچا رہے گا اور اگر کوئی بولے گا تو اپنے نفس کو خطرہ میں ڈالے گا لیکن اگر زبان فصیح اور بہت سا علم اور تقویٰ اور مراقبہ دوام اور قلت کلام رکھتا ہو گا تو شاید بچا رہے اور باوجود ان باتوں کے بھی خطرہ سے خالی نہ ہو گا پس اگر آدمی سے یہ نہ ہو سکے کہ گفتگو کرنے سے کچھ فائدہ حاصل کرے تو سکوت اختیار کرنا اولیٰ ہے جس سے اور کچھ نہ ہو گا تو ان آفات سے تو بچا رہے گا یہی غنیمت ہے ؎

خموشی معنئ دارد کہ در گفتن نمی آید

عام لوگوں کے سوال

اللہ تعالیٰ کے صفات اور کلام اور حروف سے کہ یہ قدیم ہیں یا حادث ہیں حالانکہ عوام کو اسی قدر چاہیئے کہ جو کچھ قرآن کے اندر احکام ہیں ان کے بموجب عمل کریں مگر یہ بات نفس پر گراں گزرتی ہے اور بیہودہ باتیں دل پر آسان معلوم ہوتی ہیں اور عام آدمی دخل در معقولات کرنے سے خوش ہوتے ہیں اس واسطے کہ شیطان ان کے دلوں میں جما

---

[۱] بے شک اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تم کو اس سے کہ قسم کھاؤ اپنے باپ کی بخاری و مسلم ۱۲ [۲] انگور کو کرم نہ کہا کرو کہ کرم مرد مسلمان ہی ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت وائل بن حجر ۱۲ [۳] بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ [۴] منافق کو اپنا سید یعنی سردار مت کہو کیونکہ وہ اگر تمہارا سردار ہو گا تو تم نے اپنے رب کو غصہ میں ڈالا ابو داؤد بروایت بریدہ اسلمی ۱۲

دیتا ہے کہ تم عالم و فاضل ہو اور یہاں تک کہ اس امر کو ان کے دلوں میں پختہ کرتا ہے کہ بعض کلمات کفر بھی زبان سے نکل جاتے ہیں اور ان کو خبر نہیں ہوتی اور عامی کے لیئے گناہ کبیرہ کا ارتکاب بہ نسبت علمی کلام کے زیادہ اچھا ہے خصوصًا جو باتیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات کے متعلق ہیں ان میں تو ان کو کلام کرنا ہی نہ چاہیئے ان کو تو یہ چاہیئے کہ جو کچھ قرآن مجید میں اترا ہے اس پر ایمان لائیں اور عبادات میں مشغول ہوں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے سے ہم تک بھیجا ان کو مان لیں کچھ بحث تکرار نہ کریں اور جو امور کہ عبادات سے متعلق نہیں ان کا پوچھنا بے ادبی ہے اس سے مستحق غصہ الٰہی کے ہوتے ہیں اور کفر کے خطرہ میں پڑتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے گھوڑوں کے سائیس بادشاہی رازوں کو دریافت کرنا چاہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ؎

زغن را بسر طاؤسے نزادند : مگس را فر عنقائے ندادند۔

پس جو کوئی کسی ایسے علم دقیق کا سوال کرے گا کہ اس کی عقل نہیں پہنچتی اور فہم اس درجہ سے قاصر ہے تو وہ شخص بھی اس کے علم میں بمنزلہ عامی و جاہل کے ہے ایسے سوال کرنے سے مستحق عقوبت اور قابل مذمت ہوگا اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ[۱] ذرونی ما ترکتکم فانما ھلک من کان قبلکم بسوالھم واختلافھم علی انبیائھم ما نھیتکم عنہ فاجتنبوہ وما امرتکم بہ فاتوا منہ ما استطعتم اور حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ ایک روز لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں تک سوال کثرت سے کئے کہ آپ تنگ ہو کر غصہ ہوئے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ خوب پوچھو جو پوچھو بتاؤں گا پس ایک شخص آپ کے سامنے کھڑا ہو کر پوچھنے لگا کہ میرا باپ کون ہے آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ حذافہ ہے پھر اور دو بھائی کھڑے ہوئے انہوں نے سوال کیا کہ ہمارا باپ کون ہے آپ نے فرمایا جس کے تم بچے کہلاتے ہو پھر ایک شخص اٹھا اس نے پوچھا کہ میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں آپ نے فرمایا دوزخ میں جب لوگوں نے آپ کا غصہ اور جلال دیکھا تو خاموش ہو گئے اور کسی کی کچھ جرأت نہ ہوئی حضرت عمرؓ سامنے کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے۔ رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا۔ آپ نے فرمایا اے عمر تو بیٹھ جا مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھ کو توفیق رفیق ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحث اور مال کے تلف کرنے اور کثرت استفسار سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی وارد ہے کہ

---

[۱] ح نسائی و ابن ماجہ بروایت بریدہ اسلمی ۱۲ [۲] ح جس نے سکوت کیا اس نے نجات پائی شروع میں اس باب کے گزری ۱۲ [۳] ح جو چیزیں میں نے تم کو بتلائی چھوڑ دی اس کو مجھ ہی تک رہنے دو کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی سے ہلاک ہوئے کہ سوال کیا اور نبیوں سے اختلاف کیا اور جس بات سے میں تم کو منع کروں اس سے بچو اور جس چیز کا حکم کروں اسے جتنا تم سے ہو سکے بجا لاؤ۔ ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابی بکرہ۔ [۴] ح راضی ہوئے ہم اس سے کہ رب ہمارا اللہ ہے اور دین اسلام ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں ۱۲ بخاری ومسلم نے نقل کی ہے اور اس میں صرف حذافہ کے لڑکے اور حضرت عمر کا قول ہے ۱۲ [۵] ح بخاری ومسلم بروایت مغیرہ بن شعبہ ۱۲

آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ کثرت سے سوال کرتے کرتے یوں کہنے لگیں گے کہ خلق کو تو خدا نے پیدا کیا ہے اور خدا کو کس نے پیدا فرمایا ہے پس جب یہ قول کہیں تو چاہیئے کہ سورہ اخلاص پوری پڑھیں اور بائیں طرف تین بار تھتکار دیں اور شیطان رجیم سے جناب باری میں پناہ مانگیں اور حضرت جابرؓ فرماتے کہ متلاعنین کی آیت یعنی جو سورہ نور کے اول رکوع میں ہے صرف کثرت استفسار کے باعث نازل ہوئی اور حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے قصہ سے تو صاف ثابت ہے کہ بے موقع سوال کبھی نہ کرنا چاہیئے اور اور جس بات کا اپنے آپ کو سمجھنے کا شعور نہ ہو اس کو ہرگز دریافت نہ کرنا چاہیئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام کا یہ وعدہ تھا کہ جب تک کسی بات کو میں نہ کہوں کسی بات کو مجھ سے مت پوچھنا مگر جب انہوں نے اول کشتی کا حال پوچھا تو ان کو برا معلوم ہوا اور وعدہ یاد دلایا انہوں نے عذر کیا کہ بھولے سے میں نے پوچھا اس کو معاف کرو لیکن جب تین بار ایسا ہی ہوا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا[ت] ھذا فراق بینی و بینك ۔ اور ان کو چھوڑ کر چلے گئے حاصل یہ کہ عوام لوگوں کے حق میں بہت باریک علمی باتوں کا پوچھنا بڑی آفت ہے اور اس سے بہت سے فتنے پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کو روکنا ہی مصلحت ہے اور حروف قرانی میں ان کا بحث کرنا ایسا ہے کہ کوئی بادشاہ کسی شخص کے پاس اپنا شقہ بھیجے اور ضروری کام اس میں لکھ دے وہ ان باتوں کی طرف تو متوجہ نہ ہو بلکہ اپنا وقت اس میں رائیگاں کرے کہ اس شقہ کا کاغذ پرانا ہے یا نیا اس امر سے بیشک وہ مستحق سزا ہوگا اسی طرح جاہل آدمی بھی اگر کلام مجید کی عبادات ضروری کو چھوڑ کر حروف کی بحث میں اوقات تلف کرے تو اس کا بھی یہی حال ہوگا اور یہی حال اور صفات الٰہی کا جاننا چاہیئے باب آفات زبان خدا کی عنایت سے پورا ہوا والحمد للہ ۔

پانچواں باب: غضب وحسد

ہے حقد و حسد سے ظلمت دل کی حاصل ۔ آزاد جو ان سے ہو وہی ہے کامل
یہ دونوں راہ سلوک میں ہیں رہزن ۔ سالک نہ رہے ان سے کسی دم غافل

جاننا چاہیئے کہ غضب جس کو غصہ کہتے ہیں وہ آگ میں کا ایک شعلہ ہے جس کی صفت یہ آیت ہے[ت] نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ اور جیسے آگ راکھ میں چھپی رہتی ہے اس طرح غصہ کی آگ دل میں تہوں میں مخفی رہتی ہے اور جس طرح چقماق لگتے ہی آگ ظاہر ہو جاتی ہے اسی طرح یہ آگ بھی کبر کی ادنیٰ چوٹ سے دل میں رہتی ہے ظاہر ہو جاتی ہے اور ارباب مکاشفہ کو نور یقین سے یہ بات دریافت ہوئی ہے کہ آدمی

خ بخاری ومسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ خ براہ نے نقل کی ہے۔ ت یہ جدائی ہے مجھ میں اور تجھ میں ۱۲ ت۲ آگ ہے اللہ کی وہ جھانک لیتی ہے دل ۱۲ ۔

میں ایک رگ شیطان کی مشابہت کی پائی جاتی ہے پس جو غصہ کی آگ سے جل اٹھتا ہے اور حق سے مائل ہو جاتا ہے وہ اپنا نسب اور قرابت شیطان کی طرف پکاکرتا ہے اس لیئے کہ اس نے یہی کہا تھا کہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین[1] مٹی کی شان سے یہ ہے کہ ساکن اور وقار سے رہے اور آگ کی شان یہ ہے کہ سلگے اور شعلہ زن ہو کر متحرک اور مضطرب ہو پس آدمی میں بھی اگر حرکت اضطراب وقت غصہ پایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساخت مٹی سے نہ تھی بلکہ خمیر آگ کا ہے جس سے شیطان بنا ہے اور غضب کا نتیجہ حقد وحسد یعنی کینہ اور دوسرے کا برا چاہنا ہے ان دونوں سے اکثر لوگ تباہ برباد ہوئے ان کا مسکن بھی وہی مضغہ گوشت یعنی دل ہے اور از آنجا کہ ان تینوں چیزوں سے انسان تباہ ہوتا ہے تو نہایت ضرور ہوا کہ ہلاک کی جگہ بتلا دی جائیں تاکہ ان سے پرحذر رہے اور ان کے پاس نہ پھٹکے اور دل میں یہ چیزیں جم گئی ہوں تو اس کو بھی صاف کریں اور جہاں تک بنے علاج کے درپے ہو اس لیئے کہ جب تک بری بات کو آدمی نہیں جانتا اس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور صرف جاننا بھی کافی نہیں جب تک اس کے بچنے کا علاج و تدبیر معلوم نہ ہو لہذا ہم اس باب میں سولہ بیان لکھیں گے اول کے آٹھ بیانوں میں تو غضب کی برائی اور اس کی حقیقت اور اسباب اور علاج اور حلم کا ثواب وغیرہ اور باقیوں میں حقد وحسد کے معنی نتیجے اور مذمت و اسباب و تدبیر اور جو ان سے متعلق ہیں لکھے جائیں گے

غصہ کی برائی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[2] اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین اس آیت میں اللہ جل شانہ نے کفار کی مذمت اسی لیئے فرمائی کہ انہوں نے امر باطل پر غیرت کے مارے اتفاق کرایا تھا اور غیرت بھی غصہ ہی ہوا کرتا ہے اور مومنین کی تعریف سکینت اور وقار اترنے پر فرمائی حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں[3] کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو تھوڑا سا عمل بتلا دیجئے آپ نے فرمایا لا تغضب. یعنی غصہ نہ ہو اکر پھر دوبارہ اس نے پوچھا تو وہی جواب دیا اور حضرت ابن عمرؓ سے بھی اسی مضمون کے قریب قریب مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ میرے واسطے ایک بات تھوڑی سی ارشاد فرما دیجئے کہ اس پر تمسک کروں اور عمل کروں آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کر میں نے دوبارہ یہی سوال کیا آپ نے یہی جواب دیا اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ کو خدا کے غضب سے کیا چیز بچائے گی آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو غصہ مت کیا کر[4] اور حضرت

---

[1] مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے ۱۲ ف [2] جب رکھی منکروں نے اپنے دل میں حمیت حمیت نادانی کی اتارا اللہ نے اپنی طرف کا چین اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مسلمانوں پر ۱۲ [3] بخاری نے نقل کی ہے۔ [4] ابو یعلی نے نقل کی ہے ابن عبدالبر واحمد ۱۲۔

ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے پوچھا کہ تم لوگ پہلوان زبردست کس کو سمجھتے ہو سبھوں نے عرض کیا کہ ایسے شخص کو جانتے ہیں جو کسی سے پچھاڑ نہ کھائے آپ نے فرمایا کہ وہ پہلوان نہیں پہلوان زبردست وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو دبائے رکھے اور حضرت ابوہریرہ سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا لیس الشدید بالصرعۃ وانما الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ من کف غضبہ ستر اللہ عورتہ اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہت غصہ سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ غصہ کی کثرت مرد حلیم کے دل کو خفیف کر دیتی ہے اور حضرت عکرمہ تفسیر آیت وسیدًا وحصورًا ونبیًا من الصالحین۔ میں فرماتے ہیں کہ سید سے وہ شخص مراد ہے جس پر غصہ غالب نہ ہو اور حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ مجھ کو کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے جنت میں جاؤں آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کرو اور حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو ارشاد فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا میں آدمی ہوں آپ نے فرمایا کہ مال مت جمع کرو انہوں نے فرمایا کہ شاید یہ ہو سکے گا اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غضب سے ایمان ایسا بگڑتا ہے جیسے ایلوہ سے شہد خراب ہو جاتا ہے اور فرمایا جو کوئی غصہ کرتا ہے جہنم کے کنارہ جا لگتا ہے اور ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ سخت کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ خدا کا غضب اس نے عرض کیا کہ مجھ کو کون چیز اس سے دور کرے گی آپ نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر آثار حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ابن آدم تو غصہ میں اتنا اچھلتا ہے کہ یہ ڈر ہو سکتا ہے کہ شاید اب کی اچھال میں دوزخ میں جا پڑے اور حضرت ذی القرنین سے روایت ہے کہ ان سے ایک فرشتہ ملا انہوں نے پوچھا مجھ کو کوئی علم ایسا بتاؤ جس سے میرا ایمان یقین زیادہ ہو فرشتہ نے کہا کہ غصہ نہ کیا کر کیونکہ شیطان آدمی پر جتنا غصہ میں اختیار رکھتا ہے اور کسی حالت میں نہیں رکھتا پس غصہ کو پی جایا کرو اور ناچیز سے اس کو ساکن کیا کرو اور جتنا ہو سکے جلدی سے بچو جلدی میں بہرہ وافی نہیں ملتا اور قریب و بعید سے سہولت و نرمی سے رہو اور جابر اور سرکش مت رہو اور وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ ایک راہب اپنی عبادت گاہ میں تھا شیطان نے اس کو گمراہ کرنا چاہا مگر وہ اپنی بات پر پکا رہتا تو شیطان ایک بار اس کے حجرے کے پاس آیا اور اس کو پکار کر کہا کہ دروازہ کھول اس نے جواب نہ دیا شیطان نے پھر کہا کہ دروازہ کھول دے ورنہ اگر میں چلا جاؤں گا تو پچھتائے

---

۱ مسلم نے نقل کی ہے۔ ۲ بخاری و مسلم ف سخت نہیں ہے پچھاڑنے والا بلکہ وہ سخت ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے ۱۲ ۴ جو شخص اپنے غصہ کو روکے اللہ تعالیٰ اس کے عیب چھپاتا ہے ابن ابی الدنیا فی الصمت ۱۲ ف ۵ اور سردار ہو گا اور عورت کے پاس نہ جائے گا اور نبی ہو گا نیکیوں میں سے ۱۲ ۶ ابن ابی الدنیا و طبرانی ۱۲ ۷ طبرانی در کبیر و بیہقی در شعب بروایت بہز بن حکیم عن جدہ بسند ضعیف ۱۲ ۸ بزاز و ابن عدی نے بروایت ابن عباس یہ مضمون نقل کیا ہے اس کی سند ضعیف ہے ۱۲ ۹ احمد بروایت عبداللہ بن عمر ۱۲۔

گا اس نے پھر بھی کچھ توجہ نہ کی پھر کہا کہ مسیح ہوں راہب نے کہا کہ مسیح ہے تو میں کیا کروں مسیح نے ہم کو عبادت و ریاضت کا حکم فرمایا ہے اور قیامت میں ملنے کا وعدہ کیا ہے اگر خلاف وعدہ قیامت سے پہلے آج ہی چلے آئیں گے تو ہم کب مانتے ہیں پھر شیطان نے ان سے کہا کہ میں شیطان ہوں تجھے بہکانا چاہتا تھا سو نہ ہو سکا اب اس واسطے آیا تھا کہ جو تو پوچھے بتادوں اس نے کہا کہ مجھے کچھ پوچھنا منظور نہیں پس شیطان وہاں سے پھرا اتنے میں راہب نے کہا کہ سنتا ہے یا نہیں اس نے کہا کہ سنتا ہوں کہا کہ مجھے یہ بتلا دے کہ آدمی کی عادتوں میں کونسی تیری زیادہ مدد کرتی ہے اس نے کہا کہ تیزی اور غصہ آدمی جب غصہ ہوتا ہے تو ہم اس کو ایسا لوٹ دیتے ہیں جیسے لڑکے گیند کو لڑھکاتے ہیں اور غنیمہ فرماتے ہیں۔ کہ شیطان کا مقولہ ہے کہ ابن آدم مجھ پر کیسے غالب ہو سکتا ہے جب وہ راضی رہتا ہے تو میں اس کے دل میں رہتا ہوں اور جب غصہ ہوتا ہے تو اڑ کر اس کے سر میں چلا جاتا ہوں۔ اور حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ غضب ہر ایک برائی کی کنجی ہے اور بعض انصار کا قول ہے کہ تیزی بے وقوفی کی جڑ ہے اور اس کا منشاء غصہ ہوتا ہے اور جو جہالت سے خوش رہے اس کو علم کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ علم زینت اور نفع کی چیز ہے اور جہالت عیب و ضرر کی اور خاموش رہنا احمق کے جواب میں یہی اس کا جواب ہوتا ہے ؏

جواب جاہلاں باشد خاموشی

اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ شیطان کا قول ہے کہ بنی آدم سے میں نہیں تھکا اور تین باتوں میں کبھی بھی نہیں تھکوں گا ایک تو ان میں سے جب کوئی نشہ پیئے گا تو اس کی نکیل ہمارے ہاتھ میں ہوگی جہاں چاہیں گے لے جائیں گے کام ہماری مرضی کے موافق کرے گا ایک جب غصہ ہوگا تو قول ایسا کہے گا جس کو جانتا بھی نہ ہو اور کام وہ کرے گا جس سے ندامت ہو۔ ایک یہ کہ پاس کی چیز میں ہمیشہ بخل کی ترغیب دیتے رہتے ہیں اور ایسی باتوں کا چاؤ دلاتے ہیں جن پر ان کو قدرت نہ ہو اور ایک حکیم سے کسی نے کہا کہ فلانا شخص اپنے نفس پر خوب قابو رکھتا ہے ۔ اس نے جواب دیا تو اب اس کو شہوت رسوا نہ کرے گی اور ہوائے نفسانی سے پچھاڑ نہ کھائے گا اور غصہ اس کو نہ دبائے گا اور بعضوں کا قول ہے کہ غضب سے بچنا چاہیئے کیونکہ انجام کو معذرت کی ذلت اٹھانی پڑتی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ غضب سے ڈرتے رہو اس سے ایمان بگڑ جاتا ہے جیسا ایلوہ سے شہد بگڑ جاتا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ مرد کا حلم غصہ کے وقت دیکھنا چاہیئے اور امانت کو طمع کے وقت جانچنا چاہیئے اور جب غصہ نہ ہو اس وقت کے حلم کا کیا اعتبار ہے اسی طرح بدون طمع کے امانت کا اعتبار نہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عامل کو لکھا کہ غصہ کے وقت کسی کو سزا مت دینا بلکہ جب کسی مجرم پر غصہ آئے تو اس کو قید کرنا اور جب غصہ جاتا رہے تب روبکاری کر کے موافق جرم کے سزا دینا اور سزا بھی پندرہ کوڑے سے زیادہ کی نہ ہو اور علی بن زید انہیں کے حال میں کہتے ہیں کہ ایک بار ایک قریشی شخص نے ان سے سخت کلامی کی انہوں نے بڑی دیر تک سر نیچا کر لیا اور پھر فرمایا کہ تمہاری مرضی یہ تھی کہ حکومت کے جوش میں شیطان مجھے

خفیف ہو کر آج تمہارے ساتھ وہ بات کروں جس کو کل تم میرے ساتھ کرو اور بعض اکابر نے اپنے بیٹے سے کہا کہ غصہ کے وقت آدمی کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی جیسا کہ جلتے تنور میں زندہ کی روح نہیں رہتی پس جو شخص غصہ کم کرے وہی عقیل زیادہ ہے اور غصہ اگر دنیا کے واسطے ہے تو اس کا نام مکر و فریب ہے اور اگر آخرت کے لیئے ہے تو اس کو علم اور حلم کہتے ہیں کیونکہ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ غصہ عقل کا دشمن جانی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے فلاح کو پہنچا وہ شخص جو طمع اور ہوائے نفسانی اور غضب سے بچا رہا اور بعض اکابر کا قول ہے کہ جس نے شہوت اور غصہ کی اطاعت کی یہ دونوں اس کو دوزخ کی طرف کھینچیں گے اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ دین میں پکا ہو اور ایمان کا یقین رکھتا ہو اور علم مع حلم اور دانائی ملائمت کے ساتھ اور حقوق کی داد و دہش بجالائے اور تونگری میں میانہ روی اور فاقہ کے وقت تحمل اور قدرت کے وقت احسان اور شدت میں صبر کرے اور شہوت اس پر غالب نہ ہو اور ننگ و حمیت اس پر سرکشی نہ کریں حرص و پیٹ کے باعث ذلیل نہ ہو اور نیت میں کسی طرح کا قصور و فتور نہ واقع ہو مظلوم کی نصرت و مدد کرے ضعیفوں پر رحم کرے نہ بخیل ہو نہ مسرف جب اس پر کوئی ظلم کرے تو معاف کرے اور جاہلوں سے درگزر کیا کرے اس کا نفس تو ہمیشہ اس کے ہاتھ سے تنگ رہے مگر لوگ اس سے سب راضی رہیں اور کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے پوچھا کہ آپ حسن خلق کو مجملا ایک لفظ میں ارشاد فرمایئے آپ نے فرمایا کہ ترک غضب کا نام حسن خلق ہے اور ایک نبی نے انبیاء علیہم السّلام میں سے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کوئی ایسا ہے جو مجھ سے اس بات کا ذمہ کرے کہ کبھی غصہ نہ کرے اور میرے ساتھ جنت میں درجہ پائے اور میرے بعد خلیفہ اور جانشین ہو ایک جوان نے عرض کیا کہ میں کبھی غصہ نہ کروں گا پھر آپ نے دوبارہ کہا تو پھر اسی شخص نے کہا کہ میں ایسا ہوں اور ان کی زندگی بھر اپنے عہد کو پورا کیا بعد ان کی وفات شریف کے ان کے خلیفہ ہوئے یہ شخص ذوالکفل علیہ السلام تھے یعنی ضمانت والے کہ جس بات کا ذمہ کیا تھا اس کو پورا کیا اور وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ کفر کے چار رکن ہیں ایک غضب دوسرے شہوت سوم حمق اور چہارم طمع۔

غضب کی حقیقت

از آنجا کہ خداوند کریم نے حیوان کو ایسا بنایا ہے کہ اسباب داخلی اور خارجی سے فنا اور ہلاک ہو جاتا ہے تو اپنے خزانہ انعام سے ایک ایسی شئے بھی عنایت فرمائی ہے کہ جس کے سبب وقت مقررہ تک فنا سے محفوظ رہے داخلی اسباب کی طرف جو غور کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی ترکیب حرارت اور رطوبت سے ہے جن میں باخود عداوت اور ضد پائی جاتی ہے حرارت ہمیشہ رطوبت کو تحلیل اور خشک کرتی رہتی ہے کہ اس کے اجزا بخار بن کر اڑ جائیں پس اگر رطوبت کو غذا سے مدد نہ ملے اور جس قدر تحلیل اور خشک ہو جاتی ہے اس قدر جبر نقصان نہ ہو تو حیوان فنا ہو جائے اسی لیئے خداوند کریم نے غذا موافق بدن حیوانی کے پیدا کی اور حیوان میں اس کی اشتہا رکھدی کہ جس سے غذا کھایا کرے اور نقصان کا تدارک ہو کر ہلاک نہ ہونے پائے اور اسباب خارجی جو موجب ہلاک ہیں وہ ہتھیار مثل تلوار وغیرہ اور دوسرے مہلکات

ہیں ان کے لیئے اللہ تعالیٰ نے قوت غضب پیدا کی ہے جو باطن سے جوش کرتی ہے اور مہلک چیزوں کو اپنے آپ سے دفع کرتی ہے اس کو خدا تعالیٰ نے آگ سے بنا کر آدمی کی سرشت میں خمیر کر دیا ہے پس آدمی جب کسی مطلب سے روکا جاتا ہے یا اس کے خلاف مرضی کوئی چیز پیش آتی ہے تو وہ آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس کا شعلہ الیسا تیز ہوتا ہے کہ دل کے اندر کا خون جوش کھا کر رگوں میں اوپر کی طرف چڑھتا ہے جیسا کہ آگ کا شعلہ اونچا اٹھتا ہے یا ہنڈیا کا جوش اوپر کو ابلتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ غصہ کے وقت آدمی کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں چونکہ چہرہ کا پوست نرم اور صاف ہوتا ہے اسی لیئے خون کی جھلک اس میں خوب ظاہر ہو جاتی ہے جیسا کہ شیشہ کے اندر کی چیز معلوم ہوا کرتی ہے اور یہ حال اس وقت ہوتا ہے جس وقت کہ اپنے سے کم رتبہ آدمی پر غصہ آئے کیونکہ یہ جانتا ہے کہ اس پر میرا قابو ہے اور جس وقت کہ غصہ اپنے سے زیادہ پر آئے یا انتقام نہ لے سکتا ہو تو ایسی صورت میں خون ظاہر جلد سے بستہ ہو کر قلب کی طرف رجوع کرتا ہے اور باعث رنج و غم ہوتا ہے اسی سے چہرہ زرد رنگ ہو جاتا ہے اور اگر کسی برابر والے پر غصہ آتا ہے تو یہ دونوں کیفیتیں نمود ہوتی ہیں لال پیلا رنگ ہوا کرتا ہے اور اضطراب پیش آتا ہے بہرصورت قلب میں غضب کی جگہ ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ جوش کرنا خون دل کا بدلہ لینے کے واسطے اور یہ قوت موذی چیزوں کے دفع کے لیئے تو اول ہی متوجہ ہوتی ہے یعنی قبل ایذا ان کا دفعیہ چاہتی ہے اور بعد ایذا انتقام اور تشفی دل کے لیئے پیدا ہوتی ہے اور اس قوت کی غذا اور اشتہاء انتقام ہے اور اس میں اس کو لذت ملتی ہے اور بدون انتقام چین نہیں لیتی اب اس قوت میں ابتدائی پیدائش سے آدمیوں کے تین درجہ ہیں اول درجہ تفریط یعنی کمی کا ہے اور یہ مذموم ہے ایسے ہی شخص کو بے غیرت کہا کرتے ہیں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو باوجود غصہ دلانے کے غصہ نہ آئے تو وہ گدھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ غصہ اور حمیت کا بالکلیہ نہ ہونا بہت نقصان کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ارشاد فرمایا اشداء علی الکفار۔ اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم۔ اور شدت اور غلظت غضب کے بعد ہوا کرتی ہے دوسرا درجہ افراط یعنی زیادتی کا ہے وہ یہ ہے کہ غصہ اس درجہ غالب ہو کہ عقل دین کی طاعت و سیاست سے نکل جائے اور غصہ کے وقت آدمی میں بصیرت اور تامل اور فکر اور اختیار کچھ نہ رہے مضطر کی طرح ہو جائے اور غلبہ غضب کا سبب یا تو پیدائشی ہوتا ہے کہ شروع پیدائش سے ڈرائی صورت اور زود رنج اور زود غضب ہوتا ہے پھر مزاج کی گرمی اس کو اشتعال دیتی ہے اور شعلہ مذکور بالا ہو جاتا ہے اور سردی مزاج سے البتہ اس کی تیزی کم ہو جاتی ہے یا غلبہ غضب کا سبب عادت ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں میں نشست و برخاست رہے جو مغلوب الغضب اور سریع الانتقام ہیں اور ان باتوں کو شجاعت اور جوانمردی جانتے ہیں اور فخر یہ کہتے ہیں کہ ہم کو ذرہ برداشت نہیں اور ہم کو کوئی ذرہ سی بات کہے تو سہ

---

[۱] زور آور ہیں کافروں پر ۱۲ [۲] لڑائی کر منکروں سے اور دغا بازوں سے اور سختی کر ان پر ۱۲۔

نہیں سکتے حالانکہ حقیقت میں گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کو ذرہ عقل وحلم نہیں مگر بے وقوفی سے اسی کو فخر جانتے ہیں پس جو شخص ایسے لوگوں سے اس طرح کی باتیں سنتا رہتا ہے اس کے دل میں غصہ کی خوبی جم جاتی ہے اور چاہتا ہے کہ میں بھی ایسا ہی ہو جاؤں اس لیئے غصہ بڑھ جاتا ہے اور جب غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو غصہ والے کو پھونک دیتی ہے اور نصیحت سے بہرہ کر دیتی ہے بلکہ نصیحت سے اور زیادہ غصہ ہوتا ہے اور اپنی عقل ونفس سے کچھ استفادہ کرے یہ بھی نہیں ہو سکتا اس لیئے کہ نور عقل گل ہو جاتا ہے خواہ غصہ کے دھوئیں سے ایسا دھندلا ہو جاتا ہے کہ کام کا نہیں رہتا اس لیئے آدمی دماغ سے فکر کیا کرتا ہے مگر جب غصہ کے مارے دل میں خون جوش مارتا ہے تو اس سے ایک کالا دھواں دماغ کی طرف چڑھ کر فکر کی جگہ پھیل جاتا ہے بلکہ بعض اوقات حواس کی جگہ کو بھی گھیر لیتا ہے کہ آنکھ سے کچھ نہیں دیکھتا اور کانوں سے کچھ نہیں سنتا دنیا تاریک معلوم ہوتی ہے اور اس حال میں دماغ کی ایسی صورت ہو جاتی ہے جیسے کسی غار میں آگ جلائی جائے اور تمام غار میں دھواں بھر جائے اور زمین بھی تیز ہو جائے تو ایسی جگہ میں اگر کوئی چراغ جلتا ہوا ہو گا تو اس سے کیا سوجھے گا وہ تو دھندلا ہو جائے گا یا گل ہو جائے گا اور جو شخص اس غار میں ہو گا وہ نہ تو اس میں ٹھہر سکتا ہے نہ کوئی کلام سن سکتا ہے نہ صورت دیکھ سکتا ہے نہ اس دھوئیں کو اندر یا باہر فرو کر سکتا ہے بلکہ جب تک جلنے کی چیز جل نہ جائے گی تب تک صبر کرنا پڑے گا یہی حال غصہ کا دل و دماغ کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات غصہ کی آگ ایسی تیز ہوتی ہے کہ اس سے وہ رطوبت جس سے کہ دل کی زندگی ہے فنا ہو جاتی ہے اور آدمی ہلاک ہو جاتا ہے جیسے کہ غار کی آگ بعض اوقات زیادہ ہو کر اس کے ٹکڑے کر دیتی ہے اور اوپر سے نیچے کو بیٹھ جاتا ہے یعنی محاذی دیواروں اور طرفوں میں جو قوت قائم رہنے کی ہے شدت گرمی سے وہ جاتی رہتی ہے اور گر پڑتا ہے اسی طرح یہاں بھی غصہ کی آگ سے رطوبت قلبی دور ہو کر باعث موت ہو جاتی ہے اور اگر واقع میں پوچھو تو سمندر کی موجوں میں طوفان کے وقت کشتی کا ہونا بہت بہتر ہے اس حال سے جو غصہ کے وقت آدمی کے دل کا ہوتا ہے اس لیئے کہ کشتی کے بچنے کی توقع ہوتی ہے کیونکہ اس میں جو لوگ سوار ہیں وہ اس کو ٹھہرانے کی بیسیوں تدبیریں کریں گے اور یہاں تو نفس کی کشتی کا ناخدا دل تھا وہی غضب کے سبب اندھا اور بہرہ ہو گیا پھر تدبیر کون کرے اب جاننا چاہیئے کہ شدت غضب کے نشان ظاہر میں یہ ہیں رنگ کا بدل جانا ہاتھ پاؤں کا کانپنا افعال کا بے ترتیب وانتظام صادر ہونا کلام میں لڑکھڑانا یہاں تک کہ باچھوں میں جھاگ آجائے اور آنکھیں سرخ ہو جائیں نتھنا پھول جائے شکل بدل جائے اور اگر غصہ والا اپنی صورت باطنی کو غصہ کے وقت دیکھے تو شرم کے مارے غصہ جاتا رہے کہ کیسی بری صورت ہو گئی اور از آنجا کہ صورت ظاہری صورت باطنی کا عنوان ہوا کرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ باطن اور بھی زیادہ برا ہو گا کیونکہ اول صورت باطن ہی بگڑتی ہے اور وہی بگاڑ ہوتے ہوتے صورت ظاہری پر پھیل جاتا ہے تو گویا تبدیل صورت ظاہری فرع ہے اور صورت باطنی کی برائی اصل تو فرع کی صورت سے اصل کو قیاس کرنا چاہیئے غرضکہ تمام جسم میں تو یہ علامات ہوتی ہیں اور زبان میں غصہ کا اثر یہ ہے کہ گالیاں

بکنے لگتا ہے اور ایسے کلام فحش اور برے بولتا ہے کہ جس سے خردمندوں کو شرم آئے بلکہ خود غصہ والا بدون غصہ کے وقت کے کبھی ان کو بولتے ہوئے شرم کرے اور اس فحش کے ساتھ ہی یہ بھی ہوتا ہے کہ لفظوں میں اضطراب اور بندش بالکل خراب ہوتی ہے اور اعضاء پر تاثیر غضب یہ ہوتی ہے کہ بے تامل مارپیٹ نوچ کھسوٹ قتل وزخم کرنے لگتے ہیں اگر جس شخص پر غصہ آیا ہے وہ سامنے ہو اس پر بس چلا تو یہ باتیں اس کے ساتھ ہوں گی اور اگر وہ بھاگ گیا یا اور کسی سبب سے بے قابو ہو گیا تو خود غصہ اپنے اوپر لوٹتا ہے کہ کپڑے پھاڑتا ہے اور اپنا منہ پیٹتا ہے یا زمین پر ہاتھ دے مارتا ہے یا نشہ والوں اور مدہوشوں حیرانوں کی طرح دوڑتا ہے اور کبھی غصہ کے مارے ایسا گر پڑتا ہے کہ اٹھنے اور دوڑنے کی طاقت نہیں رہتی اور غش سا آجاتا ہے کبھی جمادات وحیوانات کو مارتا ہے مثلاً برتن توڑ ڈالا دستر خوان پھاڑ ڈالا گائے بیل گھوڑے کو گالیاں دینے لگا اور ان سے ایسی باتیں کرنے لگا جیسے سمجھ دار سے کیا کرتے ہیں اگر کوئی جانور لات مار دے تو غصہ میں آپ بھی اس کے لات مارتا ہے حالانکہ یہ حرکات مجنوؤں کے سے ہیں اور دل پر غصہ کی تاثیر یہ ہے کہ جس پر غصہ ہوا ہے اس کی طرف سے کینہ رکھنا اور حسد کرنا اس کی برائی چاہنا اور اس کی برائی سے خوش ہونا اور بھلائی سے رنجیدہ ہونا اور اس کے بھید کو ظاہر کر دینا اور درپے ہتک ہونا وغیرہ مسخرہ بنانا وغیرہ پس شدت غضب کے ثمرات یہ ہیں اسی طرح ضعف غضب کا نتیجہ بھی اچھا نہیں یعنی اس کا ثمرہ بے غیرتی ہے کہ جو بات آدمی کے گھر والوں کی مثلاً ماں بہن بیوی وغیرہ کی قابل غیرت کے ہو اس سے غیرت نہ کرے اور کمینوں سے ذلت اٹھائے اور خوار اور رسوا رہے اور بے غیرتی مثل مخنث ہونے کے ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ[1] ان سعد الغیور وانا اغیر من سعد واللّٰہ اغیر منی علاوہ ازیں غیرت نسبوں کی حفاظت کے لئے پیدا ہوئی ہے اگر غیرت میں لوگ تساہل کریں تو انساب میں فتور اور خلط واقع ہو اور اسی بنا پر یہ قول مشہور ہے کہ جس قوم کے مردوں میں غیرت ہوتی ہے ان کی عورتوں میں حفاظت رہتی ہے اور بری بات کو دیکھ کر سکوت کر جانا بھی منجملہ ضعف غضب سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2] خیر امتی احدائھا۔ یعنی جو دین میں سخت ہوں اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[3] ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللّٰہ بلکہ اگر آدمی اپنے نفس کی ریاضت نہ کر سکے تو یہ بھی اسی بات کی علامت ہے کہ غصہ نہیں رکھتا اس لئے کہ ریاضت جبھی ہو سکتی ہے جب غصہ کو شہوت پر مسلط کر دے یہاں تک کہ اگر نفس نکمی شہوات پر جھکے تو اسی وقت اس پر غصہ کرے تیسرا درجہ غصہ کا اچھا اور محمود ہے وہ یہ ہے کہ غصہ منتظر اشارۂ عقل کا رہے اور دین کا مطیع ہو جس جگہ حمیت شرعاً واجب ہے

---

[1] سعد البتہ غیرت والا ہے اور میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور خدا تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے ۱۲ مسلم بروایت ابو ہریرہ و بخاری و مسلم بروایت مغیرہ نحوہ ۱۲ [2] بہترین میری امت کے وہ ہیں جو سخت ہیں ان میں ۱۲ طبرانی و بیہقی در شعب بروایت علی مرتضےٰ بسند ضعیف ۱۲ [3] اور نہ آئے تم کو ترس ان پر اللہ کے حکم چلانے میں ۱۲۔

وہاں غصہ آئے اور جس جگہ علم اور غصہ کا پینا چاہیئے وہاں حد اعتدال سے نہ بڑھے ایسے ہی غصہ سے خداوند کریم نے اپنے بندوں کو مکلف کیا ہے اور یہ وہی درجہ ہے جس کی صفت اس حدیث شریف میں ہے کہ[۱] خیر الامور اوسطھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی میں غصہ ایسا سست ہو کہ غیرت بھی کم ہو اور نفس کو ذلت اور ظلم بے موقع کی برداشت ناگوار نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنے نفس کا علاج کرے یہاں تک کہ غصہ میں قوت آ جائے اور جس شخص میں غصہ حد اعتدال سے زیادہ ہو کہ نوبت تہور اور بے عقلی سے برے کاموں میں گھسنے کی پہنچائے اس کو بھی علاج نفس کا چاہیئے تاکہ غصہ ایک عمدہ اور درمیانی حالت پر آجائے جس کا نام صراط مستقیم ہے ہر چند کہ صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے لیکن جو اس کو اپنا سکے اس کو لازم ہے کہ جس قدر اس کے قریب آسکے اتنی کوشش کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء[۲] ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ اس لیئے کہ یہ ضرور نہیں جس سے کہ ہمہ تن خیر نہ ہو سکے وہ ہمہ تن شر ہی کیا کرے بلکہ بعض بدی بعض کی نسبت ہلکی ہوتی ہے اور بعض نیکیاں بعض کی نسبت زیادہ رتبہ رکھتی ہیں پس اگر بڑی نیکی نہ ہو سکے چھوٹی کے درپے ہو اور اگر شر سے محفوظ نہ رہ سکے تو جس میں ضرر کم ہو اسی پر قناعت کرے۔

غضب کا ریاضت سے دُور ہونا یا نہ ہونا

جاننا چاہیئے کہ بعض لوگ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ ریاضت سے بالکلیہ محو کرنا غضب کا ہو سکتا ہے اور مقصود بھی ریاضت کا یہی ہو سکتا ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ غضب کا کچھ علاج ہی نہیں اور یہ ان لوگوں کا قول ہے جو یہ تصور کرتے ہیں کہ عادات بھی مثل پیدائش ظاہری کے ہیں جیسا اعضاء ظاہری کے نقصان کو آدمی درست نہیں کر سکتا ویسا ہی خلق بھی قابل علاج نہیں اور یہ دونوں قول ضعیف ہیں بلکہ اصل اس باب میں یہ ہے کہ اپنے جیتے جی آدمی ایک چیز سے محبت کرتا ہے اور ایک چیز کو برا جانتا ہے تو غصہ بھی ضرور ہی ہو گا اسی لیئے کہ کوئی چیز اس کے مزاج کے موافق ہو گی اور کوئی مخالف موافق اس کے خاطر خواہ ہو گی اور مخالف پر اس کو غصہ آئے گا مثلاً فرض کرو کہ کسی نے اس کی محبوب ترین چیز لے لی تو غصہ ہو گا یا کسی نے اس کو ضرر پہنچانا چاہا تو بیشک غصہ ہو گا مگر جس شے کے ساتھ آدمی کو محبت ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں ایک تو ایسی شے جو سب کے لیئے ضروری ہے مثلاً غذا اور مکان اور لباس اور صحت بدن پس جو شخص کہ آدمی کی ایسی چیزوں کو دور کرنا چاہے مثلاً کھانے کی غذا چھین لے یا پانی پینے کا گرا دیوے یا کپڑا جو مقدار ستر عورت ہی تھا اس کو چھین لے یا رہنے کے مکان سے نکال دے تو چونکہ ایسی چیزیں ہر ایک شخص

---

[۱] بہترین امور درمیانی ہوتے ہیں بیہقی در شعب مرسلاً۔ [۲] اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ تم اس کا شوق کرو تو نری پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک کو جی سے ۱۲

کی ضروریات میں داخل ہیں اس لیئے ان کا علیحدہ ہونا برا معلوم ہوتا ہے اور جو کوئی ان چیزوں کا مزاحم ہوتا ہے اس پر غصہ آتا ہے دوسری قسم وہ ہے کہ کسی کے لیئے بھی ضروری نہ ہو جیسے بہت سا مال اور جاہ وجلال اور خدم وحشم وسواری وغیرہ کہ یہ چیزیں عادت کے سبب محبوب ہیں ضرورت میں داخل نہیں لوگوں کو علت غائی چیزوں کی معلوم نہیں جہالت سے ایسی اشیاء سے محبت کرتے ہیں دیکھو چاندی سونا خود اننئے محبوب ہو گئے ہیں کہ ان کو گاڑ کر رکھتے ہیں اگر کوئی ان کو بے جا صرف کر ڈالے تو ان پر غصہ آتا ہے حالانکہ یہ دونوں کھانے کی چیز نہیں پس اس قسم کی چیز کے لیئے جو غصہ ہوتا ہے وہ اس قابل ہے کہ انسان سے بالکلیہ منقطع ہو سکے مثلاً اگر کسی کے پاس ایک مکان زائد از حاجت ہو اور اس کو کوئی ظالم گرا دے تو ہو سکتا ہے کہ اس کے گرا دینے پر غصہ نہ آئے اس طرح کہ مکان والا کوئی شخص دانا وبینا ہو جس کو زائد از حاجت کے ساتھ محبت ہی نہ ہو پس اگر اس کو ظالم نے گرا دیا تو بوجہ محبت نہ ہونے کے غصہ نہ آئے گا لیکن اگر محبت ہو گی تو بیشک غصہ آئے گا اور بالفعل جو دیکھا جاتا ہے تو اکثر لوگوں کا غصہ ایسی ہی باتوں پر ہوتا ہے جو ضروری نہیں ہوتیں مثلاً شہرت اور جاہ پر اور مجلس میں مشخص ہو کر بیٹھنے پر اور علم سے فخر کرنے پر تو جس آدمی کو اس بات کا ذرہ بھی چسکا اور محبت ہوتی ہے وہ ضروری غصہ ہو جاتا ہے اگر محفل میں اس کی نشست ذرہ بدلی جبھی لال پیلا ہو جاتا ہے اور جس کو صدر بیٹھنے کا شوق نہیں وہ اگر جوتیوں میں بیٹھ جائے تب بھی غصہ نہیں کرتا اور ع

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است پر عمل کرتا ہے غرضکہ اکثر لوگوں کی محبت ایسی ہی عادات ردی اور خراب سے ہو گئی ہے اس لیئے غصہ بھی بات بات پر کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ جتنے شہوات اور ارادے زیادہ ہوتے ہیں اتنا ہی آدمی میں نقصان زیادہ ہے اس لیئے کہ حاجت صفت نقصانی ہے جس قدر اس کی زیادتی آدمی میں ہو گی اسی قدر نقصان بھی زیادہ ہو گا نادان آدمی ہمیشہ اسی بات پر کوشش کرتا ہے کہ حاجات زیادہ پوری ہوں اور آرزوئیں بہت برآمد ہوں حالانکہ یہی چیزیں ذخیرہ غم واندوہ کا ہوتی ہے اور بعضے تو ایسے بحر جہالت میں ڈوبے ہوتے ہیں کہ ان کو بری بات کا بھی عیب بتایا جائے تو اس پر غصہ ہوتے ہیں مثلاً کوئی یوں کہے کہ تم کو مرغ لڑانا خوب نہیں آتا یا شطرنج اچھی طرح نہیں کھیلتے یا شراب بہت نہیں پی سکتے یا کھانا زیادہ نہیں کھا سکتے تو یہ باتیں ایسی ہیں کہ اگر آدمی میں نہ ہوں تو خوبی کی بات ہے مگر ان پر بھی بعض جاہل بگڑ بیٹھتے ہیں کہ ہم کو یوں کیوں کہا خلاصہ یہ کہ اس قسم کی چیزوں پر جن کی محبت ضروری نہیں غصہ بھی ضروری نہیں تیسری قسم وہ اشیاء ہیں کہ بعض کے حق میں ضروری ہوں اور بعض کے حق میں غیر ضروری مثلاً کتاب عالم کے واسطے محبوب چیز ہے اس کو اس کی ضرورت رہتی ہے اس لیئے اس سے محبت کرتا ہے اور اگر اس کو کوئی جلائے یا ڈبو دے یا ضائع کر دے تو اس پر غصہ ہوتا ہے یہی حال اوزاروں کا ہے بہ نسبت پیشہ والوں کے کہ ہر پیشہ والوں کو غذا کا ملنا بدون اوزار کے اور اپنے کام کے مشکل ہے پس چونکہ اوزار ضروری چیز یعنی غذا وغیرہ کے حصول کے وسیلے ہیں اس جہت سے پیشہ والے کو ان سے محبت ہوتی ہے اور ان کو ضروری جانتا ہے حالانکہ محبت ضروری وہ ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے من اصبح آمنًا فی سربہ معافی بدنہ عندہ قوت یومہ فکانما حیزت لہ الدنیا بحذافیرھا۔[ح] پس جو شخص کہ حقائق امور سے واقف ہو اور یہ تینوں باتیں مذکورہ حدیث اس کو حاصل ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ ان چیزوں کے سوا میں غصہ نہ کرے یہ تین قسمیں تو بیان ہو چکیں اب ریاضت کے باعث جو اثر ہر ایک قسم میں ہوتا ہے اس کو سننا چاہیئے قسم اول میں تو ریاضت اس بات کو مفید نہیں ہوتی کہ دل کا غصہ بالکل نیست و نابود ہو جائے بلکہ ریاضت اس لیئے ہوتی ہے کہ دل میں ایسا ملکہ ہو جائے جس سے مطیع غضب کا نہ رہے اور بظاہر اس کا استعمال اسی درجہ تک کرے جس کو شرع اور عقل مستحسن جانے اور یہ امر مجاہدہ سے اور کوشش سے ممکن ہے کہ بتکلف حلم کیا کرے اور مدت تک برداشت کرتا رہے یہاں تک کہ حلم و برداشت مثل امور طبعی کے عادت راسخ ہو جائیں البتہ بیخ و بن سے غصہ کو دل میں سے نکالنا غیر ممکن ہے اور خلاف مقتضائے طبع ہاں تیزی کا توڑنا اور اس کا کمزور کر دینا ہو سکتا ہے کہ باطن میں اس کا جوش نہ ہونے پائے اور یہاں تک ضعف آجائے کہ اس کا اثر منہ پر کچھ بھی محسوس نہ ہو گو یہ امر نہایت سخت ہے تاہم امکان سے باہر نہیں اور یہی حال قسم سوم کا بھی ہے اس لیئے کہ اس میں بھی آخر بعض لوگوں کے حق میں تو وہ اشیاء ضروری ہیں بہ ریاضت سے ان کو بھی یہ فائدہ ہوگا کہ غصہ کی شدت باطن میں نہ ہو گی اور صبر کی سختی زیادہ محسوس نہ ہو گی اور دوسری قسم کی اشیاء پر جو غصہ ہوتا ہے تو ریاضت سے اس کا قطعًا استیصال ہو سکتا ہے یعنی جب دل میں سے محبت غیر ضروری چیزوں کی دور ہو جائے گی تو اس کے ساتھ ہی غصہ بھی علیحدہ ہو گا کہ محبت اور وہ لازم ملزوم ہیں اور اس میں ریاضت کا طور یہ ہے کہ آدمی یوں تصور کرے کہ میرا وطن قبر تاریک ہے اور ٹھہرنے کی جگہ آخرت ہے دنیا صرف ایک گزرگاہ ہے کہ اس سے گزر جانا قطعی ہو گا اور یہاں جو میں آیا ہوں صرف اسی لیے کہ توشہ آخرت حاصل کروں۔ ؎

کار دنیا کسے تمام نہ کرد　　　　ہرچہ گیرید مختصر گیرید۔

بقدر ضرورت اشیاء کے سوا سب کو یہ جانے کہ وطن اصلی اور مستقر حقیقی میں یہ چیزیں باعث وبال ہوں گی ان خیالات سے دنیا میں زاہد اختیار کر کے محبت دنیا دل سے محو کر ڈالے تو یقین ہے کہ اس طرح کی ریاضت سے بالکل اصل غصہ کی جاتی رہتی ہے اور کچھ نہ ہو گا تو اس قدر تو ضرور ہی ہو گا کہ غصہ کو ظاہر نہ کرے گا اور اس کے موجب عمل نہ کرے گا اس لیئے کہ غصہ تابع محبت کا ہے اگر محبت جاتی رہتی ہے تو یہ بھی فنا ہو جائے گا مثلاً ایک آدمی کے پاس کتا ہے کہ جس سے اس کو محبت نہیں اگر دوسرا شخص اس کتے کو مارے تو اس کو غصہ نہ آئے گا کیونکہ محبت اس کی نہیں بہرحال جڑ سے جاتا رہنا غصہ کا تو بہت ہی مشکل ہے مگر ضعیف

ح؎ جو شخص کہ اپنے گھر میں نڈر ہو اور بدن سے تندرست اور اس کے پاس دن کی غذا موجود ہو تو گویا اس کے لیئے تمام دنیا حاصل ہے ۱۲ ترمذی وابن ماجہ بروایت عبداللہ بن محصن اور اس میں لفظ بحذافیرھا نہیں اور ترمذی نے کہا ہے کہ حسن اور غریب ہے ۱۲۔

ہو جانا اور اس کے بموجب عمل کا نہ ہونا بھی غنیمت ہے یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ قسم اول یعنی ضروری اشیاء کے جانے سے درد و رنج ہوتا ہے کہ حاجت کی چیز جاتی رہی یہ ضرور نہیں کہ غصہ بھی آئے مثلاً اگر کسی نے بکری کھانے کے لیئے پالی ہو اور وہ مر جائے تو اس کو رنج اس کے مرنے کا البتہ ہو گا مگر غصہ کسی پر نہیں کرنے کا اور یہ امر ضروری بھی نہیں کہ ہر رنج کے ساتھ غصہ بھی ہوا کرے دیکھو خون نکلوانے میں تکلیف اور درد تو ہوتا ہے مگر قصد کھولنے والے یا پچھنے لگانے والے پر غصہ نہیں آتا پس جس شخص پر توحید کا غلبہ ہو یہاں تک سب اشیاء کو قبضہ قدرت الٰہی میں دیکھے اور سب کچھ اسی کی طرف سے جانے تو وہ غصہ نہیں کرے گا اس واسطے کہ وہ مخلوق کو صرف ایک واسطہ جانے گا جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے تو اگر بادشاہ مثلاً کسی آدمی کی گردن مارنے کا فرمان لکھ دے تو وہ قلم پر غصہ نہیں کرے گا اسی طرح جو شخص اس کی بکری ذبح کر ڈالے تو اس پر بھی غصہ نہ ہو گا کیونکہ ذبح اور موت کو خدا ہی کی طرف سے جانتا ہے تو غلبہ توحید میں غصہ نہ آنا چاہیئے علاوہ ازیں خدا کے ساتھ حسن ظن بھی اسی بات کا مقتضی ہے یعنی جب یہ تصور کیا کہ خداوند کریم میرے حق میں بہتر ہے وہی کرتا ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید میرے بھوکا یا بیمار یا زخمی رہنے ہی میں اس کے نزدیک بہتری ہو گی پس غصہ کی کوئی وجہ نہیں جیسے خون نکالنے والے پر غصہ نہیں آتا۔ کیونکہ اپنی بہتری اس میں منصور ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں غلبہ توحید سے یہ بات تو ممکن ہے مگر اس درجہ کی توحید تو ہمیشہ نہیں رہا کرتی اور دیرپا نہیں ہوتی بلکہ آناً فاناً بجلی سی چمک جاتی ہے اور انجام کو دل وسیلوں ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ بات دل میں جبلی اور طبعی ہے اگر توحید سے یہ بات دیرپا ہوا کرتی تو اشرف المخلوقات و سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور ہی ہوتی حالانکہ آپ کو غصہ آتا تھا[1] یہاں تک کہ رخسار مبارک سرخ ہو جاتے تھے اور خود ارشاد فرمایا[2] کہ الٰہی میں آدمی ہوں آدمی کی طرح مجھ کو بھی غصہ آتا ہے پس جس کسی مسلمان کو میں نے گالی دی ہو یا لعنت کی ہو یا مارا ہو تو تو میری طرف سے ان باتوں کا اس کے لیئے رحمت کر دے اور باعث تقرب بنا دے کہ جس کے سبب قیامت میں اس کو تیرا تقرب حاصل ہو اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں[3] کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کلام آپ غصہ اور خوشی کی حالت میں فرمایا کرتے ہیں اس کو میں لکھوں آپ نے فرمایا کہ لکھا کر قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو رسول برحق بنایا اس سے یعنی زبان سے سوائے حق کے کچھ نہ نکلے گا اور یہ نہ فرمایا کہ میں غصہ نہیں ہوتا ہوں بلکہ یہ فرمایا کہ غصہ مجھ کو حق سے تجاوز نہیں کرنے دیتا۔ یعنی میں اس کے مقتضا کے بموجب عمل نہیں کرتا ہوں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بار غصہ ہوئیں۔

---

[1] مسلم نے بروایت جابر نقل کیا ہے کہ خطبہ پڑھنے میں آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اور اونچی آواز اور غصہ سخت ہوتا تھا اور حاکم نے لکھا ہے کہ قیامت کے ذکر کرنے میں آپ کے رخسار سرخ ہو جاتے تھے اور غصہ کڑا پڑ جاتا تھا ۱۲ [2] بخاری و مسلم نے بروایت ابوہریرہ باختلاف الفاظ اس کی نقل اصل کی ہے ۱۲ [3] ابو داؤد نے نقل کیا ہے ۱۲

تو آپ[1] نے فرمایا کہ تجھے کیا ہوا تیرا شیطان تیرے پاس آیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ آپ کا شیطان نہیں آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں مگر میں نے اللہ سے دعا مانگی تو وہ مسلمان ہو گیا مجھ کو خیر کے سوا کچھ نہیں کہتا یہ نہ فرمایا کہ میرا شیطان نہیں ہے بلکہ یہ فرمایا کہ مجھ کو بدی کا امر نہیں کرتا اور یہاں شیطان سے شیطان غضب مراد ہے اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے واسطے کبھی غصہ نہ آتا تھا اور اگر امر حق میں غصہ فرماتے تھے تو کسی کو خبر نہیں ہوتی تھی اور نہ کوئی آپ کے غضب سے تاب مقابلہ لا سکتا تھا یہاں تک کہ حق کا انتقام لے لیں اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ اللہ ہی کے واسطے امر حق پر ہوتا ہے تاہم فی الجملہ التفات وسیلوں کی طرف پایا جاتا ہے اسی طرح جو شخص کسی کی قوت اور حاجت دینے کی چیز چھین لے اور وہ اس پر غصہ کرے تو یہ غصہ خدا کے واسطے ہو گا اسی طرح کے غصہ سے علیحدہ ہونا ممکن نہیں ہاں بعض اوقات جب کوئی شخص کسی زیادہ ضروری مہم میں مشغول رہتا ہے تو ضروری چیز کے چھین جانے پر بھی غصہ نہیں کرتا کیونکہ دل اور طرف مشغول ہوتا ہے اس میں گنجائش غصہ کی نہیں ہوتی اپنے استغراق کے باعث اور چیز کو خیال میں بھی نہیں لاتا چنانچہ حضرت سلیمانؓ کو جب کسی نے گالی دی تو آپ نے فرمایا کہ میزان عمل میں میرے اعمال کم ہوئے تو جو کچھ تو کہتا ہے میں اس سے بھی بدتر ہوں اور اگر پلہ بھاری ہے تو اس کہنے سے میرا کوئی ضرر نہیں پس چونکہ آپ کا قلب آخرت میں مصروف تھا گالی سے متاثر نہ ہوا اسی طرح کسی نے ربیع بن خثیم کو گالی دی تو آپ نے فرمایا کہ تیرا قول اللہ سنتا ہے جنت سے اس طرف ایک گھاٹی ہے اگر میں نے اس کو طے کر لیا تو تیری بات سے کچھ بھی ضرر نہ ہو گا اور اگر وہ طے نہ ہوئی تو جو کچھ تو کہتا ہے اس سے بھی بدتر ہوں اور ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ کو گالی دی آپ نے اپنے نفس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تیرے جن عیبوں کو خدا تعالیٰ نے چھپا رکھا ہے وہ بہت ہیں تو گویا آپ اپنے نفس کی تقصیر و نقصان کے دیکھنے میں مشغول تھے یعنی یہ بات مدنظر تھی کہ خدا تعالیٰ کا حق معرفت نہ پہنچانا اور جس قدر اس سے ڈرنے کا حق تھا اتنا خوف نہ کیا پس اس حال میں اگر کسی دوسرے نے ان کے نفس کو ناقص کہا تو اس کی تاثیر نہ ہوئی اس لئے کہ وہ تو خود پہلے ہی سے باوجود شان صدیقی اپنے نفس کو نقصان کی آنکھ سے ملاحظہ فرماتے تھے اور ایک عورت نے مالک بن دینار کو کہا کہ او ریاکار آپ نے فرمایا کہ تیرے سوا مجھے کسی اور نے نہیں پہچانا تو وہ گویا اپنے نفس سے آفت ریا دور کرنے میں مشغول تھے اور یہ سمجھاتے تھے کہ ریا تجھ سے چھوٹتا نہیں جو کچھ ہے شیطان کا فریب ہے جب اس عورت نے ریاکار کہا تو چونکہ نفس کو پہلے ہی ریاکار جانتے تھے اس واسطے غصہ نہ ہوئے اور حضرت شعبی کو کسی نے برا کہا آپ نے فرمایا کہ اگر تو سچا ہے تو خدا میرے حال پر رحم کرے اور اگر تو جھوٹا ہے تو تیرے اوپر رحم کرے ان حکایات سے صاف ثابت ہے کہ ان لوگوں نے جو غصہ نہ کیا تو یہی وجہ تھی کہ ان کے دل مہمات دینی میں مصروف تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان

---

[1] مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا [2] ترمذی از شمائل ۱۲۔

باتوں نے ان کے دل پر تاثیر کی ہو مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ جو بات ان کے دل پر غالب تھی اس کی طرف التفات کیا غرضکہ دل اگر کسی امر مہم میں مشغول ہو تو محبوب چیزوں کے جاتے رہنے میں ہیجان غضب سے محفوظ رہتا ہے پس غصہ کا نہ ہونا دو باتوں سے ممکن ہوا ایک تو یہ کہ دل اور کسی مہم میں مشغول ہو دوسرے یہ کہ غلبہ وحدانیت ہو اور ایک تیسرا سبب یہ بھی غصہ کے نہ ہونے کے لیئے ہے وہ یہ ہے کہ یوں جانے کہ خدا کو میرا غصہ ناپسند ہے پس محبت الٰہی کے باعث آتش غضب فرو ہو جائے گی۔ اور یہ امر بھی محال نہیں کبھی کبھی ایسا ہوا کرتا ہے خلاصہ اس سب تقریر کا یہ ہے کہ آتش غضب سے رہائی اسی میں ہے کہ محبت دنیا یک لخت دل سے مٹا دیوے اور محبت کا دور کرنا دنیا کے فریبوں اور مہلکات کے پہچاننے سے ہوتا ہے جن کا بیان دنیا کی برائی میں انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہو گا اور جو شخص ریا کی محبت دل سے دور کر دے وہ بہت سے اسباب غضب سے محفوظ رہتا ہے اور غضب کے اسباب میں سے جو سبب ایسا ہے کہ بالکلیہ مٹ نہیں سکتا اس کی تیزی کم ہو سکتی ہے اور سبب کے ضعیف ہونے سے غضب کا ضعیف ہونا بھی آسان ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ ہم کو اپنے لطف کرم سے توفیق غصہ کے دفعیہ کی عنایت فرمائے۔

غصہ کے اسباب اور ان کے دور ہونے کی تدابیر۔

چونکہ دور ہونا مرض کا اس کی علت کے دور ہونے سے ہوتا ہے اس لیئے غصہ کا دور ہونا بھی اس کے سبب کے دور ہونے پر ہی منحصر ہے اس واسطے اس کے اسباب کو اور ان کے دور کرنے کی تدابیر کو معلوم کرنا چاہیئے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ سب میں سخت تر کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ غضب الٰہی نہایت شدید ہے پھر انہوں نے پوچھا کہ اس کے لگ بھگ کیا ہے آپ نے فرمایا آدمی کا غصہ پھر پوچھا کہ غضب کس بات سے ظہور و نشوونما پاتا ہے آپ نے فرمایا کہ تکبر اور فخر اور عزت طلبی اور حمیت سے غصہ آیا کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اشتداد غصہ کے اسباب یہ چیزیں ہیں کبر اور عجب اور مزاح اور لغو ہنسی ٹھٹھا اور دوسرے کو بنانا اور عیب لگانا اور بات کاٹنا اور ضد کرنی اور فریب کرنا اور حصول مال وجاہ میں کثرت سے حرص کرنی اور یہ سب باتیں عادات ضد ہیں اور شرعاً مذموم ان کے رہتے ہوئے غضب کا جانا ممکن نہیں ہے اسی لیئے ضرور ہوا کہ عیبوں کو آدمی ان کے مقابل کی چیز دل سے کھو دے یعنی تکبر کو تواضع سے دور کرے اور عجب کو اپنے نفس کی پہچان سے زائل کرے چنانچہ اس کا بیان باب کبر وعجب میں آئے گا اور فخر کو یوں دور کرے کہ میں بھی آدمی ہی ہوں جیسے اور میرے باندی غلام ہیں آخر سب کا باپ تو ایک ہی تھا پیچھے سے قومیں جدا جدا ہو گئیں آدم زاد ہونے میں سب یکساں ہیں فخر عمدہ بات میں کرنا چاہیئے کبر اور عجب اور شیخی تو کمینگی کے عادات ہیں ان سے کیا فخر کرنا چاہیئے بلکہ یہ سب باتیں رذائل کی اصل ہیں اگر انہیں کو آپ نے آپ سے دور نہیں کیا فخر کس بات کا ہے ناک آنکھ کان جسم نسب میں تو سب برابر ہی ہیں اور مزاح اس طرح دور کرے کہ ایسے مہمات دینی میں مصروف ہو کہ عمر بھر ان سے فرصت

ہی نہ لے جو نوبت مزاح کی پہنچے اور لغویات سے اس طرح بچے کہ عمداً فضائل اور اخلاق حسنہ کی طلب میں اور علوم دینیہ کی تحصیل میں کوشش کرے جس سے کہ سعادت اخروی میسر ہو اور دوسرے کو بنانے میں یہ خیال کرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی حال میرے سامنے پیش ہو چاہ کن را چاہ در پیش مثل مشہور ہے اور علاوہ لوگوں کی ایذا ایک امر معیوب ہے اس کو اختیار کرنا برا ہے اور عیب جوئی میں یہ سمجھے کہ بری بات کا منہ سے نکالنا برا ہے اس کے سوا اگر کوئی جواب ترکی بہ ترکی دے گا تو تلخ معلوم ہوگا اور علی ہذالقیاس بات کاٹنے اور ضد کرنے اور فریب دینے میں تصور کرے کہ ان سے میرے نبی نوع کا نقصان ہے ان کا مرتکب نہ ہونا چاہیئے اور کثرت مال وجاہ کی حرص کو اس طرح مٹا دے کہ مقدار ضرورت پر قناعت کرے تاکہ استغنا میں داخل ہو اور حاجت کی ذلت سے محفوظ رہے اور یہ جتنی باتیں اوپر لکھیں گئیں ان میں سے ہر ایک کے علاج میں بہت سی ریاضت وتحمل ومشقت چاہیئے جملاً یہ ہے کہ ان اخلاق کی برائیوں اور آفتوں سے واقف ہونا چاہیئے تاکہ دل کو ان سے نفرت ہو اور پھر جو جو باتیں ان کے مقابل لکھی گئی ہیں ان پر مدام عامل رہے کہ رفتہ رفتہ ان کا عادی ہو کر نفس پر شاق معلوم نہ ہو بلکہ انس والفت ہو جائے جب یہ بری عادتیں چھوٹ جائیں اور اور نفس ان سے پاک وصاف ہو جائے تو غصہ بھی جو انہیں چیزوں سے پیدا ہوتا ہے جاتا رہے گا اور ایک بڑا سبب غصہ کا جاہلوں میں یہ ہے کہ غصہ کا نام شجاعت جوانمردی اور جرات وعلو ہمت رکھا ہے اور اسی طرح کے اچھے اچھے لقب اس کو دیئے ہیں یہاں تک کہ نفس براہ جہل اسی کی طرف میل کرتا ہے اور اچھا جانتا ہے اور کبھی اس کی تقویت یوں بھی ہوتی ہے کہ اکابر کی تعریف کے مقام میں جو شدت غضب کو شجاعت سے بیان کرتے ہیں تو چونکہ لوگوں کو اکابر کی مشابہت کا شوق ہوتا ہے اسی لیئے دل میں ہیجان غضب ہوتا ہے اور اس جوش غضب کو شجاعت اور علو ہمت کہنا جائز ہے تو ایک مرض قلب اور نقصان عقل ہے جو نفس کے ضعف ونقصان سے پیدا ہوتا ہے اور اس وجہ سے جن لوگوں کا نفس یا عقل ضعیف ہے یا نقصان رکھتا ہے ان کو یہ مرض بہت جلد ہوتا ہے دیکھو بیمار کو بہ نسبت تندرست کے جلد غصہ آتا ہے اور عورت کو بہ نسبت مرد کے اور لڑکے کو بہ نسبت بالغ کے اور بوڑھے کو بہ نسبت جوان کے اور بری عادت والے کو بہ نسبت اہل فضل کے جلد جوش آجاتا ہے کمینہ آدمی اگر ایک لقمہ نہ پائے یا بخیل سے اگر ایک دانہ چھوٹ جائے تو کیسا غصہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے بال بچوں اور اہل وعیال سے بھی غصہ ہی کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نقصان وضعف عقل باعث غصہ کا ہے زبردست وہی ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے[1] لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب۔ اور جو شخص ایسا نہ ہو اس کے سامنے اہل حلم وعفو کی حکایتیں بیان کرنی چاہئیں تاکہ وہ اپنے نفس کا علاج کرے۔

[1] سخت نہیں ہے پچھاڑنے والا بلکہ سخت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کا مالک ہو ۱۲ یہ حدیث پہلے گزری ۱۲۔

غرضکہ غصہ کا پینا انبیاء اور اولیاء اور حکماء اور علماء اور عمدہ بادشاہوں اور فضلا سے منقول ہے اور اس کا عکس ترکوں اور جاہلوں اور غبیوں اور بے عقلوں سے منقول ہے۔

جوش کے وقت غصہ کا علاج

اب تک جو بیان ہوا وہ یہ تھا کہ غصہ کے اسباب کو دور کرنا چاہیئے تاکہ جوش و شدت نہ ہونے پائے لیکن اب یہ ذکر ہوتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے غضب بر سر جوش آجائے تو اس طرح استقلال کیا جائے کہ صاحب غضب مضطرب ہو کر اس کے بموجب بری طرح پر کام نہ کر بیٹھے اور یہ استقلال جوش غضب میں معجون علم و عمل سے حاصل ہوتا ہے علم کے متعلق تو چھ باتیں ہیں اول یہ کہ جو اخبار کہ غصہ کے پینے اور عفو و علم کی فضیلت میں وارد ہیں جن کا بیان عنقریب کر دیا جائے گا ان کو سوچے اور ان کے ثواب کی رغبت کرے پس کیا عجب ہے کہ ثواب کی حرص سے جوش جاتا رہے اور انتقام سے درگزرے حضرت مالک بن اوس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ کسی شخص پر غصہ ہوئے اور اسے پیٹنے کا حکم فرمایا اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی[ت] خذ العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاهلين۔ پس حضرت عمرؓ اس آیت کو بار بار پڑھتے تھے اور سوچتے تھے اور آپ کا دستور تھا کہ جب کوئی آیت آپ کے سامنے پڑھی جاتی تو بہت دیر تک تامل اس کے سمجھنے میں کیا کرتے تھے اسی معمول کے موافق سوچ کر اس شخص کو رہا کیا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک شخص کے مارنے کا حکم کیا اور پھر یہ ارشاد الٰہی زبان پر لائے۔ والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس۔ اسی وقت خادم کو کہا کہ اس کو جانے دو دوسرے یہ کہ اپنے نفس کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اور یوں کہ جتنی میری قوت اس شخص پر ہے اس سے زیادہ زور خدا کا مجھ پر ہے اگر میں نے آج اس پر غصہ چلا لیا کل قیامت کو خدا کے غضب سے کون بچائے گا آخر مجھے بھی اس وقت شدت سے احتیاج عفو کی ہوگی تو دوسرے کو معاف کرنے سے شاید نجات مل جائے چنانچہ بعض صحیفوں میں مذکور ہے کہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے کہ اے آدم زاد جس وقت تو غصہ کرے مجھ کو یاد کر لیا کر جس وقت میں غصہ میں ہوں گا تو تجھ کو یاد کیا کروں گا اور تباہ کاروں کے ساتھ ہلاک نہ کروں گا ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خادم کو کسی کام کے لیے بھیجا اس نے دیر کی جب سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کہ۔ لولا القصاص لاوجعتك۔ یعنی اگر قصاص قیامت نہ ہوتا تو تجھ کو خوب دکھ دیتا اور روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں جتنے بادشاہ ہوئے ہیں سب کے ساتھ ایک حکیم رہتا تھا جب بادشاہ غصہ ہوتا وہ حکیم ایک پرچہ بادشاہ کے حوالے کرتا اس میں لکھا ہوتا تھا کہ مسکین پر رحم کرتے اور موت سے ڈر اور قیامت کو یاد کر اس پرچہ کو دیکھتے ہی اسکا غصہ فرو ہو جاتا تھا تیسرے یہ کہ اگر خوف عذاب اخروی نہ ہو تو رنج و مصائب دنیاوی جو غصہ کے باعث ہوتے

ت: ۱. خوب کر معاف اور کر نیک کام اور کنارہ کر جاہلوں سے ۱۲ ت ۲ اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو ۱۲ ح ۳ اگر قصاص نہ ہوتا تو میں تجھے درد پہنچاتا ۱۲ ابو یعلیٰ بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہ سند ضعیف ۱۲۔

ہیں انہیں کو تامل کرے کہ جس شخص پر غصہ کروں گا وہ میرا مخالف ہو جائے گا اور طرف مقابل بن کر درپے تخریب اور ایذا رسانی اور شماتت وہتک وغیرہ کے ہوگا اور تامل اس تامل کا یہ ہے کہ شہوت سے غضب کو روکنا ہوتا ہے یعنی دنیا کی ایک خرابی کو دوسری خرابی کی فکر سے ہٹانا چاہتا ہے اسی لئے اعمال آخرت میں شمار نہیں ہونے کا اور نہ اس پر کچھ ثواب ہوگا ہاں اگر دنیا کی تشویش سے علم وعمل کے لئے دل کو فراغت حاصل نہ ہو اور آخرت کے لئے مدد نہ ملے البتہ ایسی تشویش دنیا کو دور کرنے میں ثواب ہوگا چوتھے یہ کہ غصہ کے وقت دوسرے لوگوں کی جیسے صورت بری بن جاتی ہے اپنی صورت کو غصہ میں بھی ویسا ہی خیال کرے اور تصور کرے کہ خود غصہ ایسی بلا ہے کہ جس کو آتا ہے اس کی شکل باؤلے کتے یا درندے جیسی ہو جاتی ہے اور اس کے برخلاف حلیم اور صاحب وقار و تارک غضب کی صورت انبیاء اور اولیاء اور علماء اور حکماء جیسی ہوتی ہے اب چاہیئے جونسی صورت اختیار کرے خواہ کتوں اور درندوں اور کمینوں کی شکل بنے یا علما و حکما و انبیاء سے مشابہ ہو اگر ذرہ بھی عقل ہوگی تو اچھے ہی لوگوں کی عادت و اقتداء کو دستور العمل ٹھہرائے گا پانچویں یہ کہ جس سبب سے انتقام لیا چاہتا ہے اور غصہ کو پی نہیں سکتا اس میں فکر کرے کہ وہ کیا وجہ ہے آخر کوئی نہ کوئی تو وجہ ہوگی مثلاً شیطان بہکاتا ہے کہ اگر تونے انتقام نہ لیا تو دوسرا شخص جانے گا کہ دب گیا اور لوگوں کے نزدیک بھی ایک ذلت اور رسوائی ہوگی پس اگر یہی سبب ہو تو چاہیئے کہ اپنے نفس کو سمجھائے کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ بردباری تجھ کو ایسی بری معلوم ہوتی ہے۔ جب دوسرا شخص ہاتھ پکڑے گا اور اپنا بدلہ لینا چاہے گا اور لوگوں کی نظروں میں حقارت کا اتنا خوف ہے کہ خدا کی نظروں میں اور فرشتوں اور انبیاء کی نظروں میں حقیر ہونے کا خوف نہیں آدمیوں سے کیا مطلب ان کا ہے کہ ان کا خیال زیادہ ہو خدا کے واسطے غصہ پی جانے میں تو مرتبہ زیادہ ہوگا علاوہ اس کے اگر بالفرض کسی نے اس پر ظلم ہی کیا ہے تو جس قدر یہ انتقام لیا چاہتا ہے قیامت کو اس سے زیادہ اس کی ذلت ہوگی یوں ہی کیوں نہ کرے کہ غصہ پی جائے اس میں تو ہر طرح اپنا ہی پالا جیتنا ہے کیا اس کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ جب قیامت کو پکارنے والا پکارے کہ جس کی اجرت خدا پر ہو وہ کھڑا ہو جائے اور اور اس وقت سوا معاف کرنے والوں کے کوئی نہ اٹھے گا ایسے وقت میں یہ مستحق کھڑا ہونے کا ہو لیکن اس طرح کی باتیں ایمان سے متعلق ہیں ان کو چاہیئے کہ دل میں خوب ٹھان لے چھٹے یہ کہ یوں جانے کہ میرا غصہ اس سبب سے ہے کہ کام میری مرضی کے موافق کیوں نہ ہوا اور ظاہر ہے کہ یہ بات نہایت بے وقوفی کی بات ہے کہ اپنی مرضی کو خدا کی مرضی پر ترجیح دے بلکہ ممکن ہے کہ اس سبب سے خدا تعالیٰ کا غضب اس پر اس کے غصہ سے بڑھ کر ہے اور عمل غصہ کی دفع کا یہ ہے کہ زبان سے کہے [1] اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم غصہ کے وقت یہی کہنے کا حکم حدیث شریف میں بھی آیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب حضرت عائشہ غصہ ہوتیں

[1] پناہ مانگتا ہوں اللہ سے شیطان مردود سے ۱۲۔

تو آپ ان کی ناک پکڑتے اور فرماتے اے عویش یوں کہہ اَللّٰھم رب النبی محمد اغفرلی ذنبی و اذھب غیظ قلبی واجرنی من مضلات الفتن تو اس دعا کا کہنا بھی مستحب ٹھہرا اگر اس زبانی قول سے غصہ نہ جائے تو یہ کرے کہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے یعنی آپ کو زمین کی خاک سے قریب کر دے تاکہ یہ معلوم ہو کہ میں اس سے پیدا ہوں اور انجام کو بھی اس میں جانا ہے اس عمل سے اپنے نفس کی خاکساری سمجھ میں آجائے گی اور بیٹھنے خواہ لیٹنے سے غصہ ساکن ہو جائے گا اس لیئے کہ غصہ حرارت سے ہوتا ہے اور حرارت حرکت سے تو جب بیٹھنے یا لیٹنے سے حرکت دور ہوئی تو توقع ہے کہ حرارت غضب بھی دور ہو جائے گی اور یہ عمل بھی حدیث شریف میں وارد ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ ان الغضب جمرۃ توقد فی القلب الم تروا الی انتفاخ اوداجہ وحمرۃ عینیہ فاذا وجد احدکم من ذٰلک شیئًا فان کان قائمًا فلیجلس وان کان جالسا فلینم اگر اس سے بھی غصہ نہ جائے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرے یا نہا ڈالے کیونکہ آگ بدون پانی کے نہیں بجھ سکتی چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اذا غضب احدکم فلیتوضا بالماء فانما الغضب من النار اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ان الغضب من الشیطان وان الشیطان خلق من النار وانما تطفا النار بالماء فاذا غضب احدکم فلیتوضا۔ اور حضرت ابن عباس سے یہ حدیث مروی ہے اذا غضبت فاسکت۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت کی عادت شریف یہ تھی کہ غصہ کے وقت اگر کھڑے ہوتے تو بیٹھ جاتے اور اگر بیٹھے ہوتے تو لیٹ جاتے اسی لیئے آپ کا غصہ فرو ہو جاتا تھا اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے یہ حدیث منقول ہے الا ان الغضب جمرۃ فی قلب ابن آدم الا ترون الی حمرۃ عینیہ وانتفاخ اوداجہ فمن وجد من ذٰلک شیئًا فلیلصق خدہٗ بالارض۔ اس حدیث میں اشارہ سجدہ کی

---

[1] بخاری ومسلم بروایت سلیمان بن صرد ۱۲ [2] اے اللہ پالنے والے پیغمبر محمدؐ کے بخش دے مجھ کو میری خطا اور دور کر میرے دل کا غصہ اور پناہ دے مجھ کو گمراہ کرنے والوں فتنوں سے ابن بیہقی اور یوم ولیلہ بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ ۱۲ [3] غصہ ایک چنگاری ہے جو دل میں بھڑکتی ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ غصہ والے کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں پس اگر تم میں سے کسی کو یہ حال عارض ہو تو اگر کھڑا ہو تو چاہیئے کہ بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے ۱۲ ترمذی بروایت ابو سعد اور اس میں تو قد نہیں ہے اور بیہقی نے وہ بھی نقل کیا ہے [4] جب تم میں سے کوئی غصہ ہو تو چاہیئے پانی سے وضو کرے کہ غصہ آگ سے ہے ۱۲ ابو داؤد و بروایت عطیہ سعدی اور اس میں بالماء نہیں ہے بیشک غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ کو پانی سے بجھاتے ہیں جب کوئی تم میں سے غصہ ہو تو چاہیئے کہ وضو کرے ۱۲ مثل حدیث بالا ہے ۱۲ [5] جب تو غصہ ہو سکوت کر ۱۲ احمد ابن ابی الدنیا وطبرانی ۱۲ [6] احمد و ابن ابی الدنیا نے نقل کی ہے مگر سند میں ایک راوی کا نام نہیں اور احمد نے یہ مضمون اور طرح پر بسند جید نقل کیا ہے [7] آگاہ ہو کہ غصہ ایک چنگاری ہے آدمی کے دل میں کیا نہیں دیکھتے اس کی آنکھوں کی سرخی اور رگہائے گردن کے پھولنے کو جو شخص اس میں سے کچھ معلوم کرے تو چاہیئے کہ اپنا رخسارہ زمین سے ملائے ۱۲ ترمذی نے نقل کی ہے۔ ۱۲ [8] ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے اور صحیحین میں بھی یہ قصہ مختصراً منقول کیا ہے۔ ۱۲

طرف ہے یعنی بدن کا جو اعلیٰ اور اشرف عضو ہے اس کو سب سے ذلیل چیز یعنی خاک پر رکھنا چاہیئے تاکہ نفس اپنی ذلت اور خاکساری کو سمجھ کر عزت و تکبر سے جو باعث غضب ہیں باز آئے اور حضرت عمرؓ ایک روز غصہ ہوئے تو پانی منگا کر ناک میں دینا شروع کیا اور فرمایا کہ غضب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور اس عمل سے جاتا رہتا ہے اور عروہ بن محمد فرماتے ہیں کہ جب میں مدین میں حاکم ہوا تو میرے باپ نے مجھ سے پوچھا کہ تو والی ہوا ہے میں نے کہا کہ ہاں انہوں نے فرمایا کہ جب تجھے غصہ آئے تو آسمان اور زمین کو دیکھ کر ان کے خالق کی عظمت بجا لانا یعنی سجدہ کرنا اور حضرت ابو ذر نے ایک شخص کو جس سے کچھ خصومت تھی کہا کہ اے لال عورت کے جنے یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ نے ان سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ تو نے اپنے بھائی مسلمان کو ماں کی گالی دی انہوں نے عرض کیا البتہ اور یہ کہہ کر وہاں سے چلے کہ اس شخص کو راضی کریں کہ اتنے میں اسی شخص نے سبقت کر کے ان سے سلام علیک کی انہوں نے یہ ماجرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے فرمایا کہ اے ابو ذر اپنا سر اٹھا کر دیکھ پھر جان لے کہ زمین کے پردے پر تجھ کو فضیلت نہ کسی لال پر ہے نہ کالے پر ہے جب تک کہ عمل اچھے نہ ہوں پھر ارشاد فرمایا کہ غصہ کے وقت اگر تو کھڑا ہو تو بیٹھ جایا کر اور بیٹھا ہو تو تکیہ لگا لیا اور تکیہ لگائے ہو تو لیٹ رہا کر اور معتمر بن سلیمانؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص پہلے لوگوں میں مغلوب الغضب تھا اس نے تین پرچہ لکھ کر تین شخصوں کو دے دیئے ایک سے کہا کہ جب مجھے غصہ آئے یہ پرچہ دے دینا دوسرے سے کہا کہ جب میرا غصہ کم ہو تو تب اپنا پرچہ دینا تیسرے سے کہا کہ جب بالکل غصہ جاتا رہے جب یہ پرچہ دینا ایک روز اس کو کسی پر شدت سے غصہ آیا تو پہلا پرچہ اس کو دیا گیا اس پر لکھا تھا کہ تو اس شخص کے کیوں پیچھے پڑا ہے تو اس کا خدا نہیں بلکہ بشر ہے کوئی دن ایسا ہو گا کہ تیرے ٹکڑے خود تجھی کو کھا لیں گے اس کے پڑھنے سے اس کا کچھ غصہ کم ہو گیا تو دوسرا پرچہ دے دیا گیا اس میں یہ لکھا تھا ؎

تو بخشا یشے کن بر اہل زمین　　　که رحمت کند رب عرش بریں

پھر تیسرا پرچہ اس کو دیا تو اس میں یہ تھا کہ لوگوں کا حق کے ساتھ مواخذہ کرنا چاہیئے ان کی اصلاح کار اسی میں ہے یعنی حدود و شرعی سزائے جرم کے لیئے خود مقرر ہیں انہیں کے بموجب مواخذہ اور سزا کافی ہے اور خلیفہ مہدی ایک شخص پر غصہ ہوا تو شبیبؒ نے کہا کہ خدا کے واسطے اتنا غصہ نہ کرنا چاہیئے جتنا اس شخص نے اپنے نفس کے واسطے کیا ہے خلیفہ نے فرمایا کہ اس کو جانے دو۔

غصے کو پی جانے کے فضائل۔

اللہ تعالیٰ نے مدح کے طور پر ارشاد فرمایا ہے تعالیٰ والکاظمین الغیظ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

ع؎ اصل احیاء سے یہ ترجمہ نہیں بلکہ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ خلیفہ کو اللہ تعالیٰ کے واسطے اس سے بڑھ کر غصہ نہ کرنا چاہیئے جس قدر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے واسطے غصہ فرمایا ہے ۱۲ امیر علی۔

من کف غضبه[ح۱] کف الله عنه عذابه ومن اعتذر الی ربه قبل الله عذره ومن خزن لسانه ستر الله عورته اور فرمایا[ح۲] اشدکم من غلبه نفسه عند الغضب واحلمکم من عفا عند القدرة اور فرمایا[ح۳] من کظم غیظا ولو شاء ان یمضیه امضاه ملاء الله قلبه یوم القیٰمه۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا من جرع عبد جرعة اعظم اجرا من جرعة غیظ کظمها ابتغاء وجه الله تعالیٰ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ان لجهنم بابا لا یدخله الا من شفی غیظه بمعصیة الله تعالیٰ اور فرمایا کہ خدا کے نزدیک گھونٹ کا پینا اتنا محبوب نہیں جتنا غصہ کا پینا ہے جو کوئی غصہ پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا دل ایمان سے بھر دیتا ہے اور فرمایا کہ جو کوئی باوجود قدرت انتقام غصہ پیتا ہے خدا تعالیٰ اس کو سب خلقت کے سامنے بلا کر اختیار دے گا جو حور تیرے پسند آئے لے لے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ خدا کی معیت میں اپنا غصہ جاری نہیں کرتا بلکہ اپنا خواطر خواہ کام بھی نہیں کرتا اور اگر قیامت نہ ہوتی تو جو کچھ حال اب دیکھ رہا ہے اس کے خلاف ہوتا اور لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اپنی آبرو سوال سے مت کھونا اور غصہ کا انتقام اپنی فضیحت کے سبب نہ لینا اور اپنی لیاقت کو جانے رکھنا کہ زندگی میں مفید ہوگا اور ایوبؒ فرماتے ہیں کہ ایک گھڑی کا حلم کرنا بہت سے شر کو دور کرتا ہے اور ایک بار حضرت سفیان ثوری اور ابو خزیمہ ربوعی اور فضیل بن عیاضؒ جمع ہوئے اور زہد کا ذکر آپس میں ہوا تو سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ افضل اعمال غصہ کے وقت حلم کرنا اور طمع کے وقت صبر کرنا ہے اور ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ آپ انصاف سے حکم نہیں کرتے اور بہت نہیں دیتے کہ آپ کو یہاں تک غصہ آیا کہ چہرہ پر اس کا اثر معلوم ہوا۔ تب ایک شخص نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین آپ کا کدھر خیال ہے یہ شخص جاہل ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خذ العفو وامر بالمعروف۔ واعرض عن الجاهلین۔ آپ نے فرمایا تو نے درست کہا اور گویا ایک آگ کو بجھا دیا اور محمد بن کعب کہتے ہیں کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی میں جمع ہوں تو ایمان کامل ہو جائے ایک یہ کہ جب خوش ہو تو حالت خوشی میں امور باطل میں نہ داخل ہو

ح۱ جس نے روکا اپنے نفس کو روکے گا اللہ اس سے اس کا عذاب اور جو شخص عذر کرے اپنے رب کے سامنے قبول کرتا ہے اللہ اس کے عذر کو اور جو شخص روکے اپنی زبان کو چھپائے اس کے عیب کو ۱۲ طبرانی در اوسط و بیہقی در شعب بروایت انس بہ سند ضعیف ۱۲ ح۲ تم میں سخت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر غالب آئے اور تم میں زیادہ بردبار وہ ہے جو قدرت کے وقت معاف کرے ابن ابی الدنیا بروایت علی مرتضیٰ بسند ضعیف ۱۲ ح۳ جو شخص دبائے غصہ کو ایسے وقت میں اگر چاہتا تو اس کو جاری کرتا بھرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کا دل رضا سے ۱۲ پہلی روایت کو ابن ابی الدنیا نے بروایت ابن عمر اور دوسرے کو بروایت ابو ہریرہ نقل کیا ہے اور دونوں سندوں کا ایک راوی ضعیف ہے ۱۲ ح۴ نہیں گھونٹ پیا کسی بندہ نے کوئی گھونٹ جس میں زیادہ ثواب ہو بہ نسبت گھونٹ غصہ کے جس کو رضائے الٰہی کی رضا کے لئے پیا ہو اس کو ابن ماجہ نے نقل کیا ہے ۱۲ ح۵ دوزخ میں ایک دروازہ ہے کہ نہیں داخل ہوگا اس میں مگر وہ شخص کہ نکالے اپنا غصہ خدا کی نافرمانی میں ۱۲ باب آفات اللسان میں گزری ح۶ ابن ابی الدنیا بروایت ابن عباس اور یہ حدیث متفق ہے اور سند ضعیف ہے ۱۲

ح۷ باب آفات اللسان میں گذری ۱۲ ح۸ خو پکڑ معاف کرنا اور کہہ نیک کار کو اور کنارہ کر جاہلوں سے ۱۲۔

دوسرے یہ کہ جب غصہ ہو تو غضب اس کو حق سے تجاوز نہ کرنے دے تیسرے یہ کہ جب قابو پائے تو جو چیز اپنی نہ ہو وہ نہ لے اور ایک شخص حضرت سلیمان رحمۃ اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ اے بندہ خدا مجھ کو وصیت کر آپ نے فرمایا کہ غصہ مت کیا کر اس نے کہا کہ یہ تو مجھ سے ہو نہیں سکتا آپ نے فرمایا کہ اتنا ہی کیا کر کہ غصہ کے وقت اپنی زبان اور ہاتھ روک لیا کر۔

حلم وبردباری کے فضائل

جاننا چاہیئے کہ حلم اس کو کہتے ہیں کہ غصہ جوش پر نہ آئے اور اگر آئے بھی تو اس کے فرو کرنے میں کچھ تعب اور مشقت نہ ہو اور یہ غصہ کے پینے سے بہتر ہے اس واسطے کہ غصہ کا پینا بزور وتکلف حلیم بنتا ہے کہ جس وقت غصہ کی شدت ہو بڑے مجاہدہ اور کوشش سے اس کو بجائے تو غصہ کا پینا ایک تکلف اور بناوٹ ہے اور حلم طبعی عادت جبلی ہے جس سے کمال عقل ثابت ہوتا ہے اور قوت غضبی فرمانبردار اور مغلوب رہتی ہے مگر ابتداء میں بزور وتکلف غصہ پینے اور حلیم بننے سے یہ عادت حاصل ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ انما العلم بالتعلم[۱] والحلم بالتحلم ومن یتخیر الخیر یعطہ ومن یتوق الشر یوقہ اس سے معلوم ہوا کہ حصول حلم کا ذریعہ اوّل علم یعنی بتکلف حلیم بنتا ہے جیسے تحصیل علم کا وسیلہ تعلیم ہوتا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اطلبو العلم واطلبوا مع العلم السکینۃ والحلم ولینوا[۲] لمن تعلمون ولمن تتعلمون منہ ولا تکونوا من جبابرۃ العلماء فیغلب جہلکم علمکم۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ باعث ہیجان غضب تکبر اور تجبر ہیں اور یہی مانع نرمی اور حلم کے ہوتے ہیں اور آپ دعا میں یوں فرماتے اللھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم واکرمنی[۳] بالتقوی وجملنی بالعافیۃ اور ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک علو مقام کے طالب ہو لوگوں نے عرض کیا وہ کیا باتیں ہیں آپ نے فرمایا کہ تصل[۴] من قطعک وتعفو عمن حرمک وتحلم عمن جھل علیک اور فرمایا کہ پانچ باتیں سنت المرسلین سے ہیں حیا اور حلم اور پچھنے لگوانے اور مسواک کرنی اور عطر لگانا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمان آدمی کو حلم کے باعث وہ درجہ ملتا ہے جو شب بیدار اور روزہ دار کو ملتا ہے اور وہی جبار عنید بھی لکھا جاتا ہے باوجود یکہ اپنے گھر والوں

---

[۱] علم سیکھنے سے آتا ہے اور حلم بزور حلیم بننے سے اور جو شخص قصد خیر کرے اس کو دی جائے گی اور جو شر سے بچے اس سے محفوظ رہے گا ۱۲ طبرانی دارقطنی در علل بروایت ابو درداء بسند ضعیف ۱۲ [۲] طلب کرو علم کو اور علم کے ساتھ علم وقار کو تلاش کرو اور نرمی کرو جس کا کچھ سکھاؤ اور جس سے خود سیکھو اور جابرہ علماء میں سے مت ہو کہ تمہارا جہل علم سے بڑھ کر ہو ۱۲ ابن سنی بسند ضعیف۔

[۳] الٰہی مجھ کو تونگر کر علم سے اور زینت دے علم سے اور بڑا کر تقویٰ سے اجمال دے تندرستی سے ۱۲ ابن ابی الدنیا بروایت سلیمان بن عیینہ معضلاً ۱۲ [۴] عساکر اور بیہقی۔ در پہلے گزری۔ ۱۲

کے سوا اور کسی کا مالک نہیں ہوتا یعنی اگر علم تنا اختیار کرے اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص[ح۱] نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں تو ان سے ملتا ہوں وہ مجھ سے کنارہ کرتے ہیں میں ان سے نیکی کرتا ہوں وہ مجھ سے بدی کرتے ہیں میں علم کرتا ہوں وہ جہالت کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر یہی حال ہے تو تم ان کے پیٹوں میں آگ بھرتے ہو یعنی تمہاری داد و دہش ان کے حق میں اچھی نہیں ہوگی اور جب تک تم ایسا کرتے رہو گے خدا کی طرف سے تم کو مدد و پشتی رہے گی اور ایک شخص نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی میرے پاس کچھ دینے کو تو ہے نہیں جو صدقہ اور خیرات کروں میں یہی کہتا ہوں کہ جو مسلمان میری ہتک کرے میں نے اس کو معاف کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی کہ ہم نے اس بندہ کو بخش دیا اور ابو ضمضم کی روایت جو حدیث میں ہے وہ پہلے مذکور ہوئی اور وہ بھی یہاں چسپاں ہے اور قرآن مجید میں جو لفظ ربانیین واقع ہے اس کی تفسیر میں بعض کہتے ہیں کہ اس سے عالم اور حلیم مراد ہیں اور حضرت حسن اس میں[ت۱] واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔ فرماتے ہیں کہ اس سے حلیم مراد ہیں اور اگر ان میں سے کوئی بجہالت پیش آئے تو وہ جہالت نہیں کرتے اور عطاء بن ابی رباح[ت۲] یمشون علی الارض ھونا سے بھی مراد حلیم لیتے ہیں اور ابن ابی حبیب[ت۳] وکھلا من الصالحین صالحین کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ کہل انتہا علم سے مراد ہے اور مجاہد[ت۴] واذا مروا باللغو مروا کراما کے معنی کہتے ہیں اور جب ایذا دیئے جائیں معاف کر دیں اور ایک بار حضرت ابن مسعود[ت۵] ایک لغو امر سے کنارہ ہو کر گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کو تو ابن مسعود تھا اور شام کو کریم ہو گیا پھر راوی حدیث ابراہیم بن میسرہ نے یہ آیت پڑھی۔ واذا مروا باللغو مروا کراما اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ لایذھب[ح۱] الدنیا ولا یذھب زمان لایتبعون فیہ العلیم ولا یستحیون فیہ من الحلیم قلوبھم قلوب العجم۔ ط۔[ح] والسنتھم السنۃ العرب اور فرمایا یلینی منکم ذو الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ولا تختلفوا فیختلف قلوبکم وایاکم وھیشات الاسواق۔ اور روایت ہے کہ اشج[ت] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

[ح۱] مل تو اس سے جو جدا ہو اور دے تو اس کو جو تجھ کو محروم رکھے اور علم کر تو اس پر جو تجھ پر جہل کرے ۱۲ حکیم ترمذی در نوادر بروایت بن عبد اللہ عن ابیہ عن جدہ ۱۲ [ح۲] طبرانی در اوسط بسند ضعیف ۱۲ [ح۳] مسلم نے نقل کی ہے [ح۴] ابو نعیم در صحابہ و بیہقی در شعب بروایت عبد المجید بن ابی عیس بن جبر عن ابیہ عن جدہ اور بیہقی نے کہا ہے کہ یہ شخص دعا کرنے والا علبہ بن زید تھا ۱۲ [ح۵] آفات اللسان میں گزری ۱۲ [ت۱] اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ کہیں صاحب سلامت۔ ۱۲ [ت۲] چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں [ت۳] اور پوری عمر کا نیک بختوں میں سے ۱۲۔ [ت۴] اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگی رکھ کر ۱۲۔ [ح۱۰] ابن مبارک روبرو و صلہ بسند منقطع ۱۲۔ [ح۱۱] نہ ملے مجھ کو نہ میں اس زمانہ کو کہ جس میں نہ پیروی کریں عالم کی اور نہ حیا کریں حلم سے ان کے دل عجم والوں کے اور زبان عرب کی سی زبان ہو[۱۲] احمد بروایت سہل بن سعد بسند ضعیف ۱۲ [ح۱۲] چاہیئے کہ تم میں سے میرے پاس بلوغ و عقل والے رہیں پھر جو ان کے قریب ہیں اور اختلاف مت کرو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے اور بازاروں کے جھگڑوں سے بچاؤ ۱۲ مسلم بروایت ابو مسعود ابو داؤد ترمذی ۱۲

میں حاضر ہوئے پس اپنا اونٹ بٹھلا کر اس کو باندھ دیا اور بدن کے کپڑے اتار کر جامہ دانی میں سے ایک جوڑا اچھا نکال کر آپ کے سامنے پہنا اور پھر آپ کی طرف کو چلے جب پاس آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم میں دو باتیں ایسی ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کو اچھی معلوم ہوتی ہیں انہوں نے عرض کیا وہ کون سی ہیں آپ نے فرمایا علم اور درنگ انہوں نے عرض کیا کہ یہ دونوں خلق کہ میں نے اختیار کئے ہیں یا پیدائشی ہیں آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہی نے تجھ کو ایسا پیدا کیا ہے جبلی ہی باتیں ہیں انہوں نے عرض کیا کہ شکر ہے اس خالق کا جس نے مجھ کو ایسی دو باتیں پیدائش ہی سے عنایت کیں جن کو وہ اور اس کا رسول پسند کرتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ[۲] ان اللہ یحب الحلیم الحیی الغنی المتعفف التقی ویبغض الفاحش البذی سائل الملحف۔ اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی میں ان تینوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو اس کے عمل کا کچھ اعتبار نہ کرو[۳] وتقویٰ تحجزہ عن معاصی اللہ عزوجل وحلم یکف بہ السفیہ وخلق یعیش بہ فی الناس۔ اور فرمایا کہ جب روز قیامت میں خدا تعالیٰ خلق کو جمع کرے گا تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ اہل فضل کہاں ہیں تو تھوڑے سے لوگ اٹھیں گے اور جنت کی طرف کو دوڑیں گے فرشتے جو ان کو دیکھیں گے تو کہیں گے تم دوڑ کر چلتے ہو کہیں گے کہ ہاں ہم افضل ہیں وہ پوچھیں گے کہ تم میں کیا فضل تھا جواب دیں گے کہ ہمارا یہ حال تھا کہ ہم پر اگر ظلم ہوتا تو ہم صبر کرتے اگر کوئی ہم سے سلوک بد کرتا تو بخش دیتے اور اگر جہالت کرتا تو حلم کرتے فرشتے کہیں گے تو آپ جنت میں تشریف لے جایئے[۴] فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِیْنَ۔ آثار حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کو سیکھو اور اس کے لئے وقار اور حلم سیکھو اور حضرت علی فرماتے ہیں کہ خیر و برکت اس کا نام نہیں کہ آدمی کی دولت بڑھ جائے اور اولاد بکثرت ہو برکت اس کا نام ہے کہ علم اور حلم بہت سا ہو اور اگر فخر کرے خدا کی عبادت سے بندوں میں فخر کرے اور جب نیک کام کرے تو خدا کا شکر کرے اور جو بد کام کرے تو توبہ و استغفار کرے اور حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم کی تحصیل کرو اور اس کو وقار اور حلم سے زینت دو۔ اور اکثم بن صیفی فرماتے ہیں کہ عقل کا رکن حلم ہے۔ اور سب بات میں اصل صبر ہے اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو میں نے ایسا دیکھا تھا کہ ہمہ تن پتے تھے کانٹا کام کو نہ تھا اور اب ہمہ تن خار ہیں پتے کا پتہ نہیں اگر ان کو کچھ کہیے مقابلہ کو تیار ہوتے ہیں اور اگر ان سے درگزر کیجئے وہ ہرگز درگزر نہیں کرتے لوگوں نے پوچھا کہ پھر ایسے لوگوں کے ساتھ ہم کس

---

[۱] بخاری ومسلم ۱۲۔ [۲] اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے بردبار حیا دار تونگر پارسا و متقی کو۔ دشمن جانتا ہے بے ہودہ گو۔ زبان دراز سائل لیچڑ کو ۱۲ طبرانی بروایت فاطمہؓ بسند ضعیف ۱۲ اور اس میں لفظ الغنی نہیں ہے ۱۲ [۳] طبرانی بروایت ام سلمہ بسند ضعیف ترجمہ یہ ہے تقویٰ کہ اس کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے روکے اور حلم جس سے کہ بے وقوف کو روکے اور خلق جس سے کہ لوگوں میں بسر کرے ۱۲ [۴] بیہقی در شعب بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور اس کی سند ضعیف ہے ۱۲ [۵] پس خوب مزدوری ہے نیک کام کرنے والوں کی ۱۲۔

طرح معاملہ کریں آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی تم کو برا کہے اس کا جواب نہ دو یہ بات قیامت کے روز جب تم مفلس ہو گے تمہارے کام آئے گی اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا قول ہے کہ حلیم کو حلم کے سبب اوّل عوض تو یہی ملتا ہے کہ سب آدمی اس کے طرف دار ہو کر اس کے بدخواہ کے درپے ہوتے ہیں اور حضرت معاویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدمی اجتہاد اور تجویز کے درجہ کو نہیں پہنچتا جب تک کہ حلم جہل پر غالب نہ ہو اور صبر شہوت پر اور یہ بات بزور علم حاصل ہوتی ہے اور نیز انہوں نے عمرو بن اہتم سے پوچھا کہ مردوں میں سے بہادر کون ہے انہوں نے فرمایا جو اپنے حلم کے سبب سے جہل کو ہٹا دے پھر پوچھا کہ زیادہ سخی کون ہے انہوں نے فرمایا کہ جو دنیا میں دین کی بہتری کے لیے خرچ کر ڈالے اور حضرت انس بن مالک اس آیت کی تفسیر میں[1] فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہٗ ولی حمیم وما یلقھا الا الذین صبروا وما یلقھا الا ذوحظ عظیم۔ ارشاد فرماتے ہیں اس سے وہ شخص مراد ہے کہ جب اس کو اس کا کوئی بھائی گالی دے تو وہ یوں کہے کہ اگر تو جھوٹا ہے تو خدا تجھ کو بخشے اور اگر سچا ہے تو مجھ کو بخشے اور بعض اکابر فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو بصرہ کے لوگوں سے میں نے گالی دی انہوں نے حلم کیا تو مجھ کو گویا مدت تک بندہ زر خرید کر لیا اور حضرت معاویہ رحمہ اللہ نے عرابہ بن اوس انصاری سے پوچھا کہ تم اپنی قوم میں سردار کیسے ہوئے انہوں نے کہا کہ میں ان کے جاہلوں سے حلم کرتا ہوں سائلوں کو دیتا ہوں حاجات میں سعی کرتا ہوں پس جو کوئی میرے برابر کام کرے گا وہ مجھ جیسا ہو گا اور مجھ سے کچھ زائد ہو گا تو اس کو مجھ پر فضیلت ہو گی اور اگر کم کرے گا تو میں اس سے بہتر ہوں اور حضرت ابن عباس کو کسی شخص نے گالی دی جب وہ گالی دے چکا تو آپ نے اپنے خادم عکرمہؓ کو فرمایا کہ دیکھو تو اس کی کچھ حاجت ہو تو دے دو اس شخص پر گویا گھڑے پانی کے پڑ گئے سر نیچا کر لیا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو کسی نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو آپ نے فرمایا کہ تیری گواہی مقبول نہیں اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ان کو کسی نے گالی دی آپ نے اپنی چادر اس کی طرف پھینک دی اور سو درم دلوائے اور بعضوں نے فرمایا ہے کہ آپ نے اس تھوڑی دنیا کی چیز سے پانچ عمدہ باتیں حاصل کیں اوّل حلم دوسرے دفع کرنا ایذا کا تیسرے اس شخص کو ایسی بات سے رہائی دینی جو اللہ تعالیٰ سے دور کرے چوتھے اس شخص کا پشیمان ہونا اور اپنے کئے سے توبہ کرنی پانچویں اس کی تعریف کرنی بعد برائی کے اور ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ مجھ میں اور کچھ لوگوں میں جھگڑا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کو دفع کروں مگر لوگ کہتے ہیں کہ جھگڑا چھوڑنے میں ذلت ہے آپ نے فرمایا کہ ذلیل ظالم ہوا کرتا ہے تجھ کو کچھ ذلت نہیں اور خلیل بن احمد کا قول ہے کہ یوں مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص بدی کرے اور اس کے عوض میں اس سے سلوک کیا جائے تو اس کے دل میں خود بخود ایسا ایک امر پیدا ہو گا کہ پھر وہ ویسی بدی نہ کرے گا اور احنف

---

[1] پھر جو تو دیکھے جس میں تجھ میں دشمنی تھی جیسے دوست دار ہے ناتے والا۔ اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو جو سہارا رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے ۱۲۔

بن قیس کہا کرتے کہ میں حلیم تو نہیں مگر بزور حلم کرتا ہوں اور وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے اور جو خاموش رہتا ہے وہ بچ جاتا ہے اور جو جہالت کرتا ہے وہ غالب ہوتا ہے اور جو جلدی کرتا ہے وہ خطا کرتا ہے اور جو شر کی حرص کرتا ہے وہ اس سے محفوظ نہیں رہتا اور جو باتوں میں دخل کیا کرتا ہے اس کو گالیاں ملتی ہیں اور جو بری بات کو برا نہیں جانتا وہ گنہگار ہوتا ہے اگر برا سمجھتا ہے تو اس سے بچا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بموجب جو چلتا ہے وہ محفوظ رہتا ہے اور جو اس سے خوف کرتا ہے وہ محتاج ہو جاتا ہے اور اس کے عذاب سے نہیں ڈرتا ذلت اٹھاتا ہے جو اس سے مدد چاہتا ہے فتح پاتا ہے اور ایک شخص نے مالک بن دینارؒ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے مجھ کو برا کہا ہے آپ نے فرمایا کہ تب تم تو میرے نزدیک میری جان سے زیادہ افضل ٹھہرے یعنی نیکیاں کیں میرے نفس نے اور ان کو تمہارے لیئے میں نے ہدیہ کر دیا اور بعض علماء کا قول ہے کہ حلم بہ نسبت عقل کے زیادہ رتبہ رکھتا ہے اس واسطے کہ خدا کا نام حلیم بولتے ہیں عقیل نہیں کہتے اور ایک شخص نے کسی حکیم کو کہا کہ تم کو ایسی گالی دوں گا کہ قبر میں بھی ساتھ جائے انہوں نے جواب دیا کہ البتہ تیری قبر میں جائے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کی قوم پر گذرے تو انہوں نے آپ کو برا کہا آپ نے ان کو کلمہ خیر فرمایا لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ تو آپ کو برا کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہم میں سے ہر ایک وہی دیتا ہے جو اس کے پاس ہے۔ مصرع

ترا او وچہ کنم آنچہ در آوند من ست۔

اور لقمان حکیمؒ فرماتے ہیں کہ تین شخص تین باتوں میں پہچانے جاتے ہیں حلیم تو غصہ کے وقت اور بہادر لڑائی کے وقت اور دوست حاجت کے وقت اور ایک حکیم کے یہاں اس کا ایک دوست آیا اس نے ماحضر پیش آیا حکیمؒ کی بی بی بد مزاج تھی دسترخوان کو تو اٹھا لیا اور شوہر کو گالیاں دینا شروع کیں وہ مہمان غصہ ہو کر اٹھ گیا حکیم اس کے پیچھے گیا اور کہا کہ تم کو یاد ہے کہ ایک بار ہم تمہارے گھر کھانا کھاتے تھے اتنے میں ایک مرغی آئی اس نے دسترخوان پر کی چیز کو خراب کر دیا ہم میں سے کوئی بھی غصہ ہوا تھا اس نے کہا کوئی نہیں حکیم نے کہا کہ تو اب بھی ویسا ہی خیال کرو وہ شخص ہنس پڑا اور خفگی جاتی رہی اور کہنے لگا حکماء کا قول درست ہے کہ حلم ہر درد و چوٹ کی دوا ہے اور ایک شخص نے ایک حکیم کے پاؤں میں ضرب ایسی ماری کہ اس کو دکھ معلوم ہوا مگر غصہ نہ ہوا لوگوں نے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ میں نے یہ سمجھ لیا کہ میرا پاؤں کسی پتھر سے پھسل گیا اور چوٹ لگ گئی اس وجہ سے غصہ نہیں کیا اور محمود وراق نے ایک قطعہ عربی میں کہا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے قطعہ کوئی برا کہے مجھ کو تو میں معاف کروں خواہ گالیاں ہی دے بالفرض بیحد و پایاں۔

بدین سبب کے ہیں عالم میں تین قسم کے لوگ ؛؛ یکم شریف دوم ارذل و سوم اقران۔
شریف و برتر اگر کچھ کہے تو ہے برجا۔ ؛؛ سکوت اس لیئے ٹھہرا مناسب و شایان۔
جواب ارذل و کمتر کا ہے نہ دینا خوب ؛؛ اسی سے کہتے ہیں وابستہ حفظ حرمت و جان۔

رہا جو ہمسفر اگر کچھ کہے وہ بھولے سے تو میرے فضل کو بس ہے اگر کروں احسان

اتنی مقدار میں کلام جو انتقام کے لئے درست ہے

یہ تو ناجائز محض ہے کہ ظلم کے بدلے میں ظلم کیا جائے یا بدی کا مقابلہ بدی سے کیا جائے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اسا[1]

مثلاً غیبت کے عوض غیبت کرنا اور گالی کے عوض گالی دینا اور جاسوسی کے عوض جاسوسی کرنا اور علیٰ ہذا القیاس سب معصیتوں میں ویسا ہی تدارک ناجائز ہے ہاں بقدر قصاص جس کی مقدار شرع میں وارد ہے اور ہم نے فقہ میں اس کی تفصیل لکھی ہے اسی قدر جائز ہے اور گالی کے بدلے میں گالی تو کسی طرح نہیں چاہیئے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ[2] ان امرء عیّرک بما فیک فلا تعیّرہ بما فیہ اور فرمایا المستبان شیطانان یتہاتران۔[3] اور ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کے سامنے برا بھلا کہا آپ چپکے سنے گئے جب حضرت ابوبکرؓ نے انتقام کے لئے کچھ بولنا شروع کیا جب ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے عرض کیا جب وہ شخص مجھ کو برا کہتا تھا آپ چپ رہے اب جو میں نے بدلہ چاہا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا جب تک تم چپ تھے فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دیتا تھا جب تم بولے فرشتہ چلا گیا شیطان آیا تو مجھے ایسی مجلس میں بیٹھنا منظور نہیں جہاں شیطان ہو[4] اور بعض لوگ فرماتے ہیں مقابلہ میں ایسے لفظ کہنے جس میں جھوٹ نہ ہو درست ہیں اور حدیث میں جو ممانعت ہے وہ احتیاطاً ہے یعنی ترک ایسے الفاظ کا بھی اولیٰ اور افضل ہے لیکن اگر کہے گا تو گنہگار نہ ہوگا اور وہ اس قسم کے کلمات ہیں کہ تم کون ہو تم فلانے ہی کی اولاد نہیں ہو جیسا کہ سعدؓ نے حضرت ابن مسعود کو کہا تھا کہ تم بنی ہذیل ہی میں سے نہیں ہو انہوں نے جواب میں کہا کہ تم بنی امیہ میں سے نہیں ہو یا یہ کہ کسی کو احمق کہیں اس لئے کہ بموجب قول مطرفؒ کے سب لوگ خدا کے معاملے میں بے وقوف ہیں مگر بعضے کم حماقت رکھتے ہیں اور بعضے زیادہ اور حدیث شریف میں حضرت ابن عمر سے ایسا ہی کچھ مروی ہے[5] حتی نرد الناس کلھم حمقی فی ذات اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح کسی کو جاہل کہہ دینا ہے کیونکہ کسی قسم کی جہالت ہر ایک شخص میں ہوتی ہے غرض اس قسم کے کلمات ایسے ہیں کہ ان سے دوسرے کو ایذا پہنچتی ہے مگر واقع میں جھوٹ نہیں ہوتے علی ہذا القیاس بدخلق اور بے حیا اور عیب جو وغیرہ کہہ دینا بشرطیکہ یہ باتیں اس میں ہوں یا یہ کہنا کہ اگر تم میں شرم ہوتی تو ایسا نہ کہتے اور تم اپنی حرکت سے میری آنکھوں میں نہایت حقیر ہو گئے اور خدا تم سے عوض لے یا تم کو سمجھے وغیرہ لیکن چغلی اور غیبت اور ماں باپ کی گالی

---

[1] نیکی کر اس کے ساتھ جو برائی کرے ۱۲۔ [2] اگر کوئی مجھ کو ننگ دلا دے تیرے عیب سے تو تو اس کو ننگ مت لگا اس کے عیب کا احمد بروایت جابر بن سلیم ۱۲۔ [3] دو آپس میں گالی دینے والے شیطان ہیں کہ ایک دوسرے سے جھوٹ بکتے ہیں ۱۲ [4] ابو داؤد بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مفصلاً و مرسلاً اور بقول بخاری مرسلاً زیادہ صحیح ہے ۱۲۔

باتفاق حرام ہیں چنانچہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت سعد کے درمیان کچھ بات ہوگئی تھی ایک شخص نے حضرت سعد کے سامنے حضرت خالد کو کچھ کہنا چاہا آپ نے فرمایا سنو صاحب ہماری ان کی جو بات ہے اس کی نوبت ابھی دین تک نہیں پہنچی یعنی ایک دوسرے سے وہ بات نہیں ہوئی جس سے گنہگار ٹھہریں غرضکہ انہوں نے برائی کا سننا نہ مانا کہنے کا تو کیا ذکر ہے اور اس بات کی دلیل کہ جو بات جھوٹ اور حرام نہ ہو وہ انتقام میں کہنی جائز ہے یہ روایت حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں[۱] کہ سب ازواج مطہرات نے حضرت فاطمہ زہرا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آپ تشریف لائیں اور عرض کیا کہ آپ کی ازواج نے مجھ کو آپ کے پاس بھیجا ہے اور اس غرض سے کہ عائشہ کو بھی ان کے برابر ہی سمجھئے آپ لیٹے ہوئے تھے فرمایا کہ اے فاطمہ جس کو میں چاہتا ہوں اس کو تو بھی چاہے گی انہوں نے عرض کیا کہ البتہ آپ نے فرمایا کہ تو عائشہ سے محبت کر حضرت فاطمہ نے ازواج سے جاکر ماجرا بیان کیا انہوں نے کہا تم نے تو کچھ بھی نہ کیا ویسے ہی پھر آئیں پھر زینب بنت جحش کو بھیجا حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ان کو مجھ سے ہی دعویٰ میری برابری کا تھا انہوں نے آکر کہنا شروع کیا ابوبکر کی بیٹی ایسی ابوبکر کی بیٹی اور یہی کہتی رہیں اور میں چپکی سنا کی مگر وہ اس بات کی منتظر تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اجازت جواب دیں آپ نے جو اجازت دی تو میں نے اتنا کچھ کہا کہ میری زبان سوکھ گئی تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو فرمایا کہ ابوبکر کی بیٹی کو دیکھا ایسی ہے کہ تجھ کو تاب مقاومت نہیں اور یہ گفتگو جو حضرت عائشہ نے حضرت زینب سے کی تھی اس میں فحش نہ تھا صرف جواب ان کے کلام کا ٹھیک ٹھیک تھا اور ایک حدیث میں فرمایا ہے[۲] المستبان ما قالا فعلی البادی منہا حتی یعتدی المظلوم۔ اس سے ثابت ہوا کہ مظلوم کو حق انتقام پہنچتا ہے بشرطیکہ حد سے تجاوز نہ کرے پس اکابر سلف نے جو اجازت دی وہ اسی قدر ہے کہ جس قدر اس کو ایذا ہوا اس قدر یہ بھی عوض لے لے مگر اس مقدار کا بھی ترک افضل ہے اس لئے کہ اس سے نوبت زیادتی کی پہنچ جاتی ہے اور مقدار واجب پر کفایت کرنا نہیں بن سکتا کہ انتہا شروع ایک امر مخفی ہے اسی لئے کہ جواب دینے سے سکوت ہی افضل ہے اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ بعض لوگ شدت غضب میں اپنے نفس کو روک نہیں سکتے گو جلد بحالت اصلی آجاتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ابتدا میں تو نفس کو روک لیتے ہیں مگر ہمیشہ کو کینہ و بغض دل میں رکھتے ہیں اس اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں اوّل وہ لوگ جو گھاس کی طرح جلد جل جائیں اور جلد بجھ جائیں دوم وہ جو پتھر کے کوئلہ کی طرح دیر کو سلگیں اور دیر ہی میں بجھیں تیسرے وہ کہ تر لکڑی کی طرح دیر میں جلیں مگر جلد بجھ جائیں یہ حالت بہت اچھی ہے بشرطیکہ نرمی بے عزتی نہ ہو چوتھے وہ کہ جلد بھڑک جائیں اور دیر میں ٹھنڈے

ح ۱۔ یہاں تک کہ دیکھے تو تمام لوگوں کو خدا تعالیٰ کی ذات میں احمق باب العلم میں گزری ۱۲ ح ۲ دو آپس میں گالیاں دینے والے جو کچھ کہیں وہ ان میں سے شروع کرنے والے پر ہے یہاں تک کہ مظلوم حد سے بڑھ نہ جائے ۱۲ مسلم کی حدیث ہے اور پیشتر گزری ۱۲ ح ۳ یہ حدیث پیشتر گزری۔ ح ۴ مسلم نے نقل کی ہے ح ۵ یہ حدیث پیشتر گزری ح ۶ مسلم نے نقل کی ۱۲

ہوں یہ سب میں خراب ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ ایماندار کو جلدی غصہ آتا ہے اور جلدی راضی ہو جاتا ہے تو اس عادت کا تدارک اس سے ہو جاتا ہے اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو غصہ دلایا جائے اور اس کو غصہ نہ آئے تو وہ گدھا ہے اور جس کو سنایا جائے وہ نہ سنے تو وہ شیطان ہے اور حضرت ابو سعید خدری رضی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی مختلف اقسام کے ہیں بعض دیر میں غصہ ہوتے ہیں اور جلدی رجوع کرتے ہیں اور بعض کو جلد غصہ آتا ہے جلدی فنا ہو جاتا ہے ایک بات کا تدارک دوسرے سے ہوتا ہے اور بعض جلد غصہ کرتے ہیں اور دیر میں غصہ جاتا ہے اور سب میں بہتر وہ ہے کہ دیر کرکے خفا ہو اور جلدی مان جائے۔ اور سب سے بدتر وہ ہیں کہ جلد غصہ ہوں اور دیر میں راضی ہوں اور از آنجا کہ ہر ایک انسان پر جوش غضب کی تاثیر ضروری ہوتی ہے تو بادشاہوں کو ضرور ہوا کہ غصہ کی حالت میں کسی کو سزا نہ دیں ورنہ کیا بعید ہے کہ سزا مقدار واجبی سے زیادہ ہو اور بمقتضائے غضب انتقام حد سے گزر جائے اسی لیئے واجب ہے کہ سزا صرف قصور خداوندی پر دیا کرے اپنی غرض کے لیئے سزا نہ دیوے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک مست کو دیکھا اور چاہا کہ اس کو پکڑ کر سزا دیں اس نے آپ کو کچھ برا کہا آپ پھر آئے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے برا کہنے سے اس کو کیوں چھوڑ دیا آپ نے فرمایا اس کے برا کہنے سے مجھ کو غصہ آگیا تھا اگر میں اس کو مارتا تو اپنے نفس سے غصہ کا بھی لگاؤ رہتا اور مجھ کو یہ منظور ہے کہ کسی مسلمان کو اپنے نفس کی حمیت وغیرت سے نہ ماروں اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز کو جب ایک شخص نے غصہ کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو مجھ کو غصہ نہ دلاتا تو میں سزا دیتا۔

کینہ کا معنی اس کا ثمرہ اور اس کے بالمقابل نرمی کی فضیلت

واضح ہو کہ جب آدمی غصہ کے وقت بمجبوری انتقام نہیں لے سکتا اور غصہ پینا پڑتا ہے تو یہ باطن پر گر کر حقد بن جاتا ہے اور حقد کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو ثقیل اور گراں جاننا اور اس سے بغض اور نفرت کرنی ہمیشہ دل کے ساتھ ہو اور یہ امر ممنوع ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المؤمن لیس بحقود۔ اور حقد غضب کا نتیجہ ہے اور اس سے آٹھ باتیں پیدا ہوتی ہیں اول حسد یعنی کینہ کے باعث اس بات کی تمنا ہو دوسرے کے پاس سے نعمت جاتی رہے اور اگر اس کو کچھ نعمت ملے تو اپنے آپ کو غم کرے اور اگر اس پر مصیبت آجائے تو خوش ہو اور حسد فعل منافقین کا ہے اور اس کی برائی عنقریب لکھی جائے گی دوسرے زیادہ ہونا حسد کا باطن میں کہ ہر بلا جو غیر پر آئے شماتت کرنے کو تیار رہے تیسرے دوسرے سے علیحدہ ہونا اور قطع کرنا گو وہ ملنے کا طالب اور پاس آنے کا مائل ہو مگر خود اس سے اینٹھے رہنا چوتھے اس کو حقیر و ذلیل سمجھنا پانچویں اس کے باب میں کلمات ناجائز زبان پر لانے مثل غیبت اور جھوٹ اور فاش کرنے راز اور پردہ دری وغیرہ کے چھٹے باتوں میں اس سے ٹھٹھوں اور تمسخر کرنا ساتویں اس کو مار وغیرہ سے ایذا

[1] پہلے گزری۔ ۱۲۔

جسمانی پہنچائی آٹھویں اگر اس کا حق اپنے ذمہ ہو اس کے ادا سے باز رہنا مثلاً قرض کا نہ دینا یا صلہ رحم بجا لانا یا کوئی چیز اس کی دبائی ہو اور وہ واپس نہ کرنا۔ وغیرہ یہ آٹھوں چیزیں حرام ہیں اور ادنیٰ درجہ کینہ کا یہ ہے کہ آدمی آٹھوں باتوں سے احتراز کرے اور عدا کی نافرمانی تک کی نوبت نہ پہنچے لیکن صرف دل میں دوسرے کو برا جانے یہاں تک کہ جیسا پہلے باتیں کیا کرتا تھا وہ نہ کرے مثلاً دیکھ کر خوش ہونا اور نرمی اور عنایت کرنا اور اس کی حاجتوں کے وقت کام آنا اور اس کے ساتھ بیٹھ کر ذکر الٰہی کرنا اور اس کے منع میں مددگار ہونا ان امور میں سے کوئی بجا نہ لائے یا صرف اس کے لیئے دعا مانگے یا تعریف کرے یا ترغیب نیکی کی اس کو نہ کرے تو یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان سے آدمی کا درجہ دین میں گھٹ جاتا ہے اور بڑے فضل اور ثواب کو مانع ہوتے ہیں گو مستحق عذاب ہو دیکھو حضرت ابوبکر نے مسطح کے لیئے کھائی قسم تھی کہ اس کو کچھ نہ دوں گا یہ شخص آپ کے قریب تھا مگر حضرت عائشہ کی تہمت میں کچھ اس نے بھی کہا تھا اس لیے حضرت ابوبکر نے قسم کھائی تھی مگر جب یہ آیت اتری[1] ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا اولی القربیٰ[2] والمساکین والمہاجرین فی سبیل اللّٰہ ولیعفوا ولیصفحوا الاتحبون ان یغفر اللّٰہ لکم۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ہم اللہ کی مغفرت کو دوست رکھتے ہیں اور پھر جو کچھ دیا کرتے تھے وہ بدستور دینے لگے اس سے معلوم ہوا کہ بہتر یہی ہے کہ جیسے معاملات پہلے کیا کرتا تھا ویسے ہی بدستور جاری رکھے اگر نفس پر کوشش کرکے شیطان کی مخالفت کے باعث سلوک کچھ زیادہ کرے تو یہ مقام و رتبہ صدیقین کا ہے اور مقربین کے اعمال میں سے بڑھ کر یہی ہے کیونکہ قدرت کے کینہ ور کے تین حال ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ جتنا اپنا آتا ہو اسی قدر بے کمی و زیادتی دوسرے سے لے لے اس کو تو عدل کہتے ہیں دوسرے یہ کہ اپنا حق معاف اور زیادہ صلہ رحم کرے اس کا نام فضل ہے تیسرے یہ کہ جو حق اپنا نہیں وہ اس سے ظلماً لے لیوے اس کو جور و ظلم کہتے ہیں اور یہ پیشہ ارذل اور کمینوں کا ہے اور امر اول صلحا کے درجہ کی انتہا سمجھنی چاہیئے اور امر دوم حال صدیقین کا ہے۔

عفو و احسان کی فضیلت

عفو کے معنی یہ ہے کہ اپنا حق جو دوسرے کے ذمہ ہو اس کو چھوڑ دیوے مثلاً قصاص یا قرض وغیرہ جو کسی کے ذمہ ہو اس کو اس سے بری کر دے اور اس کی تعریف و ثنا بہت آئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[3] خذ العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاہلین اور فرمایا[4] وان تعفوا اقرب للتقویٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین باتیں ایسی

---

[1] بخاری و مسلم نے یہ قصہ بروایت عائشہؓ سے نقل کیا ہے ۱۲۔ [2] اور قسم نہ کھائیں بڑائی والے تم میں اور کشائش والے اس سے کہ دیا دیں ناتے والوں کو محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں اور چاہیئے معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرے ۱۲ [3] خوب کر معاف کرنا اور نیک کام کو اور کنارہ کر جاہلوں سے ۱۲ [4] اور تم درگزر کرو تو قریب کرو پرہیزگاری سے ۱۲۔ [5] ترمذی بروایت ابوکبشہ بخاری و مسلم و ابوداؤد بروایت ابوہریرہ ۱۲۔

کہ میں بہ قسم کہہ سکتا ہوں اول یہ کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا صدقہ دینا چاہیئے ؎

زکوٰۃ مال بدر کن کہ فضلہ رز را چو باغبان ببرد بیشتر دہد انگور

دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص اپنا حق صرف خدا کے واسطے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کے باعث قیامت کو اس کی عزت بڑھائے تیسرے یہ کہ جو آدمی اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر محتاج ہونے کا دروازہ کشادہ کرتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ[۱] التواضع لا یزید العبد الا رفعۃ فتواضعوا یرفعکم اللہ والعفو لا یزید العبد الا عزا فاعفوا یعزکم اللہ والصدقۃ لا یزید المال الا کثرۃ تصدقوا یرحمکم اللہ۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی حقوق کا انتقام لیتے نہیں دیکھا جب تک کہ خدا تعالیٰ کے محارم میں سے کوئی نہ ٹوٹتی اور جب ایسا ہوتا تو سب سے زیادہ غصہ آپ کو آتا تھا اور جب کبھی دو باتوں کا آپ کو اختیار دیا جاتا تو جونسی دو باتوں میں آسان ہوتی اس کو اختیار کرتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا ہو اور حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم نہیں کہ میں نے آپ کا ہاتھ اول پکڑ لیا یا آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور یہ اشارہ فرمایا اے عقبہ دنیا و آخرت کے لوگوں کے اخلاق میں سے جو افضل ہیں وہ میں تجھ کو بتاتا ہوں، تصل من قطعک[۲] وتعطی من حرمک وتعفوا عمن ظلمک۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ وسلم نے یہ بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی بندوں میں سے تیرے نزدیک کونسا زیادہ تر عزیز ہے ارشاد ہوا جو شخص قدرت کے ہوتے معاف کر دے اور حضرت ابی درداء سے جب لوگوں نے پوچھا کہ سب سے زیادہ عزت کس کی ہے تو آپ نے یہی فرمایا کہ جو قابو پاکر معاف کر دے وہ زیادہ عزت والا ہے تم بھی معاف کیا کرو خدا تم کو عزت دے گا اور ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کسی حق کا نالشی ہوا آپ نے اس کو حکم بیٹھنے کا دیا اور منظور یہ تھا کہ اس کا حق دلوا دیا جائے مگر بسبیل تذکرہ اس سے ارشاد فرمایا کہ[۳] ان المظلومین ھم المفلحون یوم القیامۃ اس شخص نے یہ حدیث سن کر اپنا حق چھوڑ دیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث مروی ہے[۴] من دعا علی من ظلمہ فقد انتصر۔ اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اذا بعث اللہ الخلائق

---

[۱] تواضع نہیں بڑھاتی ہے بندہ کو مگر برتری پس تواضع کرو خدا تم کو برتر کرے گا اور معاف کرنا زیادہ نہیں بڑھاتا ہے مگر بندہ کی عزت پس معاف کرو خدا تعالیٰ تم کو مدد دے گا صدقہ نہیں زیادہ کرتا ہے مال میں مگر برکت اور کثرت پس صدقہ کرو رحم کرے گا تم پر اللہ ۱۲۔ [۲] اصبہانی در ترغیب و ترہیب و ابو منصور در فردوس بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ [۲] ترمذی در شمائل وسلم [۲] ملے تو اس سے جو نہ ملے تجھے اور دیوے تو اسے جو نہ دے تجھے اور معاف کر تو اس کو جو تجھ پر ظلم کرے ۱۲ خرابطی در مکارم اخلاق بروایت ابو ہریرہ اس کی سند میں لہیعہ ہے ۱۲ [۳] ۔ بے شک قیامت کے دن مظلوموں ہی کو فلاح ہوگی ۱۲ ابن ابی الدنیا بروایت ابو صالح خلفی مرسلاً ۱۲۔

یوم القیٰمۃ نادی مناد من تحت العرش ثلاثۃ اصوات یامعشر الموحدین ان اللہ قد عفاعنکم فلیعف بعضکم عن بعض۔ اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد فتح مکہ کے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دوگانہ گزار کر پھر کعبہ میں تشریف لائے اور چوکھٹ پکڑ کر لوگوں سے پوچھا کہ اب تمہارا میری نسبت کیا قول و گمان ہے انہوں نے عرض کیا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے بھائی ہیں اور چچازاد ہیں رحیم ہیں تین بار یہی الفاظ کہے آپ نے فرمایا کہ میں وہ قول کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے کہا تھا "لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس قول کو لوگ سن کر ایسے نکل پڑے جیسے قبروں میں سے نکلتے ہیں اور مسلمان ہو گئے اور سہیل بن عمرو اسی قصہ کو اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ جب آپ مکہ معظمہ تشریف لائے تو لوگ آپ کے گرد تھے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ کعبہ کی چوکھٹ پر رکھ کر یہ دعا پڑھی[۳] "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ صدق وعدہٗ ونصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے گروہ قریش تمہارا میری نسبت کیا قول و گمان ہے راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اچھا کہتے ہیں اور گمان بھی اچھا ہی ہے یعنی آپ ہمارے بھائی کریم ہیں اور بھتیجے رحیم ہیں اور ہم سب آپ کے قابو میں ہیں آپ نے فرمایا کہ میں وہ بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی۔ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم۔ اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب قیامت میں بندے کھڑے ہوں گے ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جس کی مزدوری اللہ پر ہو وہ چلے اور داخل جنت ہو۔ تو پوچھا جائے گا کہ ایسا کون ہے جس کی مزدوری خدا پر ہو وہ کہے گا کہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے لوگوں کو معاف کر دیا پھر بہت سے آدمی اٹھیں گے اور بے حساب جنت میں داخل ہوں گے اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۴] لاینبغی اولی الامر ان یوتی بحد الاقامۃ واللہ عفو یحب العفو۔ اور پھر یہ آیت پڑھی[۵] "ولیعفوا ولیصفحوا۔ آخر تک اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جو کوئی ان کو ایمان سے ادا کرے تو جنت کے جونسے دروازے سے

---

[۱] جو شخص دعا کرے اپنے ظلم کرنے والے پر تو اس سے بدلہ لے چکا ۱۲ احمد بن ابراہیم مقری در تبصرہ بالفاظ دیگر اور اس کی سند ضعیف ہے[۲]

[۲] جب خدا تعالیٰ قیامت کے روز خلق کو اٹھائے گا تو ایک پکارنے والا عرش کے نیچے سے تین آوازیں دے گا کہ اے گروہ موحدین اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کیا تم بھی ایک دوسرے کو معاف کر دو ۱۲ ابن جوزی در دو غا اور اس میں ضعف ہے ت ۳۔ کچھ الزام نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو اور وہی سب مہربانوں سے مہربان ۱۲ ت ۷۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور جماعتوں کو اکیلے بھگا دیا۔ ۱۲ طبرانی اور اس کی سند میں فضل بن یسار ہے ۱۲ [۴] کسی حاکم کو نہیں چاہیئے بجز اس کے کہ اگر کوئی حد اس کے پاس پیش ہو تو اس کو قائم کرے۔ احمد و حاکم ۱۲ [۵] اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں ۱۲۔ الخ

چاہے اندر چلا جائے اور عورتوں میں سے جس سے چاہے نکاح کرے اور جہاں چاہے وہاں رہے اوّل تو یہ کہ قرض پوشیدہ کو ادا کرے دوسرے سورہ اخلاص ہر نماز کے بعد دس بار پڑھے تیسرے اپنے قاتل کو خون معاف کردے حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ خواہ ان میں سے کوئی ایک بجالائے آپ نے فرمایا خواہ ایک ہی کرے آثار حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مجھ پر ظلم کرتا ہے تو میں اس پر رحم کرتا ہوں کہ قیامت کو یہ بے چارہ اس ظلم کے باعث پکڑا جائے گا اور مواخذہ و باز پرس ہوگی اس کو کچھ جواب نہ بن پڑے گا یہ درجہ عفو سے بڑھ کر ہے اس کو احسان کہتے ہیں اور بعض اکابر کا قول ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی بندے کو تحفہ دیا چاہتا ہے تو اس پر ایسا شخص معین کر دیتا ہے جو ظلم کرے یعنی ظلم کے باعث ظالم کے حسنات مظلوم کے پاس آجاتے ہیں تو بدون عمل ان کا آجانا گویا خدا کی طرف سے ہدیہ ہے اور ایک شخص نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس آکر شکایت کرنی شروع کی کہ مجھ پر فلاں شخص نے ظلم کیا ہے اور اس کو برا کہنا شروع کیا آپ نے فرمایا اگر تو خدا کے سامنے یہ ظلم جوں کا توں لے جائے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کا عوض یہاں لے کر جائے اور یزید بن میسرہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے ظالم کو کوستا ہے تو خدا تعالیٰ مظلوم کو فرماتا ہے کہ جس پر تو نے ظلم کیا ہے وہ تجھے کوس رہا ہے اور تو اپنے ظالم کو کوستا ہے اور اگر تجھ کو منظور ہو تو ہم دونوں کو ستونکوں کو سنیں اور اگر چاہے تو قیامت تک تاخیر کرکے دونوں کو اپنے دامن عفو میں جگہ دیں اور مسلم بن یسارؒ نے ایک شخص سے کہا جس نے اپنے ظلم کرنے والے کو بد دعا دی تھی کہ ظالم کا ظلم اسی کے حوالہ کر تیری بد دعا سے پہلے اس کو لگے گا بشرطیکہ کسی کام عمدہ سے اس کا تدارک نہیں کرے گا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ قیامت کو خدا تعالیٰ ایک منادی کو حکم فرمائے گا کہ یوں پکارے کہ جس کا خدا کے پاس کچھ رہا ہو وہ کھڑا ہو تو اہل عفو کھڑے ہوں گے اور چونکہ انہوں نے لوگوں سے درگزر کی ہوگی اللہ تعالیٰ ان کے مکافات میں ان سے درگزر فرمائے گا اور ہشام بن محمدؒ کہتے ہیں کہ خلیفہ نعمان بن منذر کے پاس دو شخص حاضر کئے گئے ایک نے تو بڑی خطا کی تھی اس کو تو معاف کر دیا اور دوسرے نے چھوٹی تقصیر کی تھی اس کو سزا دی اور دو شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے ۔ رباعی

سلطان جو بڑا قصور کرتے ہیں معاف ✤ اور چھوٹے سے جرم پر سزا دیتے ہیں صاف،

نادان و جہل سے نہیں یہ معمول ✤ ہے شہرت حلم ورعب لوبہ انصاف۔

اور مبارک بن فضالہ کہتے ہیں کہ سوار بن عبد اللہ نے مجھ کو بصرہ والوں کے ساتھ ابو جعفر خلیفہ کے پاس بھیجا میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی پکڑا آیا انہوں نے اس کے قتل کا حکم دیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ میرے سامنے اس بیچارہ مسلمان کا خون ہوگا پھر اس نے کہا اے امیر المومنین میں ایک حدیث نقل کرتا ہوں جس کو میں نے حضرت

ح طبرانی در اوسط بسند ضعیف ۱۲ع ے یہ مجھے نہیں ملی۔ ۱۲ ع ے اللہ عفو کرنے والا عفو سے راضی ہے ۱۲ ت جس دن آئے گا ہر جی جواب و سوال کرتا اپنی طرف سے ۱۲۔

حسن رضی اللہ عنہ سے سنا ہے انہوں نے کہا کہ وہ کونسی حدیث ہے میں نے کہا کہ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک ایسے میدان میں جمع کرے گا کہ دیکھنے والا ان کو دیکھ سکے اور پکارنے والے کی آواز سن سکیں پھر ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جس کا خدا پر کچھ حق ہو وہ کھڑا ہو تو سوائے معاف کرنے والوں کے اور کوئی نہیں اٹھے گا اس کو سن کر ابو جعفر نے کہا کہ یہ حدیث سچ تم نے حضرت حسن سے سنی ہے میں نے کہا کہ بے شک میں نے ان سے سنی ہے پس آپ نے آدمیوں سے کہا کہ اس مجرم کو جانے دو اور حضرت امیر معاویہؓ فرماتے ہیں کہ جب تم کو انتقام کا قابو اور موقع نہ ملے تب حلم اور برداشت کرو اور جب موقع مل جائے تو عفو اور احسان کرو اور روایت ہے کہ ایک راہب ہشام بن عبدالملک کے پاس آیا انہوں نے پوچھا یہ تو بتاؤ کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں اس نے کہا نبی تو نہ تھے مگر جو رتبہ ان کو ملا وہ صرف چار خصلتوں کے باعث ملا ایک تو یہ کہ جب انتقام پر قدرت ہوتی معاف کر دیتے دوسرے یہ کہ وعدہ پورا کرتے تیسرے یہ کہ سچ بولتے چوتھے یہ کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑتے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ حلیم اس کا نام نہیں جو ظلم کے وقت چپ ہو رہے جب قدرت پائے تو بدلہ لے بلکہ حلیم وہ ہے کہ ظلم کے وقت حلم کرے اور قدرت کے وقت معاف کرے اور زیادؓ کہتے ہیں کہ قدرت اور قابو پانا کینہ اور غصہ کو کھو دیتا ہے اور ہشام بن عبدالملک کے پاس ایک شخص گرفتار ہو کر آیا جس کی کوئی بات ان کے کان میں پہنچی ہے جب سامنے آیا تو اپنی حجت بیان کرنے لگا خلیفہ نے فرمایا تو بھی بولتا ہے اس نے کہا کہ یا امیرالمومنین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت] یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسھا۔ کیا خدا کے سامنے تو جھگڑیں گے آپ کے سامنے نہ بولیں گے انہوں نے کہا کہ خیر کہو جو کہتے ہو اور روایت ہے کہ ایک چور حضرت عمار بن یاسرؓ کے خیمے میں گھسا اور پکڑا گیا۔ لوگوں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالیئے آپ نے فرمایا کہ نہیں میں اس کی پردہ پوشی کروں گا کہ اللہ تعالیٰ میری پردہ پوشی فرمائے اور ایک بار حضرت ابن مسعودؓ بازار میں بیٹھے ہوئے کچھ سودا لیتے تھے دام دینے کے واسطے عمامہ میں سے درم نکالنے چاہے تو معلوم ہوا کسی نے کھول لئے آپ نے فرمایا کہ میں جب تک یہاں بیٹھا ہوں تب تک موجود تھے لوگ لینے والے کو بد دعا دینے لگے کہ الٰہی اس کے ہاتھ کٹ پڑیں اور اس کا برا ہو پس آپ نے فرمایا کہ الٰہی اگر اس کو کچھ حاجت تھی اور لے گیا ہے تو اس کو برکت دے کہ اس کا کام نکل جائے اور اگر گناہ پر جرأت کے سبب لے گیا ہو تو اسی گناہ کو اس کا پچھلا گناہ کر دے کہ آگے کوئی پھر ایسا نہ کرے اور فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ خراسان کے ایک شخص کی بہ نسبت میں نے کوئی زیادہ زاہد نہیں دیکھا وہ میرے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھا تھا کہ طواف کو اٹھا اس میں اس کے دینار چوری ہو گئے تو رونا شروع کیا میں نے پوچھا کہ دیناروں کے واسطے روتے ہو اس نے کہا نہیں بلکہ اس وقت مجھ کو یہ تصور بندھ گئی ہے کہ میں اور چور خدا کے سامنے موجود ہیں اور اس کو کچھ حجت نہیں کہ پیش کرے اسی لئے مجھ کو رحم آیا اور رو پڑا اور حضرت مالک

جس دن آئے گا جی ہر ایک سوال و جواب کرتا اپنی طرف سے۔ ۱۲

بن دینارؒ کہتے ہیں کہ جس وقت حکم بن ایوب بصرہ کے حاکم تھے ہم ان کے گھر رات کو گئے حضرت حسن بھی خوفزدہ سے آئے اور ہم اور وہ ایک ساتھ ہی ان کے پاس گئے مگر ہم حضرت حسنؒ کے ساتھ بچے سے معلوم ہوتے تھے پس حضرت حسنؒ نے قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان کیا کہ بھائیوں نے ان کو بیچ دیا اور کنویں میں ڈالا اور کیا کیا سلوک کیا غرضکہ بھائی کو تو بیچا اور باپ کو رنج کیا پھر عورتوں کے مکر سے قید میں مبتلا ہوئے مگر دیکھو خدا نے ان سب سے کیا کیا سب سے زیادہ ذی ثروت و عزت بنایا اور انہیں کا بول بالا رہا اور زمین کے خزانوں کا مالک کر دیا ان سب باتوں کے بعد جب حکومت پوری ہوگئی اور گھر بار سب وہاں آ گئے تو یہ ارشاد فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین[1] اس قصہ سے غرض کیا حضرت حسن کی یہ تھی کہ حکم بن ایوب بھی ان کے ساتھیوں کو معاف کر دیں پس یہ قصہ سن کر حکم نے کہا کہ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ لا تثریب علیکم الیوم اور اگر میرے پاس بدن کے کپڑوں کے سوا اور کچھ ہوتا تو میں انہیں میں تم کو چھپا لیتا اور ابن مقنع نے کسی اپنے دوست کو کسی بھائی کی سفارش کا خط لکھا مضمون یہ تھا کہ فلاں شخص اپنے قصور سے گریز کر کے تمہاری عفو کا خواہاں ہے اور تمہارے غصہ سے ڈر کر تمہاری ہی پناہ چاہتا ہے اور معلوم رہے جتنا گناہ بڑا ہوتا ہے اتنا ہی عفو کا فضل زیادہ ہے ؎

گر عظیم است از فرو دستان گناہ　　از بزرگان عفو کردن اعظم ست

اور عبدالملک بن مروان کے پاس جب ابن اشعث کے قیدی آئے تو رجا بن حیات سے خلیفہ نے ان کے باب میں صلاح کی اس نے عرض کیا کہ خداوند کریم نے جو چیز تم کو پسند تھی یعنی فتح عنایت فرمائی اس کے عوض میں جو اس کو پسند ہے وہ تم کرو یعنی اللہ عفو کو پسند کرتا ہے تم بھی معاف کر دو پس سب قیدیوں کا قصور معاف کر دیا اور روایت ہے کہ زیاد نے ایک خارجی کو پکڑا اتفاقاً وہ بھاگ گیا زیاد نے اس کے بھائی کو پکڑ لیا اور کہا کہ یا تو اپنے بھائی کو حاضر کرو ورنہ میں تجھ کو مار ڈالوں گا اس نے کہا اگر میں امیرالمومنین کا شقہ لا دوں تب تو چھوڑ دو گے کہا کہ البتہ اس نے کہا کہ میں عزیز حکیم کا شقہ لاتا ہوں اور اس پر دو پیغمبروں کی گواہی گزارتا ہوں پھر یہ آیت پڑھی۔ ام لم ینبأ بما فی صحف موسی وابراھیم الذی وفی الا تزر وازرۃ وزر اخری[2]۔ زیاد نے کہا کہ اس کو جانے دو اس کو حجت خوب سوجھی اور روایت ہے کہ انجیل میں مذکور ہے جو اپنے ظالم کے لئے مغفرت کی دعا کرے شیطان اس سے بھاگتا ہے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عفو کا تتمہ نرمی کے فضائل پر کیا جائے۔

فضیلت نرمی کی

نرمی کا مقابل تیزی اور تنک چڑھا ہوتا ہے نرمی ایک صفت عمدہ ہے جو حسن خلق کا نتیجہ ہے اور اس کے برعکس تیزی نتیجہ غصہ اور درشتی کا ہے اور کبھی تو تیزی غصہ سے ہوتی

---

[1] کچھ ملامت نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان ۱۲ ت [2] کیا اس کو خبر نہیں پہنچی جو ہے ورقوں میں موسی اور ابراہیم کے جس نے پورا اتارا کہ اٹھاتا نہیں اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا ۱۲۔

ہے اور کبھی شدت حرص اور اس کے غلبہ سے ہوتی ہے کہ اس میں آدمی کو سوچ سمجھ نہیں رہتی اسی واسطے استقلال جاتا رہتا ہے مگر نرمی بہرصورت ثمرہ حسن خلق کا ہی ہے اور حسن خلق جبھی میسر ہوتا ہے کہ قوت غضب اور قوت شہوت کو حد اعتدال پر روکا جائے اسی بنا پر رفق یعنی نرمی کی تعریف میں حدیث شریف میں بہت مبالغہ ہے چنانچہ فرمایا یا عائشہ[1] انہ من اعطی حظہ من الرفق فقد اعطی حظہ من خیر الدنیا والاخرۃ اور فرمایا[2] اذا احب اللہ اھل بیت ادخل علیھم الرفق اور فرمایا[3] ان اللہ یعطی علی الرفق مالا یعطی علی الخرق فاذا احب اللہ عبدا اعطاہ الرفق وما من اھل بیت یحرمون الرفق الا حرموا جنۃ اللہ تعالیٰ اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اِنَّ اللہ رفیق یُحِبُّ الرفق۔ یعنی اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور رفق ہی کو پسند کرتا ہے اور ملائمت پر وہ چیز عطا فرماتا ہے کہ جو درشتی کے ساتھ نہیں دیتا اور حضرت عائشہ کو فرمایا کہ اے عائشہ ملائمت کیا کر اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی خاندان کی بزرگی چاہتا ہے تو ان کو ملائمت کی راہ سوجھا دیتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ جس کو ملائمت نہ ملی وہ بالکل خیر سے محروم ہوا اور فرمایا کہ جو حاکم اپنے عہد میں نرمی برتے گا اس کے ساتھ قیامت کو سہولت برتی جائے گی اور فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ دوزخ کن لوگوں پر حرام ہے کل ھین لین سھل قریب اور فرمایا الرفق یمن والخرق شوم اور فرمایا اَلتَّانی من اللہ والعجلۃ من الشیطان اور ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ سب مسلمان تو خدا تعالیٰ کی عنایت سے آپ سے مستفید ہوتے ہیں کوئی عمدہ بات میرے لئے بھی خاص کر دیجئے آپ نے دو یا تین بار الحمد للہ فرما کر اس شخص کی طرف متوجہ ہو کر دو یا تین بار پوچھا کہ تو ہی نصیحت چاہتا ہے اس نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ جب تو کسی بات کا ارادہ کرے تو اس کا انجام سوچ لیا کر اگر اچھی ہو تو کیا کر ورنہ باز رہا کر اور ایک بار حضرت عائشہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور ان کی سواری میں ایک اونٹ شوخ تھا تو اس کو کبھی داہنے کبھی بائیں پھراتی تھیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ سہولت اور ملائمت کر یہ ایسی شے ہے کہ جس چیز میں برتو اس کی زینت ہو جائے اور جس میں نہ ہو اس کو معیوب کر دے آثار حضرت عمر بن خطابؓ کو یہ خبر پہنچی کہ بعض عامل ظلم کرتے ہیں آپ نے ان کو طلب فرمایا جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے بعد حمد وثنا کے

---

[1] اے عائشہ جس کسی کو بہرہ رفق سے ملا ہے اس کو بہرہ دنیا و آخرت کی برکت سے ملا اور جس کسی کو رفق کے بہرہ سے محرومی ہوئی ان کو دنیا و آخرت کے بہرہ سے محرومی ہوئی احمد نے اس کو نقل کیا ہے اور صحیحین میں بروایت عائشہ منقول ہے اے عائشہ اللہ تعالیٰ کو سب کاموں میں رفیق پسند ہے ۱۲ [2] جب اللہ تعالیٰ کسی اہل بیت سے محبت رکھتا ہے تو ان کے درمیان رفق کر دیتا ہے ۱۲ احمد بروایت عائشہ [3] اللہ تعالیٰ ملائمت پر اتنا دیتا ہے کہ جہالت پر نہیں دیتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو چاہتا ہے اس کو ملائمت دیتا ہے اور جو اہل بیت کی ملائمت سے محروم رہتے ہیں وہ جنت سے محروم رہتے ہیں طبرانی در کبیر بروایت جسد بسند ضعیف ۱۲ [4] مسلم بروایت عائشہ [5] احمد بروایت عائشہ اور اسی میں انقطاع ہے ۱۲ [6] مسلم بروایت جریر اور اس میں کلہ نہیں ہے ۱۲ [7] مسلم بروایت عائشہ اور اثنائے حدیث باندک اختلاف [8] ترمذی بروایت ابن مسعود ۱۲ [9] ملائمت برکت کی چیز ہے اور جہالت کو نتیجہ نحوست ہے ۱۲ بیہقی در شعب بروایت عائشہ بسند ضعیف

---

[10] تاخیر اللہ کی طرف سے ہے اور جلدی شیطان کی طرف سے ۱۲۔ ابو یعلیٰ بروایت انس و ترمذی بلفظ دیگر ۱۲

ارشاد فرمایا کہ اے رعیت ہمارا حق تم پر یہ ہے کہ پیٹھ پیچھے خیر خواہی کرو اور اچھی بات پر مددگار رہو اور اے عاملو رعیت کا تم پر حق ہے پس جان لو جیسی نرمی امام کی تم پر اور اس کا علم اللہ کو پسند ہے ویسا کوئی علم محبوب اور عام نہیں اسی طرح کوئی چیز اللہ کے نزدیک امام کے ظلم وجہل سے بری نہیں اور یہ بھی جان رکھو کہ جو شخص اپنے سامنے والوں کو عافیت سے رکھتا ہے اس کو غائب لوگوں کی طرف سے بھی عافیت اور آسائش پہنچتی ہے اور وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ ملائمت حلم کا ہم پلہ ہے اور ایک حدیث موقوف و مرفوع میں وارد ہے کہ علم مومن کا دوست جانی ہے اور حلم اس کا وزیر اور عقل راہ نما اور عمل ہمراہ کار اور رفق اس کا والد اور نرمی بھائی اور صبر سپہ سالار ہے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ علم ایمان کو کیا خوب زینت دیتا ہے اور اس علم کا تو کیا پوچھنا ہے جس کو عمل سے زیبائش ہوئی ہو اور کتنا خوب وہ عمل ہے جس کی آراستگی رفق سے ہوئی ہو غرضکہ جیسا علم اور حلم کا درجہ ہے ایسا کوئی نہیں اور حضرت عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے عبداللہ سے سوال کیا کہ رفق کیا چیز ہے انہوں نے جواب دیا کہ جس صورت میں آدمی حاکم ہو تو عاملوں سے نرمی برتے انہوں نے پوچھا کہ خرق یعنی جہالت و درشتی کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ امام سے اور ایسے لوگوں سے جن کو اختیار و قابو ضرر پہنچانے کا ہو عداوت و دشمنی رکھنی اور حضرت سفیان ثوریؒ نے اپنے یاروں سے پوچھا کہ رفق کو تم لوگ جانتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہی ارشاد فرمایئے فرمایا کہ ہر ایک امر کو اس کے موقع و مقام پر برتنا شدت کی جگہ شدت اور نرمی کی جگہ نرمی اس سے معلوم ہوا کہ نرمی کے ساتھ درشتی کا اختلاط بھی ضرور چاہیئے جیسا کہ شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است۔

خلاصہ یہ کہ اور اخلاق کی طرح یہاں بھی درجہ اوسط درشتی و نرمی میں محمود ہے مگر چونکہ انسان کی طبیعت درشتی کی طرف زیادہ مائل ہے بدیں لحاظ ترغیب غایت درجہ رفق کی ضروری ہے اسی لیئے شرع میں صفت رفق کی بہت سی ہے درشتی کی مدح نہیں پائی جاتی گو اپنے اپنے موقع پر حسب مصلحت وقت دونوں اچھی ہیں مگر جس جگہ درشتی ضروری ہوتی ہے وہاں حق بات ہوائے نفسانی میں مل جاتی ہے اور گھی شکر سے بھی زیادہ مزہ معلوم ہوتا ہے ایسا ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول ہے اور روایت ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو خط لکھا اور اس میں ان پر اس بات کا عتاب تھا کہ تم تاخیر و سستی بہت کرتے ہو انہوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ امر خیر میں تامل کرے اور فکر سے بہتری اور ہدایت زیادہ ہوتی ہے اور رشید وہی شخص ہے جو جلدی کو چھوڑ کر راہ راست پر آئے اور محروم وہ آدمی ہے جو وقار سے محروم رہے اور مستقل آدمی ہمیشہ ثواب کو پہنچتا ہے اور جلد باز مدام چوک ہو جاتا ہے اور جس کو رفق سے بہرہ نہیں ہوتا اس کو حماقت سے نقصان ہوتا ہے اور جو تجربوں سے مستفید نہیں ہوتا وہ عالی درجہ نہیں

ح [۱] ابن مبارک و زہد بروایت ابوجعفر مرسلاً مسلم نے نقل کی ہے ۱۲ ح ۲۔ یہ دو مصرعوں پر بار نہ ہو اور نرم جو سہولت والا ڈھلا ہوا ہو ۱۲

ح [۲] ابن حبان در ثواب بروایت انس بہ سند ضعیف ۱۲۔

لے سکتا اور ابو عون انصاریؒ فرماتے ہیں کہ جو کلمات سخت لوگ آپس میں بولتے ہیں ان کے ساتھ ہی ایسے بھی الفاظ ہوتے ہیں کہ اسی مطلب کے مفید ہوں اور ان کی نسبت نرم ہوں یعنی جو کارے برآمد بہ لطف و خوشی۔ چہ حاجت بہ تندی و گردن کشی اور ابو حمزہ کوفیؒ فرماتے ہیں کہ کاروباری آدمی کو زیادہ حاجت سے نہ رکھنا چاہیئے اسی لیئے کہ ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے اور جان لینا چاہیئے کہ سختی سے لوگ اپنا کام نہیں کرتے جیسا نرمی سے کرتے ہیں اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ مومن متین ہوتا ہے اور ٹھہر ٹھہر کر کام کرتا ہے رات کی لکڑی جمع کرنے والے کی طرح نہیں ہوتا کہ جو ہاتھ میں آیا خاک خس جمع کر لیا پس علماء نے رفق کی اس قدر تعریف اسی لیئے کی ہے کہ یہ ایک اچھی چیز اور اکثر اوقات بکار آمد ہے اور درشتی کی کبھی شاذ و نادر حاجت پڑتی ہے کامل آدمی وہی ہے جو موقع درشتی و نرمی کا پہنچانے اور ہر ایک کام میں جو مناسب ہے وہ بجالائے لیکن اگر اس کی بصیرت میں قصور ہو یا معلوم نہ ہو کہ فلاں مقدمہ میں کیا کرنا چاہیئے تو چاہیئے کہ رفق کی طرف میل کرے اسی لیئے غالباً فلاح اس میں ہوتی ہے اب حسد کی برائی اور اس کی حقیقت و اسباب و علاج کا بیان کیا جاتا ہے اور یہ کہ اس کا دور کرنا نہایت ضروری ہے

حسد کی مذمت

واضح ہو کہ حسد بھی کینہ کی ایک شاخ ہے اور کینہ غصہ کی شاخ ہے تو حسد غصہ کی شاخ در شاخ ہوئی اور غصہ اصل اصول ٹھہرا پھر حسد میں اتنی بڑی شاخیں پھیلتی ہیں کہ جس کا حصر بھی گویا کہ نہیں ہو سکتا اور اس کی مذمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب اور ایک حدیث میں حسد اور اس کے نتائج و اسباب سے منع کرتے میں فرمایا۔[2] لا تحاسدوا ولا تقاطعوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخواناً۔ اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم آپ[3] کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ اب اس راہ سے ایک آدمی جنتی تمہارے سامنے آئے گا اتنے میں ایک شخص انصار بائیں ہاتھ میں جوتیاں لیئے ہوئے داڑھی میں سے وضو کا پانی ٹپکتا ہوا نمودار ہوا اور السلام علیکم کہا جب دوسرا روز ہوا تو پھر آپ نے وہی کلمات فرمائے اس روز بھی وہی شخص آیا تیسرے روز بھی یہی ماجرا گزرا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اس شخص کے پیچھے گئے اور اس سے یہ کہا کہ مجھ میں اور میرے باپ میں کچھ تکرار ہو گئی اس پر میں نے قسم کھائی ہے کہ تین دن اس کے پاس نہ جاؤں گا اگر آپ اجازت دیں تو تین دن تک آپ کے مکان میں سو رہا کروں انہوں نے کہا کیا مضائقہ ہے اور حضرت عبداللہ تین رات ان کے گھر میں سوئے

---

[1] حسد نیکیوں کو ایسی کھاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو ابو داؤد بروایت ابو ہریرہ و ابن ماجہ بروایت انس [2] آپس میں حسد نہ کرو نہ ایک دوسرے سے ملنا چھوڑو نہ بغض کرو نہ ناتا توڑو اور ہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی صحیحین کی حدیث ہے پیشتر گزری ۱۲ [3] احمد نے نقل کیا ہے اور بخاری نے اس شخص کا نام سعد لکھا ہے۔

تو دیکھا کہ وہ رات کو نہیں اٹھتے بجز اس کے کہ ہر کروٹ پر ذکر الٰہی کر لیتے ہیں اور صبح کی نماز کے وقت بستر پر سے نہ اٹھے البتہ اتنا معلوم ہوا جب کوئی کلمہ کہا تو بہتر ہی کہا جب تین دن گزر گئے تو حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے جی میں ان کے عمل کی کچھ وقعت نہ آئی اور تھوڑا سا عمل معلوم کیا تھا تو میں نے ان سے کہا کہ اے بندہ خدا مجھ سے اور میرے باپ سے کچھ خفگی کی بات نہیں ہوئی تھی لیکن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تمہاری شان میں یہ کلمات سنے تھے اس واسطے یہ منظور تھا کہ میں بھی دیکھوں کہ تم کیا عمل کرتے ہو جس سے جنتی ہوئے ہو تو عمل تو تمہارا کچھ بہت نہیں فرمایئے کہ یہ درجہ کس طرح ملا انہوں نے فرمایا کہ یہی ہے جو تم نے دیکھا میں ان کے پاس سے چلا جب تھوڑی دور گیا تو انہوں نے مجھ کو بلایا اور کہا کہ بھائی عمل تو یہی ہے جو تم نے دیکھا مگر اتنی بات ہے کہ جو شئے اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو عطا فرماتا ہے اس پر میرے دل میں کچھ کدورت اور حسد نہیں آتی۔ میں نے کہا کہ بس وہ بات یہی ہے جس سے تم کو رتبہ ملا یہ بات ہم سے نہیں ہو سکتی اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا تین باتیں ایسی ہیں کہ جس سے کوئی خالی نہیں ایک ظن دوسری بدفالی تیسرے حسد مگر میں تم کو ان سے نجات کی صورت بتائے دیتا ہوں کہ جب کوئی ظن دل میں گزرے تو اس کو ٹھیک نہ جاننا چاہیے اور جب شگون بد ہو تو اپنا کام کئے جاؤ اور جب حسد آئے تو خواہش نہ کرو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ کمتر اس سے کوئی خالی ہوگا اس روایت میں امکان حسد سے خالی ہونے کا پایا جاتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرض تم میں پہلی امتوں کا چلا آیا ہے یعنی حسد اور بغض اور بغض مونڈنے والی چیز ہے اور اس سے یہ غرض نہیں کہ بال مونڈتی ہے بلکہ دین کی صفائی بتلاتی ہے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے کہ تم جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگے جب تک مومن نہ ہوگے اور مومن نہ ہوگے جب تک آپس میں دوست نہ بنوگے اور میں تم کو ایسی بات بتاتا ہوں جس سے بناء دوستی تم میں مستحکم ہو وہ یہ ہے کہ آپس میں طریقہ سلام کو خوب رائج کرو اور فرمایا[ح۱] کا د الفقر ان یکون کفرا و کا د الحسد ان یغلب القدر۔ اور نیز فرمایا کہ عنقریب میری امت میں اور امتوں کا مرض پھیلے گا لوگوں نے عرض کیا کہ امتوں کا مرض کیا ہے آپ نے فرمایا کہ[ح۲] الاشر والبطر والتکاثر والتنافس فی الدنیا والتباعد والتحاسد حتی یکون البغی ثم یکون الھرج اور فرمایا[ح۳] لا تظھر الشماتۃ لاخیک فیعافیہ اللہ ویبتلیک اور روایت ہے کہ حضرت موسیٰ جب پروردگار عالم سے باتیں کرنے گئے تو ایک آدمی عرش کے سایہ میں دیکھا دل میں اس

ح طبرانی بروایت حارثہ بن نعمان ۱۲۔ ح ترمذی بروایت مولی نہ بیر عن زبیر ۱۲۔ ح۱ قریب ہے کہ فقیری کفر ہو جائے اور حسد تقدیر پر غالب آجائے۔ ۱۲ بیہقی در شعب بروایت زید القراشی عن انس اور یزید ضعیف ہے ۱۲ ح۲ تجبر اور اترانا اور بہتایت جتلانی اور دنیا میں حرماحرصی ہونا اور ایک دوسرے سے دوری چاہنا اور آپس میں حسد کرنا یہاں تک کہ سرکشی ہو جائے پھر فتنہ ہوگا ۱۲ طبرانی در اوسط بروایت ابوہریرہ ۱۲ ح۳ نہ ظاہر کر شماتت اپنے بھائی کی ورنہ اس کو اللہ بچائے گا اور تجھ کو مبتلا کرے گا۔ ۱۲ ترمذی بروایت واثلہ بن الاسقع اور کہا ہے کہ حسن غریب ہے ۱۲

کے رتبہ کے غبطہ ہوئے کہ اس کی سی جگہ مجھے بھی ملتی یہ کوئی بڑا عالی رتبہ ہے جناب باری میں عرض کیا کہ اس کا نام مجھے بتلا دیا جائے حکم ہوا کہ نام سے کیا غرض ہے اس کا کام بتلایا جاتا ہے کہ تین باتیں کیا کرتا تھا ایک تو یہ کہ لوگوں پر انعام خداوندی دیکھ کر حسد نہ کرتا تھا دوسرے یہ کہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہیں کرتا تھا تیسرے یہ کہ لوگوں کی چغلی ایک دوسرے سے نہیں کھاتا تھا اور حضرت ذکریا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ حاسد میری نعمت کا دشمن ہے کہ میرے دشمن پر غصہ ہوتا ہے اور جو کچھ میں نے لوگوں کے حق میں مقرر کر دیا ہے اس پر راضی نہیں ہوتا اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے زیادہ تر خوف اپنی امت میں اس بات کا ہے کہ ان کے پاس مال کی کثرت ہو اور آپس میں حسد کر کے کشت و خون کریں اور فرمایا کہ[ح۱] استعینوا علی قضاء الحوائج بالکتمان فان کل ذی نعمۃ محسود اور فرمایا کہ اللہ کی نعمتوں کے دشمن ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ جو کوئی لوگوں پر نعمت دیکھ کر حسد کریں اور فرمایا کہ یہ آدمی حساب سے پہلے ہی چھ چیزوں کے سبب دوزخ میں جائیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ امیر ظلم کے باعث اور عرب عصبیت یعنی اصرار بیجا کے سبب اور دہقان تکبر کی جہت سے اور تاجر خیانت کے سبب اور روستائی جہالت کے باعث اور علماء حسد کے سبب آثار بعض متقدین کا قول ہے کہ اول خطا جو واقع ہوئی وہ حسد تھی یعنی ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کے رتبہ پر حسد کر کے سجدہ سے انکار کیا اور صرف حسد ہی کے باعث خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہوا اور روایت ہے کہ عون بن عبداللہ فضل بن مہلب کے پاس اس زمانہ میں تشریف لے گئے کہ وہ واسطہ کے حاکم تھے اور یہ کہا کہ میں تم کو ایک نصیحت کرتا ہوں انہوں نے کہا فرمایئے آپ نے فرمایا کہ ایک تو تکبر سے بچنا کیونکہ اول نافرمانی خدا تعالیٰ کی اسی بدولت ہوئی چنانچہ تصدیق اس کی کلام مجید میں موجود ہے[ح۲] واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکافرین۔ دوم یہ کہ حرص سے محترز رہنا یہ وہ بلا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب خداوند کریم نے جنت میں جگہ دی جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور سب چیزوں کے کھانے کی اجازت دی صرف ایک درخت سے منع کر دیا تو انہوں نے حرص کی بدولت اس میں سے کھایا اور جنت سے نکالے گئے حکم ہوا کہ[ت] اھبطوا منھا جمیعا بعضکم لبعض عدو۔ تیسرے یہ کہ حسد سے بچنا وغیرہ یہ وہ چیز ہے کہ قابیل نے اسی کے باعث ہابیل کو مارا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت] واتل علیھم نبأ ابنی آدم بالحق اذ

ح[۱] ابن ابی الدنیا بروایت ابو عامر اشعری اور اس کی سند میں ثابت بن ثابت ہے اس کو ابو حاتم نے مجہول کہا ہے اور مسلم نے بروایت عبداللہ بن عمرؓ اس مضمون کو ایک حدیث طویل میں نقل کیا ہے اور ترجمہ ۱۲ ح[۲] مدد چاہو حاجتوں کے پورا ہونے کے لیئے خفیہ کیونکہ ہر نعمت والا حسد کیا جاتا ہے ابن ابی الدنیا و طبرانی بروایت معاویہ بسند ضعیف ۱۲ ح[۳] طبرانی در اوسط بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ترجمہ اس مضمون کو نقل کیا ہے ۱۲ ح[۴] ابو منصور بروایت ابن عمر وانس بسند ضعیف ۱۲ ت[۵] اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کو گر پڑے مگر ابلیس نے قبول نہ رکھا اور تکبر کیا اور وہ تھا منکروں میں کا ت[۶] اترو یہاں سے

سے سارے تم سارے ایک دوسرے کے دشمن ہو ۱۲۔

قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر قال لاقتلنک۔ اور ایک بات یہ ہے کہ جب ذکر اصحاب کا ہو تو سکوت کرنا اور تقدیر اور نجوم کے ذکر کے وقت بھی سکوت کرنا اور بکر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کسی بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو کر یہ جملہ کہا کرتا تھا کہ محسن کے احسان کے مکافات میں اس کے ساتھ سلوک کرنا چاہیئے کیونکہ بدی کرنے والے کو تو خود اس کی بدی ہی تیری طرف کفایت کرے گی اس شخص پر اس کے رتبہ پر ایک شخص کو حسد ہوئی یہاں تک کہ بادشاہ سے اس کی چغلی کی جو آدمی حضور کے سامنے کھڑا ہو کر اس کو اپنے پاس بلوالیئے جب آپ کے قریب آئے گا تو اپنی ناک بند کرے گا کہ منہ کی بدبو نہ آئے بادشاہ نے کہا اچھا ہم کل امتحان کریں گے ادھر تو بادشاہ سے یہ کہہ گیا ادھر اس شخص کی دعوت کر کے ایسا کھانا کھلایا جس میں بہت سا لہسن تھا اتنے میں دربار کا وقت آگیا وہ شخص حسب دستور بادشاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا اور وہی جملہ کہا بادشاہ نے اس کو پاس بلایا اس نے اس خوف سے کہ کہیں بادشاہ کو میرے منہ سے لہسن کی بو نہ آئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور پاس گیا بادشاہ کو گمان ہوا کہ کل جو فلاں شخص اس کی نسبت کچھ کہہ گیا تھا وہ درست ہے اسی وقت اپنے ایک عامل کو شقہ دستخط خاص سے لکھا کہ جب حامل شقہ تیرے پاس آئے اس کو قتل کر کے اس کے چمڑے میں بھس بھروا کر ہمارے پاس بھیج دینا اور شقہ کو حوالہ اس شخص کے کیا کہ فلاں عامل کے پاس لے جا یہ شخص شقہ لے کر دربار سے نکلا اور اس بادشاہ کا دستور یہ تھا کہ شقہ دستخطی خاص صرف واسطے انعام اور خلعت کے لکھا کرتا تھا۔ اثنائے راہ میں وہ حاسد ملا اس کے ہاتھ شقہ دیکھ کر پوچھا کہ یہ شقہ کیسا ہے اس نے کہا کہ فلاں عامل کے نام کا دستخطی خاص شقہ ہے اس کے پاس لئے جاتا ہوں اس نے سمجھا کہ ضرور اس میں کچھ انعام وجاگیر کو لکھا ہو گا اس نے اس شخص سے کہا کہ یہ شقہ مجھ کو دے ڈال میں لے جاؤں اس نے کہا کہ میں نے تجھ کو ہبہ کیا لے جا جب رقعہ لے کر عامل کے پاس گیا اس نے پڑھ کر حامل کو قتل کر کے اور کھال کھچوا کے اس میں بھس بھر کے حضور میں بھیج دیا تب تو یہ بہت گھبرایا اور کہنے لگا اس کا اصل حامل تو اور شخص ہے میں نہیں ہوں خدا کے واسطے مجھے یہ شقہ دے دو کہ میں بادشاہ کے پاس واپس لے جاؤں عامل نے کہا بادشاہ کا شقہ واپس نہیں ہو سکتا غرض اس کو ذبح کر کے پوست اتروا کر بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا اب اس شخص کا حال سنئے کہ وہ بدستور وقت مقرری پر پھر بادشاہ کے سامنے گیا اور جو جملہ کہا کرتا تھا وہی کہا بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ شقہ کو کیا ہوا اس نے عرض کیا کہ راہ میں فلاں شخص مجھ کو ملا اس نے مجھ سے مانگا میں نے اس کو ہبہ کر دیا بادشاہ نے کہا کہ وہ یوں کہتا ہے کہ تو مجھ کو گندہ دہن کہتا پھرتا ہے اس نے کہا کہ میں نے ہرگز نہیں کہا بادشاہ نے پوچھا کہ پھر جب میں نے تم کو اپنے پاس بلایا تھا تو تو نے اپنا ہاتھ منہ پر کیوں رکھ لیا تھا اس نے کہا کہ اسی شخص نے مجھ کو ایسا کھانا کھلا دیا تھا جس میں لہسن تھا میں نے منہ اس واسطے بند کیا تھا

لہ اور سنا ان کو احوال تحقیق آدم کے دو بیٹوں کا جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز پھر قبول ہوئی ایک سے اور نہ قبول ہوئی دوسرے سے کہا میں تجھ کو مار ڈالوں گا ۱۲۔

کہ حضور کو حسن کی بو نہ معلوم ہو بادشاہ نے کہا کہ خیر اپنا کام کر بدی کرنے والے کو اس کی بدی ہی تیری طرف کفایت کرگئی اور حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے امر دنیا کے لیئے کسی پر حسد نہیں کی اس واسطے کہ اگر وہ شخص اہل جنت میں سے ہے تو دنیا پر اس کی کیا حسد کروں جنت میں دنیا کی کیا قدر ہے اور اگر وہ دوزخی ہے تو دنیا کے اوپر اس کی حسد فضول ہے اس لیئے کہ اس کا انجام دوزخ ہوگا اور ایک شخص نے حضرت حسن سے پوچھا کہ مومن حسد بھی کیا کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا حال بھول گئے مومن حسد کرتا ہے لیکن چاہیئے کہ سینہ ہی میں اس کو پوشیدہ رکھے اس لیئے کہ جب ہاتھ وزبان سے کچھ زیادتی نہ کرے گا تو حسد سے کچھ نقصان نہیں ہوگا اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ جو آدمی موت کو کثرت سے یاد کرے گا اس کی ہنسی اور حسد دونوں کم ہو جائیں گے اور حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں سب آدمیوں کے راضی کرنے پر قدرت رکھتا ہوں مگر حاسد نعمت کہ وہ بدون زوال نعمت پر راضی نہیں ہوتا ہے

توانم آنکہ نیازارم اندرون کسے ۔۔۔ حسود را چہ کنم کو ز خود برنج درست

اور بعض حکما کا قول ہے کہ حسد ایک زخم ہے کہ کبھی نہیں بھرتا اور جو کچھ حاسد پر گزرتا ہے اس کو وہی کافی ہے اور ایک اعرابی کا قول ہے کہ میں نے کسی ظالم کو مظلوم کے مشابہ سوائے حاسد کے نہیں دیکھا کہ جب دوسرے کی نعمت دیکھتا ہے گویا اس کے چھریاں لگتی ہے اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آدمی دوسرے پر کیوں حسد کرتا ہے اور اگر اس کو خدا تعالیٰ نے لائق سمجھ کر نعمت دی ہے تو جس کو خدا تعالیٰ بزرگی دے اس پر کیا حسد ضرور ہے اور اگر کچھ اور معاملہ ہے تو ایسے شخص پر کیا حسد کرنا چاہیئے جس کا مال دوزخ ہو اور بعض اکابر کا قول ہے کہ حاسد کو مجلسوں میں تو ذلت اور مذمت ملتی ہے اور فرشتوں سے بغض ولعنت اور خلق سے غم وغصہ اور نزع میں ہول وشدت اور قیامت میں عذاب وفضیحت۔

حسد کی حقیقت، اس کے اقسام اور احکام

تو یہ ظاہر ہے کہ حسد نعمت پر ہی ہوا کرتا ہے پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر کوئی نعمت عطا فرماوے تو دوسرے شخص کے دو حال ہوتے ہیں اول یہ کہ وہ نعمت اس کو بری معلوم ہو اور یوں چاہے کہ اس کے پاس نہ رہے اس حالت کا نام تو حسد ہے اور اس بیان سے معلوم ہوا کہ حسد کی تعریف وحقیقت یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کو برا جاننا اور اس کے پاس سے جاتے رہنے کا خواہاں ہونا دوسرا حال یہ ہے کہ نہ تو وہ نعمت بری معلوم ہو اور نہ اس کے زوال کا خواہاں ہو بلکہ یوں دل چاہے کہ ایسی نعمت ہم کو بھی ملے اس کا نام غبطہ اور منافست ہے اور کبھی منافست اور حسد ایک دوسرے کی جگہ بولی جاتی ہیں اور اس کا کچھ مضائقہ نہیں جب معنی معلوم ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] المومن یغبط والمنافق یحسد پس حسد تو ہر

---

[1] یہ حدیث مرفوعاً نہیں ملی بلکہ ابن ابی الدنیا نے کہا ہے کہ قول فضیل بن عیاض کا ہے۔

حال میں حرام ہے مگر ایسی نعمت پر جو کسی فاجر یا کافر کے ہاتھ لگی ہو اور وہ اس سے فتنہ و فساد اور ایذا رسانی کرتا ہو۔ تو ایسی نعمت کو اس شخص پر برا جاننا اور اس کے زوال کا خواہاں ہونا کچھ گناہ نہیں اس لیئے کہ خود نعمت پر تو یہ حسد نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ سامان فتنہ و فساد کا ہے اور اگر اس سے وہ فساد فتنہ نہ کرے تو کچھ بھی برا معلوم نہ ہو اور حسد کی حرمت میں جو حدیثیں وارد ہیں ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان سے صاف ظاہر ہے کہ حسد کا حکم حرمت ہی ہے علاوہ اس کے گویا دوسرے کی نعمت کو برا جاننا خدا تعالیٰ کے حکم سے غصہ ہوتا ہے کہ اپنے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت کیوں دی ایک ایسی بات ہے کہ اس کے لیئے نہ کوئی عذر ہے کہ اس سے خدائی احکام پر ناراضامندی ظاہر کی جائے اور نہ اس کو اجازت ہے غور کی بات ہے کہ اس سے بڑھ کر کون سا گناہ ہوگا کہ کسی مسلمان کی راحت بری معلوم ہو حالانکہ اس میں کچھ ضرر نہ ہو اللہ جل شانہ نے بھی حسد کی مذمت جا بجا ارشاد فرمائی ایک جگہ ارشاد فرمایا[ت۱] ان تمسسکم حسنۃ تسوھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا یہ خوشی شماتت وحسد لازم و ملزوم ہیں اور ارشاد فرمایا[ت۲] ود کثیر من اھل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفاراً حسداً من عند انفسھم اس میں یہ بتلایا کہ کفار جو زوال نعمت ایمان چاہتے ہیں حسد کے سبب ہے اور فرمایا[ت۳] ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء اور حضرت یوسف کے بھائیوں کی حسد جہاں ذکر فرمائی ہے تو ان کے دل کی بات کو یوں فرمایا ہے[ت۴] اذ قالوا لیوسف واخوہ احب الی ابینا منا ونحن عصبۃ ان ابانا لفی ضلال مبین اقتلوا یوسف او اطرحوہ ارضا یخل لکم وجہ ابیکم یعنی جب باپ کی محبت حضرت یوسف کے ساتھ بھائیوں کو اچھی نہ معلوم ہوئی تو اس کے زوال کی فکر کر کے ان کو ان کی نظر دل سے غائب کر دیا اور فرمایا[ت۵] ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا۔ اس میں حسد نہ کرنے والوں کی تعریف ہے یعنی ان کے دل تنگ نہیں ہوتے اور نہ رنج کرتے ہیں اور مقام انکار میں ارشاد فرمایا ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللہ من فضلہ اور فرمایا کان الناس امۃ واحدۃ تا اس کلمہ تک الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینات۔ اس کی تفسیر میں بغیاً کے یعنی حسد کے لیئے ہیں اور فرمایا[ت۶] وما تفرقوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیاً بینھم یعنی علم ان کو اس لیئے عطا ہوا تھا کہ بجا آوری کی طاعت الٰہی میں متفق ہو کر آپس میں مانوس

[ت۱] اگر تم کو ملے کچھ بھلائی بری لگے ان کو اگر تم پر پہنچے برائی خوش ہوں اس سے ۱۲ [ت۲] دل چاہتا ہے بہت کتاب والوں کا کسی طرح تم کو پھر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر کر دیں حسد کر کے اپنے اندر سے ۱۲ [ت۳] چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جیسے وہ ہوئے پھر سب برابر ہو جاؤ [ت۴] جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارا باپ کو ہم سے اور ہم قوت کے لوگ ہیں البتہ ہمارا باپ صریح خطا میں ہے مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ اکیلی رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی ۱۲ [ت۵] ہے لوگوں کا دین ایک عد [ت۶] بھوڑ ڈالی مگر سمجھ آ چکے پیچھے آپس کی ضد سے ۱۲ عے اور نہیں پاتے دل میں تنگی اس سے جو لوگوں کو ملا عے آیا حسد کرتے ہیں لوگوں پر یعنی مومنوں پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے ۱۲

و مالوف ہوتے اس کے برخلاف حسد اور اختلاف کرنے لگے کہ ہر ایک کو یہی منظور ہوا کہ ریاست ہمیں ملے دوسرے کے پاس نہ جائے اور سب لوگ ہمارا ہی کہنا مانیں اسی رد و بدل میں پڑ گئے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قبل رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہود جب قوم میں لڑتے تو یوں دعا مانگتے کہ الٰہی بطفیل اس پیغمبر کے کہ جس کے بھیجنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور اس کتاب کے طفیل جس کو تو اس پر اتارے گا ہم کو فتح دے اور ان کی فتح ہوا کرتی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہوئے تو پہچان کر انکار کر گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۱] وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاء ھم ما عرفوا۔ اور پھر اس کے آگے فرمایا ان یکفروا بما انزل اللہ۔ یعنی حسد اور ام المومنین صفیہ بنت حی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک روز میرا باپ اور چچا آپ کے پاس سے گھر گئے تو میرے باپ نے چچا سے پوچھا کہ تم حضرت کی شان میں کیا کہتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ میری دانست میں یہ وہی ہیں جن کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام دے چکے تھے پھر چچا نے باپ سے پوچھا کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے اس نے کہا میں تو زندگی بھر ان کا دشمن ہی رہوں گا۔ اب منافست کا حکم سننا چاہیئے کہ وہ حرام نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے[۳] وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون اور فرمایا[۴] سابقوا الی مغفرۃ من ربکم اس میں بھی منافست ہی مراد ہے اس لیئے کہ سبقت وہاں ہی ہوتی ہے جہاں چیز کے جاتے رہنے کا خوف ہو مثلاً دو غلام اپنے آقا کی خدمت کے لیئے ایک دوسرے پر سبقت کیا چاہیں تو مقصود ہر ایک کا یہی ہے کہ میرا ساتھی آقا کے سامنے اول جا کر ایسی چیز لے کہ مجھ کو نہ ملے اور حدیث شریف میں تو تصریح ہی اس کی موجود ہے چنانچہ فرمایا[۵] لاحسد الا فی الاثنین رجل اتاہ اللہ مالا فسلط علی ھلکتہ فی الحق ورجل اتاہ اللہ علما فھو یعلمہ الناس۔ پھر اس کی تفسیر حدیث ابی کبیشہ انماری میں اس طرح فرمائی[۶] مثل ھذہ الامۃ مثل اربعۃ رجل اتاہ اللہ مالا وعلما فھو یعلمہ فی مالہ ورجل اتاہ اللہ علما ولم یوتہ مالا فیقول رب العلم لو ان لی مثل مال فلان لکنت اعمل فیہ بمثل عملہ فھما فی الاجر سواء اور یہ اس لیئے ہے کہ وہ صرف اسی بات کو چاہتا ہے کہ فلانے جیسا مال مجھے بھی ملے یہ نہیں

---

[۱] ابن اسحٰق بروایت عکرمہ یا سعید بن جبیر عن ابن عباس نقل کیا ہے اور سند منقطع ہے ت[۲] اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر پھر جب پہنچا ان کو جو پہچان رکھتے تھے۔ اس سے منکر ہوئے ۱۲ ت[۳] کہ منکر ہوئے اللہ کے اتارے کلام سے ۱۲ [۴] ابن اسحاق نے نقل کی ہے اور منقطع اور ضعیف ہے۔ ۱۲۔ ت[۵] اور اس پر چاہیئے ڈھونکیں ڈھونکنے والے ۱۲ ت[۶] دوڑو اپنے رب کی معافی کو ۱۲ [۷] نہیں حسد مگر دو شخصوں میں ایک وہ کہ دیا اللہ نے اس کو مال اور مسلط کیا ہو اس کے خرچ کرنے پر امر حق میں اور ایک وہ کہ دیا ہو اللہ نے اس کو علم تو عمل کرتا ہو اس کے بموجب اور سکھاتا ہو اسے لوگوں کو بخاری و مسلم بروایت ابن عمر ۱۲ [۸] اس امت کی مثال چار ہی کی ہے ایک وہ کہ دیا ہو اس کو اللہ نے علم اور نہ دیا ہو مال تو علم والا کہے اگر میرے پاس فلاں شخص کا سا مال ہوتا میں بھی اس میں ویسا ہی عمل کرتا تو یہ دونوں ثواب میں برابر ہوں گے ترمذی و ابن ماجہ ۱۲۔

چاہتا کہ اس کے پاس سے جاتا رہے پھر اسی حدیث کا تتمہ یہ ہے وَرَجل اٰتاہ اللہ مالا فھو ینفقہ فی معاصی اللہ ورجل لم یؤتہ اللہ مالا فیقول لو ان لی مثل مال فلان لکنت اعمل فیہ بمثل عملہ فھما فی الوزر سواء پس مذمت کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مفلس کو اس جہت سے ہے کہ اس نے مال سے تمنائے معصیت کی نہ اس جہت سے کہ اس نے دوسرے جیسا مال کیوں چاہا اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی دوسرے کی نعمت پر غبطہ کرے اور اپنے واسطے بھی ویسا ہی چاہے اور دوسرے سے اس کا دور ہونا پسند نہ کرے اور نہ اس کے پاس اس نعمت کا ہمیشہ رہنا برا معلوم ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں ہاں یہاں یہ بات رہی کہ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ حسد ہے اور ذکر اباعث منافست کا تھا تو اس کا حال پہلے ہی ہم لکھ چکے ہیں کہ حسد اور منافست ایک دوسرے کی جگہ پر بولے جاتے ہیں اور بقرینہ مقام معنی لیئے جاتے ہیں منافست کی جگہ تو حسد کا استعمال اس حدیث میں ہے اور حسد کی جگہ منافست کا لفظ اس روایت میں موجود ہے کہ جب قثم بن عباس اور فضل نے یہ چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں جاکر اس امر کی درخواست کریں کہ حکومت صدقات کی ہمارے سپرد فرمایئے تو حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا کہ وہاں جانا فضول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم کو یہ عہدہ عطا نہ فرمائیں گے انہوں نے جواب دیا کہ یہ بات تم منافست یعنی حسد سے کہتے ہو حالانکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بیاہ دی تو ہم نے تم پر کچھ منافست یعنی حسد نہیں کی تھی انتہی اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ جس نعمت پر آدمی غبطہ کرتا ہے اگر وہ نعمت دینی اور واجب ہے مثلاً ایمان اور نماز اور زکواۃ۔ وغیرہ پس اس پر غبطہ کرنا واجب ہے یعنی یہ چاہنا کہ مجھ کو بھی یہ دولت نصیب ہو واجب ہے اس لیئے کہ اگر وہ واجب چیزوں کو اپنے لیئے نہ چاہے گا تو خدا کی نافرمانی ہے گویا خوش ہے اور یہ امر حرام ہے اور اگر نعمت مذکورہ فضائل میں سے ہو جیسے عمدہ باتوں میں خواہ صدقات نفل میں روپیہ صرف کرنا وغیرہ تو ایسی نعمت میں غبطہ مستحب ہے اور اگر نعمت صرف ایسی ہے کہ اس سے بقدر مباح بہرہ در اور لذت یاب ہو سکے تو اس میں منافست بھی مباح ہے اور ان سب کا مآل یہ ہے کہ آدمی یوں چاہتا ہے کہ اس میں دوسرے کے برابر ہو جائیں اور اس نعمت میں دو باتیں ہیں اول تو جس کو یہ عطا ہوئی ہے اس کا آرام اور دوسرے اس شخص کے سوا جتنے اس نعمت سے محروم ہیں ان کا نقصان ظاہر ہونا تو غبطہ کرنے والا امر اول کو برا نہیں جانتا بلکہ اپنا ناقص ہونا اور سب سے پیچھے رہنا برا جانتا ہے اور نعمت والے کی برابری چاہتا ہے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ آدمی مباحات میں اپنے نقصان اور پیچھے رہنے کو برا سمجھے ہاں ایسی باتوں

۱؎ اور ایک شخص ایسا ہے کہ اللہ نے اس کو مال دیا تو اُس کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے اور ایسا ایک ہے کہ اس کو کہ خدا نے مال نہ دیا وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس فلاں شخص کے مانند مال ہوتا تو میں بھی ویسے ہی حرکات کا مرتکب ہوتا تو ان دونوں کو گناہ برابر ہوگا۔ بخاری و مسلم کی حدیث کا تتمہ ہے ۱۲ ۲؎ یہ قصہ مسلم نے نقل کیا ہے مگر اس میں بروایت مطلب بن ربیعہ یوں ہے کہ ربیعہ اور عباس نے جمع ہو کر کہا کہ فضل اور مطلب کو بھیجنا چاہیئے پس مصنف کا قول مطلب کی جگہ قثم بیان کرنے میں سہو ہے ۱۲

سے فضل اس کا ناقص رہے گا ہرچند اسی طرح کی باتیں زہد اور توکل اور رضا کے برخلاف ہیں اور مقامات بلند کیلئے ایک حجاب تاہم موجب نافرمانی نہیں ہیں اور یہاں ایک اور باریک دقیقہ ہے وہ یہ ہے کہ جب آدمی اس بات سے ناامید ہوتا ہے کہ مجھ کو فلاں جیسی دولت ملے اور اپنا کمتر رہنا برا معلوم ہوتا ہے تو بالضرور اپنے نقصان کو پورا کرنا چاہے گا۔ اور اس کے نقصان جاتے رہنے کی دو صورتیں ہیں یا یہ کہ دوسرے شخص کے پاس بھی وہ نعمت نہ رہے اور دونوں برابر ہو جائیں یا اس کے پاس ویسی نعمت آجائے اور مساوی ہو جائیں اور جب ایک صورت نہیں بن پڑتی تو بالضرور بمقتضائے بشریت آدمی کا دل دوسری صورت کی طرف میل کرے گا حتیٰ کہ اگر بالضرور دوسرے کے پاس سے وہ نعمت جاتی رہے تو یہ بات زیادہ اس کے جی کو لگے گی بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کے پاس وہ نعمت زیادہ ہمیشہ رہے کیونکہ اس کے دور ہونے سے یہ اور وہ برابر ہو جائیں گے اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ بہت کم دل اس سے خالی ہوتے ہیں اس صورت میں یہ تدبیر اولیٰ ہے کہ غبطہ کا حال یوں دریافت کرے کہ اگر مثلاً دوسرے کی نعمت کا اختیار مجھ کو حاصل ہو تو میں کیا کروں اگر یہ بات دل میں گذرے کہ میرا بس ہو تو میں اس نعمت کو اس سے دور کر دوں۔ تو معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ خواہش حسد ہے اور اگر یہ خیال ہو کہ باوجود قابو و اختیار کے بھی تقویٰ اس امر کا مانع ہوگا کہ دوسرے کی نعمت کو اس سے علیحدہ کیجئے تو پھر غبطہ جائز ہے اس لئے کہ اپنے عقل و دین کے زور سے یہ نہیں چاہتا کہ دوسرے سے یہ نعمت جاتی رہے بلکہ اس کو یہ منظور ہے کہ مجھ کو بھی ویسی ہی نعمت مل جائے گی اور یہ نکتہ باریک جو ہم نے لکھا شاید اس حدیث میں یہی غرض ہے[ح۱] ثلاث لا ینفک المومنین فمن الحسد والظن والطیرة اور پھر فرمایا[ح۲] وله منهن مخرج اذا حسدت فلا تبتغ معنی اس کے یہ ہیں کہ اگر تیرے دل میں کچھ گذرے بھی تو اس کے بموجب عمل مت کر اور نفس الامر میں انسان سے بعید ہے کہ جب اپنے آپ کو دوسرے کا ہمسر کیا چاہے اور نعمت سے عاجز ہو جائے تو اس بات کا خیال نہ کرے کہ یہ نعمت اس کے پاس بھی نہ رہے بلکہ اس کا واہمہ گزرتا ہی ہے ورنہ دوسرے پر نعمت کے ہمیشہ رہنے سے تو یہ ہمیشہ کمتر ہی رہے گا پس اس طرح کی منافست ناجائز حسد کے ہم پلہ ہے تو ضرور ہو اس میں احتیاط کی جائے کیونکہ یہ خطرہ کا مقام ہے آدمی اکثر اپنے اقارب اور یگانوں ہی میں سے بعضوں کو اعلیٰ رتبہ پر دیکھتا ہے تو ان کی برابری چاہتا ہے اسی سے کبھی اس حسد میں مبتلا ہو جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے اس لیئے کہ آخر اس حسد کا باعث تو خوف تفاوت اور ظہور نقصان ہی ہوتا ہے جو حسد کبھی مذموم میں بھی پھنسا دیتا ہے بشرطیکہ قوت ایمانی اور زور تقویٰ نہ ہو یعنی رفتہ رفتہ جب اپنے آپ ویسی نعمت نہیں پاتا اور مساوی ہونے کو دل چاہتا ہے تو انجام کو یہی سوچتا ہے کہ اس کے پاس بھی نہ رہے تو برابر ہو جائیں اس طرح کی منافست کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ یہ قسم حرام ہے خواہ امور دینی میں ہو یا دنیا میں لیکن اگر دل ہی دل میں یہ بات گذرے جائے اور اس پر عامل

ح۱ تین چیزیں ہیں کہ ایماندار ان سے خالی نہیں ہوتا حسد اور بدظنی اور بدفالی کئی بار گزر چکی ح۲ اور اس کو ان سے نکال کی صورت ہے ۱۲ ح۳ اور ہوس مت کر در جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک سے ۱۲۔

نہ ہو تو امید ہے کہ معاف ہو جائے اور اس بات کو بزور عقل و دین برا جاننا ہی کفارہ دل کے وسوسہ کا ہو جائے اب مراتب حسد معلوم کرنا چاہئیں کہ وہ چار ہیں اول تو یہ کہ دوسرے کی نعمت کا زوال چاہے گو وہ نعمت اس کے پاس نہ آئے یہ درجہ سب میں زیادہ برا ہے دوسرے یہ کہ اس نعمت کا اپنے پاس آنا چاہتا ہے اس سے غرض نہیں کہ دوسرا اس سے کیوں مستفید ہے اور نہ یہ چاہتا ہے کہ کسی کے پاس سے جاتی رہے مثلاً کوئی عمدہ مکان یا عورت وغیرہ ہے اس کو اس کا دل چاہتا ہے کہ یہ میرے پاس آجائے یہ نہیں چاہتا کہ دوسرا اس پر کیوں مسلط ہے تیسرے یہ کہ خاص اس نعمت کو اپنے لئے نہیں چاہتا بلکہ اس کا مثل چاہتا ہے اپنے لئے۔ اور اگر نہ ملے تو اس کا زوال دوسرے سے نہیں چاہتا یہ صورت اخیر جائز و معاف ہے اگر نعمت دنیاوی میں ہو اگر نعمت دینی میں واقع ہو مستحب ہے اور مرتبہ دوم بین بین ہے اس میں کچھ بھلائی ہے اور کچھ برائی یعنی زوال کسی کی نعمت کا نہ چاہنا تو اچھی بات ہے مگر جس شخص پر دوسرا قابض ہے اس کا اپنے واسطے چاہنا اچھا نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض۔ اور تیسرا مرتبہ دوسرے کی نسبت برا ہے اور پہلا تو نرا برا ہی ہے اور مرتبہ ثانی کو اور رابع کو حسد مجاز کہہ دیتے ہیں۔

حسد کے اسباب۔

منافست کا سبب تو صرف محبت اس چیز کی ہوتی ہے اگر وہ شے امر دینی ہے تو اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی اطاعت کی محبت ہے اور اگر امر دنیوی ہے تو اس کا سبب دنیا کے مباحات کی محبت اور ان سے لذت پانے کا چسکا ہے اور ہم کو غرض حسد مذموم کے اسباب بیان کرنے سے ہے اس کے اسباب گو بہت ہیں مگر سات ایسے سبب ہیں کہ سب اس میں آجاتے ہیں اول تو عداوت دوم برابر والے کی عزت کا ناگوار ہونا سوم دوسرے کی حقارت چہارم تعجب پنجم مقصد مطلوب فوت ہو جانے کا خوف ششم محبت ریاست ہفتم خبث و بخل نفس کیونکہ آدمی جو نعمت کو دوسرے پر برا جانتا ہے یا تو اس لئے ہے کہ وہ اس کا دشمن ہے تو دشمن کی خیر کیوں منائے اور یہ سبب یعنی عداوت حسد کی اور اسباب کی نسبت بہت سخت ہے اس لئے کہ دستور ہے کہ جس کسی کو کوئی شخص کسی وجہ سے ستاتا ہے خواہ اس کے مطلب میں کچھ خلل انداز ہوتا ہے تو وہ اس سے دل میں کینہ اور بغض رکھتا ہے اور اس پر غصہ کرتا ہے اور کینہ و غضب کے باعث انتقام کا خواہاں رہتا ہے اگر اپنے آپ کو انتقام سے عاجز پائے تو پھر یہ چاہتا ہے کہ زمانہ ہی سے انتقام لے یہاں تک کہ اگر بالفرض اس کو کوئی بلا پیش آئے تو یہی جانتا ہے کہ یہ امر صرف میرے اوپر ظلم کرنے سے ہوا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ خدا نے میری سن لی غرضکہ بغض کے باعث جہالت کے مارے اپنی کرامت سمجھنے لگتا ہے اور اگر کچھ نعمت دشمن کو مل جائے تو برا معلوم ہوتا ہے اور اس سے یہ وسوسہ کرتا ہے کہ خدا کے یہاں میری کچھ پوچھ نہ ہوئی کہ میرے دشمن سے باوجود میری ایذا کے انتقام نہ لیا بلکہ اور انعام دیا حاصل یہ کہ بغض و عداوت کو حسد لازم ہے اور کچھ برابر والے پر موقوف نہیں ادنیٰ کمینہ آدمی بادشاہ سے حسد کرنے لگتا ہے یعنی بغض کی جہت سے یہ چاہتا ہے کہ اس کی دولت جاتی رہے اور پرہیزگار محتاط کو چاہئے

کہ اس طرح کی حسد کو اپنے دل سے برا جانے اور یہ وہ چیز ہے کہ کافروں کی صفت میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا واذا لقوکم قالوا آمنا واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ان اللہ علیم بذات الصدور[1] اور فرمایا[2] ان تمسسکم حسنۃ تسؤھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا اور فرمایا[3] ودوا ماعنتم قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر۔ اور یہ حسد عداوت کے باعث ہے اس سے کبھی نوبت کشت و خون و نزاع کی پہنچ جاتی ہے اور تمام عمر نعمت کے دور کرنے کی تدبیریں سوچنے میں گذر جاتی ہے یا ہمیشہ چغلی اور پردہ دری یا اور ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں یا حسد اس سبب سے ہوتی ہے کہ حاسد کو گمان ہوتا ہے اگر آپ کے اپنے کسی برابر والے کے پاس نعمت ہوگی تو وہ اس کی جہت سے بڑائی کرنے لگے گا اور اس کو برداشت اس کے کبر و فخر کی نہیں کہ اپنے نفس کی عزت سمجھتا ہے تو یہ دوسرا سبب حسد کا ہے اس کو تعزز کہتے ہیں مثلاً اگر کوئی برابر والا کسی حکومت یا مال یا علم پر حاوی ہو جائے تو حاسد کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں یہ اس بات سے فخر و تکبر نہ کرنے لگیں تو اس کو خود تو تکبر منظور نہیں ہوتا مگر دوسرے کی شیخی کی چونکہ برداشت نہیں اس لئے حسد کرنے لگتا ہے کہ دوسرا شخص مجھ سے زیادہ کیوں ہو یا حسد اس لئے ہوتی ہے کہ دوسرے کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے اور متوقع اس سے خدمت و فرمانبرداری کا ہے جب اس کو اتفاقاً نعمت ملتی ہے تو حاسد کو یہ خوف ہوتا ہے کہ شاید وہ شخص اب میری بات نہ سنے یا برابری کا دم بھرے تو ہماری شیخی کرکری ہو جائے گی یہ تیسرا سبب حسد کا ہے اس کو تکبر کہتے ہیں اور انہیں دو سببوں یعنی تکبر اور تعزز کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر کفار حسد کیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا شاہد ہے فرمایا کہ[4] لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔ یعنی اگر آپ بڑے آدمی ہوتے تو ہم کو اتباع و فرمانبرداری شاق نہ ہوتی ایک یتیم لڑکے کے سامنے گردن جھکانا کس طرح ہو سکے ان نامعقولوں کے قدر اس در شاہوار کی نہ جانی اور یہ خیال نہ کیا ؎

درا گر یتیم شد بیش بود بہائے   زانکہ خرد فرون نہد یتیم راہما۔

اس طرح قریش کا قول اللہ جل شانہ نقل فرماتا ہے[5] اھؤلاء من اللہ علیھم من بیننا الیس اللہ با علم بالشاکرین۔ اس قول کو براہ حقارت اور اپنی عزت کے کہتے تھے یا حسد کا سبب تعجب ہے یعنی حاسد جب کسی شخص پر کوئی بڑی نعمت یا بڑا عہدہ دیکھتا ہے تو اس جیسے آدمی پر اس طرح کا رتبہ دیکھتے ہوئے تعجب کرتا ہے باوجود یہ کہ میں بھی اسی کا جیسا ہوں مگر اس کو یہ رتبہ مل گیا جیسے! اللہ تعالیٰ نے پہلی قوم کے حالات میں ارشاد فرمایا۔ ما انتم

---

[1] اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں تم پر انگلیاں دشمنی سے تو کہہ مرو تم اپنی دشمنی میں اللہ کو معلوم ہے جیوں کی بات ۱۲ [2] اگر تم کو ملے کچھ بھلائی بری لگے ان کو اور تم پر پہنچے برائی خوش ہوں اس سے ۱۲ [3] اس کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف پاؤ نکلی پڑتی ہے دشمن ان کی زبان سے اور جو چھپا ہے ان کے جی میں سو اس سے زیادہ ہے ۱۲ [4] کیوں نہ اترا قرآن کسی بڑے آدمی پر ان دو بستیوں سے ۱۲ [5] کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں سے کیا اللہ کو معلوم نہیں حق ماننے والے ۱۲۔

الا بشر مثلنا اور وقالوا انومن لبشرین مثلنا اور ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخاسرون۔
ان آیات میں ان کے تعجب کا مذکور ہے کہ جو شخص ہم ہی جیسا ہے وہ رتبہ رسالت اور وحی اور قرب الی اللہ پر کیسے پہنچ گیا اسی بنا پر رسولوں سے حسد کی اور چاہا کہ نعمت نبوت ان سے جاتی رہے اس لیئے کہ یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ جو آدمی ہماری ہی طرح ہے وہ ہم سے بہتر اور افضل ہو جائے اس میں اسباب حسد میں سے اور کوئی سبب نہ تھا کہ پہلے سے عداوت ہو یا تعزز اور تکبر اور طلب ریاست وغیرہ مقصود ہو بلکہ صرف تعجب کی راہ سے یہ حسد تھی جیسا کہ اور مقولے مذکور ہیں۔ ابعث اللہ بشرا رسولا۔ اور لو انزل علینا الملٰئکۃ۔ اور اللہ تعالی نے خود ان کے تعجب کو واشگاف فرمایا اوعجبتم ان جاءکم ذکر من ربکم علی رجل منکم۔ یا حسد کا باعث مقصود کے فوت ہو جانے کا خوف ہوتا ہے یعنی دوسرے کی نعمت کے باعث اپنا مطلب جاتا رہے گا وہ نعمت کے باعث حسد کی غرض پوری نہ ہونے دے گا اور یہ قسم حسد کی ایسے مقصود و مطلب کا ملنے پر ہوتی ہے جس کے مدعی دو ہوں پس جب کسی کو ان دونوں میں سے کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے کہ مطلب کا ملنا سہل ہو جائے تو دوسرے کو خواہ نخواہ اس پر حسد ہی ہوتی ہے کہ یہ ذریعہ مجھ کو کیوں نہ ملا اور یہی قسم حسد کی دو سوتوں میں ہوتی ہے کہ مطالب زوجیت کی ہر ایک مدعی ہوتی ہے اور دو بھائیوں میں بھی واقع ہوتی ہے جب کہ ہر ایک کو ماں باپ کے دل میں جگہ کرنی منظور ہو تاکہ ان کے نزدیک لائق منصور ہو کر مال وغیرہ کا مالک ہو جائے۔ ایسا ہی شاگرد ایک استاد کے اس حسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں بشرطیکہ استاد کی آنکھوں میں مرتبہ حاصل کرنا منظور ہو بادشاہی خواص اور مصاحبوں میں بادشاہ سے مال وجاہ کے حاصل کرنے کے لیئے یہی حسد ہوتی ہے جو واعظ کہ واعظ سے مال جمع کرتے ہیں اور خلق کے دلوں میں عزیز بنا چاہتے ہیں ان کو بھی یہی نوبت پیش آتی ہے۔ یا حسد کا موجب ریاست وجاہ کی محبت ہے یعنی اس بات کو چاہنا کہ جیسا ہم کو کوئی فن آتا ہے ایسا کوئی دوسرا نہ نکلے اور کوئی غرض خاص نہ ہو مثلاً کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی فن میں طاق بے نظیر ہو جائے اور لوگ میری تعریف کیا کریں موجب اس امر کا اس کو غلبہ ہوگا اور لوگوں کے قول اپنی نسبت سنے گا کہ تم اپنے فن میں یکتائے دہر اور کامل زمانہ ہو آج کوئی تمہارا مقابل نہیں تو ایسا شخص جب کسی روئے زمین پر اپنا نظیر سنے گا تو اس کو برا معلوم ہوگا اور یہ چاہے گا کہ یا وہ مرجائے یا اس کے پاس وہ فن نہ رہے کہ جس کے سبب میرا سہیم و شریک ہے وہ فن کوئی سا ہو خواہ شجاعت ہو یا علم یا عبادت یا پیشہ یا جمال و ثروت وغیرہ غرض اپنے آپ کو فرد جاننے کے سبب جو خوشی ہوتی ہے اس کی محبت سے یہ حسد واقع ہوتی ہے

ت ۱۔ تم تو یہی انسان ہو جیسے ہم ۱۲ ت ۲۔ سو ہوئے کیا ہم مانیں گے ایک آدمی کو جو ہمارے برابر ہے ۱۲ ت ۳۔ اور کبھی چلے تم کہے پر ایک آدمی کے اپنے برابر تو بے شک تم خراب ہوئے ۱۲۔ ت ۴۔ کیا اللہ نے بھیجا آدمی پیغام لے کر۔ ت ۵۔ کیوں نہ اترے پیغمبر فرشتے ۱۲۔ ت ۶۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آوے تم کو نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک مرد کے ہاتھ تمہارے بیچ میں ۱۲۔

ورنہ اور اسباب حسد یہاں مفقود ہیں نہ پہلے کی عداوت ہے نہ تکبر اور تعزز منظور ہے مطلوب کے فوت ہونے کا خوف ہے بلکہ وہی دعویٰ ایک فنی اور اختصاص ہے۔ کہ ہمچو من دیگرے نیست اور یہ محبت جاہ کی ہے اس سے علاوہ ہے جو بعض علماء کیا کرتے ہیں کہ سوائے ریاست کے اور اپنے کام نکالنے کے واسطے لوگوں کے دلوں میں گھر کرتے ہیں علمائے یہود جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچاننے اور اتباع کا انکار کرتے تھے ان کو بھی خوف تھا کہ جب ہمارا علم منسوخ ٹھہرے گا تو ہماری ریاست اور بڑائی تباہ ہو جائے گی کوئی ہمارا پیرو نہ ہوگا یا حسد کا سبب ان چھٹوں اسباب گزشتہ میں سے کچھ بھی نہ ہو صرف خبث نفس اور بخل طبع ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اس کے بندوں پر بری معلوم ہوتی ہے اکثر آدمی ایسے پائے جاتے ہیں کہ ان کو ذوق ریاست بھی نہیں نہ تکبر نہ مال کے خواہاں مگر الاجب ان کے سامنے کسی آدمی کا ذکر کیا جائے کہ فلاں شخص کو اللہ تعالیٰ نے یہ شے عطا کی اور ان پر یہ فضل ہوا تو یہ امر ان پر شاق گزرتا ہے لیکن اگر لوگوں کی پریشانی اور بدبختی اور مقصود کا نہ ملنا اور عیش کا تلخ ہونا ذکر کیا جائے تو خوش ہوتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ دوسرے کی بدبختی کو چاہتے رہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی سمت بندوں پر دیکھ نہیں سکتے گویا جننا اوروں کو ملتا ہے وہ سب ان کے خزانے سے دیا جاتا ہے ایسے لوگ شحیح ہوتے ہیں یعنی بخیل سے بھی بدتر اس واسطے کہ بخیل تو اسی کو کہتے ہیں جو اپنا مال کسی کو نہ دے اور شحیح اس کو کہتے ہیں کہ دوسرے کے مال میں بخل کرے یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ خواہ نخواہ خدا کے دین پر ناخوش ہوتے ہیں حالانکہ بندوں میں اور ان میں کوئی رابطہ یا عداوت نہیں ہوتی اور اس کا سبب کوئی ظاہری تو معلوم نہیں ہوتا صرف یہی ہے کہ اپنی رذالت اور خبث نفس سے اس بلا میں مبتلا ہیں سچ ہے ؎

نیش عقرب نہ از پئے کین است مقتضائے طبیعتش این است

اور اس قسم حسد کا علاج نہایت سخت ہے اس لئے کہ اور اسباب حسد کے عارضی ہیں ان میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر سبب جاتا رہے گا تو حسد بھی جاتی رہے گی اور یہ تو پیدائش کی خباثت ہے اس کا نکلنا بہت دشوار ہے بلکہ قریب محال پس ساتوں سبب حسد کے مفصلاً بیان ہوئے بعض اوقات ان میں سے بعض خواہ اکثر سبب ایک ہی شخص میں جمع ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں وہ بڑی حسد کرتا ہے اور حسد کو ایک تقویت اور زور ہو جاتا ہے جس کو حاسد چھپا نہیں سکتا نہ کسی سے بے مروت پیش آتا ہے بلکہ ملت اور محبت کو بالائے طاق رکھ کر علانیہ عداوت کرتا ہے اور فی زمننا جو حسد پائی جاتی ہے اکثر میں ان اسباب میں کچھ سبب اکٹھے ہی ہوتے ہیں۔ ایک سبب تنہا نہیں ہوتا۔

اپنے اعزہ سے حسد زیادہ ہوتا ہے اور دوسروں سے کم کیوں؟

واضح ہو کہ حسد انہیں لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے جن میں جو اسباب ہم نے ذکر کئے ہیں ان کی زیادتی ہو اور قوت حسد تو ان لوگوں میں ہوتی ہے جن میں ان اسباب میں کئی کئی اکٹھے ہو گئے ہوں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک

ہی شخص تعزز کے باعث حسد کرے اور وہی تکبر اور عداوت کی جہت سے حسد کرے اور یہ سبب ان لوگوں میں زیادہ ہوتے ہیں جن میں بہت سے روابط اور علاقے ہوں کہ ان کے باعث مجلسوں میں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرتے ہیں اور اپنی اپنی غرضیں بیان کرتے ہیں اس وقت اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کے مطلب کے خلاف کہتا ہے تو مطلب والا اس سے متنفر ہو کر بغض و کینہ دل میں رکھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اس کا بدلہ لوں اور جیسے اس نے میری غرض میں پاؤں اڑا دیا میں بھی اس کی غرض نہ ہونے دوں۔ پھر جہاں ایک سبب حسد کا ہوا سب اسباب ایک دوسرے کے پیچھے اکٹھے ہو جاتے ہیں بہر حال حسد پاس بیٹھنے غرض کی باتیں کرنے سے پیدا ہوتی ہے اسی لحاظ سے اگر ایک شخص کسی شہر میں رہتا ہے اور دوسرا کسی اور میں ان میں حسد نہیں ہوتی بلکہ اگر دور دور محلوں میں رہتے ہوں تب بھی حسد نہیں ہوتی البتہ جب ایک مجلس یا مدرسہ میں یا مسجد یا بازار میں جمع ہوں اور ایک ہی مطلب کے مدعی ہوں تب حسد اٹھتی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اسی واسطے عالم شخص عالم کی حسد کرتا ہے مجاہد کی نہیں کرتا سوداگر دوسرے سوداگر سے حسد کرتا ہے موچی موچی سے حسد کرتا ہے بزاز سے نہیں رکھتا وجہ یہی ہے کہ دونوں ایک پیشہ میں اکٹھا ہیں اور اسی وجہ سے آدمی اپنے بھائی اور چچازاد سے بہ نسبت یغروں کے زیادہ حسد کیا کرتا ہے دونوں سوتیں آپس میں بہ نسبت ساس نندوں کے زیادہ حاسد ہوتی ہیں غرض جہاں کہیں دو شخصوں کا مطلوب واحد ہو گا اور ان میں اجتماع و نشست و برخاست باہمدگر واقع ہو گی وہاں حسد زیادہ ہو گی مثلاً فرض کرو کہ ایک بزاز کپڑے کی دوکان کرتا ہے تو خریداروں کی کثرت چاہے گا جس میں کچھ فائدہ ہو تو جو شخص اس کا حریف ہو گا اسی کے ساتھ حسد کرے گا دوسرے سے کیا مطلب پڑا ہے اب اگر اس کا حریف دوسرا بزاز اس کے پاس دوکان رکھتا ہو تو دور کے بزازوں کی نسبت اس سے زیادہ حسد ہو گی اسی طرح بہادر آدمی دوسرے بہادر کی حسد کرتا ہے عالم کی نہیں کرتا کیونکہ پہلوان و بہادر کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جرأت و شجاعت میں یکتائے زمان مشہور ہو اور یہ صفت دوسرے میں نہ پائی جائے پس اس صفت میں جو اس کا سہیم مزاحم ہو گا اسی کی حسد کرے گا عالم شخص اس مطلب میں اس کا مخل نہیں کہ اس کی حسد کی نوبت پہنچے۔ ہاں عالم شخص عالم کی حسد کرتا ہے اور ان میں واعظ آدمی واعظ کی حسد زیادہ کرتا ہے فقیہ و طبیب کی اتنی نہیں کرتا بہر حال بناء حسد دشمنی ہوتی ہے اور دشمنی کی اصل ایک مقصود میں شریک ہونا اور شرکت مقصود دور والے شخصوں میں معلوم نہیں ہوتی پاس والوں میں پھوٹ ڈالتی ہے اسی واسطے پاس والوں میں حسد زیادہ ہوتی ہے لیکن اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ جس کو تمام جہان میں شہرت اور آوازہ منظور ہو وہ البتہ دنیا میں جہاں کہیں اپنا مقصود سنے گا اس کی حسد کرے گا غرضکہ جتنے اسباب حسد ہیں سب کا منشا اگر بنظر غور کیا جائے تو محبت دنیا سے معلوم ہوتا ہے اس لیئے دنیا کی ہی چیزیں ایسی ہیں کہ سہیموں اور شریکوں کو وافی نہیں ہوتیں اگر ایک کے پاس گئیں دوسرا خالی ہاتھ رہ جاتا ہے مگر آخرت کی چیزوں میں تنگی نہیں ان میں بہت گنجائش ہے اور ان کی مثل علم کی سی ہے کہ شرکت کے باعث کم نہیں ہوتا ایک ہی چیز لاکھوں آدمی جانتے ہیں پس جو کوئی اللہ کی معرفت سے محبت

رکھتا ہے اور اس کی صفات اور فرشتوں اور انبیاء اور آسمان و زمین کے ملکوت سے واقف ہیں اس واقفیت اور معرفت میں دوسرے کا حاسد نہیں ہوتا کیونکہ معرفت میں تنگی نہیں کہ ایک عارف کو جو حال معلوم ہو جائے تو دوسرے کو نہ ہو بلکہ ایک حال کو لاکھوں عارف جان کر خوش ہوتے ہیں اور اس سے مزہ لیتے ہیں ایک کی لذت و خوشی کا دوسرا حارج نہیں ہوتا بلکہ اجتماع و کثرت سے زیادہ انس و لذت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء دین میں حسد نہیں ہوتی اس لیئے کہ ان کا مطلب اللہ کی معرفت و قرب الی اللہ ہے۔ اور وہ دونوں بڑے سمندر ہیں جس کی کچھ انتہا نہیں کیونکہ سب لذتوں اور نعمتوں سے بڑھ کر دولت دیدار خداوندی ہے جس میں کسی کو ممانعت اور روک ٹوک نہیں نہ ایک کا دیکھنا دوسرے کا حارج بلکہ کثرت ناظرین سے کیفیت اور لذت دوبالا ہو گی ہاں اگر عالموں کی غرض علم سے مال و جاہ کا حاصل کرنا ہے تو بیشک حسد پیدا ہو گی کیونکہ مال تو اجسام میں سے ہے جب ایک کے ہاتھ میں رہتا ہے دوسرے کے ہاتھ میں نہیں جا سکتا اور جاہ کے معنی دلوں میں جگہ ہونے کے ہیں جب کسی آدمی کے دل میں ایک عالم کی تعظیم بھر جائے گی۔ تو دوسرے کی تعظیم سے پھر جائے گا خواہ کم کرے گا یہی وجہ عداوت و حسد کی ہو گی بخلاف معرفت کے کہ وہ اگر کسی آدمی کے دل میں بھرے گی تو اس بات کی مانع نہیں کہ دوسرے کے دل میں نہ بھرے اور اس کو لذت حاصل نہ ہو خلاصہ یہ کہ علم اور مال میں یہ فرق ہے کہ مال تو ایسی چیز ہے کہ جب تک ایک کے ہاتھ سے نہ نکلے گا دوسرے کو نہ ملے گا اور علم عالم کے دل میں رہتا ہے اور تعلیم کی جہت سے دوسرے کے پاس بھی جا سکتا ہے علاوہ اس کے مال ایک شئے منتہی ہے پس اگر بالفرض کوئی شخص تمام روئے زمین کا مالک ہو جائے تو دوسرے کے واسطے کچھ بھی نہ بچے گا اور علم وہ چیز ہے کہ جس کی کچھ حد و انتہا نہیں وہ سب کا سب ایک شخص میں آ جانا ہو نہیں سکتا پس جو شخص اس بات کا عادی ہو کہ خداوند کریم کے جلال و عظمت اور ملکوت آسمان و زمین میں فکر کیا کرے تو یہ امر اس کو ساری نعمتوں سے لذیذ تر معلوم ہو گا۔ اور اس میں کسی طرح روک ٹوک یا مزاحمت نہ ہو گی اور اسی وجہ سے ایسے شخص کے دل میں کسی شخص کی حسد نہ ہو گی کیونکہ اگر کوئی شخص اس کی سی معرفت رکھتا ہو گا تو اس کی لذت میں سے کچھ کم نہ ہو گا بلکہ اس کو دوسرے حالت سے موانست ہو گی لہذا ان لوگوں کی لذت جو مطالعہ عجائب ملکوت میں ہمیشہ رہتے ہیں ان لوگوں سے بڑھ کر ہوتی ہے جو چشم ظاہری سے جنت کے درخت اور باغوں کی سیر کریں گے اور مزاحمت لوٹیں گے اسی لیئے کہ جنت صرف اس کی صفت ذاتی ہے جس کو معرفت کہتے ہیں یہ جنت کبھی فنا نہیں ہوتی اور عارف ہمیشہ اس کے ثمرات سے بہرہ در رہتا ہے اس کی روح و قلب کی غذا علم کے ثمرات سے ہوتی ہے۔ اور یہ وہ میوہ ہے کہ جس کی شان میں [1] لا مقطوعة ولا ممنوعة اور [2] قطوفها دانية. خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر عارف آنکھیں بند کر لیتا ہے تو روح سے جنت عالیہ کی سیر و تماشا کرتا ہے اب اگر عارفین کی مثلاً کثرت

[1] نہ ٹوٹا اور روکا ۱۲ [2] جس کے میوے جھک رہے ہیں ۱۲۔

ہو تو آپس میں حاسد نہ ہوں گے بلکہ ان کا یہ حال ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے[۱] ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین اور یہ حال تو ان کا جبھی تک ہے جب تک دنیا میں ہیں اس سے خیال کرنا چاہیئے کہ جب قیامت میں پردہ اٹھا لیا جائے گا اور مشاہدہ محبوب کا کریں گے تو وہاں کیا حال ہو گا اس بیان سے معلوم ہوا کہ جنت میں ایک دوسرے کی حسد نہ ہو گی اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ جو لوگ اہل جنت دنیا میں ہیں ان میں بھی آپس میں حسد نہیں ہوتی کیونکہ جنت بھی ایک بغیر ملتی چیز ہے اس میں کچھ تنگی اور مزاحمت نہیں اور وہ بھی جبھی ملتی ہے جب دنیا میں معرفت ایزدی حاصل ہو اور چونکہ معرفت میں کسی طرح کی مزاحمت نہیں اسی جہت سے جنت والوں میں بھی حسد نہ دنیا میں ہو گی نہ آخرت میں بلکہ حسد تو ایسے لوگوں میں ہے جو علیین کے وسیع مقام سے دور کر کے سجین کے تنگ مقام میں ڈال دیئے گئے ہیں دیکھو شیطان لعین نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کی کہ ان کو ایسا رتبہ کیوں ملا اور اسی وجہ سے سرکش اور نافرمان ہو کر سجدہ نہ کیا تو کہاں سے کہاں تک پہنچا اور حاسد کہلایا اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ حسد جبھی ہوتی ہے جب ایسے مقصود پر توارد ہو کہ جو سب کو وافی نہ ہوتا ہو اور جو چیز ایسی نہ ہو گی اس میں حسد بھی نہ ہو گی مثلاً ستاروں کی زینت دیکھنے میں کوئی کسی کا حاسد نہیں ہوتا کہ وہ ایک وسیع چیز ہے البتہ باغوں کی سیر میں حسد ہوتی ہے کہ یہ زمین کے ایک جزدی حصہ میں ہوتی ہے اور اگر تمام روئے زمین کو آسمان کے مقابلہ میں دیکھو تو کچھ بھی نہیں اس صورت میں جو شخص دانا ہو اور اپنے نفس کی خیر چاہے اس کو چاہیئے کہ ایسی ہی نعمت کا طالب ہو جس میں زحمت نہ ہو اور ایسی لذت کا جویاں رہے جو کبھی فنا نہ ہو اور یہ بات دنیا میں سوائے معرفت الٰہی اور اس کی صفات و افعال کے اور کسی چیز میں نہیں پائی جاتی اور آخرت میں بھی یہی بکار آمد ہو گی پس اگر آدمی کو شوق معرفت نہ ہو اور نہ اس میں مزہ ملے اور عقل بھی قاصر ہے اور رغبت کم تو ایسا شخص معذور ہے مثلاً نامرد آدمی کو شوق جماع نہیں ہو سکتا لڑکا سلطنت کی لذت نہیں جان سکتا اسی لیئے کہ یہ لذت مردوں سے مخصوص ہیں نامرد و لڑکے اس کو کیا جانیں سے

جوہر نہ ہوئے جس میں جوہر شناس کب ہے :: جو صاحب ہنر ہو وہ ہی کسی ہنر کو پرکھے

اسی طرح کی لذت معرفت کے لیئے بھی وہ لوگ مخصوص ہیں جن کے حق میں قرآن مجید میں ارشاد ہے[۲] لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔ ان کے سوا اور لوگ لذت سے محروم ہیں اس لیئے کہ اشتیاق معرفت کا بعد ذوق کے ہوا کرتا ہے جس کو ذوق اور مزہ نہ ہو گا وہ معرفت کو کیا جانے گا اور جو معرفت کو نہ جانے گا وہ مشتاق بھی نہ ہو گا اور بدون اشتیاق طالب ہونا معلوم اور بدون طلب مقصود تک پہنچنا دشوار ہے اور بغیر مقصود تک پہنچے سراسر محرومی اور اسفل السافلین میں رہنا ہو گا[۳] ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطانا فھو لہ قرین ۵

---

[۱] اور نکال ڈالی جو ہم نے ان کے جیون میں مخفی خفگی بھائی ہو گئے تختوں پر بیٹھے سامنے ۱۲ ت [۲] نہیں غافل ہوئے سوداگری میں نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے ۱۲ ت [۳] اور جو کوئی آنکھیں چرا دے رحمٰن کی یاد سے ہم اس پر تعین کریں ایک شیطان پھر وہ رہے گا اس کا ساتھی ۱۲۔

حسد کی دوا

جاننا چاہیئے کہ حسد دل کے بڑے مرضوں میں سے ہے اور ہر امراض دلی کا علاج علم و عمل سے ہوتا ہے حسد کے روگ کو جو علم مفید ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اس بات کو یقیناً جان لے کہ حسد دنیا و آخرت میں سراسر اس کو مضر ہے اور جس سے حسد کرتا ہے اس کا دین و دنیا میں کچھ بھی ضرر نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے جب یہ بات اچھی طرح جان لے گا اور اپنے نفس کا دشمن اور دشمن کا خیر خواہ نہ ہوگا بالضرور حسد چھوڑ دے گا حسد کے باعث جو حاسد کو دین میں ضرر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حسد کے سبب حکم خدا سے راضی نہیں ہوتا اور جس نعمت کو اس نے اپنے بندوں پر تقسیم فرمایا ہے اور اپنے عدل و حکمت سے کارخانے جاری کئے ہیں ان کو برا جانتا ہے پس اس سے بڑھ کر دین میں اور کون سا گناہ ہوگا خدا کی تقدیر پر راضی نہ ہو اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ایک مرد مسلمان سے کینہ کے باعث یہ خیر خواہی پیش نہ آیا اولیاء و انبیاء کہ اللہ کے بندوں کی خیر خواہی چاہتے ہیں. ان کے زمرہ سے علیحدہ ہوا اور ابلیس و کافر جو مومنین کا برا چاہتے ہیں ان کے گروہ میں داخل ہوا یہ سب باتیں دل کی ان خباثتوں میں سے ہیں کہ ان کی نیکیوں کو ایسا کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو اور ایسا نشان مٹا دیتی ہے جیسے رات دن کا نشان کھو دیتی ہے اور دنیا میں حاسد کا ضرر یہ ہے کہ ہمیشہ رنج و عذاب اور غم و الم میں رہتا ہے اسی لیئے کہ خدا تعالیٰ اس کے دشمنوں پر نعمتیں دیتا رہتا ہے اور وہ جلتا رہتا ہے جتنی ان سے مصیبتیں ٹلتی ہیں اتنا ہی اس کو پریشان خاطر اور تنگی سینہ ہوتی ہے اور مغموم اور محروم بنا پھرتا ہے جو بات کہ اپنے دشمنوں کے لیئے چاہتا ہے یا اس کے دشمن اس کے لیئے چاہتے تھے اس میں خود مبتلا ہوتا ہے اس کی تو تمنا یہی تھی کہ دشمنوں کو رنج پہنچے مگر خود دام رنج و غم میں پھنس گیا اور جس سے حسد کی اس کی نعمت بھی حسد سے نہ گئی اگر بالفرض آدمی کو قیامت اور حساب کتاب پر بھی ایمان نہ ہوتا. ہم مقتضائے ہوشیاری عاقل کے لیئے یہی ہے کہ حسد سے بچے جس میں خود بخود اپنی جان کو رنج ہی رنج ہو اور کچھ فائدہ نہ ہو اور اگر عذاب آخرت کو بھی جانتا ہو تب تو بطریق اولیٰ بچنا چاہیئے عاقل شخص سے بہت عجب ہے کہ بے فائدہ غضب الٰہی کا اپنے آپ کو ہدف کرے اور اپنے دین و دنیا تباہ کرے اور انواع رنج و محن کا متحمل ہو اور حاصل حصول کچھ بھی نہ ہو اور جس شخص کی حسد کرتا ہے اس کو دین و دنیا میں حسد کے باعث ضرر کا پہنچنا ظاہر ہے اس لیئے کہ حسد کے باعث اس کی نعمت دور نہیں ہو سکتی بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کسی کے لیئے اقبال و نعمت مقدر کیا ہے وہ وقت مقررہ تک بیشک رہے گا اس کے دفع کا کوئی وسیلہ نہیں کہ کل شئی عندہ بمقدار[1] اور لکل اجل کتاب[2] خود فرماتا ہے اسی بنا پر جب ایک پیغمبر نے انبیاء سے جناب باری میں ایک عورت کی شکایت کی جو خلق پر حاکم ہو کر ظلم کیا کرتی تھی تو ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہم نے ازل میں مقدر کر دیا ہے اس کی تبدیلی کی کوئی صورت نہیں جتنا اقبال و عہد اس کا لکھا گیا وہ ضرور ہوگا تم کو اگر برا معلوم

---

[1] ہر چیز کو ہے اس کے پاس گنتی ۱۲ [2] ہر وعدہ ہے لکھا ہوا۔ ۱۲

ہو اس کے سامنے سے ٹل جاؤ غرضکہ جب نعمت کا زوال حسد سے نہیں ہوتا تو محسود کو دنیا میں کیا ضرر ہے اور آخرت میں کونسا گناہ اور اگر یہ گمان ہو کہ شاید حسد کے باعث نعمت اس کے پاس سے جاتی رہے تو اس میں اپنے نفس کا دشمن ہوتا ہے کیونکہ اگر کوئی حاسد کا بھی دشمن ہوگا جو اس پر حسد کرتا ہوگا اگر حسد ہی سے نعمت جاتی رہا کرے تو دنیا میں کوئی بھی ایسا نہ رہے جس کے پاس خدا تعالیٰ کی نعمت ہو بلکہ نعمت ایمان سے بھی کوئی بہرہ ور نہ ہو کیونکہ کافر تو مسلمان کی حسد ایمان پر ہی کیا کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے[1] ود کثیر من اھل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارًا حسدًا من عند انفسھم۔ پس جس کو یہ تمنا ہے کہ میرے حسد کے باعث دوسرے کی نعمت جاتی رہے وہ گویا یہ چاہتا ہے کہ مجھ سے کفار کی حسد کی باعث نعمت ایمان سلب ہو جائے اسی طرح اور نعمتوں کو قیاس کرنا چاہیئے اور اگر حاسد یہ جانتا ہو کہ میرے حسد سے تو اوروں کی نعمت جاتی رہے گی مگر اوروں کے حسد سے میری نعمت نہ جائے گی تو یہ نہایت جہالت و بے وقوفی ہے ہر ایک احمق بھی چاہا کرتا ہے کہ نعمت خاص میرے ہی لئے رہے لیکن کوئی وجہ ترجیح اور اولویت کی نہیں ہوتی کہ دوسرے کے پاس سے کیوں اس کے پاس آجائے بس یہ انعام خداوندی کے حسد کے باعث نعمت کو زوال نہیں قابل شکر گزاری کے ہے جس کو جاہل برا جانتے ہیں اور محسود کا فائدہ دنیا و دین میں بھی ظاہر ہے دین میں تو اس لئے کہ اس پر حاسد نے ظلم و زیادتی کی خصوص ایسے حال میں کہ حسد کا اثر حاسد کے اقوال و افعال میں ہوا ہو اور محسود کی غیبت وطعن و ہتک اور بدگوئی پر آمادہ کیا ہو ان باتوں سے حاسد کے حسنات محسود کو ملیں گے اور قیامت کو نعمت آخرت سے ننگا منگا رہ جائے گا جیسا دنیا کی نعمت سے مفلس و محروم رہا تو محسود کو یہ فائدہ ہوا کہ نعمت اخروی بڑھ چڑھ کر ملی کہ نیکیاں ہوئیں کسی سے اور اس کو مفت ملیں اور حاسد کی جان کی شقاوت پر شقاوت ہوئی کہ دنیا میں حسد کے مارے جلتا رہا اور آخرت میں کیا کرایا دوسرے کو دیا گیا اور محسود کا نفع دنیا میں یہ ہے کہ ہر کوئی یہ چاہا کرتا ہے کہ میرے دشمنوں کو شقاوت اور برائی پہنچے اور ہمیشہ رنج و تکلیف میں رہیں سو یہ بات محسود کی دشمنی یعنی حاسد کو موجود ہے کوئی رنج و دکھ حسد کے رنج سے بڑھ کر نہیں غایت تمنا دشمنوں کی یہ ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے کام چین سے کریں اور ان کے حاسد حسرت و غم میں مبتلا رہیں پس حاسد ان کی غرض و تمنا کے بموجب ہی رہتا ہے کہ وہ مزے لوٹتے ہیں اور یہ پھاتی کوٹتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دشمن اپنے حاسد کی موت نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ حاسد کی عمر زیادہ ہو تاکہ حسد کی آگ میں مدام جلتا رہے وہ اپنی نعمت کی اتنی خوشی نہیں کرتا جتنی حاسد کے رنج سے خوشی ہوتی ہے اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ حاسد کو رنج حسد سے نجات ہوگئی تو اس پر گویا مصیبت ٹوٹ پڑی اب اگر ان باتوں کا حاسد تامل کرے تو جان لے کہ میں قطعی اپنے نفس کا دشمن اور دشمن خیر خواہ اسی لئے کہ ایسی بات کی جس میں اپنا سراسر ضرر دنیا و آخرت میں ہوا اور دشمن کا نفع دونوں جہان میں ہوا اور خالق

---

[1] دل چاہتا ہے بہت کتابوں والوں کا کسی طرف کو تم کو پھیر کر مسلمان ہوئے پیچھے کافر کردیں حسد کر کے اپنے اندر سے ۱۲۔

و مخلوق کے سامنے برا ٹھہرا اور حال و مآل میں بد بخت ہوا اور محسود کی نعمت جوں کی توں رہی پھر اسی پر بس نہیں کہ دشمن کا کام بن گیا بلکہ ایک اور زیادہ خرابی یہ ہوئی کہ جو سب سے زیادہ دشمن ہے یعنی ابلیس اس کو بھی نہایت شادمانی ہوئی اسی لئے کہ شیطان جب کسی شخص کو علم اور ورع اور جاہ اور مال کی نعمت سے مشرف پاتا ہے اور دوسرے کو محروم تو ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دوسرا شخص اس سے محبت کرنے لگے اور اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے اس لئے کہ اس کے دل میں بغض ڈال دیتا ہے کہ محبت کے ثواب سے محروم رہے جیسا کہ عمل کے ثواب سے محروم رہا ہے اخبار سے ثابت ہے جو شخص مسلمانوں کی بہتری چاہے اس میں وہ بھی شریک رہتا ہے چنانچہ ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص قوم سے محبت رکھتا ہے حالانکہ اس کا پلہ کا نہیں آپ نے فرمایا[۱] المرءُ مع من احب۔ اور ایک روز اثناء خطبہ ایک اعرابی آپ کے سامنے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب ہو گی آپ نے پوچھا کہ تو نے اس کا کیا سامان کیا ہے اس نے عرض کیا کہ میں نے اس کے لئے کچھ بہت روزے یا نمازیں تو نہیں جمع کیں لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں آپ نے ارشاد فرمایا۔ انت مع من اَحْبَبْتَ حضرت انس راوی حدیث فرماتے ہیں کہ جیسی خوشی مسلمانوں کو اس روز ہوئی ویسی کبھی نہیں ہوئی تھی یعنی اس جہت سے کہ اکثروں کا اعتماد اللہ و رسول کی محبت پر تھا ؎

چہ غم دیوار امت را کہ باشد چوں تو پشتیبان ۔ چہ باک از موج بحر آنرا کہ باشد نوح کشتیبان

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم اور ابو بکر و عمر سے محبت رکھتے ہیں گو ان کے سے عمل نہیں کرتے اسی محبت کے باعث خدا کی ذات سے توقع ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہی ہوں گے اور حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص خود تو نماز روزہ ادا نہیں کرتا مگر نمازیوں اور روزہ داروں سے محبت رکھتا ہے آپ نے فرمایا المرء مع من احب اور ایک شخص نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے کہا کہ یہ بات پہلے سے مشہور ہے کہ اگر آدمی سے ہو سکے تو عالم ہو عالم نہ ہو سکے تو متعلم ہو متعلم بھی نہ ہو سکے تو تو ان سے محبت ہی رکھے اور محبت بھی اگر نہ رکھ سکے تو بغض ہی نہ کرے آپ نے فرمایا سبحان اللہ خداوند کریم نے بڑی راہ نکال دی ہے اب تامل کرنا چاہئے کہ ابلیس نے بباعث حسد کس طرح محبت کے ثواب سے محروم رکھا اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ دوسرے کا بغض بھی دل میں ڈال کر اس کو نظروں میں برا کر دیا یہاں تک کہ گنہگار ٹھہرایا اور حاسد کے گناہ میں کیا شک ہے مثلاً اگر کسی عالم سے حسد کرے اور یہ چاہے کہ کسی طرح اس سے دین میں بھول ہو جائے اور اس کی چوک ظاہر ہو کر رسوا ہوئے یا بولنے میں بند ہو جائے یا بیمار پڑ کر درس و تدریس سے باز رہے تو اس سے بڑھ کر اور کون سا گناہ ہو گا ہاں اگر آدمی عالم کے درجہ کو نہ پہنچے اور اس وجہ سے غمگین ہو تو گناہ اور عذاب

---

[۱] وہ اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے ۱۲ بخاری و مسلم بالفاظ دیگر مختصراً ۱۲۔

اخروی سے محفوظ رہے گا حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے لوگ تین قسم کے ہیں[1] المحسن والمحب له والکاف عنه. یعنی تیسری قسم وہ لوگ ہیں کہ جو محسن سے ایذا دور کریں ایذا سے غرض ایذا جسمانی اور حسد اور بغض اور کراہت وغیرہ ہیں لیکن مثال مذکورۂ بالا میں شیطان نے حاسد کو تینوں قسموں میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا تو حاسد کے حسد نے تو دشمن پر بھی کچھ اثر نہ کیا مگر شیطان کی حسد اس کے نفس پر اثر کر گئی۔ یہاں تک کہ خواب یا بیداری میں حاسد کا حال اس پر منکشف ہو جائے یوں معلوم ہوگا کہ اپنے دشمن کی طرف تیر پھینک رہا ہے کہ اس کو قتل کرے لیکن اول تیر جو مارا اس کے نہ لگا بلکہ اس کی داہنی آنکھ میں لوٹ کر آ لگا پھر غصہ ہو کر دوسرا جو مارا وہ بھی اچٹ کر اس کی بائیں آنکھ میں لگا پھر اور جھنجھلا کر تیسرا تیر مارا اور وہ بھی ہٹ کر اسی کے سر میں آ لگا اسی طرح بار بار یہ اس کو تاک تاک کر مارتا ہے مگر ہر دفعہ اسی کے پھر کر لگتا ہے وہ بہرحال سالم و محفوظ رہتا ہے اور اس کے حرکات پر ہنستا ہے اور تالیاں بجاتا ہے تو محسود اور شیطان حاسد کا اسی طرح تمسخر کرتے ہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو حاسد کا حال تیر انداز کی نسبت زیادہ برا ہے کیونکہ تیر سے نقصان آنکھوں کا یا اعضاء ظاہری کا ہوتا ہے کہ اگر بالفرض اس وقت بچ جائے تو مرنے کے بعد فنا ہو جانے اور حاسد کے اوپر گناہوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کا رنج ساتھ رہے گا کیا عجب ہے کہ غضب خداوندی دوزخ میں پہنچا دیوے پس دنیا میں اندھا ہو کر رہنا اس بات سے بہتر ہے کہ آنکھوں کے ہوتے دوزخ میں جلئے اور ان کو آتش دوزخ دکھاوے اس بات کو خیال کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے حاسد سے کیا بدلہ لیا یہ یوں چاہتا ہے کہ دوسرے کے پاس سے نعمت جاتی رہے خدا نے اس کی تو نہ کھوئی اس کے پاس سے کھو دی یعنی گناہ سے بچا رہنا اور غم والم سے سلامت رہنا بڑی نعمت تھی حاسد کو ان سے محروم کر دیا چنانچہ خود فرماتا ہے[2] لا یحیق المکر السیئ الا باهله اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس بات کی تمنا دشمن کے لیئے کرتا ہے خود اس میں مبتلا ہو جاتا ہے بلکہ ایسا کم ہوتا ہے کہ جو دوسرے کی برائی چاہے خود اس میں مبتلا نہ ہو چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو چیز میں نے کبھی حضرت عثمان کے واسطے تمنا کی وہ مجھ پر پڑی یہاں تک کہ میں ان کے قتل کی تمنا کرتی تو خود مقتول ہوتی تو یہ حال صرف حسد کے گناہ کا ہے اس سے ان چیزوں کو خیال کرنا چاہیئے جو حسد کے باعث پیدا ہوتی ہیں یعنی اختلاف اور انکار حق اور دست و زبان کا فاحش پر چلنا اور دل کے پھپھولے پھوڑنے وغیرہ غرض کہ یہ وہ مرض ہے جس سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں یہاں تک کہ علاج علمی تھا پس جب آدمی ذہن صاف اور حضور قلب سے اس کو سوچے گا حسد کی آگ تو دل میں فرو ہو جائے گی اور جانے گا کہ یہ بلا میرے نفس کی مہلک ہے اور دشمنوں کی خوش کرنے والی اور پروردگار عالم کی ناخوش کرنے والی اور عیش مکدر کرنے والی ہے اب علاج عملی کو سننا چاہیئے کہ جس کام کو حسد مقتضی ہو اس کے خلاف عمل کرے خواہ قول یا فعل ہے مثلاً اگر حسد اس بات کو چاہے کہ محسود کی برائی بیان کیجیے تو زبان سے بزور اس کی مدح و ثنا کرے اور اگر حسد

---

[1] اول احسان کرنے والا دوم اس سے محبت کرنے والا ۔ سوم اس کی طرف سے روکنے والا یعنی مصائب کو ۱۲ اس کی سند نہیں ۱۲

[2] اور برائی کا داؤ الٹے گا اس کے داؤں پر ۱۲۔

کے مارے تکبر کے جی چاہے تو تکلف اس سے تواضع اور عذر پیش آئے اگر حسد مقتضی اس کے نہ دینے کی ہو تو جتنا پہلے دیتا تھا اس سے زیادہ دینے کی عادت کرے جب یہ باتیں کوشش اور اجتہاد سے کرے گا اور محسود کو معلوم ہو جائے گا تو وہ راضی ہو جائے گا اور محبت کرنے لگے گا اور جب اس کی طرف سے محبت ہو گی تو حاسد کو بھی خواہ نخواہ محبت پیدا ہو گی اور آپس کے اتفاق سے بالکل مادہ حسد کا منقطع ہو جائے گا اس لیئے تواضع اور مدح وثنا اور نعمت پر اظہار سرور سے نعمت والے کا دل کھنچ آتا ہے اور غلام بن جاتا ہے اور بمہربانی پیش آتا ہے اور ان کے عوض میں سلوک کرنا چاہتا ہے جب اس کی طرف سے سلوک ہوتا ہے تو دوسری طرف سے بھی انسان بندۂ احسان کا مضمون پیش ہو کر جو باتیں بتکلف سرزد ہوتی تھیں اب طبعًا ہونے لگتی ہیں اور اس باب میں شیطان حاسد کو یہ دھوکا دیتا ہے کہ اگر تو تواضع اور ثنا کرے گا تو محسود کی نظروں میں عاجز یا ذلیل یا خوف ناک یا منافق ٹھہرے گا تو آدمی کو چاہیئے کہ اس فریب میں نہ آئے بلکہ یوں جانے کہ خوش معاملگی خواہ تکلفًا ہو یا طبعًا عداوت طرفین کو فرو کر دیتی ہے اور حسد کے دانت کھٹے ہو جاتے ہیں دل الفت اور محبت کی طرف رجوع کرتا ہے اور رنج و عذاب حسد سے اور بغض کے دکھ سے راحت پاتا ہے یہ علاج حسد کا ہے اور نہایت مفید ہے اس لیئے کہ شدت سے تلخ ہے اور ع کہ دارو ئے تلخست دفع مرض۔ خود مشہور ہے پس جو شخص تلخی دوا پر صبر نہ کرے گا وہ شیرینی شفا بھی نہ چکھے گا اس دوا کی تلخی جبھی آسان معلوم ہوتی ہے جب آدمی ان باتوں کو سوچے جو اوپر مذکور ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کے حکموں پر بزور راضی رہے اور ثواب رضا کا طالب اور اپنے آپ کو وہی منظور ہو جو خدا کو منظور ہو اپنے نفس سے نکال دے کہ کوئی چیز میری مرضی کے خلاف نہ ہو کیونکہ اگر یہ بات دل میں جمی رہے گی تو گویا ان ہوت بات کا خواہاں ہو گا اس لیئے کہ اس امر کی طمع کرنی کہ سب کام میرے حسب مراد ہوں سراسر فضول ہے اور چونکہ مراد کا نہ ملنا بھی ایک طرح کی ذلت اور خست ہے اور اس ذلت سے بچاؤ کی صورت دو ہی طرح پر ہے یا تو سب کام مرضی کے موافق ہوں یا جو کچھ ہو جائے اس پر راضی ہو امر اول اپنے اختیار میں نہیں نہ تکلف اور مجاہدہ اس میں کارآمد اس لیئے دوسری بات مجاہدہ وریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے ہر ایک عاقل کو اس کا حاصل کرنا واجب ہے یہ علاج بطور اجمال بیان ہوا اور مفصل علاج جس سے اسباب حسد کی بیخکنی ہو یعنی کبر اور عزت نفس اور امور بیہودہ پر اصرار بیجا وغیرہ ان کی تفصیل اور ہر ایک سبب کا علاج انشاء اللہ اپنے اپنے موقع پر آئے گا کیونکہ اس مرض کا مادہ یہی اسباب ہیں اور روگ بدون قطع مواد کے نہیں جاتا پس جو شخص ان علاجوں کو دستور العمل بنائے گا تو اور کچھ نہیں تو اس قدر تو ضرور ہو گا کہ دل میں تسکین اور ٹھنڈک ہو جائے اور مواد کے رہتے ہوئے تسکین حاصل ہوتی باوجود سخت محنت کے بھی دشوار ہے مثلاً فرض کرو کہ کوئی شخص محبت جاہ رکھتا ہے جو اسباب حسد میں سے ہے تو ضرور اپنے حریف پر پر حسد کرے گا اور اس کی نسبت لوگوں کے دلوں میں زیادہ جگہ کرنی چاہے گا اور اگر وہ زیادہ تر مقبول ہو گا تو اس کو البتہ رنج ہو گا غایت یہ کہ اپنے ہاتھ و زبان سے اس غم کا اظہار نہ کرے اور پی جائے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ محبت جاہ بھی باقی ہو اور حسد نہ رہے۔

وہ مقدار حسد جس کا دور کرنا واجب و لازم ہے

جاننا چاہیئے کہ ایذا دہندہ کے اوپر آدمی کو طبعاً غصہ آتا ہے مثلاً اگر تم کو کوئی ایذا دے تو تم سے یہ نہ ہو سکے گا کہ تم اس سے بغض نہ رکھو یا اس پر کوئی نعمت آجائے تو برا نہ جانو اور نیکی و بدی میں اس کا حال اپنے نزدیک برابر سمجھو بلکہ دونوں حالوں میں ہمیشہ فرق معلوم ہوگا اور شیطان بھی علی الدوام حسد کی طرف کھینچتا رہے گا لیکن اگر اس کا جذبہ غالب پر آجائے گا حتی کہ ظہور حسد تمہارے قول و فعل اختیاری میں ہونے لگے تو تم حاسد اور گنہگار ٹھہرو گے اور اگر اپنے ظاہر کو بالکل ایسے امور سے روکے رکھو گے مگر باطن میں خواہاں اسباب کے ہو گے کہ نعمت اس کی جاتی رہے اور اس بات کو برا نہ جانتے ہو گے تب بھی حاسد اور عاصی ہو گے اس لیئے کہ حسد قلب کی صفت فعل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا اور فرمایا ودوالوتکفرون کما کفروا سواءً اور فرمایا ان تمسسکم حسنۃ تسوءھم۔ اور فعل جو حسد سے سرزد ہوتے ہیں مثلاً غیبت اور جھوٹ وغیرہ کے وہ عین حسد نہیں ہیں بلکہ محل حسد کا قلب ہی ہے اعضاء ظاہری اس کے محل نہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ اس قسم حسد میں جو اقوال و افعال ظاہری میں نہ آئے اور دل ہی میں رہے کوئی حق عبد نہیں ہے کہ اس کا معاف کرانا واجب ہو بلکہ خدا کے نزدیک گنہگار ٹھہرتا ہے اور معاف کرنا وہاں واجب ہوتا ہے جہاں اسباب کا ظہور اعضاء ظاہری پر ہو اب اگر باوجود اعضاء ظاہری کے روکنے کے اپنے نفس کی اس حالت کو بھی برا سمجھو کہ دوسرے کی نعمت کا زائل ہونا کیوں پسند کرتا ہے یہاں تک کہ گویا نفس پر اس وجہ سے غصہ کرو تو یہ برا سمجھنا عقل کی جانب سے ہوگا یعنی طبیعت کی طرف سے جو خواہش زوال نعمت پائی جائے گی اس کو برا جاننا عقل کی طرف سے ہوگا اس صورت میں تم پر واجب تھا کہ وہ کر گزرے مگر اس سے زیادہ اور کچھ اختیار میں نہیں ہوتا اور اس طرح پر طبیعت کا بدل دینا اس کے نزدیک موذی اور محسن ایک سے ہو جائیں اور خواہ اپنے خوش آئے یا مصیبت ٹوٹ پڑے اس کا یکساں حال رہے یہ امر طاقت طبعی سے باہر ہے بشرطیکہ آدمی دنیا کی لذات میں پھنسا رہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوبا رہے گا اور شراب عشق حقیقی سے متوالا بنے گا تو ایسا حال ہو جائے گا کہ بندوں کے جدا جدا احوال کی طرف توجہ نہ رہے گی سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھے گا یعنی سب پر نظر رحمت ہی کرے گا اور سب کو مخلوق خدا اور ان کے افعال کو افعال خدا سمجھے گا اور کل مخلوق کو حکم الٰہی کی مسخر جانے گا اور یہ حال اگر کسی کو میسر بھی ہوتا تو دائمی نہیں بجلی کی چمک کی طرح آناً فاناً گزر جاتا ہے پھر قلب اپنی طبعی حالت کی طرف آجاتا ہے اور دشمن جانی شیطان لعین پھر وہی وسوسہ ڈالنا شروع کرتا ہے پس اگر اس مردود کے مقابلہ میں بزور عقل اس کی بات کو برا جانے گا تو جو امر اس کے ذمہ واجب ہے اس کو ادا کر چکا اور بعضوں کا قول ہے کہ حسد کا ظہور اعضاء ظاہری میں نہ ہو تب تک نہیں ہوتا اس لیئے

ت[۱] اور نہیں پاتے اپنے دل میں غرض اس چیز سے جو اس کو ملا ۱۲ ت[۲]۔ جانتے ہیں کہ تم بڑے کافر ہو جیسے وہ ہوئے پھر سب برابر ہو جاؤ ت[۳] اگر تم کو ملے کچھ بھلائی بری لگے ان کو ۱۲۔

کہ حضرت حسن سے کسی نے حسد کو پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو پوشیدہ رکھنا چاہیئے اس سے کچھ ضرر نہیں ہونے کا جب تک کہ ظاہر نہ کروگے اور بعضوں نے اس روایت کو ان سے موقوف اور مرفوع بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا[ح۱] ثلاثة لا یخلوا منهن مومن وله منهن مخرج مخرجه من الحسد ان لا یبتغی مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے مراد وہی لی جائے جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں یعنی دین اور عقل کی جانب سے یہ مقابلہ محبت طبعی حسد باطنی کی برائی بھی دل میں ہو اور اسی برائی کی جہت سے نفی اور ایذا سے باز رہے کیونکہ جتنی حدیثیں کہ حسد کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں بہ ظاہر اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سب قسم کے حاسد گنہگار ہیں علاوہ اس کے حسد صفت قلب کا نام ہے نہ افعال کا اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو مسلمان کی برائی چاہے وہ بالضرور حاسد ہے خلاصہ یہ کہ اگر آدمی صرف دل سے حسد کرے اور ظاہر میں اس کا اثر نہ ہو تو اس طرح کے حسد کے گناہ ہونے میں اختلاف ہے الا ظاہر آیات و احادیث سے وہی معلوم ہوتا ہے جو ہم لکھ چکے ہیں اور معنوں کی جہت سے بھی کچھ ایسا ہی سمجھا جاتا ہے اس لیئے کہ بہت بعید معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے مسلمان کی برائی کا دل سے خواہاں ہو اور اس خواہش کو برائی نہ جانے اور پھر معاف کر دیا جائے اور اس بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ آدمی کو دشمن کے ساتھ تین حال ہوتے ایک تو یہ کہ بحسب مقتضائے طبع اس کی برائی چاہے مگر اس برائی چاہنے کو عقل سے برا سمجھے اور اپنے نفس پر غصہ کرے اور اس بات کا کوئی بہانہ ڈھونڈے جس سے یہ خواہش دل سے جاتی رہے تو یہ قسم حسد کی قطعاً معاف ہے، اس لیئے کہ آدمی کے اختیار میں اس سے زیادہ کچھ نہیں دوسرے یہ کہ دل میں اس کی نعمت کے زائل ہونے کی محبت ہو اور اس کی برائی سے خوشی ظاہر کرے خواہ زبان سے یا اور اعضاء سے تو یہ حسد یقیناً ممنوع ہے تیسرے یہ کہ حسد صرف دل سے کرے اور اس کو برا نہ سمجھے اور نہ اپنے نفس پر اس وجہ غصہ کرے مگر الا اعضاء ظاہری پر حسد کا ظہور کچھ نہ ہو اور مقتضائے حسد سے کوئی فعل اختیاری نہ کرے تو اس قسم میں اختلاف ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس قسم میں بقدر قوت وضعف محبت زوال نعمت کے گناہ ہوگا۔

چھٹا باب: دُنیا کی مذمت

رباعی سے حمد و ثنا کا بحر واسع مشہور — اس ورطہ سے ہو پار کوئی کیا مقدور۔

احسن ہے کہ ہیں اس کے نہ ہو کر درپے — دنیا کی برائیاں کروں کچھ مذکور۔

واضح ہو کہ دنیا اللہ کی اور اس کے دوستوں اور دشمنوں کی سب کی دشمن ہے اللہ کی دشمن اس وجہ سے کہ اللہ کے

ح۱۔ تین باتیں ایسی ہیں کہ مومن ان سے خالی نہیں ہوتا لیکن اس کے لیئے اس کی نکال کی صورت ہے پس حسد سے نکلنے کی صورت یہ ہے کہ حسد سے تجاوز نہ کرے ۲ اوپر گزری۔

بندوں کو اس کا راستہ نہیں چلنے دیتی رہزنی کرتی ہے اسی جہت سے جب سے اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے اس کی طرف سے نظر کرامت سے نہیں دیکھا اور دوستان خدا کی اس وجہ سے دشمن ہے کہ ان کے سامنے بڑے تزک اور آرائش سے بن بن کر آتی ہے اور اپنے پھلاوے دکھلاتی ہے کہ کسی طرح شیفتہ ہو جائیں ان کو ایسے علیحدہ کرنے میں بہت سا صبر کرنا پڑتا ہے اور دشمنان خدا کی اسی لئے دشمن ہے کہ اس نے اپنے مکر و فریب سے ان کو بتدریج پھنسالیا یہاں تک کہ وہ اس پر اعتماد کر بیٹھے لیکن پھر وہ ان کو ایسا محتاج کرے گی کہ بجز حسرت و ندامت کے کچھ ساتھ نہ لے جائیں اور لبدالآباد کی سعادت سے محروم رہیں گے دنیا کی جدائی سے جدا داغ بدل ہوں گے اور اخروی مصائب میں جدا پا در گل اگر فریاد کریں گے تو یہ جواب سنیں گے اخسئوا فیھا ولا تکلمون اور اس آیت کے مصداق بنیں گے۔ اولئک الذین اشتروا الحیٰوۃ الدنیا بالآخرۃ فلا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینصرون۔ جب دنیا کی آفات و شرور کا یہ حال ہے تو اولا اس کی حقیقت اور ماہیت کا پہچاننا بہت ضروری ہے اور یہ کہ باوجود عداوت کے اس کے پیدا ہونے میں کیا حکمت ہے اور اس کے فریب اور شرور کے راستوں کو بھی معلوم کرنا لابدی ہے اسی لیئے کہ جو بدی کو جانتا ہی نہیں اس سے کس طرح بچے گا بلکہ تعجب نہیں کہ اس میں مبتلا ہو جائے اسی لیئے ہم دنیا کی مذمت اور مثالیں اور حقیقت اور اس کے معنوں کی تفصیل اور اس کے کاموں کی اقسام ذکر کرتے ہیں اور نیز جس وجہ سے حاجت ان کی طرف ہوتی ہے اور جس باعث سے کہ لوگ اس سے فضول میں مشغول ہو کر خدا سے پھر جاتے ہیں اس کو بھی لکھیں گے۔

۱- دنیا کی مذمت کا پہلا بیان

کلام مجید میں آیات مذمت دنیا کی بہت ہیں اور اکثر جا لوگوں کو اس طرف سے اعراض کرنے اور آخرت کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بھیجنے سے بھی صرف یہی مقصود ہے اس لحاظ سے کلام اللہ سے اس کی سند لانے کی ضرورت نہیں صرف چند احادیث جو اسباب میں وارد ہیں ان کو لکھے دیتے ہیں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردار بکری پر گزرے اور اصحاب سے یہ فرمایا کہ بکری اپنے مالک کے نزدیک ذلیل ہے یا نہیں انہوں نے فرمایا اگر ذلیل نہ ہوتی تو یہاں کیوں ڈال دیتے آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس بکری سے بھی زیادہ ذلیل ہے اور اگر دنیا خدا کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی اچھی ہوتی کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ ملتا اور دوسری حدیث میں فرمایا[۲] الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر اور فرمایا الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیھا الا ما کان اللہ منھا۔ اور حضرت ابو موسیٰ الشعری سے یہ حدیث مروی ہے من احب دنیاہ

ح[۱] ابن ماجہ و حاکم بروایت سہیل بن سعد و مسلم نحوہ۔ ح[۲] دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ۱۲ مسلم بروایت ابو ہریرہ رض۔ ح[۳] دنیا ملعون ہے اور جو اس میں چیزیں ہیں وہ بھی ملعون ہیں بجز ان اشیاء کے جو خدا کے واسطے ہوں ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہ رض ۔ ۱۲

اضر باٰخرتہ ومن احب اٰخرتہ اضر بدنیاہ فاثروا ما یبقیٰ علی ما یفنی[۱] اور فرمایا حب الدنیا راس کل خطیئۃ[۲]۔ اور زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو بکر کے ساتھ تھے کہ انہوں نے پانی مانگا لوگ پانی شہد میں ملا ہوا لے آئے جب آپ نے منہ لگایا خوب روئے یہاں تک کہ سب ساتھی بھی رونے لگے اور رو کر چپ ہو گئے مگر حضرت صدیق چپ نہ ہوئے اور برابر روتے رہے حتیٰ کہ لوگوں نے جانا کہ ہم سبب گریہ بھی نہ پوچھ سکیں گے پھر آپ نے اپنی آنکھیں پونچھ ڈالیں لوگوں نے عرض کیا کہ اے نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس سبب سے روئے تھے آپ نے فرمایا میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا میں نے دیکھا کہ آپ کسی سے فرماتے ہیں کہ میرے پاس سے دور ہو حالانکہ وہاں کوئی نہ تھا میں نے عرض کیا آپ کس کو دور کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس وقت دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی میں نے اس کو کہا کہ مجھ سے علیحدہ رہ پھر وہ آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ اگر آپ مجھ سے بچے رہیں گے تو آپ کے بعد کے لوگ تو نہیں بچیں گے اور ایک حدیث میں ہے کہ یا عجبا کل العجب لمصدق بدار الخلود وھو یسعی لدار الغرور[۳] اور ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو ارشاد فرمایا کہ آؤ دنیا دیکھو اور اس گھوڑے پر سے ایک سڑا ہوا کپڑا اور گلی ہوئی ہڈیاں لے کر فرمایا کہ ھذا الدنیا[۴]۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ زینت دنیا بھی ان کپڑوں کی طرح جلد کہنہ ہو جائے گی اور جو جسم دنیا میں پرورش پاتے ہیں وہ ان ہڈیوں کی طرح سڑ گل جائیں گے اور حدیث میں فرمایا کہ ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعملون ان بنی اسرائیل لما بسطت لھم الدنیا ومھدت تاھوا فی الحلیۃ والنساء والطیب والثیاب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ دنیا کو اپنا مالک مت بناؤ وہ تم کو اپنا غلام بنا لے گی اور اپنا خزانہ ایسے کے پاس جمع کرو جو تلف نہ کرے یعنی دنیا میں خزانہ والے پر آفت کا خوف رہتا ہے جس کا خزانہ خدا کے پاس ہو گا اس کو کچھ آفت کا خوف نہیں اور یہ بھی انہیں کا ارشاد ہے کہ اے گروہ حواریین میں نے تمہارے لیئے دنیا کو اوندھے منہ کر دیا ہے ایسا نہ ہو کہ میرے بعد تم اس کو اٹھا کر کھڑا کر دو دنیا کی خباثت میں سے ہے کہ آدمی کے لیئے خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور جب تک یہ نہیں چھوٹتی آخرت نہیں ملتی تو دنیا کو گزرگاہ سمجھو اور مسافروں کی طرح اس پر سے گزر جاؤ عمارت وغیرہ نہ بناؤ اور جان رکھو کہ سب

---

[۱] جو اپنی دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو ضرر پہنچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت کرتا ہے وہ دنیا کا ضرر کرتا ہے پس اختیار کرو باقی چیز کو فانی چیز پر ۱۲ [۲] دنیا کی محبت ہر ایک خطا کی جڑ ہے ابن ابی الدنیا و بیہقی در شعب بروایت حسن مرسلاً ۱۲ [۳] بزار بہ سند ضعیف وحاکم بیہقی [۳] بڑا تعجب ہے اور باقی کے پیچھے کہنے پر کہ حالانکہ وہ دنیا کے لیئے سعی کرتا ہے ابن ابی الدنیا بروایت ابی جعفر مرسلاً اور یہ ابن جعفر جو تحقیق ہے [۵] ابن ابی الدنیا و بیہقی بروایت میمون طی اور اس سند میں بقیہ بن الوحید مرسل ہے [۴] یہ دنیا ہے ۱۲ [۷] دنیا میٹھی اور سبز ہے اور اللہ تم کو اس میں خلیفہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے تم کیسے عمل کرو گے بنی اسرائیل کے لیئے جب دنیا زیادہ ہوئی اور خوب اس کا پھیلاؤ ہوا تو زیور اور عورتوں اور خوشبودار کپڑوں میں حیران ہو گئے ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ نے بروایت ابو سعید تعملون تک نقل کیا ہے اور ساری حدیث کو ابن ابی الدنیا نے بروایت حسن مرسلاً نقل کیا ہے۔ ۱۲

برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک گھڑی کی خواہش نفس بہت دنوں کے رنج کا موجب ہوتی ہے اور یہ بھی انہیں کے ارشادات میں سے ہے کہ تمہارے لیئے دنیا اوندھے منہ پڑی ہے اور تم اس کی پشت پر بیٹھے ہو تو چاہیئے کہ دنیا کے باب میں بادشاہ اور عورتیں تمہارا مقابلہ نہ کریں یعنی بادشاہوں سے دنیا کے لیئے مت جھگڑو کیونکہ جب تم ان سے اور ان کی دنیا سے غرض نہ رکھو گے وہ تمہارے درپے نہ ہوں گے اور عورتوں سے بچاؤ کی صورت نماز روزہ سے ہے اور یہ بھی فرمایا کہ دنیا بعضوں کی خود طالب ہے اور بعضے اس کے طالب ہیں پس جو لوگ طالب آخرت ہیں ان کی تو دنیا زندگی بھر طالب ہے اور جو طالب دنیا ہیں ان کو آخرت بلاتی رہتی ہے یہاں تک کہ موت آکر گردن پر سوار ہو جاتی ہے اور حضرت موسیٰ بن یسار سے یہ حدیث مروی ہے کہ ان اللّٰہ جل وثناءك ماخلق خلقا ابغض الیه من الدنیا وانه منذ خلقها لم ینظر الیها اور روایت ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام ایک بنی اسرائیل کے عابد کے پاس تشریف لے گئے لشکر آپ کے ہمرکاب تھا داہنے اور بائیں جن اور آدمی پرے باندھے تھے اور جانور اوپر سے سایہ کئے تھے عابد نے عرض کیا کہ اے ابن داؤد خداوند کریم نے تم کو بڑی سلطنت عنایت فرمائی آپ نے سن کر فرمایا کہ مومن کے نامہ اعمال میں ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا اس تمام کروفر سے بہتر ہے کیونکہ یہ جو کچھ ملا ہے سب فانی چیز ہے اور اللہ کا ذکر ساتھ رہنے والا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند جل وعلا ارشاد فرماتا ہے الهٰكم التكاثر اس سے یہ غرض ہے کہ آدمی کہا کرتا ہے کہ یہ میرا ہے یہ میرا ہے حالانکہ اس کا اتنی قدر ہے جو کھانے میں کھو دیا یا پہن کر اڑا دیا یا خیرات دے کر جمع کیا اور فرمایا الدنیا دار من لادار له ومال من لامال له ولها یجمع من لاعقل له وعلیها یعادی من لاعلم له ولها یحسد من لافقه له ولها یسعی من لایقین له۔ اور فرمایا من اصبح والدنیا اکبر همه فلیس من اللّٰه فی شیٔ والزم اللّٰه قلبه اربع خصال هما لایقطع عنه ابدا وشغلا لایتفرغ منه ابدا وفقرا لایبلغ غناه ابدا واملا لایبلغ منتهاه ابدا۔

---

[1] اللہ جل شانہ کے کوئی مخلوق زیادہ بری دنیا سے اپنے نزدیک نہیں پیدا کی اور اس نے اس کو جب سے پیدا کیا ہے اس کی طرف بنظر کرامت نہیں دیکھا ۱۲ ابن ابی الدنیا بیہقی در شعب مرسلاً۔ [2] مسلم بروایت عبداللہ بن الشخیر ۱۲ ف [3] غضب میں نے رکھا تم کو بہتایت کی حرص نے ۱۲ [4] دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کے پاس مال نہ ہو اور اس کو وہ جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو اور اس پر وہ عداوت کرتا ہے جس کو علم نہ ہو اور اس پر وہ حسد کرتا ہے جس کو سمجھ نہ ہو اور اسی کے لیئے وہ کوشش کرتا ہے جس کو یقین نہ ہو ۱۲ احمد نے بروایت عائشہ لاعقل لہ نقل کیا ہے اور مال من لامال لہ اس میں نہیں ہے اور بیہقی نے یہ جملہ بھی زیادت کیا ہے۔ [5] جس شخص کا یہ حال ہو جائے کہ دنیا ہی اسے زیادہ تر مقصود ہو تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے کسی چیز میں بھی نہیں اور خدا تعالیٰ اس کے دل کو چار عادتیں لازم کر دیتا ہے ایک فکر تردد کہ جس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتا دوم شغل کہ اس سے کبھی چھٹی نہیں ملتی سوم فقر کہ کبھی تونگری کو نہیں پہنچتا یعنی دنیا دار ہمیشہ ایک نہ ایک حاجت ضرور رکھتا ہے چہارم آرزو کہ کبھی اس کی انتہا کو نہیں پہنچتا ۱۲ طبرانی در اوسط بروایت ابوذر فی شیٔ تک نقل کیا ہے اور پچھلے ٹکڑے کو اکیلے ابو منصور نے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے [6] اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ [7] عمارت بناؤ واسطے ویران ہونے کے اور بچے جنو واسطے فنا ہونے کے ۱۲

اور حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ میں تجھ کو دنیا و مافیہا دکھاؤں میں نے عرض کیا کہ بہت بہتر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مدینہ مطہرہ کے ایک جنگل میں تشریف لائے وہاں ایک جگہ کھوپڑیاں اور پاخانہ و ہڈیاں چیتھڑے پڑے تھے آپ نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ یہ کھوپڑیاں ایسے ہی چاؤ کیا کرتی تھیں جیسے تم کرتے ہو اور ایسے ہی اہل یعنی آرزوئیں کیا کرتی تھیں جیسے تم کرتے ہو آج ایسی ہوگئیں کہ ان پر چمڑا بھی باقی نہیں اب چند روز میں راکھ ہوجائیں گی اور پاخانہ جو دیکھتے ہو یہ ان کی غذا تھی نہ معلوم کہاں کہاں سے کماکر کھایا تھا آج ویسا ہوگیا کہ تم کو اس سے نفرت ہے اور یہ چیتھڑے ان کی پوشاک کے ہیں کہ ہوا سے مارے مارے پھرتے ہیں اور یہ نلیاں ان کے چوپایوں کی ہیں جن پر چڑھ کر شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے پس یہ انجام جب اس دارناپائیدار کا ہے تو مقام عبرت و گریہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب تک وہاں سے نہ ٹلے سے

گذر ناگاہ جب میرا ہوا شہر خموشاں میں — عجب نقشہ نظر آیا وہاں شاہان عالم کا
کہیں آئینہ زانوئے سکندر کا شکستہ تھا — کہیں ٹوٹا پڑا تھا کاسۂ سر خاک میں جم کا

اور روایت ہے کہ جب اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو ان کو ارشاد فرمایا کہ ابن للخراب ولد للفناء اور حضرت داؤد بن ہلال فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں مرقوم ہے کہ اے دنیا تو صلحا کے نزدیک بڑی ذلیل ہے جن کے لیئے تو بن سنور کر سامنے ہوتی ہے میں نے ان کے دلوں میں تیرا بغض ڈال دیا ہے اور تیری طرف اعراض کوئی خلقت میں نے تجھ سے زیادہ ذلیل نہیں بنائی تیری ہر ایک حالت ذلیل ہے اور آخر کو فنا ہو گی اور جس روز میں نے تجھ کو پیدا کیا اسی روز حکم کر چکا ہوں کہ تو کبھی اس کے پاس نہ رہے گی نہ کوئی تیرے پاس رہے گا تو کیسا ہی بخل و امساک کرے خوشا حال ان نیک لوگوں کا جن کے دل میں رضا اور ضمیر میں راستی و استقامت ہو ان کا عوض اور ثواب میرے پاس یہ ہو گا کہ جب قبروں سے اٹھ کر میری طرف چلیں گے تو آگے آگے نور ہو گا اور فرشتے گرد ہوں گے جس قدر رحمت کی وہ مجھ سے توقع کرتے ہوں گے اسی قدر ان کو عطا کروں گا اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کو جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جب سے ادھر میں ہے اس کی طرف نگاہ نہیں فرماتا قیامت کے روز عرض کرے گی کہ الٰہی آج اپنے کسی ادنیٰ ولی کے لیئے مجھ میں سے حصہ عنایت فرما ارشاد فرمایا ہو گا کہ ادنیٰ چیز چپ رہ دنیا میں تو میں نے تجھ کو ان کے لیئے پسند ہی نہیں فرمایا کہ آج پسند کروں گا کہ تو ان کے پاس ہو اور حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب انہوں نے اس درخت میں سے کھایا تو ان کے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہوا اور یہ بات جنت کی دوسری غذاؤں میں نہ تھی کہ کھانے سے حاجت پاخانہ ہو صرف اسی درخت میں یہ تاثیر رکھی گئی تھی اور اسی وجہ سے ممانعت بھی ہوئی تھی غرضکہ قضا حاجت کے لیئے گھومنا شروع کیا ایک فرشتہ کو حکم خداوندی ہوا کہ ان سے پوچھو کہ کیا چاہتے ہو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یہ منظور ہے کہ میرے پیٹ میں جو بلا ہے اس کو کہیں ڈال دوں فرشتے نے بموجب ایماء ربانی کہا کہ یہاں کون سی جگہ اس قابل ہے فرش اور تخت اور نہریں اور درختوں کے سایہ ہیں ان میں سے کوئی جگہ اس

قابل نہیں اس کے لئے دنیا میں جاؤ اور ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ ان کے عمل وادی تہامہ کے پہاڑوں جیسے ہوں گے ان کے لئے حکم ہو گا کہ دوزخ میں لے جاؤ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ لوگ نمازی ہوں گے آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہوں گے روزہ بھی رکھتے ہوں گے اور کچھ رات جاگتے بھی ہوں گے مگر الا ان میں یہ بات ہو گی کہ جب دنیا کی چیز ان کے سامنے ہوتی تھی اس پر کود پڑتے تھے اور بعض خطبوں میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ المؤمن بین مخافتین بین اجل قد مضی لا یدری ما اللہ صانع فیہ وبین اجل قد بقی لا یدری ما اللہ قاض بہ فلیتزود العبد من نفسہ لنفسہ ومن دنیاہ للآخرۃ ومن حیاتہ لموتہ ومن شبابہ لھرمہ فان الدنیا خلقت لکم وانتم خلقتم للآخرۃ والذی نفسی بیدہ لیس بعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنیا من دار الا الجنۃ او النار۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن کے دل میں دنیا و آخرت دونوں کی محبت جمع نہیں ہوتی جیسا کہ ایک برتن میں آگ پانی نہیں رہ سکتے اور روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی عمر سب انبیاء سے زیادہ ہوئی آپ نے دنیا کو کیسا پایا آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک مکان کے دروازے ہیں ایک میں سے میں اندر گیا اور دوسرے سے نکل آیا سچ ہے ؎

دنیا خوابیست زندگانی در وے   خوابیست کہ در خواب بہ بینی آنرا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں لوگوں نے عرض کیا آپ کوئی مکان بنوا لیجئے آپ نے فرمایا کہ ہم کو پہلے ہی لوگوں کے کھنڈر کافی ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں احذروا الدنیا فانہا اسحر من ھاروت وماروت۔ اور حضرت حسن سے مروی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں تشریف لا کر فرمانے لگے کہ کسی کو تم میں یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بینا کر دے اور اندھا پن جاتا رہے جان رکھو کہ جس شخص

---

۱ اس حدیث میں سے کسی قدر موسیٰ بن یسار کی حدیث میں اوپر گذرا اور باقی کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲ ۲ ابو نعیم در حلیہ بروایت سالم مولیٰ حذیفہ و ابو منصور بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ ۳ مومن درمیان دو خوفوں کے ہے درمیان مدت کے جو گذر گئی نہیں جانتا کہ اللہ اس کے ساتھ اس میں کیا کرے گا اور مدت کے جو باقی ہے نہیں معلوم خدا تعالیٰ اس میں کیا حکم فرمائے گا پس بندہ کو چاہیئے کہ اپنے نفس کے لئے توشہ اپنے نفس سے لے اور دنیا سے آخرت کے لئے اور زندگی سے موت کے لئے اور جوانی سے بڑھاپے کے لئے سامان کرے کیونکہ دنیا تمہارے لئے پیدا ہوئی ہے اور تم آخرت کے لئے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ بعد موت کے کوئی طلب عفو کی جگہ نہیں۔ اور نہ بعد دنیا کے کوئی گھر سوائے جنت کے یا دوزخ کے بیہقی در شعب بروایت حسن عن رجل الاصحاب اور اس کی سند میں انقطاع ہے ۱۲۔ ۴ دنیا سے ڈرو کہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادو گر ہے ۱۲ ابن ابی الدنیا و بیہقی در شعب بروایت ابو درداءؓ مرسلاً اور نیز ابو درداء منکر ہے ۵ ابن ابی الدنیا مرسلاً۔

کی رغبت دنیا کی طرف ہو گی اور اس میں طول امل کرے گا تو اسی قدر اللہ تعالیٰ اس کو اندھا کرے گا اور جو کوئی اپنے اعمال بھی مختصر رکھے گا اور دنیا میں زہد کرے گا تو خداوند کریم اس کو بے سیکھے علم دے گا اور اور بے کسی کے بتلائے ہدایت کرے گا اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارے بعد عنقریب ایسے لوگ ہوں گے کہ ان کے پاس سلطنت بدون ظلم وکشت خون نہ رہے گی نہ تونگری بدون فخر اور بخل کے نہ محبت بدون غرض کے پس جو شخص تم میں سے وہ وقت پائے گا اور باوجود قدرت تونگری کے فقر پر صبر کرے اور دشمنی اور ذلت کو باوجود قدرت محبت وعزت کے برداشت کرے اور صبر وتحمل سے بجز رضائے مولیٰ اور کچھ مطلب نہ ہو تو ایسے شخص کو خدا تعالیٰ پچاس صدیقوں کا ثواب عنایت فرمائے گا اور روایت ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر شدت سے مینہ پڑا اور بادل بھی زیادہ گرجا آپ نے چاہا کہ کسی جگہ پناہ لیا چاہئے کہ دور سے ایک خیمہ نظر آیا آپ اس کے پاس آئے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی عورت ہے اس کو دیکھ کر وہاں سے دوسری طرف پھرے ایک پہاڑ کے درہ میں جانے کا قصد کیا دیکھا تو اس میں شیر ہے آپ نے اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ الٰہی سب کا تو نے ٹھکانا بنایا ہے میرے لیئے کوئی ٹھکانا نہیں بنایا حکم ہوا تیرا ٹھکانا میری رحمت میں ہے قیامت کو تیرا بیاہ سو حوروں سے کروں گا جن کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور چار ہزار برس تک تیرے ولیمہ کی دعوت کھلاؤں گا جن میں سے ایک دن دنیا کی عمر کے برابر ہو گا اور ایک منادی کو حکم کروں گا پکارے کہ جتنے دنیا کے زاہد ہیں چلو عیسیٰ بن مریم تارک الدنیا کے ولیمہ میں شامل ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا والے کے حال پر بڑا افسوس ہے کہ ایسے اس کے فریب میں آکر مرجاتا ہے اور اس کو چھوڑ جاتا ہے دنیا تو اس کی رسوائی کرتی ہے اور وہ اس پر اعتبار کرتا ہے اور بے خوف رہتا ہے اور بڑی حسرت ان پر ہے جو دھوکا کھا کر جس چیز کو برا جانتے ہیں وہی اس کے سامنے آتی ہے اور اپنی محبوب چیزوں سے جدا ہو جاتے ہیں اور جو کچھ ان سے وعدہ ہوا کرتا تھا وہ اس وقت آپہنچتا ہے اور افسوس ہے اس پر جو دنیا کو مدنظر رکھے اور خطاؤں کو دستور العمل بنائے کل کو گناہوں کی فضیحت ورسوائی کا سامنا ہوگا اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ تیرا ان ظالموں کے گھر میں کیا کام ہے یہ تیرا گھر نہیں اپنی ہمت سے اس کو علیحدہ کر اور اپنی عقل سے اس سے جدا ہو یہ برا گھر ہے ہاں جو شخص اس میں اچھے کام کرے اس کے لیئے یہ اچھا گھر ہے اے موسیٰ میں ظالم کی تاک میں لگا ہوں یہاں تک کہ اس سے مظلوم کا عوض لوں اور روایت ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو آنحضرت صلی اللہ وسلم نے بحرین میں بھیجا تھا وہاں سے جب آپ پھرے تو کچھ مال لائے انصار نے جو ان کی تشریف آوری کا حال سنا سب کے سب نماز صبح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک ہوئے اور جب

ح ابن ابی الدنیا نے اسی طرح مرسلاً نقل کیا ہے اور اس کی سند میں ابراہیم بن اشعب ہے ابو حاتم نے اس میں کلام کیا ہے ح بخاری ومسلم نے بروایت عمرو بن عوف بدری اس کو نقل کیا ہے ۱۲۔

آپ نماز پڑھ چکے اور ارادہ تشریف لے جانے کا کیا تو سب روک کر کھڑے ہوگئے آپ نے ان کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے یہ سنا ہوگا کہ ابو عبیدہ کچھ لائے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ مژدہ ہو تم کو خدا نے تم سے تکلیف دفع کی بخدا کر میں اس بات سے نہیں خوف کرتا ہوں کہ تم محتاج ہو جاؤ گے البتہ اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں تم پر دنیا کی زیادتی ایسی نہ ہو جائے جیسی تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی تھی تو انہیں لوگوں کی رغبت تم میں بھی ہو جائے پھر دنیا تم کو بھی انہیں کی طرح تباہ کر دے اور حضرت ابو سعیدؓ خدری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اکثر ما اخاف علیکم ما یخرج اللہ لکم من برکات الارض[1]۔ لوگوں نے عرض کیا کہ برکات الارض سے کیا غرض ہے آپ نے فرمایا زہرۃ الدنیا[2] اور ایک حدیث میں فرمایا۔ لاتشغلوا قلوبکم بذکر الدنیا[3]۔ یہاں مقام تامل ہے آپ نے ذکر سے منع فرمایا اس کا حاصل کرنا تو درکنار اور عمار بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گذر ایک گاؤں پر ہوا جس کے رہنے والے صحن اور راستوں میں مرے پڑے تھے آپ نے حوارین سے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ غضب الٰہی سے ہلاک ہوئے ہیں ورنہ ایک دوسرے کو دفن کرتے انہوں نے عرض کیا کہ کسی طرح ان کا حال ہم کو معلوم ہو جاتا تو خوب ہوتا آپ نے جناب باری میں عرض کیا ارشاد ہوا کہ رات کے وقت ان کو پکارنا تو جواب دیں گے جب رات ہوگئی آپ نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر پکارا کہ گاؤں والو۔ وہاں سے کسی نے جواب دیا کہ کیا ارشاد ہے اے روح اللہ آپ نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے اس نے جواب دیا کہ شام کو اچھی طرح سوئے تھے صبح کو دوزخ میں جا پڑے آپ نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا اس نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو محبت دنیا تھی اور گنہگاروں کی فرمانبرداری کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ دنیا کو کتنا چاہتے تھے اس نے عرض کیا کہ جتنا لڑکا اپنی ماں کو چاہتا ہے کہ جب سامنے آئی خوش ہوا اور جب چلی گئی تو رنجیدہ ہو کر رونے لگا آپ نے فرمایا کہ تیرے ساتھی جواب کیوں نہیں دیتے عرض کیا کہ اس لئے کہ ان کے منہ میں آگ کی لگام ہے اور ان کی باگیں فرشتے کڑے تیز مزاج لئے ہوئے ہیں آپ نے پوچھا کہ ان میں سے تو کس طرح بولتا ہے اس نے عرض کیا کہ میں ان میں تو نہ تھا لیکن چونکہ ان کے ساتھ رہتا تھا عذاب نے مجھ کو بھی نہ چھوڑا اب میں دوزخ کے کنارے پر لٹکا ہوا ہوں یہ نہیں جانتا کہ اس سے بچوں گا یا اس میں دھکیلا جاؤں گا آپ نے حوارین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو کی روٹی موٹی نمک سے کھانی اور ٹاٹ پہننا اور گھورے پر سو رہنا بہت ہے اگر دنیا و آخرت میں تندرستی ملے اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ کی اونٹنی غضباء بڑی تیز تھی کہ کوئی سانڈنی اس سے آگے نہ بڑھتی ایک اعرابی اپنی ایک اونٹنی لایا وہ اس سے آگے نکل گئی مسلمانوں کو یہ امر نہایت ناگوار گذرا آپ نے فرمایا کہ انہ علی اللہ ان لا یرفع شیئًا

---

[1] زیادہ تر اس چیز کا کہ میں خوف کرتا ہوں تم پر وہ چیز ہے کہ نکالے گا اللہ تمہارے لیئے برکات زمین سے بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے [2] تازگی اور خوبی دنیا کی ۱۲ [3] اپنے دلوں کو دنیا کے ذکر سے مشغول نہ کرو ۱۲۔ بیہقی در شعب بروایت محمد بن نصر حاذمی مرسلًا ۱۲۔

مِنَ الدُّنیا اِلاَّ وَضَعَہ[۱] اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ کوئی سمندر کی موج پر عمارت نہیں بنا سکتا
موج سمندر غرض دنیا ہے اسی لئے اس کو اپنی قرار گاہ نہ سمجھو اور بعض نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ
ہم کو ایک ہی بات بتلا دیجئے جس سے خدا سے محبت کرنے لگیں آپ نے فرمایا کہ دنیا سے بغض کرو خدا تم سے
محبت کرے گا اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[۲] لو تعلمون
ما اعلم لضحکتم قلیلاً و لبکیتم کثیرا و لھانت علیکم الدنیا و لآثرتم الاٰخرۃ اور یہ
خود ان کا قول ہے کہ میں جانتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو تو تم خاک کے تودوں پر نکل نکل کر اپنے لئے روؤ اور اپنا
مال ایسی طرح چھوڑ دو کہ کوئی اس کا لحاظ نہ ہو اور نہ کوئی اس کا پرساں ہو صرف اس قدر کہ داخل ضرورت ہے
البتہ پوچھا جائے مگر تمہارے دلوں سے آخرت کی یاد جاتی رہی اور اس سے پر ہو گئے اسی لئے دنیا تمہارے
اعمال پر چھا گئی اور تم جاہلوں کی طرح ہو گئے بعض تم میں سے بہائم سے بھی برے ہو گئے کہ عاقبت سے خوف
سے اپنی تمنا نہیں چھوڑتے تم کو کیا ہوا ہے کہ آپس میں محبت و نصیحت نہیں کرتے دین کے بھائی کہلاتے ہو تمہارے
خبث باطن کی جہت سے سب کی آرزوئیں جدا جدا ہیں اگر اچھی بات پر اتفاق کر لیتے تو یقیناً ایک دوسرے
سے محبت بھی کرتے یہ کیا بات ہے یہ کیا بات ہے دنیا کے امور میں تو ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے ہو آخرت
میں اس کی باتیں نہیں کرتے کسی سے خیر خواہی اپنے دوست کی نہیں ہو سکتی نہ امر آخرت میں اس کی اعانت
بن آئے یہ باتیں ضعف ایمان کی باعث ہیں اگر آخرت کے خیر و شر کو یقینی جانتے جیسے دنیا کی برائی بھلائی
سمجھتے ہو تو آخرت ہی کی طلب کو اختیار کر لیتے کہ اس سے سب کام بنتے ہیں اگر یوں کہو کہ آخرت غائب
ہے اور دنیا موجود اس لئے نقد سر دست کی محبت غالب ہے تو یہ وجہ بھی ہیچ ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا
میں جو باتیں تمہارے سامنے نہیں ہیں ان کے لئے صدہا طرح کی مصیبتیں اٹھاتے ہو اور رنج اور دکھ سہتے ہو.
اور بیسوں طرح کے حرفے اس کے حصول کے لئے کرتے ہو اور جس واسطے کرتے ہو وہ امر موہوم ہی ہوتا ہے
شاید اس محنت سے بھی میسر نہ ہو واقع میں دیکھو کہ تم اچھے نہیں ہو جس چیز سے کہ تمہارے ایمان کا ما من معلوم
ہو جائے اس پر تمہارا اعتقاد ٹھیک نہیں پس اگر تم کو جو باتیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں ان میں
شک ہو تو ہمارے پاس آؤ ہم بیان کریں اور نور ایمانی سے وہ باتیں دکھلا دیں جس سے تمہارا اطمینان ہو جائے
بخدا تم عقل میں نہیں ہو کہ ہم تم کو معذور جانیں دنیا کے امور میں تمہاری رائے پکی ہوتی ہے اور اپنے سب کام
ہوشیاری سے کرتے ہو یہ کیا ہے کہ ذرا سی دنیا ملے تو اس پر ہشاش بشاش ہو اور اگر تھوڑی سی چیز جاتی رہے

---

[۱] واجب ہے اللہ پر کہ نہ بلند کرے دنیا میں کسی چیز کو مگر کہ پست کر دے اس کو ۱۲ بخاری نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲ [۲] اگر تم جانو اس
بات کو جو میں جانتا ہوں تو بہت سا گریہ کرو اور تھوڑا ہنسو اور ذلیل ہو جائے تمہارے نزدیک دنیا اور اختیار کرو تم آخرت کو ۱۲ طبرانی نے
نقل کیا ہے مگر اس میں ولھانت سے آخرت تک نہیں اور ترمذی و ابن ماجہ نے اس جگہ نقل کیا ہے۔ ۱۲

تو اس کا رنج کرو یہاں تک کہ چہرہ پر اس کے آثار معلوم ہوتے ہیں اور زبان پر آجاتے ہیں اور اس کو مصیبت نام رکھ چھوڑا ہے اس کا بڑا سوگ کرتے ہو لیکن اکثروں نے تم میں سے بہت سا دین چھوڑ دیا اس سے نہ تو تمہارا چہرہ بگڑتا ہے نہ حال بدلتا ہے مجھے ایسا سوجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ تم سے ناراض ہو گیا جب آپس میں ملتے ہو تو اظہار فرقت کرتے ہو اور ہر ایک کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دوسرے کے سامنے اس کو بری لگتی بات کہیئے اس خوف سے کہ کہیں وہ بھی اپنے ساتھ اسی طرح پیش نہ آئے غرضکہ کینہ کو ساتھ لیئے رہتے ہو تمہاری باتیں گھورے کی سی سبزی ہے اور بڑی بات کو چھوڑے ہوئے ہو میں خدا سے چاہتا ہوں کہ مجھ کو تم سے نجات دے اور اس شخص سے ملا دے کہ جس کے دیدار کا میں مشتاق ہوں اگر وہ زندہ ہوتے تو تمہاری برداشت ہرگز نہ کرتے اب اگر تم میں کچھ بھلائی ہے تو مجھ سے سن چکے اور اگر خدا کے پاس کی چیز کے طالب ہو تو اس کو آسان پاؤ گے اس کا حاصل ہونا کچھ مشکل نہیں اللہ تم کو اور مجھ کو دونوں کو مدد دے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے گروہ حواریین دین کو پورا ثابت رکھو اور تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرو جیسے کہ دنیا کے لوگ دنیا پوری لیتے ہیں اور تھوڑے سے دین پر راضی ہو جاتے ہیں ؎

مال دنیا دام مرغان ضعیف ملک عقبیٰ دام مرغان شریف

سوئے دریا عزم کن زین آبگیر بحر جوئے ترک این گرداب گیر

اور یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ اے وہ شخص جو دنیا کو اس واسطے طلب کرتا ہے کہ اس سے نیکی کرے تیرے حق میں اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ؎ لتاتینکم بعدی دنیا تاکل ایمانکم کما تاکل النار الحطب۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خداوند کریم نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ محبت دنیا کی طرف میل نہ کرنا گناہ کبیرہ میرے نزدیک اس سے سخت نہ ہوگا اور ایک بار ایک شخص کے پاس سے گزرے کہ وہ رو رہا تھا جب پھر کر آئے تب بھی روتا پایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب احدیت میں عرض کیا کہ الٰہی تیرا بندہ تیرے خوف سے روتا ہے حکم ہوا کہ اے ابن عمران اگر یہ شخص روتے روتے اپنا دماغ بھی آنسوؤں کے ساتھ بہا دے گا اور ہاتھ اٹھائے گر پڑے گا میں اس کی مغفرت نہ کروں گا اس لیئے کہ محبت دنیا میں مبتلا ہے۔

آثار حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جس شخص میں چھ باتیں موجود ہوں اس نے جنت کے لیئے کوئی مطلب نہیں اٹھا رکھا نہ دوزخ سے بچاؤ کے لیئے کوئی دقیقہ فروگذاشت کیا اول یہ کہ خدا کو پہچان کر اس کی اطاعت کی دوسرے شیطان کو پہچان کر اس کی نافرمانی کی تیسرے حق کو پہچان کر اس کا اتباع کیا چوتھے باطل کو جان کر اس

؎ آئے گی تمہارے پاس بعد میرے دنیا کہ کھائے گی ایمان تمہارے جیسے کھاتی ہے آگ لکڑی کو۔ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲۔

سے بچایا پانچویں دنیا کو معلوم کر کے اس کو ترک کیا، چھٹے آخرت کو جان کر اس کی طلب کی اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ رحم کرے ان لوگوں پر جن کے پاس دنیا امانت رہے اور اس کے مستحقوں کو سونپ کر ہلکے پھلکے چل دیں اور نیز فرمایا کہ جو شخص تم سے دین کے باب میں منافست یعنی حرص یا حرصی کرے تو اس کی حرص کرنی چاہیئے اور جو دنیا کے باب میں حرص کرے تو حرص دنیا دی اس کے سینہ میں پھوڑ دو اور حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ دنیا ایک گہرا سمندر ہے اس میں بہت سے لوگ ڈوب گئے اور تم اپنی کشتی دنیا میں تقویٰ کو بناؤ اور ایمان کو اس میں رکھو اور توکل کا بادبان چڑھاؤ تاکہ موجہ سے نجات پاؤ گو مجھے معلوم نہیں ہو تاکہ نجات ملے اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ میں اس آیت میں بہت تامل کرتا ہوں انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا وانا لجاعلون ما علیھا صعیداً جرزا۔ اور بعض حکما کا قول ہے کہ آدمی کو جو شے دنیا میں کسی روز ملتی ہے وہ ایسی ہوتی ہے کہ اس کا پہلے بھی کوئی قابض تھا اور اس کے بعد اس کا کوئی مالک ہو گا اور اس کو صرف اسی قدر ملتا ہے جو صبح و شام کھا پی لیا پس لقمہ کے واسطے تباہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ دنیا سے روزہ رکھے اور آخرت پر افطار کرے اور دنیا کا راس المال خواہش نفس ہے اور اس کا نفع آتش دوزخ ہے اور بعض راہبوں سے کسی نے پوچھا کہ دنیا کا کیا حال ہے جواب دیا کہ بدنوں کو پرانا کرتی ہے اور امیدوں کو بنیا اور موت کو نزدیک کرتی ہے اور آرزوؤں کو دور پھر پوچھا کہ دنیا کے لوگوں کا کیا حال ہے جواب دیا کہ جس کو ملتی ہے وہ مشقت میں پڑتا ہے اور جس کو نہیں ملتی وہ رنج اٹھاتا ہے ؎

بلائے زیں جہاں آشوب ترنیست ۔۔۔ کہ رنج خاطرست ارہست وگرنیست

اور بعض حکما کا قول ہے کہ دنیا تھی اور میں نہ تھا اور یہ رہے گی اور میں نہ رہوں گا میں اس کی طرف سے رغبت نہیں کرتا اس لیئے کہ اس کی تلخ زندگی ہے اور اس میں کدورت کا نام صفائی ہے اس کے لوگوں کو اس کی طرف سے ایک نہ ایک خوف لگا رہتا ہے خواہ نعمت کے دور ہونے کا یا مصیبت کے آنے کا یا موت کے کام کر جانے کا اور بعضوں کا قول ہے کہ دنیا کے عیبوں میں سے ہے کہ کسی کو استحقاق کے بموجب نہیں دیتی کمی بیشی خواہ نخواہ ہوتی ہے اور حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں کو لحاظ کرو گویا ان پر خفگی ہوئی اور نا اہلوں کے حوالہ کی گئی ہیں اور حضرت ابو سلیمان درانی فرماتے ہیں کہ جو دنیا کو محبت سے طلب کرے گا اس کا بھی یہی حال ہے کہ جتنی ملی اس سے زیادہ کا ہی طالب ہوتا ہے ؎

گفت چشم تنگ دنیا دار را یا قناعت پر کند یا خاک گور اور جو آخرت کو محبت سے طلب کرتا ہے اس کا بھی یہی حال ہے کہ جتنی ملے اس سے زیادہ چاہتا ہے نہ اس کی انتہا ہے نہ اس کی اور ایک شخص نے ابو حازمؒ

ٹ ہم نے بنایا جو چیز زمین پر ہے۔ اس کی رونق تاکہ جانچیں ان میں کون ہے نیک کام کرتا اور ہم کو کرنا ہے جو اس پر ہے میدان چھانٹ کر ۱۲۔

سے شکایت دنیا کی محبت کی کہ باوجودیکہ مجھے اس میں رہنا نہیں پھر بھی محبت اس کی ہے آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کو خدا دے یہ دیکھ لیا کرو کہ وجہ حلال سے ملے اور پھر اس کو جہاں مناسب ہو خرچ کرو تو محبت دنیا ضرر نہ کرے گی اور یہ اس لیے فرمایا کہ اگر صرف محبت ہی پر نفس کو مواخذہ کیا جائے تو مشقت عظیم ہو اور تنگ ہو کر موت کی آرزو کرنے لگے اور یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ دنیا شیطان کی دوکان ہے اس میں سے مت چراؤ نہیں تو وہ تمہارے پیچھے لگے گا اور پکڑے گا اور حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا سونے کی ہوتی اور فنا ہو جاتی اور آخرت ٹھیکری ہوتی اور باقی رہتی تب بھی عقلا کو یہی چاہیئے تھا کہ باقی ہی چیز کو پسند کرتے اور فانی کو چھوڑتے گو اب تو یہ فانی چیز ٹھیکری ہے اور باقی سونے کی نہیں معلوم کہ جس نے ایسی واہیات چیز کو اس عمدہ چیز سے کیوں پسند کر رکھا ہے اور ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو دنیا سے بچاؤ اسی لیئے کہ مجھ کو یوں روایت پہنچی ہے کہ قیامت کے روز دنیا کی تعظیم کرنے والا کھڑا کیا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے ایسی چیز کی تعظیم کی جس کو خدا تعالیٰ نے حقیر بنایا تھا اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہر ایک انسان مہمان ہے اور اس کا مال امانت ہے پس مہمان ایک روز چل بسے گا اور امانت مالک کے پاس واپس جائے گی سے

مال اور اہل کو سمجھو کہ ودیعت ہیں سب ،، ہے ضروری کہ کبھی تم سے واپس لیویں

اور حضرت رابعہ کے پاس ان کے مرید ملازمت کے لیئے حاضر ہوئے اور دنیا کا ذکر کر کے اس کی مذمت کرنے لگے انہوں نے فرمایا کہ چپ رہو اس کا ذکر مت کرو اگر اس کی جگہ تمہارے دلوں میں نہ ہوتی تو کثرت سے ذکر کیوں کرتے یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص کسی چیز کی محبت کرتا ہے اس کا ذکر بہت کیا کرتا ہے اور حضرت ابراہیم ادہم سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے انہوں نے ایک قطعہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے ۔ سے

بگاڑا دین کو اپنے کہیں دنیا ہی مل جائے ؛؛ نہ کچھ دین رہا باقی نہ دنیا کے مزے پائے ؛؛

بڑی دولت ملے اس کو جو ہو اللہ کا عاشق ؛؛ امید اجر عقبیٰ پر یہ دنیا اس سے چھٹ جائے

ایک اور کسی دوسرے شاعر کے قطعہ کا ترجمہ یہ ہے ۔ نظم

طلب میں دنیا کی ہو گو کسی کی عمر دراز ؛؛ رہا کرے مٹے عیش و سرور سے و مساز ؛؛

ولیک اس کی مثل اس طرح ہے آخر کار ؛؛ بنا کے کوئی عمارت کو جوں کرے مسمار

اور اسی باب میں یہ اشعار ہیں نظم

مملکت گر مے نماند جاوداں ؛؛ اے دلت خفتہ تو آنرا خوب داں

ہیچ ۔ دل را بر چنیں کنجے منہ ... ؛؛ نام دولت بر چنیں رنجے منہ !

تختہ بند است آنکہ تختش خوانده ؛؛ صدر پنداری و بر در مانده

مرد باش و سخرہ مردان مشو ؛؛ رو سر خود گیر و سرگرداں مشو

اور حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اگر دنیا کو آخرت کے عوض میں دے ڈالے گا تو دونوں میں نفع رہے

اور آخرت کو دنیا کے بدلے میں دو گے تو دونوں میں نقصان رہے گا اور مطرف بن شیخر فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے چین چان اور گدر گدے فروش کو نہ دیکھنا چاہیئے کہ کیسے بھٹ پٹ چلے جاتے ہیں اور انجام کیسا برا ہوتا ہے اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تین حصے کئے ہیں ایک حصہ مومن کے واسطے اور ایک حصہ منافق کے واسطے اور ایک کافر کے لیئے مومن اس کو توشۂ آخرت بناتا ہے اور منافق ظاہر کی زینت کرتا ہے اور کافر اس سے کامیاب ہوتا ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ دنیا مردار ہے جو کوئی اس میں سے کچھ لینا چاہے تو کتوں کے ساتھ رہنے پر صبر و تحمل کرے اور دنیا کی برائی میں حافظ شیرازی فرماتے ہیں کہ ؎

مجو درستی عہد از جہاں سست نہاد — کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است
فریب عشوۂ حسن از جہان پیر مخور — کہ ہر کہ کو دباد اختلاط ناشاد است

اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ یہ بھی خدا کے نزدیک دنیا میں سے ہے کہ خدا کی نافرمانی دنیا ہی کے باب میں ہوتی ہے اور اس کے مدارج بے دنیا چھوڑے نہیں ملتے۔ ؎

جو خوب غور سے دنیا کو کوئی دیکھے لبیب ؛؛ لباس دوست میں دشمن نظر پڑے اس کو

اور اسی باب میں یہ اشعار ہیں نظم

دنیا ایک زال بیسوا ہے۔ — بے مہر و حیا و بے وفا ہے
دستور ہے اس کا سب سے نرالا — اللہ نہ ڈالے اس سے پالا!
رہتی نہیں ایک جا پہ جم کر — پھرتی ہے بہ رنگ نرد گھر گھر
جو اس میں پھنسا ہوا وہ برباد — خوش حال ہے وہی جو ہے آزاد

اور حضرت ابو عمامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے شیطان کا لشکر اس کے پاس آیا کہ ایک نبی مبعوث ہوئے اور ان کی امت ظاہر ہوئی اس نے پوچھا کہ اس کی امت کو محبت دنیا بھی ہے لشکر نے کہا کہ ہاں محبت دنیا ہے اس نے جواب دیا کہ اگر محبت دنیا ہے تو بت پرستی نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے ابھی تین وجہ سے میری آمد و رفت صبح و شام ان کے پاس رہے گی اول مال کا ناحق لینا دوم اس کو بے موقع صرف کرنا سوم صرف کرنے کی جگہ سے روک لینا اور یہ ایسی بات ہے کہ ساری برائی اس کے پیچھے ہے اور ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ کچھ وصف دنیا ارشاد فرمایئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے مکان کی کیا تعریف کروں جو اس میں تندرست ہے بیماری سے ڈر نہیں اور جو بیمار ہو نادم ہو اور جو مفلس ہو جائے تو غم کرے اور تونگر ہو تو بلا میں پھنسے مال حلال ہو تو حساب دینا پڑے اور حرام ہو تو عذاب میں مبتلا ہوا اور پھر دوبارہ کسی نے دنیا کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہو تو طویل بیان کروں کہو تو مختصر کہوں سائل نے کہا کہ مختصر فرمایئے آپ نے فرمایا کہ اس کے حلال کا حساب دینا ہوگا اور حرام کا عذاب سہنا ہوگا اور حضرت ابو مالک

بن دینار فرماتے ہیں کہ اس جادو گرنی یعنی دنیا سے بچے رہو یہ علماءؒ کے دلوں پر جادو کرتی ہے لیکن اگر دل میں ہوتی ہے تو آخرت مقابل نہیں ہوتی اس لیئے کہ آخرت شریف ہے اور دنیا کمینی کمینے کا مقابلہ شریف سے نہیں ہو سکتا اس قول میں بڑی شدت ہے ہم کو توقع ہے کہ اس باب میں قول حضرت یسار بن حکم کا صحیح اس سے ہو وہ فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت دونوں دل میں اکٹھی ہوتی ہیں جو غالب ہو جاتی ہے دوسری اس کی تابع رہتی ہے اور حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ جتنا دنیا کے لیئے تردد کرو اتنا ہی آخرت کی فکر دل سے جاتی رہتی ہے اور جتنا آخرت کا تردد کرو اتنا ہی دنیا کی فکر دل سے ٹل جاتی ہے اور یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کے قول سے نکلا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت دو سوتین ہیں جتنا ایک راضی ہو گی اسی قدر دوسری ناخوش ہو گی! اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ بخدا ہم کو ایسے لوگ ملے ہیں جن کے نزدیک دنیا خاک پا سے بھی زیادہ ذلیل تھی ان کو اس کی کچھ پرواہ نہ تھی کہ دنیا کدھر سے آئی اور کدھر کو چلی گئی اور کس کے پاس رہی اور کس کے پاس سے جاتی رہی اور ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ اس شخص کے باب میں کیا فرماتے ہیں جب کہ خدا نے دیا ہو اور وہ اس کو خیرات اور صلہ رحم اور اہل وعیال کی خبر گیری میں اچھی طرح صرف کرتا ہو اس کو جائز ہے کہ خود بھی تنعم کرے یا نہیں آپ نے فرمایا کہ نہیں اگر ساری دنیا بھی اسی کی ہو جائے تب بھی بقدر کفاف ہی اس میں سے لے اور باقی کو اپنی احتیاج کے دن کیلئے یعنی قیامت کے لیئے رکھ چھوڑے اور حضرت فضیل فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض تمام دنیا وجہ حلال سے میرے قبضہ میں چلی آئے اور اس کا حساب بھی مجھ سے آخرت میں نہ لیا جائے تب بھی میں اس کو ناپاک سمجھوں جیسے تم لوگ مردار کو سمجھتے ہو کہ کہیں کپڑے کو نہ لگ جائے تو روایت ہے حضرت عمرؓ جب شام میں پہنچے تو حضرت عبیدہ بن جراح ان کے استقبال کو ایک اونٹنی پر تشریف لائے جس کی مہار رسی کی تھی حضرت عمرؓ ان کے مکان میں تشریف لے گئے تو بجز ڈھال تلوار اور اونٹنی کی زین کے اور کچھ نہ دیکھا فرمایا کہ گھر کا سامان بنا لو تو کیسا انہوں نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین یہ سامان ہم کو خواب گاہ تک پہنچانیکو کافی ہے۔

ف۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ قصہ اس وقت کا ہے کہ حضرت عبیدہؓ شام کے لشکر کے سپہ سالار تھے اور حضرت عمرؓ جب اسقندعا کفار صلح کے واسطے تشریف لے گئے تھے بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت کی دعوت سب روساء لشکر نے کی تھی مگر حضرت عبیدہؓ نے نہیں کی تھی آپ نے ان کو فرمایا میں تمہارا مکان دیکھا چاہتا ہوں انہوں نے عرض کیا کہ آپ میرے یہاں تشریف لے جا کر روئیں گے آپ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں چنانچہ جب تشریف لے گئے تو وہی سیف و سپر دیکھی اور بیٹھنے کے لیئے ایک چٹائی تھی اور ایک کوزہ پانی کا رکھا تھا آپ کو یہ زہد ان کا دیکھتے ہی رونا آگیا انہوں نے عرض کیا کہ میں تو پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ میرے یہاں آپ گریہ فرمائیں گے آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری اس اوقات سے بہت خوش ہوں کہ تمہیں میرے یاروں سے پہلے طریقہ پر ہو اور باقی کو ہر کسی سے دنیا نے کچھ نہ کچھ لے ہی لیا غرضکہ دنیا کو کچھ انہیں بزرگوں نے پہچانا تھا اور

احکام الہی کو دل سے سچا جاننا اتباع رسول مقبول پر شیفتہ تھے اور محبت آخرت پر فریفتہ اور حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ دنیا کو بدن کی آسائش ضروری کے لئے لینا چاہیئے اور آخرت کو دل کی راحت دوائی کے واسطے لینا چاہیئے اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ بخدا بنی اسرائیل نے جو بعد خدا پرستی بت پرستی اختیار کی صرف محبت دنیا کے واسطے کی اور وہبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ دنیا ہوشیاروں کے لیئے غنیمت ہے اور جاہلوں کے لیئے غفلت یعنی دانا آدمی اس میں اعمال نیک کرنے کو لوٹ اور مفت سمجھتے ہیں اور نادان اس کو پہچانتے نہیں جب اس سے انتقال کرتے ہیں تو پھرنے کی تمنا کرتے ہیں پھر لوٹنا کہاں میسر ہوتا ہے اور حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ جب سے دنیا میں پیدا ہوا وہ ہٹتی چلی جاتی ہے. اور آخرت منہ کے سامنے آتی جاتی ہے پس اپنے آپ کو ایسی جگہ پہنچانا چاہیئے جو نزدیک اور سامنے ہے دور کی جگہ سے کیا فائدہ اور سعید بن مسعودؒ کا قول ہے کہ جب معلوم ہوا کہ کسی شخص کی دنیا بڑھتی جاتی ہے اور دین کم ہوتا جاتا ہے اور وہ اس سے خوش ہے تو جان لو کہ وہ شخص بڑے ٹوٹے میں ہے کہ اس کو دنیا نے مسخرہ بنالیا ہے حالانکہ اس کو خبر نہیں اور حضرت عمرو بن العاص نے منبر پر یہ ارشاد فرمایا کہ جس چیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زہد کیا کرتے تھے اس میں میں تم کو زیادہ راغب پاتا ہوں بخدا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین دن کبھی ایسے نہیں گذرے کہ آپ کی آمدنی قرض سے زیادہ ہو اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ایک بار یہ آیت پڑھی. فلا تغرنکم الحیٰوۃ الدنیا[۲]۔ اور پھر فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ کس کا قول ہے یہ اس کا قول ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا اور اس کا حال بھی وہی خوب جانتا ہے تم کو چاہیئے کہ دنیا کے شغلوں سے کنارا کرو اس میں بہت سے کاروبار رہتے ہیں ایک کام جب آدمی کو درپیش ہوتا ہے تو دس اور درپیش ہو جاتے ہیں اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ آدم زاد بڑا مسکین ہے ایسے مقام پر خوش ہوتا ہے کہ جس کے مال حلال میں حساب ہو اور حرام میں عذاب اپنے مال کو کتنا ہی ہو کم جانتا ہے مگر اعمال کو تھوڑا نہیں سمجھتا دین میں اگر کوئی مصیبت پڑے تو تو خوش ہوتا ہے اور دنیا کی مصیبت پر واویلا کرتا ہے اور ایک بار انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا کہ بعد سلام معلوم ہو کہ آپ نے اپنے کو ایسا سمجھو کہ موت نے مردوں میں لکھ دیا ہے اس کا جواب انہوں نے لکھا کہ بعد سلام کے معلوم ہو کہ یوں سمجھو کہ دنیا میں کبھی تھے ہی نہیں ہمیشہ آخرت میں رہے اور حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دنیا میں آنا تو آسان ہے مگر نکلنا سخت ہے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ جس کو یہ معلوم ہو کہ موت حق ہے بڑا تعجب ہے کہ وہ کس طرح خوش ہوتا ہے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ جس کو یقین ہو کہ دوزخ حق ہے وہ کس طرح ہنستا ہے اور جو دنیا کے حالات بدلتے دیکھتا ہے وہ کیسے

---

[۱]- حاکم نے اس کو نقل کیا ہے اور احمد بن حبان نے یہ بھی مضمون نقل کیا ہے ۱۲ ت [۲]۔ سو نہ بہکائے تم کو دنیا کا جینا ۱۲۔

اس پر اعتماد کرتا ہے اور جو تقدیر کو حق جانتا ہے وہ کیوں مشقت اٹھاتا ہے اور حضرت معاویہ کے پاس ایک شخص نجران سے آیا جس کی عمر دو سو برس کی تھی آپ نے اس سے دنیا کی کیفیت پوچھی اس نے عرض کیا کہ کچھ برس مصیبت میں کٹے اور کچھ آرام میں دن رات یونہی گزرے جاتے ہیں پیدا ہونے والے پیدا ہوتے ہیں مرنے والے مرجاتے ہیں اور پیچھے پیدا نہ ہوں تو مخلوق تباہ ہوجائے اور اگر موت نہ آئے تو دنیا میں گنجائش آبادی نہ رہے آپ نے فرمایا کہ جو تیرا دل چاہے مانگ اس نے عرض کیا کہ میری زندگی گذشتہ آپ دے سکتے ہیں یا موت جو آنے والی ہے اس کو روک سکتے ہیں آپ نے فرمایا یہ تو دونوں باتیں نہیں ہوسکتیں اس نے عرض کیا تو پھر مجھ کو آپ سے کچھ حاجت بھی نہیں اور داؤد طائیؒ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو اپنی آرزو کے پورا ہونے پر خوش ہوتا ہے یہ نہیں جانتا کہ عمر ضائع کرکے یہ آرزو ملی عمل کے کرنے میں آج کل کرتا ہے شاید اس کا نفع کسی اور کو ہوگا اور حضرت بشر فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے دنیا کی طلب کرتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ خدا کے سامنے زیادہ ٹھہرا رہوں یعنی اتنا ہی قیامت کو حساب میں دیر لگے گی ابو حازم فرماتے ہیں کہ دنیا میں خوشی کی کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ساتھ رنج نہ ہو اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ آدمی کا دم دنیا کی تین حسرتوں کے ساتھ نکلتا ہے اول یہ کہ جو جمع کیا تھا اس سے سیر نہ ہوا اور دوسرے جو تمنا تھی وہ پوری نہ ہوئی تیسرے توشہ آخرت اچھی طرح نہ کرلیا اور بعض عابدوں میں سے کسی نے کہا کہ تم توانگر ہوگئے اس نے جواب دیا کہ توانگر وہ ہے جو دنیا کی غلامی سے آزاد ہوجائے اور حضرت ابو سلیمان کا قول ہے کہ دنیا کی خواہش سے وہی صبر کرتا ہے جس کے دل میں شغل آخرت ہو اور مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ ہم سب میں دنیا کی محبت آگئی کہ نہ ایک دوسرے کو امر معروف کرتے ہیں نہ نہی منکر اور اس امر سے خدا تعالیٰ ہم کو درگذر نہیں کرے گا۔ معلوم نہیں کونسا عذاب ہم پر نازل ہوگا اور ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑی سی دنیا بہت سی آخرت سے باز رکھتی ہے اور حضرت حسنؒ کا قول ہے کہ دنیا کو ذلیل سمجھو جو کوئی اس کو ذلیل جانتا ہے اسی پر یہ سب سے زیادہ گوارا ہوتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر احسان کیا چاہتا ہے تو اس کو کچھ دنیا قناعت کردیتا ہے۔ جب وہ ختم ہوچکتی ہے پھر دے دیتا ہے اور جب اس کے نزدیک کوئی بندہ ذلیل ہوتا ہے تو اس پر دنیا کا بہت سا پھیلاؤ کر دیتا ہے اور بعض اکابریوں دعا مانگتے اے! وہ کہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے۔ مجھ سے دنیا کو روک دے اور محمد بن منکدر رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ بعضے لوگ ایسے ہوں گے کہ تمام عمر روزہ رکھا ہوگا اور تہجد پڑھا ہوگا شب بیداری میں فتور نہ کیا ہوگا مال خیرات کیا ہوگا اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہوگا منہیات سے بچے ہوں گے مگر قیامت کو جب سامنے ہوں تو یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے اپنے نزدیک ایک چیز کو بڑا سمجھا جس کو خدا نے چھوٹا کیا تھا اور جس کو خدا نے بڑا کیا تھا اس کو حقیر جانا دیکھا چاہیئے ایسوں کا کیا حال ہوگا ہم میں سے کون ایسا ہے جس کا یہ حال نہ ہو اور اس پر طرہ یہ ہے کہ گناہوں کا بار سر پر ہے اور ابو حازمؒ کا قول ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کی مشقت زیادہ ہے آخرت کی تو اس لیئے ہے کہ کوئی یار و مددگار نہیں کہ کام آئے اور دنیا کی اس

وجہ سے کہ جس چیز میں ہاتھ ڈالو اس کو تم سے پہلے کسی نہ کسی بدکار نے کر لیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا ادھڑ میں ٹھہری ہوئی ہے جیسے پرانی مشک لٹکی ہو جس دن سے اس کو خدا نے پیدا کیا اور جب تک فنا کرے گا یہی پکارتی ہے کہ الٰہی تو مجھ کو کیوں برا جانتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ ادنیٰ چیز چپ رہ اور حضرت عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ محبت دنیا اور گناہوں کی دل کو پراگندہ کر دیتی ہے اس میں خیر کس طرح پہنچے اور وہب بن منبہ کا قول ہے کہ جس شخص کا دل دنیا کی کسی چیز سے خوش ہوتا ہے وہ حکمت سے چوک جاتا ہے اور جو شخص اپنی شہوت اپنے پاؤں تلے کر لیتا ہے شیطان اس کے سایہ سے بھاگتا ہے اور جس کسی کا علم ہوائے نفسانی پر غالب ہوتا ہے وہ بڑا زبردست ہے اور حضرت بشر سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص مر گیا انہوں نے فرمایا کہ دنیا کو جمع کیا اور آخرت میں پہنچ کر اپنی جان کھوئی۔ لوگوں نے کہا کہ وہ تو بہت سی نیکیاں کیا کرتا تھا آپ نے فرمایا کہ دنیا کے جمع کرنے کے ساتھ ان چیزوں سے کیا فائدہ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ باوجود یکہ ہم دنیا کو دشمن سمجھتے ہیں پھر بھی اس کی محبت کرتے ہیں اگر کہیں دوست سمجھتے تو کیا جانے کیا حال ہوتا اور ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ دنیا کس کو ملتی ہے اس نے جواب دیا کہ جو اس کو چھوڑ دے پھر پوچھا کہ آخرت کس کی ہے اس نے جواب دیا جو اس کو طلب کرے ایک حکیم کا قول ہے کہ دنیا اجڑا ہوا مکان ہے اور اس سے زیادہ تر وہ دل اجاڑ ہے جو دنیا کا پھیلاؤ چاہے اور بہشت ایک آباد مکان ہے۔

اور اس سے زیادہ آباد وہ دل ہے جس میں جنت کی طلب ہو اور حضرت جنید بغدادی روایت کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ سچے مرید تھے دین کے باب میں حق کہتے ایک اپنے برادر دینی کو نصیحت کے طور خدا سے ڈرا کر یوں فرمایا کہ اے برادر دنیا جائے لغزش قدم ہے و محل مذلت و ندامت اس کی آبادی کا مآل خراب ہونا ہے اور رہنے والوں کا انجام قبروں میں بیتاب ہونا جتنی جمعیت ہے اس کو علیحدہ لازم ہے اور ہر تونگری کے ساتھ فقیری قائم اس کی کثرت موجب تنگ دستی ہے اور تنگ دستی باعث فراخ دستی پس ہمہ تن متوجہ الی اللہ ہو اور اس کی روزی پر قانع اس دار فناء کو دار بقاء پر ترجیح مت دے زندگی ڈھلتا ہوا سایہ ہے یا جھکی ہوئی دیوار اعمال کی کثرت کر اور امل کو کم کر اور حضرت ابراہیم بن ادہم رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہیں خواب میں چاندی کا سکہ ملے وہ اچھا ہے یا جاگتے میں سونے کا سکہ اس نے جواب دیا کہ جاگتے میں سونے کا سکہ بہتر ہے آپ نے فرمایا کہ یہ بات تم نے جھوٹ کہی اس لئے کہ جس چیز کو تم دنیا میں بہتر سمجھتے ہو وہ گویا خواب کی چیز کو بہتر جانتے ہو اور آخرت کی چیز کو جو اچھا نہیں جانتے وہ گویا جاگتے میں وقت کی چیز کو اچھا نہیں سمجھتے اور اسماعیل بن عیاش رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہمارے سب ساتھی دنیا کو سوری کہا کرتے تھے اے موسیٰ ہم سے الگ رہ اور کوئی نام اس سے بھی برا ان کو ملتا تو اسی نام سے پکارتے اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دنیا تم کو یہاں تک محبوب ہوگی کہ تم اس کی اور اس کے لوگوں کی پرستش کرنے لگو گے اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عاقل تین شخص ہیں اول وہ کہ دنیا کو ترک کرے

پہلے اس سے کہ دنیا اسے ترک کرے دوسرے وہ کہ قبر اپنی پہلے قبر میں جانے سے بنائے تیسرے وہ کہ خالق کو پہلے حاضر ہونے سے راضی کرلے اور نیز فرمایا کہ دنیا میں اسی قدر نحوست ہے کہ اگر اس کی تمنا ہی کرو تو خدا تعالیٰ کی طاعت سے باز رکھے اور بالکل اس میں مصروف ہونا تو اس سے بڑھ کر ہے اور بکر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو کوئی دنیا کو اس غرض سے چاہے کہ مجھے دنیا کی حاجت نہ رہے تو اس کی ایسی مثال ہے کہ آگ کو گھاس سے بجھانا چاہیئے اور بندار رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب دنیا دار زہد کے باب میں گفتگو کریں تو جان لو کہ شیطان ان کو مسخرہ بنا رہا ہے اور بھی انہیں کا قول ہے کہ جو شخص دنیا پر حرص کرے گا حرص کی آگ اس کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ اور جو کوئی آخرت کا متوجہ ہوگا تو اس آخرت کی حرارت سے پگھل کر ڈھلے ہوئے سونے کی طرح کا کام ہو جائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو انوار توحید سے در بے بہا بن جائے گا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا میں چھ چیزیں ہوتی ہیں کھانا پینا سواری پہننا نکاح خوشبو سب کھانوں میں عمدہ شہد ہے وہ مکھی کا لعاب ہے اور پینے کی چیزوں میں اچھا پانی ہے جس میں نیک و بد سب مساوی ہیں اور پوشاک کی چیزوں میں اشرف حریر ہے جو کیڑوں کے لعاب سے بنتا ہے اور سواریوں میں افضل گھوڑا ہے جس پر لڑائی میں مارے جاتے ہیں اور منکوحات میں سے اشرف عورت کی صحبت ہے جو پیشاب گاہ کا پیشاب گاہ میں جانا ہے عورت اپنے بدن میں اچھے اعضا کو بناتی سنوارتی ہے مگر اس میں سب سے بڑی چیز کی طلب ہوتی ہے اور سونگھنے کی چیزوں میں عمدہ مشک ہے جو حیوان کے خون سے بنتا ہے غرضکہ سب چیزیں ایسی ہی واہیات ہیں۔

۲ ایسے نصائح جو دنیا کی مذمت سے متعلق ہیں

بعض اکابر کا قول ہے کہ لوگو آہستہ عمل کرو اور اللہ سے ڈرو زندگی پر مت پھولو اور موت کو مت بھولو دنیا کے طالب نہ ہو اور نہ اس کے راغب کیونکہ وہ بڑی مکار ہے اور دغا شعار اول اپنے مطالبوں کو چمکاتی ہے پھر آرزوؤں میں پھنساتی ہے طالبین کے واسطے اس کی زینت ایسی ہے جیسے جلوہ کے وقت دولھن کی صورت سب کی نگاہ اسی پر پڑتی ہے تمام دل اسی کے شیفتہ ہیں اور جانیں اس کی فریفتہ بہت سے عاشقوں کو اس نے خاک میں ملایا اور جس نے اس پر اطمینان کیا اس کو ذائقہ رسوائی چکھایا بھائیو! اس کو چشم حقیقت سے دیکھو کہ اس میں کتنی آفتیں ہیں اس سے زیادہ اور کیا خرابی ہے کہ خود خالق نے اس کی مذمت کی ہے اس میں جو نیا ہے وہ پرانا ہوگا اور جو موجود ہے وہ فنا عزیز ذلیل ہوگا اور کثیر قلیل ہر زندہ کو موت آئے گی اور خیر سب فوت ہو جائے گی۔ بھائیو خواب غفلت سے جاگو اور بے ہوشی سے دور بھاگو پیشتر اس سے کہ لوگ تم سے کہیں کہ فلانا شخص بیمار

ع؎ اصل میں ہے لاتغتر وبالامل یعنی امیدوں پر دھوکا نہ کھاؤ ۱۲۔

ہے اور مرض سخت میں گرفتار کوئی کچھ دوا بتا دو یا حکیم کو بلا دو پھر طبیب تمہارے لیے آئیں مگر تم میں توقع شفا کی نہ پائیں پھر یہ مشہور کریں کہ فلاں شخص نے وصیت کی اور اپنے مال کو یوں تقسیم کیا اور جس کے پاس سے اپنا لینا تھا اس سے لیا پھر یہ کہیں کہ یہ صاحب ان کی زبان بند ہو گئی نہ بھائیوں سے بولیں نہ ہمسایوں کو پہچانیں اور نہ لب کھولیں اور اس وقت تمہاری پیشانی عرق سے تر ہو اور سینہ پیاپے آہ سے مضطر اور گمان موت کا کرسی صدق پر جلوہ گر معلوم ہو اور سفر تم کو بنظر یقین مفہوم پلکیں بند ہونے سے اور زبان لفظ صحیح بولنے سے عاری ہو اور بھائی اور برادر سب مبتلائے گریہ و زاری کوئی کہے کہ یہ تیرا فلاں برادر ہے یہ تیرا بیٹا لخت جگر ہے مگر تم کچھ جواب نہ دو زبان پر مہر خاموشی پھر تم پر قضا نازل ہو اور اعضاء میں سے روح نکل کر عالم بالا میں داخل اس وقت تمام برادری جمع ہو اور کفن سیاہ ہو جائے اور غسل دے کر تم کو پہنایا جائے عیادت کنندہ گھر بیٹھ رہیں اور حاسد خوب شد کہیں تمہارے گھر والوں کی مدنظر تمہارا مال ہو اور تم پر جواب دہی اعمال۔

ف۔ اس مضمون کو شیخ سعدی شیرازی نے ایک طویل قطعہ میں بیان کیا ہے جس میں سے مترجم چند شعر ہدیۂ ارباب نظر کرتا ہے۔ قطعہ

فریاد ازاں زمان کہ تن نازنین ما
بر بستر ہواں افتد و ناتواں شود
اصحاب را چو واقعہ ما را خبر کنند
ہر دم کسے برسم عیادت رواں شود
زانگہ کہ چشم بر رخ ما افگند طبیب
کاحوال بر چگونہ و حال ار چہ ساں شود
گویند ایں برادر تو دیں عزیز تست
نیز از عمل بماند و بے با دہان شود
فی الجملہ روح و جسم زہم مفترق شود
وز ہم وزیر خانہ پر آہ و فغاں شود
آرند نعش تا بہ لب گور ہر کہ ہست
محبوس مستمند در آں خاکداں شود
نامے ز ما بماند و اجزاء ما تمام
قول زبان موافق صدق نہاں شود
خرم دلے کہ در حرم آبا دامن و عیش۔
. . . . . .

وانکس کہ مشفق ست و دلش مہربان ہست
در حال ما چو فکر کند بدگماں شود
تا آں زمان کہ چہرہ بگرد و ز حال خویش
ما را بحال خود نہ بہر حال شاں شود
آمد وشد ملائکہ در وقت قبض روح
مرغ از قفس بر آید و در آشیاں شود
تابوت و پنبہ کفن آرند مردہ شد
بعد از نماز باز سوئے خانماں شود
میراث گیر کم خرد آمد بجستجو
در زیر خاک با غم و حسرت نہاں شود
ایمان ما از غارت شیطان نگاہدار
حق را بخوان لطف و کرم میہماں شود
. . . . . .
در جستن دوا بہر ایں و آں شود
یاراں و دوستاں ہمہ در فکر عافیت
واں رنگ ارغوانی ما زعفران شد

در ورطۂ ہلاک فتد کشتی وجود
چو بنگریم دیدۂ ما خونفشان شود
آوازہ در سرائے بیفتد کہ خواجہ مرد
ورا و ذکر آں زکراں تاکراں شود

ہر کس رود بمصلحت خویش وجسم ما
پس گفتگوے بر سر باغ و دکاں شود
یارب مذو ببخش کہ مارا در آں زمان
تا از عذاب وخشم تو جان دراماں شود

اور بعض اکابر نے اپنے بادشاہ سے فرمایا کہ دنیا کی مذمت اور دشمنی لوگوں میں سب سے زیادہ اسی کو زیبا ہے جس کو وہ کثرت سے ملی ہو اور اس کی کوئی حاجت پوری ہونے سے نہ رہ گئی ہو کیونکہ ایسے شخص کو یہ توقع ہوتی ہے کہ کسی آفت سے میرا مال رائیگاں ہوجاوے گا میری جمعیت پریشان خواہ سلطنت کو زوال ہوگا یا جسم حوادث وامراض کا پامال یا ایسی چیز کے جانے کا رنج اٹھانا پڑیگا جس کو دوستوں سے بھی چھپا چھپا رکھتا ہے غرضیکہ دنیا کے ہونے سے اس کو اتنے آفات درپیش ہوتے ہیں اس لئے اس کو زیبا ہے کہ دنیا کو برا جانے یہ وہ بلا ہے کہ جو کچھ دیتی ہے سے لیتی ہے اگر صریح ہبہ کرے اس سے بھی پھرے اس کے حالات بدلتے رہتے ہیں ابھی تو ایک آدمی کو ہنساتی ہے اسی اثنا میں دوسروں کو اس پر ہنسی آتی ہے اگر کوئی کسی پر روتی ہے تو تھوڑی ہی دیر میں کوئی اور رونے والے پر نالاں ہوتا ہے اگر کسی کو دینے پر آتی ہے تو بعد چندے واپس لینے کے واسطے روتا ہے ہاتھ پھیلاتی ہے آج اگر کسی کے سر پر تاج وافسر ہے تو کل کو سر تلے خاک اور پھر کوئی جائے اور کوئی رہے اسکے نزدیک برابر ہے اگر جانے والے کا کوئی عوض رہے تو واہ واہ اور اگر نہ رہے تو واہ واہ قطعہ۔ دنیا زیست عشوہ دہ و دلستان ولیک ۔ با کس بسر نمی برد اوعہد شوہری ۔ آبستنے کہ ایں ہمہ فرزند زاد وکشت ۔ دیگر کہ چشم دار داز یں مہر مادری۔ اور حضرت حسن بصری نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا کہ بعد حمد وصلواۃ کے واضح ہو کہ دنیا جائے سفر ہے نہ اقامت کا گھر حضرت آدم علیہ السلام جو جنت سے اس میں اتارے گئے تو عقوبت وسزا کے لئے صرف اتارے گئے اے امیرالمومنین اس سے ڈرتے رہو اس کو ترک کر دینا ہی زاد آخرت ہے اور اس میں محتاج رہنا غنا وثروت ہر وقت ایک نہ ایک کو فنا کرتی رہتی ہے اور جو اس کو عزیز جانتا ہے اس کو ذلیل کر دیا کرتی ہے اور جو اس کو جمع کرتا ہے اس کو فقیر کرتی ہے اس کا حال زہر کا سا ہے کہ جو نہیں جانتا وہ کھاتا ہے اور ہلاک ہوجاتا ہے اس میں ایسی طرح رہنا چاہئے جیسے کوئی اپنے زخم کا علاج کرے کہ تھوڑے دنوں پرہیز کیا کرتا ہے اس خوف سے کہ کہیں مدت تک تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور چند روز دوا کی تلخی پر صبر کرتا ہے کہ کہیں درد مدت تک نہ رہے پس اس دار ناپائیدار فریبی مکار جفاشعار سے بچتے رہو اس کی ظاہر کی زینت صرف دھوکا ہے اور لوگوں کے پھنسانے کو بڑا مغالطہ جو اس کی آرزو میں مبتلا ہو اس کو بے نباہ کئے نہیں چھوڑتی اور سب کو توقع دلاتی ہے اس کی صورت دلھن کی سی ہے کہ آنکھوں کی تاک اور دلوں کا اشتیاق اور نفسوں کا عشق اسی پر ہے الا اس نے سب اپنے شوہروں کو مارڈالا

عروس دہر نکو روئے و دختریست ولے وفا نمی کند ایں سست مہر با داماد۔ مگر افسوس کہ پس ماند و نکو گذشتوں
سے عبرت نہیں ہوتی اور جو لوگ خدائے عزوجل کو پہچانتے ہیں باوجودیکہ اس نے اس کا حال فرما دیا ہے ان
کو کچھ نصیحت اثر نہیں کرتی بہت سے اس کے عاشق ایسے ہیں کہ جہاں ان کی حاجت پوری ہوئی اور دنیا
حسب دلخواہ ملی جب ہی مغرور و سرکش ہو کر معاد کو بھول جاتے ہیں اور اپنی عقل کو اتنا اس میں لگاتے ہیں کہ
ان کے قدم جادہ مستقیم سے لغزش کھا جاتے ہیں پھر جانکنی کے وقت بڑی ندامت اور نہایت حسرت سکرات
موت کے وقت اٹھاتے ہیں اور جو شخص[1] اس کی رغبت کرتا ہے اپنا مطلوب نہیں پاتا اور نہ اس کا نفس مشقت
سے آرام پاتا ہے اسی حال میں بے توشہ چل دیتا ہے اے امیر المومنین تم اس سے ڈرتے رہو اور جس وقت
تم کو اس میں زیادہ خوشی ہو اسی کا زیادہ خوف کیجیو۔ اس لیے کہ دنیا دار اگر کسی خوشی میں اطمینان کرتا ہے تو وہ
اس کو رنج میں ڈالتی ہے جو دنیا میں خوش ہوتا ہے وہ اس کے باشندوں کو مغالطہ دیتی ہے اور جو آج اس میں
نفع پاتا ہے کل کو ضرر اٹھاتا ہے اس میں وسعت عیش وبلا ہے اور بقا کا مال فنا ہے ہر خوشی غم آگیں ہے
اور ہر ایک راحت زحمت سے قریں جو اس میں سے گزر جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا اور آئندہ چیز کا حال معلوم
کہ اس کا انتظار ہو اس کی سب آرزوئیں دروغ ہیں اور تمام امیدیں بے فروغ صفائی ہمہ تن کدورت ہے اور
زندگی بہمہ وجوہ حسرت آدمی اگر غور و تامل کرے تو معلوم ہو کہ اس کی نعمتوں کا جدا ہونے کا خوف جدا ہے اور
مصیبت کا خوف جدا اگر بالفرض خدا تعالیٰ نے دنیا کی خبر نہ ارشاد فرمائی ہوتی اور نہ اس کی مثل بیان کی ہوتی
تب بھی دنیا سوتے کو جگا دیتی اور غافل کو ہوشیار کر دیتی پھر جب خدا تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہو تب تو بطریق
اولیٰ اس سے ہوشیاری ضروری ہے اس فانی کی قدر قادر مطلق کے نزدیک کچھ نہیں اور جب سے اس کو پیدا کیا
اس کی طرف نگاہ نہیں کی اس بات کو سوچو کہ یہ وہی پلید چیز ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مع خزائن
و کلید پیش کی گئی تھی اگر آپ اس کو قبول فرما لیتے تو خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ کے رتبہ میں سے مچھر کے پر کے
برابر بھی کم نہ ہوتا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا اس لئے کہ خدا تعالیٰ کے امر کی مخالفت بری معلوم ہوئی اور جس چیز
سے اس کو بغض ہے اس کے ساتھ محبت اچھی نہ جانی، اور اس کے نزدیک بے قدر تھی اس کو قدر دینا اب
ادب نہ سمجھا پس خدا تعالیٰ نے جو دنیا کو نیک بختوں سے علیحدہ رکھا ہے اور صرف امتحان کے لیئے ہے اور
اپنے دشمنوں کے لیئے جو اس کو پھیلا دیا ہے ان کو مغالطہ دھوکے کے لیئے یہی وجہ ہے کہ جس کو دنیا پر قدرت
ہو جاتی ہے اس کو یہ گمان ہوتا ہے خدا نے میری بڑی عزت کی اس شخص کو وہ یاد نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا کہ بھوک کے مارے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھا تھا۔ فقر و فقری نہ از
گزاف ست و مجاز زیں ہزاراں عزیز نہاں ست و ناز۔ اور ایک روایت[2] حدیث قدسی کی آپ سے ہے کہ اللہ

---

[1] ابن ابی الدنیا بر روایت حسن مرسلاً نقل کیا ہے اور احمد و طبرانی مسند بروایت ابی مغیرہ [2] ابن ابی الدنیا بروایت حسن مرسلاً و بخاری بروایت جابرؓ

تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ جب تم توانگری کو آتا دیکھو تو کہیو کہ کسی گناہ کی عقوبت جلد ہوئی ہے اور اگر مفلسی کو آتا دیکھو تو کہیو کہ خوب ہوا کہ یہ نیک بختوں کا شعار آیا اور اگر چاہو روح اللہ اور کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اقتدا کرو وہ یہ فرماتے تھے کہ میرا سالن بھوکھ ہے اور شعار خوف اور پوشاک اون اور جاڑوں میں میری انگیٹھی آفتاب کی دھوپ ہے اور چراغ چاند اور سواری دونوں پاؤں اور کھانا اور میوہ نباتات رات کو سوتا ہوں جب کچھ نہیں ہوتا صبح کو اٹھتا ہوں تب کچھ نہیں ہوتا اور روئے زمین پر مجھ سے زیادہ توانگر اور کوئی نہیں حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ جب خداوند کریم نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو فرعون لعین کے پاس بھیجا تو ان کو ارشاد فرمایا کہ تم اس کے لباس دنیاوی سے مت ڈرنا اس کی کل میرے ہاتھ میں ہے بدون میرے حکم کے نہ بولتا ہے نہ آنکھیں بند کرتا ہے نہ سانس لیتا ہے اور تم اس کے دنیاوی ٹھاٹھ سے تعجب مت کرنا یہ صرف دنیا ہی کی ٹیپ ہے اور دولت مندوں کی زینت اگر میں چاہوں تو دنیا کی آرائش سے تم کو بھی ایسا آراستہ کر دوں کہ فرعون بھی دیکھے تو جان لے کہ مجھ سے اتنی زیبائش ممکن نہیں مگر میں تمہارے لئے اس بات کو پسند نہیں کرتا اور تم سے یہ سب آرائش علیحدہ رکھوں گا میں اپنے دوستوں سے ایسا ہی کرتا ہوں دنیا کی نعمتوں سے اس کو علیحدہ رکھتا ہوں جیسا کہ کوئی چرواہا اپنے گلے کو مہلک چراگاہ سے بچاتا ہے یا کوئی مشفق ساربان اپنے اونٹوں کو خارش والے اونٹوں کے پاس بٹھانے سے روکتا ہے اور یہ بات اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ لوگ میرے نزدیک ذلیل ہوں بلکہ اس نظر سے ہے کہ میری کرامت و انعام کو صحیح و سالم توقیر کے ساتھ پورا حاصل کریں میرے دوست جو میرے لئے زینت کرتے ہیں انکسار اور خوف اور خضوع اور تقویٰ سے کرتے ہیں یہ باتیں ان کے دلوں میں جمی رہتی ہیں اور جسموں پر ظاہر ہوتی ہیں یہی امور ان کے آثار و شعار ہیں اور ان کے دلوں کی متاع پایندار جس نجات پر کہ ان کی فلاح ہے اور جس کی رجا کی کہ ان کو توقع ہے یہی باتیں ہیں اور بزرگی پر ان کو ناز ہے اور جس علامت سے کہ ان کی شناخت ہے وہ بھی یہی ہیں جب ایسے لوگ تم کو ملیں تو ان کی تعظیم کرنا اور یہ انکسار دل و زبان پیش کرنا اور جان لو کہ جو شخص میرے کسی دوست کو ڈراتا ہے وہ مجھ سے برسر پرخاش آتا ہے قیامت کو میں اس سے اس کا عوض لوں گا انتہیٰ اور ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اثناء خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو جان لو کہ تم کو مرنا ہے اور بعد موت کے اٹھنا اور اپنے اعمال پر وقوف پاکر ان کی جزا کو پہنچنا پس زندگی دنیا پر مت پھولو اور ان باتوں کو مت بھولو دنیا مصیبت کا گھر ہے فنا ہونا اس کا معروف ہے اور دھوکا دینے میں موصوف اس کی ہر ایک چیز کا انجام زوال ہے اور اس کا کسی کے پاس ہمیشہ رہنا محال نہ اس کے حالات تبدیل سے مامون ہیں نہ اس کے باشندے آفات سے مصئون جب آدمی کو اس میں راحت، و سرور پہنچتی ہے یکایک مصیبت آجاتی ہے اس کے احوال مختلف ؛ باہم دگر ہیں اور نامرتب متغیر نہ اس کے عیش کو قیام ہے نہ راحت کو دوام باشندے دنیا کے ہدف ہیں کہ جن کو اپنے تیروں کا نشانہ بناتی ہے اور موت سے سب کی خاک اڑاتی

ہے موت ہر ایک کے سر پر قائم ہے اور اس کا چکھنا سب کو لازم ہے اے اللہ تعالیٰ کے بندو آج دنیا میں تمہارا ایسا حال ہے جیسا تم سے پہلے لوگوں کا تھا جو تم سے عمر میں زیادہ اور قوت میں قوی اور آبادی میں اکثر اور مکانات میں اعلیٰ تھے مگر دنیا کے طول انقلاب سے اب ان کی آواز نہیں نکلتی ان کے جسم سڑ گئے اور شہر الٹ گئے اور مکانات گر گئے یا وہ مکان عالیشان اور گاؤ تکیے اور عمدہ فرش تھے یا اب پتھر اور اینٹیں اور خاک گور اور گوشہ لحد ہے ان قبروں کی یہ قبریں ہر ایک دوسرے کے قریب ہے اور ان کے رہنے والے اجنبی اور غریب ہیں موحش عمارت والوں اور تمشا غل اہل محلہ میں جا پڑے ہیں کہ ان کو آبادی سے موانست ہے نہ بھائی بندوں اور ہمسایوں کی طرح آپس میں ملاوٹ و رغبت ہر چند مکان قریب ہیں مگر میل کی صورت نہیں اس لیئے کہ ان کو کہنگی نے پیس ڈالا اور پتھر و مٹی نے ان کا کچومر نکالا زندگی کے بعد اسیر پنجہ موت ہوئے اور اجسام نازنین راحت و آسودگی کے پیچھے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے خاک میں اپنے یاروں میں جا ملے اور ایسے گئے کہ پھر کبھی نہ پھرے پھرنے کا کیا ذکر ہے جس صورت میں خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کلّا[ت۱] انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورآئھم برزخ الی یوم یُبعثُوْنَ ۵. اب تم بھی قطعاً جان لو کہ جیسے ان کا حال ہوا وہی تمہارا ہوگا وہی تنہائی ہوگی اور وہی خاک میں گلنا اسی خوابگاہ میں سونا اور اسی ٹھکانے رہنا علاوہ ازیں جب تم کو کیسی بنے گی جب یہ باتیں تمہارے پیش نظر ہوں گی اور قبروں میں سے نکالے جاؤ گے جی کی باتیں تحقیق کی جاویں گی بادشاہ علی الاطلاق کے سامنے روبکاری ہوگی گذشتہ گناہوں کے خوف سے کلیجے پھٹے جاتے ہوں گے اور دل تھراتے پردے تمہارے فاش ہوں گے عیوب اور چھپی باتوں کو سامنے کیا جاوے گا اور ہر عمل اچھے برے کا بدلہ دیا جاوے گا جیسا کہ مضمون در پیش ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۲] لیجزی الذین اساؤا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنی۔ اور دوسری جگہ فرماتا ہے[ت۳] ووضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین مما فیہ ویقولون یا ویلتنا مال ھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصٰھا ووجدوا ما عملوا حاضرًا ۵ خدا وند کریم سے التجا ہے کہ ہم کو اور تم کو تابع اپنی کتاب کا اور پیرو اپنے احباب کا رکھے یہاں تک کہ ہم سب کو اپنے فضل سے رہنے کی جگہ یعنی آخرت میں پہنچاوے وہی حمید اور صاحب بزرگی ہے انتہی اور بعض حکما کا قول ہے کہ زمانہ تیرانداز ہے اور آدمی نشانہ کہ ہر روز عمر کے دن رات کو اپنے تیر دن سے اڑاتا رہتا ہے یہاں تک کہ تمام عمر پوری

ت۱ کوئی نہیں یہ بات ہے کہ وہ کہتا ہے اور ان کے پیچھے لٹکا وا ہے جس دن تک اٹھاوے جاویں ۱۲ ت۲ تا وہ بدلہ دلا دیوے برائی والوں کے ان کے کئے کا اور بدلہ دیوے بھلائی والوں کو بھلائی ۱۲ ت۳ اور رکھا جاوے گا کاغذ پھر تو دیکھے گا گنہگار ڈرتے ہیں اس کے بیچ لکھے سے اور کہتے ہیں اسے خرابی کیا ہے یہ لکھا نہ چھوڑے چھوٹی بات نہ بڑی بات جو اس میں گھیری اور پاویں گے جو کیا ہے سامنے ۱۲ ف۱ اے لذات دنیا والو اس کو کچھ پائیداری نہیں البتہ ڈھلتے سایہ سے دھوکا کھانا بے وقوفی ہے ح دنیا خواب ہے اور اس کے لوگ اس پر جزا اور سزا دیئے جاویں گے اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲۔

ہو جاتی ہے پس باوجود دن کے گزرنے اور راتوں کے جلدی جلدی بسر ہونے کے آدمی کب تک سلامت رہ سکتا ہے اگر آدمی کو اپنے اوپر زمانہ کی تاثیر معلوم ہو کہ ہر گھڑی نقصان عمر کرتا جاتا ہے تو دونوں کے گزرنے سے نفرت ہو اور ساعات کے چلے جانے سے وحشت مگر خداوند کریم کی حکمت ہے کہ اس کا خیال نہیں آتا۔ غافل تجھے گھڑیال یہی دیتے ہیں منادی۔ خالق نے گھڑی عمر سے ایک اور گھٹا دی۔ اور یہیں نظر کہ دنیا کے آفات سے آدمی مطمئن ہیں اس کی لذات کا مزہ اچھا معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ اندرائن کے پھل سے بھی کڑوا ہے بشرطیکہ کوئی دانا اس کو چکھے اور اس کے ظاہر افعال دیکھ کر کوئی بیان کرنے والا بھی اس کے عیب بیان نہیں کر سکتا اور جو عجائب کہ دنیا بروئے کار لاتی ہے حیطۂ تقریر واعظین سے زائد ہے خدا ہی راہ راست پر چلنا نصیب فرمائے اور بعض حکمائے سے جو دنیا کا وصف اور اس کی بقا کی مقدار پوچھی گئی تو جواب میں فرمایا کہ دنیا اس وقت کا نام ہے جس میں آدمی آنکھ جھپکاتا ہے اس واسطے کہ جو زمانہ اس وقت سے پیشتر گزر چکا ہے وہ تو اس کو مل نہیں سکتا اور جو وقت ابھی آیا نہیں اس کا حال معلوم نہیں کہ ملے گا یا نہیں اور وقت کا حال یہ ہے کہ دن جب اچھی طرح گزر جاتا ہے تو رات اس کے ماتم میں سیہ پوش ہوتی ہے اور گھڑی گھڑی ہوتے طے ہو جاتا ہے اس کے حوادث انسان پر برابر آتے ہیں اور تغیر و نقصان پہنچاتے ہیں اور زمانہ کا کام یہی ہے کہ جماعتوں کو منتفرق کرے اور جتھوں میں ابتری ڈالے اور دولت کو ایک ہاتھ سے دوسرے کے پاس پہنچاوے اس کی امل بہت طویل ہے اور زندگانی بہت قلیل اور پھر سب کا رجوع رب جلیل کی طرف ہوگا۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو جس بات کے لئے تم پیدا ہوئے ہو اگر اس کی تصدیق کرو تو تم بے وقوف ٹھہرتے ہو اور اگر تکذیب کرو تو ہلاک ہوتے ہو یعنی تم کو ہمیشہ رہنے کے لئے پیدا کیا ہے مگر ایک عالم سے دوسرے عالم میں بھیجے جاؤ گے اے بندگان خدا تم اب اس جگہ میں ہو کہ اگر اس میں کھانا کھاؤ تو گلے میں اٹکے اور پانی پیو تو اچھو لگے کسی نعمت سے تمہاری خوشی پوری نہیں ہوتی کہ دوسری نعمت کی جدائی سر پڑتی ہے جس سے تم کو رنج ہوتا ہے اب اپنے حال کو سمجھو کہ کیا ہوتا ہے اور کہاں ہمیشہ رہنا پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس قول کے بعد اتنا گریہ غالب ہوا کہ منبر پر سے اتر آئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ میں تم سے وصیت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور دنیا کو ترک کرو گے تو تم کو اس کا چھوٹنا اچھا معلوم نہ ہوگا مگر وہ تم کو چھوڑ دے گی تم اس کو نیا کرنا چاہتے ہو اور وہ تمہارے جسموں کو پرانا کئے جاتی ہے، تمہاری اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے مسافر کسی راہ میں چلیں اور گویا اس کو طے کر لیں یا پہاڑ پر پہنچیں اور اس پر مثلاً چڑھ چکیں راہ تو چلتے چلتے کسی حد پر ختم ہی ہو جاتی ہے اور اکثر ایسا ہی ہے کہ جس کی بات دنیا میں بنی ہوئی ہے موت کا جلد باز پیادہ اس کے پیچھے ہے یہاں تک کہ دنیا سے جدا ہو جاوے پس اس کی تکلیف و نقصان میں مضطر نہ ہونا چاہیئے کہ آخر کو منقطع ہو جاوے گی اور نہ اس کی متاع و دولت پر خوش ہونا چاہیئے کہ وہ بھی انجام کو جاتی رہے گی مجھے طالب دنیا سے بڑا تعجب ہے کہ وہ تو دنیا کا طالب ہے اور موت اس

کی طالب اور غافل سے تعجب ہے کہ اس کو غفلت ہے مگر اس کے حال سے غفلت نہیں کی جاوے گی اور حضرت محمد بن حسین رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب عاقلوں اور عالموں اور عارفوں اور رادیوں کو معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کی حقارت کی اور اس کو اپنے دوستوں کے لیئے اچھا نہیں جانا اور وہ اس کے نزدیک بہت حقیر اور ردی چیز ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں زہد فرمایا اور اپنے یاروں کو اس کے فتنہ سے ڈرایا تو انہوں نے اس میں سے میانہ روی کے طور پر کھایا اور زیادتی کو اپنا توشہ آخرت بنایا اس میں سے بقدر کفایت لیا اور جس مقدار سے کہ لہو میں پڑیں اس کو ترک کیا پوشاک مقدار ستر عورت اختیار کی اور غذا میں سے ادنیٰ مقدار دفع گرسنگی کھائی دنیا کو اس نظر سے دیکھا کہ فانی ہے اور آخرت کو جانا کہ باقی ہے اسی وجہ سے دنیا میں سے اسی قدر توشہ لیا جیسے مسافر لیتا ہے پس دنیا کو اجاڑ اور آخرت کو آباد کیا آخرت کی طرف چشم دل سے دیکھا اور جانا کہ عنقریب چشم ظاہر سے بھی دیکھیں گے اسی لیئے اس کی طرف دل سے کوچ کیا اس خیال سے کہ آخر جسم سے بھی اس کی طرف جانا پڑے گا تھوڑی سی مشقت دنیا میں اٹھا کر بہت دنوں کا عیش حاصل کیا یہ سب باتیں ان کو خدا تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوئیں کہ جو کچھ اس نے ان کے لیئے محبوب جانا اسی کو انہوں نے محبوب سمجھا اور جس چیز کو اس نے برا سمجھا اس کو انہوں نے بھی برا تصور کیا۔

دنیا کی کیفیت

جاننا چاہیئے کہ دنیا بہت جلد گزران ہے ہر کسی کو وعدہ بقا کرتی ہے مگر الٹا اس کے خلاف وعدہ کا ہر کوئی نالاں ہے ظاہر میں دیکھو تو ٹھہری معلوم ہوتی ہے حالانکہ بڑی تیز رفتاری سے جلد جلد بھاگتی ہے اس کی حرکت دیکھنے سے معلوم نہیں ہوتی مگر الا انقضاء سال و ماہ سے محسوس ہوتی ہے اس باب میں اس کی مثال سایہ کی سی ہے کہ وہ بھی ظاہر میں حرکت کرتا معلوم نہیں ہوتا مگر حقیقت میں متحرک رہتا ہے اس کی حرکت آنکھ سے نہیں سوجھتی بلکہ عقل سے معلوم ہوتی ہے اور دنیا کو سایہ کے ساتھ مشابہت اکابر نے بھی دی ہے چنانچہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ کے سامنے جو ذکر دنیا کا ہوا تو آپ نے یوں فرمایا ۔ ڈھلتا ہوا سایہ کہو یا خواب پریشان ۔ کہتے ہیں اس کا فریب وہی جو کہ ہیں ناداں اور حضرت امام حسین علیہ السلام اکثر تشبیہ دینے میں یہ شعر پڑھتے ؎ یا اہل لذات دنیا لابقاء لہا ۔ ان اغترار بظل زائل حمق اور یوں مشہور ہے کہ یہ شعر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے والد بزرگوار کا ہے اور روایت ہے کہ ایک اعرابی کسی قوم میں مہمان ہوا انہوں نے اس کو کھانا کھلایا پھر ایک خیمہ کے سایہ میں سو گیا ان لوگوں نے خیمہ اکھاڑ لیا اس کو جو دھوپ لگی اٹھ کھڑا ہوا اور یہ شعر پڑھا ؎ دنیا ہے مثال سایہ قائم ۔ ڈھلنا اسے ایک دن ہے لازم۔ اور چونکہ دنیا اپنے خیالات سے آدمی کو دھوکا دیتی ہے اور اس میں سے نکلنے کے بعد کچھ بھی ساتھ نہیں رہتا اس اعتبار سے اس کی مثال خیالات خواب کی سی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے اُلدنیا حلم و اھلھا علیھا مجازون[1]

---

[1] دنیا خواب ہے اور اس کے لوگ اس پر جزا اور سزا دیے جاویں گے اس کی سند مجھے نہیں ملی۔ ۱۲

و معا تبعون ؓ اور یونس بن عبید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں تشبیہ دنیا کی یوں دی ہے کہ جیسے سوتا آدمی خواب میں کسی بری یا بھلی بات سے رنجیدہ یا خوش ہوا کرتا ہے ایسے ہی لوگ بھی گویا خواب میں رنج وراحت دنیاوی دیکھ رہے ہیں مرنے کے بعد جو آنکھ کھلے گی تو کچھ نہ پاویں گے سے جب آنکھ نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے۔ اور تشبیہ دنیا میں بعض لوگوں کا قول ہے سے دنیا خوابست و زندگی در دے خوابے ست کہ در خواب بہ بینی آنرا اور اس اعتبار سے کہ دنیا اپنے اہل و اولاد کی دشمن جاتی ہے اور ان کو تباہ و برباد کرتی ہے اس کی مثال اس عورت کی سی ہے جو مردوں کے واسطے اپنے آپ کو بنایا سنوارا کرے اور جب کسی سے بیاہی جاوے اس کو ذبح کر ڈالے یہی حال دنیا کا ہے کہ اوّل اوّل بہت اچھی اور نرم و نازک معلوم ہوتی ہے مگر آخر کو تباہ کر دیتی ہے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے سامنے دنیا ایک پوپلی بڑھیا کی صورت میں آئی ہر ایک طرح کی زینت سے آراستہ و پیراستہ تھی آپ نے پوچھا کہ تو نے کتنے شوہر کئے اس نے جواب دیا کہ مجھ کو شمار نہیں معلوم آپ نے فرمایا وہ سب تجھ کو چھوڑ کر مر گئے یا تجھ کو طلاق دے دی اس نے عرض کیا کہ میں نے ان کو ذبح کر ڈالا آپ نے فرمایا کہ پھر تیرے باقی شوہروں کی خرابی ہے کہ پہلوں کا حال دیکھ کر عبرت نہیں کرتے تو ایک ایک کو مارتی جاتی ہے اور وہ تجھ سے نہیں ڈرتے سے مجو درستی عہد از جہان سست نہاد۔ کہ ایں عجوز عروس ہزار داماد ست۔ اور اس اعتبار سے کہ دنیا کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہے اس کی مثال ایسی تصور کرنی چاہیئے کہ ایک بڑھیا بد صورت اپنے اوپر خوب عمدہ پوشاک و زیور پہن لے اور منہ پر برقعہ ڈال کر لوگوں کو فریب دے جب اس کو اس کے باطن کا حال معلوم ہوا اور منہ پر سے گھونگھٹ اٹھا کر دیکھیں تو اس کے اتباع سے نادم و خجل ہوں اور اپنی کم عقلی اور دھوکا کھانے سے شرمندہ۔ علاء بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک بڑھیا دیکھی جس کی کھال سکڑی تھی اور زیور و لباس میں لدی پڑی تھی آدمی اس کے گرد تعجب سے دیکھ رہے تھے میں نے پاس آکر اس کو دیکھا تو لوگوں کو اس کی طرف دیکھنے سے نہایت متعجب ہوا کہ یہ اس کی طرف کیوں مائل ہیں آخر اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا کہ تم مجھے نہیں پہچانتے میں نے کہا کہ میں تو نہیں جانتا تو کون ہے اس نے جواب دیا کہ میں دنیا ہوں میں نے کہا خدا تیرے شر سے بچاوے اس نے کہا کہ اگر میرے شر سے بچا چاہتے ہو تو روپے پیسے کو برا جاننا اور ابوبکر بن عیاش ؒ کہتے ہیں کہ میں نے قبل اس سے کہ بغداد میں پہنچوں دنیا کو خواب میں ایک بڑھیا پھوس بد صورت دیکھی کہ تالیاں بجا رہی ہے اور اس کے پیچھے خلقت اس کی خواستگار ہے وہ بھی تالیاں بجاتے اور ناچتے ہیں جب وہ میرے سامنے آئی تو میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ اگر مجھ کو موقع ملا تو یہی حال تیرا بھی کروں گی جو ان کا ہے اس خواب کو کہہ کر ابوبکرؒ رو پڑے اور فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا ہے کہ قیامت کو دنیا ایک بڑھیا بد صورت گیری آنکھوں والی شکل میں لائی جاوے گی دانت آگے کو نکلے ہوں گے لوگوں کو سامنے کر کے پوچھا جاوے گا کہ تم اس کو بھی پہچانتے ہو عرض کریں گے خدا پناہ دے کہ ہم اس کو جانیں حکم ہو گا کہ یہ وہی دنیا ہے جس کے لئے تم فخر اور حسد اور بغض اور

قطع رحم اور مکر و فریب کیا کرتے تھے اور اس کے پھندے میں آگئے تھے پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جاوے گا وہ عرض کرے گی کہ الٰہی میرے اتباع کرنے والے اور گروہ کہاں ہیں حکم ہو گا ان کو بھی اسی کے ساتھ کر دو اور اور حضرت فضیل سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک آدمی اپنی روح سے اوپر کو چڑھا راستہ میں اس نے ایک عورت ہر ایک طرح سے آراستہ و پیراستہ دیکھی جو اس کے پاس سے نکلتا ہے اس کو زخمی کر دیتی ہے پشت کی طرف دیکھو تو بہت ہی اچھی معلوم ہوتی ہے اور آگے سے بہت بڑی بڑھیا پھوس نیلی چندھی آنکھوں کی ہے اس نے کہا کہ مجھ کو خدا تجھ سے بچاوے اس نے جواب دیا بخدا اللہ تعالیٰ تجھ کو مجھ سے نہیں بچانے کا جب تک روپیہ پیسے کو برا نہ جانے گا اس نے پوچھا کہ تو کون ہے جواب دیا کہ دنیا ہوں اور اس اعتبار سے کہ آدمی کا گزر دنیا پر ہوتا ہے اس کی کچھ حقیقت ہی نہیں اس لئے کہ آدمی کے تین حال ہیں اول تو وہ زمانہ کہ جس میں پیدا نہیں ہوا تھا یعنی ازل سے پیدائش کے وقت تک دوسرا مرنے کے بعد سے ابد تک جس میں دنیا کو نہ دیکھے گا تیسرا ایام حیات کا زمانہ کہ جس کا نام دنیا ہے پس اگر اس زندگی دنیا کو ازل اور ابد کی نسبت کر کے دیکھو تو ایسی بھی نہ ہو گی جیسے ایک سفر طویل میں تھوڑا سا مقام ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ مالی والدنیا[1] وانما مثلی ومثل الدنیا کمثل راکب صار فی یوم صائف فرفعت لہ شجرۃ فقال تحت ظلھا ساعۃ ثم راح وترکھا کہا اور جو کوئی دنیا کو اس نظر سے دیکھے کبھی اس کی رغبت نہ کرے اور نہ یہ پروا کرے کہ دن کس طرح گزرتے ہیں تنگی میں یا فراخی میں رنج میں یا راحت میں اور اینٹ پر اینٹ بھی نہ رکھے اور از آنجا کہ دنیا کی کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب معلوم تھی اس لئے زندگی بھر نہ مکان[2] اینٹ کا بنایا نہ لکڑی کا بلکہ بعض صحابہ کو لکڑی کا مکان بناتے دیکھ کر فرمایا[3] اری الامر اعجل من ھذا۔ اور مکان کا بنوانا برا معلوم ہوا اور اسی کی طرف عیسیٰ علیہ السلام بھی اشارہ فرماتے ہیں کہ دنیا ایک پل ہے اس پر سے گزر جاؤ اور عمارت نہ بناؤ اور یہ مثال خوب صاف ہے کیونکہ زندگی آخرت میں پہنچنے کے لئے ایک پل ہے اس کا ایک ستون مہد ہے اور ایک لحد اور دونوں کے درمیان مسافت محدود ہے اور بعض لوگوں نے اس پل کا نصف قطع کر لیا ہے بعض نے تہائی اور بعض نے دو تہائی اور بعض کو ایک قدم ہی طے کرنا باقی ہے مگر اس کو معلوم نہیں بہر حال اس پر سے گزرنا ضروری ہے اور پل پر عمارت بنائی اور اقسام زینت سے آراستہ کرنا اور پھر چھوڑ کر چلے جانا نہایت جہل اور ذلت ہے اور چونکہ دنیا میں خوض کرنا بہت آسان اور نرم ہے اس لئے دنیا دار کو معلوم ہوتا ہے اس لئے دنیا دار کو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے سلامت نکل جانا بھی ایسا ہی آسان ہے اور مزہ دار ہو گا حالانکہ یہ نہیں بلکہ اس کے اندر پھنس جانا بہت سہل ہے اور سلامت نکلنا بہت

---

[1] مجھ کو دنیا سے کیا کام ہے اور میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سوار گرمی کے دن میں چلے اور اس کو کوئی پیڑ ملے اور اس کے سایہ کے نیچے ایک ساعت سو رہے پھر چل دے اور اسے چھوڑ جاوے ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ وحاکم بروایت ابن مسعود ۱۲ [2] ابن حبان وطبرانی بروایت عائشہ رض بسند ضعیف ۱۲ [3] میں دیکھتا ہوں امر کو اس سے جلد تر ابو داؤد ترمذی بروایت عبداللہ بن عمر ۱۲

نہایت مشکل اس کی مثال حضرت علیؓ نے حضرت سلمان فارسیؓ کو یوں لکھی تھی۔ کہ دنیا بمنزلہ سانپ کے ہے ظاہر میں اس کو ہاتھ لگاؤ تو نرم اور چکنا معلوم ہوتا ہے اور اس کا زہر آدمی کو مار ڈالتا ہے پس تم کو جو چیز اس میں سے اچھی معلوم ہو اس کی طرف سے منہ پھیر و کہ وہ تمہارے ساتھ بہت کم رہے گی اور از آنجا کہ تم کو اس کے فراق کا یقین ہے اس لیئے اس کے تردوات کو بھی برطرف کرو اور اس کی سب سے زیادہ خوشی کی حالت سب سے زیادہ خوف کا مقام ہے کیونکہ دنیا میں جب کبھی کسی کو خوشی پہنچتی ہے اس کے بعد ویسا ہی رنج بھی پہنچا کرتا ہے والسلام اور دنیا میں پھنس کر اس کے آفات سے سلامت رہنے کی مثال اس حدیث میں ہے انما مثل صاحب الدنیا کماشی فی الماء ہل یستطیع الذی یمشی فی الماء ان لا تبتل قدماہ اس حدیث سے جہالت انلوگونکی معلوم ہوئی جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے جسم صرف لذات دنیا سے بہرہ ور ہیں اور دل اس سے پاک وصاف ہیں دلوں میں کسی کا علاقہ نہیں اور یہ ایک شیطان کا دھوکا ہے کہ ان کو فریب دے رکھا ہے اس لیئے کہ اگر ان کو اس عیش ولذت سے علیحدہ کر دیا جاوے تو کیسا بڑا رنج کرتے ہیں اگر دل کو علاقہ نہ تھا تو درد و رنج کس کو ہوتا غرضیکہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درست ہے کہ جس طرح پانی میں چلنے سے قدم ضرور تر ہوتے ہیں اسی طرح دنیا کے اختلاط سے بھی دل میں ایک علاقہ اور ظلمت پیدا ہوتی ہے بلکہ اس تعلق دنیاوی سے دل میں عبادت کا مزہ نہیں ہوتا چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں سچ کہتا ہوں کہ جیسے بیمار آدمی شدت درد میں کھانے کا مزہ نہیں پاتا اسی طرح جس کو دنیا کا روگ ہے وہ عبادت کی حلاوت نہیں اٹھاتا اور یہ بھی سچ کہتا ہوں کہ جس طرح گھوڑا سوار نہونے اور پھرا نہ جانے سے بگڑ جاتا ہے اور کام نہیں دیتا اسی طرح اگر دل بھی ذکر موت اور مشقت عبادت سے نرم اور روبراہ نہ کیا جائے تو سخت اور بیکار ہو جاتا ہے اور یہ بھی درست بات ہے کہ مشک جب تک پھٹتی اور سوکھتی نہیں اس میں شہد بھرا کرتے ہیں اسی طرح جب دل شہوات سے نہیں پھٹتے اور طمع سے ناپاک اور لذت سے سخت نہیں ہوتے تب تک حکمت ان میں آسکتی ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ انما بقی من الدنیا۔ بلاء وفتنہ وانما مثل کل احد کم کمثل الوعاء اذا طاب اعلاہ طاب اسفلہ واذا خبث اعلاہ خبث اسفلہ [۵]

اور ایک حدیث میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مثل ثوب شق

---

[۱] دنیا دار کی مثال ہے جیسے پانی میں چلنے والا تو کہیں اس کو ممکن ہے کہ پانی میں چلے اور اس کے پاؤں تر نہ ہوں ۱۲ بیہقی در شعب دز ہد بروایت حسن عن انس [۲] ۱۲ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کپڑا اوّل سے آخر تک پھٹے اور ایک تاگا اٹکا رہے پس قریب ہو کہ وہ ڈورہ بھی کٹ جائے ۱۲ ابن حبان و ابونعیم و بیہقی در شعب بروایت انس بسند ضعیف [۳] احمد و طبرانی بروایت ضحاک اور اس کی سند میں ایک راوی مختلف فیہ ہے ۱۲ [۴] بیشک دنیا آدمی کے لیئے ضرب المثل ہوئی ہے تو دیکھو جو آدمی میں سے نکلتا ہے اگر اس میں مصالحہ اور نمک ڈالا ہو تو کیسا اس کا انجام ہوتا ہے ۱۲ طبرانی و ابن حبان بالفاظ مختلف شروع حدیث ۱۲ [۵] دنیا میں صرف بلا اور فتنہ رہ گیا اور تم میں سے ہر ایک

کی مثال ایسی ہے کہ جیسے برتن کہ اگر اس کا ظاہر اچھا ہو گا تو باطن بھی اچھا ہو گا اور جب اوپر سے برا ہو گا تو نیچے سے بھی برا ہو گا ابن ماجہ بروایت حادیہ اختلاف در دجال ۱۲

من اولی الی آخرہ لبقی متعلقاً بخیط فی آخرہ فیوشک ذلک ان ینقطع ؎ اس حدیث میں اس بات کی مثال ہے کہ دنیا جس قدر باقی ہے بہ نسبت گذشتہ کے بہت کم ہے اور اس وجہ سے کہ دنیا کا ایک علاقہ دوسرے کا باعث ہوتا ہے اور مرنے تک یہی سلسلہ رہتا ہے اس کی مثال حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یوں ارشاد فرمائی کہ طالب دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص پیاس کے لئے کھاری پانی پیوے کہ جتنا زیادہ پیئے گا اتنا ہی پیاس زیادہ ہوگی یہاں تک کہ آخر کو مرجائے گا اور اسی باعث سے کہ دنیا کا آغاز اچھا معلوم ہوتا ہے اور انجام پلید ہوتا ہے اس کی مثال غذا سی ہے یعنی شہوات دنیا دل میں ایسی اچھی معلوم ہوتی ہے جیسے شہوات غذا معدہ میں پہنچ کر اپنے کمال کو پہنچتی ہے مثلاً جس قدر غذا لذیذ و مزہ دار اور چکنی خواہ شیریں ہوگی اسی قدر اس میں بدبو اور کثافت زیادہ ہوگی اسی طرح دل کی شہوات میں سے جونسی شہوت قوی اور لذیذ ہوگی اس کی کراہت اور بدبو مرنے کے وقت زیادہ ہوگی بلکہ یہ بات زندگی میں ہی دیکھ لو کہ اگر کسی کا گھر بار چھن جاوے اور مال و اولاد و زن و فرزند لٹ جاویں تو اس کو مصیبت و درد اسی چیز کا زیادہ ہوگا جس سے محبت زیادہ تھی اور بہت لذیذ جانتا تھا اور کثرت سے حرص کرتا تھا خلاصہ یہ کہ جس کا ہونا جس قدر اچھا معلوم ہوتا ہے اسی قدر اس کے نہ ہونے سے رنج بھی ہوتا ہے اور موت سے بھی یہی غرض ہے کہ دنیا کی نعمت جاتی رہے اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضحاک بن سفیانؓ کلابی سے فرمایا کہ تم اپنی غذا نمک مرچ کے ساتھ کھاکر پھر پانی اور دودھ پیتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا پھر اس غذا کا کیا بنتا ہے انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو آپ جانتے ہی ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ جلشانہ دنیا کو اسی چیز کے مشابہ فرماتا ہے جو انجام کو غذا بن جاتی ہے اور حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدنیا ضربت مثلاً لا بن آدم فلنظر مایخرج من ابن آدم وان قزحہ وملحہ الی ما صوبت اور فرمایا ان اللہ ضرب الدنیا لمطعم ابن آدم مثلاً وضرب مطعم ابن آدم الدنیا مثلاً وان قزحہ وملحہ ؎ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا ہوں کہ اول غذا میں خوب مسالہ وخوشبو ڈالتے ہیں اور پھر اس کو کہاں ڈال آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلینظر الانسان الی طعامہ ؎ اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ طعام سے مراد وہ صورت ہے جو غذا کے انجام کو ہوجاتی ہے اور ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ

؎ مثال اس دنیا کی ۱۲ ؎ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو آدمی کے غذا کی مثل بیان فرمایا اور غذا انسان دنیا کے واسطے بیان فرمائی ہے گو اس میں مرچ ونمک لگادے یعنی جیسی غذا باوجود مسالہ ونمک کے ایسی حالت میں ہوجاتی ہے جو نہایت بدمزہ ہوجاتی ہے ویسی ہی دنیا باوجود امارت اور درستی اسباب کے انجام کو کچھ نہیں رہتی اور خراب ہوجاتی ہے اس حدیث کا اول جملہ غریب ہے اور دوسرا جملہ اوپر کی حدیث میں گزرا ۱۲ ؎ اب نگاہ کرے آدمی اپنے کھانے کو ۱۲ ؎ مسلم روایت مسعود بن شداد ۱۲ ؎ ابن ابی الدنیا نے اسی طرح مرسلاً نقل کیا ہے اور احمد وطبرانی اور بزاز نے بروایت ابن عباس یہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کا بیان کیا ہے کہ دو فرشتے آئے ایک نے دوسرے سے یہ مثال بیان کی اور مختصراً نقل کیا ۱۲ اور البتہ پچھلی بہتر ہے پہلی سے ۱۲

سے عرض کیا کہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کچھ مگر شرم آتی ہے آپ نے فرمایا کہ شرمانا نہ چاہیئے پوچھ لو اس
اس نے عرض کیا کہ جب آدمی پاخانے سے فارغ ہولیا اس کو دیکھے آپ نے فرمایا کہ ہاں فرشتہ اس کو یوں کہتا
ہے کہ جس چیز کا بخل کیا کرتا ہے اس کو دیکھ کہ اس کا انجام کیسا ہوا اور حضرت بشیر بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ لوگو چلو
تم کو دنیا دکھاؤں ان کو کسی گھورے پر لے جاتے اور فرماتے کہ وہ ان کے میوے اور مرغ اور شہد اور گھی ہے
اور آخرت کی بہ نسبت دنیا کی مثال اس حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی
مقدار آخرت میں ایسی ہے کہ جیسے کوئی سمندر میں انگلی ڈال کر دیکھے کہ انگلی پر کس قدر پانی آیا یعنی آخرت کے
سامنے دنیا ہیچ ہے اور اس وجہ سے کہ دنیا دار دنیا کی لذتوں میں مبتلا ہو کر آخرت سے غافل رہتے ہیں اور پھر
بڑی بڑی حسرتیں اٹھاتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوئے اور ایک جزیرے میں
پہنچے وہاں پر پہنچ کر ملاح ان کو اجازت دی کہ جس کو قضاء حاجت منظور ہو وہ یہاں اتر جاوے مگر یہ مقام خوفناک
ہے یہاں سے جلد اپنا کام کر کے واپس آنا ورنہ کشتی کھل جاوے گی یہ لوگ کشتی سے اتر پڑے اور اطراف
جزیرہ میں پھیل گئے پھر بعضوں نے تو ملاح کے قول پر عمل کیا اور قضائے حاجت کرتے ہی کشتی کی طرف چلے
آئے اور کشتی کی طرف دیکھ کر خوب فراغت کی جگہ اور خواطر خواہ آسائش کا مکان لے لیا اور بعضوں نے جزیرہ
میں توقف کر کے اس کے شگوفوں اور غنچوں اور بیابانوں اور نغمات دل آویز اور جانوروں کے چہچہے فرحت انگیز
اور جواہر بوقلموں اور گوناگوں اور نقوش غریبہ اور اشکال عجیبہ کی سیر کی مگر بخوف کشتی کے نہ ملنے کے سیر کرتے
ہی پھر آئے ان کو گو پہلوں کا سا وسیع مقام نہ ملا تاہم اچھی طرح بیٹھ گئے اور بعضوں نے جو ان اشیاء مذکورہ
بالا کو دیکھا لٹو ہو گئے اور صدف و جواہر اور میوہ و گل کی خوبی اس قدر دل میں کھبی کہ ان کے چھوڑنے کو دل نہ
چاہا اس میں سے کچھ ساتھ لے لیئے کشتی میں آکر مکان میں اتنی گنجائش بھی نہ دیکھی کہ خود اچھی طرح بیٹھ سکیں بوجھ
کے رکھنے کا تو کیا ذکر ہے بمجبوری ان کو اپنے سر پر لاد کر کشتی میں بیٹھ گئے مگر اپنی اس حرکت سے نادم تھے کہ ناحق
ان کو لیا اور مفت میں درد سر اور وبال مول لیا اور کچھ لوگ جنگلوں میں گھس کر کشتی کو بالکل بھول گئے اور اتنی
سیر کی کہ ملاح کی آواز بھی نہ سنی مگر باوجود اس کے درندوں کا خوف دل میں تھا اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس فراز ونشیب
میں لغزش بھی ہو گی اور مصیبت اٹھانی پڑے گی پاؤں اور کپڑوں میں کانٹے چبھیں گے ٹہنیوں سے بدن چھلے
گا آواز ہولناک سے کلیجہ کانپے گا جھاڑیوں سے کپڑے پھٹ کر ننگے رہ جاویں گے اور پھر اگر لوٹنا چاہیں گے
تو کچھ نہ بن آوے گا اسی اثنا میں آواز کشتی والوں کی سن کر بوجھ کے گٹھے سر پر لئے جو کنارے پر پہونچے تو ان میں
جگہ نہ پائی کنارے ہی پر بھوکے پیاسے مر گئے اور بعضوں کو کشتی والوں کی بھی آواز نہ سنائی دی اور کشتی بھی
چلدی اور ان کا حال یہ ہوا کہ کچھ تو خوراک درندوں کے ہوئے اور کچھ حیران و پریشان بھٹک بھٹک کر مر گئے بعضے
دلدل میں جا گرے بعضوں کو سانپ اور بچھو کھا گئے غرضکہ سب کے سب اسی طرح خوراک مردار ہو گئے اب
جو لوگ کشتی میں تین قسم کے سوار ہوئے تھے ان کو ان چیزوں کی حفاظت کی فکر ہوئی امکان پہلے ہی سے تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد پھول مرجھا گئے اور پھّر وغیرہ کے رنگ متغیر ہو گئے اور میوے وغیرہ بگڑ کر سڑ گئے بدبو آنے لگی۔ اور ایک نہ شد دو شد کا مضمون ہوا کہ پہلے صرف رکھنے ہی کی دقت تھی اب بدبو سے ایذا ہونے لگی پھر تو کوئی علاج نہ سوجھا بغیر اس کے کہ اس کو دریا میں ڈال دیا مگر اس کی بدبو اور خوراک سے صرف اتنی تاثیر ہوئی کہ گھر پہنچنے تک بیمار پڑ گئے اور بہت دنوں تک ہینگ ہگا گئے اور جو ان سے پہلے کشتی میں آئے تھے ان کو البتہ بیٹھنے میں خواطر خواہ آسائش تو نہ ملی مگر الاوطن میں پہنچ کو صحیح و سالم رہے کچھ دکھ روگ نہ ہوا اور جو لوگ اوّل ہی اوّل چلے آئے تھے وہ کشتی میں بھی چین سے رہے اور وطن میں بھی راحت و آرام سے رہے پس اگر بنا مل دیکھو تو یہی حال دنیا کے لوگوں کا ہے کہ وطن اصلی کو بھول کر اس جزیرہ کے گلزار اور پتھروں اور چاندی سونے پر ایسے غافل ہیں کہ اس انجام کی فکر ذرا نہیں کرتے یہ معلوم نہیں کہ مرنے کے وقت یہ سب زینت کی چیزیں گردن پر وبال ہوں گی گو اب ان کے آنے کی خوشی اور جانے کا غم ہوتا ہے اور اس مصیبت میں سب ہی مبتلا ہیں الا مگر جس کو خدا بچاوے اور اس نظر سے کہ خلقت دنیا کے فریب میں آجاتی ہے اور باوجود خدا تعالیٰ کے خوف دلانے کے اللہ تعالیٰ کے قول پر ایمان ضعیف رکھتی ہے اس کی مثال اس حدیث میں ہے جو حضرت حسن سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ میری اور تمہاری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی قوم کے لوگ کسی جنگل پر غبار میں چلیں اور چلتے چلتے نوبت پہنچ جاوے کہ یہ بھی خبر نہ رہے کہ جتنی راہ طے کر چکے ہیں وہ زیادہ ہے یا جو باقی ہے وہ زیادہ ہے پس ان کا کھانا پینا تمام ہو جاوے اور اسی جنگل میں کمریں کھول بے زاد و راحلہ پڑ رہیں اور جینے سے ہاتھ دھو بیٹھیں جب ان پہ نوبت پہنچے تو دور سے ایک آدمی کی صورت نظر آئے کہ لباس پہنے چلا آتا ہے اور اس کے کپڑوں سے پانی ٹپکتا ہے گمان کریں کہ یہ شخص کسی زرخیز زمین سے آتا ہے وہ جگہ یہاں سے قریب معلوم ہوتی ہے جب وہ پاس آکر ان سے پوچھے کہ میاں تمہارا کیا حال ہے اس سے کہیں کہ جو حال ہے عیاں ہے عیاں را چہ بیان وہ جواب میں کہے کہ بھلا اگر میں تم کو پانی اور باغ بتا دوں تو کیا کرو گے جواب دیں کہ ہم تیری اطاعت کریں گے کسی چیز میں فروگذاشت نہ کریں گے غرضکہ اس عہد پر اس نے کہا کہ اگر سچ کہتے ہو تو اس عہد کو پکا کرو وہ انہوں نے خدا کی قسم کھا کر عہد مستحکم کیا کہ ہم ہرگز نافرمانی کسی بات میں نہ کریں گے غرض کہ اس عہد کے بعد اس نے عمدہ پانی اور باغ سبز حسب وعدہ بتا دیا اور چند روز خود ان میں رہا پھر ان سے کہا کہ بھائیو سنتے ہو انہوں نے کہا کہو کہا کہ یہاں سے چلدو پوچھا کہ کہاں جائیں کہا ایسے چشمہ اور باغ میں جو اس سے اعلیٰ ہے اس کو سن کر تو بعضوں نے یہ کہا کہ خدا خدا کر کے ہم کو یہ جگہ نعمت غیر مترقبہ ملی ہے اس سے بہتر کو لے کر ہم کیا کریں گے اور کم لوگوں نے یہ کہا کہ صاحبو اس کے ساتھ عہد کر چکے ہو کہ کسی بات میں نافرمانی نہ کریں گے پہلے جو کچھ اس شخص نے کہا تھا ویسا ہی ہوا اب بھی اس کا قول بے شک درست ہے اور اسی خیال سے اس کے ساتھ ہو لئے اور باقی لوگ وہاں ہی پڑے رہے صبح کو دشمن نے تاخت کر کے بعضوں کو قتل اور بعضوں کو اسیر کر لیا ف مترجم کہتا ہے کہ اس حدیث

ہیں اس شخص سے مراد ذات پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ امت کو آخرت کی طرف بلاتے ہیں پس جس نے ۔ وَللآخرۃ خیر لکَ من الاولیٰ ۔ کو سچ جانا اور دنیا سے دل برداشتہ ہو کر ان کا اتباع کیا تو وہ سلامت رہا ورنہ دشمن جانی شیطان کے زمرہ میں داخل ہو کر خسر الدنیا والاخرۃ ہوا اور اس لحاظ سے لوگ دنیا میں اوّل اوّل مزے اڑاتے ہیں اور آخر کو اس کی جدائی سے درد سہتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص مکان بنادے اور اس کو خوب آراستہ کرے اور پھر ایک ایک قوم کو جدا جدا اپنے یہاں بلا کر دعوت کرے جب ایک قوم گھر میں آوے تو ایک سونے کے عطر دان میں اس کے سامنے عطر وغیرہ رکھدے کہ اور اس کو سونگھ کر اوروں کے واسطے چھوڑا جاوے اس سے رسم کی ناواقفیت سے یہ خیال کر لیا کہ یہ برتن سمیت ہم کو ملا اسی بہت سے دل کو خوب اس پر متعلق کر لیا جب مالک خانہ نے وہ برتن واپس لے لئے تو تعلق دل کے باعث رنج ہوا اور جس کو دستور معلوم تھا اس نے خوشبو بھی سونگھی اور مالک کا شکر گزار بھی ہوا اور خوشی سے برتن مالک کے حوالے کیا اسی طرح جو شخص دنیا میں خدا تعالیٰ کی عادت سے واقف ہے جانتا ہے کہ یہ ضیافت خانہ ہے گذرنے والوں پر وقف ہے اس لئے توشہ آخرت لیں اور جس طرح مسافر عاریت کی چیزوں سے منتفع ہوتے ہیں اسی طرح اشیاء دنیاوی سے فائدہ اٹھاویں اور اس میں بہمہ تن مصروف نہ ہوں کہ جدا ہونے کے وقت پر مصیبت سہیں یہ ہیں دنیا کی مثالیں اور اس کے آفات و غوائل کی تشبیہیں خداوند کریم ہم کو بھی توفیق اس سے بچنے کی عنایت فرماوے ۔

بندہ کے حق میں دنیا کی کیفیت

جاننا چاہئے کہ صرف مذمت دنیا کا جان لینا کافی نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ قابل مذمت کون سی دنیا ہے اور کس دنیا سے اجتناب کرنا لازم ہے اسی واسطے ان دونوں باتوں کا بیان کرنا ضروری ہے کہ دشمن خدا اور رہزن معرفت یہی ہیں پس کہتے ہیں کہ دنیا و آخرت کے دل کے دو احوال کا نام ہے جو حال کے دل کے قریب ہے یعنی موت سے پہلے اس کو دنیا کہتے ہیں کہ دونوں بمعنے قرب سے مشتق ہے اور جو حال متاخر ہے یعنی بعد موت کے اس کو آخر بولتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے لذت و خواہش اور غرض موت سے پہلے رہتی ہے وہ آدمی کے حق میں دنیا میں داخل ہیں مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جس چیز کی طرف رغبت ہو وہ خواہ نخواہ بری ہے بلکہ اس کی تین قسمیں ہیں اوّل تو وہ اشیاء جو آخرت میں ساتھ رہیں ان کا ثمرہ بعد موت کے معلوم ہو وہ دو چیزیں ہیں علم اور عمل علم سے مراد وہ علم ہے جس سے معرفت ذات وصفات و افعال الہٰی اور ملائکہ اور کتابوں اور رسولوں اور زمین و آسمان کے ملکوت کی معرفت اور شریعت نبوی حاصل ہو اور عمل سے غرض عبادت خالص اور خاص خدا کی ہے پس عالم شخص اگرچہ بعض اوقات علم سے ایسا مانوس ہوتا ہے کہ سب چیزوں سے زیادہ لذت علم میں پاتا ہے یہاں تک کہ خواب و خور اور ملاقات زن و فرزند اس کے لیئے چھوڑ دیتا ہے اور سب سے زیادہ اسی میں

مزہ پاتا ہے اور یہ لذت اس کو مرنے سے پہلے ہی ہوتی ہے تاہم اس کو دنیائے مذموم میں شمار نہیں کرتے بلکہ اس کو صرف دنیا میں بھی شمار نہ کرنا چاہیئے آخرت ہی میں تصور کرنا چاہیئے اسی طرح عابد بھی اپنی عبادت میں ایسی حلاوت وذکر لذت پاتا ہے کہ اگر اس کو بالفرض روک دے دیا جاوے تو سخت عذاب میں مبتلا ہو یہاں تک کہ بعض عابدوں کا قول ہے کہ موت سے اور تو کچھ ڈر نہیں اتنا خوف ہے کہ تہجد جاتا رہے گا اور ایک عابد دعا مانگتے تھے کہ الٰہی قبر میں مجھ کو قوت نماز اور رکوع اور سجدہ کی عنایت کرنا تو گویا لذت اس کو سردست حاصل ہے اور باعتبار اشتیاق کے دنیا سے کہہ سکتے ہیں لیکن جس دنیا کی مذمت وارد ہے وہ چیز یہ نہیں اسی طرح حدیث شریف میں وارد ہے کہ حبب الی من الدنیا ثلاثۃ النسآء والطیب وقرۃ عینی فی الصلٰوۃ ؎ اس میں نماز کو بھی لذائذ دنیاوی سے ارشاد فرمایا اس باعث سے کہ اول تو محسوسات میں سے ہے اور جتنے محسوسات ہیں وہ دنیا کے عالم میں داخل ہے علاوہ ازیں رکوع وسجود میں جو اعضاء میں حرکت سے ان کو لذت ہوتی ہے یہ بھی دنیاوی لذت ہے مگر ہم اس جگہ ایسی لذتوں سے متعارض نہیں ہوتے جو اس کو دنیا تصور نہیں کرتے بلکہ جس دنیا کی مذمت ہے اسی کو بیان کریں گے دوسری قسم حظوظ اور لذات کی وہ ہے جس سے صرف زندگی میں فائدہ ہو اور آخرت میں کچھ ثمرہ نہ ملے جیسے گناہوں سے لذت یاب ہونا یا مباحات سے زائد از ضرورت مستفید ہونا جس کو رفاہیت اور رعونت کہتے ہیں مثلاً بہت سے ڈھیر چاندی سونے سے اور گھوڑوں اور چوپایوں اور زراعت اور لونڈی غلام اور مکانات بلند اور لباس فاخرہ اور عمدہ غذاؤں سے متمتع ہونا ان سب کا حظ مرنے سے پہلے ہی تک ہے اس لئے دنیا مذموم میں داخل ہیں اور اس میں کلام طویل ہے کہ ان میں سے کس کو فضول تصور کرے اور کس کو داخل حاجت سمجھیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابو درداؓ کو حمص پر عامل کر کے بھیجا تھا انہوں نے وہاں دو درم صرف کر کے ایک پاخانہ بنایا پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یوں لکھا کہ عمر بن خطاب امیر المومنین کی طرف سے عویمر کو معلوم ہو کہ فارس اور روم کی عمارتوں میں وہ چیز موجود تھی جو تم کو کافی ہوتی دنیا کی آبادی کیوں کی جس کے خراب کرنے کا حکم خداوند کریم نے دیا ہے اب بفور پہنچنے میرے خط کے تم مع اہل وعیال کے دمشق چلے جاؤ فقط حضرت ابو درداؓ زندگی بھر دمشق ہی میں رہے پس دیکھنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے اس قدر کو بھی دنیا سے فضول سمجھا تیسری قسم لذات کی وہ ہے کہ ان دونوں قسموں میں متوسط ہو مثلاً بقدر قوت غذا اور جوڑا موٹے کپڑے کا اور ایسی ہی لابدی اشیاء جن سے کہ آدمی علم اور عمل کو پہنچ جاوے تو اس طرح کی لذات دنیا میں نہ گنی جاویں گی بلکہ اس وجہ سے کہ یہ آخرت پر معین ہیں یا وسیلہ حصول آخری نعمتوں کی ہیں داخل قسم اول ہیں جو شخص ان کو بقصد استعانت حاصل کرے گا وہ دنیا دار نہ کہلاوے گا اور علم وعمل پر استعانت کی نیت سے حاصل نہ کرے گا بلکہ غرض صرف

؎ محبوب ہیں مجھ کو تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں عورتیں اور خوشبو اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے ۱۲ و نسائی و حاکم بروایت انسؓ اس میں ثبوت نہیں

لذت دنیاوی ہوگی تو داخل قسم ثانی ہوگی اور دنیا کی چیزوں میں شمار ہوں گی اور موت کے بعد آدمی کے ساتھ تین چیزیں رہتی ہیں اول دل کا طاہر ہونا دنیا کے میل سے دوم الفت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سوم محبت خدا تعالیٰ کی ان میں طہارت قلب بدون ترک شہوات دنیا کے نہیں ہوتی اور الفت بدون کثرت و مداومت ذکر کے میسر نہیں اور محبت بے معرفت حاصل نہیں ہوتی اور معرفت الٰہی بدون مداومت فکر کے نہیں ہوسکتی اور یہی تینوں باتیں یعنی طہارت و الفت و محبت بعد مرنے کے موجب سعادت اور نجات ہوتی ہے طہارت قلب شہوات دنیا سے اس وجہ نجات دہندہ ہے کہ عذاب میں اور آدمی میں حائل ہو جاتی ہے چنانچہ حدیث شریف[۱] میں وارد ہے کہ آدمی کے اعمال اس کی طرف سے لڑیں گے مثلاً جب عذاب پانوں کی طرف سے آوے گا تو تہجد اس کو روکے گا اور جب ہاتھوں کی طرف آوے گا تو زکوٰۃ اس کو روکے گی اور انس و محبت اس باعث موجب سعادت ہیں ان کے باعث شرف دیدار خداوندی نصیب ہوتا ہے اور بفور مرنے کے اس سعادت سے بہرہ ور ہو جاتا ہے اور وقت دیدار تک جو جنت میں ہوگا یہی حال رہتا ہے تو مرتے ہی قبر رشک باغ ارم بن جاتی ہے اور کیوں نہ ہو عاشق کا محبوب تو ایک ہی تھا جس سے عوائق دنیاوی مانع تھے جب موت سے وہ عوائق دور ہوئے اور دنیا کی حوالات سے چھوٹ گیا تو اب محبوب اور دیدار مطلوب کا کون مانع رہا اب تو خوشی خوشی آفتوں سے چھوٹ کر رنج اور فراق سے مامون ہو کر اس کے انوار سے مدام مقتبس رہے گا ادھر دنیا دار کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس جہت سے کہ اس کا محبوب صرف دنیا تھی جو موت کے باعث اس سے چھن گئی اور کوئی حیلہ اس میں پھر آنے کا نہ رہا جب محبوب ہی پاس نہ رہا تو رنج و عذاب نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا کسی نے سچ کہا ہے ؎ جدا سے کسی کا غرض حبیب نہ ہو یہ داغ وہ ہے جو دشمن کو بھی نصیب نہ ہو اور موت سے آدمی نیست نہیں ہو جاتا بلکہ دنیا کی محبوب چیزیں چھٹ جاتی ہیں اور خدا کے سامنے حاضری ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ سالک طریق آخرت وہی ہے جو ان تینوں صفات یعنی ذکر اور فکر اور اس عمل پر جس سے شہوات دنیا چھوٹ جائیں مداومت کرے اور تمام لذات دنیاوی اس کے نزدیک مکروہ معلوم ہوں اور یہ باتیں بدون صحت و تندرستی کے ممکن نہیں اور بدن کی صحت بدون غذا اور لباس اور مسکن کے ممکن نہیں اور ہر ایک کے واسطے جدا سامان چاہیئے پس جو آدمی کہ غذا اور لباس اور مسکن بقدر ضرورت آخرت کے لیئے حاصل کرے وہ دنیا دار نہ کہلاوے گا اور یہ دنیا اس کے حق میں مزرعۂ آخرت ہوگی اور ان چیزوں کو صرف حظ نفس کے واسطے اور تنعم کے لیئے پیدا کرے گا تو دنیا والوں میں شمار ہوگا اور دنیا کا راغب کہلاوے گا لیکن رغبت حظ دنیاوی بھی دو قسم ہے ایک تو وہ کہ جس سے رغبت کرنے والے عذاب آخرت کا مستحق ہو اس کو حرام کہتے ہیں دوسرے وہ کہ اس کو اعلیٰ درجہ تک نہ پہونچنے دے اور طول حساب میں پھنساوے اس کا نام حلال ہے اور عاقل کے نزدیک صاف ظاہر ہے کہ میدان قیامت میں حساب کے لیئے ٹھہرے رہنا بھی ایک عذاب ہے جس سے حساب میں الجھایا جائے گا اس کو کیسی تکلیف ہوگی چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ[۲] حلالہا حساب وحرامہا عذاب

[۲] اس کا حلال حساب ہے اور حرام عذاب ۱۲ ابن ابی الدنیا مرفوعاً علی المرتضیٰ بسند منقطع اور اس میں عذاب کی جگہ فی النار ہے ۱۲

اور نیز فرمایا کہ[2] حلالها عذاب الا انه اخف من عذاب الحرام ....[3] بلکہ اگر بالفرض حساب نہ ہو صرف ان حظوظ نفسانی اور لذات فانی کی جہت سے رتبہ اعلیٰ سے محروم رہنا اور دل پر حسرتوں کا گزرنا بھی خالی از عذاب نہیں اس امر کو دنیا ہی میں دیکھ لو کہ جب کوئی اپنا ہمسر سعادت دنیاوی میں بڑھ جاتا ہے تو اپنے آپ کو کیسی حسرت ہوتی ہے حالانکہ اس دنیاوی رتبہ کو کچھ قیام نہیں یہ ہر وقت بدلتا رہتا ہے اور انجام کو بالضرور منقطع ہو جاتا ہے پس جب لذات دنیاوی پر یہ حسرت ہو تو سعادات اخروی پر تو بطریق اولیٰ ہو گی وہ نعمتیں تو پائیدار اور خارج از وصف اور بے انتہا ہیں نہ آنکھوں سے دیکھی نہ کانوں سے سنی ایسی نعمتوں کے نہ ملنے سے دل پر کیا کیا نہ گزرے گا پس جو شخص دنیا میں لذت یاب ہوا اگرچہ کسی جانور ہی کی خوش آوازی سے کیوں نہ ہو اس کا حصہ آخرت میں بہت کم ہو جاوے گا اسی طرح اگر کسی گلزار یا چمن کو دیکھ کر یا سرد پانی پی کر لذت پائی قیامت کو اس کے عوض دو چند سہ چند کم ہو جاوے گی اور یہی مراد ہے اس ارشاد میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا[4] هذا من النعیم الذی یسأل عنه۔ یہ اشارہ ٹھنڈے پانی کی طرف فرمایا تھا غرض کہ سوال کے جواب دینے میں ذلت اور خوف اور مشقت انتظار ہے اور ان سب سے نقصان حظ آخرت منصور ہے اسی واسطے جب حضرت عمرؓ کو پیاس لگی اور لوگ ٹھنڈا پانی شہد کا ملا ہوا لائے تو آپ اس کو ہاتھ میں پھراتے رہے پھر اس کو نہ پیا اور فرمایا اعزلوا عنی حسابها۔ یعنی مجھ سے اس کا حساب علیحدہ رکھو خلاصہ یہ کہ دنیا کا قلیل و کثیر اور حلال و حرام سب ملعون ہے مگر وہ مقدار کہ خدا کے خوف کرنے کی معین ہو کیونکہ وہ مقدار داخل دنیا ہی نہیں اور جس شخص کی معرفت قوی تر ہو گی وہ لذت دنیاوی سے زیادہ تر احتراز کرے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا سر لیٹنے کے وقت ایک پتھر پر رکھ لیا تھا مگر ابلیس نے متمثل ہو کر ان سے عرض کیا کہ تم نے بھی دنیا کی رغبت کی فوراً اس کو سر تلے سے نکال کر پھینک دیا اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں کو نفیس غذائیں کھلاتے اور اپنے آپ جو کی روکھی روٹی کھاتے ساری سلطنت کو اپنے نفس پر ہر طرح ذلیل و سخت کر لیا تھا اس لیئے کہ لذیذ کھانے سے باوجود قدرت صبر بہت سخت ہے اور یہی وجہ تھی کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خداوند کریم نے دنیا کی نعمتیں علیحدہ رکھی تھیں کئی کئی روز برابر کھانا نہ کھاتے اور بھوک کے سبب شکم مبارک پر پتھر باندھتے اور یہی حال انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ آخرت میں ان کو حصہ کامل عنایت فرمائے گا۔ جس طرح کہ پدر مشفق اپنے بیٹے کو میوے وغیرہ سے باز رکھتا ہے اور فصد و حجامت سے اس کو دکھ دیتا ہے تو یہ کام اس کا بخل سے نہیں ہوتا بلکہ براہ شفقت و محبت ہوتا ہے اور اس بیان سے ثابت یہ بات

---

[1] دنیا کا حلال بھی عذاب ہے مگر یہ کہ حرام کی نسبت خفیف ہے ۱۲ چنانچہ مسلم و بخاری میں بروایت عائشہؓ منقول ہے من نوقش فی الحساب عذب ۱۲

[2] یہ وہ آسائش ہے کہ اسکی پرسش ہو گی ۱۲ جلد سوم کے باب اول میں گذری ۱۲ [3] ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابن عباس ۱۲ [4] اوپر گزری ۱۲

دنیا کی زندگی کھیل اور تماشہ اور بناؤ اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتات ڈھونڈنا مال کی اور اولاد کی ۱۲

ہوگئی کہ جو چیز مخصوص اللہ تعالیٰ کے واسطے نہیں دنیا میں ہے اور جو چیز مخصوص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ دنیا نہیں ہے اگر تو سوال کرے کہ وہ کون چیز ہے جو مخصوص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جواب میں اس کے کہا جاوے گا کہ اشیاء سب تین قسم ہیں ایک قسم ان میں سے وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے واسطے ہونا تصور ہی میں نہیں آسکتا اس قسم میں وہ چیزیں ہیں جن کی تعبیر گناہوں اور منہیات سے ہوئی ہے اور اقسام اقسام نعمتیں جو مباح ہیں اور فقط بغرض راحت و آسائش بدن استعمال کی جاتی ہیں اس کا نام دنیا مخصوص ہے اور غایت مرتبہ مذموم ہے اور یہی دنیا ظاہر و باطن میں دونوں طرح ہے دوسری قسم وہ کہ بظاہر تو خدا کے واسطے ہوں اور غیر خدا کے واسطے بھی ہو سکتی ہوں وہ تین چیزیں ہیں فکر اور ذکر اور شہوات سے باز رہنا پس یہ تینوں باتیں اگر خفیہ کرے اور کوئی وجہ سوائے حکم خدا اور خوف آخرت کے نہ ہو تو یہ خدا کے واسطے ہوں گی اور دنیا میں شمار نہ ہوں گی لیکن اگر ان سے غرض دنیاوی ہو گی مثلاً فکر سے طلب علم اس لیئے کرتا ہے کہ لوگوں میں مقبول اور ممتاز ہو کر ذکر اس لیئے کرتا ہے کہ لوگوں میں عارف مشہور ہو اور ترک شہوت سے یہ مطلب ہو کہ مال محفوظ رہے یا صحت بدن قائم رہے یا زاہد مشہور ہو تو ایسی نیت سے باتیں دنیا میں گنی جاویں گی ظاہر میں تو خدا کے لیئے معلوم ہوتی ہیں مگر معنی کے اعتبار سے خدا کے واسطے نہیں دنیا کے واسطے ہیں تیسرے وہ اشیاء کہ بظاہر حظ نفس کے لیئے ہوں مگر ان کو خدا کے لئے بھی معنی کے اعتبار سے کر سکتے ہیں جیسے غذا اور نکاح یا اور چیزیں جن سے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی مربوط ہے ان چیزوں میں اگر نیت صرف حظ نفس ہے تو دنیا میں اور اگر قصد استعانت تقویٰ پر ہے تو خدا کے واسطے ہیں گو بظاہر دنیا کی سی صورت معلوم ہوتی ہے مگر معنی کے اعتبار سے دنیا نہیں حدیث شریف میں ہے کہ[1] من طلب الدنیا حلالاً مکاثراً مفاخراً لقی اللّٰہ وھو علیہ غضبان ومن طلبھا استعفافاً عن المسئلۃ وصیانۃ لنفسہ جاء یوم القیامۃ ووجھہ کالقمر لیلۃ البدر. دیکھو کہ صرف قصد کے اختلاف سے حکم کیسا مختلف ہو گیا اور اور اس سے معلوم ہوا کہ دنیا اسی حظ کا نام ہے جو زندگی میں ہو جاوے اور آخرت میں کام نہ آوے اسی کو ہوائے نفس بھی کہتے ہیں اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں[2] ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی المأویٰ... ۵ پانچ چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں[3] انما الحیٰوۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد. اور وہ چیزیں ہیں کہ ان سے یہ پانچوں حاصل ہوتی

---

[1] جو شخص طلب کرے دنیا کو بطریق حلال زیادہ حاجت سے واسطے اظہار فخر سے اس سے ملاقات کرے گا اللہ تعالیٰ دن قیامت کے جس حالت میں غصہ اور ناراضگی ہو گا اس پر جو شخص طلب کرے دنیا کو بغرض بچنے محتاجی کے اور واسطے حفاظت اپنے نفس کی ہلاکی کے تو وہ قیامت کو اس طرح اٹھے گا کہ منہ اس کا مثل ماہ دو ہفتہ کے چمکتا ہو گا ۱۲ ت [2] اور رو کا جی کو چاؤ سے سو بہشت ہے ٹھکانا [3] دنیا کا جینا ۱۲۔

ہیں وہ سات ہیں جو اس آیت میں جمع ہیں[1] زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ۔
جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جو چیز خدا کے واسطے ہے وہ دنیا میں سے نہیں اور یہ مقدار ضرورت خوراک اور پوشاک اور مکان کی اگر بقدر رضائے خدا تعالیٰ کے ہو وہ خدا کے واسطے ہے اور ان اشیاء میں زائد از حاجت لینا تنعم میں داخل ہے اور جو خدا کے واسطے نہیں اور ان دونوں کے بیچ میں ایک درجہ ہے جسکو حاجت کہتے ہیں اسکی بھی طرف ہیں طرف دل کی حاجت وہ ہے جو حد ضرورت کے قریب ہو اس سے کچھ ضرر نہیں ہوتا کیونکہ کفایت حد ضرورت پر غیر ممکن ہے اس لئے جتنا اس کے قریب پہنچ سکے اتنا ہی مفید ہے اور دوسری طرف حاجت کی وہ ہے جو تنعم کے قریب ہو اس سے احتراز کرنا چاہیئے اور ان دونوں طرفوں کے درمیان ایک درجہ ہے اس کا نام حاجت ہے اور اس حاجت کے واسطے دو کنارے ہیں اور ایک وسط ہے ایک کنارہ اس کا قریب قریب ہے حد ضرورت سے اور وہ کسی طرح مضر نہیں ہے اس واسطے کہ انسانوں کو فقط حد ضرورت پر اقتصار کرنا اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھنا باوجود رکھنے حوائج بشری کے غیر ممکن ہے اور ایک طرف حاجت کا برابر ہے مرتبہ تنعم کے اور اس سے قریب ہے بہتر یہ بات ہے کہ اس طرف سے آدمی اپنے کو ہمیشہ بچاتا رہے اور جو ان دونوں کے درمیان میں بہت سے درمیانی درجہ دونوں طرف میں سے ہر ایک سے ملتے جلتے ہیں ہر شخص ہر ایک کے حکم سے واقف نہیں ہوسکتا ان میں خطرہ ہے اور جان لو جو شخص شاہی چراگاہ کے گرد جانور لئے گھومے تو نزدیک ہے وہ ممنوع چراگاہ میں گرے اور ہوشیاری کی احتیاط یہی ہے کہ ان سے پرہیز و خوف رکھے اور جو ضرورت کا کنارہ ہے جہاں تک ہوسکے اسی سے نزدیک رہے اس واسطے کہ ان سب باتوں میں اقتداء اور پیروی ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی کیونکہ یہ سب اپنے نفوس کو ہمیشہ مائل طرف حد ضرورت کے رکھا کرتے تھے چنانچہ حضرت اویس قرنی کی حکایت ہے کہ وہ اپنے کو اس قدر حد ضرورت کی طرف مائل کرتے تھے اور یہاں تک اپنے نفس پر تنگی کرتے تھے کہ تمام گھر والے ان کو مجنون جانتے تھے ان کے رہنے کو ایک کوٹھڑی گھر کے دروازے پر بنا دی تھی وہ اس میں رہا کرتے تھے اور کبھی سال اور کبھی دو سال اور کبھی تین برس بعد گھر آتے اتنے دنوں تک کوئی ان کا منہ دیکھ نہ پاتا بعد آخر وقت عشاء گھر میں آتے اور قبل اذان فجر نکل جاتے کھانا اپنا یہ ٹھہرایا تھا کہ تمام دن خرما کی گٹھلیاں چنتے اور جب کوئی سوکھا بڑا خرما اس میں ملتا افطار کے واسطے اٹھا لیتے اگر اس قدر پا جاتے کہ بقدر سد رمق قوت کو کافی سے زیادہ ہوتی تو گٹھلیاں چنی ہوئی فقیروں پر تصدق کر دیتے اور اگر اس قدر بڑے خرمے اس میں نہ پاتے تو وہ گٹھلیاں بیچتے اور اس سے کوئی چیز خرید کر کھا لیتے کپڑے کا ان کے یہ حال تھا کہ گھوروں پر کے پڑے ہوئے چیتھڑے چنتے اور انہیں فرات میں دھوتے اور دھو کر جوڑتے اور پہنتے یہ لباس تھا اکثر لڑکے ان کو کنکریاں مارتے اور یہ سمجھتے کہ یہ مجنون ہیں اس وقت آپ ان سے ارشاد فرماتے بھائیو اگر مجھے ڈھیلے مارتے ہو تو چھوٹے

---

[1] ریجھایا لوگوں کو محبت پر عورتوں اور بیٹے اور ڈھیر جوڑے سونے کے اور روپے کے اور گھوڑے پلے ہوئے اور مواشی اور کھیتی یہ برتنا ہے دنیا کی زندگی میں ۱۲

مارو میں ڈرتا ہوں کہ تم مجھے مارو شاید خون نکلے اس میں وقت نماز کا آجاوے اور میں پانی نہ پاؤں یہ خصلتیں تھیں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی اسی واسطے جناب رسالت مآب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی شان کو اپنی کلام مبارک میں بزرگ کر دیا اور انہیں کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا ہے انی لاجد نفس الرحمٰن من جانب الیمن[1] جب زمانہ حضرت عمر فاروق کا آیا اور آپ امیر المومنین ہوئے آپ نے تمام لوگوں کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم سب بیٹھ جاؤ مگر جو تم میں کوفہ کے ہوں وہ کھڑے رہیں وہ سب بیٹھ گئے پھر ارشاد فرمایا تم میں جو عراق کا رہنے والا ہو کھڑا ہو جاوے اور دوسرے بیٹھ جائیں اور پھر ارشاد فرمایا کہ تم بیٹھے رہو سوا ان اشخاص کے جو قبیلہ مراد سے ہوں پھر ارشاد فرمایا کہ تم سب بیٹھے رہو مگر وہ شخص جو قرن سے ہو کھڑا رہے ایک شخص کھڑا ہو گیا اس سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم قرن کے رہنے والا ہے اس نے کہا کہ ہاں آپ نے فرمایا کہ تو اویس بن عامر قرنی کو جانتا ہے اور ان کی کیفیت اس سے بیان فرمائی اس نے کہا کہ ہاں جانتا ہوں یا امیر المومنین آپ اس کو کیوں پوچھتے ہیں قسم خدا کی ہمارے قبیلہ میں کوئی شخص اویس سے بڑھ کر احمق اور مجنون نہیں ہے اور نہ کوئی ان سے زیادہ وحشی اور کم مرتبہ ہے اس کو سن کر روئے حضرت عمرؓ اور فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے خود نہیں کہا ہے بلکہ وہ کہا ہے جو سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے فرمایا ہے[2] یدخل فی شفاعتہ مثل ربیعۃ ومضر ھرم بن حیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس وقت میں نے یہ قول حضرت عمرؓ سے سنا ہے آیا میں کوفہ کو اور کوئی میرا مطلب نہ تھا سوائے اس کے کہ تلاش کروں میں اویس قرنی کو اور کچھ سوال کروں میں ان سے یہاں تک کہ پہنچا میں ان کے پاس وہ کنارے فرات کے دوپہر کے وقت بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے اور کپڑے دھو رہے تھے ہرم ابن حیان کہتے ہیں کہ پہچانا میں نے ان نشانیوں سے جو میں نے سنی تھیں دیکھا میں نے کہ وہ شخص قوی الجثہ گندم گوں ہے اور سر کے بال مونڈ ہوئے داڑھی بہت گھنی بھری ہوئی پریشان کریہہ المنظر میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے جواب سلام کیا اور میری طرف دیکھنے لگے میں نے ان کی طرف مخاطب ہو کر ہاتھ مصافحہ کو بڑھائے انہوں نے مجھ سے مصافحہ کرنے سے انکار کیا میں نے کہا رحمت اللہ کی اور اور مغفرت تم پر ہو اویس کیا حال ہے تمہارا یہ سن کر میری محبت سے ان کے آنسو برابر گرنے لگے اس وقت میں نے ان کی عجیب کیفیت دیکھی کہ کچھ میں ہی اسے جانتا ہوں یہاں تک کہ میں بھی خوب رویا اور وہ بھی روئے اور پھر فرمایا اے ہرم بن حیان خدا تجھے زندہ رکھے کیونکر آیا اور کیا حال تیرا ہے میرا پتہ تجھے کس نے بتایا ہے میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے تک آنے کی ہدایت کی فرمایا[3] لا الہ الا اللہ سبحان اللہ ان کان وعد ربنا لمفعولا

---

[1] تحقیق میں پاتا ہوں بوئے محبت کو جانب یمن سے ۱۲ [2] داخل ہوں گے جنت میں قیامت کے دن شفاعت اویس قرنی سے اتنے لوگ جتنے قبیلہ ربیعہ ومضر میں ہیں ۱۲ [3] نہیں کوئی سوائے اللہ کے معبود پاک ہے اللہ اور تحقیق وعدہ ہمارے رب کا پورا ہونے والا ہے
جب زمانہ الخ باعث یہ ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب وہ آئے تو چاہیئے کہ ایسا کرو کہ تمہارے واسطے مغفرت مانگے ۱۲

ابن حبان کہتے ہیں کہ میں سخت متعجب ہوا اس سے کہ اوّل مجھے پہچان لیا حال آنکہ قسم ہے باریتعالیٰ جل جلالہ کی کہ نہ کبھی
انہوں نے مجھے دیکھا تھا اور نہ میں نے انہیں میں نے ان سے کہا کہ تم نے مجھے کہاں سے اور کیوں کر پہچانا اور میرے
باپ کا نام کیونکر جانا اب تک کبھی تم نے مجھے دیکھا نہ تھا۔ فرمایا نبّانی العلیم الخبیر یعنی مجھے میرے پروردگار علیم الخبیر
نے بتلا دیا تم نہیں جانتے کہ روحوں کو روحوں سے باہم ایک راہ ہے میری روح نے تمہاری روح کو پہچانا جبکہ میرے
نفس نے تمہارے نفس سے مکالمت کی ارواح کے واسطے بھی نفوس ہیں جیسے اجسام کے واسطے نفوس ہیں اور مومنین
ایک دوسرے کو باہم پہچانتے ہیں اور وہ سب باہم دوستی رکھتے ہیں روح اللہ کے ساتھ اگرچہ ملاقات نہ ہوئی ہو
ایک دوسرے کو باہم پہچانتے ہیں اور ان کی آپس میں مکالمت ہوتی ہے اگرچہ مکان ایک کا دوسرے سے دور
ہو اور بعد منازل درمیان میں واقع ہوا ہو۔ ابن حبان کہتے ہیں میں نے کہا کہ کوئی حدیث مجھ سے بیان فرمایئے جو آپ
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو میں اسے سننا چاہتا ہوں فرمایا میں نے نہیں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو اور نہ مجھے ان کے حضورِ اقدس میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا البتہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے شرف صحبت
جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا حاصل کیا ہے ان لوگوں کی زبان سے بعض نے حدیثیں سنی ہیں جیسے تم نے سنی ہیں میں
بہتر نہیں جانتا کہ اپنے پر اس کا دروازہ کھولوں اور محدث اور مفتی اور قاضی بنوں اے ہرم ابن حبان مجھے اپنے نفس کی
درستی میں اس قدر مشغولی ہے کہ ایسے امور میں لوگوں کے ساتھ شغل رکھنے کی فرصت نہیں پھر میں نے کہا کہ کوئی آیت
ہی پڑھیئے کلام اللہ کی وہی سنوں میں آپ سے اور میرے حق میں دعا فرمایئے اور مجھے وصیتیں کیجئے جسے میں یاد رکھوں
مجھے آپ کے ساتھ فقط برائے خدا سخت محبت ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کنارے فرات کے
ٹہلنے لگے اور فرمایا کہ[1] اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم .... اور روئے پھر فرمایا کہ[2] اعوذ
باللہ خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما لاعبین ماخلقناھما۔ بعد اس کے یہ آیت پڑھی[3] وما
خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما لاعبین ماخلقناھما الّا بالحقّ ولکن اکثرھم لا یعلمون
اور اس آیت کو انّہٗ ھو العزیز الرّحیم تک پڑھ کر ایسا نعرہ مارا کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ ان کو غش آگیا پھر فرمایا کہ
اے ابن حبان تیرا باپ حبان مر گیا اور عنقریب تو بھی مرے گا اور جنت یا دوزخ میں جاوے گا شروع سے دیکھو کہ آدم
و حوا کی وفات ہوئی پھر حضرت نوح علیہ السلام کا وصال ہوا پھر حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کا انتقال ہوا پھر حضرت موسیٰ علیہ
نجی الرحمٰن کا وداع ہوا پھر حضرت داؤد خلیفتہ الرحمٰن رہگزرائے عالم بقا ہوئے پھر مسند آرائے وسادۂ لولاک باعث ایجاد

---

[1] پناہ مانگتا ہوں میں ساتھ اللہ سننے والے اور جاننے والے شیطان رجیم سے ۱۲ [2] سچا قول میرے رب کا ہے اور حق ہے خبر رب
کی اور سب سے زیادہ سچا کلام میرے رب کا ہے ۱۲ [3] اور ہم نے جو بنایا آسمان اور زمین اور جو اس کے بیچ ہے کھیل نہیں
بنایا ہم نے ٹھیک کام پر بہت لوگ نہیں سمجھتے ۱۲

سمک تا سماک محبوب رب العالمین شفیع المذنبین محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم شاہنشاہ اعلی علیین ہوئے پھر حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رخت اقامت فردوس بریں میں ڈالا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی میرے بھائی اور دوست انہیں
کے ہمدم ہوئے۔ یہ کہہ کر ہائے عمر ہائے عمر کہنے لگے میں نے کہا کہ خدا آپ پر رحم کرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو ابھی زندہ
ہیں مرے نہیں انہوں نے فرمایا کہ خدا تعالی نے ان کی وفات کی خبر مجھ کو پہنچا دی اور میرے کی بھی خبر دی پھر فرمایا
میں اور تم بھی گویا مردوں میں سے ہیں پھر حضرت کی روح پر مفتوح پر درود پڑھ کر بہت دعائیں آہستہ آہستہ مانگیں
اور فرمایا کہ ابن حبان میری وصیت یہ ہے کہ کتاب اللہ اور طریقہ صلحا کو اپنا دستور العمل رکھنا مجھے تمہارے اور اپنے
مرنے کی خبر پہنچ چکی ہے موت کو ہر دم یاد رکھنا اور ایک لحظہ غافل نہ ہونا اور جب اپنی قوم میں پھر کر جانا تو ان کو خوف
دلانا اور نصیحت کرنا سب امت کی خیر خواہی کرنا اور اگر جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہو گے دین سے علیحدہ
ہو جاؤ گے اور تم کو خبر بھی نہ ہو گی اور آخر کو دوزخ میں پڑو گے اپنے واسطے اور میرے لئے دعا کرنا پھر فرمایا کہ الہی
یہ شخص اپنی دانست میں مجھ کو تیرے لیے چاہتا ہے اور تیرے ہی واسطے میرے ملاقات کو آیا ہے جنت میں بھی
اس کی صورت مجھے دکھلانا اور دار السلام میں اس کو میرے پاس بھیجنا اور جب تک جیتا رہے اس کی جان و مال کی حفاظت
کرنا اور دنیا سے تھوڑی سی چیز پر اس کو شکر کی توفیق دینا اور میری طرف سے جزائے دینا پھر فرمایا اے ہرم ابن حبان
اب تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آج کے سوا پھر کبھی میرے پاس نہ آنا مجھ کو شہرت
بڑی معلوم ہوتی ہے تنہائی اچھی لگتی ہے جب تک میں زندہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں بہت سا رنج و غم رہے گا
میں دل سے تمہارے پاس ہوں گو نظر سے دور ہوں پس ڈھونڈنے اور پوچھنے کی ضرورت نہیں مجھ کو یاد کر کے میرے
لئے دعا کرنا میں بھی انشاء اللہ تعالی ایسا ہی کروں گا لو اب میں ادھر کو جاتا ہوں اور تم ادھر کو جاؤ میں نے چاہا کہ تھوڑی دیر
ان کے ساتھ چلوں مگر انہوں نے نہ مانا اور مجھ سے جدا ہوئے تو خود بھی روئے اور مجھے بھی رلایا میں ان کو تاکتا رہا یہاں
تک کہ وہ کوچہ میں چلے گئے پھر ان کا حال میں نے ہر چند پوچھا مگر کسی نے نہ بتایا خدا ان کی مغفرت کرے پس آخرت
کے لوگوں کا یہ حال تھا اس طرح دنیا سے کنارہ کرتے تھے اور دنیا کے بیان گذشتہ اور سیرت انبیاء و اولیاء مذکورہ
بالا سے معلوم ہوا کہ دنیا کی تعریف یہ ہے کہ جو چیز آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ہے سوائے ان اشیاء کے جو خدا
واسطے ہوں اور دنیا ضد آخرت ہے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالی کی مرضی مراد ہو پس جو مقدار دنیا
کی بقدر ضرورت یعنی قوت اطاعت خداوندی حاصل کی جائے وہ دنیا میں شمار نہ ہو گی اور اس امر کو ایک مثال فقہی
سے سمجھائے دیتے ہیں مثلاً کسی حاجی نے راہ حج میں قسم کھائی کہ سوائے حج کے اور کسی چیز میں مشغول نہ ہوں گا
حج ہی میں مشغول رہوں گا پھر اپنے توشہ کی حفاظت اور سواری گھاس و دانہ میں یا توشدان کے سینے میں یا کسی
اور ایسے ہی کام میں جو حاجیوں کو ضرورت ہے مصروف ہو گا تو قسم نہ ٹوٹے گی اور حج ہی میں مشغول رہے گا اسی
طرح بدن بھی نفس کی سواری ہے جس سے زندگی کی مسافت طے کرتا ہے پس اس کا کفیل ہونا اس قدر کہ علم اور

عمل کی طاقت رہے دنیا میں شمار نہ ہو گا بلکہ آخرت سے منصور ہو گا ہاں اگر بدن کو لذت دنیا ان اسباب سے ملحوظ ہو گا تو آخرت سے منحرف ہو گا اور خوف اس امر کا ہے کہ دل سخت ہو جاوے طنافسی کہتے ہیں کہ مسجد کعبہ کے باب بنی شیبہ پر سات روز تک بھوکا رہا آٹھویں شب کو میں اونگھتا سا تھا کہ ایک منادی نے آواز دی کہ جو کوئی دنیا میں سے ضرورت و حاجت کے سوا لے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کی آنکھ کو اندھا کر دے گا یہی بیان دنیا کا آدمی کے حق میں ہے اس کو خوب غور کرلو انشاء اللہ ہدایت پاؤ گے۔

۵ وہ حقائق جن کے سبب نفس و خالق کو بھلا دیا گیا

واضح ہو کہ دنیا ان اشیاء خارجی کا نام ہے جن سے انسان کو حظ ہوتا ہے اور ان کی درستی میں مصروف رہنا ہے پس یہ زمین باتیں ہیں کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ دنیا ان میں سے ایک کو کہتے ہیں مگر ایسا نہیں بلکہ دنیا ان چیزوں کو مع دونوں علاقوں کے کہتے ہیں۔ جو چیزیں کہ موجود ہیں اور جن کو دنیا سے تعبیر کرتے ہیں وہ زمین اور اس کے اوپر کی چیزیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [ت۱] انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملاً ط۔ زمین تو آدمیوں کا بچھونا ہے اور مسکن اور قرارگاہ ہے اور اس کے اوپر کی چیزیں کھانے پینے پوشاک و صحبت میں مستعمل ہے اور تمام روئے زمین کی چیزیں تین قسم ہیں معدنی اور نباتات اور حیوان نبات کو آدمی اس غرض سے چاہتا ہے کہ اس سے غذا اور دوا کرے اور معدنی چیزوں کا اس وجہ سے طالب ہے کہ ان سے آلات اور برتن بنا دے جیسا تانبے اور لوہے وغیرہ سے بنائے جا سکتے ہیں یا نقد رکھنے کے لئے ان کا طالب ہے جیسے سونا چاندی کو اسی غرض کیلئے رکھا ہے یا اور غرضوں کے واسطے ان کی طلب ہوتی ہے اور حیوان کی دو قسمیں ہیں انسان اور بہائم بہائم کو گوشت کے لئے اور لادنے اور زینت کے واسطے رکھتے ہیں اور انسان سے کبھی تو یہ غرض ہوتی ہے کہ ان سے خدمت لیوے جیسا غلاموں سے لیتے ہیں یا صحبت مراد ہو جیسے عورتوں اور لونڈیوں سے کرتے ہیں یا دلوں کو اپنی طرف کرنا منظور ہوتا ہے کہ وہ تعظیم اور اکرام کریں اس کو جاہ کہتے ہیں یعنی مالک ہونا لوگوں کے دلوں کا جاہ کہلاتا ہے پس یہ چیزیں کہ جن کو دنیا بولتے ہیں انہیں کو خداوند کریم نے اس آیت میں اکٹھا کیا ہے [ت۲] زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین ط یہ چیزیں انسان کی ہیں [ت۳] والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ۔ یہ معدنیات و جواہر میں سے ہے اور اس میں موتی اور یاقوت وغیرہ بھی آ گئے [ت۴] والخیل المسومۃ والانعام یہ بہائم میں ہیں والحرث یہ نبات و زراعت میں سے تو چیزیں روئے زمین کی تو یہی ہیں مگر ان چیزوں کو بندے

[ت۱] جس نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق تا جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کرتا ہے [ت۲] ریجھایا ہے لوگوں کو محبت عورتوں بیٹوں میں ۱۲ [ت۳] اور ڈھیر جوڑے ہوئے سونے اور روپے کے ۱۲

کے دل کے ساتھ دو علاقے ہیں ایک علاقہ تو دل کے ساتھ ہے یعنی ان چیزوں کی محبت اور حفاظت اور ہمہ تن ہمت کو ان کی طرف مصروف کرنا کہ گویا بندہ دنیا ہے اور اسی علاقہ میں تمام صفتیں دل کی جو دنیا سے متعلق ہیں داخل ہیں جیسے کبر اور کینہ اور حسد اور ریا اور شہرت اور بدگمانی اور دین کی سستی اور تعریف کی محبت اور شیخی وغیرہ اور اس علاقہ کو دنیا باطنی کہتے ہیں اور دنیائے ظاہری انہیں چیزوں کا نام ہے جن کا ذکر ہوا اور دوسرا علاقہ بدن کے ساتھ ہے یعنی بدن کو ان چیزوں کی درستی میں مصروف کرنا تاکہ وے قابل اپنے اور غیر کے حظ اٹھانے کے ہوں اس علاقہ میں تمام پیشے اور حرفے آ گئے جن میں لوگ مشغول اور مستغرق ہیں اور انہیں دونوں علاقوں میں یعنی علاقہ قلبی اور علاقہ بدنی کی جہت سے خلقت کو نہ اپنے نفس کی خبر ہو بنا میں اپنے انجام و آغاز کی خبر اور اگر آدمی اپنے نفس کو اور اپنے پروردگار کو پہچانے اور دنیا کی حکمت و اسرار کو جانے تو معلوم کرے کہ یہ سب چیزیں جن کو ہم نے دنیا ظاہری لکھا ہے اس لیئے پیدا ہوئی ہیں کہ جس سواری پر خدا کی طرف جانا منظور ہے اس کا گھاس دانہ ان سے ہو جاوے اور سواری سے ہماری مراد بدن انسانی ہے کہ وہ بدون کھانے پینے اور لباس و مسکن کے باقی نہیں رہتا جیسے حج کے راستہ میں اونٹ کو دانہ پانی اور جھول نہ ملے تو وہ بھی زندہ نہیں رہے گا اور جو آدمی کہ دنیا میں نفس اور مقصود کو بھول جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حاجی منزلوں میں ٹھہرے اور برابر اپنی سواری کے گھاس و دانہ اور بناؤ سنگار اور انواع خدمت میں مشغول رہے کہیں سے گھاس لادے کہیں سے ٹھنڈا پانی پلا دے یہاں تک کہ اپنی فکر میں قافلہ سے علیحدہ ہو جاوے اور اس کو معلوم نہ ہو کہ اگر ایسا کروں گا تو حج سے بھی رہ جاؤں گا اور مع سواری لقمۂ دام ددو بنوں گا اور جو حاجی کہ ہوشیار ہو گا اس کا دل تو کعبہ اور حج میں رہے گا اور سواری کی خدمت بقدر ضرورت کرے گا کہ جس سے کہ اس میں طاقت رفتار بنی رہے اسی طرح جو شخص سفر آخرت میں دانا و بینا ہوتا ہے وہ بدن کی خدمت ضروری کرتا ہے جیسے کوئی پاخانہ میں حاجت کے وقت جا بیٹھتا ہے اور پیٹ میں کچھ ڈالنے اور پھر اس کو پاخانہ کی راہ دور کرنے میں کچھ فرق نہیں دونوں باتیں ضرورت ہی کے واسطے ہوتی ہیں بس ایک دوسرے پر ترجیح نہ دینا چاہیئے جیسے قضائے حاجت میں بقدر ضرورت مصروف ہوتے ہیں شکم کے سیر میں بھی بقدر ضرورت مصروف رہیں اور اکثر جو آدمیوں کو خدا کی طرف سے مشغول کرتا ہے وہ پیٹ ہے اس لیئے کہ غذا سب میں زیادہ ضروری ہے مسکن و لباس تو آسان ہے اگر لوگوں کی طرف حاجت کا سبب معلوم ہو اور بقدر حاجت پر ہی اکتفا کریں تو اشغال دنیاوی میں مستغرق نہ ہوں ان میں جو مستغرق ہیں یہی توجہ ہے کہ دنیا اور اس کی حکمتوں کو نہیں جانتے اور اپنے حظوظ دنیا میں کس قدر ہیں ان کو نہیں پہچانتے اسی جہالت و غفلت سے شغل پر شغل ہوتا جاتا ہے اور بے انتہا کام نکل آتے ہیں انہیں شغلوں میں حیران و پریشان ہو کر اپنے مقصود کو بھول جاتے ہیں ہم دنیا کے کاموں کی تفصیل اور یہ کس طرح لوگوں کو ان کی طرف حاجت ہوتی ہے اور لوگ اپنے مقصود میں کس طرح دھوکا کھاتے ہیں مشرح بیان کرتے ہیں تاکہ یہ بات معلوم ہو کہ دنیا کے کاموں سے لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسے غافل ہو جاتے ہیں اور انجام کار کو بھول جاتے ہیں۔

پس جاننا چاہیئے کہ دنیا کے اشغال حرفہ اور صناعات اور دوسرے کام ہیں جن میں خلق بہمہ تن مشغول ہے اور سبب مشغلوں کی کثرت کا یہ ہے کہ انسان کو تین چیزوں کی حاجت ہوتی ہے۔ غذا و لباس اور مکان غذا تو زندگی قائم رہنے کے لیئے اور لباس سردی و گرمی دور کرنے کو اور رہنے کی جگہ گرمی و سردی کے دفع کو بھی اور اس لیئے بھی کہ اہل و عیال و جان و مال حفاظت سے رہیں اور خداوند کریم نے غذا و لباس اور مسکن انسانی ایسے نہیں بنائے کہ جس میں انسان کی صنعت کو کچھ دخل نہ ہو البتہ یہ بات بہائم کے لیئے رکھی ہے مثلاً گھاس غذائے بہائم ہے اس کے پکانے کی کچھ ضرورت نہیں اسی طرح ان کے بدن کے بال بمنزلہ پوشاک ہیں حاجت لباس نہیں اور ان کے پوست ایسے ہیں جن میں حرارت اور برودت تاثیر نہیں کرتی صحرا میں رہ سکتے ہیں اس لیئے ضرورت مکان کی بھی نہیں اور انسان کی خلقت اسی طرح نہیں اسی لحاظ سے پانچ صنعتوں کی ضرورت ہوئی ہے جو اوائل صناعات اور اصول اشغال دنیوی ہیں یعنی زراعت اور چرانا اور اقتناص اور بننا اور عمارت پس بنا دیا فن عمارت کو مکان کے واسطے اور بننا اور اس کے متعلقات مثل کاتنے اور سینے کے لباس کے لیئے اور چرانا بہائم کا واسطے سواری اور کھانے کے اور زراعت واسطے حاصل کرنے غذا اور اقتناص یعنی حاصل کرنا خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو مثل شکار اور معدنیات اور گھاس لکڑی وغیرہ کے پس کاشت کار غلہ پیدا کرتا ہے اور چرواہا حیوانات کی نگہبانی کر کے ان سے بچے لیتا ہے اور مقتنص ایسی چیزیں لیتا ہے جن کی پیدائش میں آدمی کی صنعت کو دخل نہ ہو خود بخود پیدا ہوئی ہوں ان کو حاصل کرنا اس کے اندر بہت سے فن داخل ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک فن کے واسطے آلات و اوزار کی حاجت ہے مثلاً زراعت کے آلات اور بننے کے آلات اور عمارت کے اوزار اور شکار کے ادوات اور آلات یا تو نباتات یعنی لکڑی کے ہوتے ہیں یا معدنیات یعنی لوہے وغیرہ کے یا حیوانات سے چمڑے کے اب تین فنوں کی اور ضرورت ہوئی درودگری آہنگری اور چرم دوزی یہ لوگ آلات کے بنانے والے ہیں درودگر سے ہماری یہ غرض ہے کہ جو لکڑی کا کام کرے اس طرح آہن گری سے وہ پیشہ مراد ہے جو معدنیات کا کام کرے خواہ لوہار اور سنار ہو وغیرہ اور چرم دوز سے بھی یہی غرض ہے کہ چمڑے کا اور اجزائے حیوانات کا کام کرے خواہ کسی طرح کا ہو اس لیئے کہ یہاں غرض اجناس کا بیان کرنا ہے مفردات پیشوں سے مقصود نہیں پس یہ فن اور فنوں کی اصل ہیں پھر انسان کی پیدائش اس طرح کی ہے کہ تنہا نہیں رہتا بلکہ اجتماع کا محتاج ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اس کی جنس کا اس کے پاس رہے اور حاجت اجتماع دو وجہ سے ہے اول تو جنس انسانی کے باقی رہنے کو یہ بدون ساتھ رہنے مرد عورت کے نہیں ہو سکتی اور دوسری وجہ اجتماع کی یہ ہے کہ ایک دوسرے کو تیاری سامان غذا و لباس و تربیت و پرورش اولاد میں مدد دے گا اس لیئے کہ اجتماع سے اولاد تو ضرور ہو گی تو ایک ہی آدمی سے نہیں ہو سکتا کہ اولاد کی حفاظت بھی کرے اور یہ بھی کافی نہیں کہ ایک ہی شخص اپنے زن و فرزند ایک ہی آدمی مکان میں لے کر بیٹھ رہے اس طرح تو زندگی دشوار ہے بلکہ اجتماع ایک جماعت کا چاہیئے کہ ایک آدمی ایک ایک صنعت اختیار کرے

ع اقتناص شکار کردن بسین مہملہ و صاد مہملہ ہر دو آمدہ ۱۲ ع ق

مثلاً ایک شخص سے نہیں ہو سکتا کہ تنہا زراعت کرے اس لئے کہ زراعت کے لئے آلات چاہئیں آلات کے لئے بڑھئی لوہار ضروری ہیں اور غذا کے واسطے پیسنے والا پکانے والا چاہیئے اسی طرح تنہا لباس بھی حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں اول زراعت روئی کی پھر کاتنے بننے کے آلات پھر سینے کا بکھیڑا درکار ہے خلاصہ یہ کہ انسان کا تنہا رہنا دشوار ہے اجتماع جماعت کی ضرورت ہے اب اجتماع اگر مثلاً جنگل میں ہونے حرارت اور سردی اور مینہ اور چوروں سے ایذا اٹھائیں اس لئے ضروری ہوا کہ مکانات مستحکم بنا کر ایک ایک گھر والے مع اپنے آلات و سامان کے جدا جدا رہیں کہ اوپر کی سب مصیبتوں سے محفوظ رہیں اور بعض اوقات چونکہ یہ خوف ہوتا ہے کہ شاید باہر سے چور آکر سب گھر والوں کو لوٹ لیں. اس خیال سے ضرورت فصیل اور شہر پناہ کی ہوتی ہے اور اسی ضرورت سے شہروں کی بنا ہوئی جب لوگ شہروں میں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور آپس میں معاملات کرتے ہیں تو جھگڑے بھی باہم پیدا ہوتے ہیں کیونکہ مثلاً زوج کو ولایت اور ریاست اپنی منکوحہ پر ہوتی ہے اور باپ کو اپنی اولاد پر اور عاقل پر ریاست و ولایت ہونے سے خصومت ضرور ہوتی ہے دیکھو بہائم پر ولایت ہونے سے کچھ خصومت نہیں ہوتی کیونکہ ان کو تاب مخاصمت و مقابلہ نہیں اگرچہ ان پر کیسا ہی ظلم ہو لیکن عورت اپنے خاوند سے اور بیٹا اپنے باپ سے جھگڑا کر بیٹھتا ہے بلکہ جب ایک شہر کے لوگ دوسرے سے معاملات کرتے ہیں تو بعض اوقات نزاع ہو جاتا ہے اگر ان کو حالت نزاع ہی میں چھوڑ دیا جائے تو لڑ لڑ کر تباہ و ہلاک ہو جاویں اسی طرح چرواہے اور زمیندار ایک ہی چراگاہ اور زمین کے مدعی ہوتے ہیں جو دونوں کی غرض کو وفا نہیں کرتے تو اس سے بھی آپس میں نزاع ہوتی ہے اور بعض اوقات کوئی شخص زراعت اور صنعت سے بوجہ کسی مرض کے عاجز ہو جاتا ہے یا بڑھاپے کے سبب کچھ نہیں کر سکتا پس اگر ایسا شخص یونہی چھوڑ دیا جاوے تو ہلاک ہو جاوے اور اگر سب کے ذمہ اس کی خبر گیری کی جاوے تب بھی شرکت کی ہنڈیا چوراہے میں پھوٹے اور اگر کسی خاص کے ذمہ اس کی خبر گیری ہو تو وہ کیوں بلاوجہ اطاعت کرے گا ان وجوہات کے لحاظ سے بہت سی صنعتیں پیدا ہوتی ہیں اول پیمائش کا فن اس سے زمین کی مقدار معلوم ہوتی ہے تاکہ نزاع کے وقت درستی سے مساوی تقسیم ہو سکے دوم فن سپہ گری جو بزور تلوار حفاظت شہر کی چوروں وغیرہ سے کریں سوم پنچایت و حکومت جس سے جھگڑے فیصل ہوں چہارم فقہ یعنی وہ قانون شرعی جس سے خلق کا انتظام ہو اور اس کی حدود پر قائم رہیں معاملات اور ان کے شروط میں تجاوز نہ کرنے پاویں پس یہ باتیں سیاست کے لئے ضروری ہیں اور ان میں ہر ایک امر کے لئے ایک آدمی مخصوص صفت کا ہونا چاہیئے جو علم و تمیز و ہدایت میں ایک خاص درجہ رکھتا ہو اور جب ان کاموں میں مصروف ہوں گے تو کام ان سے نہ ہوں گے اور معاش کے محتاج یہ لوگ بھی ہیں اور شہر والوں کو ان کی ضرورت ہے مثلاً اگر شہر والے ہی دشمن سے لڑیں تو اور صناعت کون کرے اور اگر لڑنے والے ہی زراعت وغیرہ کریں تو حفاظت کو کون کھڑا ہو پس ہر کارے وہر مردے کی ضرورت ہوئی اور ایک ایک کے حوالے ہوا کچھ لوگ ایسے ہوئے جن کے مال سپرد ہو جس کا کوئی مالک نہ ہو خواہ دشمنوں سے جو لوٹ

آوے وہ ان کے پاس رہے پس اگر بہ چلن سے چلے اور تھوڑے ہی مال پر قانع ہووے تو فبہا ورنہ ضرور ہوا کہ اوروں سے بطور خراج کچھ ان کو ملے تاکہ حفاظت وغیرہ بخوبی کر سکیں اب اس صیغہ کے پیدا ہونے سے اور حاجتیں درپیش ہوتی ہیں مثلاً ایک محصل چاہیئے جو سب سے نرمی اور عدل کے ساتھ لیوے اور ایک خراج کی مقدار مقرر کرنے والا چاہیئے جو عدل سے کاشتکاروں و مالداروں پر کچھ مقرر کرے اور ایک خزانچی چاہیئے جس کے پاس خراج جمع رہے ایک ایک قاسم یعنی بخشی چاہیئے جو وقت مقررہ اس کو اہل حاجت میں تقسیم کیا کرے اور یہ سب کام ایسے ہیں کہ اگر کسی ذریعہ سے تقسیم نہ ہو تو انتظام ٹوٹ جاوے اس لیئے حاجت ایک بادشاہ یا امیر کی ہوئی جس سے یہ سب کام اچھی طرح ہو جاویں اور جس شخص کو جس لائق دیکھے اس پر مقرر کر دے اور انصاف وعدل خراج کے لینے اور دینے اور لشکر کے بھیجنے اور ہتھیاروں کی تقسیم اور لڑائی کی طرف مقرر کرنے اور سپہ سالار اور ہر جماعت کے رئیس معیّن کرنے میں مدنظر رکھے اور لشکر کے ساتھ اور بکھیڑے سلطنت کے ہیں مثلاً حفاظت ملک اور تعیین محرران و عاملان و متصدیان و حسابدانان و خزانچیاں وغیرہ اور یہ سب لوگ محتاج معاش ہیں اور کوئی حرفہ نہیں کر سکتے اب ان کے واسطے بھی مال کی ضرورت ہے جو خراج کے ساتھ وصول ہوتا ہے اس کو فرع خراج کہتے ہیں۔ جیسے چنگی اور چوکیدار وغیرہ بالفعل رائج ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آدمی صنعت کے اعتبار سے تین قسم ہیں اول تو کاشتکار چرواہے واہل حرفہ دوم اہل سیف سوم وہ لوگ جو کاشت کاروں وغیرہ سے لے کر اہل سیف کو دیتے ہیں ان کو اہل قلم کہنا چاہیئے اب دیکھنا چاہیئے کہ شروع میں حاجت صرف غذا اور لباس اور مکان کی تھی انجام کو کتنا بکھیڑا ہو گیا دنیا کی سب باتوں کا یہی حال ہے کہ ایک کام شروع کرو دس پیدا ہوں اسی طرح ہوتے ہوتے بے انتہا ہو جاویں گے گویا دنیا ایک دوزخ ہے جس کے عمق کی کوئی حد نہیں جب آدمی اس کے ایک گڑھے میں گرتا ہے اس سے دوسرے میں ڈھلک جاتا ہے اسی طرح گرتا چلا جاتا ہے پھر یہ صنعتیں اور حرفے بدون مال اور اوزار کے نہیں ہو سکتے اور مال ان چیزوں کا نام ہے جو روئے زمین پر ہیں اور لوگ ان سے منتفع ہوتے ہیں ان میں سے اعلیٰ غذائیں ہیں پھر رہنے کے مکانات پھر کسب معیشت کی جگہ مثل دوکان و کھیت وغیرہ کے پھر لباس پھر اثاث البیت اور اس کے آلات بھی بعض اوقات حیوان کی قسم ہوتے ہیں جیسے کتا کہ آلۂ شکار ہے یا بیل کاشت کاری وغیرہ کا آلہ اب بعض مواضع ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں کاشت کاری کے آلات نہیں ہوتے اور بڑھئی اور لوہار بعض اوقات ایسے گاؤں میں رہتے ہیں کہ جہاں کھیتی نہیں ہوتی تو بالضرورت جن کے پاس آلات نہیں ان کو بڑھئی اور لوہار کی حاجت پڑتی ہے اور ان دونوں کو غلہ والے کی ضرورت پڑتی ہے اس ضرورت سے خرید و فروخت مروج ہوتی ہے یعنی غلہ والا چاہتا ہے کہ اپنے پاس کی چیز دے کر آلات مول لے اور آلات والا اپنے آلات کے عوض میں غلہ خریدنا چاہتا ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ دونوں کی ضرورت ایک ہی وقت ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ جس وقت بڑھئی کوئی آلہ تیار کر کے کسان سے اس کے عوض غلہ مانگے اس وقت کسان کو ضرورت اس آلہ کی نہ ہو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جب کسان کو ضرورت آلہ کی ہو تو بڑھئی کو حاجت غلہ کی

نہ ہو تو ایسی صورتوں میں طرفین کے مقصود بند رہنے کا خوف تھا اس لحاظ سے ایسی دوکانیں مقرر کی گئیں کہ جن میں ہر طرح کے آلات فروخت ہوا کریں اور غلوں کے واسطے منڈیاں مقرر ہوئیں کہ جب کسانوں اور اہل حرفہ کو ضرورت آلات خواہ غلہ کی ہو تو اسی وقت مل سکے منڈی والے کسانوں سے غلہ خرید لیتے ہیں اور اہل حاجات کو ان کی خواہش کے وقت دے دیتے ہیں اسی طرح دوکاندار بڑھئی وغیرہ سے آلات خریدتے ہیں اور طلب کے وقت کسانوں کو دیتے ہیں جو دوکاندار ان سے ارزاں لیتے ہیں اور اہل حاجات کو نفع کے لیئے گراں دیتے ہیں اسی نفع کی توقع سے بازار اور گنج مقرر ہوئے سب جنسوں کا حال ایسا ہی تصور کرنا چاہیئے پھر شہروں اور گاؤں میں آمد و رفت ہونے لگتی ہے تو گاؤں والے شہر سے آلات لیجاتے ہیں اور شہر والے گاؤں سے غلہ لاتے ہیں اسی طرح خلقت کا دستور ہے کیونکہ شہر ایک شہر میں سب آلات رہتے ہیں نہ ہر گاؤں میں سب غذائیں تو بالضرور جو چیز ایک میں ہوگی اور دوسرے میں نہ ہوگی تو دوسرا محتاج اوّل کا رہے گا پس کچھ لوگوں نے یہی اختیار کر لیا کہ اپنے نفع کے لیئے ایک جگہ کی چیز دوسری جگہ پہونچاتے ہیں نہ رات کو سونا نہ دن کو آرام برابر سفر کرتے ہیں اور یہ سب باتیں دوسروں کی غرض کے لیئے کرتے ہیں ان کا خود کا مطلب صرف مال کا اکٹھا کرنا ہوتا ہے جس کو ایک روز یا رہزن چھین لیتے ہیں یا حاکم کوئی زبردستی سے لیتا ہے لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو یہ راز نہیں بتایا وہ برابر غفلت و جہالت میں رہتے ہیں تاکہ ان کی غفلت اور نادانی سے انتظام شہروں کا اور مصلحت و بہتری بندگان خدا کی بنی رہے بلکہ اگر سب کاموں کو دنیا کے دیکھو تو سب کا انتظام غفلت و نادانی سے اور ہمت سے ہے اگر لوگ ہوشیار ہوتے اور حوصلے بھی عالی رکھتے تو دنیا کو ترک کر دیتے اور پھر وجہ معیشت بالکل جاتی رہتی اور سب لوگ مع زاہدین کے تباہ ہو جاتے پھر ان اموال کو جو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجاتے ہیں تو کبھی آدمی سے نہیں اٹھ سکتے جانوروں پر لاد کر پہونچاتے ہیں اور بعض اوقات مالک کے پاس جانور باربرداری کے نہیں ہوتے تو وہ انلوگوں سے معاملہ کرتا ہے جن کے پاس باربرداری ہو خواہ غلہ پہنچانے کا ٹھیکہ مقرر کر دیتا ہے یا کرایہ معین ہو جاتا ہے پس کرایہ اور ٹھیکہ بھی ایک وجہ معیشت ہو جاتی ہے پھر معاملات اور معاوضات سے تعین مقدار کی بھی ضرورت ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی شخص کپڑے کے عوض میں غذا خریدنا چاہے تو اس کو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس قدر غذا کے عوض کس قدر کپڑا چاہیئے اور معاملات ہر طرح کے اجناس مختلفہ میں ہوتے رہتے ہیں جیسے کپڑا کھانے کے عوض میں فروخت ہوتا ہے اور کپڑے کے عوض میں جانور فروخت ہوتا ہے وغیرہ اور ان چیزوں میں کچھ مناسبت نہیں جس سے مقدار معلوم ہو جایا کرے تو ضرور ہوا کہ بائع اور مشتری میں ایک مقدار عدل ہو جو ایک چیز کو دوسرے کی چیز کے برابر کر دے اور یہ عدل ایسی چیزوں میں ہے جو عالی اور مالیت رکھتی ہوں اور ہمیشہ کو رہ سکیں اس لیئے کہ ان کی ضرورت تو ہمیشہ ہی ہوا کرتی ہے اب مالوں میں جو دیکھا تو سب سے زیادہ معدنی چیزوں کو پائیدار پایا اس لیئے سونا اور چاندی اور تانبے کو برابری کی غرض کے لیئے نقد مقرر کیا پھر ان کے کمال کے لیئے سکہ اور ٹھپہ کی ضرورت ہوئی تو ٹکسال اور صراف مقرر ہوئے اسی طرح

اشغال و اعمال سے اور اشغال و اعمال نکلتے گئے یہاں تک کہ جو نوبت اب ہے وہ نظر ہی میں ہے اور چونکہ اکثر پیشے اس طرح کے ہیں کہ بدون سیکھے اور محنت کے نہیں آتے اور بعض لوگ لڑکپن میں کوئی کام نہیں سیکھتے خواہ کھیل کود غفلت سے یا کسی اور وجہ سے تو بڑے ہو کر جب اپنے آپ کو ہنر سے عاری دیکھتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ دوسروں کی کمائی کھاویں اس مطلب کے لئے دو پیشے نکلے پیدا ہوتے ہیں ایک چوری اور ایک گداگری ان دونوں کا مآل یہی ہے کہ دوسرں کی کمائی کھاویں از انجا کہ لوگ اپنا مال حتی الوسع چوروں اور گداگروں سے بچاتے ہیں تو ان دونوں فرقوں نے مال لینے کے حیلے اور تدبیریں نکالیں چور تو بعض اوقات ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہو کر راہزنی اور ڈاکہ زنی کرنے لگے اور جو ان میں کمزور ہیں وہ نقب اور کمند لگا کر غفلت کے وقت گھروں میں گھس کر چراتے ہیں یا اور حیلے کر کے اٹھائی گیرے اچکے جیب کترے بن جاتے ہیں اسی طرح گداگر کسی کے پاس جا کر مانگتا ہے تو جواب پاتا ہے تو ہٹا کٹا ہے جیسے اور لوگ محنت کرتے ہیں تو کیوں نہیں کرتا تجھے کچھ نہیں ملے گا اس واسطے اس فرقہ کے آدمیوں نے بھی تدبیریں روپیہ لینے کی نکالیں بعضوں کا حیلہ یہ ہوتا ہے کہ خود اپنی آنکھیں اور بچوں کی آنکھیں پھوڑ لیتے ہیں تاکہ لوگ معذور جان کر کچھ دے دیں اور بعضے صرف بہانہ بنا کر کرتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں سوجھتا یا بتکلیف فالج زدہ اور مجنون و بیمار بن جاتے ہیں اور لوگوں کے سامنے ایسے فریب سے کہتے ہیں کہ یہ رنج ہم پر اتفاقی آن پڑا تاکہ لوگ رحم کھا کر کچھ دے دیں اور بعض لوگ کچھ فعل اور قول ایسے ڈھونڈتے ہیں جن سے آدمی تعجب کریں اور جب ان کا مشاہدہ کریں تو ہنسیں اور خوشی کے وقت شاید کچھ دینے کو ہاتھ اٹھاویں گو دینے کے پیچھے اپنی حرکت پر نادم ہوں لیکن اس وقت کی ندامت سے کیا فائدہ اور یہ قول و فعل کبھی تو مسخرگی کے طور پر ہوتے ہیں مثلاً حکایات عجیب بیان کرنا اور شعبدہ دکھلانا اور افعال و حرکات ایسے کرنا جن سے ہنسیں اور کبھی شعر خوانی کے طور پر اشعار عجیب خواہ کلام نثر کو خوش آوازی سے گاویں اور شعر موزوں کی تاثیر دل میں زیادہ ہوتی ہے خصوصاً اس وقت کہ ان میں کوئی تعصب متعلق مذہب کے ہو مثلاً اشعار مناقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اہل بیت رضؓ کے یا ان میں کوئی بات عشق مجازی اور محبت باطل کی ہو جیسے ڈھولکی والے بازاروں میں گاتے پھرا کرتے ہیں اور اسی فرقہ میں وہ لوگ بھی ہیں کہ جو جاہلوں اور لڑکوں کو فریب دے کر تعویز و گنڈہ اور بوٹی ان کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں وہ بیچارے ان کو دوا سمجھ کر مول لے لیتے ہیں حالانکہ کسی کام کے نہیں ہوتے یا قرعہ اور فال دیکھنے پر اجرت لیتے ہیں اور اسی جنس میں وہ لوگ بھی ہیں جو منبروں پر بیٹھ کر وعظ کہا کرتے ہیں اور انکی غرض صرف اپنی طرف لوگوں کے دلوں کا متوجہ کرنا اور ان سے مال لینا ہے۔ اور کوئی فائدہ علمی نہیں منظور ہوتا اسی طرح گداگری کی ہزاروں صورتیں ہیں اور سب بہت فکر دقیق سے نکلی ہیں معیشت والوں کو دن رات یہی فکر رہتی ہے ایسی ہی تدبیریں سوچا کرتے ہیں پس یہ افعال و اعمال خلقت کے ہیں جن پر وہ گرے ہوئے ہیں اور منشا ان سب کا صرف حاجت خوراک و پوشاک کی ہے لیکن اس میں وہ اپنی جانوں کو بھول گئے اور مقصود و مآل

یاد سے جاتا رہا اسی وجہ سے حیران و سرگردان و گمراہ ہو گئے اور ان کی ضعیف عقلوں پر دنیا کے شغلوں کے باعث ان کی آنکھیں نہ کھلیں اور انجام کار نہ سوجھا اور یہی جانا کہ مقصود یہی ہے کہ چند روز دنیا میں زندہ رہ کر غذا کے حاصل کرنے میں کوشش کریں اور کھا پی کر کمائی کے قابل ہو جاویں پھر کما کر کھاویں غرضیکہ ان کی غذا کمائی کے واسطے ہے اور کمائی غذا کے واسطے اور یہ رائے تو کسانوں اور حرفہ والوں کی ہے جو دنیا میں بھی آسائش سے نہیں رہتے نہ دین میں پاؤں دھرتے ہیں دن بھر رات کی غذا کی خاطر مشقت کرتے ہیں اور رات کو دن کی مشقت کے واسطے غذا کھاتے ہیں یہ لوگ مرنے کے وقت تک تیلی کے بیل کی طرح اسی گردش میں رہتے ہیں اور کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم مطلب سمجھ گئے شریعت کا مقصود یہ نہیں کہ انسان اسی عمل پر ہی کفایت کرے اور دنیا کے اور لذائذ سے محروم رہے بلکہ سعادت یہی ہے کہ شہوت شکم اور فرج سے پیٹ بھر کر حاجت پوری کرے پس یہ لوگ اپنے نفسوں کو بھول گئے اور تمامی ہمت عورتوں کی صحبت اور لذیذ کھانوں میں صرف کی چوپایوں کی طرح بجز خورد و خواب کے اور کچھ نہ جانا اور اسی کو غایت مقصود سمجھا خدا تعالیٰ اور قیامت کے دن سے غافل رہے اور ایک جماعت کا یہ گمان ہے کہ سعادت مال کی اور خزانوں کی کثرت سے ہے تو یہ لوگ رات اور دن جمع کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور اس غرض کے لیئے بڑی بڑی محنتیں اور طویل سفر اختیار کرتے ہیں قدر ضرورت کے سوا بخل کے مارے کچھ نہیں صرف کرتے کہ کہیں مال کم نہ ہو جاوے اور اسی ننانوے کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے بعد ان کی کمائی یا تو زمین ہی میں رہتی ہے یا کسی کھاؤ اڑاؤ کے ہاتھ لگتی ہے یہ تو چین کرتا ہے اور جوڑ جوڑ رکھنے والا اس کی مصیبت و وبال میں گرفتار ہوتا ہے لیکن جمع کرنے والے یہ حال اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور عبرت نہیں حاصل کرتے اور لوگوں کو یہ خیال ہے کہ سعادت منحصر نیک نامی میں ہے کہ لوگ ہمارے تجمل اور مروت کی ثنا اور صفت بیان کریں یہ لوگ رات دن جو کچھ معاش پیدا کرتے ہیں اپنے کھانے پینے میں بہت تنگی کرتے ہیں لیکن سب مال اچھی پوشاک اور نفیس سواریوں میں صرف کرتے ہیں گھر کے دروازے یا جن چیزوں پر خلق کی نگاہ پڑے ان کو بہت منقش اور آراستہ رکھتے ہیں تاکہ لوگ ان کو غنی اور مالدار کہیں اور اسی میں اپنی سعادت سمجھتے ہیں اور بعضے یوں تصور کرتے ہیں کہ آدمی کی سعادت اس میں ہے کہ لوگوں کے نزدیک مقبول اور قابل تعظیم ہو جاوے اس خیال سے بہمہ تن اس بات میں کوشش کرتے ہیں کہ لوگ ہماری اطاعت کریں اور ہمیں لحاظ حکومت پر مرتے ہیں اور سرکاری کام لینے سے بہت خوش ہوتے ہیں تاکہ اس وجہ سے کچھ لوگوں پر حکومت ہو جاوے اور اسی کو غایت مقصود سمجھتے ہیں اور یہ بات اکثر غافل لوگوں میں موجود ہے لوگوں کی فرمانبرداری کی محبت سے خدا کی فرمانبرداری اور عبادت اور اپنی معاد و آخرت کی فکر کو نسیاً منسیاً کر رہا ہے علاوہ ان جماعتوں کے اور بہت سے فرقے ہیں جن کی شمار ستر سے کچھ زیادہ ہے اور سب کے سب خود گمراہ ہیں اور اوروں کو صراط مستقیم سے بہکاتے ہیں اور یہ صرف اس وجہ سے کہ کھانے اور لباس اور مسکن کی حاجت میں یہ بھول گئے کہ ان چیزوں کی حاجت کس لیئے ہے اور ان میں سے کس قدر کافی ہیں اور ان

کے اسباب ابتدائی میں پڑکر انجام تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور آخر میں ایسے گڑھوں میں جا پڑے کہ ان میں سے نکلنا دشوار ہو گیا پس جو شخص کہ ان چیزوں کی طرف حاجت کی وجہ جانتا ہوا اور جو کچھ دنیاوی کاموں سے مقصود ہے اس سے بھی واقف ہے ایسا شخص جو کام اور حرفہ کرے گا اس کی غرض اور مقصود کو جانتا ہو گا اور یہ بھی واقف ہو گا کہ ہر ا حصتہ اس کام ہر و حرفہ سے صرف بدن کی خبر گیری ہے کہ غذا لباس بقدر اس کو پہنچے کہ ہلاک نہ ہو پس اگر اپنے اس حصتہ میں بھی کمی کرے گا تو سب شغل اس سے دفع ہو جائیں گے اور فارغ البال ہو کر بہمہ تن متوجہ آخرت ہو گا اور اسی کے لیئے تیاریاں کرے گا اور اگر حصہ مذکور یعنی مقدار ضرورت سے بڑھ کر لے گا تو اشغال کا ہجوم ہو گا مسلسل بے انتہا کام نکل آویں گے اور طرح طرح کے تردداتمیں مبتلا ہو گا اور جس شخص کو دنیاوی ترددات اس طرح رہتے ہیں اس کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کون سے تردد میں ہلاک کر دے اور اس مثل کا مصداق بنا دے۔ ؎ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد۔ یہاں تک حال ان لوگوں کا ہوا جو دنیا کے کاموں میں مستغرق رہتے ہیں اب یہ سننا چاہیئے کہ بعض لوگ دنیا کے حال سے واقف ہو کر اس سے اعراض کرتے ہیں ان پر شیطان حسد کر کے اسی اعراض میں ایسی باتیں ان کے دل میں جماتا ہے کہ گمراہ کئے بغیر نہیں چھوڑتا مثلاً بعض لوگوں کو یہ تصور ہوتا ہے کہ دنیا محنت و مصیبت کی جگہ ہے اور آخرت سعادت کا مکان ہے جو آخرت میں پونچا سعادت میں داخل ہوا خواہ عبادت کرے یا نہیں اور اس بنا پر یہ اعتقاد کر لیا کہ محنت دنیاوی سے بچنے کے لیئے اپنی جانوں کو ہلاک کرنا بہتر ہے یہ عقیدہ ہندو عابدوں میں سے ایک فرقہ کا ہے کہ اپنے آپ کو جلتی آگ میں ڈال کر خاک کر ڈالتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس سے محنت دنیاوی ان پر سے ٹل جاوے گی اور آخرت میں کھڑا سعادت میں پہنچیں گے اور کچھ لوگوں کو یہ تصور ہے کہ خود کشی سے نجات نہیں ہوتی بلکہ اوّل یہ ضرور ہے کہ صفات بشری کو معدوم کرنا اور نفس سے بالکل نیست و نابود کرنا چاہیئے اور سعادت آخرت شہوت و غضب کے بالکل قطع کرنے میں ہے اسی خیال سے مجاہدہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے نفس پر اتنی سختی برتی کہ کچھ تو کثرت ریاضت ہی میں مر گئے اور بعضوں کی عقل فاسد ہو کر مجنون ہو گئے اور بعضے مریض ہو کر عبادت سے رہ گئے اور بعضے بیخکنی صفات بشری سے عاجز ہو کر جاننے لگے کہ شریعت کے حکم اور تکلیف کی تعمیل محال ہے اور اس کی کچھ اصل نہیں دھوکا ہی دھوکا ہے ان خیالات سے ملحد بن گئے اور بعضوں کو یہ سوجھا کہ سب محنت خدا کے لیئے کی جاتی ہے مگر خدا تعالیٰ کی ذات ہر چیز سے بے پرواہ ہے نہ کسی عابد کی عبادت سے اس میں کچھ زیادہ ہوا اور نہ کسی عاصی کی نافرمانی سے اس میں کم ہو یہ سوچ کر احکام شرعی کو بالائے طاق رکھ دیا اور خواہش نفسانی کی طرف رجوع کی اور جو چاہا سو کیا اور یہ سمجھے کہ ہمارا عقیدہ بہت صاف ہے کہ خدا ہم کو عابدوں کی عبادت سے بے پرواہ جانتے ہیں اور کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ عبادت سے غرض مجاہدہ ہے اس قدر کہ آدمی کو معرفت حاصل ہو جاوے اور معرفت ہونے پر واصل الی اللہ ہو جاتا ہے اس رتبہ کے بعد پھر حاجت وسیلہ اور حیلہ یعنی عبادت کی نہیں رہتی اور چونکہ اس قسم کے لوگ اپنے

آپ کو معرفت میں کامل جانتے ہیں تو اس وجہ سے عبادت چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تکلیف شرعی ہم لوگوں کے واسطے نہیں ہیں ان کے سوا اور مذاہب باطلہ اور گمراہیاں سخت ہیں کہ ان کی تعداد ستر سے کچھ زیادہ پہنچتی ہے مگر ان میں صرف ایک فرقہ نجات پائے گا اور وہ وہی لوگ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ کے طریق پر چلنے والے ہیں یعنی جن کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ بالکل دنیا کو ترک کرنا چاہیئے اور نہ بالکل بیچکنی کرنی چاہیئے بلکہ دنیا سے بقدر زاد لینا چاہیئے اور شہوات میں اسی قدر کا استحصال کرنا چاہیئے جو حد شرع اور عقل سے خارج ہو خلاصہ یہ کہ نہ ہر ایک شہوات کا درپے ہو اور نہ ہر ایک کا تارک بلکہ طریق متوسط اختیار کرنا چاہیئے اسی طرح نہ دنیا کی ہر چیز کا طالب ہو نہ ہر ایک چیز کا تارک بلکہ جو چیز دنیا میں پیدا ہوئی ہے اس کا مقصود جان کر اس کے مقصود ہی تک رہنے دے مثلاً غذا سے اسی قدر لے کہ بدن عبادت پر قادر رہے اور مسکن سے اسی قدر اختیار کرے جو حرارت اور برودت اور چوروں کی حفاظت کو بس ہو اور علی ہذا القیاس لباس کو جاننا چاہیئے پس جب اس طرح بدن کے شغل سے فارغ ہو گا تمامی ہمت سے متوجہ الی اللہ ہو کر زندگی بھر ذکر و فکر میں مشغول ہو کر رہے گا اور ہمیشہ شہوات کی حفاظت اور سیاست کرتا رہے گا کہ ورع اور تقوی کی حدود سے تجاوز نہ کرنے پاوے اور اس کی تفصیل جب ہی معلوم ہوتی ہے جب اقتدار فرقہ ناجیہ یعنی اصحاب رضی اللہ عنہ کا نصیب ہو چنانچہ حدیث شریف میں جب آپ نے امت کا بہتر فرقوں میں متفرق ہو جانا فرمایا اور ایک فرقہ کو ناجی فرمایا تو لوگوں نے اس ناجی فرقہ کو پوچھا آپ نے فرمایا کہ اہل سنت والجماعت پھر لوگوں نے عرض کیا کہ اہل سنت اور جماعت سے کون لوگ مراد ہیں آپ نے فرمایا جن کا طریقہ وہ ہے جو میرے اصحابؓ کا ہے سچ ہے ؎ خلاف پیمبر کسے رہ گزید۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید۔ اصحابؓ کا طریق متوسط تھا جیسا کہ ہم پہلے مفصل لکھ چکے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کو دنیا کی غرض سے نہ لیتے تھے بلکہ دین کی غرض سے اور راہب اور تارک دنیا بالکلیہ نہ ہوتے تھے سب امور میں افراط و تفریط ان کے مزاج میں نہ تھی بلکہ ان کا امر راستی اور درستی کے ساتھ تھا جو طریقہ وسط اور محبوب الہی تھا وہی ان لوگوں کو پسند تھا اور درجہ اوسط کی بہتری چند جا پہلے بھی لکھی گئی ہے دنیا کی برائیوں کا بیان تمام ہوا۔ الحمد للہ اولاً و آخراً و صلی اللہ علیہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ وسلم۔

ساتواں باب: بخل کی مذمت اور مال کی محبّت

(رباعی)

کرتے ہیں بخیل زندگی بھر امساک ـــــ اور مال کی دوستی کو سمجھیں نہ پاک
پر حیف کہ موت پر وہ اپنے ہمراہ ـــــ اس مال و منال سے نہ لیجاوینگے خاک

واضح ہو کہ دنیا کے فتنے شاخ در شاخ اور نہایت واسع اور فراخ ہیں مگر سب میں بڑا فتنہ دنیا کا اموال ہیں اور انہیں میں رنج و محنت بھی زیادہ ہے اور زیادہ تر خرابی کی وجہ یہ ہے کہ ان سے نہ کسی کو بے پرواہی اور نہ ان سے صورت سلامتی اگر مال نہ ہو تو فقر کو قریب کفر پہنچاتا ۔۔ حاصل ہوتا ہے اور اگر مال ہو تو باعث سرکشی ہوتا ہے جس کا انجام بجز نقصان کچھ نہیں غرضکہ مال خالی فائدے اور نقصان سے نہیں مال کے فائدے منجیات میں داخل ہیں اور اس کے نقصان مہلکات ہیں اور مال سے یہ پہچان لینا کہ فلاں مال بہتر ہے اور فلاں بُرا ایسا مشکل ہے کہ سوائے علمائے راسخین اور ارباب دین کے اور لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتا ہے اس لیئے اس کا بیان جدا گانہ بہت ضروری ہے پہلے باب میں جو مذمت دنیا کی بیان ہوئی تو عام دنیا کی مذمت تھی کچھ مال کے اعتبار سے نہ تھی کیونکہ دنیا تو آدمی کے حظوظ زندگی کا نام ہے اور بہت سے حصے ہیں ایک ان میں سے مال بھی ہے اور ایک اتباع شہوت شکم و فرج ایک غصّہ و حسد کے موجب دل کے پھپھولے توڑنے اور ایک شیخی و تعلی غرض کہ اسی طرح بہت سے اجزا ہیں جن سے آدمی کو حظ زندگانی ہوتا ہے اس باب میں ہم صرف مال کا بیان کرتے ہیں اس لیئے اس میں آفات اور ضرر بہت ہیں ان کے نہ ہونے سے تو آدمی میں فقر کا وصف آجاتا ہے اور اس کے موجود ہونے سے تونگری کا وصف ہوتا ہے اور یہ دونوں ایسے اوصاف ہیں کہ ان سے آدمی کا امتحان ہوا کرتا ہے پھر مفلس کی دو حالتیں ہیں قناعت اور حرص ایک ان میں سے اچھی ہوتی ہے اور دوسری بری اور حریص کے بھی دو حال ہیں یا تو لوگوں کے مال میں طمع کرتا ہے یا دوسروں کے مال سے دست بردار ہو کر حرفہ اور پیشہ کے کرنے میں مستعد رہتا ہے ان دونوں حالتوں میں دوسروں کے مال میں طمع بہت بری بلا ہے اب تونگر کے بھی دو حال ہے ایک اسراف دوسرے میانہ روی اور عمدہ میانہ روی ہے اور یہ سب باتیں باریک اور ایک دوسرے سے متشابہ ہیں اس لیئے ان کا واضح کرنا بہت ضروری ہے ۔۔

لہذا ہم اس کی شرح چودہ بیانوں میں کرتے ہیں۔

مال کی مذمت اور اس کی برائی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[1]۔ یاایھا الذین اٰمنوا لاتلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذٰلک فاولٰئک ھم الخسرون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ط اور فرمایا۔ انما اموالکم واولادکم فتنۃ واللہ عندہ اجر عظیم[2] اور فرمایا۔ من کان یرید الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لایبخسون اور فرمایا۔ ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ ط۔ اور فرمایا۔ الھٰکم التکاثر۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ مال اور شرف کی محبت دل میں نفاق اس طرح اگاتی ہے جیسے پانی سے ساگ اگتا ہے اور دوسری حدیث میں ہے اگر بکریوں کے گلے میں دو بھوکے بھیڑیئے چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اتنا نقصان نہیں کرتے جتنا محبت مال اور شرف کی مسلمان آدمی کے دین میں نقصان کرتی ہے اور نیز فرمایا کہ۔ ھلک المکثرون الا من قال بہ فی عباد اللہ ھٰکذا وھٰکذا ط۔ اور لوگوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کی امت میں سب سے زیادہ شریر لوگ کون ہیں آپؐ نے فرمایا کہ توانگر اور ایک حدیث میں[1] ارشاد فرمایا کہ تمہارے بعد عنقریب ایسے لوگ ہوں گے کہ غذائیں لطیف اور طرح طرح کی کھائیں گے اور گھوڑوں میں سے عمدہ عمدہ اور تیز رفتاروں پر سوار ہوں گے اور عورتوں میں سے خوبصورت اور شکیل سے نکاح کریں گے لباس فاخرہ انواع واقسام کے پہنیں گے اور ان کے پیٹ تھوڑی سی چیز سے پر نہ ہوں گے نہ نفس کثیر پر قانع دنیا کے ہی ہو رہیں گے۔ صبح وشام وہی مدنظر ہو گی خدا تعالیٰ کے سوا اسی کو اپنا معبود اور رب جانیں گے پس جو شخص اس زمانہ میں جو تمہاری اولاد میں سے یا بعد کے لوگوں میں سے اس کو محمد بن عبداللہ کی طرف سے قسم ہے کہ وہ نہ ایسے لوگوں کو سلام کرے اور نہ ان کے بیمار کی عیادت کرے نہ ان کے جنازے میں شریک ہو نہ بڑے کی تعظیم کرے اور اگر ایسا کرے گا تو بنائے اسلام کے گرانے میں ساعی اور مددگار ہو گا اور ایک حدیث میں فرمایا کہ دنیا کو دنیا داروں کے لئے چھوڑ دو اس لیئے جو کوئی دنیا مقدار کفایت سے زیادہ حاصل کرے گا۔ وہ اپنی موت حاصل کرے گا اور اس کو خبر بھی نہ ہو گی اور دوسری حدیث میں فرمایا[2]۔ یقول ابن اٰدم مالی مالی وھل لک من مالک الا ما اکلت فافنیت اولبست فابلیت اوتصدقت فامضیت ط اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں موت

---

[1] اے ایمان والو نہ غافل کریں تم کو تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے اور جو کوئی یہ کام کرے تو وہی لوگ ہیں ٹوٹے میں آئے ۱۲ [2] تمہارے مال اور اولاد جو ہیں خراب کرنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے [3] جو کوئی چاہتا دنیا کا جینا اور اس کی رونق بھر دیں ہم ان کو ان کے عمل اسی دنیا میں اور ان کو اس میں کچھ کمی نہ کریں ۱۲ [4] آدمی سر چڑھ جاتا ہے اس سے کہ دیکھے آپ کو توانگر [5] غفلت میں رکھا تم کو بہتایت کی حرص نے ۱۲ ح اس کی سند ان الفاظ سے نہیں ملی۔ ح بیہقی در شعب نے بروایت ابو درداء نے حضرت سلمان کو یہ حدیث لکھی نفی احیاء میں اس کا عکس ہو گیا ۱۲

کو نہیں چاہتا ہوں آپؐ نے فرمایا تیرے پاس کچھ مال ہے اس نے عرض کیا کہ ہاں آپؐ نے فرمایا کہ اپنے مال کو
آخرت کے لئے دے ڈال کیونکہ ایماندار کا دل کے ساتھ رہتا ہے اگر دے دیا ہو گا تو چاہے گا کہ میں بھی اس
سے جا ملوں اور اگر پیچھے چھوڑے گا تو یہ چاہے گا کہ کاش میں بھی اس کے ساتھ دنیا میں رہتا اور فرمایا کہ آدمی
کے دوست تین ہیں ایک تو قبض روح تک ساتھ رہتا ہے دوسرا قبر تک تیسرا قیامت تک قبض روح تک
کا تو ساتھی مال ہے اور قبر تک کے ساتھی اس کے گھر والے ہیں اور قیامت تک کے ساتھی اس کے اعمال ہیں
اور ایک بار حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ پانی پر چلتے ہیں
اور یہ امر ہم سے نہیں ہو سکتا آپؑ نے فرمایا کہ تمہارے نزدیک کچھ روپیہ اشرفی کی قدر ہے انہوں نے کہا کہ البتہ
ہم ان کو اچھا جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک وہ دونوں اور ڈھیلے یکساں ہیں اور حضرت سلمان فارسیؓ نے
حضرت ابو درداءؓ کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ اے برادر اتنی دنیا مت جمع کرنا جس کا شکر تم سے ادا نہ ہو سکے
میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جس مالدار نے اپنے مال کو خدا کے فرمانے کے بموجب صرف کیا ہو گا
وہ قیامت کو حاضر کیا جاوے گا اس کا مال سامنے ہو گا۔ جب پل صراط پر ادھر ادھر جھکنے لگے گا تو اس کا مال کہے گا
کہ چلا کیوں نہیں جاتا تو مجھ میں سے اللہ کا حق دے چکا ہے پھر ایسا مالدار آوے گا جس نے حکم خدا کے موافق
نہ کیا ہو اس کا مال اس کے شانوں پر رکھا ہو گا جب پل صراط پر جھکنے لگے تو اس کا مال کہے گا کہ خرابی ہو تجھ کو
تو نے خدا کا حق کیوں نہ دیا اسی طور پر اس کا حال رہے گا یہاں تک کہ دہائی تہائی مچا دے گا اور باب زہد و
فقر میں جو ہم نے غنا کی مذمت اور فقر کی صفت لکھی ہے اور ان سب کا مآل مال کی برائی ہے اس کو یہاں بیان
کرنے کی حاجت نہیں اسی طرح دنیا کی مذمت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ بھی مذمت مال کو شامل ہے اس لئے
کہ دنیا کے ارکان میں سب سے زیادہ مال ہے لیکن اس باب میں وہی مذکور ہوتا ہے جو خاص کر مال
کے باب میں وارد ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے [1] اذا مات العبد قالت الملائکۃ ما تقدم وقال
الناس ما خلف .... ط اور فرمایا [2] لا تتخذوا الضیعۃ فتحبوا الدنیا۔ روایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابو دردؓ
کے ساتھ کچھ برائی کی تو آپ نے یوں فرمایا کہ الٰہی جس نے مجھ سے برائی کی ہے اس کو صحیح و سالم رکھ اور اس کی عمر

ف۱ جب بندہ مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے کیا آگے بھیجا اور لوگ کہتے ہیں کیا پیچھے چھوڑا ۱۲ جلد سوم میں
گذری ۱۲ ح۲ زمین مت پولس چاہنے لگو گے دنیا کو ۱۲ ترمذی و حاکم بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بالفظ فرعنو
ح۳ ہلاک ہو گئے زیادہ مال والے مگر وہ شخص کہ جس نے دیا ہو مال کو اللہ کی راہ میں ایسے اور ایسے یعنی خیرات کر گیا طبرانی بروایت
عبدالرحمٰن بن ابزی اور اس میں فی عباداللہ نہیں ہے اور صحیح میں مضمون بروایت ابوذر اور طرح مروی ہے۔ ح کہتا ہے ہر انسان مال
میرا نہیں تیرا تیرے مال میں سے مگر جو تو نے کھا کر کھو دیا یا پہن کر پرانا کر دیا یا صدقہ کیا پس چلتا کیا مسلم بروایت ۱۲۔

زیادہ کر اور مال بھی کثرت سے دے یہاں دیکھنا چاہیئے کہ باوجود صحت بدن اور زیادتی عمر کے کثرت مال کو نہایت امتحان تصوّر فرمایا کیونکہ اس کی کثرت سے نوبت سرکشی کی بالضرور پہونچتی ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک درم اپنی ہتھیلی پر رکھ کر فرمایا تو ایسی چیز ہے جب تک میرے پاس سے نہ ٹلے گی مجھ کو نفع نہ دے گی اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش، ام المومنین کی خدمت میں کچھ روپیہ بھیجا انہوں نے پوچھا یہ کیسے ہیں لوگوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے آپ کے لیئے بھیجے ہیں انہوں نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ عمر کی مغفرت کرے پھر ایک پردے کو کھول کر اس کو پھاڑا اور اس کی تھیلیاں سی کر وہ تمام مال اپنے رشتہ داروں اور یتیموں میں بانٹ دیا پھر اپنے ہاتھ اٹھا کر یوں دعا مانگی کہ الٰہی اس سال کے بعد میرے پاس عمر کی عطا نہ آوے اور ایسا ہی ہوا کہ ازواج مطہرات میں سے اوّل انتقال انہیں کا ہوا اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جس کو روپیہ عزت دیتا ہے اس کو خدا ذلیل کرتا ہے اور روایت ہے کہ جب اوّل اوّل روپیہ اشرفی تیار ہوئے تو ابلیس نے ان دونوں کو اٹھا کر اپنے ماتھے پر رکھا اور بوسہ دیا اور کہا کہ جو تم سے محبّت کرے گا وہ حقیقت میں میرا غلام ہو گا اور شمیط ابن عجلان کہتے ہیں کہ مال روپیہ اشرفیاں منافقوں کی باگیں ہیں جن سے دوزخ کی طرف کھنچے جائیں گے اور یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ ایک بچھو ہے جس کو اس کا منتر نہ آتا ہو وہ اس کو نہ لیوے کیونکہ اگر کاٹ لے گا تو اس کا زہر چڑھ کر ہلاک ہو جاوے گا لوگوں نے پوچھا کہ اس کا منتر کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ وجہ حلال سے حاصل کرنا اور حق پر صرف کرنا اور علاء بن زیادؒ کہتے ہیں کہ دنیا میرے سامنے صورت بن کر آئی ہر طرح کی زینت سے آراستہ تھی میں نے کہا کہ خدا تیرے شر سے بچاوے اس نے جواب دیا کہ اگر تم کو منظور ہے کہ خدا تم کو میرے شر سے بچاوے تو روپیہ کو برا سمجھنا کیونکہ گویا تمام دنیا سے صبر کرے گا جیسا کہ کسی کا قول ہے زر جس کو میسر ہے وہ دنیا میں دھنی ہے جو اس سے کرے صبر وہ دنیا سے غنی ہے اور مسلمہ بن عبد الملک حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خدمت میں نزع کی حالت میں گئے اور ان سے کہا کہ آپ نے ایسا کام کیا جو آپ سے پہلے کسی نے نہیں کیا وہ یہ کہ اپنی اولاد کے لیئے نہ روپیہ چھوڑا تو میں نے ان کا حق کچھ نہیں داب رکھا اور جو غیروں کا حق تھا وہ ان کو نہیں دیا علاوہ ازیں میرے بیٹے دو طرح کے ہیں یا تو خدا کے فرمانبردار ہیں تو ایسوں کو خدا ہی کافی ہے چنانچہ خود فرماتا ہے۔ وھو یتولی الصّالحین یا عاصی و نافرمان ہیں ان کی مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے جو ہو سو ہوا کرے اور روایت ہے کہ محمد بن کعب قرظیؒ کو بہت سا مال ہاتھ لگا لوگوں نے کہا کہ اگر اس کو اپنے بیٹے کے واسطے رکھ چھوڑ دو تو مناسب ہے انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اس کو تو اپنے لیئے خدا کے پاس جمع کر دوں گا اور خدا کو اپنے بیٹے کے لیئے چھوڑ جاؤں گا اور ہر ایک شخص نے عبد الرب سے کہا کہ برادرم ایسا نہ ہو کہ تم دنیا سے بری طرح اٹھو اور مال اپنی اولاد کے لیئے چھوڑ مرو انہوں نے اپنے مال سے ایک لاکھ درم خیرات کر دیئے اور یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کو مال میں مرنے کی دو مصیبتیں ایسی ہیں کہ پہلے اور پچھلے لوگوں نے بھی ویسی نہ سنی ہوں گی لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہیں فرمایا ایک تو یہ کہ سب کا سب اس سے چھن جاتا

ہے دوسرے یہ کہ تمام و کمال کا اس سے سوال ہوتا ہے یعنی حساب دینا پڑتا ہے۔

مال کی تعریف اور اس کی مدح و مذمت میں تطبیق کی صورت

جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں مال کو چند جا لفظ خیر سے تعبیر فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے ان ترك خيرًا ط۔ آخر آیت تک اور حدیث شریف میں نعم المال الصالح للرجل الصالح بہر صورت قرآن شریف و حدیث سے تعریف مال کی ثابت ہے علاوہ اس کے جو کچھ صدقہ اور حج کے ثواب میں مذکور ہوا ہے وہ سب بھی مال ہی کی صفت ہے کیونکہ بدون مال نہ حج ہو سکے نہ خیرات اور یہ کلام اللہ میں ہے[۳] و تستخرجا کنزهما رحمة اور دوسری جا بندوں پر احسان کے طور پر فرمایا ہے[۴] ویمددکم باموال وبنين ويجعل لكم جنات ويجعل لكم انهارا اور حدیث شریف میں ہے[۵] كاد الفقران يكون كفرًا یہ بھی مال ہی کی ثنا ہے اور وجہ تطبیق کی درمیان مذمت و ثنا کے تب تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک مال کی حکمت و مقصود اور آفات اور ضرورتوں کو نہ جانا جاوے اور یہ امر جاننے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال ایک وجہ سے بہتر ہے اور ایک وجہ سے بدتر بہتری کی جہت سے قابل ثنا ہے اور برائی کے باعث قابل مذمت کیونکہ مال تو بالکل خیر ہے نہ بالکل شر بلکہ دونوں کا سبب ہوا کرتا ہے اور جو چیز سبب خیر و شر دونوں کا ہو اس کی کبھی ثنا ہو گی اور کبھی مذمت اور ہوشیار و عاقل شخص اس سے جان سکتا ہے کہ مال قابل مدح ہے اور قابل مذمت اور جو کچھ ہم نے جلد چہارم کے باب الشکر میں خیرات کا بیان اور نعمت کے درجات کی تفصیل لکھی ہے وہاں مفصل دیکھ لینا چاہیئے یہاں اس قدر کافی ہے کہ داناؤں اور اہل بصیرت کا مقصود سعادت آخروی ہے اور واقع میں بھی وہی دولت جاوید اور نعمت پائیدار ہے دانا اور بزرگ لوگ اسی کو راغب ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آدمیوں میں سے سب سے زیادہ بزرگ اور دانا کون ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ[۶] اكثرهم للموت ذكرًا و اشدهم له استعدادًا اور سعادت اخروی دنیا میں بدون تین وسیلوں کے نہیں حاصل ہو سکتی ہے ایک فضائل نفسی مثل علم اور حسن خلق کے دوسرے فضائل جسمی مثل صحت و تندرستی کے تیسرے وہ فضائل کہ بدن سے خارج ہوں جیسے مال و اسباب وغیرہ اور ان تینوں میں نفس کی فضیلت سب میں اعلیٰ ہے اس کے بعد جسمی فضائل ہیں اس کے بعد یعنی سب سے ادنیٰ فضائل خارجی ہیں غرضکہ مال بھی خارجی چیزوں میں سے ہے

---

[۱] اگر چھوڑے خیر یعنی مال ۱۲ [۲] کیا اچھی نیک کمائی نیک مرد کے واسطے ۱۲ احمد و طبرانی بروایت عمرو بن عاص بالفاظ دیگر ۱۲ [۳] اور نکالیں اپنا مال گڑا مہربانی سے تیرے رب کی ۱۲ [۴] اور بڑھنے دے تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنا دے تم کو باغ اور بنا دے تم کو نہریں ۱۲ [۵] قریب ہے کہ فقر کفر ہو جاوے باب ذم العقب میں گذری ۱۲ [۶] جو ان میں موت کو بہت یاد کرتا اور ان کی نسبت اس کی تیاری زیادہ کرتا ہو ۱۲ ابن ماجہ بروایت ابن عمر بادنی اختلاف و ابن ابی الدنیا ہکذا ۱۲

اور ان میں ادنی چیز اشرفی روپیہ ہے کیونکہ یہ خادم ہیں ان کا خادم کوئی نہیں اور دوسری چیزوں کے لئے ان کی خواہش ہوتی ہے خود ان کی ذات مراد و مقصود نہیں اس لئے کہ نفس ایک جوہر نفیس ہے جس کی سعادت مطلوب ہے وہ علم اور معرفت اور مکارم اور اخلاق کی خدمت کرتا ہے تاکہ یہ چیزیں نفس کی صفات ذاتیہ میں داخل ہوں پھر نفس کی خدمت بدن بذریعہ حواس اور اعضائے کے کرتا ہے اور غذا و خوراک وغیرہ بدن کی خدمت کرتی ہے اور چونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ غذا سے بدن کا قائم رکھنا ہے اور نکاح سے غرض نسل کا باقی رکھنا اور تندرستی سے مقصود نفس کی تکمیل اور تزکیہ اور علم اور اخلاق سے مزین کرنا ہے تو جس کسی کو یہ ترکیب معلوم ہوگی وہ قدر مال کی اور وجہ اس کی بہتری کی جان لیگا کہ مال اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس سے غذا و لباس جو بدن کی بقا کے لئے ضروری ہے حاصل ہوتے ہیں اور بدن کی بقا کمال نفس کے لئے ضرور ہے اور کمال نفس میں خیر سعادت ہے پس جو شخص کسی چیز کا فائدہ اور غایت اور مقصود جان کر اس چیز کا استعمال کرے کہ وہی غایت مدنظر رہے اور کمال نفس کو بھولے نہیں تو یہ استعمال اس کے حق میں بہتر اور مفید ہے اور از انجا کہ مال بھی بموجب مذکورہ بالا ذریعہ کمال نفس ہو سکتا ہے اسلئے کہ اس کام میں لانا صرف غرض کیلئے اچھا ہے نیز مال ذریعہ فاسد مقصدوں کا بھی ہے یعنی اس سے ایسی باتیں بھی ہو جاتی ہیں جو سعادت اخروی سے باز رکھیں اور علم و عمل کی راہ بند کر دیں. ایسی صورت میں مال کا استعمال برا ہے خلاصہ یہ کہ مال وسیلہ اور ذریعہ دوسرے مقاصد کا ہوتا ہے جیسا مقصد ہوگا ویسا ہی مال کا بھی حال ہوگا اگر مقصد اچھا ہے تو مال بھی اچھا ہوگا اور اگر برا ہے تو برا اس سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکورہ بالا کے موافق جو شخص دنیا کو قدر کفایت سے زیادہ لے گا تو دانستہ گویا اپنی موت لے گا اور چونکہ طبعیتیں اتباع شہوات کی مائل ہیں اور شہوات راہ خدا کی روکنے والی اور مال سے وے بآسانی حاصل ہو سکتی ہے تو قدر کفایت سے زیادہ مال لینے میں بڑے خوف کی جگہ ہے اسی لئے انبیاء علیہ السلام نے اس کی شر سے پناہ مانگی ہے یہاں تک کہ حدیث شریف میں ہے[۱] اللھم اجعل قوت ال محمد کفافًا دیکھو دنیا سے اس کی مقدار طلب فرمایا جو نری خیر ہو اور فرمایا۔ اللھم[۲] احینی مسکینًا وامتنی مسکینًا واحشرنی فی زمرۃ المساکین ؕ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں پناہ مانگی۔ واجنبنی وبنی[۳] ان نعبد الاصنام۔ سے غرض سونا چاندی ہے اس وجہ سے کہ رتبہ نبوت اس بات سے پاک ہے کہ پتھروں کو خدائی کا اعتقاد کرے اور آیت میں جو لفظ نعبد مذکور ہے عبادت سے غرض نقدین کی محبت اور رغبت اور ان کے باعث دھوکا کھا جاتا ہے جیسے کہ حدیث شریف میں ہے تعس[۴] عبد الدینار تعس عبد الدرھم تعس ولا انتعش واذا شیک فلا انتعش۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ دینار و درم کی محبت رکھنے والا ان کی

---

[۱] الٰہی تو روزی محمدؐ کی اولاد کی بقدر بسر اوقات کر ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ رضؓ ۱۲۔ [۲] الٰہی تو نے مجھ کو مسکین زندہ رکھ اور مسکین مار اور مسکینوں کی جماعت میں مجھ کو اٹھا ۱۲ ترمذی بروایت انس و حاکم بروایت ابو سعید ۱۲ [۳] اور بچا مجھ کو اور میری اولاد کو اس سے کہ ہم پوجیں صورتیں ۱۲ [۴] ہلاک ہوا بندۂ دینار اور ہلاک ہوا بندہ درم گرے اور نہ اٹھے اور جب اس کے کانٹا لگے اور تو نہ نکال سکے ۱۲

عبادت کرنے والا ہے اور عابد کسی پتھر کا عابد بت کا ہے بلکہ جو غیر اللہ کی پرستش کرے وہ بت پرست ہے اور مشرک مگر اتنی بات ہے کہ شرک کی دو قسمیں ہیں خفی اور جلی شرک خفی موجب ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا نہیں اور اس سے ایماندار بھی کم خالی ہوتے ہیں کیونکہ وہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے اور شرک جلی سے ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہوگا خدا تعالیٰ ہم کو دونوں قسموں سے بچاوے۔

مال کی آفتیں اور اس کے فوائد

واضح ہو کہ مال میں سانپ کی طرح زہر بھی ہے اور زہر مہرہ بھی زہر اس کے آفات ہیں اور زہر مہرہ فوائد جس شخص کو فوائد و آفات دونوں معلوم ہوں اس سے ہو سکتا ہے کہ مال کی شر سے بچے اور خیر کا طالب ہو پھر مال کی دو قسمیں ہیں دنیاوی کا ذکر کرنا فضول ہے اس لیئے کہ تمام اقسام خلق میں مال کے فوائد مشہور معروف ہیں اگر وہ ایسمیں فائدہ نہ جانتے تو اسکی طلب میں کیوں جان کھوتے لیکن فوائد دینی تین قسموں میں منحصر ہیں قسم اول یہ کہ مال کو اپنے نفس پر خرچ کرے یا تو عبادت میں یا عبادت پر استعانت میں عبادت میں تو اسطرح کہ مثلاً حج یا جہاد میں خرچ کرے کیونکہ یہ دونوں بدون مال نہیں ہو سکتے حالانکہ اصول عبادت سے ہیں محتاج و مفلس ان کے ثواب کو نہیں پا سکتا۔ اور عبادت پر استعانت میں اس طرح کہ لباس اور غذا و مسکن میں خرچ کرے کہ اس سے تقویت عبادت کی ہو کیونکہ یہ ایسے حاجات ہیں کہ اگر میسر نہ ہوں تو دل ان کی تدبیر میں لگا رہتا ہے دین کے لئے فراغت نہیں ہوتی اور جس چیز کے بغیر عبادت تک رسائی نہیں ہوتی وہ بھی عبادت ہے بقدر کفایت مال کا حاصل کرنا جس سے استعانت و تقویت عبادت پر ہو فوائد دینی میں داخل ہے ان کو تنعم اور زائد از حاجت صرف کرنا البتہ حظوظ دنیاوی سے ہے۔ **دوسری قسم** جو لوگوں پر صرف کرے اور اس کی چار قسمیں ہیں صدقہ دینا اور مروت کے طور پر دینا حفظ آبرو کے لئے یا نوکر یا خدمتی کی اُجرت دینا صدقہ کا ثواب تو ظاہر ہے اس سے خدا تعالیٰ کا غصہ فرو ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کے فضائل پہلے گزر چکے ہیں اور مروت کے طور پر خرچ کرنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ غنی اور شریف لوگوں کی دعوت اور ہدیہ اور اعانت وغیرہ میں صرف کرنا اس کو گو صدقہ نہ کہیں گے کیونکہ صدقہ وہی ہوتا ہے جو محتاج کو دیا جاوے مگر پھر بھی اس طرح کا خرچ فوائد دینی سے ہے اس لیئے کہ آدمی ایسے خرچ سے دوست اور بھائی بنا لیتا ہے اور ایسے اخراجات سے سخاوت کی صفت حاصل ہوتی ہے اور سخیوں کی جماعت میں شامل ہوتا ہے کیونکہ صفت سخاوت جب تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ احسان اور مروت سے لوگوں کے ساتھ پیش نہ آوے اور اس طرح کے خرچ میں بھی بڑا ثواب ہے چنانچہ بہت سے اخبار ہدیہ اور ضیافت اور کھانا کھلانے کے ثواب میں وارد ہیں۔ یہ شرط نہیں کہ جن کو دیا جاوے ان پر فقر و فاقہ بھی ہو اور حفظ آبرو کے لیئے جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس سے یہ غرض ہے کہ جس سے شاعر اور بیوقوف ہجو نہ کریں اور اپنی زبانیں روکیں یہ خرچ بھی گو اس کا فائدہ دنیا میں بھی ہے مگر دینی فوائد میں سے ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ما وقی بہ المرء عرضہ کتب لہ بہ صدقۃ۔ بہ۔

یہ صدقہ کیوں نہ ہو اسی خرچ کی جہت سے غیبت والا باز رہتا ہے اور عداوت وحسد سے جو باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں وہ بھی ایسے خرچوں سے موقوف رہتی ہیں اور غیبت وغیرہ کے جواب میں جو کچھ بطریق انتقام اپنی زبان سے نکلتا اس سے بھی محفوظ رہتا ہے اور خدمتی کی اجرت کا یہ حال ہے کہ آدمی اپنے سامان کی تیاری میں جن اعمال کا محتاج ہوتا ہے وہ بہت ہیں اگر ان سب کو خود ہی کیا کرے تو تضیع اوقات ہے اور چلنا راہ آخرت کا فکر اور ذکر بھی دشوار ہوگا جو اعلیٰ مقامات سالکین میں سے ہے اور جس کے پاس مال نہیں وہ سب کام اپنے خود کرے گا مثلاً کھانا خریدنا اور پکانا اور گھر صاف کرنا اور جس کتاب کی ضرورت ہو اس کو لکھنا وغیرہ سب آپ ہی کرنے پڑیں گے لیکن جو کام دوسرے کے کرنے سے اپنی غرض نکل جاوے ایسے کام میں خود مصروف ہونا خسارہ میں پڑتا ہے مثلاً مالدار آدمی اگر ایسے جزئیات کاموں کی طرف خود درپے ہو تو اس سے عمل اور علم اور ذکر وفکر کچھ نہ ہو سکے گا اور یہ ہو نہیں سکتا کہ علم پڑھا کرے کوئی اور شخص اور فائدہ ہو دوسرے کو مگر یہ ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی پکاوے تو دوسرا اس کو کھاوے غرضکہ جو کام غیر سے نکل سکتا ہو اس میں اپنے آپ مصروف ہو کر علم وغیرہ سے تضیع اوقات اور نقصان میں پڑتا ہے **تیسری قسم** وہ خرچ کہ کسی انسان معین پر نہ ہو بلکہ اس سے فائدہ عام ہو جیسے مسجد اور پل اور سرائے اور شفا خانہ اور مدرسہ اور کنواں بنوانا یا خیرات کے لئے زمین وجائیداد وقف کرنا مساکین کو دینا یہ ایسے خرچ ہیں جن سے ہمیشہ مرنے کے بعد خیرات ہوتی ہے اور صالح خرچ کرنے والے کے حق میں مدتوں دعا کیا کرتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا خیر ہو گی پس مال میں دین کے یہ فائدے ہیں علاوہ ان کے دنیاوی حظوظ بھی اس سے حاصل ہوتے ہیں کہ سوال اور فقر کی ذلت سے نجات پانا اور خلقت میں عزت اور افتخار حاصل کرنا اور یار و مددگار بہت سے ہونے اور لوگوں کے دلوں میں وقار اور بزرگی ہونی سب فوائد دنیاوی ہیں اور آفات مال بھی دو قسم ہیں دینی اور دنیاوی آفات دینی تین ہیں اول یہ کہ مال کے ہونے سے نوبت معصیت کی پہنچتی ہے کیونکہ شہوات کا تقاضہ آدمی پر ہمیشہ رہتا ہے مگر بے مائگی سے کچھ نہیں کر سکتا اور مفلسی تک ہی بچ سکتا ہے کیونکہ جب تک کسی گناہ کا سامان نہیں ہوتا تب تک اس کا شوق نہیں ابھرتا اور جب اپنے آپ میں اس کی قدرت پاتا ہے تو شوق ابھرتا ہے اور چونکہ مال سے ایک طرح کی قدرت آجاتی ہے اس لئے تقاضہ معصیت کا سلسلہ جنبانی کرتا ہے اس وقت اگر اپنی خواہش کے بموجب ارتکاب کرنے لگے گا تو ہلاک ہو گا اور صبر کرے گا تو رنج اٹھاوے گا اس لئے کہ باوجود قدرت صبر کرنا بہت سخت ہے اور تونگری کے وقت فتنہ اور امتحان مفلسی کے فتنہ اور امتحان سے بڑا ہوتا ہے دوم یہ کہ مباحات سے تنعم پہنچتی ہے یعنی یہ تو مال والے سے ہو نہیں سکتا کہ جو کی روٹی کھاوے اور موٹا کپڑا پہنے اور لذیذ کھانوں سے بالکل پہلوتہی کرے جیسے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے اپنی سلطنت میں کیا تھا بالضرور یہی ہو گا کہ خوراک اور خوش پوشاک رہے گا اور اسی کا عادی ہو جائے گا اور یہی امر اس کے نزدیک محبوب اور مانوف رہے گا کہ بدون اس کے

صبر نہ کر سکے گا اسی طرح رفتہ رفتہ ایک تکلف سے دوسرا سوجھے گا اور جب تنعم سے الفت وانس زیادہ ہوگا، تو کبھی ایسا بھی ہوگا کہ حلال کمائی سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو سکے گا اس لئے مشکوک مال میں راغب ہوگا اور مذمت اور جھوٹ اور نفاق اور دوسرے ردی اخلاق میں خوض کرتا ہے تاکہ کسی طرح دنیا بن جاوے اور تمنا بر آوے علاوہ اس کے جس کے مال بہت ہوتا ہے اس کو لوگوں کی طرف بہت سی حاجت ہو جاتی ہے اور جس کو لوگوں کی طرف حاجت پڑتی ہے ان سے ملاوٹ کی باتیں ضرور کرتا ہے اور ان کی رضامندی میں خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور اگر پہلی آفت سے آدمی بچ بھی جاوے تو اس آفت سے بچنا مشکل ہے اور خلق کی طرف ضرورت پڑنے سے دوستی اور دشمنی پر حسد اور حق دار ریا وکبر اور کذب اور چغلی اور غیبت اور دوسرے گناہ مبنی ہیں جو کہ دل اور زبان سے مخصوص ہیں اور اعضاء میں بھی ان کا اثر ہو ہی جاتا ہے اور یہ سب باتیں مال کی نحوست سے ہوتی ہیں جس کی حفاظت واصلاح کے لیئے خلق کی طرف سے حاجت پڑتی ہے تیسری آفت جس سے کوئی خالی نہیں وہ یہ ہے کہ آدمی مال کی اصلاح ودرستی میں خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور جو چیز کہ خدا کی یاد کی حارج ہو وہ نقصان کی شے ہے اسی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مال میں تین آفتیں ہیں ایک تو یہ کہ وجہ حلال سے لے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر کمائی حلال ہو آپ نے فرمایا کہ دوسری آفت میں مبتلا ہوگا کہ اس کو حق طور پر خرچ نہیں کرے گا لوگوں نے عرض کیا کہ اگر حق طور پر خرچ بھی کرے آپ نے فرمایا کہ تیسری آفت پیش آوے گی کہ اس کے سنبھالنے میں خدا سے غافل ہوگا اور یہ مرض لاعلاج ہے اس لئے کہ سب عبادتوں کی اصل اور منشا خدا کا ذکر اور اس کے جلال کی فکر اور ان دونوں باتوں یعنی ذکر اور فکر کے لیئے فارغ چاہیئے مگر مال والے کے ذمہ بیسیوں آفتیں دنیاوی لگی رہتی ہیں۔ صبح شام کہیں کسانوں اور شرکا کا جھگڑا کہیں حساب کا بکھیڑا کہیں پانی اور حدود کی تکرار سرکاری لوگوں سے خراج وضبطی کا بکھیڑا کہیں معمار اور مزدوروں سے الجھنا کہ کام تھوڑا کیا کہیں کسانوں پر چوری اور خیانت دھرنا کہیں اپنے شریک سوداگری سے اندیشہ اس بات کا لانا کہ یہ نفع زیادہ لیتا ہے اور کام کم کرتا ہے یا مال تلف کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس جس کے پاس مواشی ہوں وہ بھی ایسے ہی کچھ ترددات میں رہتا ہے اور سب اموال کا یہی حال ہے مگر جیسا کہ شغل ظاہری زمین کے گڑے ہوئے نقد سے دور رہتا ہے اور کسی مال میں نہیں رہتا گو دل کا تردد اس میں بھی ہے کیونکہ اس کو کہاں صرف کروں اور کیسے بچاؤں اور لوگوں کو اس پر اطلاع نہ ہو نہ کوئی اس کی طمع کرے اسی طرح کے ترددات کی کچھ انتہا نہیں لیکن جس کے پاس ایک روز کا کھانا موجود ہے وہ ان سب ترددات سے بری ہے علاوہ ان آفات دنیاوی کے اور بہت سی باتیں ہیں جو دنیا میں مال والوں کو ہوتی ہیں حاسدوں کے دور کرنے میں مشقت اٹھانی مال کی حفاظت اور پیدا کرنے میں سخت پرخطر مقامات میں جانا رنج وغم اور خوف والم برداشت کرنا وغیرہ اس سے معلوم ہوا کہ مال تریاقی اس صورت میں ہے کہ بسر اوقات کے لیئے لیکر باقی کو خیرات کر دیا جاوے اور اگر

ایسا نہ ہوگا تو وہ مال زہر اور آفات متصوّر ہوگا۔

حرص و طمع کی مذمت اور قناعت کی تعریف

جاننا چاہیئے کہ فقیری عمدہ چیز ہے جیسا کہ باب الفقر میں مذکور ہے مگر فقیر کو چاہیئے کہ قانع ہو لوگوں کے مال کا تاکو نہ ہو ان سے کسی بات کی طمع نہ کرے اور کسی طرح کے مال کے پیدا کرنے کا حریص نہ ہو اور یہ بات جب ہی حاصل ہوگی جب لباس غذا و مسکن سے بقدر ضرورت قانع ہو۔ اگر جمعیت دل ہے تجھے منظور قانع ہو۔ کہ اہل حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی چاہیئے کہ ان چیزوں کی مقدار قلیل پر جو سب سے ادنیٰ قسم کی ہو اکتفا کرے اور اپنے اہل کو ایک روز خواہ ایک مہینہ سے نہ بڑھاوے اور دل کو ایک مہینے سے بعد کا ہرگز شغل نہ لگاوے پس اگر کثرت مال وطول اہل کا شائق ہوگا تو قناعت کی عزت سے محروم رہے گا اور طمع ناپاکی میں آلودہ ہوگا اور طمع و حرص سے اور برے اخلاق اور خلاف مروت افعال کا مرتکب ہوگا اور آدمی کی پیدائش اور سرشت میں حرص اور طمع داخل ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے[۱] لو کان لابن آدم وادیان من ذہب لابتغی وراءہما ثالثاً ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب[۲] اور اسی مضمون کو ابو واقد لیثیؓ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب وحی آتی تو ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے آپ ہم کو وحی کے احکام ارشاد فرما دیتے ایک روز میں جو خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپؐ[۳] نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے مال اس لیئے بھیجا ہے کہ لوگ نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آدمی کے پاس سونے کا ایک جنگل ہو تو یہ چاہے گا کہ دوسرا اور ہو اور جب دوسرا ہو جاوے تو یوں چاہے گا کہ تیسرا اور ہو اور آدمی کا پیٹ سوائے خاک کے اور کسی چیز سے نہیں سیر ہوتا۔ اور جو شخص توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک سورت مثل سورہ براءۃ کے اتری تھی وہ پھر اٹھ گئی مگر اس میں سے یہ آیت لوگوں کو یاد ہے[۴] ان اللہ یؤید ھٰذا الدین باقوام لاخلاق لھم ولو کان لابن آدم وادیین من مال لتمنی وادیاً ثالثاً ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب[۵] اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ منہومان[۶] لا یشبعان منہوم العلم ومنہوم المال اور فرمایا۔ یہرم ابن آدم و

---

[۱] اگر ہوویں آدمی کے پاس دو جنگل سونے کے تو چاہے گا ان کے سوا تیسرا ہو اور نہیں بھرتی ہے آدمی کی شکم مگر خاک اور جو کوئی توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے ۱۲۔ [۲] بخاری اور مسلم بروایت ابن عباس و انس [۳] احمد بیہقی در شعب بروایت ابو واقد ۱۲ [۴] مسلم مع اختلاف اور اس میں ان اللہ یؤید ہذا الدین نہیں ہے ۱۲ [۵] اللہ تعالیٰ تائید کرے گا اس دین کی ایسے لوگوں سے کہ ان کو بہرہ نہ ہو اور اگر آدمی کے پاس دو جنگل ہوں مال کے تو تمنا کرے تیسرے کی اور نہیں بھرتی ہے آدمی کے شکم کو مٹی اور اللہ توبہ قبول کرتا ہے اس کی جو توبہ کرے ۱۲ طبرانی بروایت ابن مسعود بسند ضعیف۔

[۶] دو حریص ایسے ہیں کہ شکم سیر نہیں ہوتے ایک علم کا حریص اور ایک مال کا حریص ۱۲

یشیب ابن آدم ویشب معه اثنتان الامل وحب المال ۔ یا اس کے الفاظ کچھ اور اسی معنی میں ہیں اور چونکہ محبت مال آدمی کی سرشت میں داخل اور موجب گمراہی و ہلاک ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قناعت کی ثنا بیان فرمائی چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ[۲] طوبیٰ لمن یھدی الی الاسلام وکان عیشه وقنع به ۔۔۔ ۔ اور فرمایا[۳] مامن احد فقیر ولا غنی الا ودّ یوم القیامة ان کان اوتی قوتا فی الدنیا اور فرمایا۔ لیس الغنی عن کثرة العرض انما الغنی غنی النفس ۔ اور شدت حرص سے اور طلب میں مبالغہ کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا[۵] ۔ یا ایھا الناس اجملوا فی الطلب فانه لیس لعبد الا ماکتب له ولن یذھب عبد من الدنیا حتی یاتیه ماکتب الدنیا له وھی راغمة ۔ اور روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ الٰہی تیرے بندوں میں سے زیادہ کون غنی ہے ارشاد ہوا کہ جو میرے دینے پر زیادہ تر قانع ہو پھر پوچھا کہ عادل زیادہ کون ہے فرمایا کہ جو اپنے نفس سے انصاف کرے یعنی برائی پر اس سے بھی انتقام لے اور حضرت ابن مسعود سے یہ حدیث مروی ہے جبرئیل نے میرے دل میں یہ پھونک دیا ہے کہ کوئی نفس نہیں مرنے کے جب تک اپنا رزق پورا نہ کرے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور طلب میں میانہ روی کرو اور حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ مجھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ جب تجھ کو سخت بھوک لگے تو ایک روٹی اور ایک پیالہ پانی کفایت کر اور دنیا پر لات مار اور یہ بھی انہیں سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ورع اختیار کر سب میں زیادہ عابد ہو جاوے گا اور قناعت کر سب سے زیادہ شاکر ہو جاوے گا لوگوں کے لئے وہی بات چاہ جو اپنے لئے اس سے ایماندار ہو جائے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طمع سے منع فرمایا چنانچہ ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کچھ نصیحت مختصر ارشاد فرمایئے آپ نے ارشاد فرمایا نماز ایسی پڑھ جیسے کوئی رخصت ہونے والا ہے یعنی پھر شاید اتفاق پڑھنے کا نہ ہو گا یہی نماز آخری ہے اور ایسی بات نہ کر جس کا کل عذر کرنا پڑے اور جو کچھ لوگوں کے پاس موجود ہے اس سے ناامید ہو یعنی کسی کے مال کی طمع مت رکھ اور حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں کہ ہم سات یا آٹھ یا نو

---

[۱] بوڑھا ہوتا ہے آدمی اور جوانی ہوتی ہے اس کے ساتھ اہل اور مال کی محبت ۱۲ بخاری و مسلم بروایت انس ۱۲ [۲] خوشی ہے کہ اس کو کہ اسلام کی ہدایت کیا جاوے اس کی معیشت بقدر بسر اوقات اور اس پر قانع ہو ۱۲ ترمذی و نسائی اور گبری بروایت فضالہ بن عبیدہ ۱۲ [۳] کوئی فقیر اور غنی ایسا نہیں جس کو قیامت میں یہ تمنا نہ ہو کہ دنیا میں بقدر قوت یعنی گذران دیا جاتا ابن ماجہ بروایت انس اور اس کی سند میں تضیع بن حارث ضعیف ہے [۴] توانگری نام نفس کے توانگر ہونے کا ہے بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ [۵] خبردار ہو اے لوگوں طلب اعتدال و اخفیاط کرو کہ بندہ کا نہیں ہے مگر جس قدر اس کیلئے لکھا ہوا ہے اور کوئی بندہ دنیا سے نہ جائے گا یہاں تک کہ جس قدر دنیا میں سے حصہ ہے نہ آئے درحالیکہ دنیا ذلیل ۱۲ حاکم بروایت جابر [۶] ابن ابی الدنیا حاکم بادنیٰ اختلاف ۱۲۔

بقیہ آیندہ صفحہ پر

آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے آپ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ سے بیعت نہیں کرتے ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا ہم بیعت نہیں کر چکے ہیں پھر آپ نے فرمایا کہ تم خدا کے رسول سے بیعت نہیں کرتے ہم نے ہاتھ بیعت کے لیئے پھیلایا اس میں ہم میں سے کوئی کہہ اٹھا کہ ہم تو پہلے بیعت کر چکے ہیں اب یہ بیعت کونسی بات کے واسطے ہے آپ نے فرمایا کہ اس بات پر ہے کہ خدا کی عبادت کرو اور اس کا کوئی شریک نہ کرو اور پانچوں وقت نماز پڑھو اور برضا و رغبت اطاعت کرو اس کے بعد ایک کلمہ آہستہ سے فرمایا اور آدمیوں سے کچھ مت مانگو۔ راوی کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے بعض شخصوں نے اس بیعت کو ایسا نبایا کہ اگر ان کا کوڑا گر پڑتا تو لوگوں سے نہ کہتے کہ اسے اٹھا دو یعنی اس قدر سوال سے بھی احتراز کرتے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ طمع فقیری ہے اور لوگوں سے ناامید ہونا تونگری ہے جو ان سے توقع منقطع کرے گا وہ بے پرواہ رہے گا اور بعض حکما سے کسی نے پوچھا کہ غنا کیا چیز ہے کہا کم کرنا تمنا کا اور مقدار کفایت پر راضی و فارغ ہونے کا نام غنا ہے جیسا کہ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎ اے قناعت تونگرم گردان۔ کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست۔ اور محمد بن واسع خشک روٹی پانی میں تر کر کے کھاتے اور فرماتے کہ جو اس پر قناعت کرے اس کو کسی کی پرواہ نہیں اور حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ تمہارے لیئے دنیا جب ہی اچھی ہے جب تک اس میں مبتلا نہ ہوا اور تمہارے مبتلا ہونے کی چیز بہتر اس قدر ہے جو تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے یعنی مال دنیاوی میں سے بہتر وہ ہے جو خیرات میں صرف ہو اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہر روز ایک فرشتہ پکارتا ہے اے آدم زاد تجھ کو تھوڑا بقدر کفایت ملنا اس سے بہتر ہے کہ بہت ملے اور سرکشی میں ڈالے اور شمیط بن عجلانؒ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تیرا شکم بالشت بھر ہے پھر تجھ کو دوزخ میں کیوں ڈالتا ہے اور ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا مال کیا ہے اس نے کہا ظاہر میں بے تکلف رہنا اور باطن میں میانہ روی اور لوگوں کے مال سے توقع منقطع کرنی اور روایت ہے اللہ جلشانہ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم اگر ساری دنیا تیری ہی ہو جاوے تب بھی تجھ کو غذا کے سوا اور کچھ نہ ملے گا پس اگر میں تجھ کو صرف غذا ہی دوں اور دنیا کا حساب اوروں کی گردن پر رکھوں تو میرا تجھ پر کمال احسان ہے اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی سے حاجت

ح یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے پیشتر گزری ۱۲ ح ابن ماجہ و حاکم بروایت سعد بن ابی وقاص ۱۲ ح ابوداؤد و ابن ماجہ و مسلم میں بھی یہ حدیث مختصراً ہے ۱۲ کرے اس کو خدا تونگر کرتا ہے جو بیجا خرچ کرتا ہے خدا اس کو محتاج کر دیتا ہے اور جو ذکر خدا کرے اس سے خدا محبت کرتا ہے ۱۲ بزار بروا طلحہ بن عبیداللہ اور اس میں اخیر جملہ نہیں اور سند میں عمران بن ہارون منکر ہے ح جب تو ارادہ کرے کسی کام کا تو لازم کر لے اپنے اوپر تاخیر کو یہاں تک کہ خدا تیرے لیئے کشادگی اور نکال کی صورت کرے ۱۲ ابن مبارک نے نقل کی ہے اور پیشتر گزری ۱۲ ح اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اس کی روزی ع یعنی اسی کی سو باتوں سے بہتر ہے ۱۲ ح اللہ تعالیٰ تمام باتوں میں نرمی پسند کرتا ہے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ ح جو میانہ روی نہیں کرتا وہ مفلس نہیں ہوتا ۱۲ احمد و طبرانی بروایت ابن مسعود ح تین چیزیں نجات دینے والی ہیں ایک خوف خدا ظاہر و باطن میں دوسری میانہ روی تونگری اور فقیری میں اعتدال حالت رضا اور غضب میں ۱۲ بقیہ اگلے صفحہ پہ دیکھئے

حاجت چاہئے تو چاہئے کہ بسہولت اس کو مانگ لے یہ نہ کرے کہ دوسرے کے پاس جا کر کہنا شروع کرے کہ تم ایسے ہو اس لئے کہ روزی تو جتنی مقدر ہے وہی ملے گی۔ ناحق اپنی مشقت سے کیا حاصل اور بعض خلفائے بنی امیہ نے حضرت ابو حازمؒ کو ایک خط لکھا اور اس میں قسم دلائی کہ آپ جو کچھ حاجت رکھتے ہوں۔ میرے پاس لکھ بھیجئے انہوں نے جواب میں رقم فرمایا کہ میں نے اپنی سب حاجتیں اپنے مولا کے سامنے پیش کیں اس نے جو منظور کیں اس کو میں نے قبول کیا اور جو نامنظور کیں اس پر قناعت کی اور بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ عاقل کے لئے زیادہ تر خوشی کی بات کیا ہے اور ایسی کون سی چیز ہے جس سے اس کا غم غلط ہو اس نے جواب دیا کہ اس کے حق میں سب سے زیادہ خوشی کی بات عمل صالح کا توشہ بنانا ہے اور غم غلط ہونے کی چیز راضی ہونا خدا کے احکام پر اور بعض حکماء کا قول ہے کہ میں نے سب سے زیادہ غمگین حاسد کو پایا اور سب سے زیادہ خوش عیش قانع کو اور زیادہ تر صابر ایذا پر حریص طامع کو اور زیادہ تر سہل گذران تارک الدنیا کو اور بزرگ تر ندامت میں عالم ناپرہیز گار کو سچ ہے ؎ ای چند آنکہ بیشتر خوانی ؛ چون عمل در تو نیست نادانی۔ واقع میں غنا و تونگری قناعت ہی کا نام ہے جیسا کہ سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎ قناعت تونگر کند مرد را۔ خبر کن حریص جہان گرد را۔ اور حضرت عمرؓ نے ایک بار لوگوں سے فرمایا کہ جس قدر خدا کے مال میں سے میں نے اپنے لئے سمجھا تم کو بتائے دیتا ہوں اول تو دو جوڑے کپڑے گرما اور سرما کے لئے دوم سواری حج عمرہ کے لئے سوم غذا جس طرح اور قریشی لوگوں کی نہ تو سب سے عمدہ کھاتا ہوں نہ سب سے ادنیٰ متوسط درجہ کی غذا ہے پھر بھی بخدا مجھ کو یہ معلوم نہیں کہ میرے لئے اس قدر حلال ہے یا نہیں حضرت عمرؓ کو اس بات کا شبہ تھا کہ کہیں قدر کفایت سے یہ مقدار معیشت زیادہ نہ ہو اور ایک اعرابی نے اپنے بھائی پر حرص کے باب میں عتاب کیا۔ اور یہ کہا کہ بھائی تجھ کو کوئی چیز ڈھونڈتی ہے اور تو کسی چیز کو ڈھونڈتا ہے جو تجھ کو ڈھونڈھتی ہے اس سے تو نہیں بچے گا۔ یعنی موت آدمی کی طالب ہے جس سے کسی طرح مفر نہیں اور جس کو تو ڈھونڈتا ہے یعنی رزق وہ تجھ کو بے فکر و تردد پہنچے گا اور ایسا جان کہ موت جو نظروں سے غائب ہے وہ گویا کہ موجود ہے اور جس حال میں تو اب ہے اس سے تبدیل کیا جاوے گا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تم یہ جانتے ہو کہ حریص کبھی محروم نہیں ہوتا اور زاہد کو رزق نہیں ملتا یہ محض وہم و خیال ہے بلکہ اصل یہ ہے ؎ انچہ نوشتہ قلم ؛ می نشود بیش و کم ؛ بس حرکت ہم سکون ؛ ہست مساوی بہم۔ اور شعبی سے روایت ہے کہ ایک صیاد نے ایک چنڈول پکڑا اس نے پوچھا کہ تیرا مطلب مجھ سے کیا ہے اس نے کہا تجھے ذبح کر کے کھاؤں گا اس نے کہا کہ مجھ مشت بھر سے تیرا شکم سیر ہونا معلوم مگر الا میں تین باتیں ایسی بتاتا ہوں۔ جو تجھ کو میرے کھانے سے بہتر ہوں مگر ایک تو ابھی بتاؤں گا اور دوسری اس پیڑ پر جا کر کہوں گا اور تیسری پہاڑ پر بیٹھ کر بتاؤں گا اس نے کہا اول بات تو کہہ اس نے کہا کہ گزری ہوئی بات پر افسوس مت کرنا پھر صیاد نے اس کو چھوڑ دیا وہ اڑ کر پیڑ پر جا بیٹھا صیاد نے دوسری بات پوچھی اس نے کہا کہ جو بات نہ ہوسکتی ہو اس پر یقین مت کرنا پھر اڑ کر پہاڑ پر جا کر بیٹھا اور صیاد سے کہا کہ تو بڑا بد

بدنصیب ہے اگر مجھے ذبح کرتا تو میرے پوٹے سے دو موتی ڈیڑھ ڈیڑھ چھٹانک کے نکلتے وہ ہاتھ مل مل کر ہونٹ چابنے لگا اور کہا کہ تیسری بات بتا اس نے کہا کہ تو پہلی دونوں باتوں کو بھول گیا تیسری کیسے بتاؤں دیکھ میں نے کہا تھا کہ گذری بات پر افسوس نہ کرنا مگر تو نے میرے چھوڑنے پر حسرت کی میں نے کہا تھا کہ غیر ممکن بات کا یقین نہ کرنا لیکن تو نے یقین کر لیا یہ نہ جانا کہ میرا گوشت و پوست اور پر وغیرہ ملا کر ڈیڑھ چھٹانک نہ ہوں گے پس میرے پوٹے میں دو موتی اتنے اتنے وزن کے کیسے ہوں گے۔ یہ کہہ کر اڑ گیا یہ مثال آدمی کی طمع کی زیادتی کی ہے کہ طمع کے مارے حق بات نہیں سوجھتی یہاں تک کہ غیر ممکن بات کو بھی مان لیتا ہے پر سچ ہے ؎ بدوز و طمع دیدہ ہوشمند۔ در آرد طمع مرغ و ماہی بہ بند۔ اور ابن سماک کا قول ہے کہ توقع ایک رسی دل میں ہے جس سے آدمی کے پاؤں میں پھندا پڑا رہتا ہے اگر توقع دل سے نکال ڈالے تو پاؤں بھی پھندے سے نکل جاوے اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ علماء کے دلوں میں سے بعد حفظ اور تعقل کے علوم کون چیز کھو دیتی ہے فرمایا کہ طمع اور حرص نفس اور حاجتوں کا طلب کرنا ایک شخص نے فضیلؒ سے تفسیر حضرت کعب احبارؓ کے ارشاد کی پوچھی انہوں نے فرمایا کہ آدمی کسی چیز کی طمع میں اپنا دین کھو بیٹھتا ہے اور حرص نفس کا یہ حال ہے کہ سب چیزوں کی طرف محبت دوڑتی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ ساری چیزیں میرے پاس آجاویں اسی غرض سے کبھی کسی کے پاس حاجت لے کر جاتا ہے کبھی کسی کے پاس جب وہ شخص حاجت پوری کر دیتا ہے تو گویا اب اس کی نکیل اس کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہتا ہے وہ کام لیتا ہے مصرع۔ مراناں وہ کفش بر سر بزن۔ کا قصہ ہوتا ہے یہ شخص جہاں اس کو دیکھتا ہے خوشامد دنیاوی کے مارے سلام کرتا ہے اور بیمار پڑتا ہے تو اس کی عیادت کرتا ہے مگر خدا کے واسطے نہ سلام ہے نہ عیادت پس اگر حاجت نہ ہوتی تو اس کے لئے اچھا ہوتا پھر حضرت فضیلؒ نے فرمایا یہ قول حضرت کعب احبارؓ کا سو حدیثوں مسلسل سے بہتر ہے اور بعض حکماء کا قول ہے کہ انسان میں بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر بالفرض اس کو سنا دیا جاوے کہ تو ہمیشہ دنیا میں رہے گا تو اسقدر عمر کی درازی میں جتنی حرص اس کو ہوگی اس سے زیادہ اب کرتا ہے حالانکہ اب تھوڑے ہی دنوں کی زندگی ہے اور آخر کو فنا کی توقع ہے اور عبدالواحد بن زید سے روایت ہے کہ میرا گذر ایک راہب پر ہوا میں نے پوچھا کہ آپ کو کھانا کہاں سے ملتا ہے اس نے جواب دیا کہ جس شخص نے چکی یعنی میرے دانت بنائے ہیں وہی اپنی عنایت کے کھلیان سے اس میں ڈال دیتا ہے۔ مجھ کو پسا پسایا ملتا ہے۔

حرص و طمع کا علاج اور قناعت حاصل کرنے کا طریقہ

واضح ہو کہ یہ دوا تین مفردات سے مرکب ہے صبر اور علم اور عمل اور پانچ باتوں میں یہ سب آجاتی ہیں اور اول عمل یعنی میانہ روی معیشت میں اور کفایت کرنی خرچ میں پس جو شخص بزرگی قناعت پر پہنچنا چاہے تو حتی الوسع خرچ کے دروازے اپنے

نفس پر بند رکھے اور ضروریات صرف پر اکتفا کرے اس لیئے کہ جس کا خرچ اور دھش زیادہ ہو گی وہ قناعت نہیں کر سکتا تو ضرور ہوا اگر مثلاً اکیلا ہو تو ایک موٹے کپڑے پر قناعت کرے اور کمی غذا پر اکتفا کرے اور جب ہو سکے سالن کو کم کرے اور اسی کا عادی ہو اور اگر عیال دار ہے تو گھر کے لوگوں میں سے ہر ایک کو ایسا ہی کر لے کیونکہ اتنی سی مقدار معیشت ایک ادنیٰ محنت سے مل سکتی ہے اور اس میں طلب بھی تھوڑی ہو گی اور زندگی میانہ روی سے گزرے گی جو قناعت کے باب میں اصل ہے اور اسی کا نام رفق فی الانفاق یعنی خرچ میں نرمی کرنی چاہیئے جس کا مذکور اس حدیث میں ہے[ا] ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ...... اور فرمایا[۲] ماعال من اقتصد... ۃ اور فرمایا[۳] ثلث منجیات خشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ ۔ ۔ ۔ ۔ والقصد فی الغنی والفقر والعدل فی الرضاء والغضب ۃ ۔ اور روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو درداء کو زمین پر سے دانہ چنتے دیکھا کہ آپ اٹھاتے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آدمی کی سمجھ کی دلیل ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کو سہولت سے بسر کرے اور حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۴] من اقتصد اغناہ اللہ ومن بذر افقرہ اللہ ومن ذکر اللہ عزوجل احبہ اللہ ۃ اور یہ بھی وارد ہے کہ[۵] التدبیر نصف المعیشۃ اور فرمایا اذا اردت امرا فعلیک بالتؤدۃ حتی یجعل اللہ لک فرجا ومخرجا ۃ اور فرمایا اذا اردت امرا فعلیک بالتؤدۃ حتی[۶] یجعل اللہ لک فرجا ومخرجا ۃ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ خرچ میں کفایت کرنی بڑی ضرورت کی چیز ہے دوسری یہ کہ اگر سردست بقدر کفایت آدمی کے پاس موجود ہو تو آیندہ کے لیئے زیادہ اضطراب کرنا نہیں چاہیئے اور یہ بات آدمی میں اور بھی جم جاوے اگر اپنی آرزو کو مختصر کرے اور یہ تصور کرے کہ جو رزق مقدر میں ہے وہ ضرور پہنچے گا ۔ ع آنچہ نصیب است بہم میرسد ورنہ ستانی بستم میرسد ۔ اس میں حرص کرنی نہ کرنی مساوی ہے کچھ حرص کرنے سے روزی نہیں ملتی بلکہ خدا تعالیٰ نے رزق پہنچانے کا پکا وعدہ فرمایا ہے[۷] وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا... ۃ

بقیہ ۔ بزار وطبرانی وابو نعیم وبیہقی در شعب بروایت انس بسند ضعیف [۴] میانہ روی اور حسن سمت اور ہدایت نیک ایک حصہ ہے کچھ اوپر بیس اجرت کے حصوں میں سے ۱۲ ابو داؤد باندک اختلاف ولفظہ وذیالخیر ۔ ۱۲ [۵] تدبیر نصف معیشت ہے ابو منصور در فردوس بروایت انسؓ ۔ [۶] جو شخص میانہ روی ۔

[ا] ابن ماجہ نے نقل کی ہے ۱۲ [۲] ابو نعیم بروایت خالد بن رافع اور خالد کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے ۱۲ [۳] خبردار اے لوگو اعتدال کرو طلب میں کہ نہیں ہے بندہ کے لیئے مگر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے لیئے اور ہرگز نہیں جائے گا کوئی بندہ دنیا سے جب تک کہ آوے اس کو جو کچھ لکھا ہے دنیا سے حالانکہ دنیا ذلیل ہے ۔ نیرہ حدیثیں او پر گذریں ۔ ۱۲ [۴] جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے گا اس کا گزارا اور روزی دے اس کو جہاں سے اس کو خیال نہ ہوا ۱۲ ۔ [۵] خدا تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ اپنے بندہ مومن کو ایسی ہی جگہ سے روزی پہنچا دے جہاں سے اس کو خیال نہ ہو ۱۲ ابن حبان نے ضعفا میں بروایت علی مرتضیٰ نقل کی ہے اور اس کی سند ابن جوزی نے موضوعات میں نقل کی ہے ۔

اور حرص آدمی میں شیطان کی طرف سے آتی ہے وہ ملعون دل میں ڈالتا ہے کہ زیادہ خرچ سے محتاج ہو جاوے گا اگر رکھ نہ چھوڑے گا تو بیماری اور عاجزی کے وقت در بدر بھیک مانگنی پڑے گی اور ذلیل و رسوا ہوگا اسی طرح ہمیشہ طلب مال کی مشقت میں مبتلا کرتا ہے اس خوف سے کہ کہیں آئندہ کو مشقت نہ ہو اور پھر خود اس کی حرکات پر ہنستا ہے کہ وہی مشقت کے خوف سے کیسا غلطان و پیچان ہو رہا ہے اور خدا سے غافل ہے یہ کیسے معلوم ہوا کہ آگے کو مشقت ضرور ہو گی شاید کچھ بھی نہ ہو اور روایت ہے کہ دو لڑکے حضرت خالدؓ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو ارشاد فرمایا کہ جب تک تمہارے سر ہلتے ہیں یعنی زندگی بھر رزق سے ناامید مت ہو دیکھو انسان ماں کے پیٹ سے ننگا منگا پیدا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو روزی دیتا ہے اور ایک بار آپ کا گزر حضرت ابن مسعودؓ پر ہوا وہ غمگین بیٹھے تھے آپ نے فرمایا کہ رنج کرنا بیفائدہ ہے شدنی پیش آوے گی اور جتنا رزق نصیب میں ہے وہ بیشک آوے گا اور ایک حدیث میں ہے الا یا ایھا الناس اجملوا فی الطلب فانہ لیس لعبد الا ما کتب لہ ولن یذھب عبد من الدنیا حتی یاتیہ ما کتب لہ من الدنیا وھی راغمۃ ط۔ اور انسان حرص سے علیحدہ نہیں ہوتا مگر اس صورت میں خدا تعالیٰ کی تدبیر پر خوب پکا ہو یعنی یقین واثق رزق کے مقدر ہونے کا رکھتا ہو اور یہ کہ اگر میں طلب میں اہمال کروں گا تو ضرور ہی ملے گا بلکہ یوں تصور کرنا چاہیے کہ اکثر یہی ہے کہ خدا تعالیٰ بندہ کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ خود فرماتا ہے[1] ومن یتق اللہ یجعل اللہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ط پس اگر ایسی صورت میں اگر کسی وجہ سے اس کو روزی ملتی تھی اور وہ بند ہو گئی تو دل میں پیچ و تاب نہیں کھانا چاہیئے یوں جاننا چاہیئے کہ ؎ خدا گر بہ حکمت بہ بندد درے کشاید بفضل و کرم دیگرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابی اللہ ان یرزق عبدہ المومن الا من حیث لا یحتسب ط۔ اور حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ خدا سے ڈرنا چاہیئے میں نے کسی شخص کو ڈرتا ہو محتاج نہیں دیکھا یعنی خداوند کریم تقویٰ اور خوف والے کی ضرورتیں ویسی ہی نہیں چھوڑتا بلکہ مسلمانوں کے دل میں ڈال دیتا ہے وہ اس کی روزی دے جاتے ہیں اور مفضل ضبی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی سے پوچھا کہ تمہاری وجہ معاش کیا اس نے کہا حاجیوں کے آنے سے بسر کرتا ہوں میں نے پوچھا جب حاجی چلے جاتے ہیں تب کیا کرتے ہو وہ رو پڑا اور کہنے لگا کہ وجہ معاش معلوم ہی ہوا کرتی کہ فلاں جگہ سے ہوتی ہے۔ تو زندگی ہی نہ ہوتی اور حضرت ابو حازم کا قول ہے کہ میرے نزدیک دنیا میں دو چیزیں ہیں ایک تو وہ جو میرے لیئے ہے پس اس کو تو میں قبل وقت نہیں سکتا۔ گو آسمانوں اور زمین کا زور لگاؤں اور ایک وہ جو اوروں کی ہے پس وہ نہ پہلے مجھ کو ملی اور نہ آئندہ کو توقع کہ مجھے ملے۔ اس لیئے کہ جو شخص میرے حصہ کی چیز اوروں کے لیئے بچاتا ہے وہی اوروں کی چیز مجھ سے بچاتا ہے پھر ان دونوں چیزوں میں اپنی جان کیوں کھوؤں یہ علاج اس امر کے دور کرنے

[1] حاشیہ پچھلے صفحہ پر دیکھیے۔

کے لئے ہے جو شیطان کی طرف سے افلاس کا خوف دل پر آتا ہے اس طرح جاننے اور خیال کرنے سے رفع ہو جاتا ہے تیسری قناعت کے فائدے سے آگاہ ہو کہ اس کے باعث استغنا اور بے پرواہی کی عزت حاصل ہوتی ہے اور حرص و طمع کی جہت سے رسوائی و ذلت جب یہ بات دل میں ٹھن جاوے گی تو قناعت ہی کی طرف راغب ہوگا کیونکہ حرص میں مشقت اور طمع میں ذلت سے نہیں بچتا اور قناعت میں صرف شہوات اور فضول سے صبر کرنے کی مشقت و تکلیف ایسی ہے کہ اس میں سوا خدا تعالیٰ کے اور کسی کی اطلاع نہیں ہوتی اور اسی پر ثواب آخرت ہوتا ہے اور حرص و طمع ایسی چیزوں میں سے ہے جس کو لوگ دیکھ سکتے ہیں اور گناہ کا وبال اس کے علاوہ ہے پھر کثرت طمع و حرص میں نفس کی بزرگی اور حق کی متابعت کی قدرت مفقود ہے کیونکہ کثرت حرص و طمع مقتضی اس بات کی ہے کہ لوگوں سے بہت کام نکلیں گے پھر ایسی صورت میں ان کو حق بات کا مائل کرنا کہاں بن سکتا ہے بلکہ ان کی برائیاں دیکھ کر مداہنت اور اغماض کرنا پڑے گا جس سے دین کی خرابی ہے اور جو شخص کہ پیٹ کی خواہشوں پر نفس کی بزرگی کو ترجیح نہ دے وہ بے وقوف ناقص الایمان ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عز المؤمن استغناءه عن الناس [ا] اس سے معلوم ہوا کہ آزادی اور عزت قناعت ہی میں ہے سہ قناعت بہر حال اولی بود : کہ در ضمن میں چند معنی بود ۔ اور اسی بنا پر کسی کا قول ہے کہ جس سے چاہو بے پرواہ ہو جاؤ اس کی نظیر اور اسی کے مانند ہو جاؤ گے اور جس کی طرف دل چاہے حاجت لے جاؤ اسی کے پابند ہو جاؤ گے اور جس پر چاہو احسان کرو اس کے امیر بن جاؤ گے چوتھی یہ کہ یہود اور نصاریٰ اور اراذل اور احمقوں اور اجلاف اور بیدینوں کے تنعم اور ان کی معیشت میں تامل کرے پھر احوال انبیاء اولیاء اور خلفائے راشدین اور صحابہ اور تابعین کے دیکھے اور ان کے حالات سنے اور خود مطالعہ کرے ۔ اب چاہے تو اجلاف کی مشابہت پیدا کرے خواہ ان لوگوں کی اقتدا کرے جو خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ عزت رکھتے ہوں اگر اقتدا عمدہ لوگوں کی کرے گا تو تھوڑی سی چیز پر قناعت کرے گا اور قلیل پر صبر آسان ہوگا اور اس کی بات میں کوئی اس کا شریک بجز انبیاء اور اولیاء کے نہ ہوگا لیکن اگر اراذل اختیار کرے گا کچھ حاصل نہ ہوگا مثلاً اگر شکم سیری کے تنعم میں پڑے تو اس بات میں گدھا اس سے افضل ہوگا اور اگر جماع کی لذت پانے میں مصروف ہو تو سور اس صفت میں بڑھ کر ہے اور اگر زینت تن اور سواری تنعم منظور ہے تو اکثر کفار اس میں اس کی نسبت زیادہ ہوں گے۔ پانچویں یہ کہ مال کے جمع کرنے کا خطرہ سوچے کہ کیسے چوری اور تلف اور لوٹ کھسوٹ کا خوف لگا رہتا ہے اور جب ہاتھ خالی ہوتا ہے تو ان سب باتوں میں امن و چین میں رہتے ہیں اور نیز آفات مال جو ہم نے ذکر کی ہیں

[ا] لوگوں سے بے پرواہ ہونا ایمان دار کی عزت ہے ۱۲ طبرانی و حاکم و ابن حبان و ابو نعیم بروایت سہل بن سعد ۱۲۔

ان کو سوچے اور تصور کرے کہ اس کی بدولت جنت کے دروازے سے پانچسو برس تک دُور رہوں گا یعنی جب تھوڑی سی چیز بقدر کفایت پر قانع نہ ہوگا تو اغنیاء کے گروہ میں شامل ہوگا اور فقیروں کے دفتر سے خارج اور فقیر بہ نسبت مالداروں کے پانچسو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے چنانچہ احادیث اس مضمون پر ناطق ہیں اور یہ تامل پورا اس طرح ہوگا کہ ہمیشہ دنیا میں اپنے آپ سے کم کو دیکھے زیادہ کو نہ دیکھے کیونکہ شیطان ہمیشہ آدمی کو دنیا میں بہکا کر زیادہ مالداروں کی طرف رغبت دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو کیوں سستی کرتا ہے اور مالدار تو مزے اڑاتے ہیں اور خوراک اور پوشاک اچھی رکھتے ہیں اور دین میں آدمی کی تو بڑا بڑا القاب ہے اور یہ کہتا ہے کہ اپنے نفس پر اتنی تنگی کیوں کرتا ہے اور اس قدر خوف خدا کیوں ہے فلاں شخص تو تجھ سے زیادہ جانتا ہے وہ تو اتنا ڈرتا نہیں اور تمام لوگ تنعم میں مشغول ہیں تو کیوں ان سے جدا ہوتا ہے غرضکہ دنیا میں اپنے سے کم کو دیکھنا چاہیئے چنانچہ ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو میرے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ دنیا میں اپنے آپ سے کم کو دیکھو زیادہ پر نظر نہ کرو اور حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ۔ اذا نظر احدکم الی احد کما الی من فضلہ اللہ علیہ فی المال والخلق فلینظر الی من ھو اسفل منہ ممن فضل علیہ۔ ان پانچوں باتوں سے آدمی میں قناعت کی صفت آسکتی ہے اور سو کی ایک بات یہ ہے کہ صبر کرے اور امل کو کوتاہ کرے اور یہ سمجھے کہ ابدالاباد کے تمتع اور مزے اڑانے کے لیئے دنیا میں صبر کرنا چند ہی روز کا ہے جیسے بیمار آدمی دوا کی تلخی پر اس لئے صبر کرتا ہے کہ آگے کو ہمیشہ اچھا رہوں گا۔

سخاوت کے فضائل

جاننا چاہیئے کہ آدمی کے پاس اگر مال نہ ہو تو قانع اور کم حرص ہونا چاہیئے اور اگر مال ہو تو ایثار اور سخاوت اور سلوک کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور بخل و امساک سے کوسوں دور رہے کیونکہ سخاوت انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے اور نجات کی اصل اصول بھی یہی ہے اور حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک پیڑ ہے کہ اس کی ٹہنیاں زمین پر جھکی ہوئی ہیں جو کوئی ان میں سے ایک ٹہنی پکڑ لیتا ہے وہ اس کو جنت میں کھینچ لے جاتی ہے اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معرفت

خ احمد بن حبان در اتنا حدیث ۱۲ خ جب کوئی تم سے دیکھے اس شخص کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نے زیادتی دی ہو اس کو اس پر مال میں اور خلق میں تو چاہیئے کہ آپ اپنے آپ سے کمتر کو دیکھے جس پر خود اس کو فضیلت ہے ۱۲ بخاری و مسلم نے نقل کی ہے ۱۲ خ دار قطنی نے نقل کی ہے اس میں عبدالعزیز بن عمران بہت ضعیف ہے ۱۲
خ ابن حبان در ضعفاء و خرائطی اور مکارم اخلاق و طبرانی در اوسط و حاکم بروایت علی مرتضیٰ اور اس کی سند میں محمد بن مروان ضعیف ہے ۱۲ خ طبرانی در اوسط خرائطی ۱۲
خ یہ حدیث بروایت ابن مسعود نہیں ملی بلکہ ابن ماجہ نے بروایت انس ابن عباس بالذک اختلاف نقل کی ہے ۱۲ خ اللہ تعالیٰ سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے اور عمدہ اخلاق کو پسند فرماتا ہے اور حقیر اور نکمے اخلاق کو برا جانتا ہے ۱۲

جبریل علیہ السلام کے یہ قول اللہ تعالیٰ کا پہنچا ہے کہ اسلام وہ دین ہے کہ جس کو میں نے اپنے لیئے پسند کیا ہے اور اور اس کی صلاحیت سخاوت اور حسن خلق پر منحصر ہے پس تم کو چاہیئے کہ ان دونوں چیزوں سے جس قدر ہو سکے اسلام کی تعظیم کرو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تک اسلام کے ساتھ رہو جب تک ان باتوں سے ان کا اکرام کرو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے سب اولیاء کو سخاوت اور حسن خلق پر ہی پیدا کیا ہے اور جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ سے کسی نے پوچھا کہ اعمال میں سے افضل کون سا عمل ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ صبر اور سخاوت اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو عادتیں خدا تعالیٰ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور دو بری جو عادتیں کہ اس کو محبوب ہیں وہ حسن خلق اور سخاوت ہیں اور جو اس کو ناپسند ہیں۔ وہ خلق بد اور بخل ہیں اور جب خدا تعالیٰ کسی بندہ کی بہتری چاہتا ہے تو اس سے لوگوں کی حاجتیں پوری کراتا ہے اور مقدام بن شریح اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ مجھ کو کوئی ایسا عمل بتایئے جس سے جنت میں جاؤں آپ نے فرمایا ان من موجبات المغفرۃ بذل الطعام وافشاء السلام وحسن الکلام۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سخاوت جنت میں ایک درخت ہے جو سخی ہوتا ہے وہ اس کی شاخ پکڑ لیتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے جنت میں داخل ہوتا ہے اور بخل بھی ایک درخت دوزخ میں ہے بخیل اس کی ٹہنی پکڑ لیتا ہے یہاں تک کہ وہ شاخ اس کو دوزخ میں ڈال دیتی ہے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث قدسی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے رحیم بندوں سے عطا کی درخواست کرو اور ان کی پناہ میں زندگانی بسر کرو کہ میں نے ان میں اپنی رحمت بھر دی ہے اور سخت دل والوں سے کچھ مت مانگو ان پر میں نے اپنا غضب نازل کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخی کے گناہ سے درگزر کیا کرو اس لیئے کہ جب وہ لغزش کرتا ہے خدا اس کا ہاتھ تھامتا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کھانا کھلانے والے کے پاس اتنا جلد رزق پہنچتا ہے کہ اتنی اونٹ کے کوہان پر چھری بھی کارگر نہیں ہوتی اور خداوند کریم کھانا کھلانے والوں سے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے یعنی انسان میں اس طرح کے

۱؎ مسلم نے نقل کی ہے ۱۲ ۲؎ ابن حبان بروایت عائشہ وابن عدی و دار قطنی بروایت ابو ہریرہ وابو نعیم بروایت جابر اور سب ضعیف ہیں اور ابن جوزی نے موضوعات میں نقل کی ہے ۱۲ ۳؎ دار قطنی کی حدیث ہے پہلے گذری ۱۲ ۴؎ ابن عدی بروایت بقیہ عن یوسف عن الاوزاعی عن الزہری عن عروۃ عن عائشہ اور یوسف نہایت ضعیف ہے ۱۲ ۵؎ بیہقی در زند اور اس میں حسن خلق بھی ہے ۱۲ ۶؎ اصبہانی موقوفاً علی عبداللہ بن عمر ۱۲۔
۷؎ طبرانی بالفاظ مختلف ۱۲ ۸؎ مغفرت کی موجبات میں سے ہے کھانا دینا اور ہر ایک سے السلام علیکم کہنا اور اچھی طرح کلام کرنا ۱۲

صفات ہیں جو تم میں نہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ ان اللہ جواد یحب الجود و یحب مکارم الاخلاق ویکرہ سفسافہا۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس کسی نے اسلام پر کچھ مانگا وہی اس کو دیا یہاں تک کہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا آپ نے صدقہ کی بکریوں میں سے بہت سی بکریاں کہ دو پہاڑوں کے درمیان تھیں عنایت فرمائیں وہ شخص اپنی قوم میں آکر کہنے لگا کہ لوگو مسلمان ہو جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دیتے ہیں جیسے کسی کو فاقہ کا خوف نہیں ہوتا۔ اے کہ جو تو در زمانہ نیست کس۔ اللہ اللہ خلق را فریاد رس ؛ شہرہ ما ضعف در شکستہ پری ؛ شہرہ تو جود و مسکین پروری ، دادہ مارا ازیں غم کن جدا دست گیرایے دست تو دست خدا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نعمت اپنے بندوں کو چھانٹ چھانٹ کر دیتا ہے کہ ان کے ہاتھ سے اوروں کا کام نکلے اور جو کوئی اوروں کو نفع پہنچانے میں بخل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی نعمت اس سے لے کر دوسرے کے حوالہ کرتا ہے اور ہلالی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی عنبر کے قیدی پکڑے آئے آپ نے سب کے قتل کا حکم فرمایا مگر ایک شخص کو مستثنیٰ فرمایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ۔ خدا تعالیٰ ایک ہے اس کا دین بھی ایک ہے اور گناہ جوان لوگوں نے کیا ہے وہ بھی ایک ہے پھر یہ شخص اپنی قوم سے کس طرح علیحدہ ہوا اور قتل سے بچ گیا آپ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا کہ ان سب کو قتل کرو اور اس شخص کو چھوڑ دو اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت کا مشکور ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک ثمرہ ہے اور احسان کا ثمرہ نجات کا جلد ہونا ہے اور نافع حضرت ابن عمر سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ طعام الجواد دواء و طعام البخیل داء اور ایک حدیث میں ہے جس کو خدا تعالیٰ زیادہ نعمت دیتا ہے اس کو لوگوں کی زیادہ برداشت کرنی پڑتی ہے پس جو شخص کہ اس کا متحمل نہیں ہو سکتا اس کی نعمت کو خدا تعالیٰ دور کر دیتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایسی چیز کو بہت کیا کرو جس کو آگ نہ کھاوے لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ احسان اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ

ابو سعید ہیں اور اس کی سند میں صالح مزی مختلف فیہ ہے۔ ۱۲ ح جملہ اولیٰ بخاری و مسلم میں روایت جابر منقول ہے اور باقی بیہقی نے شعب میں بروایت جابر سب نقل کی ہے اس کی سند میں ایک راوی مختلف فیہ ہے ۱۲ ح ہر ایک احسان صدقہ ہے اور خیر کا بتلانے والا مثل خیر کرنے والے کے ہے اور اللہ کو اچھا معلوم ہوتا ہے فریاد کو پہنچنا دار قطنی بروایت حجاج بن ارطاۃ عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور اس میں حجاج ضعیف ہے اور یہ حدیث متفرق بھی مروی ہے۔ چنانچہ پہلا جملہ اوپر گزرا اور دوسرا باب العلم میں گزرا اور تیسرا ابو العلی نے بروایت انس نقل کیا ہے بسند ضعیف ۱۲ ح جو سلوک تونگر یا فقیر کے ساتھ کرے وہ صدقہ ہے ۱۲ قطنی بروایت ابو سعید اور جابر عن حاکم نے بروایت علی مرتضیٰ ۱۲ ح طبرانی در کبیر اوسط ۱۲ ح اس کی سند مجھے نہیں ملی ح ابن عدی و دار قطنی ۱۲ ح سخی کا کھانا دوا ہے اور بخیل کا مرض ۱۲۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت سخی لوگوں کا گھر ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ سخی اللہ سے اور جنت سے اور لوگوں سے قریب رہتا ہے۔ اور دوزخ سے دور اور بخیل اللہ اور جنت اور لوگوں سے دور رہتا ہے اور دوزخ سے قریب اور جاہل سخی خدا کے نزدیک عالم بخیل کی نسبت زیادہ محبوب ہے اور سب دردوں میں زیادہ سخت بخل کا روگ ہے اور فرمایا۔ کل معروف صدقۃ والدال علی الخیر کفاعلہ واللہ یحب اغاثۃ اللہفان اور فرمایا کل معروف نعلتہ الی غنی او فقیر فھو صدقۃ ..... ط اور فرمایا میری امت کے ابدال جنت میں کچھ روزہ اور نماز کے سبب داخل نہ ہوں گے بلکہ نفس کی سخاوت اور سینہ کی سلامتی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے باعث جنت میں جائیں گے اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم نے اپنے بندوں کے لیئے احسان کے واسطے کئی صورتیں بنا دی ہیں ایک یہ کہ خود سلوک کرنا ان کو محبوب ہے دوم احسان اور سلوک کرنے والوں کی محبت خلق کے دل میں ڈال دی سوم احسان کے طالبوں کا منہ محسنوں کی طرف پھیر دیا چہارم داد و دہش ان پر آسان ایسی کر دی ہے جیسے خود اپنے خزانہ رحمت سے کسی قحط زدہ خشک زمین پر مینھ عنایت فرماتا ہے اور زمین اور انسانوں کو اس کے سبب سے زندہ رکھتا ہے اور فرمایا کہ آدمی کا ہر ایک سلوک داخل صدقہ ہے اور جو کچھ آدمی اپنے نفس اور اپنے اہل پر خرچ کرے وہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہی لکھا جاتا ہے اور جس خرچ سے آدمی اپنی عزت بچاوے وہ بھی صدقہ ہے اور انسان کسی طرح کا خرچ کرے اللہ پر اس کا عوض پہونچانا ضرور ہے اور فرمایا۔ کل معروف صدقۃ والدال علی الخیر کفاعلہ واللہ یحب اغاثۃ اللہفان۔ اور فرمایا۔ کل معروف نعلتہ الی غنی او فقیر صدقۃ اور روایت ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کو وحی بھیجی کہ سامری کو قتل نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ وہ سخی ہے اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس پر قیس بن سعد بن عبادہ کو حاکم مقرر کیا جب جہاد ہوا تو حضرت قیس نے لشکریوں کے لیئے نو گلے اونٹوں کے نحر کیئے لوگوں نے یہ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا

ح خرابطی در مکارم اخلاق بروایت عمر فاروقؓ بسند منقطع وعقیلی بروایت ابن عباس اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی کوئی روایت محفوظ نہیں" ج ابن عدی و دار قطنی اور اس کی سند میں ولید بن محمد موقری ہے جو ضعیف ہے ۱۲ ح ترمذی مختصراً اور کہا ہے کہ غریب ہے اور دار قطنی نے سب نقل کی ہے ح احسان کر اس کے ساتھ جو اہل ہو اس کا اور جو اہل نہ ہو اس لیئے کہ اگر اہل پر تو احسان کرے گا تب تو اہل پر ہی ہوا اور اگر نا اہل پر ہوگا تو اہل احسان میں سے ہو گا۔ دار قطنی بروایت امام جعفر عن ابیہ عن جدہ مرسلاً ح خرابطی در مکارم اخلاق بروایت ح دار قطنی بروایت ابو حمزہ نعیمی عن جابر اور اس شخص کا نام اور حال معلوم نہیں ۱۲ خ ۲ جب دنیا آتی ہو تو بخل مت کر کہ اس کو زیادہ خرچ کرنا اور اگر دنیا پشت پھیرے تو لائق ہے کہ ضرور تو اس سے سخاوت کرے اس لیئے جب وہ چلی جاوے گی تو لشکر اس کا نائب ہے عہ قولہ جب جہاد ہوا۔ مجدوا کا ترجمہ ہے اور صحیح نہیں ہے

بقیہ اگلے صفحہ پر

آپ نے فرمایا کہ سخاوت تو اس خاندان کی خصلت ہے آثار حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی کے پاس دنیا آتی ہو تو اس میں سے خرچ کرے کیونکہ وہ خرچ کرنے سے جاتی نہ رہے گی اور اگر دنیا جاتی ہے تب بھی خرچ کرنا چاہیئے کیونکہ خرچ کرنے سے پھر نہیں جاوے گی اور یہ شعر پڑھے قطعہ لاتبخلن بدنیا وہی مقبلۃ۔ فلیس ینقصہا التبذیر والسرف ، وان تولت فاحری ان تجود بہا، فالحمد منہا اذا ما ادبرت خلف۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے پوچھا کہ مروت و رفعت اور کرم کس کو کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مروت اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے دین کی اور نفس کی حفاظت کرے اور اپنے کام کو اچھی طرح پر کرے اور منازعت اور مکروہات میں داخل ہونے کو بھی بخوبی انجام دے اور رفعت یہ ہے کہ ہمسایہ کی مصیبت کو ٹالے اور صبر کی جگہ صبر کرے اور اور کرم یہ ہے کہ بدون مانگے دوسرے کے ساتھ سلوک کرے اور وقت پر کھانا کھلاوے اور باوجود مال دینے کے سائل پر عنایت درافت کرے اور ایک شخص نے آپ کی خدمت میں کسی مطلب کے لیئے عرضی لکھ کر حوالہ کی آپ نے بغیر پڑھے فرمادیا کہ تیری حاجت پوری کی جاوے گی کسی نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے آپ نے اس کی عرضی کو ملاحظہ کر کے ہی جواب دیا ہوتا آپ نے فرمایا کہ جتنی دیر میں اس کی عرضی پڑھتا وہ میرے سامنے ذلیل کھڑا رہتا۔ اور اس بات کی پوچھ مجھ سے خدا تعالیٰ فرماتا کہ تم نے سائل کو اتنی دیر کیوں ذلیل کھڑا رکھا اور ابن سماکؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو بڑا تعجب ہے کہ آدمی اپنے مال سے لونڈی اور غلام مول لیتے ہیں اور آزاد انسان کو بندہ احسان نہیں کرتے اور ایک عرب سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے اس نے کہا کہ جو ہماری گالی کی برداشت کرے۔ اور ہمارے سائل کو دیوے اور جاہل سے اعراض کرے اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس آدمی میں یہ وصف ہو کہ مانگنے والوں کو اپنا مال دیا کرتا ہو وہ سخی نہیں ہے بلکہ وہ ہے کہ جو حقوق خدا تعالیٰ نے اپنے اہل طاعت کے لیئے لکھ دیئے ہیں ان کو بدون طلب پہلے ہی پہنچاوے اور نفس میں محبت اس کے شکر یہ لینے کی نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کامل عنایت ہونے کا یقین ہو یعنی ثواب کامل ملنے کے یقین کی جہت سے دینے کے عوض میں شکر کا طالب نہ ہو اور حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ سخاوت کیا ہے آپ نے فرمایا خدا کی راہ میں مال کا دے ڈالنا پھر پوچھا کہ حزم واحتیاط کسے کہتے ہیں فرمایا کہ خدا کی راہ میں مال کا دینا پھر پوچھا کہ اسراف کیا ہے فرمایا کہ ریاست کی محبت کے لیئے مال خرچ کرنا اور امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ عقل سے زیادہ اعانت کرنے والا کوئی مال نہیں اور کوئی مصیبت جہالت

صواب یہ معنی کہ جب اہل لشکر بھوک سے تنگ ہوئے تو قیسؓ نے خرما کے عوض نو اونٹ مول لے کر نحر کئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس شخص کے پاس کچھ نہیں ہے جو اپنے باپ کے مال پر ہاتھ پھیرتا ہے قیس نے غصہ ہو کر کہا میرا باپ خیرات کیا کرتا ہے میرا قرضہ جو مجاہدین کے لیئے ادا نہ کرے گا مدینہ میں آئے تو سعد بن عبادہ نے سب قرضہ ادا کیا اور بیٹے سے خوش ہو کر باغات خرما اس کو عطا کیئے ۱۲

سے بڑھ کر نہیں اور مشورہ سے بڑھ کر کوئی پشتی و تقویت نہیں اور جان رکھو کہ خدا تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ میں جواد اور کریم ہوں کوئی بخیل مجھ سے نزدیک نہ جاوے گا بخل کفر میں سے ہے اور اہل کفر دوزخ میں رہیں گے اور جود و کرم ایمان میں سے ہے اور ایماندار جنت میں جائیں گے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ ظاہر میں بدکار اور معیشت سے تنگ ہیں مگر سخاوت کے باعث داخل جنت ہوں گے۔ اور روایت ہے، کہ احنف بن قیس نے ایک آدمی کے ہاتھ سے روپیہ لیکر پوچھا کہ یہ کس کا ہے اس نے کہا کہ میرا ہے آپ نے فرمایا کہ تیرا تو یہ جب ہو گا جب تیرے ہاتھ سے چلا جاوے گا۔ مال جب تک ہاتھ سے جاتا نہیں، آدمی کے کام میں آتا نہیں۔ اور واصل بن عطا کا نام غزال اس بہت سے پڑا کہ یہ غزالوں یعنی کاتنے والوں میں بیٹھتے اور جب کوئی ضعیف عورت دیکھتے تو اس کو کچھ دیا کرتے اور اصمعی سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امام حسین کو عتاب لکھا کہ شاعروں کو تم کیوں دیتے ہو انہوں نے کہا کہ مال بہتر وہی ہے جس سے آدمی عزت بچاوے اور سفیان بن عیینہ سے جو کسی نے سخاوت کو پوچھا تو انہوں نے کہا کہ سخاوت یہ ہے کہ بھائیوں کے ساتھ سلوک کرے اور مال کو دے ڈالے پھر فرمایا کہ میرے باپ کو پچاس ہزار درم ترکہ سے پہنچے تھے ان کو تھیلیوں میں بھر بھر کر بھائیوں میں تقسیم کر دیئے۔ اور کہا کہ میں خدا تعالیٰ سے اپنے بھائیوں کے لئے جنت چاہا کرتا تھا کیا مال سے ان کے ساتھ بخل کروں یہ کبھی نہ ہوگا۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ موجودہ چیز کو دلی کوشش سے دے ڈالنا نہایت درجہ کی سخاوت ہے اور بعض حکماء سے کسی نے پوچھا کہ لوگوں میں سے تمہارے نزدیک کون سا محبوب ہے جس نے مجھے زیادہ دیا ہو اس شخص نے پوچھا کہ اگر ایسا شخص کوئی نہ ہو جس نے تم سے زیادہ سلوک کیا ہو اس نے کہا پھر مجھ کو وہ محبوب ہے جس سے میں نے زیادہ سلوک کیا ہو اور عبدالعزیز بن مروان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جو آدمی مجھ کو اپنے ساتھ سلوک کرنے دے تو جس قدر میرا احسان اس پر ہو گا اسی قدر اس کا احسان اپنے اوپر جانتا ہوں اور خلیفہ مہدی نے شبیب بن شیبہ سے پوچھا کہ میرے گھر میں تم نے لوگوں کا کیا حال دیکھا انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین میں نے دیکھا کہ کوئی کسی طرح تمنا لے کر جب تمہارے یہاں آیا راضی ہو کر پھرا اور ایک شخص نے عبداللہ بن جعفرؓ کے سامنے دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ احسان جب ہی احسان ہوتا ہے جب اپنے موقع پر ہو اس لئے ضرور ہے کہ آدمی اگر احسان کرے تو خدا کی راہ میں دے یا اہل قرابت کو ورنہ احسان کرنا نہ چاہیئے عبداللہ بن جعفر نے کہا کہ اس مضمون سے تو آدمی بخیل ہو جاتا ہے میں تو موسلا دھار مینہ کی طرح لوگوں کو دوں گا اور اگر وہ اچھے لوگوں کو پہنچے گا تو وہ اس کے مستحق ہی تھے اور اگر بروں کو پہنچے گا تو میری شان کے لائق ہو گا اب کچھ حکایتیں سخاوت والوں کی لکھ دی جاتی ہیں محمد بن منکدرم ام درہ سے جو حضرت عائشہؓ کی خادمہ تھیں روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن زبیر نے ایک لاکھ اسی ہزار درم دو گونوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجے آپ نے ایک ایک طباق منگا کر ان کو لوگوں

میں تقسیم کر دیا جب شام ہوئی مجھے کہا کہ ہماری افطاری لاؤ میں نے روٹی اور زیتون کا تیل سامنے رکھ دیا اور کہا کہ آج جو آپ نے اتنا کچھ بانٹا یہ نہ ہو سکا کہ ہمارے افطار کے لئے ایک درم کا گوشت ہی منگا دیتیں آپ نے فرمایا کہ اگر تم پہلے سے کہتیں تو ایسے ہی کرتی اور ابان بن عثمانؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے یہ چاہا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کچھ ضرر پہنچانا چاہیئے اس کے لئے تمام سرداران قریش کے پاس جاکر کہہ دیا کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو کہا ہے کہ صبح کا کھانا میرے یہاں کھانا لوگوں نے اس کے کہنے پر عمل کیا صبح کو سب سردار حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں جمع ہوئے حتیٰ کہ گھر میں جگہ بھی نہ رہی آپ نے ان کے آنے کا حال پوچھا انہوں نے ماجرا بیان کیا کہ تمہارا پیام فلانے کی معرفت اس وقت کا پہنچا تھا آپ نے سنتے ہی میوہ خرید کر ان کے سامنے رکھ دیا اور لوگوں کو کھانا پکانے کے لئے معین کیا ہنوز میوہ نہ کھا چکے تھے دستر خوان بچھایا گیا اور سب کھا پی کر چلے گئے آپ نے اپنے کارپردازان سے پوچھا کہ جس قدر آج خرچ ہوا ہے اتنا ہر روز ہو سکتا ہے یا نہیں انہوں نے کہا کہ البتہ ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا تو ہر روز یہ لوگ صبح کو یہاں ہی کھانا کھایا کریں اور مصعب بن زبیر سے مروی ہے کہ ایک سال امیر معاویہ حج کو تشریف لے گئے اور وہاں سے پھر کر مدینہ منورہ کا قصد کیا جب داخل ہوئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت امام حسن علیہ السّلام سے کہا کہ تم ان کی ملاقات نہ کرنا نہ سلام علیک کرنا جب وہ مدینہ منورہ سے نکلے تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ہم پر دین ہے ہم ضرور ان سے ملیں گے چنانچہ سوار ہو کر تشریف لے گئے اور اثناء راہ میں سلام علیک کر کے قرض اپنے ذمہ کا ذکر کیا اسی ہزار دینار ایک اونٹنی پر لدے ہوئے حضرت امیر کے پاس آئے اور اس پر اتنا بوجھ دیناروں کا تھا کہ چل نہ سکتی تھی زبردستی لوگ ہانک کر لائے تھے انہوں نے پوچھا کہ اس میں کیا ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ اسی ہزار دینار ہیں آپ نے فرمایا کہ ان کو مع اس اونٹنی کے حضرت امام حسن علیہ السلام کے یہاں پہونچا دو اور واقد اپنے باپ محمد واقدی کا حال بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک رقعہ خلیفہ مامونؔ کو لکھا کہ مجھ پر قرض بہت ہے اور اب مجھ سے اس پر صبر نہیں کیا جاتا خلیفہ نے اس کی پشت پر حکم لکھا کہ تم ایسے آدمی ہو جس میں دو عادتیں یعنی سخاوت اور حیا جمع ہیں سخاوت کے باعث تو تمہارے پاس کچھ نہ رہا اور حیا کے باعث تم نے کبھی اپنا حال ہم سے نہ کہا اب میں نے ایک لاکھ درم تم کو دلوائے ہیں اگر تمہارے خاطر خواہ اور کاروائی کے لائق ہوں تو خوب ہاتھ پھیلاؤ اور لوگوں کو دو ورنہ قصور تمہارا ہی ہے خود کردہ را چہ علاج اور جس وقت تم خلیفہ رشید کی طرف سے قاضی تھے ایک حدیث تم نے مجھ سے بیان کی تھی کہ محمدؐ بن اسحاق زہری سے راوی ہے اور زہری

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قیس خاندان سخاوت سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ اونٹ نو تھے تو گئے نہیں تھے ۱۲ امیر علی عفی ۱۲ عہ قولہ پھر نہیں الخ بلکہ معنی یہ ہیں کہ جاتی ہوئی تب بھی خرچ کرو کیونکہ وہ رہنے والی نہیں ہے ۱۲ ے اصل میں لا یجاورنی لئیم ہے یعنی میرے جوار قدس جنت میں کوئی بخیل نہیں رہ سکتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے حضرت زبیر بن عوام سے فرمایا کہ اے زبیر جان رکھ کر بندوں کے لئے رزق کی کنجیاں عرش کے مقابل ہیں جس قدر کوئی بندہ خرچ کرتا ہے اسقدر اللہ تعالیٰ اس کو بھیج دیتا ہے جو زیادہ کرتا ہے اس کے لئے زیادہ اور جو کم کرتا ہے اس کے لئے کم انتہی اور تم نے تو مجھ سے زیادہ جانتے ہو واقدی کہتے ہیں۔ کہ بخدا مجھ کو خلیفہ مامون کے ایک لاکھ درم اتنے محبوب ہوئے جتنا اس حدیث کا مضمون یاد دلانا اچھا معلوم ہوا اور ایک شخص نے حضرت امام حسن ؓ سے کسی حاجت کا سوال کیا آپ نے فرمایا کہ اے شخص تو نے جو مجھ سے سوال کیا اس کا حق مجھ پر بہت ہے اور مجھ کو یہ جاننا بھی دشوار ہے کہ تجھ کو کیا دینا چاہیئے اور جس قدر کا تو لائق ہے اتنا میرے پاس نہیں علاوہ اس کے خدا کی راہ میں بہت دینا بھی تھوڑا ہی ہے میرے قبضہ میں تیری حاجت کے موافق تو نہیں مگر جو تھوڑے پر قناعت کرے اور مجھ کو زیادہ دینے کے لئے کسی تکلف اور حیلہ کی حاجت نہ پڑنے دے تو البتہ قدر موجود حاضر کروں اس نے عرض کیا اے ابن رسول اللہ جو آپ دیں گے مجھے قبول ہے اگر آپ دیں گے تو مشکور ہوں گا اور نہ دیں تو معذور جانوں گا آپ نے اپنے کارپرداز کو بلایا اور اس سے اپنے خرچ کا حساب کیا اور سب حساب کر کے فرمایا کہ تین لاکھ درم میں سے جتنا باقی ہو وہ لے آؤ اس نے پچاس ہزار درم لا دیئے آپ نے فرمایا کہ پانچسو دینار بھی تو تھے وہ کیا ہوئے اس نے کہا کہ میرے پاس موجود ہیں آپ نے ان کو بھی منگا لیا اور سب دینار و درم اس سائل کے حوالے کئے اور کہا کہ ان کے لے جانے کو مزدور بلا لاؤ جب وہ مزدور آئے آپ نے اپنی چادر مزدوری میں ان مزدوروں کے حوالے کی آپ کے خادموں نے عرض کی اب ہمارے پاس نہ دینار ہے نہ درہم آپ نے فرمایا کہ مجھے توقع ہے کہ خدا تعالیٰ اس کا ثواب بہت بڑا عنایت فرماوے گا اور جس وقت کہ حضرت ابن عباس ؓ بصرہ پر عامل تھے۔ آپ کے پاس وہاں کے قاری اکھٹے ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا ایک ہمسایہ ہے کہ دن کو روزہ رکھتا ہے رات کو جاگتا ہے ہم میں سے ہر کوئی چاہتا ہے کہ ویسا ہی ہو جاوے اس نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کیا ہے لیکن وہ ایسا محتاج ہے کہ اس کے پاس اتنا بھی نہیں جو جہیز دے سکے حضرت عبداللہ بن عباس کھڑے ہوئے اور لوگوں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور ایک صندوق کھول کر اس میں سے چھ تھیلیاں نکالیں اور فرمایا ان کو اٹھا لو انہوں نے اٹھا لیا پھر فرمایا کہ یہ تو اچھی بات نہیں کہ ہم ایک مسلمان آدمی کو ایسی چیز دیں جو اس کی شب بیداری اور روزہ میں خلل انداز ہو چلو ہم سب کے سب اس کے ممد و معاون ہو کر لڑکی کو رخصت کرا دیں ہر چند دنیا کی اتنی حقیقت نہیں کہ مومن کو خدا کی عبادت سے روک لے لیکن ہم میں بھی اتنا تکبر نہیں کہ اولیاء اللہ کی خدمت نہ کریں یہ کہہ کر آپ مع سب ہمراہیوں کے تشریف لے گئے اور اس کا کام حسب دل خواہ انجام ہوا۔ اور روایت ہے کہ جب مصر میں خشک سالی ہوئی عبدالحمید بن سعدؒ کا عہد تھا انہوں نے کہا بخدا میں شیطان کو جتا دوں گا کہ میں اس کا دشمن ہوں پس ارزانی کے وقت سب لوگوں کے حاجات

پورے کرتے رہے یہاں تک کہ جب معزول ہو کر رہ گئے تو سوداگروں کا قرض ان کے ذمہ دس ہزار درم تھے اپنی بیبیوں کا زیور گروی کر دیا جو پچاس کروڑ درم کا تھا اور جب یہ زیور چھٹ نہ سکا تو سوداگروں کو لکھ بھیجا کہ زیور کو بیچ کر اپنا دام مجرا کر لو اور باقی ایسے لوگوں کو دے دو جن کو میرے ہاتھ سے کچھ نہیں پہنچا اور ابو طالب بن کثیر شیعہ تھا کسی سائل نے سوال کیا کہ بحق مرتضٰی علیؓ تم اپنا فلاں باغ مجھ کو دے ڈالو اس نے کہا کہ میں نے تجھ کو وہ بھی دیا اور اس کے متصل کا باغ بھی دیا جو اس سے دوچند اور سہ چند تھا اور ابو مرثد ایک سخی تھا کسی شاعر نے اس کی تعریف کی اس نے کہا کہ بخدا میں تنگ دست ہوں تجھے کچھ نہیں دے سکتا۔ الا یہ تدبیر ہے کہ قاضی کے یہاں تو مجھ پر دس ہزار درم کی نالش کر میں اقبال دعویٰ داخل کروں گا پھر تو مجھ کو قید کرا دینا میرے گھر کے لوگ مجھ کو اتنا روپیہ دے کر چھوڑا لیں گے شاعر نے ویسا ہی کیا شام نہ ہوئی تھی کہ دس ہزار درم ابو مرثد کے خاندانیوں نے دے کر اس کو قید سے چھڑا لیا۔ اور معن بن زائدہ جس وقت دونوں عراق پر عامل تھے اور بصرہ میں تھے ان کے دروازہ پر ایک شاعر آیا اور مدت تک ٹھہر کر چاہتا رہا۔ کہ کسی طرح ان کی ملازمت ہو مگر میسر نہ ہوئی ایک روز ایک خادم سے کہا جب امیر باغ میں تشریف لے جاویں مجھ کو اطلاع کر دینا خادم نے ویسا ہی کر دیا شاعر نے ایک شعر لکڑی پر لکھ کر اس نہر میں ڈال دیا جس کے کنارے امیر باغ کی سیر کر رہا تھا لکڑی پر جو نگاہ پڑی اس کو اٹھا کر جو دیکھا تو یہ شعر لکھا تھا ؎ اے منحائے معن تو ہی اس سے کہہ میرا سوال ✦ کوئی اس تک ہے نہیں تیرے سوا میرا شفیع۔ اس کو پڑھ کر کہا کہ شاعر کو بلاؤ جب وہ سامنے آیا تو اس سے کہا کہ تو نے شعر کس طرح کہا ہے اس نے وہی شعر پڑھ دیا امیر نے دس ہزار درم اس کو دیئے اور لکڑی اپنے بچھونے کے تلے رکھ لی۔ دوسرے روز اس کو نکال کر پڑھا اور شاعر کو بلا کر ایک لاکھ درم دیئے وہ لے کر سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں پھر لیوے اسی خیال سے چل دیا تیسرے روز امیر نے پھر اس شعر کو پڑھا اور شاعر کو بلایا جب وہ نہ ملا تو کہا میرے اوپر واجب تھا کہ اس کو یہاں تک دیتا کہ میرے گھر میں نہ دینار رہتا نہ درم اور ابوالحسن مدائینی کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت امام حسن اور امام حسین اور عبداللہ بن جعفر علیہ السلام حج کے لیئے روانہ ہوئے راہ میں بار برداری سے بچھڑ گئے تو بھوک اور پیاس لگی اثنا راہ ایک بڑھیا اپنی جھونپڑی میں بیٹھی تھی تینوں صاحبزادوں کا جو گزر اس پر ہوا پوچھا کہ تیرے پاس کچھ پانی ہے کہا کہ ہے یہ سن کر سواریوں سے اتر پڑے اور اس کے پاس ایک چھوٹی سی بکری الگ کو بندھی تھی کہا کہ اس کا دودھ نکال کر پی لو جب دودھ نکال کر پی لیا تو پوچھا کچھ کھانے کو بھی تیرے پاس ہے اس نے عرض کیا میرے پاس سوائے اس بکری کے اور کچھ نہیں اگر تم میں سے کوئی اس کو ذبح کر کے صاف کر لے تو میں پکا دوں صاحبزادوں میں سے ایک نے اس کی تعمیل کی

؎ اصل میں یوں ہے اور کمائی میں نادان ہیں ۱۲ ؎ طبرانی نے اس کو اسی طرح نقل کیا ہے مگر سند متصل نہیں ہے ۱۲۔

بڑھیا نے کھانا تیار کر دیا۔ وے کھا پی کر سیر ہوئے اور سہ پہر کے وقت تک ٹھہرے رہے جب چلنے لگے بڑھیا سے کہا کہ ہم لوگ قریشی ہیں اب حج کو جاتے ہیں وہاں سے اگر سلامت پھریں گے تو تو ہمارے پاس آئیو ہم تجھ سے سلوک کریں گے یہ کہہ کر تشریف لے گئے۔ جب اس عورت کا خاوند آیا تو اس نے تشریف لانا حضرات کا اور ذبح ہونا بکری کا بیان فرمایا وہ سن کر غصہ ہوا کہ میری بکری نہ جانے کس کو کھلا دی پھر کہتی ہے کہ وہ قریشی کے لوگ تھے پھر مدت بعد ان دونوں مرد و عورت کو مدینہ منورہ میں آنے کی ضرورت ہوئی۔ وہاں پہنچ کر اونٹ کی مینگنیاں جمع کرتے اور ان کو بیچ کر اپنی گزران کرتے اتفاقاً ایک روز بڑھیا اس طرف جا نکلی جہاں حضرت امام حسن علیہ السلام اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے آپ نے بڑھیا کو پہچانا آپنے اپنے خادم کو بھیج کر اس کو بلایا اور پوچھا کہ مجھے پہچانتی ہے اس نے عرض کیا میں نہیں پہچانتی آپ نے فرمایا کہ میں ہوں جو فلاں روز تیرے یہاں مہمان ہوا تھا اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ وہ ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں پھر آپ نے ایک ہزار بکریاں اور ہزار دینار بڑھیا کو دے کر اپنے خادم کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجدیا انہوں نے بڑھیا سے پوچھا کہ تجھے میرے بھائی نے کیا دیا ہے اس نے عرض کیا کہ ہزار دینار اور ہزار بکریاں آپنے بھی اسی قدر اس کو دلایا اور اپنے خادم کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس روانہ کر دیا انہوں نے پوچھا کہ حسنین علیہ السلام نے تجھ کو کیا دیا تھا دو ہزار دینار اور دو ہزار بکریاں دیں انہوں نے دو ہزار دینار اور دو ہزار بکریاں اپنے پاس سے دیں اور فرمایا کہ اگر تو پہلے میرے پاس آتی تو میں اتنا دیتا کہ حسنین علیہ السلام کو دینا بڑا مشکل پڑتا غرضکہ بڑھیا چار ہزار دینار اور اتنی ہی بکریاں لے کر اپنے خاوند کے پاس آئی اور کہا کہ یہ عوض ایک بکری کا ہے کہ جس کو سرداران قریش نے کھایا تھا اور ایک بار عبداللہ بن عامر بن کریز مسجد سے تنہا اپنے گھر کو جاتے تھے کہ ثقیف کی قوم سے ایک لڑکا ان کے پیچھے ہولیا انہوں نے پوچھا کہ تجھے مجھ سے کچھ کام ہے اس نے کہا کہ کوئی کام نہیں آپ تنہا جاتے ہیں میں اس لئے ساتھ ہولیا کہ خدانخواستہ راستہ میں اگر آپ پر کوئی بری بات پیش آوے تو میں اپنے اوپر اس کو لے لوں اور آپ کو بچاؤں عبداللہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور گھر آکر ہزار دینار عنایت کئے اور کہا کہ تجھ کو تیرے مربیوں نے خوب تعلیم کی ہے جا اور ان دیناروں کو اپنے صرف میں لا اور روایت ہے کہ قافلہ عرب کا اپنی قوم کے کسی سخی کی قبر کی زیارت کو گیا اور دور سے چل کر وہاں پہنچا سب لوگ اس کی قبر کے پاس فروکش ہوئے اس سخی کے یہاں ایک گھوڑا تھا بہت عمدہ تمام قوم میں مشہور تھا جب یہ لوگ رات کو سوئے تو ان میں سے ایک شخص نے اس مردے کو خواب میں دیکھا کہ یوں کہتا ہے کہ تو اپنا اونٹ میرے گھوڑے سے بدل لے تو میں گھوڑا تجھے دے دوں اور اونٹ لے کر تم لوگوں کی ضیافت کروں اس نے جواب دیا بہت اچھا پھر دیکھا کہ وہ مردہ اس

ف اصل میں لفظ ظاہر ہے بمعنے قرضدار کے ہے ۱۲۔

اونٹ کی طرف گیا اور اس کو ذبح کر ڈالا اور یہ اونٹ خوب فربہ تھا اتنے میں اس شخص کی آنکھ کھل گئی دیکھا تو واقع میں اونٹ کی گردن سے خون جاری ہے اس نے اٹھ کر اس کو ذبح کیا اور صاف کر کے گوشت قافلہ میں تقسیم کیا سب نے کھا پی کر وہاں سے مراجعت کی دوسرے دن راستہ میں ان کو چند سوار ملے ایک نے ان میں سے قافلہ والوں سے پوچھا کہ تم میں فلاں نام کا شخص کون سا ہے اور یہی نام لیا جو خواب میں دیکھنے والے کا تھا اس نے جواب دیا کہ وہ شخص میں ہوں اس سوار نے کہا کہ تم نے فلاں مردے کے ہاتھ کچھ بیچا ہے اس نے کہا کہ خواب میں میں نے اپنا اونٹ اس کے ہاتھ گھوڑے کے عوض بیچا ہے اس نے کہا کہ تو لیجئے یہ اس کا گھوڑا موجود ہے پھر کہا کہ وہ میرا باپ تھا رات کو اس نے خواب میں مجھ سے کہا کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو یہ گھوڑا فلاں شخص کو دے دے سو میں نے تعمیل حکم کی اور ایک شخص قریشی کا گزر ایک عرب پر ہوا کہ راستہ میں اپاہج ہو کر شدت مفلسی اور مرض سے پڑا تھا قریشی کو دیکھ کر وہ کہنے لگا کہ میاں صاحب کچھ ہماری مدد کرو اس نے اپنے غلام سے کہا کہ جو کچھ خرچ سے بچا ہو وہ اس کو دے دے غلام نے چار ہزار درم اس کی گود میں الٹ دیئے اس نے چاہا کہ ان کو لے کر اٹھوں مگر ضعف کے مارے اٹھ نہ سکا اور رو دیا قریشی نے پوچھا کہ تو شاید اس لئے روتا ہے کہ میں نے جو دیا وہ کم ہے اس نے کہا کہ یہ وجہ نہیں بلکہ یہ سبب ہے کہ مجھ کو یہ یاد آگیا کہ زمین تیرے کرم کو بھی کھا جاوے گی اسی لیئے رو پڑا اور عبداللہ بن عامر نے خالد بن عقبہ سے ان کا گھر جو بازار میں تھا نوے ہزار دینار کو مول لیا جب رات ہوئی تو خالد کے گھر والوں کے رونے کی آواز عبداللہ کے کان میں پڑی پوچھا کہ یہ کیوں روتے ہیں لوگوں نے کہا اپنے گھر کے لیئے روتے ہیں اپنے خادم کو آپ نے فرمایا کہ تو ان کے پاس جا کر کہہ دے کہ مال اور مکان سب تمہارا ہے اور روایت ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے حضرت امام مالک بن انسؒ کی خدمت میں پانچسو دینار بھیجے یہ خبر لیث بن سعدؒ کو پہنچی انہوں نے ان کی خدمت میں ہزار دینار روانہ کئے ہارون الرشید نے لیثؒ کو بلا کر عتاب کیا کہ تم ہماری رعیت ہو کیا وجہ ہے ہم نے پانچسو بھیجے تم نے ہزار دیئے انہوں نے کہا کہ یا امیر المومنین میرے یہاں ہر روز ہزار دینار کا غلہ آتا ہے۔ مجھے شرم آئی کہ ایسے شخص کو ایک دن کی آمدنی سے کیا کم دوں لیث بن سعدؒ کی سخاوت مشہور ہے یہی وجہ تھی کہ باوجود ہزار روپیہ آمدنی ہر روز کے ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوئی اور ایک بار کسی عورت نے ان سے تھوڑا شہد مانگا تو انہوں نے ایک مشک شہد اس کو دیا کسی نے پوچھا کہ اس کا کام تھوڑے سے بھی نکل جاتا آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنی حاجت کے موافق مانگا تھا۔ ہم نے اس قدر دیا جس قدر خدا تعالیٰ نے ہم پر نعمت کی تھی اور یہ ان کا دستور تھا کہ ہر روز جب تک تین سو ساٹھ مسکینوں کو کھانا اور صدقہ نہ دیتے تب تک کوئی کلام زبان سے نہ نکالتے اور اعمش روایت کرتے ہیں کہ میری ایک بکری بیمار ہوئی خثیمہ بن عبدالرحمن اس کو صبح و شام آکر پوچھتے کہ گھاس اچھی طرح کھائی یا نہیں اور لڑکے بدون دودھ کے کیسے صبر کرتے ہیں اور یہ کہہ کر میرے بچھونے کے تلے سے جو کچھ ہو نکال لینا بکری کی بیماری کے دنوں میں میرے پاس تین سو دینار سے زیادہ پہنچ گئے یہاں تک کہ میرے دل میں

یہ تمنا ہوئی کہ کسی طرح یہ بکری بیمار ہی نہ ہے تو بہتر ہے اس کی بیماری سے کچھ ملا اور عبدالملک بن مروان نے اسماء بنت خارجہ سے کہا ہے کہ مجھ کو تمہاری چند خصلتوں کی خبر پہنچی ہے ان کو مجھ سے بیان کرو انہوں نے کہا کہ وہ باتیں اگر غیر سے سنتے تو مجھ سے سننے کی نسبت بہتر ہوتا خلیفہ نے قسم دلائی کہ نہیں تم ہی کہو انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین میں نے کبھی اپنے ہم نشین کے سامنے پاؤں نہیں پھیلایا اور جب کبھی میں نے کھانا پکا کر لوگوں کی دعوت کی ہے تو جس قدر میرا احسان ان پر ہوا اس سے زیادہ میں نے ان کا احسان اپنے اوپر سمجھا اور جب کبھی کوئی شخص مجھ سے کچھ مانگنے آیا تو جو کچھ میں نے اس کو دیا کبھی نہیں جانا اور سعد بن خالد جو سخی شخص تھا سلیمان بن عبدالملک کے پاس آیا اس کا دستور یہ تھا کہ اگر دینے کو کچھ نہ پاتا تو سائل کو تمسک لکھ دیتا کہ جب مجھ کو کہیں سے کچھ ملے گا میں یہ روپیہ تجھ کو ادا کر دوں گا خلیفہ نے اس کی صورت دیکھ کر پوچھا کہ کیا حاجت ہے کہا کہ میرے ذمہ قرض ہے پوچھا کہ کس قدر ہے کہا کہ تیس ہزار دینار کہا کہ تیس ہزار قرض کے اور اتنے ہی اور تم کو دیئے جاویں گے اور روایت ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ بیمار پڑے ان کے دوست احباب ان کی عیادت کو نہ آئے انہوں نے جو سبب پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ چونکہ تمہارا قرض ان کے ذمہ ہے اس لئے آتے ہوئے وہ شرماتے ہیں آپ نے فرمایا خدا مال کو ذلیل کرے یہ بھائیوں سے بھی نہیں ملنے دیتا پھر ایک پکارنے والے کو کہا کہ یوں پکار دے کہ قیس بن سعد کا جس کے ذمہ کچھ آتا ہو وہ معاف ہے اس کو سنتے ہی لوگ کثرت سے آئے کہ آپ کے گھر کی سیڑھی بھی ٹوٹ گئی اور ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے ایک قرض خواہ کی تلاش میں فجر کی نماز مسجد کوفہ میں پڑھی جب نماز سے فارغ ہوا تو سامنے ایک جوڑا کپڑوں کا اور ایک جوڑا جوتی کا کسی نے رکھا میں نے کہا کہ میں تو اس مسجد کے نمازیوں میں نہیں ہوں لوگوں نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں اشعث بن قیس کندی کل رات مکہ سے داخل کوفہ ہوئے انہوں نے حکم کیا ہے کہ ہر ایک نمازی کو ایک ایک جوڑا کپڑوں کا اور جوتا عنایت کیا جائے اور شیخ ابو سعید خرگوشی نیشاپوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن حافظ محمد سے سنا ہے کہ زبانی شافعی مجاور مکہ کے بیان کرتے تھے کہ مصر میں کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ فقرا کے لئے کچھ چندہ کر دیا تھا اتفاقاً ایک شخص کے لڑکا پیدا ہوا وہ اس شخص کے پاس آکر کہنے لگا کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے اور اس وقت میرے پاس کچھ نہیں یہ سنتے ہی وہ شخص اس کے ساتھ ہوا اور بہت سے لوگوں کے پاس لے گیا مگر کہیں سے کچھ نہ ملا پھر ایک آدمی کی قبر پر آکر بیٹھا اور کہنے لگا کہ خدا تجھے بخشے تو زندگی میں بہت کچھ دیا کرتا تھا۔ آج میں بہتوں کے پاس گیا اور اس شخص کے واسطے بہت سی کوشش کی کہ کچھ ملے لیکن حسب اتفاق سعی بے فائدہ ہوئی یہ کہہ کر ایک دینار نکالا اور اس کو خود دو کر کے آدھا سائل کو دیا اور کہا میں تم کو قرض دیتا ہوں جب تمہارے پاس ہوں تم ادا کر دینا وہ شخص آدھا دینار لے کر گھر چلا آیا اور لڑکے ہونے میں جو ضرورت تھی اس کو انجام دیا رات کو اس مصری چندہ جمع کرنے والے کو خواب میں دیکھا کہ جو کہتا ہے کہ تو نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا وہ سب میں نے سنا ہے مگر چونکہ مجھ کو اجازت

جو اس کی نہ تھی اس واسطے میں جواب نہ دے سکا اب کہتا ہوں کہ تم میرے مکان پر جاکر میری اولاد سے کہو کہ چولھے کے نیچے کھودیں وہاں سے ایک برتن میں پانچ سو دینار گڑے ہوئے نکلیں گے وہ ان سے لے کر اس لڑکے والے کو دے دو جب صبح ہوئی تو وہ شخص اس کی اولاد کے پاس گئے اور خواب کا قصہ بیان کیا انہوں نے اس کو ٹھہرا کر جگہ کھودی اور دینار لاکر رکھ دیئے کہے جاؤ اس نے جواب دیا کہ تمہارا مال ہے میرے خواب کا کیا اعتبار ہے انہوں نے کہا کہ مال والا تو مرنے پر سخاوت کرتا ہے ہم جیتے جی کیسے نہ کریں غرضکہ بعد میں اس شخص نے دینار لے لئے اور لڑکے والے کے پاس لاکر رکھے اور تمام ماجرا بیان کر کے کہا کہ اب یہ تمہارا مال ہے جو چاہو سو کرو اس نے ایک دینار لے کر خود رکھ لیا اس میں نصف تو اس شخص کو بوجہ قرض دیا اور نصف خود رہنے دیا کہ مجھے اسی قدر کفایت ہے باقی تم فقیروں کو دے دو ابو سعد راوی اس روایت کے کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم ان سب میں زیادہ سخی کس کو کہنا چاہیئے اور روایت ہے کہ حضرت شافعیؒ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو وصیت کی کہ فلاں شخص مجھ کو غسل دے بعد وفات کے اس شخص کو حال وصیت کا سنایا گیا وہ شخص آیا اور ان کے خرچ کی بہی منگا کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ ان کے ذمہ ستر ہزار درہم قرض ہیں اسی وقت ان کے نام پر سے اپنے نام کر لیئے اور کہا کہ ان کی مراد میرے غسل دینے سے یہی تھی۔ کہ آلودگی قرض سے ان کو میں پاک وصاف کر دوں ابو سعید کہتے ہیں کہ جب میں مصر میں گیا تو اس شخص کا گھر تلاش کیا لوگوں کے بتلانے سے جو مکان پر گیا تو اس کی اولاد اور پوتوں میں سے میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا بفحوائے آیت کریمہ کان ابوھما صالحاً ط کے سب کے چہرے سے آثار خیر و فضل کے نمایاں تھے اور ان کے باپ کی خیر و برکت ان میں تاثیر کر گئی تھی اور شافعی کہتے ہیں کہ مجھے جب سے حماد بن ابی سلیمان کی ایک خبر پہنچی ہے تب سے میں ان سے ہمیشہ محبت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک روز وہ سوار جاتے تھے حرکت سے تکمہ ٹوٹ گیا راستہ میں ایک درزی سیتا تھا چاہا کہ اتر کر اس کو درست کرالیں درزی نے قسم دلائی کہ آپ نہ اتریں اور خود ان کے ٹانکنے کو کھڑا ہو گیا اور درست کر دیا انہوں نے اس کو دس دینار دیئے اور معذرت کرنے لگے کہ یہ مقدار قلیل ہے اور ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ ایک شخص نے شافعیؒ کی رکاب پکڑی آپ نے ربیع سے کہا کہ اس کو چار دینار دو اور میری طرف سے معذرت کرو اور ربیع زبانی حمیدی کے انہیں کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ جب صنعا سے مکہ کو تشریف لاتے تھے مکہ معظمہ کے باہر آپ نے ڈیرا ڈالا اور دس ہزار دینار جو پاس تھے ان کو ایک چادر پر پھیلا یا پھر کوئی جو بھی آپ کے پاس آتا گیا اس کو مٹھی مٹھی بھر بھر دیتے گئے یہاں تک ظہر کی نماز ان کو تمام کر کے پڑھی اور ابی ثور ان کا حال یوں کہتے ہیں۔ کہ جب شافعیؒ نے مکہ معظمہ کو جانا چاہا تو ان کے پاس مال تھا مگر بہت کم رہنے دیا کرتے تھے سبب سخاوت کبھی جمع نہ کرتے تھے میں نے کہا کہ اگر آپ اس مال کے عوض کوئی جائیداد مول لے لیں تو آپ کی اولاد کے کام آوے آپ مکہ کو تشریف لے گئے اور وہاں سے جو پھرے تو میں نے ان کا مال پوچھا فرمایا کہ مکہ معظمہ میں تو کوئی جائیداد مجھ کو نہ ملی اس لیئے کہ اکثر وہاں کی جائیداد

اور اس کا باپ نیک تھا ۱۲

وقف ہے اس کا خرید نا جائز نہیں مگر منیٰ میں ایک فرودگاہ بنا آیا ہوں کہ ہمارے ساتھی حج کے دنوں میں اسی میں اترا کریں بعد اس کے دو شعر پڑھے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے اشعار بہت سے کام ہیں جن کو چاہتا ہے دل۔ ولیک کافی نہیں میرا مال کیا کیجئے۔ ہے نفس کو یہ تمنا کبھی نہ بخل کرے۔ متاع اتنی نہیں جس سے اب سخا کیجئے۔ اور محمدؒ بن عباد مہلبی راوی ہیں کہ میرے باپ خلیفہ مامون کے پاس گئے خلیفہ نے ایک لاکھ درم ان کو دیئے جب خلیفہ کے پاس سے اٹھے سب خیرات کر ڈالے یہ خبر خلیفہ کو پہنچی بلا کر عتاب کیا میرے باپ نے عرض کیا اے امیر المومنین موجود چیز کے نہ دینے سے معبود کی طرف بدگمانی ہوتی ہے خلیفہ خوش ہوئے اور دو لاکھ اور دیئے اور ایک شخص نے سعید ابن العاص سے کچھ مانگا انہوں نے ایک لاکھ درم دلوا دیئے وہ شخص رونے لگا آپ نے سبب گریہ پوچھا کہا کہ اس سبب سے روتا ہوں کہ زمین تجھ جیسے کو بھی نہ چھوڑے گی یہ سن کر ایک لاکھ اور دیئے اور ابو تمام شاعر ابراہیم بن شکلہ کے پاس قصیدہ مدح کہہ کر لے گیا ابراہیم بیمار تھے قصیدہ رکھ لیا اور اپنے دربان سے کہا کہ جو اس کی شان کے لائق ہو وہ اس کو دے دو اور کہہ دو کہ اگر میں نے مرض سے صحت پائی تو اس کی مکافات کروں گا وہ شاعر دو مہینہ تک اسی توقع میں ٹھہرا رہا آخر گھبرا کر امیر کو یہ لکھا قطعہ ہے قبول مدح بے اعطائے زر تم پر حرام + پر تعجب ہے نہیں قائل تم اس بات کے۔ گر کرو تاخیر دینے میں کسے اتنا دماغ ہم ہیں بندہ اس کے جو اس ہاتھ سے اس ہاتھ دے۔ جب یہ اشعار پڑھے تو امیر نے حاجب سے پوچھا کہ کتنی مدت سے ٹھہرا ہوا ہے اس نے کہا کہ دو مہینے سے کہا کہ اس کو تیس ہزار درم دیدو اور قلمدان منگا کر اشعار کا جواب یوں لکھا قطعہ تم نے جلدی کی تو ہم نے بھی دیا جو بن سکا۔ اس قدر تھوڑا نہ ہوتا یہ لیتے گر تاخیر سے۔ تم یہ سمجھو ہم نے کچھ تعریف میں لکھا نہ تھا۔ ہم یہ جانیں گے درم ہم نے نہیں ہرگز دیئے۔ اور روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پچاس ہزار درم حضرت طلحہؓ کے ذمہ تھے ایک روز حضرت عثمانؓ مسجد کو تشریف لیئے جاتے تھے کہ حضرت طلحہؓ نے فرمایا کہ آپ کا مال موجود ہے اس کو لے لیجئے آپ نے فرمایا کہ وہ میں نے آپ ہی کو دیا تاکہ آپ کی مروت یعنی سعادت پر ممد و معاون ہو اور سعدیٰ بنت عوف کہتی ہیں کہ میں ایک روز حضرت طلحہؓ کی خدمت میں گئی آپ کو کچھ مکدر دیکھ کر پوچھا کہ کیا حال ہے فرمایا کہ میرے پاس کچھ مال جمع ہو گیا ہے اس کا تردد ہے میں نے کہا کہ تردد کی کیا بات ہے اپنی قوم کو بلوا کر بانٹ دو آپ نے غلام کو بھیج کر سب کو بلوایا اور مال تقسیم کر دیا میں نے خادم سے پوچھا کہ کس قدر تھا کہا کہ چار لاکھ درم تھے اور ایک اعرابی نے انہیں حضرت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا اور اپنی قرابت بھی کچھ بیان کی آپ نے فرمایا کہ مجھ سے قرابت کی وجہ سے آج تک کسی نے نہیں مانگا تھا میرے پاس ایک قطعہ زمین ہے جس کے حضرت عثمانؓ تین لاکھ درم دیتے ہیں اگر چاہے تو وہ زمین لے لے ورنہ اس کا دام تجھ کو دے دوں اس نے دام ہی طلب کیا آپ نے وہ زمین حضرت عثمانؓ کو دے کر قیمت مذکورہ حوالہ کی اور روایت ہے کہ ایک روز حضرت علی مرتضیٰؓ روئے لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا

آپ نے فرمایا کہ سات روز سے میرے یہاں کوئی مہمان نہیں آیا مجھے یہ ڈر ہے کہ خدا تعالیٰ نے کہیں مجھے ذلیل تو نہیں کیا اور ایک شخص اپنے دوست کے دروازے پر گیا اور دستک دی اس نے پوچھا کہ آپ کیسے آئے کہا کہ میرے ذمہ چار سو درم ہیں اس نے چار سو درم تول کر حوالہ کیئے اور گھر میں روتا ہوا آیا بیوی نے کہا کہ اگر تم کو ان درموں کا دینا شاق تھا تو نہ دیئے ہوتے اس نے کہا کہ میں اس لئے روتا ہوں مجھ کو اس کا حال بدون اس کے کہے نہ معلوم ہوا میں اگر خود جویار رہتا تو اس کے مانگنے کی کیوں حاجت پڑتی۔

بخل کی مذمت۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے[ن۱] ومن یوق شح نفسہ فاولٰئک ھم المفلحون اور فرمایا[ن۲] ولا تحسبن الذی یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ تا یوم القیمۃ ط اور فرمایا[ن۳] الذین یبخلون و یامرون الناس بالبخل - - - - ط اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[ح۱] ایاکم والشح فانہ اھلک من کان قبلکم حملھم علی ان یسفکوا دمائھم ویستحلوا محارمہم اور ایک حدیث میں فرمایا بخل سے بچو اس لیئے اسی کے باعث تم سے پہلے لوگ خونریزی اور حرام چیزوں کے حلال جاننے اور قطع ارحام میں مبتلا ہوئے اور فرمایا۔ لا یدخل الجنۃ بخیل ولا خب ولا خائن ولا سیئ الملکۃ[ح۲] اور بعض روایتوں میں ولا جبار ولا منان بھی آیا ہے اور فرمایا۔ ان اللہ یبغض ثلثۃ الشیخ الزانی البخیل المنان اور فرمایا ثلث مھلکات شح مطاع وھوی متبع واعجاب المرء بنفسہ[ح۳] اور فرمایا کہ خرچ کرنے والے اور بخیل کی مثال ایسی ہے دو شخصوں کے بدن پر دو کرتے لوہے کے ہوں چھاتی سے لے کر چیز گردن تک خرچ کرنے والا جس قدر خرچ کرتا جاتا ہے وہ کرتا پھیلتا جاتا ہے اور کڑیاں ڈھیلی ہوتی جاتی ہیں یہاں تک کہ انگلیوں تک پہنچ جاوے اور بخیل جتنا خرچ میں بخل کرتا ہے اتنا ہی اس کرتے کی سکڑتی ہیں اور جہاں کی تہاں گڑ جاتی ہیں ہوتے ہوتے جب گلا دبنے لگتا ہے تو پھیلنا چاہتا ہے مگر پھیل نہیں سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا مانگا کرتے

ن۱ جو بچایا گیا اپنے جی کی لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے ۱۲ ن۲ اور نہ سمجھیں جو لوگ بخل کرتے ہیں ایک چیز پر کہ اللہ نے دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بہتر ہے ان کے حق میں بلکہ یہ برا ہے ان کے واسطے آگے طوق پڑے گا ان کے جس پر بخل کیا تھا دن قیامت کے ۱۲ ن۳ اور سکھاتے ہیں بخل لوگوں کو اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے ۱۲ ح۱ بچو تم بخل سے کہ اس نے تم سے پہلوں کو ہلاک کیا ان کو اس بات پر ابھارا کہ اپنے خون بہا دیں اور اللہ کی حرام چیزوں کو حلال سمجھیں ۱۲ ابوداؤد اور نسائی و بروایت عبداللہ بن عمر باختلاف مسلم بروایت جابرؓ ۱۲ ح۲ نہیں داخل ہوگا جنت میں بخیل نہ مکار نہ خیانت کرنے والا نہ بدخلق ۱۲ ترمذی واحمد بروایت ابوبکر صدیقؓ ۱۲ ح۳ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں بخل اطاعت کیا گیا اور خواہش نفس جس آدمی کا پیرو ہو اور بڑا جاننا آدمی کا اپنے نفس کو باب العلم میں گذری ۱۲ ح اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے بغض رکھتا ہے اول بوڑھے زناکار دوم بخیل منت رکھنے والے سوم فقیر متکبر سے ۱۲ ترمذی و نسائی بروایت ابوذر اور اس میں بخیل المنان نہیں ہے ۱۲ ح۸ الٰہی میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے بخل سے اور پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے نامردی سے اور پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اس بات سے کہ پھیرا

اللھم انی اعوذبک من البخل واعوذ من الجبن واعوذبک ان ارد الی ارذل العمر[1] ایک اور حدیث میں ہے کہ ظلم سے بچو اس لئے کہ ظلم قیامت میں اندھیرا بن جاوے گا۔ اور فحش سے بچو کیونکہ خدا تعالیٰ کو فاحش اور تفحش دونوں ناپسند ہیں اور بخل سے بھی بچنا چاہیئے کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا ان کو بخل نے جھوٹ بولنے کو کہا تو جھوٹ بولے ظلم کرنے کو کہا تو ظالم ہوئے قطع رحم کے لئے ابھارا تو ویسے ہی ہو گئے اور ایک حدیث میں ہے[2] شر ما فی الرجل شح ھالع وجبن خالع۔ اور ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں شہید ہوا تو ایک عورت نے اس کو روتے ہوئے کہا ہائے میرے شہید آپ نے فرمایا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ شہید ہے شاید اس نے کلام بے فائدہ کیا ہو یا ایسی چیز پر بخل کیا ہو جو دینے سے کم نہ ہوتی[3] اور حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین سے پھرنے کے وقت ہم ہمراہ رکاب جناب رسالت مآبؐ چلے آتے تھے کہ اثناء راہ میں چند عرب آپ کے گرد ہوئے اور کچھ مانگنے لگے اور یہاں تک مضطر کیا کہ آپ ایک ببول کے درخت کی طرف ہو گئے تو چادر اس میں الجھ گئی آپؐ نے ٹھہر کر ارشاد فرمایا کہ میری چادر مجھے دیدو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان کانٹوں کے عدد کے موافق میرے پاس چوپائے ہوں تو میں تمہیں دے ڈالوں پھر نہ تم مجھ کو بخیل پاؤ نہ جھوٹا اور نہ نامرد اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مال تقسیم کیا میں نے عرض کیا کہ ان سب لوگوں کی نسبت اور لوگ اس مال کے زیادہ مستحق تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کی طرف سے مجھے ان دو باتوں میں اختیار ہے یا تو برا بھلا کہہ کر مانگ لیں یا مجھ کو بخیل کہیں مگر میں بخل نہیں کرتا یعنی بخیل نہ کہلانے پر ان کی سخت گوئی پر صبر کرتا ہوں اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ دو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اونٹ کا مول مانگا آپ نے ان کو دو دینار دیئے جب وہ آپ کے پاس سے نکلے تو حضرت عمرؓ ان کو ملے انہوں نے حضرت کی تعریف کی اور شکریہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے خدمت رسالت مآبؐ میں حاضر ہو کر پوچھا جو کچھ ان کا قول سنا تھا عرض کیا آپ نے فرمایا انہوں نے باوجود قلت دہش کے ایسا کہا لیکن فلاں شخص کو میں نے دس سے زیادہ اور سو سے کم دیئے ہوں گے مگر اس نے کچھ بھی نہ کہا تم میں سے بعض شخص مانگنے آتے ہیں مگر جب مانگی مراد بغل میں داب کر جاتے ہیں گویا دوزخ کی آگ بغل میں ہوتی ہے حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ پھر جو چیز دوزخ کی آگ ہے وہ آپ کیوں دیتے تھے آپ نے فرمایا کہ وہ بدون

ح[1] حاکم بروایت عبداللہ بن عمر لیکن اس جگہ جھوٹ بولنے کو کہا الخ بخل، اور فجور نقل کیا ہے اور مسلم بروایت جابر اور الفاظ سے مروی ہے اور اس میں فحش کا ذکر نہیں بری چیز جو آدمی میں ہے بخل فاحش اور سخت نامردی ہے ۱۲ ابو داؤد بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ ح[3] بیہقی در شعب بروایت انس با ندک اختلاف و ابو یعلی بروایت ابو ہریرہ بسند ضعیف اور ترمذی نے کیا ہے اس میں یہ ہے کہ ایک شخص نے اس شہید کو کہا کہ تجھ کو جنت کی بشارت ہو ۱۲ ع حاکم بروایت ابو ہریرہ ۱۲ ھ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲۔

مانگے نہیں مانتے اور بخل کو میرے اوپر خدا تعالیٰ نہیں مانتا اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے تم جود کرو کہ خدا تعالیٰ تم پر جود کرے جان رکھو کہ خدا تعالیٰ نے بخشش کو ایک درخت کی صورت پر پیدا کیا اور اس کی جڑ درخت طوبیٰ کی جڑ میں مستحکم کی اور اس کی ٹہنیوں کو سدرۃ المنتہیٰ کی شاخوں میں بستہ کیا اور بعض ٹہنیوں کو دنیا میں لٹکا دیا پس جو شخص اس کی شاخ سے لپٹ گیا جنت میں داخل ہوا جان رکھو کہ سخاوت ایمان میں سے ہے اور ایمان جنت میں جاوے گا اور خدائے تعالیٰ نے بخل کو اپنے غضب سے پیدا کیا اس کی جڑ دوزخ کے درخت زقوم یعنی سیہڑ کی جڑ میں داخل ہے اور اس کی کچھ ٹہنیوں کو دنیا میں جھکا دیا جو کوئی اس کی شاخ پکڑ لیتا ہے دوزخ میں جاتا ہے یاد رکھو کہ بخل کفر کا ٹکڑا ہے اور کفر دوزخ میں جلے گا اور ایک حدیث میں ہے کہ سخاوت وہ درخت ہے جو جنت میں اگتا ہے پس جنت میں وہی داخل ہوگا جو سخی ہوگا اور بخل وہ درخت ہے جو دوزخ میں جمتا ہے تو دوزخ میں وہی داخل ہوگا جو بخیل ہوگا اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی لحیان کے قاصدوں سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا سردار جد بن قیس ہے مگر وہ ایسا شخص ہے کہ تھوڑا سا بخل رکھتا ہے آپ نے فرمایا کہ بخل سے زیادہ روگ کون سا ہوگا۔ تمہارا سردار وہ نہیں ہے بلکہ عمر بن جموع ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب انہوں نے اپنا سردار جد بن قیس کو بتلایا تو آپ نے پوچھا کہ تم اس کو کس وجہ سے سردار جانتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ اس کے پاس ہم سب سے زیادہ مال ہے مگر بایں ہمہ ہم اس کو متہم بخل کے ساتھ بھی کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ بخل سے زیادہ کون سا مرض ہے وہ تمہارا سردار نہیں ہے تب انہوں نے عرض کیا پھر ہمارا سردار کون ہے آپ ہی ارشاد فرمائیے آپ نے فرمایا تمہارا سردار بشر بن البراء ہے اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا[ح۱] ان اللہ یبغض البخیل فی حیاتہ السخی عند موتہ ط اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سخی گناہگار خدا کے نزدیک عابد بخیل سے اچھا ہے اور یہ حدیث بھی انہیں سے مروی ہے[ح۳] کہ بخل اور ایمان کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہوتے اور یہ بھی فرمایا کہ دو عادتیں ایماندار میں جمع نہیں ہوتی[ح۴] بخل اور بد خلقی اور فرمایا[ح۵] لا ینبغی لمومن ان یکون بخیلاً ولا جباناً ط۔ اور فرمایا تم میں سے کہنے والے یوں کہتے ہیں کہ بخیل بہ نسبت ظالم کے معذور ہے حالانکہ خدا کے نزدیک بخل سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں خداوند کریم اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرماتا ہے

ح۱ اللہ تعالیٰ برا جانتا ہے اس کو جو بخیل ہو اپنی زندگی میں سخی ہو مرنے کے وقت ۱۲ ابو منصور نے اس کو بیان کیا ہے مگر مجھے اس کی سند نہیں ملی ۱۲ ح۲ ترمذی نے نقل کی ہے مگر اس کی سند میں اختلاف ہے ۱۲ ح۳ ترمذی بروایت ابوسعید ۱۲ ح۵ کسی ایماندار کو نہ چاہیئے کہ وہ بخیل یا نامرد ہو اس کی سند ان الفاظ سے نہیں ملی ۱۲ ح۳ یہ حدیث بتمامہ نہیں ملی اور بخل کا جنت میں نہ جانا ترمذی میں بروایت ابوبکر صدیق منقول ہے۔ ۱۲ ح۲ یہ حدیث باطل ہے اس کی کچھ اصل نہیں ۱۲

کہ نہ بخیل جنّت میں جاوے گا اور نہ شحیح یعنی جو شخص کہ اپنا مال اوروں سے روکے اور نہ وہ شخص کہ غیروں کو دیتے دیکھ کر جلے اور ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار طواف خانہ کعبہ کرتے تھے دیکھا کہ ایک شخص پردہ کعبہ سے لگا ہوا کہہ رہا ہے کہ الٰہی بحرمت اس خانہ کے میرا گناہ معاف فرما آپ نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا گناہ ہے مجھ سے بیان کر اس نے عرض کیا کہ میری خطا بیان سے زیادہ ہے آپ نے فرمایا کہ تیری خطا زیادہ ہے یا زمین بہمہ طبقات اس نے کہا کہ میری خطا زیادہ ہے پھر پوچھا کہ تیری خطا زیادہ ہے یا پہاڑ عرض کیا کہ میری خطا زیادہ ہے پھر پوچھا تیرا قصور زیادہ ہے یا سمندر اس نے عرض کیا کہ میرا قصور زیادہ ہے پھر پوچھا تیرا گناہ بڑھ کر ہے یا سب آسمان عرض کیا کہ میرا گناہ بڑھ کر ہے پھر پوچھا کہ تیری تقصیر زیادہ ہے یا عرش اس نے کہا کہ میری تقصیر پھر پوچھا کہ تیرا گناہ زیادہ ہے یا خداوند کریم اس نے عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ بہت بڑا ہے آپ نے فرمایا کہ تیرا برا ہو اس کو مجھ سے بیان کر اس نے عرض کیا یارسول اللہ میں مالدار آدمی ہوں مگر جب سائل مانگنے آتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا شعلہ آگ کا میرے سامنے ہے آپ نے فرمایا تو مجھ سے علیحدہ ہو اپنی آگ سے مجھے مت جلانا قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے مجھ کو ہدایت اور کرامت کے ساتھ بھیجا ہے اگر تو رکن اور مقام کے درمیان کھڑے ہو کر دس لاکھ برس نماز پڑھے پھر اتنا روئے کہ تیرے آنسوؤں سے نہریں بہہ نکلیں اور درخت سیراب ہو جاویں اور پھر بخل کی حالت میں تیری موت ہو تو خداوند کریم تجھ کو اوندھے منہ منہ دوزخ میں ڈالے گا تیرا برا ہو کیا تجھے معلوم نہیں کہ بخل کفر کا ایک حصہ ہے اور کفر دوزخ میں رہے گا کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ آثار حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت عدن پیدا کی تو اس کو ارشاد فرمایا کہ تو مزین ہو وہ آراستہ ہوئی پھر فرمایا کہ اپنی نہریں ظاہر کر اس نے چشمہ سلسبیل اور عین کافور اور آب تسنیم نکالے جن سے باغہائے جنت سے شراب اور شہد اور دودھ کی نہریں بہنے لگیں پھر ارشاد ہوا اپنی کرسی تخت چھپر کھٹ زیور لباس و حور عین ظاہر کر اس نے تعمیل ارشاد کی پھر خدا تعالیٰ نے اس کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ کچھ بول وہ بولی کہ جو شخص مجھ میں رہے گا وہ کیا اچھا ہو گا ارشاد ہوا کہ قسم ہے اپنی عزت کی بخیل کو تجھ میں جگہ نہ دوں گا ۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بہن کا قول ہے کہ تف ہے بخیل پر اگر بالفرض بخل کرتہ ہوتا تو میں کبھی نہ پہنتی اور اگر راستہ ہوتا تو کبھی نہ چلتی اور طلحہ بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو اپنے مال پر وہی صورت پیش ہوتی جو بخیلوں کو پیش آتی ہے مگر یہ فرق ہے کہ ہم صبر کرتے ہیں اور محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ پہلے یوں مشہور تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی برائی چاہتا ہے تو ان پر ان میں سے بروں کو حاکم کر دیتا ہے اور ان کا رزق ان کے بخیلوں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور حضرت علیؓ نے اپنے خطبہ

---

[1] اور کوئی جو نہ دے گا سو نہ دے گا آپ کو ۱۲۔

میں فرمایا کہ عنقریب لوگوں پر ایک وقت ایسا آوے گا کہ ایماندار اپنے مال کو دانتوں سے پکڑے گا حالانکہ اس کا حکم اس کو نہیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا تنسوا الفضل بینکم[1] اور حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ شح بہ نسبت بخل کے زیادہ سخت ہے اس لئے کہ شحیح دوسرے کے مال پر بخل کرتا ہے لیکن یہ چاہتا ہے کہ خود لے لے اور اپنا مال بھی نہیں دیتا اور بخیل وہی ہے جو اپنے مال پر بخل کرتا ہے اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ جھوٹ اور بخل میں سے کونسا دوزخ میں زیادہ نیچے جاوے گا اور روایت ہے نوشیرواں عادل کے پاس دو حکیم ہند اور روم کے آئے اس نے ہندی حکیم سے کہا کہ کچھ کہو اس نے کہا کہ آدمیوں میں سے بہتر وہ ہے جو ملاقات میں سخی ہو اور غصہ میں ہوشیار اور کہنے میں متامل اور رفعت میں تواضع کرنے والا اور سب قرابت والوں پر شفقت کرنے والا پھر حکیم رومی نے کہا کہ بخیل کا مال اس کے دشمن کو پہنچتا ہے اور جو شخص شکر گزار کم ہے اس کا مطلب نہیں ملتا اور دروغگو مذموم ہوتے ہیں اور چغلخور فقیر ہو کر مرتے ہیں اور جو شخص کسی دوسرے پر رحم نہیں کرتا خدا تعالیٰ اس پر ایسے کو مسلط کرتا ہے جو اس پر رحم نہ کرے اور ضحاکؒ نے اس آیت یعنی[2] انا جعلنا فی اعناقھم اغلالاً۔ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اغلال سے غرض بخل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے روک دیا ہے تو ان کو راہ ہدیٰ نہیں سوجھتی اور حضرت کعبؒ فرماتے ہیں کہ ہر صبح کو دو فرشتے یوں پکارتے ہیں الٰہی بخیل کا مال جلدی تباہ کر اور خرچ کرنے والے کے لیئے جلد اس کا عوض بھیج اور اصمعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی کو سنا ہے کہ وہ ایک شخص کی صفت کہتا تھا یعنی یوں کہا کہ فلاں شخص میری نظروں میں حقیر ہو گیا بایں وجہ کہ دنیا اس کی نظروں میں بڑی ہے اور سائل کا سامنے آنا اس کو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا ملک الموت آیا اور حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں کسی بخیل کو عادل نہیں جانتا اس لئے کہ بخل کے مارے آدمی اپنے حق سے زیادہ لیا کرتا ہے اس خوف سے کہ کہیں خسارہ میں نہ رہوں پس جس کا حال یہ ہو وہ امانت کے قابل نہیں ہے اور حضرت علیؓ کا قول ہے کہ واللہ کریم آدمی کبھی اپنا حق کامل نہیں لیتا چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عرف بعضہ واعرض عن بعض[3]... اور جاحظ رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ لذات میں صرف تین چیزیں باقی ہیں بخیلوں کو برا کہنا اور بھنا گوشت کھانا اور خارش کا کھجلانا اور بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ بخیل کی غیبت کرنی غیبت میں شمار نہیں ہوتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا تھا۔ انک اذا البخیل۔ یعنی تو اس صورت میں بخیل کو بخیل کہنا اس حدیث سے جائز ہوا اور ایک عورت کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوئی کہ روزہ دار اور شب بیدار ہے مگر اس میں بخل بھی ہے آپ نے فرمایا کہ تو پھر اس میں کچھ خیر نہیں اور بشرؒ کا

---

[1] اور مت بھولو بڑھتی کو آپس میں ۱۲ [2] ہم نے ڈالے ہیں ان کی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک ۱۲ [3] جتائی نبی نے ان میں کچھ اور ٹلا دی کچھ ۱۲۔

قول ہے کہ بخیل کی طرف دیکھنے سے دل سخت ہوتا ہے اور بخیلوں کی ملاقات سے ایمانداروں کے دل پر کرب ہوتا ہے اور یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ دل سخیوں کی دوستی ہی چاہتا ہے گو وہ بدکار ہی ہوں اور بخیلوں سے دل پر نفرت ہی آتی ہے گو وہ نیک ہی ہوں اور ابن معتزؒ کا قول ہے کہ جو شخص سب لوگوں میں مال کا زیادہ بخل کرتا ہے وہ آبرو اپنی سب سے زیادہ دیتا ہے اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام ایک دن شیطان لعین سے ملے اور اس سے فرمایا کہ مجھ کو یہ بتا کہ لوگوں میں تیرے نزدیک زیادہ محبوب کون ہے اور زیادہ ناپسند کون ہے اس نے عرض کیا کہ زیادہ تر محبوب، تو مومن بخیل ہے اور زیادہ ناپسندیدہ بدکار سخی آپ نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کیا کہ اس لئے کہ بخیل تو اس کا بخل ہی کافی ہے میری کچھ ضرورت نہیں اور جو سخی بدکاری کرتا ہے تو مجھے خوف رہتا ہے کہ کہیں سخاوت کی وجہ سے خدا تعالیٰ اس پر توجہ فرمائے اور پھر وہ میرے بس کا نہ رہے مقبول خدا ہو جاوے پھر ابلیس یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ اگر تم سخی نہ ہوتے تو ہرگز نہ بتلاتا۔ **بخیلوں کی حکایات** روایت ہے کہ بصرہ میں ایک بخیل مالدار تھا کسی ہمسایہ نے اس کی دعوت کی اور قیمہ انڈوں کے ساتھ پکا ہوا سامنے رکھا بہت سا کھا گیا اور پھر پانی بار بار پینے لگا یہاں تک کہ پیٹ پھول گیا اور کرب کے مارے مرنے اور پیچ و تاب کھانے لگا۔ جب بہت برا حال ہوا تب اس کی کیفیت طبیب سے بیان کی گئی طبیب نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں قے کر ڈال اس نے جواب دیا کہ مجھے مرنا قبول ہے مگر جو غذا عمدہ میں نے کھائی ہے وہ کبھی قے نہ کروں گا اور روایت ہے ایک اعرابی کسی شخص کی تلاش میں نکلا وہ انجیر کھا رہا تھا جس کو عربی میں تین کہتے ہیں جب اعرابی کو دیکھا اس کو چادر تلے چھپا دیا پھر اعرابی سے کہا کہ تم کچھ قرآن شریف میں سے پڑھو اس نے کہا کہ بہتر اور پڑھا۔ والزیتون وطور سینین ط۔۔ اس نے کہا کہ اس کے شروع سے والتین کہاں گیا اعرابی نے جواب دیا وہ آپ کی چادر کے تلے ہے اور ایک شخص نے کسی برادر کو بلایا اور کچھ نہ کھلایا عصر کے وقت تک جانے بھی نہ دیا یہاں تک کہ بہت بھوک لگی اور باؤلا سا ہو گیا پھر صاحب خانہ ستار لے کر بیٹھا اور مہمان سے کہا کہ تجھے میری قسم کون سی آواز تجھے پسند ہے اس نے کہا کہ مجھے گوشت کے بھننے کی آواز ہے اور حکایت ہے کہ محمد بن یحییٰ برمکی بخیل اور بدصورت تھا کسی شخص نے اس کے رشتہ دار سے جس سے اس کو کمال الفت تھی اس کے دسترخوان کا حال پوچھا اس نے کہا کہ اس کا دسترخوان چار انگشت مکسر ہو گا اور پیالے ایسے چھوٹے ہیں کہ گویا خشخاش کھود کر بنائے ہیں اس نے کہا کہ ایسے دسترخوان پر کون لوگ کھاتے ہیں اس نے کہا کراماً کاتبین کھاتے ہیں پھر پوچھا کہ محمد بن یحییٰ کے ساتھ کوئی کھاتا ہے یا نہیں اس نے کہا کہ مکھیاں البتہ کھاتی ہیں اور کہا تم تو ان کے مخصوصوں میں ہو یہ کیا بات ہے کہ تمہارے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں اس نے جواب دیا مجھے سوئی میسر نہیں کہ اس سے درست کروں اور زیادہ تو کیا کہوں اگر بالفرض محمد بن یحییٰ کا ملک

نؔا قسم ہے زیتون کی اور طور سینین کی ۱۲۔

میں ایک کوٹھا بغداد سے لے کر نوبہ تک لمبا سوئیوں کا بھرا ہوا ہو اور حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت جبرئیل و میکائیل کے ساتھ اگر اس کوٹھے میں سے ایک سوئی حضرت یوسف علیہ السلام کے پیراہن ٹانکنے کے لئے جو پیچھے سے پھٹ گیا تھا مانگیں تو محمد بن یحییٰ کبھی نہ دے گا اور روایت ہے کہ مروان ابن ابی حفصہ بخل کے مارے گوشت نہ کھاتا جب بہت جی چاہتا تو غلام سے کہتا کہ ایک سری مول لے اسی کو کھا لیتا لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تم جاڑے اور گرمی میں ہمیشہ سری ہی کھاتے ہو اس نے کہا کہ وجہ یہ ہے کہ سری کا نرخ مجھے معلوم ہے تو اس میں غلام خیانت نہیں کر سکتا۔ اور مجھے خسارہ نہیں دے سکتا اس کے سوا گوشت اگر ہو تو وہ پکانے کے وقت اس میں سے نکال کر کھا سکتا ہے سری میں سے یہ بات بھی مفقود ہے اس میں سے اگر آنکھ یا کان یا رخسار کو ہاتھ بھی لگا دے گا تو مجھے معلوم ہو جائے گا اور باایں ہمہ مجھے کئی طرح کا مزہ اس میں ملتا ہے آنکھ کا مزہ اور ہے اور کانوں کا اور زبان کا ذائقہ جدا ہے اور گدی اور مغز کا جدا پھر پکانے کے وقت سے بچا رہتا ہوں اتنے فائدے ہیں اور ایک روز وہی شخص خلیفہ مہدی کے پاس جاتا تھا اس کے گھر کی کسی عورت نے کہا کہ اگر تم کو انعام ملے گا تو مجھے کیا دو گے اس نے کہا کہ اگر لاکھ درم ملیں گے تو ایک تجھے دوں گا وہاں سے ساٹھ ہزار ملے۔ تو اسی حساب سے درم کے تین خمس دیئے اور ایک دفعہ ایک درم کا گوشت خریدا اس کے بعد کسی نے اس کی دعوت کر دی تو گوشت کو قصائی کے حوالے کیا اور درم کی چوتھائی مجرا دی اور کہا کہ مجھے اسراف برا معلوم ہوتا ہے اور حضرت اعمشؒ کا ایک ہمسایہ بخیل تھا اور ہمیشہ آپ سے کہا کرتا کہ میرے گھر چل کر آپ ٹکڑا روٹی کا نمک کے ساتھ نوش فرمائیں آپ انکار کر دیا کرتے اور ایک روز جو حسب دستور عرض کیا اس وقت ان کو بھوک بھی تھی فرمایا کہ اچھا چلو کر اور گھر میں لا کر واقع میں ایک ٹکڑا روٹی کا اور نمک سامنے رکھ دیا اتنے میں ایک سائل آیا اور صاحب خانہ نے کہا کہ برکت ہے اس نے دوبارہ سوال کیا پھر جواب دیا اس نے تیسری بار سوال کیا تو کہا چل دے ورنہ لاٹھی لیکر نکلتا ہوں حضرت اعمش نے اس کو پکار کر کہا کہ شاہ جی چلے جاؤ بخدا کہ وہی صاحب خانہ وعدہ کا بڑا پکا ہے میں نے کوئی اس سے سچا نہیں دیکھا مدت سے مجھ سے کہتا تھا کہ ٹکڑا روٹی کا مع نمک کے کھاؤ آج بخدا کہ کچھ زیادہ ان دونوں چیزوں سے میرے سامنے نہیں رکھا۔

ایثار اور اس کے فضائل

واضح ہو کہ سخاوت اور بخل کے بہت سے درجات ہیں سخاوت کے درجات میں سب سے زیادہ ایثار ہے یعنی باوجود اپنی حاجت کے مال دے ڈالے اور سخاوت اس کا نام ہے کہ جس چیز کی اپنے آپ کو حاجت نہ ہو اس کو کسی محتاج یا غیر محتاج کو دے دے اور حاجت کے ہوتے دوسرے کو دے دینا نہایت مشکل ہے اور جس طرح کہ سخاوت اس درجہ پر پہنچتی ہے کہ آدمی اپنی چیز باوجود حاجت دوسرے کو دے اسی طرح بخل بھی کبھی ایسے رتبہ کو پہنچتا ہے کہ انسان اپنا مال باوجود حاجت کے بھی اپنے نفس پر خرچ نہ کرے مثلاً بعض بخیل مال کو اس طرح روکتے

ہیں کہ اگر خود بیمار ہو جاویں تو دوا نہ کریں یا اور کسی طرح کی خواہش دل میں ہو کھانے یا پینے کی تو مول لے کر نہ کھاویں۔ مفت کی مل جائے تو کھالیں پس ایسا شخص باوجود حاجت کے اپنے نفس کے ساتھ بخل کرتا ہے اور ایثار والا اپنے نفس پر باوجود حاجت کے دوسرے کی حاجت کو مقدم سمجھتا ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ ان دونوں شخصوں میں کتنا فرق ہے اخلاق خدا کی نعمت ہے جہاں چاہیئے وہاں رکھ دیتا ہے سخاوت میں ایثار کے اوپر کوئی درجہ نہیں قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کی تعریف اسی ایثار پر فرمائی۔ ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ۔ اور حدیث شریف میں ہے ایما امرء اشتہی فرد شہوتہ واثر علی نفسہ غفرلہ ط۔ اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تین دن برابر پیٹ بھر کے کھانا نہ کھایا یہاں تک کہ دنیا سے علیحدہ ہوئے اور اگر ہم چاہتے تو پیٹ بھر کر کھالیا کرتے مگر الامہاجرین کا پیٹ بھرنا اپنے نفسوں سے مقدم سمجھتے تھے اور ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا آپ کے گھر میں اس وقت کچھ نہ تھا اتنے میں ایک شخص انصار سے وہاں آئے اور اس مہمان کو اپنے ساتھ لے گئے گھر میں جا کر کھانا ان کے سامنے رکھ دیا اور گھر والی سے کہا کہ چراغ گل کر دے اور اندھیرے میں اپنا ہاتھ بھی کھانے کی طرف بڑھاتے گئے گویا ساتھ کھاتے ہیں واقع میں کھاتے نہیں تھے یہاں تک کہ مہمان نے سب کھانا کھالیا جب صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم نے رات کو جو معاملہ مہمان کے ساتھ کیا وہ خداوند کریم کو بہت پسند آیا اور یہ آیت اتری۔ ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ۔ غرضکہ سخاوت اللہ تعالیٰ کے اخلاق میں سے ایک کا نام ہے اور اس کے اعلیٰ درجے کا نام ایثار ہے جو کہ روزمرہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خلق کو یوں فرمایا۔ انک لعلی خلق عظیم ط اور سہیل تستری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ الٰہی مجھ کو بعض درجات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دکھا دے اور ان کی امت کے دکھا دے حکم ہوا کہ اے موسیٰ تجھ کو تاب نہ ہوگی مگر الا ایک بار مرتبہ عظیم تجھے دکھلا دیتا ہوں جس کے باعث اس کو تجھ پر اور تمام خلق پر میں نے فضیلت دی ہے پھر ایک دفعہ ہی عالم ملکوت کا پردہ اٹھا لیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو آپ کا ایک درجہ دیکھا تو انوار تجلی اور قرب الی اللہ سے گویا ان کی جان نکلی باقی تھی سبحان اللہ۔ موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات، تو عین ذات می نگری در تبسمی۔ روحی فداک یا رسول اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی کس وجہ سے اور کون سی خصوصیت سے ان

؎ باب آفات زبان میں گذری ۱۲ ع فی اصل من اسفے سبحہا الی وجد یعنی سخی پایا جاوے ۱۲ ع کسی بخیل کو گواہ عادل کہتا میرے نزدیک جائز نہیں ہے اصل کا یہ مضمون ہے ؎ اور اول رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر بھوک ۱۲ ؎ جس شخص کو کوئی خواہش ہوئی اور اس نے اس کو روک دیا اور اپنے نفس پر چھوڑ کر دوسرے کو دینا اختیار کیا اس کی مغفرت ہوگی ابن حبان بروایت عمر لبسند ضعیف۔ باقی صفحہ آئندہ پر۔ ۱۲۔

کو یہ بزرگی عنایت ہوئی ارشاد ہوا کہ ایک عادت کے سبب جس کو میں نے اس میں رکھی ہے اوروں کو عنایت نہیں کی یعنی ایثار کی وجہ سے یہ رتبہ ملا ہے اے موسیٰ اگر کسی شخص نے کبھی اپنی عمر میں ایثار پر عمل کیا ہوگا جب وہ میرے پاس آوے گا تو مجھ کو اس کے حساب لینے سے شرم آوے گی بے حساب اس کو جنت میں جہاں وہ چاہے گا جگہ دوں گا اور روایت ہے حضرت عبداللہ بن جعفر اپنی کسی زمین کو دیکھنے نکلے راہ میں کسی باغ میں ٹھہرے کہ وہاں ایک غلام حبشی کام کر رہا تھا جب اس غلام کا کھانا آیا اور اسی وقت ایک کتا بھی اسی احاطہ میں گھس کر غلام کے پاس چلا آیا اس نے ایک روٹی اس کو دے دی جب کھا چکا تو دوسری بھی دے دی پھر تیسری دیدی اسی طرح اپنی کل غذا اس کو کھلا دی حضرت عبداللہ بیٹھے دیکھا کئے پھر اس غلام سے پوچھا کہ تیری غذا ہر روز کس قدر ہے اس نے عرض کیا کہ اسی قدر ہے جو آپ نے دیکھی فرمایا کہ پھر سب کی سب تو کتے کو کیوں کھلا دی آپ کیوں نہ کھائی اس نے عرض کیا کہ یہاں کوئی کتا نہیں رہتا معلوم ہوتا ہے یہ کتا مسافر ہے دور سے یہاں آیا تھا اور بھوکا تھا مجھ کو اس کا بھوکا رہنا اور اپنا شکم سیر ہونا برا معلوم ہوا آپ نے فرمایا کہ پھر دن بھر کیا کھاوے گا اس نے عرض کیا کہ فاقہ کرونگا۔ پھر آپ نے سوچا کہ میں اس کو سخاوت پر ملامت کر رہا ہوں یہ تو مجھ سے زیادہ سخی ہے پس آپ نے اس باغ اور غلام اور وہاں کے اسباب کو خرید کر اس غلام کو آزاد کر دیا اور وہ باغ اس کو ہبہ کر دیا اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک اصحابی کے پاس کسی نے ایک بکری کی سری ہدیہ بھیجی انہوں نے یہ خیال کر کے کہ میری نسبت فلاں بھائی محتاج زیادہ ہے وہ سری دوسرے کے پاس بھیجدی انہوں نے بھی اسی تصور سے تیسرے کے پاس بھیجی اسی طرح وہ سات گھر پھری یہاں تک کہ اصل مالک کے پاس جس نے اول بھیجی تھی پہنچ گئی سبحان اللہ کیا ایثار تھا روایت ہے کہ جس رات یعنی شب ہجرت حضرت علی مرتضیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے تو خدائے تعالیٰ نے حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام کو ارشاد فرمایا کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ کر دیا اور تم دونوں میں سے ایک کی عمر زیادہ کی تو بتاؤ کہ تم میں کون سا کم زندگی چاہتا ہے اور زیادہ حیات دوسرے کے واسطے پسند کرتا ہے دونوں نے یہی چاہا کہ میری عمر زیادہ ہو۔ یعنی ایثار کا مضمون کسی نے پسند نہ کیا ارشاد ہوا کیا تم دونوں حضرت علیؓ کے موافق بھی نہ ہوئے کہ میں نے ان میں اور اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بھائی چارہ کیا تو آج رات اس کے بچھونے پر اس کی جان کے بدلے اپنی جان فدا کرتا ہے اور اس کا جینا اپنے جینے پر مقدم سمجھتا ہے اب تم زمین پر جاؤ اور علیؓ کی حفاظت اس کے دشمنوں سے کرو پس بموجب ارشاد کے حضرت جبرئیل ان کے سرہانے اور حضرت میکائیل ان کے پینتیانے کھڑے ہوئے حضرت جبرئیل فرماتے کہ واہ واہ اے فرزند ابوطالب تجھ سا آج کوئی

بقیہ اصل میں یوں ہے اگر عاریت مانگیں اور ضمانت کریں۔ ح۳ بیہقی در شعب باختلاف لفظ ۱۲ ح۴ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ۔ ح۵ اور نو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر ۱۲ .

نہیں کہ خدائے تعالیٰ تجھ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے پھر یہ آیت اتری۔[۱] ومن الناس من یشتری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ ط اور حضرت ابوالحسن انطاکیؒ کے پاس ایک بار کسی گانوں میں متصل رہنے کے تیس سے کچھ زیادہ آدمی جمع ہوئے ان کے پاس چند روٹیاں گنتی کی تھیں کہ سب کے شکم سیری کو کافی نہ تھیں پس روٹیوں کے ٹکڑے کرکے چراغ گل کر دیا اور کھانے کو بیٹھے جب کھانا بڑھایا تو معلوم ہوا کہ سب کا سب موجود ہے کسی نے کچھ نہیں کھایا ہر ایک نے یہی خیال کیا کہ دوسرا کھالے تو بہتر ہے اور روایت ہے کہ شعبہؒ کے پاس ایک سائل آیا آپ کے پاس کچھ موجود نہ تھا اپنے مکان کی ایک کڑی نکال کر اس کو دی اور معذرت کی اور حذیفہ عدوی کہتے ہیں کہ میں شام کے نواح میں یوم یرموک کو گیا مجھے اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش تھی کہ اگر ان میں کوئی سانس باقی ہو گی تو پانی پلا دوں گا اور منہ دھو دونگا اسی لیئے تھوڑا پانی لیتا گیا۔ جب معرکہ کی جگہ میں ڈھونڈھا تو ان کو زندہ پایا پوچھا کہ پانی پلا دوں اس نے اشارہ سے کہا کہ اچھا جب میں نے پلانا چاہا تو آہ کی آواز پاس سے آئی میرے چچا زاد بھائی نے اشارہ کیا کہ پہلے اس کو پلاؤ جب میں وہاں لے گیا تو دیکھا کہ ہشامؓ بن عاص ہیں میں نے پوچھا کہ پانی پلاؤں یہ سن ایک اور آہ کی آواز آئی حضرت ہشام نے اشارہ کیا کہ اول وہاں لے جاؤ جب میں اس شخص کے پاس گیا وہ مرچکا تھا وہاں سے پھر ہشامؓ کے پاس آیا وہ بھی انتقال کر گیا پھر اپنے چچا زاد بھائی کے پاس آیا تو ان کو بھی زندہ نہ پایا خدا تعالیٰ ان سب پر اپنا رحم کرے اور عباس بن دہقان کہتے ہیں کہ سوائے بشر بن الحارث کے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس طرح دنیا میں آیا ہو اسی طرح اٹھ جاوے بشر بن الحارث البتہ جیسے آئے تھے ویسے ہی گئے ان کی مرض موت میں ایک شخص آیا اور حاجت کا سوال کیا آپ نے اپنا کرتہ اتار کر اس کے حوالے کیا اور ایک شخص اور سے ایک کپڑا مانگ لیا اس میں انتقال ہوا اور بعض صوفیا روایت کرتے ہیں کہ ہم چند لوگ متفق ہو کر طرسوس کے باب جہاد سے باہر نکلے اور ایک کتا ہمارے ساتھ ہو لیا ہم باہر نکل کر ایک اونچی جگہ پر بیٹھ گئے وہاں سے متصل ایک مردار پڑا تھا کتے نے مردار کو دیکھ کر شہر کو مراجعت کی اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے پھر آتو بیس کتے اس کے ساتھ تھے وہ سب کے سب آتے ہی مردار پر جھک پڑے اور یہ کتا الگ بیٹھا ہوا دیکھتا رہا یہاں تک کہ گوشت مردار کا سب ختم ہو چکا اور ہڈیاں رہ گئیں جب شہر کے کتے کھا پی کر شہر کو چلے گئے تب اس کتے نے ان پسماندہ ہڈیوں کو چوڑنا شروع کیا اور انہیں سے اپنا شکم سیر کرکے چلا گیا اور جو احادیث کہ ایثار کے باب میں وارد ہیں مع حالات اولیاء کے ہم نے باب فقر و زہد میں لکھی ہیں یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں

سخاوت و بخل کی تعریف اور اُن کی حقیقت

یہ بات شرعی دلیلوں سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بخل مہلکات میں سے ہے لیکن انسان

[۱] احمد نے بروایت ابن عباسؓ مختصراً لکھا ہے اس میں ذکر جبرئیل اور میکائیل کا نہیں ہے۔ اور کوئی آدمی ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان تلاش کرتا ہے خوشی اللہ کی اور اللہ شفقت رکھتا ہے بندوں پر ۱۲۔

کون چیزوں سے بخیل منصور ہوتا ہے اور بخل کس شئے کا نام ہے یہ امر دقیق ہے اس لیئے کہ ہر انسان اپنے عندیہ میں اپنے کو سخی جانتا ہے حالانکہ غیروں کی نظروں میں بخیل ہوتا ہے یا ایک آدمی سے کوئی کام سرزد ہوا تو اس میں لوگوں کا قول مختلف ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ بخل ہے اور بعض کہتے ہیں یہ بخل نہیں علاوہ اس کے آدمی کا نفس مال کی محبت سے خالی نہیں اس محبت کے باعث مال کی حفاظت اور امساک کرتا ہے تو اگر صرف امساک ہی سے بخیل ہوا کرے تو اس سے کوئی بھی خالی نہیں اور اگر امساک سے بخل نہ ہو تو پھر بخل کے معنی کیا ہیں بخل تو امساک ہی کا نام ہے اس میں سے موجب ہلاک کونسا ہے اور سخاوت کی تعریف کیا ہے جس سے کہ آدمی سخی کہلاتا ہے اور سخاوت کا ثواب پاتا ہے پس اس باب میں اقوال مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ بخل اس کو کہتے ہیں کہ حق واجب کو نہ دے تو اس لحاظ سے جو شخص حقوق واجبہ اپنے ذمہ ادا کئے دیتا رہے وہ بخیل نہ ہوگا مگر یہ تعریف کافی نہیں اس لیئے مثلاً جو شخص قصائی سے گوشت یا نانبائی سے روٹی مول لاوے اور پھر اس کو کچھ کم دام پر واپس کر دے تو بالاتفاق بخیل کہلاتا ہے اسی طرح جو شخص اپنے اہل وعیال کو روزینہ مقرر دیوے ! — اگر ایک لقمہ بھی اس مقدار سے زیادہ چاہیں یا اور کوئی ادنیٰ چیز اس کے مال سے کھالیویں تو روادار نہ ہو وہ بھی بالاتفاق بخیل ہی گنا جاتا ہے علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی روٹی کھاتا ہو اور کوئی دوسرا شخص ایسا آوے کہ کھانے والے کو خیال ہو کہ میرے ساتھ بیٹھ جاوے گا اور نظر سے روٹی چھپاوے وہ بخیل ہی ہے حالانکہ تینوں مثالوں میں یہ نہیں ہے کہ کسی نے حق واجب نہ دیا ہو۔ بعضوں کا قول یہ ہے کہ بخیل وہ ہے جو دینے کو سخت جانے اور یہ تعریف بھی ناقص ہے کیونکہ اس سے یہ غرض ہے کہ سب قسم کا دینا اس پر سخت ہے تو بہت سے بخیل ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو تھوڑا سا دینا گراں نہیں گزرتا دانہ دو دانہ دے ڈالتے ہیں اور زیادہ دینا البتہ گراں گزرتا ہے اور اگر یہ غرض ہے۔ کہ بعض دہش سخت معلوم ہو تو یہ بات سخی میں بھی موجود ہے مثلاً اگر کسی کو سب مال یا اس کا اکثر دیوے تو البتہ گراں گزرے گا مگر اس سے وہ شخص بخیل نہیں کہلاوے گا اسی طرح سخاوت اور جود کے بیان میں اقوال مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ سخاوت اس کا نام ہے کہ بلا تامل حاجت پوری کرے اور بدون احسان جتانے کے کسی کو کچھ دے اور بعضوں کا قول ہے کہ جود اس دینے کو کہتے ہیں کہ بدون مانگے کسی کو دے اور یہ تصور کرے کہ تھوڑا دیا اور بعض یوں کہتے ہیں کہ سائل کو دیکھ کر خوش ہونا اور اپنے دینے سے فرحت ہونے کا نام جود ہے جب کبھی میسر ہو اور کچھ لوگ یہ فرماتے ہیں کہ مال کو اس خیال سے دینا کہ مال بھی خدا کا ہے اور بندہ بھی اسی کا تو بندہ خدا مال خدا دیتا ہے فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا اس کا نام جود ہے اور کچھ یوں کہتے ہیں کہ جو شخص کچھ مال تو دیدے

ف فی الاصل الطلقت یوم ایرموک الخ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جس روز یرموک کے میدان میں صحابہؓ اور بے شمار لوگ روم میں سخت قتال ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو فتح دی اسی روز میں کچھ پانی لے کر زخمیوں میں اپنے چچیرے بھائی کو ڈھونڈنے نکلا ۲ امیر علی عفی عنہ ۱۲۔

اور کچھ باقی رکھے وہ اہل سخاوت ہے اور جو زیادہ تو دے ڈالے اور تھوڑا سا اپنے لئے رکھ لے وہ اہل جود ہے
اور جو خود تکلیف اٹھاوے اور دوسرے کی تمنا پوری کرے وہ صاحب ایثار ہے اور جو کچھ بھی خرچ نہ کرے
وہ بخل والا ہے یہ تمام اقوال اس باب میں ہیں مگر حقیقت بخل وجود کی کسی سے صاف نہیں معلوم ہوتی اس لئے
ہم اس کو مفصل لکھتے ہیں اصل یہ ہے کہ مال ایک حکمت اور مقصود کے لئے پیدا ہوا ہے یعنی حاجات خلق کی درستی
کے لئے بنا ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ جس چیز میں اس کا صرف کرنا چاہیئے اس میں اس کا امساک کیا جائے
اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن اشیاء میں اس کا خرچ کرنا اچھا نہیں انہیں میں اٹھا دیا جاوے اور ان دونوں
باتوں کے بیچ میں یہ بات بھی ممکن ہے کہ اس کا خرچ عدل کے ساتھ ہو یعنی جہاں روکنا ضروری ہے وہاں روکا
جاوے اور جہاں خرچ ضروری ہو وہاں خرچ کیا جاوے پس خرچ کی ضرورت کی جگہ پر روک رکھنا بخل ہے
اور روک رکھنے کی ضرورت کی جگہ خرچ کرنا اسراف ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں میں خرچ وامساک کرنا اچھا
ہے اور سخاوت وجود چاہیئے یوں کہ اسی رتبہ وسط کا نام ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف سخاوت کرنے
کا حکم تھا اور پھر یہ ارشاد ہوا[1] ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط۔
اور یہ بھی ارشاد ہوا[2] والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما۔
مگر ان سے معلوم ہوا کہ جو درجہ اوسط کا نام درمیان اسراف وکمی کے اور قبض وبسط کے یعنی اندازہ خرچ و
امساک کو مقدار واجب وضروری پر حصر کرنا جود ہے مگر اس میں یہ قید ہے کہ یہ فعل فقط اعضاء سے کافی
نہیں جب تک کہ دل بھی اس پر راضی نہ ہو اور تکرار نہ کرے پس اگر جہاں خرچ مناسب تھا وہاں خرچ کیا۔
مگر نفس اس سے نزاع کرتا ہے اور یہ اس پر صبر کرتا ہے تو ایسے شخص کو سخی نہ کہیں گے بلکہ بہ تکلف سخی بننے
والا کہلائے گا اس لئے ضرور ہوا کہ اس کے مال کے ساتھ صرف اتنا علاقہ رہنا چاہیئے کہ اخراجات ضروریہ میں
اس کو صرف کرے اور کوئی علاقہ نہ ہونا چاہیئے رہی یہ بات کہ امر مقدار واجب کے پہچاننے پر موقوف ہے کہ کون
سا خرچ واجب ہے تو اس کو سننا چاہیئے کہ واجب دو طرح کے ہیں ایک تو وہ جو بحکم شرع واجب ہے دوسرے
وہ کہ بلحاظ مروت وعادت ضروری ہے تو سخی وہی ہو گا جو اپنے مال کو نہ واجبات شرعی سے روکے نہ ضروریات
مروت سے اگر ایک کو ان دونوں سے فروگذاشت کرے گا بخیل ہو گا البتہ جو واجبات شرعی کو ادا نہ کرے گا وہ زیادہ
بخیل ہو گا مثلاً کوئی شخص مال کی زکوٰۃ نہ دے یا اپنے اہل کا نفقہ واجب نہ پہنچاوے یا زکوٰۃ تو دے مگر اس پر سخت
ناگوار گزرے تو اس کو طبیعت کا بخیل جاننا چاہیئے گو بہ تکلف دیتا ہے یا جو شخص کہ دینے کے وقت برا مال دیتا

---

[1] اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو نرا کھولنا [2] اور وہ کہ جب خرچ کرنے لگے نہ اڑاویں اور نہ تنگی
کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران ۱۲۔

ہے اچھا دینے سے اس کا دل خوش نہیں ہوتا نہ اوسط درجہ کا مال دے کر راضی ہوتا ہے تو یہ بھی بخل ہی ہے اور مروت کے سبب جو خرچ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ چیزوں داد وستد میں تنگی نہ کرے یہ ایک بری بات ہے اور یہ برائی حالات واشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے مثلاً بعضی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں تونگری کی تنگ گیری بری معلوم ہوتی ہے فقیر کی بری نہیں ہوتی یا آدمی اپنے اہل وعیال واقارب سے تنگ گیری کرے تو بری معلوم ہوتی ہے اجنبیوں سے بری نہیں معلوم ہوتی ہے اور ہمسایوں سے تنگ گیری بہ نسبت دور والوں کے بری معلوم ہوتی ہے اور ضیافت میں تنگی کرنی بہ نسبت خرید وفروخت اور معاملوں کے بری معلوم ہوتی ہے غرضکہ تنگی برتنے میں چار چیزوں کے اختلاف سے اس کے احکام مختلف ہوتے ہیں اوّل تو جس کام میں تنگی کی جاوے جیسے ضیافت اور داد وستد وغیرہ دوم جس چیز کی تنگی کی جاوے جیسے کپڑا اور کھانا وغیرہ اس لئے کہ جیسی کھانے میں تنگی بری معلوم ہوتی ہے۔ ایسی اور چیزوں میں نہیں ہے اسی طرح کفن خریدنے میں یا قربانی یا صدقہ کی خرید میں تنگی کرنی جیسی بری معلوم ہوتی ہے ایسی اور چیزوں میں نہیں معلوم ہوتی تیسرے جس کے ساتھ تنگی کی جاوے مثلاً دوست یا بھائی یا قریب یا زن وفرزند یا اجنبی کے ساتھ چہارم جو شخص تنگی کرے وہ لڑکا ہے یا عورت یا بڈھا یا جوان یا عالم یا جاہل یا مالدار یا مفلس پس بخیل اس کو کہتے ہیں کہ مال کو ایسی جگہ خرچ کرنے سے روکے جہاں بحکم شریعت یا اقتضائے مروت روکنا نہ چاہیئے اور اس کی مقدار معین نہیں ہو سکتی اور بخل کی تعریف یوں بھی ممکن ہے کہ جونسا مطلب مال کی حفاظت کی نسبت زیادہ اہم ہو اس مطلب سے مال کو روکنا بخل ہے مثلاً دین کا بچانا مال کی نسبت اہم ہے تو اب اگر کوئی زکوٰۃ یا نفقہ واجب میں مال صرف نہ کرے تو بخیل ہے اسی طرح مروت کی حفاظت مال کی نسبت اہم ہے تو جو کوئی تھوڑی سی چیزوں میں تنگی کرے خصوصاً ایسوں کے ساتھ ہیں کہ ان کے ساتھ تنگی نامناسب ہے تو وہ شخص مال کی محبت کے باعث مروت توڑتا ہے اور بخیل ہے یہاں ایک درجہ اور رہ گیا ایک شخص ہے ایسا کہ واجب شرعی بھی دیتا ہے اور حفظ مروت بھی کرتا ہے مگر الااس کے پاس بہت سی دولت ہے اس کو صدقات اور محتاجوں میں صرف نہیں کرتا تو اس حفظ مال کا بھی غرض موجود ہے یعنی زمانہ کے مصائب میں کام آوے اور غرض ثواب بھی موجود ہے کہ آخرت میں باعث بلندی درجات ہو سکتا ہے پس اس مطلب کے لیئے مال کا روک رکھنا داناؤں کے نزدیک بخل ہے اور عوام کے نزدیک بخل نہیں اس لیئے کہ عوام کی نظر صرف حظوظ دنیاوی پر ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک مصائب زمانہ کے لیئے مال کا صرف نہ کرنا بہت امر مہم ہے حالانکہ کبھی عوام کے عندیہ میں بھی علامت بخل کی ایسے لوگوں پر ظاہر ہو جاتی ہے مثلاً اگر ایسے مالدار کے پڑوس میں کوئی محتاج ہو اور یہ اس کو نہ دے اور کہے کہ جو زکوٰۃ مجھ پر واجب تھی وہ ادا کر چکا اور کچھ میرے ذمہ نہیں تو یہ برا معلوم ہو گا اور اس کی برائی اس کے مال کی مقدار کے موافق ہو گی اسی طرح اگر محتاج شدید الحاجۃ اور صالح و دیندار اور مستحق ہو گا اتنا ہی برائی بھی

زیادہ معلوم ہو گی خلاصہ یہ کہ جو شخص واجب شرعی اور واجب مروت کو ادا کر دے تو وہ بخل سے بری ہو گیا ہاں جود و سخا کی صفت سے جبھی موصوف ہو گا جب اس مقدار سے زیادہ خرچ کرے گا کہ فضیلت اور درجات اسی سے ملتے ہیں پس جس جگہ کہ شریعت کی رو سے اس پر کچھ واجب نہیں وہاں اپنا مال خرچ کرنے سے باقتضائے مروت اس کا دل چاہتا ہے اور عادت کی رو سے بھی اس کی ملازمت نہیں آتی تو جس قدر کہ اس کے نفس میں گنجائش خرچ کی ہو گی اسی قدر سخی ہو گا اور ظاہر ہے کہ اس کے درجات بیشمار ہو سکتے ہیں اور بدیں لحاظ بعض آدمی بعض سے زیادہ سخی ہوتے ہیں بہر حال جود اس کا نام ہے کہ جس قدر سلوک عادت اور مروت کی جہت سے ضروری ہو اس سے زیادہ کیا جاوے مگر اس میں یہ شرط ہے کہ دل کی خوشی سے یہ سلوک ہو کسی طرح یا توقع خدمت یا تمنا و مکافات یا شکر و ثنا کے لیئے نہ ہو کیونکہ جو شخص شکر و ثنا کی تمنا رکھتا ہے وہ سخی نہیں بلکہ اپنے مال سے ثنا کو مول لیتا ہے اس کو سوداگر کہنا چاہیئے کہ خرچ مال سے اس کا مقصود مدح ہے جو کہ مزہ دار معلوم ہوتی ہے اور جود اسی خرچ کو کہتے ہیں جو بدون غرض کے ہو اور واقع میں اس طرح کی جود بجز ذات پاک خداوندی کے اور شخص میں نہیں ہو سکتی آدمی پر جو جود کا اطلاق کیا جاتا ہے مجازاً ہے اس لئے کہ اس کا کوئی سا خرچ غرض سے خالی نہیں لیکن اس کی غرض صرف ثواب آخرت اور فضیلت جود کا حاصل کرنا اور نفس کو آلودگی بخل سے پاک کرنا ہو تو جواد کہلائے گا اور خرچ کا سبب ہجو کا خوف یا لوگوں کی ملامت کا ڈر یا جس کو دینا ہے اس سے نفع کی توقع ہو تو یہ خرچ جود میں داخل نہیں کیونکہ یہ چیزیں گویا سر دست اس کو بطور عوض ہو جاتی ہیں اور انہیں کی جہت سے خرچ بھی کرتا ہے پس عوض لینے والا جواد نہ ہوا چنانچہ روایت ہے کہ ایک عابدہ عورت حبان بن ہلال کے پاس کھڑی ہوئی تھی وہ اپنے یاروں میں بیٹھے تھے اس نے پوچھا کہ تم میں کوئی ایسا ہے جس سے میں مسئلہ پوچھوں لوگوں نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جو تیرا دل چاہے ان سے پوچھ لے اس نے پوچھا کہ تمہارے نزدیک سخاوت کس کو کہتے ہیں اس نے کہا دنیا خرچ کرنا ایثار کرنا اس نے کہا یہ تو دنیا کی سخاوت ہوئی دین کی سخاوت کیا ہے کہا کہ دین کی سخاوت یہ ہے کہ خدا کی عبادت سخی دل سے کریں اور کچھ گراں نہ گزرے اس نے کہا کہ اس سے ثواب کی نیت ہے یا نہیں کہا کہ ہاں توقع ثواب ہے اس نے کہا کہ کیوں انہوں نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے دس دی جاوے گی اس نے کہا کہ سبحان اللہ جب ایک دے کر دس لئے تو سخاوت کیا ٹھہری انہوں نے پوچھا کہ پھر تمہارے نزدیک سخاوت کیا ہے تمہیں بتاؤ.....

اس نے کہا کہ میری دانست میں سخاوت یہ ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ اطاعت میں لذت اور مزہ ملے اور گراں بھی نہ گزرے اور باایں ہمہ اس پر نیت اجر کی بھی نہ ہو یہاں تک کہ ہر چہ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ کا حال ہو جاوے کیا اس بات کی تمہیں شرم نہیں آتی کہ خدا تعالیٰ کو تمہارے دلوں کا حال معلوم ہو جاوے کہ یہ ایک چیز کے عوض میں دوسری چیز چاہتے ہیں ایسی بات تو بری ہوتی ہے یعنی جب ایک شخص کو یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص مجھ سے سلوک

اس واسطے کرتا ہے کہ میں اس کو ایک کے بدلے زیادہ دوں تو وہ بیشک اس دینے سے خوش نہ ہوگا اسی طرح ایک اور عورت عابدہ کا قول ہے کہ تم لوگوں کو یہ خیال ہے کہ سخاوت دراہم اور دیناروں سے ہی ہوتی ہے لوگوں نے پوچھا پھر اور کون سی چیز سے ہے اس نے کہا کہ سخاوت میرے نزدیک جان سے کرنی چاہیئے اور اس کی تفسیر محاسبیؒ کے قول میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سخاوت دین میں یہ ہے کہ محض خدا کے واسطے اپنے نفس پر کھیل جاوے اور جان کا دینا اور اپنے خون کا بہا دینا خدا کی راہ میں برا معلوم نہ ہو سخاوت دلی سے اس کا مرتکب ہو نیت ثواب کی نہ حال میں ہو نہ مآل میں اور گو ثواب کی حاجت بھی ہو مگر کمال سخاوت کی خوبی دل پر ایسی جم جاوے کہ ثواب کو خدا ہی کے اختیار پر چھوڑ دے یہاں تک کہ خداوند کریم اس سے پھر وہ معاملہ کرے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔

بخل کا علاج کیونکر ممکن ہے؟ یہ تو معلوم ہی ہو چکا کہ بخل کا سبب مال کی محبت ہے اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ مال کی محبت کے دو سبب ہیں ایک تو شہوات کی محبت کہ بدون مال کے وہ حاصل نہیں ہو سکتی اور اس میں طول امل یعنی توقع اپنی عمر کی زیادتی کی بھی داخل ہے اس لیئے کہ اگر انسان یہ جان لے کہ میں کل مر جاؤں گا تو غالب ہے کہ مال کا بخل نہ کرے، کیونکہ جو مقدار آدمی کے ایک روز یا ایک مہینہ یا ایک سال کے لیئے کافی ہو وہ قدر قلیل ہے اس سے زیادہ رکھنا فضول ہے اور بعض اوقات طول امل اس طرح ہوتا ہے کہ خود تو آدمی کو اپنی زندگی کی زیادہ توقع نہیں ہوتی مگر چونکہ صاحب اولاد ہوتا ہے اس لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الولد مبخلۃ مجبنۃ مجھلۃ[۱] اور جب اس پر خوف فکر لگ جاتا ہے اور رزق آنے پر اعتماد قوی نہیں رہتا تو خواہ مخواہ بخل بھی قوی ہو جاتا ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ خود مال ہی اچھا معلوم ہوتا ہے مثلاً بعض لوگوں کے پاس اس قدر مال ہوتا ہے کہ اگر اپنے دستور کے مطابق اس کو خرچ کریں تو زندگی بھر کافی ہو اور ہزاروں بچ رہیں اور خود بوڑھے لاولد ہوتے ہیں مگر با ایں ہمہ زکوٰۃ نکالنے کو دل نہیں چاہتا بلکہ خود بیمار ہو جاویں تو علاج میں بھی خرچ کرنا برا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ روپیہ پیسے کے ایسے عاشق ہیں کہ اس کا قبضہ میں رہنا اور ان پر قابو ہونا بڑا لذیذ معلوم ہوتا ہے اسی لیئے اس کو زمین میں گاڑ کر رکھتے ہیں حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ ہمارے مرنے پر یہ مال ضائع ہو جاوے گا یا دشمنوں کے ہاتھ پڑے گا پھر بھی اس کے کھانے کو یا اس میں سے ایک حبہ خیرات کرنے کو دل نہیں چاہتا ہے اور یہ مرض دل کا ایسا ہے کہ اس کا علاج بہت مشکل ہے خصوصاً بڑھاپے میں تو پرانے مرضوں کی طرح لاعلاج ہی ہے اس مرض والے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی کسی پر عاشق ہو اور اس کی جہت سے

---

[۱] اولاد باعث بخل اور نامردی اور جہالت ہے ابو یعلی و بزار بروایت اسود بن خلف ۱۲ ف قولہ اس کی نیت یہی ہوتی ہے۔ الخ اصل میں یہ معنی ہیں۔

اس کے ایلچی کو بھی چاہنے لگے پھر رفتہ رفتہ برسہا برس سے اتنی محبت کرے کہ محبوب کو بھول جاوے اسی طرح روپیہ پیسہ بھی حاجتوں کا ایلچی ہے کہ زر کے سبب حاجتیں حاصل ہوتی ہیں اسی جہت سے زر محبوب ہوتا ہے مگر بعض اوقات حاجتوں کا خیال بھی نہیں رہتا ہے صرف زر ہی محبوب ہو جاتا ہے اور یہ سخت گمراہی اور بھول کی بات ہے جو آدمی زر اور پتھر میں فرق سمجھے۔ وہ جاہل ہے یعنی زر سے البتہ قضائے حاجات ہوتی ہے اور زاہد از قدر حاجت زر اور پتھر میں کچھ فرق نہیں جانتا جیسا کہ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؏ زر از بہر خوردن بود اے پسر؛ ز بہر نہادن چہ سنگ و چہ زر؛ یہ مال کی محبت کے سبب ہیں اور بیماری کا علاج اس کے سبب کے ضد کرنے سے ہوتا ہے تو شہوات کی محبت کا علاج تو یہ ہے کہ تھوڑی سی چیز پر قناعت اور صبر کرے ؏ کار دنیا کسے تمام نہ کرد؛ ہر چہ گیرید مختصر گیرید؛ اور طول امل کا علاج یہ ہے کہ ہر دم موت کو یاد کرے اور ہمسروں کے مرنے کو لحاظ کرے کہ مال کے جمع کرنے میں کیسے کیسے دکھ اٹھائے اور مصیبتیں سہیں آخر خالی ہاتھ چلے گئے اور وہ سب تباہ ہو گیا اور اولاد کا خیال اگر دل میں ہوتا تو اس کا علاج یہ ہے کہ یوں سمجھے کہ جس خالق نے لڑکا دیا ہے اسی نے اس کا رزق اس کے ساتھ اتارا ہے بہت سے لڑکے ایسے ہوتے ہیں کہ باپ کی میراث اس کے پاس کچھ نہیں ہوتی مگر ان کا حال باپ کی میراث پانے والوں سے اچھا ہوتا ہے اور یہ بھی جاننے کی بات ہے کہ آدمی جو اچھی اولاد کے واسطے جمع کیا کرتا ہے اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ ان کا حال اچھا رہے مگر اس کا کبھی برعکس ظہور میں آتا ہے اور اگر لڑکا صالح ہے تو خدا تعالیٰ اس کے لیئے کافی ہے اور اگر فاسق ہے تو جو مال میراث سے پاوے گا اس کو گناہ میں اڑا دے گا اس کا وبال مورث کی گردن پر رہے گا اور دل کا ایک یہ بھی علاج ہے کہ جو حدیثیں بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف میں واقع ہیں اور جو وعید عذاب شدید کا خدائے تعالیٰ نے بخیل کے لیئے فرمایا ہے۔ ان سب کو تامل کرے اور مفید علاجوں میں سے ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ بخیلوں کے حالات میں زیادہ غور کرے اور ان سے نفرت کرے اور ان کو برا جانے کیونکہ کوئی ایسا بخیل نہیں جو دوسرے کے بخل کو برا سمجھے پس یہی حال اپنا تصور کرے کہ اگر میں بخل کروں گا تو سب کی نظروں میں حقیر اور گراں معلوم ہوں گا جیسے میرے دل میں اور بخیل برے معلوم ہوتے ہیں اور ایک تدبیر یہ ہے کہ مال کے مقصود کو سوچے یہ کیوں پیدا ہوا ہے اور جب یہ معلوم ہو جاوے کہ صرف حاجت روائی کے لیئے ہے تو بقدر حاجت رکھ لے اور باقی کو آخرت کے لیئے جمع کرے یعنی اس کو خرچ کر کے ثواب کا ذخیرہ کرے پس یہ تدبیریں باعتبار معرفت اور علم کے ہیں جب آدمی کو عقل کے زور سے یہ معلوم ہو گا کہ خرچ کرنا بہ نسبت امساک کے دنیا و آخرت میں بہتر ہے تو اگر عاقل ہو گا اس کی رغبت خرچ کرنے کی طرف متحرک ہو گی مگر لازم ہے کہ جب یہ خیال دل میں آوے فوراً اس کی تعمیل کرے لیت و لعل نہ کرے اس لیئے کہ شیطان ہر وقت مفلسی کا خوف دلاتا

معنی یہ ہیں کہ اس جمع کرنے کا مطلب یہ کہ اولاد اچھی رہے اور خود بدی سمیٹ لے جاوے ۱۲

رہتا ہے اور خرچ سے روکتا ہے روایت ہے کہ ابو الحسن پوشنگیؒ ایک روز پاخانہ میں بیٹھے تھے اپنے ایک شاگرد کو بلا کر فرمایا کہ میرا کرتہ بدن سے نکال کر فلاں شخص کو دے دے اس نے عرض کیا کہ آپ نے پاخانہ میں سے نکلنے تک کا صبر نہ فرمایا انہوں نے کہا کہ اس وقت میرے دل میں آیا کہ کرتہ دے ڈالوں اور اپنے نفس سے یہ خوف تھا کہ کہیں پھر بدل نہ جاوے اس لیئے اس وقت ہی تعمیل کی اور صفت بخل کی جب ہی جاتی ہے جب بتکلف خرچ کیا جاوے جیسے کہ عشق جب تک نہیں جاتا جب تک معشوق پیش نظر رہتا ہے ہاں اگر اس کے مقام سے مفارقت اختیار کرے اور اس کی جدائی پر بتکلف ایک مدت صبر کرے تو رفتہ رفتہ دل کو تسکین ہو جاوے گی جیسے مرنے سے ہو جاتی ہے اسی طرح جو شخص بخل کا علاج کیا چاہے تو اس کو یہی چاہیئے کہ مال سے بتکلف علیحدہ ہو جاوے یعنی اس کو بالکل دے ڈالے بلکہ محبت کے ساتھ رکھ چھوڑنے سے تو یہ بہتر ہے کہ سب کا سب پانی میں ڈال دے اور ایک حیلہ بخل سے بچنے کا بڑا لطیف یہ ہے کہ نفس کو دھوکا دے کہ دینے لینے سے تیرا نام نیک ہو گا اور سخی مشہور ہو جاوے گا پس اس بہانہ سے بقصد ریا خرچ کرے یہاں تک کہ نفس پر بطبع صفت جود کرنا خرچ ناگوار گزرے اس بات میں صورت یہ ہو گی کہ بخل کو دور کر کے ریا میں مبتلا ہو گا مگر بعد کو پھر ریا کی طرف متوجہ ہو کر اس کے علاج سے اس کو دور کرنا چاہیئے غرضیکہ حصول نام و شہرت نفس کے لیئے مال کے جانے کے بعد تسکین کی چیز ہے جیسے لڑکے کو جب دودھ چھڑاتے ہیں تو چڑیوں وغیرہ سے کھیل میں لگا دیتے ہیں کہ دودھ کو یاد نہ کرے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ان سے ہمیشہ کھیلا کرے بلکہ جب دودھ بھول جاتا ہے تو اس کھیل کو بھی اس سے علیحدہ کر دیتے ہیں اسی طرح ان صفات خبیثہ میں سے بھی بعض کو بعض پر مسلط کر کے تیزی ایک دوسرے کی کم کی جاتی ہے مثلاً کبھی غضب پر شہوت کو مسلط کر کے اس کی تیزی توڑی جاتی ہے اور کبھی غصہ کو شہوت پر مسلط کر کے اس کی حدت کم کی جاتی ہے مگر الا یہ علاج ایسے ہی شخص کے حق میں مفید ہے جس پر جاہ اور ریا کی محبت کی نسبت صفت بخل بہت غالب ہو کیونکہ اس صورت میں جو صفت اس میں قوی ہے اس کو گویا ضعیف سے بدل دیا اگر دونوں برابر ہی ہوں گی تو کچھ فائدہ نہیں اس لیئے کہ ایک سے نکلے گا اور دوسری میں پھنس جاوے گا اور پہچان اس کی یہ ہے کہ اگر خرچ کرنا ریا کے لیئے اس پر گراں نہ معلوم ہو تو جان لینا چاہیئے کہ صفت ریا کا غلبہ ہے اگر ریا کے لیئے بھی خرچ دشوار معلوم ہوتا ہو تو بخل کا غلبہ ہے اس حال میں ضروری خرچ کرنا چاہیئے اور یہ مذکور ہوا کہ یہ صفات ایک دوسرے کے سے دور ہو جاتے ہیں اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیئے کہ مردے کے تمام اجزاء کیڑے ہو جاتے ہیں اور یوں مشہور ہے کہ یہ کیڑے ایک دوسرے کو کھا لیتے ہیں اور بڑے ہو جاتے ہیں اور تعداد کم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ان میں سے دو سب میں زبردست رہ جاتے ہیں پھر وہ بھی آپس میں لڑتے ہی رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک غالب آ کر دوسرے کو کھا کر موٹا ہوتا ہے مگر پھر خود بھی بھوکا رہ کر مر جاتا ہے اسی طرح ان صفات خبیثہ میں ممکن ہے کہ جونسی صفت ضعیف ہو اس کو قوی کی غذا کرتے جاویں یہاں تک کہ آخر کار کو ایک

رہ جاوے پھر اس کو دور کرنے کا علاج یہ ہے کہ اس کی غذا روک دی جاوے اور غذا کا روکنا ان صفات سے یہ ہے کہ ان کے مقتضا کے موافق عمل نہ کیا جاوے یعنی جو باتیں کہ کوئی صفت خبیث چاہتی ہو وہ ہرگز نہ کرے جب اس طرح اس کا خلاف کیا جاوے گا تو خواہ مخواہ وہ صفت مضمحل ہو کر مر جاوے گی مثلاً بخل کی صفت کا اقتضا یہ ہے کہ مال کو روکے اور خرچ نہ کیجئے پس جب آدمی اس کے خلاف کرے اور نفس پر مجاہدہ کر کے بار بار خرچ کرتا رہے تو بخل کی صفت مرجاوے گی اور صفت بذل طبعی ہو جاوے گی پھر اس میں دشواری نہ رہے گی اس سے معلوم ہوا کہ بخل کا علاج دو چیزوں سے ہے ایک علم اور ایک عمل علم سے غرض یہ ہے کہ آفت بخل کی اور جود اور سخاوت کے فائدہ سے واقف ہو اور عمل سے یہ مراد ہے کہ جود اور داد و دہش بتکلف کرے یہاں تک کہ مقصود کو پہنچے لیکن صفت بخل بعض اوقات ایسی قوی ہوتی ہے کہ آدمی کو اندھا کر دیتی ہے کہ اس کو اس کی آفت کچھ نہیں سوجھتی نہ کچھ جود کا فائدہ معلوم ہوا اور جب معرفت ان دونوں باتوں کی نہ ہوئی تو شوق کہاں سے ابھرے گا اسی لئے عمل داد و دہش بھی میسر نہ ہو گا ایسی صورت میں یہ روگ ہمیشہ کو رہتا ہے۔ جیسے وہ بیماری کہ جس میں دوا کی پہچان جاتی رہے اور نیز وہ دوا کا بہتر استعمال ممکن نہ ہو تو بجز اس کے موت تک صبر کیا جاوے اور کیا ہو سکتا ہے اور بعض شیوخ صوفیہ کا دستور بخل کے علاج میں یہ تھا کہ اپنے مریدوں کو کسی خاص زاویہ میں رہنے کا حکم نہیں کرتے تھے بلکہ جب کسی مرید کو دیکھا کہ یہ اپنے کونے اور ما فیہا سے نہایت خوش ہے تو اس کو دوسرے کونے میں بھیج دیا اور اس کا گوشہ مع اس کی اشیاء کے دوسرے کے حوالے کیا غرض جو کچھ کسی مرید کی ملک میں ہوتا اور اس کو اس پر خوش پاتے فوراً اس کی ملک سے نکالتے مثلاً اگر کسی مرید کو دیکھا کہ وہ نیا کپڑا پہن کر یا مصلے عمدہ بچھا کر اس کی طرف التفات کرتا ہے تو وہ کپڑا یا مصلے کو دوسرے کو دلوا دیتے اور کوئی ایسا برا نا اس کو دیتے کہ اس کا دل اس کی طرف راغب نہ ہو اس طرح سے البتہ دل دنیا کے سامان سے علیحدہ رہتا ہے بس جو شخص کہ یہ راہ نہ چلے وہ دنیا سے مانوس ہو گا اور اس کو محبوب جانے گا اگر بالفرض اس کے پاس ہزار چیزیں ہوں گی تو گویا ہزار چیزیں اس کی محبوب ہیں اس بنا پر جب ایک بھی ان میں سے چوری ہو جاوے گی تو جس قدر اس شخص کو اس شئے سے محبت تھی اس قدر مصیبت اس میں پڑے گی اور مرنے پر تو ایکبارگی ہزار مصیبتیں ٹوٹ پڑیں گی کیونکہ سب کے ساتھ محبت تھی اور سب چھن گئیں بلکہ زندگی میں بھی سب کے تلف اور ضائع ہونے کا خوف بمنزلہ مصیبت کے رہتا ہے روایت ہے کہ کسی بادشاہ کے سامنے ایک فیروزہ کا پیالہ جواہر سے مرصع پیش ہوا جس کا نظیر روئے زمین پر کسی نے نہ دیکھا تھا بادشاہ نہایت خوش ہوا اور ایک حکیم سے جو اس کے پاس موجود تھا پوچھا کہ آپ کے نزدیک یہ کیسا ہے اس نے کہا کہ میرے نزدیک تو یہ مصیبت ہے یا محتاجی بادشاہ نے کہا کہ یہ کس طرح حکیم نے کہا اگر یہ ٹوٹ جاوے تو ایسی مصیبت ہے ہے جس کا کوئی تدارک نہیں اور اگر یہ چوری ہو جاوے اور پھر اس کی حاجت ہو تو کبھی ایسا نہ ملے اور پہلے اس سے یہ آپ کی خدمت میں نہیں آیا تھا آپ کو کچھ خوف مصیبت اور احتیاج کا نہ تھا بعد چندے اتفاقاً وہ پیالہ

ٹوٹ گیا یا چوری ہوگیا بادشاہ کو نہایت رنج ہوا اور کہنے لگا حکیم کا قول درست تھا یہی اچھا تھا کہ وہ میرے پاس ہی نہ آتا ناحق مصیبت ورنج اٹھانا پڑا۔ یہی حال دنیا کے تمام اسباب کا ہے اس لیئے کہ وہ اعداء اللہ کی بھی دشمن ہے اور ان کو آگ کی طرف لے جاتی ہے اور اولیاء اللہ کی بھی دشمن ہے کہ ان کو اس پر صبر کرنے کا غم رہتا ہے اور خدا کی بھی دشمن ہے کہ اس کے بندوں کو اس کا راستہ نہیں چلنے دیتی ان پر راہ زنی کرتی ہے بلکہ خود اپنی بھی دشمن ہے کہ اپنے نفس کو کھاتی ہے مثلاً مال کی حفاظت خزانوں اور پاسبانوں سے ہوتی ہے اور خزانہ و پاسبان مال کے خرچ کرنے سے ہوتے ہیں تو گویا دنیا کی حفاظت میں دنیا ہی جاتی ہے حتیٰ کہ فنا ہو جاوے اور کچھ بھی نہ رہے اور جو شخص کہ مال کی آفت کو جانتا ہے اس سے مانوس اور خوش نہیں ہوتا اور بیز زائد از حاجت اس میں سے نہیں لیتا اور جو شخص مقدار حاجت پر قانع رہتا ہے وہ بخل نہیں کرتا اس لیئے کہ جس قدر اس نے اپنی حاجت کو رکھا ہے وہ تو داخل بخل نہیں اور زائد از حاجت کی حفاظت کو خالی از حاجت مشقت نہ جان کر دے ڈالتا ہے بلکہ اس کا حال ایسا ہے جیسا کوئی شخص ندی کے کنارے کھڑا ہو کہ اس کو پانی کے دینے میں کچھ دریغ نہیں ہوتا ایسا ہی یہ مقدار حاجت کے دینے میں تامل نہیں کرتا۔

مال کے متعلق ضروری ہدایات

یہ تو معلوم ہو چکا کہ مال ایک وجہ سے خیر ہے اور دوسری طرح سے شر اس کی مثال سانپ کی سی ہے کہ منتر والا تو اس لیئے پکڑتا ہے کہ اس میں سے زہر مہرہ نکالے اور غافل اگر پکڑلیتا ہے تو اس کے زہر سے ایسی طرح ہلاک ہو جاتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی اور مال کے زہر سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا مگر اس صورت میں کہ ان پانچ باتوں کو مدنظر رکھے اول یہ کہ مال کے مقصود کو پہچانے کہ یہ کس واسطے پیدا ہوا ہے اور اس کی حاجت کیوں ہوئی ہے اس بات کے جاننے سے بقدر حاجت ہی کسب معیشت کرے گا اور اسی قدر کی حفاظت اور ایسے لوگوں کو جو استحقاق کی نسبت زیادہ لیا چاہتے ہیں ان کو اپنا مال نہ دے گا[ع] دوم یہ کہ آمدنی کی وجہ کو خیال میں رکھے کہ جو محض حرام ہو اس سے اجتناب کرے اور جس پر غلبہ حرام ہو یا اور کوئی وجہ مکروہ[ع] اس سے بھی پرہیز کرے مثلاً کسی شخص مرتشی کا ہدیہ بباعث مروت لے لینا یا سوال سے حاصل کرنا یا جو اس کے خاص مقام ہو سوم یہ کہ مقدار معیشت ملحوظ رہے کہ قدر واجب سے زیادہ نہ ہو نہ کم اور قدر واجب مقدار حاجت کا نام ہے اور حاجت تین چیزوں کی ہوتی ہے خوراک اور پوشاک مکان اور ہر ایک کے تین درجے ہیں ادنیٰ اور اعلیٰ اور اوسط پس جب تک کمی کی جانب مائل نہ رہے گا حد ضرورت کے قریب رہے گا تو ہلکا اور سبک رہ کر بفحوائے ع سبکسار مردم سبکتر روند

ع قولہ ایسے لوگوں الخ صحیح ترجمہ یہ کہ مال کو اپنی ہمت میں اس کی لیاقت سے زائد جگہ نہ دے گا یعنی اس کی خواہش و منزلت اس کے لائق جی میں رکھے گا ۱۲ ع وجہ مکروہ جو خلاف مروت ہیں ۱۲ کما فی الاصل ۱۲ امیر علی عفی عنہ ع سوال الخ ایسے سوال سے حاصل کرنا جس میں ذلت و خواری وغیرہ ہے کذا فی الاصل ۱۲ امیر علی عفی عنہ ۱۲

کے نجات پاوے گا اور اگر مقدار مذکور سے تجاوز کرے گا تو ایسے گڑھے میں گرے گا کہ جس کے عمق کی کچھ انتہا نہیں اور
ہم نے ان درجات کی تفصیل باب زہد میں لکھی ہے چہارم مقامات خرچ کو لحاظ رکھے اور خرچ میانہ روی کرے کہ نہ
اسراف ہو نہ حد سے زیادہ تنگی جیسا اول مذکور ہوا بلکہ جو کمائی وجہ حلال کی ہے اس کو اسی کے موقع پر خرچ کرے
بے موقع نہ اٹھاوے کیونکہ جیسا گناہ ناحق لینے میں ہے ویسا ہی ناحق اٹھانے میں بھی ہے پنجم یہ کہ مال کے
لینے اور چھوڑنے اور خرچ وامساک میں نیت درست رکھے یعنی جو مال حاصل کرے اس میں نیت عبادت پر
استعانت کی ہو اور جو مال ترک کرے اس میں نیت زہد اور مال کی حقارت کی ہو اگر ایسا کرے گا تو مال کا ہونا
اس کو ضرر نہ کرے گا اور اسی لیئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر آدمی تمام زمین کی چیزوں کو لے لے اور نیت خدا
ہی کی خاطر کی ہو تو زاہد ہی رہے گا اور تمام چیزیں زمین کی چھوڑ دے مگر نیت خدا کے واسطے کی نہ ہو تو زاہد نہیں
ہو گا پس آدمی کو چاہیئے کہ اپنی تمام حرکات وسکنات کو خدا کے واسطے منحصر کر دے یعنی حرکات وسکنات وہی
کرے جو عبادت ہوں یا عبادت پر معین ومددگار دیکھو عبادت میں سے سب سے زیادہ مبائن کھانا اور پاخانہ
ہے مگر ان سے بھی عبادت پر اعانت ہوتی ہے پس اگر آدمی کھانا اور پاخانہ بہ نیت مدد عبادت کرے گا تو اس
کے حق میں عبادت لکھا جاوے گا اسی طرح جس چیز کی حفاظت کرنی پڑتی ہے مثلاً کرتہ پاجامہ بچھونا برتن سب
میں یہی نیت رکھنی چاہیئے کیونکہ دین میں کبھی ان چیزوں کی حاجت ہوتی ہے اور جو چیز حاجت سے زائد ہے اس
میں یہ نیت ہو کہ اس سے کسی خدا کے بندے کا کام چلے اور اسی بنا پر اگر کوئی وقت حاجت کے ایسی چیز چاہیئے
تو انکار نہ کرے جو آدمی ان باتوں کو دستور العمل رکھے گا وہ ہے کہ اندر سے اس کا جوہر اور تریاق نکال لیا اور زہر
پھینک دیا ایسے آدمی کو مال کی کثرت سے نقصان نہیں لیکن یہ بات اسی شخص کو حاصل ہو سکتی ہے جو دین میں پکا
ہو اور علم دین سے بخوبی آگاہ جو آدمی ان پڑھ مال کے جمع کرنے کو یہ خیال کرے کہ جیسے بعض صحابہؓ غنی تھے اور ان کے
پاس بہت سی دولت تھی ویسے ہی میں مال جمع کرتا ہوں تو ایسے شخص کا حال ایسا ہے جیسے کوئی لڑکا کسی بڑے منتر
دان اپنے فن کے کامل کو دیکھے کہ اس نے سانپ کو پکڑ لیا۔ اس کا جوہر نکال لیا اور دل میں جانا کہ اس نے
سانپ کو اسی جہت سے پکڑ لیا کہ صورت وشکل اچھی تھی اور جلد نرم تھی آؤ میں بھی ایسا کروں اس کی دیکھا دیکھی یہ
بھی سانپ پکڑے اور اسی وقت لقمۂ اجل ہووے ان دونوں میں فرق یہی ہے کہ سانپ کا کاٹا ہوا معلوم ہو جاتا ہے
کہ مر گیا مگر مال کا کاٹا ہوا مرتا نہیں معلوم ہوتا اور دنیا کی تشبیہہ سانپ سے دیتے ہیں جیسے اس شعر میں مترجم
کے شعر ظاہر میں ہے نرم گو کہ دنیا؛ پر اگلے ہے زہر جیسے کالا؛ اور جس طرح پر کہ پہاڑوں پر پھرنے اور دریاؤں کے
کنارے پر چلنے اور خار دار راہوں میں گذرنے میں اندھا آدمی دیکھنے والے کی برابری نہیں کر سکتا اسی طرح مال کے
لینے میں آدمی عامی عالم کی برابری نہیں کر سکتا۔

مال داری کی مذمت اور فقر کی تعریف

معلوم کرنا چاہیئے کہ لوگوں کو اس بات میں

اختلاف ہے کہ شاکر توانگر کا رتبہ اعلیٰ و افضل ہے یا صابر فقیر کا اور اس کو ہم باب فقر اور زہد میں لکھیں گے اور
اور تحقیق حق بتلائیں گے اس باب میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ غنا کی نسبت فی الجملہ فقر ہی افضل ہے اور زیادہ
تفصیل احوال کی طرف ملتفت نہیں ہوتے اور اس موقع پر فقر کی فضیلت میں وہ بات نقل کرتے ہیں جس کو حارث
محاسبیؒ نے اپنے کسی رسالہ میں بجواب کسی توانگر عالم کے جس نے اپنے مال جمع کرنے کی حجت صحابہ اکرامؓ کی توانگری
اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کے مال کی کثرت بیان کی تھی اور اپنے آپ کو صحابہؓ سے مشابہت دی تھی لکھا ہے
اور حارثؒ علم معاملہ میں بہترین امت ہیں عیوب نفس اور آفات اعمال اور کنہ عبادات جتنی وہ لکھتے ہیں اتنی اور
کوئی نہیں لکھتا ان کے کلام کا خلاصہ مقام پر مصلحت ہے اوّل انہوں نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم کو یوں پہنچا ہے
کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے برے علما کے حق میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے برے عالمو تم نماز پڑھتے ہو اور روزہ
رکھتے ہو صدقہ دیتے ہو مگر جس بات کا تم کو حکم ہے وہ نہیں کرتے اور جو خود نہیں کرتے اس کو لوگوں کو سکھلاتے ہو
یہ نہایت برا ہے جو تم کر رہے ہو ظاہر میں تو منہ سے توبہ کرتے ہو اور باطن میں ہوائے نفس کے مطابق عمل کرتے ہو
یہ بات تمہارے کام نہ آوے گی کہ ظاہر کو پاک و صاف رکھو اور دل ناپاک رہیں میں سچ کہتا ہوں کہ تم چھلنی کی طرح
مت ہو جس میں سے اچھا آٹا نکل جاتا ہے اور بھوسی اس میں رہ جاتی ہے اسی طرح تم ہو کہ حکمت کی باتیں تمہارے
منہ سے نکلتی ہیں مگر دلوں میں کدورت بھری ہے اے دنیا کے بندو جو شخص دنیا سے اپنی شہوت و رغبت
منقطع نہ کرے گا وہ آخرت کس طرح پاوے گا بخدا کہ تمہارے دل تمہارے اعمال سے روتے ہیں دنیا کو تو تم
اپنی زبانوں کے تلے کر رکھا ہے اور اعمال کو پاؤں تلے دنیا کی بہتری آخرت کی بہتری سے تم کو زیادہ اچھی معلوم
ہوتی ہے تم نے اپنی آخرت برباد کی پھر اگر جالو تو تم سے زیادہ کونسا نقصان والا ہو گا تمہارا برا ہو کب تک اندھیرے
میں چلنے والوں کو راستہ بتاؤ گے اور خود متحیر ونکی کی طرح کھڑے رہو گے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تم دنیا داروں سے دنیا
اسی لیے چھڑاتے ہو کہ سب دنیا تمہاری ہو جاوے نہیں تو خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت کیوں کرتے بس کرو بس
کرو اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ گھر کی چھت پر چراغ رکھا جاوے اور اس کے اندر ویسا ہی اندھیرا پڑا رہے اسی
طرح اگر نور علم تمہارے منہ سے نکلے اور دل ویسے ہی اندھیرے میں بیکار پڑا رہے تو کیا فائدہ اے دنیا کے
بندو تم پرہیزگار بندے نہیں ہو۔ نہ آزاد بزرگوں کی مانند ہو کیا عجب ہے کہ دنیا تم کو جڑ سے اوکھاڑ کر اوندھے
منہ ڈال دے اور اسی طرح گھسیٹنا شروع کر دے اور تمہارے گناہ اور تمہارے سر کے بال پکڑے ہوئے
ہوں اور علم پیچھے سے دھکے دیتا ہو اور اس شان سے ہم کو خدا کے سپرد کر دیں نہ کوئی ساتھی ہو نہ غمخوار نہ بدن
پر کپڑے کا کوئی تار پھر اس بادشاہ بے پرواہ کے یہاں سے تمہارے کردار کی سزا واقعی ملے انتہیٰ بعد اس کے
حارثؒ فرماتے ہیں کہ بھائی یہ بڑے عالموں کا حال ہے آدمیوں میں شیطان اور باعث فتنہ یہی لوگ ہیں
دنیا کی طمع میں اور اس کی جاہ و رفعت کی حرص میں آخرت کو چھوڑ دیا اور دین کو ذلیل کیا یہ لوگ دنیا میں

بھی عار و ننگ کے باعث ہیں اور آخرت میں تو خسارہ والوں میں قطعی ہیں مگر یہ کہ خداوند کریم اپنے فضل سے معاف کردے اور بعد اس کے معلوم کرنا چاہئے کہ جو شخص دنیا میں ڈوبا رہتا ہے اور اسی کو دین پر اختیار کرتا ہے میں نے جو دیکھا تو اس کی خوشی کدورت آمیز ہے طرح طرح کے رنج اور اقسام گناہ اس سے سرزد ہوتے ہیں اور انجام کو بغیر بربادی اور تباہی کے اور کچھ نہیں ہوتا دنیا دار کسی توقع میں تو خوش ہوتا ہے مگر نہ دنیا ہی ملتی ہے نہ دین سلامت رہتا ہے [1] خسر الدنیا والاخرۃ ذلک ھو الخسران المبین ط آہ اس سے بڑی مصیبت اور دردانگیز آفت کون سی ہوگی بھائیو اللہ کو دھیان کرو اور شیطان کے فریب میں مت آؤ اور شیطان کے دوستوں کا دھوکا کھا کر جو حجت باطل پر اڑے ہوئے اور دنیا کو حاصل کرنے میں مستغرق ہیں اور پھر اس کے لئے یہ عذر و حجت نکالتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی بہت سا مال تھا ذکر صحابہؓ کا اس لئے کرتے ہیں کہ لوگ ان کو مال کے جمع کرنے میں معذور جانیں حالانکہ یہ ایک شیطان کا وسوسہ ہے جس کی ان کو خبر نہیں اے کمبخت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے مال کی حجت پکڑنی تیرے لئے اچھی نہیں شیطان تیرے ہلاک کرنے کے واسطے تیرے منہ سے یہ حجت نکلواتا ہے کیونکہ جب تو یہ کہتا ہے کہ عمدہ صحابہؓ تے مال کے واسطے زینت اور اسراف اور کثرت کے جمع کیا تھا تو ان سرداروں کی غیبت کرتا ہے اور ان کے ذمہ بری بات لگاتا ہے اور جب تو نے یہ کہا کہ حلال مال کا جمع کرنا اس کے چھوڑنے کی نسبت اچھا ہے تو گویا تو نے نسبت خطا اور جہل کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء پر کی کہ انہوں نے ناحق زہد اختیار کیا یہ فضیلت اور رتبہ جو تو نے مال کے جمع سے بیان کیا یہ ان کو نہ سوجھا تا تیری طرح وے بھی مال جمع کرتے اور اس قول سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ تیرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ صلی وسلم نے امت کی خیر خواہی نہ کی یعنی آپ نے مال کے جمع کرنے سے منع فرمایا حالانکہ تیرے عندیہ میں مال کا جمع ہونا امت کے حق میں زیادہ اچھا ہے پس گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دھوکا دیا کہ بہتر بات نہ سکھائی بخدا کہ یہ تیرا قول سراسر لغو ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے خیر خواہ مشفق اور رؤف تھے علاوہ اس کے جب یہ کہو کہ مال کا جمع کرنا افضل ہے تو اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ تیرے نزدیک خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کچھ توجہ نہیں فرمائی کہ ہم کو مال کے جمع کرنے سے منع کر دیا یا خدائے تعالیٰ کو یہ معلوم نہ ہو کہ فضیلت مال کے جمع کرنے میں ہے اسی لئے نادانستگی میں نہی کر دی اور تجھ کو مال کی خیر و فضل کا وقوف بخوبی ہو گیا ہے اس لئے دولت کو بڑھاتا چلا جاتا ہے گویا خدا کی نسبت تجھ کو زیادہ شعور مواقع خیر و فضیلت کے پہچاننے کا ہے معاذ اللہ من ذلک خدا ایسے جہل سے پناہ دے ذرا تو سوچ کہ صحابہؓ کے مال سے حجت پکڑنا شیطان کا فریب ہے اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے مال سے حجت پیش کرنی تیرے لئے کیا مفید ہے قیامت میں وے خود چاہیں گے کہ دنیا میں سے اگر مجھ کو بقدر بسر اوقات

---

[1]. گنوائی دنیا اور آخرت یہی ہے ٹوٹا صریح ۔

ہی ملتا تو خوب ہوتا اور مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وفات ہوئی تو بعض صحابہؓ نے مذکور کیا کہ ہم کو حضرت عبدالرحمٰن کے اوپر بہت خوف ہے کہ انہوں نے جو کچھ پیچھے چھوڑا۔ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ سبحان اللہ عبدالرحمٰن کے مال سے کیا خوف ہے مال طیب کمایا اور طیب طور پر خرچ کیا اور پاک کمائی چھوڑ مرے یہ قول کعبؓ کا ابوذر غفاریؓ سے کسی نے جاکر کہا وہ پیچ و تاب کھاکر ان کی تلاش میں نکلے اور ایک[۳] باولی کی رسی ہاتھ میں لے کر ان کو ڈھونڈنے لگے۔ جب ان کی خبر ہوئی وہ بھاگ کر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور ان سے سب ماجرا بیان کر کے پناہ چاہی حضرت ابوذرؓ بھی ان کے قدم کا سراغ لیتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے گھر آئے ان کو دیکھتے ہی کعبؓ حضرت عثمان کے پیچھے جا بیٹھے حضرت ابوذرؓ بھی ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے یہودی بچے تیرا قول تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے جو مال چھوڑا کچھ مضائقہ نہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز جبل احد کی طرف نکلے میں ہمرکاب تھا مجھ کو پکارا کہ اباذر میں نے جواب دیا لبیک یارسول اللہ آپ نے ارشاد فرمایا[۱] الا کثرون هم الاکثرون یوم القیامة الامن قال هكذا وهكذا عن يمينه وشماله وقدامه وخلفه وهم قليل۔ پھر آپ نے میرا نام پکارا اور لبیک میں نے عرض کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے پاس کوہ احد کے برابر خزانہ ہو کہ اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کروں لیکن اگر مرنے کے دن اس قدر میں سے دو جو کے برابر بھی میرے بعد رہے گا تو مجھ کو اچھا معلوم نہیں ہوتا میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا دو ڈھیر بچ رہے آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ دو جو بچ رہیں پھر فرمایا کہ میں تو کم کہتا ہوں اور تو بہت کہتا ہے انتہٰی اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہیں اور تو یہودی بچے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مال چھوڑنے میں مضائقہ نہیں بتلاتا تو بھی جھوٹا ہے اور جو یہ کہے وہ بھی جھوٹا ہے پس اس بات کا حضرت ابوذرؓ کو کسی نے کچھ جواب نہ دیا یہاں تک کہ وہ کہہ کر نکل آئے اور نیز ہم کو یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے اونٹ یمن سے آئے مدینہ منورہ میں یکبارگی دھوم اور شور مچ گیا اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ یہ کیا غل ہے لوگوں نے عرض کیا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے اونٹ آئے ہیں آپ نے فرمایا اللہ و رسول نے سچ کہا ہے یہ خبر حضرت عبدالرحمٰن کو پہنچی انہوں نے حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کو پوچھا انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میں نے جنت میں دیکھا کہ مہاجرین اور مسلمانوں میں سے فقیر لوگ خوب دوڑتے جاتے تھے اور تونگروں سے ان کے ساتھ کسی کو

---

[۱] ابن عدی بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ [۲] بہت مال والے ہی قیامت کے روز کم پایہ ہوں گے مگر جس شخص نے کہا ایسا اور ایسا اپنے داہنے ہاتھ اور بائیں اور آگے اور پیچھے سے البتہ اور ایسے کم ہیں ۱۲ [۳] حدیث بخاری و مسلم کی ہے مگر اس کے شروع میں جو قصہ کعب کا ہے کہ ان کے قول پر ابوذرؓ نے نقل کیا ہے کہیں نہیں صرف حارث بن اسد محاسبی نے نقل کیا ہے [۴] احمد نے عبدالرحمٰن بن عوف کا جنت میں اس طرح داخل ہونا نقل کیا ہے اس میں ذکر فقراء مہاجرین اور مسلمین کا نہیں ہے اور اس سند عمارہ بن زاذان مختلف ہے ۱۲ [۵] بزار بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ مت قولہ باولی کی رسی الخ یہ وہم ہے بلکہ اصل میں سحی بقر یعنی راستہ میں ذبح کئے ہوئے اونٹ کا جبڑا پڑا تھا اٹھا لیا ۱۲ امیر علی عفی عنہ

جنت میں جاتے نہیں دیکھا مگر البتہ عبدالرحمٰن بن عوف ان کے ساتھ جنت میں جاتا تھا مگر گھٹنیوں چلتا تھا حضرت عبدالرحمٰن نے یہ حدیث سن کر فرمایا کہ یہ اونٹ مع ان کے بوجھ کے سب خیرات ہیں اور جو غلام ان پر نوکر ہیں وہ بھی میں نے آزاد کئے شاید فقرا کے ساتھ میں بھی دوڑ کر جنت میں جاؤں اور ایک روایت ہم کو یہ پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو فرمایا کہ میری امت کے تونگروں میں سے تم اول جنت میں جاؤ گے مگر غالباً گھٹنوں کے بل داخل ہو گے پھر اے کمبخت اب تو اپنے مال کی حجت بناحضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے باوجود فضل اور تقویٰ اور احسان اور بذل اموال براہ خدا اور صحبت رسولؐ اور بشارت جنت کے قیامت کے میدانوں میں اور اس کے احوال میں ان سے مال کی بدولت رکے رہیں گے جس کو بوجہ حلال کمایا کہ حاجت سوال کی نہ پڑے اور اس سے سلوک لوگوں کے ساتھ کرتے رہے اپنے تن بدن پر میانہ روی کے ساتھ خرچ کیا. اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت سا کچھ دیا تاہم جنت میں فقرأ مہاجرین کے ساتھ دوڑ کر نہ جاسکیں گے. بلکہ ان کے پیچھے گھٹنیوں چلیں گے جب یہ ان کا حال ہو تو ہم سے لوگ جو دنیا کے شغل میں ڈوبے ہوئے ہیں کیا حال ہو گا اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ تو ہمیشہ مال مشتبہ اور حرام پر گرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ اس ہاتھ کے میل کے لئے سینہ زوری کرتا رہتا ہے اور شہوات اور زینت اور مباہات اور طرح طرح کے مکروہات میں پھنسا رہتا ہے اور بھی الٹ پھیر کرتا رہتا ہے پھر عبدالرحمٰن کے مال کی حجت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ صحابہؓ نے جو مال جمع کیا تھا اس لیئے میں نے بھی کیا گویا آپ نے آپ کو پانچوں سواروں میں سلف کے ساتھ جانتا ہے یہ نہیں معلوم کہ یہ قیاس شیطانی ہے وہ اپنے دوستوں کو ایسے ہی احکام سوجھاتا ہے اب میں تجھے تیرا حال اور صحابہؓ اور سلف کا احوال کہہ سناتا ہوں تاکہ تجھ کو اپنی فضیحت اور صحابہؓ سلف کی فضیلت معلوم ہو جائے پس جاننا چاہیئے کہ بعض صحابہؓ کے پاس جو مال تھا تو سوال نہ کرنے اور خدا کی راہ میں دینے کی غرض سے تھا ان لوگوں نے وجہ حلال سے کمایا اور مال طیب ہی کھایا اور نفقہ متوسط درجے کا کرتے رہے آگے کے لیئے اپنا سامان کر گئے اور دنیا میں کسی کا حق نہیں مارا نہ مال سے بخل کیا بلکہ زیادہ حصہ اپنے مال کا خدا کے واسطے دے ڈالا اور بعض صحابہؓ نے بالکل ہی دے ڈالا اکثر سختی کے وقت میں واسطے خدا کے کام کے اپنے نفس کو ترجیح دی اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ تو بھی ایسا ہی ہے نہیں ویسا کیوں ہونے لگا تھا ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک : علاوہ اس کے بہترین صحابہؓ کا یہ دستور تھا کہ مسکنت دوست تھے اور خوب فقر سے مامون اور رزق کے باب میں اللہ پر متوکل اور تقدیر الٰہی سے خوش اور بلا پر راضی اور نعمت میں شاکر اور ضرر میں صابر اور راحت میں ثنا خواں خدا کے واسطے خاشع کرتے اور فخر سے علیحدہ رہتے دنیا میں سے بجز صباح کے اور کچھ نہ لیا مدام قدر حاجت پر راضی رہے دنیا پر لات ماری اس کے مصائب پر صبر کیا اور اس کی تلخی کو زہر مار کر کے نعمت کو چھوڑ دیا اب کہو تم بھی ایسے ہی ہو اس کے سوا ان کا یہ دستور تھا کہ جب دنیا ان پر آتی تو رنج وغم کر کے کہتے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی گناہ کا عذاب خدا تعالیٰ

نے دنیا ہی میں بھیج دیا یعنی دنیا کے آنے کو وبال سمجھتے تھے۔ اور جب فقر کو آتا دیکھتے تو کہتے کہ خوب ہوا یہ شعار نیک بندوں کا ہم کو ملا چنانچہ روایت ہے کہ بعض اکابر سلف جب صبح کو اپنے گھر میں کچھ دیکھتے تو رنجیدہ اور ملول ہوتے اور جب کچھ نہ ہوتا تو ہشاش بشاش ہوتے کسی نے ان سے پوچھا کہ خلق کا تو دستور ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں غم اور ہونے کی حالت میں خوشی کرتے ہیں اور تمہارا حال اس کے برعکس ہے اس کی وجہ کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ باعث یہ ہے کہ جب میں صبح اٹھ کر اپنے اہل وعیال کے پاس کچھ نہیں دیکھتا تو خوش ہوتا ہوں کہ آج پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیب ہوئی اور جب میرے عیال کے پاس کچھ ہوتا ہے تو مجھے رنج ہوتا ہے کہ اقتدائے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوا اور سنتے ہیں کہ ان لوگوں کا دستور یہ تھا کہ جب ان کو کوئی صورت رفاہ اور آسائش کی معلوم ہوتی تو غم اور خوف کرتے اور کہتے کہ ہم کو دنیا سے کیا سروکار ہے یہ جو ہمارے پاس آئی نہ معلوم خدائے تعالیٰ کو کیا منظور ہے اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی تو خوش ہوتے کہ ہاں اب خدا جانے ہماری خبر لی غرضکہ سلف کا حال اس طرح پر تھا ہم نے تو کچھ کم ہی لکھا ہے ان کے فضائل بے حد و بے شمار ہیں آپ تو تو فرماویں کہ آپ ایسے ہی ہیں جیسے وہ لوگ گزرے ہیں معاذ اللہ تم ویسے کیوں ہوئے تھے۔ اپنے حال کو اگر دیکھو بالکل ان کے برعکس ہے تمہارا حال یہ ہے کہ تونگری میں طغیانی کرتے ہو ارزانی میں تبختر کرتے ہو خوش حالی کے وقت اکڑتے ہو اور منعم حقیقی کے شکر سے غافل ہو جاتے ہو مصیبت کے وقت غصہ آتا ہے اور مفلسی میں ناامید ہو جاتے ہو اللہ کے احکام پر راضی نہیں ہوتے بلکہ فقیری کو برا جانتے ہو اور مسکنت سے تنگ ہوتے ہو مسکنت کے سبب تمام پیغمبر و مرسلین فخر کیا کرتے تھے تم کو ان کے فخر کی چیز بری معلوم ہوتی ہے ناداری کے خوف سے مال جمع کرتے ہو اس میں بھی خدا تعالیٰ پر بدگمانی ہوتی ہے اور اس نے جو روزی پہنچانے کی ضمانت کی ہے اس پر قلت یقین لازم آتی ہے اتنا گناہ کیا تھوڑا ہے بلکہ ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مال اسی لیے جمع کرتے ہو کہ دنیا کے لذات اور شہوات اور طمطراق حاصل ہوں حالانکہ یہ حدیث ہم کو پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[ح ۱] ۔

شرار امتی الذین غذوا بالنعیم و ربیت علیہ اجسامھم اور یہ بھی روایت پہنچی ہے کہ بعض علماء نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کو کچھ لوگ اپنی نیکیاں طلب کریں گے تو ان سے کہا جاوے گا۔ اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا[۲۶] تم کو یہ خبر نہیں کہ دنیا کی نعمت کے سبب آخرت کی نعمت سے محروم رہے اس سے زیادہ اور کونسی حسرت اور مصیبت ہوگی اور عجب نہیں کہ تم فخر و تکبر اور اظہار کثرت اور زینت دنیاوی کے لیے دولت جمع کرتے ہو حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو مال تفاخر اور تکاثر کے لیے جمع

ح[۱] بخاری و مسلم بروایت سعید بن زید ۱۲ ح[۲] میری امت میں سے برے وہ لوگ ہیں کہ پرورش پائی آسائش سے اور اسی پر ان کے جسم بڑھے پیشتر اس کا ذکر گزرا ہے[۳] ضائع کئے تم نے اپنے دنیا کے مزے جیتے جی ان کو برت چکے ۱۲۔

کرتا ہے خدا کے پاس ایسے حال میں جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہو گر تم کو خدا تعالیٰ کے غصہ کی کچھ پروا نہیں کہ اتنی اکڑ پھوں اس مال سے کرتے ہو شاید خدا تعالیٰ کے پاس جانے سے تم کو دنیا میں رہنا اچھا معلوم ہوتا ہے اسی لیئے دیدار الٰہی برا جانتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ خود تمہاری صورت سے ناراض ہے اور تم کو خبر نہیں دنیا کی اگر کوئی چیز تم سے فوت ہو جاتی ہے تو اس پر رنج کرتے ہو اور حدیث شریف میں وارد ہے۔ ح[۱] من اسف علی دنیا فاتتہ اقترب من النار مسیرۃ سنۃ لیکن تم کو اس کی پروا نہیں کہ اس چیز پر افسوس کرنے سے قرب عذاب ہوگا بلکہ کیا عجب ہے کہ دنیا کی توفیر کے باعث کبھی تم دین سے بھی خارج ہو جاتے ہو دنیا کے آنے سے ہشاش بشاش ہو یہ خبر نہیں کہ حدیث شریف میں ہے ح[۲] من احب الدنیا وسر بھا ذھب خوف الاخرۃ من قلبہ۔ اور بعض علما کا قول ہے کہ دنیاوی چیزوں کے جانے پر افسوس کرنے سے اور ان کے آنے پر اظہار خوشی سے آدمی سے حساب لیا جاوے گا تمہارے دل سے خوف الٰہی جاتا رہا دنیا پر کیسے خوش ہو اس کے لیئے دین کی نسبت بہت زیادہ مشقت اٹھاتے ہو اور کچھ بعید نہیں کہ گناہوں کی مصیبت تم کو بہ نسبت دنیا کے گھٹ جانے کے ہلکی معلوم ہوتی ہو تم کو مال کے جانے کا خوف زیادہ ہے اور گناہوں کا کم ہو کچھ اس ہاتھ کے میل میں سے لوگوں کو دیتے ہو وہ بھی بقصد رفعت اور برتری دیتے ہو یہ چاہتے ہو کہ مخلوق راضی رہے اور میری تعظیم اور تکریم کرے گا گو خدا تعالیٰ ناراض ہو۔ یعنی قیامت میں خدائے تعالیٰ کا تم کو حقیر جاننا بہ نسبت لوگوں کے حقیر جاننے کے آسان معلوم ہوتا ہے اپنی خطائیں لوگوں سے چھپاتے ہو اس کی پروا نہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کا علم ہے گویا خدا کے سامنے فضیحت ہونا لوگوں کی فضیحت سے آسان ہے تو لوگوں کی قدر تمہارے نزدیک خدا سے بڑھ کر معلوم ہوتی ہے معاذ اللہ جب اتنے عیب تم میں ہیں اور ایسے نجاسات میں آلودہ ہو تو پھر کیسے عاقلوں کے سامنے بولتے ہو اور کہتے ہو کہ ہمارا مال بھی صلحا کا سا مال ہے اللہ اللہ سے مگس را بر طاؤس سے ندا دند، زغن را فر عنقائی ندادند۔ تم کہاں اور وے لوگ کہاں وہ لوگ حلال میں اتنا زہد کرتے تھے کہ تم سے حرام میں بھی نہیں ہوتا۔ جس چیز کو تم لاباس بہ تصور کرتے ہو وہ ان کے نزدیک مہلکات میں تھی۔ ان سے اگر گناہ صغیرہ بھی ہو جاتا تو اس کو اتنا بڑا جانتے تھے کہ تم کبیرہ کو بھی نہیں جانتے اگر تمہارا مال حلال اور طیب ہے ان کے مال مشتبہ جیسا ہوتا تو کیا کہنا تھا اور کاش تم اپنی برائیوں ہی سے اتنا ڈرتے جتنا وے اپنی بھلائیوں کے نہ قبول ہونے سے ڈرتے تھے یا تمہارا روزہ ان کے افطار کے مثل ہوتا یا تمہاری مشقت عبادت میں ان کی سستی اور خواب کے برابر ہوتی یا تمہاری تمام نیکیاں ان کی ایک ہی نیکی کے برابر تو ہیں

ح[۱] جو شخص دنیا کے جاتے رہنے کا افسوس کرے وہ آگ سے ایک برس کی راہ نزدیک ہو جاتا ہے ۱۲ ح[۲] اس کی سند صرف حارث بن اسد محاسبی سے ہم کو ملی ہے کہ اس نے کہا ہے کہ ہم نے ایسا مروی سنا ہے ۱۲۔

ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہؓ نے فرمایا کہ جس قدر دنیا صدیقین سے فوت ہو جاتی ہے اور علیحدہ رہتی ہے اسی قدر ان کے حق میں غنیمت شمار ہوتی ہے پس جو شخص ایسا نہ ہو وہ ان کا ساتھی نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں اب دیکھنا چاہیئے کہ دونوں فریقوں میں کتنا فرق ہے ایک فریق تو صحابہؓ ہیں کہ خداوند کریم کے نزدیک علو مرتبہ رکھتے ہیں اور ایک فریق تم جیسے ہیں کہ اسفل درجہ رکھتے ہیں مگر یہ خداوند کریم اپنے کرم سے معاف فرمادے اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اے مغرور یہ جو تیرا قول ہے کہ مال کے جمع سے ہماری غرض اقتداء صحابہؓ ہے کہ حاجت سوال کی نہ ہو اور خدا کی راہ میں دیویں تو اس بات کو سوچنا چاہیئے کہ جیسا کہ ان لوگوں کے وقت میں حلال میسر تھا اس زمانہ میں ہے یا نہیں یا جس قدر احتیاط طلب حلال میں وے لوگ کرتے ہیں اتنی ہی تجھ سے ہو سکتی ہے یا نہیں مجھ کو بعض صحابہ کا قول یوں پہنچا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم وجہ حلال کے ستر راستے اس لیئے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حرام میں نہ پڑ جاویں پس کیا تو بھی اپنے نفس سے ایسی ہی احتیاط کی طمع رکھتا ہے بخدا مجھ کو تجھ سے ہرگز یہ توقع نہیں کہ اتنی احتیاط کرے یہ یقیناً جان لے کہ مال کا جمع کرنا سلوک و افعال نیک کے لیئے شیطان کا ایک فریب ہے تاکہ سلوک اور احسان کے بہانے سے تجھے شبہات کے کمانے میں ڈال دے جن میں حرام مخلوط رہتا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص شبہات پر جرائت کرتا ہے قریب ہے کہ حرام میں تبدیل ہو جاوے اے مغرور کیا تجھ کو یہ نہیں معلوم کہ شبہات کی چیزوں کا کما کر خدا کے راستے میں دینے کی بہ نسبت یہ امر بہتر ہے کہ شبہات میں مبتلا ہونے سے ہمیشہ ڈرتا ہے تاکہ خداوند کریم کے سامنے قدر و مرتبہ افضل و بلند ہو چنانچہ علما کا قول ہے کہ اگر ایک آدمی ایک روپیہ چھوڑ دے اس خوف سے کہ شاید حلال نہ ہو یہ امر اس کے حق میں بہ نسبت ہزار اشرفیوں کی خیرات سے بہتر ہے جو شبہہ سے کمائی ہوں اور معلوم نہ ہوں حلال ہیں یا نہیں اب اگر تیرے گمان میں یہ ہو کہ میں بڑا متقی ہوں مجھ کو شیطان دھوکا نہیں دے سکتا اور مال وجہ حلال سے ہی جمع کرتا ہوں تاکہ خدا کے راستے میں دوں تو ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض تو ایسا ہی متقی ہے تب بھی قیامت کا حساب اپنے اوپر رکھنا چاہیئے کہ بہترین صحابہؓ سوال روز قیامت سے خوف کرتے تھے چنانچہ بعض صحابہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہزار اشرفیاں وجہ حلال سے روز کماؤں اور ان کو خدا کی راہ میں لٹاؤں اور اس خیرات سے میری جماعت کی نماز میں بھی فتور نہ پڑے تب بھی مجھ کو ایسی خیرات اچھی معلوم نہیں ہوتی لوگوں نے اس کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ حالت ناداری میں قیامت کے سوال سے غنی ہوں اغنیاء سے سوال ہو گا کہ اے بندے کہاں سے تو نے پیدا کیا اور کہاں خرچ کیا پس دیکھ کہ متقی لوگ یہ تھے اسلام کے سبب ایسی تونگری ان کو حاصل تھی کہ باوجودیکہ حلال اس زمانہ میں موجود تھا تاہم حساب کے خوف سے مال کو ترک کیا کہ کہیں اس کی نیکی سے بدی نہ ہو رہے اور تو رذی اور نکمے لوگوں میں ہے وجہ حلال اس زمانہ میں مفقود ہے اس ہاتھ کے مال پر سینہ زوری کرتا ہے پھر کہتا ہے کہ میں مال وجہ حلال سے

جمع کرتا ہوں حلال کہاں ہے جس کو تو جمع کرتا ہے اور اگر بر تقدیر حلال تیرے پاس موجود ہے کہ تو تجھ کو کیا یہ خوف نہیں کہ توانگری کی حالت میں تیرا دل اور کا ہو جاوے بعض صحابہؓ جب بوجہ ارث ان کو مال پہنچتا تو اس کو نہ لیتے اس خوف سے کہ کہیں دل میں تغیر اور فساد نہ آجاوے تو کیا اپنے دل کو صحابہؓ کے دل سے بھی متقی تر سمجھتا ہے کہ کسی حال میں امر حق سے تجاوز نہ کرے گا اگر یہ گمان ہے تو اپنے نفس امارہ پر خوب حسن ظن ہے ہم صرف براہ نصیحت کہتے ہیں کہ تجھ کو مقدار حاجت پر قناعت کرنی چاہیئے اور اعمال خیر کے لیئے مال جمع کر کے حساب کے واسطے متعرض ہونا نہ چاہیئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے ؎ من نوقش فی الحساب عذ؎ب عذاب اور یہ بھی فرمایا کہ قیامت کو ایک شخص پیش کیا جاوے گا جس نے مال حرام سے جمع کیا ہو گا اور حرام ہی میں اٹھایا جائے گا اس کو حکم ہو گا کہ دوزخ میں لے جاؤ اور ایک شخص ایسا سامنے کیا جاوے گا کہ وجہ حلال سے مال کمایا اور حرام میں اٹھایا اس کو بھی دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہو گا کہ دوزخ میں لے جاؤ اور ایک شخص ایسا لایا جاوے گا جس نے وجہ حرام سے کمایا اور امور حلال میں اٹھایا وہ بھی دوزخ میں جانے کا حکم پاوے گا اور ایک شخص حاضر کیا جاوے گا جس نے حلال ہی سے کمایا اور حلال ہی میں اٹھایا اس کو حکم ہو گا کہ توقف کر کہ شاید تو نے مال کی طلب میں کسی اور میرے فرائض میں قصور کیا ہو مثلاً نماز کو ٹھیک وقت میں ادا نہ کیا ہو یا اس کے رکوع وسجود اور وضو میں کوتاہی کی ہو وہ عرض کرے گا کہ الٰہی میں نے وجہ حلال سے کمایا اور وجہ حلال ہی میں خرچ کیا اور تیرے فرائض میں سے بھی کوئی شئے تلف نہیں کی حکم ہو گا کہ شاید تو نے مال کی جہت سے تکبر کیا ہو یا سواری اور کپڑے میں فخر جتلایا ہو عرض کرے گا الٰہی میں نے نہ تکبر کیا اور نہ فخر ظاہر کیا حکم ہو گا کہ شاید جن لوگوں کا حق میں نے تیرے ذمہ کیا تھا ان کا حق کچھ تو نے دبا لیا ہو اور ذوی القربیٰ اور یتیموں اور مساکین اور مسافرین کو نہ دیا ہو عرض کرے گا کہ الٰہی میں نے وجہ حلال سے حاصل کیا اور اس میں خرچ کیا اور کوئی تیرا فرض ضائع نہیں کیا اور تکبر و فخر بھی نہ کیا اور نہ کسی کا حق دبایا پھر وہ سب لوگ یعنی رشتہ دار اور یتیم اور مساکین اور مسافرین اس سے آکر خصومت کریں گے کہ الٰہی تو نے اس کو مال دیا اور غنی بنایا اور ہمارے دینے کا حکم فرمایا اور ہمارا مددگار کیا تو اگر اس نے ان کو دیا تھا اور باوجود اس کے فرائض میں بھی قصور نہیں کیا اور نہ تکبر کیا پھر بھی حکم ہو گا کہ توقف کر اور جو جو نعمت میں نے تجھ کو دی تھی کھانے کی یا پینے کی یا لقمہ یا لذت کی سب کا شکر پیش کر اسی طرح سے پرسش ہوتی رہے گی اب ہم پوچھتے ہیں کہ جب شخص مذکور جس نے وجہ حلال ہی سے کمایا اور اسی میں اٹھایا اور تمام حقوق فرائض کو بخوبی ادا کیا اس سے اس قدر حساب لیا جاوے گا تو ہم جیسے لوگوں کا کیا حال ہو گا کہ ہمہ تن دنیا کے فتنوں اور اس کے شبہات و زینت اور شہوات میں ڈوبے ہوئے ہیں اے کمبخت

؎ جو حساب میں الجھایا جاوے گا۔ عذاب میں مبتلا ہو گا۔ بخاری و مسلم بروایت حضرت عائشہؓ ۱۲

انہیں سوالوں کی جہت سے متقی دنیا میں آلودہ نہیں ہوتے اور مقدار ضرورت پر راضی ہو کر انواع و اقسام کے اعمال نیک بہتر کسب مال سے کرتے ہیں تیرے لئے ان کی اقتدا موجود ہے ان کی پیروی کرنا چاہئے اگر یہ امر منظور نہ ہو اور یہی خیال ہو کہ میں سب سے زیادہ متقی ہوں اور اپنی دانست میں مال بھی حلال سے حاصل کیا ہے بایں غرض کہ کسی کا محتاج نہ رہوں اور خدا کی راہ میں خرچ کروں اور خرچ میں کسی طرح کا حق ذمہ نہیں رہتا اور مال کے سبب دل پر بھی تغیر نہیں آتا۔ خدا کی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور خداوند کریم تیرے ظاہر اور باطن سے ناراض نہیں اگر یہ تصور ہے گو اس طرح کا ہونا ممکن نہیں تب بھی یہی چاہئے کہ مقدار ضرورت پر اکتفا کرے اور مالداروں سے سوال قیامت میں علیحدہ رہے اور اول ہی قافلے کے ساتھ زمرۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو مال کی جہت سے نہ جس تم پر ہو نہ سوال کی نوبت پہنچے نہ حساب دینا پڑے اور حساب میں یا تو نجات ہی ہے یا آفات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فقیر مہاجرین جنت میں اغنیا کی نسبت پانچسو برس پہلے داخل ہوں گے اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ فقرائے مومنین جنت میں اغنیاء کی نسبت اول داخل ہوں گے اور کھائیں گے اور مزے کریں گے اور اغنیاء کا یہ حال ہو گا کہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو ارشاد فرماوے گا میرا مطالبہ تمہیں سے ہے تم لوگوں کے حاکم اور بادشاہ تھے بتلاؤ کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا اس میں تم نے کیا کیا اور بعض علماء کا قول ہے کہ اگر میرے پاس عمدہ چوپائے ہوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کے ساتھ اول قافلہ میں نہ ہوں تو ایسا مال مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا بھائیو ایسی بات میں کوشش کرو جس سے ہلکے پھلکے زمرۂ انبیا علیہ السلام میں شامل ہو اور اس بات سے ڈرو کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو کر پیچھے نہ رہ جاؤ جیسے متقی ڈرتے رہتے ہیں اور مجھ کو یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ بعض صحابہ کو پیاس لگی آپ نے پانی مانگا لوگ ان کے لئے شہد کا شربت لائے جب آپ نے اس کو چکھا تو آنسوؤں سے ہچکی بندھ گئی خود بھی روئے اور ان کو بھی رلایا پھر منہ سے آنسو پونچھ کر چاہا کہ کچھ کلام کریں پھر رونا شروع کیا جب کثرت سے روئے۔ تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا اسی شربت کے باعث سے آپ روتے ہیں فرمایا کہ ہاں ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اور حجرۂ شریف میں سوائے میرے اور آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا اتنے میں آپ نے فرمانا شروع کیا کہ مجھ سے الگ رہ میں نے عرض کیا کہ مادر و پدر آپ پر قربان ہوں میں تو آپ کے سامنے کسی کو نہیں دیکھتا آپ کس سے مخاطب ہیں آپ نے فرمایا کہ دنیا نے اس وقت میرے پاس اپنی گردن اور سر بڑھا کر کہا کہ مجھ کو لے لو میں نے اس سے کہا کہ مجھ سے الگ ہو اس نے جواب دیا کہ اے محمدؐ اگر تم مجھ سے بچ رہو گے تو تمہارے بعد کے لوگ مجھ سے نہ بچیں گے تو مجھ کو یہ خوف ہے کہ اس شربت کے پینے سے کہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ نہ ہو جاؤں بھائیو اخیار یہ لوگ تھے کہ اس خوف سے کہ شربت حلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ کر دے روتے تھے اے کمبخت تو تو انواع و اقسام کی نعمت اور شہوات میں مبتلا ہے اور کمائی بھی خالی حرمت اور شبہ سے نہیں۔

تجھ کو خوف علیحدگی کا اس حبیب پاک سے نہیں نف ہے تجھ پر کتنا بڑا جاہل ہے کہ اگر قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا تو وہ احوال و وحشتیں دیکھے گا جن سے فرشتے اور انبیاء فریاد کریں گے اور اگر اب کوشش میں قصور کرے گا تو پھر ان کے ساتھ ملنا دشوار ہے اور اگر تجھ کو مال کی کثرت منظور ہے تو سخت حساب کے لئے صبر کرنا پڑے گا اور اگر مقدار قلیل پر قانع ہو گا تو مدت تک میدان قیامت میں ٹھہرنا اور آہ و نالہ کرنا پڑے گا اگر پیچھے رہنے والوں کے احوال سے راضی ہو گا تو اصحاب یمین اور رسول رب العالمین سے علیحدہ رہے گا اور دار نعیم و خلد بریں میں دیر کر پہنچے گا متقیوں کے حال کے خلاف اگر کرے گا تو اہوال روز حشر میں مرے گا اس کو خوب سوچ لینا چاہیئے پھر اگر یہ خیال ہو کہ میں بھی مثل سلف صالحین کے ہوں کہ قدر قلیل پر قانع ہوں اور حلال کا طالب مال کا دینے والا اپنے نفس پر ایثار کرنے والا فقر سے ڈرتا نہیں نہ کل کے واسطے کچھ جوڑتا ہوں تکاثر اور غنی کو برا جانتا ہوں اور فقر اور بلا پر راضی قلت اور مسکنت سے خوش ہوں اور فروتنی و ذلت کو اچھا سمجھتا ہوں اور علو و رفعت کو برا اپنے کام میں پکا ہوں راہ راست سے میرا دل پھرتا نہیں اپنے نفس کو صرف اللہ کے واسطے روکے رہتا ہوں اور سب کاموں میں مرضی الہی مقدم جانتا ہوں اور مجھ جیسا متقی سوال و حساب کے جھگڑے میں توقف نہ کرے گا میرا جمع کرنا مال کو صرف خرچ فی سبیل اللہ کے لیئے ہے تو کمبخت ذرا تو غور کیا کر کیا تجھے یہ نہیں معلوم کہ مال کے شغل نہ رکھنے اور ذکر و فکر اور عبرت کے لیئے دل کے فارغ رہنے سے دین زیادہ بچا رہتا ہے اور حساب میں آسانی ہوتی ہے سوال خفیف ہوتے ہیں قیامت کے احوال سے امن ہوتا ہے اور ثواب بہت سا ملتا ہے خدا کے نزدیک مرتبہ نہایت زیادہ حاصل ہوتا ہے بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث نقل فرمائی کہ اگر ایک آدمی گود میں اشرفیاں لے کر تقسیم کرے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ذاکر بہ نسبت اول شخص کے افضل ہو گا اور بعض علما سے کسی نے سوال کیا کہ ایک شخص مال اعمال خیر کے لیئے جمع کرتا ہے انہوں نے فرمایا کہ نہ جمع کرنے میں اس کے لیئے زیادہ خیر ہے اور نیز بعض عمدہ تابعین سے کسی نے پوچھا کہ دو شخصوں میں سے ایک نے دنیا بوجہ حلال پیدا کی اور اس سے صلہ رحم کیا اور دوسرا اس سے بالکل کنارہ کش رہا نہ اس نے دنیا طلب کی نہ اس کو ملی ان دونوں میں افضل کون سا ہے آپ نے فرمایا کہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے جو دنیا سے کنارہ کش ہے وہ افضل ہے اور اس میں اور دوسرے میں پورب پچھم کا فرق ہے پس کمبخت تو اگر دنیا چھوڑ دے تو تجھ کو بھی بہ درجہ دنیا داروں پر مل جاوے اور مال کا شغل نہ رکھنے سے دنیا میں بھی بہت سے فائدے ہیں بدن کو راحت ملتی ہے زیادہ مشقت نہیں کرنا پڑتی زندگی چین سے فارغ البالی میں ہیں گزرتی ہے تردد کم کرنا پڑتا ہے جب ترک مال سے تجھ کو طالب مال پر یہ فضیلت ہے تو اب کون سا عذر مال کے جمع کرنے میں باقی ہے بلکہ ذکر الہی میں مشغول ہونا خدا کی راہ میں خیرات کرنے سے افضل ہے تو سوچنے کی بات ہے

۱؎ اس کی سند مجھ کو نہیں ملی ۱۲ ۲؎ بزار و حاکم نے بروایت زید بن ارقم یہ حال حضرت ابوبکر صدیقؓ کا کہا ہے ۱۲

کہ مال کے نہ جمع کرنے سے سردست راحت ہے اور آخرت میں فضیلت علاوہ ازیں اگر مال کے جمع کرنے میں بالفرض
کوئی فضیلت بڑی ہو تب بھی مکارم اخلاق میں تجھ کو چاہیئے کہ اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرے جن
کے باعث تجھ کو خدا نے ہدایت کی ہے اور جو دنیا سے کنارہ کشی انہوں نے اپنے نفس کے لیئے اختیار کی وہی
تو بھی اپنے نفس کے واسطے اختیار کر اس کو خوب غور کر اور یقین جان لے کہ سعادت و فلاح دنیا سے الگ رہنے
میں ہے پس لوائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اول جنت ماویٰ میں جانے کی فکر کر مجھ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سردار ایماندار لوگوں کے وہ ہیں جن کو صبح کا کھانا ملے تو شام کا نہ ملے اور اگر قرض لیا
چاہیں تو کوئی قرض نہ دے اور عورت سے زیادہ کپڑا نہ رکھتے اور مقدار کفایت کے کھانے پر قدرت رکھتے ہوں اور
باوجود اس کے صبح اور شام اپنے پروردگار سے راضی رہیں۔ فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم
من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا ط بھائی اگر اس بیان
کے بعد تو مال جمع کرے گا اور دعویٰ کرے گا میں اعمال خیر کے لیئے جوڑتا ہوں تو تیرا دعویٰ سراسر لغو ہے بلکہ فقر
کے خوف سے تنعم اور اظہار کثرت اور زینت اور فخر اور شیخی اور ریا اور شہرت اور تعظیم اور بڑائی کے لیئے جوڑتا
ہے اور کہتا ہے کہ اعمال خیر کے لیئے جمع کرتا ہوں خدا کو دھیان کر اور اپنے دعوی سے شرم کر اور اگر محبت مال
دنیا کی تجھ پر غالب ہے تو اس بات کا اقرار کر واقع میں خیر و فضل ضروری پر راضی رہنے سے اور فضول چیزوں
سے علیحدہ ہونے سے ہے اور مال کو جمع کرتے وقت اپنے نفس کو حقیر جان اور اپنی خطا کا قائل حساب روز حشر
سے خائف ہو یہ امر تیرے لیئے موجب نجات اور قریب الی الفضل ہے اس سے کہ تو مال کے جمع کرنے کی حجتیں لاطائل
ڈھونڈھے۔ بھائیو صحابہؓ کے زمانہ میں حلال موجود تھا اور وہ لوگ سب میں زیادہ متقی اور زاہد اشیاء مباح کے تھے اور اس زمانہ میں کہ وجہ حلال مفقود ہے حتی کہ قوت یومیہ
اور ستر عورت بھی حلال سے میسر نہیں ہو سکتی پس ایسے زمانہ میں مال کے جمع کرنے سے خدا ہمکو اور تم دونوں کو بچاوے علاوہ ازیں ہم لوگوں میں صحابہؓ کا سا تقویٰ اور
ورع اور زائد اور احتیاط کہاں اور ان کے سے دل اور ان کی سی نیتیں بخدا ہم لوگوں پر مرض نفس کی مصیبت چھاگئی اور اسکی خواہشوں میں پھنس گئے اور عنقریب قیامت
میں گزر ہوگا بڑے سعید وہ ہیں جو اس روز ہلکے پھلکے رہینگے اور جو لوگ دولت ور زیادہ مالدار ہیں کہ حرام و حلال سب ملا کر کھا گئے ان کو بڑا رنج ہوگا میں نے بطور
نصیحت تمکو سنا دیا قبول کرنا تمہارا کام ہے اور اسکے قبول کرنے والے کم ہیں خدا رحمت خاص سے ہمکو اور تم کو توفیق عنایت فرماوے آمین۔ یہ کام یہ
آخر کلام حارثؒ کا ہے اس بیان سے فضیلت فقر کی غنا پر بخوبی ثابت ہے اور اسی قدر کافی و وافی بھی ہے زیادہ
اس سے کیا ہوگا اور جو اخبار کہ ہم نے باب ذم دنیا میں باب فقر و زہد میں بیان کئے ہیں وہ بھی اسی بات
کے شاہد ہیں اور ایک روایت ہے اور اسی کی شاہد وہ ہے جو ابو امامہ باہلی سے مروی ہے کہ ایک بار ثعلبہ بن حاطب

خ ابو منصور نے اس کو طبرانی کی طرف منسوب کیا جو بروایت ابو حازم عن ابی ہریرہؓ ۱۲ ف ۲ سو ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ نے نوازا نبی اور صدیقؓ
اور شہدا اور نیک بخت اور خوب ہے ان کی رفاقت ۱۲

نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ مجھ کو مال دیوے آپ نے فرمایا کہ اے ثعلبہ تھوڑا سا مال جس کا تو شکر کئے چلا جاوے بہ نسبت بہت مال کے جس کا تو شکر نہ کر سکے۔ بہتر ہے اس نے عرض کیا آپ دعا فرماویں کہ خدا تعالیٰ مجھ کو مال دے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ثعلبہ تو تو کیا میری پیروی نہیں کرتا تو بھی مثل پیغمبر خدا ہو بخدا کہ اگر میں چاہوں کہ پہاڑ سونے چاندی کے ہوکر میرے ہمراہ چلیں تو ہو سکتا ہے اس نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنایا اگر آپ کی دعا سے مجھے خدا تعالیٰ مال دے گا تو میں سب حقوق والوں کا حق بھی دوں گا اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا آپ نے دعا کی کہ الٰہی ثعلبہ کو مال عنایت فرما پس اس نے کچھ بکریاں لیں وہ دیمک کی طرح بڑھنی شروع ہوئیں یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں نہ رہ سکا اور جنگل میں وادی مدینہ کے جا رہا ظہر اور عصر کی جماعت میں حاضر ہوتا باقی جماعتوں کو ترک کرتا پھر بکریوں کی اور زیادہ کثرت ہوئی کہ اس جنگل میں بھی گزر نہ ہو سکا اور تھوڑی دور جا رہا اور صرف جمعہ کی جماعت کے لئے مدینہ منورہ آتا اور باقی ترک کرتا اور بکریاں دیمک کی طرح پھیلتی رہیں یہاں تک کہ جمعہ بھی چھوٹ گیا جمعہ کے روز راہ کے مسافروں سے ملتا اور خبر پوچھ لیا کرتا ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ ثعلبہ کا کیا حال ہے انہوں نے بکریوں کی کثرت اور اس کا مدینہ چھوڑنا اور بتدریج ترک جماعت کرنا سب کہہ سنایا آپ نے تین بار فرمایا ویح ثعلبہ انہیں دنوں میں یہ آیت اتری تھی[1] خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلٰوتک سکن لھم[2] اور اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ بھی فرض فرمائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو قوم جہنیہ سے اور ایک کو بنی سلیم سے صدقات لینے کے لئے مقرر فرمایا اور ایک وثیقہ صدقہ لینے کا لکھ دیا کہ اس کے ذریعے سے وصول کریں اور حکم دیا کہ باہر جا مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کریں اور ثعلبہ بن حاطب اور فلاں شخص بنی سلیم والے کے پاس جا کر ان سے صدقہ لینا یہ دونوں صاحب مدینہ منورہ سے حسب ارشاد باہر نکلے اور ثعلبہ کے پاس آئے اور زکوٰۃ اس کے مال کی مانگی اور اور نوشتہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو دکھلایا اس نے کہا یہ تو ڈانڈ ہے یہ ڈانڈ کا بھائی ہے تم جاؤ اور جگہ سے فارغ ہو کر آیو وہ دونوں اس شخص سلیمی کے پاس گئے[3] اور اس سے سوال صدقہ کا کیا وہ سنتے ہی کھڑا ہو گیا اور اپنے اونٹوں میں بہت عمدہ چھانٹ کر زکوٰۃ کے لئے علیحدہ کئے پھر ان دونوں کے سامنے ان کو لے آیا اور کہا کہ یہ مال زکوٰۃ ہے جب ان کی نگاہ ان پر پڑی کہا کہ تیرے اوپر یہ واجب نہیں کہ سب سے عمدہ مال دے ہم ان کو نہ لیں گے اس نے عرض کیا کہ آپ انہیں کو لیویں میں بخوشی خاطر دیتا ہوں اور اسی واسطے لایا ہوں غرض سب جگہ سے صدقات تحصیل کر کے ثعلبہ کے پاس آئے اور اس سے دوبارہ سوال صدقہ کیا اس نے کہا کہ تم مجھ کو نوشتہ دکھلاؤ

---

[1] طبرانی بسند ضعیف ۱۲ [2] بلا کی ہے شبلہ کی ۱۲ ترجمہ: لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ کو کہ ان کو پاک کرے اور دے دعا ان کو البتہ تیری دعا ان کو آسودگی ہے ۱۲

[3] قولہ پاس گئے الخ اصل میں اور کتب حدیث میں یہ ہے کہ دونوں اس مرد سلیمی کی طرف روانہ ہوئے تھے اس نے اس کے آنے کی خبر سن لی تھی تو فوراً اپنے مال سے عمدہ عمدہ اونٹ چھانٹ کر ساتھ لئے ہوئے ان دونوں کے استقبال کو آیا ۱۲ امیر علی عفا اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۔

یا دیکھ کر کہا یہ تو ڈانڈ کا بھائی ہے اب تم جاؤ میں سوچ لوں تو کچھ کہوں جب یہ دونوں خدمت مبارک رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو آپ نے پہلے ان کے بولنے سے دیکھتے ہی فرمایا کہ ہلاکی ہو ثعلبہ کو اور اس شخص سلیمی کے لیئے دعائے خیر کی پھر ان دونوں نے جو کچھ ماجرہ گزرا تھا سب بیان کیا کہ ثعلبہ نے ایسا کہا اور سلیمی نے ایسا کہا اسی وقت ثعلبہ کے باب میں یہ آیت اتری۔ ومنھم من عاھد اللہ لئن اتانا من فضلہ لنصدقن ولنکونن

من الصالحین فلما اتاھم من فضلہ بخلوا بہ وتولوا وھم معرضون فاعقبھم نفاقاً فی قلوبھم الیٰ یوم یلقونہ بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ وبما کانو یکذبون ؎۔ اس وقت حضرت کی خدمت میں ایک شخص ثعلبہ کے رشتہ داروں میں سے بیٹھا ہوا تھا اس نے اس آیت کو سنا اور ثعلبہ کے پاس جاکر کہا کہ تیری ماں مرے۔ خداوند کریم نے تیرے باب میں ایسا حکم نازل فرمایا ہے پس ثعلبہ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملتجی ہوا کہ میں زکوٰۃ دیتا ہوں پذیرا ہو آپ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم نے مجھ کو منع کر دیا ہے میں قبول نہیں کر سکتا اس نے اپنے سر پر مٹی ڈالنی شروع کی آپ نے فرمایا جیسا تو نے کیا ویسا پایا جو کچھ میں نے تجھ سے کہا تھا تو نے میری اطاعت نہ کی جب اس نے دیکھا کہ آپ قبول نہ فرماویں گے اپنے گھر واپس آیا اور آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں زکوٰۃ مال حاضر کی انہوں نے بھی نہ لی ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس لایا انہوں نے بھی انکار فرمایا پھر بعد آپکی خلافت کے وہ مر گیا۔ پس مال کی طغیانی اور بدبختی اس روایت سے معلوم کرنی چاہیئے اور از انجا کہ فقری میں برکت ہوتی ہے اور مالداری نحوست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیئے اور اپنے اہل بیت کے لیئے فقری کو پسند کیا یہاں تک عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو آپ ذی منزلت جانتے تھے ایک بار مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے عمران تو ہمارے نزدیک ذی رتبہ و ذی جاہ ہے مرضی ہو تو فاطمہؓ کی عیادت کو چل میں نے عرض کیا کہ بہت بہتر پس آپ کھڑے ہوئے اور میں ہمرکاب ہوا یہاں تک کہ فاطمہؓ کے دروازے پر جاکر دستک دی اور فرمایا کہ السلام وعلیکم میں اندر آؤں حضرت فاطمہ نے جواب دیا کہ تشریف لایئے آپ نے فرمایا کہ میں اور میرا ساتھی دونوں آویں انہوں نے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہے آپ نے فرمایا کہ عمران بن حصین انہوں نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میرے پاس ایک عبا کے سوا اور کوئی کپڑا نہیں آپؐ نے دست مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس کو اس طرح لپیٹ لو انہوں نے عرض کیا کہ بدن تو میں نے چھپا لیا مگر سر کیسے چھپالوں آپ نے اپنی پرانی چادر ان کے پاس پھینک دی اور فرمایا کہ اس سے اپنا سر باندھ لو پس بعد اس کے حضرت فاطمہؓ نے اجازت گھر میں آنے کی دی آپ نے اندر جاکر فرمایا اے لخت جگر السلام وعلیکم آج تم کیسی ہو انہوں نے عرض کیا کہ میرے درد ہے

؎ اور بعضے ان میں وہ ہے کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم خیرات کریں اور ہو رہے ہیں ہم نیکی والوں میں پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے اس میں بخل کیا اور پھر گئے وہ ٹلا کر اور پھر اس کا اثر رکھا نفاق ان کے دل میں جس دن تک اس سے ملیں گے اس پر کہ خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ دیا اور اس پر کہ بولتے تھے جھوٹ ۲؎ یہ حدیث بروایت عمران بن حصین مجھے اللہ سے جو وعدہ دیا اور اس پر کہ بولتے تھے جھوٹ ۲؎

اس درد پر اور ایک درد یہ ہے کہ میرے پاس کھانے کو نہیں بھوک نے مجھے نڈھال کر دیا ہے آپ رو پڑے اور فرمایا
اے لخت جگر تو مت گھبرا خدا میں نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا اور تیری نسبت خدا کے نزدیک میرا زیادہ رتبہ
ہے اگر میں خدا سے مانگتا تو مجھ کو کھلا دیتا مگر میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور پسند کیا پھر آپ نے اپنا ہاتھ
ان کے مونڈھے پر مار کر کہا کہ تجھ کو بشارت ہو کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے انہوں نے عرض کیا پھر آسیہؑ فرعون
کی بی بی اور مریم عمران کی بیٹی اور خدیجہ خویلد کی بیٹی کہاں گئیں آپ نے فرمایا وہ اپنے اپنے وقت کی عورتوں کی
سردار تھیں اور تم اپنے عہد کی عورتوں کی سردار ہو تم سب ایسے مکانوں میں رہو گی جو زبرجد کے بنے ہوئے اور یاقوت
سے جڑے ہوں گے ان میں کسی طرح ایذا اور شور و غل نہ ہو گا بعد اس کے ارشاد فرمایا کہ اپنے چچازاد کے ساتھ قناعت
کر میں نے تیرا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے کہ دنیا میں سردار اور آخرت میں بھی سردار ہو گا انتہی۔ اب ذرا حال حضرت فاطمہؓ
کا دیکھنا چاہیئے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگر پارہ ہیں کیسے فقیری کو اختیار کیا اور مال کو چھوڑ دیا اور جو کوئی
احوال انبیاء اور اولیاء کو اور ان کے اقوال کا لحاظ کرے اور ان کے اخبار و آثار کو دیکھے وہ یقیناً معلوم کرے گا کہ مال
کا نہ ہونا اس کے وجود کی نسبت افضل ہے گو خیرات ہی میں کیوں نہ خرچ ہو اس واسطے کہ ادنیٰ بات مال میں باوجود ادائے
حقوق اور اجتناب شبہات اور صرف خیرات کے یہ ہے کہ نیت اسی کی اصلاح میں مصروف رہتی ہے اور ذکر الٰہی نہیں
ہوتا کیونکہ فکر اللہ دل کے فارغ ہونے سے بن پڑتا ہے صرف مال کے شغل کے ساتھ فراغ خاطر ممکن نہیں اور جریرؒ لیثؒ
سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا کہ میں آپ کی خدمت میں رہوں گا حضرت نے اس کو
ساتھ لیا اور ایک ندی کے کنارے جا کر ناشتا کیا آپ کے ساتھ تین روٹیاں تھیں دونوں کھالیں اور ایک باقی رہی حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے اور نہر میں سے پانی پی کر پھر آئے اور وہ روٹی نہ پائی آپ نے اس شخص سے پوچھا کہ روٹی
کس نے لی اس نے عرض کیا کہ مجھ کو نہیں معلوم آپ نے اس کو ساتھ لیا اور چل دیئے راہ میں ایک ہرنی ملی جس کے ساتھ
دو بچے تھے آپ نے ایک کو بلایا اور وہ چلا آیا اس کو ذبح کر کے بھونا اور آپ نے مع اس شخص کے تناول فرمایا پھر اس بچے کو
فرمایا کہ قم باذن اللہ یعنی خدا کے حکم سے کھڑا ہو جا وہ اٹھ کر چلا گیا پھر آپ نے اس شخص سے کہا کہ تجھ کو قسم ہے اس ذات
کی کہ جس نے تجھ کو یہ معجزہ دکھلایا بتا دے کہ روٹی کس نے لی اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا پھر آپ اس کو ساتھ لے
چلے اور ایک چشمے پر پہنچے آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پانی پر چلے گئے جب اس سے پار ہوئے تو انہوں نے پوچھا کہ
تجھ کو قسم ہے اس معجزہ دکھانے والے کی بتلا کہ روٹی کس نے کھالی اس نے بدستور سابق عرض کیا مجھے معلوم نہیں پھر ایک
جنگل میں گئے۔ وہاں بیٹھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی یا بالو جمع کرنا شروع کیا اور ڈھیر بنا کر فرمایا کہ خدا کے
حکم سے سونا ہو جا سونا ہو گیا آپ نے اس کے تین حصے کئے اور فرمایا کہ ایک ان میں سے میرا ہے اور ایک تیرا اور ایک
اس شخص کا جس نے روٹی لی یہ سنتے ہی وہ بول اٹھا کہ روٹی تو میں نے لی تھی آپ نے فرمایا یہ سب تو ہی رکھ اور اس سے

---

۷ یہ حدیث بروایت عمران بن حصین مجھے نہیں ملی احمد و طبرانی نے بروایت معقل بن یسار اسی قصہ کو اس طرح پر نقل کیا ہے ۱۲۔

علیحدہ ہو گئے یہ شخص مال لیئے جنگل میں تھا کہ اتنے میں دو شخص اس کے پاس آئے اور چاہا کہ اس کو مار کر چھین لیں اس نے کہا کہ اس کو ہم آپس میں برابر تقسیم کریں گے لڑنے کی ضرورت کیا ہے اول ایک شخص گاؤں میں جاکر کھانا لے آوے کہ اس کو کھاویں ایک ان میں سے کھانا لینے گیا اور دل میں کہا کہ اگر اس کھانے میں زہر ملا دوں تو دونوں شخص مر جاویں گے مال سارا مجھ ہی کو ملے گا اسی خیال سے کھانے میں زہر ملا دیا اور ادھر ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر تیسرا شخص مارا جاوے گا تو مال آدھا آدھا ہمارے حصہ میں آوے گا جب وہ کھانا لے کر آوے اس کو مار ڈالنا چاہیئے۔ چنانچہ جب وہ کھانا لے کر گیا ان دونوں نے اس کو مار ڈالا اور کھانا کھا لیا زہر کے باعث خود بھی وہاں ہی کھپ رہے اور سونا جوں کا توں جنگل میں پڑا رہا اور یہ تینوں اس کے گرد ڈھیر تھے اس حال میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ان پر گزر ہوا اپنے یاروں سے فرمایا کہ دیکھ لو دنیا کا یہ حال ہے اور اس سے بچتے رہو اور روایت ہے کہ حضرت ذوالقرنینؑ ایک قوم پر گزرے کہ ان کے پاس دنیا کی چیزوں میں سے کچھ نہ تھا جیسے لوگوں کی غذا اور پوشاک وغیرہ ہوتی ہے ان کی معاش کا طور یہ تھا کہ قبریں کھود رکھی تھیں صبح کو ان میں جھاڑو دیتے اور صاف کرتے اور ان کے پاس نماز پڑھتے اور جانوروں کی طرح ساگ چرتے قدرت خدا سے ہر طرح کا ساگ ان کے لیئے وہاں موجود تھا۔ حضرت ذوالقرنین نے اپنا ایلچی بھیجا کہ ان کے سردار سے جاکر کہو کہ بادشاہ ذوالقرنین تم کو بلاتا ہے جب اس نے ان کے حاکم سے پیغام کیا اس نے جواب دیا کہ مجھے اس سے غرض نہیں اگر اس کو کچھ مطلب ہو تو میرے پاس چلا آوے حضرت ذوالقرنین نے فرمایا کہ واقع میں سچ کہا اور خود اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہارے بلانے کو آدمی بھیجا تھا تم نے انکار کیا اب میں خود آیا اس نے عرض کیا اگر مجھ کو کچھ مطلب ہوتا تو میں خود آتا آپ نے فرمایا میں جو تمہارا حال دیکھتا ہوں ایسا حال کسی کا نہیں دیکھا یہ کیا بات ہے کہ تمہارے پاس دنیا کی شے کچھ نہیں تم نے کچھ سونا چاندی کیوں نہ پیدا کیا کہ اور لوگوں کی طرح آسائش میں رہتے اس نے جواب دیا کہ ہم نے سونا چاندی اس واسطے برا جانا کہ جس کسی کو یہ ملتا ہے اس کا نفس یہی چاہتا ہے کہ اس سے افضل کوئی چیز ملے آپ نے فرمایا کہ پھر قبریں تم نے کس غرض سے کھودی ہیں اور صبح ہی ان کو صاف کر کے ان کے پاس نماز پڑھتے ہو اس نے کہا کہ ان سے ہماری یہ مراد ہے کہ اگر بالفرض دنیا کی طمع ہم کو ہو بھی تو قبروں کے دیکھنے سے رک جاویں اور طول امل دل سے جاتی رہے آپ نے فرمایا کہ پھر ساگ کس لیئے کھاتے ہو چوپایوں کو پال کر ان کا دودھ اور گوشت کیوں نہیں کھاتے اور سوار کیوں نہیں ہوتے اس نے کہا کہ ہم اپنے پیٹ کو جانوروں کی قبر نہیں بناتے زمین کے ساگ پات میں بھی ضرورت رفع ہو جاتی ہے آدمی کی زندگی کو ادنیٰ چیز کافی ہے اور گلے سے اتر کر سب چیزیں ایک سی ہو جاتی ہے پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ذوالقرنین کے پیچھے سے ایک کھوپڑی اٹھائی اور پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ یہ کون ہے آپ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا اس نے کہا کہ یہ ایک زمین کا بادشاہ تھا خدا تعالیٰ نے اس کو زمین کا حاکم کیا تھا اس نے سرکشی اور ظلم و ستم کیا جب خدائے تعالیٰ نے اس کا ظلم و ستم دیکھا اس پر موت کو مسلط کیا اب ڈھیلے کی طرح پڑا پھرتا اور اس کے سارے عمل خداوند کریم کو معلوم ہیں قیامت کو ان کا بدلہ پاوے گا پھر اور ایک پرانی کھوپڑی اٹھا کر کہا اس کو جانتے ہو انہوں نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں اس نے کہا کہ یہ بھی

ایک بادشاہ کا سر ہے جو اس کے بعد ہوا اور پہلے کا ظلم و ستم اس کو معلوم تھا اس نے لوگوں کے ساتھ تواضع اور فروتنی کی اور رعیت کے ساتھ عدل سے پیش آیا اب اس حال میں ہو خدا تعالیٰ نے اس کے عمل بھی گن رکھے ہیں ان کا ثواب قیامت کو پائے گا پھر ذوالقرنین کی کھوپری کی طرف جھک کر کہا اے ذوالقرنین یہ کھوپری بھی ان دونوں کی طرح ہو جاوے گی تو جو کچھ کیا کرے تامل سے کیا کر آپ نے فرمایا اگر تو میرے ساتھ چلے تو میں تجھ کو اپنا نائب اور وزیر مشیر اور شریک سلطنت کر دوں اس نے عرض کیا کہ میں اور آپ ایک جگہ نہیں رہ سکتے نہ اکٹھے ہو سکیں گے آپ نے پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے اس نے کہا کہ اس وجہ سے کہ آدمی تمہارے سب دشمن ہیں اور میرے سب دوست آپ نے فرمایا یہ کیوں ہے اس نے کہا اس لیے کہ آپ کے پاس ملک و دنیا ہے اسی کے سبب آپ کے دشمن ہیں اور چونکہ میں نے دنیا پر لات ماری ہے مجھ سے عداوت کی وجہ کوئی نہیں ہیں چونکہ خود محتاج و مفلس ہوں میرا دشمن کوئی نہیں یہ سن کر ذوالقرنین اس کے پاس سے چلے آئے اور اس کی باتوں سے کمال حیرت کرتے تھے اور عبرت و نصیحت سمجھتے تھے ان حکایتوں سے بھی آفات توانگری معلوم ہوتی ہیں اور پہلے بھی اس باب میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ باب ذم بخل و مال خدا کے فضل سے تمام ہوا۔

آٹھواں باب: جاہ اور ریاء

رباعی

ہے گرچہ ظلوم اور جہول انسان آہ .:. رہتا ہے سدا جرم و گناہ کے ہمراہ

پر جاہ و ریا کے مثل کوئی نہیں عیب .:. یہ عالم و عابد ہی کو کرتے ہیں تباہ

۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ نے فرمایا[۱] ان اخوف علی امتی الریاء الشہوۃ الخفیۃ۔ اور ریا ایسی شہوت خفی میں سے ہے کہ اگر اندھیری رات میں سخت پتھر پر کالی چیونٹی چلے تو جس طرح اس کی چال کسی طرح معلوم نہیں ہوتی اسی طرح یہ شہوت بھی محسوس نہیں ہوتی اسی واسطے اس کے آفات بڑے بڑے عالموں کو بھی معلوم نہیں ہوتے ایسے ویسے عابدوں اور متقیوں کا تو کیا ذکر ہے اور یہ نفس کے آخر مہلکات اور خفیہ مکروں میں

[۱] زیادہ تر خوف کی جس سے میں اپنی امت پر ڈرتا ہوں ریا اور پوشیدہ شہوت ہے ۱۲ ابن ماجہ و حاکم بروایت شداد بن اوس اور اس میں ریاکاری کی جگہ شرک ہے جس کی تفسیر انہوں نے ریا سے کی ہے ۱۲۔

سے ہے جو عالم وعابد کہ راہ آخرت کو طے کرنا چاہتے ہیں اور اس کے خوب مستعد ہوتے ہیں وہ ریا میں مبتلا کئے جاتے ہیں یعنی وہ لوگ اپنے نفس کو مجاہدہ سے مغلوب کرکے شہوات سے علیحدہ کرتے ہیں اور شبہات سے بچاتے ہیں اور اقسام عبادات اس سے بزور لیتے ہیں تو ان کے نفس اس بات سے تو عاجز ہو جاتے ہیں کہ کسی گناہ ظاہری کی طمع اعضائے ظاہری سے کریں اور مشقت مجاہدہ سے کوئی خلاصی کی صورت نہیں دیکھتے تو استراحت اور اس مشقت کے عوض کے خواہاں رہتے ہیں جب دنیا کے لوگ ان کو ماننے لگتے ہیں اور تعظیم و توقیر کرنے لگتے ہیں تب نفس کو ایک لذت ہوتی ہے پھر اظہار علم و عمل و طاعت میں بہت رغبت کرتا ہے صرف خدا کے اچھا کہنے پر صابر نہیں ہوتا اور اس وقت یہ یقین ہو جاتا ہے کہ جب لوگوں میں یہ مشہور ہوگیا کہ فلاں شخص تارک الشہوات اور شبہات سے مجتنب اور متحمل سخت عبادتوں کا ہے بہت سی میری تعریف و ثنا کرنے لگے اور بہت سا بڑھایا اور حرمت و توقیر سے دیکھنے لگے میرے دیدار و ملاقات کو تبرک جاننے لگے اور مجھ سے دعا منگوانے کی رغبت کرنے لگے اور میری رائے پر چلنے کے حریص ہو گئے اور جہاں مجھے دیکھتے ہیں اول سلام کرتے ہیں اور مجلسوں میں صدر مقام پر جگہ دیتے ہیں اور خرید و فروخت میں مجھ سے بمروت پیش آتے ہیں اور مجھے کھانے و لباس وغیرہ میں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور میرے سامنے تواضع اور انقیاد کے ساتھ رہتے ہیں اور میری خدمت یا اور کسی غرض میں اطاعت کرتے ہیں تو اس سے نفس کو ایسی لذت و شہوت حاصل ہوتی ہے کہ سب لذتوں سے بڑھ کر اور سب شہوات سے غالب ہو یہاں تک کہ اس لذت کے مارے گناہوں کا چھوڑنا کچھ گراں نہیں گزرتا اور مواظبت عبادتوں پر بہت آسان ہوتی ہے وہ تو یہ تصور کرتا ہے کہ میری زندگی اللہ کے لئے ہے اور اس کی مرضی کے موافق عبادت کے لئے اور درحقیقت اس کی زندگی ان شہوات مخفی کی سبب ہے جن کو سوائے عقول سلیمہ کے اور کوئی نہیں جانتا اس کو یہ گمان ہے کہ میں اللہ کی طاعت میں اخلاص کرتا ہوں اور اس کے محارم سے بچتا ہوں حالانکہ نفس میں یہ شہوت بندوں کے سامنے زینت و تکلف کے لئے بھری ہوئی ہے اور اسی خوشی کے لئے جو منزلت اور وقار سے اس کو ہوتی ہے اس کے باعث ثواب و طاعات کا اجر اعمال کا سبب برباد ہو جاتا ہے وہ اور وہ اس خیال میں ہے کہ میں اللہ کا مقرب ہوں حالانکہ اس کا نام دفتر منافقین میں لکھا جاتا ہے اور یہ ایسا نفس کا مکر ہے کہ اس سے بغیر صدیقین اور مقربین کے اور کوئی بچ نہیں سکتا اور اسی بنا پر یہ قول مشہور ہے کہ صدیقین سے آخر میں جب ریاست دور ہوتی ہے اور ریا جب ایسا مرض باطنی ٹھہرا اور اتنا بڑا جال شیطان کا ہے تو اس کی حقیقت و درجات و اقسام اور طریق علاج و حذر کرنا ضروری ہوا۔ اسی لحاظ سے اس باب کی دو فصلیں کی جاتی ہیں

پہلی فصل جن باتوں سے ریا پیدا ہوتی ہے اور جو جاہ سے متعلق اشیاء ہیں ان کا ذکر

جاننا چاہئے کہ جاہ حقیقت میں آوازہ منتشر ہونے

کا نام ہے اور اس طرح کی شہرت اچھی نہیں بلکہ گمنامی بہتر ہے مگر یہ کہ خداوند کریم اپنے دین کو پھیلانے کی شہرت عنایت فرماتا ہے اور اس میں شخص کی تکلیف و پیروی کو کچھ دخل نہیں تو ایسی بے تکلف شہرت کا مضائقہ نہیں ورنہ شہرت خوب نہیں چنانچہ حضرت انسؓ اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا من الشر الا من عصمہ اللہ ان یشیر الناس الیہ بالاصابع فی دینہ و دنیاہ[1] اور حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بھی اسی مضمون کو کچھ ایک الفاظ کی تغیر سے مع شئے زائد روایت فرماتا ہے کہ ان کی روایت یوں ہے[2] بحسب المرء من الشر الا من عصمہ اللہ من السوء ان یشیر الناس الیہ بالاصابع فی دینہ و دنیاہ ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم والی اعمالکم۔ اور حضرت حسنؓ نے جب اس حدیث کو روایت کیا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ اے ابوسعید جب لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی طرف انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس حدیث میں یہ اشارہ مراد نہیں جو لوگ میری طرف کرتے ہیں بلکہ مراد ہے کہ دین میں کوئی بدعت نکالے اور اس کے سبب مشار الیہ ہو یا دنیا کے فسوق و فجور کے باعث مشار الیہ ہو غرض کہ آپ نے اس حدیث کی تاویل ایسی فرمادی کہ اس کا کچھ مضائقہ نہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ خرچ کر اور مشہور مت کر اور اپنے وجود کو بڑھا مت تاکہ لوگ تم کو پہچانیں اور یاد کریں بلکہ اپنے آپ کو چھپا اور خاموش رکھ اس میں نجات ہے نیک بندے تجھ سے خوش رہیں گے اور بدکار خون جگر کھاویں گے اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے شہرت کو اچھا جانا اس نے خدا کو نہیں جانا اور حضرت ایوب سختیانیؒ کا قول ہے جب تک آدمی اس بات کو اچھا نہیں جانتا کہ میرے مکان کی کسی کو خبر نہ ہو تب تک خدا تعالیٰ کی تصدیق نہیں ہوتی اور خالد بن معدانؒ کے حلقہ میں جب لوگ بہت ہوتے ہیں تو شہرت کے خوف سے حلقہ میں سے اٹھ جاتے اور ابوالعالیہؒ کے پاس جب تین سے زیادہ بیٹھتے تو آپ چلے جاتے اور حضرت طلحہؓ نے دیکھا کہ ان کے ساتھ قریب دس آدمیوں کے چلتے ہیں آپ نے فرمایا کہ طمع کی مکھیاں ہیں اور دوزخ کے پروانے اور حضرت سلیمان بن حنظلہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابی بن کعب کے ساتھ پیچھے پیچھے جاتے تھے کہ ناگاہ حضرت عمرؓ کی نگاہ ان پر پڑی آپ درہ لے کر ان پر اٹھے انہوں نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین آپ کیا کرتے ہیں ذرا تامل فرمایئے آپ نے فرمایا کہ جس صورت سے تم جاتے ہو یہ تابعین کے حق میں مقام لغزش ہے اور تمہارے حق میں آزمائش۔ اور حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ایک روز اپنے گھر سے نکلے ان کے پیچھے بہت سے

---

[1] آدمی کو شر سے یہی کافی ہے مگر خدا برائی سے بچاوے کہ لوگ اس کی طرف اس کے دین میں دنیا میں انگلیوں سے اشارہ کریں ۱۲ بیہقی در شعب بسند ضعیف

[2] آدمی کو اتنی شر ہی سے بس ہے مگر جس کو خدا برائی سے بچاوے کہ لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اس کے دین اور دنیا کے باب میں اشارہ کریں اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا ہے تمہاری صورتوں کو بلکہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں اور اعمال کو ۱۲ یہ حدیث جابر بن عبداللہ سے معروف نہیں بلکہ بروایت ابوہریرہؓ معروف ہے چنانچہ طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے شعب میں اس کو روایت کیا ہے فی دینہ تک اور باقی کو مسلم نے نقل کیا ہے ۱۲۔

لوگ ہو لئے آپ نے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تم میرے پیچھے کیوں آتے ہو بخدا جس سبب سے میں اپنا دروازہ بند رکھتا ہوں اگر تم کو معلوم ہو جائے تو دو شخص بھی میرے ساتھ نہ ہوں اور حضرت حسنؒ کا قول ہے کہ مردوں کے پیچھے جوتوں کی آواز ہوتی ہے اس پر احمقوں کے دل کم توقف کرتے ہیں یعنی بیوقوف جلد شیخی میں آجاتے ہیں اور ایک روز آپ نکلے اور لوگ پیچھے ہوئے آپ نے پوچھا کہ مجھ سے کچھ غرض ہے تو خیر ورنہ عجب نہیں کہ یہ ساتھ چلنا ایمانداروں کے دل میں کچھ باقی نہ چھوڑے یعنی مشایعت سے خوف سلب معرفت کا ہے اور روایت ہے کہ ایک شخص ابن محیریزؒ کے ساتھ سفر میں گیا جب ان سے جدا ہونے لگا تو عرض کیا مجھے کچھ وصیت کرو آپ نے فرمایا کہ اگر تجھ سے ہو سکے تو یہ بات کر کہ دوسرے کو جان لے اور کوئی تجھ کو نہ جانے چلتے وقت تیرے ساتھ کوئی نہ ہو دوسرے سے تو پوچھے اور تجھ سے کوئی نہ پوچھے اور حضرت ایوبؒ سفر کے لئے نکلے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو یہ علم نہ ہوتا کہ خدا جانتا ہے کہ میں دل سے اس مشایعت کو برا جانتا ہوں تو مجھے خوف اور غضب الٰہی تھا اور معمرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان پر ایک روز بباعث طول قمیص کے عتاب کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگلے زمانہ میں البتہ قمیص کے ملبا ہونے میں شہرت تھی مگر فی زمانہ اس کو اوپر چڑھانے میں ہے اور بعض اکابر کا قول ہے کہ میں حضرت ابو کلاب کے ساتھ تھا اتنے میں ایک شخص آیا کہ بہت سے کپڑے پہنے تھا آپ نے فرمایا کہ اس بولتے گدھے سے بچے رہو یعنی طلب شہرت مت کیجیو اور حضرت ثوریؒ فرماتے ہیں کہ بزرگان سابق دو شہرتوں کو برا جانتے تھے عمدہ کپڑوں کی اور نکمے پھٹے پرانے کپڑوں کی اس لئے کہ آدمیوں کی نظر دونوں پر یکساں پڑتی ہے اور ایک شخص نے بشر بن الحارثؒ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت کرو انہوں نے فرمایا کہ اپنے ذکر کو بجھا دے اور غذا کو حلال و پاک بنا اور شعبہؒ اس بات پر روتے کہ میرا نام جامع مسجد تک پہنچ گیا اور بشرؒ کا قول ہے کہ میں ایسا کوئی نہیں جانتا جس نے اپنا مشہور ہونا پسند کیا اور اس کا دین تباہ اور رسوا نہ ہوا اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ جو شخص اپنی شہرت چاہتا ہے وہ آخرت کا مزہ نہیں پاتا۔

گمنامی کی فضیلت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ رب[ا] اشعث اغبر ذی طمرین لا یعبأ به لو اقسم علی اللہ لابرہ منہم البراء۔ البراء بن مالک اور حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا رب ذی طمرین لا یعبأ به لو اقسم علی اللہ لابرہ لو قال[۲] اللّٰھم انی اسئلک الجنۃ لاعطاہ الجنۃ ولم یعطہ من الدنیا شیئاً اور فرمایا

[ا] بہت سے لوگ بکھرے بالوں والے اور غبار آلود ہیں اور چادر والے کوئی ان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر اللہ کو کہ اگر اللہ کو قسم دلا دیں تو اللہ ان کو سچا کرے اگر کہیں کہ الٰہی ہم تجھ سے جنت مانگتے ہیں تو اللہ ان کو جنت ہی دیوے اور دنیا میں کچھ نہ دیوے ۱۲ ابن ابی الدنیا بسند ضعیف ۱۲۔ [۲] کیا نہ بتا دوں میں تم کو اہل جنت وہ ہر ایک ضعیف جس کو لوگ حقیر جانیں اگر قسم دے اللہ کو تو اللہ اس کو سچا کر دے اور دوزخ والے متکبر سنڈے ہوتے ہیں بخاری و مسلم

بروایت حارثہ بن وہب ۱۲

اولا دلکم علی اھل الجنۃ کل ضعیف مستضعف لو اقسم علی اللہ لابرہ واھل النار کل متکبر جواظ

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اہل جنت وہ لوگ ہیں کہ ان کے بال ژولیدہ ہوں اور لباس دو چادریں بے حقیقت اگر امراء کے پاس جانا چاہیں تو کوئی جانے نہ دے اور عورتوں کے لیے منگنی چاہیں تو کوئی ان کیلئے چپ نہ ہو یعنی ان کے قول پر دھیان نہ دے ان کی حاجتیں ان کے سینوں میں پھرتی ہیں ان کا نور اگر قیامت میں بانٹا جاوے تو سب لوگوں کو کافی ہو اور فرمایا کہ میری امت میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ اگر کسی سے ایک دینار خواہ ایک درم یا ایک پیسہ مانگیں تو کوئی نہ دے اگر وہ اللہ تعالیٰ سے جنت کے خواستگار ہوں تو ان کو جنت ملے اور اگر دنیا طلب کرے تو عنایت نہ ہو اور ان سے دنیا اس لیے نہیں روکی ہے کہ وہ ذلیل ہیں گو ان پر دو چادریں بے حقیقت ہوتی ہیں لیکن اگر خدا کی قسم کسی کام کے لیے دیں تو خداوند کریم ان کو سچا کر دے اور روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں داخل ہوئے دیکھا کہ معاذ بن جبلؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس روتے ہیں آپ نے سبب گریہ کا پوچھا انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے چھپے ہوئے متقیوں کو دوست رکھتا ہے کہ اگر غائب ہو جاویں تو کوئی ان کو تلاش نہ کرے اور اگر سامنے آویں تو کوئی ان کو نہ پہچانے ان کے دل چراغ ہدایت ہیں ہر زمین تاریک غبار آلود سے دوڑے آتے ہیں اور محمد بن سویدؒ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں خشک سالی ہوئی ایک مرد صالح وہاں تھا کہ مسجد شریف ہی میں رہتا تھا اور دعا مانگا کرتا سب لوگ دعا میں تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور جو پرانے کپڑے پہنے تھا اس نے آکر دو مختصر رکعتیں پڑھیں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ الہٰی میں تجھ کو قسم دلاتا ہوں کہ اسی وقت مینہ برسا دے ابھی اس شخص نے ہاتھ نیچے نہ کئے تھے اور نہ دعا سے فارغ ہوا تھا کہ آسمان بادلوں سے ڈھک گیا اور اتنا مینہ برسا کہ مدینہ کے لوگ ڈوبنے کے خوف سے فریاد کرنے لگے پھر اس نے عرض کیا کہ الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ اس قدر پانی ان کو بس ہے تو روک دے اسی وقت بارش تھم گئی اور پھر یہ شخص اس مرد صالح کے پیچھے ہو لیا اور اس کا گھر پوچھ کر صبح ہی اس کی خدمت میں گیا اور ملاقات کر کے کہا میں ایک غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں اس نے پوچھا کہ کیا غرض ہے کہا کہ یہ التجا ہے کہ اپنی دعائیں مجھ کو بھی مخصوص کریں اس مرد صالح نے فرمایا سبحان اللہ تم مجھ سے کہتے ہو کہ میں اپنی دعائیں تم کو خاص کروں تمہارا حال تو کل معلوم ہی ہو گیا یہ کہو کہ یہ رتبہ تم کو کیسے ملا اس نے کہا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو امر و نہی کیا اس کو میں نے مانا اور اطاعت کی پس میں نے جو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اس نے میرا سوال مجھ کو عنایت کیا اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ لوگو علم کے چشمے اور چراغ ہدایت بنو اپنے گھروں میں بیٹھے رہو رات کے چراغ اور تازہ دل ہو جاؤ اور پرانا پہنو کہ آسمان کے لوگ تم کو جانیں اور زمین والے نہ پہچانیں اور حضرت ابو امامہؓ آنحضرت

ف اس کی سند سہو کاتب سے رہ گئی ۱۲ ف طبرانی در اوسط بروایت ثوبان مختصراً ۱۲ ف طبرانی و حاکم اور اس کی سند میں علی ابن عبدالرحمن ضعیف ہے ف ترمذی و ابن ماجہ بسند ضعیف ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث قدسی یوں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[۱] ان اغبط اولیائی عبد مؤمن خفیف الحاذ ذوحظ من صلوٰۃ احسن عبادۃ ربہ واطاع فی السر وکان غامضًا فی الناس لایشار الیہ بالاصابع ثم صبر علی ذلک ط راوی روایت کرتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی پوروں کو دوسرے ہاتھ کی پوروں پر مارا اور یوں ارشاد فرمایا کہ عجلت منیتہ وقل تراثہ وقلت بواکیہ۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک سب سے پیارے لوگ اس کے غریب الوطن بندے ہیں اور قیامت کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پاس جمع ہوں گے کسی نے پوچھا کہ غریب الوطن یعنی مسافر سے آپ کی کیا غرض ہے آپ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنا دین لے کر لوگوں سے علیحدہ ہو گئے اور حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انعامات میں بندے کے سامنے یہ بھی ذکر فرماوے گا کہ میں نے تجھ پر انعام نہیں کیا تھا۔ تیری پردہ پوشی نہیں کی تھی تیرا ذکر مخفی نہیں کیا تھا حضرت خلیل بن احمد یوں دعا مانگتے کہ الٰہی تو مجھ کو اپنے نزدیک خلق میں بلند تر رتبہ والوں میں سے کر دے اور میرے نزدیک مجھ کو تمام خلق سے کم رتبہ پاوے اور لوگوں کے نزدیک درجہ اوسط عنایت فرما اور حضرت ثوری فرماتے ہیں کہ میں اپنے دل کو ایسا پاتا ہوں کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے غرباء کے ساتھ صلاحیت پر آجاوے جو قوت اور گلیم پر بسر کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے کہ دنیا میں مجھ کو ٹھنڈی چشم صرف ایک بار حاصل ہوئی ہے کہ ایک رات میں شام کے گاؤں میں سے ایک مسجد میں لیٹ رہا اور مجھ کو دست آئے تھے مؤذن نے میری ٹانگ پکڑ کر اتنا گھسیٹا کہ مجھے مسجد سے باہر نکال دیا اور حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ اگر تجھ سے ہو سکے کہ کوئی تجھ کو نہ جانے تو ایسا ہی کر اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی نہ پہچانے اور نہ اس میں کچھ مضائقہ ہے کہ کوئی تیری تعریف نہ کرے اور نہ اس میں کچھ برائی ہے کہ تو لوگوں کے نزدیک برا ہو اور خدا کے نزدیک اچھا ہو پس ان اخبار و آثار سے مذمت شہرت کی اور فضیلت گمنامی کی صاف عیاں ہے اور شہرت اور انتشار صیت سے غرض جاہ ہے یعنی لوگوں کے دلوں میں جگہ کرنی اور جاہ کی محبت اور فضیلت ہر ایک فساد کی جڑ ہے یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انبیاء علیہ السلام اور خلفائے راشدین اور آئمہ علماء تو سب سے زیادہ مشہور ہیں ان کی شہرت سے بڑھ کر اور کوئی شہرت کیا ہوگی تو ان کی فضیلت گمنامی کسی طرح حاصل نہ ہوئی اس کا

---

[۱] زیادہ تر غبطہ والا میرے دوستوں میں وہ بندہ ایماندار ہے جو اپنے اوپر بوجھ کنبے وغیرہ کا کم رکھتا ہے اور نماز سے بہرہ ہوتا ہے اپنے رب کی عبادت کی ہو اور اس کی اطاعت خفیہ بجا لایا ہو اور آدمیوں میں مشہور نہ ہو اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ ہوتا ہو پھر اس حال پر صبر کرے ۱۲ [۲] جلد آجاوے اس کی موت اور اس کا ترکہ تھوڑا اور اس کے رونے والے کم ہوں ۔ پھر یہ شخص الخ اصل سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد صالح اس شخص پانی مانگنے والے کے پیچھے ہو لیا اور دوسرے روز جب اس سے دعا کی درخواست کی تو اس نے کہا کہ تم ایسے مرد صالح اور ملازم مسجد ہو کہ مجھ سے کہتے ہو پھر مرد صالح نے اس سے پوچھا کہ یہ مرتبہ کہاں سے پایا آخر تک امیر علی عفی عنہ ۱۲ مٹ گیا جو کیا تھا اس جگہ ۔۔ خراب ہوا جو کماتے تھے ۱۲

جواب یہ ہے کہ شہرت مذموم وہی ہے کہ جو آدمی کی طلب ہو لیکن شہرت کا پایا جانا خدا تعالیٰ کی طرف سے بدون بندوں کی پیروی کے برا نہیں علاوہ اس کے شہرت سے نقصان ضعیفوں کو ہوتا ہے زبردستوں کو نہیں ہوتا اور ضعیفوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پانی میں ہاتھ مارنا جانتا ہو اور اتفاق سے اس کے گرد بہت سے لوگ ڈوبتے ہوں۔ پس بہتر یہی ہے کہ ان کو کوئی نہ جانے ورنہ ڈوبتے لوگ اس کو آچمٹیں گے اور یہ بھی ان کے ساتھ ہلاک ہو جاوے گا اور جو زبردست تیراک ہے اس کی شان کے مناسب یہی ہے کہ لوگ پہچانیں تاکہ اگر ڈوبتے لوگ اس سے التجا کریں تو وہ ان کو بچا سکے اور ثواب پاوے

۳ حب جاہ کی مذمت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تلک الدار الاخرۃ نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا۔ اس آیت میں دو ارادوں کو اکٹھا فرمایا ہے یعنی ارادہ رفعت اور ارادہ فساد اور پھر بیان فرمایا کہ دار آخرت اسی کے لیئے ہے جو دونوں ارادوں سے خالی ہو اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا من کان یرید الحیوۃ الدنیا و زینتها نوف الیهم اعمالهم فیها وهم فیها لا یبخسون اولئک الذین لیس لهم فی الاخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیها و باطل ما کانوا یعملون۔ یہ آیت بھی اپنے عموم پر محبت جاہ کو شامل ہے اس لئے کہ یہ محبت تمام لذات دنیاوی حیات سے بڑھ کر ہے۔ اور سب زینتوں سے یہ زینت زیادہ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حب المال والجاہ ینبتان النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل اور فرمایا ما ذئبان ضاریان ارسلا فی زریبۃ غنم باکثر فسادا من حب الشرف والمال فی دین الرجل المسلم اور حضرت علیؓ کو یہ ارشاد فرمایا انما هلاک الناس باتباع الهوی وحب الثناء خدا تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ اپنے فضل وکرم اور احسان سے اس بلائے سے ہم کو عافیت سے رکھے

۴ جاہ کا معنی

جاننا چاہیئے کہ مال اور جاہ دنیا کے دو رکن ہیں مال کے معنی تو یہ ہیں کہ جن چیزوں سے نفع ہو ان کا مالک ہونا اور جاہ کے معنی یہ ہیں کہ جن دلوں سے اپنی تعظیم اور اطاعت مطلوب ہے ان کا مالک ہو جانا اور جس طرح کہ مال دار اور غنی وہ کہلاتا ہے جو روپیہ پیسہ پر قدرت رکھتا ہو اور ان دونوں کے ذریعہ سے اپنے تمام مقاصد اور شہوات اور حظوظ نفس پورا کر سکتا ہے اسی طرح صاحب جاہ وہ شخص کہلاتا ہے جو لوگوں کے دلوں کو ایسی طرح قابو میں رکھے کہ جو مطلب و حاجت ان سے چاہے وہ ان سے حاصل کر سکے اور جس طرح

۱؎ مال وجاہ کی محبت نفاق کو دل میں ایسا اگاتی ہے جیسے پانی ساگ کو ۱۲ اس کی اصل نہیں ملی ۱۲ ۲؎ دو بھیڑیئے حملہ کرنے والے جو بھیڑوں کے گلے میں چھوڑے جاویں اتنا بہت نقصان نہیں کرتے جتنا شرف اور مال کی محبت مسلمان آدمی کے دل میں اور دین میں نقصان کرتی ہے ۱۲ پہلے گزری ۱۲ ۳؎ آدمی صرف خواہش نفس کی پیروی اور تعریف کی محبت سے ہلاک ہوئے ان لفظوں سے اس کی سند نہیں ملی یہ مضمون اور حدیثوں سے منتشر ہے ۱۲ ۔

مال اقسام وانواع کے حرفوں اور صناعتوں سے پیدا کیا جاتا ہے ایسا ہی لوگوں کے دل بھی اقسام معاملات سے اپنی طرف رجوع ہوتے ہیں اور دل مسخر جب ہی ہوتے ہیں جب کسی کو کسی بات میں معتقد علیہ جانیں پس جس دل میں کسی شخص کی نسبت کسی وصف کمال کا اعتقاد ہوگا وہ اسی اعتقاد کے موافق اس کا مسخر ہو جاوے گا اور یہ کچھ شرط نہیں کہ وہ وصف فی نفسہ بھی کچھ کمال ہو بلکہ یہی کافی ہے کہ اس شخص کے عندیہ میں اور اعتقاد میں وہ کمال ہو۔ بعض اوقات وہ ایسی چیز کو بھی کمال اعتقاد کرے گا جو واقع میں کمال نہ ہو اور معتقد علیہ میں اس کا دل اس وصف کمالی کا یقین کر لیتا ہے اسی جہت سے دل ضرور ہی منقاد ہو جاتا ہے اس لئے کہ انقیاد دل کی ایک کیفیت کا نام ہے اور دل کی کیفیات تابع اس کے اعتقادات اور علوم اور تخیلات کے ہوتے ہیں پس جیسا اعتقاد ہوگا ویسی ہی کیفیت اس پر طاری ہوگی اور جیسے کہ مال کی محبت رکھنے والا یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس لونڈی غلام ہو جاویں ایسے ہی طالب جاہ چاہتا ہے کہ سب لوگ میری غلامی کریں اور ان کے دلوں پر مجھ کو اختیار کلی ہو جاوے بلکہ جو بات صاحب جاہ چاہتا ہے وہ بہت بڑھکر ہے اس لئے کہ مالدار تو لونڈی غلاموں کا زبردستی مالک ہوتا ہے وہ لوگ اپنی طبیعت سے ہرگز نہیں چاہتے کہ ہم کسی کے زرخرید ہوں اور اگر ان کو قابو دیا جاوے تو ہرگز آقا کی متابعت نہ کریں بخلاف صاحب جاہ کے کہ اس کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں اور آزاد شخص اپنی طبیعت کی خواہش سے اس کے غلام بنتے ہیں اور اس غلامی وطاعت کو فخر اور موجب خوشی سمجھتے ہیں اب دونوں میں فرق سمجھ لینا چاہیئے کہ صاحب جاہ کا مطلوب مالک لونڈی غلام سے کتنا زیادہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ جاہ کے معنی یہی ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں جگہ ہونی یعنی کسی شخص کی کسی وصف کمالی کا دلوں میں اعتقاد آ جانا پس جس قدر کہ اس کا کمال ہوگا لوگوں میں اعتقاد ہوگا اسی قدر دل بھی منقاد ہوں گے اور جس قدر دلوں کا انقیاد ہوگا اسی قدر صاحب جاہ کو لوگوں کے دلوں پر اختیار ہوگا اور جس قدر اختیار ہوگا اس کو فرحت اور محبت جاہ سے ہوگی یہاں تک کہ معنی اور حقیقت جاہ کے بیان ہوئے اب اس کے ثمرات اور نتیجے ہیں مثلاً لوگوں کا تعریف کرنا یا حد سے زیادہ بڑھانا یعنی جو شخص کسی کی طرف اعتقاد کسی کمال کا رکھتا ہے اپنے اعتقاد کی چیز سے چپ نہیں رہتا اور معتقد علیہ کی ثنا اس وصف میں کرتا ہے اور منجملہ نتائج جاہ کے خدمت اور اعانت ہے کہ اعتقاد کے موافق اپنے نفس کو معتقد علیہ کی خدمت واعانت میں مصروف رکھتا ہے اور غلاموں کی طرح اس کا مسخر رہ کر کسی طرح دریغ نہیں کرتا اور نیز نتائج جاہ سے معتقد علیہ کو مقدم سمجھنا اور اس کے ساتھ کوئی خرخشہ نہ کرنا اور تعظیم کرنی اور اول ہی سوال کرنا اور سب مقصدوں میں اس کو مقدم سمجھنا اور محفلوں میں عمدہ جگہ پر بٹھانا ہے یہ باتیں کسی

بقیہ۔ وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان کو جو نہیں چاہتے بڑھنا ملک میں بگاڑ ڈالنا[۱۲] جو کوئی چاہتا ہو جینا دنیا کا اور اس کی رونق بھر دیں ہم ان کو ان کے عمل اور اس میں کوئی نقصان نہیں وہی ہیں جن کو کچھ نہیں پچھلے گھر میں سوا آگ کے اور[۱۲]

کے جاہ کے دل میں سمانے سے پیدا ہوا کرتی ہیں یعنی جب دلوں میں صفات کمالیہ کسی شخص کا اعتقاد آجاتا ہے خواہ وہ صفات علمی ہوں یا عبادت حسن عبادت یا نسب یا حسن صورت یا حکومت یا زور بدن خواہ اور کوئی چیز جس کو لوگ اچھا جانتے ہیں تو دلوں میں اس شخص کے لئے جاہ قائم ہونے کا سبب یہی اوصاف ہوتے ہیں اور اسی لئے وہ آثار مذکورہ ظہور میں آتے ہیں۔

۵۔ جاہ کا مرض سخت مجاہدہ کے بغیر دل سے نہیں نکلتا

جاننا چاہئے کہ جو سبب کہ چاندی سونے کے اور دوسرے مال کے محبوب ہونے کا ہے وہی بعینہٖ جاہ کے ہونے کا ہے بلکہ سبب محبت جاہ اس بات کا مستدعی ہے کہ جاہ کی محبت بہ نسبت مال کے بہت زیادہ ہو جیسے چاندی اور سونا اگر وزن میں مساوی ہوں تو محبت سونے کی زیادہ ہوتی ہے اور اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ روپیہ اشرفی بذات خود نہ کھانے کی لیاقت رکھتے ہیں نہ پہننے کی نہ لباس اور نکاح کی اس اعتبار سے روپیہ اشرفی اور کنکر میں کچھ فرق نہیں بلکہ ان کی محبت اس لئے ہوتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے اور محبوب چیزیں حاصل ہو سکتی ہیں اور حاجتیں پوری ہو سکتی ہیں یہی حال جاہ کے یعنی دلوں کے مالک ہونے کا ہے کہ وہ بھی بذات خود کار آمد نہیں بلکہ وسیلہ حصول اغراض کا ہوتا ہے پس چونکہ جاہ بہ نسبت مال کے ترجیح رکھتا ہے اس واسطے اس کی محبت بھی بہ نسبت مال کے زیادہ ہونا چاہیئے اور جاہ یعنی ملکیت قلوب کو ملکیت مال پر تین طرح کی فوقیت ہے اول یہ کہ جاہ سے مال کا ملنا بہت آسان ہے اور مال سے حصول جاہ دشوار مثلاً کوئی عالم یا زاہد جس کی جگہ لوگوں کے دلوں میں ہے اگر مال پیدا کرنا چاہے تو اس کو کچھ دقت نہ ہو گی اس لئے کہ جو لوگ اس میں صفت کمال کے معتقد ہیں ان کے دل اس کے اختیار میں ہیں اور مال کا دینا دل سے متعلق ہے جس کی طرف دل ہو گا اس کو مال دینا کچھ دریغ نہیں اور اگر کوئی حسین جس میں کوئی وصف کمال نہیں خزانہ پاوے اور اس کو جاہ نہ ہو اور چاہے کہ مال کی حفاظت سے مجھ کو جاہ حاصل ہو جاوے تو نہایت دشوار ہے اس سے معلوم ہوا کہ جاہ زیادہ ذریعہ مال کا ہو سکتا ہے جو صاحب جاہ ہو گا وہ صاحب مال پہلے ہے اور جو مال ہی کا مالک ہے وہ کسی طرح مالک جاہ نہیں اسی لئے جاہ زیادہ تر محبوب ہے دوم یہ کہ مال معرض تلف میں بھی آسکتا ہے کہ چوری ہو جاوے یا چھن جائے یا حکام و ظالم اس پر طمع کریں علاوہ ازیں اس پر احتیاج پہرے چوکی اور خزانہ وغیرہ کی ہے غرضکہ بہت سی آفتیں مال پر آتی ہیں اور دل جب ملک میں آجاتے ہیں تو ان آفات میں سے کوئی آفت بھی اس ملکیت پر نہیں آتی تو واقع میں اصلی خزانہ یہی ہے کہ جس پر نہ چور قابو پاویں نہ غاصبوں کے ہاتھ لگے اور مال میں سب سے زیادہ پائیدار اشیاء غیر منقول ہیں ان میں بھی خطرہ غصب اور ظلم کا موجود ہے اور خالی حفاظت اور نگہبانی سے نہیں مگر دلوں کے خزانوں میں یہ سب باتیں مفقود ہیں وہ آپ ہی آپ محفوظ اور چوری و غصب سے مامون ہیں ہاں ایک آفت اس خزانہ میں یہ پہنچتی ہے کہ لوگوں کو کوئی بہکا کر اور صاحب جاہ کی برائی بیان کر کے ان کے دل پھیر سکتا ہے اور اعتقاد بدل سکتا ہے مگر

شاذو نادر بات کا دفع کرنا بہت آسان ہے اور اکثر تو جو کوئی ایسا کرنا چاہے اس کو بن پڑتا ہے سوم یہ کہ دلوں کی ملکیت بے رنج ومشقت بڑھتی جاتی ہے اور ایک سے دوسرے میں سرایت کرتی جاتی ہے اس لئے کہ جب دل کسی کے وصف کمال کے معتقد ہوتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا عالم و فاضل ہے تو زبان خود بخود اس کی ثنا میں کھلتی ہے اور جس چیز کے خود معتقد ہوتے ہیں وہ دوسرے کے سامنے بیان کرتے ہیں بس دوسرے شخص کا دل بھی اسی جال میں گرفتار ہو جاتا ہے اور آدمی کی طبیعت جو انتشار صیت و ذکر کو پسند کرتی ہے اس میں بھی یہی بات ہے کیونکہ ذکر جب اطراف میں پھیلتا ہے تو اس سے اور دل معتقد ہو جاتے ہیں اور اس اہل کمال کو پسند اور بڑا جاننے لگتے ہیں اسی طرح ایک سے دوسرے تک پھیلتا رہتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے اور اس کی کوئی حد متعین نہیں بخلاف مال کے اگر وہ کسی کی ملکیت میں آجاتا ہے تو جب تک اس کو بڑھانے میں تعب ومشقت ومحنت و رنج نہ اٹھائے گا اتنا ہی رہے گا خود بخود نہیں بڑھنے کا اور جاہ خود بخود بڑھتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے اور اسی جہت سے جب آدمی کا جاہ زیادہ ہو جاتا ہے اور شہرہ خلق ہو جاتا ہے اور سب لوگ اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں مال اس کی نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے یہ مجمل ترجیحات جاہ کی مال پر ہیں اگر ان کو مفصل لکھا جاوے تو ترجیح بھی زیادہ تر معلوم ہو۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کو مال اور جاہ سے غرض صرف حصول اغراض اور دفع مضار ہے مثلاً حصول غذا اور مسکن و پوشاک و دفع مرض و عقوبت کہ بدون مال خواہ جاہ کے نہیں ہو سکتی تو اس وجہ سے مال وجاہ کی محبت بیشک ہونی چاہیئے اس لئے کہ جو چیز ذریعہ محبوب چیز ول کے وصول کا ہوتی ہے اس کو بھی آدمی کی طبیعت محبوب جانتی ہے مگر طرفہ اور عجب تر تو یہ ہے کہ کوئی حاجت بھی آدمی کی نہ ہو تب بھی محبت مال کے جمع کرنے کی اور خزانوں کے افراط اور دفینوں کی کثرت کی ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر آدمی کے پاس دو جنگل سونے کے ہوں تو تیسرے کا خواستگار ہو گا حالانکہ قطعاً معلوم ہے کہ اس کی طرف کبھی حاجت نہ پڑے گی اسی طرح جاہ کے باب میں آدمی اپنا ذکر اور شہرت ایسے دور دراز ملکوں میں چاہتا ہے کہ یقیناً جانتا ہے کہ وہاں میں کبھی نہ جاؤں گا اور نہ کبھی وہاں کے لوگوں سے ملاقات ہو گی کہ ان کو تعظیم یا سلوک کی نوبت پہنچے یا کسی غرض میں ممد و معاون ہوں اور باوجود اس کے ایسی جگہ میں بھی انتشار ذکر سے نہایت خوشی ہوتی ہے اور اس کی محبت طبیعت میں پائی جاتی ہے ظاہر میں یہ ایک جہالت کی بات ہے کہ بیفائدہ چیز کی محبت کرے جس سے نہ فائدہ دین کا نہ فائدہ دنیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واقع میں یہ محبت ہر ایک دل میں ہے اور اس کے دو سبب ہیں ایک سبب تو ظاہر ہے جو عوام بھی جانتے ہیں اور دوسرا جو بڑا سبب ہے وہ پوشیدہ ہے اور نہایت دقیق کہ ذکی شخصوں کے فہم سے بھی بعید ہے اور غبیوں کا تو کیا ذکر ہے کیونکہ اس سبب کو نفس کی رگ باطنی اور طبیعت کے اقتضائے خفیہ سے مدد پہنچتی ہے جس کو بجز نہایت درجہ کے تامل والوں کے اور کوئی نہیں دریافت کر سکتا سبب اول تو اس محبت جمعیت کا یہ ہے کہ رنج اور خوف کا دور کرنا منظور ہوتا ہے یہ بات ظاہر ہے کہ سوء ظن سے ڈرنے والا حریص ہوا کرتا ہے اور انسان کا بھی یہی حال ہے کہ اگرچہ اس کے پاس

سردست مال بقدر کفایت موجود ہو مگر چونکہ طویل الامل ہے اس جہت سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید یہ مال جو کافی ہے تلف ہو جاوے اور دوسرے کا محتاج ہونا پڑے جب یہ خطرہ دل میں گزرتا ہے تو اس کے دل میں سے خوف جوش زن ہوتا ہے اور یہ رنج خوف کا اس وقت تک دور نہیں ہوتا جب تک دوسرا مال اس کے پاس نہ ہو کہ جس سے اس کا اطمینان ہو کہ اگر مال اول کو مصیبت آ جاوے گی تو یہ دوسرا کام آوے گا پس اسی طرح ہمیشہ اپنے نفس پر خوف کرتا ہے اور زندگی کی محبت میں فرض کر لیتا ہے کہ بہت دنوں جیوں گا اور یہ بھی فرض کر لیتا ہے کہ بہت سی حاجات پیش آویں گی اور یہ بھی مان لیتا ہے کہ حال موجود پر بہت سی آفتیں راہ پاویں گی انہیں خیالات سے خوف ابھرتا ہے اور دفع خوف کے لیئے مال کی کثرت کر جاتا ہے کہ اگر بالفرض ایک مال پر آفت آوے تو دوسرا کام آوے اور یہ ایک ایسا خوف ہے کہ اس کے واسطے مقدار مخصوص مال کی نہیں کہ وہاں تک پہنچ کر ٹھہر جاوے اسی واسطے مال کے طالب کی بھی کوئی حد نہیں اور اسی بنا پر حدیث شریف میں آیا ہے کہ۔ منھومان لایشبعان منھوم العلم ومنھوم المال۔ اور اسی جیسا سبب جاہ میں سمجھنا چاہیئے یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ دور دراز ملکوں کے لوگوں کے دل میں میری جگہ ہو وہ یہ فرض کر لیتا ہے کہ شاید کوئی ایسا سبب ہو کہ میں اپنے وطن سے ان لوگوں میں جا پڑوں یا وہ لوگ اس ملک میں آ جاویں اور ان سے احتیاج استعانت کی ہو چونکہ یہ امر ممکن ہے اور حاجت ہونی دور کے ملک والوں سے ظاہرا محال نہیں تو ایسے لوگوں کے دلوں میں اپنی وقعت ہونے سے نفس کو کمال فرحت اور لذت ہوتی ہے کیونکہ اس میں وہی خوف دہی جاتا رہتا ہے دوسرا ارادہ سبب جو زیادہ قوی ہے وہ یہ ہے کہ روح ایک امر ربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کو اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے[۲] ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی۔ اور اس کے ربانی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ علوم مکاشفہ کے اسرار میں سے ہے اس کے اظہار کی اجازت نہیں اس واسطے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ظاہر نہیں فرمایا مگر قبل اس امر کے پہچاننے کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کے دل کو چار طرح صفات کی طرف رغبت ہوتی ہے اول صفات بہیمی کی طرف مثل خورد و نوش و جماع کے دوم صفات سبعی کی طرف جیسے مار پیٹ اور ایذا سوم صفات شیطانی کی طرف مثل مکر و فریب اور بہکانے کے چہارم صفات ربوبیت کی طرف جیسے کبر اور عزت اور شیخی اور طلب علو وغیرہ ان چاروں کی طرف میل ہونا اس وجہ سے کہ انسان چند اصول مختلف سے مرکب ہے جس کی تفصیل کی شرح کرنی طویل ہے بہر حال انسان اس وجہ سے کہ اس میں امر ربانی بھی ہے اپنی طبیعت سے ربوبیت پسند ہے اور ربوبیت کے معنی یہ ہیں کہ کمال میں یکتا ہونا اور وجود مستقل میں یگانہ ہونا اور چونکہ کمال اوصاف الٰہی میں سے ہے اسی جہت سے انسان کا بھی محبوب بالطبع ہی باقی رہا کمال ہونے کا وہ منحصر ہے وجود پر مثلاً آفتاب کا کمال اسی میں ہے کہ تنہا ہے اور موجود ہے اگر اس کے ساتھ دوسرا آفتاب ہوتا تو اس

---

[۱] دو حریص شکم سیر نہیں ہوتے ایک حریص علم کا دوم حریص مال کا ۱۲ طبرانی در اوسط بزار بروایت ابن عباس بسند ضعیف ۱۲۔ [۲] اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے ۱۲۔

کے حق میں نقصان ہوتا اس لئے کہ اس وقت یہ نہ کہہ سکتے کہ کمال آفتاب ہونے میں یگانہ ہے اور وجود میں یگانہ خداوند کریم ہے کہ اس کے ساتھ کوئی وجود نہیں بلکہ ماسوا کا اسی کے آثار قدرت کا ایک نشان ہے بذات خود اس کو قیام نہیں خدا تعالیٰ ہی کے وجود سے قائم ہے اسی جہت سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ماسوا کا وجود خداوند کریم کے وجود کی معیت رکھتا ہے اس لئے کہ معیت یعنی ایک ساتھ ہونا اس بات کو چاہتا ہے کہ دونوں رتبہ میں مساوی ہوں اور مساوات ہونے سے کمال میں نقصان ہے کامل وہی ہے جس کا مثل رتبہ میں نہ پایا جاوے جیسے آفتاب کے تمام جہان میں چمکنے سے کچھ اس میں نقصان نہیں بلکہ یہ امر داخل اس کے کمال میں ہے بلکہ آفتاب کا نقصان دوسرے آفتاب کے موجود ہونے سے ہے جو اس کے رتبہ کے مساوی ہو اور اس کی کچھ پرواہ نہ رکھے اسی طرح وجود اشیاء ماسوائے اللہ کا سمجھنا چاہئے کہ یہ بھی آفتاب وجود حقیقی سے پرتو پاکر اپنے اپنے وقت پر جلوہ گر ہیں ان میں سے کوئی ان کا سہیم و شریک نہیں کہ اس سے مستغنی ہو۔

ع وجودش آں فروزاں آفتاب است ؛ کہ ذرہ ذرہ از وے نور یاب است

حاصل یہ کہ معنی ربوبیت کے یہ ہیں کہ یگانہ ہونا وجود میں یعنی کمال میں اور ہر ایک انسان اپنی طبیعت سے یہ امر پسند کرتا ہے کہ کمال کے ساتھ یگانہ میں ہی ہو جاؤں اسی لحاظ سے بعض مشائخ صوفیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر انسان کے باطن میں وہ بات موجود ہے جس کی تصریح فرعون نے اپنے قول انا ربکم الاعلیٰ سے کی تھی مگر یہ کہ اس کی مجال نہیں پاتا یعنی منفرد باکمال ہونے کو جی چاہتا ہے مگر ہو نہیں سکتا اور واقع میں جیسا اس بزرگ نے فرمایا ویسا ہی ہے اس لئے کہ بندہ ہونا نفس پر شاق ہے اور ربوبیت طبعًا محبوب ہے کیونکہ منسوب ربوبیت کی طرف ہے جس کا اشارہ آیت کریمہ قل الروح من امر ربی میں ہے لیکن از آنجا کہ نفس منتہائے کمال کے حاصل کرنے سے عاجز ہے تو اس کی آرزو تب بھی کرتا رہتا ہے اور کمال کا متمنی اور محب اور اس سے لذت یاب رہتا ہے اور سوائے آرزوئے کمال کے اور کوئی وجہ لذت کی نہیں غرضکہ جو موجود ہے وہ اپنی ذات کو اور اپنی ذات کے کمال کو پسند کرتا ہے اور مرنے کو یا جس سے یا فنائے ذات صفات کمال ذات سے متصور ہے نا پسند کرتا ہے اور اگر یگانہ ہونا وجود میں فرض کیا جائے تب کمال اس طرح ہو گا کہ تمام موجودات پر غالب ہو اس لئے کہ زیادہ تر کمال انسان تو اس میں ہے کہ دوسرے شخصوں کا وجود اس سے ہو اگر یہ نہ ہو تو اتنا تو ہو کہ سب پر غالب ہو اس وجہ سے سب پر غالب ہونا انسان کو طبعًا محبوب ہے کیونکہ اس میں بھی ایک وجہ کمال کا پایا جاتا ہے مگر یہ غلبہ اشیاء پہ جب ہوتا ہے جبکہ قدرت ان میں تاثیر اور تغیر کی اپنے سے حاصل ہو کہ جس طرح چاہے الٹ پھیر کر سکے تو انسان کو یہ بات محبوب ہوئی کہ جو چیزیں اس کے ساتھ موجود ہیں اس پر غلبہ اور تصرف کرے لیکن از آنجا کہ موجودات کی تین قسمیں ہیں ایک تو ایسی ہیں کہ جن میں کسی طرح کا تغیر نہیں سکتا جیسے مثل ذات وصفات الٰہی کے اور دوسری ایسی ہیں کہ تغیر ہو سکتا ہے لیکن خلق کا تصرف

ح بخاری روایت ابن مسعود ۱۲ ح میں ہوں رب تمہارا بہت بڑا ۱۲۔

ان پر نہیں ہو سکتا جیسے آسمان اور ستارے اور فرشتے اور جن اور شیاطین اور پہاڑ اور سمندر اور جو چیزیں ان کے نیچے ہیں تیسری قسم ایسی چیزیں جو بندے کے تصرف سے متغیر ہو سکتی ہیں جیسے زمین کے اجزا اور معادن اور نباتات اور حیوانات اور اسی قسم میں سے آدمیوں کے دل بھی ہیں کہ قابل تاثیر اور تغیر کے مثل اجسام انسانوں کے ہیں پس جب کہ موجودات میں یہ تقسیم ہوئی کہ بعض میں تصرف انسانی کا دخل ہوا جیسے زمین کی اشیاء اور بعض اس کے تصرفات سے خارج ہوئے جیسے ذات الہٰی اور آسمان اور فرشتے تو انسان نے اس بات کو محبوب سمجھا کہ فلکیات پر علم کی جہت مستولی ہونا چاہیئے اور اس کے اسرار و دقائق کو جاننا چاہیئے کہ یہ بھی ایک طرح کا غلبہ ہے اس لیئے کہ شئے معلوم جس پر علم محیط ہوتا ہے وہ گویا کہ علم میں داخل ہو جاتی ہے اور عالم اس علم پر حاوی ہونے سے گویا غالب کہلاتا ہے اسی بنا پر انسان نے اس بات کو پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور آسمانوں اور ستاروں کو جانے تمام عجائبات سماوی اور پہاڑوں کے عجائب اور سمندروں کو پہچانے کہ اس میں ایک طرح کا استیلا پایا جاتا ہے جو ایک شق کمال کی ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص اگر کسی صنعت عجیب سے عاجز ہو تو طریق صنعت ہی کا مشتاق بنے کہ کسی طرح اس کا طریق ہی معلوم ہو جاوے مثلاً اگر کسی کو شطرنج کا وضع کرنا نہ آتا ہو تو وہ اسی بات کا مشتاق ہو گا کہ اس کی چالیں ہی معلوم ہو جاویں یا یہ کوئی صنعت عجیب ہندسہ کی خواہ شعبدہ یا جر ثقیل وغیرہ کی دیکھی اور جان لیا کہ مجھ سے نہ بن پڑے گی مگر یہ چاہا کہ اس کی کیفیت معلوم ہو جاوے کہ کیسی ہوئی ہے تو اس شخص کو اپنی عاجزی کا اس صنعت سے رنج ہو گا لیکن اس کو اگر علم کیفیت ہی ہو جاوے گا تو کمال علم سے لذت پاوے گا مگر رہی دوسری قسم جس پر انسان کے تصرف کو دخل ہے یعنی زمین کی اشیاء تو انسان کو طبعاً محبوب ہے کہ اس پر تصرف اور قدرت سے مستولی ہو جاوے کہ جو چاہے سو کرے اور زمین کی اشیاء کی دو قسمیں ہیں ایک اجسام دوسری ارواح اجسام جیسے روپیہ اشرفی اور اسباب وغیرہ ان چیزوں میں یہ بات محبوب ہے کہ جہاں چاہے وہاں رکھے جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے وغیرہ غرض ان پر قدرت و تصرف کا خواہاں ہوتا ہے اس لیئے کہ قدرت کمال گنا جاتا ہے اور کمال صفت ربوبیت سے ہے جو انسان کو طبعاً محبوب ہے اس جہت سے مال اموال کی محبت کرتا ہے گو کھانے اور پینے اور لباس اور شہوات نفس کے لیئے ان کا محتاج نہ ہو اسی واسطے لوگوں کو بھی اپنا غلام بنایا چاہتا ہے کہ ان کے اجسام و اعضاء پر تصرف و قدرت ہو جاوے گو جبراً قہراً ہی ہو اور دل کی ملکیت بھی حاصل نہ ہو اسی واسطے کہ دلوں کی تسخیر تو بدون اعتقاد کمال کے نہیں ہوتی' یہ ضروری نہیں کہ لونڈی غلاموں کے دل بھی آقا کے کمال کے معتقد ہوں مگر الا قہر و جبر کا خیال البتہ دل میں رہتا ہے اس سے اپنے اجسام سے اطاعت کرتے ہیں اور یہی دبدبہ اور غلبہ اور قدرت حضرت انسان کو محبوب ہے دوسری قسم آدمیوں کے نفس اور ان کے دل ہیں کہ تمام روئے زمین کی چیزوں میں النفس و اعلیٰ ہیں انسان کو یہ محبوب ہے کہ ان پر بھی غلبہ و قدرت ہو جاوے اس طرح کہ تمام قلوب مسخر ہو جاویں کہ اپنے ہی اشارہ اور ارادہ میں رہیں۔ اور وجہ اس امر کے محبوب ہونے کی یہ ہے کہ اس میں کمال غلبہ متصور ہے اور صفات ربوبیت کے ساتھ مشابہت

پائی جاتی ہے مگر الاقلوب کی تسخیر بدون محبت نہیں ہوتی اور دلوں میں محبت بدون اعتقاد کمال نہیں آتی اس لیئے کہ مال صفات الٰہی میں سے ہے اور صفات الٰہی سب کے سب طبعًا انسان کو محبوب ہیں کہ ان میں ربانی بات پائی جاتی ہے اور امر ربانی انسان میں بھی ہے اور وہ ایسی شے ہے کہ نہ موت سے فنا ہو نہ خاک اس کو کھاوے کیونکہ وہی محل ایمان اور معرفت ہے اور وہی دیدار خدا تک پہنچانے والی اور دیدار کی طرف سعی بھی اس سے ہوتی ہے پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ جاہ کے معنی دلوں کا مسخر ہونا ہے اور جس کسی کی تسخیر میں دل آجاتے ہیں اس پر اس کو استیلا وقدرت ہو جاتی ہے اور استیلا و قدرت کمال میں داخل ہے جو کہ صفات ربوبیت سے ہے اسی وجہ سے دل کو کمال علم و قدرت طبعًا محبوب ہے اور مال وجاہ اسباب قدرت میں سے ہیں اور چونکہ معلومات اور مقدورات کی کچھ انتہا نہیں تو جب تک کوئی چیز علم وقدرت سے خارج رہے گی تب تک شوق کو تسکین نہ ہوگی اور نقصان بھی باقی رہے گا اسی لیئے حدیث مذکورہ بالا میں وارد ہے کہ منھومان لا یشبعان غرضکہ ہر ایک دل کا مطلوب کمال ہے اور کمال علم وقدرت سے ہوتا ہے اور اس کے درجات و فرق زائد از شمار ہے پس ہر ایک انسان اسی قدر خوشی اور لذت چاہتا ہے جس قدر کہ اس کو کمال ہو یہ وجہ ہے جس سے علم و مال اور جاہ محبوب ہیں اور ظاہر ہے یہ وجہ دوسری ہی چیز ہے وجہ اول یعنی ذریعہ قضا شہوات ہونا مال وجاہ کا علیحدہ بات ہے اس لیئے کہ شوق حصول علم و مال وجاہ باوجود شہوات کے ساقط ہونے کے باقی رہتا ہے بلکہ انسان ایسے علوم سے محبت رکھتا ہے کہ جن میں لیاقت حصول اغراض کی نہ ہو بلکہ کبھی عجائب اور مشکلات کے جاننے میں طبیعت ایسی مصروف ہو جاتی ہے کہ تمام اغراض وشہوات سے دست بردار ہو جاتا ہے اس واسطے کہ علم شے میں معلوم پر استیلا پایا جاتا ہے جو من وجہ کمال ہے اور صفت ربوبیت میں سے جو طبعًا محبوب ہوتی ہیں لیکن علم و قدرت کے کمال حاصل کرنے میں غلطی بھی واقع ہوتی ہے جس کا بیان بہت ضروری ہے :

حقیقی کمال اور محض وہمی باتیں

یہ تو پہلے ہی معلوم ہو چکا کہ بعد نہ ہو سکنے یگانہ فی الوجود کے کوئی کمال علم وقدرت کے کمال کے برابر نہیں اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ کمال حقیقی علم وقدرت میں کمال وہمی سے ملا جلا ہے اور اس کو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ کمال علم کا سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں اور اس کی تین وجہیں ہیں اول تو کثرت معلومات کے باعث کہ خدا تعالیٰ کا علم سب معلومات پر محیط ہے اس بنا پر جتنا کسی بندے کو معلومات زیادہ ہوں گے اتنا ہی خدا سے قریب ہو گا دوسری معلوم چیز کی اصل حقیقت کے دریافت کرنے کے باعث کہ خداوند کریم کے علم کے سامنے سب معلومات کی اصل حقیقت کامل طور پر واضح ہے پس اگر کسی بندے کا علم بھی اسی صفت پر ہو کہ اشیاء کی حقیقت کو جس طرح پر وہ ہیں صدق ویقین ووضوح کے ساتھ مفصل جانے وہ خدا تعالیٰ سے قریب ہو گا تیسری علم کی پائیداری وقیام کے باعث کہ ابدالاباد تک تبدیل وزوال کو اس میں دخل نہ ہو خدا تعالیٰ کا علم ایسا قائم وباقی ہے کہ اس میں مجال تغیر وتبدیل کی نہیں پس اگر بندے کے علم میں بھی تغیر وتبدیل واقع نہ ہو تو وہ خداوند کریم

سے قریب ہو گا پھر معلومات کی دو قسمیں ہیں ایک تو متغیر ہونے والی اور ایک ازلی متغیرات کی مثال یہ ہے کہ مثلاً اس جملہ کو جاننا کہ زید گھر میں ہے پس ہو سکتا ہے کہ زید گھر میں سے چلا جاوے اور علم اس کے گھر میں ہونے کا موجود ہے اس صورت میں یہ علم جہل ہو جائے گا اور باعث نقصان ہو گا نہ باعث کمال پس چیزوں کے حالات میں انقلاب متصور ہے اگر ان کو کسی خاص حال پر اعتقاد کرو گے تو اس امر کے درپے ہو گے کہ اپنے مال کو نقصان سے بدل ڈالو اور علم کو جہل سے اسی میں داخل ہیں تمام جہان کے متغیرات مثلاً کسی پہاڑ کے ارتفاع کو جاننا اور پیمائش زمین اور شمار شہروں کے اور فاصلہ ان کے درمیان کا اور دوسری چیزیں جو مسالک اور ممالک کے بیان میں مذکور ہوتی ہیں اسی طرح علم لغت کے حال کو سمجھنا چاہیئے کہ لغت بھی اصطلاح کا نام ہے جب مدت گزر جاتی ہے اور لوگ اور عادتیں بدل جاتی ہیں تو اصطلاح میں تبدیلی ہو جاتی ہے غرضکہ یہ علوم ایسے ہیں کہ ان کے معلومات مثل پارہ کے ہیں کہ ایک حال سے دوسرے حال پر بدلتے رہتے ہیں تو ایسے معلوم میں گو سردست کمال ہے مگر ایسا کمال نہیں جو دل میں باقی رہے دوسری قسم معلومات ازلی ہیں مثلاً جائز ہونا ممکن اشیاء کا واجب ہونا واجبات کا یا محال ہونا اور مستحیل چیزوں کا یہ معلومات ازلی ہیں کہ کبھی نہیں بدلتے مثلاً محال ہے کہ واجب کبھی ممکن ہو جاوے یا ممکن چیز محال ہو یا محال واجب ہو جاوے یہ اقسام داخل ہیں خدا کی معرفت میں اور جو اشیاء کے اس کے لیئے واجب ہیں اور جو چیزیں کہ اس کے صفات میں محال ہیں اور اس کے افعال میں جائز ہیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات اور افعال کا علم اور اس کی حکمت کا جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور ترتیب کہ اس نے دنیا و آخرت میں رکھی ہے اور ان کے متعلقات کا علم کمال حقیقی ہے کہ جو اس سے متصف ہو گا وہ خداوند کریم سے قریب ہو گا اور یہ کمال نفس کے لیئے بعد موت بھی رہے گا اور یہ معرفت عارفین کے لیئے مرنے کے بعد نور بنے گی[1] نورھم یسعٰی بین ایدیھم وبایمانھم یقولون ربنا اتمم لنا نورنا۔ یعنی یہ معرفت ایسا راس المال ہو جائے گی کہ اس کے ذریعہ سے جو چیز دنیا میں معلوم نہ ہوئی تھی وہ معلوم ہو جاوے گی جیسے کسی کے پاس ایک چراغ دھندلا سا ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس سے دوسرا چراغ روشن کر کے نور کو زیادہ خواہ کامل کرے اور جس کے پاس سرے سے چراغ ہی نہ ہو اس کو یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اس طرح جس کو اصل معرفت نہیں اس کو اس نور کی طمع نہیں ہو سکتی وہ ایسا ہو گا[2] کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منھا۔ بلکہ اس کی تاریکی کی[3] مثال ہو گی کظلمات فی بحر لجی یغشاہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمات بعضھا فوق بعض۔ اس سے معلوم ہوا کہ سعادت صرف معرفت الٰہی میں ہے اور دوسری چیزوں کی معرفت کا یہ حال ہے کہ بعض میں تو کچھ فائدہ ہی نہیں جیسے شعر کی معرفت

---

[1] دوڑتی ہے روشنی ان کے آگے اور ان کے داہنے کہتے ہیں اے رب ہمارے پوری کر دے ہم کو ہماری روشنی ۱۲۔ [2] برابر اس کے کہ جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں پڑا وہاں سے نکل نہیں سکتا۔ [3] جیسے اندھیری گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر اس کے اوپر بدلی اندھیری ہیں ایک پر ایک ۱۲۔

اور عرب کے نسب کا حال وغیرہ اور بعض ایسی اشیاء ہیں کہ ان سے معرفت الٰہی میں اعانت ہوتی ہے جیسے لغت عربی کی معرفت اور تفسیر و فقہ و حدیث کی معرفت کہ لغت کی معرفت سے تفسیر قرآن مجید کے جاننے پر اعانت ہوتی ہے اور علم تفسیر سے قرآن مجید کے مضامین اور کیفیت عبادات اور اعمال کی جن سے تزکیہ نفس ہوتا ہے معلوم ہوتی ہے اور طریق تزکیہ نفس کے جاننے سے لیاقت حصول معرفت الٰہی ہوتی ہے جیسا کہ خود ارشاد فرمایا ہے۔ قد افلح من زکہا[1]۔ اور فرمایا۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا[2] پس یہ سب چیزیں گویا کہ ذریعہ ہیں واسطے ثبوت معرفت الٰہی کے ہر چند کمال خدا کی معرفت اور اس کی صفات و افعال کی معرفت میں ہے مگر اسی میں یہ بھی شامل ہے کہ موجودات کی معرفت حاصل ہو اس لئے کہ موجودات سب کے سب اس کے افعال میں سے ہیں پس جو شخص کہ موجودات کو اس اعتبار سے معلوم کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ہے اور اسی کی قدرت اور ارادہ اور حکمت کے ساتھ مرتبط ہیں تو یہ جاننا بھی ضمیمہ معرفت الٰہی میں سے ہوگا یہ حکم کمال علم کا ہے جو ہم نے بیان کیا اگرچہ مناسب احکام جاہ و ریا کے نہ تھا مگر الا چونکہ کلام کو پورا ذکر کرنا منظور ہے اس لئے بیان کیا گیا ہے باقی رہا کمال قدرت پس بندے کو اس میں کمال حقیقی نہیں البتہ بندے کو علم حقیقی ہے قدرت حقیقی نہیں قدرت حقیقی صرف خدائے تعالیٰ ہی کو ہے اور اشیاء میں جو اثر بندے کی قدرت و ارادہ کا ظاہر ہوتا ہے یہ بھی خدا تعالیٰ ہی کے پیدا کرنے سے ہے جیسا کہ ہم نے باب صبر و شکر اور باب توحید و توکل اور جگہوں میں جلد چہارم میں ثابت کیا ہے خلاصہ یہ کہ کمال علم آدمی کے ساتھ بعد موت بھی باقی رہتا ہے اور اس کو خدا تک پہنچاتا ہے مگر کمال قدرت میں ہم کوئی کمال بہ جہت قدرت نہیں جانتے البتہ قوای کی قدرت کمال علم کا وسیلہ ہیں مثلاً تندرستی اور ہاتھ میں قوت گرفت کا ہونا اور پاؤں میں قوت رفتار ہونا اور حواس میں قوت ادراک کا ہونا۔ یہ سب ذریعہ اس بات کے ہیں کہ کمال حقیقی علم کا ان سے حاصل ہو سکے اور بعض اوقات ان قوای کے پورا ہونے کے واسطے حاجت مال و جاہ کی قدرت کی ہوتی ہے تاکہ اس کے سبب خورد و نوش و لباس و مسکن مل سکے اور ظاہر ہے کہ ان اشیاء کے لئے ایک مقدار معین ہے پس اگر مال کو معرفت الٰہی تک پہنچنے کے لئے صرف نہ کرے گا تو اس میں یقیناً کچھ خیر نہیں صرف سردست کی لذت حاصل ہوگی جو عنقریب فنا ہو جاوے گی اور جو شخص اسی لذت کو کمال جانتا ہے وہ جاہل ہے مگر تمام خلقت اسی جہالت کے دام میں گرفتار ہے جو لوگ یہی تصور کرتے ہیں کہ بہت سے اجسام پر قدرت دربارہ ہوئی اور اموال سے تونگری ہوئی اور لوگوں کے دلوں میں بباعث جاہ کے اپنی عظمت ہوئی اسی کا نام کمال ہے جب یہ اعتقاد دل میں کر لیتے ہیں تو اسی بات کو محبوب جانتے ہیں اور اسی کے طالب ہوتے ہیں اور طالب میں ہمہ تن مشغول ہو کر تباہ ہوتے ہیں کمال حقیقی جو موجب قرب الی اللہ اور فرشتوں سے قریب کرتا ہے اس سے بالکل غافل ہیں اور وہ کمال حقیقی علم اور حریت کا ہے کمال

---

[1] مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا ۱۲۔ [2] اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سوجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں ۱۲۔

علم تو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ معرفت الٰہی کا نام ہے اور حریت یعنی آزادی سے غرض قید شہوات اور دنیا کے ترددات سے آزاد ہونے سے ہے جس میں فرشتوں کی مشابہت پائی جاتی ہے کہ ان کو نہ شہوات ڈگا سکتی ہے نہ غضب دیوانہ کر سکتا ہے غرضکہ دور کرنا آثار شہوات و غضب کا نفس سے وہ کمال ہے جو صفات ملائکہ میں داخل ہے اور یہ محال ہے کہ کوئی سی صفت کمالی خداوند کریم کی متغیر ہو سکے یا اس پر کوئی شے اثر کر سکے پس جو شخص کہ تغیر اور عوارض کے تاثر سے بعید ہو گا وہی اللہ سے قریب ہو گا اور فرشتوں سے مشابہ اور خدا تعالیٰ کے نزدیک بلند مرتبہ بھی وہی ہو گا۔ اور یہ کمال کمال علم قدرت سے علیحدہ شے ہے اور ہم نے اس کو اس وجہ سے اوپر بیان نہیں کیا کہ واقع میں اس کا مآل نقصان کے نہ ہونے کی طرف رجوع کرتا ہے اس لیئے کہ بدل جانا بھی ایک نقصان ہے کیونکہ تغیر اسی کو کہتے ہیں کہ جو صفت پہلے سے موجود تھی وہ جاتی رہی اور جاتا رہنا ذات کے لیئے بھی نقصان ہے اور جو صفات کمالی ذات کی ہیں ان کے لیئے بھی نقصان ہے بایں لحاظ سے اب اگر شہوات سے نہ بدلنے اور ان کی نافرمانی کرنے کو جدا کمال قرار دیں تو کمال تین ہوتے ہیں اوّل کمال علم دوّم کمال حریت یعنی شہوات کا غلام نہ ہونا اور اور اسباب دینی کا نہ چاہنا سوّم کمال قدرت اور بندہ کو کمال علم اور کمال حریت کے حاصل کرنے کا طریق تو مل سکتا ہے مگر تیسری قسم کمال قدرت کے حاصل کرنے کا طریق نہیں مل سکتا کہ یہ کمال بھی بعد موت باقی رہے اس لحاظ سے کہ قدرت اموال پر خواہ اجسام پر جو قلوب پر وابدان کی تسخیر سے ہوتی ہے موت پر جاتی رہتی ہے اور آزادی موت سے فنا نہیں ہوتیں بلکہ باقی رہتی ہیں اور وسیلۂ قرب الٰہی ہوتی ہیں مقام غور ہے کہ جاہل کس طرح اندھے ہو کر معاملہ برعکس کرتے ہیں کہ مال و جاہ سے کمال قدرت کے طالب ہیں جو فانی شے ہے اور کسی طرح اس کو بقا نہیں اور کمال علم اور کمال حریت سے بالکل منہ پھیر لیا ہے اور یہ دونوں ایسے ہیں کہ اگر نصیب ہو جاویں تو ابدالآباد تک منقطع نہ ہوں یہی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں[ف] ان الذین اشتروا الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ فلا یخفف عنهم العذاب ولا هم ینصرون ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہ سمجھا کہ فرماتا ہے[ف]۔ حتی اذا اخذت الارض زخرفها وازینت وظن اهلها انهم قادرون علیها اتاها امرنا لیلا او نهارا فجعلناها حصیدا کان لم تغن بالامس کذلك نفصل الایت لقوم یتفکرون .... علم و حریت ہیں کہ نفس میں ہمیشہ کو رہیں گے اور مال و جاہ تو چند روز کے بعد فنا ہو جاویں گے ان کی مثال اس آیت میں مذکور ہے[ف] واضرب لهم مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلنٰه من السماء فاختلط به نبات الارض فاصبح هشیما تذروه الریاح وکان اللہ علی کل شیء مقتدرا دوسری جگہ ..... ارشاد فرمایا ہے[ف] الدنیا مزرعۃ الاخرۃ ط اور جو چیزیں کہ موت کے جھٹکے سے فنا ہو جاتی ہیں وہ

[ف] وہی ہیں جنہوں نے خرید کی دنیا کی زندگانی آخرت دے کر سو نہ ہلکا ہو گا ان پر عذاب اور نہ ان کو مدد پہنچے گی ۱۲ [ف] اور سنگار پرلی اور اٹکلے زمین والے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگی پہنچا ان پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو پھر کر ڈالا کاٹ کر اس کو ڈھیر گویا کل کو یہاں نہ تھی۔ بستی اسی طرح ہم کھولتے ہیں اور اپنی نشانیاں ان لوگوں میں جن کو دھیان ہے ۱۲۔

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

زندگی کے مزے ہیں اور جن پر موت کا صدمہ نہیں ہوتا اور اس سے فنا نہیں ہوتے وہ باقیات صالحات ہیں اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ مال وجاہ سے کمال قدرت کو کمال سمجھنا امر ظنی اور بے اصل ہے اور جو کوئی اس کی طلب میں اپنی عمر ضائع کرے اور اسی کو مقصود اصلی جانے وہ جاہل ہے کیا خوب کہا ہے کسی کہنے والے نے ع مال جنھوں نے جمع کیا وہ ہاتھ پسارے جاتے ہیں یعنی اس لیئے مال جمع کیا تھا کہ مفلس نہ ہوں گے مگر وقت مرگ خالی ہاتھ اور محتاج ہی جاتے ہیں ہاں جو شخص ان کو بمقدار ضرورت جس سے کمال حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ ہوں حاصل کرے گا وہ چین سے رہے گا خداوند کریم ہم سب کو بھی ایسی ہی توفیق اور ہدایت عنایت کرے۔

۷۔ جاہ کی محبت میں اچھی اور بری باتیں

جب یہ معلوم ہو چکا کہ جاہ کے معنی دلوں کی ملکیت اور ان پر قدرت ہونے کے ہیں تو جاننا چاہیئے کہ اس کا حکم بھی ملکیت اموال کا سا ہے اس لیئے کہ جاہ بھی ایک غرض دنیاوی اغراض میں سے ہے موت پر منقطع ہو جاتا ہے اور از آنجا کہ الدنیا مزرعۃ الاخرۃ۔ واقع ہے تو جو چیز دنیا میں پیدا ہوئی ہے اس سے زاد آخرت حاصل کرنا ممکن ہے پس جس طرح تھوڑا مال خورد و نوش لباس کے لیئے ضروری ہے اسی طرح تھوڑا سا جاہ خلق کے ساتھ بسر اوقات کے لیئے ضروری ہے اور جیسے کہ خوراک امر لابدی ہے اور جائز ہے کہ مقدار ضرورت کو اس سے خواہ اس کو مال جس سے خوراک خریدی جاوے محبوب جانے اسی طرح حاجت ایک خادم کی جو خدمت کرے اور ایک رفیق کی جو اعانت کرے اور ایک استاد کی جو راہ بتاوے اور ایک حاکم کی جو بدوں کی شرارت وظلم سے بچاوے ضروری ہے پس اس بات کو محبوب جاننا مالک کا خادم کے دل میں میری ایسی وقعت ہو کہ وہ خدمت گزاری کرے یا رفیق کے دل میں ایسی منزلت ہو کہ وہ اعانت سے باز نہ رہے یا استاد کے دل میں ایسی جگہ ہو جس سے راہ اچھی طرح بتاوے یا حاکم عادل میں ایسی عزت ہو کہ وہ شرارت کے دفع پر آمادہ ہو جاوے یہ مذموم نہیں اس لیئے کہ جاہ بھی ایک ذریعہ اغراض کا مثل مال کے ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں ہاں تحقیق اس باب میں یہ ہے کہ خود مال اور جاہ کو محبوب جانے نہ بلکہ اس کی محبت کو ایسا سمجھے جیسا کسی کے گھر میں پاخانہ ہو اور نہ قضائے حاجت کی جہت سے اس پاخانے کا ہونا پسند کرتا ہو اور یہ چاہتا ہو کہ اگر مجھے حاجت براز کی نہ رہے تو اس پاخانے سے بھی کچھ سروکار نہ رہے پس ایسا شخص پاخانے سے واقع میں محبت کرنے والا نہ گنا جاوے گا بلکہ جو شئے محبوب تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے وہاں محبت صرف مقصود اصلی ہی ہوتی ہے ذریعہ سے صرف ذریعہ ہونے کی محبت ہوتی ہے

ت[۱] اور بتا ان کو کہاوت دنیا کی زندگی کی جیسے اتارا ہم نے آسمان سے پھر رل کر نکلا اس سے زمین کا سبزہ پھر کل کو ہو رہا چورا ہوا میں اڑتا اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت ۱۲ خ[۲] دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۱۲ ت[۳] مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی جینے کی اور رہنے والی نیکیوں پر بہتر ہے تیرے رب کے ہاں بدلہ اور بہتر ہے توقع ۱۲ ت[۴] دنیا کا جینا وہی کہاوت ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے پھر رل مل نکلا اس سے سبزہ زمین کا جو کھاویں آدمی اور جانور اور یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے چمک ح ت[۵] مجھے مقرر کر کہ ملک کے خزانوں میں خوب نگہبان ہوں خبردار ۱۲

فقط اب اس کو ایک مثال سے سمجھا دیتے ہیں مثلاً ایک شخص اپنی منکوحہ سے اس وجہ سے محبت رکھتا ہے کہ وقت ضرورت اس سے صحبت کرتا ہے جس طرح پاخانے کو قضا حاجت کے لیئے اچھا سمجھتا ہے اور اگر اس کو ضرورت شہوت دائمی نہ ہو تو منکوحہ کو طلاق دے دے جیسے حاجت براز نہ ہونے سے پاخانے میں نہ جانا اور بعض اوقات منکوحہ کو خود چاہتا ہے اور اس کی صورت پر فریفتہ رہتا ہے یہاں تک کہ اگر کبھی اتفاق صحبت نہ ہو تاہم اس کو نکاح سے باہر کرنا نہیں چاہتا تو اس کو دوسری قسم کی محبت کہتے ہیں اول قسم داخل محبت نہیں علی ہذالقیاس جاہ ومال کا حال ہے کہ اگر ان کے ساتھ اس وجہ سے محبت ہو کہ ان سے اغراض بدن حاصل ہوتے ہیں تو کچھ برائی نہیں اگر خود انہیں سے محبت ہے اس سے کچھ غرض نہیں کہ یہ ذریعہ اغراض ہیں یا نہیں یا مقدار ضرورت سے زائد کو مثلاً محبوب جانے تو مذموم ہے لیکن ایسا شخص جو خود مال وجاہ سے محبت رکھتا ہے فاسق اور عاصی نہ ہو گا جب تک کہ اس محبت کے باعث کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو یا مال وجاہ کے حاصل کرنے کے لیئے مکر وفریب اور جھوٹ وغیرہ کو ذریعہ نہ بنادے یا ان کے حصول کے لیئے کسی عبادت کو وسیلہ ٹھہرا دے کیونکہ عبادت سے مال وجاہ پیدا کرنا دینی گناہ اور حرام ہے اور مال ریا کا بھی وہی ہے جیسا کہ آگے مذکور ہو گا باقی رہی یہ بات کہ خادم ورفیق واستاد وحاکم کے دلوں میں جگہ کرنے کی کوئی حد مقرر ہے یا جس قدر چاہے اس قدر کا ان کو معتقد کرلے تو اس کی تشریح یہ ہے کہ دوسرے شخص کو معتقد کرنا تین طرح پر ہے دو صورتیں تو مباح ہیں اور ایک ممنوع جو صورت کہ ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ ان کو ایسی صفت کا معتقد کرے جو اپنے میں نہ ہو مثلاً اس کو اس بات کا معتقد کرے کہ میں حاکم یا پرہیزگار یا سید ہوں حالانکہ ایسا نہیں تو حرام ہے اس لیئے کہ دروغ اور دھوکا دینا ہے خواہ قول میں یا معاملہ میں اور مباح صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس صفت کے ساتھ خود متصف ہو اسی رتبہ کا خواہاں ہو مثلاً حضرت یوسف صدیق علیہ السلام نے حاکم مصر سے فرمایا تھا[1] اجعلنی علی خزآئن الارض انی حفیظ علیم۔ آپ حاکم کے دل میں اس بات کے خواہاں ہوئے کہ میں حفیظ وعلیم ہوں اور ایسے شخص کی اس کو ضرورت بھی تھی اور یہ قول آپ کا درست اور صادق تھا دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے کسی عیب یا گناہ کو مخفی رکھنا کہ جس سے دوسرے کی نظروں میں نہ گر جاوے یہ بھی مباح ہے کیونکہ گناہ کا مخفی رکھنا جائز ہے پردہ دری اور بری بات کو علانیہ کہنا جائز نہیں علاوہ ازیں اس میں کچھ دھوکا دینا نہیں بلکہ جس چیز کے جاننے سے کچھ فائدہ نہ ہو اس کی اطلاع نہ کرتی ہے مثلاً ایک شخص شراب خوار ہے مگر حاکم سے نہیں کہتا کہ میں شراب پیتا ہوں اور نہ یہ اظہار کرتا ہے کہ میں پرہیزگار ہوں کیونکہ اگر پرہیزگاری ظاہر کرے گا تو صریح جھوٹ اور فریب دہی ہو گی صرف شراب خوری کا اقرار نہ کرنے سے یہ ضروری نہیں کہ حاکم اس کی پرہیزگاری کا اعتقاد کرے بلکہ اتنا ہے کہ اس کو اس کی شراب خواری کا علم نہ ہو گا اور یہ امر بھی منجملہ ممنوعات ہے کہ دوسرے کے سامنے نماز بہت اچھی طرح پڑھے تاکہ وہ خوب معتقد ہو جاوے اس لیئے کہ یہ سراسر ریا اور فریب دہی ہے کہ وہ تو یہ جانے کہ میاں صاحب بہت اخلاص اور خشوع خدا کے ساتھ رکھتے ہیں حالانکہ ان کا فعل محض ریا ہے پس اس طور سے جاہ کا طلب کرنا حرام ہے اور اسی طرح مال کا پیدا کرنا بھی ناجائز ہے دونوں میں کچھ فرق نہیں اور

اور جس طرح کہ دوسرے کا مال مکر و فریب سے مفت یا کسی چیز کے عوض میں لے لینا ناجائز ہے اسی طرح دوسرے کے دل کا بھی مکر و فریب سے مالک ہونا ناجائز ہے کیونکہ دلوں کی ملکیت بہ نسبت مال کی ملکیت کے بڑھ کر ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قلب کو نفس اپنی تعریف سے خوش اور اپنی مذمت سے نفرت کیوں کرتا ہے

جو مدح سے خوشی اور لذت ہوتی ہے۔ اس کے چار سبب ہیں، سبب اول جو سب میں زیادہ قوی ہے وہ یہ ہے کہ مدح کے باعث نفس یہ جانتا ہے کہ میں صاحب کمال ہوں اور چونکہ سب مذکورہ بالا کمال ایک محبوب چیز ہے تو جب نفس کو اپنے کمال کی واقفیت ہوتی ہے خواہ مخواہ خوشی اور لذت پاتا ہے اور مدح سے ممدوح کے نفس کو اپنے کمال کا شعور ہی ہو جاتا ہے اس لیئے کہ جس وصف سے تعریف کی جاتی ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو ظاہر ہوتا ہے یا مشکوک اگر وصف مذکور ظاہر اور محسوس ہے تب تو لذت کم ہوتی ہے جیسے کسی کی تعریف میں کہیں کہ قد کا اونچا اور رنگ کا سفید ہے تو ہر چند یہ کہ ایک طرح کا کمال ہے مگر نفس اس سے غافل رہتا ہے اسی جہت سے اس کو چنداں لذت بھی نہیں مگر دوسرے کے جتانے سے جب اس کمال کا شعور ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ لذت حاصل ہوتی ہے اور اگر وصف مذکور ایسی چیزوں میں سے ہو جن میں شک کو مجال ہے تو اس سے لذت بہت زیادہ ہوتی ہے مثلاً کسی کی تعریف کمال علم اور کمال ورع یا حسن مطلق سے کرنی کہ یہ اوصاف ایسے ہیں کہ آدمی کو اکثر ان میں شک ہوتا ہے کہ میرا حسن یا علم یا ورع کامل ہے یا نہیں اور اس بات کا مشتاق ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ شک مٹ جاوے اور یہ یقیناً معلوم ہو جاوے کہ میں اس وصف میں بے نظیر ہوں تاکہ اطمینان ہو اور پھر اس وصف کے حاصل کرنے کی مشقت نہ کرنی پڑے پس جب کہ دوسرے کی زبان سے اپنے آپ میں وہ کمال سنتا ہے تو دل کو تسکین ہوتی ہے اور اپنے کمال پر وثوق ہو جاتا ہے اور نہایت لذت حاصل ہوتی ہے اور سب سے زیادہ تر لذت اس سبب سے اس وقت ہوتی ہے جب مدح و ثنا کوئی ایسا شخص کرے جو اس طرح کے صفات سے واقف ہو اور کلام بھی بے تحقیق اور بیہودہ نہ کہتا ہو مثلاً کوئی اُستاد اپنے کسی شاگرد کی ثنا کرے کہ تم بڑے ذکی اور دانا اور فاضل ہو تو اس سے شاگرد کو نہایت خوشی ہوتی ہے اور اگر کوئی بیہودہ اور لغوگو اس طرح کی ثنا کرے تو لذت کم ہوتی ہے اور ہجو اور مذمت کے برا ہونے کا بھی یہی تو سبب ہے کہ نفس کو اپنے نقصان کا شعور ہوتا ہے اور چونکہ نقصان کمال کی ضد ہے اور کمال محبوب ہوتا ہے تو بالضرور نقصان برا معلوم ہو گا اور جب اس پر اطلاع ہو گی جب ہی رنج معلوم ہو گا خصوصاً اس وقت جب کوئی دانا و بینا معتمد آدمی مذمت کرے جیسا کہ مدح میں بیان ہوا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ مدح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعریف کرنے والے کا دل ممدوح کا مملوک اور مسخر اور معتقد ہے اور دل کی ملکیت بہرصورت آدمی کو پسند ہے جب یہ معلوم ہو گا کہ ممدوح میرا معتقد اور اس کا دل میری مشیت کے تابع ہے جب ہی لذت حاصل ہو گی خصوصاً جب ایسا شخص تعریف کرے کہ جس کو قدرت زیادہ اور اس کے دل کے مسخر ہونے سے کام زیادہ نکلے تو اور بھی زیادہ خوشی اور لذت ہو گی مثلاً حکام اور اکابر کے دل کی تسخیر سے اور یہ لذت

کم ہوتی ہے اور اگر کوئی ایسا شخص تعریف کرے ۔ جو بیقدر ہو اس لئے کہ اگر ایسے بیقدر کے دل کا مالک بھی ہوا تو کیا ہے ایک حقیر چیز ملکیت میں آئی اور ایسے کی تعریف ممدوح میں قدرت ناقص کا اظہار کرتی ہے اور اس وجہ سے ہجو کو بھی برا جانتا ہے اور دل پر صدمہ ہوتا ہے اور جب کوئی اکابرین میں سے ہجو کرتا ہے تو اور زیادہ رنج ہوتا ہے کہ اس صورت میں بڑا مطلب فوت ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا دل بھی اپنا معتقد ہو جاوے خصوصاً جب ایسا شخص تعریف کرے کہ جس کے قول پر سب متفق ہوں اور اس کا اعتبار کرتے ہوں مگر اس میں یہ شرط ہے کہ تعریف لوگوں کے سامنے ہو پس جس قدر جمعیت زیادہ ہوگی اور تعریف کرنے والا لائق التفات زیادہ ہوگا مثلاً میر مجلس یا حاکم ثنا کرے گا تو تعریف نہایت لذیذ ہوگی اور برائی اس کے برعکس نہایت شاق گزرے گی چوتھا سبب یہ ہے کہ تعریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح صاحب حشمت و رعب ہے کہ مادح اس کی شان میں رطب اللسان ہونے کو مضطر ہے خواہ برغبت دل یا بزور دباؤ اپنا دباؤ بھی آدمی کو اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک طرح کا غلبہ پایا جاتا ہے اور چونکہ مادح خواہ مخواہ تعریف کرنے پر مضطر ہے اور اسی کے اضطرار سے ایک طرح کا غلبہ اور قدرت ممدوح کی معلوم ہوتی ہے اسی جہت سے ممدوح کو اس تعریف سے لذت ہوتی ہے گو تعریف کرنے والا دل میں ان اوصاف کا ممدوح کے لیئے معتقد نہ ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس قدر مادح قوی اور بطور تواضع ثنا کرنے سے منکر ہوگا اسی قدر اس کی ثنا سے ممدوح کو لذت زیادہ ہوگی اب اگر مختلف یہ چاروں اسباب ایک ہی تعریف کرنے والے کی تعریف میں جمع ہو جاویں تو ظاہر ہے کہ نہایت درجہ کی لذت ہوگی اور اگر مختلف ہوں تو اسی قدر لذت بھی کم ہوگی پہلا سبب یعنی اپنے کمال پر واقف ہونا یہ تو اس طرح جاتا رہتا ہے کہ ممدوح یہ جان جاوے کہ مادح اس قول میں سچا نہیں مثلاً کسی شخص نے کسی کی تعریف کی کہ تم بڑے شریف یا سخی یا عالم ہو پرہیزگار ہو اور ممدوح نے جان لیا کہ مجھ میں ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں تو وہ لذت جو نفس کو کامل جاننے سے ہوتی ہے وہ جاتی رہے گی اور باقی تینوں کی لذتیں باقی رہیں گی اب اگر یہ جان لے کہ مادح صرف اوپر کے دل سے کہتا ہے اور اپنے قول کا معتقد نہیں اور میں اس صفت سے خالی ہوں تو دوسرے سبب یعنی ملکیت دل سے جو لذت ہوتی وہ بھی نہ ہوگی اور تیسرے سبب کی لذت تو اسی دوسرے کے تابع ہے وہ بطریق اولیٰ نہ ہوگی صرف چوتھی وجہ کی لذت یعنی بباعث حشمت ممدوح مضطر ہونا مادح کا مدح و ثنا میں باقی نہیں پھر اگر معلوم ہو جاوے کہ تعریف کرنے والا میرے خوف سے ثنا نہیں کرتا بلکہ مجھ کو بناتا ہے تو اس کے بعد کوئی لذت باقی نہیں رہتی اس لئے کہ کوئی سبب لذت کا نہیں رہتا یہ بیان بشرح نفس کے خوش ہونے اور لذت پانے کا مدح سے اور صدمہ اٹھانے کا مذمت سے ہے اور ہم نے اس لیئے ذکر کیا کہ آدمی کا علاج جاہ اور مدح کی محبت اور مذمت کے رنج کا معلوم ہو جاوے کیونکہ جس چیز کا سبب معلوم نہیں ہوتا اس کا علاج ممکن نہیں اسی لیئے کہ علاج اسی کا نام ہے کہ مرض کے سب اسباب دور کیئے جاویں۔

جاہ کا علاج:

واضح ہو کہ جس شخص کے دل پر محبت جاہ چھا جاتی ہے وہ بتمام ہمت اسی بات میں مصروف رہتا ہے کہ خلق کی مراعات نہ چھوٹے ان سے دوستی پیدا ہو انہیں کی نمائش مقصود ہو اپنے افعال و اقوال و اعمال میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ جس میں سے خلق میں میرا مرتبہ بڑھے اور واقع میں یہ امر نفاق کا تخم اور فساد کی جڑ ہے ہوتے ہوتے عبادات میں سستی ہونے لگتی ہے اور ریا کو دخل ہوتا ہے اور دلوں کے راغب کرنے کے لیئے منہیات میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف مال محبت کو اور ان سے دین کے جاتے رہنے کو دو بھیڑیوں نقصان کرنے والوں سے مشابہت دی ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا اور نیز فرمایا کہ۔ حب الشرف والمال ینبتان النفاق کما ینبت الماء البقل[1] اس لئے کہ نفاق اسی کا نام ہے کہ ظاہر آدمی قول اور فعل میں اس کے باطن کے مخالف ہو پس جو شخص کہ لوگوں کے دلوں میں اپنے رتبہ کا خواہاں ہے وہ ان سے بنفاق پیش آوے گا اور بتکلیف عمدہ خصلتیں ان کے سامنے ظاہر کرے گا حالانکہ وہ ان سے خالی ہے اسی کا نام نفاق ہے اس سے معلوم ہوا کہ محبت جاہ کی مہلکات میں سے ہے اسی لئے اس کا علاج بھی واجب ہے اور اس کا دور کرنا دل سے بس لازم کیونکہ یہ مرض ایسا ہے کہ دل کی سرشت میں داخل ہے جیسا کہ مال کی محبت۔ امر جبلی ہے پس محبت جاہ کا علاج مرکب ہے دو باتوں سے علم اور عمل علمی علاج تو یہ ہے کہ جس سبب سے جاہ کو محبوب جانتا ہے اس کو معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ سبب یہ ہے کہ لوگوں کے اجسام اور قلوب پر کمال قدرت حاصل ہو اور پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ اگر یہ بات آدمی کو میسر بھی ہو جاوے تو انتہا اس کی موت ہے یہ بات باقیات صالحات سے نہیں بلکہ اگر مشرق سے مغرب تک سب لوگ ایک شخص کو سجدہ کرنے لگیں۔ اور پچاس برس تک روئے زمین کے لوگ اس کے لئے اسی حال پر رہیں تب بھی نہ سجدہ کرنے والے رہیں گے۔ اور نہ وہ خود رہے گا بلکہ اس کا حال ایسا ہی ہو گا جیسے اور عظیم الشان صاحب جاہ لوگ زمین کے پیوند ہو گئے اور ان کے سامنے جو ذلیل و منقاد رہتے تھے وہ بھی فنا ہو گئے تو ایسے امر فانی کے لیئے نہیں چاہیئے کہ اپنے دین کو جس میں حیات ابدی ہے اور کبھی علیحدگی نہیں چھوڑ دیا جاوے اور جس شخص نے کمال حقیقی ... وہی کو سمجھ لیا اس کی آنکھوں میں جاہ حقیر ہو جاتا ہے مگر اس کے لیئے اس شخص کی بینائی کام کرتی ہے جو آخرت کو حاضر ہونے کو سامنے دیکھتا ہے اور دنیا کو حقیر سمجھتا ہے اور موت کو جانتا ہے کہ گویا آچکی اور اس کا حال مثل حضرت حسن بصری کے ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو خط لکھا تھا کہ بعد حمد و ثنا کے یوں معلوم کرنا چاہیئے کہ موت نے گویا آخر کو یہ لکھ دیا ہے کہ تم مر گئے[2] مقام تامل ہے کہ انہوں نے کیسے زمانہ آئندہ کو ماضی سمجھ لیا تھا اور یہی حال حضرت عمر بن عبد العزیز کا تھا انہوں نے اس خط کا جواب یہ لکھا کہ بعد حمد و صلوٰۃ کے یوں تصور کرنا

---

[1] شرف اور مال کی محبت نفاق ایسا اگاتی ہے جیسے پانی ساگ کو اوپر گزری۔ ۱۲

[2] تم مر گئے اقول صحیح ترجمہ یہ ہے عمر بن عبد العزیز کو لکھا کہ تم سمجھ لو تم گویا ایسے شخص ہو کہ آخر اس پر موت لکھی گئی وہ مر گیا تو دیکھو آئندہ کے واسطے اس کی نگاہ کیسی ہے اور تم اس کو ہو گیا سمجھ لو اور عمر بن عبد العزیز کا بھی یہی حال تھا چنانچہ انہوں نے جواب میں لکھا ہے الخ ۱۲ امیر علی عفی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲۔

چاہیئے کہ گویا تم دنیا میں کبھی آئے ہی نہ تھے ہمیشہ آخرت میں رہے ان لوگوں کا التفات آخرت ہی پر تھا اور اس بات کا یقین کہ آخرت تقوی والوں ہی کو ملے گی اسی نظر سے دنیا میں جاہ و مال کو حقیر سمجھا مگر ایسا اکثر لوگوں میں بینائی ضعیف ہے ان کی نظر دنیا پر ہی پڑتی ہے انجام کا خیال نہیں کرتے اسی جہت سے خداوند کریم نے ارشاد فرمایا[1] بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا والآخرۃ خیرٌ وابقیٰ اور فرمایا کلا بل تحبون العاجلۃ وتذرون الاٰخرۃ[2]

پس جس کا حال یہ ہو اس کو چاہیئے کہ اپنے دل کا علاج علمی مرض محبت جاہ سے یعنی اس کے آفات دنیاوی کو جانے اور جو خطرے کہ ارباب جاہ کو دنیا میں پیش ہوتے ہیں ان کو سوچے کہ ہر ایک صاحب جاہ محسود ہوتا ہے اور لوگ اس کی ایذا کے خواہاں رہتے ہیں اور اس کو ہمیشہ اپنے جاہ کا خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں مرتبہ لوگوں کے دل سے گر نہ جائے اور دلوں کا حال بدلتے ہیں ہنڈیا کے ابال سے بھی سخت ہے کبھی کسی طرف ہوتے ہیں کبھی اس سے پھر جاتے ہیں پس جو شخص لوگوں کے دل پر اعتماد کرتا ہے وہ ایسا ہے کہ سمندر کی موج پر گھر بناتا ہے اس لیئے کہ جیسے اس کو قیام نہیں ایسے ہی اس کو بھی لوگوں کے دلوں کی رعایت میں لگا رہتا ہے اور اپنے جاہ کی حفاظت کرنی اور حاسدوں کے مکر اور دشمنوں کی ایذا کو دور کرنا یہ سب آفتیں دنیاوی ہیں کہ جن سے لذت جاہ کی مکدر رہتی ہے دنیا ہی میں آدمی جس قدر اس سے توقع کرتا ہے اس سے زیادہ نزدات ہوتے ہیں اور آخرت کا فائدہ جو مفقود ہوتا ہے اس کا تو کچھ ذکر ہی نہیں یہ علاج اس شخص کے لیئے جس کی نظر ضعیف ہے اور جو قوی بینائی رکھتے ہیں اور ایمان زبردست ان کو حاصل ہے تو خدا کے فضل سے دنیا کی طرف التفات ہی نہیں کرتے یہ علاج تو باعتبار علم کے ہے اور علاج عملی یہ ہے کہ ایسے کام کرے جن سے مستحق ملامت ہو اور لوگوں کے دل سے اتر جاوے اور ان کی نظروں سے گر جاوے اور اپنے مقبول ہونے میں جو مزہ پاتا ہے وہ اس سے چھوٹ جاوے اور گمنامی سے اور خلق کے نزدیک برا ٹھہرنے سے الفت ہو اور صرف خداوند کریم کے قبول پر قناعت میسر ہو اور یہ طریق فرقۂ ملامتیہ کا ہے کہ ارتکاب معاصی اور بری باتوں کا یہاں تک کرتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں سے ہی ساقط ہو جاویں اور آفت جاہ سے نجات پاویں مگر یہ صورت ایسے شخص کے لیئے جائز نہیں جو مقتدا اور پیشوا ہو کہ اس کی حرکات بد سے مسلمانوں کے دلوں میں دین کی سستی آتی ہے اور جو شخص کہ مقتدا نہیں اس کو بھی فعل حرام خاص اس علاج کے لیئے درست نہیں بلکہ یہ جائز ہے کہ مباحات میں سے ایسے افعال کرے کہ جن سے اس کی قدر لوگوں میں گھٹ جاوے مثلاً روایت ہے کہ کسی بادشاہ نے کسی زاہد کے پاس جانے کا ارادہ کیا جب زاہد نے سنا کہ بادشاہ قریب پہنچا اپنا کھانا اور ساگ منگایا اور حریصوں کی طرح بڑے بڑے لقمے کھانے شروع کئے جب بادشاہ نے اس کو کھاتے دیکھا تو اس کے دل سے اتر گیا اور وہاں سے لوٹ گیا زاہد نے کہا کہ خداوند کریم کا شکر ہے جس نے تجھ کو مجھ سے ہٹایا اور بعض شخصوں نے شربت ایسے

---

[1] کوئی نہیں تم کو گئے تھے ہو دنیا کا جینا اور پچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا ۱۲ [2] کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو شتاب ملتی اور اور چھوڑتے ہو دنیا آتی ۱۲.

رنگین پیالوں میں پیا ہے کہ دیکھنے والوں کو گمان ہو کہ یہ شخص شراب خور ہے اور اس سے کنارہ کش رہیں ہر چند یہ امر فقہ کی رو سے محل تامل ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں مگر ہر ایک اپنے نفسوں کا علاج ایسی باتوں سے کرتے ہیں کہ فقیہ فتویٰ اسکے جواز نہیں دیتا مگر وہ لوگ اپنے قلب کی اصلاح سوا اس کے اور کسی چیز میں نہیں پاتے اس لیئے ایسا کرتے ہیں پھر اپنے اس افراط اور تفریط کا تدارک کر لیتے ہیں جیسے کسی بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ زہد میں مصروف ہو گئے اور لوگوں نے ان کے پاس ہجوم کرنا شروع کیا اور وہ ایک روز حمام میں گئے اور ایک دوسرے شخص کے کپڑے پہن کر باہر آئے اور عین راہ میں کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ لوگوں نے کپڑے پہچان لیئے اور زدو کوب کے بعد وہ کپڑے چھین لیئے اور کہنے لگے کہ یہ شخص چور ہے پھر اس کے پاس نہ گئے اور سب میں عمدہ طریق جاہ کے قطع کرنے کا لوگوں سے کنارہ کشی ہے اور ایسی جگہ چلا جانا جہاں کوئی اپنے آپ کو نہ جانتا ہو اس لیئے کہ اگر گھر میں بیٹھ رہے گا اور جس شہر میں مشہور ہے اسی میں رہے گا تو اس کی گوشہ نشینی سے لوگوں کے دلوں میں اور زیادہ اعتقاد اور رتبہ پیدا ہو گا علاوہ ازیں اس میں یہ بھی خیال ہے کہ یہ شخص اپنے جی میں گمان کر لے کہ مجھے محبت جاہ نہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ ایک دھوکا ہی ہو اس لیئے کہ جب نفس کو اس کا مقصود قرار واقعی مل گیا تو اس اطمینان کو یہ شخص جاننے لگا کہ زوال محبت ہے حالانکہ اگر لوگ معتقد نہ رہیں اور اس کو برا کہیں یا کسی امر نامناسب کو اس کی طرف منسوب کریں تو اسی وقت نفس مضطرب ہو اور رنج کرے اور کیا عجب ہے کہ کوئی حیلہ اس بات کا تلاش کرے کہ کسی عذر سے یہ غبار لوگوں کے دل سے دور ہونا چاہیئے اور اس کے لیئے کچھ مکر و فریب اور جھوٹ کا محتاج ہو اور اس کی پرواہ نہ کرے کہ گویا مال کا محبوب جانتا ہے بلکہ اس سے بھی برا اس لیئے کہ جاہ کا فتنہ بہت زیادہ ہے اور جب تک آدمی کو لوگوں سے طمع رہے گی تب تک ممکن نہیں کہ یہ نہ چاہے کہ میری منزلت لوگوں کے دل میں ہو جاوے وہاں اگر اپنی کمائی سے یا اور طرح پر مقدار بسر اوقات حاصل کر کے لوگوں سے بالکل طمع کاٹ لے گا تو البتہ تمام لوگ اس کے نزدیک نکمے معلوم ہوں گے اور اس بات کی پرواہ نہ ہو گی کہ ان لوگوں کے دلوں میں میری جگہ ہے یا نہیں جیسے ان لوگوں کے دلوں میں جگہ نہ ہونے کی پرواہ نہیں ہوتی جو اس سے نہایت دور مشرق یا مغرب میں رہتے ہیں کہ نہ ان کو دیکھتا ہے اور نہ ان سے طمع رکھتا ہے بہر حال لوگوں سے طمع جب ہی منقطع ہوتی ہے جب آدمی قانع ہو جو قانع ہو گا وہ لوگوں سے بے پرواہ ہو گا اس کا دل لوگوں میں مشغول نہ رہے گا اور نہ ان کے دلوں میں اپنی جگہ ہونے کا کچھ اس کے نزدیک وزن ہو گا اور ترک جاہ بدون قناعت اور قطع کرنے کے طمع کے نہیں ہو سکتا اور جتنے اخبار کہ جاہ کی مذمت اور گمنامی اور ذلت کی تعریف میں وارد ہیں ان سے اس بات میں اعانت لے مثلاً یہ قول مشہور ہے المؤمن لا یخلو من ذلۃ او قلۃ او علۃ۔ یعنی ایماندار ذلت یا قلت یا علت سے خالی نہیں رہتا اور بزرگان سلف کے احوال کو

ؐ اس کی سند مجھے نہیں ملی ۱۲۔ ؐ پیشتر گزری ۱۲۔

دیکھے کہ انہوں نے ذلت ہی کو عزت پر اختیار کیا اور ثواب آخرت ہی کے طالب ہوئے۔

مدح کا علاج:

واضح ہو کہ اکثر اسی سبب سے ہلاک ہوئے ہیں کہ ان کو خوف لوگوں کے برا کہنے کا اور محبت ان کی تعریف کی ہوتی ہے اسی وجہ سے ایسے لوگوں کے تمام حرکات میں یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ کسی طرح سے کہ لوگوں کی مرضی کے موافق ہوں تاکہ سب لوگ اچھا کہیں اور خوف ان کی مذمت کا نہ رہے اور یہ امر مہلکات میں سے ہے اس بنا پر اس کا علاج واجب ہے اور طریق اسکے علاج کا یہ ہے کہ جن باعثوں سے مدح کی محبت اور مذمت کی کراہت ہوتی ہے ان کو دیکھنا چاہیئے مثلاً سبب اول قول مادح سے اپنے کمال پر مطلع ہونا ہے تو اس میں ممدوح کو یہ چاہیئے کہ اپنی عقل کی طرف رجوع کرے اور دل میں سوچے کہ جس صفت سے اس نے میری تعریف کی ہے اس سے میں متصف ہوں یا نہیں اگر متصف ہوں تو وہ صفت قابل خوشی ہے جیسے صفت علم و زہد وغیرہ یا مستحق فرحت نہیں مثل ثروت و جاہ اور اسباب دنیاوی کے پس اگر صفت مذکورہ اسباب دنیوی میں سے ہو تو اس پر خوشی کرنی ایسی ہے جیسے زمین کی گھاس پات پر کہ تھوڑے دنوں میں ہوا میں ماری ماری پھرے گی اس طرح کی خوشی قلت عقل سے ہوتی ہے عاقل شخص کا قول ہے کہ ؏ شدت غم میں سمجھتا ہوں خوشی ایسی کہ جلد ؛ انتقال اس سے بہر صورت ضروری ہے مجھے ؛ پس انسان کو نہیں چاہیئے کہ متاع دنیاوی پر خوشی کرے اس لیئے کہ یہ خوشی مادح کی تعریف کرنے کی تو ہے نہیں بلکہ اس شے کے اپنے پاس ہونے کی ہے اور وہ چیز کچھ مادح کے سبب نہیں کہ مدح پر فرحت کی جاوے اور اگر صفت ایسی ہو جو علم پر مستحق فرحت ہو جیسے علم و زہد تب بھی خوش نہ ہونا چاہیئے اس لیئے کہ خاتمہ کا حال معلوم نہیں علم و زہد البتہ خدا سے نزدیکی کر دیتے ہیں مگر خطرہ خاتمہ کا لگا ہوا ہے اگر آدمی کو خوف اپنے خاتمہ کے برا ہونے کا ہو گا تو کسی دنیاوی چیز کی خوشی پاس بھی نہ پھٹکے گی بلکہ یہ معلوم ہو گا کہ دنیا رنج والم کا مقام ہے خوشی کی جگہ نہیں پھر اگر علم زہد سے اس لیئے خوش ہوتا ہے کہ توقع حسن خاتمہ کی ہو گئی تو چاہیئے کہ اس طرح خوش ہو کہ خداوند کریم نے اپنا بڑا فضل و انعام کیا کہ علم و زہد اور تقویٰ عنایت فرمایا مادح کی مدح پر خوشی کی کوئی وجہ نہیں جس سے کمال کے واقف ہونے سے یہ خوش ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس میں پایا جاتا ہے مدح کے باعث نہیں پھر مدح پر خوشی کی کیا حاجت ہے مدح سے کوئی فضیلت نہیں بڑھ جاتی ہے اور اگر صفت ایسی ہے جو ممدوح میں نہیں پائی جاتی تو ایسی صفت پر ممدوح کا خوش ہونا نہایت دیوانہ پن ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے سے بطریق ہنسی کے کہے کہ آپ کے پیٹ کا مواد کتنا معطر ہے اور جب آپ پاخانہ پھرتے ہیں تو مہک خوشبو کی پھرتی ہے حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ میرے پیٹ میں نجاست ہے اور اس میں نہایت بدبو ہوا کرتی ہے اور باوجود اس کے شخص اول کی تعریف سے خوش ہو تو بجز جنون اور جہل کے اور کیا تصور کیا جائے گا اسی طرح جب ممدوح کو کسی مادح نے تعریف کیا اور اس میں وہ صفات نہیں اور باوجود اس کے خوش ہوا تو یہ بھی خوشی ویسی ہی خوشی ہوئی جو اوپر مذکور ہوئی خلاصہ یہ کہ مادح اگر سچ کہتا ہے تو چاہیئے کہ ممدوح خدا

کے فضل پر اظہار فرحت کرے اور اگر جھوٹ کہتا ہے تو رنج کرنا چاہئیے کسی صورت میں اس کی مدح پر خوش نہ ہونا چاہئیے کہ دوسرا سبب مدح کا خوشی کا یہ ہوتا ہے کہ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ تعریف کرنے والے کا دل اپنا مسخر ہوگیا ہے اور اس سے اور بھی دل مسخر ہوں گے اس کا مآل اور محبت جاہ کا مآل ایک ہے جس کا علاج اوپر گزرا یعنی لوگوں سے طمع قطع کرکے خدا تعالیٰ کے نزدیک منزلت کا خواہاں ہو اور جان لے کہ لوگوں کے دلوں میں منزلت کا خواہاں ہونا اور اس پر خوش ہونا خدا تعالیٰ کے نزدیک رتبہ کم کرتا ہے پس خوشی کا کیا مقام ہے تیسرا سبب خوشی کا اپنا رعب ہے کہ جس کے سبب مادح مضطر تعریف کا ہوا یہ بھی ایک قدرت عارضی ہے کہ جس کو کچھ قیام نہیں اور نا قابل خوشی کے ہے بلکہ مدح پر غم کرنا اور اس کو برا سمجھنا اور اس کے باعث غصہ کرنا چاہئیے اس لئے کہ تعریف کی آفتیں مدح پر بہت بڑی ہیں جیسا کہ باب آفات زبان میں مذکور ہوئیں بعض اکابر کا قول ہے کہ جو شخص مدح سے خوش ہوتا ہے تو شیطان کو اپنے اندر جانے کی راہ دیتا ہے اور بعض کا قول ہے کہ جب کوئی تجھے کہے کہ تو اچھا آدمی ہے اور یہ قول تجھ کو بہ نسبت اس قول کے کہ تو برا آدمی ہے اچھا معلوم ہو تو بخدا کہ تو برا شخص ہے اور بعض احادیث میں روایت ہے کہ اگر وہ صحیح ہے تو کمر توڑتی ہے یعنی ایک شخص نے بحضور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی شخص کو اچھا کہا آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شخص موجود ہوتا اور جو تو کہتا ہے اس پر راضی ہوتا اور اسی حال میں مرتا تو دوزخی ہوتا اور ایک بار آپ نے کسی مادح کو ارشاد فرمایا کہ تیرا برا ہو تو نے اپنے ممدوح کی کمر توڑ دی وہ قیامت تک فلاح نہ پاوے گا اور ایک روایت میں ہے کہ۔ الا لاتمادحوا واذا رأیتم المادحین فاحثوا فی وجوھم التراب۔ اسی وجہ سے صحابہؓ مدح سے بہت خوف کیا کرتے تھے اور اس کے فتنہ سے اور اس کے باعث جو دل پر سرور عظیم ہوتا ہے اس سے بہت ڈرتے یہاں تک کہ بعض خلفائے راشدینؓ نے کسی شخص سے کچھ پوچھا اس نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور عالم تر ہیں آپ غصہ ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تم کو یہ نہیں کہا کہ مجھ کو پاک و صاف بتلانا اور بعض صحابہؓ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا جب تک آپ لوگوں میں خیر رہے گی آپ نے غصے ہو کر فرمایا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو عراق کا رہنے والا ہے یعنی ہم لوگوں کی عادات سے ناواقف ہے اور بعض صحابہؓ نے اپنی تعریف سن کر فرمایا کہ الٰہی تیرہ بندہ میرے پاس تیرے غصہ کی چیز سے تقرب کرتا ہے میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اس سے ناراض ہوں ان لوگوں نے جو تعریف کو برا جانا تو یہی وجہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ اس خوشی سے خداوند کریم ناراض ہو جاوے اور چونکہ ان کے دل اس بات میں مصروف تھے کہ ہمارا حال خدا کے نزدیک کیا ہوگا اس وجہ سے ان لوگوں کو تعریف بری معلوم ہوتی تھی اس لئے حقیقت میں اچھا وہی ہے جو خدا تعالیٰ سے قریب ہو اور مذموم وہ ہے جو خدا سے دور ہو کر بندوں کے ساتھ دوزخ میں پڑے گا پس ممدوح دنیاوی اگر خدا کے نزدیک دوزخی

لہ خبردار آپس میں ایک دوسرے کی مدح نہ کرو اور جب مدح کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈالو ۱۲ یہ اوپر گذری اس میں الا لاتمادحوا نہیں تھا ۱۲۔

ہے تو غیر کی مدح سے اس کا خوش ہونا کمال جہالت ہے اور اگر اہل جنت سے ہے تب بھی خدا کے فضل کی فرحت چاہیئے اس کا کام خلق کے اختیار میں نہیں اور جب بندہ کو یہ علم ہو گا کہ رزق و موت قبضۂ قدرت الٰہی میں ہے تو اس کی توجہ خلق کی مدح و ذم کی طرف نہ رہے گی اور دل سے محبت مدح کی دور ہو جاوے گی اور ایسے امور میں مصروف ہو گا جو دین میں ضروری ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ توفیق ثواب ہے

مذمت سے نفرت کا علاج:

پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ مذمت کی نفرت کا باعث محبت مدح کے سبب کی ضد ہے تو اس کا علاج بھی اس کے علاج سے سمجھ میں آسکتا ہے اور اس کا بیان مختصر ہے کہ جو شخص مثلاً ہم کو برا کہتا ہے تین حال سے خالی نہیں یا تو اپنے قول میں سچا ہے مگر صرف برائے خیر خواہی اور نصیحت کے برا کہتا ہے یا سچا ہے لیکن اس کا مقصد محض ایذا دہی اور رنج پہنچانا ہے یا جو بات اس نے کہی ہے کہ اس میں جھوٹا ہے مگر اپنے قول میں سچا ہے اور براہ نصیحت برا کہتا ہے اور تم کو اس پر غصہ کرنا اور اس سے بہ نہیں وجہ کینہ رکھنا اور برا بھلا کہنا نہیں چاہیئے بلکہ اس کے کہنے کے بموجب اس کے طریق کا اقتداء کرنا چاہیئے اس لئے کہ جو شخص تم کو اس پر تمہارے عیب بتلاتا ہے وہ ہلاک ہونے کے مقام بتلاتا ہے کہ تم ان سے بچو پس جو ایسے شخص سے خوش ہو کر اگر ہو سکے تو جو صفت برائی کی تم میں ہے اس کو دور کرنے کی تجویز کرنی چاہیئے اور اس کو بد کہنے کے عوض میں منہ چڑھانا اور ناصح کو برا جاننا اور جواب ترکی تبرکی دینا نہایت ضروری ہے اور اگر اس کا قصد رنج دینا ہو تب بھی تم کو اس کے قول سے نفع ہی ہو کہ اس نے تمہارے وہ عیب سوجھا دیئے جو تم نہ جانتے تھے خواہ وہ عیب یاد دلا دیئے جن سے تم غافل تھے یا اگر تم کو اچھا سمجھتے تھے تو اس وجہ سے تمہاری نظروں میں ان کو برا ثابت کر دیا تاکہ تم کو ان کو دور کرنے کی حرص ہو اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں اسباب سعادت میں سے ہیں جب مذمت سننے سے اس طرح کے اسباب سعادت ہاتھ لگیں تو تم کو چاہیئے کہ طلب سعادت میں مشغول ہو اس کی مثال ایسی ہے کہ تمہارا قصد کسی بادشاہ کی ملازمت کا ہے اور تمہارے کپڑوں میں غلیظ لگا ہوا ہے جس کا علم تم کو نہیں اگر اسی طرح بادشاہ کے یہاں چلے جاؤ تو عجب نہیں کہ گردن مارے جاؤ کیونکہ اس کی مجلس آلودہ کرو گے ایسے حال میں اگر کوئی تم سے کہے کہ میاں تم آلودہ نجاست ہو اپنے آپ کو پاک و صاف کر لو تو تم کو چاہیئے کہ اس کے کہنے سے خوش ہو کیونکہ اس کے کہنے سے اطلاع ہو جاتی غنیمت ہے اسی طرح جتنے اخلاق بد ہیں آخرت میں سب آدمی کے مہلک ہیں اور ان کو آدمی دشمنوں کے قول سے پہچان لیتا ہے پس ان کے قول کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور دشمن کا مقصود جو ایذا دہی ہے وہ تو اپنے دین کی خرابی کرتا ہے مگر تمہارے حق میں اس کا قول نعمت ہے تو تم کو اس پر غصہ کی کیا وجہ ہے جس کے قول سے تم کو تو نفع ہے اور اس کو ضرر پہنچے صورت تیسری یہ ہے کہ اس کا قول تمہارے حق میں افترائے محض ہے یعنی جو عیب وہ تم میں بتلاتا ہے تم اس سے خدا کے نزدیک بری ہو تو اس حال میں بھی برا ماننا نہ چاہیئے اور نہ اس کہنے والے کو برا کہنا چاہیئے بلکہ تین باتوں کی کرنی چاہیئے اول تو یہ کہ اگرچہ وہ خاص عیب تم میں نہیں پھر بھی اس جیسے عیب اور

ہوں گے تو خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیئے کہ اس کو ان عیبوں کی اطلاع نہ ہوئی اور ایسی ہی بات کے کہنے سے ٹل گیا جس سے تم بری ہو دوسرے یہ کہ اس کا قول تمہارے باقی عیبوب کا کفارہ ہے تو کیا اس نے ایک گناہ تمہارے ذمہ میں لگایا مگر اوروں سے پاک کر دیا جن میں درحقیقت تم آلودہ تھے علاوہ ازیں جو تمہاری غیبت کرتا ہے وہ اپنی نیکیاں تمہارے واسطے ہدیہ دیتا ہے اور جو مدح کرتا ہے وہ تمہاری کمر توڑتا ہے تو کیا بات ہے کہ تم کمر ٹوٹنے سے خوش ہوتے ہو اور نیکیاں آنے سے رنجیدہ اور نیکیاں آنے سے تو قرب الی اللہ میسر ہے جس کے تم خواہاں رہتے ہو تیسرے یہ سوچنا چاہیئے کہ اس بے چارہ نے اپنے دین کی خرابی کی کہ خدائے تعالیٰ کی نظروں سے گر گیا اور اس دفتر سے اپنے نفس کو ہلاک کر دیا اور مستحق عذاب الیم ہوا ایسی صورت میں غضب خداوندی کے ساتھ تم کو اس پر غصہ نہ چاہیئے اور اس کو بد دعا دینی نہ چاہیئے کہ خدایا اس کو ہلاک کر دے ورنہ شیطان کی خوشی ہو گی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ الٰہی اس کو صلاحیت دے اور اس پر رحم کر اور اس کی توبہ قبول کر دیکھو جنگ احد میں جب کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید کئے اور سر مبارک کو مجروح کیا اور آپؐ کے چچا حضرت امیر حمزہؓ کو شہید کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ۔ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون یعنی الٰہی میری قوم کو ہدایت کر اس لیئے کہ یہ نہیں جانتے اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے ایک شخص کے لیئے دعائے خیر کی جس نے ان کا سر مجروح کیا تھا لوگوں نے پوچھا کہ دعائے خیر کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے یقیناً معلوم ہے کہ اس کے سبب سے مجھے اجر ملے گا تو مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مجھے اس کی جہت سے ثواب ملے اور اس کو میری جہت سے عذاب ہو اور ان اشیاء میں جن کے باعث مذمت کی نفرت شاق نہیں ہوتی طمع کا قطع کرنا ہے پس جس شخص کی طرف تم کو کچھ طمع نیک و بد کی نہ ہو اگر وہ برائی کرے گا تو اس کا اثر دل پر زیادہ گراں نہ معلوم ہو گا اور اصل بنا کی قناعت ہے اسی کے ذریعہ سے طمع مال و جاہ کی جاتی رہتی ہے اور جب تک طمع بنی رہے گی تو جس سے طمع رکھو گے یہی چاہو گے کہ اس کے دل میں میری منزلت ہو اور یہ میرا ثناخواں رہے اور تمام ہمت اسی میں مصروف کرو گے اور بدون استیصال دین کے یہ بات حاصل نہ ہو گی خلاصہ یہ کہ طالب مال و جاہ اور محبت مدح اور برا جاننے والے مذمت کو دین کے سلامت رہنے کی توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ ان امور کے ساتھ سلامتی دین کی بہت بعید ہے۔

مدح و مذمت میں لوگوں کے احوال مختلفہ

جاننا چاہیئے کہ اگر مادح اور مذمت ساز کی نسبت سے لوگوں کو خیال کریں تو چار احوال پر پائے جاتے ہیں صورت اوّل یہ ہے کہ مدح سے خوش ہو کر مشکور ہوں اور مذمت سے ناخوش ہو کر مذمت ساز سے کینہ رکھیں اور اس سے انتقام لیں یا انتقام لینے کو اچھا سمجھیں یہ حال اکثر لوگوں کا ہے اور درجات معیت جو اس اعتبار سے ہوتے ہیں ان میں سے اعلیٰ درجہ یہی ہے صورت دوم یہ کہ مذمت باطن میں تو شاق معلوم ہوتی ہے مگر زبان اور اعضائے ظاہری پر اس کے مکافات کی علامت نہیں آتی ان کو روکے رکھتا ہے اسی طرح مادح کی مدح سے

باطن میں تو خوش ہوتا ہے مگر ظاہر کی حفاظت کرتا ہے کہ اظہار سرور بظاہر نہ ہو یہ صورت بھی ناقص ہے اگرچہ صورت اول کی نسبت کمال میں داخل ہے صورت سوم جو درجات کمال میں سے اول واعلیٰ ہے وہ یہ ہے کہ مدح اور ذم مساوی معلوم ہوں نہ مادح سے سرور ہو نہ مذمت سے رنج اور اس صورت سے بعض عابد اپنے گمان میں اپنے آپ کو متصف جانتے ہیں لیکن اگر اس کی علامات کا امتحان نہ کریں تو دھوکا کھاجاتے ہیں اور اس کی علامتیں یہ ہیں اول یہ ہے کہ مذمت والے کا اپنے پاس زیادہ بیٹھنا گراں معلوم نہ ہو جتنا دیر بیٹھنا مادح کا گراں گزرے اتنا ہی مذمت والے کا گراں ہو اس کی نسبت زیادہ نہ ہو دوم یہ کہ جتنی خوشی اور فرحت مادح کی حاجتوں کے پورا کرنے میں ہو اتنی ہی ہجو کرنے والے کی تقضائے حاجات میں ہو اس سے کم نہ ہو سوم یہ کہ دونوں کا مجلس سے چلا جانا یکساں ہو مذمت والے کا چلا جانا بہ نسبت مادح کے اچھا نہ معلوم ہوتا ہو چہارم یہ کہ مادح کی موت کا زیادہ غم نہ ہو بہ نسبت دوسرے کی موت کے پنجم یہ کہ مادح کے مصائب اور اس کے دشمنوں کی ایذا رسانی پر زیادہ رنج نہ ہو بہ نسبت دوسرے کی ششم یہ کہ مادح کی خطا بہ نسبت مذمت والے کے دل پر اور نظروں میں خفیف نہ معلوم ہو جب مذمت والا مثل مادح کے ہلک معلوم ہو گا اور ہر طرح سے دونوں میں مساوات معلوم ہو گی جب یہ رتبہ نصیب ہو گا مگر یہ تامل سے معلوم ہو گا کہ یہ رتبہ نہایت سخت اور بہت بعید ہے اکثر عابد لوگوں کی تعریف سے دل میں خوش ہوتے ہیں مگر چونکہ امتحان ان علامتوں سے اپنے دل کا نہیں کرتے اس جہت سے ان کو اس خوشی کا حال معلوم نہیں ہوتا اور کبھی عابد کو اپنے دل کا میلان مادح کی طرف معلوم ہو جاتا ہے کہ مذمت والے کی نسبت زیادہ ہے اور اس کی تقویت اور خوبی شیطان اس طرح سوجھاتا ہے کہ مذمت والے نے جو تجھ کو برا کہا تو خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کی اور مادح نے اس کے برعکس تیری تعریف کرنے سے خدا کی اطاعت کی تو دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں تو جو مذمت کرانے کو برا جانتا ہے صرف دین کی جہت سے ہے پس یہ شیطان کا دھوکا ہے کیونکہ اگر عابد مذکور تامل کرے تو جان لے کہ یہ خطا مذمت والے سے اس کی مذمت کے باعث ہوئی لوگ اس سے بھی زیادہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں پھر ان کو برا نہیں جانتا اور ان سے نفرت کیوں نہیں کرتا علاوہ ازیں جس نے اس کی مدح کی ہے اس نے قطعاً کسی دوسرے کی مذمت کی ہو گی تو اس کو دوسرے کی مذمت کرنے میں برا کیوں نہیں جانتا اپنی برائی ہی برا کیوں سمجھتا ہے مذمت معصیت کے اعتبار سے برابر ہے کہ مذموم وہ خود ہو یا کوئی دوسرا شخص ہو اس سے معلوم ہوا کہ عابد کا غصہ مذمت والے پر اپنے نفس کے باعث ہے اور یہ شیطانی فریب ہے کہ اس کو سوجھا دیا کہ دینی بات ہے حتیٰ کہ اپنے ہوائے نفسانی کے باعث اس کو حسنات میں جاننے لگا اور اسی وجہ سے اور زیادہ بعید ہو گیا اور جس شخص کو شیطان کے فریب اور نفس کے آفات معلوم نہیں اس کی اکثر عبادتیں ضائع ہوتی ہیں کہ دنیا بھی نہیں ملتی اور آخرت کا بھی خسارہ رہتا ہے انہیں کی شان میں خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ؎

چوتھی صورت جو صدق فی العبادۃ ہے یہ ہے کہ مدح کو

برا جانے اور مادح سے ناخوش ہو اس وجہ سے کہ یہ معلوم ہے کہ مدح اس کے حق میں بڑا فتنہ کمر توڑنے والا دین

میں نقصان پہنچانے والا ہے اور مذمت کرنے والے کو دوست جانے کہ اس نے اس کے عیب بتلا دیئے اور جو بات ضروری تھی اس کی طرف اس کو ہدایت کیا اور اپنی نیکیاں اس کے لئے ہدیہ کیں قرآن مجید میں ہے قل هل ننبئکم بالاخسرین اعمالا ۝ الذین ضل سعیهم فی الحیوة الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعًا اور بعض حدیثوں میں وہ مضمون وارد ہے کہ بشرطیکہ صحیح ہو تو ہم جیسوں کی خرابی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔ راس التواضع ان تکرہ ان تذکر بالبر والتقوٰی ..... یعنی روزہ دار اور شب بیدار اور گلیم پوش سب کی خرابی ہے مگر لوگوں نے عرض کیا کہ اس استثنا سے کون لوگ مراد ہیں آپ نے فرمایا کہ ویل الصائم القائم وویلٌ لصاحب الصوف یعنی مگر وہ شخص جس کا نفس دنیا سے پاک ہے اور مدح کو برا اور مذمت کو اچھا جانتا ہے یہ مرتبہ نہایت سخت و دشوار ہے ہم جیسے لوگوں کی اس سرے کی طمع صرف صورت دوم میں ہے کہ مذمت والے کی برائی اور مادح کی بھلائی دل میں ہو مگر اس کا اظہار قول اور عمل میں نہ ہو اور تیسری صورت یعنی مادح اور مذمت والے کو برابر جاننا تو اس کی طمع ہم کو نہیں ہو سکتی پھر اگر ہم اپنے نفسوں میں دوسری صورت کے علامات تلاش کریں تو وہ بھی پوری نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات تو ضروری ہے کہ مادح کی تعظیم اور اس کی قضائے حاجات کے لئے جلدی کرتے ہیں اور مذمت والے کی تعظیم اور قضائے حاجات اور اس کی تعریف کرنی گراں معلوم ہوتی ہے تو پھر فعل ظاہری میں بھی دونوں میں برابری کرنے کے اوپر قادر نہیں باطن میں تو قادر نہ تھے اور جو شخص کہ اس وقت میں مادح اور مذمت والے کو ظاہر افعال میں برابر کرے اس کو پیشوا جاننا چاہیئے کہ اگر کوئی ایسا شخص پایا جاوے تو اس کا حکم کبریت احمر کا ہے جس سے لوگ فیضیاب ہوں مگر کوئی معلوم نہیں ہوتا جب دوسرے مرتبہ کا شخص نہیں سوجھتا تو دو مرتبے جو اس کے اوپر رہے ان کا منصف تو کہاں ہوگا اور ان مراتب میں سے بھی ہر ایک رتبہ میں بہت درجے ہیں مثلاً مذمت میں یہ درجات ہیں کہ بعض آدمی تمنائے مدح اور ثنا اور اپنی شہرت کے رکھتے ہیں اور اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے جو کچھ ان سے بن سکتا ہے کرتے ہیں کہ عبادات بھی ظاہر داری کے واسطے کرتے ہیں اور ممنوعات کے ارتکاب کے بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے وہ یہی چاہتے ہیں کہ لوگوں کے دل اپنی طرف رجوع ہوں اور ہماری تعریف میں سب لوگ رطب اللسان ہو جاویں ایسے لوگ ہالکین میں داخل ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ اس مطلب کے مباحات سے طالب ہوتے ہیں عبادات کے کرنے سے خواہ ممنوعات کے ارتکاب سے اس کے خواہاں نہیں تو ایسے لوگ گرتے ہوئے کنارہ پر ہیں اس لئے کہ جن باتوں سے یا اعمال سے لوگوں کا دل اپنی طرف ہوتا ہے ان

ف بیہقی در دلائل نبوت اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے یہ لفظ ایک نبی کے حال میں فرمایا ہے کہ جب ان کی قوم نے ان کو بد دعا مانگی تا سو ہم بتادیں تم کو ہونے کن کے کام بہت اکارت جن کی دوڑ بھٹک رہی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں کہ خوب بنانے میں کام
ف تواضع کی جڑ یہ ہے کہ تو برا جانے کہ تیرا ذکر کوئی نیکی اور تقوٰی کے ساتھ کرے اس کی سند مجھے نہیں ملی ابو منصور نے ذیل لمن یسف بصوف تعالف فعل قولہم

ف بروایت انسؓ نقل کیا ہے اور اس کے بیٹے نے اس کو نقل کیا ہے ۱۲

کچھ حد مقرر نہیں اسی طرح ان کا ضبط کرنا بھی نہیں ہو سکتا تو کیا عجب ہے کہ آدمی مدح و ثنا کے حصول کے لیئے ایسی بات یا عمل کرے جو حلال نہ ہو اور اس کو اطلاع نہ ہو ایسے لوگ پہلے لوگوں کے قریب قریب ہیں یعنی یہ لوگ گویا تباہ کار ہی ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ مدح اور ثنا کے خواہاں تو نہیں نہ اس کے لیئے ساعی لیکن جب ان کی تعریف ہو تو ان کے دل پر سرور آجاتا ہے پس اگر ایسے لوگ اس سرور کے آنے کو مجاہدہ سے نہ ٹالیں اور بزور اس تعریف کو برا نہ سمجھیں تو کچھ دور نہیں کہ فرط سرور ان کو اس درجہ پر پہنچاوے جو اس سے پہلے تھا اور اگر نفس پر مجاہدہ کر کے اپنے دل میں بزور تکلف آفات مدح کو سوچ کر اس کی کراہت اور برائی ڈالے تو ایسے لوگ مجاہدہ کے خطرہ میں رہتے ہیں کبھی خود ہار جاتے ہیں کبھی جیتتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب اپنی تعریف سنتے ہیں ناخوش ہوتے ہیں نہ رنجیدہ لیکن تعریف ان میں کچھ تاثیر کرتی ہے ایسے لوگ باوجودیکہ پوری اخلاص نہیں رکھتے تاہم اچھے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب اپنی تعریف سنتے ہیں تو برا جانتے ہیں مگر یہ نوبت نہیں ہوتی کہ مادح پر غصہ ہوں یا منع کریں اور سب میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تعریف کو برا جان کر غصہ ہو اور اظہار غضب بھی واقع کرے نہ یہ کہ ظاہر میں تو غصہ ہو اور دل میں اس کو اچھا جانتا ہو یہ صورت عین نفاق کی ہے اس لیئے کہ یوں تو یہ چاہتا ہے کہ میں اخلاص اور صدق ظاہر کروں حالانکہ یہ دونوں باتیں اس میں نہیں علیٰ ہذا القیاس مدح کے برعکس ذم کے باب میں بھی درجات مختلف ہیں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مذمت سننے پر اظہار غصہ نہ ہو اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مذمت پر خوشی ظاہر کرے اور فرحت اور اظہار انبساط اسی شخص سے ہو سکے گا جو اپنے نفس کی طرف سے دل میں غصہ اور کینہ رکھتا ہو گا کہ یہ بڑا سرکش اور بہت عیب دار اور نہایت خلاف وعدہ ہے بہت سے مکر و فریب و خبث رکھتا ہے اور اسی وجہ سے اس سے اس سے ایسا بغض کرے جیسا دشمن سے ہوتا ہے اور چونکہ آدمی اپنے دشمن کی مذمت سننے سے خوش ہوا کرتا ہے اور اس شخص کا دشمن اسی کا نفس ہے تو جب اس کی مذمت سنتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور مذمت والے کا مشکور ہوتا ہے اور اس کو بڑا ذکی اور ہوشیار سمجھتا ہے کہ اس نے خوب میرے نفس سرکش دشمن کے عیب پہچانے اور یہ مذمت ایسے شخص کے حق میں ایک تشفی سی ہوتی ہے اور اس کے نزدیک غنیمت معلوم ہوتی ہے اس لیئے کہ مذمت کے باعث لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو کر جاہ کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے علاوہ اس کے سب طرح کے حسنات میں تو آدمی قائم رہ نہیں رہ سکتا تو کیا بعید ہے کہ یہ مذمت اس کے ایسے عیبوں کو جبر کر دے کہ جن کا دور ہونا اس سے دشوار ہے اور اگر کوئی مرید تمام عمر اپنے نفس پر اسی ایک خصلت کا مجاہدہ کرے کہ اس کے نزدیک مادح اور مذمت والا برابر ہو جاوے تو اس کو ایسا شغل ہو جاوے گا کہ اس کو اور کام کی فرصت نہ ہو اور مرید میں اور سعادت میں بہت سی گھاٹیاں ہیں جن میں سے ایک یہ مساوات کا حاصل کرنا اور ہر ایک گھاٹی کا قطع کرنا بدون مجاہدہ شاید کہ تمام عمر طویل میں نہیں ہو سکتا۔

دوسری فصل۔ ریا

ریا کی مذمت

واضح ہو کہ ریا حرام ہے اور ریا کار خدا کے نزدیک مغضوب ہے اور یہ بات آیات واخبار و آثار سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے[۱] فویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون الذین ھم یراؤن اور فرمایا ہے[۲] والذین یمکرون السیئات لھم عذاب شدید ومکر اولٰئک ھو یبور حضرت مجاہدؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وے لوگ ریا کار ہیں جو اس آیت میں مذکور ہوئے اور فرمایا ہے[۳] انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا اس میں اخلاص والوں کی مدح ذکر فرمائی کہ سوائے وجہ اللہ کے اور کوئی ارادہ نہیں کرتے اور ریا اس کی ضد ہے اور فرمایا ہے[۴] فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحًا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدًا آیت ایسے لوگوں کی شان میں اتری ہے جو اپنے عبادات و اعمال پر مزدوری اور ثنا کے خواہاں ہوتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ایک شخص نے سوال کیا کہ یارسول اللہ نجات کس چیز میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا[۵] ح۔ ان لا یعمل العبد بطاعۃ اللہ یرید بھا الناس ۵ اور حضرت ابوہریرہؓ سے تین شخصوں کی یعنی شہید اور صدقہ دینے والے اور قاری کے احوال کی حدیث جو باب اخلاص میں مفصل مذکور ہے مروی[۶] ہے کہ خداوند کریم ان میں سے ہر ایک کو ارشاد فرماوے گا کہ تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ کے واسطے نہیں لڑا بلکہ اس لیے کہ لوگ کہیں تو بڑا بہادر ہے اور تو نے خدا کے واسطے خیرات نہیں دی بلکہ سخی کہلانے کے واسطے اور تو نے خدا کے واسطے کلام اللہ نہیں پڑھا بلکہ قاری مشہور ہونے کے لیے اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو ثواب نہ ملا اور ان کے ریا نے سب اعمال بے کار کر دیے اور حضرت ابن عمر سے یہ حدیث مروی ہے کہ[۷] من رائی رائی اللہ بہ ومن سمع سمع اللہ بہ ط اور ایک حدیث طویل میں یوں مذکور ہے کہ خداوند کریم فرشتوں کو یوں ارشاد فرماوے گا کہ اس شخص نے اپنے عمل سے مجھ کو ارادہ نہیں کیا اس کو دوزخ میں ڈال دو اور ایک حدیث میں یوں ارشاد ہے کہ[۹] ان اخوف ما اخاف علیکم الشرک الاصغر ۵ لوگوں نے عرض کیا کہ شرک اصغر

---

[۱] پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو دکھاوا کرتے ہیں ۱۲ [۲] اور جو لوگ داؤ میں ہوں برائیوں کے ان کو سخت مار ہے اور ان کا داؤ ہی ٹوٹے گا ۱۲ [۳] ہم جو کھلاتے ہیں نرا اللہ کا منہ چاہئے کو نہ تم سے ہم چاہیں بدلا ۱۲ [۴] پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے تو کرے کچھ نیک کام اور ساجھا نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کا ۱۲ [۵] ح یہ کہ نہ عمل کرے بندہ خدا کی طاعت میں اور مقصود اس سے لوگ ہوں ۱۲ حاکم نے بروایت طاؤس عن ابن عباس اس کے قریب مضمون روایت کیا ہے ۱۲ [۶] مسلم نے نقل کی ہے ۱۲ [۷] جو ریا کرتا ہے خدا تعالیٰ اس سے ریا کرتا ہے اور جو کوئی دوسرے کے سنانے کو کچھ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس سے ویسا ہی سلوک کرے گا ۱۲ بخاری و مسلم نے بروایت جبیب بن عبداللہ نقل کی ہے اور بروایت ابن عمر طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے ۱۲ [۸] ابن ابی الدنیا در اخلاص و ابوالفتح بروایت عمر بن حبیب مرسلاً اور ابن جوزی نے موضوعات میں نقل کی ہے ۱۲ [۹] زیادہ تر خوف کی چیز جس سے میں اپنی امت پر خوف کرتا ہوں چھوٹا شرک ہے ۱۲ احمد و بیہقی در شعب بروایت محمود بن لبید ۱۲

کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ الریاء یعنی ریا ہے پھر فرمایا[۱] اللہ عزوجل یوم القیامۃ اذا جازی العباد باعمالھم اذھبوا الی الذین کنتم تراؤن فی الدنیا فانظروا اھل تجدون عندھم الجزاء۔ اور ایک حدیث میں فرمایا کہ[۲] استعیذوا باللہ عزوجل من جب الحزن۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کیا چیز ہے آپ نے فرمایا[۳] وادٍ فی جھنم اعد للقراء المرائین اور ایک حدیث قدسی یوں وارد ہے[۴] من عمل لی عملاً اشرک فیہ غیری فھو لہ کلہ وانا منہ بری وانا اغنی الاغنیاء اور حضرت عیسیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی تم میں سے روزہ رکھے تو سر اور داڑھی میں تیل ڈال لے اور ہونٹھوں پر بھی ہاتھ پھیر دے تاکہ لوگ نہ جانیں کہ یہ روزہ دار ہے اور جب کوئی داہنے ہاتھ سے کچھ دیوے تو بائیں کو خبر نہ ہو اور جب نماز پڑھے تو اپنے دروازے کا پردہ چھوڑ دے کیونکہ خدائے تعالیٰ ثنا بھی اسی طرح تقسیم کرتا ہے جس طرح روزی بانٹتا ہے اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں[۵] لا یقبل اللہ عزوجل عملاً فیہ مثقال ذرۃ من ریاء اور حضرت عمرؓ نے ایک بار حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو روتے دیکھا اور سبب گریہ پوچھا انہوں نے کہا کہ مجھ کو ایک حدیث رلاتی ہے جس کو میں نے اس خبر والے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے[۶] ان ادنی الریاء شرک اور ایک حدیث میں یہ ارشاد ہے[۷] اخوف ما اخاف علیکم الریاء والشھوۃ الخفیۃ اور شہوت خفیہ کا مآل ریاء خفی اور ریاء دقیق پر پہنچتا ہے اور ایک حدیث[۸] میں یہ فرمایا کہ جس روز خدائے تعالیٰ کے عرش کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا عرش کے سایہ میں ایک ایسا شخص ہوگا جس نے داہنے ہاتھ سے دیا اور بائیں کو خبر نہ ہوئی یعنی خیرات خفیہ کی اسی جہت سے وارد ہے کہ عمل خفیہ ظاہر کے عمل سے ستر گنی فضیلت رکھتا ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا[۹] قیامت کے روز ریاکار تین ناموں سے پکارا جائے گا اے فاجر اے غادر اے مرائی تیرے عمل ضائع ہوئے اور ثواب جاتا رہا جس کے لیے تو عمل کرتا تھا جا اس سے اپنی اجرت لے اور حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ روتے ہیں میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کس سبب سے روتے ہیں آپ نے فرمایا[۱۰] امر تخوفت علی امتی الشرک اما انھم لا یعبدون صنماً ولا شمساً ولا قمراً ولا حجراً ولکنھم یراؤن باعمالھم اور ایک حدیث میں یوں[۱۱] وارد ہے کہ جب اللہ

---

[۱] اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرماوے گا جب بندوں کو اعمال کا بدلہ دے گا کہ جن کے لیے تم دنیا میں دکھاوا کرتے تھے انہیں کے پاس جاؤ دیکھو تمہیں ان کے پاس کچھ عوض ملتا ہے [۲] پناہ مانگو اللہ سے چاہ حزن سے ۱۲ ترمذی نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ غریب ہے بروایت ابوہریرہ [۳] ایک جنگل ہے دوزخ میں کہ ریاکار قاریوں کے لیے بنایا گیا ہے ۱۲ [۴] جو عمل کرے میرے لیے کوئی کام کہ اس میں میرے غیر کو شریک کرتے تو وہ سب کام اس کے لیے ہے میں اس سے الگ ہوں میں سب بے پرواہوں سے زیادہ بے پرواہ شرک سے ہوں ۱۲ [۵] ابن ماجہ ومالک بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ [۶] نہیں قبول کرتا اللہ تعالیٰ ایسے عمل کو جس میں ذرہ برابر ریا ہو ۱۲ اس کی سند نہیں ملی ۱۲ [۶] بیشک ذرا سا ریا بھی شرک ہے ۱۲ [۷] زیادہ تر خوف کی چیز جو میں تم پر ڈرتا ہوں ریا اور خفیہ شہوت ہے ۱۲ اس باب کے شروع میں گذری [۸] بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ درا ثنائے حدیثی ۱۲ [۹] بیہقی در شعیب بروایت ابو درداء ۱۲ [۱۰] ابن ابی الدنیا بروایت جبلہ یحیٰی عن صحابی باندک اختلاف بسند ضعیف ۱۲ [۱۰] ایک بات ہے جس کا خوف مجھ کو اپنی امت پر ہے وہ شرک ہے آگاہ ہو وہ بت پرستی نہ کریں گے نہ آفتاب کو نہ چاند اور پتھر کو پوجیں گے بلکہ اپنے اعمال سے ریا کریں گے ابن ماجہ وحاکم نحوہ ۱۲

تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اپنے اوپر کی اشیاء کے ساتھ کانپنے لگی اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین کے لیے میخیں بنا دیں فرشتوں نے آپس میں کہا کہ خدائے تعالیٰ نے کوئی چیز پہاڑ سے زیادہ سخت نہیں بنائی اللہ تعالیٰ نے لوہا پیدا کیا اس نے پہاڑوں کو کاٹ ڈالا پھر آگ پیدا کی اس نے لوہے کو گلا دیا پھر پانی کو حکم ہوا اس نے آگ بجھا دی پھر ہوا کو حکم ہوا اس نے پانی کو تہ وبالا کر دیا فرشتوں نے یہ سب دیکھ کر باہم اختلاف کیا کہ سب میں زیادہ سخت کونسی چیز ہے پھر کہا کہ اس کو اللہ جل شانہ سے پوچھنا چاہیے عرض کیا کہ الٰہی تو نے اپنی مخلوق میں سے سب میں زیادہ سخت کونسی چیز بنائی ہے ارشاد ہوا کہ میرے نزدیک سب میں زیادہ سخت آدم زادہ کا دل ہے کہ خیرات داہنے ہاتھ سے کرتا ہے اور بائیں سے چھپاتا ہے اس سے زیادہ سخت کوئی مخلوق میں نے نہیں پیدا کی[1] اور حضرت عبداللہ بن المبارک ایک شخص سے راوی ہیں کہ اس شخص نے حضرت معاذ ابن جبل رضی کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ سے کوئی حدیث بیان فرمایئے جس کو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو حضرت معاذ اتنا روئے کہ سائل کو گمان ہوا کہ آپ چپ نہ ہوں گے پھر جب چپ ہوئے اور کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے مجھ کو پکارا اے معاذ میں نے عرض کیا۔ لبیك بابی انت وامی یارسول اللہ[ح] آپ نے فرمایا کہ میں تجھ سے ایک حدیث کہتا ہوں اگر تو یاد رکھے گا تو تجھ کو نفع ہو گا اور اگر یاد نہ رکھے گا اور ضائع کر دے گا تو تیری حجت قیامت میں خدائے تعالیٰ کے سامنے کچھ نہ چلے گی اے معاذ اللہ تعالیٰ نے قبل پیدائش زمین اور آسمانوں کے سات فرشتوں کو پیدا کیا پھر آسمانوں کو پیدا کر کے ہر آسمان پر ایک فرشتہ دربان معین کر دیا اور ہر آسمان کو بڑی عظمت عنایت فرمائی جب بندے کے صبح سے شام تک کے عمل فرشتے محافظ لے کر اوپر چڑھتے ہیں اور عمل میں آفتاب کا سا نور ہوتا ہے فرشتے اپنے نزدیک اس کو اچھا اور بہت سمجھتے ہیں مگر جب آسمان دنیا پر پہنچتے ہیں تو دربان اس آسمان کا محافظوں سے کہتا ہے کہ اس عمل کو عمل والے کے منہ پر مارو میں غیبت کا فرشتہ ہوں میرے رب نے حکم دیا ہے کہ جس شخص نے لوگوں کی غیبت کی ہو اس کے عمل کو اپنے سے آگے نہ بڑھنے دو پھر محافظین کوئی اور عمل بندے کا لے کر جس میں غیبت نہ ہو دربان اول سے گذر جاتے ہیں اور اس عمل کو پاک اور زیادہ جانتے ہیں یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچتے ہیں وہاں کا دربان کہتا ہے کہ کھڑے رہو اور اس عمل کو اس کے مرتکب کے منہ پر مارو اس نے اس عمل سے متاع دنیا مراد لی تھی میرے پروردگار کا حکم ہے کہ ایسے عمل کو آگے نہ جانے دوں گا وہ شخص مجلسوں میں بیٹھ کر فخر کیا کرتا تھا پھر محافظین بندے کا عمل اور صدقہ نماز روزہ جس میں ایسا نور ہو کہ محافظین بھی حیران رہیں لے کر چڑھتے ہیں اور دونوں آسمانوں سے گذر جاتے ہیں جب تیسرے پر پہنچتے ہیں تو جو فرشتہ اس پر مؤکل ہے وہ کہتا ہے کہ ٹھہرو اور اس عمل کو اس بندے کے منہ پر مارو میں کبر کا فرشتہ ہوں میرے مالک کا حکم ہے کہ جس عمل میں کبر ہو اس کو آگے نہ جانے دو وہ شخص مجلسوں میں تکبر کیا کرتا تھا

---

[1] ترمذی بروایت انس باختلاف اور کہا ہے کہ غریب ہے ۱۲ ح ابن مبارک در زہد یکذا مگر ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں نقل کیا ہے ۱۲

[ح] حاضر ہوں میں فدا ہو آپ پر میرا باپ اور ماں اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۲

پھر محافظین بندے کا کوئی اور عمل حج و عمرہ و نماز و روزہ کو لے کر اوپر جاتے ہیں اور یہ عمل ستارے کے موافق چمکتا ہوتا ہے اور آواز کرتا ہے اس کو لے کر جب چوتھے آسمان پر پہنچتے ہیں ان کا دربان کہتا ہے کہ اس عمل کو اسی کی پیٹھ اور پیٹ پر مارو میں فرشتہ عجب ہوں میرے مالک کی اجازت ہے کہ عجب کے عمل کو آگے نہ بڑھنے دوں یہ شخص جب عمل کرتا تھا تو اپنے عمل میں عجب کو دخل دیتا تھا پھر محافظین اور عمل بندے کا لے کر پانچویں آسمان تک جاتے ہیں اور یہ عمل دولہن کی طرح آراستہ ہوتا ہے پانچویں آسمان کا مؤکل کہتا ہے کہ توقف کرو اور اس عمل کو عمل والے کے منہ پر مارو اور اسی کی گردن پر ڈال دو میں فرشتہ حسد کا ہوں وہ لوگوں سے حسد کیا کرتا تھا جو کوئی کچھ سیکھتا اور اسی کے موافق کام کرتا یا کوئی شخص نفل عبادت ادا کرتا یہ سب کی حسد کرتا اور ان کو برا کہتا مجھے حکم الٰہی ہے کہ اس کے عمل کو آگے نہ جانے دوں پھر محافظین بندے کے اور نماز و زکوٰۃ و روزہ و حج لے کر اوپر جاتے ہیں جب چھٹے آسمان پر پہنچتے ہیں وہاں کا مؤکل کہتا ہے کہ ٹھہرو اور اس کو عامل کے منہ پر مارو وہ کبھی کسی انسان پر رحم نہیں کرتا کیسی ہی کسی پر بلا یا ضرر آوے بلکہ ہنسا کرتا ہے میں فرشتہ رحمت ہوں مجھے امر خداوندی ہے کہ ایسے عمل کو آگے نہ بڑھنے دوں پھر محافظین بندے کا اور عمل لے کر چڑھتے ہیں اور اس عمل روزہ نماز اور ورع و اجتہاد وغیرہ میں رعد کی سی گرج ہوتی ہے اور آفتاب کی چمک اور تین ہزار فرشتے اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور چھٹوں آسمانوں سے گذر کر جب ساتویں پر پہنچتے ہیں تو اس کا دربان کہتا ہے کہ توقف کرو اور اس عمل کو عامل کے منہ پر مارو اور اس کے اعضا پر ٹپکو اور اس کے دل پر ڈال دو جس عمل کو کہ خاص خدا کے واسطے نہیں کیا اس کو میں پروردگار کے سامنے نہ جانے دوں گا اس کو بھی اپنے عمل سے غیر اللہ مراد تھا اس کی مراد یہ تھی کہ فقہا میں رفعت ہو جاوے علما میں میرا ذکر ہو شہروں میں مشہور ہو جاؤں میرے خدا کا حکم ہے کہ اس کے عمل کو اپنے پاس سے آگے نہ جانے دوں اور جو عمل کہ خدا کے واسطے نہیں وہ ریا ہے اور خدائے تعالٰے ریاکار کا عمل قبول نہیں فرماتا پھر محافظین بندے کا عمل نماز و زکوٰۃ و حج و عمرہ اور خلق اور حسن سلوک اور ذکر الٰہی جن میں کوئی عیب عیوب مذکورہ بالا سے نہ ہو لے کر اوپر جاتے ہیں اور اس کے ساتھ تمام آسمانوں اور زمین کے فرشتے ہوتے ہیں یہاں تک کہ سب پردوں کو قطع کر کے خداوند کریم کے سامنے جا کر کھڑے ہوتے ہیں اور اس شخص کے لیے عمل صالح کی گواہی دیتے ہیں کہ خاص خدا کے واسطے کیا ہے اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے عمل پر نگران تھے اور میں اس کے نفس کا نگران ہوں اس نے اس عمل سے مجھ کو ارادہ نہیں کیا میرے سوا کچھ اور مراد تھی اس پر میری لعنت ہے فرشتے کہیں گے کہ اس پر تیری لعنت اور ہماری لعنت اور آسمان کہیں گے کہ اس پر خدا کی لعنت اور ہماری لعنت غرض اس کو سب آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان میں ہیں لعنت کریں گی حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث سن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو رسول خدا ہیں اور میں معاذ ہوں میں کیا کروں آپ نے فرمایا کہ میری پیروی کر اگرچہ تیری عمر تھوڑی سی ہو اے معاذ جو تیرے بھائی قرآن خوان ہیں ان کی غیبت مت کر اور اپنے گناہوں کو خود اپنے اوپر رکھ ان کے ذمہ مت لگا اور ان کو برا کہہ کر اپنا تزکیہ مت کر اور نہ اپنے آپ کو ان پر اونچا

کر اور عمل آخرت میں دنیا کے کام کو داخل مت کر اور لوگوں میں تکبر مت کر ورنہ لوگ تیری بدخلقی سے ڈریں گے اور جب کوئی دوسرا تیرے پاس بیٹھا ہو کسی سے سرگوشی مت کر اور لوگوں سے اپنی عظمت مت جتا نہیں تو تجھ سے دنیا کی برکت جاتی رہے گی اور لوگوں مت کر ورنہ قیامت میں تجھ کو دوزخ کے کتے چیر ڈالیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والنّاشطات نشطاً ؁ اے معاذ تجھ کو معلوم ہے کہ وہ کیا ہیں حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ ارشاد فرماویں کہ وے کیا ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخ کے کتے ہیں کہ گوشت اور ہڈی کو دانتوں سے نوچیں گے میں نے عرض کیا کہ آپ پر میری ماں اور باپ فدا ہوں یہ خصائل جو ارشاد ہوئے ان کی بجا آوری کی کس کو طاقت ہے اور ان دوزخ کے کتوں سے کون بچے گا آپ نے فرمایا کہ اے معاذ جس پر خدا آسان کرے اس کو یہ باتیں کچھ مشکل نہیں راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاذؓ سے زیادہ کسی کو کلام اللہ کی تلاوت کرتے نہیں دیکھا وہ اس حدیث کے ڈر سے اکثر تلاوت میں مصروف رہتے تھے اور روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک شخص کو گردن جھکائے دیکھا آپ نے فرمایا کہ او گردن والے اپنی گردن اٹھا کہ خشوع گردنوں میں نہیں ہے بلکہ دلوں میں ہے۔ اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے ایک شخص کو مسجد میں سجدے کے درمیان روتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تو یہ بات اگر اپنے گھر میں کرتا تو بہت اچھا ہوتا اور حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ریاکار کی تین علامتیں ہیں جب اکیلا ہو تو سست ہو اور جب مجمع میں ہو تو خوش ہو اور جب اس کی کوئی تعریف کرے تو عمل زیادہ کرے اور اگر کوئی مذمت کرے تو کم اور ایک شخص نے عبادہ بن صامتؓ سے پوچھا اگر میں تلوار سے خدا کی راہ میں لڑوں اور نیت رضا الٰہی اور لوگوں کی تعریف کی ہو تو کچھ ثواب ہو گا آپ نے فرمایا کہ تجھے کچھ نہ ملے گا اس شخص نے تین بار پوچھا آپ نے یہی جواب دیا اور آخر کو فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرک سے سب غنیوں کا غنی ہوں اور ایک شخص نے حضرت سعید بن المسیبؓ سے پوچھا کہ ہم میں سے بعض آدمی نیکی کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ لوگ بھی تعریف کریں اور ثواب بھی پاویں آپ نے فرمایا کہ تمہیں یہ منظور ہے کہ خدا کا غضب تم پر ہو اس نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ تو جب عمل اللہ کے واسطے کرے اس کو اخلاص کے ساتھ کر اور ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہ کہنا چاہیے کہ یہ عمل رضائے الٰہی اور تمہاری رضا کے واسطے ہے یا رضائے الٰہی اور رضائے اہل قرابت کے لیے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے درہ مارا تھا پھر اس سے فرمایا کہ تو مجھ سے عوض لے لے اس نے عرض کیا کہ میں نے خدا کے واسطے اور آپ کی خاطر معاف کیا آپ نے فرمایا کہ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا یا تو میری ہی خاطر معاف کر کہ مجھ پر احسان ہو یا خدا ہی کے واسطے چھوڑ دے اس نے عرض کیا کہ میں نے صرف خدا کے واسطے چھوڑا آپ نے فرمایا کہ اب خوب ہوا اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ رہا ہوں کہ ان کے دل میں حکمت کی ایسی باتیں گذرتی تھیں کہ اگر ان کو زبان پر لاتے تو ان کو اور ان کے ساتھیوں کو مفید ہوتیں مگر شہرت

؁ اور بند چھوڑا دینے والوں کی کھول کر ۱۲

کے ڈر کے مارے نہیں کہتے تھے اور جب راہ میں کوئی ایذا دہندہ چیز دیکھتے تو اس کے مشہور ہو جانے کے خوف سے علیحدہ نہ کرتے اور سنتے ہیں کہ ریاکار قیامت میں چار ناموں سے پکارا جائے گا اے ریاکار۔ او زیان کار۔ او مکار او بدکار جا جس کے لیے عمل کیا ہے اسی سے اپنی اجرت لے ہمارے پاس تیرے واسطے کچھ اجر نہیں اور حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ پہلے ریا ایسے عملوں سے کرتے تھے کہ جن کو بجالاتے تھے اور آج ریا ایسے اعمال سے کرتے ہیں کہ جن کے مرتکب نہیں ہوتے اور حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بندے کی نیت پر اتنا دے گا کہ اتنا عمل پر نہ دے گا اس لیے کہ نیت میں ریا نہیں ہوتا اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ریاکار یہ چاہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی تقدیر پر غالب ہو جاوے وہ خراب آدمی ہے یوں چاہتا ہے کہ آدمی اس کو نیک بخت کہیں اور وہ کس طرح کہہ سکتے ہیں وہ تو خدا کے نزدیک نکمے لوگوں میں داخل ہے ایمانداروں کے دلوں کو لازم ہے کہ اس کو پہچان رکھیں اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جب بندہ ریا کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو مجھ سے ٹھٹھول کرتا ہے اور حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ قاری تین قسم کے ہیں ایک خدا کے قاری ایک دنیا کے قاری ایک بادشاہوں کے قاری محمد بن واصع خدا کے قاریوں میں سے ہیں اور حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ریاکار کو دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے اور محمد بن المبارک صوریؒ کا قول ہے کہ اہل خیر کی وضع رات کو اختیار کرنی چاہیے دن کو اہل خیر کی صورت اظہار کرنے سے وہ اشرف ہے۔ اسلئے کہ دن کا معاملہ مخلوق کے لیے اور رات کا خالق کے لیے ہے اور ابو سلیمانؒ کا قول ہے کہ بہ نسبت عمل کے عمل کا بچانا بہت سخت ہے اور ابن المبارکؒ نے فرمایا کہ ایک آدمی طواف تو کعبہ کا کرتا ہے مگر ہے خراساں میں لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اس بات کو محبوب جانے کہ مجھ کو لوگ یوں کہیں تو یہ مکہ کا مجاور ہے حاصل یہ ہوا کہ طواف حصول شہر کے لیے ہے اس پر کچھ ثواب و اجر مترتب نہیں۔ اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ جس نے مشہور ہونا چاہا اس نے خدا تعالیٰ کی تصدیق نہیں کی۔

۲۔ ریا کی حقیقت

واضح ہو کہ ریا مشتق رویت سے ہے جس کے معنے دیکھنے کے ہیں اسی طرح سمعہ جو بمعنی شہرت مستعمل ہے مشتق سماع بمعنے سننے کے ہے اور ریا کے اصلی معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو اچھی خصلتیں دکھلا کر ان کے دلوں میں منزلت حاصل کرنی لیکن چونکہ جاہ و منزلت کا دلوں میں حاصل ہونا سوائے عبادات کے اور اعمال سے بھی ہو سکتا ہے اور عبادات سے بھی تو بحکم عادات ریا خاص اسی صورت کا نام ہو گیا ہے جس میں طلب منزلت دلوں میں عبادات کی جہت سے مقصود ہو پس اس سے تعریف ریا کی یہ ہوئی کہ خدا کی طاعت سے مخلوق کا ارادہ کرنا تو یہاں چار چیزیں ہیں ایک ریا کرنے والا وہ تو عابد ہے ایک جس کے لیے ریا کرتا ہے وہ آدمی ہیں کہ ان کو دکھلانا منظور ہے اور ان دونوں

میں منزلت مطلوب اور ایک جس چیز کو دکھلانا منظور ہے وہ خصلتیں ہیں جو ریاکار ظاہر کرنا چاہتا ہے اور ایک خود ریا ہے یعنی ان فضائل کے اظہار کا قصد اور جن چیزوں میں کہ ریا کو دخل ہے وہ پانچ قسم ہیں یعنی آدمی لوگوں میں نمود پانچ چیزوں میں کر سکتا ہے بدن[۱] اور ہیئت[۲] اور قول[۳] اور عمل[۴] اور ساتھ کے لوگ اور اشیا خارجی دنیا دار بھی انہیں پانچ قسموں سے نمود کرتے ہیں مگر جاہ کا طلب کرنا اور ریا کا خواہاں ہونا ایسے اعمال سے جو داخل طاعت نہیں بہ نسبت طاعت کی ریا کے خفیف ہے **قسم اول** بدن کی نمود دین کے باب میں تو اس طرح سے کہ جسم پر لاغری اور زردی ظاہر کرے تاکہ لوگوں کو یہ خیال ہو کہ یہ دین میں بہت محنت کرتا ہے اور دین کا خوف غالب ہے اور آخرت کا ڈر بہت ہے یا یہ کہ دبلا ہونے سے معلوم ہو کہ غذا بہت کم کھاتا ہے اور زردی رنگ سے وہم ہو کہ شب بیدار ہے اسی لیے بالوں کا بکھرا رہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ دین کا فکر بہت ہے اس لیے فراغت کنگھی کی نہیں ملتی پس یہ اسباب جب لوگوں میں ظاہر ہو جاتے ہیں تو لوگ ان سے وہی باتیں مذکورہ سمجھتے ہیں اور نفس کو ان کے معلوم ہونے کی کمال خوشی ہوتی ہے اسی لیے اس خوشی کی چادر میں ان باتوں کا اظہار چاہتا ہے اور اسی کے قریب ہے آواز کی پستی اور آنکھوں کا اندر گڑ جانا اور لبوں کا پژمردہ رہنا کہ ان سے یہ پایا جاتا ہے کہ یہ شخص ہمیشہ روزہ دار ہے اور شرع کی تعظیم کی جہت سے آواز پست ہو گئی یا بھوک کی کمی سے طاقت کم ہو گئی ہے اسی بنا پر حضرت عیسیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی تم میں سے روزہ رکھے تو چاہیے کہ سر میں تیل ڈالے اور کنگھی کرے اور سرمہ لگاوے اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے اور یہ سب معاملہ اسی لیے ہے کہ کہیں شیطان ریا کی طرف مائل نہ کر دے یہ طور بدن کی نمود کا اہل دین کرتے مگر دنیا دار اس کے برعکس فربہی اور صفائی رنگ اور راستی قد اور خوبصورتی اور بدن کی پاکیزگی اور اعضا کی قوت اور ان کا مناسب ہونا ظاہر کرتے ہیں **دوسری قسم** ہیئت اور لباس سے نمود کرنی مثلاً سر کے بالوں کا پراگندہ رکھنا اور مونچھوں کا منڈانا اور راہ میں گردن ڈال کر چلنا اور آہستہ آہستہ حرکت کرنا اور سجدہ کا نشان پیشانی پر باقی رکھنا اور موٹے کپڑے پہننا اور کمل کی عبا پہننا اور اس کے دامن پنڈلیوں کے قریب تک اونچے رکھنا اور آستین چھوٹی کرنی اور کپڑے نہ دھلانے اور ان کو پھٹا ہوا رکھنا یہ سب باتیں اس نمود کے لیے ہیں کہ یہ معلوم ہو کہ یہ شخص تابع سنت اور پیرو اللہ کے نیک بندوں کا ہے اور اسی میں داخل ہے پیوند لگا ہوا کپڑا پہننا اور سجادہ پر نماز پڑھنی اور صوفیوں کی طرح نیلے کپڑے پہننے حالانکہ باطن میں حقیقت تصوف خاک بھی نہیں اور عمامہ کے اوپر چادر پہننی اور اس کو آنکھوں پر لٹکا لینا بھی داخل نمود ہے کہ اس تمیز کے باعث سب کی آنکھ اس پر پڑے گی اور جانا جائے گا کہ بڑے محتاط ہیں کہ راہ کے غبار سے بھی اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور اسی میں یہ بھی شامل ہے کہ بے علم آدمی عالموں کا خاص لباس پہنے تاکہ لوگ اس کو عالم سمجھیں اور جو لوگ لباس سے نمود کرتے ہیں ان کے کئی طبقات ہیں بعض ایسے لوگ ہیں کہ اہل اصلاح کے نزدیک زہد کے اظہار سے منزلت کے خواہاں ہوتے ہیں اسی لیے کپڑے پھٹے پرانے میلے موٹے چھوٹے پہنتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان کو دنیا کی کچھ پروا نہیں ایسے لوگوں کو اگر کوئی تکلف متوسط درجے کے کپڑے پہناوے جیسے سلف کے اکابر پہنتے تھے تو ان کے

نزدیک ایسا ہو کہ گویا ذبح کر ڈالا اور یہ صرف اس خوف سے ہوتا ہے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ پہلے تو زاہد ہوئے تھے اب اس طریق سے پھر گئے اور دنیا کے راغب ہوئے اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ اہل صلاح اور دنیاداروں یعنی بادشاہوں اور امراء رؤسا اور بڑے تجاروں دونوں فریق میں مقبول ہوا چاہتے ہیں پس اگر نہایت عمدہ لباس پہنیں تو درویش ان کو برا سمجھیں اور اگر حقیر لباس پہنیں تو بادشاہوں اور اہل دنیا کی نظروں میں نہ چڑھیں اور ان کو منظور یہ ہے کہ دونوں فریق کے نزدیک مقبول ہوں اس لیے نہایت باریک عبا اور چادریں اور رنگین پیوند کار وغیرہ تلاش کر کے پہنتے ہیں اور غالب ہے کہ ان کا لباس اور تونگروں کا قیمت میں مساوی ہوتا ہوگا مگر رنگ اور ہیئت صلحا کے کپڑوں کی سی ہوتی ہے اور اگر ان کو کوئی موٹا یا میلا کپڑا بزور پہناوے تو مثل ذبح برا جانے اس لیے کہ بادشاہوں کی نظروں سے اتر جاویں گے ایسا ہی اگر ریشمین یا حریری اطلس گلبدن وغیرہ پہناوے گو یہ کپڑا بہ نسبت ان کی پوشاک کے کم قیمت کا ہو مگر اس کا پہننا نہایت گراں گذرے اس لیے کہ درویش ان کو یہ جانیں گے کہ انہوں نے دنیاداروں کا لباس پہن لیا حاصل یہ کہ جو فرقہ منزلت کسی خاص لباس میں جانتا ہے اور اس سے نہ کم پہنتا ہے نہ زیادہ اگرچہ کمی بیشی مباح ہو مگر وہ مذمت کے خوف کے مارے نہ اس سے اعلیٰ پہنیں نہ ادنیٰ اور اہل دنیا کی نمود انہیں نفیس کپڑوں اور بڑھیا سواریوں اور گھوڑوں اور رنگین کپڑوں اور نفیس چادروں اور اقسام لباس و مسکن و اثاث البیت میں بہتایت اور تجمل ظاہر کرتے ہیں اور یہ بات سب آدمیوں میں پائی جاتی ہے کہ اپنے گھر میں موٹے کپڑے پہنتے ہیں اور اگر اسی طرح مجمع میں چلے آویں تو بہت برا جانیں جب تک اچھی طرح زیبائش نہیں کر لیتے تب تک نہیں نکلتے **تیسری قسم** قول میں نمود کرنے کی ہے اس میں اہل دین کی نمود اس طرح ہے کہ ریا کے لیے وعظ و نصیحت کرنا اور حکمت و دانائی کی بات کہنی اور اخبار و آثار کا اس لیے یاد کرنا کہ روز مرہ کے محاورہ میں کام آوے اور لوگوں کو کثرت علم اور زیاتی توجہ احوال سلف پر معلوم ہو اور لوگوں کے سامنے ذکر کے لیے ہونٹھ ہلاتے رہنا اور سب کے سامنے اچھی بات کا امر کرنا اور بری بات سے روکنا اور بری باتوں پر غصہ کا ظاہر کرنا اور اگر لوگ معصیت کے مرتکب ہوں تو ان پر افسوس ظاہر کرنا اور کلام کرنے میں آواز کو ضعیف کرنا اور تلاوت قرآن مجید میں پتلی آواز کرنی تاکہ معلوم ہو کہ اس کو خوف اور غم بہت ہے اور حدیث کے یاد کا مدعی ہونا اور بہت سے محدثوں سے ملاقات ظاہر کرنی اور اگر کوئی حدیث بیان کرے تو اس میں جلدی سے خلل اور عیب بتلانا خواہ یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا غیر صحیح تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ حدیث دان ہیں اور اس باب میں فاضل ہیں اور کسی کے الزام دینے کو مجادلہ اور تقریر ناحق کر بیٹھنا کہ لوگ جانیں کہ علم دین میں بڑی دست گاہ ہے اسی طرح اہل دین کے قول سے ریا کرنے کے بہت سے اقسام ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا مگر دنیا کے لوگ قول سے نمود اس طرح کرتے ہیں کہ اشعار و امثال یاد کر لیتے ہیں اور فصیح عبارتیں اور شاذ و نادر جملے آپس میں بحث کے واسطے اور اہل علم کے سامنے ایک عجیب فقرہ پیش کرنے کے لیے حفظ کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے واسطے ہر شخص سے دوستی ظاہر کرتے ہیں **چوتھی قسم** عمل کی نمود ہے مثلاً نماز میں ریا کے دیر تک قیام کرنا اور

سجدہ اور رکوع طویل کرنا اور گردن جھکانی اور التفات کا ترک کرنا اور سکون اور وقار کا ظاہر کرنا اور قدموں اور ہاتھوں کو برابر رکھنا وغیرہ اسی طرح روزہ اور جہاد اور حج اور صدقہ اور کھانا کھلانے میں ریا ہوتا ہے اور چلنے میں ملاقات کے وقت فروتنی کرنی مثلاً آنکھیں نیچی کرنی اور سر جھکانا اور کلام وقار کے ساتھ کرنا یہاں تک کہ ریاکار کبھی اپنے کام کے لیے تیز چلتا ہے مگر جب کوئی دیندار اس کے سامنے آجاتا ہے تو آہستہ چلنے لگتا ہے اور سر ڈال لیتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ دیکھنے والا مجھ کو جلد باز اور کم وقر جانے پھر جب وہ شخص غائب ہو جاتا ہے تو بدستور جلدی چلنے لگتا ہے اور پھر کوئی دیکھ لیتا ہے تو پھر خشوع کرتا ہے اور خدا کو یاد کر کے خشوع نہیں کرتا صرف انسان کی اطلاع سے خشوع کرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہ جانے کہ یہ بندہ صالح نہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ علیحدگی میں چال مخالف اس چال کے ہو جو لوگوں کے سامنے ہوتی ہے تو ان کو شرم آتی ہے تو وہ تنہائی کی چال میں تکلف کرتے ہیں اور بنا کر چلتے ہیں کہ اگر بالفرض تنہائی میں ان کو کوئی دیکھ لے تو چال میں تبدیلی نہ کرنی پڑے یکساں رفتار رہے ایسے لوگوں کو یہ گمان ہے کہ شاید اس حرکت سے ریا سے بچ جاتے ہیں حالانکہ یک نہ شد دو شد کا مضمون ہوتا ہے کہ پہلے ریا لوگوں کے سامنے ہی تھا اب خلوت میں بھی ہوا اس لیے کہ تنہائی میں جو اچھی رفتار اختیار کی ہے سو اسی واسطے ہے کہ مجمع میں بھی ویسی ہی ہو کچھ خدا کے خوف اور حیا سے اختیار نہیں کی اور دنیا والوں کی نمود یوں ہے کہ تبختر اور تکبر کے ساتھ چلنا اور ہاتھوں کا ہلانا اور قدم قریب قریب رکھنا اور دامن کو تھامے رہنا اور دونوں پہلو پر ہاتھ دھرنا وغیرہ امور جن سے جاہ و حشمت معلوم ہو پانچویں قسم یاروں اور ملاقاتیوں سے نہ مدد کرنی مثلاً کوئی شخص اس بات کا بتکلف خواہاں ہو کہ فلاں عالم یا عابد میری ملاقات کو آئے تاکہ لوگ یہ جانیں کہ یہ شخص بڑا دیندار ہے کہ ایسے عالم اور عابد اس کے پاس آمد و شد رکھتے ہیں یا کسی بادشاہ خواہ حاکم کا آنا چاہے بایں غرض کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کا رتبہ دین میں بڑا ہے کہ حاکم بھی برکت حاصل کرنے کو اس کے پاس جاتے ہیں یا کوئی شخص بہت سے مرشدین و شیوخ کا ذکر کرے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی ملاقات بہت سے اکابر سے ہے اور سب سے استفادہ کیا ہے اور ایسے شخص کا تفاخر اور ریا اس کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ کسی سے گفتگو کے وقت کہنے لگتا ہے کہ تم نے کس کو دیکھا ہے میں نے اتنے مرشدوں کو دیکھا اور اتنے شہروں میں پھرا اور اتنے لوگوں کی خدمت کی وغیرہ پس جن چیزوں سے لوگ ریا کرتے ہیں وہ انہیں پانچ قسموں سے ہوتی ہیں اور ہر ایک کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جاہ و منزلت حاصل ہو اور بعضے لوگ خلق کے حسن اعتقاد کو اپنے اوپر جان کر قانع ہو جاتے ہیں مثلاً بہت سے راہب اپنے معبد میں سے برسوں نہیں نکلتے اور بہت سے عابد پہاڑوں کی چوٹی پر مدتوں عزلت نشین رہتے اور ان کی زندگی اسی اعتبار سے ہے کہ ہمارا جاہ لوگوں کے دلوں میں قائم ہے اور اگر ان کو یہ معلوم ہو جاوے کہ لوگوں کے نزدیک میری کوئی خطا ثابت ہو گئی کہ اس معبد یا گوشہ میں ان کے عندیہ میں صاحب تقصیر ٹھہرا تو پھر بہت گھبرا دے گا اور اس پر قانع نہ ہو

گا کہ خدا تو جانتا ہے کہ میں اس خطا سے بری ہوں بلکہ اس کا شدت سے غم کرے گا اور لوگوں کے دلوں میں سے اس شک کے رفع کرنے کے بیسیوں حیلے تلاش کرے گا باوجودیکہ یہ شخص لوگوں کے مال کا طامع نہیں مگر جاہ کی محبت ایسی مزہ دار ہے کہ اس کا چسکا اس کو موجود ہے اس لیے کہ جاہ ایک طرح کی قدرت و کمال ہے گو سریع الزوال ہو اکثر جاہل آدمی اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور بعض آدمی ریاکار ایسے ہوتے ہیں کہ صرف دلوں میں منزلت ہونے ہی پر قانع نہیں ہوتے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ لوگ ثنا و مدح کریں اور بعضے اپنا شہرہ ملکوں میں پھیلنا چاہتے ہیں تاکہ کسی کی سفارش اگر کریں تو قبول ہو جاوے اور لوگوں کے کام اس ذریعہ سے اپنے اختیار میں آجاویں اور عوام میں بہت اقتدار اور جاہ حاصل ہو جاوے اور بعض اشخاص ریا سے طالب مال و زر ہوتے ہیں گو مال وقف اور یتیموں کا مال خواہ اور کوئی حرام مال ہو یہ طبقات ریاکاروں کے سب میں برے ہیں یہاں تک کہ بیان حقیقت ریا اور ان چیزوں کا جن سے ریا ہوتا ہے اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ بعض ریا حرام ہیں اور بعض مکروہ اور بعض مباح اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ریا یعنی طلب جاہ یا عبادات سے ہوتا ہے یا غیر عبادات سے ہے پس اگر غیر عبادات سے ہو تو اس کا حکم طلب مال کا سا ہے یعنی صرف منزلت لوگوں کے دلوں میں ہونے کی جہت سے حرام نہیں جیسے کہ طلب مال حرام نہیں لیکن جیسے مال کے حاصل کرنے میں دغا اور فریب اور وجہیں ناجائز ہو سکتی ہیں اسی طرح جاہ میں بھی ہو سکتی ہیں اور جس طرح تھوڑا مال یعنی بقدر مایحتاج انسانی حاصل کرنا اچھا ہے اسی طرح تھوڑا سا جاہ یعنی جس کے باعث آفات سے محفوظ رہے اسی قدر یہ بھی بہتر ہے اور یہ وہی جاہ ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے طلب کیا تھا اور فرمایا تھا اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ[ت] اور جس طرح کہ مال میں زہر اور تریاق دونوں ہیں اسی طرح جاہ میں بھی مضر اور نافع دونوں ہیں اور جس طرح کہ بہت سا مال و طغیان میں ڈالتا ہے اور خدا کی یاد اور آخرت سے غافل کرتا ہے اسی طرح بہت سے جاہ کا بھی حال ہے بلکہ اس کا فتنہ اشد اور برا ہے مال کے فتنہ سے اور جس طرح ہم نہیں کہتے کہ بہت سے مال کا ملکیت میں آجانا حرام ہے اسی طرح ہمارا یہ قول بھی نہیں کہ بہت سے دلوں کا ملکیت میں آنا حرام ہے جب تک کہ کثرت مال و کثرت جاہ ناجائز امر کا باعث نہ ہو ہاں یہ کہتے ہیں کہ اپنی ہمت کا مصروف کرنا مال و جاہ کی کثرت کی طرف یہ اصل تمام برائیوں کی ہے اور مال و جاہ کا محبت رکھنے والا دل و زبان کے گناہوں کے چھوڑنے پر قادر نہیں اور بدون طلب اور حرص کے جاہ کا زیادہ ہو جانا اور اگر وہ جاتا رہے تو اس کا غم نہ ہونا ایسے جاہ کا کچھ مضائقہ نہیں دیکھو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور علمائے دین کے جاہ سے بڑھ کر اور کیا ہو گا مگر ہماری غرض یہ ہے کہ اپنی طرف سے اس میں ہمت کو مصروف کرنا دین کا نقصان ہے گو حرام نہیں اس بنا پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب آدمی گھر سے باہر نکلتا ہے اور لوگوں کے دکھلانے کے واسطے اچھے کپڑے پہنتا ہے یہ حرام نہیں اس لیے کہ عبادت سے ریا نہیں بلکہ دنیا کی چیز

ت امین خوب نگہبان ہوں خبردار ۱۲

سے اسی طرح تمام تجمل و زینت و تکلفات کو سمجھنا چاہیے کہ دلیل اس کے حرام نہ ہونے کی یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں[1] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز صحابہؓ کے پاس جانا چاہا تو آپ نے پانی کے مٹکے میں دیکھ کر اپنا عمامہ اور بال درست کیے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسا کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں جو بندہ اپنے بھائی کے پاس جانے کے وقت اپنے آپ کو بنا لیتا ہے اللہ اس کو اچھا جانتا ہے۔ مگر یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرزد ہوئی داخل عبادت ہے اس لیے کہ آپ کو حکم دعوت خلق اور اتباع کی ترغیب اور دلوں کے مائل کرنے کا تھا اگر آپ ان کی نظروں سے گر جاتے تو آپ کے اتباع کی ترغیب نہ کرتے اسی جہت سے آپ پر واجب تھا کہ اپنے محاسن احوال ان پر ظاہر کریں تاکہ ان کی نظریں آپ کو حقیر نہ جانیں عام لوگوں کی نظر ظاہر پر بہت پڑتی ہے باطن کو نہیں دیکھتا یہ مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اب اگر کوئی شخص لوگوں کی نظروں میں آپ کو اچھا کرنا چاہے بایں لحاظ کہ ان کی مذمت اور ملامت سے بچا رہے اور ان کی توقیر و حرمت سے راحت پاوے تو امر مباح ہے اس لیے کہ انسان کو جائز ہے کہ مذمت سے بچے اور اپنے یاروں کے ساتھ انس سے راحت پاوے تو جب اس کو کریہ اور حقیر سمجھیں گے تو انس کبھی نہ حاصل ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں عبادت نہیں ان میں ریا کرنا کبھی مباح ہوتا ہے اور کبھی طاعت اور کبھی مذموم یعنی جیسے ریا سے غرض مطلوب ہوگی ویسا ہی حکم اس ریا کا ہوگا اگر غرض مطلوب مباح یا طاعت ہوگی تو ریا بھی مباح ہوگا مثلاً کوئی شخص اپنا مال غنیوں کی جماعت کو دیتا ہے نہ عبادت کے طور نہ صدقہ کے طور بلکہ اس لیے کہ لوگ سخی جانیں تو یہ نمود ہے اور حرام نہیں اسی طرح اور مثالیں ہیں۔ اور جو ریا کہ عبادات سے ہوتا ہے مثلاً نماز و روزہ و حج و جہاد سے اس میں ریاکار کے دو حال ہیں اول تو یہ کہ اس کا ارادہ سوائے ریا کے اور کچھ نہیں اجر و ثواب سے کچھ مطلب نہیں تو ایسے شخص کی عبادت باطل ہے اس لیے کہ اعمال کا ثواب نیت سے ہوتا ہے اور یہ عمل بہ نیت عبادت ادا نہیں ہوا اور یہی نہیں کہ صرف عبادت باطل ہوگئی اور جیسا قبل عبادت یہ شخص تھا ویسا ہی رہا بلکہ ایسے عبادت کرنے سے نافرمان اور گناہ گار ہوتا ہے جیسا کہ اخبار و آیات سے ثابت ہوتا ہے اور وجہ گناہ کی دو باتیں ہیں اول تو بندوں سے متعلق ہے یعنی فریب دینا کہ ریاکار نے ان کو یہ دھوکا دیا کہ وہ شخص دیندار اور مخلص خدائے تعالیٰ کا ہے حالانکہ ایسا نہیں اور فریب دینا تو دنیا کے امور میں بھی حرام ہے چہ جائے کہ دین میں مثلاً اگر کوئی شخص چند لوگوں کا قرض ادا کرے اور لوگوں سے یہ کہے کہ میں ان کو خیرات دیتا ہوں تاکہ لوگ سخی جانیں تو چونکہ اس میں فریب وہی ہے اس لیے گنہگار ہوگا دوسرے متعلق خدائے تعالیٰ سے ہے وہ یہ ہے کہ جب اس نے خدا کی عبادت سے قصد مخلوق کا کیا تو خدا سے ہنسی ہوئی اس واسطے حضرت قتادہؓ کی روایت میں ہے کہ جب بندہ ریا کرتا ہے خداوند کریم اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اس کو دیکھو کیسے مجھ سے ٹھٹول کرتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی بادشاہ کے پاس کوئی شخص دن بھر

---

[1] ابن عدی نے کامل میں نقل کی ہے ۱۲

حاضر رہے جیسا کہ عادت نوکروں چاکروں کی ہوتی ہے مگر اس نیت سے کھڑا ہو کہ بادشاہ کی لونڈی یا غلام گھونے میں آوے تو اس سے بادشاہ کی ساتھ ہنسی ہوگی کہ اس کی نوکری و خدمت کے لیے مستعد نہیں ہوا بلکہ غلام اور لونڈی کی تاک میں حاضر رہا تو اس سے زیادہ کیا حقارت ہوگی کہ آدمی خدا کی عبادت کو اس کے ضعیف بندے کو دکھلاوے جس سے نہ کسی کا فائدہ ہو نہ ضرر اور ایسی بات سے یہی وہم ہوتا ہے کہ ایسا ریاکار بندے کو خدا کی نسبت اپنی غرضیں پورا کرنے میں زیادہ قادر جانتا ہے یا اس کے نزدیک مقرب ہو خدائے تعالیٰ کے نزدیک مقرب ہونے سے بہتر جانتا ہے ورنہ ایسے شہنشاہ پر دوسرے کو ترجیح کیوں دیتا اور اپنی عبادت کا مقصود اس کو کیوں بناتا اس سے زیادہ اور کیا خرابی ہوگی کہ ادنیٰ غلام کو شہنشاہ کے برابر کر دیا غرض کہ اس قسم کا ریا بڑی مہلک چیز ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرک اصغر فرمایا ہے ورنہ ہر قسم کا ریا گناہ سے خالی نہیں کسی میں زیادہ ہے کسی میں کم مگر بعض درجہ بہ نسبت دوسرے کے سخت زیادہ ہوتا ہے چنانچہ آگے مفصل مذکور ہوگا اور اگر ریا میں کچھ نہیں تو یہ بات کیا کم ہے کہ دوسرے کے لیے سوائے خدا کے رکوع و سجدہ کرتا ہے اگرچہ مقصود خدائے تعالیٰ کا تقرب نہیں مگر غیر اللہ تو مطلوب ہے علاوہ اس کے غیر اللہ کی تعظیم سجدہ سے کرتا تو صاف کافر ہو جاتا مگر ریا سے کافر ظاہر میں نہیں ہوا لیکن کفر خفی میں مبتلا ہوتا ہے اس لیے کہ ریاکار اپنے دل میں لوگوں کی تعظیم کرتا ہے اور یہی تعظیم مقتضی اس کے رکوع و سجود کی ہے تو من وجہ اس رکوع و سجدہ سے ان کی تعظیم بھی نکلی اور چونکہ نیت میں تعظیم الٰہی موجود نہیں اور تعظیم خلق من وجہ ہے تو ایسی عبادت قریب شرک کے ہوگئی مگر چونکہ اس کی نیت اس عبادت سے یہ تھی کہ میرا رتبہ دیکھنے والے کی نظر میں زیادہ ہو جاوے اور اپنی عظمت ڈالنے کو وہ حرکات کیں جن سے خدا کی عظمت معلوم ہوا کرتی ہے اس لیے یہ شرک جلی نہ ہوا بلکہ شرک خفی رہا اور یہ نہایت جہالت کی بات ہے اس پر ایسا ہی شخص ارتکاب کر سکتا ہے جس کو شیطان دھوکا دے کر یہ سوجھاوے کہ نفع اور ضرر اور رزق و موت اور حال و مآل کی مصلحت خدا کی نسبت بندوں کے اختیار میں زیادہ ہے اسی واسطے خدا کی طرف سے منہ پھیر کر ان کی طرف دل سے متوجہ ہو جاتا ہے اور ان کا دل اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا و آخرت میں بندوں ہی کے سپرد فرما دے تو اس کے فعل کا ایک ادنیٰ تدارک ہو جاوے کیونکہ بندے اپنے لیے تو مالک نفع اور ضرر کے ہیں ہی نہیں دوسرے کے لیے کیسے ہو سکتے ہیں یہ حال تو دنیا میں ہے اس پر اس روز کو قیاس کرنا چاہیے کہ وہاں کیا ہوگا یوم لا یجزی والد عن ولدہ ولا مولود ھو جاز عن والدہ شیئا[۱] بلکہ وہاں تو انبیا نفسی نفسی کہیں گے تو دیکھنا چاہیے کہ ریاکار کیسا جاہل ہے اپنے ثواب آخرت اور قرب الی اللہ کو دنیا کی چھوٹی طمع سے کیسے بدلا

---

[۱] احمد بروایت محمود بن لبید و طبرانی بروایت محمود بن لبید عن رافع بن خدیج ۱۲ [۲] اس دن سے کہ کام نہ آوے کوئی باپ اپنے بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی بیٹا ہو جو کام آوے اپنے باپ کی جگہ ۱۲

کرتا ہے اور اپنے یقینی ثواب کو لوگوں پر وہمی توقع کے عوض ضائع کیے دیتا ہے اس بیان سے معلوم ہوا کہ جو شخص عبادت سے قصد ریا رکھتا ہے وہ عقلاً اور نقلاً خدا کے غضب میں ہے یہ اس صورت کا بیان ہے جس میں عبادت سے مراد ریا کار کی ثواب نہ ہو مگر جس صورت میں کہ ثواب اور ریا دونوں مراد ہوں مثلاً نماز روزہ سے غرض حصول ثواب آخرت اور لوگوں کی ثنا دونوں ہوں تو یہ وہ شرک ہے جو اخلاص کے مقابل ہے اور اس کا حکم باب اخلاص میں آوے گا یہاں اس قدر کافی ہے کہ حضرت سعید بن مسیب اور عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے قول کے بموجب ایسی عبادت میں بھی مطلقاً ثواب نہیں ہوتا۔

ریا کے درجات

جاننا چاہیے کہ ریا کی بعض صورتیں بعض سے شدید اور غلیظ تر ہیں اور ریا کا اختلاف اس کے ارکان کے اختلاف پر منحصر ہے اور اس کے ارکان تین ہیں اول خود قصد ریا دوم جس چیز سے ریا ہوتا ہے سوم جس کے واسطے کرتا ہے پھر قصد ریا دو حال سے خالی نہیں یا اس میں ارادہ عبادت اور ثواب کا بھی ہے یا نہیں اور اگر ارادہ ثواب ہے قصد ریا کے برابر ہے یا اس سے زیادہ یا کم پس بلحاظ رکن اول یعنی قصد ریا کے ریا کی چار صورتیں ہیں صورت اول جو سب میں سخت ہے یہ ہے کہ ارادہ ثواب مطلقاً نہ ہو مثلاً ایک شخص لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے اگر تنہا ہو تو نہیں پڑھتا بلکہ بعض اوقات بے وضو بھی لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کا قصد صرف ریا ہی ریا ہے اس لیے خدا کے نزدیک مغضوب ہے اسی طرح اگر کوئی زکوٰۃ لوگوں کی مذمت کے خوف سے دیوے اور نیت ثواب نہ ہو اگر تنہا ہو تو نہ ادا کرے اس کا بھی یہی حال ہے یہ صورت بہت بری ہے دوسری صورت یہ ہے کہ ارادہ ثواب تو ہو مگر ارادہ ضعیف ہو کہ اگر خلوت میں ہوتا تو یہ قصد ثواب اتنا نہ تھا کہ اس کے باعث وہ عمل ضرور کرتا لیکن اگر قصد ثواب مثلاً نہ ہوتا تو قصد ریا ایسا قوی تھا کہ اس کے سبب سے عمل ضرور کرتا تو ایسا شخص بھی پہلی صورت کے قریب قریب ہے اس لیے کہ گو اس کو قصد ثواب ہے مگر ایسا تو نہیں کہ اس کے سبب سے عمل کر سکے تو ایسا قصد ہوا نہ ہوا برابر ہے غرض یہ شخص بھی غضب الٰہی اور گناہ سے خالی نہیں تیسری صورت یہ ہے کہ قصد ثواب اور قصد ریا دونوں مساوی ہوں مثلاً اگر دونوں قصد جمع ہوتے ہیں تو عمل کرتا ہے اور ایک قصد ہو اور ایک نہ ہو تو عمل کی رغبت نہیں کرتا یا مثلاً اس قدر قصد اگر اکیلا ہی اس میں ہوتا تو باعث عمل نہ تھا گو کوئی سا ہوتا تو اس شخص کا حال یہ ہے کہ جتنا اس نے بگاڑا اتنا ہی سنوارا توقع یہ ہے کہ نہ ثواب ہو نہ عذاب یا ثواب اسی قدر ہو جس قدر عذاب ہوا اور ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص بھی نہیں بچے گا چنانچہ اس کو ہم نے باب اخلاص میں لکھا ہے چوتھی صورت یہ ہے کہ قصد ریا ضعیف ہو اور قصد ثواب قوی یعنی لوگوں کے مطلع ہونے سے اس کو نشاط اور سرور کا غلبہ ہو جاتا ہے اور تنہائی میں بھی عبادت کا تارک نہیں ہوتا اور اگر صرف قصد ریا اکیلا ہوتا تو اس عمل کا مرتکب نہ ہوتا تو ایسے شخص کا حال ہمارے گمان میں یہ ہے کہ اصل ثواب باطل نہ ہو گا بلکہ اس میں سے کچھ ناقص ہو جاوے گا یا ریا کی مقدار کے بموجب عذاب ہو گا اور بقدر ثواب کے قصد کے ثواب پاوے گا آگے خدا جانے اور یہ جو حدیث شریف میں ارشاد خداوندی وارد

ہے۔ ح[1] انا اغنی الاغنیاء عن الشرک ط اس سے مراد وہ صورت ہے کہ قصد ریا غالب ہو دوسرا رکن ریا کا وہ اشیا میں جن سے ریا ہوا ہے اور وہ طاعات وعبادات ہیں اور اس رکن کے لحاظ سے ریا کی دو قسمیں ہیں ایک اصول عبادات سے ریا کرنا اور ایک اوصاف عبادات سے ریا کرنا قسم اول ان میں سے بہت بری ہے اور اس کے تین درجہ ہیں درجہ اول یہ ہے کہ اصل ایمان ہی سے ریا منظور ہو اور یہ صورت سب صورتوں سے بری ہے اور الیسار یا والا ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور وہ وہ شخص ہے کہ ظاہر میں کلمہ شہادت کہتا ہے اور باطن میں اس کی تکذیب بھری ہے مگر ریا کی بہت سے ظاہر کا مسلمان بنتا ہے ایسے لوگوں کا حال خدائے تعالیٰ نے چند جا کلام مجید میں ارشاد فرمایا ہے جیسا کہ ایک جگہ ارشاد ہے ت[2] اذا جاءک المنافقون قالوا نشہد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشہد ان المنافقین لکاذبون ط یعنی ان کا قول ان کے باطن کے موافق نہیں اور ایک جگہ فرمایا ت[3] ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوٰۃ الدنیا ویشہد اللہ ان المنافقین لکاذبون ما فی قلبہ وھو الد الخصام واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیہا ویہلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد۔ اور ایک جا فرمایا۔ اذا لقوکم قالوا اٰمنا واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ اور فرمایا یراؤن الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا مذبذبین بین ذٰلک لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء ط اسی طرح ان کی شان میں بہت سی آیتیں ہیں اور نفاق شروع اسلام میں بہت تھا کہ اس وقت بعض لوگ کسی غرض کے لیے ظاہر کے مسلمان بن جاتے تھے اور فی زمانہ یہ بات تو کم ہے مگر اس طرح کے نفاق اب بھی بہت ہیں کہ مثلاً بعض لوگ ملحدوں کے قول پر میل کر کے دوزخ اور جنت اور قیامت کا باطن میں انکار کرتے ہیں یا شریعت واحکام شریعت کو زندوں کے قول کے موجب بالائے طاق سمجھتے ہیں یا کسی اور کفر و بدعت کے معتقد ہوتے ہیں حالانکہ ظاہر میں اس کے خلاف بیان کرتے ہیں تو اس قسم کے لوگ منافق و ریا کار ہیں یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور اس ریا سے بڑھ کر اور کوئی ریا نہیں یہ لوگ کھلے کافروں سے بھی بڑھے ہیں کیونکہ کافر ظاہر کے مخالف اور باطن کے کافر ہیں یہ لوگ ظاہر کے موافق اور بغل کا گھونسا ہیں دوسرا درجہ یہ ہے کہ اصل دین کی تصدیق ہے مگر اصول عبادات سے ریا منظور ہے یہ درجہ بھی خدا کے نزدیک بہت برا ہے گو پہلے درجہ کی نسبت بہت کم ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کا مال دوسرے کے قبضہ میں ہے اس کو کہے کہ میرے مال کی زکوٰۃ دے دو اس خوف سے کہیں وہ شخص مجھ کو برا نہ کہے اور خدا کو معلوم ہے کہ اگر یہ مال اسی شخص کے قبضے میں

ح[1] میں سب بے پرواہوں سے زیادہ بے پرواہوں شرک سے پہلے گذری ۱۲ ت[2] جب آویں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے یہ کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ۱۲ ت[3] اور بعضا آدمی ہے کہ خوش آئے تجھ کو بات اس کی دنیا کی زندگی میں اور گواہ پکڑتا ہے اپنے دل کی بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے اور جب پیٹھ پھیرے دوڑتا پھرے ملک میں کہ اس سے برائی کرے اور ہلاک کرے کھیتیاں اور جانیں اور اللہ خوش نہیں رکھتا فساد کرنا ۱۲ ت[4] اور جب تم میں سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں کاٹ کاٹ کھاتے تم پر انگلیاں دشمنی سے ۱۲ ت[5] دکھاویں لوگوں کو اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تم ادھر کا میں لٹکتے لوگوں کے بیچ نہ ان کی طرف نہ ان کی طرف ۱۲

ہوتا تو ہرگز زکوٰۃ نہ نکالتا یا یہ شخص لوگوں میں موجود ہے اور وقت نماز آگیا تو نماز پڑھ لی حالانکہ عادت یہ ہے کہ خلوت میں نماز نہیں پڑھتا یا رمضان میں روزہ رکھا مگر لوگوں سے علیٰحدگی چاہتا ہے کہ روزہ نہ رکھنا پڑے یا جمعہ کے لیے حاضر ہوتا ہے لیکن اگر خوف لوگوں کے برا کہنے کا نہ ہو تو کبھی نہ آوے یا صلہ رحم یا والدین سے سلوک یا جہاد یا حج صرف لوگوں کے ڈر کے مارے کرتا ہے اپنی رغبت سے نہیں کرتا تو اس طرح کے ریاکار کے ساتھ اصل ایمان قائم ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی کو معبود نہیں جانتا اور اگر کوئی اس سے غیر اللہ کی عبادت یا سجدہ کو کہے تو نہ کرے گا لیکن سستی کے سبب عبادت چھوڑتا ہے اور لوگوں کے سامنے بجالانے سے خوش ہوتا ہے تو لوگوں کے نزدیک اپنی منزلت ہوئی اس کو خدا کے نزدیک منزلت ہونے سے اچھی معلوم ہوتی ہے اور خلق کے برا کہنے کا خوف خدائے تعالیٰ کے عذاب کے ڈر سے اس کے نزدیک زیادہ ہے لوگوں کی تعریف کی رغبت بہ نسبت ثواب الٰہی کی رغبت کے زیادہ سمجھتا ہے تو اس طرح کا اعتقاد نہایت جہل ہے اور ایسا شخص گو اصل ایمان کا معتقد ہے مگر خدا کے غضب میں مبتلا ہونے کے لائق تر ہے تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایمان سے ریا کرے نہ فرائض سے بلکہ نوافل اور مستحبات سے ریا کرے جن کے چھوڑنے سے گناہ گار نہیں ہوتا لیکن اگر تنہا ہو تو ان اشیاء کے ثواب کی ترجیح نہ دے مگر ریا کے مارے ان کو بجالاتا ہے مثلاً نماز جماعت میں شریک ہونا اور بیمار کی عیادت کرنی اور جنازہ کا شریک ہونا اور مردے کا غسل دینا اور رات کو تہجد پڑھنا اور عرفہ اور عاشورہ کا روزہ رکھنا یا دوشنبہ اور پنجشنبہ کا روزہ رکھنا یہ سب باتیں ریاکار لوگوں کی مذمت کے خوف سے اور ان کے اچھا کہنے کی غرض سے کیا کرتا ہے اور خدا خوب جانتا ہے کہ اگر اکیلا ہوتا ہے تو فرائض سے زیادہ کچھ نہ کرتا ہر چند اس درجہ والا بھی برا ہے مگر پہلے کی نسبت کم ہے کیونکہ پہلے شخص نے خلق کی حمد کو خدائے تعالیٰ کی حمد پر ترجیح دی اس بات میں تو یہ شخص بھی شریک ہے لیکن پہلے نے دوسری بات یہ کی کہ خلق کی مذمت سے اپنے آپ کو بچایا تو گویا خلق کی مذمت اس کے نزدیک خدائے تعالیٰ کے عذاب سے بڑھ کر ہے اور چونکہ دوسرے شخص کو باعث نفل ہونے عمل کے چھوڑنے پر عذاب کا خوف نہ تھا اس لیے اس بات میں پہلے کا شریک نہیں اسی بنا پر اس کا عذاب بھی پہلے کی نسبت آدھا ہونا چاہیے یہاں تک حال ریا کا اصول عبادات سے تھا **قسم دوم** اوصاف عبادت سے ریا کرنے کی ہے اس کے بھی تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ تو یہ ہے کہ ایسے فعل میں ریا کرے جس کے چھوڑنے سے نقصان عبادت ہو مثلاً کوئی شخص قصد کرے کہ نماز جلد ادا کر دونگا اور اس غرض سے رکوع اور سجدہ اور قرأت و قیام میں تخفیف کرے مگر جب لوگ دیکھتے ہوں تو رکوع و سجدہ اچھی طرح کرے اور دونوں میں بھی اچھی طرح بیٹھے اور التفات بھی موقوف کرے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا کرتا ہے اپنے رب کی حقارت کرتا ہے یعنی خلوت میں خدا کے مطلع ہونے کی کچھ پروا نہیں کرتا جب آدمی اس پر مطلع ہوتے ہیں تو نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے سامنے چار زانو یا تکیہ لگائے بیٹھا ہے اتنے میں اس دوسرے کا غلام آگیا تو یہ شخص تکیہ پر سے سیدھا ہو گیا ہے یا درستی سے بیٹھ گیا تو اس کی یہ حرکت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے غلام کو آقا پر ترجیح دی اور آقا کی

حقارت کی اسی طرح جو شخص زکوٰۃ میں خراب اور کھوٹا مال یا جنس دینے کا عادی ہے مگر لوگ دیکھتے ہوں تو اچھا مال نکالتا ہے کہ کوئی برا نہ کہے یا روزہ دار مذمت کی ڈر سے روزے میں غیبت اور فحش سے باز رہتا ہے تو اس طرح کا ریا بھی ممنوع ہے اس لیے کہ اس میں ترجیح مخلوق کی خالق پر پائی جاتی ہے مگر جیسا ریا اصل نوافل سے برا تھا ویسی برائی اس میں نہیں اگر ریاکار یہ عذر کرے کہ میں ریا اس جہت سے کرتا ہوں کہ لوگوں کی زبان غیبت پر نہ کھلے کیونکہ وہ مجھ کو جب دیکھیں گے کہ رکوع اور سجدہ بہت جلد کرتا ہے اور ادھر ادھر ملتفت ہے تو ضرور برائی اور غیبت کریں گے پس ان کو گناہ غیبت سے بچانے کے لیے میں ان کے سامنے آہستہ اور وقار کے ساتھ پڑھتا ہوں تو اس کو یوں کہنا چاہیے کہ یہ عذر تیرا شیطان کا فریب ہے واقع میں یوں نہیں نہیں ہے اس لیے کہ نماز ادا کرنی اپنے آقا کی خدمت گذاری ہے اگر اس میں قصور کرے گا تو یہ نقصان غیبت کے نقصان سے بڑھ کر ہے پس اگر تجھ کو باعث ریا دینداری ہی ہوتی تو چاہیے تھا کہ اول اپنے نفس کا خوف زیادہ ہوتا اور اب تیری وہ مثل ہوئی کہ کوئی شخص بادشاہ کے پاس لونڈی پیش کرنی چاہے تا کہ اس کے عوض میں انعام کا مستحق ہو یا کوئی جاگیر مل جاوے مگر لونڈی اندھی بدصورت لیکن تجویز کرے اور اس پر طرہ یہ کہ اگر بادشاہ اکیلا ہو تب تو ان عیبوں کی کچھ پروا نہ کرے اور اگر اس کے پاس اس کا کوئی غلام وغیرہ موجود ہو تو اس غلام کی مذمت کے خوف سے پیش نہ کرے یہ کیسے ہو سکتا ہے بلکہ یوں چاہیے کہ جس شخص کو غلام کا اتنا پاس ہو وہ بادشاہ کا زیادہ تر پاس کرے۔ ہاں غایت مافی الباب ریا کار کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں اول تو یہ کہ ریا سے صرف منزلت اور تعریف کا خواہاں ہو یہ تو قطعاً حرام ہے دوم یہ کہ یوں کہے کہ اگر میں رکوع و سجدہ اچھی طرح ادا کرتا ہوں تو اخلاص کے ساتھ نہیں ہوتا اور اگر ان میں تخفیف کرتا ہوں تو خدا کے نزدیک نماز ناقص ہوتی ہے اور آدمی برائی اور غیبت سے ایذا دیتے ہیں تو اچھی صورت بنانے سے مجھے توقع ثواب تو نہیں مگر لوگوں کی مذمت سے نجات ہو جاتی ہے تو یہ امر اس سے بہتر ہے کہ نماز میں بھی نقصان ہو اور برائی بھی پلے بندھے تو اس میں گو نہ تامل ہے مگر صواب یہی ہے کہ اس صورت میں درستی افعال ساتھ اخلاص کرے اور اگر اس کو اخلاص نہ ہو تو چاہیے کہ تنہائی میں اس کی عادت ڈالے یہ نہیں چاہیے کہ برائی دور کرنے کے لیے خدا کی اطاعت میں ریا بجالاوے کیونکہ اس میں حسب مذکورہ بالا ٹھٹول پایا جاتا ہے درجہ دوم یہ ہے کہ ایسے فعل میں ریا کرے جس کے چھوڑنے سے عبادت میں نقصان نہ ہوتا ہو مگر اس کے کرنے سے عبادت کا کمال اور پورا ہونا مقصود ہو جیسے رکوع و سجدہ اور قیام کو دراز کرنا اور ہاتھ اٹھاتے وقت اچھی ہیئت بنانی اور تکبیر اولی کے لیے سبقت کرنی اور قومہ کو خوب ادا کرنا اور صورت معتاد سے زیادہ پڑھنا یا رمضان کے روز میں زیادت خلوت میں بیٹھنا اور کثرت سکوت سے اختیار کرنا یا زکوٰۃ دینے میں سب سے بہتر مال چھانٹنا یا کفارہ میں بڑی قیمت کا بردہ آزاد کرنا وغیرہ ایسی باتیں کہ اگر تنہا ہوتا تو ایسا نہ کرتا تیسرا درجہ یہ کہ ریا ایسے افعال میں کرے کہ نوافل سے بھی خارج ہوں مثلاً جمعہ میں سب سے پہلے آنا اور اول صف کا قصد کرنا اور امام کے اپنے طرف بیٹھنا وغیرہ

امور کہ جن کی تنہائی میں پروانہ کرتا پس یہ سب اقسام ریا کے بلحاظ امکان ذم کے ہیں ان میں سے بعض صورتیں بہ نسبت بعض کے زیادہ بری ہیں اور بری سب کی سب ہیں۔

تیسرا رکن ریا کا جس کے واسطے ریا ہوتا ہے کیونکہ ریاکار کا کوئی نہ کوئی مطلب ضرور ہوتا ہے خواہ مال کی جہت سے خواہ جاہ کے لیے یا کسی اور غرض کے واسطے ریا کرتا ہے اور اس کے بھی تین درجے ہیں پہلا درجہ جو سب میں غلیظ اور برا ہے یہ ہے کہ ریا سے غرض کسی معصیت پر قابو پانا منظور ہو مثلاً کوئی شخص عبادات اور تقویٰ اور ورع اور کثرت نوافل اور مال مشتبہ کے نہ کھانے سے ریا اس واسطے کرے کہ لوگوں میں امین مشہور ہو کر اوقات یا ادارے وصیت یا یتیموں کے مال یا زکوٰۃ وصدقہ کی تقسیم پر مامور ہو جاوے تو جس شے پر قابو ہو اسی کو رکھ چھوڑے یا کوئی کچھ امانت رکھ دے تو اس کو ہضم کر بیٹھے یا حج کے راستہ میں جو مال تقسیم ہوتا ہے وہ حوالہ ہو جاوے تو اس کے کل خواہ جز کو اڑا لے خواہ اس کے ذریعہ سے اپنے مطالب فاسدہ پورے کرے جیسے بعض آدمی صوفیوں کا لباس پہنتے ہیں اور ظاہر میں بہت گریہ مسکین بنے رہتے ہیں اور کلام خالی وعظ و نصیحت وحکمت سے نہیں کرتے مگر مقصود ان کا یہ ہوتا ہے کہ کوئی عورت یا لڑکا ہم پر فریفتہ ہو جاوے تو اس سے بدکاری کریں اور بعض اوقات علم اور وعظ و قرآن کی مجالس میں آتے ہیں اور ظاہر میں بڑے راغب ان چیزوں کے معلوم ہوتے ہیں مگر اصل غرض ان کی عورتوں اور لڑکوں کو تاکنا ہوتا ہے یا حج کو جاتے ہیں مگر مقصود یہ ہے کہ قافلہ میں کوئی عورت یا لڑکا مل جاوے اس طرح کے ریاکار بہت برے ہیں اس لیے کہ انہوں نے خدا کی طاعت کو وسیلہ معصیت کا بنایا اور اس کی عبادت کو اپنا آلہ اور بضاعت فسق قرار دیا اور اسی فرقہ کے قریب وہ لوگ ہیں جو کسی گناہ کے مرتکب ہوئے۔ اور اس میں تہمت ان کے اوپر لگی تو باوجودیکہ وہ گناہ پر مصر ہیں مگر چاہتے ہیں کہ وہ تہمت اپنے اوپر سے دور ہو جاوے مثلاً کسی شخص نے کسی کی امانت لے کر انکار کر دیا اور لوگوں میں مشہور ومتہم ہو گیا کہ یہ شخص امانت سے منکر ہو گیا تو وہ اس کلنک کے دور کرنے کے لیے مال خیرات کرتا ہے تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ جب یہ اپنا مال دیتا ہے تو دوسرے کا کس طرح رکھ لیا ہوگا اسی طرح اگر کوئی زنا و اغلام میں متہم ہو جاوے تو اس تہمت کو مسکنت اور تقویٰ کے اظہار سے دور کرنا چاہتا ہے پس یہ لوگ بھی پہلے فرقہ کے مانند ہیں گو ان سے کچھ کم ہیں۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ریا سے مقصود دنیا کے لذات میں سے کوئی شے مباح ہو مثلاً کچھ مال کا ملنا خواہ کسی عورت خوبصورت یا شریف کا نکاح میں آجانا وغیرہ جیسے بعض اشخاص اپنا غم اور گریہ ظاہر کرتے ہیں اور وعظ و نصیحت میں مشغول رہتے ہیں اس لیے کہ کوئی کچھ خدمت مال کی کرے یا عورتوں کو رغبت ہم سے نکاح کی ہو تو پھر یا کسی معین عورت سے نکاح کر لیں یا کوئی شریف زادی نکاح میں آجاوے یا جیسے کوئی اسباب کا خواہاں ہو کہ کسی عالم وعابد کی لڑکی سے نکاح کرے تو اس کے سامنے علم اور عبادت ظاہر کرتا ہے تاکہ وہ اپنی لڑکی بیاہ دے تو اس طرح کی صورتیں بھی ممنوع ہیں اس لیے کہ خدا کی طاعت سے لذائذ دنیاوی کا خواہاں ہوتا ہے مگر یہ درجہ اول کی نسبت کم ہے اس لیے کہ اس میں جس چیز کا طالب ہے وہ مباح تو ہے تیسرا درجہ یہ ہے کہ ریا سے نہ کوئی معصیت مقصود ہے نہ مال کا لینا اور نکاح کرنا غرض ہے لیکن اظہار عبادت

اس لیے ہے کہ کوئی حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور یہ نہ جانے کہ یہ شخص بھی مثل عوام کے ہے بلکہ خاص لوگوں اور زاہدوں میں تصور کیا جاوے مثلاً کوئی شخص تیز چلتا ہے اور جب آدمی اس کو دیکھتے ہیں تو رفتار کو خوبی کے ساتھ کرلیتا ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ اہل وقار سے نہیں کچھ ایسا ویسا ہی ہے اسی طرح اگر کسی کو ہنسی آجاتی ہے یا دوسرے سے ہنسی کر بیٹھتا ہے پھر یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں لوگ مجھ کو حقیر نہ جانیں تو اس لیے پیچھے لمبی لمبی سانس لیتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور غم ظاہر کرکے کہتا ہے کہ آدمی کتنا غافل ہے اور خدا کو خوب معلوم ہے کہ اگر یہ شخص تنہا ہوتا تو اس بات کو برا نہ سمجھتا صرف لوگوں میں توقیر بنی رہنے کے لیے حقارت کے ڈر سے ایسا کہتا ہے یا جیسے کوئی شخص اور لوگوں کو تراویح یا تہجد پڑھتے یا دوشنبہ پنجشنبہ کا روزہ رکھتے یا صدقہ دیتے دیکھتا ہے تو آپ بھی ان کا ساتھ دیتا ہے تاکہ لوگ کاہل اور خامی نہ کہیں اور اگر اکیلا ہوتا تو ان باتوں میں سے کچھ بھی نہ کرتا یا مثلاً کوئی عرفہ کے روز یا عاشورا، کو یا حرام مہینوں میں پیاسا ہو تو پانی نہیں پیتا اس خوف سے کہ کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ روزہ دار نہیں جب لوگوں کو گمان اس کے روزہ کا ہوتا ہے تو اسی جہت سے کھانا بھی نہیں کھاتا یا کوئی اگر تواضع کھانے کی ان ایام میں کرے تو نہیں کھاتا تاکہ لوگ جانیں کہ روزہ دار ہے مگر زبان سے صریح نہیں کہتا کہ میرا روزہ نہیں بلکہ یوں کہتا ہے کہ مجھے کچھ عذر ہے اور اس قول میں دو خباثت جمع ہیں ایک تو اس بات کا اظہار کہ روزہ دار ہے دوسرے یہ کہ میں مخلص ہوں ریاکار نہیں اور مجھ کو اس بات سے احتراز ہے کہ اپنی عبادت لوگوں سے بیان کروں کیونکہ منشاء اس قول کا یہی ہوتا ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ اپنی عبادتوں کو مخفی رکھتا ہے پھر بحالت اضطرار نوبت پانی پینے کی پہنچے تو پھر خواہ مخواہ عذر صراحتہً یا کنایتہً پیش کرتا ہے مثلاً کوئی ایسا مرض اپنے آپ کو بتاتا ہے جس میں پیاس بہت لگتی ہے اور مانع صوم ہے یا یہ کہتا کہ میں نے فلاں شخص کی خاطر سے روزہ افطار کردیا اور یہ عذر پانی پینے کے ساتھ ہی نہیں بیان کرتا کہ شاید لوگ سمجھ جاویں کہ فقط ریا کی جہت سے عذر کرتا ہے بلکہ کچھ دم لے کر اور باتوں میں یہ عذر بھی سنا دیتا ہے مثلاً تھوڑی دیر بعد کہتا ہے کہ فلاں شخص بڑا رفیق دوست ہے اس کی کمال رغبت اس میں ہے کہ کوئی اس کا کھانا کھاوے چنانچہ آج مجھ سے بھی اصرار کیا اور مجھے اس کی خاطر داری سے کھانا ہی پڑا یا یوں کہے کہ میری والدہ ماجدہ نہایت ضعیف القلب ہیں انہیں یہی خوف رہتا ہے کہ اگر میں ایک روز بھی روزہ رکھوں گا تو بیمار پڑ جاوں گا اسی لیے مجھے روزہ نہیں رکھنے دیتیں پس اس طرح کی باتیں ریا کی علامتیں ہیں اس طرح کے مذکور جب ہی زبان پر آتے ہیں جب رگ ریا اندر مستحکم ہوتی ہے اور مخلص آدمی کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ لوگ میری طرف کس طرح دیکھتے ہیں اگر اس کا دل روزہ پر راغب نہیں اور خدائے تعالٰی کو بھی اس کا یہ حال معلوم ہے تو وہ یہ نہیں چاہتا کہ جو علم خدا کو ہے اس کے خلاف بندوں کو ہو گو مکر و فریب ہی سے ہو اگر اس کو رغبت روزہ کی ہے تو صرف خدا کا علم اپنے روزہ دار ہونے پر کافی جانتا ہے اور اسی پر قناعت کرکے دوسروں کو اس میں شریک نہیں کرتا اور کبھی عابد کے دل میں یہ خطرہ گذرتا ہے کہ اگر اس عبادت کو ظاہر کروں گا تو لوگ میری اقتداء کریں گے اور اس کی

طرف راغب ہوں گے مگر اس میں شیطان کا فریب ہے چنانچہ اس کا بیان مع شروط آگے آوے گا یہ ہے بیان درجات ریا اور ریا کاروں کا اور سب قسم کے ریاکار غضب الٰہی میں داخل ہیں۔ اور ریا بڑے سخت مہلکات میں سے ہے اور وجہ اس کی زیادہ سخت ہونے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں ایسی آمیزشیں ہیں کہ چیونٹی کی چال سے بھی پوشیدہ تر ہیں چنانچہ حدیث شریف سے ثابت ہوا ہے اسی جہت سے بڑے بڑے عالم اس میں لغزش کھا جاتے ہیں جو لوگ نفس کی آفتوں اور دل کے مہلکات سے ناواقف ہیں ان کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔

چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ریا

واضح ہو کہ ریا کی دو قسمیں ہیں ایک جلی اور ایک خفی ریائے جلی وہ ہے کہ جو آدمی کو باعث عمل کا ہو گو قصد ثواب نہ ہو ایسا ریا سب اقسام سے کھلا زیادہ ہے یعنی یہ جلد سمجھ میں آجاتا ہے ریاکار بھی جان لیتا ہے کہ میں نے ریا کیا اور اس سے ذرا پوشیدہ وہ ریا ہے کہ اگر صرف وہی ریا ہو تو موجب عمل تو نہ ہو لیکن جس عمل کو کہ بقصد ثواب کرتا ہے وہ اس ریا کے سبب آسان معلوم ہوتا ہے مثلاً اگر کسی کی عادت روزمرہ تہجد پڑھنے کی ہے مگر کچھ گرانی اور کسل کے ساتھ ادا کرتا ہے لیکن اگر گھر میں کوئی مہمان ہو تو ادائے تہجد سے خوش دل ہو اور پڑھنا آسان گذرے اور یہ جانے کہ اگر توقع ثواب کی نہ ہوتی تو صرف اس مہمان کے دکھلانے کو نہ پڑھتا تو یہ قسم بہ نسبت سابق کے خفی ہے اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ریا ہے کہ نہ موجب عمل ہو نہ عمل کو آسان کرے اور باوجود اس کے دل کے اندر چھپا ہوا ہو اور چونکہ عمل میں اس کا کوئی اثر نہیں اس لیے اس کا پہچاننا بھی بے علامتوں کے ممکن نہیں اور سب سے کھلی پہچان اس قسم کی یہ ہے کہ اپنے عمل پر آدمیوں کے مطلع ہونے سے خوش ہو مثلاً بہت عابد ایسے ہیں کہ عمل میں اخلاص کرتے ہیں اور ریا کے معتقد نہیں بلکہ اس کو برا جانتے ہیں اور اس سے محترز ہوتے ہیں اور اسی طرح طاعت بجالاتے ہیں لیکن جب اس عمل پر لوگ مطلع ہوتے ہیں تو ان کو سرور اور راحت معلوم ہوتی ہے اور محنت عبادت کا دل پر سے بوجھ سا اتر جاتا ہے تو یہ سرور ریائے خفی پر دلالت کرتا ہے جس سے کہ یہ سرور مترشح ہوا ہے اس لیے کہ اگر دل کا التفات لوگوں کی طرف نہ ہوتا تو ان کے مطلع ہونے سے سرور ہرگز نہ آتا تو معلوم ہوا کہ جیسے آگ پتھر میں پوشیدہ رہتی ہے اسی طرح یہ ریا بھی دل میں پوشیدہ تھا کہ لوگوں کی اطلاع بمنزلہ چقماق ہو گئی اور اس میں سے اثر فرحت و سرور کا ظاہر کر دیا۔ پھر اس اطلاع کے باعث جو سرور ہوا اگر اس کی لذت عابد کو معلوم ہوئی اور اس کا تدارک نفرت سے نہ کیا یہی سرور ریا کی رگ مخفی کے لیے قوت اور غذا ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ رگ خفیہ

خ احمد و طبرانی سے بروایت ابو موسیٰ اشعری اس امر کو منقول کیا ہے ۱۲

نفس پر حرکت کرنے لگتی ہے اور خفیہ تقاضا کرتی ہے کہ کسی طرح کوئی سبب ایسا ہو جاوے کہ تعریض اور کنایہ سے لوگوں کی اطلاع ہو جاوے اگر تصریح کے ساتھ اطلاع کی طالب نہیں ہوتی اور بعض اوقات ایسی خفیہ ہوتی ہیں کہ تعریض اور تصریح کلام سے دونوں سے متقاضی نہیں ہوتی بلکہ عادات و شمائل سے اطلاع کی خواہاں ہوتی ہے مثلاً اظہار لاغری اور زردی رنگ اور پستی آواز اور خشکی لب اور تھوک اور آثار آنسو اور غلبۂ خواب کہ جن سے تہجد گذاری معلوم ہوتی ہے اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ وہ ریا ہے کہ جس میں نہ خواہش اطلاع ہو نہ ظہور طاعت پر سرور مگر باوجود اس کے یہ اچھا معلوم ہوتا ہو کہ جب لوگوں کی نظر پڑے تو وہ اول سلام کریں اور بکشادہ پیشانی اور بتوقیر --- پیش آویں اور ثنا خواں رہیں اور ہمارا کام کرنے میں خوش اور معاملات بیع و شرا میں ہمارے ساتھ رعایت کریں اور مجلس میں ہم کو عمدہ جگہ دیں پس اگر ان امور میں کسی سے کوتاہی ہو جاوے تو دل پر شاق گذرے اور نفس کو نہایت بعید معلوم ہو کہ ایسا کیوں ہوا تو اس صورت میں گویا ان کا نفس اپنی حرمت و تعظیم اسی طاعت پر چاہتا ہے جس کو خفیہ ادا کیا اور اطلاع نہیں کی اور اگر پہلے اس طاعت کو نہ کیا ہوتا تو پھر لوگوں کا اپنے حق میں کوتاہی کرنا بعید نہ معلوم ہوتا غرض چونکہ اس طرح کی عبادت میں صرف خدا کے علم پر قناعت نہیں پائی گئی اس لیے اس میں ایک لگاؤ ریائے خفی کا رہا جو چیونٹی کی چال سے بھی مخفی تر ہے۔

اور عجب نہیں کہ ثواب کو خبط کرے اور اس سے بجز صدیقین کے اور کوئی نہیں بچتا اور ثواب کے باطل ہونے کی سند یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز خدائے تعالیٰ قاریوں سے ارشاد فرماوے گا کہ کیا تمہارے واسطے لوگ نرخ ارزاں نہیں کرتے تھے کیا تم کو پہلے سلام نہیں کرتے تھے کیا تمہاری حاجتیں پوری نہیں کرتے تھے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ[ح] لا اجرلکم قد استوفیتم اجرکم اور عبداللہ بن مبارک رح فرماتے ہیں کہ وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ ایک سیاح درویش نے اپنے یاروں سے کہا کہ بھائیو ہم نے سرکشی کے خوف کے مارے اپنا مال اور زن و فرزند تو چھوڑ دیئے مگر ہم کو یہ خوف ہے کہ جس قدر مالداروں کو مال سے طغیان ہوتا ہے کہیں اس سے زیادہ ہم کو دین سے نہ ہو جاوے دیکھو ہم میں سے اگر کوئی کسی سے ملتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ دینداری کے باعث ہماری تعظیم کرے اور اگر کچھ کام کو کہیں تو ہماری دینداری کے سبب اس کو لازم ہے کہ تعمیل کرے اور اگر کوئی چیز خریدا چاہتا ہے تو یہ اچھا جانتا ہے کہ ہماری دینداری کی جہت سے نرخ میں ارزاں ملے یہ حال وہاں کے بادشاہ کو معلوم ہوا تو اپنے لشکر کو لے کر درویش کی زیارت کو چلا تمام جنگل اور پہاڑ آدمیوں سے بھر گیا درویش نے پوچھا کہ یہ ہجوم کیسا ہے لوگوں نے کہا کہ بادشاہ وقت آپ کی ملاقات کو آیا ہے درویش نے خادم سے کہا کہ کھانا لاؤ وہ ساگ اور زیتون کا تیل اور خرما کے شگوفے لے آیا درویش نے اپنے کلے خوب بھر بھر کر بڑے بڑے لقمے کھانے شروع کیے اتنے میں بادشاہ نے آکر لوگوں سے پوچھا کہ تمہارا

ح تم کو کچھ اجر نہیں ہے تم اپنی مزدوری لے چکے ۱۲

مرشد کہاں ہے انہوں نے درویش کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ہے بادشاہ نے پوچھا کہ تم کیسے ہو اس نے جواب دیا کہ جیسے اور لوگ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے جواب میں کہا کہ خیریت سے ہوں بادشاہ نے کہا کہ اس شخص میں کچھ خیر و برکت نہیں اور یہ کہہ کر لوٹ گیا اور درویش نے کہا کہ الحمد للہ کہ تو مجھ کو برا کہتا پھرا۔ مخلص لوگ ہمیشہ ریائے خفی سے ڈرتے رہتے ہیں اور ان کے واسطے بڑی بڑی کوششیں کرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دے کر اپنے اعمال صالحہ سے ٹال دیتے ہیں اور جس قدر کہ لوگ اپنی برائیاں چھپانے کے حریص ہوتے ہیں اس سے زیادہ وہ لوگ اپنے اعمال صالحہ کی پوشیدگی میں حریص ہوتے ہیں اور یہ سب اسی توقع پر کرتے ہیں کہ ان کے اعمال صالحہ اخلاص کے ساتھ رہیں اور قیامت کو خدائے تعالیٰ اخلاص کے عوض سب مجمع کے سامنے ان کو ثواب عنایت فرما دے کیونکہ ان کو یہ یقین ہے کہ خدا تعالےٰ قیامت میں اعمال خالص قبول فرما دے گا۔ اور ہم لوگ اس روز شدت سے محتاج اور بھوکے ہوں گے اور اس روز ماں اور اولاد اور باپ بھائی کوئی کام نہ آوے گا صدیق کو اپنی ہی پڑی ہوگی نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے دوسروں کو کون پوچھتا ہے اور اس باب میں ان کی مثال ایسی ہے جیسے حج کرنے والے جب مکہ معظمہ کو جاتے ہیں تو اپنے ساتھ کھرا سکہ مغربی لے لیتے ہیں کیونکہ وہاں کے لوگوں میں کھوٹا مال رائج نہیں اور ضروریات کی حاجت ہر جگہ ہوتی ہے اپنا وطن نہیں نہ کوئی دوست آشنا کہ جس کے پاس پناہ لیں بجز اس کے کہ اپنے پاس زر خالص ہو اور کوئی صورت دفع احتیاج کی نہیں ہوتی یہی معاملہ اہل دل کو قیامت میں پیش آوے گا ان کا توشہ جو اس دن کام آوے گا تقویٰ اور اخلاص ہے غرضکہ ریائے خفی کے شوائب بے حد و شمار ہیں جب تک آدمی اپنے دل میں انسان اور حیوان کے مطلع ہونے میں عبادات پر فرق سمجھے گا تب تک اس میں ایک شاخ ریا کی موجود ہے کیونکہ جب آدمی نے بہائم سے قطع طمع کیا تو پھر اس کی پروا نہیں کرتا کہ وہ موجود ہیں یا غائب اس کے حال سے واقف ہیں یا ناواقف پس اگر عمل میں مخلص ہوگا تو خدا کے علم پر قانع ہو کر بندوں میں سے عقلا کو بھی حقیر جانے گا اور ان کی کچھ پروا نہ کرے گا جیسا بچوں اور دیوانوں کی پروا نہیں کرتا اور یہ تصور کرے گا کہ میرا رزق اور موت اور ثواب کا بڑھانا اور عذاب کا کم کرنا کچھ بندوں کے اختیار میں نہیں جیسے کہ بہائم اور بچے اور دیوانے ان اشیا پر اختیار نہیں رکھتے ویسے ہی عاقل شخص بھی ہیں اگر یوں نہ سمجھے گا تو آمیزش ریائے خفی سے خالی نہ ہوگا مگر یہ بات نہیں کہ ہر طرح کی آمیزش سے ثواب باطل ہوتا ہو اور عمل بے کار جاتا ہو بلکہ ان میں تفصیل یہ ہے۔ اب اگر کوئی یوں پوچھے کہ ہم تو کسی کو نہیں دیکھتے کہ اپنی طاعات کی اطلاع سے خوش نہ ہوتا ہو تو سرور کسی طرح کا ہو سب مذموم ہے یا کچھ اچھا ہے اور کچھ برا تو اس کا جواب یہ ہے کہ سرور سب قسم کا برا نہیں ہے بلکہ اس کی پانچ قسمیں ہیں چار قسمیں تو اچھی ہیں اور ایک بری اچھی چار صورتیں یہ ہیں اول یہ کہ عابد کو منظور رہا کہ طاعت مخفی اور با اخلاص رہے مگر جب خلق کو اس پر اطلاع ہو گئی تو اس نے یہ جانا کہ خداوند کریم کو میرے حال پر نظر الطاف اور حسن سلوک منظور ہے کہ گناہوں کو چھپاتا ہے اور طاعت کو اظہار فرماتا ہے اور میں اس کے درپے تھا کہ طاعت و گناہ دونوں

خفیہ رہیں پس اس سے بڑا کون سا لطف ہوگا کہ برائی کی پردہ پوشی کی اور اچھی بات کو ظاہر کر دیا تو اس اعتبار سے کہ خدائے تعالیٰ نے فضل و رحمت کی نظر سے دیکھا عابد کو سرور ہوا نہ اس جہت سے کہ لوگوں نے تعریف کی اور ان کے دلوں میں جگہ ہو گئی اور اس طرح کا سرور اچھا ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ت؎ قل بفضل اللّٰہ برحمتہ فبذلك فلیفرحوا ۵ تو گویا اس سرور کی وجہ یہ ہوئی کہ عابد پر یہ ظاہر ہوا کہ میں خدا کے نزدیک مقبول ہوں دوسری صورت یہ ہے کہ یہ تصور کرے کہ جیسا خدا تعالیٰ نے دنیا میں میرے گناہ چھپائے اور نیکی ظاہر کی اسی طرح قیامت میں بھی کرے گا چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے ت؎ ما ستر اللّٰہ علی عبد ذنباً فی الدنیا الا سترہ علیہ فی الآخرۃ تو یہ سرور اس وجہ سے ہوا کہ زمانۂ آئندہ میں مقبول متصور ہوگا تیسری صورت یہ ہے کہ اس طاعت کے ظاہر ہونے سے یہ گمان کرے کہ لوگ اس بات میں میری اقتدا کریں گے اور اسی طرح کی طاعت بجا لاویں گے تو مجھ کو اس کا ثواب بڑھتا جاوے گا کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص کوئی امر خیر کرتا ہے اور لوگ اس کی اقتدا کرتے ہیں تو اس کو ان کے برابر ثواب ملتا جاتا ہے اور ان کے ثواب میں سے کچھ کم نہیں کیا جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ ثواب بڑھنے کی توقع قابل سرور کے ہے نفع کا ہوتا بے شک لذیذ اور موجب سرور ہوا کرتا ہے تو اس کو قصد اخفا کا بھی ثواب ملے گا اور اب ظاہر ہونے سے بھی ثواب کا استحقاق ہوا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کی طاعت پر مطلع ہو کر اس کی تعریف کی تو یہ اس وجہ سے خوش ہوا کہ انہوں نے مدح کرنے میں خدا کی مرضی کے موافق کام کیا کہ اس کے مطیع کو محبوب جانا معلوم ہوا کہ ان کے دل مائل بطاعت ہیں ورنہ بعضے ایمان والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب اہل طاعت کو دیکھتے ہیں تو اس کی حسد و مذمت کرتے ہیں اور بغض رکھتے ہیں اور اس سے تمسخر کرتے ہیں ریاکار بتاتے ہیں اچھا کبھی نہیں کہتے تو اس کا سرور اسی وجہ سے ہے کہ تعریف کرنے سے لوگوں کا حال معلوم ہوا کہ ان کا ایمان درست ہے اور اس صورت میں اخلاص عابد کی علامت یہ ہے کہ اگر لوگ کسی دوسرے عابد کی تعریف کریں تو اس کی تعریف سے بھی اتنا ہی خوش ہو جتنا اپنی تعریف سے ہوتا ہے اور قسم مذموم یعنی پانچویں صورت سرور کی یہ ہے کہ سرور اس خیال سے ہو کہ لوگوں کے دلوں میں منزلت ہو گئی کہ تعریف اور تعظیم کرنے لگے اور نشست و برخاست میں مجھ کو مقدم سمجھنے لگے اور میرے حاجات میں کام آنے لگے تو یہ صورت سرور کی مکروہ ہے واللّٰہ اعلم

۵۔ خفی اور جلی ریا میں باطل صورتیں

جاننا چاہیے کہ جب

ت؎ کہ اللّٰہ کے فضل سے اور اس کی مہر سے سو اسی پر چاہیے خوشی کریں ۱۲ ح؎ نہیں چھپاتا ہے اللّٰہ کسی سے بندے پر کوئی گناہ دنیا میں مگر یہ کہ پوشیدہ رکھتا ہے اس کو آخرت میں ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲

بندہ کسی عبادت کو اخلاص سے ادا کرتا ہے اور پھر اس میں ریا آجاتا ہے تو تین حال سے خالی نہیں یہ یا اس عمل سے فراغت ہونے کے بعد آتا ہے یا قبل فارغ ہونے کے یا اس کے ساتھ ہی پس اگر بعد فراغ صرف سرور اس عمل کے ظاہر ہونے کا ہے بدون خود ظاہر کرنے کے تو یہ سرور مفسد عمل نہیں اس لیے کہ عمل تو اخلاص پر بدون ریا کے پورا ہو چکا اب جو ریا بعد کو ہوگا تو توقع ہے کہ اس کا اثر عمل پر نہ پہنچے گا خصوص ایسی صورت میں کہ عامل نے اس کے ظاہر کرنے میں تکلف نہ کیا ہو نہ کسی سے کہا ہو نہ تمنا اس کی ظاہر ہووے ذکر کرنے کی۔ بلکہ اتفاقی خدائے تعالےٰ کے ظاہر کرنے سے ظاہر ہو گیا ہو اور اس سبب سے اس کے دل پر سوائے سرور محض اور کچھ اثر نہ ہوا ہو۔ ہاں اگر بدون قصد ریا عمل اخلاص پر تمام ہوا ہو لیکن پھر عابد کو رغبت اس کے اظہار کی ہوئی اور لوگوں سے کہہ دیا اور ظاہر کر دیا تو یہ صورت خوف کی ہے اور اخبار و آثار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مبطل بھی ہے چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے جب کسی شخص کو کہتے سنا کہ میں نے کل رات سورۂ بقرہ پڑھی تھی تو فرمایا کہ اس شخص کا حصہ اس میں سے یہی تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ایک شخص نے عرض کیا کہ میں نے تمام عمر روزہ رکھا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تو نے نہ روزہ ہی رکھا نہ افطار ہی کیا تو بعض لوگ اس ارشاد کی وجہ یہی بتاتے ہیں کہ اس نے ظاہر کر دیا اور بعض یہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام عمر کا روزہ رکھنا مکروہ ہے بہرصورت یہ احتمال ہے کہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابن مسعودؓ کا اس بات پر دال ہو کہ اس شخص کا دل عبادت کے وقت نیت ریا سے خالی نہ تھا جس کے باعث اس نے کہہ کر ظاہر کر دیا اور نہ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ جو چیز بعد عمل کے پائی جاوے اس سے ثواب عمل جاتا رہے بلکہ قیاس کی رو سے یہ چاہیے کہ جو عمل کر چکا اس کا ثواب پاوے اور بعد فراغت جو اس عمل سے نمود کی اس کا عذاب اس کو ملے۔ بخلاف اس صورت کے کہ نماز یا عمل سے فارغ ہونے کے پیشتر ہی اس کی نیت ریا کی طرف مائل ہو گئی ہو کہ اس صورت میں البتہ ابطال نماز خواہ عمل ہو سکتا ہے لیکن جب عمل کو اخلاص کے ساتھ ادا کیا مگر اثنائے ادا میں کچھ ریا بھی ہو گیا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو صرف سرور ہی ہو جو عمل میں کچھ تاثیر نہیں کرتا یا ایسا ریا ہو جس کے باعث اس عمل کو پورا کیا جاتا ہے پس اگر دوسری قسم کا ہے تو ثواب باطل ہو جاوے گا مثلاً ایک شخص نفل ادا کرتا ہے اس وقت اس کے پاس تماشائیوں کا گذر ہوا یا کوئی بادشاہ چلا آیا اور اس کو خواہش ہوئی کہ میری طرف دیکھے یا اثناء نماز میں کوئی چیز اپنے مال میں سے یاد آئی جس کو بھولا ہوا تھا اور اس کی تلاش کی خواہش کی اور اگر آدمی نہ ہوتے تو نماز توڑ کر اس کو ڈھونڈھتا لیکن ان کی مذمت کے خوف سے نماز پوری کی تو ایسی صورت میں ثواب باطل ہو گیا اور یہ حال اگر فرض میں واقع ہو تو ایسے فرض کو از سر نو ادا

خ مسلم نے بروایت ابو قتادہ اور طبرانی نے بروایت اسماء بنت یزید نقل کیا ہے کہ صائم الدہر نے نہ روزہ رکھا نہ افطار کیا یہ صیغہ خطاب کہیں نشان نہیں ملا ۱۲

کرنا چاہیے اور حدیث شریف میں ہے کہ[۱] العمل کالوعاء اذا طاب آخرہ طاب اولہ؎ یعنی خاتمہ تک کا لحاظ ضروری ہے اور ایک روایت میں[۲] ہے کہ جو کوئی اپنے عمل سے ایک ساعت ریا کرے گا اس کے عمل پیشتر کے باطل ہو جاویں گے اور یہ روایت اس صورت میں نماز کے باب میں وارد ہے صدقہ اور قرأت پر صادق نہیں اس لیے کہ صدقہ اور قرأت کی ہر ہر چیز ایک شے علیحدہ ہے جس حصہ پر ریا واقع ہو گا اس میں کا باقی خراب ہو جاوے گا مگر گذشتہ باطل نہیں اور روزہ اور حج مثل نماز کے ہیں اور اگر ریا ایسی طرح آیا ہے کہ ثواب کے عمل کے پورا کرنے کا مانع نہیں مثلاً اثنائے نماز میں کچھ لوگ آئے اور یہ ان کے آنے سے خوش ہوا اور ان کے دیکھنے کے باعث نماز کو درستی سے ادا کرنے کا قصد کیا اور اگر لوگ نہ آتے تب بھی نماز کو پورا کرتا اس صورت میں ریائے عمل میں اثر کیا کہ باعث حسن حرکات نماز کا ہوا لیکن یہ اثر اگر اتنا غالب ہو جاوے کہ اس کے غلبہ میں اس عمل کا عبادت ہونا اور نیت ثواب پر ادا کرنا معلوم نہ ہو بلکہ قصد عبادت و ثواب اس قصد ریا میں چھپ جاوے تو اس قسم کا ریا بھی مفسد عبادت ہے بشرطیکہ عبادت کا کوئی رکن اسی حال پر ادا ہو جاوے اس واسطے کہ نیت سابقہ جو شروع کے وقت کی تھی اس میں ہمارے نزدیک یہ شرط ہے کہ کوئی نیت ایسی نہ پیش آوے جو اس پر غالب ہو کر اس کو چھپاوے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ عبادت فاسد نہ ہو اس لیے کہ پہلی نیت اور اصل قصد ثواب باقی ہے گو کسی دوسرے قصد کے ہجوم سے ضعیف ہو گیا ہو۔ اور حارث محاسبیؒ عبادت کا فاسد ہونا ایسے امر میں تجویز کرتے ہیں کہ وہ اس سے بھی سہل ہے ان کا قول یہ ہے کہ جب عابد نے لوگوں کی اطلاع سے صرف سرور کا قصد کیا یعنی ایسا سرور جو مثل محبت جاہ منزلت کے ہوتا ہے تو اس باب میں لوگوں کا اختلاف ہے ایک گروہ تو اس طرف ہے کہ اس سے عمل باطل ہو گیا اس واسطے کہ اس نے پہلے قصد یعنی اخلاص کو توڑ کر مخلوق کی حمد کی طرف میلان کیا اور عمل کو اخلاص پر پورا نہ کیا عمل کی تمامی خاتمے ہی سے ہوتی ہے پھر حارث فرماتے ہیں کہ میں نہ تو قطعی اس عمل کو باطل کہتا ہوں اور نہ باطل ہونے سے مامون ہوں لوگوں کا اختلاف اس باب میں مجھے پہلے سے معلوم ہے مگر میرے نزدیک ترجیح اس کو ہے کہ اگر عمل کو ریا پر تمام کیا ہے تو عمل باطل ہے اور اگر کوئی کہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ دو رکعتوں میں سے جب اول خدا کے واسطے ہو گئی تو ضرر نہ کرے گی اور ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں عمل خفیہ کرتا ہوں اور یہ نہیں چاہتا کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو مگر ان کو اطلاع ہو جاتی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھ کو دو ثواب ملیں گے ایک خفیہ دوسرا اعلانیہ تو معلوم کرنا چاہیے کہ حضرت

؎ عمل مثل برتن کے جب اس کا آخر اچھا ہو گا تو اول بھی اچھا ہو گا ۱۲ [۱] ابن ماجہ بروایت معاویہ بن ابی سفیان بلفظ دیگر ۱۲ [۲] ان لفظوں سے اس کی سند نہیں ملی ۱۲

حسن بصری رحمۃ اللہ کی مراد ضرر سے یہ ہے کہ خطرہ مضر ہے اور مفسد عمل کا نہیں جب کسی طور کا خطرہ آجاوے تو اس سے عمل کو ترک نہ کرے انہوں نے یوں نہیں فرمایا کہ اگر بعد عقد اخلاص کے عقد ریا ہو گا تب بھی ضرر نہیں کرے گا اور حدیث کی تاویل میں حارث نے بڑی تقریر بیان کی ہے جس کا حاصل تین وجہوں کی طرف رجوع کرتا ہے اول یہ کہ حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ عمل سے فارغ ہونے کے پیشتر سائل کو سرور ہوتا تھا تو احتمال ہے کہ بعد فراغت سرور ہوتا ہو۔ دوسری یہ کہ سرور سے مراد وہ سرور ہے جو شرعاً محمود اور عمدہ ہے جس کا بیان اوپر گذرا محبت تعریف و منزلت کا سرور مراد نہیں اس لیے کہ سرور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب کا ارشاد فرمایا ہے اور محب محمدت کے سرور پر کسی فرقہ کے نزدیک ثواب ہوا اور ریا کار کو دو ہوں۔ تیسری یہ کہ راویان حدیث حضرت ابو ہریرہؓ تک متصل نہیں ہیں اکثر ان میں سے اس حدیث کو ابو صالح پر موقوف کہتے ہیں گو بعض مرفوع بھی بتلاتے ہیں نظر بریں عام حدیثیں جو ریا میں وارد ہیں انہیں پر عمل کرنا بہتر ہے یہ قول حارث کا ہے غرضکہ انہوں نے یقینی حکم نہیں لکھا بلکہ اپنا غلبہ ظن عمل کے باطل ہونے پر ظاہر کیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک قرین قیاس یہ ہے کہ اس مقدار کا سرور کہ جس کی تاثیر عمل میں نہ ہو بلکہ عمل تو صرف دین ہی کے باعث صادر ہوا اور سرور محض اطلاع کے سبب ہو گیا ہو مفسد عمل نہیں کیونکہ ان کی جہت سے اصل نیت منعدم نہیں ہوئی اور وہی نیت عمل پر باعث رہی اور اسی کے سبب عمل تمام ہوا اور جو اخبار کہ ریا کے باب میں وارد ہیں وہ اسی صورت میں ہیں کہ عمل سے صرف مخلوق ہی کا قصد کیا ہو اور جو شرکت میں وارد ہیں ان سے یہ مراد ہے کہ قصد ریا مساوی قصد ثواب کے یا اس سے غالب ہو مگر جس صورت میں کہ قصد یا ضعیف ہو تو ثواب صدقہ اور تمام اعمال کا بالکلیہ باطل نہیں ہوتا اور نہ نماز میں فساد آنا چاہیے لیکن اس میں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ عابد پر نماز خالص لوجہ اللہ واجب ہوئی تھی اور خالص اس کو کہتے ہیں جس میں کسی طرح کی آمیزش نہ ہو پس اس قسم کے ریا کی آمیزش ہو گی تو جو امر واجب تھا وہ ادا نہ ہو گا واللہ اعلم اور باب الاخلاص میں ہم نے یہاں سے زیادہ تقریر لکھی جس کو منظور ہو وہ وہاں دیکھ لے یہ حال اس ریا کا تھا جو بعد نیت عبادت خواہ قبل فراغ یا بعد فراغ عارض ہو۔ اب تیسری قسم کو سننا چاہیے یعنی جس میں عین نیت عبادت کے ساتھ ہی قصد ریا کا ہو پس اگر سلام پھیرنے تک اسی قصد پر جارہے گا تو اس نماز کا کچھ اعتبار نہیں سب کے نزدیک اس کو قضا کرنا چاہیے اور اگر عین نماز پڑھنے میں تمام ہونے سے پہلے نادم ہو کر استغفار کرے گا اور حالت اصلی پر رجوع کرے گا تو ایسی صورت میں تین قول ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس شخص نے بقصد ریا نماز کو شروع کیا تھا اس لیے وہ منعقد ہی نہیں ہوئی تھی تو از سر نو نیت کرنی چاہیے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کے افعال صحیح نہیں ہوئے اصل

ح- بیہقی در شعب بروایت ذکوان عن ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ترمذی نے بھی یہ مضمون اور طرح پر روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث غریب ہے ۱۲

نیت نماز کی باقی ہے اس لیے جتنے رکوع اور سجدے کیے ہیں ان کو دوبارہ ادا کرنا چاہیے کیونکہ نیت تحریمہ ایک عقد ہے اور ریا ایک خاطر قلبی کا نام ہے کہ اس سے اصل نیت کا عقد ہونا معدوم نہیں ہوتا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو کسی چیز کا دوبارہ ادا کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے دل میں استغفار کر کے عبادت کو اخلاص پر تمام کرے اس لیے کہ اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے اگر اخلاص سے شروع کرتا اور ریا پر تمام کرتا تو عمل باطل ہو جاتا تھا اسی طرح یہاں اس کا عکس ہے کہ ریا سے شروع کیا اور اخلاص پر تمام تو باطل پر نہ ہونا چاہیے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ سفید کپڑے پر نجاست عارضی لگ جاوے جب وہ نجاست عارضی دور کی جاوے گی پھر حالت اصل پر عود کرے گا اور چونکہ نماز میں رکوع و سجدہ غیر اللہ کے لیے نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اگر غیر کے واسطے سجدہ کرے گا تو کافر ہو جاوے گا بلکہ اس واسطے ایک ریائے عارضی آگیا تھا جو توبہ اور ندامت سے جاتا رہا اور ایسے حال میں ہو گیا کہ اب لوگوں کی تعریف و ندامت کی کچھ پروا نہیں تو اسی وجہ سے نماز درست ہوئی۔ اور ہمارے نزدیک یہ دونوں پچھلے قول و قیاس فقہی کے قطعاً مخالف ہیں خاص کر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف رکوع اور سجدوں کو اعادہ کرنا چاہیے تکبیر تحریمہ کی از سرے نو کرنے کی کچھ ضرورت نہیں اس واسطے کہ اگر مثلاً رکوع اور سجدہ درست نہیں ہوا تو نماز میں افعال زائد ہو گیے جو مفسد نماز ہیں پھر نماز کا نہ فاسد ہونا کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اخلاص پر تمامی نماز کی ہوئی تو بلحاظ خاتمہ کے نماز صحیح ہونی چاہیے یہ بھی ضعیف ہے اس واسطے کہ ریا نیت کا مخل ہے اور احکام نیت کی مراعات شروع نماز میں بطریق اولیٰ چاہیے پس جو صورت کہ بموجب قیاس فقہ درست ہو یہ ہے کہ اگر باعث اس عبادت کا صرف ریا ہے طلب ثواب سے کچھ غرض نہیں نہ اطاعت امر الٰہی سے سروکار تو اس صورت میں شروع تحریمہ ہی ٹھیک نہیں ہوا اس کے بعد جو افعال کرے گا وہ بھی درست نہ ہوں گے مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص اگر اکیلا ہوتا تو نماز نہ پڑھتا مگر جب لوگوں کو دیکھا تو نیت باندھ لی یا یہ کہ اس کے کپڑے نجس ہیں مگر لوگوں کے خوف سے نماز میں کھڑا ہو گیا تو یہ ایسی نماز ہے کہ اس میں نیت ہی نہیں کیونکہ نیت تو اس کا نام ہے کہ بباعث دین کے حکم کو مانتے یہاں نہ باعث ہی ہے نہ قبول کرنا حکم کا پایا جاتا ہے ہاں اگر ایسی صورت ہو کہ لوگ نہ ہوتے تب بھی نماز تو پڑھتا مگر ان کے ہونے پر رغبت ان کے اچھا کہنے کی بھی ہو گئی تو یہاں دو باعث جمع ہوتے ہیں پس اگر ایسی صورت صدقہ اور تلاوت وغیرہ امور میں ہو جن میں تحریم اور تحلیل نہیں تب تو اس نے باعث ریا کے اطاعت سے نافرمانی کی اور باعث ثواب کے اطاعت سے فرمان پذیری کی اور فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ[1] واقع ہے تو اسی لیے جس قدر اس کی نیت صحیح ہو گی اس قدر ثواب پاوے گا اور جس قدر نیت فاسد ہو گی اسی قدر عذاب اور ایک کے ہونے سے دوسری بے کار نہ ہو گی اور ایسی صورت نماز میں واقع ہو گی جو نیت کے خلل پڑنے

---

[1] تو جنے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا ۱۲

سے فاسد ہو جاتی ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں یا نفل میں ہوگی یا فرض میں نفل کا حال تو صدقہ کا سا ہے کہ ایک وجہ سے اطاعت اور ایک وجہ سے نافرمانی پائی جاتی ہے اس لیے کہ اس کے دل میں دو باعث موجود ہیں اور یہ کہہ نہیں سکتے کہ اس کی نماز درست نہیں اور نہ اس کا اقتدا درست ہے مثلاً کسی شخص نے نماز تراویح ادا کی اور قرائن حال سے معلوم ہوا کہ اس کا قصد صرف حسن قرأت ظاہر کرنے کے لیے تھا اگر لوگ جمع نہ ہوتے اور یہ شخص اپنے گھر میں اکیلا ہوتا تو تراویح نہ پڑھتا تو نہیں کہہ سکتے کہ ایسے کے پیچھے نماز پڑھنی درست نہیں اس لیے کہ ایسا گمان کرنا بعید ہے بلکہ مسلمان پر تو یہی گمان ہوگا کہ یہ نماز نفل سے قصد ثواب رکھتا ہے اور اسی قصد کے اعتبار سے اس کی نماز بھی صحیح ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی بھی درست ہے گو قصد ثواب کے ساتھ کوئی اور قصد بھی ہو جس کے سبب اس کو گناہ ہوا ہو۔ اور اگر دو باعث نماز فرض میں جمع ہوں اور دونوں باعث جدا جدا مستقل نہ ہوں بلکہ دونوں مل کر باعث عبادت ہوئے ہوں تو اس صورت میں واجب اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا کیونکہ باعث وجوب کا اس کے حق میں خالی اور بطور مستقل نہیں پایا گیا اور اگر ہر ایک باعث مستقل ہو یعنی مثلاً اگر باعث ریا نہ ہوتا تب بھی فرض ادا کرتا اور اگر باعث فرض نہ ہوتا تو ریا کے لیے نفل ادا کرتا یہ صورت محل تامل ہے اور اسمیں کئی احتمال ہیں ایک احتمال تو عدم جواز کا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اس کے ذمہ واجب نماز خالص لوجہ اللہ تھی لیکن واجب خالص کا ارادہ نہیں کیا اور ایک احتمال جواز ہے یعنی یہ کہیں کہ واجب امتثال امر ایک باعث مستقل سے ہے اور وہ یہاں موجود ہے دوسرے باعث کا اس میں بلحاظ اس کے ذمہ سے سقوط فرض کا مانع نہیں جیسے اگر نماز غصب کے گھر میں پڑھائے کہ اس صورت میں البتہ اس بات کا گناہ ہے کہ غصب کے گھر میں پڑھی مگر چونکہ اصل نماز پڑھنے میں اطاعت پائی گئی اسی لیے فرض ذمہ سے ساقط ہوا غرضکہ اصل نماز کے اگر باعث مختلف ہوں گے تو اس میں احتمال بھی مختلف ہوں گے لیکن جس صورت میں کہ اصل نماز میں تو ریا نہ ہو صرف مبادرت میں ہو مثلاً کوئی شخص نماز جماعت کے واسطے اول بسقت کرے اور اگر اکیلا ہوتا تو اول وقت نہ پڑھتا اوسط وقت تک تاخیر کرتا یا اگر فرض نہ ہوتی تو صرف ریا کی جہت سے نماز کی ابتدا نہ کرتا تو ایسی صورت میں یقیناً نماز صحیح ہے اور فرض ذمہ بر نہیں رہتا کیونکہ جو باعث اصل نماز کے ادا کا ہے اس میں کوئی دوسری چیز مخالف نہیں بلکہ وقت کے تعیین میں قصد ریا واقع ہوا اس سے نیت اصل نماز میں خلل واقع ہونا بہت بعید ہے یہ اس ریا کا حکم ہے جو عمل کا باعث ہوا کرتا ہے لیکن سرور محض لوگوں کے مطلع ہونے سے جب تک اس کی تاثیر اتنی نہ ہوگی کہ عمل میں اثر کر جاوے تو اس سے نماز کا فاسد ہونا خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔ یہ بیان ہمارے نزدیک قانون فقہ کے موافق معلوم ہوتا ہے اور مسئلہ واقع میں دقیق ہے اس واسطے کہ فقہائے تو فقہ میں اس کو کچھ لکھا نہیں اور جن لوگوں نے اس میں خوض کر کے کچھ تصرف کیا ہے انہوں نے صحت و فساد نماز میں قوانین فقہ اور فقہا کے اقوال کا لحاظ نہیں کیا بلکہ تصفیہ قلوب اور طلب اخلاص

کے سبب ادنیٰ خطروں سے عبادتوں کا فاسد ہونا لکھ دیا اور ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہماری دانست میں قول فیصل ہے واللہ اعلم۔

۶ ریا کے وقت دل کا علاج

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ریا بری مہلک چیز ہے اس سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں خدا کے نزدیک سبب غصہ کا ہوتا ہے تو جس چیز کا حال ایسا ہو اس کے دور کرنے کے لیے مستعد ہونا مناسب و ضروری ہے اگرچہ کتنا ہی مجاہدہ اور مشقت پڑے اس لیے کہ مثل مشہور ہے ع کہ دار وے تلخ است دفع مرض را۔

اور یہ ایسا مجاہدہ ہے کہ سب بندوں کو اس کی حاجت ہوتی ہے کیونکہ لڑکا شروع میں عقل و تمیز کم رکھتا ہے ویسا ہی خود بھی کرنے کی طمع رکھتا ہے جیسا وہ لوگوں کو دیکھتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے واسطے تصنع اور بناوٹ کرتے ہیں تو اس کے دل میں اس تکلیف کی محبت غلبہ پا کر مستحکم ہو جاتی ہے اور اس بناوٹ کا مہلک ہونا اس کو جب معلوم ہوتا ہے جب عقل کمال کو پہنچتی ہے مگر اس وقت تک ریا اس کے دل میں ریشہ دوانی کر چکی ہے اس لیے بدون محنت شاقہ اور مجاہدہ شدیدہ کے اس کا قلع قمع نہیں کر سکتا غرضکہ اس مجاہدہ سے کوئی شخص خالی نہیں سب کو اس کی احتیاج ہے اور یہ اول اول شاق معلوم ہوتا ہے اور آخر کو خفیف و آسان ہو جاتا ہے اور اس کے علاج کی دو صورتیں ہیں اول تو یہ کہ اس کے اصول اور عروق کی بیخ کنی کی جاوے جن سے کہ وہ پیدا ہو جاتا ہے دوسری صورت یہ کہ ریا سے جو سردست خطرہ ہوتا ہے اس کو دور کیا جاوے صورت اول یعنی بیخ کنی ریا کے اصول و اسباب کی وہ اس بات پر موقوف ہے کہ اس کے اصول و اسباب معلوم ہو دیں پس جاننا چاہیے کہ اصل ریا کی محبت جاہ منزلت کی ہے اور اگر اس کو مفصل بیان کیا جاوے تو تین اصل نکلتی ہیں اول لذت تعریف کی محبت دوم رنج مذمت کی نفرت سوم طمع لوگوں کے قبضہ میں کی چیزوں کی یہی چیزیں سبب ریا کا ہوتی ہیں اور ریا کار کو ابھارتی ہیں چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث اس کی شاہد ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آدمی حمیت کے واسطے اور اپنے رتبہ کے معلوم کرانے کے واسطے اور ذکر کے واسطے لڑتا ہے حمیت کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اس بات کی غیرت آتی ہے کہ خود مغلوب ہو جاوے یا کوئی دوسرا مغلوب ہونے سے اس کو برا کہے اور رتبہ کے معلوم کرانے سے غرض یہ ہے کہ لذت جاہ اور دلوں میں جگہ کرنے کی طلب کرتا ہے اور ذکر سے مراد زبانی تعریف کی خواہش ہے یعنی جہاد ان تین غرضوں سے ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ا بخاری و مسلم نے نقل کی ہے ۱۲

ح۔ من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ ط اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب دونوں صفیں جہاد میں بھڑتی ہیں فرشتے اترتے ہیں اور لوگوں کو ان کے مراتب کے موجب لکھتے ہیں کہ فلاں شخص ذکر کے واسطے جہاد کرتا ہے اور فلاں شخص ملک کے لیے لڑتا ہے ملک کے لیے لڑنے میں اشارہ طمع دنیاوی پر ہے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ فلاں شخص شہید ہے اور شاید اس نے اپنے زین کی دونوں ھتلیاں چاندی سے بھری ہوں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من غزالا یبتغی الا عقالا فلہ ما نوی ط اس سے بھی اشارہ طمع کی طرف پایا جاتا ہے اور بعض اوقات آدمی کو خواہش حمد اور طمع نہیں ہوتی مگر رنج مذمت سے بچتا ہے مثلاً کوئی بخیل اگر سخی لوگوں میں ہو جو بہت بہت مال خیرات کر رہے ہوں وہ بھی کچھ تھوڑا سا دے دیتا ہے تاکہ کوئی بخیل نہ کہے اس کو حمد کی طمع نہیں ہے اس واسطے کہ اس سے بڑھ کر لوگ ہیں پس مذمت کے خوف سے اتنا دیتا ہے یا کوئی نامرد بہادروں میں ہو تو جماعت سے بھاگتا نہیں تاکہ کوئی برا نہ کہے اور حمد کی طمع کرتا نہیں کیونکہ حملہ کرنے والے تو اور لوگ ہیں لیکن جب حمد سے مایوس ہوا تو مذمت ہی کو برا سمجھا یا کوئی شخص ایک جماعت میں ہے جو رات بھر نماز پڑھیں تو وہ بھی تھوڑی سی رکعتیں پڑھ لیتا ہے کہ کوئی کاہل نہ کہے حالانکہ حمد کی طمع نہیں بعض اوقات آدمی لذت حمد پر تو صبر کر سکتا ہے مگر مذمت کے رنج پر صبر نہیں کر سکتا اسی جہت سے بعض شخص بے علم فتویٰ دیتے ہیں اور باوجود حاجت کے دوسرے سے نہیں پوچھتے اور دعویٰ حدیث دانی کا کرتے ہیں حالانکہ خاک نہیں جانتے یہ سب اسی لیے ہے کہ کوئی جاہل نہ کہے اس کی برداشت ان سے نہیں ہو سکتی غرضکہ یہی تین امور مذکورۂ بالا ریاکار کو باعث ریا ہوتے ہیں اور اسکا علاج اس باب کے قسم اول میں مجملاً ذکر ہو چکا ہے اب ہم ذکر اس علاج کا کرتے ہیں جو ریا کے لیے مخصوص ہے مخفی نہ رہے کہ انسان جو کسی شے کی خواہش کرتا ہے تو یہ گمان کر لیتا ہے کہ وہ شے اس کے لیے حال میں یا مآل میں بہتر اور مفید لذیذ ہے پس اگر اس کو یہ معلوم ہو جاوے کہ گو سردست اس شے میں لذت ہے مگر آگے کو نقصان ہوگا تو اس پر اس شے کی رغبت نہ کرنی سہل ہو جاتی مثلاً کسی شخص کو معلوم ہے کہ شہد مزہ دار ہے تو اس کی رغبت کرتا ہے مگر جب یہ جان لے کہ اس میں زہر ملا ہے تو پھر اس کی طرف رغبت نہ کرے گا اسی طرح ریا کی رغبت کے علیحدہ کرنے کا یہ طریق ہے کہ اس کی مضرت کو پہچاننا چاہیے جب بندہ کو اس کا ضرر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سبب دل کی صلاحیت جاتی رہتی ہے اور دنیا میں توفیق اور آخرت میں منزلت سے محروم ہوتا ہے اور نہایت غصہ اور عذاب شدید کا مستحق ہوتا ہے اور قیامت میں کھلی رسوائی ہو گی جب پکارا جاوے

ح جو شخص لڑے اس لیے کہ کلمۃ اللہ کا برتر ہو تو وہ خدا کی راہ میں ہے ح جو شخص لڑنے سے نہ چاہتا ہو مگر رسی اونٹوں باندھنے کی یعنی مواشی کی طمع پر جہاد کرے تو اس کے لیے وہ چیز ہے جو نیت کرے ۱۲ نسائی کی حدیث ہے۔

گا اور بدکار اور مکار اور ریا کار تجھے شرم نہ آئی کہ خدا کی طاعت کے بدلے دنیا کا اسباب مول لیا بندوں کے دلوں کی حفاظت اور خدا کی عبادت سے استہزا کیا بندوں کے نزدیک محبوب بنا اور خدا کے نزدیک مبغوض ان کے واسطے آرایش میں رہا اور خدا کے لیے آلایش میں ان کے پاس ہوتا گیا اور خدا سے دور ان کے نزدیک محمود بنا اور خدا کے نزدیک مردود ان کی رضا کا طالب ہوا اور خدا کے غصہ کا خواہاں کیا تیرے نزدیک خدا سے زیادہ حقیر اور کوئی نہ تھا۔ پس جب آدمی اس رسوائی کو تامل کرے اور جو کچھ بندوں سے اس کو حاصل ہوتا ہے مع زینت دنیاوی کے اس نقصان کے مقابل کرے جو آخرت میں ہوگا کہ ثواب اعمال جاتا رہے گا تو اس کے نزدیک ریا نہایت حقیر ہو جاوے گا اعمال کے ثواب کا فوت ہو جانا کچھ تھوڑا ضرر نہیں کیا عجب ہے کہ ایک ہی عمل خالص سے پلہ حسنات جھک جاوے اور جب اس کو ریا کے سبب فاسد کر دیا تو وہ بدی کے پلہ میں رکھ دیا جاوے گا جس کے باعث بدی کا پلہ جھک جاوے گا اور دوزخ میں پڑے گا معاذ اللہ منہا اگر ریا سے ایک ہی عبادت بے کار ہو جاتی تب بھی ضرر بہت تھا کہ اور حسنات کے باعث پلہ جھکا ہی رہتا کیونکہ اگر عبادت بے کار نہ ہوتی اور نیکی میں شمار ہوتی تو ایک نیکی سے خدا کے نزدیک علو رتبہ نبیین اور صدیقین کے زمرہ میں حاصل ہوتا اور ریا کے سبب ان کے درجے سے اتر کر اور اولیا کے درجے کی جوتیوں کی صف میں جا پڑا یہ نقصان تو دینی ہوا دنیا میں جدا دل پریشان رہا کہ لوگوں کے قلوب کی رعایت کرنی پڑی اور ان کی رضامندی کی کوئی حد نہیں کیونکہ بہت باتیں ایسی ہیں کہ ایک فریق ان سے خوش ہے دوسرا فریق ناخوش ہے بعضے لوگ جب راضی ہوتے ہیں جب دوسرے ناراض ہوں اور جو شخص خلق کی رضا جوئی خدا کے غضب پر اختیار کرتا ہے خدائے تعالیٰ خود بھی ناراض ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے پھر لوگوں کی مدح کی جہت سے خدائے تعالیٰ کو ناراض کرنے سے کیا فائدہ ہے کچھ ان کی تعریف سے رزق اور زندگی نہیں بڑھتی نہ قیامت کے فقر و فاقہ میں ان کی تعریف کام آوے گی اور لوگوں کے پاس کی چیزوں پر طمع رکھنے کا یہ علاج ہے کہ یوں جان لے کہ دینے اور نہ دینے پر دلوں کا آمادہ کرنا خدا کے قبضے میں ہے لوگ اس میں بے بس ہیں رازق سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں اور جو شخص خلق سے طمع رکھتا ہے وہ خالی ذلت اور حرمان سے نہیں ہوتا اور اگر بالفرض مراد کو بھی پہنچتا ہے تو احسان اٹھانا پڑتا ہے اور دوسروں کی نظروں میں حقیر ہونا پڑتا ہے ثواب الٰہی کو ایسی جھوٹی توقع اور وہم فاسد کے بدلے میں کس طرح چھوڑیں جو کبھی ملے کبھی نہ ملے اور اگر ملے تو ملنے کی خوشی اتنی نہ ہوگی جتنا احسان اٹھانے اور ذلیل ہونے کا رنج ہوگا۔ اور لوگوں کے برا کہنے کا خوف کرنا بھی لاحاصل ہے ان کی مذمت سے کیا نقصان زیادہ ہو جاوے گا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے وہی ہوگا نہ موت جلدی آوے گی نہ رزق میں تاخیر ہوگی نہ دوزخی ہوگا اگر پہلے سے بہشتی ہے نہ خدا کے نزدیک برا ہوگا اگر پہلے سے نیک ہے

نہ اس کا غصہ زیادہ ہوگا بندوں کا حال تو یہ ہے ت لا یملکون لانفسہم ضرا ولا نفعا ولا یملکون موتا ولا حیوۃ ولا نشورا ط
پھر ان کی برائی سے کیا ہوتا ہے ان کے اختیار میں کچھ نہیں پس جب آفت ان اسباب ریا کی اور ان کا ضرر
دل میں ٹھس جاوے گا تو ریا کی رغبت بھی سست پڑ جاوے گی اور دل متوجہ الی اللہ ہوگا اس لیے کہ
عاقل ایسی چیزوں کی رغبت نہیں کیا کرتا جن میں ضرر تو زیادہ ہو اور نفع کم اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے
کہ اگر لوگوں کو ریاکار کے باطن کا حال معلوم ہو جاوے کہ دل میں ریا کرتا ہے اور ظاہر میں اخلاص تو سب
کے نزدیک برا ٹھہرے اور یہ بات چھپی نہیں رہتی خدائے تعالیٰ کبھی نہ کبھی اس کا بھید کھول ہی دیتا
ہے اس وقت لوگوں کے نزدیک بھی مبغوض ہو جاتا ہے اللہ کے نزدیک تو پہلے ہی سے تھا اور اگر خدا
کے واسطے اخلاص کرے تو خدائے تعالیٰ اس کے اخلاص کو لوگوں پر ظاہر فرما کر ان کو اس کا مسخر
کر دیتا ہے کہ اس کو محبوب جاننے لگتے ہیں اور مدح و ثنا کرتے ہیں باوجودیکہ ان کی مدح سے کچھ فائدہ نہیں
نہ ان کی برائی سے کچھ نقصان جیسے کہ بنی تمیم کے ایک شاعر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض
کیا تھا ان مدحی زین وان ذمی شین ط یعنی میری تعریف آدمی کی زینت ہے اور برا کہنا اس کے حق میں معیوب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ارشاد فرمایا کہ تو جھوٹ کہتا ہے یہ شان اس معبود کی ہے جس کے
سوا کوئی معبود نہیں یعنی خدا اگر تعریف کرے تو البتہ زینت ہے اور اس کے برا کہنے سے بیشک عیب
لگتا ہے آدمی کی تعریف و مذمت سے کچھ نہیں ہوتا مثلاً اگر آدمی خدا کے نزدیک برا اور دوزخی ہے تو لوگوں
کی تعریف سے کیا بہتری ہو جاوے گی اور اگر اس کے نزدیک مقرب اور نیک ہے تو لوگوں کی ہجو سے کونسی
برائی ہو جاوے گی غرضکہ جو شخص اپنے دل میں آخرت کو حاضر جانے گا اور وہاں کی نعمتیں پائدار اور خدا
کے نزدیک بلند مراتب یاد کرے گا اس کے نزدیک یہ اشیا خلق کی ہیچ معلوم ہوں گی جن میں صدہا طرح کی
کدورات ملی ہیں اور ہمہ تن اس کا دل متوجہ ہو جاوے گا اور ریا کی ذلت سے نجات پاوے گا اور اس کے
اخلاص سے ایسا نور دل پر پیدا ہوگا جس سے اس کا سینہ کھل جاوے گا اور اس سے ایسے لطیف مکاشفات
معلوم ہوں گے جن سے خدائے تعالیٰ کے ساتھ انس و محبت اور خلق کے ساتھ وحشت و نفرت بڑھے اور
دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت نظروں میں جچے اور خلق کی جگہ دل میں نہ رہے اور سبب ریا بالکل منقطع
ہو اخلاص کی راہ طے کرنی آسان معلوم ہو یہ بیان اور وہ امور جو پہلی قسم میں اس باب کے ہم لکھ چکے ہیں
علمی علاج ہے جس سے ریا کی جڑ جاتی رہتی ہے اور دوائے علمی یہ ہے کہ اپنے نفس کو عبادات کے پوشیدہ
ادا کرنے کا عادی کرے اور ان کو ایسا چھپاوے جیسا کہ برائیوں کو چھپاتے ہیں یہاں تک کہ صرف خدائے

ت اور نہیں مالک اپنے حق میں برے کے نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے نہ جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے ۱۲ ح ترمذی بروایت براء بن
عازب اور اس میں مدح کی جگہ حمد ہے ۱۲

تعالیٰ کے علم و اطلاع پر قانع ہو جاوے غیر اللہ کی اطلاع کی طلب دل میں نہ رہے۔ روایت ہے کہ ابی حفص آہنگر رح کے مریدوں میں سے کسی نے ان کے جلسے میں دنیا اور اہل دنیا کی مذمت کی انہوں نے فرمایا کہ تو نے وہ بات ظاہر کی جس کو خفیہ رکھنا چاہیے تھا اب سے بعد ہمارے پاس نہ بیٹھنا اس سے معلوم ہوا کہ اس قدر ظاہر کرنے کی بھی اجازت نہ دی اسی لیے کہ دنیا کی مذمت کے ضمن میں زہد کا دعویٰ پایا جاتا ہے بہر حال ریا کی دوا مثل خفیہ رکھنے عبادات کے اور کوئی نہیں اور شروع مجاہدہ میں یہ شاق معلوم ہوتا ہے لیکن جب اس پر چندروز وہ صبر کرتا ہے تو اس کی دشواری آسان ہو جاتی ہے اور خدا کی عنایت اور حسن توفیق جس سے وہ اپنے بندوں کی تائید کرتا ہے اس کے شامل حال ہوتی ہے دیکھو خود فرماتا ہے ان اللہ لایضیع اجر المحسنین وان تلک حسنۃ یضاعفہا ویؤت من لدنہ اجرًا عظیماً ط تو بندے کو مجاہدہ کرنا چاہیے ہدایت کام اس کا ہے دروازے پر دستک دینا بندہ کا کام ہے اور اس کا کھولنا خدا کا کام اسی کا ہو رہنا چاہیے حتیٰ کہ سر اوقات جلال سے آواز آنے لگے ؎ قبول است گرچہ ہنر نیستش ؛ کہ جز ما پناہے دگر نیستش

دوسری صورت جو خطرہ ریا کا کہ اثنائے عبادت میں آوے اس کو دور کرنا بھی سیکھنا چاہیے کیونکہ جو شخص نفس پر جہاد کر کے اپنے دل میں سے ریا کا استیصال کرتا ہے اس طرح کہ طمع کو قطع کر کے قانع ہوتا ہے اور اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیتا ہے اور ان کی تعریف و مذمت ہیچ سمجھنے لگتا ہے تو اس وقت شیطان اس کو عبادت میں خالی اور بے فکر نہیں چھوڑتا یا کہ ریا کے خطرات پیش کرتا ہے اور اس کے وسوسے علیحدہ نہیں ہوتے نہ ہوائے نفسانی بالکل نابود ہوتے ہیں اس لیے مستعد ہونا ریا کے خطرات دور کرنے کے لیے بہت ضرور ہے اور خطرات ریا کے تین ہیں بعض اوقات تو سب کے سب ایک بارگی آتے ہیں اور گویا ایک ہی خطرہ معلوم ہوتا ہے اور بعض اوقات بتدریج ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں اول تو واقف ہونا لوگوں کی اطلاع پر ان کی اطلاع کی آرزو کرنی اس کے بعد نفس کی رغبت ان کی مدح کے لیے اور ان کے نزدیک منزلت ہونے کی پیدا ہونی اس کے بعد نفس کا اس کو قبول کرنا اور دل کا اس کے ثبوت پر عقد کرنا ان میں سے اول کا نام تو معرفت ہے اور دوم کا نام حالت جس کو شہوت و رغبت بھی کہتے ہیں اور تیسرے کا نام عزم اور ارادہ کا مضبوط کرنا ہے اور ان سب میں سے خطرہ دل کے دفع کرنے کے لیے نہایت قوت چاہیے کہ پیشتر دوسرے خطرے ہونے کے وہ دور ہو جاوے مثلاً جب عابد کو معرفت اطلاع خلق یا ان کے مطلع ہونے کی آرزو کا خطرہ ہو تو اس کو یوں کہہ کر دفع کرے کہ مجھ کو خلق سے کیا غرض ہے وہ جانیں یا نہ جانیں خدائے تعالیٰ تو جانتا ہی ہے دوسرے کے جاننے سے کیا فائدہ ہوگا پس اگر رغبت لذت حمد کی جوش کرے تو آفتیں ریا کی دل میں جمی ہیں ان کو یاد کرے کہ قیامت میں خدا کے نزدیک مبغوض ہونا پڑے گا اور جب اعمال کی زیادہ

ت! اور اگر نیکی ہو تو اس کو دونا کرے اور دیوے اپنے پاس سے بڑا ثواب ۱۲

حاجت ہو گی اس وقت ان سے محروم رہوں گا تو جس طرح کہ اطلاع خلق کے واقف ہونے سے شہوت اور رغبت پیدا ہوتی ہے اسی طرح آفت ریا کی معرفت سے کراہت و نفرت اس کے مقابل ہوتی ہے رغبت تو اس بات کو چاہتی ہے کہ اس کو قبول کرنا چاہیے اور نفرت چاہتی ہے کہ انکار کرنا چاہیے پس جو ان میں سے غالب اور قوی زیادہ ہو گی نفس اسی کی پیروی کرے گا اس سے معلوم ہوا کہ خطرات ریا کے دفع کے لیے تین امور ضروری ہیں اوّل معرفت ریا کی دوم اس کی شہوت سے نفرت کرنا سوم انکار کرنا اور آدمی کبھی عبادت بعزم اخلاص شروع کرتا ہے پھر اس کو ریا کا خطرہ آتا ہے تو اس کو قبول کر لیتا ہے اس وقت اس کو معرفت اور نفرت شہوت جو دل میں تھی یاد نہیں رہتی اور اس کا سبب یہ ہے کہ خوف مذمت اور حب مدح اور استیلائے حرص مدح پر دل میں اتنی بھر جاتی ہے کہ دوسری چیز کی اس میں گنجایش نہیں رہتی پہلے سے جو آفات ریا کے اور اس کے انجام بد ہونے کی معرفت تھی وہ یک سو ہو جاتی ہے اس لیے کہ دل میں کوئی جگہ خالی رغبت حمد اور خوف مذمت سے نہیں رہتی اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنے جی میں حلم کو یاد رکھتا ہے اور غصہ کو برا جانتا ہے اور اسباب غضب کے واقع ہونے پر قصد حلیم اپنے کا کرتا ہے مگر بعض اوقات ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن سے ان کا غضب بھڑک جاتا ہے اور اول کا قصد بھول جاتا ہے اور دل میں ایسا غصہ بھرتا ہے کہ آفت غضب کو یاد نہیں کرنے دیتا سارے دل میں پھیل جاتا ہے اسی طرح شہوت کی حلاوت دل میں پر ہو کر نور معرفت کو نکال دیتی ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے حضرت جابرؓ کے قول میں کہ فرماتے ہیں ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے اس بات پر بیعت کی تھی کہ جہاد سے نہیں بھاگیں گے کچھ موت پر نہیں کی تھی مگر غزوہ حنین میں اس بیعت کو بھول کر بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آواز آئی اے درخت والو معاً لوٹ آئے یعنی چونکہ دلوں میں خوف بھر گیا تھا اس لیے پہلا عہد یاد نہ رہا جب یاد دلایا تو یاد آیا اور اکثر شہوات جو یکایک جوش زن ہوتی ہیں ان کا حال ایسا ہی ہوتا ہے یعنی اس سے جو مضرت ایمان میں ہوتی ہے اس کو جوش شہوت میں پہچانتا بھول جاتا ہے اور جب پہچان یاد نہ رہی تو نفرت جو کہ اس کا نتیجہ تھی وہ بھی ظہور میں نہیں آتی اور کبھی یاد بھی کر لیتا ہے کہ یہ خطرہ اس ریا کا ہے جس کے باعث خدا کا غضب ہو گا مگر اس پر شدت شہوت کے باعث ارتکاب کرنے پر اصرار کیا جاتا ہے ہوائے نفسانی عقل پر غالب ہو جاتی ہے جو لذت اس وقت ملتی ہے اسکو چھوڑ نہیں سکتا توبہ کے واسطے لیت و لعل کرتا ہے یا ایسے کام کرتا ہے کہ جس کے شغل میں یہ سوچ ہی دل پر نہ آوے بہت سے عالم ایسے ہیں کہ جو کلام کرتے ہیں خالی ریا سے نہیں ہوتا اور وہ خود جانتے ہیں مگر اصرار کیے جاتے ہیں یہ اصرار

ح یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے مگر ذکر حنین کا بروایت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کیا ہے ۱۲

ان پر زیادہ ترجیح ہوگا اس لیے کہ باوجود جاننے اس بات کے کہ ریا مہلک ہے اور خدا کے نزدیک مذموم اس نے ریا کو مان لیا اور صرف پہچاننا کافی نہیں جب تک پہچاننے کے ساتھ اس سے نفرت نہ ہوا ور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خطرہ ریا کو پہچان بھی لیتا ہے اور اس سے نفرت بھی کرتا ہے مگر باوجود اس کے ریا کے تقاضے کو قبول کرتا ہے اور اس کے بموجب عمل کرتا ہے اس لیے کہ شہوت کی قوت بہ نسبت نفرت کے بہت قوی ہوتی ہے اور نفرت بہت کمزور تو ایسا شخص بھی اپنی اس نفرت سے کچھ فائدہ نہ اٹھاوے گا اس واسطے کہ غرض کراہت سے یہ ہے کہ فعل سے باز رکھے نہ یہ کہ من بھاوے منڈیا ہلا دے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ فائدہ بدون اجتماع تینوں امور مذکورہ سابق کے نہیں ہے یعنی معرفت ریا اور اس کو مکروہ سمجھنا اور اس سے انکار کرنا ثمرہ کراہت کا ہوتا ہے اور کراہت ثمرہ معرفت کی قوت بقدر قوت ایمانی اور نور علم کے ہوتی ہے اور اس کا ضعف بقدر غفلت اور حب دنیا اور فراموشی آخرت اور قلت مبالات خدا کے پاس کی چیزوں سے اور کم توجہی آفات حیات دنیاوی اور انعامات آخرت کے ہوتا ہے اور یہ سب ایک دوسرے سے پیدا ہوتی ہیں اور ان سب کی اصل حب دنیا اور غلبہ شہوات ہے یہی سب برائیوں کی جڑ ہے اور ہر ایک گناہ کا منبع کیونکہ محبت جاہ اور منزلت اور دنیاوی لذائذ کا چسکا وہ بلا ہے کہ آدمی کے دل کو لوٹ لیتا ہے اور فکر عاقبت اور اقتباس انوار کتاب اللہ اور حدیث اور علوم سے نہیں کرنے دیتا۔ اب اگر کوئی سوال کرے کہ ایک شخص اپنے دل سے ریا کو مکروہ جانتا ہے اور اس کراہت کی جہت سے اس کا مرتکب بھی نہیں ہوتا لیکن باوجود اس کے اس کی طبیعت میں میل اور محبت ریا کی پائی جاتی ہے مگر وہ اس میل و محبت کو بھی برا سمجھتا ہے اور اس کے بموجب عمل نہیں کرتا تو ایسا شخص بھی ریا کار ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ خداوند کریم زیادہ طاقت بشری سے تکلیف نہیں دیتا اور بندہ کے اختیار میں نہیں کہ شیطان کو وسوسہ نہ کرنے دے یا طبیعت کو ایسا کر لے کہ اس میں میل شہوت نہ رہے اس کے قابو میں صرف اتنی بات ہے کہ اپنے شہوات کا مقابلہ اس کراہت سے کرے جو اس کو انجام کی شناخت اور علم دین اور ایمان خدائے تعالیٰ اور قیامت پر ہونے سے حاصل ہے جب یہ بات کرے گا تو جتنا اس کو حکم تھا اس کو ادا کرے گا اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو حدیث شریف میں وارد ہے[ح] کہ اصحابؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ ہمارے دلوں پر ایسے امور پیش ہوتے ہیں کہ اگر ہم آسمان سے گرائے جائیں اور پرند ہم کو اچک لیں یا ہم کو آندھی اٹھا کر کسی دور جگہ پھینک دے تو منظور ہے مگر ان کا کہنا اچھا نہیں معلوم ہوتا آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم ان خواطر کو مکروہ بھی جانتے ہو عرض کیا کہ البتہ آپ نے فرمایا کہ یہی صریح ایمان ہے۔ تو دیکھنا چاہیے کہ اصحاب رضی اللہ عنہم کو صرف وسواس اور اس کی کراہت

ح مسلم بروایت ابن مسعود مختصراً و نسائی بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا ۱۲

دل پر گذرتی بھی وساوس کے لیے تو صریح ایمان کہہ ہی نہیں سکتے اس لیے ضرور ہوا کہ صریح ایمان آپ نے اس کراہت ہی کو فرمایا جو وساوس کے ساتھ ہوتی تھی اور ریا گو بُرا ہے مگر خدائے تعالےٰ پر وسواس کرنے کی نسبت بیشک کم ہے تو جب کراہت کے باعث وسواس کا ضرر دفع ہو گیا تو ریا کا ضرر بطریق اولیٰ دور ہونا چاہیے اور اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحمدللہ الذی رد کید الشیطان الی الوسوسۃ ؎ اور ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ جو خطرہ کہ تیرا نفس اپنے لیے برا سمجھے تو وہ اگر دشمن کی طرف سے ہوگا تو تجھ کو مضر نہیں اور جو خطرہ کہ تیرا نفس اپنے لیے اچھا جانے اس پر نفس کو عتاب کر اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا وسوسہ اور نزاع نفس مضر نہیں بشرطیکہ مراد شیطان و نفس کی انکار و کراہت سے نہ ہونے پاوے اور خاطر یعنی تذکرات اور تخیلات ان اسباب کا جن سے ریا ہیجان میں آوے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور ان خواطر کے بعد رغبت اور میل نفس کی طرف سے اور کراہت ایمان اور آثار عقل میں سے ہے لیکن یہاں شیطان ایک اور چال مکر کی چلتا ہے کہ جب جانتا ہے کہ عابد قبول ریا کا منکر ہے اور اپنے آپ کو اس کے قبول کرانے سے عاجز تصور کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تیری صلاح و بہتری اس میں ہے کہ مجھ سے مجادلہ میں مشغول ہو اور رد و جدال بہت دیر تک رہے اور اس سے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ثواب اخلاص اور حضور قلب کا اس کو نہ ملے کیونکہ شیطان کے مجادلہ اور مدافعت میں مشغول ہونا اللہ تعالےٰ کی مناجات سے باز رہنا ہے جس سے قرب الٰہی کی منزلت میں نقصان ہے اور ریا کے خواطر کے دفع کرنے میں لوگ چار مراتب پر ہیں اوّل وہ لوگ کہ جو خطرہ پیش آیا اس کو شیطان پر ہٹا دیا اور اس کو جھٹلایا اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اس کے ساتھ لڑائی شروع کی اور بہت دیر تک لڑائی بر پار کھی اس گمان سے کہ یہ امر دل کے لیے اچھا ہے اور واقع میں نقصان ہے اس لیے کہ خدا تعالےٰ کی مناجات اور وہ خیر کہ جس کے درپے ہونا منظور تھا جاتی رہی ہے راہزنوں سے لڑائی لڑنے لگے اور ظاہر ہے کہ راہزنوں کی لڑائی کے لیے توقف کرنا چلنے کے لیے مضر ہے دوسرے وہ لوگ جن کو معلوم ہے کہ جدال و قتال سے سلوک میں نقصان ہوتا ہے اسی لیے صرف شیطان کی تکذیب اور دفع ہی پر اکتفا کرتے اس کے مجادلہ میں مشغول نہیں ہوتے۔ تیسرے وہ لوگ کہ تکذیب میں بھی مشغول نہیں ہوتے کیونکہ ان میں بھی توقف ہوتا ہے گو تھوڑا ہی ہو بلکہ اپنے دل میں ریا کی کراہت اور شیطان کا دروغ مصمم کر لیتے ہیں اور اپنے کام سے غرض رکھتے ہیں تکذیب و خصومت سے سر و کار نہیں رکھتے چوتھے وہ لوگ کہ جانتے ہیں کہ جب اسباب ریا بروے کار آویں گے تو شیطان ہمارے حسد کے سبب ہمارے درپے ہوگا اس لیے عزم کر لیتے ہیں کہ جب شیطان وسوسہ کرے تو اخلاص اور مناجات اور اخفائے صدقہ اور عبادت کو اور

؎ شکر ہے خدا کا جس نے پھیر دیا مکر شیطان کا وسوسہ کی طرف ۱۲ ابوداؤد و نسائی مگر شیطان کی جگہ ضمیر غائب ہے ۱۲

اور زیادہ کریں تاکہ شیطان جلے اس مرتبہ کے لوگ شیطان کو غصہ دلاتے رہتے ہیں اور اس کی بیخ کنی کر کے اس کی یاس و ناامیدی کر دیتے ہیں کہ پھر ان کے پاس نہ پھٹکے۔ حضرت فضیل بن غزوانؒ سے مروی ہے کہ کسی نے ان سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو برا کہتا تھا آپ نے فرمایا کہ بخدا میں اس شخص کو جلاؤں گا جس نے اس کو امر کیا ہے لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون ہے فرمایا کہ شیطان ہے پھر فرمایا کہ الٰہی تو اس شخص کی مغفرت کر جس نے مجھ کو برا کہا اور فرمایا کہ اس میرے کہنے سے بیشک شیطان جلتا ہوگا کہ میں نے اس شخص کے باب میں خدا کی اطاعت کی۔ اور جب شیطان کو بندہ کی یہ عادت معلوم ہو جاتی ہے تو اس سے باز رہتا ہے کہ مبادا اس کے حسنات اور زیادہ ہو جاویں اور ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان بندہ کو کسی گناہ کی طرف بلاتا ہے پس اگر اس کی اطاعت نہیں کرتا اور اس کے عوض کوئی خیر کیا کرتا ہے تو اس کو ویسا ہی چھوڑ دیتا ہے اور فرمایا کہ جب شیطان انسان کو متردد دیکھتا ہے تو اس میں طمع کرتا ہے اور جب کسی خیر کی مداومت کرتا پاتا ہے تو ملول ہو کر بغض کرتا ہے اور حارث محاسبیؒ نے ان چار مراتب کی بہت اچھی مثال کہی ہے کہ فرض کرو کہ چار شخص کسی مجلس علم یا حدیث میں جانا چاہتے ہیں تاکہ فائدہ اور فضیلت حاصل کریں اور ہدایت و رشد پاویں اور ان پر کسی گمراہ بدعتی نے حسد کیا اور ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو راہ حق مل جاوے پس ایک شخص کے پاس گیا اور اس کو منع کیا اور کسی اور گمراہی کی مجلس کی طرف چلنے کو کہا اس نے انکار کیا جب اس نے اس کا انکار دیکھا تو اس کو لڑائی اور تقریر میں الجھا دیا وہ شخص اس خیال سے کہ اس کی گمراہی کا دفع کرنا اور اس سے حجت کرنا مصلحت ہے لڑنے لگا حالانکہ مقصود گمراہ کا یہی تھا کہ جتنی دیر یہاں لگے یہ شخص فائدہ سے محروم رہے جب دوسرا شخص اس گمراہ کے پاس گزرا اس نے اس کو بھی منع کیا اور روکا وہ ٹھہرا تو سہی لیکن اس گمراہ کو دھکا دے کر چلا گیا لڑائی جھگڑا نہ کیا تو گمراہ اس کے اس قدر توقف سے بھی خوش ہوا اور جب تیسرا شخص گذرا اور اس کو بہکایا تو اس نے ہرگز التفات نہ کیا اور جس حال سے پہلے جاتا تھا اسی طرح چلا گیا تو گمراہ کی آرزو اس سے بالکل منقطع ہو گئی اور جس وقت چوتھا وہاں گزرا اس نے چاہا کہ گمراہ کو جلا دے تو جس چال سے پہلے جاتا تھا اس سے تیز چلنا اس کے سامنے شروع کیا اور سستی کو موقوف کیا اب اگر اتفاقاً یہ چاروں شخص پھر کبھی اس کے پاس گزریں تو یہ اوروں کو حسب دستور دوبارہ چھیڑے گا مگر چوتھے کے پاس نہ پھٹکے گا کہ مبادا میرے چھیڑنے سے اس کا فائدہ زیادہ ہو جاوے۔ اب اگر کوئی سوال کرے کہ جب شیطان کا یہ حال ہے کہ کوئی اس کے وسواس سے خالی نہیں تو قبل اس کے آنے کے اس کا انتظار کرنا اور گھات میں لگا رہنا چاہیے یا خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے کہ وہی خود اس کو دور فرماوے گا یا عبادت میں مشغول ہوتا اور شیطان کو بھول جانا چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان سے پرہیز رہنے میں تین قول ہیں بعض اہل بصرہ کہتے ہیں کہ زبردست عابدوں کو شیطان سے بچنے کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ وہ لوگ بالکل خدا ہی کے ہو رہتے ہیں اور اس کی محبت میں مشغول اسی لیے

شیطان ان سے کنارہ کرتا ہے اور ناامید ہو جاتا ہے جیسے بوڑھے عابدوں کو شراب خوری وزنا کی طرف بلانے سے ناامید ہے تو تمام دنیاوی لذتیں زبردستوں کے نزدیک مثل شراب وزنا کے ہیں گو مباح ہی ہوں اور حب لذائذ دنیاوی کی محبت بالکل ان میں نہیں تو شیطان کو کوئی راہ ان کے پاس آنے کی نہیں اسی لیے ان کو اس کا کچھ خوف بھی نہ کرنا چاہیے اور بعض اہل شام کا یہ قول ہے کہ اس سے بچنے کے واسطے گھات میں رہنا اس شخص کو درکار ہے جس کا یقین کم ہوا اور توکل ناقص اور جو شخص یہ یقین کرے گا۔ کہ خدائے تعالیٰ کی تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں وہ دوسرے سے کیوں ڈرے گا وہ جان لے گا کہ شیطان خدا کی مخلوق میں سے ایک ذلیل شخص ہے اس پر کوئی امر موقوف نہیں جو کچھ خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ضرر اور نفع دینا اسی کا کام ہے عارف کو شرم آتی ہے کہ غیر خدا سے ڈرے اس لیے کہ وحدانیت کا یقین اس کو ڈر سے بے پروا کر دیتا ہے اور بعض علما کا یہ قول ہے کہ شیطان سے ڈرنا ضرور چاہیے اور بصریوں کا جو یہ قول ہے کہ زبردست عارف جو دنیا کی محبت سے خالی ہوتے ہیں ان کو حاجت خوف نہیں تو یہ قول شیطان کا وسیلہ ہے کیا عجب ہے کہ آدمی دھوکا کھا جاوے کیونکہ انبیا علیہم السلام تو وسواس شیطانی سے محفوظ ہی نہیں رہے دوسرا شخص کیسے محفوظ رہ سکتا ہے اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ جتنے وسواس شیطانی ہوں سب شہوات اور محبت دنیا کے باب میں ہوں تاکہ محبت دنیا و شہوات کے نہ رہنے سے وہ وسواس بھی نہ آویں بلکہ وسواس خدائے تعالےٰ کے صفات اور اسما اور بدعت و گمراہی کے اچھا جاننے وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں اور اس کے خطرے سے کوئی نہیں بچتا چنانچہ خدائے تعالےٰ فرماتا ہے [1] وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبيٍ الّا اذا تمنّى القى الشّيطان في امنيته فينسخ الله ما يلقي الشيطان ثم يحكم الله آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں [2] انّہ ليغان على قلبى باوجودیکہ آپ کا شیطان مسلمان ہو گیا تھا اور سوائے [3] خیر کے اور کچھ نہ کہتا تھا پس جو شخص اپنے آپ کو محبت الٰہی میں بہ نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیا علیہم السلام کے زیادہ مشغول سمجھے وہ دھوکے میں ہے اور اشتغال محبت الٰہی سے انبیا علیہم السلام کید شیطانی سے مامون نہ رہے دیکھو حضرت آدم و حوا علیہم السلام جنت میں تھے کہ جو امن و سرور کا مقام ہے اور خدائے تعالےٰ نے ان سے فرما دیا تھا کہ [4] ان هذا عدو لك ولزوجك فلا يخرجنكما من الجنة فتشقى ان لك الا تجوع فيها ولا تعرى وانك لا تظمأ فيها ولا تضحى ۔۔۔[5] اور صرف ایک درخت سے منع کیا تھا اور سب وہاں کی نعمتوں کے

[1] اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں پھر اللہ مٹاتا ہے شیطان کا ملایا پھر پکی کرتا ہے اپنی باتیں ۱۲ [2] بیشک میرے دل پر زنگ ہو جاتا ہے ۱۲ [3] مسلم کی حدیث سے پہلے گذری ۱۲ [4] یہ بھی پہلے گذری [5] یہ دشمن ہے تیرا اور تیری جورو کا سو نہ نکلوا دے تجھ کو بہشت سے پھر تو تکلیف میں پڑے گا تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو اس میں اور نہ ننگا اور یہ کہ پیاس کھینچے تو اس میں نہ دھوپ ۱۲

لیے اجازت دی تھی پس جب نبی اللہ جنت سے مقام میں رہ کر کید شیطانی سے مامون نہ ہے تو غیر نبی اس دار ناپائیدار منبع فتن ومحن اور معدن لذائذ وشہوات ممنوعہ میں رہ کر کیسے بچے گا اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول خداوند کریم نقل فرماتا ہے [۱] ھٰذا من عمل الشیطان - اسی جہت سے خدا تعالیٰ شیطان سے تمام خلق کو بچنے کا ارشاد فرماتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے [۲] یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطن کما اخرج ابویکم من الجنۃ - اور اس کے آگے ارشاد ہے [۳] انہ یرٰکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونہم تمام قرآن مجید میں ابتدا سے آخر تک شیطان سے تحذیر مذکور ہے تو اس سے مامون رہنے کا دعوی کس طرح ہو سکتا ہے اور جس چیز سے خدا تعالیٰ نے پر حذر رہنے کو ارشاد فرمایا ہے اس سے حذر کرنا منافی شغل محبت الٰہی نہیں اس لیے کہ اقتضائے محبت سے یہ بھی ہے کہ اس کے حکم کو مانے اور اس نے دشمن سے پر حذر رہنے کو ارشاد فرمایا ہے جیسا کہ کفار سے پر حذر رہنے کو فرمایا ولیاخذوا حذرھم واسلحتہم واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل پس خدا تعالیٰ کے ارشاد کے بموجب دشمن وکافر جو معلوم ہوتے ہیں ان سے حذر کرنا اہل ایمان کو لازم آیا تو دشمن سے جو ایمان والوں کو دیکھے اور خود معلوم نہ ہو حذر کرنا بطریق اولیٰ چاہیے اسی بنا پر ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ شکار ایسا ہو کہ ہم اس کو دیکھتے ہوں اور وہ ہم کو نہ دیکھتا ہو تو غالباً ہاتھ آجاوے گا اور جو ایسا ہے کہ وہ ہم کو تو دیکھتا ہے اور ہم اس کو نہیں دیکھتے تو کیا عجب کہ وہ ہم پر غالب آجاوے اس سے ان کی مراد شیطان ہے علاوہ اس کے اگر دشمن سے غفلت کی جاوے تو اس میں بھی نتیجہ ہے کہ وہ اگر مار ڈالے گا اس کے مار ڈالنے سے شہادت ملتی ہے لیکن اگر شیطان سے حذر نہ کیا جاوے تو اپنے آپ کو دوزخ اور عقاب الیم میں ڈالنا پڑے گا غرضکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ جس چیز سے اس نے پر حذر ہونیکا فرمایا ہو اس سے اعراض کیا جاوے اس تقریر سے دوسرے فرقہ اہل شام کا مذہب باطل ہوا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حذر کرنا توکل کے خلاف ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال وہتھیار بھی لیے ہیں اور لشکر بھی جمع کیا ہے خندق بھی کھدوائی ہے کسی بات سے آپ کے توکل میں خلل واقع نہیں ہوا تو جس چیز سے خدائے تعالیٰ خود خوف وحذر کرنے کو فرماتا ہے اس سے خوف وحذر کرنے سے کیسے توکل میں خلل واقع ہوگا اور جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ توکل کے معنی اسباب سے بالکل علیحدہ ہونے کے ہیں ان کی غلطی ہم نے باب توکل میں ثابت کی ہے اور ارشاد الٰہی واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل - منافی توکل کے نہیں بشرطیکہ دل میں اعتقاد ہو کہ ضرر ونفع وحیات وموت خدائے تعالیٰ کے اختیار میں ہے اسی طرح شیطان

---

[۱] یہ ہے شیطان کے کام میں سے ۱۲ [۲] اے اولاد آدم نہ بہکاوے تم کو شیطان جیسا نکالا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے ۱۲ [۳] وہ دیکھتا ہے تم کو اور اس کی قوم جہاں سے تم ان کو نہ دیکھو ۱۲ [۴] اور پاس لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار ۱۲ [۵] اور سرانجام کرو ان کی لڑائی کو جو پیدا کر سکو زور اور گھوڑے ملنے سے ۱۲

سے حذر کرے اور یہ اعتقاد کرے کہ ہدایت اور گمراہی خدا کے اختیار میں ہے اور اسباب کو صرف ذریعہ سمجھے جیسا کہ باب توکل میں ہم نے لکھا ہے یہی قول حارث محاسبی کا بھی ہے اور یہی واقع میں صحیح ہے نور علم اسی کا شاہد ہے اور پہلے جو دو قول ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایسے عابدوں کے ہیں کہ جن کو علم زیادہ نہیں اور ان کو یہ خیال ہے کہ بعض اوقات جو ان پر جوش استغراق کا آجاتا ہے ہمیشہ ایسا ہی رہتا ہوگا حالانکہ یہ بہت دشوار ہے پھر جو لوگ کہ شیطان سے حذر کے قائل ہیں کیفیت حذر میں تین طرح ہیں کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے ہم کو دشمن سے ڈرایا ہے تو چاہیے کہ کوئی چیز ہمارے دلوں پر اس کے خوف سے زیادہ نہ ہو کیونکہ اگر ہم ایک لحظہ بھی اس سے غافل رہیں گے تو عجب نہیں کہ دشمن ہلاک کر ڈالے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر شیطان کی یاد ہم اس درجہ تک کریں گے تو ظاہر ہے کہ خدا کی یاد سے دل خالی ہو جاوے گا اور ساری ہمت اور مکر شیطان ہی پر صرف ہوگی اور شیطان کا مقصود بھی یہی ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی بکھیڑے میں مبتلا رہیں تو اس لیے مناسب یہ ہے کہ عبادت میں مشغول رہیں اور شیطان اور اس کی عداوت کو بھی نہ بھولیں دونوں باتیں جمع کریں اس لیے کہ اگر اس کو بالکل بھول جاویں تو شاید اسی طرح سامنے آوے کہ ہم کو گمان بھی نہ ہو اور اگر صرف اسی کا دھیان رکھیں تو خدا کی یاد جاتی ہے اس لیے دونوں باتوں کا جمع کرنا بہتر ہے اور اہل تحقیق کا یہ قول ہے کہ یہ دونوں فریق غلطی پر ہیں پہلے فریق کی تو غلطی صاف ظاہر ہے کہ خدا کو بھول کر یاد شیطان ہی کے ہو رہے ہیں اور ہم کو حکم شیطان سے حذر کرنے کا اس لیے ہے کہ یاد الٰہی سے نہ روکے تو اس کی یاد سب چیزوں سے زیادہ دل پر کس طرح ہو سکتی ہے اس میں تو سراسر ضرر ہمارا ہے کیونکہ اس کا مآل یہ ہے کہ نور ذکر الٰہی سے دل خالی ہو پس جب شیطان ایسے دل کا قصد کرے گا اور نور ذکر الٰہی اور قوت شغل نہ پاوے گا تو کچھ بعید نہیں کہ جلد اپنے قابو میں کرلے اور سالک سے کچھ بن نہ پڑے علاوہ ازیں ہم کو حکم ہمیشہ اس کی یاد کا نہیں اور دوسرے فریق کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی ذکر الٰہی اور ذکر شیطان کی پائی جاتی ہے تو جس قدر آدمی شیطان کی یاد کرے گا اسی قدر یاد الٰہی میں نقصان ہوگا اور خدائے تعالیٰ کا حکم یوں ہے کہ یاد صرف اللہ کی رہے اور اس کے ماسوا کو خواہ شیطان ہو یا کوئی اور بھولنا چاہیے کہ جب دونوں فریق کی غلطی معلوم ہو چکی تو اس باب میں قول فصیل یہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ اول شیطان کا خوف اپنے دل کے ساتھ رکھے اور نفس پر اس کی دشمنی جمالے جب اس کا خوف معتقد ہو جاوے اور یقین عداوت کا ہو جاوے اور خوف بھی اس کے اندر جاگزیں ہو تو خدائے تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اور بتمام ہمت اس کی طرف متوجہ ہو اور دل میں شیطان کا ذرا بھی خیال نہ کرے کیونکہ جب عداوت کے پہچاننے کے بعد ذکر میں مشغول ہوگا پھر اگر شیطان وسوسہ کرے گا تو اس کو خبر ہو جائے گی اور اس کو دفع کر دے گا اور خدا کے ذکر میں مشغول ہونے سے یہ ضرور نہیں کہ وسواس شیطانی کے وقت اس کو اطلاع نہ ہو دیکھو کہ اگر کوئی شخص اس بات کا خوف رکھتا ہو کہ کسی کام کے لیے بہت تڑکے اٹھنا چاہیے نہیں تو ہاتھ سے جاتا رہے

گا تو اس کھٹکے کی جہت سے رات کو چند بار چونک پڑتا ہے باوجودیکہ سونے میں غافل رہتا ہے مگر چونکہ کھٹکا دل میں رہتا ہے اس لیے چونکتا ہے تو خدا تعالےٰ کے ذکر میں مشغول ہونے سے ہوائے نفسانی مرجاتی ہے اور اور تاریکی شہوات کی دور ہو کر نور علم وعقل کو فروغ ہوتا ہے غرض کہ ارباب بصیرت اپنے دلوں کو شیطان کی عداوت اور گھات میں رہنے سے واقف کر کے اس کا خوف لازم رکھتے ہیں مگر یاد شیطان میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ یاد الٰہی کرتے ہیں اور خدا کی یاد سے دشمن کی بدی ٹالتے ہیں اور نور ذکر کی چاندنی میں دشمن کے وسواس دیکھ لیتے ہیں دل کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کنواں جس کا نجس پانی سے خالی کرنا منظور ہو تاکہ اس سے صاف پانی نکل آوے تو جو شخص کہ فکر شیطان میں مشغول ہے اس نے تو نجس پانی کو کنوئیں ہی میں چھوڑ دیا اور جس نے کہ ذکر شیطان اور ذکر خدا کو جمع کیا اس نے ایک طرف سے تو نجس پانی نکالنا شروع کیا اور دوسری طرف اسی کنوئیں کے اندر جاری رکھا تو اب بے فائدہ بڑی مشقت بھی ہو گی اور نجس پانی سے کنواں خالی نہ ہو گا اس لیے کہ ایک طرف سے پانی نکلتا جاوے گا اور دوسری طرف سے آتا جاوے گا اور جو شخص دانا و واقف ہے اس نے نجس پانی کے لیے آڑ بنا دی اور کنوئیں میں صاف پانی بھر لیا جب نجس پانی آتا ہے ذرا سی دیر میں بے محنت و کلفت مینڈھ سے روک دیتا ہے۔

کن مواقع پر طاعت و عبادت کا اظہار درست ہے

واضح ہو کہ جیسے اعمال کے خفیہ رکھنے میں اخلاص اور ریا سے بچنے کا فائدہ ہے ویسا ہی ظاہر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ لوگ پیروی کریں اور ان کو رغبت خیر ہو مگر اس میں ریا کی آفت ہے حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو معلوم ہے کہ عمل خفیہ میں بہت احتیاط ہے مگر اظہار میں بھی فائدہ ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ خفیہ اور ظاہر دونوں کی ثنا فرماتا ہے ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم اور اظہار کی دو قسمیں ہیں ایک تو نفس عمل کو ظاہر کرنا دوسرے عمل کر کے بیان کر دینا قسم اول کی مثال جیسے صدقہ سب کے سامنے دینا تاکہ لوگوں کو اس میں ترغیب ہو جیسا کہ روایت ہے کہ ایک انصاریؓ نے سب سے پہلے ایک کیسۂ زر دیا اس کے بعد اور لوگ دیکھا دیکھی لاتے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من سن سنۃ حسنۃ فعمل کان لہ اجرھا واجر من اتبعہ۔ اسی طرح سب اعمال مثلاً روزہ نماز حج وجہاد ہیں لیکن صدقہ میں اقتدا کرنا طبیعتوں پر غالب ہے ہاں غازی جب قصد نکلنے کا کرے سب سے پہلے کمر باندھے اور سواری تیار کرے تاکہ لوگوں کو نکلنے کی ترغیب ہو تو یہ افضل ہے اس لیے کہ غزا اصل میں اعمال ظاہری ہے اس کا خفیہ کرنا ممکن نہیں تو اس پر مبادرت کرنی کچھ اظہار کی غرض سے نہیں بلکہ تحریض کی غرض سے ہے اسی طرح آدمی

ت اگر کھلی دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے اور اگر چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو تم کو بہتر ہے ۱۲ ؎ جو پیدا کرے طریق عمدہ اور اسی پر عمل کرے ہو گا اس کو اس کا ثواب اور ثواب اس شخص کا جو اس کی پیروی کرے ۱۲ مسلم بروایت جریر بن عبد اللہ بجلی ۱۲

بعض اوقات تہجد پکار کے پڑھتا ہے تاکہ اور گھر والے اور ہمسائے جاگ جاویں اور اس کی پیروی کریں حاصل یہ کہ جو عمل کہ اس کا خفیہ بجالانا ممکن نہیں مثل حج اور جہاد اور جمعہ کے تو افضل اس میں سبقت کرنا ہے اور اظہار رغبت دوسروں کی تحریص کے لیے بشرطیکہ ریا کی آمیزش نہ ہو اور جو اعمال کہ ان کا خفیہ ادا کرنا ممکن ہے مثلاً صدقہ اور نماز پس اگر صدقے کے اظہار سے لوگوں کو ترغیب صدقہ ہوتی ہو مگر مسکین کو ایذا ہوتی ہو تو خفیہ ادائے صدقہ افضل ہے اس لیے کہ ایذا دینی حرام ہے اور اگر ایذا نہ ہوتی ہو تو بعض لوگوں کے نزدیک خفیہ ہی افضل ہے گو اظہار میں اقتدا و ترغیب ہو اور بعضوں کے نزدیک عمل خفیہ اس اظہار کی نسبت افضل ہے جس میں ترغیب و اقتدا نہ ہو مگر جس اظہار میں اقتدا اور لوگوں کی ہوتی ہو اس صورت میں اظہار ہی افضل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند کریم نے انبیا علیہم السلام کو اظہار عمل کا ارشاد فرمایا تاکہ لوگ ان کی اقتدا کریں اور پھر باوجود اس کے منصب نبوت عطا فرمایا اور ان کی طرف یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ دونوں عمل سے جو نسبتاً افضل تھا اس سے محروم رہے اور نیز حدیث شریف[ح۱] ل[ه] اجرها واجر من عمل بها سے بھی افضلیت اظہار پائی جاتی ہے اور ایک[ح۲] حدیث میں ہے کہ عمل خفیہ کا ثواب بہ نسبت عمل ظاہر کے ستر گنا ہے مگر جس عمل ظاہر میں اور لوگ اقتدا کریں اس کا ثواب بہ نسبت اس خفیہ کے ستر گنا ہے اور یہ دلیل ایسی ہے کہ اس میں خلاف کی گنجائش نہیں اس واسطے کہ جب دل آمیزش ریا سے خالی ہو اور خفیہ اور ظاہر میں ایک ہی صورت کے اخلاص پر عمل تمام ہوا ہو تو جس عمل سے اقتدا حاصل ہوتی ہو وہ بیشک افضل ہو گا عمل کے ظاہر ہونے سے صرف خوف ریا ہی ہے پس اگر ریا کی آمیزش حاصل ہوئی تو غیر کی اقتدا سے اس کو کیا فائدہ ہو گا خود تباہ ہو جاوے گا اس صورت میں بلا خلاف اظہار کی نسبت عمل خفیہ افضل ہے لیکن جو شخص عمل کو ظاہر کرنا چاہے تو اس کو دو باتیں سوچ لینی چاہییں۔ اول تو یہ کہ اظہار ایسی جگہ کرے جہاں یقین خواہ غلبہ ظن لوگوں کی اقتدا کا ہو کیونکہ بہت آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اقتدا ان کے گھر والے ہی کرتے ہیں ہمسائے نہیں کرتے اور بعضوں کی اقتدا ہمسائے کرتے ہیں محلہ والے نہیں کرتے بعضوں کی محلہ والے کرتے ہیں بازاری نہیں کرتے مگر عالم مشہور کی اقتدا سب لوگ کرتے ہیں تو غیر عالم اگر بعض طاعات کو ظاہر کرے گا تو کیا عجب ہے کہ اس کو لوگ ریا و نفاق کی طرف نسبت کر کے ہجو کریں اور اس کی اقتدا نہ کریں تو اس کے حق میں اظہار عمل بے فائدہ ہے اظہار بہ نیت اقتدا اسی شخص کو چاہیے جو اقتدا کا رتبہ رکھتا ہو اور ایسے لوگوں میں ہو جو اس کی اقتدا کریں دوسری بات

ح[۱] اس کو اس کا ثواب ہے اور ثواب اس کا جو عمل کرے اس پر ۱۲ ح[۲] بیہقی نے اس کے دونوں جملوں کو بروایت ابو داؤد عائشہ جدا جدا نقل کیا ہے مگر اور جملہ کو بقیہ کے افراد میں سے کہا ہے اور دوسرے کو معاویہ بن یحییٰ صدفی سے ۱۲

یہ ہے کہ اپنے دل کی نگہبانی کرے ایسا نہ ہو کہ اس میں محبت ریائے خفی کی ہو اور اسی کی جہت سے اقتداء کے بہانے سے اظہار کرتا ہو اور غرض یہ ہو کہ عمل سے آراستہ ہو کر مقتدا بن جاؤں اور اکثر عمل کے ظاہر کرنے والوں کا یہی حال ہے مگر بڑے زبردست مخلص ایسے نہیں ہوتے ان کا وجود کم ہے تو چاہیے کہ کہیں نفس سرکش بے چارہ ضعیف کو فریب دے کر ناواقفی میں تباہ نہ کر دے ضعیف کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پانی میں ڈھنڈھیا نا تھوڑا سا جانتا ہو اور لوگوں کو ڈوبتا دیکھ کر ان پر رحم کرے اور ان کو بچانا چاہے جب وہ سب اس کو پکڑ لیں تو آپ بھی ڈوبے اور وہ بھی ڈوبیں اور پانی میں ڈوبنے کی تکلیف تو ایک گھڑی بھر کی ہوتی ہے کاش ریا سے تباہ ہونے کی بھی تکلیف ایسی ہوتی تو کچھ غم نہ تھا اس کا عذاب تو دائمی ہے مدتوں تک رہے گا اور یہ ریا ایسی بلا ہے کہ اس میں عابد اور عالم سب لغزش کھا جاتے ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ جیسے زبردست لوگ اپنے اعمال کو ظاہر کرتے ہیں ویسے ہی ہم بھی کریں حالانکہ ان کے دلوں میں قوت اخلاص نہیں تو ریا کے باعث ان کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں اور ریا کو سمجھنا بہت دشوار ہے اور اس کا امتحان یہ ہے کہ اپنے نفس پر یہ امر پیش کرے کہ اگر کوئی تجھ سے کہے عمل خفیہ کر لوگ اور کسی عابد کی اقتداء کر لیں گے تجھ کو ثواب خفیہ اور ظاہر کا یکساں ہی ہو گا پس اگر اس سوال سے نفس اسی بات کو چاہے کہ اس عمل میں مقتدا میں ہی بنوں اور میں ہی ظاہر کروں تو معلوم کر لینا چاہیے کہ باعث اس اظہار کا ریا ہے نہ طلب ثواب اور نہ لوگوں کی اقتدا و ترغیب خیر کیونکہ لوگوں کو رغبت خیر تو دوسرے عابد کے دیکھنے سے بھی ہو سکتی ہے اور اس کا ثواب بھی اظہار کی نسبت خفیہ میں زیادہ ہو گا پھر اگر لوگوں کا دکھلانا منظور ہی نہیں تو کیا وجہ ہے کہ اس کے دل کو میل اظہار عمل کا ہے۔ حاصل یہ کہ بندہ کو نفس کے فریب سے پرحذر رہنا چاہیے نفس بڑا مکار ہے اور شیطان جدا گھات میں ہے۔ اور محبت جاہ دل پر غالب ہے اور اعمال ظاہری آفتوں سے کم بچتے ہیں اور سلامتی اعمال خفیہ ادا کرنے میں ہے عمل کے سالم رہنے کے برابر کوئی چیز نہیں ظاہر کرنے میں ایسے خطرے ہیں کہ ہم جیسے لوگوں کو ان کی برداشت و طاقت نہیں تو ہمارے لیے اور سب ضعیفوں کے لیے اظہار سے خوف ہی اولیٰ ہے دوسری قسم یہ ہے کہ عمل سے فارغ ہونے کے بعد اس کو کہہ دے اس کا حکم بھی مثل اظہار نفس عمل کے ہے اور خطرہ اس میں بہت ہے اس لیے کہ زبان سے کہہ دینا بہت سہل ہے زبان ہلاتے کچھ مشقت نہیں معلوم ہوتی اور چونکہ آدمی کو بڑا بول ہمیشہ لذیذ معلوم ہوتا ہے اس واسطے بیان کرتے وقت کچھ زیادتی اور مبالغہ بھی ہو جاتا ہے مگر یہ اظہار قولی اگر ریا کے واسطے ہو گا تو اتنی بات ہے کہ عبادت گذشتہ کے فاسد کرنے میں اثر نہیں کرے گا اس نظر سے البتہ قسم اول کی نسبت کم خفیف ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ جس شخص کا دل قوی اور اخلاص کامل ہو اور آدمی اس کی نظروں میں حقیر اور ان کی مدح و ذم اس کے نزدیک مساوی ہو اور اظہار بھی ایسے لوگوں میں کرے جن سے توقع اقتدا کی اور رغبت خیر کی معلوم ہوتی ہو تو اظہار جائز بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ نیت صاف اور سب آفات سے سالم ہو اس واسطے کہ اظہار میں خیر

کی ترغیب ہے اور ترغیب خیر بھی ایک امر خیر ہے اور اکابر سلف سے اس طرح کا اظہار منقول ہے چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ کا قول ہے کہ میں نے شروع اسلام سے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں نماز کے سوا نفس میں کسی اور چیز کا خطرہ ہوا ہو اور کسی ایسے جنازہ کے پیچھے نہیں گیا جس میں اس کے سوال وجواب کے سوا اور کچھ دھیان گذرا ہو اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی اس کو یہی یقین کر لیا کہ حق ہے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ میں تونگر ہو گیا یا مفلس اس لیے کہ مجھے یہ تو معلوم ہی نہیں کہ تونگری و مفلسی میں سے تیرے حق میں کون سی بہتر ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے اوپر کوئی ایسا حال نہیں گذرا کہ میں تمنا کی ہو کہ کوئی دوسرا حال ہوتا تو اچھا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کا قول ہے کہ جیسے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعتؓ کی تب سے کبھی زنا کیا نہ جھوٹ بولا نہ داہنے ہاتھ سے اپنی شرم گاہ کو چھوا۔ اور شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے شروع اسلام سے کوئی کلمہ بدون درستی و پرداخت کے منہ سے نہیں نکالا سوائے اس کلمہ کے جو آج نکل گیا اور اس روز غلام سے کہا تھا کہ دستر خوان لے آؤ کہ اس کو بھیج دیں اور صبح کا کھانا منگا دیں غرض یہ کہ بدون حاجت کبھی کلام زبان پر نہیں گذرا مگر آج اتفاق ہو گیا اور حضرت ابو سفیانؓ نے نزع کے وقت اپنے گھر والوں کو فرمایا کہ مجھ پر مت رونا اس لیے کہ میں نے شروع اسلام سے آج تک کوئی گناہ نہیں کیا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ مجھ سے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر کوئی حکم قضا جاری فرمایا ہو اور میں نے اس بات کو اچھا جانا ہو کہ کوئی اور امر ہوتا تو خوب تھا اور مجھے ہوائے نفسانی ہمیشہ ایسی جگہ ہوئی ہے جو خدا نے میرے مقدر میں لکھ دی تھی۔ ان روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب باتیں عمدہ احوال کے ظاہر کرنے میں منقول ہیں اور ان میں نہایت ترغیب ہے بشرطیکہ کہنے والا مقتدا ہو اور پرلے سرے کی ریاکاری ہے اگر کہنے والا ریاکار ہو۔ حاصل یہ کہ اس قسم کی باتوں کا اظہار زبردستوں کے لیے بقصد ترغیب جائز ہے اور اس میں وہی شرطیں ہیں جو ہم اوپر لکھ چکے ہیں پس باب اظہار اعمال کو بالکل مسدود کرنا مناسب نہیں اس لیے کہ طبیعتیں تشبہ اور اقتدا کو بہت چاہتی ہیں یہ بات سرشت انسانی میں داخل ہے بلکہ ریاکار بھی اگر اپنی عبادت ظاہر کرتا ہے اور لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ ریا کے واسطے کرتا ہے تو اس سے بھی لوگوں کو بہت فائدہ ہو رہتا ہے مگر خاص اس کے حق میں مضر ہے بہت سے مخلص ایسے ہیں کہ ان کے اخلاص کا سبب یہی ہوا کہ انہوں نے اقتدا کسی ریاکار کی کی گو وہ خدا کے نزدیک ریاکار تھا مگر اس کی اقتدا سے دوسروں کو فائدہ ہو گیا بصرے کے کوچوں میں نماز صبح کے وقت اگر کوئی گذرتا تو ہر روز ایسا تھا کہ تمام گھروں میں تلاوت کی آواز آتی

ح ابو یعلی موصلی نے بروایت انس بسند ضعیف اس کو نقل کیا ہے ۱۲

تھی مگر جب ایک شخص نے ایک کتاب دقائق ریا کے باب میں لکھی تو سب لوگوں نے تلاوت ترک کی اور اس کی رغبت اوروں کو بھی نہ ہوئی پھر لوگ کہنے لگے کہ یہ کتاب نہ بنتی تو خوب ہوتا غرض کہ ریا کار کے اظہار سے بھی فائدہ ہوتا ہے بشرطیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ ریا کے باعث عمل کرتا ہے اور یہ خود حدیث میں وارد ہے ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر وباقوام لاخلاق لھم تو جن ریا کاروں کو دیکھ کر لوگ اعمال خیر پر متوجہ ہوتے ہیں وہ مصداق اسی حدیث کے ہیں۔

نمبر ۸ گناہوں کو چھپانا اور ان کے اظہار کی مذمت

واضح ہو کہ اخلاص کے باب میں اصل یہ ہے کہ باطن وظاہر یکساں ہو جاویں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ارشاد فرمایا تھا کہ ہمیشہ عمل اعلانیہ کو اپنے اوپر لازم کر اس نے عرض کیا کہ عمل علانیہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ عمل اعلانیہ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا اس پر آگاہ ہو جاوے تو اس سے شرم نہ کرے ابومسلم خولانیؒ کا قول ہے کہ میں کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جس پر لوگوں کا مطلع ہونا برا معلوم ہوتا ہو مگر اپنی منکوحہ سے ہم بستر ہونا اور بول و براز کرتے میں اطلاع خلق بری معلوم ہوتی ہے لیکن یہ درجہ بہت بڑا ہے ہر کسی کو نہیں مل سکتا انسان کا یہ حال ہے کہ دل سے اور اعضائے ظاہری سے گناہ کر کے چھپاتا ہے اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا برا جانتا ہے خصوص جب دل پر وساوس شہوات کے گذرتے ہیں حالانکہ خدا تعالےٰ کو سب کچھ معلوم ہے پس بندے کا گناہ کو اپنے ہم جنس سے مخفی کرنا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ریا ممنوع میں داخل ہے مگر واقع میں ایسا نہیں واقع میں ممنوع یہ امر ہے کہ اپنے عیب اس لیے چھپاوے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ متقی اور پرہیزگار ہے اور خود ویسا نہ ہو ریا کار کا چھپانا اسی قسم کا ہوتا ہے اور جو شخص نیک بخت ریا کار نہیں اس کو بھی اپنے عیب چھپانے چاہییں اور اگر ان پر کوئی مطلع ہو جاوے تو اس کو غم کرنا درست ہے اس پردہ پوشی و غم کی آٹھ وجہیں ہیں اول تو یہ کہ خدائے تعالےٰ نے جو اس کا پردہ چھپا رکھا تھا یہ اس سے خوش تھا جب پردہ فاش فرمایا تو اس کو اس وجہ سے غم ہوا کہ قیامت میں بھی پردہ فاش ہوگا کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے[۲] من ستر اللہ علیہ فی الدنیا ذنبا سترہ اللہ علیہ فی الاخرۃ۔ اور یہ غم قوت ایمان کے باعث پیدا ہوتا ہے دوسری یہ کہ اس کو معلوم ہے خدائے تعالےٰ کو ظاہر ہونا گناہوں کا برا معلوم ہوتا ہے اور ان کی پردہ پوشی محبوب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے[۳] من ارتکب شیئاً

---

[۱] اللہ تعالیٰ مدد کرے گا اس دین کی بدکار آدمی سے اور ایسے لوگوں سے جن کو بہرہ نہ ۱۲ یہ دو حدیثیں ہیں پہلی کو بخاری و مسلم نے بروایت ابوہریرہؓ نقل کیا ہے اور دوسری کو نسائیؒ نے بروایت انسؓ ۱۲ عہ یعنی داہنے ہاتھ سے ۱۲ عسہ قولہ ذرانہ کیا اصل میں تعنیت ہے شاید اس کو عنت سے ماخوذ سمجھا حالانکہ حضرت عثمانؓ نے کبھی زمانہ جاہلیت میں بھی یہ فعل بد نہیں کیا تھا تو یہاں مراد یہ ہے کہ کبھی راگ نہیں نکالا واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲

[۲] جو شخص کہ چھپاوے اللہ اس پر دنیا میں کوئی گناہ چھپاوے گا اس کو اس پر آخرت میں ۱۲ اوپر گذری [۳] جو شخص مرتکب ہو ان پلید چیزوں میں

من ھٰذہ القاذورات فلیستتر بستر اللہ تو اگرچہ گناہ کے باعث اس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی مگر دل میں محبت اس بات کی رہی جو خدائے تعالیٰ کو محبوب تھی اور جو چیز اس کو بری معلوم ہوتی ہے وہ اس نے بھی بری سمجھی اور اس پر غم کیا اس کا منشا یہی ہے کہ ظہور معاصی کو خدا تعالیٰ کے برے جانتے پر ایمان قوی ہوا اور اس ایمان کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے کا گناہ ظاہر ہو جاوے تو ایسا ہی غم ہو جیسے اپنے گناہ کے ظہور کا تیسری وجہ گناہ کے باعث لوگوں کی مذمت سے رنج کرنے کی یہ ہے کہ مذمت کی جہت سے دل اور عقل کو غم ہوتا ہے اور اسی غم کے باعث دونوں طاعت الٰہی سے باز رہتے ہیں کیونکہ طبیعت مذمت سے ایذا پاتی ہے اور عقل سے نزاع کر کے اس کو طاعت سے روک دیتی ہے مگر اس اعتبار سے چاہیے کہ جس تعریف سے کہ دل خدا کی یاد سے پھرتا ہو اس تعریف کو بھی برا سمجھے اور رنج کرے کیونکہ جو علت مذمت میں ہے وہی یہاں ہے بلکہ اور یہ بات قوت ایمان ہی سے ہوتی ہے اس لیے کہ ادائے طاعت کے لیے فراغ دل کی طرف رغبت کا درست ہونا ایمان ہی سے ہوتا ہے چوتھی یہ کہ گناہوں کا چھپانا اور ان کے چھپانے کی رغبت کرنی اس لیے ہوتی ہے کہ آدمیوں کی مذمت شاق معلوم ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے رنج بھی ہوتا ہے کہ دل کو ایذا پہنچتی ہے اس لیے کہ مذمت دل کو ایسا ہی صدمہ دیتی ہے جیسا ضرب سے بدن کو پہنچتا ہے اور رنج کرنا دل کا مذمت کے سبب حرام نہیں نہ انسان اس کی جہت سے گنہگار ہوگا البتہ گنہگار اس صورت میں ہوتا ہے کہ نفس مذمت سے مضطر ہو کر اس کے ڈر سے کسی امر ممنوع کا مرتکب ہو بہر صورت انسان پر واجب نہیں کہ خلق کی مذمت سے رنج والم نہ کرے ہاں کمال صدق یہ ہے کہ خلق کی نمود اس سے جاتی رہے اور اس کے نزدیک برا کہنے والا اور تعریف کرنے والا یکساں معلوم ہو بایں لحاظ کہ اس کو معلوم ہے کہ نفع کرنے والا اور ضرر دینے والا خدا تعالیٰ ہے اور بندے سب کے سب عاجز ہیں مگر اس طرح کے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اکثر طبیعتوں کو مذمت سے ایذا ہوتی ہے کیونکہ مذمت کے باعث اپنے نقصان سے واقف ہوتے ہیں اور بعض اوقات مذمت سے رنج ہونا اچھا بھی ہوتا ہے خصوصاً جب کہ برا کہنے والا دیندار اہل بصیرت ہو کیونکہ وہ لوگ خدائے تعالیٰ کے گواہ ہوتے ہیں ان کی مذمت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص خدا کے نزدیک بھی مذموم ہے اور دین میں ناقص تو کس طرح غم نہ ہوگا یہ بات تو رنج و غم ہی کی ہے البتہ غم جو برا ہی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ میرے متقی ہونے کی تعریف کیوں نہیں کرتے گویا اپنے تقویٰ پر تعریف چاہتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی طاعت پر حمد کا طالب ہونا جائز نہیں اس لئے کہ طاعت خدا پر ثواب دوسرے سے طلب کرنے کے کیا معنی پس اگر ایسا خطرہ دل میں آوے تو واجب ہے کہ اس کو مکروہ جان کر رد کرے لیکن گناہ پر لوگوں کے برا کہنے سے کراہت کرنا سرشتی امر ہے اور مذموم نہیں اس لیے گناہ کو در پردہ رکھنا اس خوف

ے کسی چیز کا تو چاہیے کہ پردہ پوشی کرے خدا کے پردہ سے ۱۲ حاکم نے مستدرک میں نقل کی ہے ۱۲

سے کہ لوگ برا نہ کہیں جائز ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ آدمی محبت حمد تو نہ رکھتا ہو مگر مذمت کو برا جانتا ہو اور غرض اس کی یہ ہو کہ لوگ مجھ کو نہ بھلا کہیں نہ برا مثلاً اکثر صابر لذت حمد سے الم مذمت پر صبر نہیں کرتے اس لیے کہ حمد لذت کے واسطے مطلوب ہوتی ہے اور لذت نہ ہونے سے کچھ درد نہیں ہوتا مگر مذمت باعث درد ہے پس طاعت پر حمد کی خواہش کرنی اس طاعت کا ثواب اسی وقت لے لیتا ہے اور گناہ پر مذمت کو برا جاننے میں کوئی بات نہیں صرف اتنا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے مطلع ہونے کے رنج میں خدا کا مطلع ہونا بھول جاوے یہ نہایت درجہ کا دین میں نقصان ہے بلکہ یوں مناسب ہے کہ خدائے تعالےٰ کے مطلع ہونے اور اس کی مذمت کا زیادہ غم ہو پانچویں یہ کہ مذمت کو اس وجہ سے برا جانے کہ مذمت کرنے والے نے خدائے تعالےٰ کی نافرمانی کی اور یہ بات بھی ایمان کے باعث پیش آتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر دوسرے کی مذمت کرے جب بھی اتنا ہی رنج ہو جتنا اپنی مذمت سے ہوا ہے کیونکہ علت رنج دونوں صورت میں یکساں ہے چھٹی یہ کہ گناہ کو اس لیے پوشیدہ کرتا ہے تاکہ اطلاع ہونے پر کوئی کسی طرح بدی نہ پہنچاوے اور یہ بات صدمہ مذمت کے علاوہ ہے اس واسطے مذمت کا صدمہ اس جہت سے ہوتا ہے کہ آدمی کے دل کو اپنے نقصان اور خست کا شعور ہوتا ہے اگرچہ مذمت ایسا ہی شخص کرے جس کے شر سے مامون ہو مگر بعض اوقات خوف یہ ہوتا ہے کہ اگر گناہ پر کسی کو اطلاع ہو گی تو وہ کسی اور سبب سے شرارت کرے گا اس صورت میں جائز ہے کہ اس شرارت کے خوف سے خفیہ رکھے ساتویں وجہ صرف حیا کا ہونا کہ یہ بھی ایک طرح کا الم ہے سوائے مذمت اور شرارت کی تکلیف کے اور حیا ایک عمدہ عادت ہے جو شروع لڑکپن میں سن تمیز کے وقت جب نور عقل چمکتا ہے پیدا ہوتی ہے اسی کے باعث اگر اس کی بری باتوں کو کوئی دیکھ لیتا ہے تو شرم کرتا ہے اور یہ ایک وصف محمود ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحیاء خیر کلہ اور فرمایا الحیاء شعبۃ من الایمان اور فرمایا الحیاء لا یأتی الا بخیر اور فرمایا کہ ان اللہ یحب الحیی الحلیم پس جو شخص کہ فسق کرتا ہے اور اس بات کی کچھ پروا نہیں کرتا کہ لوگوں کو اس کا فسق معلوم ہو جاوے گا وہ فسق کے ساتھ پردہ دری اور بے شرمی کو زیادہ کرتا ہے اور اس شخص کی نسبت برا ہے جو فسق کو چھپاتا ہے اور شرم کرتا ہے مگر حیا ریا کے ساتھ بہت ہی مشابہ ہے کم لوگ اس کی تمیز کرتے ہیں ہر ایک ریاکار یہی دعویٰ کرتا ہے کہ میں حیادار ہوں اور عبادتوں کو جو اچھی طرح ادا کرتا ہوں اس کا سبب یہی ہے کہ لوگوں سے شرم آتی ہے اور یہ جھوٹ ہے بلکہ حیا ایک عادت ہے کہ طبیعت کریم سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد سبب

ح حیا بالکل خیر ہے ۱۲ مسلم بروایت عمران بن حصین ۱۲ ح حیا ایک شاخ ہے ایمان کی ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ح حیا نہیں لاتی مگر بہتری ۱۲ بخاری و مسلم ح اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے حیا والے بردبار کو ۱۲ طبرانی بروایت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ۱۲

ریا اور سبب اخلاص ہیجان میں آتے ہیں تو ممکن ہے کہ آدمی حیا کے باعث اخلاص کرے یا ریا کرے مثلاً فرض کرو کہ ایک شخص اپنے دوست سے قرض مانگتا ہے اور اس کا دل قرض دینے کو نہیں چاہتا مگر اس کو جواب صاف دینے سے حیا کرتا ہے اور جانتا ہے کہ وہ شخص کسی دوسرے کی زبانی قرض کے لیے کہلا بھیجتا تو شرم نہ آتی اور نہ قرض دیتا نہ ریا کے باعث نہ ثواب کے باعث تو اس دینے والے کے کئی حال ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ جواب صاف دے دے اور قلب حیا کی پروا نہ کرے تو یہ کام تو بے حیاؤں کا ہے حیادار بہانہ کرتے ہیں یا قرض دیتے ہیں اور دینے کی صورت میں تین حال ہیں اول تو یہ کہ ریا کے ساتھ حیا کی آمیزش ہو مثلاً اول حیا آئی کہ جواب دینا برا ہے پھر ریا کا ہیجان ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ دینا ہی چاہیے تاکہ قرض خواہ تیری مدح و ثنا کرے اور نام سخاوت میں مشہور ہو یا اس سبب دینا مناسب ہے کہ مجھ کو برا نہ کہے اور بخل کی طرف منسوب نہ کرے اس صورت میں اگر دے گا تو ریا کے باعث دے گا مگر یہ ریا کے ہیجان و جوش سے پیدا ہوتا ہے دوسرے یہ کہ حیا کے سبب جواب صاف نہیں دے سکتا اور نفس کے بخل کے بارے کچھ قرض بھی نہیں دیتا تو اس حال میں اس پر سبب اخلاص کا ہیجان ہوا اور کہنے لگا کہ صدقہ دینے کا تو ایک ہی ثواب ہے اور قرض کا اٹھارہ گنا ہے اس میں بہت ثواب ہے اور دوست کا دل خوش کرنا اس پر علاوہ ہے اور خدا کے نزدیک بہت اچھا ہے اس ترغیب نفس کے دینے پر راضی ہو گیا تو یہ شخص مخلص ہے اور اس کا اخلاص حیا کے سبب پیدا ہوا ہے تیسرے یہ کہ دینے والے کو نہ رغبت ثواب کی ہے نہ خوف قرض خواہ کی مذمت کا اس کی تعریف کی اس لیے کہ ان میں سے اگر کوئی بات ہوتی تو غیر کی زبانی کہلا بھیجنے پر بھی دے دیتا اور مفروض یہ ہے کہ اگر کوئی مانگنے آتا تو دیتا پس اس صورت میں صرف قرض خواہ کی ہی شرم سے دیا اگر اس کی شرم نہ ہوتی تو جواب دے دیتا یا کوئی ایسا شخص آتا جس کا لحاظ نہ کرنا پڑتا مثلاً کوئی اجنبی یا کمینہ مانگتا تو اس کو ہٹا دیتا گو بہت سی تعریف یا ثواب کا موجب ہوتا غرض کہ اس طرح کا دینا صرف حیا کی جہت سے ہے اور یہ صورت حیا کی بری باتوں ہی میں پیش آتی ہے جیسے بخل اور ارتکاب گناہوں کا اور ریاکار مباحات میں بھی شرماتا ہے یہاں تک کہ اگر دوڑا جاتا ہو تو لوگوں کے دیکھنے سے ٹھہر جاتا ہے یا ہنس رہا ہو تو چپ ہو جاتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ میں حیا کرتا ہوں حالانکہ یہ حیا نہیں عین ریا ہے اور یہ جو قول مشہور ہے کہ بعض حیا اچھی نہیں ہوتی بہت درست ہے اس حیا سے وہ حیا مراد ہے جو ایسی چیز دل سے ہے جو بری نہیں مثلاً لوگوں کو نصیحت کرنے سے حیا کرنی یا نماز پڑھانے سے حیا کرنی اس قسم کی حیا اگر عورتوں اور لڑکوں میں ہو تو اچھی ہے اور عقلا میں اچھی نہیں اور کبھی آدمی کسی بوڑھے کو مرتکب کسی معصیت کا دیکھتا ہے مگر اس کو بوڑھا ہونے کے لحاظ سے اس کو منع کرتے شرم آتی ہے اس لیے کہ تعظیم کرنا بوڑھے مسلمان کا تعظیم کرنا خدا کا ہے یہ حیا اچھی ہے مگر اس سے بہتر یہ ہے کہ خدا سے شرم کرے اور امر بالمعروف کو فرو گذاشت نہ کرے۔ زبردست لوگ تو یہی کرتے ہیں کہ خدا کی شرم کو لوگوں کی شرم پر ترجیح کرتے ہیں اور

کمزوروں سے یہ نہیں ہو سکتا آٹھویں یہ کہ گناہ کے ظاہر ہونے سے یہ خوف ہو کہ کوئی دوسرا شخص میری دیکھا دیکھی ایسا ہی کرے گا اور یہ وجہ ہے کہ اظہار طاعت میں جاری ہے یعنی اظہار اسی وجہ سے جائز ہے کہ اس سے ترغیب واقتدا متصور ہے اور یہ وجہ ائمہ اور مقتداؤں سے مخصوص ہے مگر گناہ کے چھپانے میں یہ علت خاص نہ رہنی چاہیے عامی کو بھی اس کا پابند ہونا چاہیے اس کو بھی نہیں چاہیے کہ اپنا گناہ اپنے زن و فرزند پر ظاہر کرے ورنہ وہ لوگ بھی اس کی اقتدا کر کے ویسے ہی ہو جاویں گے۔ پس گناہ کے چھپانے میں یہ آٹھ عذر اور سبب ہیں اور اظہار طاعت میں بجز اس عذر ہشتم کے اور کوئی سبب نہیں اور جب معصیت کے چھپانے سے یہ مقصود ہو کہ لوگوں کے خیال میں متقی بنے تو ریاکار ہو گا جیسا کہ اظہار طاعت اسی غرض کے لیے کرنے سے ہوتا تھا۔ اب اگر یہ پوچھو کہ پھر بندے کو جائز ہے کہ اپنے صالح ہونے کی جہت سے لوگوں کی مدح کو محبوب جانے اور لوگ اس کو اسی جہت سے محبوب سمجھیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھ کو ایسا عمل ارشاد فرمائیے جس سے خدائے تعالےٰ مجھ کو محبوب جانے اور خلق بھی محبوب سمجھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں زہد کر خدائے تعالےٰ تجھ سے محبت کرے گا اور اس نکمے مال کو لوگوں کی طرف پھینک دے وہ تیرے ساتھ محبت کریں گے[خ] تو اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کی محبت اپنے ساتھ محبوب جاننی کبھی مباح ہے اور کبھی اچھی ہوتی ہے اور کبھی بری اچھی تو اس صورت میں ہے کہ لوگوں کی محبت کو اس لیے محبوب سمجھے کہ اس کی جہت سے تصور محبت الٰہی کا اپنے ساتھ ہو اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو بندوں کے دلوں میں اس کو محبوب کر دیتا ہے اور مذموم وہ صورت ہے کہ یہ چاہے کہ نماز روزہ اور حج و جہاد یا کسی اور طاعت معین پر لوگ مدح و ثنا کریں اور یہ اس لیے مذموم ہے کہ طاعت الٰہی پر سوائے ثواب خدا کے دوسرے سے عوض کا خواستگار ہوتا ہے اور مباح یہ صورت ہے کہ لوگوں کی محبت سوائے طاعات اور صفات محمودہ کے سبب خواہاں ہو اس بات کی محبت کا حکم مثل محبت مال کے ہے کیونکہ دلوں کا مالک ہونا ایسا ہی ذریعہ غرضوں کے حصول کا ہے جیسا مال کا مالک ہونا دونوں میں کچھ فرق نہیں۔

نمبر ۹ ریا سے ڈر کر اعمال خیر کا ترک کرنا

بعضے اشخاص عمل کو ہی خوف سے ترک کر دیتے ہیں کہ اس کے سبب سے ریاکار ہو جاویں گے اور یہ ان کی غلطی اور شیطان کا ساتھ دینا ہے بلکہ خوف آفات سے عمل کو چھوڑنا اور نہ چھوڑنا اس تفصیل سے ہے کہ طاعات کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن میں خود دین کچھ لذت نہیں مثلاً نماز روزہ و حج و جہاد کہ ان میں محنت و مجاہدہ ہی ہے اور لذیذ اس جہت سے ہو جاتی ہیں کہ ذریعہ لوگوں کی حمد کے حاصل کرنے کا ہیں اور وہ ایک

خ ابن ماجہ بروایت سہل بن سعد باختلاف ۱۲

لذیذ چیز ہے اور لوگوں کے مطلع ہونے پر حاصل ہوتی ہے اور ایک قسم طاعات کی وہ ہے جو خود لذیذ ہے اور وہ ایسے طاعات ہیں جو اکثر بدن پر موقوف نہیں بلکہ خلق سے متعلق ہیں جیسے خلافت اور قضا اور ولایت اور محتسب ہونا اور امامت نماز اور تذکیر و تدریس اور لوگوں کو مال دینا وغیرہ کہ ان میں خلق کے تعلق اور لذت ہونے کی جہت سے آفت زیادہ ہے قسم اوّل یعنی جو طاعتیں کہ بدن کو لازم ہیں اور غیر سے متعلق نہیں نہ خود ان میں لذت ہے مثل نماز روزہ اور حج کے تو خطرات ریا ان میں تین طرح ہیں اول وہ جو عمل سے پہلے آوے اور لوگوں کے دکھلانے کو ابتدائے عمل کا باعث ہو اور کوئی باعث دینی اس کے ساتھ نہ ہو تو ایسے عمل کو چھوڑ دینا چاہیے اس واسطے کہ وہ سراسر گناہ ہے اس میں طاعات نہیں بلکہ یہ لباس طاعت منزلت کی خواہش ہے پھر اگر آدمی سے یہ ہو سکے کہ اپنے نفس سے باعث ریا کو دور کرے اور کہے کہ تجھے خدا سے شرم نہیں آتی کہ اس کے بندوں کے واسطے تو عمل کرتا ہے اور اس کیلئے نہیں کرتا اور اس فہمائش سے باعث زیادہ ہو جاوے اور نفس خدا کے واسطے عمل کرنے کو تیار ہو اور تدارک مافات کرے تو چاہیے کہ عمل میں مشغول ہو دوسرے یہ کہ عمل کرنے کے لیے تو خدا ہی کے واسطے آمادہ تھا لیکن درمیان میں عبادت کے ساتھ خواہ اس کے اوّل ریا پیش ہو گیا تو اس صورت میں عمل چھوڑنا نہ چاہیے اس لیے کہ باعث دینی پایا گیا تو شروع عمل کرنا چاہیے اور اپنے نفس پر مجاہدہ کر کے ریا کو دفع کرے اور اخلاص اچھی طرح کرے ان علاجات سے جن کا ذکر ہم نے کیا ہے کہ کراہت ریا کی اور اس کے ماننے سے انکار کرنا چاہیے اور اپنے نفس پر لازم کرے تیسرے یہ کہ نیت عبادت اخلاص پر ہو مگر پھر ریا اور اس کے اسباب اثنائے عبادت میں طاری ہو جاویں تو اس صورت میں بھی مجاہدہ دفع ریا کے لیے ضروری ہے اور عمل کو چھوڑنا مناسب نہیں بلکہ بزور اپنے نفس کو اخلاص کی طرف رجوع کرے اور تمامی عمل تک اسی پر رہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان اول تو یہی چاہتا ہے کہ آدمی عمل نہ کرے پس اگر نہ مانا اور عمل شروع کیا تو ریا کی طرف کھینچتا ہے اگر اس کو بھی نہ مانا اور کام کیے گیا تو کہتا ہے کہ یہ عمل خالص نہیں تو ریاکار ہے اور محنت تیری برباد جس عمل میں اخلاص نہیں اس سے تجھ کو کیا فائدہ ہوگا اور یہی کہے جاوے گا یہاں تک کہ آدمی عمل چھوڑ دے اور یہی اس کی غرض ہوتی ہے اور جو شخص کہ ریاکاری کے ڈر سے عمل چھوڑ دے اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کے آقا نے اس کو گیہوں دیئے جن میں کچھ ملا تھا اور کہا کہ ان کو صاف کر تو اور خوب صاف کرتا کہ تنکا وغیرہ کچھ نہ رہے تو یہ شخص اس ڈر سے کہ اگر میں صاف کروں گا تو اچھی طرح نہ ہوں گے بالکل اس خدمت کو بجا نہ لاوے یہی حال ہے کہ اخلاص کے نہ ہونے کے باعث اصل عمل ہی چھوڑ دیا جاوے اور اسی طرح اگر عمل کو اس خوف سے چھوڑ دے کہ لوگ مجھ کو ریاکار کہنے سے گنہگار ہوں گے ان کا وبال مجھ پر رہے گا تو یہ بھی شیطان کا فریب ہے اس لیے کہ اول تو مسلمانوں پر بدظنی کی جو اس کے لیے شایان نہ تھی دوم یہ کہ ان کا قول اس کو مضر نہیں تو ثواب عبادت مفت کھوتا ہے سوم یہ کہ عمل کو اس لیے چھوڑنا کہ لوگ

ریاکار کہیں گے یہ عین ریا ہے اگر اس کو ان کی مدح کی محبت اور خوف مذمت نہ ہوتا ان کے قول کی کیا پرواہ تھی خواہ ریاکار کہیں یا مخلص اور عمل کو اس خوف سے چھوڑ دینا کہ لوگ ریاکار کہیں گے یا اس سبب سے اچھی طرح بجالانا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ غافل اور کاہل ہے ان دونوں میں کیا فرق ہوا بلکہ عمل کو چھوڑنا ہی بہت برا ہے غرضکہ یہ سب شیطان کے فریب ہیں کہ جاہل عابدوں کے ساتھ کیا کرتا ہے پھر عمل چھوڑنے سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ شیطان سے بچ رہوں گا وہ تو پیچھا نہیں چھوڑے گا بلکہ ترک عمل کے بعد یوں کہے گا کہ اب لوگ تجھ کو تارک عمل کہیں گے کہ یہ شخص شہرت کا طالب نہیں بڑا مخلص ہے ایسی ایسی باتوں سے ناچار آدمی کو شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا پھر اگر بھاگ کر کسی بل میں گھس جاوے گا تب دل میں اس بات کا چسکا ڈالے گا کسی طرح لوگوں کو خبر ہو کہ فلاں شخص زاہد ہو کر بھاگ گیا ہے اور کنارہ کشی کی تا کہ اس بات سے ان کے دلوں میں تعظیم ہو جاوے غرض اس کے فریبوں سے اور کوئی صورت نجات کی نہیں بجز اس کے کہ آفات ریا کو خوب جان لیا جاوے کہ اس کے باعث آخرت میں ضرر ہے اور دنیا کا کوئی فائدہ نہیں اس کو بُرا ہی جاننا چاہیے اور دل میں اس کا انکار ہی بھرا رہے اسی طرح ہمیشہ عمل کرتا ہے اور کچھ پروا وساوس کی نہ کرے اور اگر دشمن خواہ طبیعت سے نزاع کرے گا تو ان کی کچھ انتہا نہیں اور اس کے لیے عمل چھوڑنا اپنے آپ کو بیکار کرنا اور خیرات سے محروم رہنا ہے۔ حاصل یہ کہ جب تک آدمی کے عمل کا باعث دینی ہو تب تک عمل کو نہ چھوڑے بلکہ ریا کے وسوسے کو ٹالے اور دل میں خدا سے شرم کرے کہ نفس جو یہ چاہتا ہے کہ خدا طاعت کے عوض میں مخلوق کی حمد کو اختیار کرے تو خدا کی حمد کیا تھوڑی ہے وہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے اور اگر لوگوں کو دل کا حال معلوم ہو جاوے کہ ہمارے اچھا کہنے کے سبب سے عمل کرتا ہے تو بیشک بغض کریں اس صورت میں اگر آدمی سے یہ ہو سکے کہ خدا سے شرم کر کے اپنے نفس کو سزا دینے کے لیے عمل زیادہ کرے تو کرنا چاہیے اور اگر شیطان اس کو کہے کہ ریاکار ہے تو جان لینا چاہیے کہ وہ جھوٹا ہے بشرطیکہ دل میں ریا کی اور اس کے قبول کرنے کی برائی موجود ہو اور اس کا خوف اور شرم خدا سے حاصل ہو اور اگر نہ دل میں برائی ریا کی ہو نہ خوف نہ شرم اور نہ عمل کا کوئی باعث دینی ہو صرف ریا ہی باعث ہو تو عمل نہ کرنا چاہیے مگر یہ امر نہایت بعید ہے اس شخص سے جو خدا کے واسطے عمل کرتا ہے اس لیے کہ اس کے ساتھ اصل قصد ثواب تو رہتا ہے۔ یہاں اگر کوئی کہے کہ شہرت کے خوف سے عمل کو ترک کرنا اکابر سلف سے منقول ہے چنانچہ روایت ہے کہ ابراہیم نخعیؒ تلاوت کرتے تھے کہ اس عرصہ میں ان کے پاس کوئی شخص آیا انہوں نے کلام اللہ بند کر کے تلاوت موقوف کی اور کہا کہ اس کو معلوم نہ ہو کہ ہم ہر گھڑی تلاوت کرتے ہیں اسی طرح ابراہیم تیمی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب آدمی کو اپنا بولنا اچھا معلوم ہو چپ ہو جاوے اور جب سکوت خوش معلوم ہو تو کلام کرے اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بعض اکابر راستہ کی ایذا کی چیزیں دیکھتے تھے مگر شہرت کے ڈر کے مارے ان کو نہیں اٹھاتے تھے اور بعض کو رونا آتا تھا مگر شہرت کے خوف سے اس

کو مبدل بہ خندہ کر دیتے تھے اسی طرح بہت سے آثار اس باب میں وارد ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ شہرت کے خوف سے تو ترک عمل کی صرف چند روایتیں ہیں اور اس کے مقابل اظہار طاعت کی بیشمار نصوں سے موجود ہیں علاوہ ازیں جس قدر خوف شہرت رونے اور راستے کی ایذا دور کرنے میں ہے اس سے زیادہ حضرت حسن بصریؒ کے اس کلام کے وعظ میں ظاہر کرنے میں ہے باوجود اس کے کہ خود بیان فرمایا اور ان دونوں باتوں کو ترک نہیں فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ ترک نوافل کا جائز ہے اور ہمارا کلام افضل میں ہے اور افضل پر زبردست قادر ہوتے ہیں ضعیفوں کا کام نہیں افضل یہی ہے کہ عمل کو تمام کرے اور اخلاص پر کوشش کرے اور ورگذر نہ کرے اور ارباب اعمال شدت خوف کے باعث کبھی اپنے نفسوں کا علاج افضل کے خلاف سے کر لیا کرتے ہیں بس اقتدا زبردستوں ہی کا چاہیے۔ اور بند کرنا کلام اللہ کا جو حضرت ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے تو شاید اس غرض سے ہو کہ اس شخص کے آنے پر موقوف کرنا پڑے گا اور بعد چلے جانے کے پھر شروع کرتا ہوگا کیونکہ اس سے باتیں کرنی ہوں گی تو یہ خیال کیا کہ آخر اس کی دلداری کے لیے باتیں تو کرنی پڑیں گی کہ پھر دوبارہ آوے اگر تلاوت بھی ایسی طرح موقوف کی جاوے کہ وہ نہ دیکھے تو اس میں ریا سے بھی بچاؤ ہے اور راستے کی ایذا کو نہ اٹھانا ان لوگوں سے سرزد ہوتا ہے جو اپنے نفس پر آفت شہرت سے ڈرتے ہیں اور یہ خوف کرتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس ہجوم لوگوں کا ہوگا تو عبادتیں جو ایذا کے دور کرنے سے بڑی ہیں ان کے مانع ہوں گے پس اس امر کو چھوڑنا ان عبادت کی محافظت کے باعث تھا نہ صرف خوف ریا سے اور ابراہیم تیمی کا قول یہ ہے کہ جب کلام کرنا اچھا معلوم ہو تو چپ رہنا چاہیے اس سے شاید ان کی مراد کلام مباح سے ہو مثل فصاحت و خوش بیانی کی حکایات وغیرہ میں جس سے عجب پیدا ہوتا ہے اسی طرح سکوت مباح سے بھی عجب ممنوع ہے تو اس واقع میں مآل ان کے قول کا یہ ہے کہ ایک مباح کو چھوڑ کر بخوف عجب دوسرے مباح کے اختیار کرنا چاہیے اور کلام حق مستحب کی تصریح نہیں کہ اس کو بھی نہ کہنا چاہیے علاوہ اس کے آفت جو کلام میں زیادہ ہوتی ہے وہ قسم ثانی میں واقع ہے اور ہم ان عبادات کا بیان کرتے ہیں جو خاص بدن انسان سے ہوتی ہوں اور خلق کا تعلق اس میں نہ ہو اس قسم میں آفات زیادہ نہیں ہیں پھر حضرت حسن بصری کا قول جو ترک گریہ اور دفع ایذا بخوف شہرت کے باب میں ہو سکتا ہے کہ وہ احوال ان ضعیفوں کا ہو جو افضل شے کو نہیں جانتے اور ان دقائق کو نہیں پہچانتے آپ نے صرف آفت شہرت سے لوگوں کو ڈرانے کے لیے مذکور فرمایا ہو کہ سن کر طلب سے باز ہیں **دوسری قسم** عبادات کی جو خلق سے متعلق ہے اس میں آفتیں اور خطرے زیادہ ہیں سب میں زیادہ خلافت اور امامت ہے پھر حکومت قضا پھر تذکیر و تدریس و فتوی پھر مال کا دینا ہر ایک کا بہ تفصیل سننا چاہیے خلافت جو عبارت اہل اسلام کے سردار سے ہے اگر عدل و اخلاص کے ساتھ ہو تو افضل عبادات ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے ام الیوم من امام

عادل خیرمن عبادۃ الرجل وحدہ ستین عامًا - تو اُس سے زیادہ کونسی عبادت ہوگی جس کا ایک روز ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہو اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اول من یدخل الجنۃ ثلاثۃ الامام المقسط احدھم اور حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے ثلثۃ لا ترد دعوتہم الامام العادل احدھم اور حضرت ابوسعید خدری سے یہ حدیث مروی ہے اقرب الناس منی مجلسًا یوم القیامۃ امام عادل غرضکہ امامت اور خلافت اعظم عبادت میں سے ہیں اور چونکہ اس میں خطرہ بہت ہے اس لیے متقی اس سے ہمیشہ کنارہ کرتے رہے کیونکہ اس کے باعث صفات باطنی حرکت کرتے ہیں اور نفس پر محبت جاہ اور لذت غلبہ اور اجرائے حکومت کے جو لذائذ دنیاوی میں سے بڑھ کر ہیں غالب ہو جاتے ہیں جب ولایت کی محبت ہوتی ہے تو والی اپنے حظ نفس میں کوشش کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اپنی ہوائے نفسانی کی پیروی میں جو امر کہ مخل جاہ و ولایت میں ہو گو امر حق ہی کیوں نہ ہو اس سے درگذر کرے اور جس چیز سے کہ منزلت زیادہ ہو اگرچہ باطل ہو اس کو بجالاوے اور تباہ ہو جاوے اور پھر ایک روز سلطان ظالم کا ساٹھ برس بدکاری سے بدتر ہو جاوے مفہوم اس حدیث کے جو امام عادل کے بیان میں گذری اور اسی بڑے خطرے کی جہت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب اس عہدے میں اتنی مصیبت ہے اس کو کون لے سکتا ہے اور آپ کا ارشاد صحیح ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مامن والی عشرۃ الاجاء یوم القیامۃ مغلولۃ یدہ الی عنقہ اطلقہ عدلہ او اوبقہ جورہ اس روایت کو حضرت معقل بن یسارؓ نے بیان کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے حضرت معقل بن یسار کو کسی جگہ کا والی کرنا چاہا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین آپ اس بات میں مجھ کو مشورہ بتلائیے کہ قبول کروں یا نہیں آپ نے فرمایا کہ اگر میری ہی صلاح پر رکھتے ہو تو میرے نزدیک بیٹھ رہو مگر میرے مشورہ کا ذکر اور کسی سے مت کرنا اسی طرح حضرت حسنؒ روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو والی کرنا چاہا تو اس نے عرض کیا کہ آپ ہی اس کو فرمائیے کہ میرے لیے بہتر ہے یا نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ بیٹھ رہو۔ اور عبدالرحمن بن سمرہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ

ترایک دن امام عادل سے بہتر ہے اکیلے آدمی کی ساٹھ برس کی عبادت سے ۱۲ طبرانی و بیہقی بروایت ابن عباسؓ ۱۲ جنت میں سب سے پہلے تین آدمی جاویں گے ان میں سے ایک امام عادل ہے ۱۲ مسلم بروایت عیاض بن حمار بالفاظ دیگر اور لفظ اوسط کا میں نے اس میں نہیں دیکھا ۱۲ ح تین آدمیوں کی دعا نامقبول نہیں ہوتی ایک ان میں سے امام عادل ہے ۱۲ پیشتر گذری ۱۲ ح قیامت کے دن قریب ترنشست میں امام عادل ہے ۱۲ ترمذی بالفاظ دیگر اور کہا ہے کہ حسن غریب ہے ۱۲ ح جو دس کا بھی حاکم ہے وہ قیامت میں آوے کہ اس کے ہاتھ گردن کے طوق ہوں گے یا تو اس کا عدل اسکو چھوڑا دیگا یا ظلم اسکا ہلاک کر دیگا ۱۲ احمد بروایت عبادہ بن صامت وبزاز و ابو یعلی و طبرانی بروایت ابوہریرہ مگر معقل بن یسار سے یہ حدیث مروی نہیں بلکہ وہ اور حدیث ہے جو صحیحین میں وارد ہے مامن عبد یسترعہ الحدیث ۱۲ طبرانی بروایت ابن عمر اور اس کی سند میں ایک راوی مختلف فیہ ہے ۱۲ ح بخاری و مسلم ۱۲

و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عبد الرحمٰن امارت کی درخواست مت کرنا۔ اس لئے کہ اگر بے درخواست ملے گی تو اس کے لیے تجھ کو مدد غیبی ملے گی اور اگر درخواست سے ملے گی تو تو اسی کا ہو رہے گا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت رافع بن عمرؓ کو فرمایا کہ امارت دو شخصوں پر بھی مت کرنا جب حضرت صدیقؓ خود خلیفہ ہوئے تو حضرت رافعؓ نے کھڑے ہو کر ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے مجھ کو ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ امارت دو پر بھی مت کرنا آپ کو تو اب تمام امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امارت سپرد ہوئی آپ نے فرمایا کہ وہ قول میرا اب بھی ہے جو شخص امارت میں عدل نہ کرے اس پر خدا کی لعنت ہے اور شاید کم فہم لوگ وہ احادیث جو فضیلت امارت میں وارد ہیں اور جو حدیثیں کہ اس سے منع کے باب میں وارد ہیں ان کو ایک دوسرے کے مخالف سمجھیں گے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس باب میں حق یہ ہے کہ خواص جو دین میں زبردست ہیں ان کو نہیں چاہیے کہ امارت سے انکار کریں اور جو ضعیف ہیں ان کو ضرور ہے کہ ان کے گرد نہ پھریں ورنہ ہلاک ہو جاویں گے اور زبردست دین میں وہ شخص ہے جس کو دنیا کسی طرف پھیرے اور طمع غالب نہ آسکے اور خدا کے کام میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرے اور ایسے لوگ وہ ہیں کہ دنیا میں زہد کرتے ہیں اور خلق ان کی نظروں سے ساقط ہے دنیا و خلق سے بیزار ہو کر اپنے نفسوں پر بزور قابض ہیں اور شیطان کے مکر کو بالکل مستاصل کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ ان سے ناامید ہو گیا تو اس قسم کے لوگوں کے حرکات و سکنات سب حق پر ہوتے ہیں اگرچہ حق میں ان کی جان ہی جاتی رہے پس امارت و خلافت میں ان ہی لوگوں کو فضل حاصل ہوتا ہے اور جس شخص کو معلوم ہے کہ میں اس صفت کا نہیں ہوں اس پر ولایت اختیار کرنا حرام ہے اور جس شخص کو امتحان کرنے سے معلوم ہو کہ میرا نفس امر حق پر صابر ہے اور شہوات سے ممتنع مگر جب ہی تک یہ بات ہے کہ ولایت پر منصوب نہ ہو اور اگر ولایت و حکومت کا مزہ چکھے گا اور جاہ کا ذائقہ اور اجرائے حکم کی حلاوت پاوے گا تو اس کے بگڑ جانے کا خوف ہے اور ان امور کے بعد اپنی معطلی بھی اس عہدے سے گوارا نہ کرے گا بلکہ معطل ہونے کے خوف سے دین میں سستی کرنے لگے گا تو ایسے شخص کے حق میں علما کا اختلاف ہے اس کو ولایت کے اختیار کرنے سے گریز کرنا لازم ہے یا نہیں بعض علما فرماتے ہیں کہ ولایت سے احتراز واجب نہیں اور وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کو نفس کی طرف سے خوف کا ہونا ایک امر مستقبل ہے اور بر دست وہ بجا آوری امر حق میں یکتا ہے اور صحیح و تحقیق یہ ہے کہ احتراز واجب ہے اس لیے کہ نفس مکار ہے خیر و حق کا دعویٰ اور وعدہ ہی کرتا ہے اس کا وفائے وعدہ مشکل ہے اگر بالفرض وعدہ خیر یقینی کرے تب بھی ولایت کے وقت اس کے بدلنے کا خوف رہتا ہے اور اس صورت میں تو پہلے ہی سے متردد ہے علاوہ ازیں عہدہ سے انکار کر دینا تو امر سہل ہے مگر مقرر ہو کر موقوف ہونا شاق ہے اس لیے موقوفی سے نہایت صدمہ ہوتا ہے جیسے کہ مثل مشہور ہے کہ اتر اشحنہ مردک نام تو عہدہ کی بجا آوری کے بعد موقوف ہونے پر دل راضی نہیں ہوتا بلکہ مداہنت اور امر حق کے باطل کرنے کی طرف میل کرنے لگتا ہے اور اس کے باعث قعر جہنم میں گرتا ہے مگر مرنے

تک اس عہدے کے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا اگر زبردستی سے موقوف تو ہو جاوے پھر موقوفی پر جن کو اس
حکومت کے ساتھ محبت ہوتی ہے ان کو کیسا عذاب و رنج ہوتا ہے بہر صورت نفس اگر خود ولایت کا مائل ہو
کر آدمی کو اس کی جستجو پر برانگیختہ کرے تو یہ علامت شر کی ہے اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انا لا نولی من سألنا" جب اختلاف حکم قوی اور ضعیف کا معلوم ہو
گیا تو یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رض کا منع فرمانا حضرت رافع رض کو حکومت سے اور پھر خود
اس کو اختیار فرمانا ایک دوسرے کا متناقض نہیں۔ اور عہدہ قضا اگرچہ سلطنت سے کم ہے مگر ویسا ہی
ہے اس لیے کہ اس میں بھی حکومت پائی جاتی ہے جو طبعاً محبوب ہے اور اس میں اگر اتباع حق ہو تو ثواب بہت
زیادہ ہے اور اگر عدول حق سے پایا جاوے تو عذاب بھی بہت ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ قاضی تین قسم
کے ہیں جن میں سے ایک جنت میں ہے اور دو دوزخ میں اور دوسری حدیث میں ہے کہ جو خود درخواست قاضی
بننے کی کرتا ہے وہ بدون چھری کے ذبح ہوتا ہے حاصل یہ کہ اس کا حکم اور امارت کا ایک ہے جو لوگ کہ ضعیف ہیں
اور دنیا و مافیہا کی ان کی نظروں میں کچھ قدر ہے اور وہ اس سے احتراز کریں اور جو لوگ کہ زبردست ہیں کہ امر الٰہی
میں کسی کے طعن سے نہیں ڈرتے وہ لوگ اس عہدے کو اختیار کریں۔ اور جب بادشاہ ظالم ہوں اور یہ معلوم ہو
کہ جو قاضی ہوگا اس کو اپنے کام کی بجاآوری میں ان کی خاطر کرنی پڑے گی اور بعض حقوق کو ان سے خواہ ان کے
متعلقین سے درگزر ہوگا یعنے یہ خوف ہو کہ اگر ان پر امر حق کا حکم ہوگا تو ہمارا عہدہ جاتا رہے گا یا کہنا نہ مانیں گے
تو ایسی صورت میں عہدہ قضا کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہیے اور اگر کوئی اختیار کرے تو اس کو چاہیے کہ حقوق کا مطالبہ
سلاطین اور ان کے متعلقین سے اوروں کی طرح ہو موقوفی کا عذر اس میں کارآمد نہیں کہ اپنے موقوف ہونے کے ڈر
سے حقوق چھوڑ دے بلکہ اگر امر حق کی بجاآوری میں موقوف بھی ہو جاوے تو خوش ہونا چاہیے کہ خدا نے بلا ٹالی اور اگر
نفس پر موقوفی شاق گذرے اور اہمال حق بن جائے تو اور کچھ مضائقہ نہ جانے تو یہ شخص متبع ہوائے نفس اور شیطان کا ہے پھر
ثواب کی توقع تو کیا ہوگی زمرۂ ظالموں میں دوزخ کے طبقہ اسفل میں جاوے گا اور وعظ و تدریس اور روایت
حدیث اور مسند عالی کا بھی یہی حال ہے یعنی جن چیزوں سے کہ جاہ اور قدر بڑھتی ہے ان کی آفت بھی مثل آفت
ولایت بڑی ہے سلف کے لوگ جب تک اس سے مفر دیکھتے تھے تب تک فتویٰ کو ٹالتے اور یہ فرماتے کہ حدثنا
منہ سے نکالنا دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جو اس لفظ کو منہ سے کہتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میری توقیر کرو حضرت
بشر رحمۃ اللہ نے کئی الماریاں حدیث کی دفن کر دیں اور فرمایا کہ میں روایت حدیث اس لیے نہیں کرتا کہ میرا دل تمنا حدیث
کے بیان کی رکھتا ہے اگر تمنا یہ ہوتی کہ میں حدیث نہ کہوں تو البتہ بیان کرتا اور واعظ اپنی وعظ سے جو لوگوں کے دلوں

خ ہم حاکم نہیں کرتے اپنے انتظام کا اس شخص کو جو ہم سے اس کی درخواست کرے ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوموسیٰ خ اصحاب سنن بروایت
بریدہ ۱۲ خ اصحاب سنن بروایت ابوہریرہ بلفظ دیگر در شرح ع ۱۲

پرتاثیر اور پیارے گر یہ اور ان کی توجہ اپنی طرف پاتا ہے تو اس سے اس کے دل پر وہ لذت ہوتی ہے جس کے برابر کوئی لذت نہیں اور جب یہ لذت اس پر غلبہ کرتی ہے تو طبیعت کو یہ میل ہوتا ہے کہ کلام ایسا کہنا چاہیے کہ عوام کو اچھا معلوم ہو گو باطل ہی ہو اور جس کلام کو عوام مکر ان جانیں گو حق ہی ہو اس سے احتراز اولیٰ ہے پس ہمہ تن ہمت اسی پر مصروف کرتا ہے کہ عوام کے قلوب کی محرک باتیں کرے جن سے ان کے دلوں میں منزلت ہو اور جو حدیث و حکمت سنتا ہے اس سے بدیں لحاظ خوش ہوتا ہے کہ اب کی وعظ میں منبر پر اس کو بیان کروں گا حالانکہ خوشی اس بات پر مناسب تھی کہ طریق سعادت اور راہ سلوک مجھ کو معلوم ہوا اول میں عمل کروں پھر اس انعام خداوندی کو جس سے مجھ کو نفع ہوا اوروں تک پہنچاؤں تاکہ میرے بھائی مسلمانوں کو بھی اس سے فائدہ ہو غرض یہ کہ وعظ و تدریس بھی ایسی چیز ہے جس میں خوف اور فتنہ زیادہ ہے اور اس کا حکم بھی ولایت سا ہے یعنی جو اس امر کو صرف طلب جاہ و منزلت اور تفاخر اور تکاثر کے باعث اختیار کرتا ہو اور دین کے بدلے دنیا کمانی منظور ہو تو اس کو چاہیے کہ ہوائے نفسانی کے خلاف کر کے وعظ کو جب تک چھوڑ دے جب تک کہ نفس ریاضت کش ہو کر دین میں پکا ہو جاوے اور اس میں فتنہ کا خوف نہ رہے جب یہ حال حاصل ہو تو پھر کہنے لگے اب اگر کوئی کہے کہ اہل علم پر جب یہ حکم ہوا تو سب علم بیکار ہو جاویں گے اور پھر جاتا رہے گا تمام خلق پر جہالت چھا جائے گی اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب امارت سے منع فرما کر اس پر وعید[1] فرمایا ہے یہاں تک کہ یہ ارشاد فرمایا[2] انکم تحرصون علی الامارۃ وانھا حسرۃ وندامۃ یوم القیامۃ الا من اخذھا بحقھا اور فرمایا[3] نعمت المرضعۃ وبئست الفاطمۃ[4] اور ظاہر ہے کہ سلطنت اور امارت اگر نہ ہو تو دین و دنیا کے سب کام بند ہو جاویں خلق میں کشت و خون پھیل جاوے امن جاتا رہے ملک اجڑ جاویں معیشتیں خراب ہو جاویں پھر ایسی چیز سے آپ نے کیوں منع فرمایا۔ اور حضرت عمرؓ نے جب ابی بن کعبؓ کے پیچھے بہت سے آدمی چلتے دیکھے تو ان کو مارا حالانکہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ابی بن کعب مسلمانوں کے سردار ہیں اور کلام مجید ان کو سنایا کرتے تھے مگر لوگوں کے پیچھے چلنے سے منع فرمایا کہ اس میں متبوع پر فتنہ ہے اور تابع کی ذلت اور خود حضرت عمرؓ خطبہ پڑھتے اور وعظ کہتے اور اس سے انکار نہ کرتے مگر جب ایک شخص نے آپ سے اجازت چاہی کہ اگر آپ فرماویں تو میں بعد نماز صبح لوگوں کو وعظ سنایا کروں تو آپ نے اس کو منع کیا اس نے عرض کیا کہ آپ لوگوں کو نصیحت کرنے سے روکتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں تو پھول کر آسمان پر نہ پہنچ جاوے اور یہ اس لیے فرمایا کہ آپ نے اس شخص میں علامات رغبت جاہ اور قبول خلق کی دیکھیں اور امارت اور خلافت و قضا کی لوگوں کو دین میں حاجت ہوتی ہے جیسے وعظ و تدریس

---

[1] اوپر گذری ۱۲ [2] تم حرص کرتے ہو امارت کی اور وہ قیامت کے روز حسرت اور ندامت ہے مگر جس نے اس کو حق طور پر لیا ۱۲ ابن حبان اور بخاری بروایت ابوہریرہ ۱۲ [3] کیا اچھی ہے دودھ پلانے والی اور بری ہے دودھ چھڑانے والی یعنی جب آتی ہے تو خوب معلوم ہوتی ہے اور موقوفی پر وبال معلوم ہوتی ہے ۱۲ بخاری نے بروایت ابوہریرہ نقل کیا ہے اور یہ پہلی حدیث کا بقیہ ہے ۱۲

و فتوی کا کام پڑتا ہے مگر ہر ایک میں فتنہ و لذت بھی ہے تو دونوں میں کچھ فرق نہ رہا یا باقی رہا یہ کہ اس کے منع سے علم کا چرچا جاتا رہے گا تو یہ ایک غلطی ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امارت سے منع فرمایا تو اس سے امارت تھوڑا ہی جاتی رہی بلکہ ریاست اور اس کی محبت تو ایسی کہ خود لوگ ہزار تدبیروں سے اس کی طلب و جستجو کرتے ہیں اسی طرح ریاست کی محبت علوم کا چرچا بھی ضائع نہیں ہونے دے گی بلکہ اگر بالفرض تمام خلق قید کی جاوے اور بیڑیاں اور طوق ڈال دیئے جائیں کہ وہ علوم جن سے قبول اور ریاست حاصل ہوتی ہے نہ سیکھنے پاویں تب بھی لوگ زنجیریں توڑ کر قید سے بھاگیں اور ان علوم کے طالب ہوں علاوہ ازیں خداوند کریم نے وعدہ کیا ہے کہ اس دین کو ایسے لوگوں سے تائید کریگا جن کو کچھ بہرہ دین میں نہ ہو تو کسی فرد خاص کو فکر لوگوں کا نہ چاہیے اس لیے کہ خدا تعالٰے ان کو تباہ نہ کرے گا بلکہ اپنے نفس کا خیال چاہیے پھر ہم کہتے ہیں۔ کہ جب کسی شہر میں بہت سے واعظ وعظ کہتے ہیں تو منع سے صرف چند لوگ باز رہیں گے سب ہرگز نہ مانیں گے اور لذت ریاست کو نہ چھوڑیں گے ہاں اگر شہر بھر میں ایک ہی واعظ ہو اور اس کا وعظ لوگوں کو مفید ہو بایں لحاظ کہ وہ خوش بیان اور وضعدار ہو اور لوگوں کا یہ خیال ہو کہ یہ شخص صرف خدا کے واسطے کہتا ہے اور تارک دنیا ہے تو ایسے شخص کو ہم منع نہیں کرتے بلکہ اس کو کہتے ہیں کہ وعظ بیان کر اور نفس پر مجاہدہ کر اور اگر وہ کہے کہ میرا نفس قابو میں نہیں تب بھی ہم یہی کہیں گے کہ وعظ کہہ اور مجاہدہ کر اس لیے کہ ہم جانتے ہیں کہ اگر وہ وعظ چھوڑ دے گا تو آدمی سب تباہ ہو جاویں گے کوئی اس کا قائم مقام نہیں جو ان کو راہ نیک بتاوے اور بالفرض اگر وہ شخص مواظبت وعظ کی اسی غرض سے کرتا ہے کہ جاہ حاصل ہو تو اس کا وبال صرف اسی پر ہے پس سب کا دین سلامت رہنا ہم کو خاص اس کے دین کی سلامتی سے بہتر معلوم ہوتا ہے اس شخص کو ہم اوروں پر تصدق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاید ایسے ہی شخص کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ؎ ان اللہ لیؤید ہذا الدین باقوام لا خلاق لھم۔ پھر واعظ اس کو کہتے ہیں کہ اپنے کلام اور ظاہر صورت سے دنیا کا زاہد ہو اور لوگوں کو آخرت کی رغبت دلاوے اور جو امور کہ اس زمانے کے واعظوں نے ایجاد کیے ہیں کہ چکنے چکنے کلمات اور مسجع الفاظ شعروں میں بنے ہوئے بولتے ہیں جن سے نہ دین کی تعظیم متصور ہے نہ مسلمانوں کو خوف دلانا بلکہ ان سے جرأت اور آرزو گناہوں کی حاصل ہوتی ہیں تو ایسے واعظوں کو جلاوطن کرنا واجب ہے اس لیے کہ وہ لوگ نائب دجال اور شیطان کے قائم مقام ہیں اور ہم ایسے واعظوں کا ذکر کرتے ہیں جن کا وعظ اچھا ہو خود بظاہر اچھے ہوں مگر دل میں محبت جاہ کے سوا کچھ اور مقصود نہ ہو اور جو وعید کہ ہم نے باب العلم میں بڑے عالموں کے حق میں لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے فتنوں سے پرحذر رہنا ضروری ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ اے بڑے عالمو تم روزہ نماز صدقہ بجالاتے

؎ اللہ تعالٰی مدد کرے گا اس دین کی ایسے لوگوں سے جن کو بہرۂ دین نہ ہو ۱۲ نسائی کی حدیث ہے اوپر گذری ہے ۱۲

ہو اور جس کام کو لوگوں کو کہتے ہو خود نہیں کرتے لوگوں کو نصیحت کرتے ہو اور خود عمل نہیں کرتے یہ بات بڑی خراب ہے زبان سے توبہ توبہ کرتے ہو اور ہوائے نفسانی کے موجب عامل ہو کہو تو اس سے کیا کام نکلے گا بدن کو صاف کر لیا اور دل ناپاک رہا سچ کہتا ہوں کہ تم چھلنی کے موافق ہو کہ اچھا آٹا نیچے گر پڑے اور بھوسی اندر رہ جاوے یہی حال تمہارا ہے کہ منہ سے حکمت کی باتیں نکالتے ہو اور سینوں میں کدورت بھری ہے اے دنیا کے بندو بھلا وہ شخص کیسے آخرت کو پاوے گا جس سے نہ دنیا کی شہوت منقطع ہو نہ اس کی رغبت میں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے دل تمہارے اعمال سے روتے ہیں دنیا کو تم نے اپنی زبان میں رکھا ہے اور عمل کو پاؤں تلے دنیا کی بہتری سے آخرت کو بگاڑا تمہارے نزدیک دنیا کا سنورنا آخرت کے سنورنے سے محبوب ہے اگر تامل کرو تو تم سے زیادہ کوئی کمینہ نہیں تمہارا برا ہو کب تک اندھیرے میں چلنے والوں کو راستہ بتاؤ گے اور خود حیرت والوں کے محلے میں کھڑے رہو گے گویا ارباب دنیا سے تمہاری یہ غرض ہے کہ وہ تمام دنیا تمہارے لیے چھوڑ دیں بس کرو بس کرو تم نہیں جانتے کہ اگر چراغ چھت پر رکھ دیا جاوے تو گھر کے اندھیرے کے لیے کیا فائدہ ہے اسی طرح اگر نور علم تمہارے منہ میں ہو اور دل ویسے ہی اجڑے و تاریک رہیں تو تم کو ایسے علوم سے کیا فائدہ اے دنیا کے بندو تم متقی بندے نہیں ہو نہ کریم آزادوں کی طرح کیا عجب ہے کہ دنیا تم کو جڑ سے اکھاڑ دے اور منہ کے بل گرا دے پھر نتھنوں کے بل اوندھے ہو جاؤ اور تمہارے گناہ تمہارے ماتھے کے بال پکڑیں اور پیچھے سے تم کو علم دھکا دے اور اسی حال سے تم کو ننگے سر اور ننگے پاؤں بادشاہ حقیقی کے سامنے لے جاویں اور وہ بے نیاز تم کو خطاؤں پر واقف کر کے تمہارے اعمال بد کی سزا دے انتہی اس حدیث کو حارث محاسبی رح نے اپنی کسی کتاب میں لکھا کہ بڑے عالموں کا یہ حال ہے وہ لوگ انسانوں کے شیطان ہیں اور لوگوں کے حق میں فتنہ متاع دنیاوی اور رفعت شان میں رغبت کر کے اسی کو آخرت پر ترجیح دی ہے اور دین کو ذلیل کیا ہے یہ لوگ دنیا میں بھی باعث ننگ و عیب ہیں اور آخرت میں زیاں کار وہی ہیں اب اگر کوئی کہے کہ آفات تو ظاہر ہیں مگر علم اور وعظ کے باب میں بھی تو بہت سی رغبتیں وارد ہیں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ح[1] لان یہدی اللہ بک رجلاً خیر لک من الدنیا وما فیہا اور فرمایا کہ ح[2] ایما داع دعا الی ہدی و اتبع علیہ کان لہ اجرہ واجر من تبعہ ط اس کے سوا اور بہت بہت سے فضائل علم کے ہیں تو عالم کو یوں کہنا چاہیے کہ علم میں مشغول ہو اور خلق کی ریا کو ترک کر جیسا اگر کسی شخص کو نماز میں ریا آجاتا ہے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ عمل کو ترک مت کر بلکہ اس کو تمام کر اور نفس پہ مجاہدہ

ح[1] البتہ یہ بات کہ خدا تعالیٰ تجھ سے کسی آدمی کو راہ دکھاوے دنیا اور اس کے اندر کی چیزوں سے بہتر ہے بخاری و مسلم بروایت سعل بن سعد بلفظ خیر لک من حمر النعم ۱۲

ح[2] جو نسا بلانے والا ہدایت کی طرف بلاوے اور لوگ اس کی اس میں پیروی کریں تو اس کو اس کا ثواب اور اس کے پیروں کا ثواب ہوگا ابن ماجہ بروایت انس و مسلم بروایت ابوہریرہ رض بالفاظ مختلف ۱۲

کہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم کی فضیلت بھی بہت ہے اور اس کا خطرہ بھی بہت بڑا ہے جیسے خلافت و امارت کا تھا اور کسی کو اللہ کے بندوں میں سے یوں نہ کہنا چاہیے کہ علم کو ترک کر دے اس واسطے کہ نفس علم میں تو کچھ آفت نہیں آفت تو اس میں ہے کہ وعظ و تدریس و روایات حدیث سے درپے اس کے اظہار کے ہو اور جب تک بھی ترک علم کو نہ کہنا چاہیے جب تک کہ عالم اپنے نفس میں تحصیل علم کا باعث کوئی امر دینی ریا سے مخلوط پاتا ہو لیکن جب اس کا محرک سوائے ریا کے اور کچھ نہ ہو تب البتہ اس کے حق میں ترک اظہار مفید تر اور سالم تر ہے جس طرح نفل نمازوں میں اگر محرک صرف ریا ہی ہو تو انکا ترک واجب ہے اور اگر ایسی صورت ہو کہ اثنائے صلوٰۃ میں وسوسے ریا کے خطور کرتے ہوں اور وہ ان کو برا جانتا ہے تو عبادت کو ترک کرنا نہ چاہیے اس لیے کہ آفت ریا کی عبادت میں ضعیف ہوتی ہے اور ولایات میں اور علم کے باعث مناصب عالیہ کے درپے ہونے میں بہت قوی ہے غرض یہ کہ آفت کے اعتبار سے ان اشیاء کے تین مرتبے ہیں اول ولایات کہ ان میں بہت بڑے آفات ہیں اور سلف کے بہت سے لوگوں نے ان کو بخوف آفت ترک کر دیا ہے دوم نماز و روزہ و حج و جہاد ان کو سلف کے زبردست اور ضعیف سب ادا کرتے رہے کسی سے ترک کرنا آفت کے خوف کے مارے منقول نہیں اس لیے کہ ان میں آفات ضعیف ہیں اور ادنیٰ قوت سے دور ہو سکتے ہیں اور عمل صرف خدا کے لیے ہو ہو سکتا ہے۔ سوم ان دونوں رتبوں کے درمیان کا رتبہ ہے یعنی درپے ہونا وعظ و فتویٰ اور روایت حدیث و تدریس کے لیے اس میں جو آفتیں ہیں وہ اول رتبہ کی نسبت کم ہیں اور دوسرے کی نسبت زیادہ پس نماز وغیرہ جن میں آفات کمزور ہیں اس کو تو چاہیے کہ نہ قوی لوگ ترک کریں نہ ضعیف بلکہ ریا کے وسوسوں کو دفع کریں۔ اور ولایت ضعفا کو بالکل ترک کرنا چاہیے نہ قوی لوگوں کو رہے مناصب علم وہ دونوں فرقوں میں مشترک رہنے چاہئیں تاہم جس شخص نے منصب علم کو امتحان کیا ہے وہ جانتا ہے کہ عالم اور والی ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اور منصب علم سے حذر کرنا ضعیف کے حق میں بہت بہتر ہے اور یہاں ایک چوتھا رتبہ ہے یعنی مال کو جمع کرنا اور مستحقوں میں تقسیم کرنا اس داد و دہش اور اظہار سخا سے بھی لوگ ثنا خواں ہوتے ہیں اور لوگوں کے دل خوش کرتے سے نفس کو مزہ ملتا ہے اس میں بھی آفات بہت ہیں اسی لیے جب حسن بصریؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ ایک آدمی تو مقدار قوت حاصل کر کے بیٹھ رہتا ہے اور دوسرا مقدار قوت سے زیادہ تلاش کر کے جس قدر قوت سے بچتا ہے خیرات کر دیتا ہے ان دونوں میں افضل کون سا ہے آپ نے فرمایا اول شخص افضل ہے کیونکہ آپ جیسے لوگوں کو معلوم تھا کہ دنیا میں پھنس کر کوئی کم سلامت بچتا ہے اور زہد اسی کا نام ہے کہ دنیا کو تقرب الی اللہ کے لیے ترک کرے اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو پچاس ہزار دینار ہر روز آمدنی ہو اور ان کو میں دمشق کی مسجد کی سیڑھیوں پر کھڑا ہو کر تقسیم کر دوں تو یہ امر مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں بیع و شرا کو حرام کرتا ہوں بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ میں انہیں لوگوں میں رہوں کہ جن کی شان میں یہ آیت ہے[1]۔ لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔

---

[1]. نہیں غافل کرتی ہے ان کو سوداگری نہ بیچنا خدا کی یاد سے۔

اور علما کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ایک فرقہ یہ فرماتا ہے کہ جب دنیا کو وجہ حلال سے کماوے اور اس سے بچا رہے اور خیرات کر دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ عبادت و نوافل میں مشغول ہو اور ایک لوگوں کا یہ قول ہے کہ ذکر اللہ کی مداومت میں بیٹھا رہنا صدقہ سے افضل ہے اس لیے کہ لینے دینے میں خدا کا دھیان نہیں رہتا اور اسی کے مؤید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ فرمایا اے طالب دنیا سلوک و نیکی کے لیے تیرا ترک کرنا دنیا کو زیادہ نیک ہے اور ادنیٰ بات مال کی یہ ہے کہ اس کی اصلاح میں خدا کے ذکر کا شغل نہیں رہتا حالانکہ ذکر الٰہی سب سے بڑا اور افضل ہے یہ تو اس شخص کے حق میں ہے جو آفات سے محفوظ رہے اور جس شخص کو کہ آفت ریا لگ گئی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے ترک مال افضل اور عمدہ ہے اور بلا خلاف ایسے شخص کو ذکر میں مشغول ہونا بہتر ہے۔ حاصل یہ کہ جو چیزیں خلق سے متعلق ہیں اور اس میں نفس کو لذت ہے اور ان سے آفتوں کا ہجوم ہوتا ہے ایسی صورتوں میں مستحب یہ ہے کہ عمل کرے اور آفتوں کو دفع کرے پس اگر دفع نہ کر سکے تو چاہیے کہ تامل و اجتہاد سے اپنے دل سے فتویٰ لے اور دل میں جس قدر خیر اور جس قدر شر ہو دونوں کو تولے اور اور نور علم سے جو کچھ سمجھ میں آوے وہ کرے طبیعت کے میل کے موافق نہ کرے اور اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو چیز دل کیں آسان معلوم ہوتی ہے اسی میں ضرر ہوتا ہے اس لیے کہ نفس سوائے شر کے اور کچھ مشورہ نہیں دیتا اور امر خیر سے لذت کم پاتا ہے اور خیر کی طرف رغبت بھی کم کرتا ہے گو بعض اوقات یہ بھی کچھ بعید نہیں یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان پر جدا جدا حکم نفی اور اثبات کا نہیں ہو سکتا اسی لیے ان کو اجتہاد دلی پر حوالہ کیا جاتا ہے تاکہ جو بات دین کے لیے مناسب سمجھے اور یہ بے کھٹکے ہو اس کو بجا لاوے اور مشکوک سے باز رہے پھر بعض اوقات جاہل کو اس کے بیان سے دھوکا پڑ جاتا ہے تو مال کو تو جمع کرتا ہے مگر بخوف آفت خرچ نہیں کرتا ہے اس کا نام بخل ہے اور اس میں کسی کو خلاف نہیں کہ صدقات کا تو کیا ذکر ہے مباحات میں بھی مال کا خرچ کرنا ہی بہ نسبت جمع کرنے کے افضل ہے اور اختلاف اس شخص کے حال میں ہے جس کو حاجت کمائی کی ہو کہ اس کے حق میں کون سی بات بہتر ہے کسب اور انفاق کو ترک کر کے ذکر خدا کرنا یا کسب حلال کر کے خیرات میں خرچ کرنا اور وجہ اختلاف کی یہ ہے کہ کسب میں بہت سی آفتیں ہیں لیکن جو مال کہ وجہ حلال سے حاصل ہوا ہے اس کو دے ڈالنا ہی امساک سے بہر حال افضل ہے اب جن علامتوں سے کہ واعظ یا عالم معلوم ہو جاوے کہ اس کو لوگوں کا دکھلانا منظور نہیں صدق و اخلاص ہی باعث وعظ ہے ان کا سننا چاہیے اول تو یہ پہچان ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے اچھا وعظ کہنے والا خواہ زیادہ علم والا ظاہر ہو اور لوگ اس کو زیادہ تر مانیں تو اس کی حسد نہ کرے بلکہ خوش ہو ہاں اگر غلبہ کرے یعنے یہ چاہے کہ جیسا علم اسے ہے ویسا ہی مجھے ہو جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں دوسری یہ کہ اگر بڑے آدمی اس کی مجلس میں آجاویں تو جیسا پہلے سے کہہ رہا تھا ویسا ہی کہے جاوے کچھ کلام میں تبدیل نہ کرے سب لوگوں کو ایک نظر سے دیکھے تیسری یہ کہ اس بات کو اچھا نہ سمجھے کہ بہت سے لوگ میرے ساتھ ہوں اور بازار میں کوئی مجھ سے آگے نہ بڑھے اور سوائے اس کے بہت سی علامتیں ہیں جن کا شمار

طویل ہے سعید بن ابی مروان سے روایت ہے کہ میں پہلو میں حضرت حسن بصریؒ کے بیٹھا تھا اور آپ مسجد میں کچھ فرماتے تھے اتنے میں دروازے سے حجاج بن یوسف مع اپنے اردلی کے زرد خچر پر سوار اندر آیا اور مسجد میں چہار طرف دیکھنے لگا جتنا اجتماع کہ حضرت حسنؒ کے حلقہ میں تھا اور جگہ نہ پایا اسی طرف متوجہ ہوا جب قریب حلقہ کے پہنچا تو سواری سے اتر پڑا اور حضرت حسنؒ کی طرف چلا جب آپ نے اس کو اپنی طرف متوجہ دیکھا تو تھوڑی سی جگہ اپنی نشست میں سے چھوڑ دی سعید کہتے ہیں کہ میں نے بھی تھوڑی جگہ اپنی نشست میں چھوڑ دی تو مجھ میں اور حضرت حسنؒ میں تھوڑا فاصلہ ہو گیا اس قدر جگہ میں حجاج آکر بیٹھ گیا اور حضرت حسنؒ جیسا کلام ہر روز کیا کرتے تھے ویسا ہی کہہ رہے تھے اس وقت بھی کہتے رہے میں نے اپنے دل میں کہا کہ آج حسنؒ ویسے کہاں ہوں گے دیکھو حجاج کے بیٹھنے سے کچھ کلام زیادہ کریں گے جس سے اس کی طرف تقرب پایا جاوے یا اس کے رعب میں آکر کچھ کلام کم کرتے ہیں مگر حضرت حسنؒ نے اور دنوں کے مانند ایک ہی سی گفتگو کی یہاں تک کہ کلام تمام کر دیا اور کچھ پروانہ کی کہ کیوں بیٹھا ہے جب آپ کلام سے فارغ ہوئے تو حجاج نے اپنے ہاتھ اٹھا کر آپ کے مونڈھے پر مارا اور کہا کہ شیخ نے سچ کہا اور خوب کہا لوگوں ایسی ہی مجالس میں بیٹھا کرو اور جو کچھ وہاں سنو اس کو اپنا خلق و عادت بنا لو مجھ کو حدیث شریف پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ح ان مجالس الذکر ریاض الجنۃ۔ اور ہم لوگ تو خلق کے انتظام میں مبتلا ہو گیے ورنہ ان مجالس میں ہم سے زیادہ تم نہ بیٹھتے کیونکہ ہم کو ان مجالس کی خوبیاں زیادہ معلوم ہیں بعد اس کے حجاج نے تبسم کر کے ایسی تقریر کی کہ حضرت حسنؒ اور حاضرین جلسہ سب اس کی بلاغت سے متعجب ہوئے اور فارغ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی شام کا حضرت حسنؒ کی مجلس میں آیا اور جس جگہ حجاج کھڑا تھا وہاں ہی کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے مسلمانوں خدا کے بندو تم کو تعجب نہیں آتا کہ میں ایک شخص نہایت بوڑھا ہوں اور جہاد کرتا ہوں گھوڑے خچر کی اور خیمہ کی مجھے تکلیف ہے اور میرے پاس تین سو درہم ہیں جو لوگوں نے دیئے ہیں اور میرے ساتھ لڑکیاں ہیں غرض یہاں تک اپنی تنگ دستی کی شکایت کی کہ حضرت حسنؒ اور سب اس کے ساتھی اس پر رحم کرنے لگے اور حضرت حسنؒ سر نیچے جھکائے تھے جب وہ شخص کلام سے فارغ ہوا تو آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ خدا ان امراء سے سمجھے انہوں نے اللہ کے بندوں کو اپنا غلام تصور کیا ہے اور خدائے تعالیٰ کے مال کو اپنا مال سمجھ لیا ہے لوگوں سے دینار اور درم کے لئے لڑتے ہیں جب دشمن خدا جہاد کو جاتا ہے تو خود جھکتے خیموں میں رہتے ہیں اور تیز سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اور اگر دوسرے کسی مسلمان بھائی کو جہاد پر بھیجتے ہیں تو بھوکا پیاسا پیادہ بھیج دیتے ہیں اس طرح کی بڑی بڑی باتیں آپ نے سلاطین کے حق میں کہیں اور ان کے عیبوں میں سے کچھ فروگذاشت نہ کیا ایک شخص اہل شام میں کا اٹھا اور آپ کی چغلی حجاج سے جا کر کی اور بعینہ آپ کا کلام نقل کر دیا تھوڑی ہی دیر کے بعد حجاج کا آدمی آیا اور آپ سے کہا کہ امیر نے یاد کیا ہے حضرت حسنؒ ساتھ ہو لئے

ح: ذکر کی مجلسیں جنت کے باغ ہیں ۱۲ باب الدعوات میں گذر چکی ۱۲ ؎ اصل میں ہے کہ میرے مقرری عطیہ سے ملے ہیں ۱۲

اور ہم کو خوف ہوا کہ دیکھئے اس سخت کلامی سے کیا نتیجہ ہو ذرا دیر کے بعد آپ تبسم کرتے واپس آئے اور میں نے بہت کم آپ کو ہنستے دیکھا آپ کا دستور ہمیشہ سے مسکرانے ہی کا تھا جب تشریف لاکر اپنی جگہ بیٹھ گیے تو امانت کی عظمت بیان فرمائی اور فرمایا کہ آپ کے پاس بیٹھنے میں بھی امانت ہے شاید تم کو بھی خیال ہوگا کہ خیانت درم و دینار کے سوا اور کسی چیز میں نہیں حالانکہ اشد خیانت یہ ہے کہ تم لوگ ہمارے پاس بیٹھو اور ہم تم پر اعتبار کر کے کچھ ذکر کریں پھر تم اس کو ایک آگ کے شعلہ کے پاس جاکر کہہ دو میرا حال یہ ہوا کہ جب اس شخص کے سامنے یعنی حجاج کے گیا تو اس نے کہا کہ آپ اپنی زبان کو کوتاہ کریں یہ جو الفاظ کہے کہ جب دشمن خدا خود جہاد کرتا ہے تو ایسا ایسا ہوتا ہے اور جب دوسرے سے جہاد کراتا ہے چونیں چناں کرتا ہے یہ باتیں مت کہو اس کی کچھ پروا نہیں کہ تم لوگوں کو ہم برانگیختہ کرو اور نہ ہم اس بات سے تمہاری نصیحت کو لغو جانیں مگر آپ کو یہ باتیں کم کرنی چاہئیں پھر حسنؒ نے فرمایا کہ اس طرح خدا نے اس کو دفع کیا انتہیٰ اور ایک بار حضرت حسنؒ سوار ہو کر گھر تشریف لیے جاتے تھے پیچھے پھر کر جو دیکھا تو بہت لوگ آپ کے پیچھے چلتے تھے آپ ٹھہر گیے اور فرمایا کہ تم کو کچھ مجھ سے حاجت ہے یا کچھ پوچھنا چاہتے ہو جو ساتھ آتے ہو ہٹ جاؤ یہ صورت بندے کے دل میں کچھ چھوڑتی تو ان علامات اور ان کے مانند اور نشانیوں سے حال باطن کا معلوم ہو جاتا ہے اور جن عالموں کا یہ حال ہو کہ ایک دوسرے سے حسد کرتے ہوں اور جلتے ہوں اور انس و اعانت کا باہم نام بھی نہ ہو تو معلوم کرلو کہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے زندگی دنیا کو آخرت کے عوض مول لیا اور وہی نقصان میں ہیں خدائے تعالیٰ اپنے فضل سے ہم پر رحم کرے۔

عبادت کے دوران لوگوں کے دیکھنے سے جو خوشی ہوتی ہے اس کی تفصیل

جاننا چاہیے کہ آدمی کبھی ایسے لوگوں میں شب باش ہوتا ہے کہ وہ سب تہجد کو اٹھتے ہیں یا ان میں کے بعض آدمی تمام رات یا تھوڑی رات نماز پڑھتے ہیں اور اس کا دستور اپنے گھر صرف ایک تھوڑی دیر جاگنے کا تھا جب ان کو دیکھا تو اس کا شوق بھی موافقت کے لیے ابھرا اور جتنی عادت اس کو پہلے سے تھی اس سے زیادہ ادا کی یا پہلے بالکل نہ پڑھتا تھا اسی روز صرف دیکھنے سے شریک نماز ہوا اسی طرح کبھی ایسی جگہ میں جا پڑتا ہے کہ وہاں کے سب لوگ روزہ دار ہوتے ہیں تو اس کو بھی شوق روزہ کا ہوتا ہے اور اگر وہ لوگ نہ ہوتے تو یہ شوق نہ ابھرتا تو یہ صورت شوق و نشاط کی بگمان غالب ریا معلوم ہوئی ہے اور اس میں واجب یہی ہے کہ موافقت نہ کرے حالانکہ یہ حکم مطلق نہیں بلکہ اس کی تفصیل یہ ہے اس واسطے کہ ہر مومن کو رغبت خدائی عبادت اور شب بیداری اور روزہ کی ہوتی ہے مگر کسی مانع کی جہت سے اس کو ادا نہیں کر سکتا یا غلبہ شہوات یا کثرت کاروبار یا غفلت کے باعث بھولا رہتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جہاں دوسرے کو وہ کام کرتے دیکھا پردۂ غفلت دور ہوا اور موانع برطرف ہوئے خواہ کثرت کاروبار دوسری جگہ میں نہ ہے تو اس وقت وہ رغبت و شوق ابھر کھڑا ہوتا ہے مثلاً کبھی اپنے گھر میں رہتا ہے اور بعض اسباب سے

تہجد نہیں پڑھ سکتا مثلاً گدگدے بچھونے کے باعث نیند سر پر سوار ہے یا اپنی بیوی کے ساتھ مزے لے رہا ہے یا اہل و اقارب سے باتیں کر رہا ہے یا بال بچوں میں مصروف ہے یا اپنے داد و ستد والوں کا حساب و کتاب دیکھ رہا ہے تو ایسا شخص جب کسی جگہ جاوے گا تو سب شغل اس سے علیحدہ ہو جاویں گے جن سے اس کی رغبت الی الخیر ناقص تھی اور بعض سبب خیر کے مرتکب کرنے والے پیدا ہو جاویں گے جیسے دوسرے شخصوں کا دیکھنا کہ متوجہ الی اللہ ہیں اور دنیا سے منہ پھیر لیا ہے تو ان کو دیکھ کر رغبت کرے گا اور اس پر نہایت شاق گذرے گا کہ خدا کی طاعت میں یہ لوگ مجھ سے پیش قدم ہوویں اسی بنا پر باعث دینی حرکت میں آوے گا کچھ ریا کے سبب آمادۂ طاعت نہ ہوگا اور بعض اوقات اجنبی جگہ میں جا کر آدمی کو نیند نہیں آتی تو ایسی جگہ نیند نہ آنا ہی غنیمت جانتا ہے اور گھر پر غلبۂ خواب کے سبب کچھ نہیں کر سکتا اور بعض اوقات گھر پر جو ہمیشہ رہتا ہے اس واسطے ہمیشہ تہجد پڑھنا نفس کو گوارا نہیں ہوتا اور کبھی کبھی پڑھ لے تو ہو سکتا ہے تو اسی طرح کی باتیں سبب شوق ہو ہو جاتی ہیں جبکہ موانع نہیں رہتے اسی طرح اپنے گھر میں آدمی پر روزہ مشکل پڑتا ہے کیونکہ ہر طرح کی لذیذ چیزیں کھانے کی عمدہ موجود رہتی ہیں ان کو چھوڑنے پر صبر نہیں کر سکتا اور جس جگہ وہ چیزیں نہیں ملتیں وہاں کچھ صبر دشوار نہیں ہوتا اسی لیے باعث دینی ایسی جگہ حرکت میں آ کر روزہ رکھوا دیتا ہے کیونکہ شہوات موجودہ عوائق و موانع روزہ کی ہیں اور باعث دینی پر غالب رہتی ہیں جب آدمی ان سے محفوظ رہا تو وہی باعث دینی قوی ہو جاتا ہے پس اسی طرح کے اسباب کا واقع ہونا ممکن ہے اور یہ سب لوگوں کو دیکھنے اور ان کے ساتھ موافقت کرنے سے ہوتے ہیں اور کبھی ایسے وقت میں شیطان بھی عمل سے روک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ عمل مت کر ورنہ ریا کار ہوگا بشرطیکہ آدمی گھر پر عمل نہ کرتا ہو اور نہ نماز معتاد سے زیادہ ادا کرتا ہو۔ اور کبھی رغبت زیادتی کی انسان کو لوگوں کے دیکھنے سے اس لیے ہوتی ہے کہ برا نہ کہیں اور کاہلی کی طرف منسوب نہ کریں خصوصاً ایسی صورت میں کہ لوگوں کا یہ گمان ہو کہ یہ شخص شب بیدار ہے تو آدمی کا دل نہیں چاہتا کہ ان کا عقیدہ جیسا میری طرف ہے اس کے خلاف ہو کر نظروں سے گر جاؤں اسی لیے اپنی منزلت کی حفاظت ضروری سمجھتا ہے ایسے حال میں شیطان اور اشتعال دیتا ہے کہ نماز پڑھ تو مخلص ہے خاص اللہ کے واسطے پڑھتا ہے ان کے دکھلاوے کو نہیں پڑھتا اور گھر پر جو ہر شب نہیں پڑھتا تو کثرت موانع کی جہت سے نہیں پڑھتا ان عوائق کا دور ہونا سبب تیرے عمل کرنے کا ہے نہ لوگوں کا مطلع ہونا پس یہ امرار باب بصائر پر بھی مشتبہ رہتا ہے لیکن جب معلوم ہو جاوے کہ محرک ریا ہی ہے تو زائد از معتاد نہ ادا کرنی چاہیے گو ایک ہی رکعت کیوں نہ ہو اس واسطے کہ خدا کی طاعت پر لوگوں کی تعریف کی خواہش سے گناہ کار ہوتا ہے اور اگر باعث عمل دور ہونا عوائق اور غبطہ اور رغبت ان لوگوں کے اعمال کی ہو تو موافقت کرنے میں مضائقہ نہیں اور اس کی پہچان یہ ہے کہ دل میں سوچے کہ اگر بالفرض میں ان کو نماز پڑھتے ایسی طرح دیکھتا کہ یہ لوگ مجھ کو نہ دیکھتے مثلاً پردہ کی آڑ سے میں ان کو دیکھتا رہتا اور اپنی جگہ سے نہ ہلتا تو ایسی صورت میں بھی نماز پڑھنے کو نفس چاہتا

پانہ چاہتا پس اگر ایسے حال میں بھی لوگوں کی نظروں سے غائب ہونے میں نفس نماز کا راغب پایا جاوے تو موافقت لوگوں کی کرنا چاہیے کہ اس لیے کہ باعث عمل ریا نہیں صرف امر حق ہے اور اگر خود آڑ میں رہ کر نفس نماز کا پڑھنا دشوار جانے تو لوگوں کے سامنے بھی ترک کرنا چاہیے اس لیے کہ اس عمل کا باعث ریا ہی ہے اسی طرح کبھی انسان جمعہ کے روز مسجد جامع کا اتنا شوق ونشاط کر دیتا ہے جتنا اور روز نہیں کرتا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا باعث یا لوگوں کی تعریف ہو یا ان کا شوق ونشاط اور توجہ الی اللہ سے اس کی غفلت دور ہو جاوے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی باعث دینی محرک ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی نفس پر محبت حمد بھی آتی ہے تو ایسی صورت میں اگر یہ جانے کہ دل پر غالب ارادہ دینی ہے تو اتنی محبت حمد سے عمل کو چھوڑنا نہ چاہیے بلکہ محبت حمد کو برا جان کر عبادت میں مشغول ہو اسی طرح کبھی لوگ روتے ہیں اور کوئی شخص ان کو دیکھ کر رونے لگتا ہے یہ رونا ریا سے نہیں ہوتا بلکہ خدا کے خوف سے ہوتا ہے اور اگر اکیلا وہ کلام سنتا تو نہ روتا مگر لوگوں کے رونے کی جہت سے دل پر نرمی آجاتی ہے اور بعض دفعہ جو رونا نہیں آتا تو رونے کی صورت بنا لیتا ہے کبھی تو ریا کی جہت سے اور کبھی صدق کی جہت سے یعنی جب لوگوں کو روتا دیکھتا ہے اور اپنا آنسو بھی نہیں نکلتا تو اپنے نفس پر سنگ دل ہونے کا خوف کرتا ہے اور بزور بسورنے لگتا ہے اور یہ بات اچھی ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ تامل کرے کہ اگر میں لوگوں کا رونا ایسی جگہ سے سنتا کہ لوگ مجھے نہ دیکھتے تب بھی میں خوف اپنے دل کی سختی کا کر کے رونے کی صورت بناتا یا نہیں پس اگر لوگوں سے پوشیدہ رہنے کی صورت میں یہ بات نہ ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ بسورنا صرف اس خوف سے ہے کہ کوئی یوں نہ کہے کہ بڑا سنگ دل ہے ایسا بسورنا ترک کرنے کے قابل ہے حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ اپنا خوف خدا اس غرض سے لوگوں کو مت دکھلا کہ تیری تعظیم کریں حالانکہ دل تیرا بدکار ہو اسی طرح چیخنا اور لمبی سانس بھرنا اور رونا ذکر کے وقت یا تلاوت کے وقت یا اور کسی وقت کبھی بباعث صدق اور غم اور خوف و ندامت وحسرت کے ہوتا ہے اور کبھی دوسرے کا غم واندوہ دیکھ کر اور اپنی سنگدلی خیال کر کے بتکلف سانس بھرنے اور آہ آہ کرنے لگتا ہے اور یہ امر بہتر ہے مگر کبھی اس کے ساتھ یہ خواہش بھی ہوتی ہے کہ لوگ جانیں کہ یہ شخص بہت غم میں رہتا ہے۔ اگر محض یہی باعث ہے تو اس کا نام ریا ہے اور اگر واقع میں حزن وملال بھی ہے اور یہ باعث بھی تو اگر باعث ریا کو برا جانے گا اور انکار کر کے قبول نہ کرے تو اس کا رونا اور بسورنا درست ہے اور اگر دل سے میلان ریا کی طرف ہوگا تو اجر باطل اور کوشش لاحاصل ہوگی اور غضب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ اور کبھی آہ آہ کرنا اصل میں غم کے باعث ہوتا ہے لیکن ان کو بڑھا بڑھا کر بلند آواز سے کہتا ہے تو یہی زیادتی ریا وممنوع ہے کیونکہ ابتدا صرف ریا کی اسی سے ہوئی اور کبھی آدمی پر خوف اتنا آتا ہے کہ اس سے اپنا نفس قابو میں نہیں رہتا اور اسی وقت وسوسۂ ریا بھی پیش ہوتا ہے تو اس کو قبول کر لیتا ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آواز کو زیادہ دردناک کرتا ہے یا آنسوؤں کو منہ پر رہنے دیتا ہے کہ کوئی دیکھے

آنسو خوف الٰہی ہی سے نکلے تھے مگر اس کا نشان جو منہ پر قائم رکھا تو صرف ریا ہی کی جہت سے رکھا اسی طرح کبھی ذکر سنتا ہے اور خوف کے مارے قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں حتّٰی کہ گر پڑتا ہے پھر شرم کرتا ہے کہ کوئی یوں نہ کہے کہ بدون زوال عقل اور حالت شدید کے کیسے گر گیا اس خیال سے تھرانے لگتا ہے اور تبکلف وجد کرتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ غشی کے باعث گرا تھا حالانکہ گرنے کی ابتدا درست تھی اور کبھی عقل جاتی رہتی ہے اور گر پڑتا ہے مگر جلد افاقہ ہو جاتا ہے اس وقت دل پر گذرتا ہے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ ایسا حال کیا ہے کہ ذرا دیر نہ ٹھہرا بجلی کی طرح چمک گیا تو اس خیال سے بہت دیر تک تڑپتا رہتا ہے اور ناچتا ہے تاکہ اپنا حال دیرپا ظاہر کرے اسی طرح کبھی ضعف کے بعد جو جلد افاقہ ہو جاتا ہے اور ضعف بھی جلد جاتا رہتا ہے تو اس بات کا خوف کرتا ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ بیہوشی اور حال ٹھیک نہ تھا ورنہ ضعف کے سبب کھڑا نہیں رہ سکتا کہیں چلنے میں جھک پڑتا ہے اور قدم قریب رکھتا ہے اس لیے کہ ظاہر ہو کہ تیز نہیں چل سکتا تو یہ سب باتیں شیطان کے فریب اور نفس کے وسواس میں داخل ہیں جب ایسے خطرے ہوں تو ان کا علاج یہ ہے کہ خیال کرے کہ اگر آدمی میرے اس نفاق پر مطلع ہو جائیں اور دل کی بات پر آگاہ ہوں تو بہت غصہ ہوں اور اللہ تعالٰی تو ہر وقت مطلع ہے اس کا غصہ بڑا سخت ہے حضرت ذوالنون مصری رح ایک بار کھڑے ہوئے اور تھرانے لگے ایک پیر جی ان کے ساتھ کھڑے ہوئے کہ ان میں اثر تکلف کا معلوم ہوتا تھا حضرت ذوالنون نے فرمایا کہ اے شیخ الذی یراک حین تقوم ؎ یعنی خدا تمہارے اس قیام کو دیکھتا ہے تکلف کی کیا ضرورت ہے پس وہ شیخ بیٹھ گیا خلاصہ یہ کہ اسی طرح کے سبب اعمال منافقوں کے ہوتے ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ؎ نعوذ باللہ من خشوع النفاق ؎ اور نفاق کا خشوع یہ ہے کہ اعضا تو خشوع کریں اور دل میں خشوع نہ ہو اور اسی قبیل سے ہے استغفار اور استعاذہ خدائے تعالٰی کے عقوبت اور عذاب سے کہ یہ بھی کبھی تو دل میں خوف سمانے اور گناہ یاد کرنے اور اس پر ندامت کرنے سے ہوتا ہے اور کبھی ریا کے باعث ہوتا ہے پس ایسے وساوس دل پر قریب قریب ایک دوسرے کے بعد وارد ہو کر کام سے روکتے ہیں اور ایک دوسرے میں ملتے جلتے بھی ہیں اس لیے مناسب ہے کہ جب آدمی کو خطرہ ہو تو تامل کرے کہ یہ کیا ہے اور کہاں سے آیا اگر خدا کے لیے ہے تو اسی طرح کرے جیسا دل میں گذرا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ڈرنا بھی چاہیے کہ شاید کچھ ریائے پوشیدہ اس میں نہ ملا ہو جس کی اطلاع نہ ہوئی ہو اور عبادت کے قبول اور عدم قبول سے بھی ترساں رہنا چاہیے کہ اخلاص اس میں ہوا ہے یا نہیں اور جب اخلاص سے عمل کو شروع کیا ہے تو اس بات سے بھی احتراز چاہیے کہ وسوسہ خواہش

؎ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے ۱۲ ؎ پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ سے نفاق کی عاجزی سے ۱۲ ؎ بیہقی در شعب بروایت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اس کی سند میں حارث بن عبیدہ راوی ضعیف ہے ۱۲

لوگوں کی تعریف کا پھر نہ آنے پاوے اس واسطے کہ یہ بہت دفعہ آتا ہے جب کبھی آوے تو یہ دل میں سوچے کہ اللہ تعالےٰ میرے حال کا دانا بینا ہے اگر میں اس کی اطاعت سے لوگوں کی تعریف چاہوں گا تو اس کے غصہ میں پڑوں گا اور وہ بات یاد کرے جو تین آدمیوں میں سے ایک نے حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی تھی جب وہ تینوں آپ کے پاس آئے تھے اس نے کہا تھا کہ اے ایوب آپ کو معلوم نہیں کہ بندہ کا عمل ظاہر جس سے نفس کی طرف سے فریب دیا کرتا ہے جاتا رہے گا امر باطن پر جزا دیا جاوے گا اور بعض اکابر یوں دعا مانگتے کہ الٰہی میں تجھ سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ لوگ مجھے جانیں کہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں حالانکہ تو مجھ سے ناراض ہو اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام یوں دعا مانگتے کہ الٰہی میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس امر سے کہ لوگوں کی نظروں میں تو میرا ظاہر اچھا ہو اور ان سے الگ ہو کر تیرے لیے میرا باطن بُرا ہو اپنے جی میں لوگوں کے دکھلاوے کی تو محافظت کروں اور تو جو میرے حال سے مطلع ہے اس کو برباد کروں لوگوں کے واسطے تو اچھے عمل ظاہر کروں اور تیرے لیے بُرے عمل پیش کروں حسنات سے تو لوگوں کا تقرب چاہوں اور تیری طرف سئیات لے کر آؤں اور تیرے غصہ اور ناراضگی کا باعث ہوں اے پروردگار عالم ان سب باتوں سے مجھ کو پناہ دے اور حضرت ایوب کے پاس جو تین شخص آئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اے ایوب جو لوگ خدا سے حاجت مانگتے وقت اپنے ظاہر کی حفاظت اور باطن کی بربادی کرتے ہیں ان کے منہ سیاہ ہونگے یہ ہیں آفتیں ریا کی بندہ کو چاہیے کہ دل کی خوب حفاظت کرے تاکہ آفات پر مطلع ہو جایا کرے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ریا کے ستر دروازے ہیں اور معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں سے بعض پوشیدہ تر بعض سے ہیں یہاں تک کہ کچھ چیونٹی کی چال کے موافق ہیں اور کچھ اس سے بھی پوشیدہ اور ظاہر ہے کہ جو ایسی خفی چیز ہو اس کو بدون شدت تلاش اور حفاظت کے معلوم نہیں کر سکتا اور کوشش کے بعد بھی اگر معلوم ہو جاوے تو غنیمت ہے بے تلاش و جستجوئے دل کے اور بدون امتحان نفس اور تفتیش اس کے فریبوں کے توقع ان پر مطلع ہونے کی رکھنی دشوار ہے خدائے تعالیٰ سب کو اپنے کرم و احسان سے ان آفات سے بچاوے۔

عمل سے پہلے بعد اور عمل کے دوران مرید کو کیا کرنا چاہیئے

واضح ہو کہ سب سے بہتر مرید کے حق میں یہ ہے تمام اوقات میں اپنی طاقتوں پر خدائے تعالےٰ ہی کے علم پر قناعت کرے اور علم الٰہی پر اسی کو قناعت ہوتی ہے جو خدائے تعالےٰ ہی سے خوف کرے اور اسی سے توقع رکھے اور جو

ح بزار نے بروایت ابن مسعود نقل کیا ہے الریا بضع وسبعون بابا والشرک مثل ذالک اور غالباً یہ لفظ ریا بباء موحدہ ہے چنانچہ ابن ماجہ نے باب التجارات میں نقل کیا ہے الربا سبعون حوبا الحدیث ۱۲

شخص غیر سے خوف و توقع رکھے گا وہ اس کی اطلاع کا بھی خواہاں ہو گا کہ میرے عمدہ احوال کی اس کو اطلاع ہو پس جب یہ صورت کسی کی ہو تو چاہیے کہ دل میں عقل و ایمان کی جہت سے اس امر کی برائی کو لازم کرے اس لیے کہ اس کے باعث یہ ڈر ہے کہ خدائے تعالیٰ ناراض نہ ہو جاوے اور جب ایسی طاعتیں بڑی اور شاق کرے جو اور دن سے نہ ہو سکیں اس وقت اپنے نفس کی حفاظت ضروری ہے اس لیے کہ ایسے حال میں نفس کو ان کے افشا کی کمال حرص ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ تیرے اس بڑے عمل یا ایسے عظیم خوف یا اس جیسے رونے پر اگر خلق کو اطلاع ہو گی تو تجھ کو سجدہ کرنے لگیں گے اس لیے کہ خلق میں اور کون ہے جو ایسا کر سکے تو ایسے عمل کے چھپانے پر کیسے راضی ہے لوگوں کو تیرا مقام کیسے کھلے گا اور قدر کس طرح معلوم ہو گی اقتدار سے محروم رہیں گے غرض جب یہ صورت پیش ہو تو عابد کو چاہیے کہ ثابت قدم رہے اور اپنے عمل کی برائی کے مقابلے میں عظمت ملک آخرت اور لذائذ جنت کے جو ابد الآباد رہیں گے یاد کرے اور یہ بھی سوچے کہ خدا کی طاعت پر بندوں سے ثواب لینے میں کیسا بڑا غصہ اور عذاب الٰہی ہو گا اور عمل کا ظاہر کرنا دوسرے پر گو اچھا معلوم ہوتا ہے مگر خدا کے نزدیک موجب تنزل ہے ثواب عمل کا بالکل کھو دیتا ہے اور پھر نفس کو یوں سمجھاوے کہ ایسے عمل کو میں لوگوں کی تعریف کے بدلے میں کس طرح دے ڈالوں وہ لوگ تو خود عاجز ہیں نہ میرے رزق پر قدرت رکھتے ہیں نہ موت پر اسی بات کو دل میں جماوے ایسا نہ ہو کہ یاس چھا جاوے اور کہنے لگے کہ اخلاص تو زبردستوں کا کام ہے اور جو لوگ خلط ملط کر دیتے ہیں ان کی شان ایسی کہاں ہو سکتی ہے اور اس باعث سے اخلاص میں مجاہدہ نہ کرے بلکہ یہ جان لینا چاہیے کہ متقیوں کی نسبت کر غیر متقیوں کو اخلاص کی حاجت زیادہ ہے اس لیے کہ متقیوں کی اگر نفلیں جاتی رہیں گی تو فرائض تو کامل رہیں گے غیر متقی کے تو فرائض میں بھی نقصان ہے اور ان کا نقصان نوافل ہی سے بھرا جاوے گا اگر نوافل درست نہ ہوئیں تو فرضوں کے نقصان کے باعث تباہ ہو جاوے گا غرض کہ غیر متقی کو حاجت اخلاص کی زیادہ تر ہے اور تمیم داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کو بندہ کے حساب کے وقت اگر فرضوں میں کمی ہو گی تو حکم ہو گا کہ دیکھو اس کی نفل بھی کوئی ہے یا نہیں اگر نفل نکلے گی تو اس سے فرض کا نقصان پورا ہو جاوے گا ورنہ ہاتھ پاؤں پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جاوے گا انتہیٰ تو قیامت میں جو شخص خلط ملط عمل میں کرتا ہے اسی کو ضرورت فرضوں کے پورا کرنے کی ہو گی کہ اس کے فرض ناقص ہوں گے اور گناہ کثرت سے اور گناہوں کے کفارہ کی بھی حاجت ہو گی اور چیز نقصان فرض اور کفارہ گناہ بدون نوافل میں اخلاص کیے نہیں ہو سکتا اور متقی جو نوافل میں اخلاص کرتا ہے تو وہ ترقی درجات کا خواہاں ہے ورنہ اگر نفل اس کے پاس نہ ہو گی تب بھی اتنے حسنات ضرور رہیں گے جن سے جنت مل جاوے اس سے معلوم ہوا کہ خوف اطلاع خدائے تعالیٰ کا ہر وقت دل کے ساتھ رہنا ضرور ہے تاکہ نوافل صحیح ہوں پھر بعد فراغ عمل کے بھی یہ خوف رہنا چاہیے تاکہ اس عمل کو ظاہر نہ کرے اور لوگوں سے نہ کہے جب یہ سب

باتیں کر چکے تب اس بات کا خوف چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہوا ہو کہ ریائے پوشیدہ اس میں داخل ہو گیا ہو اور مجھ کو اطلاع نہ ہوئی ہو اس بنا پر اپنے عمل کے قبول اور عدم قبول میں شک کرنا ضروری ہے یعنی یہ سوچے کہ ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے میری نیت خفیہ لکھ لی ہو اور اس کے سبب مجھ سے ناراض ہو کر میرا عمل میرے سر مارے اور یہ شک اور خوف عمل کے وقت اور بعد عمل چاہیے ابتدائے نیت عمل میں نہ چاہیے بلکہ ابتدا میں تو اس بات کا یقین کرے کہ میں مخلص ہوں سوائے رضائے خدا کے اور کچھ نہیں چاہتا تاکہ عمل درست ہوا اور جب عمل شروع کرنے پر ایسا لحظہ گذر جاوے جس میں غفلت اور نسیان ہو سکتی ہو تو اس بات کا خوف مناسب حال ہے کہ اس غفلت میں شاید کوئی شائبہ ریا خواہ عجب کا آ گیا ہو جس سے عمل باطل ہو گیا ہو مگر توقع قبول کی اغلب ہے اس واسطے کہ عمل کے اندر با اخلاص یقیناً داخل ہوا ہے اور اس بات میں شک ہے کہ ریا کے سبب عمل فاسد ہو گیا یا نہیں تو یقینی بات کی طرف گمان غالب ہے اور اس بات کے معلوم کرنے سے مناجات و طاعات میں بڑی لذت ہوتی ہے اسلیے کہ اخلاص تو یقینی ہے اور ریا میں شک ہے اور یہ شخص جو اس شک سے بھی خوف کرتا ہے تو اس کا خوف اس قابل ہے کہ اگر وسوسہ ریا غفلت میں بھی ہو گیا ہو تو اس کو دور کر دے اور جو شخص کہ لوگوں کی کاروائی اور طلبہ کی تعلیم سے تقرب الی اللہ چاہے اس کو بھی چاہیے کہ اپنے نفس پر توقع ثواب کی کرے اس نظر سے کہ جس آدمی کا کام نکل جاوے گا اس کے دل کو سرور ہو گا اور جو علم سیکھے اس کے بموجب کام کرے گا یہ دونوں صورتیں ثواب کی اس لیے ہیں مگر صرف توقع ثواب ہی سے رکھنی چاہیے شکر اور مکافات اور ثنا خوانی کا خواہاں نہ ہو نہ طالب علم سے نہ جس کی ضرورت نکالی ہو اس سے ورنہ عمل جاتا رہے گا مثلاً اگر طالب علم سے توقع رکھے کہ پڑھانے کے عوض یہ میرا کام خدمت کرے گا یا راہ میں ساتھ چلے گا تاکہ جتھا زیادہ ہو یا اور کسی کام میں تدبیر و فکر کرے گا تو یہ شخص اپنی اجرت لے چکا اس کے سوا اور کچھ ثواب نہ ملے گا۔ ہاں اگر اس نے کچھ نیت نہ کی تھی صرف یہ قصد کیا تھا کہ جب یہ پڑھ کر علم کے بموجب کام کرے گا تو مجھ کو بھی اتنا ہی ثواب ملا کرے گا لیکن شاگرد نے خود بخود خدمت کی اور اس نے اس کو قبول کیا تھا تو اس صورت میں ہم کو توقع ہے کہ اس کا ثواب باطل نہ ہو گا بشرطیکہ استاد کو نہ انتظار خدمت ہو نہ ارادہ یہاں تک کہ اگر شاگرد خدمت نہ کرتا تو کچھ بعید نہ جانتا اور باوجود پائے جانے ان سب شرائط کے اگلے علما پھر بھی خدمت سے عذر کرتے تھے چنانچہ روایت ہے کہ ایک عالم کنوئیں میں گر پڑے لوگ ان کے نکالنے کو آئے اور رسی اندر ڈالی تو انہوں نے اندر سے قسم دلائی کہ جس شخص نے مجھ سے ایک آیت بھی قرآن مجید کی پڑھی ہو یا حدیث سنی ہو وہ اس رسی کو ہاتھ نہ لگائے اسی خوف سے کہ مبادا اتنی خدمت لینے سے ثواب جاتا رہے اور شقیق بلخیؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کپڑا حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس بطور ہدیہ بھیجا انہوں نے مجھ کو واپس کر دیا میں نے عرض کیا یا حضرت میں تو آپ سے حدیث نہیں پڑھتا ہوں کہ آپ پھیرے دیتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ یہ تو میں بھی جانتا

ہوں مگر تمہارا بھائی مجھ سے حدیث پڑھتا ہے مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں اس کے لیے میرا دل اوروں کی بہ نسبت زیادہ نرم نہ ہو جاوے اور ایک بار ایک شخص انہیں کی خدمت میں ایک تھیلی یا دو تھیلیاں لایا اور اس شخص کا باپ آپ کا بڑا دوست تھا آپ اکثر اس کے پاس تشریف لے جاتے تھے اس شخص نے عرض کیا کہ آپ کے دل میں میرے باپ کی طرف سے کوئی بات ہے آپ نے فرمایا خدا اس کو بخشے وہ ایسا اور ایسا تھا اس کی مدح و ثنا کی اس نے عرض کیا کہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یہ مال میرے قبضے میں اسی کے ترکے سے آیا ہے تو میں اس قدر لایا ہوں کہ آپ بھی اس سے اپنے عیال کی پرداخت فرما دیں پس حضرت سفیان نے قبول کر لیا مگر جب وہ شخص چلا گیا تو اپنے بیٹے مبارک سے کہا کہ جلد جاؤ اور اس شخص کو میرے پاس بلا لاؤ جب وہ شخص آیا تو آپ نے فرمایا کہ اب میری مرضی یہ ہے کہ اپنا مال لے جاؤ اس نے ہر چند اصرار کیا مگر آپ نے نہ مانا اور واپس کر دیا شاید اس کی وجہ یہ ہو گی کہ اس کے باپ سے محبت اللہ کے لیے تھی تو برا جانا کہ اس کے مال میں سے کچھ لے لیویں آپ کے بیٹے مبارک کہتے ہیں کہ جب وہ شخص مال لے کر چلا گیا میں نہ رہ سکا اور آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ آپ کو کیا ہوا ہے یہ چند گنتی کے پتھر تھے ان کو واپس کیوں کر دیا تمہارے یہاں کیا کنبہ نہیں تم کو مجھ پر رحم نہیں آتا اپنے بھائیوں پر رحم نہیں کرتے نہ ہمارے عیال پر رحم کرتے ہو غرض جتنا کہا گیا خوب کہا آپ نے ارشاد فرمایا کہ مبارک خدا سے ڈرو کھاؤ اڑاؤ تو تم اور اس کی باز پرس ہو مجھ سے اس بیان سے معلوم ہوا کہ عالم سے اگر کسی کو فیض ہو تو اس کے ثواب کا طالب صرف خدا سے ہو اور شاگرد کو بھی واجب ہے کہ وہ بھی ہمیشہ طالب حمد خدا اور اس کے ثواب و منزلت کا رہے استاد کے نزدیک اور خلق کی نظروں میں عزیز ہونے کا خیال دل سے دور رکھے اور کبھی شاگرد کو یہ سوجھتی ہے کہ اگر ظاہر میں طاعت الٰہی کروں گا تو اس کی نظروں میں رتبہ حاصل کروں گا اور اچھی طرح پڑھوں گا مگر یہ خیال غلط ہے اس واسطے کہ طاعت الٰہی سے ارادہ غیر اللہ کا کرنے سے نقصان تو اس وقت ہوتا ہے اور علم کا مفید ہونا اور غیر مفید ہونا موہوم ہے پس عمل نقد کو اس وہمی فائدہ کے عوض ضائع کر کے کیوں نقصان اٹھاوے یہ امر تو سراسر ناجائز ہے بلکہ یوں چاہیے کہ اللہ ہی کے واسطے پڑھے اور اسی کے واسطے عبادت کرے اور اسی کے لیے استاد کی خدمت کرے کہ استاد کے دل میں جگہ ہو گی اگر یہ منظور ہو کہ تحصیل علم طاعت میں متصور ہو اس لیے کہ بندوں کو یہی حکم ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اپنی طاعت سے غیر خدا کو چاہیں اسی طرح جو اپنے ماں باپ کی خدمت کرے وہ اس قصد سے کرے کہ ماں باپ کی رضامندی میں خدا کی رضامندی ہے اس لیے نہ کرے کہ خدمت کرنے سے میری جگہ ان کے دل میں ہو جاوے اور اس کو جائز نہیں کہ طاعت خدا سے ریا اس لیے کرے کہ ماں باپ کے دل میں جگہ پیدا ہو کیونکہ یہ امر گناہ ہے اور کیا عجب

ہے کہ خداوند کریم اس کا ریا برطرف کر دے اور ماں باپ کی نظروں سے گر جاوے۔ اور زاہد جو لوگوں سے کنارہ کشی ہو تو اس کو ہمیشہ خیال ذکر الٰہی کا دل کے ساتھ رہنا چاہیے اور خدائے تعالیٰ کے واقف ہونے پر قناعت کرنی چاہیے اس کے دل میں یہ بات نہ گذرے کہ میرے زہد کا حال لوگوں کو معلوم ہو جاوے اور وہ میری عظمت کریں اس لیے کہ اس سے تخم ریا مزرع سینہ میں بویا جاتا ہے یہاں تک کہ عبادات کا کرنا تنہائی میں آسان ہو جاتا ہے اور چونکہ لوگ اس کی تکریم کرتے ہیں اور اس کی گوشہ نشینی سے واقف ہیں اس لیے بڑے اطمینان سے بیٹھا رہتا ہے اور اس کو خبر نہیں کہ اس وجہ سے عمل مجھ پر ہلکے معلوم ہوتے ہیں حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے معرفت ایک راہب سے سیکھی ہے جس کا نام سمعان تھا میں اس کے پاس اس کے گرجا میں گیا اور اس سے پوچھا کہ تم اس جگہ کب سے ٹھہرے ہو اس نے کہا کہ ستر برس سے میں نے پوچھا کہ آپ کی غذا کیا ہے اس نے کہا کہ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے میں نے کہا کہ صرف پوچھنا منظور ہے اس نے کہا کہ ہر شب ایک چنا کھاتا ہوں میں نے پوچھا کہ تمہارے دل میں ایسی کیا بات رہتی ہے کہ ایک چنا کافی ہو جاتا ہے اس نے جواب دیا کہ یہ لوگ جو تمہاری نظر کے سامنے ہیں ہر سال میں ایک روز میرے پاس آتے ہیں اور اس عبادت خانہ کو آراستہ کرتے ہیں اور اس کے گرد طواف کرتے ہیں اور میری بڑی تعظیم کرتے ہیں پس جب کبھی میرا نفس عبادت سے کسل کرتا ہے تو میں اس کو اسی ساعت کی عزت دلاتا ہوں تو ایک ساعت کی توقیر کے واسطے میں سال بھر مشقت اٹھاتا ہوں پس اے موحد تو ایک ساعت کی مشقت سے عزت جاوید حاصل کر اس کی اس بات سے میرے دل میں معرفت الٰہی کی وقعت ہوئی پھر اس نے کہا کہ اس قدر بس ہے یا اور زیادہ دیکھنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ بہتر۔ کہا کہ اس عبادت خانہ سے نیچے اترو جب میں نیچے گیا تو اس نے ایک ٹریا میں بیس چنے لٹکا کر مجھے دیئے اور کہا کہ دیر میں چلے جاؤ وہاں کے لوگوں نے مجھے لٹکاتے دیکھ لیا ہے میں دیر میں گیا تو سب نصارا میرے پاس جمع ہو گئے اور کہا کہ میاں موحد مرشد نے تم کو کیا دیا ہے میں نے کہا کہ اپنی غذا دی ہے انہوں نے کہا کہ تم اس کو کیا کرو گے اس کے مستحق ہم لوگ ہیں ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو میں نے کہا کہ اچھا بیس اشرفی کو بیچتا ہوں انہوں نے بیس اشرفیاں دے کر چنے لیے میں پھر اس راہب کے پاس آیا اس نے پوچھا کہ چنے کیا کیے میں نے کہا کہ ان لوگوں کے ہاتھ بیچ دیئے اس نے پوچھا کتنے کو میں نے کہا بیس اشرفیوں کو اس نے کہا کہ تم چوک گئے اگر بیس ہزار اشرفیاں مانگتے تو وہ تمہیں دیتے میاں موحد یہ عزت اس شخص کی ہے جو اس کی عبادت نہیں کرتا اور جو خاص اس کی عبادت کرتا ہے اس کا کیا کہنا ہے اب تم رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور چلنا پھرنا چھوڑ دو انتہیٰ اور مقصود یہ ہے کہ نفس کو جب اپنی عزت لوگوں کے دلوں میں معلوم ہوتی ہے تو تنہائی میں بھی سبب مجاہدہ ہوتی ہے مگر کبھی بندہ کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی اسی لیے ضرور ہوا کہ اس سے پرحذر رہنا چاہیے

اور نشان سلامتی کا یہ ہے کہ آدمی اور بہائم عابد کے نزدیک ایک سے معلوم ہوں اگر بالفرض لوگوں کا اعتقاد اس سے پھر جاوے تو دل تنگ نہ ہو اور نہ واویلا کرے اور اگر تھوڑی سی کراہت دل میں آوے بھی تو اس کو فوراً اپنی عقل و ایمان سے دفع کرے حتیٰ کہ اگر مثلاً یہ شخص عبادت میں ہو اور تمام لوگ اس پر مطلع ہو جاویں تو ان کی اطلاع سے نہ تو کچھ خشوع اس کا زیادہ ہو اور نہ دل پر سرور اگر کچھ ایک دوسرے سے اس کو حاصل ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی ضعیف ہے لیکن اگر اس کے رد کرنے کی قدرت عقل و ایمان کے زور سے رکھتا ہے اور دفع کی طرف مبادرت کر کے اس کو مانتا ہی نہیں تو مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سعی ضائع نہ جاوے گی اور اگر لوگوں کے دیکھنے کے وقت خشوع دل بستگی اس نظر سے زیادہ کرے کہ لوگ زیادہ نہ کھل کھیلیں اور تضییع اوقات نہ کریں تو اس کا کچھ مضائقہ نہیں لیکن اس صورت میں دھوکا بھی ہے اس لیے کہ اظہار خشوع کے لیے نفس کی شہوات بعض اوقات پوشیدہ ہوتی ہے مگر اس کے اظہار کے لیے بہانہ یہ کر لیتا ہے کہ مجھ کو لوگوں کے ساتھ زیادہ اختلاط منظور نہیں اور اس کے اس دعویٰ کا آزمانا سہل ہے بایں طور کہ تامل کرے کہ لوگوں کی بندش تو اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ دوڑ کر چلنے لگوں یا بہت ہنسا کروں یا بہت کھانے لگوں پس اگر نفس بندش کے لیے ان باتوں کو گوارا کرے تو سچا ہے اور اگر بندش کے لیے عبادت ہی کو چاہے تو اس سے غالباً اس کی مراد یہی معلوم ہوتی ہے کہ اپنی منزلت لوگوں کے دلوں میں چاہتا ہے اور اس سے وہی بچے گا جن کے دل میں جما ہوا ہے کہ سوائے خدا کے اور کوئی معبود نہیں اور عمل ایسی طرح کرے کہ گویا زمین کے پردہ پر اکیلا وہی ہے کوئی دیکھنے والا نہیں تو ایسے شخص کے دل میں خلق کا خطرہ اول تو ہوتا ہی نہیں اور اگر ہوتا بھی ہے تو بہت ضعیف ہوتا ہے کہ اس کا دور کرنا کچھ مشکل نہیں ہوتا جب آدمی اس حال پر ہوتا ہے تو لوگوں کے دیکھنے سے کچھ متغیر نہیں ہوتا اور اس حال کے ٹھیک ہونے کی یہ پہچان ہے کہ اگر بالفرض اس کے دو یار ہوں ایک توانگر دوسرا مفلس تو توانگر کے آنے کے وقت نفس میں زیادہ خوشی اس کی تعظیم کی بہ نسبت فقیر کے نہ ہو بشرطیکہ اور کوئی وجہ تعظیم کی سوائے توانگری کے نہ ہو مثلاً اگر توانگر عالم ہو یا متقی ہو تو اس وقت البتہ اس کی تعظیم اس وصف خاص کی جہت سے کر سکتا ہے توانگری کو اس میں کچھ دخل نہیں اور جو شخص کہ اغنیا کے دیکھنے سے زیادہ راحت پاتا ہو بہ نسبت فقیر کے تو وہ ریاکار اور لالچی ہے ورنہ فقیروں کے دیکھنے سے تو رغبت آخرت زیادہ ہوتی ہے دل پر مسکنت کی محبت ہوتی ہے اور اغنیا کا دیکھنا اس کے برعکس ہے تو کس طرح توانگروں کی ملاقات سے زیادہ راحت بہ نسبت فقرا کے ہو سکتی ہے اور روایت ہے کہ جیسی ذلت توانگروں کو حضرت سفیانؒ کی مجلس میں ہوتی تھی ایسی اور جگہ نہیں ہوتی تھی آپ کا دستور تھا کہ توانگروں کو پچھلی صف میں بٹھلاتے تھے اور اگلی صف میں فقرا ہوتے تھے یہاں تک کہ توانگر ان کی مجلس میں تمنا کرتے تھے کہ کاش ہم فقیر ہوتے۔ ہاں ایک اور صورت تعظیم

غنی کی ہے کہ اس سے قرابت ہو یا کوئی حق یا دوستی سابقہ رکھتا ہو مگر اس صورت میں بھی یہ شرط ہے کہ اگر یہی علاقہ کسی فقیر میں بھی پایا جاوے تو پھر غنی کو فقیر پر ترجیح نہ دے اس لیے کہ فقیر کا رتبہ خدا کے نزدیک غنی سے زیادہ ہے اب اگر کوئی غنی ہی کو ترجیح دینے لگے تو معلوم ہوگا کہ اس کے مال کی لالچ سے اس کے ساتھ ریا کرتا ہے۔ پھر اگر پاس بٹھلانے میں مساوات غنی اور فقیر کی سمجھے تو یہ خوف ہے کہ کہیں حکمت وخشوع غنی کے سامنے بہ نسبت فقیر کے زیادہ ظاہر نہ کرے یہ امر ریا خفی اور طمع خفی سے سرزد ہوا کرتا ہے جیساکہ ابن سماک نے اپنی لونڈی سے کہا تھا کہ نہیں معلوم کیا سبب ہے جب میں بغداد میں آتا ہوں تو مجھ پر حکمت کا دروازہ کھل جاتا ہے یعنی کلام حکمت آمیز بہت کہتا ہوں اس نے جواب دیا کہ لالچ سے آپ کی زبان تیز ہو جاتی ہے اور واقع میں اس نے درست کہا تونگر کے سامنے زبان ایسی کھلتی ہے کہ ایسی فقیر کے سامنے نہیں کھلتی اسی طرح خشوع بھی تونگر کے سامنے اتنا ہوتا ہے کہ فقیر کے سامنے نہیں ہوتا غرضکہ شیطان کے خفیہ مکروفن اس باب میں ہمہ جہت ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور انسان کو ان سے جبھی نجات ملتی ہے جبکہ ماسوا اللہ کو دل سے نکال دے اور صرف نفس پر خوف مدت العمر کیا کرے۔ اور اس کا آگ میں جانا ایسے شہوات کے سبب جو جلد جلد بدلتے رہتے ہیں اور چند روز میں علیحدہ ہو جائیں گے پسند نہ کرے اور دنیا میں ایسی طرح رہے جیسے کوئی بادشاہ کہ شہوتوں نے اس کو گھیر رکھا ہو اور لذات سب طرح کے آس پاس ہوں مگر اس کے بدن میں ایسا مرض ہو کہ اگر ذرا بھی شہوات میں قدم زیادہ دھرے تو مرجانے کا خوف ہو اور جانتا ہو کہ اگر میں پرہیز کروں گا اور ان شہوات سے بچوں گا تو زندگی بھی رہے گی اور سلطنت بھی قائم رہے گی اور اس خیال سے طبیبوں اور عطاروں کی مجالست اختیار کرے اور نفس کو تلخ اور بدمزہ دواؤں کے پینے کا عادی کر کے سب لذات کو ترک کرے تو ہرچند قلت غذا کے باعث اس کا بدن ہمیشہ لاغر ہوتا جائے گا لیکن ویسی ہی بیماری بھی روز بروز شدت پرہیز کے باعث کم ہوتی جاوے گی۔ پس جب کبھی نفس اس کا کسی شہوت کی تمنا کرے گا تو تمام درد و تکلیفیں مرض کی خیال میں پھر جاویں گی جن کا انجام موت ہے اور موت کے سبب سلطنت بھی جاتی رہے گی دشمن خدا خوش ہوں گے اور اگر دوا کی سختی نفس پر ناگوار ہوگی تو اس سے جو شفا اور تندرستی آگے کو ہوتی ہے وہ دھیان میں آوے گی کہ تندرست ہو کر سلطنت میں چین کریں گے اور فارغ البالی سے حکومت کرتے رہیں گے اس تامل سے لذتوں کا چھوڑنا اور مکروہات پر صبر کرنا ہلکا معلوم ہوگا یہی حال ایماندار کا ہے جو سلطنت آخرت کی تمنا رکھتا ہے وہ بھی ایسی چیزوں سے جو آخرت میں مہلک ہوں یعنی لذات دنیاوی سے احتراز کرتا ہے اور ان میں سے قدر قلیل پر اکتفا کرتا ہے اور لاغری اور پژمردگی اور وحشت اور حزن وخوف اور ترک موافقت خلق سے اس لیے پسند کرتا ہے کہ اسے یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں خدا کا غضب نازل ہو کر تباہ نہ ہو جاویں اور یہ توقع ہوتی ہے کہ عذاب الٰہی سے نجات پاؤں اسی لیے یہ سب باتیں اس پر

آسان معلوم ہوتی ہیں کیونکہ انجام کار کا یقین اور اعتقاد شدت سے قوی ہوتا ہے اور اس بات کا بھی کہ میرے لیے دولت پائدار رضائے الٰہی کی ابدالآباد کے واسطے مہیا ہے پھر یہ بھی اس کو معلوم ہے کہ خدائے تعالیٰ کریم و رحیم ہے جو لوگ اس کی رضا جوئی کرتے ہیں ان کو مدد دیتا ہے اور عطوفت و رافت فرماتا ہے اگر وہ چاہے تو اپنے بندوں کو رنج و مشقت کی پروا نہ رکھے لیکن اپنی حکمت و عدل سے ان کا امتحان اور صدق ارادت کو معلوم کرنا منظور ہے تو اپنے بندوں کو رنج و مشقت کی پروا نہ رکھے لیکن اپنی حکمت و عدل سے ان کا امتحان اور صدق ارادت کو معلوم کرنا منظور ہے اسی واسطے یہ حکم عبادت کا صادر فرمایا ہے پھر جب اول اول آدمی مشقت اختیار کرتا ہے تو خداوند کریم اس کی طرف متوجہ ہو کر مدد و عنایت فرماتا ہے اور کام کو آسان کر دیتا ہے گرانی اور کسل کو دور فرما کر صبر کرنا سہل اور طاعت کو محبوب کر دیتا ہے پھر طاعات و مناجات کی وہ لذت عنایت فرماتا ہے جس سے تمام لذتیں بھول جاتی ہیں اور شہوات کے فنا کرنے کی طاقت دیتا ہے بلکہ خود ان کو دبا دینے کا کفیل ہو جاتا ہے اور مدد پر مدد پہنچائے جاتا ہے اس لیے کہ کریم اپنے امیدوار کی کوشش ضائع نہیں کیا کرتا اور نہ اپنے محب کی آرزو سے محروم کرے وہ خود ارشاد فرماتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ جو شخص میری طرف ایک بالشت نزدیک ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور فرماتا ہے کہ نیک بندوں کا شوق میری ملاقات کی طرف زیادہ ہے اور میں ان کے ملنے کا ان سے بھی زیادہ شائق ہوں سبحان اللہ بکرمہ بندے کو چاہیے کہ شروع میں اپنی کوشش اور صدق و اخلاص کر گذرے اور پھر عنقریب اور جو کچھ خدائے تعالیٰ کے جود و کرم و رافت و رحمت کے لائق ہے اس کا تماشہ کرے نظم۔

بپرورش ساکن شو و بیخانہ باش	دعوی شمعی مکن پروانہ باش
تا بہ بینی چاشنی زندگی	سلطنت را بی نہاں در بندگی

نواں باب: تکبر اور خود پسندی

رباعی

جبار و قدیم ہے وہ دارائے جہاں	پس عجب اور کبر ہے اسی کو شایاں !
انسان کے لیے نہیں تکبر زیبا	جب اس کی سرشت ہے حدوث اور امکان

جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

ح الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی الحدیث ایک حدیث میں وارد ہے ح ثلث مھلکات شح مطاع وھوی متبع واعجاب المرء بنفسہ ۵ پس کبر وعجب دو مرض مہلک ہیں اور متکبر اور معجب روگی ہیں اور خدا کے نزدیک دشمن اور مبغوض اور ازانجا کہ اس جلد میں ہم کو غرض بیان مہلکات سے ہے تو ضرور ہوا کہ کبر اور عجب کا بیان کیا جاوے کہ دونوں بڑے خراب مہلک ہیں ہم اس باب کو دو فصلوں پر منقسم کر کے ایک میں ذکر کبر کا اور دوسرے میں عجب کا کرتے ہیں۔

پہلی فصل، تکبر سے متعلق دس باتوں کا بیان

۱ تکبر کی مذمت

کلام مجید میں خدائے تعالےٰ نے بہت جگہ مذمت کبر کی اور جبار و متکبر کی فرمائی ہے مثلاً فرماتا ہے ح سَاَصْرِفُ عن اٰیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق اور فرمایا کذلک یطبع اللہ علیٰ کل قلب متکبر جبار اور فرمایا واستفتحوا وخاب کل جبار عنید اور فرمایا لا یحب المتکبرین اور فرمایا لقد استکبروا فی انفسھم وعتوا عتوا کبیرا اور فرمایا ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین غرضکہ مذمت کبر کی قرآن شریف میں کثرت سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ح لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر و لا یدخل النار من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان اور حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث قدسی زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مروی ہے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہمد ہے جو کوئی ان میں مجھ سے نزاع کرے گا اس کو میں دوزخ میں ڈال دوں گا اور کچھ پروانہ کروں گا اور ابو سلمہ بن عبد الرحمنؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت عبد اللہ بن عمرو اور اور حضرت عبد اللہ بن عمر مروہ پر ملے اور وہاں کچھ ٹھہرے بعد اس کے اول صاحب تو تشریف لے گیے مگر

ح کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہمد ہے جو شخص ان دونوں میں مجھ سے نزاع کرے گا میں اس کو توڑ دونگا ۱۲ حاکم اس کا عدل اس کو چھوڑ دے گا ۱۲ ح تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں بخل جسکا آدمی مطیع ہو اور خواہش نفس جسکا وہ پیرو ہو اور بڑا جاننا آدمی کا اپنے نفس کو ۱۲ بزار و طبرانی و بیہقی و شعب بروایت انس بسند ضعیف ۱۲ ح میں پھروں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو بڑائی ڈھونڈھتے ہیں ملک میں ناحق ۱۲ ح اسی طرح مہر کرتا ہے اللہ ہر دل پر غرور والے سرکش کے ۱۲ ۵ اور فیصلہ مانگنے لگے اور نامراد ہوا جو سرکش تھا ضد کرنے والا ۱۲ ح اللہ نہیں دوست رکھتا غرور والوں کو ۱۲ ح بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں ۱۲ ح بیشک جو لوگ بڑائی کرتے ہیں میری بندگی سے بیٹھیں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر ۱۲ ح نہیں داخل ہوگا جنت میں وہ شخص کہ ہوگا اس کے دل میں رائی کے دانہ برابر کبر اور نہیں داخل ہوگا دوزخ میں وہ شخص کہ ہوگا اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ۱۲ مسلم بروایت ابن مسعودؓ ح مسلم و ابو داؤد بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ و ابو سعید ۱۲

دو پہر کھڑے ہوئے روتے رہے لوگوں نے سبب گریہ کا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے مجھ سے یوں کہا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہو گا اس کو خدائے تعالیٰ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دے گا اور ایک حدیث میں یوں وارد ہے کہ آدمی اپنے آپ کو یہاں تک اونچا کرتا رہتا ہے کہ انجام کو جباروں کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے اور جو عذاب کہ ان کو پہنچتا ہے وہی اس کو بھی ہوتا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز انسانوں اور جنوں اور چرند و پرند کو فرمایا باہر چلو دو لاکھ آدمی اور دو لاکھ جن وغیرہ باہر نکلے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اونچے اٹھائے گئے یہاں تک کہ آواز آسمان کے فرشتوں کی تسبیح کی آپ نے سنی پھر آپ نیچے اتارے گئے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سمندر سے لگ گئے وہاں ایک آواز سُنی کہ اگر تمہارے آقا یعنی حضرت سلیمان کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہو تو اس کو جتنا اونچا کیا تھا اس سے زیادہ زمین میں اتار دوں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۳] کہ دوزخ میں سے ایک گردن نکلے گی جس میں دو کان سننے والے اور دو آنکھیں دیکھتی ہوئی اور ایک زبان بولتی ہوئی ہوگی وہ یہ کہے گی کہ مجھ کو تین قسم کے آدمی حوالے ہوئے ہیں اوّل جبار عنید دوم جو لوگ مشرک ہیں سوم مصوّر اور یہ بھی آپ نے ارشاد فرمایا[۴] لا یدخل الجنۃ بخیل ولا ئ الملائکۃ اور حدیث شریف میں ہے[۵] کہ جنت و دوزخ میں باہم گفتگو ہوئی دوزخ نے کہا کہ مجھ کو متکبرین اور جبارین ملیں گے جنت نے کہا کہ پھر میں نے کیا کیا ہے جو مجھ کو ضعیف اور افتادے اور عاجز لوگ ملیں گے اللہ تعالیٰ نے جنت کو فرمایا کہ تو میری رحمت ہے تجھ سے جس پر میں چاہوں گا رحمت کروں گا اور دوزخ کو فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے تجھ سے جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا اور تم دونوں کو لوگوں سے بھر دوں گا۔ اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[۶] کہ بُرا بندہ وہ ہے جو جبر و تعدی کرے اور سب سے بڑے جبار کو بھول جاوے اور بُرا بندہ وہ ہے کہ جبر کرے اور اترا وے اور کبیر متعال کا دھیان نہ رکھے اور بُرا بندہ وہ ہے کہ سہو اور لہو میں رہے اور قبروں اور خاک ہو جانے کی یاد بالائے طاق رکھے اور بُرا بندہ وہ ہے کہ سرکشی کر کے حد سے گذر جاوے اور ابتدا اور منتہا کی اس کو یاد نہ آوے اور ثابتؓ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص کیا بڑا متکبر ہے

---

[۱] احمد و بیہقی در شعب ۱۲ [۲] ترمذی بروایت سلمہ بن الاکوع اور اس میں آخر کا جملہ عذاب کا نہیں ۱۲ [۳] ترمذی بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲ [۴] نہیں داخل ہوگا جنت میں بخیل نہ متکبر نہ برائی کرنے والا اپنے مملوکوں سے ۱۲ یہ حدیث جلد دوم آداب کسب میں گذر چکی ہے اور حیا کی جگہ لفظ خائن معروف ہے ۱۲ [۵] بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ ۱۲ [۶] حاکم اور مستدرک و ترمذی بروایت اسماء بنت عمیس اور کہا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں ۱۲

آپ نے فرمایا کہ اس کے پیچھے کیا موت نہیں ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی انہوں نے اپنے دو بیٹوں کو بلایا اور فرمایا کہ میں تم کو دو چیزوں سے منع کرتا ہوں اور دو چیزوں کا امر کرتا ہوں شرک اور کبر سے تو منع کرتا ہوں لا الٰہ الا اللہ کا حکم کرتا ہوں کیونکہ زمین و آسمان مع مافیہا اگر ایک پلہ میں رکھے جاویں اور یہ کلمہ طیبہ دوسرے پلہ میں رکھا جاوے تو اسی کا پلہ بھاری ہوگا اور اگر بالفرض آسمان و زمین اور ان دونوں کی چیزوں کا ایک حلقہ ہو اور لا الٰہ الا اللہ اس پر رکھ دیا جاوے تو حلقہ کو توڑ دے گا اور دوسری بات جس کا امر کرتا ہوں سبحان اللہ وبحمدہ ہے کہ ہر ایک چیز کی نماز ہے اور اسی سے ہر ایک چیز کو رزق دیا جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خوشحال اس شخص کا جس کو خدا تعالےٰ اپنی کتاب سکھلاوے اور وہ جبار ہو کر نہ مرے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اہل النار کل جعظری جواظ متکبر جماع مناع واھل الجنۃ الضعفاء المغلوبون اور ایک حدیث میں فرمایا کہ تم میں ہمارا زیادہ محبوب قریب آخرت میں وہ ہوگا جس کے اخلاق سب میں عمدہ ہوں اور سب سے زیادہ مبغوض اور بعید وہ ہوگا جو فضول گو ہو اور فصاحت جتانے کو باچھیں پھاڑ پھاڑ باتیں کرے اور متکبر ہو اور ایک حدیث میں یہ وارد ہے کہ قیامت کو متکبر لوگ آدمیوں کی سی صورت کی چونٹیاں بن کر اٹھیں گے اور لوگ ان پر پاؤں رکھ کر چلیں گے ہر ایک طرح کی ذلت ان پر سوار ہوگی پھر جہنم کے قید خانہ میں جس کو بولس کہتے ہیں مقید ہوں گے اور سب آگوں کی آگ ان کو آ لگے گی دوزخیوں کے نچوڑ اور پیپ گارہ پینے کو ملے گا اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبار و متکبر قیامت میں چونٹیوں کی صورت میں اٹھیں گے اور لوگ ان کو پامال کریں گے اس لیے کہ انہوں نے خدا کو ذلیل سمجھا تھا۔ اور محمد بن واسع فرماتے ہیں کہ میں بلال بن ابی بردہ کے پاس گیا اور کہا کہ تمہارے باپ نے مجھے ایک حدیث اپنے باپ کی زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی تھی کہ آپ نے فرمایا کہ دوزخ میں جنگل ہے جس کو ہبہب کہتے ہیں اور خدا تعالےٰ کو یہی منظور ہے کہ اس میں جبار لوگ رہیں پس اے بلال تم اپنے آپ کو اس میں رہنے سے محفوظ رکھنا۔ اور

ح[۱] بیہقی در شعب ح[۲] احمد و بخاری اور کتاب آدب ۱۲ ح[۳] دوزخ کے لوگ ہر ایک درشت تندخو متکبر بہت جوڑنے والے اور کچھ نہ دینے والے ہیں اور جنت کے لوگ ضعیف ذلیل ہیں ۱۲ احمد و بیہقی بروایت عبداللہ بن عمر ۱۲ ح[۴] احمد بروایت ابو ثعلبہ خشنی اور اس میں ضمیر واحد متکلم کی ہے ۱۲ ح[۵] ترمذی بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور کہا ہے کہ حسن غریب ہے ۱۲ ح[۶] بزاز نے نقل کی ہے اور اس میں جبار نہیں ۱۲ ح[۷] ابو یعلےٰ و طبرانی اور حاکم اور اس کی سند میں زہیر بن مسکان ضعیف ہے ۱۲ ح[۸] بیہقی در شعب بروایت انس بالفاظ دیگر بسند ضعیف ۱۲

ایک حدیث[۱] میں یوں وارد ہے کہ دوزخ میں ایک مکان ہے جس میں متکبرین کو ڈال کر بند کر دیں گے اور ایک حدیث[۲] میں فرمایا اللھم انی اعوذبک من نفخۃ الکبریاء اور فرمایا کہ جو تین باتوں سے بری ہو کر مرے گا جنت میں داخل ہو گا اوّل ان میں سے کبر ہے دوم قرض سوم خیانت اور آثار بھی کبر کی برائی میں منقول ہیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو حقیر نہ جانے اس لیے کہ مسلمان میں جو صغیر ہے وہ خدا کے نزدیک بڑا ہے اور وہب فرماتے ہیں کہ جب خدائے تعالےٰ نے جنت عدن پیدا کیا تو اس کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تو متکبر پر حرام ہے اور احنف بن قیس مصعب بن زبیر کے برابر تخت پر بیٹھا کرتے ایک روز جو تشریف لائے تو وہ پاؤں پھیلائے ہوئے تھا اور ان کو اٹھانہ گیا وہ جو بیٹھے تو کہیں پاؤں دب گیا آپ نے اس کے چہرے سے معلوم کیا کہ اس کو پاؤں کا دبنا برا معلوم ہوا تو فرمایا کہ تعجب ہے کہ آدم زاد تکبر کرے حالانکہ وہ پیشاب کی جگہ سے دوبار نکلا ہے یعنی ایک بار جب نطفہ تھا اور ایک بار پیدائش کے وقت اور حضرت حسن فرماتے ہیں کہ تعجب ہے آدمی سے ہر روز ایک بار یا دو بار اپنے ہاتھ سے پاخانہ دھوتا ہے پھر تکبر کرتا ہے اور آسمانوں اور زمین کے جبار کا مقابلہ کرتا ہے اور اس آیت میں[۳] وفی انفسکم افلا تبصرون بعض مفسرین نے فرمایا کہ بول و براز کی راہ کی طرف اشارہ ہے اور حضرت محمد بن حسین بن علی علیہم السلام فرماتے کہ جس شخص کے دل میں کسی قدر کبر آتا ہے اسی قدر اس کی عقل کم ہو جاتی ہے اگر کبر کم ہو گا تو عقل کا نقصان بھی کم ہو گا اور اگر زیادہ تو زیادہ اور حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ایسی بدی کون سی ہے جس کے ہوتے نیکی مفید نہ ہو آپ نے فرمایا کہ وہ کبر ہے۔ اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے منبر پر فرمایا کہ شیطان کے پاس بہت سے پھندے اور جال ہیں منجملہ اس کے پھندوں اور جال کے خدا کی نعمتوں پر اترانا اور اس کی عطا پر فخر کرنا اور اس کے بندوں پر تکبر کرنا اور سوائے ذات خدا کے اور چیزوں میں آرزو کا اتباع کرنا خدائے تعالیٰ ہم کو دین و دنیا میں اس سے بچاوے۔

۲۔ کپڑے لٹکا کر یا اترا کر چلنا

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ[۴] لاینظر اللہ الی رجل یجر ازارہ بطرا اور فرمایا بینما رجل یتبختر فی بردیہ اذ اعجبتہ نفسہ فخسف اللہ بہ الارض

---

[۱] الٰہی میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے کبریا کی پھونک سے ۱۲ ان الفاظ سے اس کی سند مجھے نہیں ملی اصحاب سنن نے بروایت ابوسعید خدری اور الفاظ اور طرح پر ایک حدیث نقل کی ہے ۱۲ [۲] ترمذی و ابن ماجہ بروایت ثوبان ۱۲ [۳] اور خود تمہارے اندر کیا تم کو سوجھ نہیں [۴] نہیں دیکھتا اللہ اس شخص کی طرف کر گھٹے چادر اپنی اترا کر ۱۲ بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ [۵] قولہ اس لیے اقوال اصل میں ہے کہ بعد انہم وھلے اللہ یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک بے قدر ہونے کی وجہ سے اس طرح روندے جاویں گے اور یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے خدا کو ذلیل سمجھا تھا [۶] اس اثنا میں کہ آدمی دو چادروں میں اترا رہا ہو اس کو اپنا نفس اچھا معلوم ہوتا ہے بس اللہ

فخو یتخلخل بها الیٰ یوم القیامۃ اور فرمایا من جر ثوبہ خیلاء لم ینظرہ اللہ یوم القیامۃ ...... ۵ اور زید بن اسلمؓ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں گیا اس وقت عبداللہ بن واقد نئے کپڑے پہنے ان کے پاس کو گذرے آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے اپنی ازار اونچی کر میں نے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو کوئی ازار کو اترا کر کھینچے گا اس کی طرف قیامت میں خدائے تعالےٰ نہ دیکھے گا۔ اور روایت ہے[۲] کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کف مبارک پر تھوکا اور اس پر انگشت مبارک رکھ کر فرمایا کہ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے ابن آدم کیا تو مجھ سے بچ جاوے گا میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے جب میں نے تجھے ہٹا کٹا کر دیا تو تو لباس میں ایسا چلتا ہے کہ زمین بھی فریاد کرتی ہے تو نے مال جوڑا اور کسی کو نہ دیا جب روح گردن میں پہنچی تو کہنے لگا کہ میں صدقہ کروں گا وہ وقت صدقہ کا کہاں ہے اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب[۳] میری امت تکبر سے چلنے لگے گی اور فارس اور روم ان کی خدمت کرنے لگیں گے اس وقت خدائے تعالےٰ ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کر دے گا اور ایک حدیث میں یوں[۴] ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے جی میں بڑا بنتا ہے اور چال میں اتراتا[۵] ہے وہ خدا کے سامنے ایسے حال میں جائے گا کہ خدائے تعالےٰ اس پر غصہ ہو آثار ابوبکر ہذلی روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصریؒ کے پاس بیٹھے تھے اتنے میں وہاں کو ابن اہتم کا گذر ہوا جو پاخانہ کو جاتا تھا اور کئی کرتے ریشمی پہنے تھا جو پنڈلی پر ایک دوسرے کے اوپر تہ بتہ کر رکھے تھے اور ان میں سے قبا کھل رہی تھی اور اس کی چال میں تبختر پایا جاتا تھا حضرت حسن بصریؒ نے ایک نگاہ اس کو دیکھا اور کہا کہ تف ہے اس ناک پھیلانے کمر لچکانے گردن مروڑنے پر اپنے دونوں طرف دیکھتا جاتا ہے اے بیوقوف اپنے اپنے دونوں طرف کیا دیکھتا ہے دونوں طرف نعمتیں ہیں جن کا تو نے نہ شکر ادا کیا نہ ان کو زبان پر لایا نہ ان کے باب میں جو کچھ خدائے تعالےٰ نے حکم کیا تھا اس کو مانا نہ جو حقوق خداوندی ان میں تھے ان کو ادا کیا بخدا کہ لوگ ایسا چلتے ہیں کہ ان کی طبیعت یہ چاہتی ہے کہ پاگلوں کی طرح جھک جھک پڑے یہ نہیں معلوم کہ ہر عضو میں اعضا سے خدا کی ایک نعمت موجود ہے اور شیطان اس سے کھیل بنانے کو تیار ابن اہتم یہ سن کر لوٹ آیا اور آپ کی خدمت میں عذر کرنے لگا آپ نے فرمایا کہ مجھ سے عذر کیا کرتے ہو خدا

تعالیٰ اس کو زمین میں دھنسا دیتا ہے وہ اس میں جھنجھناتا قیامت تک چلا جاتا ہے ۱۲ ط بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲
ح جو شخص گھسیٹتا ہے اپنا کپڑا تکبر سے خدائے تعالےٰ قیامت کو اس کو نہ دیکھے گا ۱۲ مسلم بروایت ابن عمرؓ ح[۲] ابن ماجہ و حاکم بروایت بسر بن معجاش ۱۲ ح[۳] ترمذی و ابن حبان بروایت ابن عمرؓ ۱۲ ح[۵] احمد و طبرانی و حاکم و بیہقی در شعب بروایت ابن عمرؓ ۱۲

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

کے سامنے تو بہ کر و خدائے تعالٰے کا ارشاد نہیں سنا کہ فرماتا ہے ؎ ولا تمش فی الارض مرحا انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولاً اور ایک بار آپ کی طرف سے ایک جوان عمدہ لباس پہنے گذرا آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا کہ آدمی اپنی جوانی اور جمال پر اکڑتا ہے یوں سمجھنا چاہیے کہ قبر نے بدن کو چھپایا اور عمل سامنے آئے جاؤ اپنے دل کا علاج کرو بندوں سے خدا کی غرض اتنی ہی ہے کہ ان کے دل درست ہوں۔ اور روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قبل خلافت حج کیا ان کو طاؤسؒ نے دیکھا کہ چال میں تکبر پایا جاتا ہے تو اپنی انگلی آپ کے پہلو میں ماری اور کہا کہ جس کے پیٹ میں غلیظ بھرا ہو۔ اس کی چال یوں نہیں ہوتی آپ نے بطریق معذرت ان سے فرمایا کہ چچا صاحب اس حال پر میرا ایک ایک عضو پیٹا گیا ہے جب میں نے اس کو سیکھا ہے۔ اور محمد بن واسع نے اپنے لڑکے کو اتراتے دیکھ کر بلایا اور کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تو کون ہے اور تیری ماں تو وہ تھی جس کو میں نے دوسو درم کو مول لیا تھا اور تیرا باپ ایسا ہے کہ خدائے تعالےٰ مسلمانوں میں ویسے بہت نہ کرے۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے پائنچے لٹکائے تھا آپ نے دو تین بار فرمایا کہ شیطان کے بھی بہت بھائی ہیں اور روایت ہے کہ مطرف بن عبداللہؒ نے مہلب کو دیکھا کہ حریری جبہ پہنے تبختر کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ اے بندہ خدا اس چال کو خدا اور رسول برا جانتے ہیں اس نے جواب دیا کہ تم مجھے جانتے ہو آپ نے فرمایا کہ ہاں جانتا ہوں اول میں تو نطفۂ خراب تھا اور انجام کو ایک مسوار ناپاک ہوگا اور اب غلاظت کو لادے پھرتا ہے مہلب سن کر چلا گیا اور وہ چال چھوڑ دی۔ اور حضرت مجاہدؒ نے یتمطے کے معنی اس آیت میں ؎ ثم ذہب الی اہلہ یتمطے یہی فرماتے ہیں کہ تبختر کرتا ہے اور از انجا کہ ہم نے کبر اور اترانے کی برائی لکھی تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تواضع کی فضیلت بھی لکھیں۔

نمبر۳ تواضع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ؎ ما زاد اللہ عبدا العفو الا عزا وما تواضع احد للہ الا رافعہ اللہ ؎ اور ایک ؎ حدیث میں یوں فرمایا ہے کہ ہر ایک آدمی کے ساتھ دو فرشتے رہتے ہیں اور اس کو لگام سے روکتے رہتے ہیں پس اگر وہ اپنے نفس کو اونچا کرتا ہے تو وہ لگام تانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ الٰہی تو اس شخص کو پست کر اور اگر فروتنی کرتا ہے تو دعا دیتے ہیں کہ الٰہی اس کو بلند کر۔ اور فرمایا کہ خوشحال وہ شخص ہے کہ مسکنت کی حالت میں نہ ہو اور فروتنی کرے اور مال جو بے معصیت جمع کیا ہو اس کو خرچ کرے اور اہل ذلت و مسکنت پر رحم کرے

؎ اور مت چل زمین میں اتراتا تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر ۱۲ ؎ قولہ باخانہ الخ اصل میں بریدالمقصورہ شاہی مکان معرفت تھا نہیں معلوم مترجم نے کا ترجمہ کہاں سے لیا ہے ۱۲ میر علی عفی اللہ عنہ ۱۲ ؎ یعنی مجھ کو میرے بزرگوں نے مار مار کے وہ چال سکھائی ہے۔ ؎ پھر گیا اپنے گھر کو اکڑتا ۱۲ ؎ نہیں زیادہ کرتا اللہ کسی بندے کو معاف کرنے کے باعث بجز عزت کے اور نہیں تواضع کی کسی نے مگر کہ اونچا کیا اس کو اللہ نے ۱۲ مسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ؎ بزاز بروایت انسؓ ۱۲

اور فقہ و حکمت والوں سے ملے۔ اور ابو سلمہ مدینی اپنے باپ سے روایت[اح] کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مسجد قبا میں تشریف رکھتے تھے اور روزہ دار تھے افطار کے وقت ہم ایک پیالہ دودھ کا تھوڑا سا شہد ملا کر لائے جب آپ نے اس کو اٹھا کر چکھا اور شہد کا مزہ معلوم ہوا تو پوچھا کہ کیا چیز ہے ہم نے عرض کیا کہ تھوڑا سا شہد اس میں ڈال دیا ہے آپ نے پیالہ رکھ دیا اور فرمایا کہ میں اس کو حرام نہیں کرتا ہوں۔ اور پھر یہ کلمات ارشاد فرمائے[ح۲] من تواضع للہ رفعہ اللہ و من تکبر وضعہ اللہ و من اقتصد اغناہ اللہ و من بذر افقرہ اللہ و من ذکر اللہ احبہ اللہ الخ۔[۳] اور روایت[ح۴] ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند اصحاب کے ساتھ اپنے گھر میں کھانا کھاتے تھے ایک سائل دروازہ پر آیا اور اس کو ایسا مرض مزمن تھا کہ اس سے گھن آتی تھی آپ نے اس کو اجازت دی جب وہ اندر آیا تو آپ نے اس کو اپنے برابر بٹھایا اور کہا کہ کھانا کھا ایک شخص قریش میں سے اس سے رکا اور گھن کی تو وہ شخص نہ مرا جب تک کہ اسی سائل کے موافق اپاہج نہ ہو گیا اور ایک حدیث[ح] میں آپ نے فرمایا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے فرمایا کہ دو باتوں میں سے جو نسی چاہوں پسند کر لوں یا بندہ اور رسول ہوں یا بادشاہ اور نبی ہوں مگر مجھ کو معلوم نہ تھا کہ کونسی بات کو اختیار کروں اور فرشتوں میں میرے دوست جبریل تھے میں نے ان کی طرف سر اٹھایا انہوں نے فرمایا کہ خدا کے سامنے تواضع کرو میں نے عرض کیا کہ بندہ اور رسول رہوں گا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدائے تعالیٰ نے وحی کی کہ میں نماز ایسے شخص کی قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کے سامنے فروتنی کرے اور میرے بندوں پر بڑا نہ بنے اور اپنے دل میں میرا خوف ساتھ لے اور دن بھر میرے ذکر میں مشغول رہے اور اپنے نفس کو شہوات سے میرے لیے روکے۔ اور ایک حدیث شریف میں آپ نے فرمایا کہ الکرم التقویٰ والشرف التواضع والیقین الغنیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مژدہ ہو ان لوگوں کو جو دنیا میں تواضع کرتے ہیں کہ وہ قیامت کو منبروں پر بیٹھیں گے اور مژدہ ہو ان لوگوں کو جو دنیا میں لوگوں کے

اح بزار بروایت طلحہ بن یحییٰ بن طلحی بن عبید اللہ عن ابیہ عن جدہ مختصراً و احمد و ابو یعلی بروایت ابو سعید اور اس میں و من بذر افقرہ اللہ نہیں ہے ۱۲ ح۲ جس شخص نے خدا کے واسطے تواضع کی اس کو اللہ اونچا کرتا ہے اور جس نے تکبر کیا اس کو پست کرتا ہے اور جس نے میانہ روی اختیار کی اس کو غنی کرتا ہے اور جس نے بیجا صرف کیا اس کو فقیر کرتا ہے اور جس نے خدا کا ذکر بہت کیا اس کو اللہ دوست رکھتا ہے ۱۲ ح۳ اس کی سند نہیں ملی اور مجذوم کے ساتھ کھانا تناول فرمانا ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے روایت جابر نے نقل کیا ہے ۱۲ ح۵ ابو یعلی بروایت عائشہ رض طبرانی بروایت ابن عباس اور دونوں ضعیف ہیں ح۶ بڑائی تقویٰ ہے اور شرف تواضع اور یقین تونگری ۱۲ ابن ابی الدنیا مرسلاً اور حاکم نے اس کو بروایت حسن عن سمرہ مسنداً نقل کیا ہے

درمیان صلح کراتے ہیں کہ وہ قیامت میں جنت فردوس کے مالک ہوں گے اور مژدہ ہو ان لوگوں کو جو دنیا میں اپنے دل کو پاک کرتے ہیں کہ وہ قیامت کو ایسے ہوں گے جن کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا اور بعضوں کا قول ہے کہ مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب[۱] خدائے تعالےٰ کسی بندے کو اسلام کی ہدایت کرتا ہے اور اس کی صورت اچھی بناتا ہے اور ایسی جگہ میں رکھتا ہے جو اس کو نازیبا نہیں ہوتی اور باوجود اس کے اس کو تواضع بھی عنایت فرماتا ہے تو ایسا شخص خدائے تعالےٰ کے خاص بندوں میں سے ہوتا ہے اور ایک حدیث شریف[۲] میں ہے چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ اسی کو ملتی ہیں جس کو خدا دوست رکھتا ہے اوّل سکوت جو عبادت کا آغاز ہے دوم توکل خدا پر سوم تواضع چہارم دنیا میں زہد اور حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا[۳] کہ جو کوئی تواضع کرتا ہے خدائے تعالےٰ اس کو ساتویں آسمان تک بلند کرتا ہے اور فرمایا[۴] کہ تواضع بندہ کو برتر ہی کرتی ہے پس تواضع کرو خدا تم پر رحم کرے گا اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول[۵] فرماتے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کالا آیا جس کے چیچک نکلی تھی اور اس سے پانی جاتا تھا پس جس کے پاس وہ بیٹھتا وہی اس کے پاس سے کھڑا ہو جاتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے پہلو میں بٹھلایا اور فرمایا[۶] کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ میں ایسی چیز اٹھا دے جو اس کے گھر والوں کے کام کی ہو اور اس سے مقصود اپنے نفس کا کبر دور کرتا ہو اور ایک روز آپ نے اصحابؓ کو فرمایا[۷] کہ میں تم میں حلاوت عبادت کی نہیں پاتا یہ کیا بات ہے انہوں نے عرض کیا کہ عبادت کی حلاوت کیا چیز ہے آپ نے فرمایا فروتنی۔ اور ایک حدیث میں یوں ارشاد[۸] ہے کہ جب تم میری امت کے تواضع کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے ساتھ تواضع پیش آؤ اور جب متکبروں کو دیکھو تو ان پر تکبر کرو کہ ان پر تکبر کرنا ان کے حق میں ذلت و خواری ہے آثار حضرت عمر فرماتے ہیں کہ بندہ جب انکسار خدا کے واسطے کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی حکمت کو بلند فرماتا ہے اور یہ ارشاد فرماتا ہے کہ بلند ہو خدا نے تجھ کو بلند کیا اور جب تکبر اور تعدی کرتا ہے تو اس کو زمین میں دھنساتا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ دور ہو خدا نے تجھ کو دور کر دیا پس ایسا شخص اپنی دانست میں بڑا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں حقیر ہے یہاں تک کہ سور سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہیں اور جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں ایک بار ایک درخت کے نیچے گیا دیکھا

۱؎ طبرانی مرفوعاً علی ابن مسعود رضی اللہ عنہما ۱۲ ۲؎ طبرانی و حاکم بروایت انس اختلاف الفاظ اس کی سند میں عوام بن جبر یہ ضعیف ہے ۱۲ ۳؎ بیہقی در شعب اور اس کی سند زمعہ بن صالح ضعیف ہے ۱۲ ۴؎ مسلم نے بروایت ابوہریرہ ایک حدیث کے اثنا میں نقل کیا ہے و ما تواضع احد للہ الا رفعہ اللہ اور مصنف کے الفاظ کو اصفہانی نے بروایت انس بیان کیا ہے اس کی سند ضعیف ہے ۱۲ ۵؎ مجھ کو اس طرح پر نہیں ملی باقی مجذوم کے ساتھ آپ کا کھانا ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے بروایت جابر بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے ۱۲ ۶؎ غریب ہے اس کی سند نہیں ملی ۱۲ ۷؎ غریب اس کی سند نہیں ملی ۱۲

تو اس کے تلے ایک شخص سوتا ہے اور چمڑے کا سایہ اپنے اوپر کیا ہے چونکہ آفتاب چمڑے پر سے ہٹ گیا تھا میں نے اس کو درست کر دیا اتنے میں وہ شخص جاگے تو معلوم ہوا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے میں نے جو کچھ کیا تھا آپ سے کہہ دیا تھا آپ نے یہ نصیحت فرمائی کہ اے جریر دنیا میں خدا کے واسطے فروتنی کر کیونکہ جو شخص دنیا میں خدا کے لیے تواضع کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس کو قیامت میں بلند کرے گا۔ اے جریر تجھ کو معلوم ہے کہ قیامت میں دوزخ کا اندھیرا کیا چیز ہوگا میں نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں آپ نے فرمایا کہ دنیا میں جو لوگ ایک دوسرے پر ظلم اور اندھیر کرتے ہیں یہی قیامت کو اندھیرا ہوگا اور حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ تم افضل عبادت سے غافل ہو وہ تواضع ہے اور یوسف بن اسباط رحؒ کا قول ہے کہ بہت سے عمل سے تھوڑا ورع کافی ہے اور بہت سی کوشش اور مجاہدہ سے تھوڑی سی فروتنی بس ہے اور حضرت فضیل رحؒ سے جب کسی نے تواضع کو پوچھا کہ کیا چیز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ امر حق کے لیے خضوع کرنا اور منقاد ہونا اگرچہ کسی لڑکے خواہ جاہل ہی سے سنے۔ اور ابن مبارک رضؓ فرماتے ہیں کہ اصل تواضع یہ ہے کہ اس شخص کی بہ نسبت جو نعمت دنیاوی میں اپنے آپ سے کم ہے اپنے نفس کو کم سمجھنا یہاں تک کہ یوں جاننا کہ ہم کو دنیا کی راہ سے اس پر کچھ زیادتی نہیں اور اس شخص کی نسبت جو نعمت دنیا میں اپنے آپ سے زیادہ ہے اپنے نفس کو برتر سمجھنا حتیٰ کہ دنیا کی راہ سے اس کو کچھ فضیلت نہ جانے۔ اور قتادہ رضؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو مال یا جمال یا بیان یا علم عنایت ہو اور وہ اس میں تواضع نہ کرے تو قیامت کو اس پر یہ چیزیں وبال ہوں گی اور ایک روایت میں ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ جب میں کوئی نعمت تم کو دوں تو اس کو انکسار کے ساتھ قبول کرو میں اس نعمت کو تم پر پورا کروں گا اور حضرت کعب رضؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو جو نعمت دنیا میں دیتا ہے اور وہ اس کا شکر گزار ہوتا ہے اور خدا کے واسطے اس نعمت سے فروتنی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا نفع اس کو دنیا میں بھی عنایت فرماتا ہے اور آخرت میں اس کا رتبہ بلند کرتا ہے اور اگر خدائے تعالیٰ نے کسی بندے کو نعمت دی اور اس نے نہ خدا کا شکر کیا نہ فروتنی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کا فائدہ اس سے روک لیتا ہے اور آخرت میں اس کے لیے طبقہ جہنم کھول دیتا ہے چاہے اس کو عذاب دے یا درگزر فرمادے اور عبدالملک بن مروان سے کسی نے پوچھا کہ مردوں میں بہتر کون ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص باوجود قدرت کے تواضع کرے اور باوجود رغبت کے زہد کرے اور قابو پاکر انتقام نہ لے۔ اور ابن سماک رحؒ ہارون رشید کی خدمت میں گیے اور فرمایا کہ اس بزرگی اور شرف کے ساتھ آپ کا تواضع کرنا آپ کیلئے خود شرف سے بہتر ہے ہارون رشید نے کہا کہ کیا خوب آپ نے فرمایا پھر انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین اگر خدائے تعالیٰ کسی کو جمال اور شرافت حسب اور مال عنایت کرے اور وہ اپنے جمال میں عفیف رہے اور مال سے لوگوں کے ساتھ سلوک کرے اور حسب میں فروتنی کرے تو اللہ تعالیٰ کے دفتر میں اولیاء اللہ سے لکھا جائے گا ہارون رشید نے کاغذ و دوات قلم

منگا کر اپنے ہاتھ سے ان کا قول لکھ لیا۔ اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا دستور تھا کہ جب صبح ہوتی تو رئیس توانگروں اور شریفوں کو دیکھا کرتے یہاں تک کہ ان سے فارغ ہو کر مساکین میں آتے اور ان کے پاس بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ مسکین کا گذر مسکینوں ہی میں ہے۔ اور بعض اکابر کا قول ہے کہ جیسا آدمی کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ توانگر اس کو برے کپڑے میں دیکھیں اسی طرح چاہیے کہ وہ اس بات کو بھی برا جانے کہ درویش اس کو لباس فاخرہ میں دیکھیں۔ اور روایت ہے کہ ایک بار یونس اور ایوب اور حسنؒ باہر نکلے اور تواضع کا ذکر ہوا تو حضرت حسنؒ نے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ تواضع کیا ہے تواضع یہ ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلے تو جو مسلمان راستے میں ملے اس کو یہ سمجھے کہ مجھ سے زیادہ اچھا ہے۔ اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کیا تو ہر پہاڑ آپس میں ایک دوسرے سے بڑا اونچا ہونے لگا اور جودی نے فروتنی کی اللہ تعالےٰ اس کو بلند مرتبہ دیا کہ حضرت نوح کی کشتی اسی پر ٹھہری۔ اور حضرت ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جو لوگوں کے دلوں کا حال معلوم کیا تو کسی میں تواضع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل سے بڑھ کر نہ پائی اسی لیے ان کو آدمیوں میں سے کلام کے ساتھ ممتاز فرمایا اور یونس بن عبیدؒ جب عرفات سے پھرے تو کہنے لگے کہ اگر میں لوگوں میں نہ ہوتا تو یقیناً ان پر رحمت ہوتی اب مجھے خوف ہے کہ تیرے سبب رحمت سے محروم نہ رہے ہوں اور یہ جملہ متقدمین میں سے چلا آتا ہے کہ جس قدر آدمی ایماندار اپنے نفس میں فروتنی کرتا ہے اسی قدر خدائے تعالےٰ کے نزدیک بلند مرتبہ ہوتا ہے اور جتنا اپنے نزدیک اونچا ہوتا ہے اتنا ہی خدا کے نزدیک پست ہوتا ہے۔ اور زیاد نمیری کا قول ہے کہ جس زاہد میں تواضع نہ ہو وہ درخت بے پھل ہے۔ اور مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو کر پکارے کہ جو تم سب میں برا شخص ہو وہ باہر نکلے تو مجھ سے آگے کوئی نہ جا سکے سب سے اول میں ہی دوڑوں البتہ جس کے اندر طاقت دوڑنے کی ہو وہ بڑھ جاوے تو بڑھ جاوے راوی کہتا ہے کہ جب ابن مبارک کو حضرت مالکؒ کا یہ کلام پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ مالک اسی جہت سے مالک ہوا ہے اور حضرت فضیلؒ کا قول ہے کہ جو شخص محبت ریاست رکھتا ہے اس کو کبھی فلاح نہیں ہوتی اور موسیٰ بن القاسم کہتے ہیں کہ ایک بار ہمارے یہاں زلزلہ اور سرخ آندھی آئی تو میں محمد بن المقاتلؒ کے پاس گیا اور کہا کہ اے ابو عبد اللہ آپ ہمارے امام ہے خدائے تعالےٰ سے دعا مانگیے آپ رونے لگے اور فرمایا کہ اگر میرے سبب تم ہلاک نہ ہو تو میں اسی کو غنیمت جانوں محمد بن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے پھر خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ محمد بن مقاتل کی دعا سے خدائے تعالےٰ نے تم پر سے آندھی وغیرہ کو دور کر دیا اور ایک شخص حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ تو کیا چیز ہے اور اس طرح پوچھنا آپ کی عادت مستمرہ تھی اس شخص نے جواب دیا کہ میں حرف ب کے نیچے کا نقطہ ہوں آپ نے فرمایا کہ تو اس کے موافق اپنے نفس کو کرنا چاہیے ورنہ تیری حجت خدائے تعالےٰ منقطع کر دے گا۔ اور

اور بعض کلاموں میں ان کے یہ بھی منقول ہے کہ میری ذلت نے یہود کی ذلت کو بیکار کر دیا۔ اور یہ جملہ اکابر سے منقول ہے کہ جو اپنے نفس کی کچھ بھی قدر جانتا ہے اُس کو تواضع سے کچھ بہرہ نہیں اور فتح بن شنجرفؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ اور عرض کیا کہ آپ مجھ کو نصیحت فرمائیے آپ نے فرمایا کہ فقیروں کی مجلس میں اگر توانگر بتوقع ثواب خدا تواضع کرے تو کتنا اچھا ہے اور اس سے زیادہ اچھی یہ بات ہے کہ فقرا خدائے تعالے پر اعتماد کر کے توانگروں پر تکبر کریں اور ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں کہ آدمی اس وقت تک اپنے نفس کو نہیں پہچانتا جب تک تواضع نہیں کرتا اور حضرت ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کو جب تک یہ گمان ہو کہ خلق میں کوئی مجھ سے بدتر ہے تب تک وہ متکبر ہے لوگوں نے پوچھا کہ پھر متواضع کب ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ جب تک اپنے نفس کے واسطے نہ کوئی مقام جانے اور نہ کوئی حال اور جس قدر آدمی خدائے تعالے کو اور اپنے نفس کو پہچانتا ہے اسی قدر اس میں تواضع ہوتی ہے اور ابو سلیمانؒ کا قول ہے کہ جتنا میں اپنے جی میں پست اور کم رتبہ ہوں اگر تمام خلق مجھ کو اتنا کم رتبہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکیں گے اور عروہ بن الوردؒ فرماتے ہیں کہ تواضع حصول شرف کا ایک جال ہے اور آدمی سوائے تواضع کے سب نعمتوں پر حسد کیا جاتا ہے اور یحیٰی بن خالد برمکیؒ کا قول ہے کہ شریف جب عابد ہو جاتا ہے تو تواضع کرنے لگتا ہے اور احمق جب عابد ہوتا ہے تو اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے اور حضرت یحیٰی بن معاذ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے مال سے تجھ پر تکبر کرے اس پر تیرا تکبر کرنا ہی تواضع ہے اور اکابر کا قول ہے کہ تواضع سب قسم کے لوگوں میں اچھی ہے اور توانگروں میں سب سے بہتر ہے ؎

تواضع ز گردن فرازان نکوست ٭ گدا گر تواضع کند خوے اوست

اور تکبر تمام خلق میں بُرا ہے اور فقیروں میں سب سے بُرا ہے۔ اور یہ بھی بعض اکابر کا قول ہے کہ عزت اُسی کو ہے جو خدا کے واسطے ذلیل ہو اور برتری اس کو ہے جو اللہ جل شانہ کے واسطے تواضع کرے اور مامون وہی ہے جو خدا سے ڈرے اور نفع اسی کو ہے جو اپنے نفس کو خدا کے ہاتھ بیچ دے اور ابو علی جرجانیؒ کا قول ہے کہ نفس کا خمیر کبر اور حرص اور حسد سے ہے پس جس شخص کو خدا تعالے ہلاک کرنا چاہتا ہے اس کو تواضع اور خیر خواہی اور قناعت سے باز رکھتا ہے اور جس کے ساتھ بہتری کرنی ہوتی ہے اس کو یہ باتیں عنایت فرما دیتا ہے تو جب کبھی اس کے دل میں کبر کی آگ بھڑکتی ہے اس کو خدا کی مدد سے تواضع فرو کر دیتی ہے اور اگر حسد کی آگ ابھرتی ہے تو اللہ کی توفیق سے خیر خواہی اس کو بجھاتی ہے اور اگر حرص شعلہ زن ہوتی ہے تو خدا کے فضل سے قناعت اس کو فرو کر دیتی ہے۔ اور حضرت جنیدؒ جمعہ کے روز اپنی مجلس میں کہتے کہ یہ حدیث مروی نہ ہوتی

ع ۔ ترمذی بروایت ابو ہریرہؓ اور کہا ہے کہ غریب ہے ۱۲

کہ پچھلے زمانے میں سردار قوم کا ان میں ارذل ہوگا تو میں ہرگز تم کو کچھ نہ سناتا اور یہ بھی ان ہی کا قول ہے کہ اہل توحید کے نزدیک تواضع بھی تکبر ہے اور شاید ان کی مراد یہ ہے کہ متواضع اپنے نفس کو پہلے ٹھہرالیتا ہے تب اس کو پست خیال کرتا ہے اور موحد اپنے نفس کو کچھ بھی نہیں سمجھتا جب اس کا وجود ہی نہیں تو پستی اور رفعت کس کے لیے ثابت کرے اور عمرو بن شیبہ کہتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ میں صفا اور مروہ کے درمیان تھا دیکھا تو ایک شخص خچر پر سوار ہے اور اس کے آگے بہت سے غلام لوگوں کو دھکے دیتے اور سختی کرتے جاتے ہیں پھر بعد چندے میرا گذر بغداد میں ہوا اور پل کے اوپر کھڑا تھا کہ ایک شخص ننگے پاؤں اور ننگے سر لمبے لمبے بال والا سامنے آیا میں نے اس کو بغور دیکھنا شروع کیا اس نے پوچھا کہ تم کیا دیکھتے ہو میں نے کہا کہ تمہاری صورت کا ایک آدمی میں نے مکہ معظمہ میں دیکھا تھا اور سب پتے بتلائے اس نے کہا کہ میں وہی شخص ہوں میں نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہو گیا اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسی جگہ بلندی ظاہر کی تھی جہاں لوگ انکسار کرتے ہیں کہ ہم ابراہیم رحمہ اللہ تعالےٰ نے مجھ کو ایسی جگہ پست کر دیا جہاں لوگ رتبہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور مغیرہ رحمہ اللہ تعالےٰ کہتے ہیں کہ ہم ابراہیمؒ سے اتنا ڈرتے تھے جیسے بادشاہ کا خوف ہوتا ہے اور وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جس زمانہ میں میں فقیہ کوفہ کا ہوا ہوں وہ برا زمانہ ہے کہ مجھ سا شخص فقیہ گنا جائے۔ اور عطائے سلمیؒ جب رعد کی آواز سنتے تو اٹھتے بیٹھتے اور درد زہ والی عورت کی طرح پیٹ پکڑتے اور کہتے کہ یہ بلا میرے سبب سے تم پر آوے گی اگر میں مرجاؤں تو لوگوں کو راحت پہنچے۔ اور بشر حافی رحمہ اللہ کہتے کہ دنیا داروں کے لیے یہی سلام ہے کہ ان کو سلام نہ کرو اور ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن المبارک کے لیے دعا دی کہ جو تم کو توقع ہو خدائے تعالےٰ عنایت فرماوے آپ نے فرمایا کہ توقع بعد معرفت کے ہوتی ہے یہاں میرے سے معرفت ہی نہیں۔ اور حضرت سلمان فارسیؓ کے پاس ایک روز اہل قریش فخر کرنے لگے آپ نے فرمایا کہ اگر میرا حال پوچھتے ہو تو ناپاک نطفہ سے تو پیدا ہوا ہوں اور انجام کو مردار بدبودار ہو جاوے گا پھر میزان میں اگر پلہ بھاری رہا تو میں اچھا ہوں اور اگر ہلکا رہا تو برا ہوں۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے کرم کو تقویٰ میں پایا اور غنا کو یقین میں اور شرف کو تواضع میں خداوند کریم سے امید ہے کہ ہم کو بھی توفیق تواضع اپنے کرم و فضل سے عنایت فرماوے

تکبر کی حقیقت اور اس کے نقصانات

جاننا چاہیے کہ کبر دو قسم ہے ایک ظاہر اور ایک باطن کبر باطن تو نفس کی عادت کا نام ہے اور کبر ظاہر اعمال ہیں جو اعضا سے سرزد ہوتے ہیں اور واقع میں عادت باطنی ہی کا نام کبر کہنا ٹھیک ہے اعمال تو اس عادت کے ثمرات ہیں اور وہ عادت موجب اعمال کی ہوتی ہے اسی واسطے جب اعضا پر اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تکبر کیا اور جب تک ظاہر نہیں ہوتے تب تک کہا جاتا ہے کہ اس کے نفس میں کبر ہے غرض اصل یہی ہے کہ کبر وہی ہے جو نفس کے اخلاق میں سے ایک خلق کا نام ہے اور وہ یہ ہے کہ نفس اپنے آپ کو دوسرے پر فائق دیکھ کر راحت پاوے اور اسی کی طرف مائل ہو اس لیے کہ کبر ایک امر اضافی ہے اس لیے کئی چیزیں چاہئیں اوّل تکبر کرنے والا۔ دوم جس پر

تکبر کرتا ہے سوم جس چیز سے تکبر کرتا ہے اور کبر اور عجب میں یہی فرق ہے کہ عجب میں صرف ایک شخص عجب کرنے والا ہوتا ہے جیسا کہ آگے مذکور ہوگا بلکہ اگر فرض کیا جاوے کہ انسان صرف اکیلا ہی پیدا ہو تو ہو سکتا ہے کہ عجب کرے مگر متکبر نہیں ہو سکتا جب تک کہ غیر کے ساتھ نہ ہو اور اپنے نفس کو صفات کمال میں اس دوسرے سے برتر نہ جانے غرضکہ تکبر میں صرف اپنے نفس کا بڑا جاننا کافی نہیں کیونکہ بعض اوقات آدمی اپنے نفس کو بڑا جانتا ہے مگر دوسروں کو اپنے آپ سے بڑھ کر خواہ برابر سمجھتا ہے اس پر تکبر نہیں کرتا اور نہ دوسرے کا حقیر جاننا کافی ہے اس لیے کہ بعض اوقات دوسرے کو حقیر جانتا ہے مگر اپنے نفس کو اس سے بھی زیادہ حقیر سمجھتا ہے تو تکبر نہ ہوگا اور اگر دوسرے کو اپنے مثل ہی سمجھے تب بھی تکبر نہیں بلکہ تکبر میں یہ ضرور ہے کہ ایک مرتبہ اپنے نفس کا سمجھے اور ایک غیر کا پھر اپنے مرتبہ کو غیر کے مرتبہ سے بہتر سمجھے جب یہ تین باتیں اس کے اعتقاد میں ہوں گی تب کبر پیدا ہوگا صرف اپنے مرتبہ سمجھنے کا نام کبر نہیں بلکہ اس سمجھنے اور عقیدہ سے اس میں ایسی پھونک پڑتی ہے جس سے دل میں سامان اور حرکت اور خوشی اور میل اپنے عقیدہ کی طرف پیدا ہوتا ہے اور اس سبب سے نفس میں ایک عزت آتی ہے اس عزت وحرکت ومیلان کو خلق کبر کہتے ہیں اور اس پھونک کا ذکر حدیث شریف میں بھی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعوذ بك من نفخة الکبریاء[1] اور اسی طرح حضرت نے فرمایا تھا اس شخص کو جنے بعد نماز صبح وعظ کہنے کی اجازت مانگی تھی کہ مجھے یہ خوف ہے کہ تو پھول کر ثریا تک نہ پہنچ جاوے اس سے معلوم ہوا کہ انسان جب اپنے نفس کو اس نظر سے دیکھتا ہے یعنی اپنی بڑائی کے اعتقاد سے تو وہ تکبر کرتا ہے اور پھولتا ہے تو ثابت ہوا کہ کبر اسی حالت کو کہتے ہیں کہ جو ان اعتقادات مذکورہ سے نفس میں حاصل ہوتی ہے اور اسی کا نام عزت وعظمت بھی ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں ان فی صدورھم الا کبر ماھم ببالغیه[2] فرمایا ہے کہ اس سے مراد عظمت ہے کہ ان کو نہ ملیں پس کبر کی تفسیر آپ نے اسی عظمت کو بیان فرمایا پھر یہ عظمت موجب اعمال ظاہر اور باطنی کا ہوتی ہے جو اس کے ثمرات کہلاتے ہیں اور ان کو تکبر کہتے ہیں یعنی جب اس کے نزدیک اپنا رتبہ دوسرے کی نسبت بڑا ٹھہرا تو اپنے سے کمتر کو حقیر جانے گا اور اس سے دوری چاہے گا اس کے ساتھ بیٹھنا اور کھانے میں شریک ہونا ناپسند کرے گا اور اگر کبر زیادہ ہوگا تو یہ قصور کرے گا کہ اس شخص کو میرے سامنے جھک کر کھڑا ہونا چاہیے یعنی غلاموں کی طرح رہنا چاہیے اور اگر اس سے بھی کبر زیادہ ہوگا تو اس سے خدمت لینا بھی برا سمجھے گا اور اپنے سامنے کھڑا ہونے کے لائق نہ جانے گا نہ ڈیوڑھی کی خدمت کے قابل سمجھے گا اور اگر کبر کچھ کم ہوا تو اس کی مساوات کو اور تنگ راستوں میں آگے چلنے کو اور محفلوں میں اونچا بیٹھنے کو عار جانے گا اور اس بات کا منتظر رہے گا کہ پہلے سلام کرے اور اگر کوئی اس کے کام بجالانے میں کوتاہی کرے تو اس کو بہت بعید اور تعجب جانے گا اور اگر وہ کچھ حجت ومناظرہ کر بیٹھے تو

---

[1] پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے کبریائی پھونک سے ۱۲ اسی باب میں گذری ۱۲ [2] ان کے جی میں غرور ہے کہ کبھی نہ پہنچیں گے اس تک ۱۲

اس کے جواب دینے کو تنگ جانے گا اور اگر کبر والے کو کوئی نصیحت کرے تو قبول نہ کرے اور ناک بھوں چڑھا وے اور اگر خود نصیحت دوسروں کو کرے تو نہایت تند مزاجی سے کرے اور اگر کوئی اس کی کسی بات کا انکار کرے تو غصہ ہو جاوے اور کسی کو تعلیم کرے تو سیکھنے والے پر نرمی نہ برتے بلکہ شاگرد کو ذلیل و خوار سمجھے اور اس پر احسان جتلاوے اور اس سے کار خدمت لے اور عوام کو ایسا جانے کہ گدھے ہیں ان کو جاہل و حقیر تصور کرے غرضکہ جو اعمال کہ کبر سے صادر ہوتے ہیں بیشمار ہیں ان کی گنتی کی کچھ حاجت نہیں معروف و مشہور ہیں اس کا نام کبر ہے اور اسی کی آفت بڑی مہلک ہے کہ اس سے خواص لوگ تباہ ہو جاتے ہیں اور عابد و زاہد اور علماء کم اس سے خالی ہوتے ہیں عوام کا تو کیا ذکر ہے اور اس کی آفت کس طرح بڑی نہ ہو جس کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ [1] لا یدخل الجنۃ فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر ط اور وجہ اس کی حجاب ہونے کی جنت سے یہ ہے کہ اخلاق ایمانداروں کے جنت کے دروازے ہیں اور کبر و عزت کے باعث یہ سب دروازے بند ہو جاتے ہیں بندہ کو کوئی خلق ایمان کا اس کے باعث نصیب نہیں ہوتا مثلاً جب تک آدمی میں کچھ بھی عزت و کبر ہو گا تب تک جو بات اپنے واسطے محبوب ہے وہ دوسرے مومنوں کے واسطے محبوب نہ جانے گا اور اسی عزت کی جہت سے تواضع جو کہ متقیوں کے اخلاق کی جڑ ہے نہ کر سکے گا اور عزت کے ساتھ کینہ ترک نہ کر سکے گا صدق و راستی کی مداومت نہ کر سکے گا ترک غضب اور غصہ کے پینے پر قادر نہ ہو گا۔ نہ حسد ترک کرے گا نہ آپ کسی کو نرمی سے اچھی طرح نصیحت کرے گا نہ اوروں کی نصیحت پر کان دھرے گا نہ لوگوں کی غیبت اور حقارت سے بچے گا خلاصہ یہ کہ کوئی ایسی بری عادت نہیں جو کبر و عزت والا اپنی عزت کے بچاؤ کے لیے اس کی طرف مضطر نہ ہو اور کوئی عمدہ عادت ایسی نہیں جس کو متکبر بخوف اپنی عزت جانے کے چھوڑ نہ دے اسی لحاظ سے جس کے دل میں ذرہ بھر بھی کبر ہو گا داخل جنت نہ ہو گا اور برے اخلاق کا حال یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ موجود رہتے ہیں ایک بری عادت ہو تو وہ مقتضی دوسرے کی ضرور ہو گی۔ اور کبر میں سب سے بری قسم وہ ہے جو علم سے استفادہ نہ کرنے دے اور امر حق کو نہ ماننے دے اور نہ اس کا منقاد ہونے دے ایسی ہی کبر اور متکبر کی شان میں آیات وارد ہیں جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے [2] والملائکۃ باسطوا ایدیھم فبئس اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون اور فرمایا [3] ادخلوا ابواب جھنم خلدین فیھا فبئس مثوی المتکبرین اور

---

[1] نہیں داخل ہو گا جنت میں وہ شخص کہ اس کے دل میں ذرہ بھر کبر ہو [1] عربی اصل کا یہ مضمون ہے اگر کبر کم ہوا تو اس کی مباورات سے عار سمجھے گا اور تنگ راستوں میں اس سے آگے ہونا اور محفلوں میں اس سے اونچا بیٹھنا چاہے گا ۱۲ [2] اور فرشتے ہاتھ کھول رہے ہیں کہ نکالو اپنی جان آج تم کو جزا ملے گی ذلت کی مار اس پر کہ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ باتیں اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے ۱۲ [3] داخل ہو دروازوں دوزخ کے سدا رہنے کو اس میں سو کیا بری جگہ ہے رہنے کی غرور والوں کو ۱۲

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دوزخیوں میں سے عذاب اس کو ملے گا جو سرکشی میں زیادہ کرتے تھے ت۱ ثم لننزعن من کل شیعۃ ایہم اشد علی الرحمٰن عتیا اور فرمایا فالذین لایؤمنون بالاٰخرۃ قلوبہم منکرۃ وہم مستکبرون ت۲ اور فرمایا ویقول الذین استضعفوا للذین استکبروا لولا انتم لکنا مومنین اور فرمایا۔ ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین ت۳ ۔۔۔۔ت۵ بعضوں نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یوں ارشاد ہے کہ ہم قرآن کی فہم ان کے دل سے اٹھالیں گے اور بعض تفاسیر میں یہ ہے۔ کہ ان کے دلوں کو ملکوت سے روک دیں گے اور ابن جریج سے روایت ہے کہ اس سے یہ غرض ہے کہ ان کو تامل کرنا اور عبرت پکڑنا نصیب نہ ہو گا اسی جہت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ کھیتی نرم زمین میں پیدا ہوتی ہے پتھر پر نہیں ہوتی اسی طرح حکمت تواضع کرنے والے کے دل میں اثر کرتی ہے متکبر کے دل میں اثر نہیں کرتی دیکھو اگر آدمی اپنا سر نہایت اونچا کرے اور چھت تک پہنچ جاوے تو اسی کا سر ٹوٹے گا اور جو جھکا رہے گا تو چھت سے آرام اور سایہ دونوں پاوے گا تو یہ مثل متکبروں کی اس بات کے واسطے بیان ہوئی کہ وہ لوگ حکمت سے کس طرح محروم رہتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبر کی تعریف میں انکار کرنا امر حق کا مذکور فرمایا کہ کبر والا وہ شخص ہے جو امر حق سے غافل ہو اور لوگوں کے عیب بیان کرے۔

۵ جس پر تکبر کیا جائے اس کے درجات اور تکبر کا نتیجہ

ازانجا کہ انسان باعتبار سرشت کے ظالم و جاہل ہے اسی جہت سے کبھی خالق پر تکبر کرتا ہے اور کبھی مخلوق پر اور اس اعتبار سے تکبر کی تین قسمیں ہیں اول خدا پر تکبر کرنا سب سب اقسام کبر سے نہایت برا ہے اور اس کا باعث صرف جہالت اور سرکشی ہوتی ہے جیسے نمرود مردود نے کی تھی اپنے دل میں ٹھان لی تھی کہ آسمان کے خدا سے لڑوں گا یا اور جاہلوں کی حکایتیں اس قسم کی ہیں بلکہ جو شخص کہ مدعی دعوی خدائی کا ہو مثلاً فرعون ملعون وغیرہ اس نے ایسا ہی کچھ بکا لوگوں سے کہا کہ میں تمہارا پروردگار برتر ہوں اسباب سے کراہت کی کہ خدا کا بندہ ہو اور خدائے تعالےٰ فرماتا ہے ت۷ لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملائکۃ المقربون ومن یستنکف عن عبادتہ ویستکبرون عن عبادتی سیدخلون

ت۱ پھر جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے جو نسا ان میں سخت رکھتا تھا رحمٰن سے اکڑ ۱۲ ت۲ سو جو یقین نہیں رکھتے پچھلے دن کی زندگی کا ان کے دل نہیں مانتے اور وہ مغرور ہیں ت۳ کہتے ہیں جن کو کمزور سمجھا تھا برائی کرنے والوں کو اگر تم ہوتے تو ہم ایماندار ۱۲ ت۴ بیشک جو بڑائی کرتے ہیں میری بندگی سے اب بیٹھیں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر ۱۲

ت۵ تا پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو بڑائی ڈھونڈتے ہیں ملک ناحق ۱۲ ح مسلم بروایت ابن مسعودؓ باندک اختلاف واحمد بروایت عقبہ بن عامر ۱۲ ت۷ ہرگز برا نہ مانے مسیح اس سے کہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتے نزدیک والے اور جو کوئی نفرت کرے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے ان سب کو اپنے پاس اکٹھا ۱۲

جھنم داخرین اور ت۱ واذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن قالوا وما الرحمٰن انسجد لما تامرنا وزادھم نفورا۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ دوسری قسم تکبر کرنا رسولوں پر کہ اپنے نفس کو عزت والا اور بلند سمجھ کر نہیں چاہتا کہ کسی ایسے شخص کا متبع ہو جو اور آدمیوں جیسا ہو اور یہ امر کبھی تو فکر تامل کا مانع ہوتا ہے یعنی رسالت وغیرہ کو سوچتا ہی نہیں اسی جہت سے مدام کبر کے باعث تاریکی کی جہالت میں رہ کر فرمانبرداری نہیں کرتا اور اپنے گمان میں خود حق پر ہوتا ہے اور کبھی تامل تو کرتا ہے مگر نفس اطاعت امر حق اور رسولوں کی نہیں کرتا جیسا کہ خدائے تعالےٰ نے کافروں کے اقوال کلام مجید میں نقل فرماتے ہیں ت۲ انؤمن لبشرین مثلنا اور ت۳ ان انتم الا بشر مثلنا اور ت۴ ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخاسرون اور ت۵ وقال الذین لا یرجون لقائنا لولا انزل علینا الملائکۃ او نریٰ ربنا لقد استکبروا فی انفسھم اور ت۶ وقالوا لولا انزل علیہ ملک اور فرعون کا قول نقل فرمایا کہ ت۷ او جاء معہ الملائکۃ مقترنین اور پھر فرمایا ت۸ واستکبر ھو وجنودہ فی الارض بغیر الحق ۔ اس نے اللہ اور رسول دونوں پر تکبر کیا چنانچہ وہبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا تھا کہ تو ایمان لے آ تیری سلطنت تیرے ہی پاس رہے گی اس نے کہا کہ میں ہامان سے مشورہ کر لوں جب اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اب تو تو پروردگار ہے لوگ تیری عبادت کرتے ہیں ایمان لانے پر تو بندہ ہو جائے گا دوسرے کی عبادت کرے گا پس اس نے خدائے تعالےٰ کے بندہ ہونے اور حضرت موسیٰؑ کی پیروی سے انکار کیا۔ اور قریش کا قول خدائے تعالےٰ نے بیان فرمایا کہ ت۹ لولا انزل ھذا القرآن علیٰ رجل من القریتین عظیم قتادہؓ کہتے ہیں کہ یہ قول ولید بن مغیرہ اور ابو مسعود ثقفی کا تھا کہ انہوں نے یہ کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک لڑکے یتیم تھے ان کو خدا نے کیسے ہمارے اوپر نبی کیا ان سے بڑھ کر کوئی رئیس نبی کیوں نہ ہوا خدائے تعالےٰ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا ت۱۰ اھم یقسمون رحمۃ ربک اور دوسری جگہ اُن کا قول نقل فرمایا ت۱۱ لیقولوا اھؤلاء من اللہ علیھم من بیننا۔ یعنی ایمان والوں کو حقیر جانتے تھے اور ان کا رتبہ بھی بڑھ جانا بہت بعید معلوم ہوتا تھا

ت۱ اور جب کہیے ان کو سجدہ کرو رحمٰن کو کہیں کہ رحمٰن کیا سجدہ کرنے لگیں گے ہم جس کو تو فرماوے گا اور بڑھتا ہے ان کا بدلنا ۱۲

ت ۵ اس کا ترجمہ نشان میں گذرا ۱۲ ت۲ کیا ہم مانیں گے ایک دو آدمیوں کو ہمارے برابر کے ۱۲ ت۳ تم بھی تو انسان ہو جیسے ہم ۱۲

ت۴ کبھی تم چلے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تم بیشک خراب ہوئے ۱۲ ت۵ اور بولے جو لوگ امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ اترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھتے اپنے رب کو بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں ت۶ اور بولے کیوں نہ اترا اس پر فرشتہ ۱۲ ت۷ یا آتے اس کے ساتھ فرشتے پرا باندھ کر ۱۲ ت۸ اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق ۱۲ ت۹ کیوں نہ اترا یہ قرآن کسی بڑے مرد پر ان دو بستیوں کے ۱۲ ت۱۰ کیا وہ بانٹتے ہیں رب کی مہر ۱۲ ت۱۱ کہ کہیں کیا ایسے لوگ ہیں جن پر اللہ نے افضل کیا ہم سب میں سے ۱۲

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

قریش نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہم آپ کے پاس کیسے بیٹھیں یہاں تو یہ لوگ رہتے ہیں یعنی فقیر مسلمان جو آپ کے پاس موجود رہتے تھے قریش نے ان کو حقیر جانا اور ان کے پاس بیٹھنے سے تکبر کیا اور خداوند کریم نے یہ ارشاد فرمایا ہے ولا تطرد الذین یدعون ربہم بالغداۃ والعشی یریدون وجہہ اور واصبر نفسک مع الذین یدعون ربہم بالغداۃ والعشی یریدون وجہہ ولا تعد عیناک عنہم اور کفار کا کبر یہاں تک تھا کہ خدائے تعالیٰ ان کے تعجب کی خبر ان کے جہنم میں داخل ہونے کے بعد کی دیتا ہے یعنی جب ان لوگوں کو نہ دیکھیں گے جن کو حقیر جانتے تھے تو کہیں گے ما لنا لا نریٰ رجالاً کنا نعدہم من الاشرار اور ان سے مراد ان کی حضرت عمار بن یاسر اور بلال اور صہیب اور مقداد رضی اللہ عنہم ہیں۔ بہر حال قریش کے کافروں میں بعض تو ایسے تھے کہ کبر کے باعث فکر و معرفت سے باز رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے سے جاہل اور بعض ایسے تھے کہ ان کو برحق ہونا تو معلوم تھا مگر کبر کی جہت سے اقرار نہ کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ اور دوسری جگہ فرمایا وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم ظلماً وعلواً اور یہ قسم تکبر کی اگرچہ پہلی قسم سے کم ہے لیکن اس کے قریب قریب ہے اس لیے کہ تکبر خدا کے حکم نہ ماننے پر اور اس کے رسول کے منقاد نہ ہونے کے لیے ہے قسم تیسری بندوں پر تکبر کرنا بایں طور کہ اپنے نفس کو بڑا جانے اور دوسرے کو حقیر اس وجہ سے کسی شخص کی فرمانبرداری نہ کرے بلکہ ان سے اونچا ہونے کو جی چاہے اور ان کو حقیر جان کر مساوات سے تنگ آوے یہ قسم اگرچہ پہلی اور دوسری قسم سے کم ہے تاہم دو وجہ سے بہت بڑی ہے وجہ اول تو یہ ہے کہ کبر اور عظمت و عزت مالک برحق قادر مطلق کو ہی زیبا ہے بندہ جو مملوک اور ضعیف و عاجز ہے اور کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا اس کو کبر کیا چاہیے پس جب بندہ کبر کرے گا تو گویا وہ صفت جو خاص خدا کے واسطے تھی اس میں خدا کا شریک ہوا چاہتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی غلام سلطان کا تاج سر پر رکھ کر اس کے تخت پر بیٹھ جاوے تو خیال کرنا چاہیے کہ بادشاہ اس پر کتنا غصہ ہوگا اور کیسی کیسی رسوائی کا نشانہ بنے گا کیونکہ بڑی جرأت و گستاخی و برائی کی حرکت ہے جس کا یہ مرتکب ہوا اور اسی لیے حدیث قدسی وارد ہوئی ہے کہ عظمت میری ازار اور کبریا میری چادر ہے جو اس میں مجھ سے نزاع کرے گا میں اس کو توڑ دوں گا اس سے یہی مراد ہے کہ یہ صفت خاص میری ہے میرے سوا اور کسی کو زیبا نہیں جو اس میں مجھ سے نزاع کرے گا وہ میری ایک صفت میں نزاع کرے گا اور ازانجا کہ بندوں پر بڑائی کرنی اسی

۱۔ مسلم و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ ۱۲ ؎ نہ ہانک ان کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کی رضا ۱۲ ؎ اور تھام رکھ آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اس کی رضا کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر ۱۲ ؎ کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے کتنے مردوں کو کہ ان کو ہم کہتے تھے برے لوگوں میں ۱۲ ؎ پھر جب پہچانا ان کو جو پہچان رکھا تھا اس سے منکر ہوئے ۱۲ ؎ اور ان سے منکر ہو گئے اور ان کو یقین جان چکے تھے اپنے نفس میں بے انصافی اور غرور سے ۱۲

کو زیبا ہے تو جو کوئی اس کے بندوں پر کبر کرے گا وہ خدا کا گنہگار ہوگا کیونکہ جو کوئی پادشاہی غلاموں اور خواص کو حقیر جانے اور ان سے خدمت لے اور اپنے آپ کو ان سے برتر کرے اور جو معاملہ کہ بادشاہ ان کے ساتھ کرتا ہے وہی کرے تو یہ شخص بھی بعض باتوں میں بادشاہ کے ساتھ نزاع و شرکت کرتا ہے گو ویسا تو نہیں جیسا وہ شخص تھا جس نے تخت پر بیٹھنا چاہا تھا کہ اور تنہا حکومت کیا چاہتا تھا مگر چونکہ تمام خلق اللہ تعالےٰ کے بندے ہیں اور ان پر کبر اور عظمت وہی کرتا ہے دوسرا شخص اگر کسی بندے پر تکبر کرے گا تو البتہ خدا تعالےٰ سے نزاع ٹھہرے گا۔ ہاں اس نزاع میں اور نمرود و فرعون کی نزاع میں اتنا فرق ہے جیسے ان دونوں شخصوں کے نزاع میں فرق تھا کہ ایک صرف بادشاہ کے خواص اور غلاموں کو اپنا غلام بنانا چاہتا تھا اور دوسرا اصل سلطنت ہی لیا چاہتا تھا دوسری وجہ جس سے کہ کبر کا عیب برا ہے یہ ہے کہ اس کے باعث خدائے تعالےٰ کے احکام کی مخالفت ہو جاتی ہے کیونکہ متکبر آدمی جب حق بات کسی بندے سے سنتا ہے تو تکبر کی جہت سے اس کو مانتا نہیں بلکہ انکار کے واسطے مستعد ہوتا ہے اس لیے جو لوگ مسائل دینی میں مناظرہ کرتے ہیں تو دعوی یہی کرتے ہیں کہ بحث صرف استحقاق حق اور دریافت کے لیے ہے مگر پھر انکار متکبروں کا سا کرتے ہیں اگر ایک کی زبان پر حق جاری ہوتا ہے تو دوسرا نہیں مانتا اور اس کے جھٹلانے اور رد کا بہانہ تلاش کرتا ہے کہ کسی دھوکے سے اس کو طرف مقابل پر مشتبہ کر دینا چاہیے اور یہ عادت کافروں اور منافقوں کی ہے چنانچہ ان کا یہ وصف کلام مجید میں موجود ہے[ا] وقال الذین کفروا لاتسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون - جو شخص مناظرہ غلبہ کے لیے یا دوسرے کے الزام و سکوت کے لیے کرے اور تحقیق حق منظور نہ ہو کہ اگر امر حق معلوم ہو جاوے تو غنیمت سمجھیں تو ایسا شخص اس عادت میں منافقوں کا شریک ہے اسی طرح کبر اور غیرت وعظ و نصیحت کو بھی نہیں ماننے دیتے چنانچہ کلام مجید میں ارشاد ہے[ت] واذا قیل لہ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم ط اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا[ت] انا للہ وانا الیہ راجعون ایک آدمی تو کھڑا ہو کر اچھی بات کہنے لگا اور مارا گیا دوسرا شخص یہ کہنے کھڑا ہوا کہ جو لوگ اچھی بات کو امر کرتے ہیں ان کو کیوں قتل کرتے ہو تو متکبر نے اس کو بھی نہ چھوڑا جسے اچھی بات بتائی تھی اس کو بھی مار ڈالا اور جس نے بری بات سے منع کیا تھا اس کو بھی کبر کے مارے مار ڈالا اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آدمی کو صرف یہی گناہ کافی ہے کہ جب اس سے کوئی کہے کہ خدا سے ڈر تو وہ جواب دے کہ تم اپنے نفس کی تو حفاظت کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا[ح] کہ داہنے ہاتھ سے کھانا کھا اس نے کبر سے کہا کہ میں داہنے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا آپ نے فرمایا کہ ایسا ہی ہوگا راوی کہتے ہیں کہ اس کو پھر کبھی داہنا ہاتھ اٹھانا نصیب نہ ہوا کسی روگ میں مبتلا ہو گیا غرضکہ تکبر کرنا خلق پر بڑی بات

[ا] اور کہنے لگے منکر نہ کان دھرو اس قرآن کے سننے کو اور بک بک کرو اس کے پڑھنے میں شاید تم غالب رہو ۱۲ [ت] اور جب کہے اللہ سے ڈر تو کھینچ لاوے غرور اس کو گناہ پر ۱۲ [ت] ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اس کی طرف پھر جانا ہے ۱۲ [ح] مسلم بروایت سلمہ بن الاکوع ۱۲

ہے اس کے سبب سے خدا کے احکام پر تکبر ہو جاتا ہے اور ابلیس کا حال جو کلام مجید میں مذکور ہے اور تکبر میں مشہور وہ اسی لیے ہے کہ لوگ عبرت حاصل کریں اس نے کہا تھا کہ میں انسان سے بہتر ہوں اور اپنے نسب کا ذکر کیا کہ مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور انسان کو مٹی سے مگر اس کبر کا انجام یہ ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے جو حکم سجدہ کا کیا اس کو بجا نہ لایا اور ابتدا میں کبر اور حسد آدم پر تھا مگر انتہا میں خدا کے امر پر ہو گیا اسی وجہ سے ابدالآباد کے واسطے ہلاک ہوا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد ٭ بزندان لعنت گرفتار کرد

پس بندوں پر تکبر کرنے سے یہ آفت جو حکم الٰہی کے نہ ماننے کی آتی ہے بڑی آفت ہے اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس بن شماس کے سوال کے جواب میں فرمایا جب[ح] انہوں نے پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے نفاست محبوب ہے تو یہ کبر تو نہیں بلکہ کبر یہ ہے کہ امر حق سے سرکشی کرے اور لوگوں کی عیب جوئی اور تحقیر کرے یعنی کبر سے دو خرابیاں ہیں اوّل تو لوگوں کی حقارت کرنی جو کبر والے کے مساوی خواہ بہتر ہیں اور دوم رد کرنا امر حق کا پس جو شخص یہ تصور کرے کہ میں دوسرے سے بہتر ہوں اور دوسرے بھائی مسلمان کو حقیر جانے اور حقارت کی نظر سے اس کی طرف دیکھے اور امر حق کو عمداً جان کر انکار کرے تو خلق کے معاملات میں متکبر ہوگا اور جس کو اس بات کی غیرت ہو کہ خدائے تعالیٰ کے لیے خضوع کرے اور طاعت اس کی بجا لاوے اور اتباع رسل کر کے فروتنی ظاہر کرے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسولوں کے معاملات میں متکبر کہلاوے

۶ تکبر کے اسباب وعوامل

واضح ہو کہ تکبر وہی شخص کیا کرتا ہے جو اپنے نفس کو بڑا سمجھے اور نفس کو بڑا وہی سمجھتا ہے جو یہ جانے کہ اس میں کوئی صفت صفات کمال سے ہے اور کمال یا دینی ہوتا ہے یا دنیاوی دینی کی دو قسمیں ہیں علم اور عمل اور دنیوی کمال پانچ طرح پر ہیں نسب اور جمال اور قوت اور مال اور کثرت یاروں کی اور ساتھ والوں کی تو یہ سب سات سبب ہوئے ہر ایک کا بیان جدا جدا سننا چاہیے اول چیز تکبر کی علم ہے اور علما کو بہت جلد کبر آتا ہے اسی واسطے حدیث شریف میں وارد ہے کہ[خ] "آفۃ العلم الخیلاء" یعنی علم کی آفت تکبر ہے عالم بہت جلد علم کی جہت سے مغرور بنتا ہے اور اپنے جی میں جمال و کمال علم سے واقف ہو کر اپنے آپ کو بڑا اور لوگوں کو حقیر و جاہل جانتا ہے اور ان کی طرف ایسے دیکھتا ہے اور اس بات کا متوقع ہوتا ہے کہ مجھے پہلے سلام کریں اور اگر اتفاقاً کسی کو آپ پہلے سلام کر لیا یا خوشی سے کسی کے سلام کا جواب دیا یا تعظیم کو اٹھ کھڑا ہوا یا دعوت

خ طبرانی نے بروایت ثابت بن قیس نقل کی ہے اور مسلم اور ترمذی میں بھی یہ مضمون ہے مگر ان میں یہ نہیں کہ ثابت بن قیس تھا ۱۲ خ معروف الفاظ یوں ہیں آفۃ العلم النسیان وآفۃ الجمال الخیلاء اور بلفظ مصنف کہیں نہیں ملی ۱۲

منظور کبر کی تو ان باتوں کو اس شخص پر اپنا احسان جانتا ہے اور اس کا شکر گذار ہونا اس پر لازم سمجھتا ہے اور اعتقاد کرتا ہے کہ میں نے اس کو سرفراز کر دیا اور ایسا کام کیا جس کا وہ مستحق مجھ جیسے شخص سے نہ تھا اس پر میری توقیر و خدمت اس احسان کے عوض میں ضرور ہے بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ لوگ عالم کے ساتھ سلوک کرتے ہیں اور وہ خود کسی کے ساتھ سلوک نہیں کرتا اور اس کے پاس سب آتے ہیں وہ کسی کے پاس نہیں جاتا اس کی بیمار پرسی سب کرتے ہیں وہ کسی کی عیادت نہیں کرتا اور اگر کوئی ان میں سے اس کے ساتھ زیادہ خلا ملا رکھتا ہے تو اس سے اپنا کاروبار کرتا ہے اور اگر اس سے کچھ خدمت میں قصور ہو جاوے تو برا جانتا ہے گویا سب اس کے غلام یا مزدور ہیں اور لوگوں کو سکھانا پڑھانا ایک احسان سلوک ہے جس سے اس کا حق ان پر ہو گیا ہے یہ حال تو دنیا کے کاروبار میں ہے اور دین کے باب میں عالم کا تکبر لوگوں پر اس طرح ہے کہ اپنے نفس کو خدا کے نزدیک لوگوں کی بہ نسبت اعلیٰ اور افضل سمجھتا ہے اور لوگوں کا زیادہ خوف ہوتا ہے اپنا اتنا خوف نہیں کرتا اور اپنے واسطے توقع نجات کی بہ نسبت لوگوں کی زیادہ کرتا ہے تو ایسے عالم کو جاہل کہنا مناسب تر ہے اس کو عالم کس نے کہا ہے علم حقیقی تو اس علم کا نام ہے جس سے آدمی خدا کو اور اپنے نفس کو پہچانے اور خاتمہ کے خطرے کو جانے اور یہ سمجھے کہ زیادہ تر مواخذہ الٰہی علماء ہی سے ہے اور علم کا خطرہ بہت بڑا ہے چنانچہ علاج کبر میں اس کا بیان مذکور ہو گا اس علم سے البتہ خوف اور تواضع اور خشوع زیادہ ہوتا ہے اور یہ علم اس بات کا مقتضی ہے کہ سب آدمیوں کو اپنے آپ سے بہتر جانے اس واسطے کہ مواخذہ الٰہی علم کے باعث زیادہ تر ہے اور نعمت علم کا شکر عالم سے کم ادا ہوتا ہے اس واسطے حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ جو شخص علم میں زیادہ ہوتا ہے اس کو درد بھی زیادہ ہو گا اور واقع میں انہوں نے درست فرمایا اب اگر یہ پوچھو کہ بعض اشخاص کو علم کے باعث کبر اور بے خوفی کیوں ہوتی ہے تو اس کی دو وجہیں ہیں اول تو یہ کہ وہ شخص کسی ایسے علم میں مشغول ہو جو کہ برائے نام علم ہو مگر علم حقیقی نہ ہو یعنی وہ علم نہ ہو جس سے خدائے تعالےٰ اور اپنے نفس کو اور خدائے تعالےٰ سے ملنے کے وقت کے خطرہ کو اور اس سے حجاب ہونے کو سمجھے اس لیے کہ ایسے علم سے تو خوف خدا ہی ہوتا ہے بے خوف ہونا اور متکبر ہونا اس علم کی شان نہیں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ؎ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءؕ اور جو علوم کہ اس علم کے سوا ہیں جیسے طب اور حساب اور لغت اور شعر اور نحو اور خصومات کا فیصل کرنا اور مناظرہ کا طریق وغیرہ تو جب آدمی صرف انہیں علوم کو سیکھتا ہے تو البتہ نفاق و کبر سے بھر جاتا ہے اور ان علوم کو علوم نہ کہنا چاہیے بلکہ فنون و صناعات کہنا مناسب ہے علم وہی ہے جس سے بندگی اور ربوبیت اور عبادت کا طریق معلوم ہو اور اس سے اکثر تواضع ہی پیدا ہوتی ہے دوسرا سبب کبر کا علم یہ ہے کہ جب آدمی علم شروع کرتا ہے اس وقت اس کا باطن اچھا نہیں ہوتا نفس نکما اخلاق بد ساتھ ہوتے ہیں کیونکہ تہذیب نفس اور تزکیہ قلب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور عبادت میں مجاہدہ و ریاض نہیں کرتا غرض علم کے

؎ اللہ سے ڈرتے ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے ۱۲

شروع تک ویسا ہی بدجوہر رہتا ہے پھر جب علم میں داخل ہوا کوئی سا علم کیوں نہ ہو تو اس کے دل میں علم کو اچھی جگہ نہ ملی اسی خبیث جگہ میں علم رہا اسی واسطے اس کا ثمرہ بھی اچھا نہ ہوا نہ خیر میں کچھ اثر اس کا ظاہر ہوا۔ اور وہبؒ نے اس کی ایک مثال کہی ہے کہ علم کا حال ایسا ہے جیسا آسمان کا پانی کہ صاف اور شیریں ہوتا ہے مگر درخت اس کو اپنی رگوں سے جذب کرتے ہیں تو جیسا جس درخت کا ذائقہ ہے ویسا ہی اس پانی کو بھی بدل لیتے ہیں تلخ درخت کی تلخی زیادہ ہو جاتی ہے اور شیریں کی شیرینی یہی حال علم کا ہے کہ لوگ جو اس کو پڑھتے ہیں جو جیسی ان کی ہمت اور خواہش ہوتی ہے ویسا ہی یہ علم ان کے حق میں ہو جاتا ہے متکبر کا کبر بڑھ جاتا ہے اور متواضع کی تواضع زیادہ ہوتی ہے کیونکہ جس شخص کی ہمت مثلاً کبر کے لیے تھی اور وہ جاہل تھا جب اس نے علم پڑھا تو سبب کبر اس کے پاس آگیا اور زیادہ کبر کرنے لگا اور جب حالت جہالت میں مثلاً خائف تھا اور علم تحصیل کیا تو اور زیادہ خوف ہو گا اس لیے کہ اب حجت خوف کی زیادہ مضبوط ہو گئی بہر صورت علم کبر کے بڑے اسباب میں سے ہے اسی واسطے خداوند کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے[1] واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين اور فرمایا[2] ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك اور اپنے اولیا کے وصف میں فرمایا ہے[3] اذلة على المؤمنين اعزة على الكافرين) اور اسی جہت سے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک ایسے ہوں گے کہ قرآن کو پڑھیں گے اور ان کے گلوں سے تجاوز نہ کرے گا اور دعویٰ کریں گے کہ ہم نے قرآن پڑھا ہے ہم سے زیادہ پڑھا ہوا اور عالم کون ہے پھر آپ نے اصحابؓ کی طرف توجہ فرما کر فرمایا کہ اے امت کے لوگو وہ لوگ تمہیں میں سے ہوں گے اور سب دوزخ کے کندے ہوں گے۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے لوگو تم عالم جابر مت ہو کہ تمام عمل تمہارے جہل کے برابر نہ ہوں اور تمیم داری نے حضرت عمرؓ سے اجازت قصوںؔ کی چاہی تو آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ یہ امر مثل ذبح کے ہے اور ایک شخص نے آپ سے بعد نماز صبح وعظ کی اجازت چاہی تو فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ تو پھول کر ثریا تک نہ پہنچ جاوے اور حضرت حذیفہؓ نے ایک قوم کو نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ میرے سوا اور کوئی امام تلاش کر لو یا اکیلے پڑھ لیا کرو اس لیے کہ تمہاری امامت سے میرے جی میں یہ بات گذری کہ مجھ سے افضل ان میں کوئی نہیں۔ مقام غور ہے کہ جب حضرت حذیفہؓ اس بات سے نہ بچے تو ضعیف آخری زمانہ کے لوگ کیسے بچیں گے حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے پردہ پر ایسے شخص کا وجود کمیاب ہے کہ اس کو لوگ عالم کہیں اور اس کی رگ عزت حرکت میں نہ آوے اور اگر کوئی شخص موجود ہو تو وہ اپنے عہد کا صدیق ہے اس کو چھوڑنا نہ چاہیے قطع نظر استفادہ سے اس کا دیکھنا ہی عبادت میں داخل ہے ہم کو تو اگر اس طرح کا شخص چین میں بھی سنائی دے تو وہاں ہی اس کے پاس جاویں کہ اس کی برکت اور سیرت اور خصلت سے بہرہ اندوز ہوں

ت[1]۔ اور اپنے بازو نیچے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہوں ایمان والے ۱۲ ت[2] اور اگر تو ہوتا سخت گو اور سخت دل تو منتشر ہو جاتے تیرے گرد سے ۱۲ ت[3] نرم دل ہیں مسلمانوں پر اور زبردست ہیں کافروں پر ۱۲ ح[4] ابن مبارک در زہد ۱۲ ح[5] یعنی لوگوں کو وعظ سنانے کی اجازت مانگی ۱۲

مگر افسوس کہ اس آخری زمانے میں ایسا عالم کہاں وہ لوگ جو اقبال و دولت والے تھے قرن اول و دوم میں ختم ہو چکے اس زمانے میں تو ایسے بھی لوگ کم ہیں جو اس خصلت کے نہ ہونے پر افسوس ہی کریں اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اپنے قول مبارک سے بشارت نہ دے جاتے کہ[۱] سیاتی علی الناس زمان من تمسك فيه بعشر ما انتم عليه نجا تو ہمارے اعمال بد تو اسی کے مقتضی تھے کہ ہم دریائے یاس و ناامیدی میں ڈوب جاتے اور اب بھی دسواں حصہ اصحاب رضی اللہ عنہم کے اعمال کا کون کرتا ہے کاش اگر دسواں حصہ ہی ہم سے ادا ہوتا ہو تو غنیمت جانیں ف مترجم یہاں اشک ندامت گرا کر عرض کرتا ہے کہ مصنف رح یہ حال اپنے وقت کا لکھتے ہیں اور ان کے فضل و کمال اور جاہ و جلال میں کسی کو کلام نہیں کہ ہم لوگ کہ ان کے زمانے سے ہمارے زمانہ کو وہی نسبت ہے جو ان کے زمانہ کو قرون اول سے تھی نہ معلوم کہ ہمارا کیا حال ہوگا خدا ہی اپنے فضل و کرم سے بیڑا پار کرے اور ہم سے وہ سلوک فرما دے جو اس کی رحمت کے شایان ہو بمنہ وجاہ محمد و آلہ۔ دوسری چیز تکبر کی عمل اور عبادت ہے اور زاہد و عابد کبر اور عزت اور لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے سے خالی نہیں ہوتے ان سے بھی دنیا اور دین دونوں میں تکبر مترشح ہوتا ہے دنیا میں تو اس طرح کہ دوسروں کا آنا اپنے پاس ان کو اچھا معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اپنے جانے کے غیروں کے پاس اور لوگوں سے متوقع رہتے ہیں کہ ہماری حاجتیں پوری کریں اور توقیر کریں مجالس میں صدر جگہ میں بٹھلا دیں اور ورع اور تقویٰ سے یاد کریں اور سب امور میں ہم کو مقدم جانیں غرض کہ جو باتیں کبر کی معاملات دنیا میں علماء کے حال میں ہم نے لکھی ہیں وہ ان میں بھی ہوتی ہیں گویا عبادت کیا کرتے ہیں خلق پر احسان کرتے ہیں اور دین میں ان کا کبر یوں ہے کہ اپنے نفس کو ناجی خیال کریں اور لوگوں کو تباہ کار اور ہلاک شدہ تصور کریں اور واقع میں ہلاک شدہ وہی ہیں اگر یہی صورت ہے چنانچہ حدیث شریف[۲] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو سنو کہ لوگوں کو کہتا ہے کہ سب ہلاک ہوئے تو معلوم کر لو کہ سب سے زیادہ وہ ہلاک ہوگا اور یہ آپ نے اس واسطے فرمایا کہ اس کا یہ کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خلق اللہ کو حقیر جاننے کی برائی کیا اس کے ذمہ کم ہے وہی کافی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۳] کہ مرد کو اتنی ہی شر کافی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر جانے اور جو شخص کہ عابد کو خدا کے واسطے محبوب جانے اور خدا کی عبادت کے سبب اس کی تعظیم کرے اور بڑا جانے اور ایسے درجات کا اس کے لیے متوقع ہو جن کا اپنے نفس کے لیے نہ ہو تو اس شخص میں اور عابد میں بہت فرق ہے اس لیے کہ ایسا شخص تو اس وجہ سے کہ اس نے خدا کے واسطے عابد کی تعظیم کی نجات پاوے گا اور اللہ کا مقرب ہوگا اور عابد چونکہ لوگوں سے محترز رہا اور ان کے پاس بیٹھنے سے متنفر غضب الٰہی کا مستحق ہوگا پس کیا تماشے کی بات ہے کہ لوگ تو عابد کی محبت کے سبب اس کے عمل کا درجہ پاویں اور وہ خود ان کی حقارت کے باعث خدا کی ناخوشی حاصل کرے کہ گویا کوئی عمل ہی نہیں کیا

---

[۱] قریب ہے کہ آوے گا لوگوں پر وہ زمانہ کہ اگر اس میں کوئی شخص تمہارے ہی عمل و اعتقاد کے دسویں حصہ کو بھی اختیار کرے گا تو نجات پاوے گا ترمذی بروایت ابوہریرہ رض اور کہا ہے کہ غریب ہے و احمد بروایت رجل عن ابی ذر ۱۲ [۲] مسلم بروایت ابوہریرہ رض ۱۲ [۳] مسلم بروایت ابوہریرہ رض ۱۲

چنانچہ روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا کثرت فساد کے باعث اس کا نام فسادی ہو گیا تھا اور ایک عابد بنی اسرائیل میں کثرت عبادت سے عابد مشہور ہو گیا تھا اور یہاں تک عبادت کی تھی کہ ایک ابر کا ٹکڑا اس پر سایہ کیے رہتا تھا وہ شخص فسادی ایک روز اس کے پاس گذرا اور دل میں سوچا کہ یہ عابد عبادت میں مشہور ہے اور میں فسادی ہوں اگر میں اس کے پاس بیٹھ جاؤں تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم کرے یہ سوچ کر اس کے پاس جا بیٹھا اور عابد نے سوچا کہ میں تو عابد ہوں اور یہ فسادی ہے میرے پاس کیوں بیٹھا اس سے تنگ کیا اور کہا کہ یہاں سے اٹھ جا خدا نے تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کو وحی کی کہ ان دونوں سے کہہ دو کہ عمل از سر نو کریں پہلے اعمال کا یہ حال ہے کہ میں نے فسادی کو بخش دیا اور عابد کے کل عمل باطل کر دیے اور ایک روایت میں ہے کہ ابر کا سایہ بھی فسادی کے سر پر ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو بندوں سے صرف دل کا قصد مراد ہے پس جاہل گنہگار جب خدا سے ڈر کر تواضع کرے گا تو اپنے دل سے خدا کا مطیع ہے وہ عالم متکبر اور عابد کبر والے کی نسبت زیادہ مطیع ہوگا اسی طرح روایت[۱] ہے کہ ایک شخص بنی اسرائیل میں کا ایک عابد کے پاس آیا وہ اُس وقت سجدہ میں تھا اس نے عابد کی گردن پر پاؤں رکھا عابد نے کہا کہ اپنا پیر اٹھا بخدا کہ تجھ کو اللہ نہیں بخشے گا خدائے تعالیٰ نے اس پر وحی کی کہ او میری قسم کھانے والے اس کی نہیں بلکہ تیری مغفرت نہیں ہوگی اور اسی لیے حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ صوف کا پہننے والا کبر میں بہ نسبت حریر پوش کے زیادہ ہوتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ حریر پوش گلیم پوش کے سامنے فروتنی کرتا ہے اور افضل اسی کو سمجھتا ہے اور گلیم پوش اپنے آپ کو افضل سمجھتا ہے اور یہ آفت بھی ایسی ہے کہ کم عابد ہوں گے جن میں یہ بات نہ ہو یعنی اگر عابد کی کسی نے سبکی کی یا کچھ ایذا دی تو عابد مذکور اس کی مغفرت دشوار جانتا ہے اور اس باب میں تو کچھ شک ہی نہیں کرتا کہ خدا کے نزدیک وہ مغضوب ہو گیا اور اگر وہی شخص کسی دوسرے مسلمان کو ایذا دے تو عابد کو اتنا برا نہ معلوم ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ اپنے نفس کی قدر زیادہ سمجھتا ہے حالانکہ اس میں کئی خرابیاں ہیں جہالت اور کبر اور عجب اور مغرور ہونا اللہ پر۔ اور کبھی بے وقوفی ایسے لوگوں کی یہاں تک بڑھتی ہے کہ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو اس کا کیا حال ہے اور اگر اتفاقاً موذی پر کوئی رنج و مصیبت آتی ہے تو اپنی کرامت سمجھتے ہیں کہ خدا نے ہمارا بدلہ لیا اور یہ نہیں دیکھتے کہ بہت سے گروہ کفار کے اللہ و رسول کو گالیاں دیتے ہیں اور بہتوں نے انبیا کو ایذا دی بلکہ بعضوں کو تو مار ہی ڈالا اور بعضوں کو اور تکلیفیں مگر خدائے تعالیٰ نے کافروں کو دنیا میں مہلت دی اور عذاب نہ کیا بلکہ بعضے ان میں سے مسلمان ہو گئے اور ان کو نہ دنیا میں کچھ تکلیف ہوئی نہ آخرت میں پس یہ جاہل متکبر سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے نزدیک اس کے انبیا سے زیادہ ہیں کہ اپنے انبیاء کا انتقام نہ لیا اور ہمارا عوض لیا اور یہ نہیں معلوم کہ شاید اس کبر و عجب کی جہت سے وہ لوگ خدا کے نزدیک مغضوب ہوں اور اپنے نفس کے ہلاک ہونے کی خبر نہ رکھتے ہوں یہ اعتقاد تو کبر والوں کا ہوتا ہے اور دانا عابد یوں کہا کرتے ہیں جیسے عطاء سلمیؒ آندھی چلنے کے وقت یا بجلی گرنے کے وقت کہا کرتے تھے۔ جو کچھ خلق کو مصیبت پہنچتی ہے وہ سب میرے سبب سے ہے اگر

---

[۱] ابو داؤد و حاکم بروایت ابو ہریرہؓ ۱۲

عطا سلمیؒ مر جاوے تو لوگ چھٹی پا دیں یا ایک اور شخص نے عرفات سے پھرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھ کو توقع تھی کہ اگر میں نہ ہوتا تو سب پر رحمت ہوتی۔ پس دونوں قولوں میں فرق دیکھنا چاہیے کہ دانا تو اللہ سے ظاہر و باطن میں ڈرتا ہے اور اپنے نفس پر خائف ہے عمل کو ناچیز جانتا ہے اور احمق دل میں ریا اور کبر اور حسد اور عداوت اتنی رکھتا ہے کہ شیطان اس کو مسخرہ بنائے رکھتا ہے پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ اپنے عمل کا خدا پر احسان رکھتا ہے خلاصہ یہ کہ جس کا اعتقاد یقینی اس بات پر ہو کہ میں کسی بندے سے بہتر ہوں تو اس نے اپنے سب عمل برباد کیے اس لیے کہ جہالت سب میں بڑا گناہ ہے اور خدا سے دور کرنے کے لیے بڑی چیز ہے اور اپنے نفس پر حکم بہتری کا دوسرے کے نسبت کرنا محض جہالت اور بے خوف ہونا عذاب الٰہی سے ہے ت فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون ط اسی لیے روایت ہے[خ] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر خیر کسی شخص کا ہوا ایک روز وہ شخص آیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہی شخص ہے جس کا ذکر ہم نے آپ کی خدمت میں کیا تھا آپ نے فرمایا کہ مجھے تو اس کے چہرہ میں نشان شیطان کا معلوم ہوتا ہے پس جب اس شخص نے آکر سلام کیا اور آپ کے اور اصحابؓ کے سامنے کھڑا ہوا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھ سے بقسم پوچھتا ہوں کہ تیرے جی میں یہ بات ہے کہ نہیں کہ قوم میں مجھ سے افضل اور کوئی نہیں اس نے عرض کیا کہ بیشک میرے دل میں یہی بات ہے دیکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نور نبوت سے اس کے دل کی بات کو چہرہ پر آثار شیطانی کی شکل میں دیکھ لیا بہر صورت یہ آفت ایسی ہے کہ اس سے کوئی عابد خالی نہیں ہوتا مگر جس کو خدا بچاوے اب معلوم کرنا چاہیے کہ آفت کبر کے اعتبار سے عالم اور عابد تین[خ] مراتب پر ہیں اول درجہ تو یہ ہے کہ کبر دل میں جما ہوا ہے کہ اپنے نفس کو دوسرے سے بہتر سمجھتا ہے مگر کوشش کر کے تواضع کرتا ہے اور ایسے افعال نہیں بجالاتا ہے جیسے وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو اپنی نسبت بہتر سمجھتے ہیں تو ایسے شخص کے دل میں درخت کبر کا تو جما ہوا ہے مگر اس نے اس کی شاخیں بالکل کاٹ ڈالی ہیں دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ کبر کو افعال میں بھی ظاہر کرے مثلاً اونچا بیٹھے اور ہمسروں سے آگے بڑھنا چاہے اور جو کوئی اس کے حق میں قصور کرے اس کو برا جانے اور عالم میں ادنیٰ بات یہ ہوتی ہے کہ ایسا رخ بدلتا ہے گویا منہ پھیر لیا اور عابد ترش رو ہوتا ہے اور ماتھے پر شکن ڈالتا ہے گویا لوگوں سے کنارہ کش اور ان کو حقیر جانتا ہے یا ان پر غصہ ہے اور بیچارہ کو یہ خبر نہیں کہ تقویٰ ماتھے میں نہیں کہ اس میں شکن ڈالا جاوے نہ چہرے میں ہے کہ اس کو ترش کیا جاوے نہ رخسار میں ہے کہ اس کو پھیرا جاوے نہ گردن میں ہے کہ اس کو جھکایا جاوے نہ دامن میں ہے کہ اس کو اکٹھا کیا جاوے تقویٰ تو دلوں میں ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ التقوٰی ھٰھنا ط یعنی سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب مخلوق سے زیادہ[خ] بزرگ و متقی تھے اور باوجود اس کے سب میں زیادہ خلیق اور کثرت سے زیادہ کشادہ پیشانی اور متبسم اور ملنسار تھے۔

ت سو نڈر نہیں اللہ کے داؤ سے مگر جو لوگ خراب ہوں گے ۱۲ خ احمد و بزار و دار قطنی بروایت انسؓ ۱۲ خ مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ خ جلد دوم اخلاق نبوت میں گذری ۱۲

اکیلے وارث بن جبزر زبیدی صحابیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے پڑھنے والوں میں سے کشادہ اور خندہ پیشانی اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ تم ان کے ساتھ کشادہ پیشانی ہو کر ملو اور وہ تم سے ناک بھوں چڑھا کر ملیں اور اپنے اعمال کا تم پر احسان کریں تو ایسوں کی خدائے تعالے مسلمانوں میں کثرت نہ کرے اور اگر اللہ تعالے کو یہی بات پسند ہوتی تو اپنے نبی کو یہ ارشاد کیوں فرماتا کہ[1] واخفض جناحك لمن اتبعك من المؤمنين ط تیسرا مرتبہ ان لوگوں کا ہے کہ کبر ان کی زبان پر اس قدر ظاہر ہو کہ اس کے مارے دعویٰ اور مفاخرت و مباہات اور تزکیۂ نفس اور احوال و مقامات کا ذکر اور دوسروں پر علم و عمل میں غالب ہونا اختیار کرے اس فرقہ کی نسبت دوسرے مرتبہ کے لوگوں کی عادت و احوال میں اثر کبر کا کم ظاہر ہوتا ہے ان میں بہت ظاہر ہوتا ہے مثلاً عابد تفاخر کے مقام میں دوسرے عابد کو کہتا ہے کہ وہ کون ہے اور اس کا عمل کیا ہے اور زہد اس کا کہاں سے ہوا ہے غرضکہ دوسرے کے بہت سے عیب بیان کر کے پھر اپنی تعریف کرتا ہے کہ میں نے اتنے دنوں سے روزہ نہیں افطار کیا اور رات کو سوتا نہیں اور ایک ختم قرآن مجید کا ہر روز کرتا ہوں اور فلاں شخص صبح کو سو رہتا ہے اور بہت تلاوت نہیں کرتا یا جو اسی قسم کی باتیں ہوں اور کبھی اپنے نفس کے تزکیہ کا دعویٰ کسی اور کلام کے لپیٹ میں ہوتا ہے مثلاً کہتا ہے کہ فلاں شخص نے ہم کو تکلیف دینی چاہی تھی تو اس کا بیٹا مر گیا یا مال لٹ گیا یا بیمار ہو گیا وغیرہ کہ اس میں اپنی کرامت کا دعویٰ ہے کہ ہم ایسے ہیں اور مباہات اس طرح ہے کہ مثلاً عابد مذکور کسی ایسی قوم میں جا پڑے جو تہجد گزار ہوں وہاں خود شب بیدار رہے اور جتنی نماز پڑھا کرتا تھا اس سے زیادہ پڑھے اور اگر وہ لوگ بھوک کے عادی ہوں تو خود بھی صبر کرے یہاں تک کہ ان پر غالب آجاوے اور ان کو معلوم ہو جاوے کہ ہم سے زیادہ قوی ہے ہم عاجز ہیں اسی طرح عبادت میں زیادتی اسی خوف سے کرتا ہے کہ کوئی یہ نہ کہے اس کی نسبت تو فلاں شخص زیادہ عابد ہے اور دین میں قوی تر ہے اور عالم کا تفاخر اس طرح ہوتا ہے کہ اپنے مخاطب کو کہتا ہے کہ میں ہر ایک فن جانتا ہوں اور حقائق سے آگاہ اور استادوں میں سے فلاں فلاں کو میں نے دیکھا تم کون ہو اور کیا تمہاری فضیلت ہے حدیث میں کیا سنا ہے یہ سب باتیں اس لیے کہتا ہے کہ اپنی بڑائی اور دوسرے کی حقارت ہو۔ اور مباہات اس طرح ہے کہ مناظرے میں کوشش کرے کہ دوسرے کو ہرا دوں آپ نہ ہاروں اور رات دن ایسے ہی علوم کی تحصیل میں بسر کرے کہ جو علم مجلس میں کام آویں مثلاً مناظرہ اور مجادلہ اور انشاپردازی اور سجع طرازی اور فنون عجیبہ کا یاد کرنا اور احادیث کے الفاظ اور اسناد یاد کرے تاکہ ہمسروں پر عزت و عظمت حاصل ہو اور اگر کسی سے غلطی الفاظ اسناد ہو تو اس کو گرفت کرے اس لیے کہ دوسرے کا نقصان ظاہر ہو ایسا شخص جب دوسرے سے غلطی ہوتی ہے تو خوش ہوتا ہے کہ مجھ کو موقع غلطی بتانے کا مل گیا اور اگر کوئی صحیح بیان کرتا ہے تو برا معلوم ہوتا ہے اس خوف سے کہ کہیں لوگ اس کو میری نسبت بڑا نہ جانیں یہ سب باتیں اخلاق اور آثار کبر کے ہیں جو علم اور عمل کے سبب پیدا ہوتے ہیں اور ایسا شخص کہاں ہے جو ان سب سے یا بعض سے خالی ہو اب کوئی یہ بتلاوے

---

[1] اور اپنے بازو نیچے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں ایماندار اور لوگوں میں سے۔

کہ جو شخص ان اخلاق کا پابند ہے اور یہ حدیث شریف بھی اس کو معلوم ہے کہ جنت میں ایسا شخص نہ جاوے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر کبر ہو تو وہ کس طرح اپنے نفس کو بڑا جانتا ہے اور دوسرے پر تکبر کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کو دوزخی بتلاتے ہیں بڑا تو وہ ہے جس میں یہ صفت نہ ہو اور جس میں یہ صفت نہ ہوگی اس میں عزت وکبر نہ ہوگا۔ عالم اس کو کہنا چاہیے جو یہ سمجھے کہ خدائے تعالیٰ کا بندہ کو یہ ارشاد ہے کہ تیری قدر ہمارے یہاں جبھی تک ہے جب تو اپنے نفس کی قدر نہ سمجھے اور اگر نفس کی کچھ قدر سمجھے گا تو تیری قدر ہمارے یہاں نہ ہوگی اور جو یہ بات نہ جانتا ہو اس کو عالم کہنا جھوٹ ہے اس کو اپنے علم کی وجہ سے اس پر تکبر نہ کرنا اور اپنے آپ کو ہیچ سمجھنا لازم ہے یہ اس کبر کا حال تھا جو علم وعمل کے سبب سے ہو تیسری چیز تکبر کی حسب ونسب ہے پس جس کسی کا نسب شریف ہے وہ ایسے شخص کو حقیر جانتا ہے جسکا ویسا نسب نہ ہو گو اس سے علم وعمل میں بڑھ کر ہو اور بعض آدمی ایسا تکبر نسب کا کرتے ہیں کہ گویا دوسروں کو اپنا غلام تصور کرتے ہیں اور ان کے ملنے جلنے اور پاس بیٹھنے سے نفرت کرتے ہیں اور تفاخر نسب کا ان کی زبان پر رہتا ہے دوسروں کو کہتے ہیں کہ کیا اصل رکھتا ہے تیرا باپ کون تھا میں فلانے کا بیٹا فلانے کا پوتا ہوں تجھ جیسے کی کیا طاقت کہ میرے سامنے بولے یا میری طرف آنکھ اٹھاکر دیکھے اور تو ہم جیسوں سے بولتا ہے وغیرہ اور یہ ایک ایسی چھپی رگ نفس میں ہے کہ نسب والے اس سے خالی نہیں ہوتے اگرچہ نیک بخت اور عاقل ہوں مگر بعض وقعہ اعتدال احوال کے وقت ان سے یہ امر ظاہر نہیں ہوتا لیکن غلبۂ غضب میں نور عقل تاریک پڑجاتا ہے اس وقت یہ بات ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے اور ایک شخص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تکرار ہوئی میں اس کو کہہ بیٹھا کہ او کالی عورت کے بچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذر طف الصاع لیس لا بن البیضاء علی ابن السوداء فضل[1] یعنی دونوں پلے برابر ہیں گوری عورت کے بچے کو کالی عورت کے بچے پر کچھ زیادتی نہیں حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا کہ تو میرے رخسار کو پامال کر تو اب دیکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کس طرح آگاہ کیا جب معلوم کیا کہ یہ اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں اس نظر سے کہ گوری عورت سے پیدا ہوئے ہیں اور یہ ان کی خطا اور نادانی ہے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے کیسی توبہ کی اور اپنے نفس سے کبر کی جڑ کس طرح اکھاڑی کہ جس پر تکبر کیا تھا اسی سے کہا کہ اپنا تلوا میرے رخسار پر مل کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ عزت کی جڑ بدون ذلت کے نہیں جاتی اور اسی قبیل سے یہ بھی روایت ہے کہ دو شخصوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے باہم فخر کیا ایک نے دوسرے کو کہا کہ فلاں شخص فلانے کا بیٹا ہوں تو تو بتلا تو کون ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دو شخصوں نے اسی طرح فخر کیا تھا ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں فلانے کا بیٹا اور فلانے کا پوتا اور فلانے کا پرپوتا ہوں اسی طرح نو پیڑھی

---

[1] اوپر گذری [2] ابن مبارک اوپر وصلہ احمد و صحیحین میں بھی اس کی اصل ہے

گن گیا اللہ تعالٰی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ جو شخص فخر کرتا ہے اس سے کہہ دو کہ وہ نو کے نو دوزخ میں ہیں اور تو دسواں ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ اپنے باپ دادوں کا فخر کرتے ہیں حالانکہ وہ جہنم کے کوئلے ہو گیے ہیں یا خدائے تعالٰی کے نزدیک گبروٹے سے بھی ذلیل ہیں جو دن بھر اپنی ناک سے غلیظ کریدتا رہتا ہے چوتھی چیز تکبر کی جمال ہے اور یہ اکثر عورتوں میں ہوتا ہے اس سے بھی یہی ثمرہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے نقصان وعیب وغیبت زبان پر آتی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ بونی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اس کی غیبت کی۔ اور اس کا منشا بھی کبر پوشیدہ تھا اس لیے کہ اگر مثلاً خود چھوٹے قد کی ہوتی تو اس کو بونی نہ کہتیں تو گویا اپنے قد کو اچھا جانا اور اس کے مقابل دوسری عورت کو چھوٹا سمجھ کر بونی کہہ دیا۔

پانچواں امر تکبر کا مال ہے یہ بادشاہوں میں خزانے کے باب میں ہوتا ہے اور سوداگروں میں مال تجارت میں اور گاؤں والوں میں اراضی کے باب میں اور آرائش والوں میں لباس اور سواری کے باب میں۔ پس جو غنی ہوتا ہے وہ فقیر پر تکبر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو بھک منگا اور مسکین ہے میں چاہوں تو تجھ جیسے کو خرید لوں اور تجھ سے اچھے اچھوں سے خدمت لوں اور تیری اصل کیا ہے میرے گھر کا سامان تیرے سارے مال سے بڑھ کر ہے جتنا تو سال بھر میں کماتا اتنا میں ایک روز میں دے ڈالتا ہوں غرض اس طرح کی باتیں اسی لیے کرتا ہے کہ تونگری کو بڑا اور مفلسی کو حقیر جانتا ہے اس لیے کہ آفت تونگری اور فضیلت مفلسی سے جاہل ہوتا ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے [1] فقال لصاحبه وهو يحاوره انا اكثر منك مالا واعز نفرا [2] دوسرے نے جواب دیا [3] ان ترن انا اقل منك مالا وولدا فعسى ربي ان يؤتين خيرا من جنتك ويرسل عليها حسبانا من السماء فتصبح صعيدا زلقا او يصبح ماءها غورا فلن تستطيع له طلبا [4] اور پہلے شخص کا قول مال اور اولاد کے تکبر کی جہت سے تھا پھر انجام اس کا یہ ہوا کہ کہنے لگا [5] يا ليتني لم اشرك بربي احدا [6] اور اسی قبیل سے تکبر قارون کا تھا کہ جب بن سنور کر اپنی قوم میں نکلا تو لوگ کہنے لگے کہ کیا خوب ہو جو ہم کو بھی قارون کا مال ملے چھٹا امر تکبر کا قوت و زور ہے جس سے کمزوروں پر تکبر کیا کرتے ہیں ساتواں امر تکبر کا کثرت تابعین و مددگاروں اور شاگردوں اور غلاموں اور کنبے اور رشتہ والوں کی ہے بادشاہ تو کثرت لشکر سے

---

[1] عبداللہ بن احمد بروایت ابی بن کعب ۱۲ [2] ابو داؤد و ترمذی و ابن حبان بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۱۲ [3] باب آفات اللسان میں گذری ۱۲ [4] پھر بولا اپنے دوسرے کے جب باتیں کرنے لگا اس سے میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ ۱۲ [5] اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں تو امید کہ میرا رب دلوے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر اور بھیج دے اس پر ایک بھبوکا آسمان سے پھر صبح کو رہ جاوے میدان پٹ پر یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک پھر نہ سکے تو کہ اس کو ڈھونڈھ لاوے ۱۲ [6] کیا خوب ہوتا ہے اگر میں ساجھی نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو ۱۲ قولہ لوگ اپنے باپ دادوں الخ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ یا تو اپنے ان باپ دادوں پر فخر چھوڑ دیں جو جہنم میں کوئلہ ہو چکے یا یہ لوگ بھی خدائے تعالٰی کے نزدیک گبر سے سے بدتر ہو جاویں گے ۱۲ الخ ایہ علی

تکبر کرتے اور علماء کثرت شاگردوں سے۔ اور حاصل ان سب امور کا یہ ہے کہ جو نعمت کہ اس کا کمال ہونا متصور ہو سکے گو واقع میں وہ کمال نہ ہو اس سے تکبر کرنا ممکن ہے یہاں تک کہ محنت کرنے والا بھی اپنے ہمسروں پر تکبر کرنے لگتا ہے کہ میں اس صنعت میں زیادہ ماہر ہوں تو چونکہ وہ اس کو بھی کمال جانتا ہے اس لیے فخر کرتا ہے اگرچہ اس کا فعل موجب بربادی و عذاب کا ہے اسی طرح فاسق کبھی کثرت شراب خواری اور کثرت جماع اور اغلام کا فخر کرتا ہے کیونکہ اپنے گمان میں اسی کو کمال جانتا ہے حالانکہ اس میں غلطی کرتا ہے۔ یہ باتیں ہیں کہ جن سے آدمی ایک دوسرے پر کبر کیا کرتے ہیں جس کو کوئی چیز حاصل ہے وہ اس پر تکبر کرتا ہے جس کو کہ وہ چیز نہیں حاصل ہے یا اس کی دانست میں اس کی نسبت کم ہے گو خدا کے نزدیک بعض اوقات اس کے برابر یا زیادہ ہی ہو مثلاً عالم جو اپنے علم کا تکبر ایسے شخص پر کرے جو اس سے زیادہ جانتا ہو تو اسی لیے کرتا ہے کہ اپنی دانست میں اپنے آپ کو زیادہ فاضل سمجھتا ہے۔

۷۔ تکبر کی پہچان کے اسباب

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کبر خلق باطن کا نام ہے اور جو کچھ اس سے اخلاق و افعال ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہوتے ہیں ان اخلاق و اعمال کو تکبر کہنا مناسب ہے اور کبر صرف امر باطن ہی کا نام ہے یعنی اپنے نفس کا بڑا جاننا اور اس کی قدر کو دوسرے کے نفس کی قدر سے زیادہ سمجھنا اور اس امر باطن کا صرف ایک ہی سبب ہے جس کو عجب کہتے ہیں جس کے معنی آگے آتے ہیں کیونکہ آدمی جب اپنے نفس میں علم یا کسی اور سبب سے عجب کرے گا تو اپنے نفس کو بڑا جان کر کبر کرے گا اور تکبر ظاہری کے تین سبب ہیں ایک تو تکبر والے میں ہوتا ہے اور دوسرا اس میں جس پر تکبر ہوا اور تیسرا سبب ایسا ہوتا ہے جو ان دونوں کے سوا اور کسی سے متعلق ہو جو سبب کہ متکبر میں ہوتا ہے وہ تو وہی ہے جو کبر باطنی کا سبب ہے یعنی عجب اور جو متعلق اس شخص کے ہے جس پر کبر ہوتا ہے وہ حقد اور حسد ہے اور جو سبب کہ متعلق غیر سے ہے وہ ریا ہے پس اس اعتبار سے چار سبب ہوئے عجب اور کینہ اور حسد اور ریا۔ عجب سے تو ظاہر ہے کہ کبر باطنی پیدا ہوتا ہے اور کبر باطنی سے تکبر ظاہری اعمال اور اقوال و احوال میں سرایت کرتا ہے اور کینہ بعض اوقات بے عجب بھی تکبر پر لے ڈالتا ہے مثلاً کوئی شخص دوسرے کو اپنے برابر یا زیادہ سمجھتا ہے مگر کسی سبب سے اس پر غصہ ہو گیا ہے تو غصہ کے باعث اس کی طرف سے دل میں کینہ جم گیا ہے اس لیے اس کا نفس اس بات کو نہیں چاہتا کہ اس کے سامنے تواضع کیجئے گو اس کے نزدیک وہ شخص مستحق تواضع ہے جیسے اکثر رذیل آدمی حقد کے مارے کسی خاص بزرگ کے لیے تواضع نہیں کرتا اور اسی بغض سے یہ بات ہوتی ہے کہ اگر امر حق اس بزرگ کی طرف سے آوے تو نہ مانے یا وہ نصیحت کرے تو نہ سنے اور کوشش کرتا پھرے کہ کسی طرح اس سے آگے بڑھ جاؤں گو یہ جانتا ہو کہ مجھے استحقاق نہیں اور اگر اس بزرگ پر کچھ ظلم کرے تو نہ اس سے معاف کرانے جاوے اور نہ عذر پیش کرے اور جو بات اپنے آپ کو نہ آتی ہو اس کے دریافت کرنے کے لیے اس کے پاس نہ جاوے اور حسد کا بھی یہی حال ہے کہ اس سے بھی محسود کے ساتھ بغض

ہوتا ہے گو اس کی طرف سے کچھ ایذا نہ پہنچی ہو اور نہ کوئی ایسا سبب ہوا ہو کہ جس سے نوبت غصے اور کینے کی پہنچے حسد کے مارے بھی امر حق کا منکر ہو جاتا ہے اور نصیحت کو نہیں مانتا اور علم تحصیل نہیں کرتا بہت سے جاہل ایسے ہیں کہ علم کے مشتاق ہیں مگر جاہل کے جاہل رہتے ہیں اس لیے کہ اپنے شہر کے عالم سے خواہ اپنے کسی رشتہ دار سے بباعث حسد نہیں پڑھتے اس سے پھرے رہتے ہیں اور اس پر تکبر کرتے ہیں باوجودیکہ جانتے ہیں کہ وہ شخص علم کی جہت سے مستحق تواضع ہے مگر حسد ان کو اس بات پر ابھارتا ہے کہ اس سے معاملہ متکبروں کا سا کرتے ہیں اگرچہ باطن میں اس کے نفس کو اپنے آپ سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ اور ریا بھی مقتضی متکبروں کے اخلاق کا ہے یہاں تک کہ آدمی ایسے شخص سے مناظرہ کرتا ہے جس کو جانتا ہے کہ قطعاً مجھ سے بہتر ہے اور پہلے سے کچھ معرفت یا حسد یا بغض بھی نہیں ہوتا مگر اس کی حق بات اس لیے نہیں مانتا اور اس سے استفادہ اس لیے نہیں کرتا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ دوسرا شخص اس سے افضل ہے اس صورت میں باعث تکبر صرف ریا ہی ہے اور اگر بالفرض تنہائی میں اس شخص کے پاس ہوتا تو تکبر نہ کرتا بخلاف اس تکبر کے جو عجب اور حسد و بغض سے ہوتا ہے کہ وہ خلوت میں بھی یکساں ہے اگر حاسد و محسود کے ساتھ تیسرا کوئی اور نہ ہو جب بھی حاسد کو اس پر تکبر ہوگا۔ اسی طرح بعض لوگ ریا کے لیے اپنا نسب شریف کر لیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں مگر تاہم ایسے جھوٹے نسب سے دوسروں پر تکبر کرتے ہیں جو اس نسب کے نہ ہوں اور مجالس میں ان سے ترفع اور راستوں میں تقدم کے خواہاں ہوتے ہیں اور اگر کوئی شخص غیر کی تعظیم و توقیر ان کے برابر کرے تو ناخوش ہوتے ہیں حالانکہ باطن میں جانتے ہیں کہ ہم مستحق اس تعظیم کے نہیں اور نہ کبر باطن میں ہے کیونکہ یہ تو خود ان کو معلوم ہے کہ دعوئ نسب میں ہم جھوٹے ہیں بس ان افعال متکبرین کے جو وہ لوگ مرتکب ہوتے ہیں صرف ریا کی جہت سے ہوتے ہیں اور متکبر کا لفظ جو بولا جاتا ہے تو اکثر اس شخص پر بولا جاتا ہے جو مرتکب ان افعال کا اس جہت سے ہو کہ باطن میں کبر و عجب ہے اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا چاہتا ہے اور اس قسم کے ریا والے کو متکبر کہنا صرف اس واسطے ہے کہ اس کے افعال مشابہ کبر کے افعال کے ہیں۔

۸۔ اہل تواضع کے ایسے اخلاق و افعال جن میں تواضع و تکبر کا اثر ظاہر ہو

جاننا چاہیے کہ تکبر آدمی کی وضع میں ہوتا ہے جیسے چہرہ پھلانا اور کن آنکھیوں سے دیکھنا اور گردن ٹالنا اور چار زانو خواہ تکیہ لگا کر بیٹھنا اور گفتگو میں بھی ہوتا ہے حتیٰ کہ آواز میں اور بیان کرنے کی صنعت میں پایا جاتا ہے اور نیز چال اور نشست و برخاست میں اور افعال کرتے وقت کی حرکات و سکنات میں غرض جب ایک حال سے دوسرے میں بدلتا ہے ہر ایک میں ظاہر ہوا کرتا ہے پس بعض متکبر تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان سب باتوں میں تکبر کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ چند چیزوں مذکورہ بالا میں تکبر کرتے ہیں اور چند میں تواضع کچھ ایک عادات کا بیان کر دیا جاتا ہے مثلاً بعضوں کی یہ عادت ہوئی ہے کہ لوگ ہمارے سامنے کھڑے رہیں یا ہماری تعظیم کو کھڑے ہو جایا کریں تو عادت متکبرین کی ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس کو یہ منظور ہو کہ دوزخی

آدمی کو دیکھے تو وہ ایسے شخص کو دیکھ لے جو خود بیٹھا ہو اور لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں[1] کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہ تھا اور باوجود اس کے جب آپ کو دیکھتے تھے تو تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوتے تھے اس واسطے کہ جانتے تھے کہ آپ کو یہ کھڑا ہونا پسند نہیں اور بعضوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب تک کوئی پیچھے پیچھے ساتھ کا آدمی نہ ہو تب تک نہیں چلتے یہ بھی بری عادت ہے۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالٰے سے دور ہو جاتا ہے جب تک کہ اس کے پیچھے لوگ چلتے ہیں حضرت عبد الرحمن بن عوف اپنے غلاموں سے پہچانے نہ پڑتے کیونکہ صورت حاضری یعنے لباس وغیرہ میں کچھ فرق نہیں کرتے تھے ان کا اور اپنا ایک سا حال رکھتے تھے اور کچھ لوگ حضرت حسن بصریؒ کے پیچھے چلے تو آپ نے ان کو روک دیا اور کہا کہ اس سے بندہ کے دل میں کچھ رہتا نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات صحابہؓ کے ساتھ چلتے تو ان کو آگے بڑھنے کو فرماتے[2] اور آپ بیچ میں چلتے یہ امر یا تو دوسروں کی تعظیم کے لیے تھا یا اپنے نفس مبارک سے وسواس شیطانی کبر وعجب کا دفع کرنا منظور تھا جس طرح نئے کپڑے کو بدن مبارک سے اثناء نماز میں اتار کر[3] انہیں دونوں وجہوں میں سے ایک کی جہت سے پرانا پہن لیا تھا۔ اور ایک عادت یہ ہے کہ دوسرے سے ملنے نہ جاوے گو اس کے ملنے سے خیر وبرکت دینی دوسرے کو ہوتی ہے یہ بھی تواضع کے خلاف ہے روایت ہے کہ سفیان ثوریؒ رملہ میں تشریف لائے ان کے پاس ابراہیم بن ادہمؒ نے آدمی بھیجا کہ میرے پاس تشریف لاکر کچھ حدیث سنائیے حضرت سفیان تشریف لائے لیکن لوگوں نے ابراہیمؒ بن ادہمؒ سے کہا کہ آپ ان جیسے لوگوں کو بھی بلواتے ہیں یعنی خود جانا چاہیے تھا انہوں نے جواب دیا کہ میں ان کی تواضع کا امتحان کیا چاہتا تھا۔ اور ایک عادت یہ ہے کہ دوسرا شخص آکر اپنے پاس بیٹھے تو برا معلوم ہو سامنے بیٹھے تو مضائقہ نہیں اور تواضع اس کے برعکس ہے چنانچہ ابن وہب روایت کرتے ہیں کہ میں ایک بار عبد العزیز بن ابی رواحہ کے پاس بیٹھا اور میرا زانو ان کے زانو سے لگ گیا میں ذرا کنارے کو ہوا انہوں نے میرا کپڑا پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا اور فرمایا کہ میرے ساتھ تم لوگ وہ معاملات کیوں کرتے ہو جو جابروں کے ساتھ کیا کرتے ہیں میں اپنے آپ سے بڑا تم میں سے کسی کو نہیں جانتا اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں[4] کہ مدینہ منورہ کی لونڈیوں میں سے جو ایک لونڈی چاہتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لئے پھرتی آپ اپنا ہاتھ اس سے نہ چھڑاتے ؎

الا خوش باش کان محبوب جان را بدرویشان و مسکینان سرے ہست ؎

اور ایک عادت یہ ہے کہ بیماروں کے پاس نہ بیٹھے اور ان سے احتراز کرے یہ بھی تکبر میں داخل ہے آنحضرت

---

[1] آداب صحبت جلد دوم میں گذری ۱۲ [2] ابو منصور دیلمی نے فردوس میں بروایت ابو امامہ یہ نقل کی ہے مگر اس کی سند میں بہت سے ضعیف آدمی ہیں ۱۲ [3] باب الصلوٰۃ میں گذری ۱۲ [4] آداب معیشت میں گذری

[5] ابو یعلےٰ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی آیا کہ اس کے چیچک نکلی تھی اور اس میں سے پانی بہتا تھا آپ اس وقت مع اصحابؓ کھانا تناول فرماتے تھے وہ شخص جس کے پاس بیٹھا وہی اس کے پاس سے علیحدہ ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے پاس بٹھلایا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے کھانے سے کوڑھی اور سفید داغ والے اور مریض کو نہ روکتے بلکہ اپنے دسترخوان پر بٹھلا لیتے اور ایک عادت یہ ہے کہ گھر میں اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہ کرے اور تواضع اس کے خلاف ہے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے یہاں ایک مہمان رات کو آیا اس وقت آپ کچھ لکھتے تھے اور چراغ میں تیل نہ تھا گل ہونے لگا مہمان نے کہا کہ آپ فرمادیں تو میں اس کو درست کردوں آپ نے فرمایا کہ مہمان سے خدمت لینی اچھی بات نہیں اس نے کہا کہ خادم کو جگا دوں آپ نے فرمایا کہ وہ ابھی کچی نیند ہے یہ کہہ کر آپ ہی اٹھے اور کپی لے کر چراغ کو تیل سے بھر دیا مہمان نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ ہی نے تکلیف کی فرمایا کہ جب میں تیل لینے گیا تھا جب بھی عمر ہی تھا اب بھر کر آیا تب بھی عمر ہی ہوں مجھ میں سے کچھ کم نہیں ہوگیا اور لوگوں میں سے بہتر وہی ہے جو اللہ کے نزدیک متواضع ہو اور ایک عادت یہ ہے کہ اپنے گھر کی کوئی چیز اپنے ہاتھ میں اٹھا کر نہ لاوے متواضع آدمی ایسا نہیں کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بنفس نفیس چیزیں لے آتے تھے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے عیال کے واسطے کچھ اٹھا لاوے تو اس کے کمال میں کچھ بٹہ نہیں لگتا حضرت ابوعبیدہ بن جراح جس وقت امیر لشکر تھے گھڑا پانی کا خود حمام میں لے جاتے تھے اور ثابت بن ابی مالک روایت کرتے ہیں کہ جن دنوں حضرت ابوہریرہؓ مروان کی طرف سے خلیفہ تھے میں نے دیکھا کہ بازار سے لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے لاتے ہیں اور مجھے فرماتے ہیں کہ امیر کو راستہ دو اور اصبع بن نباتہ تابعی فرماتے ہیں کہ اب تک میری آنکھوں میں گویا تصویر بندھ رہی ہے کہ عمرؓ بائیں ہاتھ میں گوشت اور داہنے میں درہ لیے بازار میں گشت کرتے ہوئے اپنے گھر میں داخل ہوئے اور بعض تابعین سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ نے ایک درم کا گوشت خرید کر اپنی چادر میں رکھ لیا میں نے عرض کیا کہ لائیے میں لے چلوں آپ نے فرمایا کہ عیال دار ہی کو اس کا لے چلنا زیبا تر ہے اور ایک عادت لباس پہننے کی ہے کہ اس سے سے بھی تکبر اور تواضع ظاہر ہوتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البذاذۃ من الایمان ط ہارون راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معن رضی اللہ عنہ سے بذاذت کے معنی پوچھے انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد گھٹیا لباس ہے۔ اور زید بن وہبؒ راوی ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ درہ لے کر بازار میں نکلے جو چادر کہ اس وقت پہنے تھے اس میں چودہ پیوند تھے جن میں سے بعضے چمڑے کے بھی تھے اور حضرت علیؓ پر جو بعضے شخصوں نے پیوندلگی چادر کے باعث اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے دل میں خشوع ہوتا ہے اور لوگ اقتدا کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اچھا ہونا کپڑوں کا دل کے لیے اترانے کا سامان ہے۔ اور طاؤسؒ کہتے ہیں کہ باوجودیکہ میں اپنے انہیں دو کپڑوں کو دھو لیتا ہوں پھر بھی جب تک اجلے رہتے ہیں اپنے دل کو نہیں پہچانتا۔ اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے

لیے قبل خلافت لباس ہزار دینار کا لیا جاتا تھا تو فرماتے تھے کہ اس میں اگر سختی نہ ہوتی تو بہت عمدہ تھا خلافت کے بعد ان کا لباس پانچ درم کو مول آتا تھا اور فرماتے تھے کہ اس میں یہی عیب ہے کہ نرم ہے ورنہ بہت خوب تھا لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ کا لباس اور سواری اور عطر سابق کا کہاں گیا آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ نے نفس زینت پسند اور شائق عنایت کیا ہے دنیا میں جو مرتبہ آتا گیا اس سے اعلیٰ مرتبہ کی خواہش کرتا گیا یہاں تک کہ جب سلطنت کا مزہ اس نے چکھا جو سب مراتب دنیاوی سے اعلیٰ ہے تو اب مشتاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک کے مراتب کا ہوا اور سعید بن سوید رح روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہم کو نماز جمعہ کی پڑھائی اور بیٹھ گئے اس وقت آپ ایک کرتہ پہنے ہوئے تھے جس کے گریبان میں سامنے اور پیچھے پیوند لگا ہوا تھا ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا امیرالمومنین اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے آپ پہنتے کیوں نہیں آپ نے بڑی دیر تک سر جھکائے رکھا پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ بہتر میانہ روی تونگری میں ہوتی ہے اور عفو میں افضل وہی ہے جو قدرت کے وقت ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1] کہ جو شخص زینت کو خدا کے واسطے چھوڑ دے اور خدا کے لیے تواضع کی راہ سے اچھے کپڑے پہننے ترک کرے تو اللہ تعالیٰ بالضرور اس کے لیے سب سے عمدہ لباس جنت کا جمع فرماوے گا۔ یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو فرماتے ہیں کہ اچھے کپڑے سامان دل کے تکبر کے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جب یہ عرض کیا گیا کہ کپڑوں کا نفیس رکھنا کبر میں داخل ہے یا نہیں تو آپ نے فرمایا[2] کہ کبر نہیں بلکہ کبر اس کا نام ہے کہ امر حق سے جاہل رہے اور لوگوں کے عیب نکالے تو بظاہر ان دونوں میں تناقض معلوم ہوتا ہے ان کی تطبیق کس طرح ہے تو جاننا چاہیے کہ عمدہ کپڑے کچھ ضرور نہیں کہ سب لوگوں کے حق میں ہر حال میں داخل تکبر ہوں اور حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور یہی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے قول سے سمجھی تھی[4] یعنے جب انہوں نے پوچھا کہ میں ایک آدمی نظافت دوست ہوں تو آپ نے جانا کہ ان کا میل نظافت اور خوش لباسی کی طرف ہے اس واسطے نہیں کہ دوسروں پر تکبر کریں کیونکہ یہ تو ضروری ہی نہیں کہ لباس کی عمدگی کبر میں داخل ہو گو کبھی کبر کے واسطے بھی ہوتی ہے اور یہ کچھ مختص عمدہ پر نہیں ادنیٰ لباس سے بھی کبر ہوتا ہے اور تواضع بھی ہوتی ہے اور لباس میں متکبر کی پہچان یہ ہے کہ جب لوگ دیکھیں تب تو پر تکلف بنے اور اگر اکیلا ہو تو کچھ پرواہ نہ کرے کہ کس طرح ہوں

ح[1] ادنیٰ لباس ایمان میں سے ہے ۱۲ ابوداؤد و ابن ماجہ بروایت ابو امامہ بن ثعلبہ ۱۲ ح[2] ابونعیم رح در حلیہ بروایت ابن عباس اور اس کی سند میں کلام ہے ۱۲ ح[3] کئی بار اوپر گذری ۱۲ ح[4] طبرانی در کبر اور اوپر کی حدیث اسی کا ٹکڑا ہے ۱۲

اور طالب نفاست کی علامت یہ ہے کہ ہر شے میں اس کو خوبصورتی پسند ہو اگرچہ تنہا ہی ہو یہاں تک کہ گھر کے پردوں میں بھی خوش وضعی ملحوظ رکھے پس جب حال مختلف ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمانا بھی درست ہے کہ بعض احوال میں خوش وضعی اور خوش لباسی مورث دل کے تکبر کی ہوتی ہے اور حدیث شریف بھی درست ہے کہ کبر کو خوش لباسی ضرور نہیں اور نہ خوش لباسی ہمیشہ موجب کبر ہوتی ہے - حاصل یہ کہ اس باب میں احوال مختلف ہیں اور سب سے اچھی پوشاک وسط درجے کی ہے جس میں شہرت عمدگی کی ہو نہ خرابی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کھاؤ اور پیو اور پہنو اور صدقہ دو نہ اسراف کے ساتھ اور نہ تکبر کیساتھ اور خدائے تعالیٰ کو اپنے بندوں پر اثر اپنی نعمت کا اچھا معلوم ہوتا ہے اور بکر بن عبداللہ مزنی فرماتے ہیں کہ کپڑے چاہو بادشاہوں کے سے پہنو مگر دلوں کو خوف خدا سے نرم رکھو ؎

حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست　　درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

اور یہ ان لوگوں کے واسطے فرمایا کہ پارساؤں کا کپڑا پہن کر تکبر کے طالب ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ میرے پاس کپڑے تو راہبوں کے سے پہن کر آتے ہو اور تمہارے دل بھیڑیوں کے سے ہیں کپڑے بادشاہوں کے سے پہنو مگر دلوں کو خوف الٰہی سے نرم کرو۔ ایک اور عادت یہ ہے کہ جب کوئی گالی یا ایذا دے یا حق چھین لے تو اُس کی برداشت کرے اور یہی اصل ہے ہم نے باب غضب و حسد میں حکایات سلف کی ایذا کی برداشت میں نقل کی ہیں یہاں اس قدر معلوم کر لینا چاہیے کہ مجموعۂ حسن و اخلاق و تواضع کا سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اسی کو دستور العمل کرنا چاہیے اور اسی سے سیکھنا چاہیے اور ابن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے پوچھا کہ اَب جو لوگوں نے کھانا پینا اور سواری ایجاد کی ہے اس میں آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے فرمایا کہ بھتیجے اپنا کھانا اور پینا اور لباس وغیرہ سب اللہ کے واسطے کر اور جس چیز میں ان اشیاء سے کبر یا مباہات یا ریا د شہرت آجاویں گی وہ معصیت و اسراف ہے اور اپنے گھر میں وہ کلام کیا کر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے آپ کا دستور تھا کہ اونٹ کو گھاس ڈالتے اور اپنے ہاتھ سے باندھتے گھر میں جھاڑو دیتے دودھ نکالتے جوتا ٹانکتے کپڑے میں پیوند لگاتے اپنے خادم کے ساتھ کھاتے اور اگر وہ تھک جاتا تو اُس کے عوض پیستے اور بازار سے چیز مول لیتے اور اس بات کی حیا نہ کرتے کہ اس کو ہاتھ میں لٹکا کر یا کپڑے کے کونے میں باندھ کر لے آویں تونگر اور مفلس اور بڑے چھوٹے سب سے مصافحہ کرتے جو ادنیٰ اعلیٰ نمازی سامنے آتا اس کو اوّل سلام کرتے خواہ کالا ہوتا یا گورا بندہ ہوتا یا آزاد گھر کا یا باہر کا جدا لباس نہ رکھتے اس بات سے حیا نہ کرتے کہ کوئی دعوت کرے تو قبول کریں گو کیسا ہی پریشان حال ہو اور دعوت کی چیز کو کبھی برا نہ کہتے اگرچہ سڑا چھوہارا ہی کیوں نہ ہو صبح کا کھانا شام کو نہ رکھتے اور نہ شام کا صبح کو بہت سہل کارخانہ رکھتے اور با اینہمہ نرم خلق کریم الطبیعت ملنسار کشادہ پیشانی تھے بے خندہ کا تبسم کرتے غم کرتے تو ترش رو نہ ہوتے شدت کرتے تو

ا ح نسائی و ابن ماجہ بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ

تونہایت سختی نہ برتتے تواضع بیذات کے اور سخاوت بے اسراف کے کرتے ہر رشتہ دار اور مسلمان پر رحم فرمانے
دل کے رقیق تھے ہمیشہ گردن نیچی رکھتے شکم سیری سے کبھی بدہضمی کی نوبت نہ آنے دیتے دست مبارک طمع کی طرف
دراز نہ کرتے حضرت ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں گیا اور جو کچھ حضرت ابو سعیدؓ نے مجھ سے کہا تھا
وہ سب میں نے کہا حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ابو سعیدؓ نے کسی بات میں خطا نہیں کی البتہ اتنی بات کرنا تھی کہ تم سے یہ نہ کہا کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور نہ کسی سے اس بات کا شکوہ کیا بلکہ فاقہ آپ کو بہ نسبت تونگری
کے زیادہ محبوب تھا اور کبھی بھوکے ہی آپ رات گزار دیتے تھے اور پھر صبح کو روزہ رکھتے اگر آپ خدا سے مانگتے کہ خزانے
زمین کے اور پھل اور تمام پورب و پچھم کی وسعت عیش مل جائے تو ایسا ہی ہو جاتا اور اکثر میں آپ کی بھوک پر رحم کر کے روتی
اور آپ کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہتی کہ آپ پر میری جان فدا ہو دنیا سے اس قدر نفع لیجئے کہ آپ کی غذا کافی ہو اور بھوکے نہ
رہیں جواب میں ارشاد فرماتے کہ اے عائشہ میرے بھائی رسول اوالعزم اس سے بھی زیادہ سختیاں سہہ کر اسی حال پر گزر
گیے اور جب خدا کے سامنے پہنچے تو اُن کی تواضع اور تکریم ہوئی اور بہت سا ثواب حاصل کیا مجھے یہ شرم آتی ہے کہ اگر
میں آرام میں بسر کروں تو کہیں اُن سے کم نہ رہ جاؤں اس لیے تھوڑے دن صبر کرنا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے اس سے
کہ آخرت میں میرا درجہ ناقص ہو اور سب سے بہتر بات مجھے یہی معلوم ہوتی ہے کہ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے
ملوں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بخدا اس کلام کے بعد آپ کو ایک ہفتہ بھی پورا نہ ہوا کہ وفات پائی پس جو کچھ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات نقل ہوئے ان میں سب عادات متواضع لوگوں کے جمع ہیں جس کو تواضع کی طلب ہو اس
کو چاہیے کہ آپ کا اقتدار کرے اور جو شخص کہ اپنا رتبہ آپ کے رتبے سے زیادہ سمجھ کر ان اعمال پر جو آپ کو پسند تھے
راضی نہ ہو تو وہ سخت جاہل ہے آپ کو دین و دنیا کا منصب تمام خلق سے زیادہ تھا اسی لیے عزت اور رفعت بدون
آپ کی اقتدار کے ممکن نہیں اسی جہت سے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اسلام سے
عزت دی ہے ہم اس کے سوا کسی اور چیز سے عزت کے طالب نہیں اور یہ قول آپ نے جب فرمایا تھا جب شام میں داخل
ہونے کے وقت کسی نے آپ کی ہئیت ظاہری پر اعتراض کیا تھا اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ
بندے ایسے ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں وہ لوگ انبیاء کے خلیفہ ہیں اور زمین کے قطب اور جب نبوت منقطع ہوئی تو خدائے
تعالیٰ نے ایک گروہ کو اُمت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کو قائم مقام کر دیا ہے وہ لوگ کچھ اور دن سے زیادہ
روزہ و نماز میں نہیں ہوتے نہ سب سے خوبصورت ہیں بلکہ صدق و ورع اور نیک نیتی اور سلامتی قلب ہر ایک مسلمان
کے ساتھ اور ان کی خیر خواہی صرف خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے کرتے ہیں حالت صبر میں جزع و فریاد نہیں کرتے
تواضع کرتے ہیں وہ بھی ذلت کے ساتھ نہیں ان لوگوں کو خدائے تعالیٰ نے چھانٹ کر اپنا بنا لیا ہے گنتی میں تیس۳۰ یا چالیس
ہوتے ہیں ان کے دلوں میں یقین ایسا ہوتا ہے جیسا ابراہیم علیہ السلام کو تھا ان میں سے کوئی جب مرتا ہے جب خدا
تعالیٰ اس کا نائب پیدا کر لیتا ہے اور یہ بھی یاد کر لینا چاہیے کہ وہ لوگ کسی چیز کو بُرا نہیں کہتے نہ کسی کو ایذا دیں نہ
حقارت کریں نہ دست درازی اور حسد اور حرص دنیا دی کریں سب لوگوں سے زیادہ تجربہ کار اور سب سے زیادہ

نرم طبع اور سخی ہوتے ہیں سخاوت ان کی پہچان ہے اور بشاش رہنا ان کی عادت اور راست روی ان کی صفت ایسے نہیں کہ آج توخوف خدا کریں اور دوسرے روز غفلت میں رہیں بلکہ ظاہر میں ہمیشہ ایک حال پر رہتے ہیں اور ان کا معاملہ جو خدا سے ہے اس میں ان کو نہ ہوائے تند پا سکے اور نہ تیز قدم بادرفتار ان کے دل خدا کے اشتیاق میں اور اس کے پاس کی راحت کی طلب میں ترقی کرتے رہتے ہیں اور ان کے قدم خیرات کی طرف اُٹھتے رہتے ہیں غرض ان کا حال یہ ہوتا ہے[ت۱] اُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ راوی کہتے ہیں کہ میں نے جب حضرت ابو درداؓ سے یہ حال سُنا تو عرض کیا میں نے آج تک کوئی وصف جو اس سے زیادہ سخت مجھ کو معلوم ہو نہیں سنا اور میں کس طرح اس وصف کو پہنچوں آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس وصف کو اچھی طرح حاصل کیا چاہتا ہے تو اتنی ہی بات کرنی پڑے گی کہ دنیا سے بغض رکھے اس واسطے کہ جب دنیا کو بُرا جانے گا تو آخرت کی محبت پیدا ہو گی جس قدر آخرت کی محبت ہو گی اسی قدر دنیا میں زہد کرے گا اور اسی قدر وہ باتیں تجھ کو سوجھیں گی جو تیرے کام آویں اور جب خدائے تعالیٰ کو حسن طلب بندے کی طرف سے معلوم ہوتی ہے تو راستی و درستی اس کے ساتھ کر دیتا ہے اور کنار عصمت میں جگہ عنایت فرماتا ہے چنانچہ خود کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے[ت۱]۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ؀ یحییٰ بن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو اس میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ لذت حاصل کرنے والوں کو جو لذت کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا جوئی میں ہوتی ہے ایسی چیز میں نہیں ہوتی ہم بھی خدا سے چاہتے ہیں کہ اپنے دوستوں کی محبت ہم کو عنایت فرما دے۔

۹ کبر کا علاج اور تواضع حاصل ہونے کا طریقہ یہ معلوم ہو چکا کہ کبر مہلکات میں سے ہے اور کوئی آدمی اس سے خالی نہیں اور اس کا دور کرنا فرض عین ہے صرف تمنا سے نہیں جاتا بلکہ علاج سے اور ان دواؤں کے استعمال سے جو اس کی جڑ کھودتی ہیں جاتا ہے اور اس کے علاج کی دو صورتیں ہیں اول تو یہ کہ دل میں جو اس کی جڑ ہے اس کو بیخ و بنیاد سے نکال ڈالے دوم یہ کہ جن اسباب سے کہ آدمی دوسرے پر تکبر کرتا ہے ان کو دور کرنا صورت اوّل کبر کی جڑ اکھاڑنے میں اور علاج اس کا علمی ہے اور عملی اور بدون دونوں علاجوں کے شفائے کامل نہیں ہوتی علمی علاج تو یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو اور خدائے تعالیٰ کو پہچانے اسی سے انشاء اللہ کبر زائل ہو جائے گا اس لیے کہ جب انسان اپنے نفس کی حقیقت کما ینبغی پہچانے گا تو یقین کرے گا کہ نفس سب ذلیلوں سے ذلیل تر اور قلیل چیزوں سے کمتر ہے اور اس کے حال کے مناسب سوائے تواضع اور ذلت اور خواری کے اور کچھ نہیں اور جب اللہ تعالیٰ کو پہچانے گا تو جان لے گا کہ کبریائی اور عظمت سوائے اس کے اور کسی کو شایان نہیں پھر معرفت خدائے تعالیٰ کی اور اس کی عظمت و مجد کی طوالت کلام چاہتی ہے کیونکہ علم مکاشفہ کی انتہا وہی ہے اور ہر چند کہ معرفت نفس بھی بہت طویل ہے مگر ہم اس میں سے اس قدر لکھے دیتے ہیں جو تواضع کے اختیار کرنے میں کارآمد ہو اور اس کے لیے یہی کافی ہے کہ انسان قرآن مجید کی صرف ایک آیت کے معنی جان لے قرآن مجید میں علم اولین و آخرین موجود ہے بشرطیکہ آدمی کو بصیرت ہو وہ آیت شریف یہ ہے[ت۳]

ت۱ وہ ہیں جتھا اللہ کا سنتا ہے جو جتھا ہے اللہ کا وہی مراد کو پہنچے ۱۲۔ ت۔ اللہ ساتھ ہے ان کے جو پرہیزگار ہیں اور جو نیکی کرتے ہیں ۱۲

ت ۱ قتل الانسان ما اکفرہ من ای شئ خلقہ من نطفۃ خلقہ فقدرہ ثم السبیل یسرہ ثم اماتہ فاقبرہ ثم اذا شاء انشرہ ط
اس آیت میں انسان کی اول پیدائش اور انجام اور درمیان کا حال مذکور ہے اگر آدمی ان حالات کو سوچے تو معنی آیت سمجھ میں آویں مثلاً ابتدائے حال میں اس کا ذکر بھی نہ تھا اور نیستی کے پردے میں نہاں تھا بہت دنوں ایسا ہی رہا نیستی کا شروع بھی نہیں معلوم کہ کب سے نیست تھا اور جو چیز معدوم و نابود ہو اس سے زیادہ کمتر اور حقیر کیا چیز ہوگی اور انسان پیدائش سے پہلے ایسا ہی تھا پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک ذلیل چیز سے بنایا پھر ناپاک چیز سے پیدا کیا کیونکہ اول مٹی سے بنایا پھر نطفے سے خون اور خون سے لوتھڑا کیا پھر ہڈیاں بنائیں اور ان پر گوشت و پوست چڑھایا تو ابتدائے پیدائش کی تو یہ صورت ہے جس سے دنیا میں اس کا ذکر ہوا اور پھر پیدائش کے وہی کمینے اوصاف اس میں موجود رہے یعنی پیدا ہوتے ہی کامل نہیں ہو گیا بلکہ اس کو اول پتھر جیسا پیدا کیا کہ نہ سنے نہ دیکھے نہ کچھ سمجھے نہ ہلے نہ بولے نہ کسی چیز کو پکڑے نہ جانتے نہ بوجھے تو گویا زندگی سے پہلے موت کی صورت موجود تھی اور قوت سے پہلے ضعف کی اور علم سے پہلے جہل کی بینائی سے پہلے اندھے ہونے کی کیفیت اور شنوائی سے پہلے بہرہ ہونے کی اور گویائی سے پہلے گونگا ہونے کی اور ہدایت سے پہلے ضلالت کی اور توانگری سے پہلے عاجزی کی حالت رکھتا تھا یہ معنی ہوئے اتنی آیت کے من ای شئ خلقہ من نطفۃ خلقہ فقدرہ اور دوسری جگہ جو ارشاد فرمایا ہے ت۲ ہل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ اس کے بھی یہی معنی ہیں۔ پھر پیدا کرنے کے بعد اس پر احسان فرمایا کہ ثم السبیل یسرہ اس میں ارشاد ہے ان اشیاء کی طرف جو آدمی کو مدت حیات میں موت تک حاصل ہوتی ہیں اور اسی لیے فرمایا کہ ت۲ من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلناہ سمیعا بصیرا انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا　　یعنی خدائے تعالیٰ نے انسان کو زندہ کیا اور پیشتر وہ مردہ اور پتھر تھا کہ ابتدا میں مٹی تھا پھر نطفہ اور بعد زندگی کے اس کو بہرے سے شنوا کیا اور اندھے سے بینا کیا اور ضعف کے بعد قوی کیا اور جاہل سے عالم بنایا اور اس کو ایسے اعضا عنایت کیے جس میں عجائبات اور آیات ہیں پہلے اس کو کہاں تھے اور مفلس سے توانگر اور بھوکے سے شکم سیر کیا اور ننگے سے لباس پہنایا اور گمراہ سے ہدایت یاب کیا تو دیکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے تو کس کس تدبیر اور صورت سے اس کو بنا کر سب راستے کیسے آسان کیے اور انسان کی سرکشی بھی دیکھنی چاہیے کہ کتنا بڑا ناشکرا ہے اور کیسا کھلا جاہل ہے خدائے تعالیٰ تو فرماتا ہے ت۳۔ اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین اور دوسری جگہ فرماتا ہے ت۴ من آیاتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت انسان پر قابل دیکھنے کے ہے کہ اُس ذلت اور قلت اور خست اور ناپاکی سے اس بلندی اور بزرگی پر پہنچایا کہ نیست سے ہست

ت ۱۔ مارا جائیو آدمی کیسا ناشکر ہے کس چیز سے بنایا اُس کو ایک بوند سے بنایا پھر اندازہ رکھا اس کا پھر راہ آسان کر دی اُس کو پھر اس کو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوایا پھر جب چاہا اُس کو اٹھا نکالا ۱۲ ت ۲ کبھی ہوا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جو نہ تھا کچھ چیز تکرار میں آتی ہم نے بنایا آدمی ایک بوند کے لچھے سے پلٹتے رہے اس کو ۱۲ ت۳ کیا دیکھتا نہیں آدمی کہ اس کو بنایا ایک بوند سے پھر بھی وہ ہو گیا جھگڑتا بولتا ۱۲ ت۴ اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے پھر اب تم انسان ہو پڑے ۱۲ ت۵ کیا ہم نے نہیں دیں اس کو دو آنکھیں اور زبان اور ہونٹ سوجھا دیں اس کو دو گھاٹیاں۔

کیا اور مردے سے زندہ اور گونگے سے ناطق وغیرہ اور پہلے لاشی محض تھا ایسی کوئی چیز نہیں جو لاشے سے بھی کم ہو پھر خدا تعالےٰ نے جو پردہ عدم سے وجود عنایت فرمایا تو ذلیل مٹی اور ناپاک نطفے سے بنایا تاکہ اس کو اپنے نفس کی خست معلوم ہو اور اپنی ذات پہچانے اور نعمتیں جو اس کو عنایت فرمائیں وہ اس لیے کہ ان سے رب کو پہچانے اور اس کی عظمت وجلال کو دریافت کرے کہ بڑائی اور کبریائی اسی کی شان کو زیبا ہے اسی واسطے احسان کے مقام میں ان نعمتوں کا ذکر موجود ہے چنانچہ فرمایا ت[1] الم نجعل لہٗ عینین ولسانا وشفتین وھدیناہ النجدین اور دوسری جگہ اول اس خست کو ارشاد فرمایا کہ ت[2] فخلق فسوّٰی فَجَعَلَ منہُ الزّوجَینِ الذّکرِ والانثیٰ ۔ پھر اپنا احسان فرمایا فَخلقَ فَسَوّٰی فجعل منہ الزوجین الذکر والانثیٰ تاکہ اس کا وجود ہمیشہ کو تناسل سے قائم رہے جیسا اوّل میں صرف ایجاد سے موجود ہو گیا پس جس شخص کا حال یہ ہو اور اس کی ابتدائے پیدائش اس طرح ہو اس کو اترانا اور کبریائی اور فخر اور تکبر کیسے جائز ہے وہ تو واقع میں سب سے کمترین چیز اور سب کمزوروں سے کمزور تر ہے ہاں اگر انسان کو کامل بنایا ہوتا اور اس کے سب کام اسی کے سپرد رہتے اور اپنے اختیار سے ہمیشہ کو زندہ رہتا تب بھی مضائقہ نہ تھا کہ سرکش ہو جاتا اور اپنے آغاز وانجام کو بھول جاتا لیکن اب تو معاملہ اور طرح ہے کہ اتنی ہی زندگی میں امراض مہلک اور بڑی بڑی بیماریاں اور مختلف آفتیں مسلط کردیں اور اسی کے چار اجزا صفرا بلغم سودا اور خون ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک سے دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے خواہ انسان چاہے یا نہ چاہے راضی ہو یا ناخوش مثلاً بھوک پیاس مرض اور موت سب کے سب خواہ مخواہ لاحق ہوتے ہیں آدمی کو کچھ اپنے نفس کے نفع اور ضرر کا اختیار نہیں نہ خیر وشر کا اختیار ہے بہت سی چیزوں کو چاہتا ہے کہ مجھے معلوم ہوں مگر ان سے جاہل رہتا ہے اور کسی چیز کا یاد رکھنا چاہتا ہے تو بھول جاتا ہے ۔بعض چیزوں کا بھولنا چاہتا ہے تو نہیں بھولتا اگر اپنے دل کو کسی امر مہم میں مصروف کرنا چاہتا ہے تو بے اختیار وسواس وفکر کے میدان میں جولانیاں کرتا ہے خلاصہ یہ کہ انسان کا دل خود اپنے اوپر اختیار نہیں رکھتا اور نہ اس کا نفس اپنے قابو میں ہے ایسی چیز کا آرزومند ہوتا ہے کہ اس میں ہلاک ہو جاوے اور بعض اشیاء کو برا سمجھتا ہے لیکن اس میں زندگی ہوتی ہے کھانوں کو لذیذ جانتا ہے حالانکہ وہی باعث سوءِ ہضمی ہو کر ہلاک کرتے ہیں اور دوا کو بدمزہ جانتا ہے اور وہ ان کو نافع ہوتی ہیں اور زندہ رکھتی ہیں اور رات اور دن میں کوئی لحظہ اس بات کا امن نہیں کہ کان اور آنکھ چھین جاویں یا اعضا کو فالج مار دے یا عقل جاتی رہے اور جان نکل جاوے اور سب آرزوئیں بالائے طاق رہ جاویں پس آدمی بیچارہ مجبور ہے اگر کوئی چھوڑے تو رہے اور اچک لے تو جاتا رہے غلام مملوک ہے کہ نہ اپنے اوپر قابو ہے نہ غیر پر تو اگر اپنے نفس کو پہچانے تب معلوم ہو کہ انسان سے زیادہ ذلیل کیا چیز ہوگی اور ایسے حال میں کبر کا کرنا محض جہالت ہے یہ درمیان کا حال ہوا اس کو تامل کرنا چاہیے اور انجام اور فرودگاہ آخری موت ہے جس کی طرف ان کلمات میں اشارہ ہے

یعنی انسان سے روح چھینی جاوے گی اور سننا اور دیکھنا اور علم قدرت اور حس ادراک وحرکت سب سلب

ت[1]۔ بھلا نہ تھا ایک بوند منی کی جو ٹپکی پھر تھا لہو کی پھٹکی ۱۲ ت[2]۔ پھر اس سے بنایا اور ٹھیک کر اٹھایا پھر کیا اس میں جوڑا نر اور مادہ ۱۲

کیے جاویں گے تو جیسا ابتدا میں جماد تھا ویسا ہی انجام کو ہو جاوے گا اعضا کی شکل کے سوا کچھ حس و حرکت باقی نہ رہے گی پھر مٹی میں رکھا جائے گا تو ایک مردار بدبو اور ناپاک ہو جائے گا جیسا اول میں نطفہ ناپاک تھا پھر اعضاء گلیں گے اور اُن کے اجزا بکھریں گے ہڈیاں سڑ کر پاش پاش ہو جاویں گی کیڑے بدن کو کھا جاویں گے آنکھوں کے ڈھیلے سے کھانا شروع کریں گے جب وہ ہو چکیں گے تو رخسار کو چاٹیں گے اسی طرح سب کی صفائی بنائیں گے تو سارا بدن کیڑوں کے پیٹ میں جائے گا اور اُس وقت مردے کا یہ حال ہو گا کہ کوئی حیوان پاس نہ پھٹکے آدمی اس کو ناپاک سمجھے اور بدبو کی شدت سے دور بھاگے اور سب سے بہتر اس کے احوال میں سے یہ کہ جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہو جاوے تو آپ گلنے اور سڑنے کے بعد خاک ہو جاوے گا جس سے برتن بنیں گے اور عمارت بنائی جاوے گی اور موجود ہونے کے بعد پھر نابود ہو گا کہ گویا کبھی ہوا ہی نہ تھا جیسا پہلے مدتوں تک نابود رہا تھا اور کیا اچھا ہوتا جو اسی حال پر خاک ہونے کے بعد چھوٹ جاتا بلکہ یہاں تو ایک اور شاخ لگی ہے کہ پھر زندہ ہو گا اور اجزاء متفرق سب جمع ہو کر پھر قبر سے نکلے گا تو دیکھے گا کہ قیامت کھڑی ہے اور مصیبت سر پر پڑی آسمان پھٹے ہوئے ہیں اور زمین بدل گئی ہے پہاڑ ادھر سے ادھر مارے پھرتے ہیں ستارے اندھے ہیں آفتاب کو گہن لگا ہوا ہے سب جا اندھیرا ہے اور کڑے فرشتوں نے آگھیرا ہے دوزخ جدا اچھلاتی ہے جنت کو دیکھ کر مجرموں کو حسرت آتی ہے نامۂ اعمال کھلے ہیں اور حکم ہے کہ اپنا نامہ پڑھ اسی وقت پوچھے گا کہ یہ نامہ کیسا ہے کہا جاوے گا کہ تیرے ایام حیات میں جس پر تو راضی اور نازاں اور متکبر تھا تجھ پر دو فرشتے محافظ مقرر تھے کہ جو کچھ تو بولتا اور عمل کرتا تھا وہ اس میں لکھے جاتے تھے تیرا عمل تھوڑا اور بہت چھوٹا اور بڑا اور کھانا اور پینا اور نشست و برخاست سب کچھ اس میں موجود ہے تو بھول گیا تو کیا ہوا خدائے تعالیٰ نے تو سب لکھ رکھا ہے اب چل حساب دے اور اپنے کیے کا جواب دے ورنہ عذاب کے لیے تیار ہو اس خطاب کے سنتے ہی دل بیتاب ہو گا اور خوف کے مارے زہرہ آب ہو گا حالانکہ ابھی نامہ اعمال کو دیکھنا نہ ہو گا جب اس کو دیکھے گا تو کہے گا ہائے افسوس اس کتاب میں تو چھوٹا اور بڑا گناہ سب کچھ موجود ہے پس آخر ہر انسان کا یہ ہے جو اس آیت سے مراد ہے **ثم اذا شاء انشرہ**۔ اب غور کا مقام ہے کہ جس کا یہ حال ہو اس کو تکبر سے کیا سروکار ہے اس کو ایک لحظہ بھی خوشی کرنی نہ چاہیے اترانا اور جبر کرنا تو درکنار ہے انسان پر اول اور درمیان کا حال تو کھلا ہے اگر معاذ اللہ آخر کا حال کھل جاوے تو اُس وقت عجب نہیں کہ اپنے تئیں کتا یا سور بن جانا پسند کرے کہ ان کے ساتھ خاک ہو کر نہ خطاب سنے نہ عذاب سہے اور واقع میں اگر انسان خدا کے نزدیک مستحق دوزخ ہے تو سور بھی اس سے کہیں اشرف اور اطیب ہے اس واسطے کہ وہ اول میں بھی خاک تھا اور آخر کو بھی خاک ہو جائے گا حساب و عذاب سے علیحدہ رہے گا علاوہ ازیں کتا اور سور اگر لوگوں کو نظر پڑیں تو کوئی اُن سے بھاگتا نہیں اور دنیا دار کسی بندۂ گنہگار کو دوزخ میں دیکھ پاویں تو اس کی صورت ہیبت ناک اور وحشت دیکھ کر چیخ ماریں اور اگر اس کی ہوا اُن کو لگ جاوے تو بدبو سے ہلاک ہو جاویں اور اگر اُس کے پینے کے پانی کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں گر جاوے تو مردار سے زیادہ سڑ جاویں پس جس شخص کا انجام کار یہ ہو وہ تکبر کس طرح کرتا ہے اور اپنے نفس کو کچھ شے فرض کر کے اس لیے فضیلت کا معتقد کیسے ہوتا ہے یوں اگر خدا معاف کر دے اور یہ نوبت نہ ہونے پاوے تو اور بات ہے مگر تاہم معاف کرنے میں تو شک ہی ہے اور گنہگار

ہونا یقینی ہے کونسا بندہ ایسا ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو اور مستحق عقوبت اس کے سبب نہ ہو مگر یہ کہ خدا تعالیٰ معاف فرما دے اور حسن ظن اُس کے فضل وکرم پر اسی بات کا مقتضی ہے کہ وہ اپنی رحمت سے معاف کرے فرض کرو کہ کسی شخص نے بادشاہ کا ایسا قصور کیا جس سے مستحق ہزار کوڑوں کا ہے اور حکم سلطانی سے قید خانے میں مقید کر دیا گیا اور وہ شخص منتظر ہے کہ میری روبکاری ہوگی اور سب لوگوں کے سامنے سزا ملے گی اور اس بات میں شک ہے کہ میرا قصور معاف ہوگا کہ نہیں اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ شخص قیدیوں پر تکبر کرے گا یا حالت ذلت میں اپنی جان کی فکر میں ڈوبا رہے گا یہی حال بندوں کا ہے کہ گنہگار اور مستحق عقوبت تو سب ہیں اور دنیا ان کے لیے قید خانہ اور حوالات ہے اور یہ معلوم نہیں کہ روبکاری کے روز کیسی بنے گی تو جو شخص اس طرح تامل کرے گا اس کو یہی رنج وخوف اور ذلت کافی ہے اور یہ علاج علمی ایسی تدبیر ہے کہ جس سے کبر کی جڑ اکھڑ جاتی ہے اور علاج عملی یہ ہے کہ علانیہ تواضع خدا کے واسطے کرے اور سب لوگوں کے ساتھ تواضع کرنے والوں کے سے اخلاق برتے جیسے ہم نے صلحا کا حال اوپر بیان کیا ہے یا جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور شریف تھا یہاں تک کہ روایت ہے کہ آپ زمین پر کھانا کھاتے اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نیا کپڑا کیوں نہیں پہنتے آپ نے فرمایا کہ میں غلام ہوں جس دن آزاد ہوں گا اُس روز نیا کپڑا پہنوں گا اس آزادی سے مراد آزادی روز قیامت ہے اور تواضع کے معلوم ہونے کے بعد اُس کی تمامی عمل سے ہوتی ہے اسی جہت سے عرب کی قوم اللہ اور رسول پر تکبر کرتی تھی ان کو ایمان اور نماز دونوں کا حکم ہوا اس لیے کہ ان کو تواضع اور فروتنی بُری معلوم ہوتی تھی حتی کہ اگر کسی کے ہاتھ میں سے کوڑا گرتا تو اٹھانے کے واسطے نہ جھکتا اور اگر جوتے کا تسمہ کھل جاتا تو اُس کو نہ باندھتا کہ جھکنا پڑے گا چنانچہ حکیم بن حزام نے اول اول بیعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شرط کی تھی کہ میں رکوع وسجدہ کھڑے کھڑے کیا کروں گا آپ نے منظور فرمایا تھا پھر آخر کو وہ سمجھ گیے اور بڑے پکے عابد اور کامل ہوئے غرضکہ اہل عرب کے نزدیک سجدہ کرنا اور جھکنا کمال ذلت اور پستی کی علامت تھی اس لیے نماز کا حکم ہوا تا کہ ان کا تکبر ٹوٹے اور دلوں میں تواضع گھر کرے کیونکہ نماز میں شدت سے تواضع پائی جاتی ہے کہ رکوع اور سجدہ اور سامنے کھڑا رہنا سب کچھ آثار فروتنی کے موجود ہیں اور نماز کو جو دین کا ستون کہتے ہیں اس کی بہت سی وجہیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں حد درجہ کی تواضع موجود ہے اور نماز کا حکم تمام خلق کو بھی اسی لیے ہوا ہے کہ اس کے افعال مقتضی تواضع کے ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ آدمی کو چاہیے کہ جب اپنے نفس کی حقیقت پہچان لے تو جو فعل کہ ان کا مقتضی کبر ہو ہمیشہ اس کے خلاف کرے یہاں تک کہ تواضع کا عادی ہو جاوے اسی لیے دل میں اچھے اخلاق جب آتے ہیں جب علم وعمل دونوں ہوں اور چونکہ اعضاء عالم ظاہری سے ہیں اور دل عالم ملکوت سے اور ان دونوں میں ایک علاقہ پوشیدہ اور ارتباط مخفی ہے اس لیے اعضاء کے عمل سے دل پر تاثیر ضرور ہوتی ہے۔ دوسری صورت اس تکبر کا بیان جو سات سببوں مذکورۂ سابق سے ہوتا ہے باب ذرم

اح احمد ونسائی اور اس میں ارسال خفی ہے ۱۲

جاہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ کمال حقیقی علم اور عمل کا نام ہے اور جو چیز ان کے سوا اور موت پر فناہ ہونے والی ہے وہ کمال وہمی ہے اس لحاظ سے عالم کو تکبر نہ کرنا دشوار ہے۔

اس لیے فی الجملہ کمال حقیقی اس کو علم کا موجود ہے مگر ہم طریق علاج علمی وعملی ساتوں اسبب کا ذکر یہاں کیے دیتے ہیں اول نسب کا تکبر نسب کے باعث جس کو تکبر ہو اُس کو دو باتیں جاننی چاہییں اول تو یہ کہ نسب پر فخر کرنا محض جہالت ہے اس لیے کہ دوسرے کے کمال سے اپنی عزت ہونی بے معنی ہے ؎

نہ ہو گر ذات میں جوہر تو کیا حاصل ہے یوں کہنا ٭ کہ آباء تھے ہمارے اشرف وافضل خدائی سے۔

پس جو شخص نسب کا فخر کرتا ہے اگر خود صفات خسیس رکھتا ہے تو اُن کی خست کو دوسرے کا کمال کس طرح تدارک کرے گا بلکہ جس شخص کے نسب سے تکبر کرتا ہے اگر وہ زندہ ہوتا تو کہتا کہ فضیلت مجھ میں ہے اور تو تو میرے پیشاب کا کیڑا ہے تجھے شرف کہاں سے آیا اب ہم پوچھتے ہیں کہ جو کیڑا انسان کے پیشاب سے پیدا ہوا اور جو گھوڑے کے پیشاب سے پیدا ہو تو انسان کے پیشاب کا کیڑا دوسرے سے بہتر کہلاوے گا نہیں بلکہ دونوں یکساں ہوں گے شرف انسان ہی کو ہے اُس کے پیشاب کے کیڑے کو کچھ شرف دوسرے کیڑوں پر نہیں دوسری بات یہ ہے کہ اپنا نسب حقیقی پہچانے اور باپ اور دادے کو خیال کرے اس کا باپ تو ایک نطفہ ناپاک ہے! ور دادا مٹی اور خاک ذلیل ہے چنانچہ خدائے تعالےٰ نے اس نسب کو قرآن مجید میں بتلا دیا ہے جیسا کہ فرمایا الذی احسن کل شئ خلقه وبدا خلق الانسان من طين ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين ٭ پس جس کی اصل خاک ذلیل ہو جو پامال ہوتی رہتی ہے اور پھر اس کی مٹی کا خمیر کیا گیا ہو یہاں تک کہ سیاہ اور بدبودار ہو گئی ہو وہ تکبر کیسے کرتا ہے جس کی طرف اِس کی نسبت ہے وہ تو سب میں ذلیل ہے جیسا کہ کہتے ہیں فلانا خاک سے زیادہ ذلیل ہے اور کائی کیچڑ سے زیادہ بدبودار اور پیشاب سے زیادہ ناپاک ہے پس اگر خاک کی طرف آدمی کی نسبت بعید ہے تو قریب ہی چیز کی نسبت کو دیکھنا چاہیے کہ وہ نطفہ یا مضغہ ہے اس کے لحاظ سے بھی اپنے آپ کو حقیر ہی جاننا چاہیے اور اگر اس کے لحاظ سے رفعت ہی ہوتی ہو تو جو اس کی اصل ہے وہ خاک ہے اس کو بھی رفعت نہیں جب نہ باپ میں رفعت نہ دادے میں تو اولاد میں کہاں سے آئی اس سے معلوم ہوا کہ جب اصل آدمی کی خاک سے ٹھہری اور علیحدہ نطفے سے ہوا تو نہایت درجے کا برا نسب ہے اس لیے کہ جو اس کی اصل ہے وہ تو پاؤں تلے ملی جاتی ہے اور جس سے جدا ہوا ہے وہ اگر بدن کو لگ جاوے تو دھو لیا جاتا ہے پس جو شخص اس نسبت حقیقی کو پہچانے گا وہ تکبر نہ کرے گا ؎

زخاک آفریدت خداوند پاک ٭ پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

اور بعد اس معرفت اصل اور امر واقعی کے کھلنے سے متکبر بالنسب کی ایسی مثال ہو گی کہ ایک شخص اپنے آپ کو ہمیشہ سید جانتا ہے اور اس کے باپ نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ہم سید ہیں اسی جہت سے اس کو تکبر شرافت نسب کا تھا اِسی

ت جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی اور شروع کی انسان کی پیدائش کو ایک گارے سے پھر بنائی اُس کی اولاد نچڑے پانی بیقدر سے ۱۲

حال میں چند سچے لوگوں نے کہ جن کے قول میں جھوٹ کا شک نہیں یہ بیان کیا کہ یہ شخص حجام کا لڑکا ہے اور اس دعوی کو خوب برہان و حجت سے اس کو سمجھا دیا کہ اس کے دل میں کچھ شبہہ باقی نہ رہا اور جان لیا کہ یہ لوگ سچ کہتے ہیں تو اب اس شخص کو کچھ غرور نسب کا نہ رہے گا بلکہ اپنے جی میں سب آدمیوں سے حقیر ہو جاوے گا اور اس اپنی ذات کا ایسا دھیان دل میں جمے گا کہ دوسروں پر تکبر کرنا سب بالائے طاق ہو گا یہی حال دانا و بصیر شخص کا ہے جب اپنی اصل کو سوچتا ہے اور جانتا ہے کہ مٹی اور نطفے سے بنا ہوا ہوں تو تکبر نہیں کرتا اس لیے کہ مثلاً اس کا باپ بھنگی یا حجام یا کوئی اور ذلیل کام والا ہوتا تو یہ شخص اپنے آپ کو کمینہ سمجھتا اس وجہ سے کہ باپ کوڑا اور مٹی اٹھاتا تھا یا خون میں ہاتھ تر رکھتا تھا تو جب یہ معلوم ہو گا کہ خود میں ہی خاک اور خون سے بنا ہوں تو بطریق اولیٰ اپنا کمینہ ہونا سمجھے گا دوسرا سبب کبر کا جمال ہے اور اس کی دوا یہ ہے کہ اپنے باطن کو عاقلوں کی طرح دیکھے اور بہائم کی طرح ظاہر حال کو معائنہ نہ کرے اور جب باطن کو دیکھے گا تو ایسی فضیحتیں سوجھیں گی جن سے جمال کا کبر گرد ہو جاوے گا مثلاً تمام اعضا میں آدمی کے پلیدی پر ہے پیٹ میں براز ہے اور مثانے میں پیشاب اور ناک میں رینٹھ اور منہ میں تھوک اور کانوں میں میل اور رگوں میں خون اور جلد میں پیپ اور بغل میں بدبو ہے اور باوجود اس کے دن میں ایک بار یا دو بار پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے اور ہر روز ایک بار یا دو بار پیٹ کی بلا ٹالنے کو پاخانے میں جاتا ہے اور وہ ایسی چیز ہے کہ اس کا دیکھنا بھی مکروہ معلوم ہوتا ہے چھونا اور سونگھنا درکنار اور یہ سب اسی واسطے ہے تاکہ ہر وقت اس کو دھیان اپنی ناپاکی اور ذلت کا بنا رہے یہ حال تو حیات کا ہے اور ابتدائے خلقت جس سے ہوئی ہے وہ معلوم ہی ہے کہ نطفہ اور خون حیض سے ہے اور دو بار پیشاب کے راستے سے نکلا ایک بار باپ کی پشت سے جب ماں کے پیٹ میں گیا اور رحم میں جو خون حیض کی جگہ ہے رہا اور ایک بار جب ماں کے پیٹ سے دنیا میں آیا چنانچہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہم کو خطبے میں ہمارے نفسوں کی ناپاکی ظاہر کرنے کو فرماتے کہ تم لوگ پیشاب کی جگہ سے دو بار نکلے ہو اور اسی بنا پر طاؤسؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے کہا تھا کہ یہ چال اُس شخص کی نہیں جس کے پیٹ میں غلاظت ہو جیسا کہ یہ قصہ اوپر گزرا یہ ابتدا و وسط کا حال ہے۔ اور اگر ایام حیات میں ایک روز بھی اپنے بدن کی صفائی اور غسل نہ کرے تو بدبو اور پلیدی ایسی ہو جاوے جیسے چوپایوں میں ہوتی ہے وہ کبھی اپنے آپ کفیل اپنی صفائی کے نہیں ہوتے۔ پس جب آدمی تامل کرے کہ میں پلیدیوں سے پیدا اور پلیدیوں ہی میں رہا اور مرنے کے بعد بھی مردار پلید ہی ہو جاؤں گا تو اپنے جمال کو باعث فخر نہ سمجھے گا۔ وہ تو گھوڑے پر کا سبزہ ہے کہ ظاہر میں ہرا ہرا معلوم ہوتا ہے اور اصل ناپاک ہے یا جنگل کا گلزار ہے کہ ابھی اچھا معلوم ہوتا ہے اور کچھ دنوں بعد تنکا تنکا ہوا میں مارا مارا پھرتا ہے۔ اور اگر بالفرض حسین آدمی کا جمال دیرپا ہوتا اور ان سب خرابیوں سے مبرا تب بھی اس پر واجب تھا کہ اپنے جمال سے بدصورت پر تکبر نہ کرتا اس لیے کہ بدصورت کی بدصورتی اس کے اختیار میں نہ تھی کہ اس سے بچ رہتا اور نہ خوبصورت کی خوبصورتی اس کے اختیار میں ہے کہ اس کی تعریف کی جاوے اور اب تو جمال کو کیا کچھ قیام ہی نہیں ہر دم یہ خوف لگا ہوا ہے کہ جاتا رہے ذرا سے مرض یا چیچک یا زخم یا کسی اور سبب سے زائل ہو جاتا ہے اور ایسا بہت واقع ہوا ہے کہ خوبصورت آدمی

انہیں اسباب سے بدصورت ہو گیے ہیں تو ان باتوں کو جاننا اور اکثر سوچنا دل میں سے جمال کے کبر کو اکھاڑ دیتا ہے تیسرا سبب تکبر کا زور و قوت ہے اس کا علاج یہ ہے کہ جو مرض اور بیماریاں آدمی پر مسلط ہیں ان کو تامل کرے کہ اگر ایک رگ میں بھی درد ہو جاتا ہے تو سب عاجزوں سے بدتر ہو جاتا ہے اور سب سے زیادہ ذلیل بن جاتا ہے

چو عضوئے بدرد آورد روزگار ؂ دگر عضوہا را نماند قرار

اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اگر کوئی مکھی کچھ چھین لے تو اس سے نہیں لے سکتا اور اگر مچھر ناک میں گھس جاوے یا چیونٹی کان میں چلی جاوے تو باعث ہلاک ہو اور اگر کانٹا پاؤں میں لگ جاوے تو عاجز کر دے ایک دن کے بخار میں مدت کا زور جاتا رہتا ہے پس جس شخص سے تحمل کانٹے کا نہ ہو سکے اور مچھر اور چیونٹی کی تاب نہ لاوے اور مکھی کو اپنے اوپر سے نہ ٹال سکے اس کو چاہیے کہ اپنی قوت کا فخر نہ کرے اور اگر بالفرض انسان طاقتور ہی ہو تو گدھے اور گائے اور ہاتھی گھوڑے سے زبردست نہ ہوگا پھر ایسی صفت پر کیا فخر رہا جس میں بہائم بڑھ کر ہوں چوتھا سبب تو انگری اور کثرت مال ہے اور اسی میں کثرت یار و مددگار اور بادشاہوں کی طرف سے حکومت پانے پر تکبر کرنا بھی شامل ہے اور ان میں سے ہر ایک چیز پر تکبر کرنا جمال و قوت وغیرہ کے تکبر کے مانند نہیں اس واسطے کہ جمال وغیرہ تو داخل انسان تھا یہ چیزیں تو اس کی ذات سے خارج ہیں اور یہ قسم تکبر کی سب سے بری ہے اس لیے کہ جو اپنے مال کا تکبر کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کوئی اپنے گھوڑے یا گھر کا تکبر کرتا ہے تو اب اگر گھوڑا مر جاوے یا گھر مسمار ہو جاوے تو ذلیل کا ذلیل رہ جاوے گا اور جو شخص بادشاہوں کی طرف سے حکومت پانے پر متکبر ہے اور اپنے آپ میں کوئی وصف نہیں رکھتا اس نے اپنے کلام کی بنیاد اس دل پر رکھی ہے جو ہنڈیا سے بھی زیادہ جوش رکھتا ہے یعنی بادشاہوں کا دل ہمیشہ متغیر رہتا ہے گاہ بسلامے برنجند وگاہ بدشنامے خلعت و ہند اور اگر ذرا سی بات میں بگڑ جاویں تو جو لوگ اپنے آپ کو ذی عزت سمجھتے تھے وہ سب سے ذلیل ہو جاتے ہیں اور جو شخص ایسی چیز سے تکبر کرے جو اس کی ذات میں نہ ہو وہ کھلا جاہل مثلاً جو تو انگری کا تکبر رکھتے ہیں اگر تامل کریں تو کفار میں ان سے زیادہ ثروت والے ہیں پس تف ہے ایسے شرف پر کہ جس میں کفار بڑھ کر ہوں اور تف ہے ایسے فضل پر کہ جس کو چور ایک لحظے میں چرالے اور مالک ذلیل اور مفلس رہ جاوے غرضکہ یہ اسباب ایسے ہیں کہ آدمی کی ذات میں داخل نہیں اور جو ذات میں داخل ہیں ان کا ہمیشہ قائم رکھنا آدمی کے اختیار میں نہیں اور آخرت میں وبال و مصیبت کے باعث ہوں گے پس ان پر فخر کرنا عین جہالت ہے اور یہ بھی بات قابل غور ہے کہ جس چیز پر آدمی کو اختیار نہیں وہ اس کی ملک نہیں ہو سکتی اور یہ سب چیزیں ایسی ہی ہیں کہ آدمی کے اختیار میں نہیں بلکہ مالک حقیقی کے اختیار میں ہیں۔ اگر وہ چاہے تو پاس رہ سکتی ہیں اور نہ چاہے تو نہیں رہ سکتیں آدمی تو ایک غلام مملوک ہے کہ کسی چیز پر اس کا قابو نہیں تو جس کو یہ حال معلوم ہو جائے اس کا کبر ضرور ہی دور ہونا چاہیے مثلاً کوئی شخص عاقل اپنی قوت و جمال اور مال و دولت اور حریت اور استقلال اور زیادتی مکانات اور کثرت جاہ و حشم کا فخر کرتا ہے اسی اثنا میں دو عادل گواہوں نے کسی منصف حاکم کے سامنے گواہی دی کہ یہ شخص فلانے کا غلام ہے کیونکہ اس کے ماں

یا پ اس کے مملوک تھے اور حاکم نے بغور اطلاع مالک کو خبر کر دی اور مالک نے آکر اس پر بھی قبضہ کر لیا اور تمام اس کا مال لے لیا اور وہ باوجود مال جاتے کے یہ بھی خوف رکھتا ہے کہ کہیں ان اموال میں افراط و تفریط کرتے اور اصل مالک کو اطلاع نہ دینے کی سزا نہ ملے کہ مالک کی جستجو میں تقصیر کیوں کی اور اس پر اور مصیبت یہ کہ وہ شخص ایسے گھر میں بند کیا جاوے کہ جہاں سانپ بچھو اور حشرات الارض بہت سے ہوں کہ ہر دم ہر ایک سے ڈرے اب اس کا حال یہ ہو گیا کہ نہ تو اپنی جان کا مالک ہے نہ مال کا اور نہ کوئی تدبیر نجات کی جانتا ہے تو بھلا ایسا شخص جس کا یہ حال ہو وہ اپنی قدرت اور ثروت اور قوت و کمال کا فخر کرے گا یا اپنے دل میں ذلیل و خفیف ہو گا۔ یہی حال عاقل بصیر کا ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے نفس کو ایسا ہی جانتا ہے کہ نہ میں مالک اپنی گردن کا ہوں نہ بدن کا نہ اعضا اور مال کا اور باوجود اس کے آفات اور شہوات اور امراض کو اپنے لیے سانپ بچھو سمجھتا ہے اور ہر دم ان سے خوف ہلاک ہونے کا ہے پس جس کا یہ حال ہو وہ اپنی قوت و قدرت کا تکبر نہیں کرنے کا کیونکہ اس کو تو معلوم ہے کہ نہ مجھے کچھ قدرت ہے نہ قوت تو جو اسباب تکبر کے آدمی کی ذات سے خارج ہوں ان کے علاج کا طریق یہی ہے اور یہ طریق علم اور عمل پر تکبر کرنے کے علاج کی بہ نسبت آسان ہے اس لیے کہ علم و عمل نفس کے دو کمال ہیں اور نفس کا خوش ہونا ان سے زیبا ہے مگر ان سے تکبر کرنے میں ایک طرح کی خفیہ جہالت ہے جس کا ہم ذکر کرتے ہیں چھٹا سبب تکبر کا علم ہے اور وہ بڑی آفت اور بڑے امراض میں سے جن کا علاج سہل نہیں بلکہ نہایت محنت و شدت سے ہوتا ہے اس واسطے کہ علم کی قدر خدا تعالیٰ کے نزدیک اور بندوں کے نزدیک بڑی ہے اور اس کی قدر مال و جمال سے اور سب چیزوں سے بڑھ کر ہے بلکہ مال و جمال کو کچھ بھی رتبہ نہیں اگر علم و عمل ان کے ساتھ نہ ہوں اور اسی جہت سے حضرت کعب بن احبارؓ فرماتے ہیں کہ علم کی طغیانی مثل مال کی طغیانی کے ہے اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب عالم لغزش کھاتا ہے تو اس کی لغزش سے ایک عالم لغزش کھاتا ہے پس چونکہ فضائل علم کے شریعت میں اس کثرت سے ہیں اسی لیے عالم آدمی سے نہیں ہو سکتا کہ اپنے آپ کو جاہل سے بڑھ کر نہ جانے اور اس کبر کے دور کرنے کے لیے اس کو دو باتوں کا جاننا چاہیے اول تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حجت اہل علم پر مستحکم تر ہے اور جاہل سے اتنا برداشت کیا جاتا ہے کہ عالم سے اس کا دسواں حصہ بھی برداشت نہیں کیا جاتا کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور علم کا حق نعمت ادا نہ کرے اس سے زیادہ کیا گناہ ہو گا اور یہیں لحاظ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے روز عالم بلایا جاوے گا اور دوزخ میں ڈال دیا جاوے گا اس کی انتڑیاں نکل پڑیں گی اور اس کو ایسا چکر دیں گی جیسا گدھا چکی پھراتا ہے دوزخی اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے کہ تیرا کیا حال ہے کہے گا کہ میں دوسروں کو نیکی کا امر کرتا تھا اور خود نیکی نہ کرتا تھا اور بدی سے دوسروں کو منع کرتا تھا اور اس کا مرتکب تھا اور خداوند کریم نے عالم بے عمل کو گدھے اور کتے سے مشابہت دی ہے چنانچہ فرمایا
ت!

ح! بخاری و مسلم بروایت اسامہ بن زید باب العلم میں گزری ۱۲

ت۲۔ مثل الذین حملوا التورٰة ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارًا اس آیت سے علمائے یہود مراد ہیں اور بلعم بن باعورا کے حال میں فرمایا ت۳ واتل علیھم نبأ الذی اٰتیناہ اٰیاتنا فانسلخ منھا یہاں تک کہ فرمایا، مثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بلعم کو کتاب عنایت ہوئی تھی اس نے شہوات زمین کو پسند کر کے ہمیشہ اس پر رہنا چاہا اور اس کے لیے حکمت کا دیا جانا یا نہ دیا جانا برابر ہے وہ کسی صورت میں شہوات نہ چھوڑے گا پس عالم کو یہی خطرہ کافی ہے کونسا عالم ہے جس نے اتباع شہوات نہ کیا ہو اور کون سا عالم ہے جس نے ایسی نیکی کا امر نہ کیا ہو جس کا عامل خود نہ ہوا ہو تو جس عالم کے دل میں یہ نسبت جاہل کے اپنی قدر زیادہ معلوم ہو اس کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جیسے میری قدر بڑی ہے ویسی ہی دوسروں کی نسبت مجھے اندیشہ بھی بہت زیادہ ہے دونوں باتیں ایک دوسرے کا بدلہ ہوگئیں اور عالم کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کو دشمنوں کی کثرت سے اپنی جان کا اندیشہ ہو کہ ایسا شخص اگر گرفتار ہو جاوے اور سیاست کیا جاوے تو اس وقت یہی تمنا کرتا ہے کہ اگر فقیر ہوتا تو خوب ہوتا اسی طرح بہت عالم قیامت میں اسی بات کی آرزو کریں گے کہ کسی طرح جاہلوں ہی کی طرح بچ جاویں معاذ اللہ عنہا غرض یہ خطر مانع تکبر ہے اس لیے کہ اگر دوزخی ہے تب تو سور بھی اس سے بہتر ہے تو تکبر کس بات کا کرتا ہے عالم کو نہ چاہیے کہ اپنے جی میں صحابہؓ سے بڑھ کر ہو دیکھو ان میں سے بعض فرماتے تھے کہ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور بعض ایک گھاس کا تنکا اٹھاتے اور کہتے کہ اگر میں یہ تنکا ہوتا تو خوب ہوتا اور بعض فرماتے کہ اگر میں پرندہ ہوتا اور لوگ کھا جاتے تو اچھا ہوتا اور خوف سے بعض ارشاد کرتے کہ کیا خوب ہوتا جو میرا ذکر ہی دنیا میں نہ ہوتا یہ سب اقوال انجام کے خوف کے سبب تھے اپنے آپ کو پرند اور بُرا سمجھتے تھے اور جب عالم خطر عاقبت کا فکر زیادہ کرے گا تو باطل کبر جاتا رہے گا اور اپنے نفس کو سب خلق سے برا جانے گا اور اس کی مثال ایسی ہوگی کہ مثلاً کسی غلام کو اس کے آقا نے چند باتوں کا حکم دیا اُس نے ان کو کرنا شروع کیا مگر بعض امور ترک کر دیے اور بعضوں میں نقصان کر دیا اور بعضوں میں شک ہے کہ آقا کی مرضی کے موافق ادا ہوئے یا نہیں پھر اس کو ایک خبر رساں نے خبر دی کہ تیرے آقا نے ایک ایلچی بھیجا ہے۔ اور تجھ کو اس مال و متاع سے ننگا اور ذلیل کر کے بلایا ہے کہ اپنے دروازے کے باہر دھوپ کی گرمی میں بہت دیر تک ڈالے رہے گا اور جب تیرا خوب ناک میں دم آجاوے تب تیرا حساب دیکھے گا اور سب کام تھوڑے اور بہت کی باز پرس ہوگی بعد اس کے تجھ کو حکم ایک تنگ قید خانہ میں قید کرنے کا دیا جاوے گا کہ ہمیشہ عذاب میں رہے اور ایک دم راحت نہ پاوے اور اس غلام کو بھی معلوم ہے کہ میرے آقا نے اپنے بہت سے غلاموں کے

ت۲۔ کہاوت اُن کی جن پر لادی توریت پھر نہ اٹھائی انہوں نے کیسی کہاوت گدھے کی پیٹھ پر چلتا ہے کتابیں ۱۲ ت ۳ اور سنا اُن کو احوال اس شخص کا کہ ہم نے اُس کو دی تھیں اپنی آیتیں پھر ان کو چھوڑ نکلا پھر پیچھے لگا اس کو شیطان تو وہ ہوا گمراہوں سے اور ہم چاہتے تو اس کو اٹھا لیتے ان آیتوں سے لیکن وہ گر پڑا زمین پر اور چلا اپنے چاؤ پر تو اس کا حال جیسے کتا اس پر لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے ۱۲

ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ہے اور بعضوں کو معاف بھی کر دیا ہے مگر معلوم نہیں کہ میں کونسے فریق میں ہوں پس جب اُس کے سر پر یہ اندیشہ سوار ہو گا تو نفس بالکل پژمردہ اور ذلیل ہو جاوے گا اور غم اور خوف کرے گا عزت و کبر بالکل جاتا رہے گا کسی پر تکبر کرنا تو کیا معنے سب کے ساتھ تواضع سے پیش آوے گا کہ شاید میری سفارش تکلیف کے وقت کریں یہی حال عالم کا ہے کہ جب تامل کرے کہ میں نے کتنے حکم خدا کے تلف کر دیے اور اعضاء ظاہری سے جدا گناہ کیے اور باطن میں حسد و حقد و ریا و عجب و نفاق وغیرہ جدا موجود رہے اور آئندہ نہ معلوم کہ انجام کیا ہو گا اور باز پرس کے وقت کس طرح صورت رستگاری ہو گی تو بے شک کبر جاتا رہے گا دوسری بات عالم کے سوچنے کی یہ ہے کہ اس کو معلوم ہے کہ کبر خدا کے سوا اور کسی کو زیبا نہیں اور اگر میں تکبر کروں گا تو خدا کے نزدیک مغضوب ٹھہروں گا خدائے تعالیٰ میری تواضع ہی محبوب جانتا ہے چنانچہ اس کا ارشاد حدیث قدسی میں ہے کہ بندے کی قدر میرے نزدیک جب ہی تک ہے جب تک کہ اپنے نفس کی قدر نہ جانے اور اگر اپنے نفس کی قدر جانے گا تو میرے یہاں اس کی قدر نہیں تو ضرور ہوا کہ نفس سے ایسا ہی کام کیا جاوے جو خدائے تعالیٰ کو پسند ہو اور اس بات کا تامل کرنا تکبر کو کھووے گا گو اس کو یقین ہو کہ میں نے کوئی خطا نہیں کی مثلاً اگر ممکن ہو کہ آدمی گناہ نہ کرے تب بھی یہ تامل کرنا تکبر کو کھووے گا اسی تامل سے انبیاءؑ کا تکبر زائل ہوا کیونکہ ان کو یقین تھا کہ جو شخص خدائے تعالیٰ سے کبریائی میں نزاع کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس کو توڑ دیتا ہے اور خداوند کریم کا حکم ہے کہ اپنے نفسوں کو حقیر جانو تو تمہاری عزت ہمارے یہاں ہو غرضکہ یہ تامل بھی آدمی کے لیے بیشک باعث تواضع ہے اب اگر کوئی پوچھے کہ جو شخص عالم اور عابد ہو وہ فاسق اور بدعتی کے لیے تواضع کیسے کرے اور اپنے نفس کو اس کی نسبت کمتر کیسے سمجھے خدا کے نزدیک جو مرتبہ علم و عبادت کا ہے اس کا انکار کیسے ہو سکتا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ علم کا خطر تو اس کے دل پر گزرے اور فسق و بدعت کا جو قطعی زیادہ ہے وہ دل پر نہ گزرے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اس کا امکان خاتمہ کی فکر کرنے سے ہو سکتا ہے اس لحاظ سے اگر کافر کو دیکھے تو اُس پر بھی تکبر نہیں ہو سکتا اس لیئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لاوے اور ایمان ہی پر اُس کا خاتمہ ہو اور عالم گمراہ ہو کر کافر مرے اور بڑا وہی ہے جو آخرت میں خدا کے نزدیک بڑا ہو اور جو شخص خدا کے نزدیک دوزخی ہوا اور اس کو معلوم نہ ہو اس سے رتبہ میں کتا اور سور بہتر ہیں دیکھو حضرت عمرؓ کو قبل اسلام کے بہت مسلمان حقیر جانتے تھے اور کفر کے باعث نفرت کرتے تھے مگر آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا اسلام عنایت فرمایا کہ سوائے حضرت ابوبکرؓ کے اور سب سے بہتر ہوئے پس بندوں کو انجام کار پر نظر نہیں ہوتی اور دانا آدمی ہمیشہ خاتمے ہی کا لحاظ کرتے ہیں اور تمام فضائل دنیاوی خاتمے ہی کے واسطے مطلوب ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بندے کو یہی شایان ہے کہ کسی پر تکبر نہ کرے بلکہ اگر جاہل کو دیکھے تو دل میں یہ کہے کہ اس نے تو جہالت کے باعث خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کی اور میں نے جان بوجھ کر نافرمانی کی تو یہ شخص میری نسبت معذور تر ہے اور اگر عالم کو دیکھے تو یوں کہے کہ یہ مجھ سے زیادہ جانتا ہے میں اس کے برابر کیسے ہو سکتا ہوں اور اگر عمر میں بڑے کو دیکھے تو یہ خیال کرے کہ اس نے مجھ سے پہلے اللہ کی اطاعت کی میں اس کے برابر نہیں

ہو سکتا اور اگر چھوٹے کو دیکھے تو یہ تصور کرے کہ میں نے اس سے پہلے خدا کی نافرمانی کی اس کے برابر کیسے ہو سکتا ہے اور اگر بدعتی یا کافر کو دیکھے تو یہ سوچے کہ مجھے معلوم نہیں شاید اِن کا خاتمہ اسلام پر ہو اور میرا خاتمہ کفر اور بدعت پر ہو کیونکہ ہدایت ہمیشہ کچھ میرے اختیار میں تو نہیں جیسے کہ ابتدائے ہدایت میرے قبضہ میں نہ تھی غرض فکر خاتمے سے کبر اپنے نفس کا دور کرنا چاہیے یعنے یہ جاننا چاہیے کہ کمال آدمی کا اسی میں ہے کہ سعادت اخروی اور قرب الی اللہ سے بہرہ اندوز ہو یہ چیزیں جو دنیا میں ہیں اور جن کو کچھ قیام نہیں ان میں کچھ کمال نہیں اور ہرچند خطر خاتمہ کا متکبرین اور جس پر تکبر کرتا ہے اس میں مشترک ہے مگر ہر ایک پر یہی لازم ہے کہ یہ تمام ہمت اپنے نفس کی طرف مشغول ہوا اور اپنے خاتمہ کا خوف کرے دوسرے کے خوف میں مشغول ہونا نہ چاہیے اس واسطے کہ خائف آدمی نہایت ہی بدظن ہوتا ہے اور ہر ایک شخص کو اپنی ہی جان کا زیادہ خوف ہوتا ہے مثلاً اگر بہت سے لوگ قید میں ہوں اور اُن سے کوئی قصور ایسا ہوا ہو کہ سب کے واسطے گردن مارنے کا حکم ہوا ہو تو اُن کو اس بات کی مہلت نہ ہو گی کہ ایک دوسرے پر تکبر کریں گو تردد میں سب یکساں ہیں ہر ایک کو اپنی جان کا رنج دوسرے کے حال پر متوجہ نہیں ہونے دیتا گویا ساری مصیبت اور خطر ایک ہی کے سر ہے پھر اگر یہ کہے کہ تم کو حکم ہے کہ بدعتی اور فاسق سے بغض للہ رکھو اور تمہاری تقریر سے ان کے ساتھ تواضع کرنی پائی جاتی ہے تو ان دونوں باتوں کا جمع ہونا ضدین کا جمع ہونا ہے پس جاننا چاہیے کہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ اکثر لوگوں پر مشتبہ ہو جاتی ہے کیونکہ بدعت و فسق پر خدا کے لیے غصہ کرنے میں کبر نفس اور علم و ورع کا غرور بھی شامل ہو جاتا ہے بہت سے عابد جاہل اور مغرور عالم ایسے ہوتے کہ جہاں ان کے برابر کوئی فاسق بیٹھا اس کو اپنے پاس سے ہٹا دیتے ہیں اور کنارہ کشی کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے غصہ خدا کے واسطے کیا حالانکہ واقع میں یہ امر کبر باطن کی جہت سے سرزد ہوا جیسا کہ ابھی قصہ عابد بنی اسرائیل اور فسادی کا گذر چکا ہے اور وجہ مشتبہ ہونے کی یہی ہے کہ مطیع آدمی پر تکبر کرنا تو ظاہر ہے کہ بُرا ہے اُس سے بچنا بھی ممکن اور سہل ہے مگر بدعتی اور فاسق پر تکبر کرنا ایسا معلوم پڑا ہے کہ گویا خدا کے واسطے غصہ کیا ہے اور چونکہ غصہ خدا کے واسطے کرنا بہتر ہے اس واسطے بدعتی اور فاسق پر کبر بادی النظر میں بہتر معلوم ہوتا ہے علاوہ ازیں غصہ کرنے والا جس شخص پر غصہ کرتا ہے اس پر تکبر بھی کرتا ہے اور تکبر کرنے والا غصہ کرتا ہے پس کبر اور غضب ایک دوسرے کا موجب ہوتے ہیں اور ایسے باہم مختلط ہیں کہ ان میں تمیز سوائے توفیق یافتگون کے اور کسی کو نہیں ہو سکتی پس اس مخمصے سے نجات کی صورت یہ ہے کہ جب آدمی کسی بدعتی یا فاسق کو دیکھے یا ان کو امر معروف اور بری بات سے منع کرے تو تین باتیں دل میں اُس وقت موجود ہونی چاہئیں اوّل یہ کہ جو خطائیں آپ سے سرزد ہوئی ہوں وہ پیش نظر کرے تاکہ اپنا نفس اپنی آنکھوں میں حقیر ہو جاوے دوسرے یہ کہ جس بات سے اپنے آپ کو فضیلت ہے یعنی علم یا عمل صالح یا امر حق کا عادی ہونا وغیرہ اس کو یہ لحاظ کرے کہ خدائے تعالیٰ کے انعام اور احسان سے مجھ میں یہ باتیں ہیں میرے اختیار و قدرت سے نہیں ہیں کہ اپنے نفس کو ان کے باعث برا سمجھوں اور دوسرے پر تکبر کروں تیسرے یہ کہ اپنا اور دوسرے کا خاتمہ معلوم نہیں ہو سکتا ہے

کہ میرا خاتمہ برا ہو اور اس بدعتی یا فاسق کا خاتمہ اچھا ہو غرض ان تینوں باتوں کے پیش نظر رہنے سے تکبر سے محفوظ رہے گا باقی رہا یہ کہ ان تینوں باتوں کے ہوتے غصہ کیسے ہوگا تو معلوم کرنا چاہیے کہ غصہ اپنے مولا اور آقا کے لیے چاہیے اپنے نفس کی خاطر نہ چاہیے کیونکہ اُس کا حکم ہے کہ غصہ میرے واسطے کرو اپنے نفسوں کے لیے مت کرو پھر غصہ میں یہ نہ سمجھے کہ میں بچ جاؤں گا اور یہ بدعتی ہلاک ہو جاوے گا بلکہ اپنے نفس پر خوف خفیہ گناہوں کا جو خدائے تعالیٰ کو معلوم ہیں دوسرے کی نسبت زیادہ تر چاہیے اور معہذا خاتمہ کا حال بھی معلوم نہیں اب ہم ایک مثال لکھتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ کچھ ضرور نہیں کہ جو شخص خدا کے واسطے غصہ کرے وہ اس پر تکبر بھی کرے یا اپنا رتبہ اُس کے رتبہ سے بڑھ کر سمجھے فرض کرو کہ ایک بادشاہ کے ایک لڑکا اور ایک غلام ہے بادشاہ نے غلام کو لڑکے پر متعین کر دیا ہے کہ اس کی حفاظت کرنا اور حرکت خلاف ادب کرے اس پر مارنا اور نامناسب افعال پر جھڑک دینا پس اگر غلام کو اپنے آقا کی محبت اور اطاعت منظور ہوگی تو ضرور ہے کہ جب وہ لڑکا کچھ بے ادبی یا نالائق کام کرے گا اس پر غصہ ہوگا اور منع کرے گا اور مارے گا اور یہ غصہ صرف اپنے آقا کی جہت سے کرتا ہے کہ اُس نے حکم کیا تھا اور اس کی فرمانبرداری موجب فلاح و تقرب ہے اور غصہ ایسی بات پر کیا جو آقا کو بری لگتی ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس پر تکبر نہیں کرتا بلکہ متواضع ہی رہتا ہے اس لیے کہ جانتا ہے کہ آقا کے سامنے جو اس کا رتبہ ہے وہ میرا کہاں ہے اس لیے معلوم ہوا کہ غصہ کرنا اور چیز ہے اور تکبر اور چیز غصے کے لیے تکبر اور ترک تواضع ضروری نہیں اسی طرح جب آدمی کسی بدعتی یا فاسق کو دیکھے تو خیال کرے کہ شاید آخرت میں خدا کے نزدیک ان ہی کی قدر زیادہ ہو اگر تقدیر میں اُن کا خاتمہ اچھا لکھا ہے اور میرے تقدیر میں برا خاتمہ ہے جس کی مجھے خبر نہیں ہاں غصہ اس پر کرنا چاہیے اس نظر سے کہ خدائے تعالےٰ کا حکم ہے اور محبت الٰہی اسی کی مقتضی ہے کہ جو فعل اس کی مرضی کے خلاف جس کسی سے سرزد ہو اس پر غصہ کرے اور چونکہ ان شخصوں کا خدا کے نزدیک آخرت میں اپنے آپ سے اقرب ہونا ممکن ہے تو اس نظر سے ان کے ساتھ تواضع کرے۔ دانا عالموں کا بغض اسی طرح ہوتا ہے کہ اس میں خوف اور تواضع ملے رہتے ہیں اور مغرور اس کے برعکس ہیں وہ اپنے نفس کے واسطے دوسروں کی نسبت زیادہ توقع رکھتے ہیں اور انجام کا حال معلوم نہیں واقع میں ان کو بڑی غلطی ہوئی ہے تو جو لوگ گنہگار یا معتقد بدعت ہیں ان سے تواضع کرنی اور غصہ کرنے اور علیحدہ رہنے کا یہ طریق ہے ساتواں سبب عبادت اور ورع پر تکبر کرنا اور یہ بھی بندوں پر بڑے امتحان کی چیز ہے اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے دل میں تمام خلق کے ساتھ متواضع ہونا لازم کر لے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ سے علم زیادہ رکھتا ہو اس پر تو کسی صورت سے تکبر کرنا نہیں چاہیے اس لیے کہ علم کی فضیلت بہت ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے [1] ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنیٰ رجل من اصحابی..... [2] اسی طرح

[1] کیا برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ والے ۱۲ [2] عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت ایک ادنیٰ شخص پر میرے اصحاب میں سے ۱۲

[illegible] ۱۲

بہت روایات اس باب میں ہیں پس اگر عابد یوں کہے کہ اس سے فضیلت علماء باعمل کی ہے عالم فاضل کی فضیلت نہیں پائی جاتی تو اُس کا جواب یہ ہے کہ تم کو معلوم نہیں ان الحسنات یذھبن السیّئات ؎ اور جس طرح یہ ہو سکتا ہے کہ علم کے سبب عالم سے باز پرس ہو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ علم عالم کی نجات کا وسیلہ اور اس کے گناہوں کا کفارہ ہو اور یہ دونوں باتیں اخبار سے ثابت ہیں اور چونکہ یہ امر عابد آدمی سے پوشیدہ ہے اس کو معلوم نہیں ہو سکتا ہے کہ عالم کا علم اس کے حق میں کیسا ہو گا لہٰذا اس کو حقارت عالم کی نہ چاہیے بلکہ تواضع ہی چاہیے اور اس تقریر سے کوئی عالم بھی اپنے نفس کو عابد سے اچھا نہ جانے اس واسطے کہ گو یا باعتبار حدیث فضیلت عالم کے اس کو فضیلت ہے مگر اس اعتبار سے کہ خاتمہ کا حال مشکوک ہے اس امر کا بھی احتمال ہے کہ عالم مرنے کے وقت ایسا ہو جائے کہ ایک ہی گناہ کے سبب اس کا حال خدا کے نزدیک جاہل فاسق سے بھی برا ہو اور یہ اس گناہ کو خفیف سمجھتا ہو مگر خدا کے نزدیک وہ بڑا گناہ ہو اور جب یہ حال ممکن ہوا تو عالم کو ہمیشہ اپنے نفس کا خوف چاہیے غرضکہ عالم ہو خواہ عابد ہر ایک کو اپنے اپنے نفس کا خوف ضرور ہے اور اسی کا ان کو حکم ہے دوسرے کے نفس پر خوف کرنے کا مامور نہیں اپنے نفس پر ہمیشہ خوف کرتا رہے اور دوسرے کے واسطے رجا اور انہیں باتوں سے تکبر سے بچا رہے گا۔ یہ حال عابد کا عالم کے ساتھ ہے اور غیر عالم کی دو قسمیں ہیں ایک تو مستور الحال اور ایک ظاہر حال جن لوگوں کا حال اس پر منکشف نہیں ان پر بھی تکبر نہ چاہیے کیونکہ شاید وہ لوگ عابد کی نسبت کم گناہگار ہوں اور عبادت زیادہ کرتے ہوں اور خدا کے ساتھ محبت زیادہ رکھتے ہوں اور جن لوگوں کا حال کہ عابد پر ظاہر ہو پس ان پر تکبر جبھی کر سکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس نے تمام عمر ان لوگوں کی نسبت گناہ کم کیے ہیں اور چونکہ تعداد تمام عمر کے گناہوں نہ اپنے گناہوں کی معلوم ہو سکتی ہے نہ غیر کی تو یہ معلوم ہونا کہ ہمارے گناہ دوسرے کی نسبت کم ہیں غیر ممکن ہے اور اسی لیے تکبر کرنا بھی بے جا ہے ہاں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص نے ہماری نسبت گناہ کبیرہ زیادہ کیے ہیں مثلاً اگر کسی کو دیکھا کہ اس نے قتل ناحق کیا یا زنا کیا یا شراب پی تو معلوم ہوا کہ اُس کا گناہ سخت ہے مگر باوجود اس کے تکبر نہ چاہیے اس واسطے کہ دل کے گناہ مثلاً کبر اور حسد اور ریا اور خیانت اور اعتقاد باطل، اور وسوسہ خدا کی صفات میں یا اور اسی طرح کا گناہ سب خدا کے نزدیک بہت سخت ہیں تو ایسا ہو سکتا ہے کہ عابد آدمی کے باطن میں کوئی ایسا گناہ ہو جاوے جس سے وہ خدا کے نزدیک مستحق غضب ہو اور فاسق سے کوئی ایسی اطاعت قلبی مثل اخلاص یا محبت الٰہی یا خوف یا تعظیم کے بر روئے کار آوے جو عابد میں نہ پائی جاوے اور خدائے تعالےٰ اُس طاعت کے بدلے اس کے گناہ معاف فرماوے اور اس کا حال قیامت کو کھلے جب کہ عابد اس فاسق کو اپنے نفس سے بدرجہا اوپر دیکھے بہر حال فاسق کے بہتر ہو جانے میں امکان پایا جاتا ہے اور عابد کا برا ہو جانا ایک احتمال ضعیف و بعید ہے لیکن احتمالات بعید جو اپنے لیے مضر ہوں ان کو احتمال قریب ہی سمجھنا چاہیے بشرطیکہ خوف اپنے نفس کا ہو اسی لیے دوسرے

ت ۳؎ البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو ۱۲

کے حال کی فکر نہ چاہیے بلکہ جو چیز اپنے حق میں خوفناک ہے اسی کی فکر چاہیے کیونکہ اپنا گناہ دوسرا تو کوئی اٹھانے سے رہا اور نہ دوسرے کے عذاب سے اپنا عذاب ہلکا پڑے گا ایسی باتیں سوچنے سے طبیعت تکبر کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور اپنے نفس کو دوسرے سے بہتر نہیں سمجھتی۔ وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ آدمی کی عقل جب پوری ہوتی ہے جب اس میں دس خصلتیں ہوتی ہیں اُن میں سے نو بیان کر کے دسویں کو فرمایا کہ دسویں خصلت سے بزرگی کی پشتی ہو جاتی ہے اور بول بالا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سب آدمیوں کو اپنے آپ سے بہتر سمجھے اور اُس کے نزدیک دو طرح کے آدمی ہیں ایک تو وہ جو اُس سے افضل اور اعلیٰ ہیں اور ایک وہ جو اس سے کمتر اور ادنیٰ ہیں تو اُس کو دونوں فرقوں کے ساتھ تواضع چاہیے اگر اپنے آپ سے کسی بہتر کو دیکھے تو خوش ہو اور تمنا کرے کہ میں بھی ایسا ہی ہو جاؤں اور اگر برے کو دیکھے تو کہے کہ شاید یہ نجات پاوے اور میں ہلاک ہو جاؤں اور شاید یہ کچھ باطن میں خیر کرتا ہو جو اُس کے حق میں اچھی ہے اور میں نہ جانتا ہوں یا کوئی اور عمدہ عادت ہو کہ جس کے باعث اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور توبہ قبول فرما دے اور اس کا خاتمہ اچھا ہو اور میری نیکی ظاہری ہے یہ میرے حق میں اچھی نہیں اور جو طاعت کہ میں نے ظاہر میں کی ہے اس میں ہو سکتا ہے کہ کوئی آفت آگئی ہو جس سے اس کا ثواب جاتا رہا ہو جب دونوں فریق سے اس طرح پیش آوے گا تب اس کی عقل پوری ہو گی اور اپنے وقت کا سردار ہو گا انتہیٰ پس جو شخص کہ خدا کے نزدیک بدبخت ہو سکتا ہے اور قلم تقدیر بھی اس کی شقاوت پر چل چکا ہے اس کو تو کسی حال میں تکبر کرنا ہی نہ چاہیے اگر کسی کو غلبہ خوف ہوتا ہے تو ہر ایک شخص کو اپنے آپ سے بہتر جانتا ہے اور فضیلت اُسی کا نام ہے چنانچہ روایت ہے کہ ایک عابد ایک پہاڑ پر جا رہا اس کو خواب میں یوں حکم ہوا کہ فلانے موچی سے جا کر اپنے لیے دعا کرا عابد اس کے پاس آیا اور پوچھا کہ تمہارا عمل کیا ہے اس نے کہا کہ میں دن کو روزہ رکھ کر مزدوری کرتا ہوں اور اس میں سے کچھ خیرات کرتا ہوں اور کچھ بال بچوں کو کھلاتا ہوں عابد پھر آیا اور کہنے لگا کہ یہ عمل تو اچھا ہے مگر ایسا تو نہیں جیسا صرف خدا کی اطاعت کے سوا اور کچھ نہ کرے دوسری بار پھر خواب میں اس کو حکم ہوا کہ موچی سے جا کر پوچھ کہ تیرا رنگ زرد کیوں ہے جب آکر دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ جو آدمی مجھے نظر پڑتا ہے میں یہی تصور کرتا ہوں کہ یہ تو نجات پاوے گا اور میں ہلاک ہو جاؤں گا تب عابد نے کہا کہ اسی وجہ سے یہ شخص مقبول ہے۔ اور اس خصلت یعنی خوف کی فضیلت قرآن مجید سے بھی ثابت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت۱ یؤتون ما اٰتوا وقلوبھم وجلۃ انھم الیٰ ربھم راجعون[1] یعنی طاعات تو بجا لاتے ہیں مگر ان کے قبول ہونے کا بڑا خوف رکھتے ہیں اور فرمایا ان الذین ھم من خشیۃ ربھم مشفقون۔ اور فرمایا ت۲ انا کنا من قبل فی اھلنا مشفقین اور باوجودیکہ فرشتے گناہوں سے پاک اور ہمیشہ عبادت میں

ت۱۔ دیتے ہیں جو دیتے ہیں اور ان کے دلوں میں ڈر ہے کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے ۱۲ ت۲ البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں ۱۲ ت۳ ہم تھے اپنے گھر میں ڈرتے رہتے ۱۲

مصروف ان کا وصف بھی خوف سے فرمایا جیسا کہ اس آیت میں ہے ت۱ یسبحون الیل والنھار لا یفترون ھم من خشیۃ ربھم مشفقون ت۲ پس جب خوف اور حذر جاتا رہتا ہے جب ہی کبر سوجھتا ہے اور خاتمہ کے وقت غلبہ بے خوفی کا آپ جاتا ہے کہ کبر کرنا ہی دلیل بے خوفی کی ہے اور کبر اور بےخوف ہونا دونوں مہلک ہیں اور تواضع دلیل خوف کی ہے جو باعث نجات ہے اس سے معلوم ہوا کہ عابد جو اپنے دل میں کبر رکھتا ہو اور لوگوں کو حقارت کی آنکھ سے دیکھتا ہو اور ظاہر میں اعمال صالح بھی کرتا ہو تو جتنی برائی کہ کبر سے ہو گی اتنی بھلائی اعمال سے نہ ہو گی یہ باتیں ایسی ہیں کہ ان کا جاننا مرض کبر کو دل سے دور کرتا ہے ان کے سوا اور کسی چیز سے نہیں جاتا مگر یہ کہ نفس بعد اس معرفت کے تواضع پوشیدہ رکھتا ہے اور جھوٹا دعوی برائت کا کبر سے کرتا ہے جب کوئی بات آپڑتی ہے تو اپنی طبیعت پر ہی آجاتا ہے اور اپنے وعدے کو بھول جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صرف پہچان لینا کبر کا علاج کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کا پورا کرنا عمل سے چاہیے اور پہچان کبر کی تواضع میں متواضعوں کے افعال سے نفس کا امتحان لینا چاہیے ہر چند امتحان بہت سے ہیں مگر پانچ امتحانوں سے اس کے باطن کا حال معلوم ہو جاتا ہے پہلا امتحان یہ ہے کہ کسی اپنے ہمسر سے کسی مسئلہ میں مناظرہ ہوا اور اس وقت طرف مقابل کی زبان پر امر حق جاری ہو پس اگر اس پر امر حق کو ماننا اور اور طرف مقابل کا مشکور ہونا اور بیان حق پر اس کی تعریف کرنی گراں گذرے تو معلوم کرنا چاہیے کہ ابھی مجھ پر کبر چھپا ہوا ہے اس وقت چاہیے کہ خدا کا خوف کرے اور اس کبر کے علاج میں مشغول ہو اول علمی علاج کرے کہ اپنے نفس کو اس کی خست یاد دلاوے اور خاتمے کا تردد یاد کرے اور یہ کہ کبر سوائے خدا تعالی اور کسی کی شان کے شایان نہیں اور علاج عملی اس طرح کرے کہ قبول حق کا اقرار جو نفس پر گراں ہے اس کو بزور قبول کرے اور بتکلف زبان سے حمد و ثنا طرف مقابل کی کرے اور اس کا شکر گزار ہو کہ آپ نے خوب بات نکالی میں اس سے غافل تھا خدا تعالی آپ کو جزائے خیر دیوے غرضکہ دانائی کی بات مومن کی گم ہوئی چیز ہے جب اس کو مل جاوے جو جس شخص کے بتلانے سے ملے اس کا شکر گذار ہو جب اسی طرح چند مرتبہ مواظبت کرے تو یہ بات اس کی سرشت ہو جاوے گی اور دل پر امر حق کا قبول کرنا گراں نہ رہے گا۔ اور جب تک آدمی کو اپنے ہمسروں کی تعریف گراں گزرے جب تک کبر موجود ہے اور اگر تنہائی میں تو گراں نہیں معلوم ہوتی مجمع میں تعریف کرنا شاق معلوم ہوتا ہے تو اس صورت میں کبر تو نہیں مگر ریا ہے اس وقت ریا کا علاج کرے جیسا ہم نے پہلے لکھا ہے کہ لوگوں سے طمع منقطع کر دے اور دل کو یہ بات یاد دلاوے کہ اس کا نفع اسی میں ہے کہ خود اس میں کوئی کمال ایسا ہو جو خدا کے نزدیک اچھا ہو نہ خلق کے نزدیک اسی طرح کی اور باتیں جو ہم نے ریا کے علاج میں لکھی ہیں سوچے اور اگر تنہائی اور مجمع میں دونوں میں شاق معلوم ہو تو کبر اور ریا دونوں ہوں گے اور صرف ایک چیز سے نجات ہو جانے سے کچھ فائدہ نہیں جب تک کہ دوسرے سے بھی نہ بچے اس لیے دونوں کا علاج چاہیے کیونکہ دونوں مرض مہلک ہیں دوسرا امتحان یہ ہے

ت۱۔ یاد کرتے ہیں رات اور دن نہیں تھکتے ۱۲ ت۲۔ اور وہ اس کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں ۱۲

کہ اپنے ہمسروں اور برابر والوں کے ساتھ محفلوں میں جمع ہو اور ان کو اپنے اوپر ترجیح دے اور اُن کے پیچھے پیچھے چلے اور صدر جگہ میں اُن سے پیچھے بیٹھے اگر یہ بات نفس پر شاق ہو تو متکبر ہے اس پر مواظبت تبکلف کرے یہاں تک کہ اس امر کی گرانی دل سے جاتی رہے اس سے کبر بھی جاتا رہے گا اور ایسی صورت میں ایک شیطان کا فریب بھی ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آدمی جوتیوں کے پاس بیٹھتا ہے یا اپنے ہمسروں اور اپنے درمیان میں کسی ارذل قوم کو بھٹلا دیتا ہے کہ میں نے تواضع کی حالانکہ اصل میں کبر ہوتا ہے اس لیے کہ متکبروں کے نفس پر یہ بات آسان معلوم ہوتی ہے اور وہم کرتے ہیں کہ ہم نے باوجود استحقاق کے اپنی جگہ چھوڑ دی تو واقع میں تکبر کرتے ہیں مگر اظہار تواضع سے تکبر کرتے ہیں بلکہ یوں چاہیے کہ اپنے ہمسروں کے پاس ہی بیٹھے مگر ان سے دبا ہوا بیٹھے اس طرح بیٹھنا کبر کی برائی دل سے نکال ڈالتا ہے تیسرا امتحان یہ ہے کہ اگر کوئی فقیر دعوت کرے تو اس کو قبول کرے اور رفقا اور اقارب کی حاجات کے لیے بازار میں جاوے اگر یہ امر شاق ہو تو کبر ہے کیونکہ یہ افعال مکارم اخلاق میں سے ہیں اور ان پر بہت بڑا ثواب ہے پھر جو نفس ان سے نفرت کرتا ہے تو بجز اس کے کہ خبث باطنی ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے ایسی صورت میں اس کے دور کرنے میں مشغول ہو اور جو معارف کہ ہم نے کبر کے مرض کے دور کرنے میں ذکر کیے ہیں ان سب کو یاد کرے چوتھا امتحان یہ ہے کہ اپنے اور اپنے گھر والوں اور دوستوں کے کام کی چیز بازار سے گھر لے آوے اگر نفس اس بات کو نہ مانے تو کبر ہے پھر اگر تنہائی میں شاق نہ گذرے تو ریا ہے بہر صورت کبر اور ریا دونوں امراض دلی مہلک ہیں اگر ان کا تدارک نہ کیا جاوے اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے دل کا علاج تو بالکل چھوڑ دیا اور بدن کا علاج کرتے ہیں باوجودیکہ بدن کا علاج کریں یا نہ کریں ان کو موت بے شک آوے گی اور دلوں کو بدون سلامتی کے سعادت نہیں مل سکتی چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے الا من اتی اللہ بقلب سلیم[1] اور روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ سلامؓ نے ایک بار ایک لکڑیوں کا بوجھ اٹھایا لوگوں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے یہاں تو غلام اور چاکر تھے جو یہ کام کرتے آپ نے فرمایا کہ البتہ مگر میں نے اپنے نفس کا امتحان چاہا کہ اس کو برا تو نہیں جانتا۔ تو آپ کی ہمت کو دیکھنا چاہیے کہ اپنے نفس کے صرف عزم پر کفایت نہیں بلکہ امتحان بھی کر لیا کہ سچا ہے یا جھوٹا اور ایک حدیث[2] شریف میں ہے کہ جو کوئی میوہ یا انجیر وغیرہ اپنے آپ لے آوے کبر سے بری ہے پانچواں امتحان یہ ہے کپڑے گھٹیا پہنے اگر تنہائی میں نفس ان پر راضی نہ ہو تو کبر ہو گا اور اگر مجمع میں ایسا لباس پہننے سے نفرت کرے تو ریا ہے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ رات کو ٹاٹ پہنتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[3] کہ جو کوئی اونٹ کو باندھے اور اون کا کپڑا پہنے وہ کبر سے بری ہے اور فرمایا[4] کہ میں بندہ ہوں زمین پر کھانا کھاتا ہوں اور اون کا کپڑا پہنتا ہوں اور اونٹ کو باندھتا ہوں اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتا ہوں اور

---

[1] مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا ۱۲ [2] ح بیہقی اور شعب بروایت ابوامامہ بسند ضعیف یا ندک اختلاف ۱۲ [3] ح بیہقی در شعیب بروایت ابوہریرہؓ اور اس کی سند میں قاسم عمری نہایت ضعیف ہے ۱۲ [4] ح اس میں سے کچھ اوپر گذری ۱۲

غلام کی دعوت منظور کرتا ہوں جو میرے طریق سے پھرے وہ مجھ سے نہیں اور روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کسی نے عرض کیا کہ بعض لوگ جمعہ میں اس واسطے نہیں حاضر ہوتے کہ ان کے پاس کپڑے نہیں آپ نے صرف ایک عبا پہن کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ غرض یہ جگہ ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں ریا اور کبر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں جو خاص مجمع سے ہے اس کا نام ریا ہے اور جو تنہائی میں ہو اس کا نام کبر ہے اس کو خوب جان لینا چاہیے اس واسطے کہ جو شر کو نہیں جانے گا اس سے نہیں بچے گا اور جو مرض کو نہ پاوے گا اس کا علاج بھی نہ کر سکے گا۔

تواضع کی حد

جاننا چاہیے کہ مثل اور اخلاق کے اس خلق کے بھی تین درجے ہیں ایک درجہ زیادتی کی طرف جھکا ہوا ہے اس کا نام تکبر ہے اور ایک درجہ کمی کی طرف کو مائل ہے اس کا نام خست و ذلت ہے اور درجہ اوسط کا نام تواضع ہے اور عمدہ یہ بات ہے کہ درجہ اوسط یعنی تواضع کو اختیار کرنا چاہیے جس میں ذلت اور خست کی نوبت نہ پہنچے کیونکہ خدا ے تعالیٰ کے نزدیک اوسط امور محبوب ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے ہمسروں پر بڑھنا چاہے وہ متکبر ہے اور جو ان سے پیچھے رہنا چاہے وہ متواضع ہے مشتق وضع بمعنے رکھنے سے ہے یعنی اپنی قدر واجبی سے کسی قدر رکھ دینے والا اور عالم اگر کسی موچی کے واسطے اپنی جگہ چھوڑ دے پھر اٹھتے وقت اس کی جوتیاں سیدھی کرے اور دروازے تک پہنچانے جاوے تو اس کے حق میں یہ کام ذلت اور خست کا ہے یہ بھی اچھا نہیں بلکہ میانہ روی خدا کے نزدیک عمدہ بات ہے ہر ایک ذی حق کو اس کا حق دینا چاہیے اس طرح کی تواضع اپنے ہمسروں کے لیے زیبا ہے یا جو شخص اپنے رتبہ کے قریب ہو اور بازاری کے لیے عالم کی تواضع اسی قدر چاہیے کہ خندہ پیشانی ہو کر گفتگو کرے جو بات پوچھے نرمی سے پوچھے اور اگر وہ دعوت کرے تو قبول کرے اس کی حاجت میں حتی الوسع سعی کرے اس کے لیے کھڑا ہو جاوے اپنے آپ کو اس سے بہتر نہ سمجھے بلکہ اپنے نفس پر اس کی نسبت زیادہ خائف رہے اس کو بنظر حقارت نہ دیکھے کیونکہ اپنا اور اس کا خاتمہ معلوم نہیں۔ حاصل یہ کہ تواضع حاصل کرنے کے لیے اپنے برابریوں اور کمتر رتبہ والوں سے تواضع کیا کرے تاکہ عمدہ تواضع کا عادی ہونا آسان ہو جاوے اور کبر جاتا رہے جب یہ امر آسان معلوم ہوگا تب خلق تواضع اس میں ہو جاوے گا اور اگر شاق گذرے گا اور تبکلف یہ افعال کرے گا تو متکلف کہلاوے گا متواضع نہیں ہوگا کیونکہ خلق وہی ہوتا ہے جس کے باعث فعل بسہولت بے دشواری اور تامل صادر ہو اور اگر سہولت اس درجے کو پہنچے کہ اپنی قدر کی رعایت مشکل پڑ جاوے اور نوبت خوشامد اور ذلت کی پہنچ جاوے تو یہ بھی حد سے تجاوز کرنا ہے اس صورت میں کچھ ایک اپنے نفس کو برتری دینی چاہیے یہاں تک کہ درجۂ اوسط حاصل ہو اس لیے کہ ایماندار کو اپنے نفس کا ذلیل رکھنا درست نہیں اور درجہ اوسط جس کو صراط مستقیم سمجھنا چاہیے اس خلق اور دیگر اخلاق میں بہت باریک فرق ہے مگر مائل ہونا بخل کی نسبت لوگوں کے نزدیک اچھا ہے حد سے زیادہ اسراف اور حد سے زیادہ بخل دونوں مذموم ہیں اور ایک سے دوسرا برائی میں بڑھ کر ہے اسی طرح نہایت درجے کا تکبر اور نہایت درجے کی ذلت بھی مذموم ہیں اور ایک بہ نسبت دوسرے کے زیادہ برا ہے

اور بہتر میانہ روی ہے اور سب امور کو ان کی واجبی جگہ میں رکھنا جیسا کہ شریعت و عادت حکم دے اب اخلاق کبر و تواضع کو اسی قدر پر کفایت کرتے ہیں

دوسری فصل، خود پسندی اور اس سے متعلق پانچ باتیں

خود پسندی کی مذمت عجب کی برائی کتاب اللہ اور حدیث سے ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ویوم حنین اذا اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً[ت۱] اس کو بر سبیل انکار ذکر فرمایا ہے کہ یہ عجب اچھا نہ تھا اور فرمایا وظنوا انھم مانعتھم حصونھم من اللہ فاتاھم اللہ من حیث لم یحتسبوا[ت۲] اس آیت میں کفار پر قلعوں اور شوکت سے عجب کرنے کا انکار ہے اور فرمایا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً[ت۳] اس آیت کا مآل بھی عجب کرنے کی طرف رجوع کرتا ہے اور انسان سے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس عمل میں خطا ہے اس پر عجب کرتا ہے جیسے کہ صواب کے عمل سے عجب کیا کرتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثلث مھلکات شح مطاع وھوی متبع واعجاب المرء بنفسہ[ت۴] اور حضرت ابو ثعلبہؓ سے اثناء ذکر آخر اس امت میں ارشاد فرمایا کہ جب تو بخل کی پیروی اور ہوائے نفسانی کا اتباع اور اہل رائے کی خود رائی دیکھے تو اپنے آپ علیحدہ ہو جائیو اور حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ دو باتوں میں تباہی ہے ایک ناامید ہونا اور دوسرے عجب اور یہ اس لیے فرمایا کہ سعادت دو ہی باتوں سے ملتی ہے ایک طلب و کوشش دوسرے مستعد ہونا اور ناامید آدمی سعی و طلب نہیں کرتا اور معجب کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ میں سعید ہوں اور اپنے مطلب کو پہنچ چکا اور تحصیل حاصل اور امر محال کو کوئی طلب نہیں کرتا عجب والے کے نزدیک سعادت حاصل ہے اس لیے اس کے تحصیل سے باز رہتا ہے اور ناامید کے نزدیک سعادت کا ملنا محال ہے اس لیے عاجز ہے اس لیے حضرت ابن مسعود نے ان دونوں کو جمع کر کے مہلک بنایا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا تزکوا انفسکم ابن جریج اس کے معنے یوں فرماتے ہیں کہ جب آدمی کوئی امر نیک کرے تو یوں نہ کہے کہ میں نے کیا اور زید بن اسلم یہ فرماتے ہیں کہ اپنے نفسوں کو یہ اعتقاد مت کرو کہ نیکو کار ہیں اور یہی معنے عجب کے ہیں جنگ احد میں حضرت طلحہ آنحضرت صلعم پر بچانے کے واسطے گر پڑے کہ آپ محفوظ رہیں اور میرے ضرب لگے یہاں تک کہ حضرت طلحہؓ کی ہتھیلی زخمی ہوئی چونکہ اُن سے یہ کام بہت عمدہ سرزد ہوا تھا کہ اپنی جان کو حضرت پر فدا کر دیا تھا اس نظر سے ان کی نظروں میں بھی اس فعل کی عظمت تھی ان کے اس عجب کو حضرت

ت۱ اور حنین کے دن جب اترائے تم اپنی بہتایت پر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے ۱۲ ت۲ اور وہ خیال رکھتے تھے کہ ان کا بچاؤ ہے ان کے قلعے اللہ کے ہاتھ سے پھر پہنچا ان پر اللہ جہاں سے ان کو خیال نہ تھا ۱۲ ت۳ اور وہ سمجھتے ہیں کہ خوب بناتے ہیں کام ۱۲ ت۴ تین چیزیں مہلک ہیں بخل جس کا آدمی مطیع ہو اور خواہش نفس جس کا وہ پیرو ہو اور بڑا جاننا آدمی کا اپنے نفس کو ۱۲ کئی بار گزر چکی ۱۲ ح ابوداؤد ترمذی و ابن ماجہ ۱۲

عمرؓ نے فراست سے معلوم کر کے فرمایا کہ جب سے طلحہؓ کی انگلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زخمی ہوئی ہے تب سے ان میں عجب معلوم ہوتا ہے اور شوریٰ کے وقت جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر حضرت طلحہؓ کا کیا تو آپ نے فرمایا اس شخص میں بوئے نخوت ہے تو مقام غور ہے کہ جب ایسے لوگ عجب سے نہ بچے تو ضعیفوں کا بدون احتیاط کہاں پتا ہے۔ مطرفؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں رات بھر سونے میں کاٹوں اور صبح کو اس خواب غفلت سے نادم ہوں تو اس بات سے بہتر جانتا ہوں کہ تہجد پڑھوں اور صبح کو عجب کروں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لو لم تذنبوا لخشیت علیکم ما ھو اکبر من ذٰلک العجب العجب اس حدیث میں آپ نے عجب کو سب گناہوں سے بڑا فرمایا اور بشر بن منصورؒ چونکہ عبادت پر مواظبت رکھتے تھے اس لیے ان کا حال ایسا ہو گیا تھا کہ ان کو دیکھنے سے خدا اور روز جزا یاد آتا تھا ایک روز نماز بہت طویل پڑھی اور ایک آدمی آپ کے پیچھے دیکھتا رہا آپ نے سلام پھیر کر اس سے فرمایا کہ جو کچھ حال تو نے میرا دیکھا اس سے تعجب مت کرنا کیونکہ ابلیس خبیث نے فرشتوں کے ساتھ بہت مدت عبادت کی تھی اس کا مآل جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اور حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ آدمی برا کب ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ جب وہ خود گمان کرے کہ میں اچھا ہوں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذٰی من یعنی احسان جتانا نتیجہ صدقے کو بڑے جاننے کا ہے اور کسی عمل کا بڑا جاننا ہی عجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ عجب قطعاً برا ہے۔

خود پسندی کے نقصانات از آنجا کہ حسب مذکورۂ بالا عجب بھی ایک کبر کے اسباب میں سے ہے اس لیے عجب سے کبر پیدا ہو کر اس سے بہت سی آفتیں پیدا ہوتی ہیں اور یہ آفتیں تو بندوں کے ساتھ ہیں اور اگر خدا کے ساتھ دیکھے تو عجب سے اتنی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں گناہوں کا بھول جانا کہ بعض کو یاد و تلاش نہیں کرتا اس گمان سے کہ مجھے اب کچھ پروا نہیں رہی کہ اس کی تلاش کروں تو نسیاً منسیاً کر دیتا ہے اور اگر کسی گناہ کو یاد کرتا ہے تو اس کو صغیر جانتا ہے اس کے تدارک میں کوشش نہیں کرتا بلکہ جانتا ہے کہ یہ تو معاف ہو جاوے گا۔ اور عبادت و اعمال کا بڑا جاننا اور ان پر خوش ہونا اور ان کے کرنے سے خدا پر احسان کرنا اور خدا کی نعمت کو بھول جانا کہ اسی کی توفیق و قدرت سے یہ عمل کیا ہے پھر جب آدمی اپنے اعمال پر تعجب کرتا ہے تو اس کی آفات سے اندھا ہو جاتا ہے اور جو شخص آفات اعمال کو نہ جانے اس کی اکثر سعی ضائع ہو جاتی ہے مثلاً اعمال ظاہری اگر پاک و صاف و خالص از آمیزش نہ ہوں تو بہت کم نفع دیں گے اور آفات کی جستجو اسی کی ہوتی ہے جس پر خوف غالب ہو عجب والا تو

ح[۱] سو مت ہو ہوا پنی ستھرائیاں ۱۲ ح[۲] بخاری بروایت قیس بن ابی حازم ح[۳] اگر تم گناہ کرو تو مجھ کو تم پر اس سے بڑھ کر چیز کا خوف ہے وہ عجب ہے ۱۲ ابن حبان و بیہقی در شعب بروایت انس رضی اللہ عنہ اس کی سند میں سلام بن ابی جہدہ ضعیف ہے ۱۲ ح[۴] مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ستا کر ۱۲

اپنے نفس پر اور اپنے رب پر مغرور ہوتا ہے اور عذاب الٰہی سے مامون جانتا ہے کہ خدا کے نزدیک میرا ایک رتبہ ہے اور گویا خدا پر میرا حق اور احسان ہے یعنی وہ عمل کہ خدائے تعالیٰ کی نعمتوں اور عطایا میں سے ہیں ان کے کرنے سے اپنے آپ کو ایسا سمجھتا ہے اور اسی عجب کے باعث اپنے نفس کی حمد و ثنا و تزکیہ کرتا ہے اور جب اپنی رائے اور عمل اور عقل پر عجب ہوتا ہے۔ تو استفادہ اور مشورہ لینے اور پوچھنے سے محروم رہتا ہے اپنی ہی رائے پر اصرار کرتا ہے اور اپنے سے زیادہ عالم سے سوال کرنا برا جانتا ہے اور اکثر رائے خطا ہی پر عجب کر کے اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ یہ بات ہمارے دل میں گذری اور دوسرے کے دل میں آتی تو خوش نہ ہوتا اسی وجہ سے اصرار اس پر کرتا ہے اور کسی نصیحت و وعظ والے کی بات نہیں سنتا بلکہ دوسروں کو جاہل کی طرح دیکھتا ہے اور اپنی خطاؤں پر مصر ہوتا ہے اگر یہ رائے امر دنیاوی میں ہوتی ہے تو نیل مرام سے محروم رہتا ہے اور اگر امر دینی میں خصوصاً عقائد میں ہو تو اس سے ہمیشہ کے واسطے تباہ ہوتا ہے اور اگر اپنی رائے پر اعتماد نہ کرتا اور نور قرآنی سے اقتباس کے واسطے علماء دین کی مدد لیتا اور درس علم پر مواظبت کرتا اور اہل بصیرت سے پیاپے پوچھتا تو حق تک پہنچ جاتا غرض اسی طرح کی خرابیاں عجب سے ہوتی ہیں اور اسی لیے عجب کو مہلکات میں سے جانتے ہیں اور سب میں بڑی آفت عجب کی یہ ہے کہ آدمی اس گمان سے کہ میں مطلب کو پہنچ گیا اور بے پروا ہو گیا سعی میں سستی کرتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ امر عین بربادی ہے خدا بچاوے۔

خود پسندی کی تعریف اور حقیقت

واضح ہو کہ عجب ایسے ہی وصف میں ہوتا ہے جو یقیناً کمال ہو اور جو شخص کہ اپنے نفس کا کمال کسی علم یا عمل یا مال میں جانتا ہے اس کی دو حالتیں ہیں اول تو یہ کہ اس کمال کے جاتے رہنے خواہ چھن جانے یا متغیر ہونے کا خوف اس کو لگا ہو تو ایسی حالت میں آدمی معجب نہ کہلاوے گا دوسرے یہ کہ اس کے زوال کا تو خائف نہیں مگر چونکہ اس کو نعمت من جانب اللہ جانتا ہے اس وجہ سے خوش ہوتا ہے نہ اس جہت سے کہ یہ کمال میری طرف منسوب ہے تو ایسا شخص بھی معجب نہیں اور ایک تیسری حالت اور ہوتی ہے جس کا نام عجب ہے وہ یہ ہے کہ نہ تو خوف زوال ہو اور نہ خوشی اس وجہ سے ہو کہ یہ کمال و رفعت خدائے تعالیٰ کی نعمت و عطا ہے بلکہ اس وجہ سے اطمینان و فرحت ہو کہ یہ کمال میری طرف منسوب ہے اور میرا ہی وصف ہے اور میں نے ہی اس کو پیدا کیا ہے ایسی حالت میں جب دل پر یہ بات غالب ہو کہ یہ نعمت منجانب اللہ ہے جب وہ چاہے گا چھین لے گا تو اس سے عجب جاتا رہے گا اس بیان سے تعریف عجب کی معلوم ہوئی کہ عجب یہ ہے کہ نعمت کو بڑا جانے اور اس پر مطمئن ہو اور اس کا منعم کی طرف منسوب ہونا یاد نہ رکھے اور اگر عجب پر اتنی بات اور زیادہ کرے کہ نفس میں یہ جماوے کہ خدا پر میرا حق ہے اور اس کے نزدیک میرا ایسا رتبہ ہے کہ اتنے عمل کی پاداش میں مجھے دنیا ہی میں توقع بڑائی کی ہے اور بعید ہے کہ مجھے کوئی آسیب پہنچے جیسا اور بدکاروں کو ہوتا ہے تو اس حالت کا نام ادلال بالعمل یعنی اپنے عمل پر ناز کہلاتا ہے گویا عمل کیا کرتا ہے اپنے نفس کا ناز بردار خدا کو سمجھتا ہے اور دنیا میں بھی یہ صورت ہوتی ہے کہ

آدمی کسی کو کچھ چیز دیتا ہے اور اس کو بڑا کام سمجھتا ہے اور اس پر احسان کرتا ہے اس بات سے تو صرف معجب ہوتا ہے لیکن اگر اس سلوک کے بدلے میں اس سے خواستگار خدمت کا ہو یا اس سے کچھ سوال کرے یا وہ اگر اس کی حاجتوں میں تن دہی نہ کرے تو اس بات کو بعید جانے تو اس کو ناز کہتے ہیں حضرت قتادہؓ نے اس آیت کی تفسیر میں [1] ولا تمنن تستکثر فرمایا ہے کہ اپنے عمل سے ناز مت کرو اور ایک حدیث [2] میں وارد ہے کہ نماز ناز کرنے والے کی اس کے سر سے اونچی نہیں اٹھتی اور اگر ہنسے تو اپنی خطا کا مقر ہو تو اس بات سے بہتر ہے کہ روو ے اور عمل پر ناز بیجا کرے خلاصہ یہ کہ ادلال کا مرتبہ عجب کے بعد ہے ادلال وہی کرے گا جو عجب کرے گا اور بعضے عجب والے ناز نہیں کرتے اس واسطے کہ عجب تو صرف نعمت کے بڑے جاننے اور منعم کے بھولنے سے ہوتا ہے اس میں یہ شرط نہیں کہ توقع جزا کی بھی ہو اور ادلال بے توقع جزا کے نہیں ہوتا پس اگر اپنی دعا کے قبول ہونے کی توقع کی اور جب قبول نہ ہوئی تو دل میں برا جانا اور تعجب کیا تو عمل پر ادلال کرنے والوں میں ہوگا کیونکہ فاسق دعا قبول نہ ہونے سے تعجب نہیں کرتا اپنی دعا غیر مقبول ہونے سے تعجب کرتا ہے یہ ہے بیان عجب اور ادلال کا اور یہ مقدمہ اور سبب کبر کا ہے۔

خود پسندی کا مختصر بیان جاننا چاہیے کہ علاج ہر بیماری کا یہ ہے کہ اسکا جو سبب ہو اس کی ضد سبب کے مقابل کی جاوے اور چونکہ سبب عجب کا جہالت محض ہے اسی لیے اس کا علاج وہ معرفت ہوگی جو اس جہالت کی ضد ہو اور عجب یا تو ایسے فعل سے ہوتا ہے جو بندے کے اختیار میں ہو جیسے عبادت اور صدقہ اور عزو یعنی جہاد اور خلق کی سیاست واصلاح یا ایسی چیزوں سے ہوتا ہے جن میں ان کو اختیار نہ ہو جیسے جمال اور قوت اور نسب وغیرہ اور از آنجا کہ صورت اول میں زیادہ عجب ہوا کرتا ہے بہ نسبت دوسری کے اس لیے ہم اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ آدمی جو ورع اور تقویٰ اور عبادت اور دوسرے اعمال سے عجب کرتا ہے تو دو اعتبار سے یہ عجب ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ معجب اس عبادت وغیرہ کا محل ہے اور ایک اس اعتبار سے کہ وہ عمل اس نے کیا ہے اور اسی کی قدرت واختیار سے ظہور میں آیا ہے پس اعتبار اول سے عجب ہے تو محض جہالت ہے اس واسطے کہ محل اور مکان کو کچھ دخل ایجاد اور تحصیل عمل میں نہیں وہ ایک مطیع و مسخر چیز ہے کہ دوسرے کے قابو میں رہتی ہے تو ایسی چیز پر کس طرح عجب کرتا ہے جس کا اختیار اپنے آپ کو نہیں اور اگر دوسرے اعتبار سے عجب کرتا ہے یعنی اس جہت سے کہ عمل میرے ارادے پر منحصر تھا اور میرے اختیار و قدرت سے کمال کو پہنچا تو سوچنا چاہیے کہ قدرت اور اختیار اور ارادہ اور اعضا اور تمام اسباب جن سے عمل پورا ہوا کہاں سے میرے پاس آئے پس اگر یہ سب چیزیں خدا کی نعمت سے ہیں کہ بلا کسی سابقہ حق اور وسیلے کے عنایت ہوئی ہیں تو چاہیے کہ عجب خدا کے کرم اور بخشش اور فضل پر ہو جس نے ایسا انعام کیا جس کا یہ مستحق نہ تھا اور بلا ذریعہ سابقہ کے دوسرے بندوں پر اس کو ترجیح دے مثلاً اگر بادشاہ اپنے

---

[1] اور نہ کر کہ احسان کرے اور چاہے بہت ۱۲ [2] اس کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۲

غلاموں کو دیکھے اور ان میں سے ایک کو خلعت دے اور اس میں نہ کوئی وصف ہو نہ جمال نہ کوئی خدمت نہ وسیلہ تو اس غلام کو چاہیے کہ اس بات پر تعجب کرے کہ بادشاہ نے جو یہ سرفرازی مجھ کو بخشی اور اوروں پر ترجیح دی اور بے استحقاق نوازا کمال بندہ پروری ہے اور اپنے نفس پر عجب کرنا بے معنی ہے اس کو ہرگز نہ چاہیے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ غلام عجب کرے اور کہے کہ بادشاہ بڑا عادل ہے ظلم نہیں کرتا نہ بے سبب تقدیم و تاخیر کسی کی کرتا ہے اگر اس نے مجھ میں کوئی صفت اچھی نہیں سمجھی تو خلعت کیسے عنایت فرمایا اس کو یوں کہنا چاہیے کہ وہ صفت جو تجھ میں ہے وہ بادشاہ کی عطا سے ہے کہ تجھی کو عنایت کی اور کسی کو نہیں دی یا کسی اور شخص کی طرف سے اگر وہ عطائے سلطانی ہی ہے تو تجھ کو عجب کرنا نہ چاہیے بلکہ اس کی صورت ایسی ہوگی کہ مثلاً پہلے تجھ کو گھوڑا دیا تو تو نے عجب نہ کیا جب اس نے مثلاً غلام دیا تو عجب کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میرے پاس چونکہ گھوڑا تھا اس واسطے بادشاہ نے مجھے غلام دیا دوسرے لوگوں کے پاس گھوڑا نہ تھا اس واسطے ان کو نہ دیا تو تجھ کو یہی کہا جاوے گا کہ گھوڑا بھی تو اسی نے دیا ہے اس میں کیا فرق ہوا کہ دونوں اکٹھے دے دیتا یا ایک پہلے دیا ایک پیچھے جب ہر ایک اسی کی دہش ہے تو تجھ کو چاہیے کہ اسی کے فضل و کرم کا عجب کرے نہ اپنے نفس کا اور اگر وہ وصف دوسرے کی عطا ہے تو البتہ ہو سکتا ہے کہ اس پر عجب کرے کیونکہ وہ بادشاہ کی عطا میں سے نہیں مگر یہ بات دنیا کے بادشاہوں میں ہو سکتی ہے بادشاہ حقیقی کے مقابل نہیں بن سکتی وہ تو سب چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے موصوف و صفت سب اسی کی ایجاد سے ہیں مثلاً اگر آدمی عبادت پر اس وجہ سے عجب کرے کہ خدا نے مجھ کو توفیق عبادت اس وجہ سے دی کہ مجھ کو محبت الٰہی تھی تو ہم پوچھتے ہیں کہ تیرے دل میں محبت کس نے پیدا کی ہے تو ضرور یہی کہے گا کہ خدا نے پیدا کی ہے تو ہم کہیں گے کہ محبت اور عبادت دونوں خدا کی نعمتیں ہیں کہ تجھ کو بے استحقاق اور بے وسیلہ عنایت فرمائیں تو عجب اس کی نعمتوں پر چاہیے کہ اپنے فضل سے تجھ کو وجود عنایت فرمایا اور اس میں صفات اور اسباب پیدا کیے اس سے معلوم ہوا کہ عابد کو اپنی عبادت پر اور عالم کو علم پر اور خوبصورت کو جمال پر اور تونگر کو مال پر عجب کرنا بے معنی ہے کیونکہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں اور اس کا وجود صرف ان نعمتوں کا محل ہے اور وہ بھی اسی کے فضل وجود سے ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ جو کام ہم کرتے ہیں اس پر توقع ثواب کی رکھتے ہیں تو اگر وہ کام بر سبیل اختراع خدا کا مخلوق ہے تو ہم کو ثواب کیوں ملتا ہے اور اگر وہ ہمارا ہے اور ہماری قدرت سے ہوا تو اس پر ہم عجب کیوں نہ کریں اسے کیسے بھول جائیں تو اس کا جواب دو طرح پر ہے ایک جواب تو حق صریح ہے اور دوسرے میں کچھ مسامحت ہے حق صریح تو یہ ہے کہ آدمی اور اس کی قدرت و حرکت اور ارادہ اور سب چیزیں خدا کی مخلوق اور اختراع کی ہوئی ہیں تو جب کبھی جو عمل کرتا ہے خواہ نماز پڑھتا ہے یا خاک پھینکتا ہے تو وہ نہیں کرتا بلکہ خدا کرتا ہے چنانچہ اس کی تصدیق ت وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی میں موجود ہے اور یہی بات درست ہے اہل دل کو اس کا ایسا مشاہدہ ہوا ہے

ت یعنی نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت پھینکی ہے لیکن اللہ نے پھینکی ۱۲

کہ آنکھ کے دیکھنے سے بھی زیادہ ہے اول خدائے تعالیٰ نے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کے اعضا میں قوت اور قدرت اور صحت پیدا کی پھر عقل اور علم اس کے لیے پیدا کیے اور ارادے کو پیدا کیا اگر آدمی چاہے کہ ان چیزوں میں سے کوئی خود اپنے نفس میں سے دور کر دے تو نہیں کر سکتا پھر اعضا میں جو حرکات پیدا کیں وہ بھی اپنے اختراع سے بنائیں ان میں کچھ شرکت انسان کی نہیں مگر اتنی بات ہے کہ خداوند کریم نے ان اشیاء کو بترتیب پیدا کیا مثلاً حرکت جب پیدا کی جب عضو میں قدرت پیدا کر چکا اور دل میں ارادہ جب پیدا کیا جب پہلے علم مراد کا پیدا کیا اور علم اس وقت پیدا کیا جب اس کا محل یعنی دل پیدا کر لیا تو یہ ترتیب خود خدائے تعالیٰ نے پیدائش کے باب میں رکھی کہ ایک کو دوسرے کے بعد بنایا اس سے آدمی کو خیال ہوتا ہے کہ میں خود موجد اپنے عمل کا ہوں اور حالانکہ یہ غلطی ہے اور اس کی توضیح اور یہ بات کہ خدا کے پیدا کیے ہوئے عمل پر آدمی کو ثواب کیسے ہوتا ہے باب الشکر میں لکھی ہے اس لیے کہ یہ مضمون اسی جگہ کے مناسب تھا جس کی طبیعت چاہے وہاں دیکھ لے اب ہم دوسرے جواب کو جس میں تھوڑی سی مسامحت ہے لکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آدمی اگر یہ جانے کہ عمل میری قدرت سے ہوا تو خیال کرے کہ قدرت کہاں سے آئی عمل کا ہونا بدون وجود عامل اور خود عمل اور ارادہ اور قدرت اور دوسرے لوازم عمل کے نہیں ہو سکتا اور یہ سب چیزیں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہیں آدمی کی جانب سے نہیں اگر عمل قدرت ہی سے ہوا ہے تو قدرت صرف بطور کنجی کے ہے اور وہ خدا کے قبضے میں ہے جب تک کنجی نہیں ملے گی انسان عمل کس طرح کرے گا کیونکہ عبادات سعادات کے خزانے ہیں ان کی کنجیاں قدرت اور ارادہ اور علم ہیں جو خدائے تعالیٰ کے اختیار میں ہیں فرض کرو کہ تم کو تمام دنیا کے خزانے ایک مضبوط قلعہ میں نظر پڑیں جس کی کنجی کسی محافظ کے پاس ہے پس اگر اس کے دروازے پر یا دیوار کے گرد ہزار برس پڑے رہو گے تو لینا تو کیا معنے اشرفی وغیرہ کا دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگا اور اگر محافظ تم کو کنجی حوالہ کر دے تو بہت سہولت سے اشرفیاں لے سکتے ہو کہ قفل کھولتے ہی ہاتھ بڑھایا اور لے لیں اب ہم پوچھتے ہیں کہ محافظ نے جو تم کو کنجی حوالہ کی اور قفل پر مسلط کر دیا اور اختیار میں چھوڑ دیا تب تم نے اپنا ہاتھ بڑھا کر دولت لی تو تم محافظ کے کنجی دینے پر عجب کرو گے یا اپنے ہاتھ بڑھا کر لینے کا عجب کرو گے اس میں تو شک نہیں کہ محافظ کے ممنون احسان ہو گے کیونکہ ہاتھ ہلانے کی محنت تو چنداں نہیں سب معاملہ کنجی ملنے پر تھا۔ اسی طرح جب قدرت دی گئی اور پکا ارادہ مسلط کیا گیا اور تمام دواعی عمل کے حرکت میں آئے اور موانع اور عوائق دور ہوئے یہاں تک کہ کوئی مانع دور ہونے سے نہ رہا اور نہ کوئی باعث فروگذاشت کیا گیا تب مطیع آدمی پر عمل کرنا آسان ہوا اور بواعث کا حرکت میں آنا اور عوائق کا دور ہونا اور اسباب کا ایسا ہونا سب منجانب اللہ ہوا کوئی چیز اپنی اختیاری نہ تھی پس تعجب ہے کہ آدمی اپنے نفس پر عجب کرے اور جس کے سبب سے یہ سب کچھ ہوا اس کے فضل وجود پر عجب نہ کرے کہ اس نے کس طرح اس کو فاسقوں پر ترجیح دی کہ ان پر تو سامان فساد کو مسلط کر دیا اور اس سے دور رکھا ان کے لیے دوست اور صحبتی بڑے بڑے ٹھہرائے اور اس سے دور رکھے ان کے واسطے اسباب شہوات و لذات مہیا کیے اور اس سے علیحدہ رکھے اُن سے خیر کے بواعث علیحدہ رکھے اور

اس کے لیے مہیار کھے یہاں تک کہ ان کو شر کی سوجھی اور اس کو خیر کی اور باینہمہ یہ باتیں جو کہیں تو کوئی وسیلہ سابقہ اس کی طرف سے اور کوئی پہلا جرم فاسقوں کی طرف سے نہ تھا بلکہ مطیع کو جو ترجیح و تقدم عنایت ہوا وہ بھی اسی کے فضل سے ہے اور گنا ہگار کو جو بعد اور شقاوت ملی وہ بھی اسی کے عدل سے تھی تو جب آدمی اس حال کو جان کر عجب کرے تو بڑے تعجب کی بات ہے پھر جس عمل پر کہ آدمی کی قدرت کارگر ہوتی ہے اس کے لیے بھی خدائے تعالیٰ ایک ایسا شوق اس میں پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے خلاف نہیں کر سکتا تو اگر واقع میں انسان ہی کسی فعل کا فاعل ہے تو گویا مضطر ہو کر اس فعل کو کرتا ہے اسی جہت سے شکر و احسان اسی کو سزاوار ہے جس نے انسان میں شوق اس فعل کا پیدا کیا انسان نے کیا کیا جو عجب کرے اور باب توحید و توکل میں بیان کیا جاوے گا کہ اسباب اور سبب متسلسل ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فاعل و خالق سوا خدا کے کوئی نہیں اور ایک طرفہ بات یہ ہے کہ جس شخص کو خدائے تعالیٰ نے عقل مرحمت فرمائی اور مفلس رکھا وہ بے علم توانگر کے حال سے تعجب کر کے کہتا ہے کہ باوجودیکہ میں عاقل و فاضل ہوں خدا نے مجھ کو ایک دن کی غذا بھی اچھی طرح نہیں دی اور یہ شخص باوجودیکہ غافل و جاہل ہے اس کو اتنی نعمت دنیا کی عنایت کی اور یہ اس کا تعجب اسباب کے قریب پہنچ جاتا ہے کہ اس فعل خداوندی کو ظلم تصور کرے اور اس مغرور کو یہ معلوم نہیں کہ اگر خدائے تعالیٰ اس کو عقل اور مال دونوں دیتا تو یہ فعل ظاہر میں زیادہ تر ظلم کے مشابہ ہوتا اس واسطے کہ تب فقیر جاہل کہتا کہ الٰہی تو نے اس کو دونوں چیزیں دیں مجھ کو دونوں سے محروم رکھا مجھ کو بھی دونوں خواہ ایک دی ہوتی اور اسی کی طرف اشارہ ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول میں جب ان سے کسی نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ عاقل مفلس رہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ عقل بھی رزق میں شمار ہو جاتی ہے اور زیادہ تر عجب یہ ہے کہ فقیر عاقل جو کسی جاہل کو اپنے آپ سے زیادہ بہتر حال دیکھتا ہے اگر اس سے کہا جاوے کہ تیرا دل چاہے تو اپنی عقل و مفلسی کا اس کی جہل و توانگری سے عوض کر لے تو اس کو ہرگز نہ مانے گا اس سے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کی نعمت اسی پر زیادہ ہے پھر تعجب کیوں کرتا ہے اسی طرح جو عورت خوبصورت مفلس ہو وہ اگر کسی بدصورت عورت کو زیور و جواہر سے آراستہ دیکھتی ہے تو تعجب کی راہ سے کہتی ہے کہ میرا ایسا جمال تو بے زینت رہے اور یہ بھونڈی صورت یوں آراستہ و پیراستہ ہو حالانکہ یہ نہیں جانتی کہ مال کے عوض اس کو خوبصورتی عنایت ہوئی اور اگر اس سے کہا جاوے کہ خواہ جمال اور افلاس کو اختیار کر یا بدصورتی اور توانگری کو تو جمال ہی کو پسند کرے گی اس سے معلوم ہوا کہ نعمت الٰہی اس پر بڑھ کر ہے اور جو شخص مفلس دانا اور عاقل ہو کر اپنے دل میں کہے کہ الٰہی تو نے دنیا سے مجھے کیوں محروم رکھا اور جاہلوں کو مرحمت کی تو اس کا یہ کہنا ایسا ہے جیسا کوئی بادشاہ کسی کو گھوڑا عنایت کرے تو وہ کہنے لگے کہ جہاں پناہ مجھ کو آپ غلام کیوں نہیں دیتے میرے پاس تو گھوڑا ہے بادشاہ جواب دے کہ اگر میں گھوڑا تجھے نہ دیتا تب تو تو غلام کے ملنے سے تعجب نہ کرتا فرض کر لے کہ میں نے تجھے گھوڑا نہ دیا کیا میری ایک نعمت کو دوسری کا ذریعہ کرتا ہے کہ میری ہی نعمت کو دوسرے کے واسطے حجت گردانتا ہے اسی طرح کے اوہام جاہلوں کو ہوا کرتے ہیں اور ان

سب کا منشا جہل ہے اور یہ وہم اس طرح جاتا ہے کہ یقیناً جان لے کہ بندہ اور اس کے عمل اور اوصاف سب منجانب اللہ نعمت ہیں اور بے استحقاق ملے ہیں اس علم سے عجب اور اولال جاتا رہتا ہے اور خضوع اور شکر اور خوف نعمت کے زائل ہونے کا دل میں سماتا ہے اور جو اس طرح سمجھے گا وہ اپنے علم و عمل پر عجب نہ کرے گا اس واسطے کہ جانے گا کہ یہ سب منجانب اللہ ہیں اور اسی واسطے جب حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب الٰہی میں فخریہ عرض کیا کہ الٰہی کوئی رات ایسی نہیں آتی کہ کوئی آدمی آل داؤد میں سے شب بیدار نہ ہو اور نہ کوئی روز ایسا آتا ہے کہ کوئی ان میں سے روزہ دار نہ ہو اور ایک روایت میں یہ ہے کہ کوئی ساعت رات دن کی ایسی نہیں گذرتی کہ کوئی عابد آل داؤد کا تیری عبادت نماز یا روزہ یا ذکر نہ کرتا ہو خدائے تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ یہ باتیں ان میں کہاں سے ہیں یہ تو صرف میرے ہی سبب سے ہیں اگر میری مدد تیرے اوپر نہ ہوتی تو کچھ طاقت نہ ہوتی اور دیکھ میں تجھ کو تیرے نفس پر چھوڑوں گا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد پر جو معاملہ گذرا وہ عمل پر عجب کرنے کی جہت سے تھا کیونکہ عمل کو آل داؤد کی طرف نسبت کر کے فخریہ بیان کیا یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو ان کے نفس پر چھوڑ دیا اور ایسا گناہ کیا جو موجب غم اور ندامت کا ہو اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی بنی اسرائیل تجھ سے دعا مانگتے ہیں طفیل حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کا کیوں کرتے ہیں ارشاد ہوا اس لیے کہ میں نے ان کو جانچا تو انہوں نے صبر کیا عرض کیا کہ الٰہی اگر تو میرا امتحان لے تو میں بھی صبر کروں گا اس میں ضمناً ادلال قبل از وقت پایا جاتا ہے حکم ہوا کہ میں نے ان کا امتحان جو لیا تھا تو یہ نہیں بتایا تھا کہ کس چیز میں امتحان لوں گا اور نہ یہ کہ کون سے مہینے اور کون سے دن لوں گا اور تجھ سے کہے دیتا ہوں کہ اسی برس اور اسی مہینے میں کل کو تیرا امتحان ایک عورت کے باب میں لوں گا بچار ہنا پھر جو کچھ اس معاملہ میں آپ سے سرزد ہوا وہ معلوم ہی ہے اسی طرح جب حنین کی لڑائی میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوت و کثرت پر تکیہ کیا اور خدا کے فضل کو بھول گیے اور کہنے لگے کہ آج قلت اور کمی کے باعث مغلوب نہ ہوں گے تو اپنے نفسوں پر چھوڑ دیئے گئے اور انجام یہ ہوا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے[۲] ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلن تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین روایت کرتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ الٰہی تو نے مجھ کو اس بلا سے امتحان کیا ہے میرے اوپر جب کوئی واقعہ گزرا ہے تو میں تیری رضا کو اپنی خواہش پر مقدم رکھا ہے بس ایک ابر میں سے دس ہزار آوازیں سنائی دیں کہ یہ بات تجھ کو کہاں سے حاصل ہوئی حضرت ایوب علیہ السلام نے خاک اپنے سر پر ڈال کر عرض کیا کہ الٰہی تجھ سے عنایت ہوئی اول بھولے ہوئے تھے پھر رجوع کر کے اپنے

اح ابن مردویہ در تفسیر اور اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے ۱۲ ت ۲ اور حنین کے دن جب اترائے تم اپنی بہتائیت پر پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہو گئی پھر زمین ساتھ اپنی فراخی کے اور پھر ہٹے تم پیٹھ دے کر ۱۲

صبر کو منسوب خدائے تعالیٰ کی طرف کیا اور اسی سے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ت[1] ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ مازکی منکم من احد ابداً اور حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو جو سب لوگوں سے افضل تھے فرمایا کہ ح[2] مامنکم من احد ینجیہ عملہ انت قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ ط اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ باوجود صفائے اعمال وقلوب کے اس حدیث سننے کے بعد اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ ہم خاک یا گھاس یا پرند ہوتے تو خوب تھا پس بصیرت والے سے اپنے عمل پر عجب کرنا اور نفس پر خائف نہ ہونا بہت بعید ہے یہ ہے علاج عجب کا جس سے بالکل مادہ عجب کا دل سے اکھڑ جاتا ہے اور جب یہ دل پر غالب ہو جاتا ہے تو خوف سلب نعمت کا اس کو عجب نہیں کرنے دیتا بلکہ جب کافروں اور فاسقوں کو دیکھتا ہے کہ بلا کسی گناہ سابق کے ان سے نعمت ایمان وطاعت چھین لی گئی تو اپنے نفس پر خوف کھاکر کہتا ہے کہ جس ذات کو یہ پروا نہیں کہ بے گناہ کو محروم کر دے اور بدون وسیلہ عنایت کرے اس کو کچھ پرواہ نہیں ہے کہ دیکر چھین لیوے ایسا اکثر ہوا ہے کہ مومن مرتد ہو گیا اور مطیع شخص فاسق ہو کر خاتمہ اچھا ہوا اس طرح کے خیالات کسی طرح اس کے دل میں عجب نہ آنے دیں گے واللہ اعلم۔

خود پسندی کے اسباب اور ان کا علاج | واضح ہو کہ جن اسباب سے تکبر ہوتا تھا انہیں سے عجب بھی ہوتا ہے جیسا پہلے مذکور ہوا اور کبھی عجب ایسی چیز سے بھی ہوتا ہے جس سے تکبر نہیں ہوتا مثلاً اپنی رائے خطا سے عجب کرنا جو جہل کے سبب اچھی معلوم ہوتی ہے اس لحاظ سے جن چیزوں سے عجب ہوتا ہے وہ آٹھ قسم ہیں اول یہ کہ اپنے جمال اور صورت اور صحت اور قوت اور تناسب اعضا یا اور متعلقات بدن سے عجب کرے اور صرف اپنی خوبصورتی پر التفات کر کے بھول جاوے کہ یہ خدا کی نعمت اور معرض زوال میں ہے اور علاج اس کا وہی ہے جو ہم نے جمال کے باعث کبر ہونے کے باب میں لکھا ہے یعنی اپنی ابتدا اور انتہائے امر کی ناپاکیوں کو سوچے اور سمجھے کہ پہلے کیسے کیسے خوبصورت اس خاک کے پیوند ہوئے اور قبر میں ان کے بدن ایسے بدبو دار ہو گیے کہ طبیعت کو ان سے نفرت ہو گئی ؎

خاک انہوں کا بستر ہے اور سر کے نیچے پتھر ہے :: آہ وہ شکلیں پیاری پیاری کیسے چاؤ سے پلیاں تھیں

دوسرے یہ کہ اپنے زور کے باعث عجب کرے جیسے عاد کی قوم نے کہا تھا جن کا حال قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ت[2] من اشد منا قوۃ جس طرح عوج نے اپنی قوت پر اعتماد کر کے ایک پہاڑ کو اٹھا کر چاہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر رکھ دے کہ سب اس کے تلے دب رہیں مگر خدائے تعالیٰ کے حکم سے چند

ت[1]۔ اور کبھی نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر نہ سنورتا تم میں ایک شخص کبھی ۱۲ ح[2] کوئی تم میں سے ایسا نہیں جس کو اس کا عمل بچاوے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ایسے ہیں رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ نہ میں ہوں مگر یہ کہ ڈھانپ لے اللہ مجھ کو اپنی رحمت سے ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہؓ ۱۲ ت[2] کون ہے ہم سے زیادہ زور میں ۱۲

بدبلہ وں نے جن کی چونچ نرم ہوتی ہے اس پہاڑ میں اس طرح سوراخ کیا کہ وہ پہاڑ اسی کی گردن کا طوق بن گیا اور کبھی ایماندار بھی اپنی قوت پر تکیہ کرتا ہے چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ایک رات میں سو عورتوں کے پاس جاؤں گا اور لفظ انشاء اللہ نہ کہا اس کے پاداش میں جو ان کا ارادہ تھا یعنی لڑکے کا ہونا اس سے محروم رہے اسی طرح قول حضرت داؤد علیہ السلام کا کہ الٰہی اگر تو میرا امتحان لے گا تو صبر کروں گا قوت پر بھروسہ ہونے کے باعث تھا اور قوت پر عجب کے باعث آدمی لڑائیوں میں گھس جاتا ہے اور اپنی جان کو خرابی میں ڈال دیتا ہے اور جو شخص اس کی ایذا کے درپے ہوتا ہے مار پیٹ میں سبقت کرتا ہے اور اس کے عجب کا علاج وہی ہے جو ذکر ہوا یعنی یہ سمجھے کہ ایک دن کے بخار سے آدمی کی طاقت ڈھیلی ہو جاتی ہے اور کیا عجب ہے کہ خدائے تعالیٰ عجب کے باعث کوئی ادنیٰ آفت نہ مجھ پر مسلط کر دے اور زور دور کر دے تیسرے یہ کہ اپنی عقل و کیاست پر عجب کرے کہ بہت دقیقہ رس اور دنیا و دین کی مصلحتوں کو خوب سمجھتا ہوں اور اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے پر اصرار کرنے لگتا ہے اور جو شخص اس کی رائے کے خلاف کہے اس کو جاہل تصور کرتا ہے اور کسی سے مشورہ نہیں لیتا اور اہل علم کی بات کم سنتا ہے اس وجہ سے کہ اپنی رائے کے سامنے ان کی حاجت نہیں سمجھتا ہے بلکہ حقیر اور ذلیل جانتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ جو کچھ مبدأ فیاض سے اس کو عقل عطا ہوئی ہے اس پر خدا کا شکر کرے اور سوچے کہ اگر ادنیٰ مرض میرے دماغ میں ہو جاوے تو وسواس و جنون ایسا ہو جاوے گا جس سے لڑکے ہنسیں گے اگر میں عقل پر عجب کروں اور شکر خدا بجا نہ لاؤں تو کیا بعید ہے کہ عقل سلب ہو جاوے اور چاہیے کہ اپنی عقل اور علم کو کم سمجھے کہ مجھ کو کچھ تھوڑا ہی آتا ہے گو زیادہ ہی پڑھا اور یہ جانے کہ جتنا لوگوں کو معلوم ہے اس قدر مجھے معلوم نہیں تو جو بات اور لوگوں کو بھی نہیں معلوم ہے اس سے تو بطریق اولیٰ جاہل ہوں گا اور اپنی عقل کو بیوقوفی اور نقصان کی تہمت لگا دے اور احمقوں کا حال دیکھے کہ اپنی عقلوں پر کیسے عجب کرتے ہیں اور لوگ ان پر ہنستے ہیں تو خوف کرے کہ کہیں میں بھی ویسا ہی نہ ہوں اور مجھے نہ معلوم ہو اس واسطے کہ جس شخص کی عقل میں قصور ہوتا ہے اس کو اپنا قصور کبھی نہیں معلوم ہوتا اسی لیے ضرور ہوا کہ اپنی مقدار عقل کو پہچانے اور یہ بات دوسرے کے کہنے سے معلوم ہو گی اپنے آپ کو معلوم نہیں ہو سکتی اور دشمنوں سے معلوم ہو گی نہ دوستوں سے کیونکہ جو شخص منہ دیکھی بات کہتے ہیں وہ تعریف کریں گے اس جہت سے عجب اور زیادہ ہو گا اور اس کے گمان میں یہ بات اس کے نفس میں بہتر ہو گی اور عجب کے باعث نفس کی جہالت نہ جانے گا چوتھے یہ کہ نسب کے باعث عجب کرے جیسے بعض سیدوں کو عجب ہوتا ہے اور خیال کرتے ہیں کہ شرف نسب اور آبا کے طفیل کے باعث ہماری مغفرت ہو جاوے گی اور بعض یہ خیال کرتے ہیں کہ تمام خلق ہمارے لونڈی غلام ہیں اور اس کا علاج یہ ہے کہ یوں جانے کہ جب میں نے افعال و اخلاق میں اپنے بڑوں کی مخالفت کی اور گمان کیا کہ میں ان کے درجے کو پہنچ گیا تو یہ جہالت ہے اور اگر ان کی پیروی کا دعویٰ ہے تو ان میں عجب کہاں تھا ان میں تو خوف اور اپنے آپ کو حقیر جاننا اور خلق کو بڑا سمجھنا اور نفس کی مذمت کرنی وغیرہ باتیں تھیں اور ان کو شرف طاعت اور علم اور عمدہ خصلتوں سے ہوا تھا نہ

نسب کی جہت سے تو ہم کو بھی وہی شرف حاصل کرنا چاہیے جو ان میں تھا ورنہ نسب میں تو آخر جن کی اولاد میں اپنے اکابر تھے ان کی اولاد میں بہت سے قبائل ایسے ہیں جو ایمان خدا اور روز جزا پر نہیں رکھتے اور خدا کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی برے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ت۱ یا یھا النّاس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ یعنی تمہارے نسبوں میں کچھ فرق نہیں سب کی اصل ایک ہی ہے پھر فائدہ نسب کا ذکر فرمایا و جعلنٰکم شعوباً و قبائل لتعارفوا پھر فرمایا کہ شرف تقویٰ سے ہے نہ نسب سے ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم[۲] اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا کہ لوگوں میں سب سے بزرگ اور سب سے دانا کون ہے تو آپ نے یہ جواب ارشاد نہ فرمایا کہ جو میری نسل میں ہو بلکہ فرمایا کہ[۳] جو سب سے موت کو یاد کرے اور سب سے زیادہ اس کی تیاری کرے اور اس آیت کی شان نزول یہ تھی کہ حضرت بلالؓ نے فتح مکہ کے روز جب اذان دی تو حارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو اور خالد بن اسید نے کہا کہ یہ غلام حبشی اذان دیتا ہے اس وقت یہ حکم ہوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جماعت قریش ایسا نہ ہو کہ قیامت میں لوگ تو اعمال لادیں گے تم لوگ دنیا کو اپنی گردنوں پر لاد کر لاؤ اور محمد محمدؐ پکاروگے میں بھی یوں ہی جواب دونگا یعنی تم سے منہ پھیر لوں گا اس حدیث سے یہ غرض ہے کہ اگر دنیا کی طرف میل کروگے تو تم کو نسب قریش مفید نہ ہوگا اور جب یہ آیت اتری ت[۵] وانذر عشیرتک الاقربین۔ آپ نے سب کو ایک ایک کرکے پکارا یہاں تک کہ فرمایا اے فاطمہ محمدؐ کی بیٹی اور اے صفیہ عبدالمطلب کی بیٹی اور محمد کی پھوپھی تم اپنے واسطے آپ عمل کرو یہ مت جانو کہ میں تم کو کچھ خدا سے بچادوں گا تو جو شخص ان باتوں کو جانے گا اور تصور کرے گا کہ جس قدر تقویٰ کرونگا اسی قدر شرف پاوں گا اور میرے بزرگوں کی عادت بھی تواضع کی تھی تو ضرور تواضع اور تقویٰ میں انھوں کی اقتدا کرے گا اور نہ اپنے نسب کو اپنی زبان حال سے برا کہے گا کیونکہ منسوب تو اچھے لوگوں کی طرف ہوگا اور تواضع اور تقویٰ اور خوف میں ان جیسا نہ ہوگا تو گویا فرع کے برا ہونے سے اصل کی برائی ظاہر کرے گا۔ اب اگر کوئی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد اس قول کے کہ میں تم کو خدا سے کچھ نہ بچاؤنگا حضرت فاطمہؓ اور حضرت صفیہؓ سے یہ بھی کہا تھا[۷] کہ لیکن تم دونوں کو مجھ سے قرابت ہے اس کا حق نباہوں گا اور قوم سلیم کو فرمایا[۸] کہ کیا تم میری شفاعت کی توقع رکھتے ہو اور عبدالمطلب کی اولاد توقع شفاعت نہ کریں تو ان دونوں حدیثوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت میں اپنے قرابت والوں کو خاص کریں گے اور یہیں لحاظ سیدوں کو بھی توقع سفارش ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا متوقع ہے اور کہتا ہے ؎

ت۱ اے آدمیو ہم نے تم کو بنایا ایک نر اور مادہ سے ۱۲ ح۲ ابن ماجہ بروایت ابن عمرو ابن ابی الدنیا در ذکر الموت ۱۲ ح۳ ابو داؤد و ترمذی بروایت ابو ہریرہؓ ح۴ طبرانی بروایت عمران بن حصین بسند ضعیف اور قریش کی جگہ بنی ہاشم ہے ۱۲ ت۵ اور ڈر سنا دے اپنے نزدیک ناتے والوں کو ۱۲ ح۶ بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ بلفظ دیگر ۱۲

لب بجنباں پے شفاعت مامنگر برگناہ و طاعت ما ∴ اور سید بھی بشرطیکہ خدا کے غضب سے ڈرتا ہے اسی بات کا منتظر ہے کہ آپ کی شفاعت کا متوقع ہو لیکن خدا کے غضب میں اگر مبتلا ہوا تو پھر کسی کو اس کی شفاعت کی اجازت نہیں شفاعت کے اعتبار سے گناہ کی دو قسمیں ہیں ایک تو ایسے گناہ جو موجب غضب الٰہی کے ہوں ان کی شفاعت کے لیے اجازت نہ ہوگی اور ایک قسم کے گناہ میں شفاعت کے سبب معاف ہوں گے جیسے دنیوی بادشاہوں کے یہاں ہوتا ہے کہ بعض خطا جرم کی ایسی ہوتی ہے کہ اس پر بادشاہ کو نہایت غصہ ہوتا ہے اس وقت جتنے مقربین درگاہ میں ان کو مجال سفارش نہیں ہوتی اسی طرح بادشاہ حقیقی کے یہاں بھی بعض گناہوں سے شفاعت کے باعث چھٹکارا نہ ملے گا بلکہ خود شفاعت ہی بے اذن نہ ہو سکے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [1] ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ اور فرمایا [2] من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ اور فرمایا [3] ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ اور فرمایا [4] فما تنفعہم شفاعۃ الشافعین ..... اور جب گناہ دو قسم کے ٹھہرے کہ کسی میں شفاعت منظور ہوگی اور کسی میں نہ ہوگی تو خوف کرنا واجب ہوا اور اگر سب گناہوں کی شفاعت ہو سکتی تو آپ قریش کو طاعت کے لیے امر نہ فرماتے اور حضرت فاطمہ زہرا اپنی لخت جگر رضی اللہ عنہا کو گناہ سے منع نہ فرماتے بلکہ ان کو اجازت دے دیتے کہ دنیا میں جتنا چاہو لذات و شہوات سے بہرہ اٹھا لو پھر آخرت میں ان کی شفاعت کر کے لذت آخرت بھی کامل دلواتے خلاصہ یہ کہ تقویٰ کو چھوڑ کر بتوقع شفاعت گناہوں میں ڈوبا رہنا ایسا ہے جیسا کوئی مریض پیٹ بھر کر بد پرہیزی کرے اور جانے کہ میرا معالج بڑا طبیب نامی اور نہایت مہربان باپ بھائی ہے بھی زیادہ میرے حال کا نگران ہے اور یہ محض جہالت ہے کہ (طبیب) کی کوشش و ہمت سے بعض امراض دور ہو سکتے ہیں کل نہیں ہو سکتے تو اس کے بھروسہ پر پرہیز کا چھوڑنا نہ چاہیے طب کا اثر صرف امراض خفیفہ اور غلبہ مرض کے وقت کارگر ہوتا ہے ہر وقت اثر نہیں ہوتا اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ عنایت شفاعت کرنے والوں کی خواہ انبیا ہوں یا صلحا قریبوں اور اجنبیوں کے حق میں ایسی ہے کہ کبھی منظور ہو اور کبھی نہ ہو اس سے بے خوف و حذر ہونا نہ چاہیے دیکھو سب خلق سے بہتر اصحاب رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کا خوف کے مارے یہ حال تھا کہ تمنا کرتے تھے کہ ہم چوپائے ہوتے تو خوب تھا باوجود یکہ تقویٰ بھی کامل رکھتے تھے اور حسن اعمال اور صفائے دلی بھی حاصل تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص اپنے واسطے وعدہ جنت سن چکے تھے اور شفاعت آپ کی سب اہل اسلام کے لیے عموماً جانتے تھے مگر کسی بات پر تکیہ نہ کیا نہ خوف و خشوع ان کے دل سے جدا ہوا تو جس شخص کو ان میں سے کوئی بات بھی میسر نہ ہو نہ معلوم کہ وہ کیسے عجب کرتا ہے پانچویں یہ کہ ظالم سلاطین کے نسب سے عجب کرے یا اپنے آپ کو ان کے اعوان میں سمجھ کر عجب کرے

ف [1]. طبرانی در اوسط و بیہقی در شعب بروایت ابن عباس اور دونوں سندیں ضعیف ہیں ۱۲ [2] اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اسی کی جس سے وہ راضی ہو ۱۲ [3] کوئی ایسا ہے کہ سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کے اذن سے ۱۲ [4] اور کام نہیں آوے گی سفارش اس کے پاس مگر اس کو جس کے واسطے حکم دیا ۱۲ [5] کام نہ آوے گی ان کو شفاعت شفاعت کرنیوالوں کی ۱۲

دین اور علم کے نسب سے نہ کرے تو یہ عجب بھی نہایت درجے کی جہالت ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ ان کی رسوائی کو سوچے کہ جو کچھ ان ظالموں نے اللہ کے بندوں پر ظلم کیا اور اللہ کے دین میں فساد مچایا اس کے باعث وہ لوگ خدا کے نزدیک مغضوب ہیں اور اگر دوزخ میں ان کی صورت نظر پڑے اور ان کی بدبو اور پلیدی سوجھائی دے تو پھر دیکھنے والا ان کو ایسا برا سمجھے کہ کبھی ان کی طرف نسبت اپنے آپ کو نہ کرے بلکہ جو ان کی طرف ان کو منسوب کرے اس کو بھی برا جانے ایسے اس کی نظروں میں ذلیل اور حقیر ہو جاویں اور اگر قیامت کے روز ان کا حال اس پر کھل جاوے کہ جن جن پر انہوں نے ظلم کیا تھا وہ لوگ ان کو پٹے ہوئے ہیں اور ان کو سر کے بال پکڑے ہوئے اوندھے منہ جہنم میں لیے جاتے ہیں اور بندوں پر ظلم کرنے کی جہت سے طرح طرح کی ذلت و رسوائی میں مبتلا ہیں تو خدا سے پناہ مانگے اور کہے کہ مجھے سور اور کتے کی قرابت منظور ہے ان لوگوں کی منظور نہیں غرضیکہ ظالموں کی اولاد کو چاہیے کہ اگر خدائے تعالیٰ ان کو ظلم سے بچاوے تو اس کا شکر کریں کہ ہمارا دین سلامت رکھا اور اگر ان کے آباء مسلمان تھے تو ان کے لیے استغفار پڑھیں ایسے لوگوں کے نسب سے عجب کرنا محض جہالت ہے چھٹے یہ کہ آدمی اس وجہ سے عجب کرے کہ میری اولاد یا خادم یا غلام یا اقربا یا یار و مددگار بہت ہیں جیسے کفار نے کہا تھا[ت۱] نحن اکثر اموالا و اولادا جیسا اہل اسلام نے غزوہ حنین میں کیا تھا کہ آج کمی کے باعث ہم مغلوب نہ ہوں گے اور اس کا علاج وہی ہے جو ہم کبر میں لکھ آئے ہیں کہ اپنا ضعف اور ان کا دھیان کرے اور جانے کہ سب کے سب بندہ ہائے عاجز ہیں اپنی جانوں کے واسطے کچھ نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتے اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے[ت۲] کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللہ علاوہ اس کے ان سے عجب کرنے سے کیا فائدہ یہ لوگ تو بعد موت کے سب جدا ہو جاویں گے قبر میں تنہا ذلیل و خوار جا پڑے گا نہ کوئی رفیق ہو گا نہ آشنا نہ باپ نہ بیٹا نہ یگانہ نہ بیگانہ بلکہ وہ خود ہی جا کر اس کی نعش کو خاک میں سانپ اور بچھو اور کیڑوں کے حوالے کر دیں گے اور ایسے آڑے وقت میں ان سے کچھ کام نہ نکلے گا اور اسی طرح قیامت کے میدان میں بھی پاس سے کھسک جاویں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[ت۲] یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ و صاحبتہ و بنیہ پس ایسے لوگوں سے کیا فائدہ ہے کہ جب شدت کی حاجت ان کی طرف ہو گی جب ہی جدا ہو جاویں گے اور اپنی اپنی راہ لگیں گے اور ان پر عجب کیسے آتا ہے قبر میں اور قیامت اور پل صراط پر بجز اپنے عمل اور اللہ کے فضل کے اور کچھ کام نہ آوے گا تو تعجب ہے کہ آدمی ایسی چیز پر تکیہ کرے جو کام نہ آوے اور جو ذات کہ اس کے نفع و ضرر اور موت و حیات کی مالک ہو اس کو بھول جاوے ساتویں یہ کہ مال سے عجب کرے جیسا خداوند کریم دو باغ والوں کا قول نقل فرماتا ہے انا اکثر منک مالا و اعز نفرا[۱] اور ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ[ح] ایک غنی کے پاس ایک فقیر آکر بیٹھا اس نے اپنے کپڑے سمیٹ لیے اور سکڑ گیا

ت[۱] ہم زیادہ ہیں مال میں اور اولاد میں ۱۲ ت[۲] بہت جگہ جماعت تھوڑی غالب ہوئی ہے جماعت بہت پر اللہ کے حکم سے ۱۲ ت[۲] جس دن بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں باپ سے اور اپنی ساتھ والی سے اور اپنے بیٹوں سے ۱۲ ح احمد در زہد ۱۲

آپ نے فرمایا کہ کیا تو اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کا افلاس تجھے لگ جاوے گا غرضکہ یہ عجب مال کا ہے اور علاج اس کا یہ ہے کہ مال کی آفتوں کو اور اس کے حقوق کی کثرت کو اور فقرا کی فضیلت کو اور جنت کی طرف ان کی سبقت کو سوچے اور یہ کہ مال صبح آتا ہے شام جاتا ہے اس کی کچھ اصل نہیں بہت سے کفار بھی مال و دولت زیادہ رکھتے ہیں اور اور اس حدیث کے مضمون پر غور کرے کہ اس اثناء میں کہ آدمی لباس پہن کر تبختر کرتا ہے اور دل میں خوش ہوتا ہے یکایک امر الٰہی زمین کو ہوتا ہے کہ اس کو نگل جاتی ہے اور قیامت تک دھنستا چلا جاتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ مال و نفس پر عجب کرنے کا ایسا عذاب ہوتا ہے حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں[۲] کہ میں ہمراہ رکاب جناب ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد شریف میں داخل ہوا آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر اپنا سر اٹھا پھر جو میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک شخص بہت عمدہ کپڑے پہنے ہے تھوڑی دیر کے بعد پھر فرمایا کہ اپنا سر اٹھا پھر جو میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک شخص پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر یہ شخص خدا کے نزدیک اس دوسرے جیسے تمام زمین بھر سے بہتر ہے حاصل یہ کہ ایسی روایتیں اور وہ باتیں جو ہم نے باب زہد اور باب ذم دنیا اور باب ذم مال میں لکھی ہیں ان سے حقارت اغنیاء کی اور شرف فقرا خدا کے نزدیک صاف ظاہر ہے پس ایماندار سے کس طرح ہو سکتا ہے کہ اپنی ثروت پر عجب کرے بلکہ تو یہی خوف لگا رہتا ہے کہ حقوق مال کے ادا کرنے میں کہیں قصور نہ ہوا ہو حلال وجہ سے لیا ہے کہ نہیں موقع پر صرف کیا ہے کہ نہیں اور جو ایسا نہیں کرتا وہ عجب کیا کرتا ہے اس کا مال تو بجز ذلت اور وبال کے اور کچھ نہیں آٹھویں یہ کہ اپنی رائے غلط پر عجب کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی شخص کے حال پر فرماتا ہے ت[۳] افمن زین لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا اور دوسری جا ارشاد ہے ت[۴] یحسبون انہم یحسنون صنعا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلط رائے پر عجب کرنا اس امت کے آخر زمانے میں ہوگا اور یہ ایسی بلا ہے کہ اس سے پہلی قومیں برباد ہو گئیں کیونکہ اسی سے ہر ایک فرقہ جدا جدا ہو گیا ہر ایک یہی جانتا ہے کہ میں ہی خوب جانتا ہوں اور اپنے ہی اعتقاد پر خوش ہے اور جتنے اہل بدعت و ضلالت ہیں سب اپنی بدعت و ضلالت پر اس لیے مصر ہیں کہ اپنی رائے پر عجب کرتے ہیں اور بدعت پر عجب کرنے کے یہ معنی ہیں کہ جس بات کی طرف آدمی کی خواہش اور شبہہ راغب ہو اس کو اچھا جانے اور اپنے گمان میں اس کو برحق سمجھے اور اس عجب کا علاج اوروں کی نسبت سخت تر ہے اس لیے کہ جس کی رائے غلط ہے وہ اپنی رائے کی غلطی سے ناواقف ہے اگر واقف ہو تو اس کو ترک کرے پس جس بیماری ہی کو نہیں جانتا اسکا علاج کیسے کرے گا اسی لیے اس کا علاج بہت مشکل ہے مگر عارف آدمی اس بات پر قادر ہے کہ جاہل کو اس کی جہل سے مطلع کر کے اس سے دور کر دے ہاں اگر وہ اپنی جہالت پر بھی معجب ہوگا تو عارف کی کب سنے گا بلکہ اس کو بھی الزام لگا دے گا کیونکہ اس پر خدائے تعالیٰ نے

ح[۱] بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ ح[۲] ابن حبان در صحیح خود ۱۲ ت[۳] بھلا ایک شخص کو جو بھلی سوجھائے اس کی برائی ۱۲ ت[۴] اور وہ سمجھتے ہیں کہ خوب بناتے ہیں کام ۱۲ ح[۵] یہ ٹکڑا ابو ثعلبہ کی حدیث کا ہے جو بیشتر ابھی گذری ہے

ایک بلا کو مسلط کر دیا ہے جو موجب اس کی بربادی کی ہے اور وہ اس کو نعمت جانتا ہے تو اس کا علاج کیسے ہو سکتا ہے اور جس چیز کو وہ اپنے اعتقاد میں سبب سعادت جانتا ہے اس سے وہ نفرت کیسے کرے گا تاہم علاج مجمل یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی رائے کو متہم جانے یعنی غلطی کی تہمت سے خالی نہ سمجھے اور اس کے دھوکے میں نہ آوے جب تک کہ کوئی دلیل کتاب اللہ اور حدیث سے یا کوئی دلیل عقلی صحیح جس میں سب شرطیں دلیلوں کی ہوں اس کی ممد و معاون نہ پاوے اور دلائل شرعی اور عقلی کا جاننا اور ان کی شرطیں اور مواقع غلطی کو پہچاننا ہر شخص کا کام نہیں اس کے واسطے طبیعت کامل اور عقل تیز اور تلاش اور استعداد قوی اور کلام مجید و حدیث کا روزمرہ مطالعہ اور اہل علم کے پاس ہمیشہ بیٹھنا اور مدام درس و تدریس کا شغل رکھنا چاہیے اور ان امور کے ہوتے بھی بعض امور میں انسان سے غلطی کا خوف موجود ہے اسی لیے جو شخص اپنی تمام عمر تحصیل علم میں مستغرق نہ کر سکے اس کے لیے یہ بہتر ہے کہ مذاہب کی باتوں پر کان نہ دھرے اور نہ ان میں خوض کرے صرف یہ اعتقاد کرے کہ خدائے تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی اس کے مانند ہے وہی سنتا دیکھتا ہے اور اس کا رسول مقبولﷺ برحق ہے جو کچھ اس نے خبر دی وہ سچ ہے اور طریقۂ سلف کو اختیار کرے اور جو کچھ احکام کتاب اللہ اور حدیث میں ہوں بے بحث و تکرار اور بدون سوال تفصیل کے مان لے اور آمنا و صدقنا کہہ کر معصیتوں سے پرہیز و تقویٰ کرے اور طاعتوں کو بجالاوے اور سب مسلمانوں سے بشفقت پیش آوے اور اگر مذاہب اور بدعتوں میں خوض کرے گا اور عقائد میں تعصب کا پابند ہو گا تو اسی طرح ہلاک ہو جاوے گا کہ اس کو خبر بھی نہ ہو گی یہ تو اس کا حال ہوا جو شخص علم کے سوا اور چیز میں اپنی زندگی میں مصروف ہو لیکن جو شخص کہ عزم کرے کہ صرف علم ہی کا ہو رہوں گا تو اس کے لیے اول مہم دلیل اور شروط دلیل کو پہچاننا ہے اور اس میں طول بہت کھنچ جاتا ہے اکثر مطالب میں یقین اور معرفت کو پہنچنا بہت دشوار ہے سوائے زبردست لوگوں کے جو نور الٰہی سے مؤید ہوتے ہیں اور کی قدرت نہیں کہ امر یقینی کو معلوم کرے اور ایسے لوگ اب بہت کمیاب ہیں خدائے تعالیٰ ہر گمراہی سے بچاوے اور جہاں کے خیالات سے بھی پناہ دے الحمد للہ اولاً و آخراً و صلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

دسواں باب: غرور یعنی مغالطہ

رباعی

ہیں جو کہ حیات دنیوی پر مغرور ⁂ بے شک ہے دماغ و عقل میں ان کے فتور

مرنے پہ کھلے گا ان کو یہ راز نہاں ⁂ چکھیں گے مزہ جب کہ بپاداش قصور

جاننا چاہیے کہ آدمی کے واسطے ہوشیار رہنا مفتاح سعادت ہے اور غرور و غفلت میں رہنا کلید شقاوت بندوں پر خدائے تعالیٰ کی نعمتوں میں ایمان و مغفرت سے بڑھ کر نہیں اور نہ کشادگی سینہ کے سوا کوئی اور چیز اس کی طرف وسیلہ ہے اور کفر و معصیت سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں اور نہ کوئی شے سوائے نابینائی دل اور جہالت

کے ان کی طرف داعی ارباب بصیرت کو دل ایسا عنایت ہوا ہے جس کی شان میں یہ آیت ہے ت۱ کمشکوٰۃ فیھا
مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ
ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار نور علی نور اور غفلت والوں کے دلوں کے دل کی یہ کیفیت ہے
فی بحر لجی یغشاہ موج من فوقہ موج من فوقہ سحاب ظلمات بعضھا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا
ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور ہوشیار ہو جو خدا ہدایت کرنا چاہتا ہے تو اسلام کے واسطے ان کے دل کھول دیتا ہے
اور غافل اور مغروروں کو بصیرت نہیں دیتا کہ وہ اپنے نفس کی ہدایت کے کفیل ہوں وہ لوگ ہواء نفسانی اور
شیطان ہی کو اپنا رہبر اور دلیل سمجھتے ہیں بہرحال چونکہ غرور سب شقاوتوں کی اصل اور منبع مہلکات ہے اس
لیے بیان کرنا اس کی راہوں کا اور تفصیل ان حالات کی جن میں غرور کثرت سے آتا ہے ضروری ہے تاکہ مرید بعد ان
کے پہچاننے کے ان سے احتراز کرے اسی واسطے ہم اقسام غرور و غفلت اور اصناف مغرورین کے قاضیوں اور علما
وصلحا سے بیان کرتے ہیں جو ظاہر امور کو اچھا جان کر ان کے باطن سے غافل رہتے ہیں اور اثنائے بیان میں وجہ ان
کی غفلت کی بیان کرتے جاویں گے اور اگرچہ یہ امر زائد از حد شمار ہے مگر مثالوں سے ایسی تنبیہ ہو سکتی ہے کہ
سب کی حاجت نہ رہے اور گروہ مغرور غافلوں کے اگرچہ بہت ہیں مگر چار اصناف میں سب آجاتے ہیں صنف
اول علما صنف دوم عابد صنف سوم صوفی صنف چہار ارباب دولت اور ان اصناف کے پھر بہت سے فرقے ہیں
اور ان کی غفلت و غرور کی وجہیں بھی مختلف ہیں مثلاً بعض لوگ امر منکر کو اچھا سمجھتے ہیں جیسے بعض لوگ مال حرام
سے مسجدیں بنا کر ان پر زیب و زینت کرتے ہیں اور اس کو کار ثواب جانتے ہیں اور بعض لوگ اس باب میں تمیز نہیں
کرتے کہ اپنے نفس کے واسطے کوشش کرتے ہیں یا خدا کے واسطے جیسے واعظ جن کی غرض خلق کے نزدیک قبول اور
اور جاہ کی ہوتی ہے اور بعض لوگ امر مہم کو چھوڑ کر دوسرے کام میں مصروف ہوتے ہیں اور بعض اشخاص فرض کو ترک
کر کے نفل میں مشغول ہوتے ہیں اور بعض آدمی مغز کو چھوڑ کر پوست کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جیسے نماز پڑھنے والا جس کی
ہمت صرف مخارج حروف ہی کی طرف ہو غرض اسی طرح کی بہت سی وجہیں ہیں کہ بدون تفصیل فرقوں اور بیان کرنے
مثالوں کے توضیح ان کی نہیں ہو سکتی اول ہم مذمت غرور کی اور اس کی حقیقت و تعریف اور مثالیں بیان کرنے کے بعد
علما کا غرور بیان کریں گے یہ باب مشتمل ہے دو بیانوں پر

۱ غرور کی مذمت اس کی حقیقت معہ امثلہ | واضح ہو کہ یہ دو آیتیں مذمت غرور کے لیے کافی ہیں

ت۱ جیسے ایک طاق اس میں ایک چراغ دھرا ایک شیشہ میں شیشہ جیسے ایک تارا ہے چمکتا تیل جلتا ہے اس میں نیک درخت برکت کے سے وہ
وہ زیتون ہے نہ سورج نکلنے کی طرف اور ڈوبنے کی طرف لگتا ہے اس کا تیل کہ سلگ اٹھے ابھی نہ لگی ہو اس کو آگ روشنی پر روشنی ۱۲ ت۲ جیسے
اندھیری گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر اس پر ایک لہر اس کے اوپر بدلی اندھیری میں ایک پر ایک جب لگائے اپنا ہاتھ لگتا
نہیں کہ اس کو سوجھے جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اس کو کہیں نہیں روشنی ۱۲

اول ت۱ فلا تغرنکم الحیٰوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور۔ دوسری ت۲ ولٰکنکم فتنتم انفسکم وتربصتم وارتبتم وغرتکم الامانی حتّٰی جاء امر اللہ وغرکم باللہ الغرور۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حبذا نوم الاکیاس وفطرھم کیف یغتبون سھرا الحمقیٰ وتربصتم وارتبتم وغرتکم۔۔۔۔۔۔۔۔۔ غرضکہ جو کچھ علم کی فضیلت اور جہل کی مذمت میں وارد ہے وہ غرور کی مذمت پر دلیل ہے اس واسطے کہ غرور بھی ایک قسم کی جہالت کا نام ہے۔ کیونکہ جہالت اس کا نام ہے کہ کسی چیز کو جیسی وہ ہے ویسی نہ جانے اور غرور بھی ایک جہل ہے مگر ایک جہل غرور نہیں بلکہ غرور کے لئے مغرور فیہ اور مغرور بہ بھی چاہیے پس جبکہ اعتقاد کی شے موافق مرضی نفسانی کے ہو اور کسی شبہہ یا خیال فاسد کو بزعم خود دلیل سمجھ کر اپنی جہالت پر اڑ جاوے اور واقع میں وہ شبہہ یا خیال دلیل نہ ہو تو جو جہل کہ اس وہمی دلیل سے حاصل ہو گا اس کو غرور کہتے ہیں۔ پس تعریف غرور کی یہ ہوئی کہ شیطان کے شبہہ اور مکر کے باعث نفس ایسی چیز پر جم جاوے جو ہوائے نفسانی کے موافق اور خواہش طبع کے مطابق ہو اس سے یہ لازم آیا کہ جو شخص کسی نکمے شبہہ سے حال یا مآل میں خیر کا معتقد ہو وہ مغرور ہے اور اکثر آدمیوں کا یہی حال ہے کہ اپنے نفسوں کے لیے بہتری کا گمان رکھتے ہیں حالانکہ ان کا گمان بہتری غلط ہے اس سے معلوم ہوا کہ اکثر لوگ مغرور ہیں مگر ان کے اقسام غرور جدا ہیں اور درجات بھی مختلف یہاں تک کہ بعضوں کا غرور بعض کی نسبت ظاہر تر اور شدید تر ہوتا ہے اور سب میں سخت تر دو غرور ہیں ایک تو کافروں کا اور ایک گناہگاروں اور بدکاروں کا اب ہم ان دونوں کی مثالوں کو لکھتے ہیں جس سے ان کے غرور کی حقیقت معلوم ہو **مثال** اور کافروں کے غرور کی ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کو حیات دنیا نے مغرور کر رکھا ہے اور بعضوں کو شیطان نے حیات دنیاوی نے جن کو مغرور کر رکھا ہے ان کا قول یہ ہے کہ نقد بہ نسبت ادھار کے بہتر ہے اور دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار تو اس سے دنیا ہی بہتر ٹھہری اسی کو اختیار کرنا چاہیے اور ان کا یہ بھی قول ہے کہ دنیا یقینی ہے اور آخرت موہوم اور یقین شک سے بہتر ہوتا ہے شک کے واسطے یقین کو چھوڑنا نہ چاہیے یہ شعر انہیں کے حسب حال ہے **شعر**

اب تو آرام سے گزرتی ہے　＊　عاقبت کی خبر خدا جانے

ت۱ سو نہ بہکاوے تم کو دنیا کا جینا اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز ۱۲ ت۲ لیکن تم نے بچلا دیا آپ کو اور راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہکے خیالوں پر جب تک آ پہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکایا اللہ کے نام سے اس دغاباز نے ۱۲ ح کیا خوب ہے سونا ہوشیاروں کا اور ان کا افطار یہ لوگ کیسے ناقص کر دیتے ہیں بے وقوفوں کی شب بیداری اور کوشش کو اور البتہ ایک عمل ذرہ کے برابر تقویٰ اور یقین والے کا بہتر ہے مغروروں کے زمین بھر عمل سے اس کی سند مرفوعاً نہیں ملی بلکہ ابن ابی الدنیا نے قول ابو داؤدؓ کا بیان کیا ہے ۱۲ ت۲ دانا وہ ہے جو ذلیل رکھے اپنے نفس کو اور کام کرے موت کے بعد کے لیے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہشوں کے درپے رکھے اور آرزو کرے اللہ سے نفرت کی ۱۲ ترمذی و ابن ماجہ بروایت شداد بن اوس ۱۲ ت۵ میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا خاک سے

اسی طرح کی دلیلیں سب نکمی ہیں اور مشابہ دلیل شیطانی کے ہیں جس نے کہا تھا ت۱ انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین اور ان لوگوں کا حال خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ت۲ اولئک الذین اشتروا الحیٰوۃ الدنیا الامتاع الغرور۳ اور فلا تغرنکم الحیٰوۃ الدنیا ......۵ اور اس طرح کے غرور کا علاج یا تو سچے ایمان ہی سے ہوتا ہے یا دلیل و حجت کی ضرورت ہوتی ہے پہلی صورت تو یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ان اقوال کو سچا جانے ت۲ ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باق اور و ما عند اللہ خیرا اور والآخرۃ خیر و ابقیٰ اور و ما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور اور فلا یغرنکم الحیٰوۃ الدنیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان کی خبر بہت سی جماعتوں کو کفار سے پہنچائی تو معاً زمرہ اسلام میں داخل ہوئے اور آپ کو سچا جانا اور ایمان لائے کوئی دلیل نہ مانگی اور بعض لوگ عرض کرتے ہیں کہ ہم آپ سے خدا کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ کیا خدائے تعالیٰ نے آپ کو رسول کر کے بھیجا ہے آپ فرماتے ت۶ کہ ہاں وہ لوگ ایمان لے آتے یہ ایمان عوام کا ہے غرور کے حیطے سے خارج ہے بلکہ ان کی تصدیق ایسی ہے جیسے لڑکا اپنے باپ کا قول سچ جانتا ہے یعنی جب وہ کہتا ہے کہ مکتب کا جانا کھیل کی جگہ جانے سے بہتر ہے تو لڑکا سچ جانتا ہے گو وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ کس وجہ سے مکتب کا جانا بہتر ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وجہ اس قیاس کے فاسد ہونے کی معلوم ہو جاوے جو شیطان نے گڑھ کر دل میں جما دیا ہے کیونکہ ہر ایک مغرور کے غرور کا ایک سبب ہوتا ہے اور اسی سبب کو دلیل جانتا ہے اور کل دلیلیں ایک قسم کی قیاس ہوتی ہیں جو نفس میں آتی ہیں اور باعث اطمینان نفس ہوتی ہیں گو اس شخص کو معلوم نہ ہو اور نہ اس بات کی قدرت رکھتا ہو کہ اس کو علما کے طور پر بیان کیجئے اب اس مثال میں جو قیاس مذکور ہے اس میں دو جملے ہیں ایک تو یہ ہے کہ دنیا نقد اور آخرت ادھار ہے یہ جملہ تو درست ہے مگر دوسرا جملہ نقد بہ نسبت ادھار کے بہتر ہے اس میں دھوکا ہے یہ جملہ درست نہیں بلکہ اگر نقد اور ادھار مقدار اور مقصود میں برابر ہوں تو البتہ یہ جملہ درست ہے اور اگر نقد بہ نسبت ادھار کے کم ہے تو ادھار ہی بہتر ہے دیکھو یہی مغرور کافر تجارت میں ایک روپیہ نقد اس لیے لگاتا ہے کہ اس سے دس ادھار ملیں گے تب نہیں کہتا کہ نقد بہ نسبت ادھار کے بہتر ہے میں اس ایک کو کیوں ضائع کروں اسی طرح اگر مرض میں طبیب عمدہ کھانوں اور میووں سے منع کر دے تو اسی وقت مرض کے خوف سے چھوڑ دے گا حالانکہ ان کی لذت نقد ہے اور تکلیف مرض کبھی زمانہ آئندہ میں ہو گی اور سوداگر خشکی اور تری میں مصیبتیں سر دست اٹھاتے ہیں تاکہ آئندہ کو راحت اور نفع ملے اور کسی کے خیال میں نہیں آتا کہ نقد بہ نسبت ادھار کے بہتر ہے حاصل یہ کہ ثانی الحال میں اگر دس ملیں تو ایک نقد کی

ت۱ وہی

ت۱ وہی ہیں جنہوں نے خرید لی دنیا کی زندگی آخرت دے کر سو نہ ہلکا ہوگا ان پر عذاب اور نہ ان کو مدد پہنچے گی ۱۲ ت۲ اور جو تم پاس ہے نبڑ جاوے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ رہتا ہے ۱۲ ت۳ اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے ۱۲ ت۴ اور پچھلا گھر بہتر ہے اور رہنے والا ۱۲ ت۵ اور دنیا کا جینا تو یہی ہے جنس دغا کی ۱۲ ت۶ سو نہ بہکا دے تم کو دنیا کا جینا ۱۲ ح۷ حصین بن انصار کا حال اسی طرح مشہور و مذکور ہے ۱۲
ح۸ بخاری و مسلم بروایت انس بقصہ ضمام ۱۲

نسبت بہتر ہوں گے اب اگر مدت دنیا اور مدت آخرت میں نسبت دیکھو تو کچھ پتہ ہی نہیں مثلاً انسان زیادہ سے زیادہ سو برس جیتا ہے اور اس عمر کو اگر مدت آخرت سے نسبت کرو تو آخرت کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی نہیں ہوتی تو اگر دنیا میں ایک کو چھوڑے تو آخرت میں لاکھ بلکہ بے انتہا پاوے گا اور اگر باعتبار نوع کے لحاظ کیا جاوے تو دنیا کی لذت میں سب طرح کی کدورت اور رنج و مصیبت ہیں اور آخرت کی لذت صاف پاک حلوائے بے دود ہے بہرصورت یہ کہنا کہ نقد ادھار سے بہتر ہے یہی غلطی کا مقام اور دھوکا ہے اور اس غلطی کی وجہ یہی ہوئی کہ جیسا لوگوں سے سنا ویسا ہی یقین کر لیا یہ نہ سمجھا کہ اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ نقد و ادھار اگر مقدار و مقصود میں برابر ہوں تب نقد بہتر ہوتا ہے اور اس وقت شیطان ایک اور قیاس جماتا ہے کہ یقین شک سے بہتر ہوتا ہے اور آخرت مشکوک ہے یہ قیاس پہلے کی نسبت سے بھی زیادہ نکما ہے کیونکہ اس کے دونوں جملے بے اصل ہیں مثلاً جملہ اول یقین بہتر ہے شک سے یہ جب ہی ہے جب دونوں مساوی ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ سوداگر مشقت تو یقیناً کرتے ہیں اور نفع مشکوک ہوتا ہے اور طالب علم تحصیل علم میں محنت یقیناً کرتا ہے اور فضل و علم کے مرتبے پر پہنچنا امر مشکوک ہے اور شکاری تلاش شکار میں گشت یقیناً کرتا ہے اور شکار کا ملنا امر مشکوک ہے اور بیمار بدمزہ دوا کا ذائقہ تو یقیناً پاتا ہے اور شفا میں شک ہوتا ہے غرض جتنے امور عقلا کے نزدیک احتیاط میں داخل ہیں وہ سب اسی طرح کے ہیں کہ امر مشکوک کے لیے یقین کو چھوڑنا پڑتا ہے تاجر کہتا ہے کہ اگر میں تجارت نہ کروں اور مصیبت نہ اٹھاؤں تو بڑا نقصان ہوا اور بھوکا رہوں سوداگری سے محنت تھوڑی ہوتی ہے اور فائدہ بہت ہے اسی طرح مریض کہتا ہے کہ ضرر تلخی و بدمزگی دوا کا تھوڑا ہے بہ نسبت اس خوف کے جو مجھ کو مرض سے ہے اس کا انجام موت کا ہے پس اس بنا پر جو شخص آخرت میں شک ہی رکھتا ہے اس پر بحکم احتیاط واجب ہے کہ یوں کہے کہ زندگی کے چند روز صبر کر لینا میرے حق میں اچھا ہے ان امور کی نسبت جو آخرت میں لوگ کہتے ہیں کیونکہ اگر بالفرض آخرت کے معاملات جھوٹے ہوئے تو مجھے کیا نقصان ہوا ایک چند روز زندگی کے عیش جاتی رہے گی ازل سے اب تک بھی تو میں ایسا ہی تھا کہ عیش نہ کرتا تھا میں جانوں گا کہ معدوم ہی رہا اگر معاملات اُخروی سچ ہوئے تو ابدالآباد تک آگ میں جلوں گا اس کی برداشت نہیں ہو سکے گی چنانچہ حضرت علیؓ نے کسی ملحد سے ارشاد فرمایا تھا کہ جو کچھ تو کہتا ہے اگر یہ سچ ہے تو ہمارا اور دونوں کا کچھ ضرر نہیں اور اگر ہمارا قول درست ہے تو ہم نجات پاویں گے اور تو ہلاک ہوگا اور یہ قول آپ نے اس لیے نہیں کہا تھا کہ معاذاللہ کچھ آپ کو آخرت میں شک تھا بلکہ اس ملحد کی فہم کے موافق تقریر فرمائی تھی اور اس کو سمجھا دیا کہ اگر تجھ کو آخرت کا یقین نہیں تو بڑے مغالطے میں ہے۔ اور دوسرا جملہ قیاس مذکور کا یہ ہے کہ آخرت مشکوک ہے یہ بھی غلط ہے بلکہ آخرت ایمان والوں کے نزدیک یقینی چیز ہے اور اور اس کا یقینی ہونا دو چیزوں سے معلوم ہوتا ہے ایک تو ایمان اور تصدیق اور انبیا اور علما کی تقلید سے کہ اس سے بھی یہ مغالطہ جاتا رہتا ہے اور یقین آخرت کا آجاتا ہے اور عوام اور اکثر خواص کا یقین اسی طرح کا ہوتا ہے اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیمار اپنے مرض کی دوا نہیں جانتا اور تمام طبیب و معالج اس بات پر متفق ہیں کہ اس

کی دوا فلانی بوٹی ہے تو بیمار کو سنتے ہی اطمینان ہوجاوے گا اور ان کو سچا جانے گا ان سے اس بات میں دلیل طبی نہیں پوچھے گا بلکہ اُن کے کہنے کا یقین و اعتماد کر کے وہی دوا شروع کرے گا اور اگر کوئی سودائی یا مدہوش اطبا کے قول کو جھوٹا بتاوے حالانکہ مریض خود قرائن حال سے جانتا ہے کہ اطبا اول تو گنتی میں اس مدہوش سے زیادہ ہیں دوسرے فضل و علم میں بڑھ کر ہیں تیسرے تجربہ طبی ان کو حاصل ہے اور یہ شخص علم طب خاک نہیں جانتا تو ظاہر ہے کہ اطبا کے قول کے سامنے اس کا قول نہ مانے گا اور نہ ان کے قول کو اس کے بہکانے سے جھوٹا جانے گا اور نہ اپنے اعتقاد کو اس کی جہت سے سُست کرے گا اور اگر بالفرض اس کے قول کا اعتماد کر کے اطبا کے قول کو چھوڑ دے گا تو بیشک خود بھی مدہوش اور مغرور ہوجاوے گا اسی طرح جو شخص ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو آخرت کے مقر اور مخبر ہیں کہ یہ فرماتے ہیں کہ سعادت آخروی کے حاصل ہوتے کے لیے دوائے نافع تقویٰ ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ لوگ تمام خلق میں سے بہتر ہیں اور بصیرت و معرفت عقل میں سب سے اعلیٰ رتبہ رکھتے ہیں یعنی انبیا اور علما اور اولیا اور حکما اور اس امر میں تمام اقسام خلق کے انہیں لوگوں کا کہنا مانتے ہیں البتہ جن لوگوں کے اوپر شہوات کا غلبہ ہے اور ان کے نفس تمتع دنیاوی پر مرتے ہیں وہ ان کا کہنا نہیں مانتے اس نظر سے کہ ان کو شہوات کا چھوڑنا بہت شاق ہے اور اپنے منہ سے کیسے کہیں کہ ہم دوزخی ہیں اس واسطے آخرت کے منکر ہوئے انبیا کو جھٹلایا تو جس طرح بچے کے کہنے یا کسی مدہوش کے کہنے سے اطمینان قلبی اطبا پر دور نہیں ہوتا تھا اسی طرح ایسے غبی لوگوں اور بندۂ شہوات کا انکار بھی انبیاء اور علما اور اولیا اور حکما کے قول کے سچا ہونے میں کچھ خلل انداز نہ ہوگا اور اتنا ایمان خلق کے لیے کافی ہے یعنی اس سے غرور بھی دفع ہوتا ہے اور ایسا پکا یقین ہے کہ عمل پر بھی برانگیختہ کرتا ہے اور آخرت کے یقینی معلوم ہونے کی دوسری چیز انبیا کے واسطے تو وحی ہے اور اولیا کے لیے الہام اور یہ نہ گمان کرنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امر آخرت کو جانا یا اور امور دین کو پہچانا تو صرف حضرت جبرائیل علیہ السلام سے سن کر بطور تقلید جان لیا جیسا کہ ہم لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر جان لیا ہے اور اس سے یہ لازم آوے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور آپ نے حضرت جبرئیل عہ سے سنا فرق کچھ نہیں جیسے معرفت آپ کی تھی ویسی ہی ہماری ہے حالانکہ یہ بات نہیں کہ تقلید کو معرفت نہیں کہتے تقلید تو ایک اعتقاد درست کا نام ہے اور انبیا جو عارف کہلاتے ہیں ان کی معرفت اس طرح ہے کہ ان کے لیے حقیقت اشیا کی جس طرح وہ اصل میں ہیں جوں کی توں کھول دی جاتی ہیں اور وہ ان اشیا کو چشم بصیرت سے ایسا دیکھ لیتے ہیں جیسے ہم لوگ کسی محسوس چیز کو چشم ظاہر سے دیکھتے ہیں تو وہ جو کچھ خبر دیتے ہیں دیکھ کر بیان فرماتے ہیں صرف سننے اور تقلید کی خبر نہیں ہوتی مثلاً ان پر حقیقت روح کی منکشف ہوتی ہے کہ وہ امر الٰہی ہے اور امر الٰہی سے وہ غرض نہیں جو مقابل نہی کے ہے اس لیے کہ وہ کلام کے اقسام میں سے ہے اور روح کلام نہیں اور امر سے غرض شان بھی نہیں تاکہ اس سے یہ لازم آوے کہ روح مخلوق خدائے تعالیٰ کی ہے کیونکہ مخلوق ہوتا تو تمام مخلوق میں پایا جاتا

ہے روح کی تخصیص کیا ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ عالم کی دو قسمیں ہیں عالم امر اور عالم خلق اور یہ دونوں اللہ ہی کے ہیں مگر جو چیزیں کہ مقدار و کمیت رکھتی ہیں وہ تو عالم خلق میں داخل ہیں اس واسطے کہ باعتبار لغت کے خلق کے معنی انداز کرنے کے ہیں جو مقدار پر صحیح بن سکتی ہیں اور جو چیز موجود کہ کمیت اور مقدار سے مبرا و پاک ہے وہ عالم امر میں داخل ہے اور اس کو سر روح یعنی راز روح سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے ذکر کی اجازت نہیں اس لیے کہ اس کے سننے سے اکثر خلق کو نقصان ہوتا ہے جیسے راز شب قدر کا افشا نہ کیا گیا تو جو اس راز روح کو پہچان لیتا ہے وہ اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے اور نفس اور خدا کی معرفت سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ روح انسانی انہی طبیعت اور سرشت کی رو سے امر ربانی ہے اور اس کا عالم جسمانی میں ہونا ایک امر عجیب ہے اس عالم میں اس کا اترنا اس کے مقتضائے طبیعت اور ذات سے نہیں ہوا بلکہ ایک امر عارضی اجنبی ہے جو اس کی ذات میں داخل نہیں وہ یہ امر عارض وہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو پیش ہو کر معصیت کھلایا اور ان کو جنت سے اتارا حالانکہ جنت ان کی ذات کی مقتضا کے بموجب انھیں کو سزا وار تھی کیونکہ جنت قرب الٰہی میں ہے اور آدمؑ باعتبار روح کے امر ربانی تھے تو امر ربانی کا شوق بمقتضائے طبع اور ذات کے قرب ربانی کی طرف ہونا چاہیے بشرطیکہ اس عالم اجنبی کا کوئی امر عارضی اس کو مقتضائے طبع سے مانع نہ ہو ورنہ اپنے نفس اور خدائے تعالیٰ کو دونوں کو بھول جاوے گا اور اپنے نفس پر ظالم ٹھہرے گا کیوں کہ ایسے لوگوں کو یہ حکم ہوتا ہے[1] ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون فاسقون کے معنی یہ ہیں کہ جو ان کا مقتضائے طبع اور گمان استحقاق تھا اس سے خارج ہو جاتے ہیں یہ لفظ مشتق ہے فسق سے جس کے معنی لغت میں اصل سرشت سے تجاوز کرنے کے بھی آتے ہیں اور یہ باتیں گلدستہ گلزار اسرار ہیں عارفوں ہی کے دماغ سے ان کی خوشبو کی شائق ہیں اور کم ہمتوں کو تو ان کے الفاظ سننے سے جاڑا چڑھتا ہے اس لیے کہ یہ باتیں ان کو مضر پڑتی ہیں جیسے گلاب کی خوشبو گوبر کے کیڑے کو بری معلوم ہوتی ہے یا آفتاب کی روشنی شپروں کو بری لگتی ہے اور سر قلبی سے عالم ملکوت تک کا منکشف ہونا معرفت اور ولایت کہلاتا ہے اور جس کو یہ راز کھلے اس کو ولی اور عارف کہتے ہیں اور یہ رتبہ آغاز مقامات انبیا کا ہے اور مقامات اولیا کا انتہائے رتبہ ہے تو اولیا کے مقامات انتہا انبیا کے مقامات کی ابتدا ہوتی ہے اب ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ شیطان کا مغالطہ یعنی یہ جملہ کہ آخرت مشکوک ہے اس کو یا تو یقین تقلیدی سے دفع کرنا چاہیے یا بصیرت و مشاہدہ باطن سے دور کرنا چاہیے اور اہل ایمان جب اپنی گفتگو اور عقائد سے خدائے تعالیٰ کے احکام تلف کر دیتے ہیں اور شہوات و معاصی میں مبتلا ہو کر اعمال صالحہ ترک کر دیتے ہیں تو وہ بھی اس مغالطے میں کافروں کے شریک ہو جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے بھی زندگی دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہاں اتنی بات ہے کہ اصل

[1] اور مت ہو ایسے جنہوں نے بھلایا اللہ کو پھر اس نے بھلا دیئے ان کو ان کے جی وہ لوگ وہی ہیں بے حکم

ایمان کے باعث عذاب ابدی سے بچ جاویں گے اور دوزخ سے کچھ عرصے بعد نکل آویں گے تاہم ان کے مغرور ہونے میں کچھ شبہہ نہیں اس واسطے کہ گو ان کو اعتراف ہے کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے مگر چونکہ میل دنیا کی طرف کیا اور اسی کو اختیار کیا اس لیے صرف ایمان فلاح ابدی کے لیے کافی نہیں جب تک کہ عمل نہ ہو چنانچہ قرآن شریف اس کا شاہد ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ت۱ وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحا ثم اھتدی اور ت۲ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین اور احسان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ح۳ الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ اور ایک آیت یہ ہے ت۴ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحت غرضکہ تمام کتاب اللہ میں وعدہ مغفرت متعلق ایمان اور عمل صالح دونوں سے ہے صرف ایمان پر ہی نہیں تو جو لوگ کہ دنیا پر مطمئن ہو کر خوش ہوتے ہیں اور اس کی لذات میں ڈوبے رہتے ہیں اور مرنے کو برا جانتے ہیں اس نظر سے کہ یہ سب لذتیں چھوٹ جائیں گی اس وجہ سے کہ آگے کو ہم پر کیا معاملہ گذرے گا ایسے لوگ دنیا کے مغالطے میں ہیں خواہ کافر ہوں یا مسلمان اب ہم دو باتیں کافروں اور گنہگاروں کے مغالطے کی جو اللہ کی نسبت کہتے ہیں لکھتے ہیں کافروں کا مغالطہ تو خدا سے یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ اپنے دلوں میں خواہ زبان سے کہتے ہیں کہ اگر واقع میں خدائے تعالیٰ قیامت برپا فرماوے گا تو غیروں کی نسبت ہم زیادہ مستحق ہوں گے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے دو شخصوں کے سوال وجواب میں ایک کا قول نقل فرمایا وما اظن الساعۃ قائمۃ ولئن رددت الی ربی لاجدن خیرا منھا منقلبا ط اور خلاصہ اس قصہ کا بموجب تفسیر کے یہ ہے کہ ان دونوں شخصوں میں سے کافر آدمی نے ایک محل ہزار دینار کو بنایا اور ایک باغ ہزار دینار کو لیا اور خادم بھی ہزار دینار کو لیے اور ایک عورت سے ہزار دینار لگا کر شادی کی اور دوسرا شخص ایماندار اس کو ہر ایک بار نصیحت کرتا گیا اور کہتا گیا کہ تو نے ایسا مکان مول لیا جو جاتا رہے جنت کا مکان مول کیوں نہ لیا جو کبھی نہ فنا ہوتا تیرا یہ باغ بھی فنا ہو جاوے گا باغ جنت پائدار تھا وہی مول لیا ہوتا اور یہ نوکر چاکر بی بی سب مر جاویں گے اور جنت کی حوریں اور غلمان فنا پذیر نہیں وہ کافر ہر ایک بات میں یوں یوں جواب دیتا کہ جنت ہے کہاں جو کچھ اس کا حال لوگ کہتے ہیں وہ سب جھوٹ ہے اور اگر بالفرض جنت ہو گی تو مجھے جنت میں اس سے بہتر ملے گا اسی طرح قول عاص بن وائل کا بھی قرآن مجید میں منقول ہے کہ ت۶ لاوتین مالا وولدا اس کے جواب میں ارشاد ہوا ت۷ اطلع الغیب ام اتخذ عند الرحمن عھدا کلا۔ اور جناب

ت۱ اور میری بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لاوے اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے ۱۲ ت۲ بیشک مہر اللہ کی نزدیک ہے نیکی والوں سے ۱۲ ح۳ احسان یہ ہے کہ عبادت کرے تو خدا کی اس طرح کہ گویا تو دیکھتا ہے اس کو ۱۲ بخاری ومسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ ت۴ قسم اترتے دن کی مقرر انسان پر ٹوٹا ہے مگر جو یقین لاوے اور کیے بھلے کام ۱۲ ت۵ اور مجھ کو خیال میں نہیں آتا کہ قیامت ہوتی ہے اور اگر کبھی پہنچایا مجھ کو میرے رب کے پاس پاؤنگا بہتر اس سے اس طرف پہنچ کر ۱۲ ت۶ مجھ کو ملتا ہے مال اور اولاد ۱۲ ت۷ کیا جھانک آیا ہے غیب کو یا لے رکھا ہے رحمن کے یہاں قرار کوئی نہیں ۱۲

ابن ارت رضؓ کہتے ہیں کہ میرا کچھ قرض عاص بن وائل پر تھا میں تقاضا کرنے کو گیا مگر اس نے نہ دیا میں نے کہا کہ میں آخرت میں لے لوں گا اس نے جواب دیا کہ میری بھی وہاں اور اولاد ہوگی اس میں سے تیرا قرض بھی دے دوں گا تب یہ آیت اتری [ت۱] افرایت الذی کفر بایاتنا وقال لاوتین مالاً وولدا ۔ اور دوسری آیت میں ارشاد ہوا ولئن اذقناہ رحمۃ منا من بعد ضرآء مسته لیقولن ھذا لی وما اظن الساعة قائمة ولئن رجعت الی ربی ان لی عندہ للحسنیٰ ...ط

غرض اس طرح کی باتیں اس مغالطے کی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے اور وجہ اس دھوکے کی یہ ہے کہ شیطان یہاں بھی ایک قیاس اپنے قیاسوں میں سے لا کھڑا کرتا ہے مثلاً اول وہ لوگ اپنے اوپر دنیا کی نعمتیں دیکھتے ہیں تو اسی پر آخرت کی نعمتوں کو قیاس کر لیتے ہیں اور کبھی دیکھتے ہیں کہ عذاب میں تاخیر ہوئی یعنی جو ظلم وزیادتی کہ دنیا میں ہوئی اس کا کوئی جلد پرسان نہ ہوا اسی پر عذاب آخرت کو بھی قیاس کر لیتے ہیں جیسا کہ خدائے تعالےٰ نے ان کا قول نقل فرمایا [ت۲] ویقولون فی انفسهم لولا یعذبنا اللہ بما نقول ۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوا [ت۳] حسبهم جهنم یصلونها فبئس المصیر ۔ بعض اوقات ایمان والوں کو دیکھتے ہیں کہ لوگ فقرائے خستہ حال گرد آلود ہیں تو ان کو حقیر جانتے اور کہتے ہیں کہ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے احسان کیا اور ہم پر نہیں کیا اور نیز کہتے ہیں کہ اگر ایمان کوئی عمدہ شے ہوتی تو ان حقیر لوگوں کو ہم سے پہلے نہ ملتی غرض جو قیاس کہ شیطان ان کے دل میں ڈالتا ہے اس کے جملے یوں ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہم پر احسان کیا اور جو شخص محسن ہوتا ہے اس کو محبت ضرور ہوتی ہے اور جس کو محبت ہوتی ہے وہ آگے کو بھی احسان کرے گا اور مستقبل کو زمان گزشتہ پر قیاس کرنے کی وجہ یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے احسان کو اپنی بزرگی اور محبت کی وجہ سے جانتا ہے یعنی یہ تصور کرتا ہے کہ اگر میں خدا کے نزدیک ذی رتبہ اور محبوب نہیں تو مجھ پر احسان کیوں کیا اور مغالطہ اس جملے میں ہے کہ جو محسن ہے وہ محبت رکھتا ہی نہیں بلکہ اس جملے میں ہے کہ انعام خداوندی دنیا میں احسان ہے اس مغالطے کے باعث دھوکا ہو گیا اور اس نے جانا کہ میں خدا کے نزدیک بزرگ وذی رتبہ ہوں اور اس کی دلیل ایسی چیز کو سمجھ لیا کہ جو بزرگی پر دلالت نہیں کرتی بلکہ ارباب بصیرت کے نزدیک دلیل ذلت خواری کی ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کے دو غلام صغیر ہوں اور وہ ایک سے تو محبت رکھتا ہے اور دوسرے سے نہیں جس سے محبت کرتا ہے اس کو کھیلنے سے منع کر دے اور مکتب میں بٹھلائے رکھے اور وہاں سے اٹھنے نہ دے تاکہ ادب وقاعدہ اس کو خوب معلوم ہو جاوے اور میوہ جات ولذیذ کھانے جو اس کو مضر ہوں ان کو اس کے پاس نہ آنے دے بلکہ جو

ت۱ بھلا تو نے دیکھا اس کو جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ۔ اور کہا مجھ کو مل کر رہے گا مال اور اولاد ۱۲۔ ت۲ اور اگر ہم چکھا ئیں اس کو کچھ اپنی مہربانی پیچھے تکلیف کے جو اسکو پہنچی تھی تو کہنے لگے یہ ہے میرے لائق اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر میں بھی پھر گیا اپنے رب کی طرف بے شک ہے میرے لئے اس کے پاس خوبی ۔۱۲

ت۳ اور کہتے ہیں اپنے دل میں کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں ۱۲ ت۴ بس ہے اس کو دوزخ بیٹھیں گے اس میں سو بری جگہ پہنچے ۱۲ ح ترمذی وحاکم بروایت قتادہ بن النعمان ۱۲

دوائیں کہ اس کو نافع ہوں ان کو پلادے اور دوسرے غلام کو جس سے محبت نہیں مہمل چھوڑ دے جہاں چاہے وہاں رہے کھیلے کودے مکتب میں نہ جاوے جو چاہے سو کھاوے پس یہ دوسرا غلام اگر یہ تصور کرے کہ میں اپنے آقا کے نزدیک محبوب و بزرگ ہوں اس لیے کہ مجھ کو تمام شہوات و لذات و اغراض پر اختیار دے دیا ہے تو یہ محض حماقت ہے اور مغالطہ ہے اسی طرح پر چونکہ لذات دنیاوی سب کے سب مہلکات ہیں اور اللہ سے دور کرتے ہیں تو خدائے تعالیٰ اپنے محبوب بندے کو ان سے بچالیتا ہے جیسے بیمار کو اس کے گھر والے محبت ہی کی راہ کھانا پینا بعض اوقات نہیں دیتے اور یہ روایتیں آثار کی اول گذر چکیں[۱] کہ ارباب بصیرت سلف میں ایسے تھے کہ جب ان پر دنیا آتی تو غم کرتے اور کہتے کہ کوئی گناہ ہو گیا ہے جس کا عذاب ہم کو جلد پہنچا اور دنیا کو موجب غضب الٰہی اور اس کی بے اعتنائی کا اپنے اوپر سمجھتے تھے اور جب فقر آتا تو کہتے کہ خوب ہوا یہ صلحا کا شعار ہمارے پاس آیا اور مغرور پر جب دنیا آتی ہے تو جانتا ہے کہ میں خدا کے نزدیک بڑا ہوں اور جب چلی جاتی ہے تو جانتا ہے کہ میں خدا کے نزدیک حقیر ہوں چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے[ت۱] فاما الانسان اذا ما ابتلاه ربه فاكرمه ونعمه فيقول ربي اكرمن واما اذا ما ابتلاه فقدر عليه رزقه فيقول ربي اهانن كلا۔ اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ ان کا گمان غلط ہے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے فقط کلا سے دونوں کو جھوٹا کر دیا یعنی جس کو اکرام سمجھا ہے نہ وہ میرا اکرام ہے اور جس کو اہانت سمجھی ہے نہ وہ میری اہانت بلکہ کریم وہ شخص ہے جس کو طاعت کے باعث میں بزرگی دوں خواہ وہ غنی ہو یا فقیر اور ذلیل وہ ہے جس کو میں گناہ کے باعث حقیر کروں خواہ دولت ور ہو یا گدا گر اور اس مغالطے کا علاج یہ ہے کہ کرامت اور ذلت کے دلائل کو بصیرت سے یا تقلید سے پہچانے اس طرح کہ یہ معلوم کرے کہ شہوات دنیوی کی طرف ملتفت ہونا کیسے خدائے تعالیٰ سے دور کر دیتا ہے اور ان سے علیحدہ رہنے سے کیونکر تقرب الی اللہ ہوتا اور یہ بات مقامات اولیاء عارفین میں الہام سے معلوم ہوتی ہے اس کا اگر بیان کیا جاوے تو ذکر مکاشفہ میں جا پڑتا ہے جو علم معاملے کے مناسب حال نہیں اور تقلید کے طور پر معلوم کرنا یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان لاوے اور اس کے رسول کو سچا جانے اور خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کا یہ حال بیان فرماتا ہے[ت۲] ایحسبون انما نمدهم به من مال وبنين نسارع لهم في الخيرات بل لا يشعرون اور فرمایا سنستدرجهم من حيث لا يعلمون.....[۵] اور اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جتنا وہ گناہ کرتے ہیں ہم ان کو نعمت زیادہ دیتے ہیں تاکہ ان کا مغالطہ اور زیادہ ہو اور فرمایا[ت۳] فتحنا عليهم ابواب كل شيء حتى اذا فرحوا بما اوتوا اخذناهم بغتة فاذا هم مبلسون اور فرمایا

ت۱ سو آدمی جب جانچے اس کو رب اس کا پھر اس کو عزت دے اور اس کو نعمت دے تو کہے میرے رب نے مجھ کو عزت دی اور جو وہ جس وقت اس کو جانچے پھر کھینچ کرے اس پر روزی تو کہے میرے رب نے مجھے ذلیل کیا کوئی نہیں ۱۲ ت۲ کیا خیال رکھتے ہیں کہ یہ جو ہم ان کو دیتے جاتے ہیں مال اور اولاد دوڑ دوڑ ملاتے ہیں ان کو بھلائیاں کوئی نہیں ان کو بوجھ نہیں ۱۲ ت۳ کھول دیئے ہم نے دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے پائی ہوئی چیز سے پکڑا ہم نے ان کو بے خبر پھر تب ہی وہ رہ گئے ناامید ۱۲

ت انما نملی لھم لیزدادوا اثماً [1] اور فرمایا ہے [2] لا یحسبن اللہ غافلاً عما یعمل الظالمون انما یؤخرھم لیوم تشخص فیہ الابصار اور ان کے سوا اور بہت سی آیات قرآنی اور احادیث میں ان کا حال موجود ہے پس جو شخص ان آیات کا معتقد ہوگا اس کو دھوکا نہ ہوگا اس واسطے کہ منشاء اس غلطی کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے مغرور آدمی جاہل ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے وہ اس کے عذاب سے بےخوف نہیں ہوتا اور نہ اس طرح کے خیالات فاسد سے دھوکا کھاوے وہ اپنے مدنظر حالات فرعون وہامان وقارون اور سلاطین روئے زمین کے رکھتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں کس طرح کا عروج دیا پھر سب کو تباہ وبرباد کر دیا اور خود اپنے عذاب سے کلام مجید میں جابجا ڈرایا ہے چنانچہ فرمایا ہے [3] فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون اور فرمایا ہے [4] ومکروا مکراً ومکرنا مکراً وھم لا یشعرون اور فرمایا [5] ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین اور فرمایا ہے [6] انھم یکیدون کیداً واکید کیداً فمھل الکافرین امھلھم رویداً [7] پس جیسا کہ وہ غلام جس کو آقا نے چھوڑ رکھا ہے اس چھوڑ رکھنے سے اس بات پر استدلال نہیں کر سکتا کہ میرا آقا مجھی کو زیادہ چاہتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آقا نے یہ امر اس کی تخریب وتعذیب کے لیے کیا ہو باوجود اس کے کہ آقا نے اس غلام کو اپنے عذاب کرنے کی اطلاع بھی نہیں دی تو اس طرح کا وسوسہ خدا کے باب میں کب درست ہوگا تو اس نے تو جابجا اپنے کلام میں ارشاد بھی فرما دیا کہ ہمارا چھوڑے رکھنا اور نعمت دینا اور عذاب نہ کرنا ان لوگوں کے حق میں اچھا نہیں پھر اگر کوئی خدا کے عذاب سے بےخوف ہو جاوے تو بجز مغالطے کے اور کیا متصور ہو سکتا ہے اور اس دھوکے کا منشا یہی ہوا کہ دنیا کی نعمت ملنے سے مغرور کو یہ معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک میرا بڑا رتبہ ہے حالانکہ احتمال یہ بھی ہے کہ نعمت دنیا دلیل ذلت کی ہو مگر چونکہ یہ احتمال ہوائے نفسانی کے موافق نہ تھا اس واسطے اس کو نہ مانا جو اس کے مطابق پایا شیطان نے دل کو اسی طرف جھکایا یعنی یہی احتمال دل میں رہا کہ دنیا میں نعمت ملنی دلیل بزرگی کی ہے اور یہ نہایت درجے کا دھوکا ہے دوسری مثال مغالطہ عاصی ایمانداروں کا ہے کہ کہتے ہیں خدائے تعالیٰ کریم ہے اور ہم کو اس کے عفو کی توقع ہے اور اس پر اعتماد کر کے اعمال بھی چھوڑ دیتے ہیں اور اس اپنی تمنا اور غرور کا نام توقع اور رجا رکھ لیا ہے اور جانتے ہیں کہ رجا کرنی دین میں عمدہ بات ہے خدا کی نعمت وسیع ہے اور اس کی رحمت سب کو پہنچے گی اس کا کرم عمیم ہے بھلا اس کے دریائے رحمت کے سامنے بندوں کے گناہ کی کیا حقیقت ہے ہم موحد اور ایماندار ہیں بذریعہ ایمان اس سے توقع رکھتے ہیں

---

[1] ہم تو فرصت دیتے ہیں ان کو تاکہ بڑھتے جاویں گناہ میں ۱۲ [2] اور مت خیال کر کہ اللہ بےخبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں بےانصاف ان کو تو چھوڑ رکھتا ہے اس دن پر جس دن میں اوپر لگ جاویں گی ٹکٹکیاں ۱۲ [3] سو نڈر نہیں اللہ کے داؤ سے مگر جو لوگ خراب ہوں گے ۱۲ [4] اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب اور ان کو خبر نہ ہوئی ۱۲ [5] اور فریب کیا ان کافروں نے اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے ۱۲ [6] البتہ وہ لگے ہیں ایک داؤ کرنے میں اور میں لگا ہوں ایک داؤ کرنے میں سو ڈھیل دے منکروں کو ڈھیل [7] دے ان کو ۱۲

اور بعض اوقات ان کے رجا کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد نیک بخت اور عالی رتبہ تھے جیسے سید کہ اپنے نسب پر مغرور ہیں اور خوف و تقویٰ و ورع میں اپنے آبا کے مخالف اور شاید یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم خدا کے نزدیک اپنے باپ دادوں کی نسبت کر بھی بزرگ ہیں کیونکہ ان کے آبا تو باوجود ورع اور تقویٰ کے خائف رہتے تھے اور یہ لوگ باوجود فسق و فجور کے بےخوف ہیں اور یہ نہایت درجے کا دھوکا ہے ان کے دلوں میں شیطان نے یہ مغالطہ ڈالا ہے کہ جو شخص کسی سے محبت رکھتا ہے اس کی اولاد سے بھی محبت رکھتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اکابر کو محبوب جانتا تھا تو تم کو بھی جانے گا پھر تم کو طاعت کی کیا حاجت ہے حالانکہ ان لوگوں کو یہ یاد نہیں آتا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یہ چاہا تھا کہ اپنے لڑکے کو کشتی میں ساتھ سوار کریں اور دعا مانگی کہ [1] رب ان ابنی من اھلی ارشاد ہوا [2] یا نوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے واسطے دعا مانگی مگر نامنظور ہوئی اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت [3] مانگی کہ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کریں اور ان کے لیے استغفار کریں زیارت کا حکم ہو گیا مگر مغفرت چاہنے کی اجازت نہ ہوئی آپ جب قبر پر تشریف لے گئے تو محبت مادری کی جہت سے بیٹھے ہوئے روتے رہے غرض ان لوگوں کو ایک یہ دھوکا ہی دھوکا خدا کے ساتھ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مطیع سے محبت کرتا ہے اور گنہگار کو برا جانتا ہے تو جیسا باپ اگر مطیع ہو اس کی اولاد گنہگار کے باعث خدا اس کو برا نہیں جانتا ایسا ہی باپ کی محبت کے باعث اس کے گنہگار بیٹے سے بھی محبت نہیں رکھتا اور اگر محبت باپ کی بیٹے تک چلی آوے تو بغض بھی بے شک پہنچے گا مگر اصل یہی ہے کہ [4] لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ اور جس شخص کو یہ خیال ہے کہ باپ کے تقویٰ کی جہت سے مجھے نجات ہو جاوے گی وہ ایسا ہے جیسا کوئی خیال کرے کہ باپ کے شکم سیر ہونے سے میرا پیٹ بھر جاوے گا اور اس کے پانی پینے سے میری پیاس بجھ جاوے گی اور اس کے عالم ہونے سے میں بھی عالم ہو جاؤں گا اور اس کے حج کرنے سے مجھے بھی کعبے کی زیارت میسر ہو جاوے گی حالانکہ یہ کوئی امر متصور نہیں ہو سکتا اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ عین فرض ہے اس میں بیٹے کی عوض باپ کافی نہ ہوگا اور خدا کے یہاں ثواب تقویٰ ہی پر ملے گا اس روز کہ آدمی اپنے بھائی اور ماں باپ سے بھاگے گا البتہ جس شخص پر غضب الٰہی زیادہ نہ ہوگا اور اس کے لیے سفارش کی اجازت بھی ہو جاوے گی تب سفارش کے طور پر کوئی کچھ کام آوے تو آوے جیسا باب کبر و عجب میں گذرا اب اگر یہ کہو کہ گنہگار جو یہ کہتے ہیں کہ خدا کریم ہے اور ہم اس کی رحمت کے متوقع ہیں تو اس میں غلطی کیا ہے یہ دونوں جملے صحیح ہیں اور دلوں پر لگتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان انسان کو ایسے ہی کلام سے بہکاتا ہے جو ظاہر میں مقبول ہو اور باطن میں مردود اور اگر ظاہر کلام بھی اچھا نہ ہوتا تو

---

[1] اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں ۱۲ [2] اے نوح وہ نہیں تیرے گھر والوں میں اس کے کام ہیں ناکارہ ۱۲ [3] مسلم بروایت ابوہریرہ ۱۲ [4] کوئی نہیں اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے کا ۱۲

دل فریب میں کیوں آجاتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کی قلعی کھول دی ہے جیسا کہ حدیث مذکور
ہوئی کہ دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو فرمانبردار کرکے مابعد موت کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو ہوائے
نفسانی کے پیچھے پڑا رہے اور پھر اللہ پر آرزوئیں کرے تو واقع میں یہ صورت تمنا اور آرزو بے عملی کی ہے جس
کو شیطان نے نام بدل کر رجا اور توقع کہہ دیا اور اس سے جاہلوں کو فریب دے دیا حالانکہ رجا کی شرح خدائے
تعالیٰ یوں فرماتا ہے ت۱ ان الذین اٰمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولٰئک یرجون رحمۃ اللہ یعنی رجا کرنے کے لائق یہ
لوگ ہیں کیونکہ کلام مجید میں ثواب آخرت کو اجر اور جزائے اعمال قرار دیا ہے جیسے کہ فرمایا ت۲ انما توفون اجورکم
یوم القیٰمۃ اور جزاء بما کانوا یعملون اور ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کریم ہو اور وعدے کا پورا اور مزدوری جتنی ٹھہرائے
اس سے زیادہ دیوے وہ اگر کسی مزدور کو برتن مانجنے کے واسطے مقرر کرے اور مزدور سب برتنوں کو توڑ تاڑ برابر
کرے پھر اس بات کا منتظر ہو کر بیٹھ رہے کہ اجرت دینے والا کریم ہے وہ اجرت دے ہی دے گا تو ایسے شخص کو عاقل
لوگ بجز اس کے کہ مغرور اور متمنی کہیں اور کیا کہیں گے اور وجہ اس غلطی کی جہال کو یہ ہے کہ وہ لوگ توقع اور
غرور کے معنوں میں تمیز نہیں کرتے حضرت حسنؒ سے کسی نے پوچھا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ سے توقع رکھتے ہیں اور
عمل نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ یہ ان کا خیال خام ہے جو شخص کسی چیز کی توقع رکھتا ہے اور اس کی جستجو کرتا ہے
اور جس چیز سے ڈرتا ہے اس سے بھاگا کرتا ہے اور مسلم بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں سجدے میں اس
زور سے گیا کہ میرے دونوں آگے کے دانت ٹوٹ گیے کسی نے مجھ سے کہا کہ ہم تو اللہ سے توقع مغفرت رکھتے
ہیں یعنی اس لیے عمل نہیں کرتے مسلمؒ نے جواب دیا کہ رجا یہ ہرگز نہیں جس چیز کی ہوتی ہے آدمی اس کو ڈھونڈھتا
ہے اور جس سے ڈرتا ہے اس سے بھاگتا ہے اور ایک مثال یہ ہے کہ کسی کو توقع اولاد کی ہے حالانکہ ابھی تک
نکاح نہیں ہوا یا نکاح ہوا مگر نوبت ہم بستری کی نہیں آئی تو ایسے شخص کو اولاد کی توقع کرنی خام خیالی ہے اسی طرح
جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت کا متوقع ہو اور ایمان ہی نہ رکھتا ہو یا ایمان تو ہو اعمال صالح نہ کیے ہوں یا اعمال
صالح بھی کرتا ہو مگر اعمال بد بھی نہ چھوڑے ہوں تو وہ بھی خیال خام میں مبتلا ہے ہاں جس طرح نکاح کرنے کے
بعد اور صحبت وغیرہ کے بعد اگر خوف ورجا دونوں ہو کہ خدائے تعالیٰ لڑکے کے پیدا ہونے میں اپنا فضل رکھے
اور رحم مادر کے آفات سے دور رکھے اور ماں بھی سلامت رہے تو یہ دانائی کی بات ہے ایسا ہی اگر ایمان
لاوے اور نیک کام کرے اور برائیوں کو چھوڑ دے اور قبول نہ ہونے کا خوف کرے اور یہ کہ کہیں
عمل نیک کو دوام نہ ہو یا کہیں خاتمہ برا نہ ہو اور اس بات کی توقع ہو کہ خدائے تعالیٰ قول ثابت پر قائم
اور دین کو موت کے وقت بچا دے اور خاتمہ توحید پر ہو اور دل کو خواہش شہوات سے تمام عمر حفاظت

ح۱ پہلے قریب ہی گذری ۱۲ ت۱ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور مرے اللہ کی راہ میں وہ امید وار ہیں اللہ کی مہر کے ۱۲ ت۲ اور تم
کو پورے بدلے ملیں گے دن قیامت کے ۱۲ ت۳ بدلا اس کا جو کرتے تھے ۱۲

میں رکھے حتیٰ کہ گناہوں کی طرف ان کا میلان ہی نہ ہو تو ایسا شخص دانا وہوشیار ہے ان کے سوا سب لوگ
خیال خام میں پڑے ہیں قیامت کے دن جب آگھیرے گا تب معلوم کریں گے کہ گمراہ کون تھا اور اس وقت
کہیں گے ت۱ ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون یعنے ہم نے یقین کرلیا کہ جیسے لڑکا بدون نکاح
وصحبت کے نہیں ہوتا اور کھیتی بدوں جوتنے بونے کے نہیں ہوتی اسی طرح ثواب اخروی بھی بدون عمل صالح
کے نہیں ملتا تو ہم کو اب دنیا میں بھیج دے کہ ہم نیک عمل کریں ہم کو تیرے کہنے کا یقین اب ہوا ہے جو تو نے کہہ
رکھا تھا کہ ت۲ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ۔ اور اسی مضمون کے آیات یہ بھی ہیں ت۳ کلما القی فیہا
فوج سالھم خزنتھا الم یاتکم نذیر یعنے کیا تم کو پیغمبر نے سنا نہیں دیا تھا کہ اللہ کا طریق بندوں میں اسی طرح جاری ہے اور ہر
ایک نفس کو اس کے کردار کا بدلہ ملے گا۔ تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ تم اللہ تعالیٰ کے باب میں مغالطہ کھا گیے سننے
سمجھنے کے بعد کیسے دھوکے میں رہے اس وقت جواب دیں گے ت۴ لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحٰب السعیر اللہ
تعالیٰ فرماتا ہے ت۵ فاعترفوا بذنبھم فسحقا لاصحٰب السعیر یہ جاننا چاہیے کہ رجا دو جگہ میں کرنی عمدہ بھی ہے ایک صورت
تو یہ ہے کہ گنہگار کہ سرتاپا گناہ ہو جب اس کے دل میں توبہ کا خطرہ گذرے تو شیطان بہکاتا ہے کہ تیری
توبہ مقبول نہ ہوگی اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ رحمت الٰہی سے مایوس ہو جاوے تو ایسے حال میں
واجب ہے کہ مایوسی کو دور کرکے رجا کرے اور یاد کرے کہ خدا تعالیٰ کریم ہے توبہ قبول کرتا ہے اور توبہ
ایک طاعت ہے جس سے گناہ دور ہو جاتے ہیں چنانچہ اس کی تصدیق قرآن شریف میں ہے اللہ تعالےٰ
فرماتا ہے ت۶ قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور
الرحیم وانیبوا الی ربکم یہاں انابت کا حکم بندوں کو فرمایا اور دوسری جگہ ارشاد ہے ت۷ وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل
صالحا ثم اھتدیٰ پس جب آدمی توقع مغفرت توبہ کے ساتھ کرے تو اس کو راجی اور متوقع کہنا چاہیے ورنہ
توقع مغفرت کی باوجود گناہوں پر اصرار کرنے کے رکھنی سراسر خام خیالی ہے مثلاً ایک شخص بازار میں ہے
اور اس پر جمعہ کا وقت تنگ ہوگیا ہے اور اس کے دل میں آیا کہ جمعہ کو چلیے اور شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ جمعہ
ثواب ملنے کا نہیں تو کیوں کہیں جانا ہے لیکن اس نے شیطان کا قول نہ مانا اور جمعہ کے واسطے دوڑ گیا۔ اور اس
کو امید ہے کہ جمعہ ملے گا تو بے شک یہ شخص راجی اور متوقع ہے اور اگر اپنے کاروبار میں مصروف رہا اور یہ تمنا

ت۱ اے رب ہم نے دیکھا اور سن لیا اب ہم کو پھر بھیج ہم کریں بھلائی ہم کو یقین آیا ۱۲ ت۲ اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا اور یہ کہ اس
کی کمائی اس کو دکھائی ہے ت۳ جب پڑا اس میں ایک دل پوچھا ان سے اس کے داروغوں نے کیا نہ پہنچا تم کو کوئی ڈر سنانے والا ۱۲
ت۴ اگر ہم ہوتے سنتے یا بوجھتے نہ ہوتے دوزخ والوں میں ۱۲ ت۵ سو قائل ہوئے اپنے گناہ کے اب دفع ہوں دوزخ والے ۱۲ ت۶ کہہ
دے اے بندوں میرے جنہوں نے زیادتی کی اپنی جان پر نہ آس توڑو اللہ کی مہر سے بے شک اللہ بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی
ہے معاف کرنے والا مہربان اور رجوع ہو اپنے رب کی طرف سے ۱۲

کی کہ امام میرے واسطے دیر کرے گا کسی کے واسطے متوسط وقت تک ٹھہرا رہے گا یا کسی اور سبب سے توقف کرے گا تو ایسا شخص مغرور کہلائے گا دوسری صورت رجا کی یہ ہے کہ نوافل اور فضائل سے اس کا نفس قاصر ہے اور صرف فرائض پر اکتفا کرتا ہے اور اپنے نفس کے واسطے متوقع نعمت الٰہی کا ہے اور ان اشیاء کا جن کا وعدہ خدائے تعالیٰ نے نیک بندوں کے لیے کیا ہے یہاں تک کہ اس توقع کے سرور سے ایک مزہ عبادت کا جوش کرے اس کو نوافل پر متوجہ کرے اور یہ مضمون یاد آوے ؎ قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون اس آیت تک کہ اولئٰک ھم الوارثون الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خلدون - تو ایسی صورت میں پہلے رجا سے تو ناامیدی جو مانع توبہ ہے ٹوٹ جاتی ہے اور دوسری رجا سے سستی جو مانع نشاط اور تہیہ عبادت ہے جاتی رہتی ہے حاصل یہ کہ جو توقع کہ توبہ پر یا تہیہ عبادت پر برانگیختہ کرے اس کو رجا کہتے ہیں اور جو رجا کہ موجب سستی کا عبادت میں یا باعث میل طبیعت کا طرف ناحق کے ہو تو وہ غرور اور خیال خام ہے مثلاً آدمی کے دل میں آیا کہ گناہ کو ترک کرکے عمل میں مشغول ہو اس وقت شیطان نے یہ سوجھایا کہ تو اپنے نفس کو کیوں عذاب دیتا ہے اور ایذا اٹھاتا ہے تیرا رب تو کریم اور غفور ہے اور اس شخص نے اس وسوسہ سے توبہ اور عبادت میں سستی کی تو یہ غرور میں داخل ہے ایسے حال میں بندے پر واجب ہے کہ خوف کا استعمال کرے اور اپنے نفس کو خدائے تعالیٰ کے غضب اور نہایت درجہ کے عذاب سے ڈراوے اور کہے کہ اگرچہ خدائے تعالیٰ گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے مگر اس کا عذاب بھی بہت سخت ہے اور باوجودیکہ وہ کریم ہے لیکن کافروں کو ابدالآباد تک دوزخ میں رکھے گا گو ان کے کفر سے کچھ اس کا ضرر نہیں بلکہ عذاب و محنت اور مرض و علت اور فقر و فاقہ جو اس نے اپنے بندوں پر دنیا میں مسلط کیا ہے اس کو قدرت ہے کہ ان چیزوں کو ان پر سے دور کر دے جس ذات کا دستور اپنے بندوں میں یوں جاری ہے اور اس نے حکم اپنے عذاب سے ڈرنے کا بھی کیا ہے تو پھر کیسے خوف نہ کیا جاوے اطمینان کی صورت کیا ہے غرض کہ خوف و رجا دونوں سے آدمی عمل پر آمادہ ہوتا ہے اور جو آرزو ایسی ہو کہ اس سے عمل پر اشتعال نہ ہوتی ہو اس کو تمنا اور غرور کہنا چاہیئے اور اکثر لوگ جو اعمال میں سستی کرتے ہیں اور دنیا کی طرف متوجہ ہیں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے منہ پھیرے ہیں اور آخرت کے لیے سعی نہیں کرتے تو یہی وجہ ہے کہ ان کو تمنا اور غرور ہے جس کو رجا سمجھے ہوئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں جو خبر دی ہے کہ اس امت کے آخر زمانے میں غرور غالب ہوگا وہ نہایت درست ہے ویسا ہی دیکھا جاتا ہے پہلے زمانے کے لوگ جو عبادتوں میں مداومت کرتے تھے اور جو عمل کرتے تھے دل میں خوف بھرا رہتا تھا باوجودیکہ رات بھر اللہ کی طاعت میں کاٹ دیتے اور تقویٰ اور شبہات سے احتیاط اور شہوات سے

؎ میری بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لائے اور کام بھلا کرے پھر راہ پر ہے ۱۲ ؎۲ کام نکال گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں پورے ہیں اور جو نکمی بات پر دھیان نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں جو اپنی شہوت کی جگہ تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال پر سو ان پر نہیں الاہنا پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا وہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے قرار سے خبردار ہیں اور جو اپنی نماز سے خبردار ہیں وہ ہیں میراث لینے والے جو میراث پاویں گے ٹھنڈی چھاؤں کے باغ وہ اس میں

کنارہ حد سے زیادہ کرتے پھر بھی تنہائی میں اپنے نفسوں کے لیے روتے اور اس زمانے کا حال دیکھو تو ہر زمان وہر لحظہ رنگے دیگر است کا مضمون ہے کہ گو گناہوں پر پڑے ہوئے ہیں اور دنیا میں ڈوبے ہوئے اور خدا سے اعراض کیے ہوئے تیسر بھی خوش اور بے خوف اور مطمئن ہیں کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے کرم پر اعتماد رکھتے ہیں اور اس کے فضل وعفو ومغفرت کے متوقع ہیں گویا ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم کو خدا کا فضل وکرم اس درجہ کا معلوم ہوا ہے کہ اس قدر انبیاء اور صحابہ اور سلف کے اکابر صلحا کو بھی معلوم نہ ہوا یہ نہیں سمجھتے کہ اگر صرف تمنا سے کار بر آری ہوتی اور ادنیٰ سی بات سے حاجت پوری ہو جاتی تو یہ لوگ کیوں اتنا ڈرتے اور خوف وحزن میں پڑے رہتے

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال ✽ صد سال میتواں بتمنا گریستن

وہاں تو رونے کے سوا کچھ اور بھی چیز ضرور ہے اور ہم نے اس کی تحقیق باب خوف ورجا میں لکھی ہے اور آنحضرت صلعم سے حضرت معقل بن یسارؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آوے گا جیسا بدن پر کپڑے پرانے ہو جاتے ہیں اسی طرح اس وقت میں قرآن ان کے دلوں میں پرانا ہو جاوے گا سب باتیں لوگوں کی سراسر طمع ہوں گی اور اس کے ساتھ خوف بالکل نہ ہوگا اگر کچھ نیکی کرے گا تو کہے گا کہ یہ مقبول ہوگی اور اگر بدی کرے گا کہ یہ مجھ سے معاف کر دی جائے گی اس حدیث میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ خوف کی جگہ طمع استعمال کریں گے اس لیے کہ قرآن مجید کی خوف دلانے والی آیتوں سے جاہل ہوں گے اور یہی حال خدائے تعالیٰ نے نصاریٰ کا ذکر فرمایا جیسا کہ ارشاد کیا [۲] فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب یاخذون عرض ھذا الادنیٰ ویقولون سیغفر لنا اور اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ لوگ وارث کتاب یعنی عالم ہیں اور اس ادنیٰ چیز کی متاع لیتے ہیں یعنی اپنی شہوات دنیاوی کے طالب ہیں خواہ حلال ہوں یا حرام اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے [۳] ولمن خاف مقام ربہ جنتان اور فرمایا [۴] ذلك لمن خاف مقامی وخاف وعید ..... قرآن مجید میں اول سے آخر تک تحذیر وتخویف بھری ہے اگر فکر کرنے والا جو قرآن پر اعتقاد رکھتا ہو اس میں تامل کرے تو بجز اس کے کہ اس کا غم بڑھ جاوے اور خوف زیادہ زیادہ ہو جاوے اور کچھ متصور نہیں مگر لوگوں کا یہ حال ہے کہ گھاس سی کاٹتے چلے جاتے ہیں خیال کرتے ہیں تو مخارج حروف اور کسرہ اور ضمہ اور نصب پر کرتے ہیں اور اشعار کی طرح پڑھتے ہیں معانی کی طرف التفات کا قصد کبھی نہیں کرتے نہ اس کے مضامین پر عمل کریں عالم کے واسطے اس سے زیادہ غرور اور خام خیالی کیا ہوگی یہاں تک وہ جملے مذکور ہوئے جو اللہ کے باب میں غرور اور مغالطے کے لیے لوگ کہتے ہیں اور رجا غرور کا فرق

---

[۱] حارث بن ابی اسامہ بسند ضعیف ۱۲ [۲] پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف وارث کتاب لیے اسباب ادنیٰ زندگانی کا اور کہتے ہیں کہ اس کو معاف ہوگا ۱۲ [۳] اور جو کوئی ڈرا کھڑا ہونے سے اپنے رب کے آگے اس کو دو باغ ہیں ۱۲ [۴] یہ ملتا ہے اس کو ڈرا کھڑے ہونے سے میرے سامنے اور ڈرا میرے ڈرانے سے ۱۲

بھی بیان کر دیا گیا اور اسی کے قریب غرور ان لوگوں کا ہے جو طاعت اور معصیت دونوں کرتے ہیں مگر معصیت زیادہ کرتے ہیں اور توقع مغفرت کی رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارا نیکیوں ہی کا پلہ جھکے گا گو بدی کے پلہ میں بدیاں زیادہ ہوں اور یہ نہایت جہالت ہے بعض لوگ چند درم حلال و حرام کے خیرات کرتے ہیں اور جو کچھ مال مسلمانوں کا اور شبہات کا لیتے ہیں وہ اس خیرات سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور شاید یہ خیرات بھی مسلمانوں کے مال ہی میں سے ہو مگر ان کو اس پر تکیہ ہوتا ہے اور یہ گمان ہے کہ اگر ہزار درم حرام کے پیدا کریں اور دس درم حرام سے یا حلال سے خیرات کر دیں تو یہ نیکی اور وہ بدی مساوی ہیں اور یہ کیسی بڑی جہالت ہے اگر ایک پلے میں دس درم رکھیں اور دوسرے میں ہزار اور دونوں برابر ہو جاویں یا ہلکا پلہ بھاری کو اٹھاوے تو ان کا قول بھی درست ہو سکتا ہے اور بعض یہ تصور کرتے ہیں کہ ہماری نیکیاں گناہوں سے زیادہ ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگ برائیوں کو تو شمار نہیں کرتے اور نہ ان کی تلاش کریں مگر نیکی کرنے کو یاد رکھتے ہیں مثلاً ایک شخص دن میں سو بار استغفر اللہ یا سبحان اللہ کہتا ہے پھر مسلمانوں کی غیبت و ہتک کرتا ہے اور تمام دن ایسی ہی باتیں بکتا رہتا ہے جن سے خدائے تعالیٰ خوش نہیں اور ان باتوں کو شمار نہیں کرتا تو جب کہے گا یہی کہے گا کہ میں ایک تسبیح استغفار یا کلمے کی پڑھتا ہوں اس بات سے غافل رہے گا کہ دن بھر کیا بکتا رہتا ہوں اور اگر دن بھر کی لغو باتوں کو لکھے تو ایک تسبیح سے سو گنی یا ہزار گنی ہو جاویں حالانکہ کرام کاتبین نے وہ سب کچھ لکھ لی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہر کلمہ لغو کے پیچھے عذاب کا وعید فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا[1] ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید[1] اس شخص کو ہمیشہ تسبیح و تہلیل کے ثواب کی سوچ رہتی ہے اور اس پر التفات نہیں کرتا کہ غیبت کرنے والوں اور جھوٹوں اور چغل خوروں اور منافقوں کے عذاب میں کیا کچھ وارد ہے اور وفات زبان کے باعث کتنی خرابی بھگتنی پڑے گی یہ مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے اور یاد رکھو کہ کرام کاتبین اگر آدمی سے اپنے لکھنے کی مزدوری لیا کرتے اور تسبیح اور تہلیل پر کچھ نہ لیتے تو اس وقت اپنی ضروری باتوں کو بھی نہ بولتا اور اب جن باتوں کو مساوی تسبیح کے سمجھتا ہے ان سے بھی زبان بند کر لیتا اس نظر سے کہ کہیں مزدوری زیادہ نہ دینی پڑے تو بڑی شرم کی بات ہے کہ آدمی ایک دو پیسے کے بچاؤ کے واسطے تو احتیاط کرے اور جنت فردوس کے ہاتھ سے جاتے رہنے کے خوف سے کچھ احتیاط نہ کرے اگر سوچو تو بڑی ہی مصیبت ہے کیونکہ ہم کو وہ کام کرنا پڑا کہ اگر اس میں شک کریں تو کافر منکر ٹھہرتے ہیں اور اگر اس کی تصدیق کرتے ہیں تو احمق اور مغرور ہوتے ہیں تو جو شخص مضامین قرآنی کو سچ جانتا ہے اس کے یہ عمل نہیں ہوتے ہم کو خدائے تعالیٰ ناشکری اور کفران سے بچاوے اسی کی ذات اس قابل ہے کہ اس سے خوف اور حذر کیا جاوے جو دلوں پر ایسی غفلت و غرور کو مسلط کرنے پر قادر ہے کہ باوجود قرآن جیسے احکام واضح کے ہم لوگوں کو

---

[1] نہیں بولتا ایک بات جو نہیں اس کے پاس ایک راہ دیکھتا تیار ۱۲

تنبیہ اور عبرت نہیں ہوتی اور جھوٹی آرزوؤں اور شیطان و نفس کے بہانوں پر تکیہ کر کے مغرور بن رہے ہیں۔

مغرور لوگوں کی چار اقسام

اہل علم کا غرور ان میں سے ایک فرقہ وہ ہے جو علوم شرعی اور عقلی کو خوب سیکھتے ہیں اور ان میں تعمق اور شغل اتنا کرتے ہیں کہ اعضائے ظاہری کے درپے مطلق نہیں ہوتے ہیں اور نہ ان کو گناہوں سے روکتے ہیں اور نہ طاعت بجالاتے ہیں ان کو اپنے علم کے باعث مغالطہ پڑ گیا ہے اور اس خیال میں ہیں کہ ہم خدائے تعالیٰ کے نزدیک ذی رتبہ ہیں اور علم کے باعث ہم ایسے ہو گئے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ہم جیسوں کو عذاب نہ دے گا بلکہ لوگوں کے حق میں ہماری شفاعت سنے گا اور ہم سے ہماری بزرگی کی جہت سے بازپرس گناہوں اور خطایا کی نہ کرے گا اور واقع میں ان کو دھوکا ہے اس لیے کہ بنظر بصیرت دیکھیں تو معلوم کریں کہ علم دو طرح کے ہیں ایک علم مکاشفہ یعنے خدا کو اور اس کے صفات کو پہچاننا جس کا نام اصطلاح میں معرفت ہے دوسرا علم معاملہ یعنی پہچاننا حلال اور حرام کا اور نفس کے اخلاق مذموم اور عمدہ کا اور کیفیت ان کے علاج کی اور بڑے اخلاق سے بھاگنے کی تدبیر وغیرہ تو یہ دوسری قسم علم کی یعنی علم معاملہ اسی لیے تحصیل کرتے ہیں کہ عمل ہو اور اگر ان علوم کی علت غائی عمل نہ ہوتی تو یہ نکمے ہوتے اور جس علم سے کہ مقصود عمل ہوتا ہے وہ عمل ہی اس کی قیمت ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی مرض میں مبتلا ہے اور اس کی دوا ایک معجون مرکب چند اجزا سے ہے جس کو بجز طبیب حاذق کے اور کوئی نہیں جانتا اور یہ شخص اپنے گھر سے طبیب کی تلاش میں نکلا اور اس کو تلاش کر کے اس کے پاس گیا طبیب نے اس کو دوا بتلائی اور اس کے سب اجزاء کی قسم اور مقدار اور پیدا ہونے کی جگہ اور جہاں سے ملتی ہے وہ مقام اور کیفیت ان کے کوٹنے اور چھاننے کی اور ترکیب ملانے اور معجون بنانے کی سب مفصل بیان کر دی مریض نے اس کو سیکھ کر خوشخط نسخہ لکھ لیا اور اپنے گھر چلا آیا اور ہر روز اس کو دیکھتا اور پڑھنا شروع کیا اور دوسرے بیماروں کو دیا مگر آپ کبھی بنا کر نہ کھایا تو بھلا اس امر سے اس کی بیماری کچھ کم ہو جاوے گی بلکہ اگر ہزار نسخے روز لکھے اور ہزار آدمیوں کو بتا دے جو سب کے سب شفا پاویں اور ایک رات میں ہزار بار پڑھ لیا کرے تب بھی کچھ اثر نہ ہو گا اور بیماری میں کمی نہ پڑے گی ہاں اگر کچھ پیسہ خرچ کر کے دوا مول لے اور اس کا معجون بناوے اور جس طرح استعمال سیکھا تھا ویسا ہی استعمال کرے اور اس تلخی پر صبر کرکے پرہیز مضر چیزوں سے کرتا ہے اور وقت معینہ پر سب شرطوں کے ساتھ کھاتا رہے تب توقع شفا کی ہو سکتی ہے اور اس میں بھی احتمال ہے کہ شفا نہ ہو اور جب دوا بالکل نہ کھاوے اور سمجھے کہ شفا ہو جاوے گی تو خام خیالی ہے اسی طرح جو عالم کہ علم فقہ اور احکام عبادات سیکھے اور خود عمل نہ کرے اور گناہوں کو جانے اور اجتناب

نہ کرے اور اخلاق مذمومہ کا علم خوب پڑھے اور اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرے اور علم عمدہ اخلاق کا تحصیل کرے اور ان کے ساتھ متصف نہ ہو تو وہ مغرور ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ؎۱ قد افلح من زکھا۔ یہ نہیں فرمایا کہ فلاح اس شخص کو ہے جو نفس کے تزکیہ سے واقف ہو اور اس کو لکھ کر لوگوں کو سکھا دے یہاں شیطان ایک اور دھوکا پیش کرتا ہے کہ مثال سے اور تحصیل علم سے کچھ سروکار نہیں یہ تو صحیح ہے کہ دوا کا جاننا مرض کو دور نہیں کرتا مگر علم کی تحصیل قرب الٰہی اور ثواب کے لیے ہوتی ہے وہ علم سے حاصل ہے چنانچہ فضائل علم میں اخبار وارد ہیں پس اگر آدمی بیچارہ بیہوش ہوا تو اس دھوکے میں آجاتا ہے کیونکہ یہ نفس کی مراد کے موافق ہے اور علم چھوڑ بیٹھتا ہے اور اگر دانا صاحب تمیز ہوتا ہے تو شیطان کو یہ جواب دیتا ہے کہ تو مجھے فضائل علم میں یاد دلاتا ہے اور جو وعید کہ بدکار عالموں کے باب میں وارد ہے جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے اس کو بھلائے دیتا ہے دیکھ تو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ؎۲ فمثلہ کمثل الکلب اور ومثل الذین حملوا التورٰۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا ؎ یعنی کتے اور گدھے کے مشابہ ہونے سے اور کون سی رسوائی بڑھ کر ہے اور حدیث شریف ؎ میں ہے کہ جس کو علم زیادہ ہو اور ہدایت زیادہ نہ ہو وہ خدائے تعالیٰ سے دور ہی ہوتا جاتا ہے اور فرمایا کہ ؎ عالم دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اس کی آنتیں نکل پڑیں گی اور جیسا گدھا چکی گھماتا ہے اسی طرح آگ میں چکر دے گا اور فرمایا سب میں بڑے لوگ عالم بدکار ہیں اور حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ جاہل کو تو ایک ہی بار خرابی ہے کہ اس نے نہ پڑھا اگر خدا کی مرضی ہوتی تو پڑھ جاتا مگر عالم کی سات بار خرابی ہے یعنی اس جہت سے کہ اس کا علم اس پر حجت ہوگا اور یہ کہا جاوے گا کہ اپنے علم سے کیا عمل کیا اور اللہ کی نعمت کا شکر کیسے ادا کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ؎ کہ سب لوگوں سے زیادہ عذاب قیامت میں اس عالم کو ہوگا جس کو اپنے علم سے نفع نہ ہوا ہو یعنی عمل نہ کیا ہو تو یہ روایت اور اور روایتیں جو باب علم میں علمائے آخرت کی علامات کے بیان میں ہم نے لکھی ہیں حد شمار سے زیادہ ہیں مگر اتنی بات ہے کہ یہ روایتیں عالم بدکار کی مرضی کے موافق نہیں اور فضائل علم اس کے مطلب کے ہیں اسی لیے شیطان ان کو انہیں کی طرف جھکاتا ہے اور یہ نہایت مغالطہ ہے کیونکہ اگر عقل سے غور کرے تب تو اس کی مثال یہی ہے کہ جو ہم نے لکھی ہے اور اگر ایمان کی راہ سے غور کرے تو جس شخص نے فضائل علم کی خبر دی ہے اسی نے علمائے بے عمل کی برائی بھی کہی ہے اور یہ کہ ان کا حال خدا کے نزدیک جاہلوں کے حال سے بھی ابتر ہے تو پھر اس امر کا معتقد ہونا کہ میں خیر پر ہوں باوجودیکہ باز پرس خدائے تعالیٰ کی بھی مجھ ہی سے زیادہ ہے عین غرور ہے اور جو شخص علم مکاشفہ کا مدعی ہے کہ خدائے تعالیٰ اور اس کے صفات و اسماء کا علم رکھتا ہے اور عمل

؎۱ مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوارا ۱۲ ؎ تو اس کی کہاوت جیسے کتا ۱۲ ؎۲ کہاوت ان کی جن پر لادی توریت پھر نہ اٹھائی انہوں نے جیسے کہاوت گدھے کی پیٹھ پر لے چلتا ہے کتابیں ؎ کئی بار گذر چکی ۱۲ ؎ باب العلم میں گذری ۱۲ ؎ اول باب العلم میں گذری ۱۲

کا تارک ہے اور اوامر و نواہی کو بجا نہیں لاتا اس کو بہت سخت مغالطہ ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کی خدمت کرنی چاہے اور بادشاہ کو اور اس کے اخلاق و اوصاف و رنگ و شکل و طول و عرض اور عادت و نشست کو جانے مگر یہ نا معلوم کرے کہ بادشاہ کو کونسی چیز محبوب ہے اور کون سی مبغوض اور کس چیز سے خوش ہوتا ہے اور کس سے ناخوش یا ان باتوں کو بھی جان لیا مگر اس کی ملازمت و خدمت کا جو ارادہ کیا تو ایسی باتیں کیں جو موجب اس کے غصہ کا ہوتی ہیں اور لباس اور ہیئت اور حرکات و سکنات و گفتگو جو اس کو محبوب ہیں ان سب سے عاری رہا جب بادشاہ کے سامنے گیا اور اس کا مقرب اور خاص ہونا چاہا اس ذریعے سے کہ میں بادشاہ کے نسب اور نام اور شہر اور صورت و شکل و عادت و سیاست اور معاملہ رعیت سے واقف ہوں لیکن جو باتیں کہ بادشاہ کو ناپسند تھیں ان میں آلودہ رہا اور اس کی محبوب چیزوں کا عادی نہ ہوا تو مقرب و خاص بننا خیال خام ہے ہاں اگر بالفرض یہ سب باتیں نہ جانتا اور صرف بادشاہ کو اور اس کی محبوب اور مبغوض چیزوں ہی کو پہچانتا تو البتہ مقرب و خاص ہو جاتا اسی طرح جو شخص کہ تقویٰ میں کوتاہی کرتا ہے اور شہوات کی پیروی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خدا کی معرفت صرف برائے نام جانی ہے پوست ہی پر ملتفت ہوا مغز کو چھوڑ دیا اس لیے کہ اگر خدا کا حق معرفت جانتا تو بیشک خوف خدا دل میں ہوتا اور تقویٰ کرتا یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی عاقل آدمی شیر کو پہچانے اور پھر اس سے نہ ڈرے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی کی کہ مجھ سے ایسا ڈر جیسا درندہ ضرر رساں سے ڈرتا ہے البتہ بعض اوقات آدمی شیر کا نام اور رنگ اور شکل ہی جانتا ہے اور ڈرتا نہیں تو اس نے اب تک گویا شیر کو پہچانا ہی نہیں پس جو شخص کہ خدائے تعالیٰ کو پہچانتا ہے وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ اس کی صفت یہ بھی ہے کہ عالم کے لوگوں کو تباہ کر دے اور پرواہ نہ کرے اور یہ کہ اس کے قبضۂ قدرت میں انسان بھی ہے کہ اگر اس کو اور اس جیسے ہزاروں کو ہلاک کر دے یا ابدالآباد عذاب میں رکھے تو اس کی شان میں اس سے کچھ اثر نہ ہو گا اور نہ اس کو رحم آوے گا اور نہ افسوس ہو گا اور اسی لحاظ سے اس نے فرمایا کہ [1] انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اور شروع کتاب آسمانی زبور کا ہے کہ خوف خدا سب حکمتوں کی جڑ ہے اور حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خوف خدا کے لیے علم کافی ہے اور اس میں مغالطہ کھانے کے لیے جہل بس ہے اور ایک شخص نے حضرت حسنؒ سے ایک مسئلہ پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا اس نے کہا کہ فقہا اس طرح نہیں بیان کرتے آپ نے فرمایا کہ تو نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا ہے فقیہ اس کا نام ہے جو رات کو جاگے اور دن کو روزہ رکھے اور دنیا کا تارک ہو اور ایک قول آپ ہی کا یہ بھی ہے کہ فقیہ وہ ہے کہ مدارات کرے اور کسی سے خصومت نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کو پھیلاوے اگر کوئی اس کی مانے تب بھی شکر کرے اور نہ مانے تب بھی شکر کرے اس سے معلوم ہوا کہ فقیہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر نواہی

---

[1] اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے ۔"

کو سیکھے اور اس کے صفات میں سے یہ جانے کہ کونسی چیز اسے محبوب ہے اور کون سی اس کے نزدیک مکروہ اور اسی کا نام عالم ہے جس کو خدا بہتری دینا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عنایت کرتا ہے اور جو ایسا نہ ہو اس کو مغرور سمجھنا چاہیے اور ایک فرقہ اور ہے جو علم و عمل دونوں کرتے ہیں یعنی ظاہر کی طاعات ادا کرتے ہیں اور گناہوں کے تارک ہیں مگر اپنے دلوں کو نہیں ٹٹولتے کہ ان سے وہ صفات جو خدا کے نزدیک مذموم ہیں مثل کبر و حسد اور ریا اور طلب ریا اور طلب ریاست اور علو اور اپنے ہمسروں کو ایذا دینی اور شہروں اور بندوں کے درمیان شہرت طلب کرنی وغیرہ نیست و نابود کریں اور بعضوں کو تو اتنی بھی خبر نہیں ہوتی کہ یہ صفات بُرے ہیں اسی واسطے ان کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ کنارہ نہیں کرتے اور ان احادیث پر دھیان نہیں دیتے کہ آپ نے فرمایا[۱] کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے اور جس شخص[۲] کے دل میں ذرہ بھر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جاوے گا اور حسد نیکیوں[۳] کو ایسا کھاتی ہے جیسے آگ لکڑیوں[۴] کو اور محبت شرف اور مال کی نفاق ایسا بڑھاتی ہیں جیسا پانی ساگ کو اور سوائے ان روایات کے اور بہت سی احادیث اخلاق مذمومہ کے باب میں وارد ہیں جو ابواب مہلکات میں اوپر مذکور ہوئی ہیں ان لوگوں نے اپنے ظاہر کو تو بنا لیا مگر باطن کو بالکل بھول گیے ویسا ہی رہنے دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو یاد نہ کیا کہ خدائے تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے صرف اعمال کی تو خبرداری کی دلوں کی نہ کی حالانکہ اصل دل ہی ہے اور نجات اسی کی سلامتی پر منحصر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[۶] الا من اتی اللہ بقلب سلیم[۵] اور ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے گھورے[۶] کے اندر پختہ کنواں ہو کہ ظاہر میں تو چونا وغیرہ سے آراستہ ہو مگر باطن میں بدبو ہو جیسے مردوں کی قبریں کہ ظاہر میں خوب آراستہ رہتی ہیں اور ان کے اندر مردار ہیں یا اندھیری کوٹھڑی جس کی چھت پر چراغ ہو کہ اوپر بہت چاندنا ہے مگر اندر کچھ نہیں یا کوئی شخص بادشاہ کی ضیافت کے لیے دروازہ مکان کا تو خوب مزین کر دے اور گھر کے اندر خس و خاشاک بھرا رکھے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑی غلطی ہے اور اس سے بھی زیادہ فریب کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کھیت بویا اور کھیتی کے ساتھ گھاس بھی لگائی جس سے کھیت بگڑ جاوے اس کو کہا گیا کہ اگر تو کھیت نولا دے گا اور اس گھاس کو جڑ سے اکھاڑ دے گا تو کھیت درست ہو جاوے گا اس نے جڑ سے تو نہ اکھاڑا گھاس کی پتیاں اور سر نوچنا شروع کیا اور جڑیں مضبوط ہوتی گئیں اور پھوٹتی گئیں یہاں تک کہ کھیت میں کچھ واجبی ہی پیدا ہوا اسی طرح گناہوں کی جڑیں اخلاق ذمیمہ ہیں جو دل کے اندر ہیں تو اگر آدمی دل سے صاف نہ کرے تو طاعات ظاہری سے پھل کیسے پاوے گا بہت سی آفتوں میں سے کچھ بچ رہے بلکہ ایسے شخص کی مثال یہ ہے کہ جیسے کسی کو خارش ہو اور طبیب نے دوا ملنے کی اور پینے کی بتائی کہ ملنے کے باعث جلد کو فائدہ

---

[۱] جاہ و ریا کی برائی میں گذری [۲] کئی بار گذر چکی [۳] باب العلم وغیرہ میں گذری [۴] پہلے گذری [۵] پیشتر گذری [۶] مگر جو آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا [۷] اصل میں کنیف الحش ہے اور ظاہر مراد یہ ہے جیسے پائخانہ کے اندر پختہ حوض ہو

ہو گا اور پینے سے اس کی جڑ جاتی رہے گی مریض نے صرف لگانے کی دوا پر قناعت کی اور پینے کی دوا نہ پی اور
ایسی چیزیں کھاتا رہا جس سے مادہ خارشی زیادہ ہو تو اس کی خارش کبھی نہ جاوے گی گو کتنی ہی دوا ہر روز
لگایا کرے کیونکہ جڑ تو اندر موجود ہے جب وہ جاوے تو یہ بھی جاوے اور ایک فرقہ اور ہے جو ان اخلاق
باطنی کا علم بھی رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ شریعت کی رو سے یہ بُری ہیں مگر چونکہ اپنے نفسوں کو بڑا سمجھتے
ہیں اس لیے گمان کرتے ہیں کہ ہم میں یہ باتیں نہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا رتبہ نہیں رکھتے جو
ہم کو ایسی چیزوں سے آزماوے یہ چیزیں عوام کے امتحان کی ہیں نہ ہم جیسے عالموں کے امتحان کی پھر اگر ان
لوگوں سے آثار کبر اور ریاست اور شیخی اور شرف کے ظاہر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ کبر نہیں بلکہ دین کی عزت
کی خواہش اور شرف علم کا ظاہر کرنا اور خدا کے دین کو مدد دینی اور مخالفوں کو اور بدعتیوں کو زک دینی ہے
اس لیے کہ اگر ہم گھٹیا کپڑا پہنیں اور مجالس میں نیچی جگہ بیٹھیں تو اعدائے دین ہنسیں گے اور بدگوئی کریں
گے اور ہماری ذلت کیا ہو گی گویا اسلام کی ہو گی اور ان مغروروں کو یہ معلوم نہیں کہ ان کا دشمن تو واقع
میں شیطان ہے جس سے خدائے تعالیٰ نے ڈرایا ہے وہ ان کی ان حرکات پر خوب ہنستا ہے اور ان کو مسخرہ
بناتا ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی نصرت کیسی کی تھی اور کافروں کو
کیسی زک دی تھی اور آپ کے اصحاب کیا درجہ تواضع اور فروتنی کا رکھتے تھے اور فقر و مسکنت پر کیسے
قائم تھے یہاں تک کہ شام میں حضرت عمرؓ پر گھٹیا لباس کا اعتراض لوگوں نے کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم لوگوں
کو خدائے تعالیٰ نے اسلام سے عزت دی ہے ہم دوسری چیز میں اپنی عزت کی خواہش نہیں رکھتے پھر یہ فرقہ
مغرورین کی عزت عمدہ لباس اور باریک و حریری و ریشمی کپڑوں میں جو حرام ہیں اور سواریوں اور گھوڑوں
میں کہاں سے طلب کرتا ہے اسی طرح اگر کسی کو اپنے ہمسروں میں سے یا اپنے مقابل کو جو اس کی ادنیٰ بات نہ
مانے براہ حسد کچھ کہتا ہے تو یہ نہیں جانتا کہ براہ حسد کہتا ہوں بلکہ تاویل یوں کرتا ہے کہ یہ غصہ خدا کے واسطے
ہے اور منکر کا جواب یہ ہے جو عداوت اور ظلم سے امر حق کو نہیں مانتا اور اپنے نفس پر حسد کا تو گمان ہی نہیں
کرتا تاکہ یہ بات بھی سوچے کہ اگر وہ عداوت والا کسی اور عالم کی برائی کرے یا اور کسی طرح کی ان کے ساتھ
ریاست وغیرہ میں مزاحمت کرے تب بھی مجھے ایسا ہی غصہ اور عداوت ہو جیسا اب ہے یا نہیں تاکہ حسد
اور غصے کا حال معلوم ہو کہ خدا کے واسطے ہے یا اپنے نفس کے واسطے لیکن اکثر یہی ہوتا ہے کہ جب کسی دوسرے
عالم پر طعن ہوتا ہے تو اپنے آپ خوش ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا غصہ اور حسد خبث باطنی کی جہت سے
ہے نہ خدا کے واسطے اسی طرح جو شخص اپنے اعمال و علوم سے ریا کرتا ہے اور اس کو وسوسہ ریا دل میں گذرتا
ہے تو کہتا ہے کہ میں ریا تھوڑا ہی کرتا ہوں میری غرض اظہار علم و عمل سے یہ ہے کہ لوگ میری اقتدا کریں اور
ان کو دین کی راہ ملے اور عذاب الٰہی سے چھوٹ جاویں اور اس مغرور کو یہ نہیں سوجھتا کہ اگر واقع میں ایسا ہی
ہوتا تو لوگ اگر کسی دوسرے عالم کی اقتدا کریں تب بھی مجھ کو ایسا ہی خوش ہونا چاہیے جیسا اپنی اقتدا سے ہوتا ہوں

کیونکہ غرض تو لوگوں کی بہتری سے ہے کسی کے ہاتھ پر ہو جیسے کسی کے بہت سے خادم بیمار ہوں اور اس کو ان کا علاج کرانا منظور ہو تو اس میں کچھ فرق نہیں ہوگا کہ ان کا علاج یہ شخص کر دے یا کوئی دوسرا کرے اور اس میں بھی شیطان ایک اور پیچ لگاتا ہے اور یوں سوجھاتا ہے کہ جب لوگ میرے سبب سے ہدایت پاویں گے تو ثواب مجھ کو ہوگا تو میں خوش ہوں تو اپنے ثواب کی جہت سے خوش ہوتا ہوں اس لیے نہیں ہوتا کہ لوگ مجھے مانتے ہیں یہ منصوبے اپنے نفس میں کر لیتا ہے حالانکہ خدائے تعالیٰ کو دل کا حال خوب معلوم ہے کہ اگر اس سے بالفرض کوئی نبی کہہ جاوے کہ تجھ کو خاموش رہنے اور علم کے خفیہ رکھنے میں بہ نسبت اظہار علم کے زیادہ تر ثواب ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کو قید کر کے زنجیروں سے جکڑ دیا جاوے تو ضرور ایسے بہانے کرے گا کہ قید خانے کو کسی طرح ڈھا کر اور زنجیریں تڑا کر ایسی جگہ جاوے جہاں اس کی وعظ و تدریس کے باعث اس کی ریاست چمکے۔ اسی طرح جو شخص بادشاہوں کے پاس جا کر ان سے دوستی پیدا کرتا ہے اور ان کی ثنا کرتا ہے اور تواضع اور انکسار بجالاتا ہے جب اس کو یہ بات دل میں گذرتی ہے کہ ظالم بادشاہوں سے فروتنی حرام ہے تو شیطان اس کو مغالطہ دیتا ہے کہ تیری تواضع اس قسم کی نہیں ہے یہ صورت تو جب ہے جب تجھے ان کے مال کی طمع ہو تیری غرض تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی سفارش بادشاہ سے کر کے ان پر سے ضرر دور کرے اور شر اعدا سے تو بھی بچا رہے اور خدا کو اس کے دل کا حال خوب معلوم ہے کہ اس کا مقصد یہ نہیں جو دعویٰ کرتا ہے اگر یہی مراد ہوتی تو کوئی دوسرا شخص اگر بادشاہ کا مقرب ہو کر تمام مسلمانوں کی سفارش کرتا اور اس کی سفارش منظور ہوتی تو یہ شخص اس سے نہ جلتا بلکہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جاوے تو کچھ عیب نہیں کہ یہ شخص بادشاہ کے سامنے اس پر جھوٹ لگاوے اور اس کے عیب بتاوے اور کیا کیا نہ کر گذرے اور بعضوں کا غرور اس درجے کو پہنچتا ہے کہ بادشاہوں کا مال لے لیتا ہے اور جب دھیان آتا ہے کہ مال حرام ہے تو شیطان یہ سوجھاتا ہے کہ یہ مال لاوارث ہے اور وہ مسلمانوں کی بہتری کے لیے ہوتا ہے اور تو مسلمانوں کا امام اور عالم ہے تجھ سے دین قائم ہے تجھ کو مقدار حاجت اس میں سے لے لینا درست ہے تو اس مغالطے سے تین باتوں میں دھوکا کھاتا ہے اول تو اس میں کہ یہ مال لاوارث ہے اس لیے کہ صریح اس کو معلوم ہے کہ بادشاہ بطور خراج مال مسلمانوں کا اپنی قلمرو سے لیتا ہے اور جن لوگوں سے لیا ہے وہ خود زندہ ہیں یا ان کی اولاد وارث موجود ہیں غایت یہ کہ مثلاً دس آدمیوں سے سو دینار لیے تھے وہ سب خلط ملط ہو گئے ہیں تو اس مال کی حرمت میں کیا شبہ ہے اس کو یہ سمجھنا کہ مال لاوارث ہے نہایت بیجا ہے بلکہ واجب ہے کہ ان کے مالوں کو دیدے گو ایک چیز دوسری میں مل گئی ہو دوسرا دھوکا اس میں یہ ہے کہ اپنے آپ کو دین کی بہتری اور قیام کا موجب سمجھا اس لیے کہ جو لوگ بادشاہوں کے مال کو حلال جانتے ہیں اور طلب دنیا کے راغب ہیں اور ریاست پر متوجہ ہیں اور آخرت سے روگرداں وہ لوگ دین کے بگاڑنے والے ہیں اور ایسے لوگوں کی نسبت بہت زیادہ ہیں جو دنیا میں زہد کر کے متوجہ الی اللہ ہوں اس سے معلوم ہوا کہ ایسے عالم دین کے دجال اور باعث استحکام مذہب شیاطین ہیں

نہ امام و قوام دین متین اس لیے کہ دین کا امام وہی گنا جاتا ہے جس کی پیروی سے دنیا سے روگردانی حاصل
ہو اور اللہ کی طرف توجہ کامل جیسے انبیا علیہم السلام اور صحابہؓ اور علماء سلفؒ تھے ۔ اور دجال اس کو کہتے ہیں
جس سے سب معاملات مذکورۂ بالا الٹے ہوں تو ایسا شخص جو خدا سے روگردان اور دنیا پر متوجہ ہو اگر دجال نہیں
تو کون ہے وہ اپنی دانست میں اپنے آپ کو دین کا ستون سمجھتا ہے اور شاید اس کے مرنے سے لوگوں کو زیادہ
نفع ہو بہ نسبت حیات کے اور اس کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمائی ہے کہ بُرا عالم ایسا ہے جیسے
بہتے پانی کے منہ پر پتھر کہ نہ خود پانی جذب کرے نہ بہنے دے کہ اور کھیتوں کو نفع ہو اور ہر چند اقسام غرور اہل علم
کے اس آخر زمانے میں خارج از حد شمار ہیں مگر مشتے نمونہ از خروارے ہم نے تھوڑے سے لکھ دیئے اور ایک
فرقہ اور ہے جنہوں نے علم بھی خوب پڑھا اور اعضاء کو پاک وصاف کیا اور طاعات کو ادا کیا اور معصیت ظاہری سے
بھی بچے اور اخلاق نفس اور صفات قلبی یعنی ریا اور حسد اور کبر وغیرہ کے درپے ہو کر اس میں کوشش کی کہ نفس ان
اخلاق سے بری ہو جاوے اور اسی لیے دل میں سے ان چیزوں کی جڑیں ظاہر کی کاٹ ڈالیں مگر باوجود اس کے
مغرور رہے یعنی دل کے کونوں میں خفیہ مکر شیطانی اور فریب نفسانی ایسے رہ گیے جن کا معلوم کرنا بہت مشکل
و دقیق تھا ان کو ان کی اطلاع نہ ہوئی اس واسطے ان کو ویسا ہی چھوڑ دیا اور ان لوگوں کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی
کھیت کو نلانا چاہے اور اس میں جا بجا پھر کر جہاں جہاں گھاس نظر آئے اس کو جڑ سے اکھاڑ دے مگر جن روئیدگی
کے سر ابھی تک زمین سے نکلے ہی نہ تھے اور اس نے خیال کر لیا کہ سب نکل آئے یا بعضے بہت ذرا ذرا سی سوئیاں
تھیں کہ وہ گھاس کی جڑوں میں پھوٹ کر زمین کے اندر ہی اندر پھیل گئی تھیں اس کی نظر میں نہ آئیں تو اس کو تو یہی
خیال ہو گا کہ میں نے سب گھاس اکھاڑ ڈالی حالانکہ وہاں غفلت ہی غفلت میں نیچے نیچے ان جڑوں نے پھیل کر کھیتی
کی جڑوں کو بگاڑ دیا اسی طرح عالم بھی کبھی سب باتیں کرتا ہے مگر خفیہ دقائق کی طرف توجہ نہیں کرتا بعض عالم دن
رات جاگتے ہیں اور علوم کی جمع و ترتیب اور تحسین الفاظ اور تصنیفات کے لکھنے میں بسر اوقات کرتے ہیں اور
یہ جانتے ہیں کہ اس سے ہماری غرض دین خدا کو ظاہر کرنا اور اس کی شریعت کو پھیلانا ہے اور خفیہ باعث شاید
یہ ہوتا ہے کہ اطراف میں ہمارا نام مشہور ہو اور لوگ سب طرف سے آکر بہت سے رجوع ہوں اور زہد و
ورع اور علم کی مدح و ثنا میں زبانیں کھلیں اور حاجات و اغراض میں لوگ ہم کو اپنے اوپر ترجیح دیں اور
استفادے کے واسطے گرد جمع رہیں اور جب ہم اچھی طرح کسی بات کو بیان کریں تو وہ دل لگا کر سنیں اور ہم
کو مزا ملے یا جب ہماری گفتگو سنیں تو اس کی تصدیق کے واسطے سر ہلا دیں یا رقت کریں یا اچنبھے میں بھی ہو جاویں
اور اس بات سے خوش ہو تا کہ ہمارے توابع اور ساتھی اور مستفیدین بہت ہیں اور سب ہمسروں میں ہمیں کو یہ
خاصیت حاصل ہے کہ علم و ورع اور زہد ظاہری سب ہم میں موجود ہیں اور عامہ خلایق پر زبان طعن دراز کرنا
نہ اس نظر سے کہ کچھ دین کی جہت سے درد کیا ہو بلکہ اپنے آپ کو خاص اور تمیز دار سمجھ کر عوام کے عیب بیان کرنے
اور سوائے ان کے اور ایسی ہی باتیں اسباب خفیہ ان کے علم و عمل کی ہو سکتی ہیں اور ظاہر از زندگی اس بیچارے مغرور

کی در پردہ اسی حکومت و امارت اور توقیر اور لوگوں کی تعریف پر منحصر ہے اگر آدمیوں کے دل اس سے پھر جاویں اور اس کو کسی عمل کے ظاہر ہونے سے زاہد نہ سمجھیں تو کیا عجب ہے کہ اس کا دل تشویش میں پڑے اور اس سے ورد و وظیفہ بھی کچھ نہ بن پڑے اور ایک طرح کے حیلے اور بہانے سے اپنے نفس کا عذر بیان کرے اور اپنے عیب چھپانے کے واسطے جھوٹ بھی بول دے اور کچھ بعید نہیں کہ جو شخص اس کے زہد و تقویٰ کا معتقد ہوا اس کی تعظیم و توقیر زیادہ کرے گا جتنا اس کا اعتقاد ہے اتنا خود میں نہ ہو اور اگر کوئی بے کم و کاست جس قدر تقویٰ ہے اسی قدر کا معتقد ہو تو اس سے دل تنگ ہوتا ہے اور بعض اوقات اپنے یاروں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ جانتا ہے کہ چونکہ اس کو فضل و ورع زیادہ ہے اس لیے اس کی تعظیم زیادہ کرتا ہوں حالانکہ وجہ اس کی درحقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص اطاعت و فرمانبرداری زیادہ کرتا ہے اور اس سے کام بہت نکلتا ہے اور تعریف و توصیف زیادہ کرتا ہے خدمت کا زیادہ حریص ہوتا ہے یہی وجہ اس کی تعظیم زیادہ ہوتی ہے اور بعض اوقات جو آدمی عالم سے استفادہ کرتے ہیں اور عمل کی رغبت پیدا ہوتی ہے تو عالم کو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ تاثیر میرے اخلاص اور صدق کی اور حق علم کے ادا کرنے کی ہے اور اسی گمان سے خدا کا شکر کرتا ہے کہ اس نے میری زبان سے لوگوں کو یہ فائدہ پہنچایا اور اس امر کو باعث عفو گناہ اور کفارۂ سیئات سمجھتا ہے اور ابھی تک اپنی نیت کی خبر نہیں کہ درست ہے یا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ اگر ایسے ہی ثواب کا وعدہ اس کو سنایا جاوے بشرطیکہ گمنامی اور گوشہ نشینی اور علم کا پوشیدہ رکھنا اختیار کرے تو اس کی خواہش نہ کرے کیونکہ اس صورت میں لذت قبول اور لذت ریاست مفقود ہے اور شاید شیطان کا قول ایسے ہی شخصوں پر درست ہے یعنی وہ کہتا ہے کہ بنی آدم میں سے جو اس بات کا مدعی ہو کہ میں اپنے علم کے سبب شیطان سے پناہ میں ہو گیا تو وہ اپنی دانائی کے باعث میرے جال میں پڑ گیا اور کبھی عالم شخص تصنیف کتاب میں بہت کوشش کرتا ہے اور اس خیال میں ہے کہ میں خدائے تعالیٰ کا علم جمع کرتا ہوں تاکہ لوگوں کو اس سے فائدہ ہو حالانکہ واقع میں منظور یہ ہوتا ہے کہ تصنیف عمدہ کی جہت سے میرا نام پھیل جاوے گا اگر یہ غرض نہیں تو پھر کوئی دوسرا شخص اس کتاب میں سے اصل مصنف کا نام مٹا دے اور اپنا نام اس کی جگہ لکھ دیوے تو مصنف پر ناگوار کیوں گذرتا ہے باوجودیکہ اس کو یہ معلوم ہے کہ ثواب اس سے استفادہ کا مجھی کو ہو گا اور خدا کے نزدیک بھی میں ہی مصنف ہوں شخص مدعی اس کا مصنف نہیں ہے اور کبھی تصنیف میں آدمی اپنی تعریف صراحۃً بڑے لمبے چوڑے دعوئی کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور کبھی ضمناً تعریف اپنی کرتا ہے اس طرح کہ کسی دوسرے پر طعن و اعتراض کرتا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کا مرتبہ دوسرے سے بڑھ کر ہے حالانکہ اعتراض اور طعن کی کچھ حاجت نہ تھی اور بعض اوقات اگر کسی کی عبارت میں کچھ غلطی فاحش پاتا ہے تو اپنی کتاب میں اس عبارت کو مع نام عبارت لکھنے والے کے لکھتا ہے اور اگر عمدہ عبارت ہوئی تو بے نام لکھتا ہے تاکہ کوئی سمجھے کہ یہ عبارت خود مصنف کی ہے یا تو سب عبارت کو بعینہٖ چرا کر درج کر دیتا ہے اس میں کچھ تصرف

وتبدیل کرکے نقل کرتا ہے جیسے کوئی شخص کرتہ چرا کر اس کی قبا بنوائے کہ چوری کا نہ معلوم ہو۔ اور کبھی اس بات میں کوشش کرتا ہے کہ الفاظ کتاب کے مزین اور مسجع ہوں اور ترتیب بہت عمدہ ہو تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ عبارت پوچ ہے اور اپنے گمان میں یہ سمجھتا ہے کہ اس سے میری غرض حکمت کا رواج دینا اور اس کا بنانا ہے تاکہ لوگوں کو جلد نافع ہو حالانکہ اس کو یہ خبر نہیں کہ بعض علمائے تین سو ساٹھ جلدیں حکمت میں لکھی تھیں اس وقت کے نبی کو حکم الٰہی ہوا کہ اس سے کہہ دو کہ تونے اس کلام فضول سے تمام زمین بھر دی ہیں اس میں سے کچھ قبول بھی نہیں کرتا اور بعض اوقات اس قسم کے مغرور اگر جمع ہوتے ہیں تو ہر ایک کو یہی گمان ہوتا ہے کہ میرا نفس عیوب قلبی اور خفیہ برائیوں سے بچا ہوا ہے اور جب ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ ایک ایک گروہ ساتھیوں کا ہو لیتا ہے تو ہر ایک اس بات کو تاکتا ہے کہ میرے ساتھ آدمی بہت ہیں یا دوسرے کے ساتھ اگر اپنے ساتھ والے بہت پاتا ہے تو خوش ہوتا ہے گو جانتا ہو کہ دوسرا شخص مجھ سے زیادہ مستحق کثرت جماعت کا ہے پھر جدا ہو کر جب لوگوں کو تعلیم کرنی شروع کرتے ہیں تو عبرت وحسد آپس میں ہونے لگتی ہے اور اگر کوئی طالب علم مثلاً ایک عالم کے پاس آتا جاتا تھا اور اس سے جدا ہو کر دوسرے کے پاس پڑھنے کو جانے لگا تو اول کے دل پر نہایت شاق گذرے گا پھر دل سے اس کی کبھی خاطر نہ کرے گا نہ اس کی حاجت روائی کے لیے آمادہ ہوگا جیسے پہلے ہوتا تھا نہ اس کی ثنا کہے گا باوجودیکہ معلوم ہے کہ دوسرے عالم کے پاس بھی یہ طالب علم استفادہ ہی کے لیے جاتا ہے شاید اس عالم کی جماعت میں رہنے سے اس کا دینی نفع بہ نسبت جماعت پہلے عالم کے زیادہ ہو یا پہلے عالم کی جماعت میں کوئی آفت اس کو معلوم ہوئی ہو غرضکہ نفرت اس عالم کے دل سے نہیں جاتی اور جب کسی کو ان میں سے حسد شروع ہوتی ہے اور اس کو ظاہر نہیں کر سکتا تو بہانہ کر کے اس کے دین اور ورع میں طعنہ اور اعتراض کرتا ہے کہ کسی طرح اس پر غصہ آوے اور جانتا ہے کہ یہ غصہ میں خدا کے دین کے واسطے کرتا ہوں نہ اپنے نفس کے لیے اور اگر محسود کے عیب اس کے سامنے ذکر ہوں تو ان سے خوش ہوتا ہے اور اگر کوئی تعریف کرے تو اس سے ناخوش ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کی برائی سننے سے ترش رو ہو جاتا ہے کہ کوئی جانے کہ مسلمانوں کی غیبت اس کو اچھی نہیں معلوم ہوتی اور باطن میں اس کے عیوب سننے سے راضی اور خواہش مند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے حاصل یہ کہ اس طرح کی باتیں خفیہ عیب میں داخل ہیں جن کو بجز دانا لوگوں کے اور کوئی نہیں دریافت کر سکتا اور نہ بدون زبردستوں کے کوئی بچ سکے ہم جیسے ضعیفوں کو ان سے بچنا بہت دشوار ہے مگر اتنی بات ہے کہ ادنیٰ درجہ آدمی کے لیے یہ ہے کہ اپنے عیوب کو پہچانے اور ان کو برا سمجھ کر ان کی اصلاح میں کوشش کرے جب خدائے تعالیٰ کسی انسان کی بہتری چاہتا ہے تو اس کو اس کے نفس کے عیب سوجھا دیتا ہے اور جو شخص اپنی نیکی سے خوش ہو اور بدی کو برا جانے تو توقع ہے کہ اس کا حال اچھا ہو اور اس کی اصلاح جلد ممکن ہے بہ نسبت اس مغرور کے جو اپنے نفس کو پاک سمجھے اور اپنے علم وعمل سے خدا پر احسان جتاوے اور گمان کرے کہ سب لوگوں سے بہتر میں ہی ہوں خدائے تعالیٰ ہم کو غفلت و

غرور سے پناہ میں رکھے اور اس بات سے بھی بچاوے کہ خفیہ عیوب کو پہچان کر ان کی اصلاح نہ کریں یہاں تک بیان مغالطہ ان لوگوں کا تھا جنھوں نے علوم ضروری کو حاصل کیا مگر علم کی جہت سے عمل میں کوتاہی کی اب ہم ان لوگوں کا غرور لکھتے ہیں جو علوم میں سے ایسے ہی علوم پر قانع ہیں جو ضروری نہیں اور علوم ضروریہ کو چھوڑ کر غیر ضروریہ ہی پر مغرور ہیں یا تو اس نظر سے کہ علم ضروری سے اپنے آپ کو بے پروا سمجھتے ہیں یا اس لحاظ سے کہ جو کچھ جانتے ہیں وہ اسی علم غیر ضروری میں جانتے ہیں ان میں سے ایک فرقہ تو وہ ہے جو علم فتویٰ حکومات اور خصومات کا اور تفصیل معاملات دنیوی کی جو خلق میں جاری ہوتے ہیں اسی کو سیکھتے ہیں اور فقہ کا نام خاص اسی علم کو دیتے ہیں اور اس کو علم مذہب جانتے ہیں اور اس کی تحصیل میں اکثر اعمال ظاہری اور باطنی کو ضائع کر دیتے ہیں نہ تو اعضاء ظاہری کے درپے ہوں کہ ان کی حفاظت کریں مثلاً زبان کو غیبت سے روکیں اور پیٹ کو حرام سے اور پاؤں کو بادشاہوں کے یہاں جانے سے اسی طرح سب اعضا کو ان کے اعمال بد سے بچاویں اور دل کی حفاظت کریں کہ اس کو کبر اور حسد اور ریا اور تمام مہلکات سے علیحدہ کریں تو ایسے لوگ دو وجہ سے مغرور ہیں اوّل باعتبار عمل کے دوم باعتبار علم کے عمل کے اعتبار سے تو وجہ غرور کی ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور یہ کہ ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیمار نسخہ مرض کا لکھ کر اس کو پڑھتا اور لوگوں کو بتانا شروع کرے بلکہ ان کی مثال ایسی ہے جس کو علت بواسیر یا ہذیان کا روگ ہو اور اس کے باعث قریب مرگ ہو جاوے اور حاجت اس مرض کے علاج اور دوا سیکھنے کی ہو اس کی جگہ علاج استحاضہ کا سیکھے اور رات دن اسی کو پڑھتا رہے باوجودیکہ جانتا ہے کہ میں مرد ہوں مجھ کو کبھی حیض یا استحاضہ نہ ہوگا لیکن یہ خیال کرتا ہے کہ یہ بیماری اکثر عورتوں کو ہوا کرتی ہے شاید کوئی مجھ سے علاج پوچھے اور یہ بڑی غلطی ہے اسی طرح فقیہ بیچارہ پر بھی محبت دنیا اور اتباع شہوت اور حسد اور کبر اور ریا و تمام مہلکات غالب ہیں اور کیا بعید ہے کہ موت توبہ سے پہلے ہی آجاوے اور اس کی تلافی نہ کرنے پاوے اور خدا سے ایسے حال میں ملے کہ وہ اس پر ناراض ہو پھر اگر یہ شخص ان کا علاج تو نہ کرے اور مسائل سلم اور اجارہ اور ظہار اور لعان اور جراحات اور دیات اور دعویٰ اور گواہ اور حیض کے سیکھے جن کی طرف کبھی اس کو حاجت نہ ہو اور اگر کسی دوسرے کو حاجت بھی ہو تو اور مفتی بہت ہیں تو باوجود اس کے پھر ان مسائل کا سیکھنا اسی نظر سے ہے کہ اس میں جاہ و ریاست اور مال حاصل ہوتا ہے اور شیطان نے اس کو مغالطہ دے رکھا ہے مگر اس کو خبر نہیں کیونکہ یہ اپنے دل میں یہ گمان کرتا ہے کہ میں اپنے دین کی غرض میں مشغول ہوں اور یہ نہیں جانتا کہ اگر بالفرض اس کی نیت بھی درست ہو اور جیسا کہتا ہے ویسا ہی ہو تب بھی فرض کفایہ میں مشغول ہونا اور فرض عین کو ادا نہ کرنا گناہ ہے اگر فقہ کو خدا ہی کے واسطے سیکھتا ہے تب بھی اپنے اعضائے ظاہری اور دل کے باب میں جو امور فرض عین ہیں ان سے غافل ہے اور غرور باعتبار علم کے یہ ہے کہ اس نے صرف علم فتویٰ کی تحصیل کیا اور اسی کو علم دین جانا علم قرآن و حدیث کو نہ سیکھا بلکہ بعض اوقات محدثین پر اعتراض کرتا ہے کہ یہ لوگ کچھ سمجھتے نہیں

اخبار کے ناقل ہیں روایات کو یاد کر لیتے ہیں اور نیز علم تہذیب اخلاق اور علم معرفت جن سے خدا کی جلال و عظمت معلوم ہوتی ہے اور مورث خوف و ہیبت اور خشوع و مسکنت کا ہوتا ہے اور تقوی اور احتیاط کا باعث اس کو بھی ترک کر دیا اور اس پر طرہ یہ ہے کہ بےخوف و مطمئن ہو کر خدا پر تکیہ ہے کہ خدا ہم پر ضرور ہی رحم کرے گا کیونکہ ہم اس کے دین کے ستون ہیں اور اگر ہم فتاوی نہ سیکھیں تو حرام حلال کیسے معلوم ہوں غرضکہ ایسا شخص علم مقصود وضروری کو چھوڑ دیتا ہے اور غلطی میں رہتا ہے وجہ اس کی غلطی کی یہ ہے کہ شرع میں تعریف اور تعظیم فقہ کی بہت سنی یہ نہ کہ یہ کونسا فقہ ہے جس فقہ کی تعریف شرع میں ہے وہ وہ علم ہے جس سے خدائے تعالی اور اس کے صفات کی جو باعث خوف و رجا ہیں معرفت ہو اور اس کی علت غائی یہ ہے کہ دل ہمیشہ خائف رہے اور تقوی کیا کرے جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے ت! فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون ۔اس سے معلوم ہوا کہ فقہ سے وہی علم مراد ہے جس سے خوف حاصل ہو اور وہ علم یہ نہیں ہو سکتا جس کو یہ مغرور فقہ سمجھا ہے اس واسطے کہ اس علم کا مقصود مالوں کا بچانا اور شروط معاملات بجالانا اور مالوں سے بدنوں کا محفوظ رکھنا اور قتل و ضرب کا دفع کرنا ہے حالانکہ مال خدا کی راہ میں صرف ذریعہ ہے اور بدن سواری ہے اور علم کا مقصود یہ ہے کہ راہ سلوک کی معرفت ہو اور دل کی گھاٹیاں جن کو صفات مذمومہ کہتے ہیں طے ہو جاویں کیونکہ بندے کے اور خدا کے درمیان یہی صفات حاجب ہیں اگر انہیں میں ملوث مر جاوے گا تو خدائے تعالی سے محجوب رہے گا پس جو شخص صرف فقہ ہی پر اقتصار کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی راہ حج میں چلنے کے عوض مشک اور موزہ سینے پر اکتفا کرے ہر چند اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو حج نہایت دشوار ہے مگر صرف انہیں پر اکتفا کرنے سے نہ تو حاجی ہو سکتا ہے نہ راہ حج میں ہو سکتا ہے اور ہم نے تفصیل باب علم میں لکھی ہے اور بعض لوگ ایسے عالموں میں سے صرف فقہ کے وہ مسائل جن میں خلاف ہے سیکھتے ہیں اور سوائے تحصیل طریق مجادلہ اور الزام طرف مقابل اور ساکت کرنے مخالف کے اور غلبہ و فخر کے لیے امر حق کو نہ ماننے کی اور کوئی بات نہیں سیکھتے ان کو رات دن ارباب مذاہب کے جھگڑوں اور اپنے ہمسروں کے عیوب کی تلاش رہتی ہے اور طرح طرح کے جملے اور فقرے ایذا رساں ڈھونڈھتے رہتے ہیں اس قسم کے لوگوں کو انسان میں سے درندہ تصور کرنا چاہیے ان کا مقصود حماقت ہے اور علم کا قصد صرف اس لیے کرتے ہیں کہ اقران و امثال پر فخر کے لیے کام آوے اور جس علم کی حاجت مباہات میں نہیں دیکھتے ہیں مثلاً علم قلب اور صفات مذمومہ کو مٹا کر ان کی عوض صفات عمدہ کو حاصل کر کے راہ خدا پر چلنا ایسے علموں کو حقیر جانتے ہیں اور ان کا نام چکنی باتیں اور واعظوں کی گفتگو رکھ چھوڑا ہے علم تحقیق ان کے نزدیک وہی ہے جس سے دو بکنے والوں کے جدال کی تفصیل معلوم ہو۔ یہ لوگ پہلے فرقہ اہل فتوی سے بھی کچھ بڑھ چڑھ کر ہیں اس لیے کہ

ت! سو کیوں نہیں نکلے ہر فرقہ میں سے ان کے ایک حصہ تا سمجھ پیدا کریں دین میں اور تا خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب پھر آدیں ان کی طرف شاید وہ بچتے رہیں ۱۲

وہ فرض کفایہ تو کرتے تھے یہ لوگ جس علم میں مصروف ہیں وہ تو فرض کفایہ بھی نہیں بلکہ سب دقائق جدال کی فقہ میں بدعت ہیں اکابر سلف سے منقول نہیں باقی رہیں دلیلیں احکام کی سو وہ کتاب اللہ اور حدیث میں موجود ہیں طریق مناظرہ اور اس کے حیلے سب بدعت ہیں اور صرف اظہار غلبہ اور مخالف کے ساکت کرنے کے لیے ایجاد کیے گیے ہیں تاکہ اس طرح بحث ہوا کرے حاصل یہ کہ یہ فرقہ بھی مغرور ہے اور اس کا غرور اہل فتویٰ کی نسبت شدید اور قبیح ہے اور ایک فرقہ اور ہے جو علم کلام اور مناظرہ اس لیے پڑھتے ہیں کہ اہل بدعت سے لڑتے جھگڑتے رہیں اور مخالفوں کے جواب دیں یہ لوگ ہمہ تن اس میں لگے رہتے ہیں کہ مخالفین کے اعتراضات کو ڈھونڈھتے اور طریق مناظرہ کا اور ان کے ساکت کرنے کا سیکھتے ہیں اسی غرض کے واسطے بہت سے اقوال مختلف یاد کر لیتے ہیں اور اور ایسے لوگوں کے بہت سے فرقہ ہیں ان کا اعتقاد یہ ہے کہ آدمی کا کوئی عمل بدون ایمان کے نہیں ہوتا اور جب تک آدمی ہمارا مناظرہ نہ سیکھ لے اور علم کلام کی دلیلیں ہر عقیدوں کی نہ جان لے جب تک ایمان صحیح نہیں ہوتا اور ان کو یہ بھی گمان ہے کہ کوئی ہم سے زیادہ خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانتا نہ اس کے صفات کا عارف ہے اور جو شخص ہمارے مذہب کا معتقد نہیں اور ہمارا علم نہیں جانتا وہ بے ایمان ہے اور ان میں کا ہر ایک فرقہ اپنی ہی طرف بلاتا ہے بہرحال اس قسم کے لوگ دو طرح کے ہیں ایک گمراہ اور ایک حق پر گمراہ فرقہ تو وہ ہے جو خلاف حدیث کی طرف بلاتا ہے اور فرقہ حق وہ ہے جو سنت وحدیث کی طرف داعی ہے مگر مغرور و مغالطہ دونوں میں ہے فرقہ گمراہ میں تو اس جہت سے کہ اپنی گمراہی سے غافل رہے اور اپنے نفس کی نجات اس میں سمجھتے رہے اور اسی طرح کی بہت جماعتیں ہیں کہ ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور وجہ ان کی گمراہی کی یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنی رائے کو متہم نہ جانا اور دلیلوں کی شرائط اور ان کا طریق اول معلوم نہ کیا اسی جہت سے جو دلیل واقع میں تھی اس کو شبہہ سمجھ لیا اور جو اصل میں شبہہ تھا اس کو دلیل مان لیا اور فرقہ حق کا غرور اس لحاظ سے ہے کہ انہوں نے جدل اور بحث کو نہایت ضروری اور دین کی عمدہ ثواب کی چیزوں میں سے جانا اور اس بات کے قائل ہوئے کہ جب تک کوئی بحث وتلاش ہماری سی نہیں کرے گا تب تک اس کا دین پورا نہ ہوگا اور یہ کہ جو شخص خدا اور رسول کو بدون کسی بحث ودلیل کے سچا جانے وہ مومن یا کامل الایمان نہیں نہ خدا کے نزدیک مقرب اور اسی گمان فاسد سے انہوں نے اپنی تمام عمر تحصیل جدل اور مقالات اور مزخرفات اور اعتراضات اہل بدعت میں بسر کی اور نفسوں اور دلوں کی خبر نہ لی یہاں تک کہ وہ ایسے اندھے ہو گیے کہ گناہ ظاہری اور خطائے باطنی کو نہ دیکھ سکے سبحان اللہ ان کا یہ قول ہے کہ جدل و بحث میں مصروف رہنا افضل اور اولیٰ ہے موجب قرب الٰہی ہے مگر چونکہ غلبہ اور ریا کی لذت اور مخالف کے الزام دینے کا مزا اور اپنی دانست میں حمایت دین خدا کی بزرگی دل میں سمائی ہوئی ہے تو اسی واسطے چشم بصیرت نہیں ورنہ قرن اول کا حال دیکھتے کہ جن کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ یہ لوگ تمام خلق سے

---

[1] ح بخاری ومسلم بروایت ابن مسعود ۱۲

بہتر ہیں انہوں نے بہت سے اہل بدعت اور ہوا دیکھے مگر اپنی عمر اور دین کو نشانۂ تیر خصومت وجدال نہ بنایا اور اپنے دلوں اور اعضا کے نجس ہی سے اس بحث و تکرار کی فرصت نہ ملی بلکہ کبھی گفتگو تک نہ کی ہاں جس جگہ حاجت یا آثار قبول کے دیکھے وہاں کچھ بقدر حاجت کہہ دیا جس سے گمراہ کو اپنی گمراہی معلوم ہو جاوے اور جب کسی گمراہ کو گمراہی پر اصرار کرتے دیکھا تو اس سے روگردانی کی اور چھوڑ دیا اور خدا کے لیے اس سے بغض رکھا یہ نہ کیا کہ اس سے تمام عمر ہشت مشت رکھی ہو بلکہ اکابر سلف کا قول ہے کہ سنت کی طرف بلانا امر حق ہے اور یہ بھی مسنون ہے کہ اس بلانے میں جدل نہ کیا جاوے چنانچہ ابو امامہ باہلیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت[اح] کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس قومؔ کو ہدایت عنایت ہوتی ہے وہ گمراہ نہیں ہوتی جب تک کہ جدل ان میں نہ پیدا ہو۔ اور ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کے پاس تشریف لائے تو وہ جھگڑے اور خصومت میں مصروف تھے آپ کو اس قدر غصہ ہوا کہ مارے غصہ کے منہ سرخ ہو گیا گویا چہرۂ مبارک میں انار کے دانوں کی سرخی ولکتی تھی اور اس وقت یہ فرمایا[۲] بعثتم الهذا امرتم ان تضربوا كتاب الله بعضه ببعض انظروا الى ما امرتم به فاعملوا وما نهيتم عنه فانتهوا .... غرض صحابہؓ کو جدال سے منع فرمایا حالانکہ حجت اور جدال میں سب سے زیادہ بہتر تھے پھر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ باوجودیکہ تمام اہل ملت والوں پر مبعوث ہوئے تھے کسی ملت والوں کے پاس مجلس مجادلہ میں اس واسطے نہیں بیٹھے کہ کسی کو الزام دیجئے یا ساکت کیجئے یا کسی حجت کی تحقیق یا کسی اعتراض کا جواب یا خود اپنی طرف سے اعتراض کیجئے البتہ ان سے مجادلہ صرف تلاوت قرآن سے فرمایا جو ان لوگوں پر نازل ہوا تھا زیادہ بحث نہیں کی کیونکہ زیادہ گفتگو سے ان کا دل پریشان ہوتا اور طرح طرح کے اعتراضات وشک واقع ہوتے کہ پھر دل سے محو نہیں ہو سکتے تھے اور یہ بات نہیں کہ خدانخواستہ آپ ان کے مجادلہ سے عاجز تھے اور قیاس کے دقائق سے ناواقف یا اپنے اصحابؓ کو کیفیت جدل والزام کی تعلیم نہ کر سکتے تھے مگر اصل یہ ہے کہ دانا اور اہل احتیاط مجادلے پر فریفتہ نہیں ہوتے ان کا یہ قول تھا کہ اگر تمام روے زمین کے لوگ نجات پاویں اور ہم ہلاک ہوں تو ان کی نجات سے ہمیں کیا فائدہ اور اگر ہم نجات پاویں اور وہ ہلاک ہو جاویں تو ہم کو ان کے ہلاک ہونے سے کچھ ضرر نہیں اور ہم پر مجادلہ اتنا چاہیے جتنا صحابہ کو یہود و نصاریٰ سے اور دوسری ملت والوں سے ہوا انہوں نے کچھ اپنی تمام عمر ان کی مجادلات کی تحریر میں ضائع نہیں کی کہ ہم بھی ویسا ہی کریں اور اس بات سے غافل رہیں جو ہمارے فقر و فاقہ کے دن کام آوے

اح باب العلم در آفات اللسان میں گذری ۱۲ ح کیا اسی واسطے تم بھیجے گیے ہو کیا اسی کا تم کو حکم ہوا ہے کہ کتاب اللہ میں سے بعض کو بعض سے بھڑاؤ جو کچھ تم کو حکم ہوا ہے اس کو دیکھو اور عمل کرو اور جس چیز سے منع کیے گئے ہو اس سے باز رہو یہ حدیث پہلے گذری ۱۲ عہ قولہ جس قوم کو الخ اصل حدیث ہے کہ جو کہ ہدایت سابقہ چھوڑ کر گمراہی پر آجاتی ہے وہ جھگڑالو ہو جاتی ہے پھر یہ آیت پڑھی ما ضربوہ لک الا جدلا بل ہم قوم خصمون اس حدیث کو معجزات میں شمار کرنا چاہیے کیونکہ ہدایت سلف سے جب خوارج معتزلہ پھرے تو کیسے جھگڑالو ہو گئے تھے اور اب بھی ہزاروں نمونہ موجود ہیں ۱۲ امیر علی عفی عنہ

علاوہ ازیں جس بات میں کہ ہم سے غلطی کا بھی امکان ہے اور خطا سے مامون نہیں اس میں ہم کیوں خوض کریں ہم دیکھتے ہیں کہ بدعتی کے ساتھ اگر بحث کرو تو وہ بحث کے باعث بدعت نہیں چھوڑتا بلکہ تعصب اور خصومت سے اس کی بدعت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اس صورت میں ہم کو ان مخالفوں کے ساتھ بحث و تکرار کی نسبت یہی بہتر ہے کہ اپنے نفس پر کوشش کریں اور اسی سے بحث تکرار رکھیں تاکہ وہ دنیا کو آخرت کے واسطے چھوڑ دے اور یہ ایسے حال میں ہے کہ فرض کر لیں کہ ہم کو جدال و خصومت سے ممانعت نہیں ہوئی اور جس حال میں کہ ممانعت اس سے وارد ہے تو جدال سے کسی کو سنت کی طرف بلانا گویا ایک سنت کا تارک ہو کر دوسرے کا طالب ہونا ہے تو بطریق اولیٰ ہمارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اپنے نفس کے درپے ہو کر اس کے صفات کو دیکھیں کہ کونسی کو اللہ پسند کرتا ہے اور کس کو ناپسند پھر اس کے محبوب صفات کو اختیار کریں اور مبغوض کے گرد نہ پھریں اور ایک فرقہ اور ہے جو وعظ و نصیحت میں مصروف رہتے ہیں اور ان سب میں اعلیٰ رتبہ ان لوگوں کا ہے جو اخلاق نفس اور صفات قلبی یعنی خوف و رجا اور صبر و شکر اور توکل اور زہد اور یقین و اخلاص و صدق وغیرہ کی خوبیاں لوگوں کو سناتے ہیں اور ان کو یہ دھوکا ہے کہ از انجا کہ ہم ان صفات کو بیان کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم کرتے ہیں تو اول ہم ان صفات کے متصف ہیں حالانکہ خدائے کے نزدیک ان میں ان صفات کا وجود نہیں ہوتا اور اگر تھوڑی بہت کوئی صفت ہو تو ہر ایک عام مسلمان میں بھی کچھ نہ کچھ تو ہوتی ہے ان کو کیا ترجیح ہے مگر غرور ان کا بڑا سخت ہے کیونکہ یہ اپنے نفس پر بہت عجب کرتے ہیں ان کو یہ گمان ہے کہ جتنا ہم نے جس علم میں تبحر اور استعداد پیدا کی اتنی ہی وہ چیز ہم میں باعث کمال ہوئی مثلاً ہم نے محبت میں تبحر پیدا کیا تو محبت الٰہی ہم میں ہوئی اور اخلاص کے دقائق کو سمجھا تو مخلص ہو گئے اور خفیہ عیب نفس کے پہچانے تو ان سے بری ہوئے اور اگر ہم مقرب الٰہی نہ ہوتے تو خدائے تعالیٰ ہم کو معنی قرب و بعد کے کیوں بتاتا اور علم سلوک الی اللہ اور کیفیت اس راستے کے منازل طے کرنے کی ہم کو کیوں معلوم ہوتی غرض اس طرح کا عالم بیچارہ ایسے ایسے خیالات خام سے جانتا ہے کہ میں خائف ہوں حالانکہ دراصل بیخوف ہے اور جانتا ہے کہ میں رجاء رکھتا ہوں اور دراصل میں غرور رکھتا ہے اور اپنی دانست میں راضی بقضائے الٰہی ہے مگر حقیقت میں نہیں اور بزعم خود متوکل ہے لیکن واقع میں عزت و جاہ مال و اسباب پر تکیہ رکھتا ہے اور اپنے گمان میں مخلص ہے اور در واقع ریاکار ہے بلکہ اگر اخلاص کا وصف بیان کرتا ہے تو اثنائے بیان میں اخلاص نہیں کرتا اسی طرح ریا کا ذکر کرتا ہے تو وہ بھی خالی از ریا نہیں ہوتا اس واسطے کہ اس کی مراد یہی ہے کہ لوگوں کا میری طرف یہ اعتقاد ہو جاوے کہ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو اپنے دقائق ریا کے کہاں سے سوجھتے اور زہد دنیا کا بیان بھی اس لیے کرتا ہے کہ اپنے آپ شدت سے اس کا حریص ہے غرضکہ بظاہر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور خود اس سے بھاگتا ہے اوروں کو خوف خدا دلاتا ہے آپ مامون ہے دوسروں کو یاد الٰہی کو کہتا ہے خود بھولا ہوا ہے غیروں کو خدا سے قریب کرتا ہے اور آپ دور ہوتا ہے ترغیب اخلاص کی دیتا ہے اور خود غیر مخلص ہے صفات مذمومہ کی مذمت کرتا ہے اور اپنے

آپ ان سے موصوف ہے لوگوں کو خلق سے روگرداں کرتا ہے اور آپ سب سے زیادہ اس کا حریص ہے جس جگہ بیٹھ کر لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے اگر وہاں کوئی نہ بیٹھنے وے تو جہاں اس پر باوجود وسعت کے تنگ ہو جاوے کہتا ہے کہ میری غرض خلق کی اصلاح ہے لیکن اگر کوئی اس کا ہمسر ایسا ہو کہ خلق اس کے پاس جاوے اور اس کے ہاتھوں بہتری کو پہنچے تو غم اور حسد کے مارے جل جاوے اور اگر اس کے سامنے کوئی شخص کسی کی اس کے ہمسروں میں سے تعریف کرے تو تمام خدائی سے اس کو برا سمجھے تو اس قسم کے لوگوں کو بڑا غرور ہے اور ان کا آگاہ ہونا اور راہ راست پر آنا بھی دشوار ہے کیونکہ اچھے اخلاق کی ترغیب اور اخلاق بد کی نفرت جب ہوتی ہے جب ان اخلاق کے آفات اور فوائد سے واقفیت ہو اور ان لوگوں کو اگرچہ ان پر وقوف ہوا مگر مفید نہ ہوا کیونکہ خلق کو راہ راست بتلانے کی محبت نے ان کے عمل کو روک دیا پھر کس چیز سے ان کا علاج کیا جاوے اور کون سی چیز سے ان کو ڈرایا جاوے ڈرنے والی باتیں تو خود لوگوں کے سامنے ذکر کرتے ہیں مگر خود خوف نہیں کرتے ہاں اتنی بات ہو سکتی ہے کہ ان کو جو دعویٰ ہے کہ ہم سب عمدہ اخلاق سے موصوف ہیں تو اس کا امتحان ان کو بتلا دیا جاوے کہ اس پر اپنے نفسوں کا تجربہ کر لیں وہ یہ ہے کہ مثلاً ان کو دعویٰ محبت الٰہی کا ہے تو سوچیں کہ ہم نے خدا کی محبت کے باعث کونسی دنیا کی محبوب چیزیں چھوڑ دی ہیں اور خوف الٰہی کا جو دعویٰ ہے اس خوف سے کون سی چیزوں سے باز رہے ہیں اور زہد کا جو دعویٰ ہے تو قدرت پا کر کونسی چیز خدا کے واسطے ترک کی ہے اور خدا کے ساتھ انس کا دعویٰ ہے تو بتا دیں کہ تنہائی کبھی اچھی معلوم ہوتی ہے اور خلق کے دیکھنے سے نفرت ہوئی ہے ان امور میں سے کچھ بھی نہیں ہوا بلکہ جب مریدوں کو حلقہ باندھے گرد دیکھتے تو دل میں حلاوت کامل پاتے ہیں اور اگر تنہا ہو کر خدا کے واسطے بیٹھیں تو وحشت ہوتی ہے اب ہم پوچھتے ہیں کہ کہیں محب کو اپنے محبوب سے بھی وحشت ہوتی ہے اور اس کے سوا دوسروں سے الفت حاصل یہ کہ دانا لوگ تو اپنے نفسوں کا امتحان ان صفات سے کرتے ہیں اور طالب صفات حقیقی کے ہوتے ہیں یہ نہیں کہ صرف ظاہر کی بناوٹ پر قانع ہو جاویں بلکہ خدا سے عہد مستحکم کرتے ہیں اور ظاہر و باطن یکساں کرتے ہیں اور جو لوگ مغالطے میں ہیں وہ اپنے نفسوں کو اچھا جانتے ہیں مگر قیامت کو حال کھلے گا تب فضیحت ہوں گے بلکہ دوزخ میں ڈالے جاویں گے اور ان کی آنتیں نکل پڑیں گی اور ان کو اسی طرح چکر دیں گے جیسا گدھا چکی پھراتا ہے چنانچہ اس مضمون کی حدیث اوپر گذری اور یہ حال اس لیے ہوگا کہ خود ترک فضیحت و دیگرے را نصیحت کو اپنا دستور العمل کیا تھا اور وجہ ان لوگوں کے مغالطے کی یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے دلوں میں کسی قدر اصول ان اشیا یعنی محبت اور خوف خدا اور رضا بالقضا کے پاتے ہیں اور پھر ان امور میں منازل عالیہ کے بیان کرنے کی قوت بیانیہ ان میں ہوتی ہے تو ان کو یہی گمان ہوتا ہے کہ ہم جو مدارج محبت و خوف الٰہی کے بیان کر سکتے ہیں اور ہم کو خدائے تعالیٰ نے ان کا علم دیا ہے اور لوگوں کو ہمارے کہنے سے نفع ہوتا ہے یہ سب اسی جہت سے ہیں کہ ہم ان اوصاف سے موصوف

ہیں اور انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ ماننا کلام کا ہوتا ہے اور کلام معرفت اور زبان کے جاری ہونے سے ہوتا ہے اور معرفت سیکھنے سے ہوتی ہے تو ان باتوں میں سے کسی سے یہ نہیں لازم آتا کہ بولنے والا ان صفات کے ساتھ موصوف بھی ہو اور عالم مسلمان میں اور اس طرح کے عالم میں کیا فرق ہے محبت و خوف نہ اس میں نہ اس میں صرف قدرت بیانی البتہ اس عالم میں ہے اس سے کام نہیں چلتا بلکہ کیا عجب ہے کہ اس قدرت کے باعث زیادہ بے خوف ہو اور خلق کی طرف میل ظاہر کرے اور دل میں محبت الٰہی برائے نام رہ جاوے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیمار مرض کو اور دوا کو اور صحت اور شفا کو بہت فصاحت سے بیان کر سکے کہ دوسرے مریض نہ کر سکیں اور نہ اسباب و علامات صحت و مرض کے اور نہ درجات و اصناف مرض اور دوا کے بیان کر سکیں یہ سب کچھ کہہ سکتا ہے تو اس کہنے سے بیماری میں کیا فرق ہوگا جیسے اور بیمار ہیں ویسا ہی یہ بھی ہے فرق صرف علم میں ہے کہ اصطلاحات طبی سے واقف ہے بس صرف صحت کی تعریف جان کر اپنے آپ کو تندرست سمجھنا عین جہالت ہے اسی طرح محبت و خوف الٰہی اور توکل اور زہد اور سب صفات کا جاننا اور چیز ہے اور ان کے ساتھ متصف ہونا اور چیز جو ان دونوں کو ایک سمجھے وہ بڑی غلطی میں ہے۔ یہ حال ان واعظوں کا ہے جن کے بیان میں کچھ عیب نہیں یعنی طریق ان کے واعظ کا ایسا ہی ہے جیسا قرآن و حدیث اور حضرت حسن بصری وغیرہ ہم کے وعظ کا ڈھنگ ہے اور ایک فرقہ اور ہے جنہوں نے وعظ کے طریق واجبی سے عدول کیا ہے اور اب کے سب واعظ اسی طرح کے ہیں شاید شاذ و نادر جن کو خدائے تعالیٰ نے بچایا ہو ایسے نہ ہوں مگر ہم کسی کو نہیں جانتے شاید اطراف بلاد میں کہیں ہوں اس قسم کے واعظوں کا یہ دستور ہے کہ لوگوں کو اجنبی بات سنانے کے واسطے بہت سی جھوٹی سچی باتیں بے سر و پا اور ایسے کلمات جو قانون عقل و شرع سے خارج ہوں بیان کرتے ہیں اور بعض لوگ الفاظ مزین اور مسجع کہتے ہیں اور دلیل میں اشعار وصال اور فراق کے پڑھتے ہیں اس غرض سے کہ ان کی وعظ میں لوگ بہت سا چیخیں اور حال کریں گو اغراض فاسد ہی کے لیے ہو تو ایسے لوگ انسانوں میں شیطان ہیں خود بھی ہوئے اور ان کو بھی گمراہ کیا سیدھا راستہ چھوڑ دیا پہلے فرقہ نے گو اپنے نفسوں کی اصلاح نہ کی تھی دوسروں کی تو اصلاح کی تھی وعظ اور کلام صحیح صحیح بیان کیا تھا یہ لوگ تو خلق کی راہ مارتے ہیں کہ ان کو بھی اللہ پر مغرور کیے دیتے ہیں اور اس کا نام رجا بتلاتے ہیں ان کے وعظ سے خلق کو زیادہ تر جرأت گناہوں کی ہوتی ہے اور دنیا کی رغبت بڑھتی ہے خصوص اس حال میں کہ واعظ اچھے کپڑے اور سواری وغیرہ سے آراستہ ہو کیونکہ اس صورت میں اس کی ہیئت سراپا دلیل ہے اس بات کی کہ شدت سے حرص دنیا کی رکھتا ہے تو یہ مغرور جتنی خرابی اپنے وعظ سے کرتا ہے وہ اصلاح کی نسبت زیادہ ہے بلکہ بتامل دیکھو تو اصلاح کچھ بھی نہیں بہتوں کو گمراہ ہی کرتا ہے اور وجہ اس کے مغرور ہونے کی ظاہر ہے اور ایک فرقہ اور ہے جو صرف زاہدوں کے کلام اور ان کے اقوال مذمت دنیا میں جوں کے توں یاد کر لیتے ہیں اور بدون ان کے معنے سمجھنے کے اوروں سے کہتے ہیں بعضے تو منبروں پر چڑھ کر بیان کرتے ہیں اور بعضے مسجدوں میں اور بعضے بازاروں میں

اپنے ساتھیوں کو سناتے ہیں اور ان سے ہر ایک کو یہی گمان ہے کہ جب ہم میں بازاریوں اور سپاہیوں میں اتنا فرق ہو گیا کہ ہم کو یہ اقوال زاہدوں اور اہل دین کے یاد ہیں اور ان دونوں کو نہیں تو اس قدر سے ہمارا مطلب، حاصل ہے اور مغفرت الٰہی ہمارے حال کے شامل ہے اور عذاب اخروی سے بھی مامون رہیں گے گو اپنے ظاہر و باطن کو گناہ سے نہ بچاویں غرضکہ نجات کے واسطے ان کے نزدیک یاد کرنا کلام اہل دین کا کافی ہے اور اس فرقے کا غرور اس سے پہلے فرقے کی نسبت بھی ظاہر تر ہے اور ایک فرقہ اور ہے جو اپنے اوقات علم حدیث کے سننے اور بہت سے روایات کے جمع کرنے اور اونچے اونچے استاد کی جستجو کرنے میں بسر کرتے ہیں ایسے عالم کی ہمت اسی میں مصروف رہتی ہے کہ شہروں میں گشت کرے اور بہت سے محدثین سے استفادہ کرے تاکہ یہ کہہ سکے کہ مجھ کو روایت فلاں فلاں شخص سے ہے اور جو سند میرے پاس ہے وہ اور کسی کے پاس نہیں ان لوگوں کا مغالطہ کئی وجہ سے ہے ایک تو یہ کہ ان لوگوں کا حال ایسا ہے جیسا کہ کوئی کتابیں بغل میں لیے پھرے لیے پھرنے سے کچھ عالم نہیں ہو جاتا اسی طرح یہ لوگ بھی معانی سنت کی طرف اپنی توجہ نہیں کرتے بجز نقل کے اور کچھ نہیں جانتے اور بزعم خود اسی قدر کافی سمجھتے ہیں حالانکہ ان کا علم ناقص ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جب معانی حدیث کے نہ سمجھیں گے تو اس پر عمل کیسے کریں گے اور بعضے احادیث کو سمجھتے بھی ہیں اور عمل نہیں کرتے تیسری وجہ یہ ہے کہ اس بہانے سے وہ علم جو ان پر فرض عین ہے یعنی معرفت علاج قلب کی اس کو چھوڑ دیتے ہیں اور سندوں کی کثرت کرنے اور ان میں سے اونچی سند کی تحصیل میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ ان میں ان کو کسی چیز کی حاجت نہیں چوتھی وجہ جس پر کہ اس زمانے کے لوگ جھکے ہیں یہ ہے کہ حدیث شریف کے سننے کے لیے جو جو شرط چاہیے اس کو بھی بجا نہیں لاتے حالانکہ اس کا بجالانا امر ضروری ہے اس واسطے کہ صرف سننے سے اگر اور کوئی فائدہ نہیں تو الفاظ حدیث کے معین ہونے کا تو فائدہ ہے جب الفاظ معین ہو جاویں تب اس کے معنی سمجھ میں آتے ہیں اور سمجھنے کے بعد عمل ہوتا ہے اسی طرح بترتیب پانچ چیزیں ہوتی ہیں اول سننا پھر سمجھنا پھر یاد کرنا پھر عمل کرنا پھر اس کو دوسروں میں منتشر کرنا۔ ان لوگوں نے ان پانچ میں سے صرف سننے پر قناعت کی اور سننا بھی جیسا چاہیے ویسا نہ کیا مثلاً کوئی لڑکا کسی شیخ کی مجلس میں حاضر ہو کہ وہاں درس حدیث کا ہو رہا ہے اور استاد تو سوتے ہیں لڑکا جدا کھیل میں مصروف ہے باوجود اس کے لڑکے کو سند حدیث کے سننے کی مل جاتی ہے جب وہ بڑا ہوتا ہے تو اس بات کے درپے ہوتا ہے کہ کوئی مجھ سے آکر سنے اور اگر کوئی بالغ مجلس حدیث میں جاتا ہے تو وہ بھی اکثر غافل ہو کر کان نہیں دھرتا خود باتیں کرنے لگتا ہے یا لکھنے میں مشغول ہوتا ہے یہاں تک کہ استاد جو حدیث بیان کر رہا ہے اگر کچھ الفاظ میں تغیر یا تصحیف کر دے تو اس کو خبر بھی نہ ہو اور نہ اس کو پہچانے اور یہ سب باتیں غرور و جہالت کی ہیں اس لیے کہ اصل حدیث کے باب میں یہ ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے اور جیسا سنے ویسا یاد رکھے اور جس طرح یاد ہو اسی طرح روایت کرے یعنی روایت بعد حفظ کے ہوتی ہے اور حفظ بعد سننے کے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنتا نہ ہو سکے تو صحابہ یا تابعین سے سنے اس نے سننا بھی ایسا ہی ہے جیسا آنحضرتؐ سے یعنی غرض سننے سے یاد کرنا ہے تاکہ جوں کی توں دوسروں سے بیان کرے اور یاد کرنا بھی اسی طور پر ہو کہ جیسا سنا ویسا ہی یاد کیا یہاں تک کہ ایک حرف کی تبدیلی نہ ہونے پاوے اور اگر کوئی شخص اس میں کچھ تبدیل کر دے یا خطا کرے تو حفظ کرنے والے کو اس کی غلطی معلوم ہو جاوے پھر حفظ حدیث کے دو طور ہیں ایک تو یہ کہ دل ہی دل میں ہمیشہ یاد کرے اور دھرایا کرے جیسے اور روزمرہ کے حالات میں کان پڑی باتیں یاد کر لیتے ہیں دوسرے یہ کہ جیسا سنے ویسا لکھ لیوے اور نہایت صحت کے ساتھ لکھے اور اس نوشتہ کی حفاظت کرے کسی دوسرے کا ہاتھ اس کو نہ لگے اور حفاظت خواہ اپنے رکھنے سے یا اپنی تحویل میں رکھنے سے کرے کیونکہ اگر دوسرے کے ہاتھ وہ کتاب پڑے گی کیا عجب ہے کہ اس میں کچھ تغیر ہو جاوے اور چونکہ خود حفظ نہیں کی تھی تو یہ معلوم بھی نہ ہو گا کہ کسی دوسرے نے اس میں کچھ بدل دیا غرض حفظ حدیث کی یہی دو صورتیں ہیں یا تو دل میں محفوظ ہو یا کتاب میں محفوظ ہو کہ جب اس کو دیکھیں تو کچھ استاد سے سنا ہے اس کا دھیان آجاوے اور اس میں تبدیل و تحریف کا خوف نہ ہے پس جس صورت میں کہ مثلاً تم نے حدیث نہ دل میں یاد کی نہ کتاب میں محفوظ رکھی اور صرف ایک مبہم آواز کان میں ڈال کر استاد کے پاس سے مفارقت کی اور اتفاقاً اسی استاد کی وہی کتاب حدیث کہیں نظر پڑی جس میں احتمال ہے کہ شاید کچھ تبدیل ہو گئی ہو یا تم نے اور روایت سنی ہو اور اس میں دوسری طرح ہو تو تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے یہ کتاب استاد سے پڑھی ہے کیونکہ تم کو یہ تو معلوم ہی نہیں کہ جو کچھ تم نے سنا ہے وہ اس کتاب کے موافق ہے یا مخالف شاید تمہارا سننا اس سے ایک ہی دو کلمے میں مختلف ہو بہر صورت تمہارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں جس سے اختلاف پہچان سکو یا قطعی پڑھنا ثابت کر دو کیونکہ نہ خود تم کو دل میں یاد ہے نہ تم نے استاد کا مقولہ صحیح صحیح لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے تو بدوں ان دونوں باتوں کے کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں نے یہی سنا ہے حالانکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ؎ ولا تقف ما لیس لك به علم ط اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس زمانے میں مدعی ہیں کہ ہم نے فلانی کتاب فلاں استاد سے پڑھی ہے اگر ان میں یہ شرط مذکورۂ بالا موجود نہیں تو ان کا دعویٰ جھوٹ ہے اور کمتر درجہ سننے کی شرط کا یہ ہے کہ تمام و کمال کتاب کان پر ایسی طرح گزرے جو کچھ یاد بھی ہوتی جاوے کہ اگر بالفرض اس میں کچھ تبدیل ہو تو فوراً معلوم کرے اور اگر جواز کی صورت یہ ہو کہ خواہ لڑکا ہو یا غافل یا سوتا ہو یا لکھتا سب کے سب پڑھنے میں داخل کیے جاویں تو یہ بھی درست ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شیر خوار یا مجنون مجلس حدیث میں ہو تو اس کا سننا بھی معتبر ہو اور اگر بالغ ہونے کے بعد خواہ ہوش میں آنے کے پیچھے ان سے اور لوگ سند لیا کریں حالانکہ یہ امر سب کے نزدیک ناجائز ہے اور اگر یہی جائز ہو تو پیٹ کے بچے کا سماع بھی جائز ہو دے اس کا جواب اگر کوئی یہ کہے کہ شیر خوار تو بات کو نہ سمجھتا ہے اور نہ یاد کرتا ہے اس لیے اس کا سننا بھی معتبر نہیں

ؔ اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی نہیں خبر تجھ کو ۱۲

تو ہم کہتے ہیں کہ جو لڑکا کھیل رہا ہے اور غافل آدمی جو لکھنے میں مشغول ہے وہ کب سمجھتا ہے اور یاد کرتا ہے اور اگر کوئی جاہل جرأت کر کے کہے کہ شیر خوار لڑکے کا سننا بھی جائز ہے تو اس کے التزام کو کہنا چاہیے کہ پھر پیٹ کے بچے کا سننا بھی معتبر ہونا چاہیے اور اگر وہ یہ فرق نکالے کہ پیٹ کا بچہ آواز نہیں سنتا اور شیر خوار سنتا ہے تو یہ فرق مفید نہیں اس واسطے کہ غرض تو بیان حدیث سے ہے کچھ آواز کے سننے سے نہیں دوسروں سے جب حدیث نقل کرے گا آواز کی سماعت سے کچھ سروکار نہیں اس طرح کے سننے والے کو چاہیے کہ جب بالغ ہو تو اتنی ہی بات کہے کہ میں نے بڑا ہو کر یوں سنا ہے کہ لڑکپن میں ایک ایسی مجلس میں حاضر ہوا تھا جس میں حدیث ہوا کرتی تھی اور اس کی آواز مجھ کو پہنچتی تھی مگر میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تھی تو اس میں تو شک نہیں کہ سب کے نزدیک اس طرح کی روایت نا جائز ہے اور جس قدر اس میں کچھ زیادتی کرے گا وہ صریح جھوٹ ہوگا۔ اور اگر بالفرض کسی ترکی شخص کا حدیث سننا جائز ہو جو عربی سے محض ناواقف ہے تب البتہ سننا طفیل شیر خوار کا بھی معتبر ہو سکتا ہے کہ صورت مبہم دونوں کو پہنچتی ہے اور یہ جہل ہے علاوہ ازیں ماخذ سماع کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ فرماتے ہیں[ا] نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاها فاداها کما سمعها[۱۲] اب ہم پوچھتے ہیں کہ جس شخص کو یہ خبر نہیں کہ کیا سنا ہے وہ کس طرح ادا کرے گا جو سنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ بڑی غلطی ہے اور اس میں اس زمانے کے لوگ مبتلا ہیں اگر لوگ احتیاط و جستجو کریں تو ایسے ہی شیخ ملیں گے جنھوں نے لڑکپن میں ایسی ہی غفلت کے ساتھ حدیث کو سنا ہوگا مگر چونکہ محدثین کو جاہ و قبول اس میں حاصل ہے اس واسطے بیچاروں کو یہ ڈر ہے کہ سننے میں یہ شرط لگانے سے کہیں حلقہ کم نہ ہو جاوے اور جاہ میں خلل نہ پڑے اور نیز حدیثیں جو اس شرط سے سنی ہوں گی وہ بھی کم ہو جاویں گی بلکہ کیا عجب ہے کہ اس طرح کی کوئی بھی نہ نکلے تو فضیحت ہونا پڑے اس واسطے یہ اصطلاح ٹھہرائی کہ حدیث کے سننے میں صرف یہی شرط ہے کہ آواز سے سنے گو یہ نہ سمجھتا ہو کہ اس میں کیا بیان ہے حالانکہ اس باب میں ان کا قول معتبر نہیں کیونکہ سماع کی تعریف داخل ان کے علم میں نہیں یہ امر متعلق علمائے اصول فقہ سے ہے ہم نے جو شرائط لکھے ہیں وہ اصول فقہ کے قانون کے بموجب صحیح ہیں غرض یہ کہ ان لوگوں کا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض احادیث کو کہ شرائط کے ساتھ ہی سیکھیں تب بھی مغرور ہیں اس لیے کہ صرف حدیث کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور روایات کے جمع کرنے میں عمر ضائع کر کے ضروریات دین اور معرفت معانی حدیث سے غافل رہتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ مقصود علم حدیث سے بھی سلوک راہ آخرت ہے اور کیا عجب ہے کہ اس کے لیے ایک ہی حدیث عمر بھر کو کافی ہو چنانچہ بعض اکابر سے مروی ہے کہ وہ ایک مجلس حدیث میں حاضر ہوئے اول حدیث جو شیخ نے پڑھی یہ تھی[۲] من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ وہ بزرگ اس حدیث کو سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ مجھے اسی قدر کافی ہے پہلے اتنا ہو لوں تو دوسری سنوں گا پس جو لوگ

[ا] تازہ کرے اللہ اس شخص کو جس نے میری گفتگو سنی اور اس کو یاد کیا اور جیسی سنی تھی ویسی ہی بیان کی ۱۲ اصحاب سنن و ابن حبان بروایت زید بن ثابت ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابن مسعودؓ ۱۲ [۲] آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے ہے چھوڑنا ایسی چیز کا جو اس کو مفید نہ ہو ۱۲

غرور سے بھاگتے ہیں ان کا سننا ایسا ہوتا ہے اور ایک فرقہ اور ہے جو علم نحو اور شعر اور لغت میں مشغول ہو کر مغالطے میں پڑے اور اپنی دانست میں مغفور ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ دین کا مدار کتاب اللہ اور حدیث پر ہے اور ان دونوں کا مدار علم نحو اور لغت پر ہے اسی وجہ سے اپنی عمر معرفت دقائق نحو اور فن شعر اور غریب لغت میں تلف کرتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اپنی تمام عمر خوشخطی کی تحصیل میں ضائع کرے اور کہے کہ علوم چونکہ بدون لکھے یاد نہیں رہتے اس واسطے لکھنا اچھی طرح سیکھنا اور خوشخط ہونا ضروری ہے اور اگر عقل ہو تو جانے کہ اصل خط اور املا ضروری کا سیکھنا کافی ہے اسی قدر چاہیے کہ پڑھا جائے اور زیادہ مقدار کافی سے تجاوز کرتا ہے اسی طرح ادیب بھی اگر تامل کرے تو جانے کہ لغت عربی مثل لغت ترکی کے ہے جو اپنی عمر لغت عربی کی تحقیق میں ضائع کرے وہ ایسا ہے جیسے وہ شخص جو لغت ترکی خواہ ہندی کی تحقیق میں دن تلف کرے فرق صرف اتنا ہے کہ احکام شریعت زبان عربی میں ہیں تو عربی کے لغت کا اتنا ہی علم کافی ہے جس سے حدیث و قرآن کے الفاظ معلوم ہو جاویں اور اسی قدر نحو کا سیکھنا بھی کافی ہے جس سے حدیث و قرآن کے معنے کو تعلق ہو مگر اگر اس میں تعمق اور مشغولی کرے کہ کسی حد پر بس نہ کرے تو محض فضول ہے جس کی کچھ حاجت نہیں پھر اگر انہیں علوم پر اکتفا کرکے معانی و احکام شرعی سے باز رہے اور عمل نہ کرے تو شدت سے مغرور ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی عمر صرف قرآن کے مخارج حروف کی تصحیح میں بسر کرے اور اسی پر کفایت کرے تو ظاہر ہے کہ یہ غلطی ہے اس لیے کہ مقصود حروف سے معانی ہیں حروف بمنزلہ ظروف اور آلہ کے ہیں پس جس شخص کو دفع صفرا کے لیے سکنجبین پینے کی حاجت ہو اور وہ اپنی عمر اس پیالے کی درستی میں صرف کرے جس میں پینا منظور ہو تو ایسا شخص مغرور و جاہل ہے اسی طرح اہل نحو اور لغت والوں اور ادیبوں اور قاریوں کا غرور سمجھنا چاہیے اگر وہ ان علوم میں ایسے مستغرق ہوں کہ جو علوم ان پر فرض عین ہیں ان کو نہ سیکھیں خلاصہ یہ کہ سب میں عمدہ مغز تو عمل ہے اور عمل کا جاننا بمنزلہ پوست کے ہے اور یہ بھی باعتبار اور چیز کے جو اس کے اوپر ہے مغز ہے یعنی معرفت عمل کے اوپر کا پوست الفاظ کا سننا اور اسی طرح یاد کرنا ہے اور یہ بھی باعتبار اپنے اوپر کی چیز کے مغز ہے اور اپنے اندر کی چیز کے پوست ہے اس کے اوپر کی چیز معرفت علم لغت و نحو ہے اور سب سے اوپر کا پوست مخارج حروف ہیں اور جو شخص کہ ان پوستوں میں سے کسی پر قانع ہے وہ مغرور ہے لیکن اگر ان پوستوں کو ذریعہ اور سیڑھی نیل مرام کی سمجھے اور ہر ڈنڈے پر بقدر حاجت چڑھ کر آگے بڑھ جاوے یہاں تک کہ مغز عمل اور اصل مقصود کو پہنچ جاوے تو ایسا شخص اپنے دل اور جوارح سے واقع میں حقیقت عمل کا طالب ہے اور نفس سے بھی یہی کام لیتا ہے اور اعمال کی درستی اور ان کو آمیزش آفات سے

صاف کرنے میں عمر بسر کرتا ہے اور تمام علوم شرعیہ ہیں مخدوم اور مقصود بھی یہی بات ہے اور سب علوم اس کے خادم اور وسیلے اور پوست اور منازل ہیں اور جو شخص مقصد تک نہیں پہنچا وہ نقصان میں ہے خواہ پاس کی منزل میں ہو یا دور کی اور چونکہ یہ علوم متعلق علوم شرعیہ سے ہیں اس واسطے جو ان کو سیکھتا ہے اس کو مغالطہ ہو جاتا ہے مگر علم طب اور حساب اور دوسرے علوم جو علوم شرعیہ سے بظاہر متعلق معلوم نہیں ہوتے تو ان کے عالموں کو یہ اعتقاد تو نہیں ہوتا کہ ان سے ہماری مغفرت ہوگی کیونکہ ہم نے علم سیکھا ہے اسی نظر سے ایسے علوم سے غرور بھی کمتر ہوتا ہے یہ نسبت اس غرور کے جو علوم شرعی کی تحصیل سے ہوتا ہے اس لیے کہ علوم شرعی اچھے بھی ہوتے ہیں جیسے پوست مغز کی شرکت میں اچھا کہا جاتا ہے لیکن عمدہ تر بالذات وہی ہے جو سب سے اعلیٰ ہے اور دوسرے کو جو اچھا کہتے ہیں تو اس وجہ سے کہ اس سے اول قسم تک پہنچ سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی پوست ہی کو مقصود سمجھ کر اس میں تفوق حاصل کرے وہ مغرور ہے اور ایک فرقہ اور ہے جو فن فقہ میں بڑا مغالطہ کھاتے ہیں وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ جو کچھ پیش گاہ قاضی سے حکم ہوتا ہے ویسا ہی حکم خدائے تعالیٰ کے یہاں بھی ہوگا اسی لحاظ سے لوگوں کے حق میں نہ دینے کے لیے حیلے بنائے اور الفاظ مبہم کی بڑی بڑی تاویلیں کیں اور ظاہر نصوص پر فریفتہ ہو کر اس میں خطائیں کیں اور یہ امر از قبیل خطافی الفتویٰ ہے جو اکثر واقع ہوتی ہے مگر یہ قسم ایسی ہے کہ سوائے داناؤں کے اور سب پر پھیل گئی ہے ہم ان کے توہمات کی کچھ مثالیں لکھے دیتے ہیں مثلاً یہ لوگ فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو مہر معاف کر دے تو شوہر پر خدا کے یہاں بھی مواخذہ نہ ہوگا حالانکہ یہ کلیہ غلط ہے کیونکہ بعض اوقات شوہر اپنی منکوحہ سے برائی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ سب باتوں میں تنگ ہو کر اس کی بدخلقی سے نجات چاہنے کے واسطے اس کو مہر معاف کر دیتی ہے کہ کسی طرح عذاب سے چھٹی پاوں تو اگرچہ اس نے معاف تو کر دیا مگر بخوشی خاطر معاف نہیں کیا اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ؎ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا معلوم ہوا کہ نفس کی رضامندی معاف کرنے میں شرط ہے اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو بات آدمی دل سے کرے اس میں نفس راضی بھی ہو مثلاً دل سے خون نکلوانا چاہتا ہے لیکن نفس کو برا معلوم ہوتا ہے اسی طرح عورت کے معاف کرنے میں رضامندی نفس کی جب ہوتی کہ کوئی ضرورت معاف کرنے کی مقابل نہ ہوتی اور یہ صورت کہ جب دو باتوں میں اس کو تردد ہوا تو آسان بات کو اختیار کر لیا یہ واقع میں ڈانڈ ہے کہ اپنے نفس پر جبر کر لیا ہاں اتنی بات ہے کہ دنیا کا قاضی دلوں کے حال کو اور غرض کو نہیں جان سکتا اسی لیے ظاہر کے معاف کرنے کو دیکھتا ہے اور عورت پر ظاہر میں کوئی زبردستی نہیں ہوئی اور باطن کے جبر پر خلق کو اطلاع نہیں لیکن جب قاضی اکبر خداوند کریم قیامت کے میدان میں حکم کے واسطے درپے ہوگا اس وقت یہ امر محسوب اور مفید نہ پڑے گا اسی طرح جائز نہیں کہ کسی انسان کا مال بدون

؎ پھر اگر وہ اس بات میں سے کچھ چھوڑ دیں تو تم کو دل کی خوشی سے تو وہ کھاؤ رچتا پچتا ۱۲

رضائے نفس لیا جاوے پس اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے مجمع میں کچھ مانگے اور وہ دوسرا لوگوں کی شرم کے مارے دینے سے انکار نہ کر سکے اور اس کے دل میں یہ ہو کہ اگر یہ شخص تنہائی میں مانگتا تو دینا نہ پڑتا لیکن لوگوں کی مذمت کا خوف اور مال کے جانے کا رنج دونوں موجود ہیں اور نفس نے ان دونوں میں متردد ہو کر دونوں میں سے آسان کو اختیار کر لیا یعنی رنج مال کے دینے کا آسان معلوم ہوا اسی کو اختیار کیا اور مال حوالہ کیا تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس میں اور ڈانڈ میں کیا فرق ہے کیونکہ ڈانڈ میں بھی ہوتا ہے کہ اگر دل مال کے دینے میں پس و پیش کرے تو بدن کو ضرب سے ایذا پہنچے تو بدن کی ایذا مال کی نسبت سخت معلوم ہوتی ہے اس واسطے مال دے دیا جاتا ہے اسی طرح جہاں حیا اور ریا کا شبہہ ہو اس جگہ سوال کرنا گویا دل پر کوڑا لگانا ہے تو بہر حال اس میں باطن کی ضرب ہے اور ڈانڈ میں ظاہر کی ضرب خدا کے نزدیک دونوں میں کچھ فرق نہیں وہاں باطن و ظاہر ایک ہیں اور حاکم ظاہری صرف آدمی کے ظاہر قول ہبہ کو دیکھ کر حکم ملک کا کر دیتا ہے اس لیے کہ اس کو دل کا حال معلوم نہیں اسی طرح اگر کوئی شخص اس وجہ سے کسی کو کچھ دیوے کہ اس کی زبان کی شرارت سے محفوظ رہے یا اس کی چغلی سے بچا رہے تو یہ مال لینا حرام ہے اس طرح پر جو مال لیا جاوے سب حرام ہے دیکھو حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے میں کیا مذکور ہے کہ بعد اس کے کہ خدائے تعالیٰ نے ان کا قصور معاف فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ میرا معاملہ طرف ثانی سے کس طرح بنے گا حکم ہوا کہ اس سے معاف کرا لے وہ شخص مر گیا تھا حکم ہوا کہ بیت المقدس کے پتھر میں اس کو پکار آپ نے پکارا کہ اے اوریا اس نے کہا کہ حاضر ہوں اے نبی اللہ آپ نے مجھ کو جنت میں سے بلا لیا کیا ارشاد ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرے ساتھ کچھ برائی کی ہے تو معاف کر دے اس نے جواب دیا کہ میں نے معاف کی آپ اسی معاف کرنے پر تکیہ کر کے واپس گئے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے قصور کا ذکر بھی اور یا سے کیا تھا یا نہیں آپ نے فرمایا کہ نہیں انہوں نے کہا کہ اب پھر جا کر قصور کو مفصل اس کے کہو پھر آپ نے آ کر اس کو پکارا اس نے جواب دیا کہ کیا ارشاد ہے کہا کہ میں نے تیری کچھ خطا کی ہے اس نے عرض کیا کہ میں نے اس کو معاف کر دیا آپ نے فرمایا کہ تو نے پوچھا تو ہوتا کہ وہ خطا کیا ہے اس نے عرض کیا کہ آپ فرمائیں وہ کونسا قصور ہے آپ نے تمام قصہ اس کی عورت کا سنایا پھر اس کا جواب کچھ نہ آیا آپ نے فرمایا کہ اے اوریا تو جواب نہیں دیتا اس نے عرض کیا کہ اے نبی اللہ ایسی حرکت انبیاء نہیں کرتے اور میرا اور آپ کا معاملہ خدا کے سامنے نبٹے گا حضرت داؤد علیہ السلام نے از سر نو رونا اور چیخنا شروع کیا یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا کہ قیامت کو میں اس سے قصور معاف کرا دوں گا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بدون رضائے نفس بخش دینے کا کچھ اعتبار نہیں اور اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رضائے نفس بدون بتلائے معلوم نہیں ہوتی تو اسی طرح معاف کرنے اور ہبہ میں بھی رضائے نفس جب ہی ہو گی جب انسان اپنے اختیار پر تنہا چھوڑ دیا جاوے اور اس وقت خود اس کی ذات میں سے باعث ہبہ وغیرہ کے پیدا ہوں یہ نہیں کہ حالت اضطرار میں کوئی حیلہ یا الزام اس کا باعث ہو جاوے اور انہیں فقہی حیلوں میں سے یہ بھی ہے کہ جب مال پر سال پورا ہونے کو ہو تو مرد اپنی زوجہ کو مال ہبہ کر دے اور جب اس

کی ملک پر سال گزرنے کو ہو تو وہ شوہر کو بخش دے تاکہ اس کو زکوٰۃ نہ دینی پڑے ایسے حال میں فقیہ یہی حکم دیں گے کہ زکوٰۃ ساقط ہوئی مگر ہم ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر تمہاری یہ غرض ہے کہ مطالبہ سلطان یا محصل زکوٰۃ کا نہ رہا تب تو یہ حکم درست ہے اس واسطے کہ ان کی نظر ظاہر ملک پر ہے اور وہ جاتی رہی اور اگر یہ غرض ہے کہ وہ شخص قیامت کی باز پرس سے بھی بچا رہے گا اور اس کا حال ایسا ہوگا کہ گویا مالدار ہوا ہی نہ تھا یا جیسا کوئی بیع و شرانہ بطور تجارت کرے تو اس کی صورت میں کمال ہی درجے کی ناواقفیت فقہ دینی ہے اور زکوٰۃ اس واسطے دیتے ہیں کہ آدمی کی طبیعت سے بخل جاتا رہے اس لیے کہ بخل ایک مہلک چیز ہے چنانچہ حدیث میں تین مہلک چیزوں میں بخل مطاع بھی داخل ہے اور صورت مفروضہ میں اس شخص کا فعل موجب بخل کی اطاعت کا ہے پہلے سے ایسا نہ تھا پس جس چیز کو اس نے باعث اپنی نجات کا سمجھا کہ زکوٰۃ نہ دینی پڑے وہی باعث اس کی بربادی کا ہوا خدائے تعالیٰ کو اس کے دل کا حال معلوم ہے کہ مال کی محبت و حرص رکھتا ہے اور حرص میں اس درجے کو پہنچ گیا کہ بخل کے دور نہ کرنے کے لیے حیلے ڈھونڈھتا ہے یہی جہالت و غرور ہے اور ایک تو ہم ان فقہا کا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے فقیہ وغیرہ کے مصالح کے واسطے بقدر حاجت مال کو مباح فرمایا ہے مگر یہ لوگ حاجت میں اور شہوات اور تمنا و فضول میں فرق نہیں کرتے جس چیز سے اپنی رعونت کامل ہوتے دیکھتے ہیں اس کو حاجت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے بلکہ دنیا جو بندوں کی حاجت کے واسطے مخلوق ہوئی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ جس قدر عبادت اور سلوک راہ خدا میں کام آوے اس قدر اس کو مباح ہے پس جس قدر سے آدمی دین اور عبادت میں استعانت لے تو وہ حاجت میں داخل ہو گی اور اس کے سوا سب فضول اور شہوات کہلاوے گی خلاصہ یہ کہ فقہا کے اس طرح کے توہمات اگر ہم ذکر کریں تو ان کے واسطے دفتر چاہیے ہم نے تفصیل کو طویل سمجھ کر صرف مشتے نمونہ از خروارے چند مثالیں لکھ دیں جن سے معلوم ہو کہ ان کے توہمات اس قسم کے ہوتے ہیں۔

ارباب زہد و عبادت کا غرور یہ لوگ بھی چند فرقے ہیں بعضوں کو نماز میں اور بعضوں کو تلاوت قرآن مجید میں اور بعضوں کو حج میں بعضوں کو جہاد بعضوں کو زہد میں مغالطہ ہوتا ہے اسی طرح جو جس طرح کا عمل کرتا ہے وہ اس میں خالی غرور سے نہیں البتہ دانا آدمی مغالطہ نہیں کھاتے لیکن ایسے لوگ کمتر ہیں غرضکہ ان میں ایک قسم ایسا ہے جو فرائض کو چھوڑ کر نوافل اور مستحبات میں مشغول ہوتے ہیں اور کبھی مستحبات میں ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ نوبت افراط و اسراف کی پہنچ جاتی ہے مثلاً بعضے لوگوں پر وضو میں وسوسہ غالب ہو جاتا ہے تو اس میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں یہاں تک کہ جو پانی شریعت کی رو سے پاک ہو اس میں بھی ان کو خلجان رہتا ہے اور دور و دراز احتمالات نجاست کو قریب تصور کرتے ہیں اور اور اکل حلال کا ذکر آوے تو اس کے احتمالات قریب کو بھی بعید جانتے ہیں بلکہ بعض اوقات حرام محض کھا لیتے ہیں حالانکہ اگر پانی کی احتیاط کو کھانے میں استعمال کرتے تو صحابہؓ کی سیرت سے زیادہ مشابہ ہوتے

جیسا کہ حضرت عمر رضؓ کے حال میں ہے کہ آپ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کر لیا باوجودیکہ احتمال نجاست ظاہر ہے لیکن کھانے میں اتنی احتیاط تھی کہ بہت سی حلال چیزیں بھی چھوڑ دیتے تھے اس خوف سے کہ حرام میں مبتلا نہ ہوں پھر ان لوگوں میں سے بعض اشخاص پانی بہانے میں اسراف کرتے ہیں حالانکہ اس سے ممانعت قطعیؒ ہے اور بعضوں کو اتنا وہم ہوتا ہے کہ وضو کرتے کرتے جماعت جاتی رہتی ہے خواہ وقت نکل جاتا ہے اور اگر وقت رہے بھی تب بھی ان کی غلطی میں کچھ شک نہیں اس لیے کہ اول وقت نماز تو فوت ہو گیا اور اگر اول وقت بھی رہے تب بھی پانی کے اسراف سے مغرور ہو گا اور اسراف بھی نہ کرے تو عمر سی عزیز تر چیز کو ایسی شے میں ضائع کرنا جس میں بہت وسعت ہے خام خیالی ہے مگر کیا کیا جاوے کہ شیطان لوگوں کو بڑے عمدہ طریق سے عبادت سے باز رکھتا ہے اور جب تک کسی چیز کو عابد کے دل میں جما نہیں دیتا کہ یہ عبادت ہے تب تک اس کی راہزنی نہیں کر سکتا مگر اس طرح کے خیالات سے ان کو اللہ سے دور کرتا ہے اور ایک فرقہ اور ہے جس پر نماز کی نیت میں شک غالب ہوتا ہے اس کو شیطان اتنی مہلت نہیں دیتا کہ نیت درست کر لے بلکہ اتنا پریشان کرتا ہے کہ یا جماعت جاتی رہتی ہے یا وقت نماز فوت ہو جاوے اور اگر تکبیر نماز کی کر بھی لی تو ابھی تک صحت نیت میں تردد رہتا ہے اور کبھی اللہ اکبر کہنے میں وسوسہ کرتے ہیں اتنا کہ شدت احتیاط کے باعث الفاظ تکبیر کے بدل جاتے ہیں شروع نماز میں یہ صورت ہوتی ہے پھر تمام نماز میں غافل رہتے ہیں دل کو حاضر نہیں کرتے اور مغالطے سے جانتے ہیں کہ یہ کچھ خدا کے نزدیک اچھی بات ہے کہ اپنی جانوں پر شروع نماز میں نیت درست کرنے کے لیے اتنی مشقت اٹھاویں اور ایک فرقہ اور ہے کہ ان پر وسوسہ حروف الحمد اور تمام وظائف کے مخارج کا غالب رہتا ہے وہ ہمیشہ تشدید و مد اور ظا کے جدا کرنے اور تمام مخارج حروف کی تصحیح میں احتیاط کرتے ہیں ساری نماز میں اسی کو ضروری جان کر اور چیز میں فکر ہی نہیں کرتے معنی قرآن اور اس کی نصیحتوں اور اسرار کے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں رکھتے اور یہ بہت بڑا مغالطہ ہے اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے خلق کو حکم تلاوت قرآن کا ایسی ہی طرح پر دیا ہے جیسی وہ لوگ روزمرہ گفتگو کرتے ہیں پھر اس میں بناوٹ اس درجے کی کہاں سے آئیؒ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو ایک پیام دیا گیا کہ بادشاہ کے حضور میں جا کر اس کی بجنسہٖ ادا کر دینا جب یہ بادشاہ کے سامنے پہنچا تو پیام ادا کرتے میں مخارج حروف کا خیال بہت سا کیا اور لفظوں کو چانبا اور کئی کئی دفعہ کہنا شروع کیا اس بات کی خبر نہ رکھی کہ پیام کا مضمون کیا تھا اور بادشاہوں کے حضور رعایت آداب کس طرح ہوا کرتی ہے تو ایسا شخص بجز اس کے کہ تادیب و سرزنش کر اکر پاگل خانے میں بھجوا دیا جاوے اور کس بات کے لائق ہے اور ایک فرقہ اور ہے جو قرآن پڑھنے میں مغالطہ کھاتے ہیں گھاس سی کاٹتے چلے جاتے ہیں اور بعض اوقات ایک دن میں ایک ختم کرتے ہیں مگر زبان سے تو قرآن پڑھتے ہیں اور دل میں

اح ابن ماجہ بروایت ابی بن کعب اور باب اول میں اس جلد کے گذری ۱۲

طرح طرح آرزوئیں گذرتی ہیں اس لیے کہ پڑھنے میں معانی کی طرف تو توجہ ہی نہیں تاکہ ان کی زجر و توبیخ اور وعظ سے کچھ اثر دل میں ہو اور ان خیالات واہی سے بچے اور اوامر و نواہی پر توقف کرے اور عبرت کے مضامین سے خوف پیدا ہو یا اور کوئی مقصود تلاوت جو باب تلاوت قرآن میں ہم نے لکھے ہیں ان میں سے کوئی حاصل ہو اور اس پڑھنے پر پھر یہ گمان ہے کہ مقصود قرآن کے اتارنے سے ہے کہ سینے میں گنگناٹ اس کا رہے معنی سمجھ میں نہ آویں تو نہ آدیں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آقا اپنے غلام کو ایک رقعہ لکھے اور حکم دے کہ فلاں بات کرنا اور فلاں مت کرنا غلام نے اس رقعہ کے سمجھنے کی طرف اور اس کے بموجب عمل کرنے پر توجہ نہ کی بلکہ اس رقعہ کے یاد کرنے پر کفایت کی تو ظاہر ہے کہ اس نے عدول حکمی اپنے آقا کی کی مگر رقعے کو بہت نغمہ اور آواز بلند سے دن میں گو سو دفعہ پڑھتا رہا تو بیشک یہ غلام سزا وار سزا ہو گا اور اگر اس کو یہ گمان ہو کہ یہ رقعہ اسی لیے آیا تھا تو صریح مغالطہ ہے ہاں قرآن کی تلاوت سے یہ غرض ہوتی ہے کہ بھول نہ جاوے یاد رہے اور حفظ سے یہ مقصود ہے کہ معنی پر غور ہو اور معنی سے یہ مراد ہے کہ ان کے بموجب عمل کرے اور فائدہ اٹھائے اور بعض اوقات قاری کی آواز اچھی ہوتی ہے تو تلاوت سے لذت پاتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ لذت مناجات الٰہی کی ہے اور اس کے کلام سننے کی ہے حالانکہ یہ لذت صرف آواز کی ہے اگر اسی دور سے اور کوئی شعر اور کلام پڑھے گا تب بھی وہی لذت ہو گی اور اس کو مغالطہ اسی جہت سے ہوا کہ دل میں تامل نہ کیا کہ یہ لذت قرآن مجید کے حسن عبارت و معانی کی ہے یا آواز کی اور ایک فرقہ اور ہے جو روزے پر فریفتہ ہیں اور کبھی برابر روزے رکھتے ہیں یا ایام متبرک میں روزے رکھتے ہیں مگر اپنی زبانوں کو غیبت سے اور دلوں کو ریا سے اور پیٹ کو حرام سے اور کلام کو بیہودگی سے نہیں بچاتے دن بھر فضول بکتے رہتے ہیں اور باوجود اس کے اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں جو بات فرض ہے اس کو ادا نہیں کرتے نفل کے طالب اس کو بھی جیسی چاہیے ویسی نہیں ادا کرتے اور یہ صریح دھوکا ہے اور ایک فرقہ اور ہے کہ حج پر مغرور ہیں حج کرنے جو جاتے ہیں تو حقوق اور دیون لوگوں کے نہیں دیتے بے اجازت ماں باپ کے اور بدون زاد حلال کے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی یہ صورت فرض حج کے ادا کے بعد کرتے ہیں راستے میں نماز اور فرائض کو ضائع کرتے ہیں اور کپڑے اور بدن کے پاک کرنے سے عاجز ہوتے ہیں اور لوگوں پر چندہ ساتھ لیتے جاتے ہیں اور اثنائے راہ میں فحش اور جھگڑے سے پرہیز نہیں کرتے بعض لوگ مال حرام پیدا کر کے راستے میں رفیقوں کو دیتے جاتے ہیں اور غرض اس دینے سے ریا اور شہرت ہوتی ہے ان کے ذمہ دہرا گناہ ہوتا ہے کہ اول تو حرام سے پیدا کیا دوسرے ریا میں خرچ کیا پھر گھر پر جو آتے ہیں تو دل میں صفات ذمیمہ اور اخلاق بد کا خزانہ ہوتا ہے پہلے حج کرنے سے ان کو دور نہیں کر لیتے اور باانیہمہ اس کو بہتر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ صریح مغالطہ ہے اور ایک فرقہ اور ہے جو اپنے ذمے کام محتسب کا لے لیتے ہیں اور لوگوں کو امر معروف اور نہی منکر کرتے ہیں مگر اپنے نفس سے غافل ہوتے ہیں جب کسی غیر کے واسطے کہتے ہیں تو سختی اور درشتی اور ریاست کے طور پر کہتے ہیں اور اگر خود ان سے ارتکاب کسی امر بد کا ہو جاوے اور کوئی شخص اعتراض کرے تو غصہ ہو کر کہتے ہیں کہ ہم محتسب ہیں ہمارے اوپر اعتراض کرتے ہو اور بعضوں کا یہ دستور ہوتا ہے کہ اپنی مسجد میں لوگوں کو بلاتے ہیں

اور جو کوئی دیر کرکے آتا ہے اس کو سخت وسست کہتے ہیں اور اس سے غرض ریا و ریاست ہوتی ہے اور اگر مسجد کی خدمت کا کوئی دوسرا شخص کفیل ہو جاوے تو اس پر خفا ہونے لگتے ہیں بلکہ بعض اشخاص خود اذان کہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہم خدا کے واسطے اذان کہتے ہیں لیکن اگر کوئی دوسرا شخص ان کے پیچھے آکر اذان کہہ دے تو اس پر قیامت ٹوٹ پڑے اور کہیں کہ ہمارا حق تو نے کیوں لیا اور ہمارے ثواب میں کیوں دخل دیا اسی طرح بعض اوقات کفالت امامت کرتے ہیں اور اس کو بہتر سمجھتے ہیں حالانکہ غرض یہ ہوتی ہے کہ کوئی یوں کہے کہ مسجد کے امام ہیں اسی نظر سے اگر کوئی غیر شخص جو ان کے نسبت متقی اور عالم ہو امامت کے لیے بڑھ جاوے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے اور ایک فرقہ اور ہے کہ وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جا رہتے ہیں اور اسی دھوکے میں پڑ جاتے ہیں نہ اپنے دلوں کو دیکھتے ہیں نہ اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرتے ہیں ان کے دل وطنوں میں پڑے ہوئے ہیں اور ہر ایک روشناس سے اس قول کے سننے کے منتظر ہیں کہ فلاں شخص مکہ کا مجاور رہے اور بعض دفعہ ایسا شخص خود ہی فخر یہ کہتا ہے کہ میں اتنے برس مجاور مکہ رہا اور جب لوگوں سے سنتا ہے کہ یوں کہنا برا ہے تو زبان سے فخر تو چھوڑ دیتا ہے مگر دل میں چاہتا رہتا ہے کہ لوگوں کو یہ حال معلوم ہو جاوے پھر کبھی مکہ معظمہ میں اس واسطے بیٹھتا ہے کہ لوگ اپنے ہاتھ کے میل میں سے کچھ اس کو دیں اور جب اس طرح کچھ پیدا کر لیتا ہے تو بخل کرتا ہے اور اس کا جی نہیں چاہتا کہ کسی فقیر کو ایک لقمہ بھی بطور خیرات دے ڈالے تو اس شخص میں ریا اور بخل اور طمع اور چند دوسرے مہلکات جمع ہو جاتے ہیں اور اگر مکہ کا مجاور نہ ہوتا تو ان سے محفوظ رہتا لیکن محبت تعریف کی اور اس قول کی کہ کوئی سنے کہ مجاور مکہ ہے ایسی دل پر سمائی کہ باوجود آلودہ ہونے کے ان رذائل میں مکہ میں پڑا رہنا منظور کیا تو ایسا شخص بھی مغالطے میں ہے حاصل یہ کہ جو عمل خواہ عبادت ہے اس میں بہت سے آفات ہیں جو شخص کہ اس کے آفات کی راہوں سے ناواقف ہے اور اس پر اعتقاد بہتری کا رکھتا ہے وہ واقع میں غلطی پر ہے اور آفات کی راہوں کی تفصیل بدون تمام ابواب اس کتاب کے معلوم نہیں ہو سکتی مثلاً غرور نماز کے مداخل مفصل باب نماز میں ملیں گے اور حج اور زکوٰۃ اور تلاوت اور دوسرے عبادات غرور کی راہیں ان ابواب میں ملیں گی جن میں ہم نے ان اشیا کا ذکر کیا ہے یہاں غرض یہ ہے کہ مجمل اشارہ ان ابواب کے ذکر کی طرف ہو جاوے اور ایک فرقہ اور ہے جو مال میں زہد کرتے ہیں اور خوراک و پوشاک سے گھٹیا پر قناعت کرتے ہیں اور گھروں کی عوض مسجدوں میں جا رہتے ہیں اپنے گمان میں زاہدوں کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے مگر باوجود اس کے رغبت ریاست اور جاہ کی رکھتے ہیں خواہ علم سے یا وعظ سے یا صرف زہد سے تو ایسے لوگوں نے اگرچہ مال چھوڑ دیا مگر بڑی مہلک چیز میں جا پھنسے اس لیے کہ جاہ بہ نسبت مال کے زیادہ مہلک ہے اگر یہ لوگ جاہ کے تارک ہو کر مال لیتے تو شاید بچ بھی جاتے اب تو مغالطے میں پڑ گئے یعنی اپنے آپ کو تصور کیا کہ ہم زاہد ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ دنیا کس کو کہتے ہیں اور یہ کہ اس کی تمام لذتوں کا انتہائی درجہ ریاست ہے اور جو شخص ریاست کی خواہش

وہ بیشک منافق اور حاسد اور متکبر اور ریاکار اور سب اخلاق بد سے موصوف ہوتا ہے۔ اور کبھی عابد ریاست کا بھی تارک ہو کر تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے مگر مغرور اس صورت میں بھی رہتا ہے اس واسطے کہ اپنے اس فعل سے اغنیا کو سخت وسُست کہتا ہے اور ان کو نظر حقارت سے دیکھتا ہے اور عُجب کی راہ سے اپنے نفس کے واسطے ان کی نسبت زیادہ ثواب کا متوقع ہے اور کچھ اور دل کی خباثتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور اس کو معلوم نہیں اور اگر کبھی اس کو کوئی شخص مال دیتا ہے تو اس خوف سے نہیں لیتا کہ لوگ کہیں گے کہ زہد جاتا رہا اور اگر دینے والا کہے کہ مال حلال ہے ظاہر میں لے لو تنہائی میں واپس کر دینا تو نفس پر لوگوں کی مذمت کے خوف سے لینا شاق ہوگا گو زہد میں کچھ فرق نہ پڑے اس سے معلوم ہوا کہ ایسا شخص لوگوں کی ثنا کا خواہش مند ہے جو کہ دنیا کی لذت میں سے سب سے زیادہ لذیذ اور مدعی زہد فی الدنیا کا ہے حالانکہ مغرور ہے علاوہ ازیں بعض اوقات توقیر اغنیا کی کرنے لگتا ہے اور ان کو فقرا پر ترجیح دیتا ہے اور جو اپنا معتقد اور ثنا گو ہے اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اور جو کسی دوسرے زاہد کا معتقد ہے اس سے نفرت کرتا ہے اس طرح کی سب باتیں شیطان کے دھوکے اور فریب ہیں۔ اور عابدوں میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے نفس پر بہت سختی کرتے ہیں اور اعضائے ظاہری سے بہت کام لیتے ہیں مثلاً دن رات میں ہزار رکعت نماز پڑھتے ہیں اور ایک قرآن ختم کرتے ہیں اور ان باتوں میں سے کسی میں رعایت دل کی نہیں کرتے کہ اس کو بھی ریا اور کبر اور عجب وغیرہ مہلکات سے پاک کریں یا تو اس جہت سے کہ ان کو مہلک نہیں جانتے اور اگر جانتے بھی ہیں تو اپنے نفس کے مہلک نہیں سمجھتے اور یا اس جہت سے کہ اپنے اعمال ظاہری سے یہ سمجھتے ہیں کہ گو یہ چیزیں نفس کی مہلک ہیں مگر ہم مغفور ہیں اور ہم سے احوال دل کا مواخذہ نہ ہوگا اور یا یہ بھی جانتے ہیں کہ مواخذہ ہوگا مگر گمان کرتے ہیں کہ ہمارے اعمال ظاہری کی بدولت نیکیوں کا پلہ جھکا رہے گا اور یہ سب وہمی خیالات ہیں اصل یہ ہے کہ متقی کی ایک ذرہ بھر نیکی اور ہوشیار کی ایک عادت ان جیسوں کے پہاڑ کے برابر اعمال ظاہری سے افضل ہے پھر یہ مغرور باوجودیکہ لوگوں کے ساتھ کج خلق اور سخت ہے اور باطن کا ملوث ریا اور محبت ثنا سے خالی نہیں جب کوئی اس کو کہتا ہے کہ تم زمین کے قطب اور ولی اللہ اور محبوب خدا ہو تو نہایت خوش ہوتا ہے اور زیادہ تر مغالطے میں پڑتا ہے اس وجہ سے کہ اپنی دانست میں لوگوں کا اچھا کہنا اس بات کی دلیل سمجھتا ہے کہ میں خدا کے نزدیک اچھا ہوں اور یہ خبر نہیں کہ لوگوں کو میرے دل کی خباثتوں کا حال معلوم نہیں اور ایک فرقہ اور ہے جو نوافل پر حریص ہوتے ہیں اور فرائض کو چنداں معتبر نہیں جانتے کوئی نماز چاشت سے خوش ہوتا ہے اور تہجد وغیرہ سے اور فرضوں میں یہ لذت نہیں پاتا نہ فرائض کو اول وقت ادا کرنے کا حریص ہوتا ہے اور اس حدیث قدسی کو یاد نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جتنا تقرب بندوں کو میری طرف ادائے فرض سے ہوتا ہے اتنا اور کسی چیز سے نہیں ہوتا اور نہ یہ جانتا ہے کہ خیرات میں ترتیب کو چھوڑ دینا بھی برا ہے مثلاً بعض دفعہ آدمی پر دو فرض معین ہوتے ہیں کہ ایک جاتا رہتا ہے اور دوسرا نہیں جاتا اور دو نفلیں ہوتی ہیں کہ ایک کا وقت تنگ ہے اور دوسری کا نہیں تو ہر ایک میں ترتیب کو نگاہ میں

رکھنا ضرور ہے اگر ترتیب کا خیال نہ کرے گا تو مغالطے میں پڑے گا اور اس کی نظریں بیشمار ہیں کیونکہ گناہ بھی ظاہر ہے اور اطاعت بھی ظاہر مگر اس میں مشکل بات یہی ہے کہ کونسی طاعت کو کس پر مقدم کیا جائے مثلاً کل فرائض کو نوافل پر مقدم سمجھتا ہے اور فرض عین کو فرض کفایہ پر اور وہ فرض کفایہ جس کا ادا کرنا صرف اپنے ہی اوپر آپڑے اس کو اس فرض کفایہ پر مقدم سمجھے جس کو کوئی دوسرا ادا کر دے اور فرض عین میں سے بھی جو مہم تر ہے اس کو پہلے ادا کر دے اس کے بعد وہ ہو جو اس کی نسبت کم ہے اور جو قضا ہونے والا ہو اس کو اول ادا کرے اس سے کہ وہ قضا نہ ہو جیسے ماں کی حاجت کو باپ کی حاجت سے پہلے ادا کرے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں کس سے سلوک و احسان کروں آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں سے پھر اس نے عرض کیا کہ پھر کس سے آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں سے پھر اس نے عرض کیا کہ پھر کس سے آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں سے پھر اس نے پوچھا کہ اس کے بعد کس سے احسان کروں آپ نے فرمایا کہ اپنے باپ سے پھر اس نے عرض کیا کہ پھر کس سے آپ نے فرمایا۔ ادناک فادناک یعنی جو سب سے قریب ہو اس سے اس کے بعد وہ جو اس سے قریب ہو اس سے اس کے بعد وہ جو اس سے قریب ہو اس سے معلوم ہوا کہ صلہ رحم میں ابتدا زیادہ تر قریب سے کرے اور اگر قرابت میں برابر ہوں تو زیادہ تر محتاج سے اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو اس سے شروع کرے اسی طرح جس کے پاس اتنا مال ہو کہ خدمت والدین اور حج کو کفایت نہ کرے وہ برابر مغالطہ حج کرتا ہے حالانکہ خدمت والدین حج پر مقدم کرنی چاہیے کیونکہ خدمت والدین مہم تر ہے بہ نسبت حج کے اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی سے کچھ وعدہ کیا اور ایفائے وعدہ کے وقت جمعہ کا وقت آگیا اور وقت جمعہ ایسی چیز ہے کہ قضا ہو جاوے گا تو اس صورت میں ایفائے وعدہ میں مشغول ہونا گناہ ہے گو وہ بھی بذات خود طاعت ہے اسی طرح اگر کسی کے کپڑے پر نجاست لگ گئی اس کے واسطے ماں باپ اور گھر کے لوگوں کو سخت و سست کہنے لگا تو مغالطہ ہے ہر چند نجاست بھی بری ہے اور ماں کا ایذا دینا بھی مگر ان کی ایذا سے پرہیز کرنا زیادہ مہم ہے بہ نسبت نجاست سے بچنے کے اس طرح کی مثالیں جن میں ایک ممنوع بات دوسرے کے مقابل ہے یا ایک طاعت دوسرے کے مزاحم بہت ہیں مگر ان میں ترتیب کا لحاظ نہ رکھنا مغالطہ ہے اور یہ مغالطہ نہایت درجہ باریک ہے کیونکہ آدمی کو یہ وہم ہوتا ہے کہ میں طاعت کرتا ہوں یہ نہیں سمجھتا کہ جو طاعت مجھ پر اس سے زیادہ مہم اور ضروری تھی اس کو ترک کرنے سے یہ دوسری طاعت گناہ ہو گئی اور اسی قبیل سے ہے مشغول ہونا خلافیات فقہ میں اس شخص کے حق میں جس کو طاعات و معاصی ظاہری و باطنی کا کام رہتا ہو اعضائے ظاہری اور قلب سے متعلق ہیں اس لیے کہ فقہ سے مقصود ان مسائل کا جاننا ہے جن سے دوسرے کا کام نکلے تو ان مسائل کا جاننا جو اس کے دل کے کار آمد ہیں بے شک مناسب تر ہے مگر یہ محبت ریاست

ح بخاری بروایت ابوہریرہؓ بالفاظ اختلاف ۱۲ ح ترمذی و حاکم بروایت بہز بن حکیم عن ابیہ وجدہ ۱۲

اور جاہ اور لذت مباہات اور غلبۂ قرآن آدمی کو اندھا کر دیتے ہیں اسی جہت سے مغالطہ میں پڑتا ہے اور جانتا ہے کہ میں دین کا امر ضروری کر رہا ہوں

صوفیا کی مغالطہ آفرینیاں ان لوگوں پر دھوکا بہت غالب ہوتا ہے اور ان کے بھی بہت سے فرقے ہیں ایک فرقہ ان میں وہ ہے جو حال کے صوفی ہیں ان کا دستور یہ ہے کہ سچے صوفیوں کی طرح اپنا لباس و ہئیت اور الفاظ اور آداب اور مراسم اور اصطلاحات بناتے ہیں اور ظاہر حالات میں ان کے موافق ہوتے ہیں مثلاً راگ سنتے ہیں اور حال کرتے ہیں اور طہارت اور نماز انہیں کی طرح بجالاتے ہیں مصلوں پر سر جھکا کر اور گریبان میں گردن ڈال کر متفکروں کی طرح بیٹھتے ہیں لمبی لمبی سانس لیتے ہیں آواز بات کرنے میں بہت پست کرتے ہیں غرض جتنی شمائل اور صورت اچھے صوفیوں کی ہوتی ہے سب اختیار کرتے ہیں اور اسی لحاظ سے ان کو مغالطہ ہوتا ہے کہ ہم بھی صوفی ہو گئے لیکن خدا جس کو بچالیتا ہے وہ دھوکے میں نہیں آتا ظاہری صورت تو صوفیوں کی اختیار کرتے ہیں مگر اپنے نفسوں پر مجاہدہ اور ریاضت اور دل کی حفاظت اور ظاہر و باطن کو خفی اور جلی گناہوں سے پاک نہیں کرتے جو صوفیوں میں ادنیٰ درجے کی باتیں ہیں اور اگر یہ سب باتیں بھی کر گذریں تب بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے آپ کو صوفیوں میں شمار کریں اور بڑا بول بولیں پھر جب کہ ان باتوں کے گرد ہی نہ پھرے ہوں اور نہ اپنے نفسوں سے کبھی ان کے طالب ہوئے ہوں بلکہ حرام اور شبہات اور بادشاہوں کے مال پر گرتے ہوں اور ایک ایک کوڑی اور پیسے اور روپے ٹکڑے پر جان دیتے ہوں اور ذرا ذرا سی بات پر حسد کرتے ہوں اور بشرطیکہ کوئی ذرا سی مخالفت ان کے کسی مطلب میں کرے تو ایک دو دم کی ہتک عزت کی روادار ہوں تو پھر کیسے صوفی کہلائیں گے اور ان لوگوں کا مغالطہ ظاہر ہے اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بڑھیا سنے کہ دلیروں اور بہادروں کے چہرے دیکھے جاتے ہیں اور ان کے واسطے جاگیریں مقرر ہوتی ہیں تو اس کو بھی شوق جاگیر لینے کا دامنگیر ہو اس کے لئے ایک زرہ پہنے اور سر پر خود رکھے اور جو اشعار کہ میدان کارزار میں گردان دلاور جوش جرأت کے واسطے پڑھتے ہیں ان کو کسی سے سیکھے اور جس طرح پہلوان معرکۂ جنگ میں اکڑ پھوں سے چلتے ہیں وہ بھی دریافت کرے غرض تمام ان کے خصائل اور گفتگو اور حرکات و سکنات سیکھ کر لشکر میں جاوے کہ دلیروں میں نام لکھا جاوے جب وہاں پہنچے تو افسر محکمہ کو حکم ہو کہ اس کا زرہ اور خود اتار کر سب اعضا درست دیکھ لو اور کسی پہلوان سے کشتی کراؤ تاکہ معلوم ہو کہ کتنی جرات اس میں ہے جب بموجب حکم لباس ظاہری اتارا جاوے تو معلوم ہو کہ ایک بڑھیا کمزور جس سے اچھی طرح زرہ و خود بھی نہ چل سکے موجود ہے اس وقت اس سے کہا جاوے کہ تو بادشاہ سے ہنسی کرنے آئی تھی کہ سب لوگوں میں اس کی سبکی ہو اور فریب میں آجاوے پھر اس کو حکم دیا جاوے کہ اس کو پکڑ کر ہاتھی کے پاؤں میں ڈلوا دو کہ ہڈی پسلی سب پیس ڈالے یہی حال ان لوگوں کا ہے جو ظاہر میں لباس صوفیوں کا رکھتے ہیں قیامت میں اس بڑے بادشاہ کے سامنے پیش ہوں گے جو لباس ظاہری اور گدڑی کو نہیں دیکھتا راز دل سے سروکار رکھتا ہے اور ایک فرقہ اور ہے جو اس سے پہلے فرقہ کی نسبت زیادہ مغالطے اور غرور میں ہیں ان کو یہ شاق معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے گھٹیا ہوں اور صوفی بننے کو بھی دل چاہتا ہے اور بدون لباس صوفیوں

صوفی بن نہیں سکتے اس واسطے انہوں نے حریر اور ریشم تو چھوڑ دیا مگر نفیس مرقع اور عمدہ عمدہ مخطط کپڑے اور رنگین سجادے تلاش کیے اور کپڑے ایسے پہنے جو ریشمی سے بھی قیمت میں زیادہ ہوں اور جان لیا کہ صرف کپڑے رنگنے اور پیوند لگانے سے صوفی ہو گیے اور یہ نہ جانا کہ کپڑے صرف اس واسطے رنگے کہ ان کو ہمیشہ میل کے باعث دھونا نہ پڑے اور چونکہ اکابر سلف پیوند لگا کر کپڑا پہنتے تھے نیا نہ پہنتے تھے اس واسطے انہوں نے بھی پیوند لگا پہنا مگر ایسے عمدہ مخطط کو کاٹ کاٹ کر مرقعات سلوانے سے کیسے پہلے لوگوں کے مشابہ ہو گئے ان لوگوں کی خام خیالی سب مغروروں سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ نفیس نفیس کپڑے پہنتے ہیں اور لذیذ کھانے کھاتے ہیں خوب مزے اڑاتے ہیں حکام ظالم کا مال لیتے ہیں اور اور ظاہری گناہوں سے بھی نہیں بچتے باطن کا تو کیا ذکر ہے اور پھر صوفی کے صوفی بنے ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو بہتر خیال کرتے ہیں ان لوگوں کا شر خلق میں بھی پھیلتا ہے کیونکہ جو ان کی پیروی کرتا ہے وہ تباہ ہو جاتا ہے اور جو پیروی نہیں کرتا اس کا عقیدہ سب صوفیوں کی طرف سے ڈھیلا ہو جاتا ہے سب کو وہ ایسا ہی جانتا ہے اور سچے صوفیوں کی نسبت بھی اس کی کیفیت کو دیکھنے سے زبان طعن کھولتا ہے اور یہ سب انہیں لوگوں کی شامت اور شرارت سے ہوتا ہے اور ایک فرقہ اور ہے جو علم معرفت کے مدعی ہیں ان کو دعویٰ ہے کہ ہم سب مقامات و حالات سے عبور کر چکے ہر وقت مشاہدہ حق میں رہتے ہیں اور قرب الی اللہ میں پہنچے ہوئے ہیں حالانکہ ان باتوں کے صرف نام اور الفاظ ہی سنے ہوتے ہیں لیکن چند باتیں خلاف قیاس اہل معرفت کی سیکھ لیتے ہیں اور انہیں کو گاتے پھرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ باتیں سب پہلوں اور پچھلوں کے علم سے اعلیٰ ہیں اور ہمیں لحاظ فقہا اور مفسرین اور محدثین اور عابدین کو بھی بنظر حقارت دیکھتے ہیں عوام بیچارے کس گنتی میں ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی کسان یا جولاہا اپنا کام چھوڑ کر چند روز ان کی صحبت میں رہتا ہے اور وہ باتیں وہی سیکھتا ہے تو وہ بھی ان کو کہتا پھرتا ہے اور جانتا ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں سب وحی کی رو سے کہتا ہوں اور بڑے راز و نیاز کی باتیں سناتا ہوں عابدوں اور عالموں کو کچھ قابل نہیں جانتا عابدوں کو تو کہتا ہے کہ یہ لوگ محنتی اور مزدور ہیں اور علماء کے بارہ میں کہتا ہے کہ یہ بولنے کی جہت سے خدائے تعالیٰ سے محجوب ہیں اپنے آپ کو دعویٰ کرتا ہے کہ خدا رسیدہ اور مقرب ہوں حالانکہ خدا کے نزدیک وہی لوگ منافق اور بدکار ہیں اور اہل دل کے عندیے میں احمق اور جاہل نہ کبھی علم پڑھا نہ کوئی خلق درست کیا نہ عمل آراستہ کیا نہ دل کی حفاظت کی بجز اس کے کہ جو دل نے چاہا وہ کیا اور چند بیہودہ باتیں سیکھ کر یاد کر لیں۔ اور ایک فرقہ اور ہے جنہوں نے شریعت کو لپیٹ دھرا اور آزادی میں مبتلا ہوئے احکام کو ترک کر کے سب حلال اور حرام کو برابر سمجھا ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ہمارے عمل سے بے پرواہ ہے پھر ہم کو اپنے نفس پر تکلیف کرنے سے کیا فائدہ اور بعض کا یہ قول ہے کہ لوگوں کو حکم ہے کہ دلوں کو شہوات اور محبت دنیا سے پاک کریں مگر یہ بات محال ہے غرض کہ امر ناممکن کا حکم دیا گیا ہے اور اس دھوکے میں وہ آوے جس کو تجربہ نہ ہو ہم نے تو امتحان کر کے دیکھ لیا کہ یہ امر محال ہے اور اس احمق کو یہ خبر نہیں کہ حکم شہوت کے یا غضب کے دور کرنے کا جو ہوا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ان کو جڑ سے اکھاڑ دیں بلکہ یہ حکم ہے کہ ان کو ایسا دبا دیں کہ ہر ایک ان میں سے

تابع حکم شرع اور عقل کا ہو جاوے اور بعض کہتے ہیں کہ اعمال ظاہری کا تو کچھ اعتبار نہیں خدا تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے اور ہمارے دل خدا کی محبت میں شیفتہ و فریفتہ ہیں اور معرفت میں کہاں کو پہنچ گیے دنیا میں تو ہم فقط اپنے بدنوں میں گھسے ہوئے ہیں اور دل آستانہ لامکان کے معتکف ہیں ہم میں جو شہوات کی پابندی ہے تو ظاہر کے اعتبار سے ہے دل کے اعتبار سے نہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم لوگ عوام کے رتبے سے بڑھ گیے ہیں ہم کو حاجت تہذیب نفس کی اعمال بدنی سے نہیں اور چونکہ ہم لوگ معرفت میں قوی ہیں تو شہوات ہم کو راہ سلوک سے نہیں روک سکتیں اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے درجے سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں اس لیے کہ ان کو ایک ہی خطا مانع سلوک تھی اس کے واسطے برسوں گریہ وزاری اور نوحہ و اشکباری متواتر کرتے تھے۔ ان لوگوں کی قسمیں جو اپنے آپ کو آزاد اور مشابہ صوفیوں کے سمجھتے ہیں بہت ہیں اور بنا سب کے مغالطے کی یہی ہے کہ شیطان کے بہکانے میں آگیے ہیں اس لیے کہ بدون علم کے پڑھے اور کسی واقف کار شیخ کی اقتدا کیے مجاہدے میں لگ جاتے ہیں حالانکہ اقتدا علم کی کرنی چاہیے۔ ع کہ بے علم نتواں خدا را شناخت اور ایک فرقہ اور ہے جو ان لوگوں سے بھی بڑھ کر ہے وہ اعمال اچھی طرح کرتے ہیں اور طلب حلال میں سعی کرتے ہیں اور دل کے درپے رہتے ہیں یہاں تک کہ بعضے تمام مقامات زہد اور توکل اور رضا اور محبت کے مدعی ہوتے ہیں مگر نہ ان مقامات کی حقیقت کو جانتے ہیں نہ شروط و علامات و آفات پہچانتے ہیں بعضے مدعی اس بات کے ہوتے ہیں کہ ہم عاشق خدا اور اس کے فریفتہ دام محبت ہیں اور شاید انہوں نے خدائے تعالیٰ کے باب میں ایسے خیالات باندھ لیے ہوں جو عجب نہیں کہ بدعت ہوں یا کفر پس دعویٰ محبت قبل معرفت کرنے لگتے ہیں پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ بعض کام ایسے کرتے ہیں جو خدائے تعالیٰ کو برے معلوم ہوں مثلاً خدا کے کام پر اپنے نفس کی خواہش کو ترجیح دینا اور بعضے کام خلق کی شرم سے نہ کرے اور اگر علیحدہ ہوتے تو خدائے تعالیٰ کی شرم سے ہرگز نہ چھوڑتے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ باتیں خلاف محبت ہیں بعض لوگ قناعت و توکل پر میل کرتے ہیں اور جنگلوں میں بے زاد و توشہ پھرتے ہیں تاکہ دعویٰ توکل ٹھیک اترے لیکن یہ نہیں جانتے کہ ایسا کرنا بدعت ہے سلف کے اکابر و صحابہؓ سے منقول نہیں حالانکہ وہ لوگ ان کی نسبت توکل کو زیادہ جانتے تھے انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ جان کو خطرے میں ڈالنا اور توشہ نہ لینا توکل ہے بلکہ وہ لوگ توشہ لے کر خدا پر توکل کرتے تھے اپنے توشہ پر اعتماد نہ کرتے تھے ان لوگوں کا یہ دستور ہے کہ گو ظاہر میں زاد نہیں لیتے مگر کسی اور سبب سے اپنا جی پکا کر لیتے ہیں خدا پر توکل جب بھی نہیں کرتے غرضکہ منجیات کے جتنے مقامات ہیں ان میں مغالطہ بھی ہوتا ہے جس سے لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں ان میں آفات کا آنا ہم نے جلد چہارم میں بیان کیا ہے یہاں کچھ ضرورت لکھنے کی نہیں اور ایک فرقہ اور ہے کہ انہوں نے غذا ہی کے باب میں اپنے نفس پر تنگی کر رکھی ہے یہاں تک کہ غذائے خالص حلال ہی کھاتے ہیں مگر سوا اس خصلت کے دل اور اعضا کو اور خصائل کا پابند نہیں کرتے اور بعض اشخاص اپنے کھانے میں اور لباس و مکان میں تو حلال نہیں ڈھونڈھتے اور چیزوں

میں بہت اس کی کاوش کرتے ہیں اور بیچارے کو یہ خبر نہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں سے نہ تو صرف حلال غذا سے راضی ہے اور نہ اس بات سے کہ تمام اعمال کرے اور طلب حلال نہ کرے بلکہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے سب طاعات کا بجالانا اور ہر ایک گناہ سے بچنا چاہیے اور جو یہ خیال کرے کہ تھوڑی سی بات سے کام نکل جاوے گا وہ مغرور ہے اور ایک فرقہ خوش خلقی اور تواضع اور سخاوت کے مدعی ہیں اور صوفیوں کی خدمت کے درپے چند لوگوں کو جمع کر کے تبکلف ان کی خدمت کرتے ہیں اور اس خدمت گزاری کو اپنی ریاست اور مال کا جال بنا رکھا ہے بظاہر تو خدمت کرتے ہیں اور غرض ان کی تکبر ہے ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کا اتباع کریں گے مگر دراصل مخدوم و متبوع بننا چاہتے ہیں ان کی خدمت سے اپنا نفع ڈھونڈھتے ہیں پھر مال حرام اور شبہات کا اکٹھا کر کے ان کی خدمت کرتے ہیں تاکہ خدمت گزاری میں نام مشہور ہو اور بہت سے تابع ہو جاویں بعضے لوگ بادشاہوں کا مال لے کر صوفیوں کو کھلا دیتے ہیں اور بعضے اس مال کو راہ حج میں ان پر صرف کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہماری غرض صرف ان لوگوں کی خدمت ہے حالانکہ ان سب کا باعث ریا اور شہرت ہوتی ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے احکام میں سے ظاہر و باطن میں اور کچھ بجا نہیں لاتے صرف حرام مال لے کر خدمت کرنے پر راضی ہیں اور جو شخص مال حرام لے کر راہ حج میں صرف کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مسجد بنوائے اور اس پر استرکاری پاخانہ کی کرے اور جانے کہ میری غرض عمارت[ع] سے ہے اور ایک فرقہ مجاہدہ اور تہذیب اخلاق اور نفس کے پاک کرنے میں مشغول ہو کر عیوب نفس کی بحث میں بہت مبالغہ کرتے ہیں اور ہر حال میں عیوب کے جویاں رہ کر ان کی آفات میں نکتے نکالا کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ نفس میں یہ عیب ہے اور اگر اس کو عیب جاننے سے غفلت کرتے تو یہ بھی عیب ہے اور اس کے عیب ہونے پر اگر توجہ کرے تو یہ بھی عیب ہے اسی طرح گفتگوے مسلسل بیان کرتے ہیں اور ان کی چکنی باتوں میں اوقات ضائع کرتے ہیں اور جو شخص عمر بھر عیوب کی تلاش اور ان کے علاج کی تحریر میں رہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کے موانع اور اس کی آفات کی تلاش میں رہے اور راہ حج کو طے نہ کرے تو اس سے اس کو کیا فائدہ ہوگا اور ایک فرقہ اور ہے جو اس مرتبے سے آگے بڑھ گیے ہیں اور سلوک طریق بھی شروع کر دیا ہے اور ابواب معرفت ان پر کھل گئے ہیں۔ بس جب ان معرفت کے مبادی سے ان کے مغز میں خوشبو پہنچتی ہے تو اس سے تعجب اور خوش ہوتے اور اس کی غرابت سے عجب کرتے ہیں اسی واسطے ان کے دل اسی کی طرف ملتفت ہو کر سوچتے رہ جاتے ہیں کہ یہ دروازہ ہم پر کیسے کھلا اور ان پر کیوں بند ہے اور یہ مغالطہ ہے اس واسطے کہ خدائے تعالیٰ کی راہ کے عجائبات کی کچھ انتہا نہیں اگر سالک ہر عجب بات پر ٹھہر جاوے اور اسی کا مقید ہو رہے تو مقصود کیسے

ع یعنی سمجھے کہ میں عمارۃ المسجد کرتا ہوں جس کے حق آیۃ انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ الآیہ ۱۲

حاصل ہوگا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی بادشاہ کی ملازمت کو جاوے اور اس کے دروازے کے صحن میں ایک باغ دیکھے جس میں ایسے غنچے اور پھول ہوں اس نے کبھی نہ دیکھے ہوں اور کھڑا ہو کر انہیں کا تماشا کرے یہاں تک کہ بادشاہ کی ملازمت کا وقت فوت ہو جاوے آرئیا ثبا ت پر توقف کرنا اور ان کی سیر و تامل کا پابند ہونا بھی مغالطے میں داخل ہے چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست ٭ ہرچہ بروے میرسی بروے مایئست

اور ایک فرقہ اور ہے جو ان سے بھی کچھ آگے نکل گیے ہیں یعنی جو انوار و عطایا کہ ان پر راستے میں فائز ہوتے ہیں ان پر توجہ نہیں کرتے اور نہ ان سے اظہار فرح و سرور کر کے اس جگہ توقف کرتے ہیں بلکہ برابر راہ قطع کرنے سے کام رکھتے ہیں یہاں تک کہ قریب منزل مقصود پہنچ کر اس حد پر جا لگے ہیں جس کا نام قرب الی اللہ ہے اور یہاں آکر بایں گمان کہ ہم واصل الی اللہ ہو گیے توقف کیا اور دھوکا کھایا کیونکہ خدائے تعالیٰ کے نور کے ستر پردے ہیں جب سالک کسی ایک پر ان پردوں میں سے پہنچتا ہے اس کو گمان ہوتا ہے کہ میں خدا رسیدہ ہو گیا اور اسی بات کی طرف اشارہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں جس کا حال قرآن مجید میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے [1] فلما جن علیہ اللیل رأی کوکبا قال ھذا ربی اس آیت میں کوکب سے مراد ستارہ آسمانی نہیں کیونکہ ان ستاروں کو تو آپ کم سنی میں بھی دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ یہ معبود نہیں یہ تو بہت سے ہیں علاوہ ازیں نادان بھی جانتے ہیں کہ ستارے خدا نہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے شخص ستارے سے کس طرح مغالطہ کھا سکتے ہیں جس سے گنوار تک مغالطہ نہیں کھاتے بلکہ مراد اس کوکب سے ایک نور ان انوار میں کا ہے جو اللہ جل شانہ کے حجاب سالکین کے راستے پر ہیں اور خدائے تعالیٰ تک پہنچنا بدون ان حجابوں کے طے کیے ممکن نہیں اور ان نور کے حجابوں میں سے بعضے بڑے ہیں اور بعضے چھوٹے اور چونکہ اجرام فلکی میں سب سے چھوٹا ستارہ معلوم ہوتا ہے اس لیے چھوٹے حجاب کے لیے کوکب کو استعارہ کر لیا اور اجرام نورانی میں سب سے بڑا آفتاب اور متوسط درجہ پر قمر ہے اس تحقیق کے بعد آیت کے معنی سننے چاہئیں کہ بموجب اس آیت کریمہ کے [2] وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوٰت والارض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیر آسمان کے ملکوت کی فرمائی تو نور کے بعد نور آتا گیا اور جو نور اول ملا اسی کو معلوم کیا کہ میں پہنچ گیا مگر پھر معلوم ہوا کہ اس کے بعد اور کچھ ہے اس پر ترقی کی اور اسی طرح ترقی کرتے چلے گیے یہاں تک کہ صرف وہی حجاب باقی رہا جس کے بعد مرتبہ وصول شمار ہو اس کی عظمت دیکھ کر فرمایا کہ ہذا اکبر یعنی یہ سب سے بڑا ہے جب اس کو بھی باوجود عظمت وجلال کے اوج کمال پر نہ پایا اور پستی نقصان و ہبوط سے خالی نظر نہ آیا تو فرمایا [3] لا احب الافلین انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ۔ اور سالک طریق معرفت کو کبھی مغالطہ

---

[1] پھر جب اندھیری آئی اس پر رات دیکھا ایک تارہ بولا یہ ہے رب میرا ۱۲ [2] اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو سلطنت آسمان کی اور زمین کی ۱۲ [3] مجھ کو خوش نہیں آتے چھپ جانے والے میں نے اپنا منہ کیا اس کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں شریک کرنے والا ۱۲

ہو جاتا ہے اور ان حجابوں میں سے کسی پر توقف کر دیتا ہے اور بعض اوقات حجاب اول ہی پر ٹھہر جاتا ہے اور اول حجاب جو بندے کے اور خدا کے درمیان ہے وہ نفس ہے اس لیے کہ وہ بھی ایک امر ربانی ہے یعنی ایک نور ہے خدائے تعالیٰ کے انوار سے جس کو سرِ قلب کہتے ہیں اور جس میں حقیقت حق کی تمام و کمال جلوہ افروز ہوتی ہے یہاں تک کہ تمام عالم کی گنجائش اس میں ہو جاتی ہیں اور سب پر محیط ہو جاتا ہے اور صورت کل اس میں جھلکتی ہے پس یہ ہے ؎

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے ❊ میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

اور اس حالت میں اس نہایت درجہ کی چمک ہو جاتی ہے کیونکہ وجود سب کا سب جیسا واقع میں ہے ویسا ہی اس میں ظاہر ہو جاتا ہے اور شروع میں اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ایک فانوس اس پر سرپوش کی طرح رہتا ہے مگر جب خدائے تعالیٰ کے نور کی تجلّی اس پر ہوتی ہے تو وہ چمک پڑتا ہے اور دل کا جمال کھل جاتا ہے ایسے وقت میں جس کے دل پر یہ حال گذرتا ہے اگر وہ اپنے دل کی طرف التفات کرتا ہے تو اس میں اس قدر زیادتی جمال کی پاتا ہے کہ حیران ہو جاتا ہے بلکہ اسی حیرانی میں کلمۂ انا الحق زبان سے نکل جاتا ہے اور اگر پھر اس کو کچھ راز نہیں کھلتا تو اسی مغالطے پر جم جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے حالانکہ یہ مغالطہ خدا کے انوار میں سے ایک ادنیٰ ستارے سے ہو گیا ابھی تک نوبت قمر کی بھی نہ پہنچی تھی شمس کا تو کیا ذکر ہے اور واقع میں یہ جگہ بھی مغالطے کی ہے اس لیے کہ تجلی کرنے والی چیز اور جس میں وہ تجلی کرتی ہے دونوں ایک صورت کی ہو جاتی ہیں مثلاً جو شے رنگین کہ آئینے میں نظر آتی ہے آئینے کا رنگ بھی ویسا ہی نظر آتا ہے یا شیشہ سفید میں اگر کوئی رنگدار چیز بھر دو تو شیشہ اسی رنگ کا معلوم ہو گا اسی لحاظ سے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے نور کی چمک اور تجلی ان میں زیادہ ہے تو مغالطے سے انہیں کو خدا جان لیا جیسے کوئی شخص ستارے کو آئینے یا پانی میں دیکھ کر گمان کرے کہ یہ ستارہ اسی کے اندر ہے اور اس کے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو مغرور کہلاوے گا اور طریق معرفت کے طے کرنے میں جتنی قسم کے مغالطے ہوتے ہیں ان کے بیان کو دفتر چاہیئے اور جب تک تفصیل علم مکاشفہ کی بالکل نہ کی جاوے تب تک سب کا بیان بھی نہیں ہو سکتا اور علم مکاشفہ کے بیان کی اجازت نہیں اور غالب ہے کہ جس قدر ہم نے بیان کیا ہے اس کو بھی ذکر کرنا مناسب نہ تھا اس واسطے کہ جو اس طریق کا چلنے والا ہے اس کو غیر سے سننے کی حاجت نہیں اور جو نہیں چلتا اس کو سننے سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ احتمال کا ضرر ہے اس واسطے کہ جب ایسی چیز سنتا ہے جو سمجھ میں نہیں آتی اس سے حیرت پیدا ہوتی ہے لیکن اتنا فائدہ ہے کہ جس مغالطے میں وہ رہتا ہے اس سے نکل جاتا ہے اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ امر معرفت کو جو اپنے خیال فاسد اور ذہن مختصر اور عقل قاصر میں ایک ادنیٰ بات سمجھتا ہے ان حالات کے سننے سے یقین کر لیتا ہے کہ واقع میں یہ امر بہت بڑا ہے اور نیز اولیاء اللہ کے مکاشفات کا ذکر اگر کیا جاتا ہے تو اس کا بھی یقین ہو جاتا ہے اور جس کو مغالطہ قوی ہوتا ہے وہ ہر حال میں یکساں ہے جیسا پہلے نہیں مانتا تھا اب بھی نہیں مانتا۔

ارباب مال کے مغالطے اور ان کے مختلف فرقوں کا ذکر

ایک فرقہ وہ ہے جو مسجدوں اور مدرسوں اور سراؤں اور پلوں کی تعمیر کے حریص ہوتے ہیں یعنی ایسی چیزوں کے بنانے کی جن کو سب لوگ دیکھیں اور ان عمارات پر اپنا نام کندہ کرا دیتے ہیں تاکہ ہمیشہ ان کی یادگار رہے اور مرنے کے بعد یہ نشانی باقی رہے اور اپنی دانست میں اس فعل سے مستحق مغفرت ہو جاتے ہیں حالانکہ دو سبب سے یہ لوگ مغالطے میں ہیں اول تو اس جہت سے کہ عمارات مذکورہ کو ایسے مال سے بناتے ہیں جو ظلم اور غصب اور رشوت وغیرہ وجوہات ممنوع سے پیدا کرتے ہیں پس اول تو اس وجہ سے خدا کے غضب کے سزاوار ہوئے کہ مال حرام کھایا دوم اسی وجہ سے کہ اس کو اپنی ریا و شہرت کے لیے اڑایا ان پر واجب تھا کہ اس مال کو نہ پیدا کرتے اور جب اس کو تحصیل کر کے خدا کے گنہگار ٹھہرے تو یہ چاہیے تھا کہ توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع کرتے اور مال مالکان کے حوالے کرتے خواہ اصل مال یا اصل نہ رہتا تو اس کا بدلہ دیدیتے اور اگر مالک نہ ملتا تو اس کے وارث کو دیتے اور اگر کوئی وارث بھی نہ ملتا تو اس مال کو مسلمانوں کی سب سے ضروری مصلحت میں خرچ کرتے اور غالب ہے کہ مساکین کو بانٹنا اس مال کا زیادہ ضروری معلوم ہوتا مگر مساکین کو نہیں تقسیم کرتے اس خوف سے کہ مبادا دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جاوے تو وہی عمارت بنالیں اور کوئی شہرت انھیں کے ہاتھ لگے اس سے معلوم ہوا کہ عمارت پر جو یہ لوگ حریص ہیں کچھ اس واسطے نہیں کہ بقائے خیر چاہتے ہوں بلکہ ان کی غرض ریا اور نیک نامی اور محبت ثنا ہے اور جانتے ہیں کہ ان کے باقی رہنے سے ہمارا نام جو ان پر کندہ ہے وہ بھی بنا رہے گا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ان عمارتوں میں روپیہ لگانا اخلاص اور خیر کا کام ہے حالانکہ اگر ان سے کہا جاوے کہ ایک روپیہ خرچ کرو مگر جس جگہ خرچ کرو وہاں اپنا نام نہ لکھو تو ہرگز نفس قبول نہ کرے اور دشوار جانے اور خدائے تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے خواہ نام لکھا ہو یا نہیں اگر لوگوں کو دکھلانا نہ منظور ہوتا صرف خدا ہی کے لیے کام ہوتا تو نام لکھنے کی کیا حاجت تھی اور ایک فرقہ اور ہے کہ مال وجہ حلال سے پیدا کر کے مسجدوں میں لگا دیتے ہیں وہ مغالطے میں ہیں دو جہت سے اول تو ریا اور طلب ثنا کی جہت سے اس لیے کہ بعض اوقات ایسے شخص کے پڑوس میں یا شہر میں ایسے محتاج ہوتے ہیں کہ ان سے سلوک کرنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے اور مسجدوں کے بنانے سے ان کو دینا افضل ہوتا ہے مگر ان کو جو مسجدوں میں لگا دینا اچھا معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں پر ظاہر ہوتی ہے اور دوسری وجہ مغالطے کی یہ ہے کہ مسجدوں پر جو نقش و نگار کرتے ہیں وہ ممنوع ہے اور نمازیوں کا دھیان اس سے بٹتا ہے نظر انھیں پر پڑتی ہے اور مقصود نماز سے فروتنی اور دل کا حاضر ہونا ہے اور جب دل نقش و نگار میں ہوا تو ثواب باطل ہوگا اور اس کا وبال نقش و نگار کرنے والے کے ذمہ رہے گا اور وہ اس خیال میں ہے کہ میں امر خیر کرتا ہوں کہ میرے لیے وسیلہ رضائے الٰہی ہوگا حالانکہ اس سے خدائے تعالیٰ کی ناراضی کا مستحق ہوا اس کو گمان ہے کہ

ح بخاری نے عمر بن خطاب کا قول لکھا ہے کہ مسجد کو لوگوں کا بچاؤ کرو سرخ و زرد مت کرو ۱۲

یں خدائے تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہوں اور اس کے حکم کو بجالاتا ہوں اور واقع میں نقش ونگار سے لوگوں کے دلوں کو پریشان کرتا ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ لوگ مسجدوں میں یہ کیفیت دیکھ کر اپنے گھروں کو ویسا ہی مزین کریں اور اس کا وبال بھی اسی شخص کی گردن پر رہے حاصل یہ کہ مسجد اسی واسطے ہوتی ہے کہ اس میں تواضع اور حضور دل اللہ کے سامنے ہو حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ دو شخص ایک مسجد میں آئے ان میں سے ایک مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ مجھ جیسا آدمی خدا کے گھر میں جاوے یعنی شدت احتیاط وانکسار سے یہ جملہ کہا اسی جگہ صدیقوں میں لکھا گیا یعنی تعظیم مسجد اس درجے پر کہ اپنے جانے سے گویا مسجد کو آلودہ سمجھا اور ایسی ہی تعظیم مناسب بھی ہے یہ نہیں کہ مسجد کو حرام مال سے یا دنیا کے مزخرفات سے لیپ پوت دیا اور خدا پر احسان کیا اور حواریوں نے ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ دیکھئے یہ مسجد کیا عمدہ ہے آپ نے فرمایا کہ اے میری امت میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مسجد کی اینٹ پر اینٹ قائم نہ چھوڑے گا اس مسجد والوں کے گناہ کے باعث سب کو برباد کرے گا اللہ کے نزدیک نہ سونے چاندی کی کچھ قدر ہے اور نہ ان اینٹوں کی قدر جو تم کو اچھی معلوم ہوتی ہیں بلکہ ان کے نزدیک سب سے محبوب چیزیں نیک بخت دل ہیں ان سے اللہ تعالیٰ زمین کو آباد کرتا ہے اور جب وہ نیک بخت نہیں رہتے تو انہیں کی شامت سے زمین کو ویران کرتا ہے اور حضرت ابو دردا ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مسجدوں کو ملمع کرو اور قرآنوں کو چاندی سونا پہناؤ تو اس وقت تم پر تباہی آجاوے گی اور حضرت حسنؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارادہ مسجد مدینہ منورہ کی تعمیر کا کیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اس کو سات ہاتھ اونچا بنائیو اور ملمع اور نقش مت کیجیو غرض کہ ان لوگوں کا مغالطہ یہ ہے کہ جو بات بری تھی اس کو اچھا سمجھ کر اس پر تکیہ کیا اور ایک فرقہ اور ہے کہ مال صدقات میں خرچ کرتے ہیں اور فقراء اور مساکین کو دیتے ہیں مگر اس خیرات کے واسطے ایسا موقع ڈھونڈھتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوں اور فقراء میں سے ایسوں کی تلاش کرتے ہیں جو شکر گذار اور نام مشہور کرنے والے ہوں اور خفیہ خیرات کو برا جانتے ہوں اور اگر کوئی فقیر ان سے کچھ لے کر چھپا دے تو اس کو خطا وار اور ناشکرا جانتے ہیں اور کبھی حج میں بہت سا اٹھاتے ہیں کہ ایک حج کے بعد دوسرا کرتے ہیں مگر اپنے ہمسایوں کو بھوکا ہی چھوڑتے ہیں اسی لیے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو بے سبب بھی حج کرتے ہوں گے چونکہ ان کے پاس مال ہوگا اس واسطے سفر کرنے کو کچھ دشوار نہ جانتے ہوں گے حج سے جو پھریں گے تو محروم اور لٹے گھٹے آویں گے یعنی ثواب خاک نہ ملے گا آپ تو سواری پر جنگل اور ریگستان میں پھرتے ہوں گے اور ان کے پڑوسی محتاج ہوں گے کہ ان کی خبر نہ لیں گے اور ابو نصرؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت بشر بن الحارثؒ کے پاس آیا اور کہا

ع ابن مبارک در زہد ۱۲ ع اس طرح مجھے نہیں ملی بلکہ ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے کہ فرمایا کہ مسجد کو موسیٰ کے اریش کی طرح پر بنا داس میں کچھ ذکر جبرئیل علیہ السلام کا نہیں ۱۲

کہ میرا ارادہ حج کا ہے میں آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں آپ کو جو کچھ فرمانا ہو آپ بھی فرمادیں آپ نے پوچھا کہ حج کے واسطے تیرے پاس کیا ہے اس نے کہا کہ دو ہزار درہم آپ نے فرمایا کہ حج سے تیرا مقصود کیا ہے سیر کرنا منظور ہے یا شوق خانہ خدا کا ہے یا رضامندی اللہ تعالےٰ کی اس نے عرض کیا کہ مجھ کو رضائے الٰہی منظور ہے آپ نے فرمایا کہ اگر گھر بیٹھے تجھ کو رضائے الٰہی ان دو ہزار درموں کے خرچ سے مل جاوے اور تجھ کو یقین بھی ہو جاوے کہ خدا کی رضا بیشک ہوئی ہو تو کرے گا اس نے کہا البتہ آپ نے فرمایا کہ تو جا اور ان درموں کو دس آدمیوں کو دیدے قرض دار کو دے جو اپنا قرض ادا کرے اور محتاج کو دے جو اپنی شکستہ حالی درست کرے اور عیال دار کو دے جو اپنے عیال کی پرورش کرے اور یتیم کی پرورش کرنے والے کو دے جو یتیم کو خوش کرے اور اگر تیرا دل اس بات پر پکا ہو کہ ایک ہی شخص کو ان اقسام میں سے دے تو ایک ہی کو دے دینا اور یہ میں نے اس لیے کہا کہ کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا اور مظلوم کی فریاد کو پہنچنا اور ضرر کو ٹالنا اور کمزور کی مدد کرنا فرض حج کے بعد سو حجوں سے افضل ہیں تو اب جا کر جیسا میں نے کہا اس کے بموجب اس روپیہ کو تقسیم کر دے ورنہ جو دل میں ہو وہ کہہ دے اس شخص نے کہا کہ میرا دل تو سفر ہی پر جما ہوا ہے پس حضرت بشر نے تبسم فرمایا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ مال جب تجارات اور شبہات سے اکٹھا ہو جاتا ہے تو نفس یہ چاہتا ہے کہ کوئی حاجت پوری کیجئے اس کے لیے اعمال صالحہ ظاہر کیا کرتا ہے مگر خدائے تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ متقیوں کے اعمال کے سوا اور کسی کے عمل قبول نہیں کرے گا اور ایک فرقہ اور ہے کہ بخل کے مارے مال کو جمع کرتے ہیں اور عبادات ایسی کرتے ہیں جس میں کچھ خرچ نہ کرنا پڑے مثلاً دن کو روزہ رکھنا اور رات کو جاگنا یا ختم قرآن کرنا وغیرہ اور یہ لوگ بھی مغرور ہیں اس لیے کہ بخل جو مہلک چیز ہے ان کے دلوں پر حاوی ہے اول ان پر اسی کا قلع قمع مال کو دے کر کرنا چاہیئے جو باتیں وہ کرتے ہیں ان کی کچھ حاجت نہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے کپڑوں میں سانپ گھس جاوے اور وہ قریب ہلاکت کے ہو لیکن اطمینان سے تسکین صفرا کے لیے سکنجبین بنا رہا ہو اب کہیے جس کو سانپ کاٹ لے گا اس کو سکنجبین سے کیا فائدہ اور کب ضرورت ہو گی اسی واسطے حضرت بشرؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں غنی روزہ نماز بہت ادا کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ جو اس کے حال کے مناسب تھا وہ تو اس نے چھوڑ دیا جو دوسروں کے لائق بات تھی وہ اختیار کی اس کو یہ شایان تھا کہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا اور مساکین کو کچھ دیتا اپنے آپ جو بھوکا رہتا ہے اس کی بہ نسبت یہ داد و دہش بہتر تھی اور ایک فرقہ یہ ہے کہ ان پر بخل اس قدر زیادہ ہے کہ مال میں سے سوائے زکوٰۃ کے اور کچھ نہیں دیتے پھر مال زکوٰۃ بھی الساپرا اور نکما دیتے ہیں کہ اپنے آپ ویسے مال سے نفرت کریں اور فقیروں میں سے ایسے فقیر کو دیتے ہیں جو ان کی خدمت کریں اور ان کے کاروبار میں پھرا کریں یا آگے کو ان سے کسی خدمت کے محتاج ہوں یا کوئی کسی طرح کی غرض ان سے نکلے یا ایسوں کو دیتے ہیں جو کسی بڑے شخص کی سفارش لے کر آیا ہو اس کو اس لیے دیتے ہیں کہ ہماری قدر اس بڑے آدمی کی

کی نظروں میں ہو جاوے کہ ہم نے اور کا کام کر دیا وہ بھی ہمارے کام میں دریغ نہ کرے تو یہ باتیں سب کی سب نیت کی مفسد اور عمل کی تباہ کرنے والی ہیں اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ مغرور ہے اور اس کو یہ گمان ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوں حالانکہ بدکار و گناہگار ہے کہ خدا کی عبادت پر غیر سے عوض چاہتا ہے اس طرح کی باتیں مال والوں کے مغالطے کی ہیں اور یہ بھی زائد از شمار ہیں مگر جنس مغالطے کی تنبیہ کے طور پر کچھ دی گئیں اور ایک فرقہ اور ہے کہ وہ عوام خلق اور مالداروں اور فقرا میں سب میں اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ وعظ کی مجالس میں آنے ہی کو اپنی نجات کے واسطے کافی و وافی اعتقاد کرتے ہیں اور مجلس وعظ میں آنا ایک رسم و عادت مقررہ کر لی ہے اور یہ گمان ہے کہ صرف وعظ کے سنتے ہی سے ثواب ملے گا گو اس پر عمل نہ کریں اور یہ ان کا خیال خام ہے اس لیے کہ مجلس وعظ کو جو فضیلت ہے تو اسی جہت سے ہے کہ اس سے آدمی کو رغبت خیر کی ہوتی ہے اگر یہ بات کسی مجلس میں نہ ہو تو اس میں کچھ بزرگی نہیں اور رغبت اسی واسطے اچھی ہے کہ اس سے آدمی آمادہ عمل ہوتا ہے اگر وعظ سے رغبت ایسی ضعیف ہوئی کہ عمل پر آمادہ نہ کیا تو ایسی رغبت سے کیا فائدہ اور جو چیز کسی اور چیز کے واسطے مطلوب ہوتی ہے اگر وہ دوسری چیز اس سے نہ ملے تو اول چیز کو لے کر کیا کرے اور کبھی وعظ کی زبانی جو فضیلت مجلس وعظ کی سنتے ہیں اور رونے کا ثواب گوش زد ہوتا ہے تو مغالطے میں پڑتے ہیں اور عورتوں کی طرح رونے لگتے ہیں اور کبھی کوئی کلام خوفناک سنتے ہیں تو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرتے کہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہتے ہیں کہ خدا تو ہی بچائیو یا خدا پناہ دے یا معاذ اللہ یا سبحان اللہ وغیرہ اور اپنے گمان میں جو کچھ کرتے ہیں وہ سب اچھا کرتے ہیں حالانکہ مغالطہ صریح ہے اور ان کی مثال ایسی ہے کوئی بیمار حکیموں کے مطب میں جایا کرے اور جو کچھ وہاں ذکر ہو اس کو سنا کرے یا کوئی بھوکا کسی ایسے کے پاس بیٹھا کرے جو خوب مزہ دار کھانوں کے ذکر اس سے کیا کرے تو اس سے نہ تو مریض کا مرض جاوے گا نہ بھوکے کی بھوک اسی طرح طاعات کے اوصاف سننے اور عمل نہ کرنے سے خدا کے نزدیک کچھ فائدہ نہ ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ جس وعظ کے سننے سے آدمی میں کچھ تغیر اس طرح کا نہ ہو جس کے باعث افعال بدل جاویں اور خدائے تعالیٰ کی طرف بتوجہ قوی یا ضعیف متوجہ ہو جاوے اور دنیا سے روگرداں ہو تو اس طرح کا وعظ اس کے حق میں اور زیادہ باعث بازپرس کا ہوگا اگر اس کو آدمی اپنے لیے ذریعۂ سعادت سمجھے تو غلط فہمی ہے۔ اور اب اگر کوئی یہ کہے کہ جو کچھ تم نے مغالطے کی وجہیں لکھی ہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے کوئی خالی نہیں اور اس سے بچنا بھی غیر ممکن ہے اور اس سے آدمی کو ایک یاس پیدا ہوتی ہے کیونکہ اتنی طاقت تو کسی میں نہیں ہے ان آفات خفیہ سے بچے تو ضرور ہے کہ ناامید ہو کر بیٹھ رہے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اگر کسی چیز میں ہمت ہار دے تو البتہ اس چیز کو بڑا بھی جانتا ہے اور ناامید بھی ہوتا ہے اور اس راہ کو دشوار گذار سمجھتا ہے لیکن اگر ہمت اور خواہش صحیح کسی شے کی کرتا ہے تو غرض تک پہنچنے کے لیے اپنی فکر دقیق سے بڑی باریک باتیں اور خفیہ راہیں نکال لیتا ہے

مثلاً اگر اڑتے جانور کو باوجود فاصلے کے اتارنا چاہے تو اتار سکتا ہے یا مچھلی کو سمندر کی تہہ میں سے اوپر نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے یا پہاڑوں میں سے چاندی اور سونا نکالنا چاہے تو کھود کر نکال سکتا ہے یا جنگل کے وحشی آزاد کو گرفتار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا درندوں اور ہاتھیوں اور دوسرے بڑے جانوروں کو مطیع بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے یا سانپ واژدہا کو پکڑ کر کھیلنا چاہے تو ہو سکتا ہے کہ ان کو پکڑ کر زہر مہرہ ان کے اندر سے نکال لے یا اگر چاہے کہ توت کے پتوں سے ریشم منقش بن جاوے تو تدابیر سے بنا سکتا ہے یا مقدار ستاروں کی اور ان کا طول وعرض معلوم کرنا چاہے تو علم ہندسہ کے ذریعہ سے زمین پر کھڑا کھڑا دریافت کر سکتا ہے غرضکہ آدمی تدبیریں نکالنے میں استاد ہے ہر ایک چیز کی تدبیر اور ہر ایک کا سامان جدا بناتا ہے اور ہر شے سے جدا کام لیتا ہے مثلاً گھوڑے سے سواری کا کام اور کتے سے شکار کا اور باز سے پرندوں کے شکار کا لیتا ہے اور ان اشیا کو اسی لیے اپنے قابو میں رکھتا ہے مچھلی کے شکار کو جال بناتا ہے غرض بغور دیکھو تو اس طرح کی باریک تدبیریں آدمی کی بہت سی ہیں اور یہ سب تدبیریں صرف اس لیے کی ہیں کہ ان سے دنیا کی غرض نکلے اور حصول مطلب کے لیے مدد ملے پس اگر اس کو امر آخرت پیش آوے اور صرف ایک ہی کام ہو یعنی دل کا سیدھا کرنا تو اس وقت اس کام سے عاجز ہو کر کہنے لگے گا کہ یہ امر محال ہے اور کس کی قدرت ہے کہ ایسا کرے نہیں بلکہ انسان کی ہمت کے سامنے محال نہیں اگر صرف ایک ہی مطلب پر ہمت لگاوے چنانچہ مشہور ہے ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد ٭ اگر خارے بود گلدستہ گردد

اور نیز ہمت مرداں مدد خدا مثل مشہور ہے علاوہ ازیں سلف کے صلحا اس کام سے عاجز نہ ہوئے اور جنہوں نے ان کا اتباع اچھی طرح کیا وہ بھی اس سے نہ ہارے اب بھی جو شخص سچا ارادہ اور ہمت قوی رکھتا ہوگا وہ کبھی عاجز نہ ہوگا بلکہ جتنی محبت کہ لوگوں کو دنیاوی تدابیر کے پیدا کرنے میں اور اس کے اسباب کی درستی میں لگتی ہے اس کا دسواں حصہ بھی اس شخص کو نہیں ہوتی اور مغالطے سے بچنے کے لیے تین باتیں آدمی میں ضرور ہونا چاہیئیں عقل اور علم اور معرفت عقل سے ہماری مراد وہ نور اصلی خلقی ہے جس سے کہ انسان اشیاء کی حقیقت کا ادراک کرتا ہے اصل پیدائش میں آدمی کی ہوشیاری اور دانائی بھی ہے اور حمق اور بلاوت بھی غبی آدمی تمیز مغالطہ کی نہیں کر سکتا اس لیے عقل کی صفائی اور فہم کی تیزی اصل پیدائش سے ہونی ضرور ہے کند ذہن ہوتا اور اگر انسان شروع پیدائش سے ایسا نہ ہوگا تو اس کا حاصل کرنا ممکن نہیں البتہ اتنا ہو سکتا ہے کہ جب اصل عقل موجود ہے تو تجربہ وغیرہ سے اس کو زور دے سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ بنیاد سعادت کی عقل و کیاست ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے

ع تبارك الذى قسم العقل ...... بين عباده اشتاتا ان الرجلين ليستوى عملهما و برهما و صومهما وصلوتهما

ع بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں میں عقل کو مختلف تقسیم فرمایا بیشک دو شخصوں کے عمل اور نیکی اور روزہ اور نماز تو برابر ہوتے ہیں مگر ان کی عقلوں میں اتنا فرق ہوتا ہے جیسے ذرہ میں اور احد پہاڑ میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی خلق کے لیے کوئی بہرہ افضل اور عمدہ

ولکنھما یتفاوتان فی العقل کالذرۃ فی جنب احد ما قسم اللہ بخلقہ حظاً ھو افضل اور حضرت ابو درداؓ[۲] سے مروی ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص دن کو روزہ رکھتا ہو اور رات کو تہجد گذار اور حج اور عمرہ ادا کرتا ہو اور صدقہ و جہاد فی سبیل اللہ اور عیادت مریض اور جنازے کا ساتھ دینا اور ضعیف کی اعانت کرنا یہ سب باتیں بجالاتا ہو اس کا درجہ قیامت میں خدا کے نزدیک کتنا ہوگا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو ثواب بقدر عقل ملے گا اور حضرت انس رحمۃ اللہ فرماتے ہیں[۳] کہ ایک آدمی کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی نے کی اور سب نے اس کو اچھا کہا آپ نے پوچھا کہ اس کی عقل کیسی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ ہم عبادت اور اخلاق اور فضل کا ذکر کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کی عقل بتاؤ کیسی ہے کیونکہ بیوقوف اپنی حماقت کے باعث بدکاری کے گناہ سے بھی زیادہ خطا کر بیٹھتا ہے اور قیامت کے روز لوگوں کو قرب عقل ہی کی مقدار پر ہوگا اور حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں[۴] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی شخص کی شدت عبادت کا ذکر آپ کے سامنے ہوتا تو اس کی عقل کا حال پوچھتے اگر لوگ عقل کو اچھا کہتے تو آپ فرماتے کہ وہ ہونہار ہے اور اگر عقل کو اچھا نہ بتلاتے تو فرماتے کہ وہ ہرگز رسیدہ نہ ہوگا اور ایک دفعہ جو ایک شخص کی شدت عبادت کا ذکر آپ سے کسی نے کیا آپ نے پوچھا کہ اس کی عقل کیسی ہے لوگوں نے کہا کہ عقل تو کچھ بھی نہیں آپ نے فرمایا کہ جس درجے پر تم گمان کرتے ہو وہاں تک وہ شخص نہیں پہنچے گا اس سے معلوم ہوا کہ تیزی فہم اور عقل جبلی کا درست ہونا بھی ایک نعمت خدا کی ہے جو اصل پیدائش میں رکھ دیتا ہے اور اگر یہ نعمت حمق و بلادت سے جاتی رہتی ہے تو پھر اس کا تدارک نہیں ہو سکتا دوسری بات رفع مغالطے کے لیے معرفت ہے اور اس سے ہماری غرض چار چیزوں کا پہنچاننا ہے اپنے نفس کا اور خدا تعالیٰ کا اور دنیا کا اور آخرت کا اپنے نفس کو یوں جانے کہ بندہ ذلیل ہے اور اس عالم میں مسافر ہے اور شہوات بہیمی سے اجنبی اور اس کی طبیعت کے موافق صرف معرفت خدائے تعالیٰ اور اس کا دیدار ہے اور اس بات کا جاننا بدون معرفت رب کے نہیں ہو سکتا اس کے جاننے کے واسطے جو کچھ ہم نے باب محبت اور بیان عجائبات دل اور باب تفکر اور باب شکر میں لکھا ہے اس سے مدد لے کیونکہ ان ابواب میں وصف نفس اور جلال کبریا کے اشارات مذکور ہیں جن سے تنبیہ فی الجملہ ہو جاتی ہے اور کمال معرفت اس کے بعد ہے اس لیے کہ وہ علوم مکاشفہ میں سے ہے اور ہم نے اس کتاب میں صرف علم معاملہ کو لکھا ہے اور معرفت دنیا اور آخرت کے لیے ان باتوں سے مدد لے جو باب مذمت دنیا اور باب ذکر موت میں لکھی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دنیا کو آخرت سے کچھ نسبت ہی نہیں جب ان چاروں کو پہچان لے گا تو خدائے تعالیٰ کی معرفت کے باعث تو دل میں محبت الٰہی جوش کرے گی اور آخرت کی معرفت سے شدت رغبت اس کی پیدا ہوگی اور

---

[۱] تر عقل اور یقین سے عنایت نہیں فرمایا ۱۲ حکیم ترمذی در نوادر بروایت طاؤس مرسلاً بسند ضعیف ۱۲ [۲] خطیب اور تاریخ و مالک بروایت ابن عمرؓ اور بروایت ابو درداء نہیں ملی [۳] باب العلم میں گذری ۱۲ [۴] حکیم ترمذی در نوادر بیہقی در شعب اور کہا ہے کہ ضعیف ۱۲

دنیا کے پہچاننے سے اس کی طرف سے سخت روگردانی حاصل ہو گی اور سب سے زیادہ ضروری کام اس کی نظروں میں وہی ہو گا جو خدا تک پہنچا دے اور آخرت میں کام آوے اور جب یہ ارادہ غالب ہو گا تو سب باتوں میں اس کی نیت درست ہو گی اگر کھانا کھاوے گا یا قضائے حاجت کو جاوے گا اور کوئی کام کرے گا سب سے مقصود یہی ہو گا کہ سلوک راہ آخرت میں ملے اور اس درستی نیت سے مغالطہ دور ہو جاوے گا جس کا منشا کشش اعراض اور میل دنیا اور جاہ اور مال کا ہے اس لیے کہ انہیں چیزوں سے نیت بگڑتی ہے اور جب تک دنیا اس کے نزدیک آخرت کی نسبت محبوب رہے گی اور خواہش اپنے نفس کی رضا الٰہی کی نسبت محبوب رہے گی تب تک چھوٹنا مغالطے سے ممکن نہیں اور جب دل پر خدا کی معرفت اور اپنے نفس کی معرفت کے باعث جو کمال عقل کے سبب ہوتی ہے محبت الٰہی غالب ہو گی تو ایک تیسری چیز کی اور حاجت ہو گی یعنی علم اس بات کا کہ راہ خدا کو کس طرح طے کرنا چاہیے اور اللہ سے نزدیک کرنے والی اور دور کرنے والی چیزیں کونسی ہیں اور راستے کے آفات اور مہلکات اور گھاٹیاں کونسی ہیں اور ان سب باتوں کو ہم نے اس کتاب میں لکھا ہے مثلاً جلد اول میں شروط عبادت اور اس کے آفات لکھے ہیں شروط کی رعایت رکھنی چاہیے اور آفات سے احتراز کرنا ضروری سمجھے اور جلد دوم میں اسرار معاملات اور جن چیزوں کی طرف آدمی مضطر ہے ان کو لکھا ہے ان کو قواعد شرع کے بموجب عمل میں لاوے اور جس سے مستغنی ہو اس سے اعراض کرے اس جلد میں وہ باتیں ہیں جو خدا کی راہ میں موانع ہیں یعنی صفات مذمومہ خلق کے پس صفت مذموم کو جانے اور اس کے علاج کا طور دریافت کرے اور جلد چہارم سے صفات محمودہ معلوم ہوتے ہیں کہ جب کوئی صفت مذموم آدمی اپنے اندر سے مٹا دے تو اس کے عوض میں اچھی صفت پیدا کرے ان سب باتوں کو جان لے گا تب ممکن ہے کہ جو اقسام مغالطہ کی ہم نے لکھی ہیں ان سے بچ سکے اور ان سب کی اصل یہ ہے کہ محبت الٰہی دل پر غالب ہو اور محبت دنیا دل سے اتر جاوے یہاں تک کہ ارادہ مستحکم ہو جاوے اور نیت درست اور یہ بات جبھی ہو سکتی ہے جب وہ باتیں جو ہم نے لکھی ہیں ان کو پہچانے یہاں ایک اور بات جاننے کی ہے کہ ان سب امور کے جاننے کے بعد آدمی پر ایک اور خوف باقی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت شیطان اس کو فریب دے کر اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ خلق کو نصیحت کرنا اور علم کو پھیلانا اور جو بات اپنے آپ کو خدا نے بتلائی اس کو دوسروں کو بتلانا چاہیے کیونکہ مخلص آدمی جب اپنے نفس کی تہذیب اور اخلاق کی درستی سے فارغ ہوتا ہے اور تمام کدورتوں سے دل کو صاف کر کے راہ راست پر آجاتا ہے اور دنیا کو حقیر جان کر ترک کرتا ہے اور خلق سے طمع منقطع کر کے ان کی طرف التفات نہیں کرتا اور سوائے خدا کے اور اس کے ذکر و مناجات کی لذت کے اور شوق دیدار کے اور کوئی کام نہیں رکھتا اور شیطان اس کے بہکانے سے عاجز ہوتا ہے کہ دنیا کی طرف آکر اس کو بہکاوے تو اس کی اطاعت نہیں کرتا اس لیے دین کی راہ سے اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ خلق خدا پر رحمت کر اور ان کے دین کے بچانے کے واسطے ان کو نصیحت کر اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو بھی بلا اس وقت بندہ

رحمت کی نظر سے جو لوگوں کو دیکھتا ہے ان کو اپنے کاموں میں سرگرداں اور پریشاں اور دین میں بہرے اور اندھے
پاتا ہے مرض سب پر غالب ہے اور ان کو خبر نہیں نہ کوئی طبیب ہے کہ ان کا علاج کرے سب مرنے کے قریب
ہیں اس حال کے دیکھنے سے اس کو رحم آتا ہے کیونکہ اس کے پاس وہ دوائے معرفت ہے جس سے ان کو راہ راست
پر لا سکتا ہے اور ان کی گمراہی ظاہر کر کے راہ سعادت بتلا سکتا ہے اور اس بتلانے میں کچھ محنت و مشقت بھی نہیں نہ
کچھ دینا پڑے پس اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کسی کو بڑا مرض ہو جس کی تکلیف کی برداشت نہ کر سکے اور اس کے
مارے رات بھر بے چین اور دن بھر بے قرار رہے کھانا پینا حس و حرکت شدت درد کے سبب کچھ نہ
کر سکے اور اس کے علاج کو آسان چٹکلا بے دام اور بے محنت کا ہاتھ لگ جاوے جس کے کھانے میں تلخی بھی نہ ہو
اور اس کو استعمال کر کے اچھا ہو جاوے رات کو اچھی طرح سونے لگے اور دن کو آرام و آسائش سے رہے سب
کدورت مبدل بصفا ہو جاوے اور تندرستی کی لذت بعد اس تکلیف کے کام جان میں پہنچنے لگے پھر وہ شخص بہت
سے اپنے ہم جنسوں کو دیکھے کہ ان کو بھی وہی مرض ہے جو اس کو تھا اور وہ بھی رات بھر جاگتے ہیں اور مضطرب
رہتے ہیں اور آہ آہ کرتے گذرتی ہے تو جو دوا اس نے اپنی کی تھی وہی یاد آ جاوے اور کہے کہ میں ان کو بہت سہل
تدبیر سے چند روز میں اچھا کر سکتا ہوں اور زحمت اور مشقت کے مارے ایک دم کی تاخیر ان کے علاج میں نہ
کرے ایسا ہی بندہ مخلص جب راہ راست پر پہنچ جاتا ہے اور امراض دلی سے شفا پاتا ہے اور لوگوں کو دیکھتا
ہے کہ ان کے دل مریض ہیں اور علاج نہایت مشکل کہ طبیب اس سے عاجز ہیں اور یہ ہلاک و تباہ ہوا چاہتے
ہیں اور مجھ کو ان کا علاج کرنا سہل ہے تو خود بخود اس کی ذات میں سے ایک پکا ارادہ ان کی نصیحت کرنے کا پیدا ہوتا
ہے اور اس بات پر شیطان اور اشتعال دیتا ہے کہ شاید اسی بہانے اس کو لے ڈوبے جب وہ شخص نصیحت
میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان کا منصوبہ بن پڑتا ہے کہ اول اس کو ریاست کی طرف بلاتا ہے مگر نہایت پوشیدہ
کہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہو اور اس شخص مخلص کو خبر نہ ہونے پاوے جب یہ سلسلہ جنبانی دل میں اس کے
ہونے لگتی ہے تو پھر بناوٹ اور زینت کی طرف بلاتا ہے کہ اچھے اچھے الفاظ اور نغمات اور حرکات استعمال
کرنے چاہئیں اور لباس و صورت میں تکلف کرنا چاہئے جب ان باتوں پر لا ڈالتا ہے تو آدمی اس پر ہجوم کرتے ہیں
اور اس کی توقیر و تعظیم بادشاہوں سے بھی زیادہ کرتے ہیں کیونکہ اپنے امراض کا شافی اس کو جانتے ہیں کہ صرف
زحمت اور مشقت کے باعث بے طمع علاج کرتا ہے اسی واسطے اس کو ماں باپ اور اقارب سے بھی زیادہ
محبوب جانتے ہیں اور اپنے مال و تن سے اس کی خدمت مقدم سمجھتے ہیں اور اس کے سامنے مثل نوکر و غلام کے ہو
جاتے ہیں اور محفلوں میں سب پر ترجیح دیتے ہیں اور بادشاہوں اور سلاطین سے زیادہ مانتے ہیں اس معاملے سے
اس کی طبیعت پھول جاتی ہے اور نفس کو وہ راحت و لذت ملتی ہے کہ اس کا کیا کہنا ہے اس کے سامنے سب لذتیں
گرد جانتا ہے پس باوجود ترک دنیا کے اس کے سب سے بڑی لذت میں جا پڑتا ہے اس وقت شیطان موقع پا
کر اپنا ہاتھ اس کے دل کی طرف بڑھا دیتا ہے اور اس کو ایسے ہی کام میں لگاتا ہے جس میں وہ لذت باقی رہے اور

نفس کے شیطان کی طرف جھکنے کی پہچان یہ ہے کہ اگر مثلاً کسی بات میں اس شخص سے غلطی ہو جاوے اور لوگوں کے سامنے کوئی اس پر انکار و اعتراض کرے تو غصہ کرے گا اور اگر دل میں اس غصے کو برا سمجھے تو فوراً شیطان سوجھاتا ہے کہ یہ غصہ اللہ کے واسطے ہے کیونکہ اگر مریدوں کا اعتقاد تجھ پر درست نہ ہو گا تو خدا کی راہ سے علیحدہ ہو جاویں گے اسی سے مغالطہ کھا جاتا ہے اور کبھی اس دھوکے کے سبب سے غیبت کرنے لگتا ہے یعنی جس شخص نے اعتراض کیا تھا اس کی غیبت کرتا ہے جو حرام ہے حالانکہ اس کے کہنے کے واسطے الفاظ حلال بہت سے ہیں ان کو نہیں کہتا اور کبر میں مبتلا ہو جاتا ہے جو امر حق سے اعراض کرنے اور اس پر مشکور نہ ہونے کا نام ہے اور پہلے خطرات سے بھی احتراز کرتا تھا اسی طرح اگر کسی موقع پر ہنس پڑتا ہے یا بعض وظائف میں سستی کرتا ہے تو نفس کو اضطرار ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو جاوے اور میری توقیر جاتی رہے اس خیال سے استغفار کرتا ہے اور اونچی اونچی سانس لیتا ہے اور کبھی اعمال و وظائف ان کے دکھلانے کو بڑھا دیتا ہے اور شیطان دل میں ڈالتا ہے کہ یہ باتیں تو اس واسطے کرتا ہے کہ لوگ خدا کی راہ سے سستی نہ کریں اور تیرے اس عمل کے چھوڑنے سے کہیں وہ بھی نہ چھوڑ بیٹھیں حالانکہ سب یہ فریب اور دھوکا ہے اصل میں نفس کا اضطراب تلف ریاست کے خوف سے اس بات کا موجب ہوا ہے اور اسی جہت سے اگر لوگ کسی اس جیسے دوسرے شخص کی خطا یا قصور پر واقف ہوں تو کچھ درد نہیں آتا بلکہ اس کو اچھا سمجھتا ہے اور خوش ہوتا ہے اور اگر اس کے ہمسروں میں سے کسی کی طرف لوگوں کے دل مائل ہوں اور اس کے کلام کی تاثیر اس کی نسبت زیادہ ہو تو اس پر نہایت شاق گزرے پس اگر اس کو شوق و لذت ریاست نہیں تو دوسرے کے ہونے کو غنیمت نہیں جانتا اس لیے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے چند یاروں کو کنوئیں میں گرا ہوا دیکھے اور اس کے منہ پر کوئی سل رکھی ہو جس کے سبب وہ اوپر نہ نکل سکتے ہوں اور یہ شخص در د و رحم کے باعث وہاں آوے تاکہ پتھر کو سرکا کر اپنے یاروں کو نکالے اور اکیلے اس کا سرکانا مشکل ہے اب اگر کوئی دوسرا شخص آ کر اس کی مدد کرے کہ اس پتھر کا ہٹانا اس پر سہل ہو جاوے یا خود وہ شخص اپنے آپ تنہا اس کو ہٹا وے تو اس شخص کو بہت خوش ہونا چاہیے کیونکہ اس کی غرض تو یہی تھی کہ اپنے یاروں کو اس قید سے نجات ہو جاوے وہ حاصل ہو گئی اسی طرح نصیحت کرنے والے کی غرض اگر یہی ہے کہ مسلمان لوگ دوزخ سے بچیں تو جو شخص اس امر میں اس کا معین و مددگار ہو یا خود ہی کفیل اس غرض کا ہو تو برا نہ ماننا چاہیے بالفرض اگر سب اپنے آپ ہی ہدایت پر آ جاتے تو کیا برائی تھی اب اگر دوسرے کے سبب سے راہ سیکھا تو کیوں برا مانتا ہے غرضکہ شیطان کے فریب سے یہ نوبت ہوتی ہے جب یہ بات بھی آدمی میں ہو جاتی ہے تب تو شیطان دل کے بڑے بڑے گناہوں کی طرف بلاتا ہے اور اعضائے ظاہری سے فاحش خطائیں کرا کر تباہ کرتا ہے خدا بچاوے نفس کا راہ پر آ کر گمراہ ہو جانا بہت مصیبت ہے معاذ اللہ منہا اب باقی رہی یہ بات کہ نصیحت کس صورت میں درست ہے تو جاننا چاہیے کہ جب آدمی کا قصد صرف

للہ لوگوں کی ہدایت ہی ہو اور اس بات کو چاہتا ہو کہ کاش کوئی ایسا مل جاوے جو اس بات میں میرا معین و مددگار ہو یا یہ لوگ آپ ہی آپ راہ راست پر آجاویں اور لوگوں کے مال اور ثنا خوانی سے طمع بالکل قطع کر دے اور ان کی تعریف و مذمت کو یکساں جانے اور خدا کے نزدیک اگر اچھا ہے تو ان کی مذمت کی کچھ پروا نہ کرے اور اگر اس کے نزدیک سزاوار حمد نہیں تو خلق کی تعریف سے خوش نہ ہو اور سب لوگوں کو ایسی نظر سے دیکھے جیسے سادات کو یعنی کسی پر تکبر نہ کرے اور سب کو اپنے آپ سے بہتر سمجھے اس لیے کہ خاتمے کا حال معلوم نہیں یا جیسے بہائم کو دیکھتے ہیں یعنی جس طرح بہائم کو دیکھنے سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ اس کے دل میں اپنی جگہ ہو اور نہ ان کے دیکھنے کی پروا ہوتی ہے کہ وہ ہم کو کس طرح دیکھیں اور اس لیے ان کے سامنے کچھ حاجت زینت اور تکلف کی نہیں ہوتی مثلاً چوپائے کے چرانے والے کو یہ غرض ہوتی ہے کہ ان کی نگاہ بانی چور اور درندوں سے کرے یہ نہیں ہوتی کہ وہ مجھ کو تاکیں اسی طرح سالک کو چاہیے جب تک سب لوگوں کو چوپاؤں کی طرح خیال نہ کرے گا یعنی جیسا ان کا دیکھنا مقصود نہیں ہوتا ویسا ہی آدمیوں کا دیکھنا مقصود نہ جانے گا تب تک ان کی اصلاح میں مشغول ہونے سے سالم نہ بچے گا بلکہ بعض اوقات ان کو تو اصلاح پر لاوے گا اور اپنے آپ بگڑے گا جیسے شمع کہ اوروں کو روشنی دیتی ہے اور اپنے آپ جلتی جاتی ہے اب اگر کوئی کہے کہ اگر وعظ کا کہنا اسی وقت پر منحصر کیا جاوے جب واعظ کو یہ درجہ ہو جو اوپر مذکور ہوا حاصل ہو جاوے تو دنیا وعظ سے خالی ہو جاوے گی اور دل خراب ہو جاویں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ "حب الدنیا راس کل خطیئۃ"[ا] لیکن اگر لوگ دنیا کی محبت نہ کریں تو تمام عالم درہم برہم ہو جاوے اور سب کارخانے ابتر ہو جاویں اور دل اور بدن سب ہلاک ہو جاویں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا تھا کہ دنیا کی دوستی مہلک ہے اور اس کو مہلک بیان کرنے سے بہت لوگوں کے دل سے اس کی دوستی نہیں نکلے گی صرف چند لوگ اس کی محبت چھوڑیں گے جن کے چھوڑنے سے دنیا اجاڑ نہ ہو گی اسی واسطے آپ نے حق خیر خواہی بھی ادا کیا جو کچھ اس میں خطرہ تھا اس کو بیان فرما دیا اور اس کے چھوڑ دینے کے خوف و خطرے کے ذکر کو ترک نہیں فرمایا کیونکہ اس بات پر اعتماد کلی تھا کہ اس کے شہوات مہلک جو خدائے تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مسلط کر رکھے ہیں وہ ان کو کشاں کشاں دوزخ کی طرف لے آویں گے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول سچا ضرور ہو گا[۲] ولکن حق القول منی لاملان جہنم من الجنۃ والناس اجمعین جب یہ صورت ہے تو وہ واعظوں کی زبان ریاست کی محبت کے باعث کبھی بند نہ ہو گی اور اگر کوئی ان سے کہے کہ وعظ محبت ریاست کے لیے حرام ہے اس کے کہنے سے وعظ ترک نہ کریں گے جیسے تمام لوگ خواری اور زنا اور چوری اور ریا اور ظلم اور دوسرے گناہ نہیں چھوڑتے حالانکہ خدا اور رسول کا فرمانا برابر سنتے ہیں کہ یہ سب گناہ حرام ہیں پس آدمی کو اپنے نفس کا خیال چاہیے لوگوں کی فکر اپنے آپ کو کیا ضرور ہے بقول شخصے کہ قاضی

ا؎ دنیا کی محبت ہر ایک خطا کی جڑ ہے ۱۲ بیہقی در شعب بروایت حسن مرسلات ۲؎ لیکن ٹھیک پڑی میری بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھی ۱۲

جی کیوں دبلے کہ شہر کے اندیشے سے اللہ تعالیٰ کے کارخانے عجیب ہیں ایک آدمی کو یا چند آدمیوں کو بگاڑ کر بہت سے لوگوں کی اصلاح کرتا ہے اور خود فرماتا ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو ایسے لوگوں سے تقویت دے گا جن کو کچھ بہرہ دین میں نہ ہو پس یہ خوف البتہ ہے کہ عبرت و وعظ کے قبول کرنے کی راہ بند ہو جاوے مگر یہ بات کہ واعظ باعث ریاست اور محبت دنیا کو مدنظر نہ رکھیں یا وعظ گوئی سے بدون اس محبت ریاست کے اپنی زبانیں روک لیں یہ کبھی نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی سالک اس فریب شیطانی سے واقف ہو کر اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو اور وعظ چھوڑ دے یا وعظ کہے اور صدق و اخلاص کی شرطیں اس میں ملحوظ رکھے تب بھی اسے ایک بہت بڑا خوف درپیش ہے اور وہ یہ ہے کہ شیطان اس وقت اس سے کہتا ہے کہ تو نے مجھ کو تھکا دیا اور اپنی ذکا اور عقل کے کمال کے باعث مجھ سے بچ گیا بہت سے اولیا اور اکابر میرے قابو میں آگئے مگر تو میرے ہاتھ سے نکل گیا تو بڑا ہی صابر ہے اور خدا کے نزدیک تیرا بڑا رتبہ ہے اس لیے کہ تجھ کو اتنی قوت دی کہ مجھ کو مغلوب کر لیا اور جو جو چھل میں نے تجھ پر چلائے سب تو سمجھ گیا پس سالک یہ بات شیطان کی سن کر سچ جانتا ہے اور غرور سے بھاگ کر عجب میں جا پڑتا ہے تو اپنے نفس پر عجب کرنا نہایت درجے کا مغالطہ ہے اور یہی سب میں بڑا مہلک ہے اور سب گناہوں سے زیادہ اسی واسطے شیطان کا مقولہ ہے کہ اے ابن آدم اگر تو یہ گمان کرے کہ اپنے علم سے مجھ سے چھوٹ گیا تو جان لے کہ جہالت سے میرے پھندے میں آپڑا پس اگر کوئی اپنے نفس پر عجب بھی نہ کرے اور شیطان کے دھوکے میں نہ آوے اور جانے کہ یہ رتبہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے میری طرف سے نہیں اور مجھ جیسا شخص شیطان کے دفع پر قادر نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ توفیق الٰہی اور اس کی مدد شامل حال ہو اس لیے کہ نفس انسانی نہایت ضعیف اور عاجز اور اقل قلیل ہے جب اس سے ایسا بڑا کام معلوم ہوا تو ظاہر ہے کہ یہ اپنے آپ اس پر قادر نہیں ہوا بلکہ خدائے تعالیٰ کی مدد سے ہوا تو باوجود اس جاننے کے بھی ایک اور خوف اس کو باقی ہے وہ یہ کہ کہیں خدا کے فضل پر مغرور ہو کر اس کے کرم پر تکیہ نہ کر بیٹھے اور اس کے عذاب سے مامون نہ ہو جاوے اور گمان کرنے لگے کہ میں آگے کو بھی ایسا ہی رہوں گا اور کسی طرح کے فتور و انقلاب سے خوف نہ کرے یعنی صرف خدا کے فضل پر تکیہ رکھے اور اس میں خوف و عذاب نہ ملاوے اور چونکہ جو شخص خدائے تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف رہتا ہے وہ قطعاً زیان کار ہوتا ہے اس لیے ایسے شخص کو مناسب یہ ہے کہ اول تو یہ سب باتیں مذکورہ بالا خدا کے فضل سے سمجھے پھر اپنے نفس پر اس بات کا خوف کرتا رہے کہ کہیں کوئی صفت ذمیمہ دل کے صفات سے مثل محبت دنیا اور ریا اور بد خلقی اور مغالطے وغیرہ سے مجھ سے دور ہونے کو رہ نہ گئی ہو اور میں اس سے غافل رہا ہوں اور اس بات کا خوف ہر دم رکھے کہ کہیں یہ حال جو اب حاصل ہے چھن نہ جاوے اور کسی وقت خدا کے عذاب اور خاتمے کے اندیشہ سے غافل نہ رہے اور یہ اندیشہ ایسا ہے کہ اس سے چھٹکارا اور نجات بدون

اور اگر دفع نہ کرا دے اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو خراب ہو جائے ملک ۱۲

پل صراط کے اترے نہیں ملتی چنانچہ روایت ہے کہ شیطان کسی پر اولیاء اللہ میں سے ان کی نزع کے وقت کہ کچھ سانس ان کا باقی تھا ظاہر ہوا اور کہا کہ میاں صاحب تم مجھ سے نکل گئے انہوں نے فرمایا کہ ابھی تک تو نہیں نکلا یعنی خاتمہ بخیر ہولے تو یقین مجھ سے بچنے کا ہو اور اسی لیے اکابر فرماتے ہیں کہ آدمی سب تباہ کار ہیں مگر عالم اور عالم بھی سب ہلاک ہونے والے ہیں مگر عامل اور عامل بھی سب ایسے ہی ہیں مگر مخلص اور مخلص بھی بڑے خطر پر ہیں اس قول سے معلوم ہوا کہ مغرور سب تباہ کار ہیں اور مخلص جو غرور سے بھاگتے ہیں وہ بھی خطرے پر ہیں اسی جہت سے خوف و احتیاط اولیاء اللہ کے دل سے کبھی جدا نہیں ہوتی اور چونکہ اعتبار خاتمے پر ہے اس لیے خدائے تعالیٰ سے ہم دعا مانگتے ہیں کہ حسن خاتمہ نصیب فرماوے۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ جلد ثالث تمام ہوئی اس کے بعد جلد رابع کا باب توبہ انشاء اللہ شروع ہوگا۔

تاریخ ختم ترجمہ جلد ثالث از مترجم !

ہوا جب کہ آوازۂ ختم ہر سو	❊	تو دل کو ہوئی فکر تاریخ نیکو
بت ہے طبع احسن کو فوراً	❊	کیا بہر تعمیل ایمائے ابرو
کہا اس نے تو ترجمہ سے ہو فارغ	❊	یہ تاریخ لکھ جلد ثالث بارمرو
۱۲۸۱ ۱۲۸۱	❊	۱۲۸۱ ۱۲۸۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا ۵

امام اعظم ابو حنیفہؒ

یہ کتاب امام اعظمؒ کی زندگی پر اُردو میں ایک جدید ریسیرچ ہے جسے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مدنی دارالافتاد بجنور نے پانچ سال کی انتھک محنت سے ترتیب دیا ہے۔ مشاہیر ہندوستان نے اس کتاب کو ہر اعتبار سے سراہا ہے اور اردو زبان میں اس موضوع پر چھپنے والی تمام کتب سے اسے بہتر قرار دیا ہے خود مصنف کا اس کتاب کی تصنیف کے بعد اپنے بارے میں یہ خیال ہے

غمِ عاشقی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا
ترے عشق نے بنادی میری زندگی فسانہ

اس کتاب کی معنوی خوبیوں کو مفید عام بنانے کے لئے ہم نے عمدہ طباعت اور خوبصورت جلد کے ذریعے اس کے ظاہری حُسن کو بھی دلآویز بنانے کی کوشش کی۔

مشکوٰۃ المصابیح مترجم

۳ جلدیں

حدیث شریف کی گیارہ کتابوں سے ایک جامع انتخاب جو اپنے مضامین کے اعتبار سے اسلامی زندگی گزارنے کے لئے ہر پہلو سے رہنمائی کرتا ہے۔ اور اپنی اسی جامعیت کی بنا پر اپنی تدوین کے روزِ اول سے ہی ہر حلقہ فکر اور معاشرے کے ہر طبقہ میں یکساں طور پر مقبول رہا ہے۔ پاکستانی معاشرے کی ضرورت کے پیش نظر ہم نے اس متاع بے بہا کو سلیس اور رواں اُردو میں پیش کیا ہے عمدہ کتابت و طباعت سے مزین تین جلدوں میں محفوظ ہے۔

اخلاق اور فلسفۂ اخلاق

دو طاقتیں آپس میں ہمیشہ سے برسرپیکار رہی ہیں۔ ایک اچھائی دوسری بُرائی۔ ان دونوں کی باہمی جنگ کبھی ختم نہیں ہوئی۔ ہر دور میں دنیا کے کچھ لوگ ایک قوت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور کچھ دوسری قوت کے ساتھ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی یہ کتاب اچھائی کے علمبرداروں کی مددگار رہے اُن کے ہاتھ میں یہ کتاب ایک ایسا ہتھیار ہے جو بُرائی کے خلاف ہر میدان میں اُن کے کام آسکتا ہے ہم نے اس ہتھیار کی سج دھج کو دلآویز بنا دیا ہے۔

حیات شیخ عبدالحق محدّث دہلوی

مصنفہ خلیق احمد نظامی

اکبری دور کے ملحدانہ نظریات کی رو میں جاہ پرست علماء کے پاؤں ڈگمگا گئے تھے۔ علماؤں کی وجہ سے دین میں رخنے پڑ رہے تھے اور مذہب کی بنیادیں کھوکھلی کی جارہی تھیں۔ یہ شیخ مرحوم کی ہمت اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں علم حدیث کو فروغ حاصل ہوا۔ حضرت شیخ کی تحریک نے اسوۂ رسول کو عملی پروگرام کی حیثیت سے پیش کیا اور مسلمانان ہند کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درس حدیث کے ذریعے مستحکم کردیا علی گڑھ یونیورسٹی کے پروفیسر جناب خلیق احمد نظامی کی یہ کتاب ان ہی شیخ عبدالحق کی ملی خدمات کا مرقع ہے۔